



تفسیر ابن کثیر جلد سوم

تالیف

مفسر قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
علامہ محمد الطاف حسین الازہری

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء الامت، بھیر شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور کراچی پاکستان

چاند کتاب محل ڈسکہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

تفسیر ابن کثیر، جلد سوم	نام کتاب
حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ	مفسر
ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ	ترجمہ متن
علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری	مترجمین
علامہ محمد الطاف حسین الازہری	
من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف	
قاری اشفاق احمد خان، محمد انور سعید	زیرنگرانی
اپریل 2004ء	اشاعت
ایک ہزار	تعداد
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور	ناشر
1Z385	کپیڈ کوڈ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس: 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس: 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست

77	مشرکین کے دلوں پر پردہ اور کانوں میں گرانی ہے	9	تفسیر سورۃ اسراء
79	کفار کے وقوع قیامت کے انکار کی تردید	9	قصہ اسراء و معراج
82	ابلیس کا سجود آدم سے انکار	9	اسراء کے متعلق مروی احادیث
92	نکرمیم بنی آدم	44	تورات بنی اسرائیل کیلئے باعث ہدایت
93	روز قیامت لوگ اپنے اپنے امام کے ساتھ	45	بنی اسرائیل کی فساد انگیزی اور اس کے تباہ کن نتائج
96	مقام محمود کیا ہے	47	انسان جلد باز ہے
107	روح کے متعلق بحث	47	لیل و نهار کے فوائد
110	دفن قریش بارگاہ نبوت میں	49	نامہ اعمال
118	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی نو آیات کیا ہیں	50	کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا
125	تفسیر سورۃ کہف	52	کفار کے بچوں کا ٹھکانہ کیا ہوگا؟
129	اصحاب کہف کا قصہ	58	مترقبین کا فسق و فجور
147	دو باغات کے مالک کا واقعہ	59	حضرت نوح علیہ السلام کے بعد والی تو میں
150	دنیاوی زندگی کی ایک مثال	59	آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے والے کی ہلاکت
151	باقیات صالحات سے کیا مراد ہے	61	اللہ تعالیٰ کی عبادت اور والدین کے ساتھ احسان کا حکم
153	قیامت کی ہولناکی کا بیان	64	فضول خرچی کی مذمت
	حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام کی	65	انفاق میں میانہ روی
163	معیت میں	67	قتل اواد کی ممانعت
177	ذوالقرنین کا قصہ	68	زمانہ کے قریب تک نہ جاؤ
182	یا جوج ماجوج	69	باحق قتل کی ممانعت
192	شرک اور پوشیدہ شہوت	70	یتیم کے مال میں تصرف
194	تفسیر سورۃ مریم	71	نکمر کی مذمت
	حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی	74	ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے

302	تفسیر سورۃ انبیاء	196	نوید
302	قیامت بالکل قریب ہے	200	حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ
306	بقائے اسحٰق کا قانون	206	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت
310	اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے کچھ دلائل	214	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت پرستی سے بیزاری
320	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی بت شکنی کا قصہ	217	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر
326	حضرات داؤد و سلیمان علیہما السلام اور کھیتی کا قصہ	218	حضرت اسمعیل علیہ السلام کی صفات عالیہ
330	حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش کا اختتام	220	حضرت ادریس علیہ السلام کی رفعت کا ذکر
334	زوکھفل کون تھے	222	انبیائے کرام کے بعد ناخلف لوگ
337	حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ	225	ملائکہ حکم ربی کے پابند ہیں
339	حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا	230	پل صراط پر سے گزرنا
342	خروج یا جوج و ما جوج	236	متقین اعزاز و اکرام کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے
346	معبودان باطلہ جنہم کا بندھن	240	اہل ایمان محبت کے مستحق
348	آسمان کو کیسے لینا جائے گا	243	تفسیر سورۃ طہ
349	حضور ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں	243	قرآن کریم باعث مشقت نہیں
354	تفسیر سورۃ حج	244	تحت المثری کیا ہے
356	زلزلہ قیامت کی ہولناکیاں	246	حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں
357	جنہیوں کا تناسب	247	اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی
358	آغاز آفرینش سے اعادہ حیات پر دلیل	253	حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں
365	ہر چیز بارگاہ خداوندی میں سجدہ کناں	257	آپ علیہ السلام کی مدین آمد کا قصہ
367	جنہیوں کی حالت زار کا بیان	261	فرعون اور چارو گروں سے مقابلہ
369	جنتیوں کی عزت افزائی	262	فرعون بنی اسرائیل کے عقاب میں
373	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان حج	263	سامری اور پھڑا
374	حج کے دینی و دنیاوی فوائد	277	قیامت کی ہولناکیوں کا بیان
378	شعائر کی تعظیم	294	حضرت آدم و حوا جنت سے زمین پر
381	قربانی کا اصل مقصد و تقویٰ ہے	296	ذکر الہی سے منہ موڑنے والے کی سزا
395	غرائق کا قصہ		

جلد سوم	5	تفسیر ابن کثیر
504	404	بتوں کی بے بسی کی ایک مثال
508	406	جہاد کا حکم
511	409	تفسیر سورہ مومنون
517	409	اہل ایمان کی صفات
517	413	تخلیق انسانی کی کیفیت
519	418	حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ
530	422	حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام
533	423	انبیائے کرام کو اکل حلال کا حکم
545		مشرکین کی قرآن پاک میں غور و تدبر نہ کرنے پر
556	429	مدت
558	439	قریب الموت کافر کی حالت زار
562	440	نسخہ صورت
566	444	دنیا میں کتنا عرصہ ٹھہرے؟
	447	تفسیر سورہ نور
568	447	حد زنا
573	453	لعان کے احکام
575	457	قصہ اقلب
578	470	بدکاری کی تہمت لگانے کی سزا
581	472	طلب اذن کا حکم
582	477	عفت و پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم
589	478	پردہ کا حکم
594	481	کن اشخاص پر اظہار زینت جائز ہے
594	483	نکاح کا حکم
597	487	اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال
599	491	مساجد کی تعمیر و تعظیم
600	497	کفار کے اعمال کی مثال
		اہل ایمان کے ساتھ خلافت ارضی کا وعدہ
		اقارب کیلئے طلب اذن کے تین اوقات
		رفع حرج کیا ہے؟
		تفسیر سورہ فرقان
		تنزیل فرقان
		کفار کی بلا جنت ہٹ دھری
		آسمان پھٹ جائے گا
		تذکرہ نزول قرآن کی حکمت
		عباد الرحمن کی صفات
		تفسیر سورہ شعراء
		حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ
		جادو گروں کے ساتھ مقابلہ
		لشکر فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں
		حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی بت پرست قوم کا قصہ
		قوم نوح علیہ السلام کی آپ علیہ السلام کو دھمکی
		حضرت ہود علیہ السلام کا وعظ
		قوم ثمود کی بٹ دھری
		قوم لوط کا عبرتناک انجام
		اصحاب الایکہ کون تھے
		قرہبی رشتہ داروں کو انذار کا حکم
		چوری چھپا آسانی فیصلے سننے والے شیاطین
		شعراء کی مدت
		اس حکم سے استثناء
		تفسیر سورہ زمل
		حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونا

69	رب کی طرف ہجرت	603	حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم الشان بادشاہت
	نبوت و کتاب ذریت ابراہیم علیہ السلام میں ودیعت	608	بدد اور ملکہ بلقیس
691	کردی گئی	612	بلقیس کا تخت
693	حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی نانا نجا قوم کا قصہ		بلقیس کی حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں
694	چند گزشتہ قوموں کی بربادی کا ذکر	614	حاضری
697	معبودان باطلہ کی پرستش میں کفار کی مثال	618	قوم شمود کے سرکش رو ساہوکی سازش
698	نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے	620	حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ
699	احسن طریقہ سے جدال	523	مجبور کی پکار کون سنتا ہے؟
701	قرآن کریم اللہ تعالیٰ ہی کا نازل کردہ ہے	631	خروج و اہب
704	مشرکین عذاب کیلئے بہت بے تاب ہیں	635	لغ صورت
705	ہجرت کا حکم	639	تفسیر سورہ قصص
709	قریش پر احسان	639	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون
710	تفسیر سورہ روم	645	حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں
710	غلبہ روم کی پیشین گوئی	652	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصروفی
717	اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت پر دلائل	664	ہدایت اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے
724	مشرکین کیلئے ایک مثال کا بیان	666	سرکش قوموں کی ہلاکت
725	تمام لوگوں کو فطرت پر تخلیق کیا گیا	672	قارون اور اس کا انجام بد
728	لوگوں کی دورخی کا بیان	679	اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو معاد کی طرف لوٹانے کا
730	بر و بخر میں فساد کیا ہے	681	تفسیر سورہ عنکبوت
732	ہوائیں باعث رحمت بھی اور باعث زحمت بھی	681	آزمائش شرط ہے
740	تفسیر سورہ لقمان	682	والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم
740	لہو الحدیث سے کیا مراد ہے	684	کفار کے زعم باطل کی تردید
743	حضرت لقمان کون تھے	686	حضرت نوح علیہ السلام اور طوفان
745	حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت	687	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کی مذمت کرنا
756	اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے	688	اثبات معاد کے دلائل
760	غیب خمسہ کا بیان	689	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف قوم کی سازش

828	کناح کے بارے میں حضور ﷺ کے امتیازات	764	تفسیر سورۃ السجدہ
835	آیت حجاب	767	روز قیامت مجرم سرنگوں ہوں گے
839	حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کا حکم	768	اہل ایمان کی صفات
840	صلوٰۃ و سلام کے احکام اور فضیلت	772	مومن اور فاسق یکساں نہیں
853	مومنات کو چادریں اوڑھنے کا حکم	776	کفار کی وقوع عذاب کیلئے جلد بازی
856	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیا اذیت دی گئی	778	تفسیر سورۃ الاحزاب
858	امانت سے کیا مراد ہے	778	ایک شخص کے دودل نہیں ہو سکتے
863	تفسیر سورۃ سبأ	779	لے پالک بچے حقیقی بیٹے نہیں
866	حضرت داؤد پر کئے گئے العمامت کا تذکرہ	782	حضور ﷺ کی امت پر شفقت
868	حضرت سلیمان کیلئے ہوائیں اور جنات مسخر کر دیئے گئے۔	783	آپ ﷺ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں
870	حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا تجب خیر واقعہ	784	انبیائے کرام سے عہد و میثاق
872	قوم سبأ کا قصہ	785	غزوہ خندق
880	اللہ کے اذن کے بغیر شفاعت ممکن نہیں	794	اسوۃ حسنہ
887	بارگاہ خداوندی میں صرف ایمان اور عمل صالح مقبول ہے	794	اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی پابندی کرنے والے جو امر و
889	روز قیامت کفار کی حالت زار	797	بنو قریظہ کی عہد شکنی اور ان کا استیصال
897	تفسیر سورۃ فاطر	801	حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو اختیار دینا
901	عزت اللہ ہی کے لئے ہے	804	آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کی فضیلت
901	وقوع قیامت پر استدلال	811	قرآن کریم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر
904	اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے دلائل	814	حضور ﷺ کی اقتداء کا حکم
905	سب لوگ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں	816	حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب کا واقعہ
910	اس امت کے تین گروہوں کا بیان	819	حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں
913	جنت عدن میں اہل ایمان کی قدر وافرمانی	821	ختم نبوت کے متعلق احادیث
914	جہنم میں کفار کی ورگت و ذلت	822	کثرت ذکر کا حکم
		825	حضور ﷺ کے اوصاف عظیمہ کا تذکرہ
		827	لفظ کناح کا مفہوم اور اس کے بعض احکام

922	تفسیر سورہ یٰسین
924	کفار کیلئے انذار اور عدم انذار یکساں ہے
927	اصحاب قریہ کا قصہ
940	مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت کی دلیل
941	اہل جنت کے مقام کا ذکر
943	مؤمنوں پر مہر گاوی جائے گی
945	شعر گوئی حضور ﷺ کے شایان شان نہیں

سورۃ بنی اسرائیل (مکیہ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل، کہف اور مریم اول نازل ہوئے والی بڑی فضیلت اور شرف کی حامل سورتوں میں سے ہیں اور یہ میرا قدیم جمع شدہ سرمایہ ہیں (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی مسلسل روزے رکھتے یہاں تک کہ ہم (اپنے دل میں) کہتے کہ آپ ﷺ کبھی بھی روزے ترک نہیں کریں گے اور بعض اوقات آپ ﷺ روزے نہ رکھتے یہاں تک کہ ہمیں خیال گزرتا کہ آپ ﷺ روزے نہیں رکھیں گے اور آپ ہر رات سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ زمر کی تلاوت کرتے (2)۔

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَنَى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ
حَوْلَهُ لِنُرْيَاهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ①

” (ہر صبح سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا۔“

اللہ تعالیٰ اپنی ذات القدس کی عظمت اور رفعت شان کو بیان فرما رہا ہے کیونکہ اسے ایسے امور کی انجام دہی پر پوری پوری قدرت حاصل ہے جن پر کوئی اور قادر نہیں، نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ بند، وہی ذات ہے جس نے رات کے قلیل حصہ میں اپنے پیارے بندے حضرت محمد ﷺ کو مکہ شریف میں موجود مسجد حرام سے اہلیاء کی مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک سیر کروائی جسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے عہد سے انبیاء کرام علیہم السلام کے مرکز ہونے کا شرف حاصل رہا، اس لئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام وہاں آپ ﷺ کی خاطر جمع کئے گئے اور آپ ﷺ نے انہی کے مسکن اور گھر میں ان سب کی امامت فرمائی۔ یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ ﷺ ہی امام اعظم اور ربیب مقدم ہیں۔

اس مسجد کے گرد و نواح میں ہم نے کھیتوں، پھولوں، پھولوں اور باغات کے ذریعے برکتیں رکھ دی ہیں۔ اس سیر کا مقصد یہ تھا تاکہ ہم اپنے رسول محترم ﷺ کو اپنی قدرت کی عظیم نشانیاں دکھائیں جیسا کہ فرمایا: لَنَقُذِّرَ أَيَّ مَنٍ أَلَيْتَ سَأَلُ الْكُفْرَى (النجم: 18) ”یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں“۔ ہم عنقریب اس کے متعلقہ احادیث کا تذکرہ کریں گے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ یعنی اللہ تعالیٰ بلاشبہ مومن اور کافر، قہد بقی کرنے والے اور تکذیب کرنے والے تمام بندوں کی باتوں کو خوب سننے والا ہے اور انہیں اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اس لئے وہ دنیا و آخرت میں ہر ایک کو وہی عطا کرے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

معراج کی بابت احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ معراج کی رات جب آپ ﷺ کو کعبہ شریف سے سیر کے لئے بلا یا گیا تو

اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی کی جائے، تین فرشتے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اس وقت مسجد حرام میں سو رہے تھے۔ ان میں سے پہلے فرشتے نے کہا کہ یہ ان سب میں سے کون ہیں؟ درمیان والے فرشتے نے جواب دیا کہ یہ سب میں بہتر ہیں۔ آخری فرشتہ کہنے لگا: پھر انہیں لے چلیں۔ اس رات تو بس یہی ہوا، پھر وہ فرشتے آپ ﷺ کو دکھائی نہیں دیئے۔ یہاں تک کہ ایک اور رات دو آپ ﷺ کے پاس آئے، اس وقت بھی آپ سو رہے تھے لیکن سونا ایسا تھا کہ آپ کی آنکھیں سوئی ہوئی تھیں اور دل جاگ رہا تھا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے کہ ان کی آنکھیں سوئی ہیں لیکن دل بیدار رہتے ہیں۔ اس رات انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کوئی گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو اٹھا کر چاہ زمزم پر لے آئے۔ جبریل علیہ السلام نے بذات خود گردن تک آپ کا سینہ مبارک چاک کیا اور آپ کے سینے اور پیٹ کی تمام چیزوں کو نکال کر اپنے ہاتھ سے زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا اور آپ کے پیٹ کو خوب صاف اور شفاف کر دیا۔ پھر سونے کا ایک ٹشت لایا گیا جس میں ایمان و حکمت سے لبریز سونے کا ایک پہالہ تھا اسے آپ ﷺ کے سینہ اقدس اور حلق کی رگوں میں اندھیل دیا، پھر آپ ﷺ کے سینہ کو درست کر دیا۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر آسمان دنیا کی طرف محور واز ہوئے، وہاں پہنچ کر آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر دستک دی تو آسمان کے فرشتوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ فرشتوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو فرشتے کہنے لگے: ہم آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہیں۔ فرشتے آپ ﷺ کی زیارت سے انتہائی سرور ہوئے۔ جب تک اللہ تعالیٰ فرشتوں کو آگاہ نہ کر دے اس وقت تک انہیں ان امور کا علم نہیں ہوتا جن کا زمین میں اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ آسمان دنیا میں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ یہ آپ کے باپ آدم ہیں، انہیں سلام کہنے چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سلام کا جواب دیا اور کہا: اے میرے پیارے بیٹے! مرحبا، خوش آمدید، آپ میرے نہایت اچھے بیٹے ہیں۔ آسمان دنیا میں آپ ﷺ نے دو جاری نہریں دیکھیں تو دریافت کیا: "اے جبریل علیہ السلام! یہ کون سی نہریں ہیں؟" جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ نیل اور فرات کا عنصر اور اصل ہیں۔ پھر آسمان میں آگے چلے تو وہاں ایک اور نہر دکھائی دی جس پر موتیوں اور زمرد کے محلات بنے ہوئے تھے اور اس کی مٹی خالص کستوری تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟" جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے جسے آپ کے رب نے آپ کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ کو لے کر دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ وہاں پہنچے تو پہلے آسمان کے فرشتوں کی طرح یہاں کے فرشتوں نے بھی پوچھا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ فرشتے کہنے لگے کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ کہنے لگے کہ کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو فرشتوں نے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا، پھر آپ کو تیسرے آسمان پر لے جایا گیا، وہاں بھی فرشتوں سے وہی بات چیت ہوئی جو پہلے اور دوسرے آسمان کے فرشتوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ پھر آپ کو چوتھے آسمان کی طرف بلند کیا گیا وہاں بھی یہی سوال و جواب ہوئے، پھر پانچویں آسمان کی طرف محور واز ہوئے، وہاں کے فرشتوں نے بھی اسی طرح کی گفتگو کی، پھر آپ ﷺ کو ساتویں آسمان کی طرف رفتوں کا سفر کرایا گیا، وہاں بھی فرشتوں نے سوال و جواب کے بعد آپ کو خوش آمدید کہا۔ ہر آسمان میں انبیاء کرام جلوہ فرما ہیں جن کے اسماء گرامی آپ ﷺ کو بتائے۔ مجھے صرف یہی یاد رہا کہ دوسرے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام، چوتھے میں حضرت ہارون علیہ السلام، پانچویں آسمان والے نبی کا نام مجھے یاد نہیں، چھٹے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ساتویں

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ ہونے کے باعث انہیں یہ رفعت ملی۔ جب آپ ﷺ اس سے بھی اوپر بلندی کی طرف پرکشا ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! میرے ذمہ میں نہیں تھا کہ تو مجھ سے بھی زیادہ کسی کو بلند کرے گا۔

پھر آپ ﷺ اس سے بھی آگے ایسی بلندی پر پہنچے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔ اللہ رب العزت آپ ﷺ کے بہت زیادہ قریب ہوا، مزید قریب عطا ہوا یہاں تک کہ دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی طرف جو جوی کی اس میں یہ حکم بھی ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ کی امت پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض ہیں۔ اس کے بعد وہاں سے اتر کر جب آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو روک لیا اور پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کو کیا تاکید حکم دیا ہے؟ فرمایا: ”میرے رب نے مجھے ہر دن اور رات میں پچاس نمازوں کی تاکید کی ہے۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ آپ کی امت کے بس کی بات نہیں، لہذا آپ واپس جائیں، آپ کا رب تخفیف فرمادے گا۔

نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا آپ ان سے مشورہ طلب کر رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جناب میں پہنچے اور اپنے مقام پر ٹھہر کر عرض کی: ”اے میرے رب! تخفیف عطا فرما، کیونکہ میری امت اس کی استطاعت نہیں رکھتی۔“ پس اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں منہا کر دیں۔ پھر جب آپ ﷺ واپس پلٹے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ وہ بار بار آپ ﷺ کو رب تعالیٰ کی طرف لوٹاتے رہے یہاں تک کہ

تخفیف ہوتے ہوتے پانچ نمازیں رہ گئیں، پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کو اپنے پاس ٹھہرا کر کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس سے بھی کم حکم کی تعمیل پر آمادہ کرتا رہا لیکن وہ اس سے بھی قاصر رہے اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ آپ ﷺ کی

امت تو جسم، دل، بدن، آنکھ اور کان ہر لحاظ سے (ان سے زیادہ) ضعیف ہے، اس لئے آپ ایک مرتبہ اور اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ ﷺ اس دوران جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھتے رہے تاکہ وہ اس معاملہ میں آپ ﷺ کو مشورہ دیں۔ جبریل علیہ السلام آپ کو پھر اوپر لے گئے تو آپ ﷺ نے عرض کی: ”اے میرے پروردگار! میری امت کے جسم، دل، کان،

آنکھیں اور بدن بہت کمزور ہیں، اس لئے مزید تخفیف عطا فرما۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ نے عرض کی: ”لَيْبًا وَ مَعْدَنًا“ (میں حاضر ہوں اور ہر خدمت کی بجا آوری پر تیار ہوں)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری باتیں ناقابل تغیر ہیں، جو میں نے تم پر

فرض کر دیا ہے، اسی طرح یہ ام الکتاب (لوح محفوظ) میں مرقوم ہے۔ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ہے۔ ام الکتاب میں تو پچاس ہی ہیں لیکن آپ پر صرف پانچ فرض ہیں۔ جب آپ واپس پلٹ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا بنا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی ہے یعنی ہر نیکی پر دس گنا اجر عطا فرمایا“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نے بنی اسرائیل کو اس سے بھی ہلکے احکام پر ترغیب دلائی لیکن انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا، اس لئے آپ پھر اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹ جائیے وہ آپ

کی درخواست پر مزید کی کر دے گا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ فرماتے لگے: ”اے موسیٰ! اب تو مجھے بار بار (اس غرض کے لئے) جانے سے شرم آتی ہے۔“ کہنے لگے کہ آپ اللہ کا نام لے کر پھر نیچے (زمین پر) تشریف لے چلیں۔ اب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ مسجد حرام میں موجود تھے (1)۔ امام بخاری نے اس حدیث کو اسی طرح کتاب التوحید اور صفۃ النبی ﷺ میں روایت کیا ہے۔ یہ روایت صحیح مسلم میں بھی

کچھ کی پیشی اور تقدیم و تاخیر کے ساتھ موجود ہے۔ اسی حدیث کے راوی شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر نے اس میں اضطراب کر دیا ہے، حافظ کی کمزوری کے باعث وہ اسے ٹھیک ٹھیک ضبط نہیں کر سکتے۔ ان شاء اللہ دوسری احادیث میں اس کا بیان ہوگا۔ بعض حضرات نے اس خواب کو بعد والے واقعات کی تمہید قرار دیا ہے۔ حافظ ابو بکر بتیہ نے شریک کی بیان کردہ حدیث کے ان الفاظ کو کہ ”اللہ تعالیٰ قریب ہوا، مزید قریب ہوا یہاں تک کہ دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی نزدیک“ شریک کا اضافہ قرار دیا ہے جس میں وہ منفرد ہیں۔ یہ اس شخص کے مسلک کے موافق ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ حضرات عائشہ، ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا (سورہ نجم کی) ان آیات کو اس بات پر محمول کرنا کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا، زیادہ صحیح ہے (1) اور اس مسئلہ میں امام تہجدی کا قول حق ہے کیونکہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ آپ نے فرمایا: ”نُودُ اُنِّي اُذَا“ (وہ نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے: ”رَأَيْتُ نُودًا“ (2) (میں نے نور دیکھا)۔ سورہ نجم کی آیت ”دَنَا فَذَلَّلِي“ سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی اس آیت کی اس تفسیر میں ان تینوں کا مخالف دکھائی نہیں دیتا (3)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس براق لایا گیا، یہ گدھے سے بڑا اور فخر سے چھوٹا سفید رنگ کا جانور تھا، جہاں نظر پڑتی وہاں اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا، وہ مجھے لے کر محو سفر ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا۔ وہاں میں نے اپنی سواری کو اس حلقہ کے ساتھ باندھ دیا جہاں انبیاء کرام باندھا کرتے تھے۔ پھر میں نے مسجد میں داخل ہو کر در رکعت نماز ادا کی۔ وہاں سے نکلا تو جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لائے، میں نے دودھ کو پسند کیا تو جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے فطرت کو پالیا، پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر آسمان دنیا کی طرف بلند ہوئے، انہوں نے دروازہ کھلوا دیا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے فرمایا: جبریل علیہ السلام، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد (ﷺ)۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا کہ آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی، پھر دوسرے آسمان پر پہنچ کر جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانا چاہا تو ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں دو خال زاو بھائیوں

1- دلائل بطلان تازیاتی، جلد 2 صفحہ 285

2- صحیح مسلم، کتاب الامان صفحہ 161

3- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرات ابن عباس، کعب احبار، اس اور ابو ذر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حضرات عمرو بن زبیر، حسن بصری اور محمد بن مسلم اللہ ان بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ مسلم کی حدیث میں فرمایا: ”رَأَيْتُ رَبِّي بَعْضِي وَبَعْضِي“ یعنی میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں اور اپنے دل سے دیکھا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم اٹھا کر کہتے کہ آپ ﷺ نے شب معراج اپنے رب کا دیدار کیا۔ اس مسئلہ کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اثنی بار دہرائے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔ باقی جہاں تک حضرات عائشہ، ابو ہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے اس موقف کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار نہیں کیا تو ان حضرات کا یہ موقف محض قیاس اور اجتہاد پر مبنی ہے۔ اس کی تائید میں انہوں نے کوئی حدیث مرفوعہ پیش نہیں کی۔ بہر صورت اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرات بچی دیکھی علیہا السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی، پھر تیسرے آسمان کی طرف سفر شروع ہوا۔ وہاں پہنچ کر جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانے کے لئے کہا تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا کہ آپ کو بلایا گیا ہے، چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے میرا استقبال کیا اور مجھے دعائیں دیں۔ آپ کو نصف حسن عطا ہوا، پھر چوتھے آسمان پر جبریل سے پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو دعوت دی گئی ہے؟ فرمایا کہ آپ کو دعوت دی گئی ہے، پس ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں حضرت اور یس علیہ السلام کو دیکھا، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرًا عِندَ رَبِّكَ (مریم: 57) اور ہم نے انہیں بڑے اونچے مقام تک بلند کیا۔ بعد ازاں پانچویں آسمان کی طرف سفر کا آغاز ہوا۔ جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانا چاہا تو دریافت کیا گیا کہ کون؟ فرمایا، جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ سوال کیا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے استقبال کرتے ہوئے میرے لئے دعائے خیر کی، پھر چھٹے آسمان پر جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو سوال کیا گیا کہ کون ہیں؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو دعوت دی گئی ہے؟ فرمایا کہ آپ کو دعوت دی گئی ہے۔ پس ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ پھر ساتویں آسمان پر پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ پوچھا گیا کہ کون؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، وہ بیت المعمور سے نکلے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر ان کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور جھل مکھوں جیسے۔ جب اس پر امر الہی چھا گیا تو تبدیلی رونما ہو گئی، مخلوق اس کے حسن کا وصف بیان کرنے سے قاصر ہے۔ پھر جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اس نے میری طرف وحی کی اور ہر دن اور رات میں مجھ پر چچاں نمازیں فرمیں کر دیں۔ میں نیچے اتر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: ہر رات اور دن میں چچاں نمازیں۔ وہ کہنے لگے کہ وہاں اپنے رب کے پاس جاؤ اور اس سے اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کرو، کیونکہ آپ کی امت اس کی قدرت نہیں رکھتی اور میں تو نبی اسرائیل کو آزمایا بھی چکا ہوں۔ چنانچہ میں اپنے رب کی جناب میں واپس لوٹا اور عرض کی: اے میرے پروردگار! میری امت سے تخفیف فرما۔ پس پانچ نمازیں کم کر دی گئیں۔ پھر میں نیچے اترتے ہوئے جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا بنا؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ کی کمی کر دی ہے۔ کہنے لگے کہ یہ قدر بھی آپ کی امت کے بس سے باہر ہے، لہذا دوبارہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کمی کی التجا کریں۔ چنانچہ میں اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان چکر لگا تا رہا اور اللہ تعالیٰ پانچ پانچ کی کمی کرتا رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! ہر دن اور رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز کا اجر دس گنا، تو یہ پچاس ہوئیں اور جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن اسے عملی جامہ نہ پہنایا تو اس کے لئے ایک

نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اس نے وہ نیکی کر لی تو اس کا ثواب لکھ لیا جاتا ہے، جس نے برائی کا قصد کیا لیکن اس کا ارتکاب نہ کیا تو اسے نہیں لکھا جاتا، اگر اس نے اس کا ارتکاب کر لیا تو صرف ایک برائی ہی لکھی جاتی ہے۔ پھر جب میں نیچے اتر کر موسیٰ کے پاس آیا اور اس بات سے انہیں آگاہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ پھر اپنے رب کی طرف جاؤ اور اپنی امت کے لئے کئی کا سوال کرو کیونکہ آپ کی امت اس قدر بھی نہیں کر سکے گی۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ بار بار پتھر لگانے کے باعث مجھے شرم دامن گیر ہوگئی (1)۔ امام مسلم نے بھی اس حدیث کو اس سیاق سے روایت کیا ہے اور یہ شریک کے سیاق سے زیادہ صحیح ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ اس سیاق میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو جس رات مکہ سے بیت المقدس کی طرف اسراء ہوئی، اسی رات معراج بھی ہوئی (2)۔ یہی قول حق ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات آپ ﷺ کی سواری کے لئے براق لایا گیا جسے لگام اور زین ڈالی ہوئی تھی۔ براق نے شونی کی تو جبریل علیہ السلام نے اسے کہا کہ تمہیں یہ جسارت کیسے ہوئی، اللہ کی قسم! تمہ پر آپ ﷺ سے پہلے آپ ﷺ سے بڑھ کر عزت و عظمت والا کوئی شخص سواری نہیں ہوا۔ یہ سن کر براق پینہ پینہ ہو گیا (3)۔ ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب مجھے میرے رب کی طرف معراج ہوئی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے تانے کے ناخن تھے، وہ ان کے ساتھ اپنے چروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزتیں پامال کیا کرتے تھے“ (4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”معراج کی رات میرا گزر موسیٰ علیہ السلام پر ہوا جو اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے“ (5)۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھے کسی صحابی رسول ﷺ نے بتایا کہ آپ ﷺ معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے (6)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو براق پر سوار کیا گیا۔ مسجد اقصیٰ پہنچ کر آپ ﷺ نے اپنی سواری باندھ دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! آپ مجھے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں بتلائیں۔ رسول اللہ ﷺ بتانے لگے کہ یہ اس طرح ہے، یہ اس طرح ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ کو دیکھا ہوا تھا (7)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دریں اثناء کہ میں سویا ہوا تھا، جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ دیا، میں اٹھ کر ایک درخت کی طرف چل دیا جس میں پرندوں کے دو گھونسلے سے تھے۔ ایک میں جبریل علیہ السلام بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا۔ وہ درخت اس قدر پھل پھولا اور بلند ہوا کہ اس نے مشرق و مغرب کو ڈھانپ لیا۔ میں اپنی نظر ادھر ادھر دوڑا رہا تھا۔ اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا۔ میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ مرتع و بجزو نیاز بنے ہوئے تھے۔ اس سے میں جان گیا کہ انہیں معرفت الہی میں مجھ پر برتری حاصل ہے۔ میرے لئے آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا تو میں نے ایک عظیم الشان نور دیکھا اور حجاب کے پار سوتی اور یاقوت کی مسند دکھائی دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی جو اس کی

2۔ دلائل النبوة از سنن ابی جلد 2 صفحہ 385

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامان صفحہ نمبر 145-147، مسند احمد جلد 3 صفحہ نمبر 148-149

3۔ معارج الاعداء کی تفسیر سورۃ اسراء جلد 11 صفحہ 291-292، مسند احمد جلد 3 صفحہ 164

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب جلد 4 صفحہ 269-270، مسند احمد جلد 3 صفحہ 224

7۔ مسند ابی یعلیٰ جلد 7 صفحہ 126-127

5۔ صحیح مسلم، کتاب المغاٹل صفحہ 1845، مسند احمد جلد 3 صفحہ 120 6۔ مسند ابی یعلیٰ جلد 7 صفحہ 117

مشیت میں تھی (1) محمد بن عمیر بن عطار سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ گرام کے ایک گروہ میں تشریف فرما تھے کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے انہوں نے آپ ﷺ کی پیٹھ پر کرید اور آپ ﷺ کو ایک درخت کی جانب لے گئے جس میں پرندوں کے دو گھونسلے سے تھے۔ ایک میں وہ بیٹھ گئے اور دوسرے میں آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ وہ درخت بڑھتے بڑھتے اتنی تک پہنچ گیا، اگر میں اپنا ہاتھ آسمان کی طرف دراز کرتا تو اسے چھو لیتا۔ اس کی رسی لگی اور نور پھیل گیا، جس کے باعث جبریل علیہ السلام تو غش کھا کر گر پڑے، اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ جبریل علیہ السلام کی خشیت میری خشیت سے فزوں تر ہے پھر میری طرف وحی کی گئی کہ نبی اور بادشاہ بنا پسند کرتے ہو یا نبی اور بندہ، مزید برآں سختی؟ جبریل علیہ السلام نے پہلو کے بل گرے ہوئے میری طرف اشارہ کیا کہ تو وضع اختیار کریں تو میں نے جواب دیا کہ مجھے نبی اور بندہ بنا محبوب ہے (2)۔ اگر یہ روایت درست ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ شب معراج کے علاوہ کسی اور شب وقوع پذیر ہوا کیونکہ اس میں نہ تو بیت المقدس کا ذکر ہے اور نہ ہی آسمان کی طرف صعود کا، اس لئے اس کا ہماری اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا (3)۔ یہ غریب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس براق لائے تو اس نے اپنی دم ہلائی تو جبریل علیہ السلام براق سے کہنے لگے کہ رک جاؤ، اللہ کی قسم! آپ ﷺ کی مثل کوئی بھی تم پر سوار نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ (شب معراج) عازم سفر ہوئے تو آپ نے سزا کے کنارے ایک بڑھیا کو دیکھا، پوچھا: "اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟" جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ چلنے جائیے۔ آپ نے سفر جاری رکھا، جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اچانک آپ ﷺ نے سنا کہ رستے سے پر سے کوئی چیز آپ کو بلارہی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا کہ چلتے جائیے۔ آپ ﷺ سفر کرتے رہے۔ اس دوران آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ مخلوق خدا یہ کہہ کر نہ رانہ عقیدت پیش کر رہی ہے: "السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَوَّلَ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا آخِرَ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاضِرَ" اے اول! آپ کو سلام ہو۔ اے آخر! آپ کو سلام ہو۔ اے مردوں کو اٹھانے والے! آپ کو سلام ہو۔" جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا کہ سلام کا جواب دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی اس مخلوق سے ملاقات ہوئی اور یہی وقوع پذیر ہوا یہاں تک کہ آپ بیت المقدس پہنچ گئے۔ یہاں آپ ﷺ کے سامنے شراب، پانی اور دودھ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے دودھ لے لیا، اس پر جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے فطرت کو پالیا، اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی اور اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، پھر حضرت آدم اور آپ کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ ﷺ کی خاطر جمع کیا گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس رات ان کی امامت کروائی۔ پھر جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ رستے کے کنارے جس بڑھیا کو آپ نے دیکھا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب دنیا صرف اس قدر باقی ہے جیسے اس بڑھیا کی عمر، اور وہ چیز جس کی خدا کی طرف آپ نے متوجہ ہونے کا ارادہ کیا تھا وہ دشمن خدا نہیں تھا اور جنہوں نے آپ کو سلام کیا تھا وہ حضرات ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام تھے (4)۔ اس روایت کے بعض الفاظ منکر اور غریب ہیں۔ اس طرح کی ایک اور روایت جس میں نکارت اور غرابت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا جانور لایا گیا

2- دلائل الہم ۱۰۱ تا ۱۰۲ جلد ۲ صفحہ 368-369

1- کشف الاستار ج ۱۰ ص ۴۷۱

4- دلائل الہم ۱۰۱ تا ۱۰۲ جلد ۲ صفحہ 361-362 تفسیر طبری جلد 15 صفحہ 8-5

3- کشف الاستار ج ۱۰ ص ۴۷۱

جس کا قدم حدنگاہ پر پڑتا تھا، میں اس پر سوار ہوا۔ میرے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے، دوران سفر جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ اترے اور یہاں نماز ادا کیجئے۔ میں نے وہاں نماز پڑھی تو جبریل علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ آپ ﷺ نے طیبہ (مدینہ شریف) میں نماز ادا کی ہے اور یہی آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ آگے ایک اور مقام پر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہاں اتر کر نماز ادا کریں، میں نے نماز پڑھی تو جبریل علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟ آپ نے طور سینا پر نماز پڑھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمکنار کی کاشرف بخشا تھا۔ پھر آگے ایک اور جگہ جبریل علیہ السلام نے نماز پڑھنے کے لئے کہا، نماز پڑھی تو پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کس مقام پر نماز پڑھی ہے؟ آپ نے بیت لحم میں نماز ادا کی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا۔ وہاں تمام انبیاء کرام علیہم السلام میری خاطر جمع کئے گئے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے آگے کھڑا کر دیا تو میں نے انہیں امامت کروائی۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر پہلے آسمان کی طرف بلند ہوئے وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، دوسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، یہ دونوں خالد زاد بھائی ہیں، تیسرے آسمان کی طرف عروج کیا تو وہاں یوسف علیہ السلام ملے، چوتھے آسمان پر ہارون علیہ السلام، پانچویں پر اورئیس علیہ السلام، چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر ابراہیم علیہ السلام، پھر ساتویں آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا تو مجھے ایک ابر نے ڈھانپ لیا، میں سجدہ ریز ہو گیا۔ مجھے کہا گیا کہ جب سے میں نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی ہے، میں نے تم پر اور تمہاری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، آپ اور آپ ﷺ کی امت اس حکم کو بجالائیں۔ واپس لوٹتے ہوئے جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرنے لگا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ پچاس نمازیں۔ کہنے لگے کہ اتنی نمازیں نہ آپ ﷺ پڑھ سکتے ہیں اور نہ آپ ﷺ کی امت، اس لئے اپنے رب کے پاس واپس جا کر تخفیف کی درخواست کریں، چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹ کر گیا تو اس نے دس کی کمی کر دی۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے دوبارہ لوٹ جانے کو کہا۔ میں دوبارہ لوٹ کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا تو اس نے دس مزید کم کر دیں، آخر کار پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اپنے رب کی جناب میں مزید تخفیف کی التجا کریں کیونکہ بنی اسرائیل پر صرف دو نمازیں فرض تھیں، وہ دو پڑھنے سے بھی قاصر رہے۔ چنانچہ میں نے لوٹ کر اللہ تعالیٰ سے مزید تخفیف کا سوال کیا تو ارشاد ہوا کہ میں نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے ہی تم پر اور تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کر رکھی ہیں۔ پانچ کا اجر پچاس ہوگا، پس آپ اور آپ ﷺ کی امت ان کی پابندی کریں۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے، اس لئے جب میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے ایک بار پھر مجھے لوٹنے کا مشورہ دیا تو میں لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں نہ گیا کیونکہ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ کا حکمی فیصلہ ہے (1)۔

ابن ابی حاتم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معراج کی رات جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری کا جانور لانے جوگدھے سے بڑا اور ٹھہر سے چھوٹا تھا، انہوں نے اس پر آپ ﷺ کو سوار کیا، تا حدنگاہ وہ اپنا قدم رکھتا تھا۔ بیت المقدس میں جب آپ اس جگہ پہنچے جسے باب محمد ﷺ کہا جاتا ہے تو جبریل علیہ السلام نے وہاں ایک پتھر میں اپنی انگلی کے ذریعے سوار رخ

کیا: اور سواری کو دہاں باندھ دیا اور اوپر چڑھ کر مسجد میں پہنچ گئے۔ جب وہاں قرار پذیر ہو گئے تو جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ آپ کو حوریں دکھائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے تو پھر ان عورتوں کی طرف چلیں اور انہیں سلام کریں، وہ صحرا کے بائیں جانب بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے پاس جا کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ میں نے ان سے پوچھا: ”تم کون ہو؟“ وہ کہنے لگیں کہ ہم خوبرو اور نیک سیرت ہیں اور ان نیکو کاروں کی بیویاں ہیں جو پاکیزہ ہیں اور ان کا دامن آلودہ نہیں، جو ہمارے ہاں مقیم رہیں گے اور کبھی کوچ نہیں کریں گے اور جنہیں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ملے گی اور وہ کبھی نہیں مریں گے۔ پھر میں وہاں سے چلا آیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر نہ تھی تھی کہ بہت سے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے، مؤذن نے اذان کہی اور تکبیر ہوئی۔ ہم حضرات باندھے امام کا انتظار کر رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا، چنانچہ میں نے ان کی امامت کروائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ کن لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ کی اقتدا میں ہر اس نبی نے نماز ادا کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ پھر جبریل میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آسمان کی طرف لے گئے۔ دروازے تک پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوا دیا، آسمان کے فرشتوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ فرمایا: میں جبریل علیہ السلام ہوں۔ پوچھنے لگے کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھنے لگے کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ چنانچہ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو اور آپ کے ساتھ تشریف لانے والے کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ جب آسمان پر متمکن ہوئے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد ﷺ! کیا آپ اپنے باپ آدم علیہ السلام کو سلام نہیں کریں گے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ چنانچہ میں آپ علیہ السلام کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہنے لگے: خوش آمدید، میرے صالح فرزند اور صالح نبی۔ پھر دوسرے آسمان کا دروازہ کھلوانے پر فرشتوں نے پوچھا کہ کون؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں چنانچہ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور مرحبا کہتے ہوئے آپ کا استقبال کیا۔ یہاں حضرات مہیسی اور ان کے خالہ زہرا بھائی کی عیباہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تیسرے آسمان پر بھی یہی سوال و جواب ہوئے یہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ہر آسمان پر جبریل اور فرشتوں کے درمیان یہی مکالمہ ہوا۔ چوتھے آسمان پر حضرت اورئیس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، جبریل علیہ السلام نے کہا: ”اے محمد ﷺ! کیا آپ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کو سلام نہیں کریں گے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ چنانچہ میں آپ کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور خوش آمدید اے صالح نبی اور مرحبا اے فرزندِ نذیبند کے کلمات سے نوازا۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان کے اوپر لے گئے، ایک نمبر پر پہنچے جس پر موتی، یاقوت اور زمر کے جام اور ہزرنگ کے نہایت ہی تر و تازہ پرندے تھے۔ میں نے کہا: ”اے جبریل علیہ السلام! یہ پرندے بہت تازہ اور نفیس ہیں۔“ انہوں نے جواب دیا کہ انہیں کھانے والے ان سے بھی عمدہ ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا: اے محمد ﷺ! جانتے ہو یہ نمبر کون سی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا: ”کہہ یہ کوڑ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس میں سونے اور چاندی کے جام ہیں، یہ نمبر یاقوت اور زمر کی چھوٹی چھوٹی کلکریوں پر رواں ہے، اس کا پنی دودھ سے بھی زیادہ مفید ہے۔ میں نے

سونے کا ایک جام لیا اور اس پانی سے بھر کر بیا تو یہ مجھے شہد سے زیادہ شیریں اور کستوری سے زیادہ خوشبودار محسوس ہوا۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ میں ایک درخت تک پہنچا، وہاں ہر رنگ کے ابر نے مجھے ڈھانپ لیا۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا: اے محمد ﷺ! میں نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے تم پر اور تمہاری امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی ہیں، اس لئے آپ اور آپ کی امت ان کی پابندی کریں۔ پھر بادل مجھ سے چھٹ گیا۔ جبریل نے میرا ہاتھ پکڑا۔ میں تیزی سے چلتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے مجھے کوئی بات نہ کہی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا: اے محمد! کیا بنا کر آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میرے رب نے مجھ پر اور میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ نہ آپ کے بس کی بات ہے اور نہ آپ ﷺ کی امت کے، اپنے رب کے پاس جائے اور کنی کا سوال کیجئے۔ چنانچہ میں تیزی سے لوٹ کر درخت کے پاس آیا تو مجھے ایک بادل نے ڈھانپ لیا۔ جبریل علیہ السلام مجھے چھوڑ آئے اور میں بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہو گیا، میں نے عرض کی: اے میرے رب! تو نے مجھ پر اور میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، اس کی ذمہ داری میں استطاعت ہے اور نہ میری امت میں، لہذا تخفیف فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے دس منہا کر دیں۔ پھر بادل مجھ سے چھٹ گیا اور جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں جلدی سے پلٹا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے کچھ نہ کہا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے جواب دیا کہ میرے رب نے دس کی کنی کر دی ہے، وہ کہنے لگے کہ چالیس نمازیں نہ آپ پڑھ سکتے ہیں اور نہ آپ کی امت، اس لئے رب تعالیٰ کی جناب میں لوٹ کر جاؤں اور مزید تخفیف کی التجا کریں۔ اسی طرح بار بار چکر لگانے سے پانچ نمازیں رہ گئیں۔ پڑھنے میں پانچ اور ثواب میں پچاس۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو مزید تخفیف کے حصول کے لئے کہا لیکن میں نے جواب دیا کہ اب مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر نیچے اتر آئے۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ میں جس آسمان پر گیا وہاں کے فرشتوں نے مجھے خوش آمد یہ کہا اور مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا۔ ہر ایک فرشتے کے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے خوش آمد یہ بھی کہا لیکن میری آمد پر مسکرایا نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ وہ جنہم کا داروغہ نلک ہے۔ اپنی پیدائش سے لے کر آج تک وہ نہیں بہتا۔ اُسرا سے مسکرانا ہوتا تو آپ کی آمد پر ضرور مسکراتا۔ بعد ازاں آپ سوار ہو کر واپس چل پڑے، دورانِ سفر آپ کا گزر قریش کے ایک قافلے سے ہوا جس پر غلہ لدا ہوا تھا، ان میں سے ایک اونٹ پر دو بوری تھے، ایک سیاہ اور دوسرا سفید۔ جب آپ ﷺ اونٹوں کے اس قافلے کے پاس سے گزرے تو یہ بدک کر گھوما جس کی وجہ سے یہ اونٹ گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پھر آپ سفر کرتے کرتے واپس پہنچ گئے۔ صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ قریش نے جب یہ بات سنی تو بھاگ بھاگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں کہنے لگے کہ کیا تم نے اپنے ساتھی کی بات سنی جن کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے آج کی رات ایک مہینے کا سفر طے کیا اور اسی رات واپس لوٹ آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو واقعی آپ ﷺ سچے ہیں، ہم تو اس سے بھی بڑی اور بعید بات میں کہ آپ ﷺ تک آسمان کی خبریں پہنچتی ہیں، آپ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ مشرکین رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل اور نشانی پیش کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں فلاں فلاں جگہ قریش کے قافلے کے پاس سے گزرا۔ قافلے کے اونٹ ہمیں دیکھ کر بدمعہ کے اور گھومے، ان میں سے ایک اونٹ پر ایک سیاہ اور ایک سفید دو بوری لداے ہوئے تھے، وہ نیچے گرا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، جب قافلہ

واپس پہنچا تو انہوں نے قافلہ والوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بالکل وہی بات بتائی جو رسول اللہ ﷺ انہیں پہلے بتا چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ اسی تصدیق کے باعث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صدیق نام دیا گیا۔ پھر لوگ آپ سے پوچھنے لگے کہ کیا حاضرین میں آپ کے ساتھ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام بھی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ کہتے تھے کہ پھر ان کا حلیہ بیون کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، موسیٰ گندمی رنگ کے ہیں جیسے از دھمان کے لوگ ہوتے ہیں اور عیسیٰ موزوں ساخت، درمیانے قد والے اور سرخی مائل رنگ کے ہیں، گویا ان کے بالوں سے موتی لڑھک رہے ہیں۔ اس سیاق میں بھی عجائب و فرائب ہیں۔“

حضرت انس بن مالک، مالک بن صعصعہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”میں حطیم میں یا بقول قتادہ حجر میں سویا ہوا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ آیا۔ اس نے اپنے درمیان والے ساتھی سے کچھ کہا تو وہ میرے پاس آیا اور یہاں سے یہاں تک میرا سینہ چاک کر دیا یعنی ہنسی کے قریب سے ناف تک۔ اس نے میرے دل کو باہر نکالا، اسے دھوا اور ایمان و حکمت سے بھرے ہوئے سونے کے ایک ٹشٹ کو اس میں اندر ل کر بھر دیا، پھر سینہ درست کر دیا گیا، پھر میرے پاس گدھے سے اونچی اور خیر سے نیچی سواری لائی گئی یعنی براق۔ جہاں نگاہ پڑتی وہاں اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ اس پر سوار کرا کر جبریل علیہ السلام مجھے اپنے ساتھ لے چلے یہاں تک کہ وہ مجھے آسمان دنیا تک لے آئے۔ وہاں دروازے کھلوانے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ فرشتے کہنے لگے، خوش آمدید! کتنا عظیم القدر مہمان تشریف لایا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا: خوش آمدید، فرزند صالح اور نبی صالح۔ ہر آسمان پر جبریل اور فرشتوں کے درمیان مندرجہ بالا مکالمہ ہوا۔ دوسرے آسمان پر حضرات یحییٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، یہ دونوں خالد زاد ہیں۔ جبریل نے کہا کہ یہ یحییٰ اور یحییٰ علیہما السلام ہیں، انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہنے لگے: خوش آمدید اے صالح بھائی اور سلام کرنے پر انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مجھے مرحبا کہتے ہوئے اے صالح بھائی اور سلام کیجئے۔ میرے سلام کرنے پر انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مجھے مرحبا کہتے ہوئے اے صالح بھائی اور سلام کیجئے۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبریل نے ان کا تعارف کروایا تو میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہنے لگے: مرحبا اے صالح بھائی اور سلام کیجئے۔ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملے، انہوں نے بھی سلام دعا کے بعد یہی کلمات کہے۔ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبریل علیہ السلام نے ان کا تعارف کروایا تو میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید اے صالح بھائی اور سلام کیجئے۔ جب میں ان سے آگے بڑھا تو وہ رو دیئے۔ ان سے رونے کی وجہ دریافت کی گئی تو وہ کہنے لگے کہ میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ ایک بچہ جسے میرے بعد مبعوث کیا گیا اس کی امت میری امت کی نسبت زیادہ تعداد میں جنت میں جائے گی۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مجھے خوش آمدید کہتے ہوئے اے فرزند نذولہ اور نیک نبی کے کلمات سے نوازا۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اوپر لے جایا گیا۔ اس کا پھل اتنا بڑا جیسے جبر کے

منکے اور بچے یوں جیسے ہاتھی کے کان۔ اور یہاں چار نہریں دکھیں، دو ظاہر اور دو باطن۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ باطنی نہریں توحشت میں ہیں اور ظاہری نہریں نیک اور فرات ہیں پھر میری طرف بیت معمور بلند کیا گیا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے بیت معمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر ان کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ اس کے بعد پھر حدیث انس شروع ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ”پھر میرے پاس شراب، دودھ اور شہد کا برتن لایا گیا تو میں نے دودھ کا برتن لے لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ ﷺ کی امت قائم ہیں۔ پھر مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ میں نیچے اتر کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ فرمایا: ہر روز پچاس نمازیں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی، میں آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کو خوب آزمایا چکا ہوں اور مجھے نبی اسرائیل سے واسطہ پڑا، لہذا آپ واپس اپنے رب کے پاس جائیے اور اپنی امت کے لئے تخفیف طلب کیجئے۔ چنانچہ میں واپس لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے دس کی تخفیف کر دی۔ واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو وہ کہنے لگے کہ کیا حکم ہوا؟ میں نے جواب دیا کہ روزانہ چالیس نمازیں۔ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی امت کے لئے چالیس نمازیں ہر روز پڑھنا دشوار ہے، مجھے تو آپ سے پہلے تجربہ ہو چکا ہے اور مجھے نبی اسرائیل سے واسطہ پڑا تھا، اس لئے اپنے رب سے مزید کمی کروائیں۔ میں لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں گیا تو اور دس کی کمی ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو ان کے استفسار پر میں نے بتایا کہ تیس نمازوں کا حکم ملا ہے۔ کہنے لگے کہ اس قدر بھی آپ ﷺ کی امت کے بس میں نہیں، پھر جا کر مزید تخفیف کروائیں۔ میں لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے دس مزید کم کر دیں۔ واپس آیا، موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں نے مزید کمی کے لئے لوٹ کر جانے کا مشورہ دیا۔ بارگاہ خداوندی میں درخواست کرنے سے دس نمازوں کی اور تخفیف مل گئی۔ بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ دس نمازیں بھی آپ ﷺ کی امت نہیں پڑھ سکے گی اس لئے اللہ تعالیٰ سے مزید کمی کی درخواست کریں سو میں لوٹا تو مجھے ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ارشاد ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو کہنے لگے کہ آپ کی امت ہر روز پانچ نمازوں کی بھی استطاعت نہیں رکھتی، مجھے تو تجربہ ہے اور مجھے نبی اسرائیل سے خوب واسطہ پڑا ہے، لہذا اپنے رب کے پاس ایک بار پھر لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بار بار سوال کرنے کے باعث اب مجھے شرم آتی ہے۔ اب میں راضی ہوں اور اسے تسلیم کرتا ہوں۔ میں نے یہ حکم لاگو کر دیا تو مجھے آواز آئی کہ تم نے میرا فریضہ نافذ کر دیا اور میرے بندوں سے تخفیف کی“ (2)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور وہاں سے جبریل علیہ السلام اترے۔ انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور اسے آب زمزم سے دھویا پھر انہوں نے حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت میرے سینے میں اندر کر کے درست کر دیا، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان دنیا تک اوپر لے آئے۔ وہاں پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروختے سے کہا کہ دروازہ کھولیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ اس نے پوچھا کہ کیا کوئی آپ علیہ السلام کے ساتھ ہے؟ فرمایا: ہاں، میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ پوچھا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، پھر دروازہ کھول دیا گیا تو ہم آسمان کے اوپر چڑھ گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے جس کی دائیں طرف بھی بہت

سے سائے ہیں اور بائیں طرف بھی۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتا ہے تو مسکرا دیتا ہے اور جب بائیں طرف نظر دوڑاتا ہے تو رو دیتا ہے۔ اس شخص نے کہا خوش آمدید پیارے بیٹے اور نیک نبی۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہنے لگے کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے صحتی ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی دائیں طرف دیکھتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں اور جب بائیں طرف نظر کرتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ پھر جبریل مجھے لے کر دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ یہاں بھی جبریل کا آسمان کے داروغے کے ساتھ وہی مکالمہ ہوا جو پہلے آسمان والے داروغے کے ساتھ ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے آسمانوں میں حضرات آدم، اور لیس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو پایا لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان کے مقامات کیسے کیسے ہیں، البتہ یہ آپ ﷺ نے ذکر فرمایا کہ آسمان دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام اور چھٹے آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کو لے کر حضرت اور لیس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: مرحبا، اے صالح نبی اور صالح بھائی۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ اور لیس علیہ السلام ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا، انہوں نے بھی کہا: خوش آمدید اے صالح نبی اور صالح بھائی۔ جبریل علیہ السلام نے میرے استفسار پر بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے انہوں نے بھی مجھے صالح نبی اور صالح بھائی کے کلمات سے یاد کرتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے فرمایا: مرحبا اے نیک نبی اور فرزند ولید۔ میرے سوال پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اما مزہری کہتے ہیں کہ حضرات ابن عباس اور ابو حبیہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پھر مجھے اس قدر بلند کیا گیا کہ میں ایسے مقام پر پہنچ گیا، جہاں میں نے قلموں کے نکلنے کی آوازیں سنیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ واپس لوٹنے وقت جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کی امت پر کیا فرض ہوا؟ میں نے جواب دیا کہ پچاس نمازیں۔ فرمانے لگے کہ یہ آپ کی امت کے بس کی بات نہیں، لہذا واپس جائے اور تخفیف کی التجا کیجئے۔ میں واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے نصف نمازیں معاف فرمادیں۔ دوبارہ موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر باری تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوا تو پھر آدھی معاف کر دی گئیں۔ ایک مرتبہ پھر حاضر ہوا تو صرف پانچ رہ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بظاہر پانچ ہیں لیکن (ابرہہ و ثواب میں) پچاس ہیں، میری باتیں ناقابل تغیر ہیں۔ میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر لوٹنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے رب سے حیا دامن گیر ہے۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لایا گیا اسے ایسے رنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا جن کی حقیقت کا مجھے علم نہیں۔ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ موتیوں کے پہاڑ ہیں اور اس کی مٹی خالص کستوری ہے (1)۔ بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے، اسی طرح ذکر نبی اسرائیل، حج اور احادیث انبیاء میں بھی اسے روایت کیا ہے اور صحیح مسلم کتاب الایمان میں بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔

عبداللہ بن شقیق نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو آپ ﷺ سے ایک بات ضرور دریافت کرتا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ تم آپ ﷺ سے کیا دریافت کرتے؟ کہنے لگے کہ میں آپ ﷺ سے یہ سوال کرتا کہ کیا

آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے لگے کہ میں نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ”قَدْ رَأَيْتُهُ نُوْرًا أُنْسَى أَرْأُوْهُ“ (1)۔ (میں نے اسے نور دیکھا، بھلا میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ نور ہے، میں اسے کہاں دیکھ سکتا ہوں“ (2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں فرمایا: ”رَأَيْتُهُ نُوْرًا“ یعنی میں نے نور دیکھا۔ مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ سے معراج کی بابت روایت کرتے ہیں اور یہ اس روایت سے ملتی جلتی ہے جسے انہوں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ اس کا ذکر کچھ پہلے بخاری و مسلم کے حوالے سے ہو چکا ہے۔ مسند بزار میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: ”معراج کی شب جبریل مجھے لے کر بیت المقدس میں صحرہ کے مقام پر آئے۔ وہاں اپنی انگلی سے سوراخ کر کے براق کو باندھ دیا“۔

حضرت چہرین عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”واقعہ معراج کے وقت جب قریش نے مجھے جھٹایا تو میں مطیم میں کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے میاں کر دیا، میں اسے دیکھ رہا تھا اور قریش کو اس کی نشانیوں کے متعلق آگاہ کئے جا رہا تھا“ (3)۔ حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں آپ کی خدمت میں دو پیالے پیش کئے گئے، ایک پیالہ دودھ کا اور ایک شراب کا۔ آپ نے دونوں پر نظر ڈالی اور دودھ کا پیالہ لے لیا۔ جبریل عنیدہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے درست انتخاب کیا ہے اور آپ نے فطرت کو پالیا۔ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر آپ واپس مکہ تشریف لائے اور واقعہ معراج کے متعلق لوگوں کو آگاہ کیا۔ یہ سن کر بہت سے ایسے لوگ فتنہ میں پڑ گئے جنہوں نے آپ ﷺ کی معیت میں نماز پڑھی تھی۔ ابوسلمہ بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ بھاگتے ہوئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تمہارے ساتھی تو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر واپس مکہ لوٹ آئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے لگے کہ کیا واقعی آپ ﷺ نے یہ کہا ہے؟ وہ کہنے لگے: ہاں، تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ قریش کہنے لگے کہ کیا تم ان کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ ایک ہی رات میں شام جائیں، پھر صبح ہونے سے قبل مکہ لوٹ بھی آئیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں تو اس سے بھی بڑی بات میں آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں یعنی یہ کہ آپ ﷺ آسمان کی خبریں بتاتے ہیں۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ اس تصدیق کے باعث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام صدیق پڑا (4)۔

زر بن حبیش بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ہم صبح چلے بیت المقدس پہنچ گئے۔ دونوں اندر داخل نہیں ہوئے۔ میں نے یہ سنتے ہی کہا کہ یہ بات درست نہیں بلکہ اس رات رسول اللہ ﷺ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور اس میں نماز بھی پڑھی۔ آپ فرماتے لگے: اسے سمجھ سورا لے! تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارا چہرہ تو جانا پھانسا ہے لیکن میں تمہارا نام نہیں جانتا۔ میں نے کہا کہ میرا نام زر بن حبیش ہے۔ آپ فرماتے لگے: تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اس رات آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی۔ میں نے کہا کہ قرآن کریم اس کی خبر

2- صحیح مسلم کتاب الامان صفحہ 161

4- اس باب میں 2 صفحہ 365

1- مسند احمد، جلد 5 صفحہ 147

3- صحیح بخاری تفسیر سورۃ بنی اسرائیل جلد 8 صفحہ 108 صحیح مسلم کتاب الامان صفحہ 156

دے رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: جس نے قرآن سے بات کی وہ فلاح پانگیا، پڑھو۔ میں نے اس آیت (سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقَبِيضِ الَّذِي يَأْتِي السَّمَاءَ بِغَمَامٍ) کی تلاوت کی۔ آپ نے پوچھا کہ کیا اس میں ایسا کوئی ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے وہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اس رات آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز نہیں پڑھی۔ اگر آپ وہاں نماز پڑھ لیتے تو تم پر وہاں نماز پڑھنا اسی طرح فرض ہو جاتا جیسے بیت اللہ شریف میں پڑھنا فرض کیا گیا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ دونوں (حضور ﷺ اور جبریل علیہ السلام) تو براق سے الگ ہوئے ہی نہیں یہاں تک کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور انہوں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا اور وعدہ آخرت کی تمام چیزوں کو بھی ملاحظہ کر لیا، پھر اسی طرح واپس لوٹ آئے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہم نے دیکھے۔ یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں دکھائی دینے لگیں۔ مزید فرمانے لگے: لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ نے براق کو باندھ دیا تھا تاکہ وہ بھاگ نہ جائے حالانکہ اسے آپ ﷺ کے لئے عالم الغیب والاشہادہ خدا نے مسخر کر دیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ براق کیسا چلنا کرتا تھا؟ آپ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: سفید رنگ کا طوین القامت جانور، جہاں نظر پڑتی وہاں وہ اپنا قدم رکھتا (1)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کے قول پر ان حضرات کا قول مقدم ہے جنہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی سواری کو حلقہ کے ساتھ باندھا گیا اور آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز ادا کی (2)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ گرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں واقعہ معراج کے متعلق آگاہ فرمائیے تو آپ نے اس آیت سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقَبِيضِ الَّذِي يَأْتِي السَّمَاءَ بِغَمَامٍ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: ”دریں اثناء میں رات کے وقت مسجد حرام میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بیدار کیا۔ جاگ کر میں نے دیکھا تو مجھے کوئی چیز دکھائی نہ دی، بس ایک سایہ سا چائے نظر آیا تو میں نے اپنی نگاہ اس پر مرکوز کر دی یہاں تک کہ میں مسجد حرام سے باہر آ گیا۔ یہاں کچھ کچھ فجر کے مشابہ ایک جانور پر نظر پڑی، حرکت کرتے ہوئے اور اوپر کواٹھے ہوئے کانوں والا تھا، اسے براق کہا جاتا ہے۔ مجھ سے پہلے انبیاء بھی اسی سواری کرتے رہے، تا حدنگاہ اس کا قدم پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا اور سفر کا آغاز ہوا، دوران سفر کسی نے میری دائیں طرف سے مجھے تین بار بلایا کہ اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، ہم تم سے سوال کرنا چاہتا ہوں، لیکن میں نے اسے نہ کوئی جواب دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا۔ پھر چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے تو کسی نے مجھے بائیں طرف سے بلایا کہ اے محمد ﷺ! میری طرف دیکھو، میں تم سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں، لیکن میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی اس کے پاس ٹھہرا۔ پھر کچھ آگے بڑھے تو ایک عورت کو دیکھا جو بازو کھولے ہوئے تھی اور دنیا کی ہرزہ نیت سے آراستہ تھی۔ اس نے کہا: اے محمد ﷺ! میری طرف دیکھیں، میں آپ سے سوال کرنا چاہتی ہوں، لیکن نہ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گیا۔ میں نے اپنی سواری اس حلقہ کے ساتھ باندھ دی جس کے ساتھ انبیاء باندھا کرتے تھے۔ پھر جبریل علیہ السلام میرے پاس دو برتن لائے، ایک شراب کا اور دوسرا دودھ کا۔ میں نے دودھ پی لیا اور شراب کو ناپسند کیا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے فطرت کو بلایا۔ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی میں نے (خوش ہو کر) دودھ کھیر لیا۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھ سے پوچھنے لگے کہ میں آپ کے چہرے پر فکر کے آثار کیسے دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا کہ میں جب محو سفر تھا تو میری دائیں طرف سے کسی نے مجھے بلایا تھا کہ اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں تم سے سوال کرنا چاہتا ہوں، لیکن میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ یہود کا داعی تھا۔ اگر آپ اسے جواب دیتے یا اس کے پاس ٹھہرتے تو آپ کی امت

تفسیر ابن کثیر: جلد سوم

یہودی ہو جاتی۔ پھر میں نے کہا کہ دوران سفر مجھے کسی نے بائیں جانب سے بلایا کہ اسے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے نہ تو اس کی طرف توجہ دی اور نہ ہی اس کے پاس ٹھہرا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ وہ نصاریٰ کا داعی تھا، اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت نصرائی ہو جاتی، پھر میں نے بتایا کہ سفر کرتے ہوئے میں نے ایک برہنہ باز عورت دیکھی جو ہرزیت سے آراستہ تھی، وہ کہہ رہی تھی: اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں لیکن میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی اس کے پاس قیام کیا۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ وہ دنیا تھی، اگر آپ ﷺ اسے جواب دیتے یا اس کے پاس ٹھہرتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔ پھر میں اور جبریل علیہ السلام دونوں بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ہر ایک نے دو رکعتیں نماز ادا کی، پھر میرے پاس معراج (سیرھی) لائی گئی جس سے بنی آدم کی ارواح اوپر چڑھتی ہیں، معراج سے بڑھ کر کوئی چیز خوبصورت دکھائی نہیں دی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ مرنے والے کی آنکھیں جب آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں تو وہ معراج کو دیکھ کر توجہ کے باعث ہی آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں۔ میں اور جبریل علیہ السلام اوپر چڑھے تو آسمان دنیا کے سردار اسماعیل نامی فرشتے سے ملاقات ہوئی جس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں جن میں سے ہر فرشتے کے ماتحت نوری لشکر کی تعداد ایک لاکھ فرشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَصَافِيَتَهُ جُنُودٌ سَابِقَةٌ اِلَّا هُوَ (المدرثر: 31) اور آپ کے رب کے لشکروں کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ جبریل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ، دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام اپنی بیعت پر ہیں جس دن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی صورت پر پیدا کیا تھا۔ ان کے سامنے ان کی مؤمن اولاد کی رو میں پیش کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: پاک روح ہے اور نفس بھی پاک، اس لئے اسے علیین میں لے جاؤ، پھر آپ پر آپ کی فاجرا اولاد کی رو میں پیش کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: ضعیف روح اور ضعیف نفس، اسے جہنم میں پھینک دو۔ پھر میں کچھ آگے چلا تو میں نے چند دسترخوان دیکھے جن پر عمدہ بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے لیکن کوئی ان کے قریب بھی نہیں آتا تھا اور چند دوسرے دسترخوان دیکھے جن پر نہایت بدبودار سڑا ہوا گوشت تھا جسے کچھ لوگ کھا رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حرام کھاتے ہیں اور حلال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر اور آگے بڑھا تو ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں جیسے تھے، ان کے منہ پھڑے جاتے اور یہ گوشت انہیں اگنا پڑتا پھر یہی گوشت ان کے نیچے سے نکل جاتا، وہ اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و نغماں کر رہے تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ بتانے لگے کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو ناحق تیبوں کا مال کھایا کرتے تھے، اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَنْعَامَ الْاَيْمَانِ فَكُلْنَا اَيْمَانَنَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّ سَيِّئُكُمْ سَيِّئًا (انساء: 10) ”بے شک وہ لوگ جو ظلم سے تیبوں کے مال کھاتے ہیں وہ تو بس اپنے بیٹوں میں آگ کھا رہے ہیں اور منقریب وہ بھڑکتی آگ میں جھوٹے جانیں گے۔“ پھر تھوڑی دیر چلا تو میں نے عورتیں دیکھیں جو اپنے پستانوں کے ساتھ لٹک رہی تھیں، میں نے ان کی چیخ و پکار سنی۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کبھی عورتیں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کی زنا کار عورتیں ہیں۔ پھر زرا در آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پانچ لوگوں کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی اٹھنے کی کوشش کرتا ہے تو گر پڑتا ہے اور کہتا ہے: یا اللہ! قیامت قائم نہ کرنا۔ وہ آل فرعون کے رستہ پر ہیں، فرعونی جماعت آتی ہے اور انہیں رونمائی چل جاتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں آدو زاری کرتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے بتایا کہ یہ

آپ کی امت کے سو خوگر ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الزَّوْاْجِدَ لَا يَخْوَعُوْنَ اِلَّا كَمَا يَخْوَعُوْنَ اَلَّذِيْنَ يَشْعَبُطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ التَّنِيْنِ (البقرہ: 275) ”جو لوگ سو دکھایا کرتے ہیں، وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو“

مزید آگے بڑھے تو کچھ لوگ دکھائی دیئے جن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کاٹ کر انہیں کھلایا جاتا اور ان میں سے ہر ایک کو کہا جاتا کہ کھاؤ، جس طرح تم اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے عیب جو، غیبت اور رکتہ چینی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ہم دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے، وہاں میں نے مخلوق خدا میں سے سب سے زیادہ خوب و شخص دیکھا جسے حسن میں لوگوں پر ایسے ہی برتری حاصل ہے جیسے چودھویں کی رات چاند کو تمام ستاروں پر۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی یوسف علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ تیسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ افراد تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، پھر چوتھے آسمان کی طرف بلند ہوئے، وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مکان پر اٹھایا ہے۔ میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پانچویں آسمان پر چڑھے تو وہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ان کی آدھی داڑھی سفید تھی اور آدھی سیاہ اور لمبائی میں تقریباً ناف تک تھی۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل نے بتایا کہ یہ اپنی قوم کے محبوب اور ہر دل عزیز ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے لوگ ہیں۔ میں نے انہیں سلام کہا، انہوں نے بھی جواب سلام کیا۔ چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، گندی رنگ اور بال بہت زیادہ۔ اگر ان پر قمیص ہو تو بال قمیص میں سے بھی گزر جائیں، وہ فرمانے لگے: لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے زیادہ قدر و منزلت رکھتا ہوں حالانکہ یہ (حضور ﷺ) مجھ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام رکھتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ موسیٰ بن عمران ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کی ایک جماعت ہے۔ میرے سلام کرنے پر انہوں نے بھی مجھے سلام کیا۔ پھر ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں میں نے اپنے باپ ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کو دیکھا جو بیت معمور سے نیک لگائے بیٹھے تھے، آپ بہت ہی بہتر اور خوبصورت ہیں۔ میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم خلیل الرحمن ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے افراد ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر میں نے اپنی امت کو دو حصوں میں تقسیم دیکھا، نصف نے کاغذ کی طرح سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور نصف کے کپڑے سیاہ تھے۔ میں بیت معمور میں داخل ہوا اور میرے ساتھ سفید کپڑوں والے بھی داخل ہو گئے لیکن سیاہ کپڑے والے روک دیئے گئے ہیں، وہ بھی خیر پر۔ بیت معمور میں ہم سب نے نماز پڑھی پھر وہاں سے باہر نکل آئے۔ بیت معمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا۔ اس کا ہر پتہ اتنا بڑا ہے کہ میری اس امت کو ڈھانپ لے۔ اس میں سلسبیل نام کا ایک چشمہ جاری ہے جس سے دو نہریں نکلتی ہیں ایک نہر کوثر اور دوسری نہر رحمت۔ میں نے اس میں غسل کیا تو میری اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کر دی گئیں، پھر مجھے جنت کی طرف اوپر لے جایا گیا وہاں مجھے ایک حور ملی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کس کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) کی۔ وہاں میں نے ایسی نہریں دیکھیں جن کا پانی نہ گدلا ہوتا ہے اور نہ فاسد اور رودھ کی نہریں دیکھیں جن کا ذائقہ متغیر نہیں ہوتا، علاوہ انہیں پینے والوں کی لذت کے لئے

شراب کی نہریں اور صاف شفاف خالص شہد کی نہریں بھی دیکھیں۔ جنتی انار اتنے بڑے تھے جیسے ذول اور پرندے ایسے گویا تمہارے بختی اونٹ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیکو کار بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک گزرا۔ پھر میرے سامنے جہنم پیش کیا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب، عذاب، ناراضگی اور انتقام عروج پر تھا۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا ڈالا جائے تو اسے بھی کھا جائے، پھر اسے میرے سامنے سے بند کر دیا گیا۔ بعد ازاں مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا تو مجھے دھانپ لیا، میرے اور اس کے درمیان دو مکان کی مقدار بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے ہر پتے پر ایک فرشتہ اترتا تھا۔ مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور فرمایا کہ تمہارے لئے ہر نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ اگر تم نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کر سکتے تو تمہارے لئے ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر اس پر عمل پیرا ہو گئے تو دس لکھی جائیں گی۔ اگر برائی کا ارادہ کیا لیکن اس کا ارتکاب نہ کیا تو کچھ بھی نہیں لکھا جائے گا اور اگر ارتکاب کر لیا تو صرف ایک ہی برائی کا اندراج ہوگا۔ پھر میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے کس چیز کا حکم دیا ہے، میں نے کہا کہ بچپن نمازوں کا۔ وہ کہنے لگے کہ وہاں اپنے رب کی جناب میں جاؤ اور تحنیف کی درخواست کرو، آپ ﷺ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی اور جب اس کی طاقت نہیں پائے گی تو نافرمانی کی مرتکب ہوگی۔ چنانچہ میں لوٹ کر اپنے رب کے حضور پہنچا اور عرض کی: اے پروردگار! میری امت کے لئے تخنیف فرما کیونکہ وہ سب سے زیادہ کمزور امت ہے تو میری گزارش پر اللہ تعالیٰ نے دس معاف کر کے چالیس نمازیں مقرر کر دیں، بہر کیف میں اپنے رب اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چکر لگا تا رہا، ہر بار موسیٰ علیہ السلام پوچھتے کہ کیا حکم ہوا اور مزید تخنیف کروانے کا مشورہ دیتے، میں بھی بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی درخواست پیش کرتا رہا یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر تخنیف کروانے لئے واپس بھیجنا چاہا لیکن میں نے کہا کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ صبح ہوئی تو آپ نے کہہ شریف میں ان عجاہبات کا ذکر کیا کہ میں آج کی شب بیت المقدس گیا اور پھر مجھے آسمانوں کی سیر کروائی گئی، وہاں میں نے یہ یہ دیکھا۔ یہ سن کر ابو جہل لوگوں سے کہنے لگا کہ کیا تمہیں محمد ﷺ کی اس بات پر تعجب نہیں ہوتا؟ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آج کی شب بیت المقدس گئے پھر صبح کے وقت ہمارے پاس موجود تھے حالانکہ سواری کو مارتے پھینتے بھی لے جائیں تو وہاں پہنچنے میں ایک مہینہ لگ جاتا ہے اور وہاں لوتے ہوئے بھی ایک مہینہ۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ دو مہینے کی مسافت شب بھر میں طے ہو جائے۔ آپ ﷺ نے کفار کو قریش کے قافلے کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جاتے وقت اس قافلے کو فلاں جگہ دیکھا تھا اور وہ بدک گیا تھا۔ واپس پر وہ مجھے عقیدہ میں ملا، اس میں فلاں فلاں شخص ہے، ایسے ایسے ان کے اونٹ ہیں اور یہ یہ ان کا سامان ہے۔ یہ سن کر ابو جہل کہنے لگا کہ یہ بہت سی اشیاء کے متعلق ہمیں خبر دے رہے ہیں، دیکھیں سچ نکلتی ہیں یا نہیں۔ ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ میں سب سے زیادہ بیت المقدس سے واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کی عمارت کیسی ہے، اس کی شکل و صورت کیسی ہے اور پہاڑ کے کس قدر قریب ہے۔ اگر محمد سچے ہوئے تو میں تمہیں آگاہ کر دوں گا اور اگر جھوٹے نکلے تو بھی بتا دوں گا۔ وہ مشرک آیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ میں بیت المقدس سے سب سے زیادہ واقف ہوں، مجھے بتائیے کہ اس کی عمارت اور شکل و صورت کیسی ہے اور پہاڑ سے اس کی نزدیکی کتنی ہے؟ پس رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے تمام حجابات اٹھائیے گئے اور آپ اس طرح بیت المقدس کو اپنے سامنے دیکھنے لگے جس طرح ہم میں سے کوئی اپنے گھر کو دیکھتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے لگے کہ اس کی عمارت اس طرح کی ہے، اس کی شکل و صورت اور ہیئت یوں ہے اور یہ پہاڑ کے اس قدر قریب ہے۔ اس مشرک نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ پھر وہ

کفار کے پاس لوٹ کر گیا اور انہیں جا کر بتایا کہ محمد (ﷺ) اپنی بات میں سچے ہیں (1)۔ اسے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں غرابت اور نکارت ہے۔ ہم نے اسے اس لئے بیان کر دیا ہے کہ اس میں دیگر احادیث کے بہت سے شواہد ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بیہتکی کی روایت میں آتا ہے کہ ابوالا زھر یزید بن ابی حکیم بیان کرتے ہیں: میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تو آپ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! آپ کی امت میں ایک آدمی ہے جسے سفیان ثوری کہا جاتا ہے، اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔“ میں نے پھر ابو ہارون عبدی کا نام لیا جنہوں نے حضرت ابومعبد خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انہوں نے آپ ﷺ سے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ان راویوں کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو معراج ہوئی اور آپ نے آسمان میں دیکھا آپ نے فرمایا: ہاں، درست ہے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی امت میں سے کچھ لوگ واقعہ معراج کے متعلق بہت سی عجیب و غریب باتیں آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قصہ گولوگلوں کی کارستانی ہے (2)۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں اپنی معراج کی کیفیت بتائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے مکہ میں اپنے صحابہ کو عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھائی، پھر جبریل علیہ السلام میرے پاس گدھے سے بڑا اور فخر سے مجھ کو سفید رنگ کا براق لائے۔ میرے سوار ہوتے وقت اس نے شوفی کی توجہ لیں علیہ السلام نے اس کا کان پکڑ کر مروڑا، پھر مجھے اس پر سوار کیا، براق ہمیں لے کر اڑنے لگا، جہاں نظر پڑتی وہاں اس کا قدم پڑتا۔ یہاں تک کہ ہم کعبوروں والی سرزمین پر پہنچ گئے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے نیچے اتار اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ میں نے وہاں نماز پڑھی اور پھر سوار ہو گیا۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہنے لگے کہ آپ نے یثرب میں نماز پڑھی یعنی طیبہ میں پھر چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے مجھے وہاں اترنے اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ میں نے نماز پڑھی اور پھر سوار ہو گئے۔ جبریل نے مجھے بتایا کہ آپ نے مدین میں اس درخت کے پاس نماز پڑھی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام ٹھہرے تھے۔ پھر سفر کرتے کرتے ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں میں مملات صاف دکھائی دینے لگے، یہاں بھی جبریل نے مجھے نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ نماز سے فراغت کے بعد جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ آپ نے بیت لحم میں نماز ادا کی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر چلتے چلتے باب یمانی سے شہر میں داخل ہوئے، مسجد کے قریب سواری کو باندھ دیا اور اس دروازے سے مسجد میں داخل ہو گئے جہاں سورج اور چاند مائل ہوتے ہیں۔ وہاں جس قدر اللہ کو منظور تھا میں نے نماز پڑھی۔ وہاں مجھے سخت پیاس لگ گئی تو میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد تھا، دونوں میرے پاس بھیجے گئے تو میں دونوں کے درمیان متردد ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور میں نے دودھ لے کر پی لیا یہاں تک کہ میری پیشانی سے پسینہ نکلنے لگا۔ میں نے اپنے سامنے دیکھا کہ ایک شیخ تکیہ ڈگائے بیٹھے ہیں، وہ کہنے لگے کہ انہوں نے حضرت کو پالیا اور یہ ہدایت یافتہ ہیں، پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ ہم ایک وادی تک پہنچے، ہم نے جنہم کو دیکھا گویا وہ ٹیلوں سے نمایاں ہو رہا ہے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اسے کیا پایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اسے سخت گرم انگارے کی طرح پایا۔ بعد ازاں فلاں مقام پر ہمارا گزر قریش کے قافے سے ہوا، ان کا ایک اونٹ ہم ہو گیا تھا

جسے فلاں شخص تلاش کر کے لایا، میں نے انہیں سلام کیا تو ان میں ایک آدمی کہنے لگا کہ یہ آواز تو محمد (ﷺ) کی ہے۔ پھر میں صبح ہونے سے پہلے مکہ میں اپنے اصحاب کے پاس پہنچ گیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آ کر کہنے لگے: یا رسول اللہ (ﷺ)! آج کی شب آپ کہاں تھے، میں نے آپ کو ہر اس جگہ تلاش کیا جہاں میرا خیال تھا کہ آپ موجود ہوں گے۔ میں نے کہا کہ میں تو آج کی رات بیت المقدس گیا تھا، ابو بکر کہنے لگے: یا رسول اللہ (ﷺ) یہ تو ایک مبینہ کی مسافت پر ہے، مجھے آپ اس کی نشانیاں بتلائیں، چنانچہ اسے فوراً میرے سامنے ظاہر کر دیا گیا گو یا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ جو بھی مجھ سے سوال ہوا میں نے اس کے متعلق بتا دیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ مشرکین کہنے لگے کہ ابن ابی کبشہ (حضور ﷺ) کی طرف دیکھو، کہتا ہے کہ وہ آج کی رات بیت المقدس گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جو کچھ تمہیں کہہ رہا ہوں اس کی نشانی یہ ہے کہ میں فلاں جگہ تمہارے قافلے سے گزرا، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا جسے فلاں شخص تلاش کر کے لایا۔ ان کی منزل فلاں فلاں جگہ ہوگی اور وہ فلاں دن تمہارے پاس اس حالت میں پہنچیں گے کہ ان کے آگے آگے گندمی رنگ کا اونٹ ہوگا جس پر سیاہ رنگ کا عرق گیر اور سیاہ رنگ کے ہی دو بوبرے ہیں۔ جب وہ دن آیا (جو حضور ﷺ نے قافلے کی آمد کے لئے مقرر کر رکھا تھا) تو لوگ دو پہر کے وقت دوڑے دوڑے شہر سے باہر چلے گئے۔ وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ واقعی قافلہ آ رہا ہے اور اس کے آگے آگے وہی اونٹ ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے بیان فرمایا تھا (۱)۔ بتلی نے اسے ترمذی اور دیگر سے روایت کیا ہے۔ ہم اس میں سے کچھ کا ذکر کریں گے، پھر انہوں نے اس حدیث کی دیگر بہت سی شاہد حدیثیں ذکر کی ہیں۔ شہاد ابن ابی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ بلاشبہ یہ حدیث بہت سی اشیاء پر مشتمل ہے جن میں سے بعض صحیح ہیں جیسا کہ بتلی نے ذکر کیا ہے اور بعض ان میں سے منکر ہیں مثلاً بیت لحم میں نماز پڑھنا، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس کے اوصاف دریافت کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کی ایک جانب سے قدموں کی چاپ سنی۔ دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ مؤذن بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے آ کر فرمایا: بلال تو فلاں پائے، میں نے ان کے لئے یہ یہ دیکھا۔ "موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ امی امی! مرحبا۔ حضرت موسیٰ گندمی رنگ کے طویل القامت اور ہال کانوں تک یا کانوں سے ذرا بلند۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر آگے بڑھے تو آپ ﷺ کی ملاقات ایک جلیل القدر پر وقار شیخ سے ہوئی، انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور سلام کیا، بہر صورت ہرنی نے آپ کو پہلے سلام کیا۔ آپ ﷺ نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بعد ازاں آپ نے کچھ لوگوں کو جنہم میں مردار دکھاتے دیکھا۔ جبریل علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ لوگوں کا گوشت کھانے والے (نجیبت کرنے والے) لوگ ہیں۔ وہاں آپ نے نیزھی آنکھوں والا نہایت سرخ رنگ کا ایک آدمی دیکھا۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ صالح علیہ السلام کی انوشی کی کوٹھیں کا سننے والا (بد بخت) ہے۔ آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے تو وہاں نماز ادا کی، تمام انبیاء کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ فارغ ہوئے تو آپ کے پاس دو جام لائے گئے، ایک دائیں طرف سے اور دوسرا بائیں طرف سے، ایک میں دودھ تھا

اور دوسرے میں شہد، آپ نے دودھ لے کر پنی لیا، جس کے پاس جا مٹھا، اس نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پالیا (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت بیت المقدس لے جایا گیا اور اسی رات آپ ﷺ واپس لوٹ آئے۔ آپ نے لوگوں کو بیت المقدس کے سفر، اس کی علامات اور ان کے قتلے کے متعلق آگاہ کیا تو بعض کہنے لگے کہ ہم آپ ﷺ کو اس بات میں سچا نہیں مانتے اور وہ اسلام سے پھر گئے۔ ان کا انجام یہ ہوا کہ یہ بھی ابو جہل کے ساتھ قتل ہو گئے۔ ابو جہل کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) ہمیں زقوم (تھور) کے درخت سے ڈرا رہا ہے، ناؤ کھجور اور مکھن اور انہیں حمرقی رو یعنی ملا کر کھا لو۔ آپ ﷺ نے دجال کو اس کی اصلی صورت میں اپنی ظاہری آنکھوں کے ساتھ دیکھا نہ کہ خواب میں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حضرات مسلی، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو بھی دیکھا۔ نبی کریم ﷺ سے دجال کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اسے دیکھا کہ وہ بہت قدر آور، موٹا، بھدا، چندھیائی نظر والا اور بداصل ہے، اس کی ایک آنکھ یوں قائم ہے جیسے ستارہ اور اس کے بال گویا درخت کی شاخیں ہیں، میں نے مسلی علیہ السلام کو دیکھا، سفید رنگت، گھٹنگر یا لے بال، تیز نظر اور معتدل جسم، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ گندی رنگ کے، زیادہ بالوں والے اور مضبوط جسم کے مالک ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کی، میں نے ان کے جس عضو کی طرف نظر دوڑائی اسے ہو یہ ہو اپنے جیسا پایا، یوں محسوس ہوتا تھا گویا وہ تمہارے صاحب (نبی کریم ﷺ) ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اپنے باپ کو سلام کیجئے تو میں نے انہیں سلام کیا“ (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے معراج کی رات موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا، قد سب، بال گھٹنگر یا لے، گویا آپ قبیلہ شہود کے آدمی ہیں۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھا، معتدل جسم، سرخی، ناک سفید رنگ اور سیدھے بالوں والے۔“ مزید برآں آپ نے جنہم کے داروئے مالک اور دجال کو بھی ان نشانوں میں دیکھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائی تھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَا تَكُنْ فِي وِزْوَاتٍ مِّنْهُنَّ لَا تَأْمُرُ بِهَا﴾ (السجدة: 23) ”تو آپ اس کے ملنے سے خشک میں مبتلا نہ ہوں“ قنادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس لقاء سے مراد آپ ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہے جن کے متعلق فرمان ہے: ﴿وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ (السجدة: 23) ”اور ہم نے انہیں بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا“ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لئے سراپا ہدایت بنایا تھا (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شب معراج ایک جگہ سے مجھے بہت پیاری خوشبو آئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسی خوشبو ہے؟ جواب ملا: فرعون کی بیٹی کی مشاطہ اور اس کی اولاد کے محل کی۔ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرتے ہوئے کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس نے کہا: بسم اللہ۔ فرعون کی بیٹی کہنے لگی کہ خدا تو میرا باپ ہی ہے۔ وہ کہنے لگی کہ میرا، تمہارا اور تمہارے باپ کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ شہزادی کہنے لگی کہ کیا میرے باپ کے سوا کوئی اور بھی رب ہے؟ مشاطہ نے کہا: ہاں، میرا، تمہارا اور تمہارے باپ کا رب اللہ ہے۔ فرعون کو پتہ چلا تو اس نے مشاطہ کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تمہارا میرے سوا کوئی اور رب ہے؟ اس نے کہا: ہاں، میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ فرعون نے اسی وقت تھم دیا کہ تانے کی بنی ہوئی گائے کو خوب گرم کیا جائے اور باری باری اس کے بچوں کو اس میں ڈالا جائے اور آخر میں اسے بھی اس میں پھینک دیا جائے۔ اس نے فرعون سے کہا کہ میری ایک خواہش

ہے؟ فرعون نے پوچھا: کونسی؟ وہ کہنے لگی کہ میری اور میری اولاد کی ہڈیوں کو ایک جگہ ہی جمع کرو بنا، اس نے کہا کہ تمہاری یہ خواہش پوری ہو گی کیونکہ تمہارا ہم پر کچھ حق ہے، چنانچہ وہ ایک ایک کر کے اس کے بچے اس میں ڈالنے لگے، آخر میں شیر خوار بچے کی باری آئی، ماں کی گھبراہٹ کو دیکھ کر وہ کہنے لگا: اے میری ماں! جان دے دو اور پسپائی اختیار نہ کرو کیونکہ تم حق پر ہو۔ آپ نے فرمایا کہ گہوارے میں چار بچوں نے گفتگو کی۔ یہ بچہ۔ 1۔ یوسف علیہ السلام کی عفت کی گواہی دینے والا بچہ۔ 2۔ اللہ کے ولی جبرئیل کی پاکدامنی کی شہادت دینے والا بچہ۔ 3۔ اور عیسیٰ۔ 4۔ بن مریم علیہ السلام (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس رات مجھے معراج ہوئی اور اس کی صبح میں نے مکہ میں کی تو مجھے یقین ہو گیا کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ اس لئے میں الگ تھلک غزوه ہو کر بیٹھ گیا۔ ابو جہل آپ ﷺ کے پاس سے گزرتے ہوئے بیٹھ گیا اور تمسخر کے انداز میں کہنے لگا کہ کیا کوئی نئی بات ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ کہنے لگا: کونسی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آج رات مجھے میرا کوئی گئی؟“ کہنے لگا: کہاں تک؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بیت المقدس تک“ کہنے لگا: پھر صبح تم نے ہمارے ہاں ہی کی؟ فرمایا: ہاں۔ اس نے فوری طور پر آپ کی تکذیب کو مناسب خیال نہ کیا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ اگر اس نے اپنی قوم کو بلایا تو ممکن ہے آپ اپنی بات کی تردید کر دیں، اس لئے وہ آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اگر میں اپنی قوم کو بلا لوں تو کیا آپ ان کے سامنے بھی کبھی بات دہرائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے بنی کعب بن لوی کو آزدی تو وہ سب کے سب اکٹھے ہو گئے۔ اب ابو جہل آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اپنی قوم کو وہی بات بتائیں جو آپ ﷺ نے مجھے بتائی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آج رات مجھے میرا کوئی گئی“ وہ پوچھنے لگے: کہاں تک؟ فرمایا: ”بیت المقدس کی طرف“ کہنے لگے: پھر صبح ہمارے ہاں کی؟ فرمایا: ہاں۔ یہ سننا ہی تھا کہ انہوں نے اسے جھوٹ سمجھتے ہوئے تالیاں بجانا شروع کر دیں اور کچھ نے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لئے۔ پھر کہنے لگے کہ مسجد اقصیٰ کا وصف بیان کریں۔ ان میں سے ایک شخص بیت المقدس کا سفر کر چکا تھا اور اس نے مسجد اقصیٰ دیکھ رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں وصف اور نشانیاں بتاتا رہا یہاں تک کہ مجھے کچھ مخالفت لگ گیا، پھر کیا تھا، مسجد میرے سامنے عیاں کر دی گئی اور میں اسے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ عقیل یا عقال کے گھر سے بھی زیادہ قریب کر دی گئی، میں اسے دیکھ جا رہا تھا اور اس کے اوصاف بیان کرتا جا رہا تھا، بعض اوصاف ایسے تھے جو اب مجھے یاد نہیں۔ یہ سن کر سب لوگ کہنے لگے کہ اوصاف تو آپ نے درست بیان کئے ہیں (2)۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، یہ ساتویں آسمان میں ہے۔ جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ یہاں آکر رک جاتی ہے، پھر یہاں سے اسے اٹھایا جاتا ہے اور جو چیز اس کے اوپر سے نیچے اترتی ہے وہ بھی یہاں تک اترتی ہے، پھر اسے یہاں سے لے لیا جاتا ہے، اِذْ يَنْفُخُ السُّنْبُورَ مَا يَخْلُقُ (النجم: 16) ”جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا“ اس درخت پر سونے کے پرہانے چھانے ہوئے تھے۔ رسول خدا ﷺ کو پانچ نمازیں اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات عطا کی گئیں اور ہر اس شخص کے کبیرہ گناہ معاف کئے جانے کا وعدہ ہوا جو شرک کا ارتکاب نہیں کرتا (3)۔ انام بیہی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت حدیث معراج کا ایک حصہ ہے۔ اس حدیث کو حضرات انس بن مالک اور ابو ذر رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 309، دلیل علیہ: سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 363-364

2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 388-389

3۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 372-373

ہے۔ یہ سبھی تین احادیث وارد کی ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے مسموع اور مفصل حدیث بھی بیان کی ہے جس میں غرابت ہے۔ حسن بن عرفہ نے اسے اپنے مشہور جزو میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابولطیان اکتلی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرات ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود اور محمد بن سعد بن ابی وقاص کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ محمد بن سعد ابو عبیدہ سے کہنے لگے کہ معراج کی بابت جو کچھ آپ نے اپنے والد محترم سے سنا ہے، وہ ہمیں بتائیے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ نہیں بلکہ آپ اپنے والد گرامی سے سنی ہوئی حدیث سے ہمیں آگاہ کریں۔ محمد بن سعد کہنے لگے کہ اگر آپ مجھ سے پہلے سوال کرتے تو میں ضرور بتاتا۔ چنانچہ ابو عبیدہ اپنے والد محترم سے سنی ہوئی روایت بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جبریل میرے پاس سواری کا جانور لائے جو گدھے سے بڑا اور ٹھہر سے چھوٹا تھا، اس پر انہوں نے مجھے سوار کر دیا، پھر وہ (براق) ہمیں لے کر چلا، جب وہ کسی اونچائی پر چڑھتا تو اس کی ٹانگیں ہاتھوں کے برابر ہو جاتیں اور جب نیچے کی طرف اترتا تو اس کے ہاتھ پاؤں کے برابر ہو جاتے، یہاں تک کہ ہم ایک طویل القامت، سیدھے بالوں والے اور گندی رنگ کے آدمی کے پاس سے گزرے، وہ آدمی گویا ازوشنۃ کے آدمیوں جیسا ہے۔ وہ بے آواز بلند کہہ رہا تھا کہ تو نے اس کی نگریم کی اور اسے فضیلت عطا فرمائی۔ ہم اس شخص کے پاس گئے اور سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ یہ احمد (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ وہ کہنے لگے: مرحبا سے امی عربی نبی جنہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور اپنی امت کی خیر خواہی کی۔ آگے بڑھے تو میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا: موسیٰ بن عمران۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس سے شکوہ کر رہے ہیں؟ جواب ملا کہ آپ کے بارے میں اپنے رب سے۔ میں نے کہا کہ اپنے رب کی جناب میں اور اس قدر بلند آواز سے۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی تیزی اور حدت معلوم ہے۔ پھر آگے بڑھے تو ہمارا گزر ایک درخت سے ہوا۔ اس کے پھل گویا چراغ ہیں۔ اس درخت کے نیچے ایک بزرگہ اور ان کے بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرف چلئے۔ چنانچہ ہم ان کی طرف بڑھے۔ انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور جبریل علیہ السلام سے میری بابت پوچھنے لگے۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے بیٹے احمد (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ فرمانے لگے کہ خوش آمدید، امی نبی جنہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور اپنی امت کی خیر خواہی کی۔ اے میرے بیٹے! آپ آج کی شب اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں، آپ کی امت سب سے آخری اور کمزور امت ہے اس لئے جس قدر ممکن ہو اپنی امت کیلئے آسانی حاصل کر لینا۔ پھر ہم سفر کرتے کرتے مسجد اقصیٰ پہنچ گئے۔ یہاں اتر کر میں نے سواری کو اس حلقہ کے ساتھ باندھ دیا جس کے ساتھ انبیاء کرام باندھا کرتے تھے، پھر مسجد میں داخل ہو گیا۔ وہاں میں نے انبیاء علیہم السلام کو پہچان لیا، کوئی قیام میں ہے، کوئی رکوع میں اور کوئی سجدہ میں۔ پھر میرے پاس شہداء اور دودھ کے دو جام لائے گئے۔ میں نے دودھ لے کر پی لیا۔ جبریل علیہ السلام نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا کہ رب محمد کی قسم! آپ نے فطرت کو پالیا۔ پھر نماز کے لئے اقامت ہوئی تو میں نے انہیں امامت کروائی۔ پھر وہاں لوٹ آئے (1)۔ اس روایت کی سند غریب ہے۔ اس میں چند عجیب و غریب چیزیں ہیں مثلاً انبیاء کا آپ کے متعلق پہلے دریافت کرنا پھر حضور ﷺ کا ان کی بابت پوچھنا حالانکہ صحیح حدیثوں میں مشہور بات یہی ہے کہ انبیاء کے ساتھ ملاقات سے پہلے ہی جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو ان کے متعلق آگاہ کر دیتے تاکہ آپ جان پہچان والا سلام کر سکیں۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے سے پہلے آپ کی انبیاء کے ساتھ

ملاقات ہوئی حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ان حضرات سے آپ کی ملاقات آسمانوں پر ہوئی، پھر جب دوبارہ بیت المقدس اترے تو انبیاء کرام بھی آپ کے ساتھ تھے اور یہاں آپ نے انہیں نماز پڑھائی۔ پھر براق پر سوار ہو کر الہس مکہ لوٹ آئے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مصرات کی رات حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے میری ملاقات ہوئی۔ ان کے درمیان قیامت کے متعلق مذاکرہ ہوا۔ انہوں نے اس معاملہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر چھوڑ دیا۔ وہ فرمانے لگے کہ قیامت کے (وقت کے) متعلق مجھے کوئی علم نہیں، پھر انہوں نے یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا دیا، انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، پھر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ قیامت کے مقررہ وقت کے متعلق مجھے آگاہ نہیں کیا گیا، سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو اس کے متعلق علم نہیں، البتہ میرے رب نے مجھے یہ بتایا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے، میرے پاس دو چھڑیاں ہوں گی، جب وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پھیل جائے گا، اس کا میرے ساتھ آتنا سامنا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا، پھر یہ کیفیت ہوگی کہ پتھر اور درخت بھی پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مرد مسلمان! میرے نیچے کافر ہے، آؤ اور اسے قتل کر ڈالو پھر لوگ اطمینان سے اپنے اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اسی دوران یاجوج ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر اونچائی سے اچھلنے کو آئیں گے، شہروں کو پامال کر دیں گے، جو چیز ہاتھ لگی اسے تباہ و برباد کر دیں گے اور جس پانی سے ان کا گزر ہوگا اسے پی جائیں گے۔ لوگ پریشان حال میرے پاس ان کی شکایت لے کر آئیں گے، میری بددعا سے اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کر دے گا۔ یہاں تک کہ ان کی لاشوں کی سزاؤں سے زمین سخت بدبودار ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی، میرے رب نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو اس وقت قیامت (قرب وقوع میں) ایسی حاملہ عورت کی طرح ہوگی جس کے حمل کی مدت پوری ہو چکی ہو کہ نہ معلوم رات کو ولادت ہو جائے یا دن کو (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جس رات آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی، اس رات آپ زمزم اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تھے۔ جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب تھے اور میکائیل بائیں طرف، وہ آپ ﷺ کو لے کر پرواز کر گئے یہاں تک کہ آسمانوں کی بلند یوں پر پہنچ گئے۔ واپس لوٹتے وقت آپ نے اور تسمیوں کے ساتھ آسمانوں کی تسمیوں بھی سنیں۔ اس حدیث کو ہم اتنی سورت کی اس آیت کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔ السَّلَامُ الشَّهْنَةُ (2)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جاہلیہ میں تھے، بیت المقدس کی فتح کا ذکر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے مجھے کہاں نماز پڑھنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ میری رائے لیتے ہیں تو آپ صحرے کے پیچھے نماز پڑھیں، اس طرح سارا بیت المقدس آپ کے سامنے رہے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے تو یہودیت کی مشابہت اختیار کی، میں تو اسی جگہ نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی۔ چنانچہ آپ قبلہ کی طرف بڑھے اور نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے اپنی چادر بچھائی اور صحرے کے آس پاس سے کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے چادر میں باندھ کر باہر پھینکا شروع کیا، یہ دیکھ کر لوگوں نے بھی اس کی صفائی میں حصہ لیا اور جھاڑ دیتے لگے۔ آپ نے یہود یوں کی طرح صحرے کی تعظیم نہیں کی جو اس کے پیچھے نماز پڑھتے اور یہ ان کے سامنے ہوتا، جیسا کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا۔ دراصل حضرت کعب کا تعلق (قبول اسلام سے پہلے)

یہود سے تھا جنہوں نے صخرہ کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہوئے اسے قبلہ بنا رکھا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے ان پر احسان فرمایا اور انہیں حق کی راہ دکھائی، اسلئے جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہودیت کی مشابہت کی، اور نہ آپ رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ کی طرح صخرہ کی اہانت کی جنہوں نے محض اس وجہ سے کوزا کرکٹ پھینکنے کی جہد بنا رکھا تھا کہ یہ یہود کا قبلہ ہے، بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے کوزا کرکٹ اپنی چادر میں جمع کر کے باہر پھینکا (1)۔ یہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے مشابہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تَصَلُّوا إِلَيْهَا" (2) (نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو)۔

امام ابو جعفر بن جریر سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل روایت بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ساتھ میکائیل علیہ السلام تھے۔ جبریل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام سے کہا کہ آپ زمزم کا ایک طشت میرے پاس لاؤ تا کہ میں ان کے دل کو پاک کر دوں اور ان کے سینہ کو کھول دوں۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کا پیٹ چاک کیا اور اسے تین بار دھویا۔ تینوں بار حضرت میکائیل علیہ السلام آپ زمزم کے تین طشت لائے، جبریل علیہ السلام نے آپ کے سینہ کو کھول دیا اور ہر غیر مناسب چیز سے پاک کر کے اس میں علم، حلم، ایمان، ایقان اور اسلام بھر دیا اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت لگا دی، پھر ایک گھوڑے پر بٹھا کر محو سفر ہوئے، تا حد نظر اس کا قدم پڑا۔ آپ ﷺ نے ایک قوم کو دیکھا جو ایک دن میں بھتی کاشت کرتی ہے اور اسی دن کاٹ لیتی ہے، جونہی وہ اسے کاٹتے ہیں وہ فوراً پسپے کی طرح ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے ہیں جن کی نیکی کا اجر سات سو گنا تک بڑھتا ہے۔ "وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ وَهُمْ يَخْتَفُونَ" "وَهُوَ خَيْرٌ مِنَ الزُّقُوتِ" (سبا: 39) "اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے"۔ پھر آپ ﷺ کا گزرا ایسے لوگوں سے ہوا جن کے سر پتھروں کے ساتھ کچلے جا رہے تھے۔ کچلے جانے کے بعد وہ پھر ٹھیک ہو جاتے، اس مذاب سے ذرا بچنا خیر نہ ہوتی۔ آپ ﷺ نے جبریل سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر فرض نمازوں کے وقت بوجھل ہو جایا کرتے تھے، پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کے آگے اور پیچھے چھوڑے لٹک رہے تھے، وہ اونٹوں اور جانوروں کی طرح حرر سے تھے اور کانٹے دار کڑوی جھڑیاں، جہنم کے پتھر اور انکارے کھارے تھے۔ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرتا بھی نہیں۔ بعد ازاں آپ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا صاف ستھرا گوشت ہے اور دوسری میں ہڈیوں اور خبیث کچا گوشت۔ یہ ضبیث کچے گوشت کو کھا رہے تھے اور کچے ہوئے عمدہ گوشت کو چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے ان کے متعلق پوچھا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ مرد ہیں جن کے پاس حلال طیب بیویاں تھیں لیکن وہ انہیں چھوڑ کر ضبیث عورتوں کے پاس رات گزارتے اور وہ عورتیں ہیں جو اپنے حلال طیب خاندانوں کو چھوڑ کر ضبیث مردوں کے پاس رات گزارتی تھیں۔ پھر آپ نے راستے میں ایک مکاری دیکھی، جو کبیرا اس نے نزدیک آتا اسے بھڑا دیتی اور جو چیز وہاں سے گزرتی اسے چاک کر دیتی۔ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے ایسے لوگوں کی مثال ہے جو رستہ روک کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر اس آیت کی تلامذہ کی: "ذَلَا تَقْعُدُوا بِأَعْمَالِكُمْ كَمَا تَقْعُدُونَ" (1۔ منہ احمد، جلد 1 صفحہ 38)

تَقْصُودُ (الاحراف: 86) ”اور راستوں پر مت پہنچا کرو کہ: راز ہے ہونم (راد گیروں کو) اور روک رہے ہو راہ خدا سے“۔ پھر آپ ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس آئے جس نے لکڑیوں کا ایک بہت بڑا گنہا بنا رکھا تھا لیکن اسے اٹھ نہیں سکتا تھا، اس کے باوجود لکڑیوں میں اضافہ کئے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کا وہ آدمی ہے جس کے ذمے لوگوں کی امائیں اور حقوق ہیں، ان کی ادائیگی سے قاصر ہونے کے باوجود اس بوجھ میں اور اضافہ کر رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹنے جا رہے تھے۔ کٹنے کے فوراً بعد درست ہو جاتے، اس کا ردائی میں ذرا بھی سستی کا مظاہرہ نہ ہوتا۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ قنہہ پر دروغ خطباء ہیں۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے ایک چھوٹا سا پتھر دیکھا جس میں سے بہت بڑا نکل نکل رہا ہے، نکل اسی جگہ واپس لوٹنا چاہتا ہے جہاں سے نکلا تھا لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جو بڑی بات منہ سے نکالتا ہے، پھر اس پر تادم ہوتا ہے لیکن اسے لوٹنے پر قادر نہیں۔ پھر آپ ﷺ ایک وادی پر پہنچے جہاں آپ نے پیاری پیاری خوشگوار ٹھنڈی ہوا اور کستوری کی خوشبو پائی اور ایک آواز سنی۔ اس کے متعلق جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ جنت کی آواز ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب! مجھ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرما، میرے بالا خانے، باریک ریشم، طلسم، نقش و نگار والے قالین، لولو، مرجان، سونا، چاندی، جام، پیالے، کورے، ڈونگے، چھاگل، شہد، پانی، دودھ اور شراب بکثرت ہیں، اب مجھے وہ عطا فرما جس کا تو نے میرے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ تم مسلمان اور مومن مرد اور عورتیں تمہارے ہوئے جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے، نیک اعمال کئے، میرے ساتھ انہوں نے کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور نہ ہی کسی کو میرا ہمسر بنایا۔ جو مجھ سے ڈرا وہ ہر خوف سے محفوظ رہتا، جس نے مجھ سے سوال کیا، میں اسے عطا کرتا ہوں، جو مجھے قرض دیتا ہے، میں اسے اس کا بدلہ دیتا ہوں اور جو مجھ پر بھروسہ کرتا ہے میں اسے کافی ہو جاتا ہوں۔ میں معبود حقیقی ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ مومن یقیناً دونوں جہنموں میں با مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت بابرکت ہے جو سب سے بہتر خالق ہے۔ یہ سن کر جنت نے کہا کہ اب میں خوش ہو گئی۔

پھر آپ ایک وادی پر پہنچے جہاں سے نہایت بھیانک آواز اور سخت بد بو آ رہی تھی آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ بو اور آواز کیسی ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ جہنم کی آواز ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ میری زنجیریں، طوق، دہکتی ہوئی آگ، کھوٹا ہوا پانی، کانٹے دار جھاڑیاں، پیپ اور دیگر قسم قسم کے خذاب بکثرت ہیں۔ میری گہرائی بہت زیادہ ہے اور آگ نہایت شدید۔ اب میرے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ہر مشرک، کافر، خبیث، مرد اور عورت اور ہر اس جاہل کا ٹھکانہ ہے۔ تو قیامت پر ایمان نہیں لاتا۔ یہ سن کر جہنم نے کہا کہ اب میں خوش ہوں۔ بعد ازاں آپ ﷺ چلتے چلتے بیت المقدس پہنچ گئے۔ یہاں صحرا کے پاس اپنی سواری کو باندھ دیا، پھر مسجد میں داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرشتوں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ محمد ﷺ۔ فرشتے پوچھنے لگے کہ کیا آپ کو بابا ایما ہے؟ فرمایا: ہاں۔ فرشتے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایک بھائی اور خلیفہ حشیت سے عمر و از فرمائے، آپ نہایت اچھے بھائی جلیل القدر خلیفے اور معزز مہمان ہیں۔ پھر آپ کی ملاقات انبیاء کرام کی ارواح سے ہوئی۔ سب نے اپنے رب کی حمد ثنا کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم متعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنا خلیفہ بنایا، ملک عظیم عطا فرمایا، مجھے ایسا اطاعت گزار

امام بنایا کہ میری اقتداء کی جاتی ہے، مجھے آگ سے بچالیا اور اسے میرے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا حامل بنا دیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد و ثنا کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنے ساتھ تمکلی کی کا شرف عطا فرمایا، میرے ہاتھوں آمل فرعون کو ہلاک کیا اور نبی اسرائیل کو نجات دلائی اور میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے جو حق سے ساتھ رہنا سرتے ہیں اور اس کے ساتھ عدل و انصاف کرتے ہیں، پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد و ثنا کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے عظیم بادشاہت سے نوازا، مجھے زیور کا علم عطا فرمایا، بلوہا میرے لئے نرم کر دیا، پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لئے مسخر کر دیا کہ وہ بھی میرے ساتھ اللہ کی تسبیح بیان کرتے اور مجھے حکمت اور موثر کلام سے سرفراز فرمایا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد و ثنا کرتے ہوئے فرمایا: الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میری خاطر ہواؤں کو مسخر کر دیا، شیاطین کو میرا تابع فرمان بنا دیا جو میری خواہش کے مطابق میرے لئے پختہ عمارتیں، محسے، حوضوں جیسے بڑے بڑے لگن اور بھاری دکنیں بناتے جو چولہوں پر جمی رہتیں مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں، ہر چیز میں مجھے فضیلت بخشی، شیطانوں، انسانوں اور جنوں کے لشکر میرے مطیع بنا دیئے، اپنے بہت سے بندوں پر مجھے فضیلت عطا فرمائی اور مجھے ایسا عظیم ملک عطا فرمایا جو میرے بعد کسی کے لائق نہیں اور سلطنت بھی اتنی مدو کہ جس میں کوئی حساب نہ تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا، مجھے آدم (علیہ السلام) کی مشن بنایا جسے منی سے پیدا کیا، پھر فرمایا کہ ہو جا اور وہ ہو گئے، مجھے کتاب و حکمت اور نورانیت و انجیل کا عہد مرحمت فرمایا، مجھے یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ میں مٹی کا پرندہ بنانا، پھر اس میں پھونک مارنا تو وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن کر اترنے لگا، میں مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشا اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اٹھالیا، پاک صاف کر دیا اور مجھے اور میری والدہ کو شیطان مردود سے بھاد دی چنانچہ شیطان کو ہم پر کوئی زور حاصل نہ تھا۔ آخر میں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ”تم سب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کر چکے، اب میں اپنے رب کی حمد و ثنا کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے رحمہ للعالمین کے مقام پر فائز کیا، تمام لوگوں کے لئے مجھے بشیر اور نذیر بنایا، مجھ پر قرآن کریم نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے، میری امت کو سب سے افضل امت بنایا جسے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے پیدا کیا گیا، اسے بہترین امت قرار دیتے ہوئے اول بھی ٹھہرایا اور آخر بھی، میرے لئے میرا سینہ کھول دیا، میرے بوجھ کو مجھ سے دور کر دیا، میرے لئے میرے ذکر کو بلند فرمایا اور مجھے فاتح (آغاز کرنے والا) اور خاتم (ختم کرنے والا) بنایا۔“ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انبیاء کرام سے فرمایا کہ انہیں خصوصیات کے باعث اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تم سب سے فضیلت عنایت کی ہے۔ ابو جعفر رازی کہتے ہیں کہ خاتم کا معنی ہے سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والا اور فاتح کا معنی ہے روز قیامت سے شفاعت کا آغاز کرنے والا۔

پھر آپ ﷺ کے پاس تینا سر بند برتن لائے گئے، ایک میں پانی تھا، اسے پینے کے لئے کہا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے تھوڑا سا پانی لیا، پھر دوسرا برتن پیش کیا، اس میں دودھ تھا، اسے پینے کے لئے کہا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے ٹپ تیرا پیا، پھر شراب سے بھرا دوسرا برتن پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کی خواہش نہیں، میں سیر سوچ کا ہوں۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ اسے آپ کی امت پر تمام قرار دے دیا جائے گا، اے آپ! اس میں سے پی لیتے تو آپ کی امت میں سے بہت کم لوگ آپ کی پیروی کرتے۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھے، دروازہ کھولا تو وہ چہا کیا کہ ساتھ کون ہے، جبریل علیہ

السلام نے بتایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کہ کیا نہیں بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو فرشتے آپ ﷺ کو مہربان کہتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بھائی اور خلیفہ کی حیثیت سے مردار عطا فرمائے۔ آپ کیا ہی اچھے بھائی، جلیل القدر خلیفہ اور معزز مہمان ہیں! اسی وقت دروازہ کھول دیا گیا، آپ ﷺ داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کامل تخلیق والے ایک شخص میں، عام لوگوں کی طرح ان کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں، ان کی دائیں جانب ایک دروازہ ہے جہاں سے عمدہ خوشبو مہک رہی ہے اور بائیں جانب ایک اور دروازہ ہے جس سے بدبو آ رہی ہے۔ جب وہ دائیں طرف والے دروازے کو دیکھتے ہیں تو نہیں دیتے ہیں اور سرست کا اظہار کرتے ہیں اور جب بائیں طرف والے دروازے کو دیکھتے ہیں تو غم و اندوہ کا اظہار کرتے ہوئے رو دیتے ہیں، میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کامل خلقت والے کون بزرگ ہیں جن کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں اور یہ دونوں دروازے کیسے ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں، ان کی دائیں جانب جنت کا دروازہ ہے، جب وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہنستے اور سرور ہو جاتے ہیں اور ان کی بائیں جانب جہنم کا دروازہ ہے، جب اپنی ذریت میں سے کسی کو اس دروازے سے داخل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو غمزہ ہو کر رو دیتے ہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر دوسرے آسمان تک پہنچے، وہاں کے فرشتوں کے ساتھ بھی وہی سوال و جواب ہوئے جو پہلے آسمان کے فرشتوں کے ساتھ ہوئے تھے اور ان کی طرح اس آسمان کے فرشتوں نے بھی آپ کو خوش آمدید کہا۔ دوسرے آسمان میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے دونوں جوان دیکھے، جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ دونوں نوجوان کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ دونوں خالد بن ولید رضی اللہ عنہما اور یحییٰ بن زکریا رضی اللہ عنہما ہیں۔ تیسرے آسمان پر بلکہ ہر آسمان پر فرشتوں کے ساتھ مذکورہ گفتگو اور سوال جواب ہوئے، یہاں آپ نے ایک ایسی شخصیت دیکھی جنہیں حسن و جمال میں لوگوں پر وہی فضیلت حاصل تھی جو چودھویں کے چاند کو باقی تمام ستاروں پر۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی یوسف علیہ السلام ہیں۔ چوتھے آسمان پر ایک شخص کو دیکھا، دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مقام پر اٹھالیا۔ پانچویں آسمان میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے وہاں ایک آدمی دیکھا، ان کے ارد گرد کچھ لوگ بیٹھے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ ہرولعزیز ہارون علیہ السلام ہیں اور ان کے ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگ بنی اسرائیل ہیں۔ چھٹے آسمان پر ایک صاحب کے پاس سے آپ کا گزر ہوا، ان سے آپ تہجد کرنے لگے تو وہ رو دیئے۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھنے پر بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے رونے کی وجہ پوچھی تو جبریل علیہ السلام نے بتایا: موسیٰ علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا میرے متعلق یہ خیال ہے کہ میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ صلیل القدر ہوں، لیکن اولاد آدم میں سے یہ شخص ہیں جو دنیا میں میرے بعد تشریف لائے ہیں اور میں آخرت میں ہوں، اگر صرف یہی ہوتے تو مجھے کوئی پروا نہ تھی، لیکن ہر نبی کے ساتھ اس کی امت ہے۔ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو وہاں آپ نے دیکھا کہ جنت کے دروازے کے پاس کرسی پر سیاہ و سفید بالوں والے ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے ارد گرد کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، ان میں سے بعض کے چہرے نہایت سفید اور روشن ہیں اور بعض کے چہروں اور رنگوں میں خفیف سی سیاہی ہے۔ یہ مؤخر الذکر لوگ اٹھے اور ایک نہر میں کود گئے، اس میں غسل کرنے کے باعث ان کے رنگ کچھ صاف ہو گئے، پھر ایک اور نہر میں داخل ہوئے، غسل کیا تو ان کی رنگت کچھ نکھر آئی۔ پھر ایک اور نہر میں داخل ہو کر غسل کیا، باہر نکلے تو ان کے رنگ بالکل صاف اور چہرے روشن ہو چکے تھے۔ اب یہ بھی اپنے ساتھیوں جیسے دکھائی دیتے تھے۔ اب یہ

بھی اپنے ان دوستوں کے ساتھ آئی تھی۔ دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور سب سے پہلے روئے زمین پر آپ کے بال سفید ہوئے۔ سفید رنگ اور روشن چہروں والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا اور وہ جن کی رنگت میں کچھ سیاہی کی تھی، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیکیوں کے ساتھ برائیوں کا بھی ارتکاب کیا لیکن توبہ کر لینے کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا۔ جہاں تک نہروں کا تعلق ہے تو ان میں سے پہلی نہر رحمت اللہ ہے، دوسری نعمت اللہ اور تیسری شرابِ طہور کی نہر۔ ازاں بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہاں صرف وہی شخص پہنچتا ہے جو آپ کی سنت پر کاربند رہتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ سدرہ کے اس درخت کی جڑوں سے پاکیزہ پانی، ناقابلِ تغیر تازہ دودھ، لذت آور شراب اور خالقِ شہد کی نہریں پھوٹ رہی تھیں۔ سدرہ ایسا درخت ہے جس کے سائے کو ایک موارستہ سال کے سفر کے باوجود طے نہیں کر سکتا۔ اس کا ایک پتہ ایک پوری امت کو ڈھانپ لے، اللہ تعالیٰ کا نور اس پر چھایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث فرشتے پرندوں کی طرح سدرہ کو چھپائے ہوئے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے گفتگو کی اور فرمایا کہ مجھ سے مانگو۔ آپ ﷺ نے عرض کی کہ دے میرے رب! تو نے ابراہیم کو ظلم بنایا اور انہیں ملکِ عظیم سے نوازا، موسیٰ کو ہمگامی کا شرف بخشا، داؤد کو عظیم بادشاہت مرحمت فرمائی، ان کے لئے لوہا نرم کر دیا اور پہاڑ ان کے لئے مسخر کر دیئے، تو نے سلیمان کو سلطنت عطا کی، جن، انسان اور شیاطین ان کے تابع بنا دیئے، ہوا میں ان کے لئے مسخر کر دیں اور انہیں ایسی سلطنت ارزانی فرمائی جو ان کے بعد کسی کو لائق نہیں اور تو نے مسیٰ کو تورات و انجیل کا علم دیا اور انہیں یہ قوت دی کہ وہ مادرزاد اندھوں اور کوزھیوں کو شفا بخشتے اور تیرے اذن سے مردوں کو زندہ کر دیتے اور تو نے انہیں اور ان کی والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی، چنانچہ شیطان کو ان پر کوئی زور حاصل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو ظلم بنایا۔ تورات میں آپ کا لقب خلیل الرحمن ہے۔ میں نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، میں نے آپ کے لئے آپ کے پیارے کو کھول دیا، آپ سے آپ کے بوجھ کو اتار دیا، آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا، جب بھی میرا ذکر کیا جائے، میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، میں نے آپ کی امت کو سب امتوں سے افضل بنایا اور اسے امتِ وسطا ٹھہرایا، آپ کی امت ہی اول اور آخر ہے، ان کا خطبہ اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ یہ گواہی نہ دے لیں کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کی امت میں سے ایسے لوگ پیدا کئے جن کے دل ان کی کتابیں ہیں، میں نے انبیاء میں سے سب سے پہلے آپ کو پیدا کیا اور سب سے آخر میں بھیجا اور فیضہ کی طاقت سے بھی آپ ﷺ اول ہیں، میں نے آپ کو ایسی سات آیات دیں جو بار بار ہرائی جاتی ہیں اور یہ پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں، میں نے آپ کو عرشِ تلوٰۃ انون میں سے سورہ بقرہ کی آخری آیتیں مرحمت فرمائیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیں، میں نے آپ کو کوثر سے نوازا، میں نے آپ کو آٹھ حصے ارزانی فرمائے، اسلام، ہجرت، جہاد، نماز، صدقہ، رمضان کے روزے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور میں نے آپ کو فاج اور خاتم بنایا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میرے رب نے مجھے چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت عطا فرمائی ہے: اس نے مجھے آغاز کلام اور اختتام کلام کی خوبیوں سے نوازا، جامع کلمات عطا فرمائے، مجھے تمام لوگوں کی طرف سے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، ایک ماہ کی مسافت پر دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا، میرے لئے مالِ غنیمت حلال کیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا اور میرے لئے تمام زمین کو باعثِ طہارت اور مسجد بنا دیا۔“ آپ ﷺ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ واپس لوٹے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ کی امت کمزور ہے اور پھر مجھے تو نبی اسرائیل کی مخالفت اور شدت کا سامنا ہو بھی چکا ہے اس لئے

آپ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو کر تحفیف کا مطالبہ کریں۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر بار بار چکر لگانے سے اللہ تعالیٰ دس دس نمازوں کی کمی کرتا رہا۔ آخر کار پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کے باوجود آپ نے فرمایا کہ اب مجھے حیا دامن گیر ہے۔ طلب تحفیف کے لئے اب نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ یہ بظاہر پانچ نمازیں ہیں جن کی پابندی کا آپ نے حزم کیا ہے لیکن ثواب بیچاس کا ہی ملے گا کیونکہ ہر نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ مژدہ سنا تو بہت مسرور اور راضی ہو گئے۔ آپ ﷺ جاتے وقت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تھے تو ان کے لہجے میں شدت اور تلقینی تھی لیکن وہ نہیں لوٹے وقت انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نہایت نرمی اور غیر خواہی کا اظہار کیا (1)۔ اسے ابن جریر کے علاوہ بیہقی اور ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے (2)۔ ابن ابی حاتم ذکر کرتے ہیں کہ ایک راوی عیسیٰ یقین سے نہیں کہتے کہ آپ ﷺ نے اسی آیت سُبْحَانَ رَبِّيَ اَنَّمَرِي کی تفسیر میں یہ واقعہ بیان کیا۔ اس طویل حدیث کے ایک راوی ابو جعفر رازی بقول حافظ ابو زرہ رازی کمزور حافظے والے تھے اور بعض حضرات نے انہیں ضعیف اور بعض نے ثقہ قرار دیا ہے۔ بہر صورت ان کا حافظہ کمزور تھا، اس لئے ان کی وہ روایت جس میں وہ منفرد ہیں، محل نظر ہے۔ اس حدیث کے بعض الفاظ میں بہت زیادہ غرابت اور نکارت ہے۔ اس میں بخاری شریف کی خواب والی حدیث کا بھی کچھ حصہ موجود ہے جس کے راوی حضرت سمرہ بن جندب ہیں (3)۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ روایت متعدد احادیث کا مجموعہ ہے یا خواب یا معراج کے علاوہ کسی اور واقعہ سے اسے لیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”معراج کی رات میری ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی، متحرک اور کچھ ہتھکڑیا لے بالوں والے، گویا شہوہ کے آدی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، قدمیاند اور رنگت سرخ گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، میں ان کی اولاد میں سے سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔ میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب، مجھے کہا گیا کہ ان دونوں میں سے جسے چاہے لے لو، میں نے دودھ لے کر پی لیا تو مجھے کہا گیا کہ آپ نے فطرت کو پالیا، اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی“ (4)۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں حطیم میں تھا، قریش مجھ سے سفر معراج کی بابت پوچھ رہے تھے، انہوں نے بیت المقدس کے متعلق کچھ ایسی چیزیں دریافت کیں جو میرے ذہن میں محفوظ نہیں تھیں، مجھے بہت زیادہ پریشانی لاحق ہوئی، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس اٹھ کر میری نظروں کے سامنے لاکھڑا کیا، میں اسے دیکھتا جاتا اور قریش کے سوالوں کے جواب دیتا جاتا۔ میں نے دیکھا کہ میں جماعت انبیاء میں موجود ہوں۔ یہ ہیں شہوہ دے لوگوں جیسے ہتھکڑیا لے بالوں والے موسیٰ علیہ السلام جو کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں، یہ عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز میں مصروف ہیں، عروہ بن مسعود ثقفی کو ان سے مشابہت حاصل ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں جن کے میں سب سے زیادہ مشابہ ہوں۔ نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے انہیں امامت کروائی۔ نماز سے فراغت کے بعد کسی نے مجھے بتایا کہ یہ جہنم کے خازن مالک ہیں۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے مجھے سلام کرنے میں پہل کی“ (5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”معراج کی رات جب

1- تفسیر جری، جلد 15 صفحہ 11-6۔ 2- لاس النہج الذہبی، جلد 2 صفحہ 396-397۔ 3- فتح الباری، کتاب التعمیر، جلد 12 صفحہ 438-439

4- فتح الباری، کتاب احادیث الانبیاء، جلد 6 صفحہ 476-477 صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 154

5- صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 156-157

میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو میں نے اپنے اوپر بجلی اور اس کی گرج اور چمک ملاحظہ کی۔ میرا زراہیہ لوگوں سے ہوا جن کے پیٹ کو ٹھڑیوں جیسے تھے، ان کے اندر سانپ باہر سے ہی صاف دکھائی دے رہے تھے، میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سودخور ہیں۔ جب میں آسمان دنیا پر پہنچا تو میں نے نیچے دیکھا کہ دروغبار، دھواں اور کچھ آوازیں آرہی ہیں۔ میرے دریاخت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ یہ شیاطین ہیں جو اولاد آدم کی آنکھوں پر منڈالتے رستہ میں تاکہ وہ زمین، آسمان کی وسیع بادشاہت میں غور و فکر نہ کر سکیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگوں کو عجائبات نظر آنے لگتیں (1)۔ پہنچی، غیرہ میں ہجرت علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ عیش کی نماز سے فراغت کے بعد حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ ابو عبد اللہ حاکم نے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں درجات اور فرشتوں وغیرہ کا ذکر ہے، یہ مذکورہ چیزیں قدرت الہی سے بعید نہیں بشرطیکہ یہ روایت درست ہو، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسراء و معراج کے متعلق ہماری بیان کردہ حدیث کافی ہے (2)۔ لیکن متعدد تابعین اور مفسرین ائمہ نے اس حدیث کو مرسل بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کورات کے وقت بیت المقدس کی سیر روانی گئی تو صبح کے وقت لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے چنانچہ کچھ ایسے لوگ مرتد ہو گئے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے ہوئے تھے اور آپ کی تصدیق کرتے تھے۔ لوگ بھاگ بھاگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ کیا تمہیں اپنے دوست کی کچھ خبر ہے؟ کہتا ہے کہ اسے آج کی شب بیت المقدس کا سفر کرایا گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے واقعی ایسا کہا ہے؟ وہ کہنے لگے: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر آپ ﷺ نے واقعی ایسا کہا ہے تو جحیم کہا ہے۔ کہنے لگے کہ کیا تم بھی اس کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ رات کے وقت بیت المقدس گیا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس لوٹ آیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح و شام آپ سے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں۔ اس تصدیق کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ کو صدیق کا لقب ملا۔ (3) حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا معراج کی بہت بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جس رات معراج ہوئی اس وقت آپ ﷺ میرے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی اور سو گئے، ہم بھی سو گئے، فجر سے کچھ پہلے ہم نے آپ ﷺ کو بیدار کیا، پھر ہم نے آپ کے ساتھ ہی صبح کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا: ”اے ام ہانی! جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں نے یہاں تم لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی پھر میں بیت المقدس پہنچا اور وہاں نماز ادا کی، پھر اب صبح کی نماز تمہارے ساتھ ادا کی جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو“ (4)۔ اس روایت کا ایک راوی کلبی متروک اور ساقط ہے لیکن مسند ابوعلیٰ میں یہی روایت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے شرح و بسط کے ساتھ مروی ہے۔ طبرانی میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ معراج کی رات میرے گھر میں آرام فرماتے تھے، رات کے وقت میں نے آپ کو ناپایا تو اس خوف کے پیش نظر میری نیند اڑ گئی کہ کہیں کوئی قریشی آپ کے درپے آزار نہ ہو گیا، ہو لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ”جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر لے آئے، وہاں دروازہ پر پتھر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا جانور کھڑا تھا، انہوں نے مجھے اس

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التمارات، جلد 2 صفحہ 763، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 353، 363

2۔ دلائل اللہ، از بیہقی جلد 2 صفحہ 404-405

3۔ دلائل اللہ، از بیہقی جلد 2 صفحہ 360-361

4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 2، عبرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 402

پرسوار کردیا اور سفر شروع ہو گیا یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ جبریل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھایا، وہ سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہیں، موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کروائی، وہ طویل القامت، سیدھے بالوں والے ہیں جیسا کہ از دستوارہ کے لوگ ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کو دکھا۔ درمیان قدم، عربی ماکل سفید رنگت بالکل عروہ بن مسعود ثقفی جیسے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے دکھائی بھی دکھایا، اس کی دائیں آنکھ مٹی ہوئی تھی اور قطن بن عبد العزی کے مشابہ تھا۔ اس قدر بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں قریش کے پاس جاتا ہوں اور انہیں یہ ساری باتیں بتاتا ہوں۔“ میں نے آپ کا دامن تھام لیا اور اللہ کا واسطہ دے کر عرض کی کہ آپ انہیں یہ بتائیں گے تو وہ آپ کو جھٹلائیں گے اور آپ کی باتوں کا انکار کریں گے۔ مجھے تو وحش ہے کہ وہ آپ پر ہلہ بول دیں گے لیکن آپ نے جھٹکنے سے اپنا دامن چھڑایا اور قریش کی طرف چل دیئے، ان کے مجمع میں پہنچ کر آپ نے انہیں وہ ساری باتیں بتادیں جو مجھے بتانی تھیں۔ یہ سن کر جبیر بن مطعم کہنے لگا کہ اگر تم پہلے کی طرح سچے ہوتے تو ہمارے سامنے ایسی باتیں نہ کرتے۔ ایک اور شخص آپ ﷺ سے پوچھنے لگا کہ کیا فلاں مقام پر تمہیں ہمارا قافلہ ملا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، اللہ کی قسم اور ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جسے وہ تلاش کر رہے تھے۔“ وہ مزید آپ ﷺ سے دریافت کرنے لگا کہ کیا فلاں قبیلے کے اونٹوں سے آپ کا گزر ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، میں نے فلاں مقام پر انہیں پایا، ان کی ایک سرخ رنگ کی اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ ان کے پاس پانی کا ایک بڑا پیالہ تھا جسے میں نے پی لیا۔“ قریش کہنے لگا کہ ہمیں اونٹوں کی تعداد اور ان کے چرواہوں کے نام بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے ان کی گنتی کی ضرورت محسوس نہیں کی“ آپ اسی وقت کھڑے ہوئے تو اونٹ آپ کے سامنے عیاں کر دیئے گئے۔ آپ نے ان کی گنتی کرنی اور چرواہوں کو پہچان لیا۔ پھر آپ قریش کے پاس تشریف لائے اور انہیں اونٹوں کی تعداد بھی بتادی اور چرواہوں کے نام بھی فرمایا کہ ان میں فلاں فلاں چرواہا ہے اور ایک ان میں ابن ابی قافلہ (ابوبکر) ہے اور یہ قافلہ صبح کے وقت تمہارے پاس بھی پہنچ جائے گا۔“ وہ لوگ حنیہ جا پہنچے اور آپ ﷺ کی صداقت کو جاننے کے لئے قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ وقت مقررہ پر قافلہ آ پہنچا۔ انہوں نے قافلے والوں سے پوچھا کہ کیا تمہارا اونٹ گم ہوا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں دوسرے قافلے والوں سے پوچھنے لگے کہ کیا تمہاری سرخ اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹی تھی؟ وہ کہتے گئے: ہاں۔ مزید پوچھنے لگے کہ کیا تمہارے پاس پانی کا ایک بڑا پیالہ تھا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نے تو بذات خود اسے رکھا تھا، نہ اسے کس نے پیا اور نہ کسی نے زمین پر گرایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور اپنے ایمان و ايقان کا اظہار کیا، اسی دن سے آپ کا نام صدیق پڑ گیا (1)۔

مذکورہ بالا احادیث جن میں صحیح بھی ہیں، حسن بھی اور ضعیف بھی، اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو رات کے قلیل حصہ میں مکہ سے بیت المقدس تک سیر کروائی گئی اور یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ ہوا، اگرچہ راویوں کی عبارات مختلف ہیں اور بعض نے کئی بیشی بھی کی ہے، لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بھی غلطی سے معصوم نہیں، اور جن لوگوں نے ہر ہر روایت کو الگ الگ واقعہ سمجھ کر معراج کے متعدد واقعات ثابت کئے ہیں، انہوں نے حقیقت سے بعید اور عجیب و غریب بات کی، غلط مسلک اختیار کیا اور مقصود حاصل نہ کر پائے۔ متاخرین میں سے کسی نے یہ تصریح کی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک مرتبہ مکہ سے بیت المقدس تک سیر کروائی گئی، ایک مرتبہ مکہ سے آسمان تک، ایک مرتبہ بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمان کی طرف۔ یہ حضرت اس موقف پر بہت نازاں ہیں

اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اس طرح بہت سے اشکال رفع کر دیئے ہیں لیکن یہ مسلک حقیقت سے بہت دور ہے، سلف میں سے کسی سے یہ منقول نہیں۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور اپنی امت کو اس کی خبر دیتے اور لوگ متعدد بار معراج ہونے کی روایت کرتے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے کا واقعہ ہے، عروہ کا بھی یہی قول ہے۔ سہمی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ہجرت سے سولہ ماہ پہلے کا ہے (1)۔ حق بات یہی ہے کہ آپ ﷺ کو براق پر سوار کر کے مکہ سے بیت المقدس تک عالم بیداری میں سیر کروائی گئی، نہ کہ خواب میں۔ مسجد اقصیٰ کے دروازے پر پہنچ کر قریب ہی آپ ﷺ نے براق کو یا بندھا اور مسجد میں داخل ہو کر قبلہ رخ دور کھتیس بطور تہیہ المسجد ادا کیں، پھر آپ کے پاس معراج لائی گئی یہ درجوں والی سیڑھی ہی تھی جس کے ذریعے آپ آسمانوں کی طرف چڑھے۔ ہر آسمان کے مقربین خدا نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ نے ان انبیاء کرام کو سلام کیا جو حسب مراتب درجہ آسمانوں میں جلوہ فرما رہے ہیں۔ ان کے چہرے آسمان میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور ساتوں میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے آگے بڑھ کر آپ ایسے مقام تک پہنچے جہاں آپ نے تقوا و قدر کی قلموں کی آوازیں سنیں۔ سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جس پر عظمت خدا سا یہ قلن تھی، سونے کے پتھے، انواع و اقسام کے رنگ اور فرشتے اس پر چھائے ہوئے تھے، وہاں آپ ﷺ نے جبریل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔ آپ نے سبز رنگ کا رُف دیکھا جو افق کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ بیت معمور کو دیکھا جس کے ساتھ ہانی کعبہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بیت معمور آسمانی کعبہ ہے جس میں ہر روز مئزر ہزار فرشتے عبادت کرنے کے لئے آتے ہیں اور قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔ آپ نے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔ پہلے آپ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں جو کم ہوتے ہوتے پانچ رو گئیں۔ یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا لطف و کرم ہے، اس سے نماز کی فضیلت اور شرف کا بھی اظہار ہوتا ہے، پھر آپ اپنے چھ اتر کر بیت المقدس پہنچے، تمام انبیاء بھی آپ ﷺ کے ساتھ اترے اور جب نماز کا وقت ہوا تو آپ نے انہیں نماز پڑھائی، ممکن ہے یہ اس دن کی صبح کی نماز ہو۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آسمان میں انبیاء کرام کو امامت کروائی لیکن روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امامت بیت المقدس میں کروائی، البتہ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے جاتے وقت امامت کروائی، ظاہر بات یہی ہے کہ آپ ﷺ نے واپس لوٹنے وقت نماز پڑھائی کیونکہ جب آپ آسمانوں میں انبیاء کرام سے ملے تو آپ ﷺ نے جبریل سے ہر ایک کے متعلق دریافت کیا، جبریل آپ کو بتاتے گئے۔ اگر امامت پہلے کروائی ہوتی تو اب تعارف کی کوئی ضرورت نہ تھی، دوسری بات یہ ہے کہ اولین مقصد آپ ﷺ کا بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے آپ ﷺ پر اور آپ کی امت پر فرض قرار دے دے۔ جب فریضہ نماز معین ہو گیا تو آپ کی ملاقات اپنے انبیاء بھائیوں کے ساتھ ہوئی، پھر جب جبریل علیہ السلام کے اشارہ سے آپ ﷺ نے امام بن کر انبیاء کرام کو نماز پڑھائی تو آپ کی فضیلت اور شرف کا اظہار ہو گیا، پھر آپ بیت المقدس سے نکل کر براق پر سوار ہوئے اور آخر شب کی تاریکی میں واپس مکہ لوٹ آئے۔ اب جو یہ روایات میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے دودھ اور شہد، دودھ اور شراب یا دودھ اور پانی یا چاروں کے برتن چیش کئے گئے تو اس بارے میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ بیت المقدس میں پیش آیا اور بعض کا کہنا ہے کہ آسمان میں۔ ممکن ہے دونوں جگہ ایسا ہوا ہو کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جس طرح کسی مہمان کی ضیافت کے لئے کوئی چیز پیش کی جاتی ہے۔

اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ کیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روح و بدن دونوں کے ساتھ معراج ہوئی یا صرف روح کے ساتھ؟

اکثر علماء کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو روح و بدن دونوں کے ساتھ بیداری کی حالت میں معراج ہوئی۔ نہ کہ خواب میں۔ یہ حضرات اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ سچے آپ ﷺ نے یہ چیزیں عام خواب میں، کبھی ہوں اور پھر عالم بیداری میں، کیونکہ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے تھے، اسے بیداری کی حالت میں صبح کے اچالے کی مثل ملاحظہ فرمالتے۔ اس کی بےس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: سُبْحَانَ الرَّبِّ اَنْهَزِي بِعَيْدِهِ اللہ تعالیٰ اپنی تسبیح اور پاکی اس وقت بیان فرماتا ہے جب عظیم اور اہم امور کا تذکرہ مقصود ہو۔ اور معراج خواب کا واقعہ ہوئی تو اس میں تو کوئی بڑی اور اہم بات نہ تھی، خواب میں تو کچھ بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر یہ واقعہ خواب کا ہی ہوتا تو کفار فوراً آپ کی تکذیب نہ کرتے اور نہ ہی مسلمانوں کی ایک جماعت مرتد ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں ”عبدا“ کا لفظ مذکور ہے جس کا اطلاق روح و بدن دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے، پھر آئندہ ہی پَعْدِهِ لفظاً فرمانا اس کی مزید تائید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص کو رات کے قبل حصہ میں سیر کروائی اور اسے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنایا جیسا کہ فرمان ہے: وَ مَا جَعَلْنَا الرَّؤْيِيَ الْبَرِّيَّ اَنْ تَرِيْنِكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّبَنِي اِسْرَائِيْلَ (60) اور نہیں بنایا ہم نے اس نظر کو جو ہم نے آپ کو دکھایا تھا مگر لوگوں کے لئے آزمائش خواب تو لوگوں کے لئے آزمائش کا سبب نہیں بن سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد آنکھوں کا دیکھنا ہے جو معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا، اور ملعون درخت زقوم کا درخت ہے (1)۔ اس کی اور دلیل یہ فرمان ہے: مَا رَأَى الْبَصَرُ وَ مَا حَفِيَ (النجم: 17) ”نہ نہ ماندہ ہوئی آنکھ اور نہ (حداب سے) آگے بڑھی“۔ بصر (نگاہ) انسانی بدن کے آلات میں سے ہے نہ کہ روح کے اور پھر سفید چمکتے چ نور (براق) پر سواری کرنا یہ بھی بدن کی خصوصیت ہے نہ کہ روح کی کیونکہ روح کو سواری کی ضرورت ہی نہیں۔ بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو معراج روحانی ہوئی نہ کہ جسمانی۔ محمد بن اسحاق سیرت میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے جب معراج کے متعلق پوچھا جاتا تو آپ فرماتے: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا خواب تھا، حضرت عائشہ فرماتیں کہ آپ ﷺ کا جسم غائب نہیں ہوا بلکہ آپ کو روح کے ساتھ معراج ہوئی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس قول کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ وَ مَا جَعَلْنَا الرَّؤْيِيَ الْبَرِّيَّ اَنْ تَرِيْنِكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّبَنِي اِسْرَائِيْلَ (60) اس بارے میں نازل ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّ اَمْرِي فِي السَّمَاوَاتِ اَنْ اُدْعَى فَاَنْظُرَ مَا دُونِي (الصافات: 102) ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا میری کیا رائے ہے۔“ کچھ عرصہ کے بعد مجھ پر یہ عیاں ہوا کہ انبیاء کرام پر وحی بیداری میں بھی آتی ہے اور خواب میں بھی۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”تَمَّ عَيْنِي وَ قَلْبِي يَفْضَنُ“ (میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی بات سچ ہے اور جب اپنے قدرت الہی کی نشانیوں دیکھیں تو کیا آپ سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے؟ بہر صورت سب کچھ حق اور سچ ہے۔ یہ تو تھا ابن اسحاق کا قول (2)۔ لیکن امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسے رد کرتے ہوئے اور تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ یہ الفاظ قرآنی کے خلاف ہے، پھر اس کی تردید میں بہت سی دلیلیں لائے ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم کچلے ہیں۔

ایک جلیل القدر عمدہ فائدہ

حافظ ابو نعیم اصفہانی اپنی کتاب دلائل الغیۃ میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وحید بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نام مبارک

دے کر قیصر روم کے پاس روانہ کیا۔ چنانچہ حضرت وجیہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے۔ برقل زریک اور کھدرا تھا۔ اس نے شام میں موجود عرب تاجروں کو بلا بھیجا چنانچہ ابوسفیان صحرا بن حرب اور اس کے مکی کافر ساتھیوں کو لایا گیا۔ برقل نے ان سے وہ مشہور سوالات کئے جو بخاری و مسلم میں مروی ہیں۔ جواب دیتے ہوئے ابوسفیان کی انتہائی کوشش رہی کہ وہ برقل کے سامنے آپ ﷺ کے معاملہ کو پہنچا اور آپ ﷺ کی ذات کو حقیر بنا کر پیش کرے۔ لیکن ابوسفیان کا اپنا قول ہے کہ میں آپ ﷺ کو برقل کی نظروں سے کرانے کے لئے الزامات اور تمہین لگانے سے باز رہا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اگر برقل کے سامنے میرے جھوٹ کا پول کھل گیا تو وہ مجھے جھوٹا سمجھے گا اور میری کسی بات کی تصدیق نہیں کرے گا، اسی دوران مجھے معراج والا واقعہ یاد آ گیا۔ میں نے بادشاہ سے کہا کہ کیا میں آپ کو ایسی بات نہ بتاؤں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ محمد ﷺ نے جھوٹ بولا ہے؟ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کون سی بات ہے؟ میں نے کہا: وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ودرات کو ارض حرم سے آپ کی اس مسجد قدس تک پہنچنے اور اسی رات صبح ہونے سے پہلے واپس لوٹ آئے۔ اس وقت ایلیاء (بیت المقدس) کا لاٹ پادری قیصر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ میری بات سن کر بول اٹھا کہ مجھے اس رات کا اچھی طرح علم ہے۔ قیصر اسے ایک نظر دیکھ کر پوچھنے لگا کہ آپ کو اس کے متعلق کیا علم ہے؟ وہ بتانے لگا: میرا یہ معمول تھا کہ میں جب تک مسجد کے دروازے بند نہ کر لیتا، سوتا نہیں تھا۔ اس رات میں نے حسب معمول تمام دروازے بند کر دیئے لیکن ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہوا۔ اس وقت موجود اپنے آدمیوں کو بلا کر ہم نے پوری قوت صرف کر دی لیکن اسے سرکانے سے بھی قاصر رہے، یوں محسوس ہوتا تھا گویا ہم کسی پہاڑ کو سرکانا چاہتے ہیں۔ بڑھی ہوئے، وہ بھی لاجار ہو کر کہنے لگے کہ اس پر عمارت کا بوجھ پڑا ہے، اس لئے دروازے کو حرکت دینا ممکن نہیں، صبح ہوگی تو کوئی تدبیر کریں گے۔ چنانچہ میں دروازے کو پونہی چھوڑ کر چلا آیا اور اس شب اس کے دونوں کواڑ کھلے رہے۔ صبح جب میں اس دروازے کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ مسجد کے کونے میں جو پتھر پڑا تھا، اس میں ایک سوراخ ہے اور وہاں وضع آثار دکھائی دے رہے تھے کہ یہاں کسی نے سواری کو باندھا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج کی شب یہ دروازہ کسی نبی کے لئے کھلا رکھا گیا ہے اور اس نے ضرور ہو رہی اس مسجد میں نماز ادا کی ہے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے (۱)۔

فائدہ: حافظ ابو الخطاب عمر بن وجیہ نے اپنی کتاب 'التنوير في مولد السوراج النير' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث معراج روایت کر کے اس پر نہایت مفید اور عمدہ گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث معراج متواتر ہے جسے حضرات عمر بن خطاب، علی، ابن مسعود، ابو ذر، مالک بن صعصعہ، ابو ہریرہ، ابو سعید، ابن عباس، شداد بن اوس، ابی بن کعب، ابوامامہ، سمرہ بن جندب، ابوالخیر، مصعب بن زوی، ام بانی، عائشہ، اسماء رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ بعض نے اس روایت کو طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے اور بعض نے اختصار کے ساتھ۔ اگرچہ بعض کی روایت صحت کی شرط پر پوری نہیں اترتی، پھر بھی حدیث معراج پر تمام مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے۔ صرف زناوقہ اور طہین اس کے منکر ہیں۔ وہ چھوٹوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کی تکمیل کرنے والا ہے اگرچہ غار کو یہ برا لگے۔

وَ اٰتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرٰٓءِٕلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَاَكِيْلًا ۝
 دُرِّيَّةً مِّنْ حٰمِلِنَا مَعْتُوْجًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ عِبْدًا اشْكُوْمًا ۝

”اور وہی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اس کتاب کو باسٹ ہدایت بنی اسرائیل کے لئے (اس میں انہیں حکم دیا) کہ نہ بنانا میرے بغیر کسی کو (اپنا) کارساز۔ اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے (کشتی میں) سوار کرایا نوح علیہ السلام کے ساتھ! بے شک نوح علیہ السلام ایک شکر گزار بندہ تھا۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ معراج کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ قرآن کریم میں اکثر اللہ تعالیٰ ان دونوں ہستیوں کا ایک ساتھ ذکر فرماتا ہے اور اسی طرح تورات اور قرآن کا بھی۔ اس لئے ذکر معراج کے بعد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تورات عطا فرمائی اور اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنا دیا تاکہ وہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز، حامی و ناصر اور معبود نہ بنائیں اور نبی اور نبی کو تو فریضہ ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ توحید اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا درس دے۔ پھر فرمایا: ”ذَرِيْقَةٌ مِّنْ حَمَلِكَ مَعَ نُوحٍ“ اس سے پہلے ”یَا“ حرف تداخوذ ہے، اس آیت میں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ اپنے احسان عظیم پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے سفینہ نوح میں سوار کیا تھا! تم اپنے عظیم باپ (نوح علیہ السلام) کی مشابہت اختیار کرو، بلاشبہ وہ شکر گزار بندے تھے۔ میں نے محمد ﷺ کو تمہاری طرف مبعوث کر کے جو انعام تم پر کیا ہے اس کی قدر کرو اور اسے یاد رکھو۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کھاتے، پیتے، پہنتے بلکہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرتے اس لئے آپ کو عبد شکور (شکر گزار بندہ) کہا گیا۔ حضرت سعد بن مسعود ثقفی فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو عبد شکور کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ کھاتے یا پیتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے (1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں روز قیامت تمام اولاد آدم کا سردار ہوں“ اس حدیث شفاعت میں آتا ہے کہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عبد شکور کا نام دیا ہے اس لئے اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے۔ (2)۔

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَاتِنَ وَمَا نُنْعَمُ عَلَيْكُمْ إِلَّا أَنَّكُمْ تَأْتُونَنَا بِمَالٍ كَثِيرٍ وَبِهِنَّ وَأَنْفُسِكُمْ كَالْإِبْرَاهِيمَ الَّذِي عَصَىٰ أٰلَهُ بِمَا جَاءَ وَعَدُ الْأُولَىٰ لَهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شٰدِينَ فَجٰسُوا خٰلَ النَّبِيَّيْمَا ۗ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۗ ثُمَّ رٰدَدْنَا لَكُمْ النِّسْرٰةَ عَلَيْهِمْ ۗ وَآمَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِيْنَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيْرًا ۗ اِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۗ وَ اِنْ أَسٰتُمْ فَلَهَا ۗ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْءَ اُجُوْهُكُمْ وَ لِيَدْخُلُوْا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اٰوَّلَ مَرَّةٍ وَ لِيَلْبَسُوْا مَا عَمَلُوْا سِيْرًا ۗ عَلٰى رَبِّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۗ وَ اِنْ عَدْتُمْ عَدْنَا ۗ وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۗ

”اور ہم نے آگاہ کر دیا تھا بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم ضرور فساد برپا کرو گے زمین میں دو مرتبہ اور تم (احکام الہی سے) بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب آگیا پہلا وعدہ ان دونوں وعدوں سے تو ہم نے (تمہاری سرکوشی کے لئے) بھیج دیئے اپنے

چند بندے جو بڑے سخت (اور) سخت تھے یس وہ گھس گئے (تمہاری) آبادیوں میں۔ اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا وہ پورا ہو کر رہنا تھا۔ پھر ہم نے پلانا دیا تمہارے حق میں زمانہ کی گرش کو جو دشمن کے خلاف تھی اور ہم نے قوت دی تمہیں مال سے، بیٹوں سے اور بنا دیا تمہیں کثیر التعداد۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا۔ اور اگر برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی (تمہارے) نفسوں کو ملے گی۔ یس جب آ گیا دوسرا وعدہ (تو اور ظالم ان پر غالب آ گئے) تا کہ غناک بنا دیں تمہارے چروں کو اور تاکہ (جبراً) داخل ہو جائیں مسجد میں جیسے داخل ہوئے تھے اس میں جو بلی مرتبہ تاکہ فدا و برباد کر کے رکھ دیں جس پر قہر پو پائیں۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا۔ اور اُرفیق و فوجور کی طرف دوبارہ لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے، اور ہم نے بنا دیا جنہم کو کافروں کے لئے قید خانہ۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان پر نازل کردہ کتاب میں آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ضرور زمین میں دوسرے فتنہ و فساد برپا کریں گے اور ظلم و ستم اور سرکشی کریں گے۔ یہاں ”قَصَبْنَا“ خبر دینے اور آگاہ کرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ یہ فرمان ہے: وَكَصَبْنَا آبْنِيذِيكَ اِنَّ مَصْرًا اَنْ كَابِرًا هَؤُلَاءِ مَقْتُولًا مُصْحِحِينَ (البحر: 66) ”اور ہم نے لوط کو اس حکم سے آگاہ کر دیا کہ یقیناً ان کی جزا کاٹ دی جائے گی جب وہ صبح کر رہے ہوں گے۔“ فرمایا: قَدْ اَجَاؤُكُمْ وَعَدُوٌّ لَكُمْ اُولَئِكَ اَمْرًا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ جِزَاءٌ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ یعنی جب پہلے فس و دکھ وقت آ گیا تو ہم نے اپنی مخلوق میں سے ایک کرخت، قوی اور مسلح لشکر جبار تم پر مسلط کر دیا جس نے تمہاری آبادیوں میں گھس کر لوٹ ماری، تمہارے شہروں پر قبضہ جمالیا، بے دھڑک تمہارے گھروں میں داخل ہو گئے اور بلا خوف و خطر واپس چلے گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا جسے ہر حال میں پورا ہوتا تھا۔ متقدمین اور متاخرین منسرخین میں اختلاف ہے کہ یہ کون لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر مسلط کیا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ جالوت کا لشکر تھا جسے پہلے تو بنی اسرائیل پر فتح حاصل ہوئی لیکن پھر حالات نے پلٹا کھایا اور جالوت کا لشکر مغلوب ہو گیا بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا، اس لئے فرمایا: لَقَدْ مَرَدَدْنَا لَكُمْ الْكِبْرَةَ عَلَيْهِمْ (1)۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ شاہ موصل سنجاریب کا لشکر تھا جبکہ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ شاہ بابل تختنصر اور اس کے لشکر نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا تھا۔ ابن ابی حاتم نے تختنصر کے متعلق عیب و غریب تصدیق کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ اس شخص نے کسی طرح بدترج ترقی کرتے کرتے بادشاہت حاصل کر لی۔ پہلے یہ ایک عاجز اور بے کس فقیر تھا، لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتا اور بھیک مانگ کر گزارا کرتا، پھر سر پر آراء سلطنت ہوا اور بیت المقدس کی طرف فوج کشی کر کے بنی اسرائیل کی کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابن جریر نے اس مقام پر ایک طویل مرفوع حدیث بیان کی ہے (2) جو دراصل موضوع ہے اور جس شخص کو حدیث کے متعلق کوئی ہی معرفت بھی حاصل ہے، اسے اس کے موضوع ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ ابن جریر نے اپنی جلالت شان اور امامت کے باوجود اسے روایت کیسے کر دیا۔ ہرے شیخ حافظ طلامہ ابو النجاشی نے تصحیح کی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اسے منہوں سے کتاب کے حاشیہ پر بھی لکھ دیا ہے۔ اس بارے میں بہت سی اسرائیلی روایات بھی ہیں لیکن ان کے ذکر سے کتاب کو طویل دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض روایات زندقہ کی وضع کردہ ہیں اور بعض اگرچہ صحیح بھی ہو سکتی ہیں لیکن ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے بے نیاز ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں قرآن و حدیث عنایت کر کے ان کا محتاج نہیں بنایا۔ مقصود کلام یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل

سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن ان پر مسلط کر دیئے جنہوں نے ان کا قتل عام کیا، ان کے گھروں میں گھس گئے، انہیں ذلیل و رسوا اور مغلوب کر دیا۔ یہ ان کے کرتوتوں کی پوری پوری سزا تھی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، یہ تا نچھرا ایسے سرکش تھے کہ اپنے انبیاء اور علماء کو بھی قتل کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ مختصر نے شام پر فتح حاصل کی، بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بنی اسرائیل کو تہ تیغ کر دیا پھر جب وہ دمشق پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک چٹان پر خون اہل رہا ہے۔ اس نے لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے زمانے سے اسی طرح دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ یہ خون ہر وقت جوش مارتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس نے وہاں ہی ستر ہزار مسلمان اور دیگر لوگ قتل کئے، اس کے بعد یہ خون ٹھہر گیا۔ اس نے اشرافیہ اور علماء کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا یہاں تک کہ ایک بھی حافظہ تورات زندہ باقی نہ بچا۔ اسی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ بہت سی مخلوق کو قید کر کے اپنے ساتھ لے گیا جن میں بنی زرادے بھی تھے۔ بہت سے امور وقوع پذیر ہوئے جن کا ذکر طوالت کا مقتضی ہے۔ اگر ہم صحیح صحت کے قریب قریب روایات پاتے تو ان کا تحریر کرنا ممکن تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنْ أَحْسَنْتُمْ** یہ اس فرمان کی طرح ہے: **”مَنْ عَسَىٰ صَاحِبًا قَلْبِهِمْ”** **”وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا”** **”لَهُمُ الْآلِيَةُ تَرْكُهُمْ”** **”لِيُذْخِرُوا لَكُمْ أَيَّامًا قَلِيلًا”** (الجماعہ: 15) ”جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلنے کے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہوگا پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا“۔ اس کے بعد فرمایا: **فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ** یعنی جب تم دوسری مرتبہ آمادہ فساد ہوئے اور قتلہ کا بازار گرم کر دیا تو ایک مرتبہ پھر تمہارے دشمن تم پر چل پڑے تاکہ وہ تمہاری شکلیں بگاڑ کر تمہیں ذلیل و رسوا اور مغلوب کر لیں اور اسی طرح بیت المقدس کی مسجد میں داخل ہو جائیں جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس میں داخل ہوئے تھے اور جس پر قابو چڑھے اسے تباہ و برباد کر دیں۔ پھر فرمایا: **عَلَيْهِمْ رَجَائِكُمْ** ... یعنی بہت ممکن ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور تمہارے دشمنوں کا رخ تم سے موڑ کر گردش زمانہ کو ان کی طرف پلاندے لیکن یاد رکھو اگر تم نے دوبارہ فساد کی آگ بھڑکائی تو دوبارہ گردش زمانہ کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور آخرت میں عبرتناک عذاب اس کے سوا ہے۔ اس لئے فرمایا: **وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ** یعنی ہم نے جہنم کو کفار کے لئے ٹھکانہ اور قید خانہ بنایا ہے جس سے مفر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمیر کا معنی قید خانہ بتاتے ہیں، مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ انہیں جہنم میں محصور کیا جائے گا، حسن کہتے ہیں کہ اس کا معنی بچھونا ہے۔ قنادہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل دوبارہ فساد اور سرکشی پر اتر آئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ذریعے ان کی سرکوبی کی اور یہ ذلیل و خوار ہو کر جزیہ کی ادائیگی پر مجبور ہوئے (1)۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي بَيْنَ يَدَيْهِ أَقْوَمَ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ
أَن لَّهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿١٧﴾ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَكْثَرًا لَّهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

”بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب راہوں سے سیدھی راہ ہے اور مژدہ سناٹا ہے ان ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بلاشبہ ان کے لئے بڑا اجر ہے اور بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے تیار کر دیا ہے ان کے لئے مرانک عذاب۔“

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن کریم) کی تعریف فرما رہا ہے کہ یہ کتاب واضح اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور ان اہل ایمان کو عظیم اجر و ثواب کا مژدہ سناتی ہے جو اس کے تقاضا کے مطابق اعمال صالحہ کرتے ہیں لیکن جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان

کے لئے دردناک عذاب کی بشارت ہے جیسا کہ فرمایا: **فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ** (آن عمران: 21)۔

وَيِنَّمُ الْإِنْسَانَ بِالشُّرُودِ عَاوٍ بِالْحَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ①

”اور دعا مانگا کرتا ہے انسان برائی کے لئے جیسے دعا مانگا کرتا ہے بھلائی کے لئے اور (حقیقت یہ ہے کہ) انسان بڑا جلد باز (واقع ہوا) ہے۔“

انسان اپنی عجلت پسندی کے باعث بعض اوقات اپنے لئے یا اپنے مال و اولاد کے لئے موت، بلاکت، بربادی اور لعنت کی بددعا کرنے لگتا ہے۔ اے اللہ تعالیٰ اسے قبول کر لے تو وہ اپنی ہی بددعا کے باعث بلاکت کا شکار ہو جائے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **وَلَوْ يُعْجِلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعَجَبَا لَهُمْ بِالْحَيْرِ فَخُصِيَ إِلَيْهِمْ أَجْرُهُمْ** (یونس: 11) ”اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو شر پہنچانے میں جلد بازی کرتے جیسے وہ بھلائی کے لئے جلد بازی کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری کر دی گئی ہوتی۔“ ایک حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مناپنے لئے بددعا کرو اور تم اپنے مالوں کے لئے ممکن ہے تم قیامت کی گھڑی میں بددعا کرو اور وہ قبول ہو جائے“ (۶)۔ اس کی وجہ ابن آدم کی اضطراری حالت اور جلد بازی ہے، اسی لئے فرمایا: **وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا** حضرات سمان، نرسی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے روح پیروں تک پہنچنے سے پہلے ہی کھڑے ہونے کا ارادہ کر لیا۔ روح سر کی جانب سے آپ کے جسم میں داخل ہوئی۔ جب دماغ تک پہنچی تو آپ کو چیخ نکلی، اس پر آپ نے الحمد للہ کہا۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يَا بَنِي آدَمُ خُذْكُمْ زِينَتَكُمْ يَا آدَمُ** (اے آدم! تمہارا رب تم پر رحم فرمائے)۔ جب روح آپ کی آنکھوں تک پہنچی تو آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر جب روح تمام اعضاء جسم میں سرایت کر گئی تو آپ اپنے آپ کو دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔ ابھی روح پیروں تک نہیں پہنچ پائی تھی کہ آپ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ایسا نہ کر سکتے تو عرض کرنے لگے: اے میرے پروردگار! رات سے پہلے پہلے روح آ جائے (2)۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ لِّمَنْ عَلِمَ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرًا لِّمَنْ شَاءَ

فَضَلَّ مِنْ رَبِّكُمْ وَلا تَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْأَسَابِ كُلِّ شَيْءٍ فَفَصَلِّ لِنَفْسِكَ ①

”اور ہم نے بنایا ہے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیوں اور ہم نے ہمدرد کرو یا رات کی نشانی کو اور بنا دیا دن کی نشانی کو (دن کے اجالے میں) تم تلاش کرو رزق اپنے رب سے اور تم کہ تم جان لو سالوں کی تعداد اور حساب کو۔ اور ہر چیز کو ہم نے بڑی وضاحت سے بیان کر دیا۔“

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے گردشِ لیل و نہار ہے تاکہ لوگ رات کے وقت آرام کریں اور دن کے وقت سب معاش، صنعت و حرفت، کام کاج، سفر اور دیگر امور کے لئے دوڑ دھوپ کریں اور اس کے وسیع دنوں، جمعوں، مہینوں اور سالوں کی گنتی کر سکیں اور ان مدتوں اور اوقات کو جان لیں جو انہوں نے ادائیگی قرض، عبادات، معاملات اور اجارات وغیرہ کے لئے مقرر کر رکھے ہیں، اسی لئے فرمایا: **يَتَذَكَّرُونَ أَفْضَلًا** اگر تم تم کو تمام زمانہ ایک ہی اسلوب اور طریقے پر جامد رہتا تو نہ کوہ فوادم کا حصول ممکن نہ تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِنْ يَوْرَ الْغَيْمَةِ مِنَ اللَّيْلِ لَأَنْتُمْ بِأَبْصَارِكُمْ حُمْقًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ** ①

أَمْ يَرْتَضُونَ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَمَوَاتٍ وَإِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٧٦﴾ وَأَمْ يَرْتَضُونَ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِيَتَسَبَّحُوا فِيهِ وَلِيَتَذَكَّرُوا فِيهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٧٧﴾ (القصص: 73-71) ”فرمائیے بھلا اتنا تو سوچو اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک تم پر رات بنا دے تو اللہ کے سوا کون سا خدا ہے جو تمہیں روشنی لا دے، کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ فرمائیے بھلا اتنا تو سوچو اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن بنا دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون سا خدا ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں تم آرام کر سکو کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟ اور محض اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا ہے تاکہ تم رات میں آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔“ تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ﴿٥١﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ حَافِلًا لَيْسَ آسَاءُ مَا تَدْبُرُونَ ﴿٥٢﴾ (الفرقان: 62-61) ”بڑی برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور اس میں چراغ (آفتاب) اور چمکتا ہوا چاند بنا دیا اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس کے لئے جو یہ چاہتا ہے کہ صبحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے۔“ وَ لَهُ أُخْتٌ أُمُّ الْيَسْرِ وَاللَّيْلُ وَالنَّهَارُ ﴿٨٠﴾ (اور اسی کے اختیار میں گردش لیل و نہار ہے)۔ ”يَكُونُ اللَّيْلُ عَلَى النَّهَارِ يَكُونُ النَّهَارُ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَجْزِيََا جَلِيًّا مَسُومًا - آيَهُنَّ الْعُقَاتُ (الزمر: 5)“ وہ لپٹتا ہے رات کو دن پر اور دن پر رات کو دن پر اور اس نے سحر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک غور سے سنو اور ہی عزت والا (اور) بہت بخشنے والا۔“

”فَاللَّيْلِ إِذَا يَجَاجَ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (الانعام: 96)“ وہ نکالنے والا ہے صبح کو اور اس نے بنایا ہے رات کو آرام کے لئے اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے، یہ اندازہ ہے سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والا کا، ”وَ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَلِّمُوْا لِلَّهِ سَلَامًا وَّ لِلرَّسُوْلِ وَّ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنۡ حَيْثُ وُجُوْهُكُمْ يُوْجُوْنَ اَللّٰهُ عِنۡدَ ذٰلِكَ رَاجِعُ الْاٰيٰتِ ﴿٣٧﴾“ اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے، ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو تو لیکن وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے اور یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس خدا کا جو عزیز و علیم ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے رات کی علامت مقرر فرمادی، وہ ہے تاریکی اور اس میں چاند کا طلوع ہونا اسی طرح دن کی بھی علامت مقرر ہے اور وہ ہے اجالا اور اس میں چمکتے سورج کا طلوع ہونا اور پھر چاند کے نور اور سورج کی ضیاء کے درمیان تفاوت رکھنا کہ دونوں کی پہچان ممکن ہو جیسا کہ ارشاد ہے: ”هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُمَا مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا اَعْدَادَ النُّجُوْمِ وَالْاَسْمَانَ ﴿٥١﴾“ وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ۔ وہ ان لوگوں کے لئے نشانیاں بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔“ اور فرمایا: ”يَسْتَوِيْكَ عَيْنِ الْاَجْدَاثِ قُلْ هُوَ اِحْسَابُ الْاِنْسَانِ وَ الْاَحْيٰءِ (البقرہ: 189)“ وہ آپ سے نئے چاند کے متعلق دریافت کرتے ہیں (کہ یہ کیوں گھٹتے بڑھتے ہیں)، فرمائیے یہ لوگوں کے لئے وقت کی علامتیں ہیں اور حج کے لئے۔“

عبداللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ ”آيَةُ اللَّيْلِ“ سے مراد رات کی تاریکی ہے اور ”آيَةُ النَّهَارِ“ سے مراد دن کا اجالا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ سورج دن کی نشانی ہے اور چاند رات کی۔ رات کی نشانی (چاند) دھندلی ہی ہے۔ سورج کے مقابلے میں چاند کی روشنی کو ماند کر دیا۔ ابن الکوثر نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ چاند میں یہ دھندلاہٹ اور دھبے سے کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: صد حیف!

کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”فَحَوَىٰ آيَةَ النَّبِيِّ“ یہی تو تمھو ہے (1)۔ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَا آيَةَ الْكَلْبِ مِثْرًا لِّعَيْنِ بِمَنْ سَلَّ وَنَاشِي كُورِ وَشَنِّ اور منور بنایا۔ سورج چاند سے زیادہ منور بھی ہے اور بڑا بھی۔ دن اور رات دونوں نشانیاں ہیں جن کی تخلیق اسی طرح ہوئی۔

وَكُلُّ إِنْسَانٍ أَلْزَمُهُ طَبَرًا فِي عُنُقِهِ ۗ وَنُحْمٌ يُرْمَىٰ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَيْتًا يَلْقَاهُ مَنْ شَاءَ ﴿١٣٠﴾
اِقْرَأْ كِتَابَكَ ۗ كُلٌّ مِّنْ عَمَلِكِ ۗ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٣١﴾

”اور ہر انسان کی (قسمت کا) نوشتہ اس کے گلے میں ہم نے لٹکا رکھا ہے۔ اور ہم نکالیں گے اس کے لئے روز قیامت ایک کتاب جسے وہ (اپنے سامنے) کھلا ہوا پائے گا۔ (اسے حکم ملے گا) پڑھو اپنا دفتر عمل تم خود ہی کافی ہو آج اپنی باز پرس کرنے کے لئے۔“

زمانے اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے بنی آدم کے اعمال کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: وَكُلُّ إِنْسَانٍ أَلْزَمُهُ طَبَرًا فِي عُنُقِهِ طابَر سے مراد انسان سے سرزد ہونے والا اچھا یا برا عمل ہے جو اس کے ساتھ لازم رہتا ہے اور یہ نوشتہ اس کے گلے میں لٹکا دیا جاتا ہے اور اسی کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا جیسا کہ متعدد مقامات پر فرمایا: فَسَنُيَسِّئُ لِمُتَّقَالِ ذُرِّيَّتِهِمْ آيَةً ۗ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٧-٨﴾ (الزلزال: 7-8) ”یہ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا“، الشَّيْءُ الْغَيْبِيُّ ﴿١٠﴾ مَا يَنْفُخُ مِنْ قَوْلِ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق: 17-18) ”ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار ہوتا ہے“، وَإِنْ عَلَيْكُمْ لَحُفُوفٌ ﴿١٠﴾ كَمَا كَانَتْ يَتَنَبَّهُونَ ﴿١١﴾ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾ مَا تَفْعَلُونَ ﴿١٣﴾ (الانفطار: 10) ”اور تم پر معزز (حرف بحرف) لکھنے والے نگران (فرشتے) مقرر ہیں، جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ اِنَّا نَجُودُ ﴿١٤﴾ مَا لَنْتُمْ نَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ (الطور: 16) ”تمہیں اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے“، وَمَنْ يَعْمَلْ سُوًّا يُجْزَىٰ بِهَا (النساء: 123) ”جو برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا ملے گی“۔ مقصد یہ ہے کہ ابن آدم کے اعمال خواہ کم ہوں یا زیادہ، دن رات اور صبح شام لکھ کر محفوظ کئے جا رہے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لَطَلُّوا كَتَبَ إِنْسَانٍ فِي عُنُقِهِ“ (2) (ہر انسان کا نوشتہ اس کی گردن میں معلق ہے)۔ ابن ابی عمیر کا معنی طیرہ (بدشگونئی) بیان کرتے ہیں لیکن اس حدیث کی یہ تفسیر نہایت عجیب و غریب ہے۔ پھر فرمایا: وَنُحْمٌ يُرْمَىٰ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ یعنی ہم انسان کے تمام اعمال ایک صحیفہ میں جمع کر رہے ہیں، روز قیامت یہ اسے دے دیا جائے گا، اگر وہ نیک بخت ہو تو اپنا نام اعمال دائیں ہاتھ میں پائے گا اور اگر بد بخت ہو تو بائیں ہاتھ میں۔ انسان اپنے اس دفتر عمل کو جس میں اس کی ساری عمر کے اعمال درج ہوں گے، اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا اور اسے نہ صرف وہ خود پڑھے گا بلکہ دوسرے لوگ بھی جیسا کہ فرمان ہے: يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَنْسَانُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٠﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الْبِرَّ شَيْءٌ وَلَا يَضُرُّ الْعَمَلُ ﴿١٣١﴾ (سورہ الزلزال: 13-15) ”اس روز انسان کو آگاہ کر دیا جائے گا جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے نوادہ (زبان سے ہزار) بہانے بنا تا رہے“ اس لئے فرمایا: اِقْرَأْ كِتَابَكَ۔ یعنی اسے انسان اتر جاتا ہے کہ تم پر ظلم نہیں کیا گیا اور تمہارے نامہ اعمال میں صرف اعمال لکھے گئے ہیں جو تم نے کئے اور تمہیں اچھی طرح یاد ہے جو اعمال تم سے سرزد ہوتے رہے۔ کوئی شخص بھی اس چیز کو نہیں بھولتا جو اس نے کی ہوتی ہے۔ پھر قیامت کے دن ہر آدمی اپنا دفتر عمل پڑھ لے گا خواہ وہ پڑھا لکھا تھا یا ان پڑھ۔ آیت کریمہ میں

خصوصاً معلق (گردن) کا ذکر ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گردن ایسا عضو ہے جس کی جسم انسانی میں کوئی نظیر نہیں۔ جس نے اپنی گردن میں کوئی چیز لٹکائی، وہ اس کے ساتھ لازم ہوگئی جس سے مفر ممکن نہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیماری کا متعدی ہونا اور شگون لینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، ہر انسان کا عمل اس کے گلے میں معلق ہے“ (1) ایک اور حدیث میں فرمایا: ”ہر بندے کا شگون اس کے گلے میں معلق ہے“۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر روز کے سہل پر مہر لگادی جاتی ہے۔ جب مومن بیمار پڑ جائے تو فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے اپنے فلاں بندے کو روک لیا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے جو عمل تھے اس کی مثل لکھتے جائے یہاں تک کہ وہ شفا یاب ہو جائے یا فوت ہو جائے“ (2)۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں طائر سے مراد عمل ہے۔ حضرت حسن بصری نے اس آیت کریمہ عَنِ الْيَتِيمِ ذُنْبٍ الْيَسْمَالِ يَتِيمًا (ق: 17) کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: اے ابن آدم! میرا صحیفہ اعمال کھلا ہے، تیرے دائیں بائیں دو معزز فرشتے بیٹھے ہیں۔ دائیں جانب والا تیری نیکیاں محفوظ کر رہا ہے اور بائیں جانب والا تیری برائیاں لکھ رہا ہے۔ کم یا زیادہ جو چاہے عمل کر۔ جب تیری موت کا بیغام آجائے گا تو تمہارا یہ صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور اسے قبر کے اندر تیرے گلے میں لٹکا دیا جائے گا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ دفتر عمل کھول کر تمہارے سامنے کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا: اِقْرَأْ اَكْتِسَبْتَكَ ... اللہ کی قسم! وہ بہت ہی عادل ہے جس نے تمہیں ہی تمہارے اپنے اعمال کی باز پرس کرنے والا بنا دیا ہے (3)۔ یہ حضرت حسن کا بہت عمدہ کلام ہے۔

مَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۗ وَمَنْ ضَلَّٰ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا مُعْتَدِينَ بَيْنَ يَدَيْهِمْ بِعَاقِبَتِ سُلُوٰلَا ۝

”جو راہ ہدایت پر چلتا ہے تو وہ راہ ہدایت پر چلتا ہے اپنے فائدے کے لئے۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ سمجھیں کسی رسول کو“۔

جس شخص نے راہ راست کو اپنا یا حق کی اتباع کی اور نتوش نبوت کی پیروی کی تو اس کا انجام خیر اسی کے حق میں ہے اور جس نے حق سے روگردانی کی اور راہ راست سے انحراف کیا تو اس نے اپنی ذات پر ظلم کیا اور اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ پھر فرمایا: وَلَا تَزِرُ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے گناہ کی پاداش میں نہیں پکڑا جائے گا بلکہ ہر شخص اپنے ہی گناہوں کا ذمہ دار ہوگا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اِنْ تَنَادَوْا مُنَادِيًا اِلٰى جُنْدِهِمْ اَلَا يُحِصُّوْا سِنًا فَهِيَ (فاطر: 18) ”اور اگر پشت پر بوجھ اٹھانے والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے (کسی کو) بلائے گا تو اس کے بوجھ سے کوئی چیز نہ اٹھائی جائے گی“ اس کے درمیان اور ان آیات کے درمیان منافقات اور تقاضا نہیں ہے جن میں فرمایا: وَ لِيُحْصِلُوْا اَنْفُسَهُمْ وَ اَنْفَالَہُمْ وَ اَنْفَالَہُمْ (العنکبوت: 13) ”اور وہ ضرور اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے“، وَ مِنْ اٰذْرَابِہِمْ يَنْصُبُوْنَہُمْ بِعَدُوْہِہُمْ (النحل: 25) ”اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ جہالت سے گمراہ کرتے رہے“، کیونکہ گمراہی کی دعوت دینے والے دو قسم کے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، ایک گناہ بذات خود ان کی گمراہی کا اور دوسرا گناہ مخلوق خدا کو گمراہ

کرنے کا۔ اب یہ نہیں ہوگا کہ ان کے گناہوں کے بوجھ بلکے کر کے ان پر لا دینے جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل اور بندوں پر لطف و کرم ہے۔ اسی طرح فرمایا: وَمَا كُنَّا نَصْعَلُ بَيْنَهُمْ سُلْطَانًا يُبْعَثُ رَسُولًا يَهْدِيهِمْ لِقَاءَ رَبِّهِمْ وَاللَّهُ تَعَالَى كَمَا ظَهَرَ بِهِ اور اس میں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی کو بتلائے عذاب نہیں کرتا جب تک وہ رسول بھیج کر اتمامِ حجت نہ کر دے جیسا کہ فرمایا: كَلِمَاتٍ لِّقِي فِيهَا قَوْلِهِمْ سَأَلْتُمْ خَزَنَتَهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۚ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۖ فَكُنَّا مِنَ الَّذِينَ لَمْ نَرْجُوا رَبَّنَا وَلَا آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا ۚ إِنَّكُمْ لَغَفِيضُونَ (الملک: 8-9) ”جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو، وَسَيَعْلَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ جَهَنَّمَ ذُرْمًا حَقًّا إِذْ جَاءُواهَا فَحَسَبَتْ أَيْدِيهَا وَقَالَ لَهَا خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رَسُولٌ مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَيْدُ الْخَضَابِ عَلَى الْغَابِرِينَ (الزمر: 71) ”اور کفار جنہم کی طرف گروہ درگروہ ہانکے جائیں گے، جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے دوزخ کے پہریدار پوچھیں گے کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر جو تمہیں تمہاری رب کی آیات پڑھ کر سناٹے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے کہیں گے بے شک آئے تھے لیکن تمہیں ہو چکا تھا (لوح محفوظ میں) مذاہب کا فروں پڑاؤ هُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا تَرِبْنَا أَوْخَرِحْنَا نَعْلُ صَالِحًا عَزِيزٌ الَّذِي كُنَّا نَعْتَمِدُ ۚ أَوَلَمْ نَعْبُدِكُمْ مَا يَشْرِكُكُمْ فِينَا مِن تِلْكَ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا نَعْبُدُ قُلُوبًا قَلْبًا لِطَائِفِينَ مِنْ أَصْحَابِنَا (فاطر: 37) ”اور وہ اس میں جیتنے چلاتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! میں یہاں سے نکال ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے۔ (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تمہارے پاس نہ یہ۔ پس اب مزہ چکھو، ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔“ ایسی اور بھی متعدد آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ رسول مبعوث کئے بغیر کسی کو جنم رسید کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے بخاری کی اس روایت کو محلِ اعتراض ٹھہرایا ہے جو اس آیت إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ (الاعراف: 56) کے تحت مرقوم ہے۔ اس میں اعتراض کا سبب راوی کا معالطہ ہے جس کی بناء پر روایت کے الفاظ الٹ پلٹ ہو گئے ہیں۔ اس روایت کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت اور دوزخ جھڑنے لگے جہاں تک جنت کا تعلق ہے تو اس ہرے میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جنہم کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا اسے اس میں پھینک دیا جائے گا، جنم کہے گا کہ کیا مزید ہے؟ تین دفعہ یہ کہے گا۔“ (1) دراصل یہ جنت کے بارے میں ہے کیونکہ یہ دارِ فضل ہے اور دوزخ دارِ عدل ہے، اس میں کسی کو نذرِ رحم کئے بغیر اور جنت تمام کئے بغیر داخل نہیں کیا جائے گا، حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس روایت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے عندیہ ظاہر کیا ہے کہ اس میں راوی نے الفاظ کو الٹ پلٹ کر دیا ہے، اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جنت اور دوزخ نے جھگڑا کیا جہاں تک دوزخ کا تعلق ہے تو یہ پر نہیں ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا تو یہ کہے گا: بس بس۔ اس وقت یہ بھرجائے گا اور اس کے اجزاء ایک دوسرے کی طرف سمت جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا لیکن جنت کے لئے اللہ تعالیٰ ایک اور مخلوق پیدا

قرآن کا (1)۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کفار کے نابالغ بچے جو بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں اور اسی طرح بچپن، بہرے، فاسد العقل بوڑھے اور جو لوگ فترہ (دوٹیوں کے درمیان کا زمانہ) میں مر گئے اور کسی نبی کی دعوت ان تک نہ پہنچی، ان سب کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ کے متعلق حنفیوں اور متاخرین ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کے متعلق احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، انہیں میں یہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور توفیق سے بیان کرتا ہوں، اس کے بعد ائمہ کے کلام کا خلاصہ پیش کروں گا۔

1- حضرت اسود بن سریج سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چار قسم کے لوگ ایسے ہیں جو قیامت کے دن عذر پیش کریں گے: بہرا آدمی جو کچھ بھی نہیں سنا، (1) احمق (بچپن اور بدھو) شخص (2)، بوڑھا کھوسٹ (3) اور ایسا شخص جسے فترہ میں موت آئی (4)۔ بہرا عرض کرے گا: اے پروردگار! اسلام آیا لیکن مجھ سے سننے کی صلاحیت ہی مفقود تھی، احمق کہے گا: یارب! اسلام کی آمد ہوئی اور میری یہ حالت تھی کہ بچے مجھ پر بیٹھتے تھے، حواس باختہ بوڑھا عرض کرے گا: اے پروردگار! اسلام واقعی تشریف لایا لیکن میرے تو ہوش و حواس ہی قائم نہ تھے اور فترہ کے دوران مرنے والا شخص عرض کرے گا: اے پروردگار! میرے پاس تو تیرا کوئی رسول تشریف نہیں لایا۔ اللہ تعالیٰ ان سے عہد و پیمان لے گا کہ انہیں ضرور اس کی اطاعت کرنا ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ جنہم میں کود جاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر وہ جنہم میں کود پڑے تو جنہم کی آگ ان کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کی حالت ہو جائے گی“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی حدیث کے آخر میں آتا ہے: ”جو شخص جنہم میں داخل ہو جائے گا، اس کے لئے تو آگ ٹھنڈک اور سلامتی والی بن جائے گی لیکن جو داخل نہ ہوا اسے گھسیٹ کر جنہم رسید کر دیا جائے گا“۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی حدیث میں آتا ہے کہ چار قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی اپنی حجت پیش کریں گے۔ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت وَصَاكُمَا مُعَذِّبًا مِّنْ سَخْفٰی نَبَعًا تَرْسُوٰلًا (3)۔

2- یزید بن ابان بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عرض کی: اے ابو حمزہ! مشرکین کے بچوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”انہوں نے کوئی گناہ نہیں کئے جن کی پاداش میں انہیں عذاب دیا جائے اور وہ دوزخی بن جائیں اور نہ ہی انہوں نے نیکیاں کی ہیں جن کے صلہ میں انہیں اہل جنت میں شامل کر دیا جائے“ (4)۔

3- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روز قیامت چار قسم کے لوگ لائے جائیں گے: بچہ، پاگل، فترہ میں مرجانے والا اور شیخ فانی۔ تمام اپنی اپنی حجت پیش کریں گے تو رب تعالیٰ آگ کی گردن کو نمایاں ہونے کا حکم دے گا اور ان لوگوں سے فرمایا کہ میں اپنے بندوں کی طرف اپنا پیغام پہنچانے کے لئے انہی میں سے رسول بھیجتا رہا لیکن میں بذات خود جنہم میں پیغام دیتے ہوئے حکم دیتا ہوں کہ اس (آگ) میں کود جاؤ۔ جس کے مقدر میں بدبختی ہوگی وہ کہے گا: اے پروردگار! ہم اس میں کیونکر داخل ہوا۔ حالانکہ ہم اس سے دور بھاگتے رہے؟ لیکن جن کے مقدر میں نیک بختی ہوگی وہ جلدی سے اس میں گھس جائیں

گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب تم نے میرا حکم نہیں مانا تو میرے رسولوں کا حکم کیسے مانتے۔ یہ (فرمانبرداری کے باعث) جنت میں داخل ہوں گے اور وہ (نا فرمانی کے سبب) جہنم میں داخل ہوں گے (1)۔

۳- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں“ پھر آپ ﷺ سے مشرکین کے بچوں کی بہت سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں“ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! انہوں نے کیا عمل کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تو ان سے بخوبی آگاہ ہے“ (2)۔

۵- حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اہل جاہلیت اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر لا، اے ہوئے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا، وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! نہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول بھیجا اور نہ ہی تیرا کوئی حکم ہم تک پہنچا۔ اگر تو ہماری طرف کوئی رسول بھیجتا تو ہم سب سے زیادہ تیرے اطاعت گزار بندے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: چلا اب بتاؤ، اگر میں تمہیں کوئی حکم دوں تو کیا تم میری اطاعت کرو گے؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے گا کہ جاؤ جہنم میں کو جاؤ۔ وہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب پہنچیں گے تو اس کا جوش اور سخت چنگھاڑ ملاحظہ کر کے واپس رب تعالیٰ کی طرف چل دیں گے اور عرض کریں گے: یا رب! ہمیں دوزخ سے خلاصی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ساتھ میرے حکم کی بجا آوری کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ پھر ان سے عہد و پیمانے لے کر انہیں حکم دے گا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ وہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔ جب اس کے قریب پہنچیں گے تو مارے خوف کے پیچھے پلٹ آئیں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ہمیں تو دوزخ سے ڈر لگتا ہے اور ہمیں اس میں داخل ہونے کا حوصلہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ ذلیل و رسوا ہو کر اس میں داخل ہو جاؤ۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”اگر وہ پہلی مرتبہ ہی آگ میں کود جاتے تو اسے سراپا ٹھنڈک اور سلامتی پاتے“ (3)۔ بزار کہتے ہیں کہ اس حدیث کا متن غیر معروف ہے۔ ایوب سے صرف عباد اور عباد سے صرف ریحان بن سعید نے اسے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن حبان نے اسے ثقافت میں شہ ر کیا ہے (4)۔ یحییٰ بن معین اور نسائی کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، ابواؤو نے اس سے روایت نہیں کی۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ شیخ ہے جس میں کوئی حرج نہیں، اس کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں لیکن قابل حجت نہیں۔

۶- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فترو کے دوران مرنے والا، مجنون اور بچہ حاضر ہوں گے۔ فترو کے زمانے میں مرنے والا عرض کرے گا کہ میرے پاس تیری کتاب ہی نہیں بچی، مجنون کہے گا: اے پروردگار! تو نے مجھے عقل سے ہی نہیں نوازا جس سے میں خیر و شر کے درمیان امتیاز کر لیتا اور بچہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں تو سن بوخت و عقل کو پہنچایا نہیں۔ چنانچہ ان کے سامنے آگ شعلہ زن ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسے ہٹا دو تو وہ شخص اس آگ کو ہٹا دے گا جو علم الہی میں سعید تھا اور اگر اسے موقع ملتا تو اس نے نیک اعمال کرنا تھے لیکن وہ شخص آگ سے دور رکھے گا جو علم الہی میں شقی تھا اور

اگر اسے موقعہ میسر آتا تو اس نے برے اعمال کا ارتکاب کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے میری نافرمانی کی، اگر تمہارے پاس میرے رسول آجاتے تو تم ان کی اطاعت کرتے؟“ (1)۔

۷۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روز قیامت مسخ شدہ عقل والا، فترہ کے دوران مرنے والا اور بچپن میں فوت ہو جانے والا بچہ لایا جائیگا۔ مسخ شدہ عقل والا شخص عرض کرے گا: اے پروردگار! اگر تو مجھے نعمت عقل سے نوازتا تو عقلمند مجھ سے زیادہ سعادتمند نہ ہوتے باقی دونوں بھی اسی طرح عذر پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ میں تمہیں ایک حکم دینے والا ہوں، کیا تم اسے بجالاؤ گے؟ وہ عرض کریں گے: ہاں۔ حکم ہوگا کہ جاؤ اور جہنم میں کود جاؤ۔ اگر وہ جہنم میں کود گئے تو وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا۔ جہنم کے بڑے بڑے شعلے ان کی طرف لپکیں گے جنہیں دیکھ کر وہ خیال کریں گے کہ یہ تو ساری مخلوق کو جلا کر رکھ کر دیں گے، چنانچہ مارے دہشت کے تیزی سے واپس پلٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ حکم دے گا لیکن پھر بھی وہ اسی طرح واپس لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائیگا کہ تمہاری تخلیق سے پہلے ہی مجھے تمہارے اعمال کے متعلق علم تھا، اسی علم کے مطابق میں نے تمہیں پیدا کیا اور اسی علم کے مطابق تمہارا انجام ہے۔ اے دوزخ! انہیں اپنے نرغہ میں لے لے، چنانچہ دوزخ انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔“

۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر بچہ فطرت (دین اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، بالکل ایسی ہی جس طرح ایک جانور ایک مکمل بچے کو جنم دیتا ہے، کیا تمہیں کوئی کان سنا دکھائی دیتا ہے؟“ (2) ایک اور روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس بچے کے متعلق آگہو فرمائیے جو بچپن میں فوت ہو جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کو ہی پوری پوری خبر ہے کہ انہوں نے (اگر بڑے ہوتے تو) کیا کیا اعمال کرنا تھے۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ”مسلمانوں کے بچے جنت میں جہا جن کے کفیل حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے“ (3)۔ ایک حدیث قدسی میں فرمان ہے: ”میں نے اپنے بندوں کو صغیف (ناک بہ حق) پیدا کیا ہے“ (4)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو مسلم پیدا کیا ہے۔

۹۔ حضرت سرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔“ یہ سن کر لوگوں نے بلند آواز سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! کیا مشرکین کے بچے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مشرکین کے بچے بھی“ (5)۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کے بچوں کی بابت فرمایا: ”یہ اہل جنت کے خادم ہیں“ (6)۔

۱۰۔ حضرت خنساء بنت معاذ یہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے میرے بچپانے بتایا کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جنت میں کون کون جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نبی، شہید، بچے اور زندہ درگور کئے ہوئے جنت میں جائیں گے“ (7)۔ اس حدیث کے سبب بعض علماء ان کے ہارے میں توقف کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرتے ہیں اور بعض علماء ان کے جنتی ہونے کا

2۔ فتح الباری، کتاب اللہ، جلد 11، صفحہ 493، صحیح مسلم، جلد 4، صفحہ 2047-2048

4۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 4، صفحہ 2197

7۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 58

1۔ کشف الاستار من زوائد طبرانی، جلد 2، صفحہ 34

3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 326

6۔ معجم کبریٰ، جلد 7، صفحہ 244

قطعاً حکم لگاتے ہیں کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث معراج میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس خواب میں ایک شخص کو درخت تلے بیٹھا ہوا دیکھا جس کے ارد گرد بہت سے بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے ارد گرد مسلمانوں اور مشرکوں کے بچے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا مشرکین کے بچے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، مشرکین کے بچے بھی“ (1)۔ بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یقیناً دوزخی ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق فرمایا: ”هُمْ مَعَ آبَائِهِمْ“ (یہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں)۔ کچھ دیگر علماء کا موقف یہ ہے کہ قیامت کے میدانوں میں ان کا امتحان لیا جائے گا۔ جس نے اخاعت کی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور اس کے حق میں پہلے سے مقدر سعادت کے بارے میں علم الہی مشکف ہو جائے گا۔ جس نے نافرمانی کی وہ ذلیل و رسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوگا اور اس طرح پہلے سے طے شدہ اس کی شقاوت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم عیاں ہو جائے گا۔ یہ قول تمام دلائل کا جامع ہے اور اس کی صراحت مذکورہ احادیث سے ہوتی ہے جو ایک دوسرے کی مؤید اور شاہد ہیں۔ یہی وہ قول ہے جسے شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت و جماعت سے نقل کیا ہے اور حافظ ابوبکر تپتکی نے کتاب الاعتقاد میں اور دیگر محقق علماء، حفاظ حدیث اور نقاد حدیث نے اسی کی تائید کی ہے۔ شیخ ابو عمر بن عبدالبر المرزی نے امتحان کی بعض احادیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس موضوع کے متعلق احادیث قوی نہیں ہیں اور نہ ہی قابل حجت ہیں، اہل علم ان کا انکار کرتے ہیں کیونکہ آخرت دار جزا ہے نہ کہ دار عمل اور دار امتحان، اس لئے انہیں جہنم میں داخل ہونے کا مکلف کیسے بنایا جاسکتا ہے حالانکہ یہ تو انسانی طاقت سے باہر ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف بنائے۔ شیخ ابو عمر کے اس قول کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں بعض احادیث صحیح ہیں جیسا کہ بہت سے ائمہ علماء نے تصریح کی ہے، اور بعض احادیث حسن ہیں، جبکہ بعض ضعیف ہیں جو صحیح اور حسن کی تائید سے قوی ہو جاتی ہیں۔ جب ایک موضوع کے متعلق احادیث باہم مربوط ہوں اور ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنتی ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ قابل حجت ہوں گی۔ جہاں تک شیخ موصوف کے اس قول کا تعلق ہے کہ آخرت دار جزا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی آخرت دار جزا ہے لیکن اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ جنت یا دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے انہیں کسی حکم کا پابند نہیں بنایا جائے گا۔ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت و جماعت کا یہی مسلک بتایا ہے کہ بچوں کا امتحان ہوگا۔ اس کی ایک اور دلیل یہ آیت کریمہ ہے: ”يَوْمَ يَكْتُفُ عَنْ سَائِقِي وَيُذُنُّ عَوْنَ إِلَى الشُّجُوذِ الْقَلَمِ“ (42) ”جس روز پنڈلی سے پردہ اٹھایا دیا جائے گا اور ان کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی“۔ اور صحاح وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روز قیامت مومنین تو اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کر لیں گے لیکن منافق ایسا نہیں کر پائے گا کیونکہ اس کی کمر بانگل سیدھی اتر جائے گی، جب بھی وہ سجدہ کرنے کا ارادہ کرے گا، گلدی کے بل گر جائے گا (2)۔ صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے عہد دیا کہ لے گا جو سب سے آخر میں جہنم سے رہائی پائے گا کہ وہ جس صورت حال سے دوچار ہے اس سے رہائی کے سوا کوئی اور سوال نہیں کرے گا لیکن وہ اس عہد کو فراموش کرتے ہوئے اور سوال کر بیٹھے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”اے ابن آدم! تو کتنا عہد شکن ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں جانے کی اجازت مرحمت فرمادے گا (3)۔“ باقی رہی شیخ ابو عمر کی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں داخل ہونے کا مکلف کیسے بنائے گا

2- صحیح بخاری، تفسیر سورہ قہم جلد 8 صفحہ 663-664

1- فتح الباری، کتاب التعمیر، جلد 12 صفحہ 439

3- صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 205، صحیح مسلم، کتاب الایمان جلد 1 صفحہ 299

حالانکہ یہ ان کی استطاعت سے باہر ہے تو یہ بھی صحت حدیث سے مانع نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو پل صراط پر سے گزرنے کا حکم دے گا۔ یہ جہنم کے اوپر ایبٹل ہے جو تلواری سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا، مومن اپنے اپنے اعمال کے مطابق بجلی، ہوا، عمدہ گھوڑوں اور اونٹوں کی سی رفتار سے اسے عبور کر لیں گے۔ ان میں سے بعض بھاگ کر، بعض پیدل چلتے ہوئے، بعض سرین بل تھمتے ہوئے اور بعض چہرے کے بل کت کت کر جہنم میں گرتے ہوئے (1)۔ ان کے بارے میں دخول نار کا جو حکم وارد ہوا ہے وہ اس سے کوئی بڑا نہیں بلکہ یہ اس سے بھاری اور بڑا ہے اور حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ جال کے پاس جنت بھی ہوگی اور آگ بھی۔ جو اہل ایمان اسے پا میں گئے، انہیں شارح میہ اسلام نے حکم دیا ہے کہ وہ جسے آگ خیال کریں گے، اگر وہ اس میں سے پی لیں گے تو یہ ان کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کی حامل ہوگی۔ یہ اس واقعہ کی نظیر ہے۔ اس طرح نبی اسرائیل کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھرے کی پرستش کرنے کی پاداش میں یہ حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں، چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا، اسی اثناء میں ایک ابر نے انہیں ڈھانپ لیا، ایک ہی صبح ستر ہزار آدمی قتل ہو گئے، انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے باپ اور بھائی قتل کئے۔ یہ حکم بھی نفوس پر بہت شاق اور گراں ہے جو حدیث میں وارد حکم سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ (کیا اسے بھی خراج از وسعت کہنا چاہئے؟)

اس بحث کے بعد اب مشرکین کے بچپن میں مرے ہوئے بچوں کے متعلق بھی متعدد اقوال ہیں:

1- وہ جنتی ہیں، اس کی دلیل حدیث سرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس (معراج کی شب) مسلمانوں اور مشرکوں کے بچے دیکھے، اسی طرح ایک اور حدیث میں جو پہلے گزر چکی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "وَالْوَلُودُ فِي الْجَنَّةِ" (2) (بچے جنتی ہیں)۔ یہ استدلال صحیح ہے لیکن امتحان کی احادیث اس سے خاص ہیں۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ مطہ ہوگا اس کی روح کو برزخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور مسلمانوں کے ان بچوں کے ساتھ جگہ دے دی جن کی وفات فطرت پر ہوئی، اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اطاعت گزار نہیں ہوگا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور قیامت کے دن وہ جہنمی ہوگا جیسا کہ احادیث امتحان سے ثابت ہوتا ہے۔ امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اہل سنت سے نقل کیا ہے۔ انہیں جنتی کہنے والوں میں سے بعض کا کہنا ہے کہ یہ مستقل جنتی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جنتیوں کے خادم ہوں گے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ابو داؤد طیالسی میں آیا ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔

2- وہ اپنے کافر آباء و اجداد کے ساتھ جہنم میں جائیں گے اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے، آپ رضی اللہ عنہا سے کفار کی اولاد کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ کا ان کے متعلق فرمان ہے: "وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں"۔ یہ سن کر میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! بغیر اعمال کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کون سے اعمال کرنا تھے (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول ﷺ سے مومنوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہوں گے"۔ پھر میں نے پوچھا کہ مشرکین کے

بچے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے“۔ میں نے عرض کی: بغیر کھل کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ انہوں نے کیسے کیسے اعمال کرنا تھے“ (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے سامنے مشرکین کے بچوں کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو میں تمہیں جہنم میں ان کی چیخ و پکار سنا دوں“ (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کی بابت دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مر گئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ دونوں دوزخ میں ہیں“۔ جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھے تو انہیں فرمایا: ”اگر تم ان دونوں کی جگہ دیکھ لیتیں تو تم خود ان سے کراہت محسوس کرتیں“، پھر انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ سے میرا بچہ (کہاں ہے)؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ”مومن اور ان کے بچے جنتی ہیں جبکہ مشرک اور ان کے بچے دوزخی ہیں“ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يُرِيضُونَ بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ مُرْتَابُونَ (الطور: 21) ”اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی بیروی کی ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے“ (3)۔ یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند میں محمد بن عثمان جمہول الحال ہے اور ان کے شیخ زاذان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کروہ دوزخی ہیں“ (4)۔ حضرت سلمہ بن قیس اجمعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے عرض کی کہ ہماری ماں زمانہ جاہلیت میں فوت ہو گئی، وہ مہمان نواز اور صلہ رحمی کرنے والی تھی البتہ اس نے ہماری ایک نابالغ بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”زندہ دفن کرنے والی اور زندہ دفن کی گئی دونوں دوزخی ہیں لیکن یہ اور بات ہے کہ زندہ درگور کرنے والی اسلام کو پاکرا سے قبول کر لے“ (5)۔ یہ سند حسن ہے۔

۳۔ ان کے بارے میں توقف اور سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ اس کی دلیل حضرات ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کیسے اعمال کرنا تھے“ (6)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کا ٹھکانہ اعراف ہوگا لیکن اس قول سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ جنتی ہیں کیونکہ اعراف کوئی ابدی قیام گاہ نہیں، یہاں کے رہنے والے بالآخر جنت میں چلے جائیں گے جیسا کہ سورہ اعراف میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ یہ اختلاف مشرکین کے بچوں کے ساتھ خاص ہے، اہل ایمان کے بچوں کی بابت علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ ان کے جنتی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور لوگوں میں یہی بات مشہور ہے اور ہمارے نزدیک بھی قطعی حکم یہی ہے۔ لیکن شیخ ابو عمر بن عبدالبرذکر کرتے ہیں کہ بعض علماء نے اس بارے میں توقف کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ سب بچے میت الہی کے ماتحت ہیں۔ اہل فقہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، ان میں حضرات حماد بن زید و حماد بن

2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 208

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنہ جلد 4 صفحہ 229

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، جلد 4 صفحہ 230

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 134-135

6۔ صحیح ابی ہریرہ، کتاب الجنائز جلد 3 صفحہ 245، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2049

5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 478، معجم کبیر، جلد 7 صفحہ 39-40

سلمہ، ابن مبارک، اسحاق بن راہویہ وغیرہ شامل ہیں۔ مؤطا امام مالک میں ابواب التندر کی احادیث میں تقریباً اسی طرح بیان ہوا ہے اور امام مالک کے اصحاب کی اکثریت کا یہی مسلک ہے، اگرچہ امام مالک سے اس ضمن میں کوئی چیز صراحتاً منقول نہیں لیکن ان کے پیروکاروں میں سے متاخرین کا خیال ہے کہ مسلمانوں کے بچے یعنی بچے ہیں جبکہ مشرکین کے بچوں کا معاملہ مشیت الہی پر موقوف ہے۔ ابن عبدالبر کا یہ کلام بہت غریب ہے۔ امام قرطبی نے کتاب التذکرہ میں یہی فرمایا ہے (1)۔ یہ حضرات اس ضمن میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ایک انصاری بچے کے جنازہ میں شرکت کرنے کے لئے بلایا گیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس بچے کو مبارک ہو، یہ تو جنت کی چیز ہے، نہ اس نے برائی کا ارتکاب کیا اور نہ اس عمر کو پہنچا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے علاوہ کچھ مزید بھی، اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور جنتیوں کو بھی حالانکہ وہ اپنے آباء کی جنموں میں ہیں اسی طرح دوزخ کو پیدا کیا اور دوزخیوں کو بھی حالانکہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں ہیں“ (2)۔ چونکہ یہ مسلک صحیح اور عمدہ دلائل کا محتاج ہے اور بعض اوقات کچھ لوگ اپنی لاعلمی کی وجہ سے شارع کے متعلق گفتگو کرنے لگ جاتے ہیں اس لئے علماء کی ایک جماعت نے اس مسئلہ میں کلام کرنا ناپسند کیا ہے۔ حضرات ابن عباس، قاسم بن محمد بن ابی بکر اور محمد بن حنفیہ وغیرہ کا یہی موقف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بزم منیرہ حدیث بیان کی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس امت کا معاملہ اس وقت تک درست رہے گا جب تک وہ بچوں اور تندر کے متعلق کلام نہیں کریں گے“ (3)۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ حدیث میں بچوں سے مراد مشرکین کے بچے ہیں۔

وَإِذَا آتَاكُمْ الْقُرْآنُ فَذُكِّرْتُمْ بَلْ يَأْتِيكُمْ الْقُرْآنُ لِقَدِّمْتُمْ لَهَا

تَذَكُّرًا ۝

”اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کر دیں کسی بستی کو (اس کے گناہوں کے باعث) تو (پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں اس میں، پس واجب ہو جاتا ہے، ان پر (عذاب کا) فرمان پھر ہم اس بستی کو جز سے اکھڑ کر رکھ دیتے ہیں۔“

”امرنا“ کی قرأت میں اختلاف ہے۔ مشہور قرأت ”امرنا“ تخفیف کے ساتھ ہے۔ اب اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں امر سے مراد امر تقذیری ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: اَلَمْ نَأْمُرْنَا نِيْلًا اَوْ نَهَانَا (یونس: 24) ”اچانک آچرا اس پر ہمارا حکم رات یادن کے وقت“ کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں دیتا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بدکاریوں کے ارتکاب کی طرف متحرک کر دیا جس کے باعث وہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہم ان اہل ثروت کو اطاعت کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ بدکاریوں کا بازو گرم کرنے کی پاداش میں مستحق عقوبت ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر سے یہی معنی منقول ہے۔ بقول ابن جریر اس میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ ہم ان کو حکمران بنا دیتے ہیں۔

1۔ دیکھئے التذکرہ فی احوال الموقی وامور الآخرة، صفحہ 511-517

2۔ صحیح مسلم، کتاب التدر، جلد 4 صفحہ 2050، سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، جلد 4 صفحہ 229

3۔ الاحسان مرتب صحیح ابن حبان، کتاب التدر، جلد 8 صفحہ 255-256، کشف الاستار من زوائد البر، کتاب التدر، جلد 3 صفحہ 35-36

یہ معنی اس قرأت کے مطابق ہے جس میں ”اَمْرُنَا“ پڑھا گیا ہے۔ علی بن طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے (اس قرأت کے مطابق) یہ معنی نقل کرتے ہیں کہ ہم شریراہل ثروت کو اقتدار دے دیتے ہیں لیکن وہ سرکشی اور نافرمانی پر اتر آتے ہیں، جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں مبتلائے عذاب کر کے ہلاک کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِی كُلِّ قَوْمٍ لِّكُلِّ قَوْمٍ مَّوْجِبًا لِّیَعْلَمُوْا فِیْهَا** (الانعام: 123) ”اور اسی طرح ہم نے بنایا ہر بستی میں اس کے بڑے لوگوں کو وہاں کے مجرم تاکہ وہ اس میں مکر و فریب کریں“ (1)۔ ابو العالیہ، مجاہد اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے، عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کی تعداد بڑھا دیتے ہیں، اسی طرح عکرمہ، حسن، قتادہ اور ضحاک نے کہا ہے۔ نہ ہرٹی سے بھی یہی منقول ہے۔ ان میں سے بعض نے حضرت سوید بن مہیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”حَیْرٌ عَلٰی اَمْرِیْ لَهٗ مَهْرَةٌ مَّامُوْرَةٌ اَوْ مَسْئَةٌ مَّامُوْرَةٌ“ (2) (آوی کا بہترین مال وہ پھیری ہے جس کی نسل زیادہ ہو یا وہ رستہ جو کھجور کے درختوں سے اٹا پڑا ہو)۔ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے مامورہ کا معنی کثیر النسل، سکتہ مایورہ کا معنی وہ رستہ جو کھجوروں کی قطاروں سے آراستہ ہو، بتایا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ معنی مناسب ہے جس طرح آپ ﷺ کا قول ہے: ”مَلَاوِزٌ وَّ رَاثٍ غَیْرُ مَلَاوِزَاتٍ“ (3) (گناہ کرنے والیاں نہ کہ اجر پانے والیاں)۔

وَ كَمۡ اَھْلَکْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۗ وَ کَفٰی لِبَرِّیْکَ بِذُنُوْبِ عِبَادِیۡ حَیْثُ اَبۡصَرۡتَا ۝۱۰

”اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح علیہ السلام کے بعد۔ اور آپ کا پور دگار اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہے اور انہیں خوب دیکھنے والا ہے۔“

رسول کریم ﷺ کو جھٹلانے پر اللہ تعالیٰ کفار قریش کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ اس نے نوح (علیہ السلام) کے بعد بہت سی ایسی قوموں کو نیست و نابود کر دیا جو رسولوں کو جھٹلانے کی روش اپنائے ہوئی تھیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان گزری ہوئی قومیں اسلام پر کار بند تھیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس ایشیں گزری ہیں جن کو اسلام پر کار بند رہنے کا شرف حاصل ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے قریشیو، اے جھٹلانے والو! تم اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلی قوموں سے کوئی زیادہ معزز نہیں ہو، تم نے اشرف المرسلین ﷺ اور اکرام المخلوقین کی تکذیب کی، اس لئے تم سزا کے زیادہ مستحق ہو۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَ کَفٰی**۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام اچھے برے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ یَصَلُّہَا

مَدَّ مَوْمًا مَّدًّا حُوْرًا ۝۱۱ وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعِیۡنَا وَ هُوَ مُوْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ اَنۡ

سَعِیۡہُمْ مَّشْكُوْرًا ۝۱۱

”جو لوگ طلبگار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (ان میں سے) جسے چاہتے ہیں۔ پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے جہنم۔ تا پے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا (اور) ٹھکرایا ہوا ہوگا۔ اور جو شخص طلبگار ہوتا ہے آخرت کا اور جدوجہد کرتا ہے اس کے لئے پوری طرح در آنحالیکہ وہ مومن بھی ہو، پس یہ وہ (خوش

نصیب ہیں) جن کی کوشش مقبول ہوگی۔“

یہ ضروری نہیں کہ دنیا اور اس کی نعمتوں کے طلبگار کی ہر خواہش پوری ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اور جس قدر چاہے، نوازتا ہے۔ یہ آیت کریمہ دیگر آیات کے مطلق حکم کے لئے متید ہے کیونکہ فرمایا: **عَدَّ نَائِلًا فِيْهَا ...** یعنی ہم طالبان دنیا میں سے جسے چاہیں اور جس قدر چاہیں، دے دیتے ہیں۔ پھر آخرت میں ہم نے اس کیلئے جہنم تیار کر رکھا ہے جس میں اسے داخل ہونا پڑے گا اور یہ تمام اطراف سے اسے اپنی لپیٹ میں لے لے گا، اس وقت اس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنی بد اعمالیوں کے باعث مذمت کیا ہوا ہوگا کیونکہ وہ فانی کو باقی پر ترجیح دیتا رہا، مزید برآں وہ دھنکارا ہوا اور ذلیل و رسوا ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) کوئی گھر نہیں، اور یہ اس کا مال ہے جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہیں اور اسے وہی جمع کرتا ہے جو بے عقل ہو“ (1)۔

دوسری آیت میں فرمایا: **وَمَنْ آمَرَ بِالْاٰخِرَةِ ...** یعنی جو شخص دارِ آخرت اس کی نعمتوں اور مسرتوں کا طلب گار ہے اور اس کی خاطر رسول کریم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے جگمگ دو کر رہتا ہے اور اس کا دل ایمان سے لہریز اور ثواب و جزا پر کامل یقین رکھتا ہے تو یہی وہ سعادت مند لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

كُلًّا تَهْدُوهُمُ اِلٰى صِرٰطٍ مَّسْرُوْمٍ ۙ وَمَا كَانَ عَطَاؤُكُمْ لَكُمْ مَحْظُوْرًا ۗ اَنْظُرْ كَيْفَ

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۙ وَاللَّاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۗ

”ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے۔ اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم طالب دنیا اور طالب آخرت دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کے لئے آپ کے رب کی بخششوں سے اس چیز میں اضافہ کرتے رہتے ہیں جس میں وہ ہیں، آپ کا رب ہی ایسا متصرف اور حاکم ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ہر ایک کو سعادت اور شقاوت میں سے وہ عطا کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی رو کرنے والا نہیں، اس کی عطا کو کوئی روکنے والا نہیں اور اس کے ارادہ کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں، اس لئے فرمایا: **وَمَا كَانَ عَطَاؤُكُمْ لَكُمْ مَحْظُوْرًا** یعنی آپ کے رب کی عطا کو کوئی روکنے والا ہے اور نہ کوئی رو کرنے والا۔ قنادہ کے نزدیک ”مَحْظُوْر“ کا معنی منقوص (کم کیا ہوا) ہے، اور حسن وغیرہ نے اس کا معنی ممنوع کیا ہے۔ پھر فرمایا: **اَنْظُرْ كَيْفَ**۔ یعنی دیکھیں ہم نے کس طرح دنیا میں بعض کو بعض پر فضیلت اور برتری عطا کی ہے۔ کوئی امیر ہے، کوئی غریب اور کوئی متوسط درجہ کا، کوئی خوبصورت، کوئی بدصورت اور کوئی قبول صورت، کوئی بچپن میں مرجاتا ہے، کوئی بڑھاپے میں اور کوئی درمیانی عمر میں۔ اس کے بعد فرمایا: **وَاللَّاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ**۔ یعنی دنیا کے مقابلے میں دارِ آخرت کے اندر مراتب میں فرق اور درجات میں تفاوت زیادہ ہوگا کیونکہ کچھ لوگ جہنم کے گڑھوں میں طوق و زنجیر میں جکڑے عذاب کا سامنا کر رہے ہوں گے اور کچھ لوگ جنت کے اعلیٰ درجات میں اس کی نعمتوں اور مسرتوں سے شاد کام ہو رہے ہوں گے، پھر جنہوں کی سزا اور عذاب میں بھی تفاوت ہوگا، اسی طرح جنتیوں کے درجات میں

بھی فرق ہوگا کیونکہ جنت کے سوردے ہیں، ہر دور دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”بلند درجات والے اہل علمین کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے افق میں کسی ستارے کو دیکھتے ہو“ (1)۔ اس لئے فرمایا: وَلَا تَجْعَلُوا كَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ”جو بندہ ارادہ کرتا ہے کہ دنیا میں اس کا درجہ بلند ہو جائے اور وہ بلند درجہ پا بھی لے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا اس سے بڑا اور جگہ دے گا“ (2)۔ پھر آپ نے اسی آیت و لَا تَجْعَلُوا كَالَّذِينَ..... کی تلاوت کی۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُومًا ۝

”نہ ظہر اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ورتہ تم بیٹھ رہو گے اس حال میں کہ تمہاری مذمت کی جائے گی اور بے یار و مددگار ہو جاؤ گے۔“

اس آیت میں خطاب امت کے ہر مکلف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک عبادت نہ بناؤ ورنہ شرک کے اس جرم عظیم کی پاداش میں تم ذلیل اور بے یار و مددگار ہو جاؤ گے کیونکہ شرک کے ارتکاب کی صورت میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہیں کرے گا بلکہ تمہیں اسی کے سپرد کر دے گا جس کی تم عبادت کرو گے اور یہ (معبود باطل) تمہارے لئے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوگا۔ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص فادک کا شکار ہو گیا اور اس نے اسے دور کرنے کے لئے لوگوں سے امید وابستہ کر لی تو اس کا فائدہ ختم نہیں ہوگا اور جس نے اسے رفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ کر لی تو اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اسے خوشحالی سے نواز دیتا ہے“ (3)۔

وَقَصِي سَرِيكَ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِمَّا يَبْتَغِيَنَّ عِنْدَكَ الْكَيْدَ
أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَا تَقْنُ لَهُمَا آفٌ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَ احْفَظْ
لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِيِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا ۝

”اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تیری زندگی میں ان دونوں میں کوئی ایک یا دونوں تو انہیں آف تک مت کہو اور انہیں مت جھڑکو، اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم سے بات کرو۔ اور جھکاؤ ان کے لئے تو وضع و اتسار کے پر رحمت (و محبت) سے اور عرض کرو اسے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے (بڑی محبت و پیار سے) مجھے پالا تھا جب میں بچہ تھا۔“

آیت کریمہ میں ”قَضَى“ کا لفظ حکم دینے کے معنی میں ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: ”وَصَى“ (تاکیدی حکم دینا)۔ حضرات اہل بیت، ابن مسعود اور ضحاک بن مزاحم کی قرأت میں ”قَضَى“ کی بجائے ”وَصَى“ ہے (4)۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی عبادت کا حکم اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے جیسا کہ ایک آیت میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقْوَاهُ وَالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا وَقُلْ لِلَّهِ عِشْقٌ وَإِلَىٰ وَالِدِيَّاتٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ الْغُيُوبِ (لقمان: 14) ”کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو میری طرف ہی لوٹنا ہے۔“ پھر فرمایا: إِنَّمَا يَتَّبِعُونَ عِشْرَتًا ۚ أَلَيْسَ اسْمُ

2- تفسیر، جلد 6 صفحہ 239-240

1- فتح الباری، کتاب بدع الخلق، جلد 6 صفحہ 320، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 4 صفحہ 2177

4- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 62-63

3- سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ 122/2، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 407، فیہ

والدین کے حق میں اپنی زبان سے کوئی نازیبا بات اور برا کلمہ مت نکالیں حتیٰ کہ اف بھی نہ کہیں حالانکہ یہ تو معمولی چیز اور ہلکی سی بے ادبی ہے اور نہ ہی انہیں جھڑکیں، یعنی ان کی شان میں تمہاری طرف سے کسی فعل قبیح کا صدور نہیں ہونا چاہئے۔ عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ فرمایا: **قَوْلُهُمْ هَذَا كَمَا مَعْنَى بَيَانِ كَرْتِهِمْ جِيءَ بِهِ مِنْ أَدْبَانِ مَنْ فِيهِ قَبِيحٌ أَوْ فِعْلٌ قَبِيحٌ أَوْ مَعْنَى بَيَانِ كَرْتِهِمْ جِيءَ بِهِ مِنْ أَدْبَانِ مَنْ فِيهِ قَبِيحٌ أَوْ فِعْلٌ قَبِيحٌ**۔ والدین کے معاملہ میں قول قبیح اور فعل قبیح سے ممانعت کے بعد اب اللہ تعالیٰ والدین کیساتھ خوش کلامی اور خوش اخلاقی سے پیش آنے کا حکم دے رہا ہے فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَنَافِعَ عَمَلِهِمْ إِنْ كَانُوا بُغِيضًا إِلَىٰ بَنِيكُمْ أَوْ أَدْبَارًا** یعنی اپنے عمدہ افعال کے ساتھ ان ادب، توقیر اور تعظیم کیساتھ نرم، عمدہ اور ملامت لہجہ میں ان سے مخاطب ہوں، مزید فرمایا: **وَأَنْتُمْ خَشِيتُمُوهُنَّ** یعنی اسے میرے پروردگار! ان پر کے سامنے عاجزی اور تواضع کا اظہار کریں، آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَنَافِعَ عَمَلِهِمْ إِنْ كَانُوا بُغِيضًا إِلَىٰ بَنِيكُمْ أَوْ أَدْبَارًا** یعنی اسے میرے پروردگار! ان پر بڑھاپے میں اور وفات کے وقت رحم فرما جیسے کہ انہوں نے بچپن میں بڑے پیار سے میری پرورش کی تھی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس آیت کے ذریعے کفار کے لئے طلب مغفرت سے منع کر دیا گیا: **عَاثِمُ بْنُ لَيْثٍ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ: «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَنَافِعَ عَمَلِهِمْ إِنْ كَانُوا بُغِيضًا إِلَىٰ بَنِيكُمْ أَوْ أَدْبَارًا» كَانَتْ لِقَاءَ مَنْ كَانَ يَتَّقِي اللَّهَ وَيَتَّقِي النَّاسَ وَيَتَّقِي نَفْسَهُ** اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ مشرکین کے لئے مغفرت طلب کریں اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ داری ہوں جبکہ ان پر واضح ہو گیا کہ یہ دوزخی ہیں (2)۔

والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ منبر پر چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہی۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے آمین کس بنا پر کہی ہے؟ فرمایا: ”میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی ناک خاک آلود (ذلیل) ہو جس کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو لیکن اس نے آپ پر درود نہ پڑھا، کہو آمین تو میں نے کہا: آمین۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس ماہ رمضان آیا اور چلا گیا لیکن اس کی بخشش نہ ہوئی، کہو آمین، میں نے کہا: آمین، پھر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین دونوں کو یا ان میں سے ایک کو پایا لیکن ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا، کہیے آمین، میں نے کہا: آمین (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے کسی مسلمان والدین کے یتیم بچے کی پرورش کی اور اسے اپنے کھانے پینے میں شریک کیا یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہو گیا تو اس شخص کے لئے یقیناً جنت واجب ہوگی، اور جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا، اسے جہنم سے رہائی مل گئی، اس (غلام) کے ہر عضو کے بدلے اس کا ہر عضو جہنم سے آزاد ہوگا“ (4)۔ ایک دوسری سند سے مروی اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے: ”جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے کسی ایک کو پایا اور پھر بھی جہنم میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی رحمت سے دور کرے“ (5)۔ حضرت مالک بن عمر قشیری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے مسلمان غلام آزاد کیا تو یہ آگ سے اس کا فدیہ ہے، اس (غلام) کی ہر ہر ہڈی کے بدلے اس کی ہر ہر ہڈی (آگ سے) آزاد ہوگی۔ جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پایا اور اس کے باوجود اس کی مغفرت نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے اور جس نے کسی مسلمان ماں باپ کے یتیم بچے کی کفالت کی اور اسے اپنے کھانے پینے میں شریک کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا تو اس شخص کے لئے جنت لازم ہوگی“ (6)۔ ایک اور روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے اپنے ماں باپ یا کسی

2- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 68

1- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 65

4- مسند احمد، جلد 4 صفحہ 344

3- صحیح مسلم، کتاب البقرہ، جلد 4، صفحہ 1978، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 254، وغیرہ

6- مسند احمد، جلد 4 صفحہ 344

5- مسند احمد، جلد 5 صفحہ 29

ایک کو پایا، پھر اس کے باوجود جہنم میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے اور اسے تباہ و برباد کرے“ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، ناک خاک آلود ہو، ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا اور (خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ڈکڑا ہوا لیکن اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس ماہ رمضان آیا اور گزر گیا لیکن اس کی بخشش نہ ہوئی اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کی زندگی میں اس کے والدین بڑھاپے کو پہنچے لیکن وہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا“ (3)۔ حضرت ابواسیل مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اسی اثناء میں ایک انصاری آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد ان سے حسن سلوک مجھ پر ضروری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، چار چیزیں ضروری ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے لئے مغفرت طلب کرنا، ان کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کا احترام کرنا اور ان کی طرف سے رشتہ داروں کیساتھ صلہ رحمی کرنا۔ یہ ایسا حسن سلوک ہے جو ان کی موت کے بعد تم پر واجب ہے“ (4)۔ حضرت جاہد سلمی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ جہاد میں شرکت کروں، اس سلسلہ میں آپ سے مشاورت کرنے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمہاری ماں ہے؟“ انہوں نے عرض کی: جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، اس کی خدمت کرو۔ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ مختلف مواقع پر دو بارہ اور سہ بارہ عرض کرنے پر آپ ﷺ نے یہی بات فرمائی“ (5)۔ حضرت مقدم بن معدیکرب روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے باپوں کے متعلق وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کی بابت وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے بارے میں وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے متعلق وصیت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں رشتہ داروں کی نسبت وصیت فرماتا ہے، سب سے زیادہ قریبی پھر اس کے قریب والا“ (6)۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے، اپنی ماں سے حسن سلوک کرو، اپنے باپ سے، اپنی بہن سے، اپنے بھائی سے، پھر ان کے بعد جو قریبی رشتہ دار ہو، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ“ (7)۔ ایک آدمی اپنی ماں کو اٹھائے طواف کروا رہا تھا، وہ نبی کریم ﷺ سے عرض کرنے لگا کہ کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، ایک سانس کے برابر بھی نہیں“ (8)۔

رَبِّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۗ إِنَّ تَكُونُوا صٰلِحِيْنَ فَإِنَّهُ كَانَ لِإِلٰهٍ عَفْوٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥٠﴾

”تمہارا رب بہتر جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک کردار ہو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ بکثرت تو بہ کرنے

- 1۔ مستدرج، جلد 5 صفحہ 29، مستدانی داؤد، ص 187-188
- 2۔ صحیح مسلم، کتاب امر، جلد 4 صفحہ 1978، مستدرج، جلد 2 صفحہ 346
- 3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الہجاء، جلد 13 صفحہ 62، مستدرج، جلد 2 صفحہ 254
- 4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 336، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1208-1209
- 5۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 11، سنن ابن ماجہ، ابواب الجہاد، جلد 2 صفحہ 929-930
- 6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1207-1208، مستدرج، جلد 4 صفحہ 32
- 7۔ مستدرج، جلد 4 صفحہ 64-65
- 8۔ کشف الاستار، نزاد، کتاب امر، جلد 2 صفحہ 371

والوں کے لئے بہت بخشنے والا ہے۔"

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے جلد بازی میں اپنے والدین کے حق میں کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جسے وہ اپنے ذہن کے مطابق قابل مواخذہ نہیں سمجھتے۔ چونکہ ان کی نیت صاف ہوتی ہے اور بجز خیر کے انکے اور ارادہ نہیں ہوتا، اس لئے اللہ تعالیٰ ان پر نظرِ کرم فرماتا ہے (1)۔ عقادہ "اوابین" کا معنی اطاعت گزار نمازی بتاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے دو معانی منقول ہیں۔ (1) تصحیح کرنے والے، (2) اطاعت گزار اچھے اعمال بجالانے والے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مغرب اور عشاء کے درمیان تو اہل پر ہتے ہیں جبکہ بعض حضرات اس سے وہ لوگ مراد لیتے ہیں جو چاشت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جو گناہ کا ارتکاب کر لیں تو توبہ کرتے ہیں، پھر اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کر لیتے ہیں۔ عطاء بن یسار، سعید بن جبیر اور مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں: خیر کی طرف رجوع کرنے والے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ظنوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے استغفار کرتے ہیں۔ سعید بن مسیب کا یہی کہنا ہے کہ اواب وہ ہے جو ہر مجلس سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا اَصْبَبْتُ فِيْهِ مِنْ مَّجْلِسِيْ هٰذَا" (اے اللہ! اس مجلس میں جو غرض مجھ سے سرزد ہوئی، اسے معاف فرما دے)۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اواب کا سب سے بہتر معنی یہ ہے: گناہ سے توبہ کرنے والا، نافرمانی سے اطاعت کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اس کی محبوب چیزوں کی طرف رجوع کرنے والا (2)۔ یہ قول بالکل درست ہے کیونکہ اواب کا لفظ "واب" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے رجوع کرنا۔ کہا جاتا ہے: "آبٌ فُلَانٌ" (فلاں اواب آیا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ اِيَّاكُمْ (الغاشية: 25) "بے شک انہیں ہماری طرف ہی لوٹا ہے" حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے لوٹے تو فرماتے: "اَيُّوْنَ قَانِيُوْنَ عَابِدُوْنَ لِيْوَبْنَا حَاصِلُوْنَ" (لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب ہی کی حمد کرنے والے) (3)۔

وَاٰتِ دَاٰلِقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالنَّسِيْكَوْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۗ وَلَا تُبْذِرْ مٰمَتَيْكَ يَدًا ۗ اِنَّ الْمَبْدِيْٓنَ كَانُوْٓا رٰحُوْٓا نَ الشَّيْطٰنِيْنَ ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۗ وَاَصْلُكُمْ مِّنْ عَمَلِكُمْ اِتِّبَاعًا رَّحْمٰتِيْ نِ ۗ رَبِّكَ تَتَرٰجَعُوْنَ فَاَقْبُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۙ

"اور وہ اپنی اور رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ اور اگر (بوجہ تکلف) تجھے ان سے منہ پھیرنا پڑے اور تم اپنے رب کی رحمت (یعنی خوشحالی) کے متلاشی ہو جس کی تمہیں توقع ہے (اس اثناء میں) ان سے بات کرو تو بڑی نرمی سے کرو۔"

والدین کے ساتھ حسن سوک اور محبت و مروت کے حکم کے بعد اب قرابت داروں کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "اپنی ماں اور اپنے باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو پھر درجہ درجہ قرہبی رشتہ داروں کے ساتھ"۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا رزق فراخ ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کیا کرے" (4)۔

1- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 68 2- تفسیر صبری، جلد 15 صفحہ 71 3- صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 978

4- صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 3 صفحہ 73 صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 1982

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر باغ فدک عطا فرمایا (1)۔ حافظ ابو بکر بزار نے اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ اس کی سند محل نظر ہے۔ اگر اس کی سند صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ بھی روایت اشکال سے خالی نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور فدک خیبر کے ساتھ ہے۔ فتح ہوا۔ اس لئے ایسا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حدیث منکر ہے اور رافضیوں کی وضع کر دو ہے۔ مساکین اور مسافرین کے متعلق بحث سورہ برأت میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں (2)۔ اس آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿لَا يَتَّبِعُنَّ يَتَّبِعُوا انْفِاقًا﴾ (خرچ کرنا) کا حکم دینے کے بعد اسراف اور فضول خرچی کی ممانعت کر دی۔ ہر حال میں اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا لَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان: 67) ”اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے“ پھر اسراف اور فضول خرچی سے نفرت دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّ الْفِتْيَانَ يَرْفَعُونَ كَاتِبًا الْخَوَانَ الْفُلُولِيْنَ﴾ یعنی فضول خرچ لوگ اس معاملہ میں شیطانوں کے مشابہ ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تہذیر کا معنی بتاتے ہیں: ناحق خرچ کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر انسان اپنا تمام مال حق کی راہ میں خرچ کر دے تو مبذر (فضول خرچ) نہیں ہوگا اور اگر غیر حق میں معمولی سا بھی خرچ کر دے تو وہ مبذر کہلائے گا۔ عقادہ فرماتے ہیں کہ تہذیر کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، ناحق اور فساد کی غرض سے خرچ کرنا (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو تمہیں ہا کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میں مالدار آدمی ہوں اور اہل و عیال، خاندان اور بڑے قبیلے والا ہوں، مجھے فرمائیے کہ میں کس طرح خرچ کروں اور کونسا طریقہ اپنائوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر مال ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کر، کیونکہ یہ حق ہے پاک کر دے گی، اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر اور سائل، یتیم اور مسکین کے حقوق پہنچان“۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! قلیل الفاظ میں جامع بات فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: ﴿وَاتَّذَرْنَا الْفَقْرَ حَقًّا وَآتَيْنَا السُّبُلَ وَلَا تَبْتَئُوا بِتَبْتِئُوا وَهُوَ شَخْصٌ عَرَضٌ كَرَنَ لَكَ: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ کافی ہے۔ اگر میں آپ کے قاصد کو زکوٰۃ کی ادائیگی کر دوں تو میں اللہ اور اس کے رسول کے ہاں بری الذمہ ہو گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔ جب تم نے میرے قاصد کو زکوٰۃ دے دی تو تم بری الذمہ ہو گئے اور تمہیں اس کا اجر مل گیا۔ اب جو اس میں تغیر و تبدل کرے گا تو اس کا گناہ اسی پر ہوگا“ (4)۔

فرمایا: ﴿إِنَّ الْفِتْيَانَ يَرْفَعُونَ﴾۔ یعنی فضول خرچی کرنے والے اسراف، بیوقوفی، ترک اطاعت اور ارتکاب معصیت میں شیطانوں کے بھائی ہیں، اسی لئے فرمایا: ﴿وَكَانَ الْقَوَامُ بَيْنَهُمْ كَقَوَامِ شَيْطَانٍ﴾ اپنے رب کا ناشکر گزار اور منکر ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا انکار کرتا ہے اور اس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت پر کمر بستہ ہے۔ اہل آیت میں فرمایا: ﴿فَمَا تَعْرِضُونَ عَلَيْهِمْ﴾۔ یعنی جب تمہارے قریب و دار اور دیگر وہ لوگ جنہیں عطا کرنے کا ہم نے تمہیں حکم دیا ہے، تم سے کسی چیز کا سوال کریں لیکن تمہارے پاس انہیں دینے کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور افلاس کے سبب تمہیں ان سے من موثر ناپڑ جائے تو بھی ان سے نرم لہجے میں بات کر۔ یعنی ان سے وعدہ رولو کہ جب اللہ تعالیٰ رزق سے نوازے گا تو ہم انشاء اللہ ضرور تمہیں عطا کریں گے۔ مجاہد، بکر، سعید بن جبیر، حسن اور عقادہ وغیرہ نے فقہاء

2- کچھ تفسیر سورہ توبہ: 60

4- منہاج، جلد 3 صفحہ 136

1- کشف الاستار من زوائد الدرر، کتاب التفسیر جلد 3 صفحہ 55

3- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 74

تفسیر کی تفسیر وندہ سے کی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿١٠﴾

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ لَبَصِيرًا ﴿١١﴾

’اور نہ بنا لو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کے ارد گرد اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کئے ہوئے در ماندہ۔ بے شک آپ کا رب کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) یقیناً وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے خوب آگاہ ہے اور (انہیں) دیکھنے والا ہے۔‘

اللہ تعالیٰ بخل کی مذمت کرتے ہوئے اور اسراف سے منع کرتے ہوئے زندگی میں میانہ روی اپنانے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے، حکم ہوتا ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ یعنی بخیل اور مال کو روک کر رکھنے والے نہ بنو کہ کسی کو کچھ عطا ہی نہ کرو جیسا کہ ملعون یہود (اس محاورہ کو استعمال کرتے ہوئے) کہتے: ”يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ“ (اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے)۔ یہ کہہ کر وہ بخی اور کریم ذات کی نسبت بخل کی طرف کرتے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَبْسُطْهَا یعنی خرچ کرنے میں اسراف سے کام نہ لو کہ اپنی طاقت سے بڑھ کر اور آمدنی سے زیادہ عطا کرتے رہو ورنہ تم ملامت کئے ہوئے اور در ماندہ ہو کر بیٹھ رہو گے۔ اس آیت میں لف و نشر ہے یعنی اگر تم بخل کے مرتکب ہوئے تو تم ملامت کئے ہوئے بیٹھے رہو گے، لوگ تمہیں ملامت کریں گے، تمہاری مذمت کریں گے اور تم سے بے نیاز ہو جائیں گے جیسا کہ زبیر بن ابی سلمیٰ اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

وَمَنْ يَدَكَ ذَا فَضْلٍ فَيَحِلَّ بِفَضْلِهِ عَلَىٰ قَوْمِهِ يُسْتَعْنَىٰ عَنْهُ وَ يَكْتُمُ (1)

یعنی جو شخص مالدار ہونے کے باوجود اپنی قوم سے بخل کرے تو اس سے وہ بے نیاز ہو جاتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہیں۔

اگر تم اپنی طاقت سے بڑھ کر خرچ کرو گے تو تمہارے پاس خرچ کرنے کے لئے پھر کوئی چیز نہیں بچے گی، اس طرح تم در ماندہ اور عاجز ہو جاؤ گے اور تمہاری حالت اس جانور کی سی ہوگی جو کمزوری اور تھکاوٹ کی وجہ سے چلنے سے عاجز ہو کر رک جاتا ہے، ایسے جانور کو حیر کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ ایک اور مقام پر بھی استعمال ہوا ہے: فَمَا جِئَ الْبَصَرَ أَهْلًا سَرَىٰ مِنْ هَظْمٍ ﴿١٠﴾ ثُمَّ أُمِيطَ الْبَصَرُ كَمَا كُنْتَ يُقَلِّبُ إِلَيْكَ الْوَصَرَ خَاسِيًا وَهُوَ حَبِيرٌ (الملک: 3-4) ”ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رنندہ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ ڈالو، لوٹ آئے گی تیری طرف تیری نگاہ نا کام ہو کر دریاں حالیکہ وہ تھکی ماندی ہوگی“۔ حضرات امین عباس، حسن، قتادہ، ابن جریج، ابن زید اور دیگر حضرات نے اس آیت کی تفسیر بخل اور اسراف سے بیان کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بخیل اور بخی کی مثال ان دو آدمیوں جیسی ہے جن پر سینے سے گلے تک لوہے کے دو بچے ہوں۔ بخی جوں جوں خرچ کرتا ہے، اس کا جب اس کی جلد پر بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے پوروں کو چھپا لیتا ہے اور اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے اور بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کے بچے کی کڑیاں اپنی جگہ چھٹی رہتی ہیں، وہ انہیں وسیع کرنا چاہتا ہے لیکن ان میں وسعت پیدا نہیں ہوتی“ (2)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے) فرمایا: ”اس طرح، اس طرح اور اس طرح خرچ کرتی رہا کرو، بچا بچا کرنے رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ

بھی تم سے روک لے گا اور نہ ہی سر بند کر کے جمع کروں گا اللہ تعالیٰ بھی تم سے سر بند کرے گا“ (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے: ”گن گن کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی شمار کر کے تجھ سے روک لے گا“۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ خرچ کرو، میں تمہیں عطا فرماؤں گا“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بہر صبح آسمان سے دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: یا اللہ! خرچ کرنے والے کو جزا عطا فرما، دوسرا فرشتہ کہتا ہے: یا اللہ! بخیل کا مال تلف کر دے“ (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: ”صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ہر عمل کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے اور جو شخص رضائے الہی کے لئے تو انصاف اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بند کر دیتا ہے“ (4)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: ”حرم سے بچو کیونکہ اس نے تمہارے پہلے لوگوں کو بلاکت میں ڈال دیا، اس نے انہیں بخل کا حکم دیا تو وہ بخل کرنے لگے، اس نے انہیں قطع رحمی پر اکسایا تو وہ قطع رحمی کرنے لگے اور انہیں فسق و فجور پر آمادہ کیا تو وہ فسق و فجور پر کمر بستہ ہو گئے“ (5)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بہت انسان صدقہ کرتا ہے تو ستر شہ طین کے جڑے ٹوٹ جاتے ہیں“ (6)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میانہ روئی اختیار کرنے والا محتاج نہیں ہوتا“ (7)۔

اگلی آیت میں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ بِبَيْطٍ . آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق، روزی کشادہ کرنے والا اور نیک کرنے والا اور اپنی مشیت کے مطابق اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے۔ وہ اپنی حکمت کے پیش نظر جسے چاہے غنی کر دے اور جسے چاہے فقیر بنا دے، اس لئے فرمایا: اِنَّكَ كَانْتَ يَحْسَدُ . یعنی وہ باخبر اور دیکھنے والا ہے، اسے بہتر معلوم ہے کہ کون خوشحالی کا مستحق ہے اور کون فقیر کا جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے: ”میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے لئے فقر ہی بہتر ہے۔ اگر میں انہیں خوشحالی بنا دوں تو ان کا دین برباد ہو جائے اور میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے لئے خوشحالی ہی موزوں ہے، اگر میں انہیں فقیر بنا دوں تو ان کا دین فساد کا شکار ہو جائے۔“ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ بعض لوگوں کے حق میں امارت استدارج (ڈھیل) ہوتی ہے اور فقر سزا۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

وَلَا تَقْتُلُوا۟ اَوْلَادَكُمْ حَسِيۡةٌۢ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرِزْقُهُمْ وَاٰۤیَاتُكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً

کبیراً ①

”اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے۔ ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ بلاشبہ اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی عطلی ہے۔“

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس قدر والد اپنی اولاد کے لئے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، وہی طرح آباء کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو وراثت میں اپنا مال دیں، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور تھا کہ وہ بچوں کو وراثت میں شریک نہیں کرتے تھے بلکہ بعض تو اپنی بیٹیوں کو فقیر و افلاس کے خوف سے

2- صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 691

1- صحیح بخاری، کتاب الہیہ، جلد 3 صفحہ 305 صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 713

4- صحیح مسلم، کتاب الہیہ، جلد 4 صفحہ 2001

3- صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 700 صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 700

7- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 447

5- مسند احمد، جلد 2 صفحہ 159-160 6- سنن بیہقی، کتاب الزکاۃ، جلد 4 صفحہ 187

اپنے ہاتھوں قتل کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوا... یعنی تم اپنی اولاد کو اس اندیشہ کے پیش نظر قتل نہ کرو کہ تمہیں (ان کی کفالت کے باعث) فقر کا سامنا کرنا پڑے گا، ان کے روزی رساں ہم ہیں، اس لئے رزق کی بہم رسانی کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مقدم رکھا: فرمایا: سُبْحَانَ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ بُحْتِكُمْ وَيُدْخِلُكُم فِي رَحْمَتِهِ إِنَّهُ كَانَ لَشَدِيدًا (الانعام: 151) "اور اپنی اولاد کو مغفلی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: إِنَّ قَتْلَهُمْ... یعنی ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک اور قرأت میں خطا ہے (۱)۔ یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے"۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے"۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنے بڑوسی کی بیوی سے زنا کرے" (2)۔

وَلَا تَقْرُبُوا الزُّفَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ۖ وَسَاءَ سَبِيلًا ۝۱۱

"اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ، بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے"۔

زنا، اس کے قریب لے جانے والے اسباب اور اس فعل قبیح پر اکسانے والے تمام امور کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بے حیائی، بہت بڑا گناہ اور بہت برا راستہ ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ حاضرین یہ سنتے ہی برا فرودختہ ہو گئے اسے جھڑکنے لگے اور کہنے لگے: چپ چپ، لیکن آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ وہ آپ ﷺ کے قریب آیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم اسے اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو؟" عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے یہ پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: "کیا تم اپنی بیٹی کے لئے اسے پسند کرتے ہو؟" عرض کی: نہیں، یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح دوسرے لوگ بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا: "کیا تم اپنی بہن کے لئے اسے پسند کرتے ہو؟" عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے لوگ بھی اسی طرح اپنی بہنوں کے لئے اسے پسند نہیں کرتے۔ پھر فرمایا: "کیا تم اپنی بھوی بھی کے لئے اسے پسند کرتے ہو؟" عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ باقی لوگ بھی اسی طرح اسے فعل شنیع کو اپنی بھوی بھویوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا تم اسے اپنی خالہ کے لئے پسند کرتے ہو؟" عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان جاؤں۔ فرمایا: اسی طرح دوسرے لوگ بھی اسے اپنی خالوں کیلئے پسند نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر یہ دعا کی: "اے اللہ! اس کا گناہ بخش دے، اس کے دل کو پاک کر دے اور اسے بدکاری سے بچا" (3) اس کے بعد اس شخص نے پھر بھی اس فعل کے ارتکاب کا تصور تک بھی نہ کیا۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "شُرک کے بعد زنا سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں کہ آدمی

1۔ المسو طانی القرامات العشر از ابو بکر بن مہران اصہبانی 228 تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 79

3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 256-257

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ بقرہ، جلد 8 صفحہ 163، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 90

اپنا نطق ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں۔“

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ
سُلْطٰنًا فَلْيَسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ۗ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ﴿۱۷﴾

”اور نہ قتل کرو اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو قتل کیا جائے ناحق تو ہم نے
مقتول کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) حق دے دیا ہے جس سے چاہئے کہ قتل میں اسراف نہ کرے۔ ضرور اس کی مدد
کی جائے گی۔“

بغیر حق شرعی کے کسی کو قتل کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی ایسے مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو اس
بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، بجز تین میں سے کسی ایک کے: قتل کے بدلے قتل، شادی
شدہ زانی اور مرتد جو جماعت کو چھوڑنے والا ہو“ (1)۔ سنن میں ہے: ”ساری دنیا کا فتنہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مسلمان کے قتل سے
زیادہ آسان ہے“ (2)۔ فرمایا: وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا۔۔۔ یعنی جو شخص ناحق قتل ہو گیا تو اس کے وارث کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو
قصاص میں قاتل کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اسے معاف کر دے خواہ وہ دیت (خون بہا) لیکر یا بغیر کسی عوض کے۔ عالم اجل حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے عموم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطنت پر استدلال کیا ہے کہ وہ زمام اقتدار سنبھال لیں گے
کیونکہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ناحق شہید کر دیا گیا تو اموی ہونے کے ناطے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی حضرت عثمان رضی
اللہ عنہ کے ولی تھے، اسی بناء پر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ قاتلان عثمان کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ ان سے
قصاص لے سکیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں مہلت کے خواہاں تھے تاکہ وہ اقتدار کو مضبوط کر کے ایسا کر سکیں۔ حضرت علی
رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ شام ان کے حوالے کر دیں لیکن حضرت معاویہ نے نہ صرف اہل شام سمیت
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا بلکہ شام حوالے کرنے سے بھی انکار کر دیا جب تک وہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے
حوالے نہیں کرتے۔ اسی کشمکش میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام پر اپنا قبضہ مستحکم کر لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اس آیت
سے یہ استنباط بہت عجیب و غریب ہے۔ بحکم طبرانی میں یہ روایت ہے کہ ایک رات قصہ گوئی کی محفل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے
حاضرین سے کہا کہ میں تمہیں ایک بات بتانے والا ہوں، نہ وہ پوشیدہ اور نہ علانیہ۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش
آیا تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ امور سلطنت سے الگ تھلگ رہیں۔ اگر آپ کسی ٹل میں بھی ہوئے تو لوگ وہاں
سے بھی آپ کو نکال لیں گے لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی۔ یاد رکھو، اللہ کی قسم! معاویہ ضرور تمہارے بادشاہ بنیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے: وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا اور یاد رکھو یہ قریش تمہیں فارس و روم کے طریقوں پر آمادہ کریں گے اور نصاریٰ، یہود اور مجوس تم پر
آکھڑے ہوں گے۔ اس وقت جس نے معروف کو تھا مایا، اس نے نجات پالی اور جس نے چھوڑ دیا اور تم چھوڑنے والے ہی ہو، تم بھی
ایک زمانے والوں کی طرح ہو گے، تو وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوا (3)۔

1- فتح الباری، کتاب الایات جلد 12 صفحہ 201، صحیح مسلم، کتاب القسام، جلد 3 صفحہ 1302-1303

2- سنن نسائی، کتاب تخریم الدم، جلد 7 صفحہ 82، سنن ابن ماجہ، کتاب الایات، جلد 2 صفحہ 874 وغیرہ۔ 3- مجمع کبیرہ، جلد 10 صفحہ 320، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 236

پھر قتل میں زیادتی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: **فَلَا تَسْرِفُوا فِي الْقَتْلِ** یعنی قاتل کو قتل کرنے میں ولی زیادتی نہ کرے مثلاً اس کا مثلہ نہ کرے یا غیر قاتل سے قصاص نہ لے۔ آخر میں فرمایا: **إِنَّكَ كَانَتْ مَسْئُورًا** یعنی مقتول کا ولی قاتل پر بظاہر شریعت، غلبہ اور قدرت ہر طرح سے مدد لیا گیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا أَمْوَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۗ إِنَّ
الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ ۚ إِذَا كَلْتُمْ وِزْنَ أَوْ بِالْقِيسِ الْمُسْتَقِيمِ ۗ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ
أَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

”اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر ایسے طریقہ سے جو (اس یتیم کے لئے) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو بے شک ان وعدوں کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائے گا۔ اور پورا پورا ماپو جب تم کسی چیز کو ماپنے لگو اور تو لو تو اسے ترازو سے تو لو جو بالکل درست ہو۔ یہی طریقہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے۔“

یتیم کے مال میں نیک نیتی اور عمدہ طریقہ سے تصرف کرو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ أَلْفًا بِأَلْفٍ** اور جلدی جلدی اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اور جو سر پرست فحش ہو تو اسے چاہئے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سر پرست فقیر ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھائے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اے ابوذر! میں تمہیں کمزور دیکھ رہا ہوں اور میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ کھل دو آدمیوں کا امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کا متولی بننا“ (1)۔ اس کے بعد فرمایا: **وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ**۔ یعنی تم نے لوگوں کے ساتھ لیمن دین اور دیگر معاملات میں جو بھی عہد و پیمانہ اور معاہدہ سے کر رکھے ہیں، انہیں پورا کرو کیونکہ عہد و پیمانہ اور معاہدوں کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی، پھر ناپ تول کے متعلق فرمایا: **وَأَوْفُوا الْكَيْلَ**۔ یعنی جب تم ماپنے لگو تو بغیر ڈنڈی مارے پورا پورا ناپ کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو و مزید برآں درست ترازو کے ساتھ وزن کیا کرو۔ قسطاس (میزان، ترازو) کی دوسری قرأت قسطاس ہے جیسے قسطاس (کانخند)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ رومی زبان میں قسطاس کا معنی عدل ہے۔ مستقیم کا مطلب ہے درست جس میں کسی قسم کی کجی، انحراف اور اضطراب نہ ہو۔ صحیح ناپ تول ایسی عمدہ صفت ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہے، اسی لئے فرمایا: **وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا** یعنی آخرت میں اس کا انجام بخیر ہوگا۔ قنادہ آیت کے اس حصہ (ذٰلک خیر ..) کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ یہ از روئے ثواب بہتر اور بظاہر عاقبت عمدہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اے تاجر! وہ چیزیں تمہارے سپردگی میں ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلے لوگ برباد ہوئے یعنی ناپ تول۔ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”جو شخص حرام پر قدرت رکھنے کے باوجود اسے محض خوف خدا کے سبب چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت سے پہلے دنیا میں ہی اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرمادیتا ہے“ (2)۔

وَلَا تَقْتُلُوا مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ

مَسْئُولًا ⑤

”اور نہ پھروں کرو اس چیز کی جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا۔“

علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ”لَا تَقْفُ“ کا معنی ”لَا تَقْفُ“ بیان کرتے ہیں یعنی ایسی بات نہ کرو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ عوفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ کسی شخص کی طرف ایسی بات منسوب نہ کرو جس کے متعلق تمہیں علم نہیں۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دو۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بغیر دیکھے یہ نہ کہو کہ میں نے سنا ہے اور بغیر جانے یہ نہ کہو کہ مجھے علم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے متعلق تم سے باز پرس کرنے والا ہے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہم و گمان اور ظن و تخمین کی بناء پر بغیر یقینی علم کے کوئی بھی بات کرنے سے منع فرمادیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اجْتَنِبُوا كَيْفَ ذَاقَ الظَّنُّ إِنَّ مَعْصِيَ الظَّنِّ إِنَّهُمُ (الجمرات: 12) ”دور ہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔“ حدیث شریف میں آتا ہے: ”بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے“ (1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”آدی کا یہ نیک کلام بہت برا ہے کہ لوگ گمان کرتے ہیں“ (2)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ”بدترین جھوٹ یہ ہے کہ انسان ایسے خواب کا دعویٰ کرے جو اس نے نہیں دیکھا“۔ صحیح حدیث میں آیا ہے: ”جس شخص نے جھوٹ موٹ کا کوئی خواب گھڑ لیا، اسے قیامت کے دن اس چیز کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ دو جو کے درمیان رُہ لگائے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا گا“ (3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: كَلِّ أُولَئِكَ... یعنی قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل ہر ایک کے متعلق باز پرس ہوگی اور پوچھا جائے گا کہ ان اعضاء کو کن مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہے۔ یہاں ”تَلَفٌ“ کی بجائے ”أُولَئِكَ“ کا استعمال درست ہے جیسا کہ شعر کے اس شعر میں:

دُمَّ الْمَنَازِلِ بَعْدَ مَنَزَلَةِ اللَّوِيِّ وَالْعَيْشِ بَعْدَ أَوْلَئِكَ الْإِنْيَامِ (4)
وَلَا تَنْشِ فِي الْأَرْضِ صَرْحًا إِنَّكَ لَنْ تَحْرِقَ إِلَّا مَرَضًا وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ⑤ كَلُّ

ذَلِكَ كَانَ سَيِّئَةً عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ⑥

”اور نہ چلو زمین میں اکڑتے ہوئے۔ (اس طرح) نہ تم چیر سکتے ہو زمین کو اور نہ پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کے برابر بلندی میں۔ یہ سب (جن کا ذکر گزرنا) ان میں سے ہر بری بات اللہ تعالیٰ کو (سخت) ہے پسند ہے۔“

اکڑ کر اور اترتے ہوئے متکبرانہ چال سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَنْشِ... یعنی مغرور اور جاہر لوگوں کی طرح اترتے ہوئے اور منک مٹک کر نہ چلو کیونکہ نہ تو تم اپنی چال کے ساتھ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم اپنی اکڑ، فخر و غرور اور خود پسندی کے باعث بلندی میں پہاڑوں کا مقابلہ کر سکتے ہو بلکہ بعض اوقات اس قماش کے لوگوں کو برعکس حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے: ”پہلے لوگوں میں ایک شخص دو چادریں زیب تن کئے ہوئے اتر اتر کر چلا جا رہا تھا، اسی اثناء میں اسے

1- صحیح بخاری، کتاب الوصایا، جلد 7 صفحہ 25 صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1985

3- صحیح بخاری، کتاب الوصایا، جلد 9 صفحہ 54-6۔ پانچ جزیر: 452

2- سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 294

زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی جائے گا“ (1)۔ اسی طرح قارون کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ وہ خوب آراستہ ہو کر اپنی قوم کے پاس آیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے مملکت سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”جو شخص رضائے الہی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلند کر دیتا ہے، وہ خود کو حقیر سمجھتا ہے لیکن لوگوں کے ہاں وہ بلند مرتبہ ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتا ہے۔ وہ اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے لیکن لوگ اسے حقیر سمجھتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگوں کے ہاں کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ مبغوض ہوتا ہے“ (2)۔ ابوبکر بن ابی الدنیا کتاب الخمول والتواضع میں ذکر کرتے ہیں کہ ابن الاصم دربار منصور کی طرف جاتے ہوئے حضرت حسن کے پاس سے گزرا، وہ ریشمی جہ پینے ہوئے تھا، جو تہ بہ تہ اس کی پنڈلیوں کے اوپر سلا ہوا تھا، نیچے سے قباہ دکھائی دے رہی تھی اور وہ شوخی سے اتراتے ہوئے چل رہا تھا۔ جب اس پر حسن کی نظر پڑی تو آپ نے کہا: افوہ! تک چڑھا، پہلو بول ویئے ہوئے، رخسار پھلائے ہوئے، اپنے پہلوؤں کو تکبر سے دیکھتے ہوئے، انعامات خداوندی کی ناشکری کرتے ہوئے، احکام الہی پس پشت ڈالتے ہوئے، حقوق اللہ فراموش کرتے ہوئے، دیوانوں کی سی چال چلتا، عضو عضو میں نعمت لئے اور شیطان کی لعنت اٹھائے وہ احمق جا رہا ہے۔ یہ سن کر ابن اصم پلٹا اور آپ سے معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: مجھ سے معذرت نہ کر بلکہ بارگاہ خداوندی میں تو بہ کر، کیا تم نے یہ فرمان نہیں سنا: وَلَا تَشِيخُ فِي الْأَمْزِضِ مَرَحًا ...“ (3)۔ سخری عابد نے آل علی میں سے ایک شخص کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: اے شخص! جس شخص کے باعث تجھے یہ عزت حاصل ہے اس کی چال ایسی نہیں تھی۔ اس شخص نے فوری طور پر اس چال کو ترک کر دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: بلاشبہ ایسے لوگ ہی شیطان کے بھائی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان نے فرمایا: اکڑا کر چلنا ترک کر دو کیونکہ آدمی کا ہاتھ اس کے پورے جسم کا حصہ ہی تو ہے (4)۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب میری امت تکبرانہ چال چلتے گئے گی اور اہل قارون و روم ان کے خادم ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کر دے گا“ (5)۔

فرمایا: كَلُّ ذَلِكْ كَانٌ... سَبَّحْتُمْ كِي قِرَاتِ كِي صَوْرَتِ مِيں مَعْنِي يِه بَوَا كِي قَلْ اَوَاوَسَ لَ كَرِيهَا تَك جَن چيزو ں سَ مَع كِيَا كِيَا يِه، يِه سَب قَابِل مَوَاخَذَه گِنَا ه يِن اَوُر اللّٰه تَعَالٰى كَ هَا نَا پَسَن دِيَه يِن ں۔ اُر سَبَّحْتُمْ قِرَاتِ هُو تُو اَس صَوْرَتِ مِيں مَعْنِي يِه بَوَا كِي وَ قَضٰى مَرَاتُك ... سَ لَ كَرِيهَا تَك جَن چيزو ں كَا ذ كُر هَوَا، اِن سَب كِي بَرَا ئِي اللّٰه كَ هَا نَا پَسَن دِيَه ه ے۔ اِن جَرِي رَ نَ يِكِي تُو جِيَه كِي ه ے (6)۔

ذٰلِكَ مِمَّا آوَتْ سَا بِيْكَ مِنْ اَلْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُنْفٰى فِيْ جَهَنَّمَ
صَلُّوْا مَّا مَدَّ حُوْرًا ①

”یہ ہدایات جنہیں ہدایت دہی وحی آپ کی طرف آپ کے رب نے بھیجا ہے دانائی کی باتوں میں سے ہیں۔ اور (اے سننے والے!) نہ بنا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ورنہ تجھے پھینک دیا جائے گا جنہم میں اس حال میں کہ تمہیں ملامت کی جائے گی اور

1۔ فتح الباری، کتاب الدار، جلد 10 صفحہ 258، صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1653-1654

2۔ مستدرج، جلد 1 صفحہ 44، کشف الاستار، زاد المعاد، جلد 1، صفحہ 222-223

4۔ کتاب الخمول والتواضع: 292-293

3۔ کتاب الخمول والتواضع، ابن ابی الدنیا، 283

6۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 89

5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب القطن، جلد 9 صفحہ 118

دھکے دیئے جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے بذریعہ وحی جن اخلاق جمیلہ کا آپ کو حکم دیا ہے اور جن صفات رفیضہ سے روکا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کو ان تعلیمات اور ارشادات کا حکم دیں۔ فرمایا: **وَلَا تَجْعَلْ مَعًا لِلَّهِ** یعنی اے مخاطب! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت ٹھہرا اور تمہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور تمہاری حالت یہ ہوگی کہ تو خود بھی اپنے آپ کو ملامت کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اور مخلوق بھی تجھے ملامت کرے گی اور تجھے بارگاہ خداوندی سے دھتکار کر ہر بھلائی سے دور کر دیا جائے گا۔ ابن عباس اور قتادہ کہتے ہیں کہ مذکور کا معنی ہے مطرود (دھتکارا ہوا) اس آیت میں خطاب رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے امت کو ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ معصوم ہیں۔

أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ تَعْتَلُونَ قَوْلًا عَصِيًّا ۝

”پس کیا جن لیا ہے تمہیں تمہارے رب نے بیٹوں کے لئے اور (اپنے لئے) بنالیا ہے فرشتوں کو بیٹیاں۔ (صدانسوس: ۱) تم تو ایسی بات کہہ رہے ہو جو بہت سخت ہے۔“

ان ملعون جھوٹے مشرکین کی تردید ہو رہی ہے جو اپنے زعم میں فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھتے حالانکہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر پھر ان کی پرستش کرنے لگے چنانچہ تینوں مقامات میں وہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مذمت کرتے ہوئے اور ان پر اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرماتا ہے: **أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُم** یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور تمہارے گمان کے مطابق اپنے لئے بیٹیاں منتخب کر لی ہیں، پھر شدید انکار کرتے ہوئے فرمایا: **إِنَّكُمْ تَعْتَلُونَ**..... یعنی تم بڑی سنگین اور سخت بات کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، پھر اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم سختی کے باعث اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اور بعض اوقات انہیں زندہ درگور کر کے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہو، یہ کیسی ظالمانہ تقسیم ہے! ایک اور مقام پر فرمایا: **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۗ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۗ تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَمَطُّنَّ مِنُّهُ وَتَشْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۗ إِنَّ دَعْوَةَ الْمَرْحُومِينَ لَنَادِي ۗ وَمَا يَكُونُ لَهُمْ جَمِيعٌ بِأَلْحِينٍ ۗ إِنَّ مَنَاجِدَ الْمَرْحُومِينَ إِذْ أُنَادُوا بِرَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ غَفَّارٌ ۗ لَّهُمْ آيَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قُرْآنًا (مریم: 95-88)۔**

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيُبَيِّنَ كَرُوحًا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝

”اور بلاشبہ ہم نے مختلف انداز سے بار بار بیان کیا ہے (دلائل توحید کو) اس قرآن میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں، (بائیں ہمد) سوائے نفرت کے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہ ہوا۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (بنی اسرائیل: 89)** ”اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں۔“ یعنی ہم نے قرآن کریم میں وعدے اور وعید طرح طرح سے بیان کر دیئے ہیں تاکہ اس میں پائے جانے والے دلائل، آیات، حینات اور مواعظ سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور شرک، ظلم اور جھوٹ سے باز آجائیں لیکن ظالم اسکے باوجود حق سے مزید دور ہو جاتے ہیں۔

قُلْ لَوْ كَانَتْ مَعَهُ إِلَهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذْ لَا يَتَّبِعُونَ إِلَّا ذِي الْعَرْشِ سَبِيحًا ۝ سُبْحَانَ وَ
تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ عَلِيمًا كَبِيرًا ۝

”آپ فرمائیے اگر ہوتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا جس طرح یہ کافر کہتے ہیں تو ان خداؤں نے (مل کر) تلاش کر لی
ہوتی عرش کے مالک (پر غالب آنے کی) کوئی راہ۔ وہ پاک ہے اور وہ بہت برتر و بالا ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ یہ
کہتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان مشرکین کو آگاہ کرویں جو یہ گمان کئے ہوئے ہیں کہ مخلوق میں سے اللہ
تعالیٰ کا اور شریک ہے اور وہ اسے قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ انہیں صاف صاف بتادیں کہ اگر معاملہ ویسا
ہی ہوتا جس طرح یہ کہہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے معبود ہوتے جن کی عبادت کر کے یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتے
اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کرتے، تو بھی یہ معبود بذات خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، اس کا قرب حاصل کرتے اور اس کی
معرفت اور قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی وسیلہ تلاش کرتے، اس لئے تم صرف اسی خدائے واحد کی عبادت کرو، تمہیں کسی ایسے معبود کی
ضرورت نہیں جو تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلہ بنے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ چیز سخت ناپسند ہے، وہ کسی صورت میں اس پر راضی نہیں اور
تمام دنیا و اور اس کی زبانی اس نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ پھر اپنی تشریح یہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: سُبْحَانَ اللَّهِ
تَعَالَى۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے مشرکین کی اس بات سے بہت برتر اور بالا ہے کہ اس کے ساتھ دیگر معبود
ہیں، بلکہ وہ تو یکساں اور بے نیاز ہے، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسرا ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۗ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ ۗ
لَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝

”پاک بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے۔ اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی
چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے شک وہ بہت بردبار،
بہت بخشنے والا ہے۔“

ساتوں آسمان، زمین اور ان میں بسنے والی تمام مخلوق مشرکین کی ہرزہ سرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی تشریح، تعظیم، بڑائی، تسبیح اور پاکی
بیان کر رہی ہے اور ربوبیت اور الوہیت میں اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے، شاعر کہتا ہے:

فَقِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاجِدٌ

یعنی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانی ہے۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر فرمایا: سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ وَمَنْ فِيهِنَّ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا هَذَا ۝ أَنْ ذَعَوْا بِالْحَمْلِ وَكَذَّبُوا
(مریم: 90-91) ”قریب ہے اس سے آسمان شوق ہو جائیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ لرزتے ہوئے گریں کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں
کہ زمین کا ایک بیٹا ہے۔“ حضرت عبدالرحمن بن قرط سے مروی ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم اور چادر مزہم کے درمیان

موجود تھے، جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب تھے اور میکائیل علیہ السلام بائیں جانب۔ وہ دونوں آپ ﷺ کو پرواز سواتے ہوئے آسمان تک لے گئے۔ پھر وہاں سے واپسی ہوئی، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”میں نے بلند آسمانوں میں بہت سی تسبیحوں کے ساتھ یہ تسبیح سنی: ”سُبْحَانَ السَّمَوَاتِ الْعُلَى، مِنْ ذِي الْعَالَمَةِ مُشْفِقَاتٍ لِذِي الْعُلُوِّ بِمَا عَلَا، سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْإِلَهِيِّ، سُبْحَانَ وَتَعَالَى“ (1)۔

اس کے بعد فرمایا: ”إِنْ مِنْ شَيْءٍ“۔ یعنی مخلوقات میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اس کی تسبیح کر رہی ہے، لیکن اے لوگو! تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے، کیونکہ یہ تمہاری زبانوں میں نہیں۔ حیوانات، جمادات اور نباتات سب اس کی تسبیح میں مصروف ہیں۔ دونوںوں میں سے زیادہ مشہور یہی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کھانا کھایا جاتا تھا تو ہم اس کی تسبیح سنا کرتے تھے (2)۔ حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ میں چند کنکریاں نہیں، شہد کی کھبیوں کی بھننا سب کی طرح ان کی تسبیح صاف سنائی دے رہی تھی، اسی طرح حضرت ابوبکر، عمرو عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں بھی۔ یہ مشہور حدیث مسانید میں مذکور ہے (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس آئے، وہ اپنے جانوروں اور اونٹنیوں پر سوار کھڑے تھے، آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ”صحیح سالم جانوروں پر سواری کرو اور صحیح سالم حالت میں انہیں چھوڑ دیا کرو، رستوں اور بازاروں میں باتیں کرنے کے لئے انہیں کرسیاں نہ بنالیا کرو، بعض سواریاں اپنے سواروں سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرنے والی ہوتی ہیں“ (4) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کے قتل کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: ”اس کی ٹرڑا بہت تسبیح ہے“ (5) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کلمہ شکر ہے جس کے کہے بغیر کوئی بندہ اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ اکبر زمین و آسمان کے درمیان نضا کو بھرتا ہے، سبحان اللہ مخلوق کی نماز ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ہر ایک کو نماز اور تسبیح کا پابند بنایا ہے اور جب بندہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے اطاعت کی اور سر تسلیم خم کر لیا (6)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک اعرابی طیاسی جب پیٹے ہوئے آیا جس کے کف اور بن ریشمی تھے، وہ کہنے لگا کہ تمہارا اس صاحب (نبی کریم ﷺ) کا یہ ارادہ ہے کہ وہ پڑھوں گی اولاد کو دلہنچا کرے اور رئیس زادوں کو ذلیل کرے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ غضبناک ہو کر اس کی طرف بڑھے اور اسے بیان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچے ہوئے فرمایا: ”میں نہیں دیکھتا کہ تم نے غیر ذی العقول کا لباس پہن رکھا ہے۔“ پھر وہیں آ کر آپ ﷺ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: ”حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کے طور پر دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو سے منع کرتا ہوں۔ میں تمہیں شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں اور جن دو چیزوں کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں، ان میں سے ایک ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنا ہے کیونکہ زمین و آسمان اور ان میں موجود تمام چیزوں کو اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کو رکھ دیا جائے تو یہ پلڑا ہی بھاری ہوگا اور اگر زمین و آسمان ایک حلقہ کی شکل اختیار کر لیں اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کو ان پر رکھ دیا جائے تو یہ انہیں پاش پاش کر دے۔ دوسری چیز جس کا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں وہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَ

1- بحہ طبرانی 2- فتح الباری، کتاب التائب، جلد 6 صفحہ 587

1- بحہ طبرانی

3- کشف الاستار، جلد 3، ص 135-136، مجمع الزوائد، جلد 8 صفحہ 298-299

6- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 93

5- سنن نسائی

4- مسند احمد، جلد 3 صفحہ 439

بِحَدِيثِهِ“ کہتا ہے کیونکہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے مٹل ہر چیز کو رزق دیا جاتا ہے“ (1)۔ ابن جریر ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جس کا حکم حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دیا تھا؟ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا: اے بیٹے! میں تمہیں سبحان اللہ کہنے کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ یہ مخلوق کی نماز اور مخلوق کی تسبیح ہے اور اسی کے سبب مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے“۔ اس کی سند میں ضعف ہے کیونکہ اس کا راوی اودی اکثر کے نزدیک ضعیف ہے۔ مگر ماس فرمان وَ اِنَّ مِنْ شَيْءٍ... کے متعلق کہتے ہیں کہ ستون تسبیح بیان کرتا ہے اور درخت بھی تسبیح کرتا ہے، کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ دروازے کی چرچراہٹ اس کی تسبیح ہے اور پانی کی خرچراہٹ اس کی تسبیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِنَّ مِنْ شَيْءٍ اَبْرَاهِيمَ فَرَمَاتے ہیں کہ کھانا بھی تسبیح بیان کرتا ہے، اس کی دلیل سورہ حج کی آیت مجہود ہے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ ہر ذی روح چیز تسبیح کر رہی ہے یعنی حیوانات اور نباتات۔ حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز تسبیح میں مشغول ہے جس میں روح ہے (2)۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری بزرگ رقاشی کے ساتھ کھانے پر موجود تھے۔ خوان (لکڑی کا دسترخوان) لایا گیا تو بزرگ رقاشی پوچھنے لگے: اے ابوسعید! کیا خوان بھی تسبیح کرتا ہے؟ حضرت حسن سنبھ جواب دیا کہ یہ تسبیح کیا کرتا تھا (3)۔ آپ کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ جب لکڑی کا یہ ٹکڑا سرسبز تھا تو اس وقت یہ تسبیح کیا کرتا تھا لیکن کائنات کے بعد جب یہ خشک ہو گیا تو ساتھ ہی اس کی تسبیح بھی منقطع ہو گئی، اس کی تائید حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ”ان دونوں (قبر والوں) کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی چیز کے سبب انہیں عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک تو پیشاب سے احتراز نہیں کرتا تھا اور دوسرا مظلوموں کی کیا کرتا تھا“۔ پھر آپ نے ایک ترشبی لے کر اس کے دو حصے کئے اور ہر قبہ پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر فرمایا: ”جب تک یہ خشک نہ ہوں، ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی“ (4)۔ اس حدیث پر گفتگو کرنے والے بعض علماء کا کہنا ہے کہ حدیث شریف میں یہ الفاظ ہیں: ”مَا لَكُمْ يَبِيَسًا“ (جب تک خشک نہ ہوں)، کیونکہ جب تک یہ تر اور سبز ہیں تسبیح جاری رہے گی اور خشک ہو جانے کی صورت میں ان کی تسبیح منقطع ہو جائے گی۔ آیت کا احتتام ان الفاظ پر کیا: اِنَّهٗ كَانَ حَقًّا عَقُوْبًا، یعنی وہ اپنے نافرمان کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اسے ڈھیل اور مہلت دیتا ہے، اس کے باوجود اگر وہ کفر اور عناد پر مصر رہے تو اسے پوری سختی کے ساتھ پکڑ لیتا ہے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے: ”اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا“ (5)۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَ كَذٰلِكَ اَخَذْنَا مَرَاتِكَ اِذَا آخَذْنَا الْقُرٰى بِيٰوْمِهَا لِيَوْمِ خَالِدِيْہَا (ہود: 102) ”اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو دریاں حالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں“۔ دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ كَذٰلِكَ يَنْقِضُ الْقُرٰى بِرَبِّہَا لِيَوْمِ خَالِدِيْہَا (الحج: 48) ”اور کتنی بستاں تھیں جنہیں میں نے ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھی“۔ فَكَذٰلِكَ يَنْقِضُ الْقُرٰى بِرَبِّہَا لِيَوْمِ خَالِدِيْہَا (الحج: 45) ”یہ کتنی بستاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں“۔ جو شخص کفر اور نافرمانی سے باز آ جائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر کے اسی کی طرف رجوع کرے تو ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ نظر فرماتا ہے جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: وَمَنْ يَُعْمَلْ لِيَوْمِہٖ اَوْ يَنْظُرْ لِنَفْسِہٖ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللہَ يَجِدِ اللہَ عَفُوْبًا رَّحِيْمًا (النساء: 110) ”اور جو شخص یراکام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو

بڑا بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا، اور یہاں فرمایا: إِنَّكَ لَكَانَ حَيًّا مَعْلُومًا۔ سورہ فاطر کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: إِنَّ اللَّهَ يُنْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ۔ وَلَوْ لَوَّاهُ اللَّهُ النَّاسُ بِمَا كَسَبُوا مَا أَشْرَكُوا عَلَى ظَهْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ذَٰلِكُمْ لَكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَدَّدٍ (فاطر: 45-41)۔

وَ إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ الْبَيْنِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۚ وَ جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۗ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَةً وَرَأَوْا عَلَىٰ آذَانِهِمْ نُفُورًا ۝۱۰

”اور (اے محبوب!) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو تو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ جو آنکھوں سے نہیں ہوتا ہے۔ اور ہم ڈال دیتے ہیں ان کے دلوں پر پردہ تاکہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی (پیدا کر دیتے ہیں)۔ اور جب آپ ذکر کرتے ہیں صرف اپنے رب کا قرآن میں تو وہ بیٹھ بھیر کر بھاگ جاتے ہیں نفرت کرتے ہوئے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جب آپ ان مشرکین پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں۔ قنادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد دلوں پر پڑنے والا پردہ ہے (1) جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوا لَوْلَا بِنَايَ أَكِنَّةٌ مِّنْ بَيْنِنَا لَآتَيْنَاكَ فِي آذَانِنَا وَقَدْ مِّنْ بَيْنِنَا حِجَابٌ (حم السجدہ: 5) ”اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے،“ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جو تمہاری بات ہم تک پہنچنے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ یہاں آیت کریمہ میں مستور بمعنی ”سائیر“ ہے جس طرح ”مَمُون“ (مبارک) بمعنی ”يَلِين“ اور ”مَشْنُوم“ (منحوس) بمعنی ”شَانِم“۔ بعض نے کہا ہے کہ مستور اسم مفعول کے معنی میں ہی ہے یعنی آنکھوں سے نہیں، جسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں لیکن اس کے باوجود یہ ان کے اور ہدایت کے درمیان حائل پردہ ہے۔ ابن جریر کا میلان اسی طرف ہے (2)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سورہ تبت نازل ہوئی تو کافی ام جہیل وادیل کرتی ہوئی، ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے اور یہ یا وہ مولیٰ کرتے ہوئے آئی کہ ہم مذم (مشرکین آپ ﷺ کو محمد کی بجائے مذم کہتے) کا انکار کرتے ہیں، اس کا دین ہمیں ناپسند ہے اور ہم اس کے حکم کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ سے عرض کرنے لگے کہ یہ نا شہجار آ رہی ہے، مجھے خدشہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کو دیکھ لے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ مجھے ہرزہ نہیں دیکھ سکے گی“۔ آپ ﷺ نے اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے یہی آیت و إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ۔ تلاوت کی۔ وہ آئی اور آ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوئی لیکن نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی: مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارے صاحب نے میری جھوکی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، رب کہہ ہی قسم! آپ ﷺ نے تمہاری جھوکیں کی۔ وہ یہ کہتی ہوئی واپس پلٹ گئی کہ قریش کو علم ہے کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَ جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً..... اکِنَّہ، کنان کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ پردہ ہے جو دل کو ڈھانپ لیتا ہے،

یعنی ہم ان کے دلوں پر پروہ ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ قرآن کریم سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں نقل اور گرائی پیدا کر دیتے ہیں جس کے باعث وہ قرآن کریم اس طرح نہیں سنتے کہ وہ انہیں نفع پہنچائے اور ہدایت کی راہ پر گامزن کرے، ان کی حالت تو یہ ہے: وَإِذَا ذُكِّرْتُمْ سَمِعْتُمْ أَوْ لَمْ تَسْمَعُوا لَكُمْ عَذَابٌ كَثِيرٌ... یعنی جب آپ تلاوت قرآن کرتے وقت صرف اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی نداء دیتے ہیں تو یہ نفرت سے بیچیدہ پھیر کر اور روگردانی کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ نشور، ذفر کی جمع ہے جیسے نعور، قاعد (بیٹھنے والا) کی جمع ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ غیر فعل کا مصدر ہو۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَإِذَا ذُكِّرْتُمُ اللَّهُ وَرَبُّكُمْ فَانصَبْ قُلُوبَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ وَإِذَا ذُكِّرْتُمْ سَمِعْتُمْ أَوْ لَمْ تَسْمَعُوا لَكُمْ عَذَابٌ كَثِيرٌ (الزمر: 45) ”اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے“۔ قاعدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مسلمان ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہتے ہیں تو مشرکین کو یہ کلمہ سخت ناپسند لگتا اور یہ ان پر بہت گراں گزرتا۔ ابلیس اور اس کے لشکر نے اس کلمہ کو بانی کی بھرپور کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ وہ اسے عام کرے، اعلیٰ وارفع بنائے اور مشرکین پر اسے غلبہ عطا فرمائے۔ یہ ایسا کلمہ ہے کہ جس نے اس کی مدد سے جھگڑا کیا، وہ قلاح پا گیا اور جس نے اس کی معاندت سے مقاتلہ کیا، اسے مدد اور تائید انہی حاصل ہو گئی۔ یہ وہ کلمہ ہے جسے وسیع و عمیق جزیرہ عرب کے لوگ نہ پہنچاتے تھے اور نہ اس کا اقرار کرتے تھے لیکن یہ سارے جزیرہ میں پھیل گیا اور تمام عرب اس سے روشناس ہو گئے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت وَإِذَا ذُكِّرْتُمْ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد شیاطین ہیں جو روگردانی کر کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ شیاطین اس وقت بھاگ کھڑے ہوتے ہیں جب قرآن کی تلاوت کی جائے یا اذان دی جائے یا اللہ کا ذکر کیا جائے لیکن اس آیت کی یہ تفسیر بہت غریب اور انوکھی ہے۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَعْمُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَعْمُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَى إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ
إِنْ تَثَبَّعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٥﴾ أَنْتُمْ كَيْفَ صَرَبْتُمْ لَكُمْ إِلَّا مَثَالًا فَصَلُّوا فَلَا
يَسْتَعْمُونَ سَبِيلًا ﴿٦﴾

”ہم خوب جانتے ہیں جس غرض کے لئے یہ سنتے ہیں اسے جب یہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور (ہم خوب جانتے ہیں) جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اس وقت یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں بیرونی کر رہے مگر ایک ایسے آدمی کی جس پر جاؤ کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے (یہ گستاخ) کس طرح آپ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں پس (اس گستاخی کے باعث) وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھے راستہ پر چل نہیں سکتے“۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو رؤساء کفار قریش کی سرگوشیوں کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ جب آپ تلاوت قرآن کر رہے ہوتے ہیں تو یہ چپکے چپکے آپ کی طرف کان لگا کر قرآن کریم سنتے ہیں اور پھر سرگوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس شخص پر کسی نے جاؤ کیا ہے۔ مسحور یا تو مسح (جادو) سے مشتق ہے یا مسح (پھینچنا) ہے، اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ اگر تم محمد (ﷺ) کی اتباع کرو گے تو ایسے بشر کی اتباع کرو گے جو کھاتا ہے۔ یہ لفظ کھانے کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے مثلاً راجز کہتا ہے: ”نَسْحُوْا بِالطَّعَامِ وَ النَّفْسِ أَب“ یعنی اسے غذا دی جاتی ہے (2)۔

ابن جریر نے اس قول کی تفسیر کی ہے لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ آپ و مسحور کہنے سے یہاں ان کی مراد یہ تھی کہ اس شخص کو جاؤ کیا گیا

ہے، کوئی سمجھدار آدمی اس کو کوئی کلام سکھا دیتا ہے جسے پڑھ کر وہ ہمیں سنا دیتا ہے۔ وہ کفار آپ ﷺ پر طرح طرح کے آوازے کتے۔ کوئی کہتا کہ یہ شاعر ہے، کوئی کہتا: یہ کاتب بن ہے، کوئی کہتا: یہ مجنون ہے اور کوئی کہتا کہ یہ جاوید ہے، اسی لئے فرمایا: اَنْظُرْ كَيْفَ صَدَرْتُ الْاَنْكُ دیکھیں یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ یہ گمراہ ہو گئے اور کبھی بھی یہ حق اور سچت کی راہ نہیں پائیں گے۔ ایک رات ابو سفیان بن حرب، ابو جہل بن ہشام اور انھیں بن شریق اپنے گھروں سے نکلے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن کریم سنیں۔ آپ ﷺ اس وقت اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ان میں سے ہر اک ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے وہ قرآن کریم آسانی سے سن سکتا تھا لیکن ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ وہ ساری رات آپ ﷺ کی زبانی تلاوت قرآن سنتے رہے۔ جب فجر طلوع ہوئی تو ہر ایک نے اپنے گھر کی راہ لی۔ رستے میں اتفاقاً سب کی ملاقات ہو گئی تو وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آئندہ یہاں مت آنا، کیونکہ اگر کسی نا سمجھ نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو خواہ مخواہ الجھن کا شکار ہو جائے گا۔ اس پر اتفاق کر کے وہ چل دیئے، لیکن اگلی رات وہ پھر چلے آئے اور اپنی اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر پوری رات قرآن سنتے رہے۔ فجر طلوع ہوتے ہی وہاں سے چل دیئے، پھر اتفاق ایسا ہوا کہ رستے میں تینوں کی ملاقات ہو گئی اور پہلی رات، دہلی گفتگو کا اعادہ ہوا۔ تیسری رات پھر وہ سعادت قرآن کے لئے آ نکلے، رات بھر سنتے رہے، فجر ہوئی تو ہر ایک نے اپنی اپنی راہ لی، اب پھر رستہ میں تینوں کی ملاقات ہو گئی تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم پختہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ یہ عہد و پیمانہ کر کے تینوں جدا ہو گئے۔ صبح کے وقت انھیں بن شریق اپنی لائمنی تھا سے ابو سفیان کے گھر آدھکا اور ابو سفیان سے کہنے لگا کہ جو تم نے محمد ﷺ سے سنا ہے، اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگا: اے ابو سفیان! قسم بخدا میں نے چند اشیاء ایسی سنی ہیں جنہیں میں سچو سنا ہوں اور ان کے معانی کا مجھے علم ہے لیکن چند چیزیں ایسی بھی سنی ہیں جن کے معنی اور مراد کا مجھے علم نہیں۔ یہ سن کر انھیں کہنے لگا: اللہ کی قسم! میری بھی یہی کیفیت ہے۔ پھر وہاں سے نکل کر انھیں ابو جہل کے گھر آیا اور اسے کہنے لگا: اے ابو جہل! اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جو تم نے محمد ﷺ سے سنا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ حصول شرف کی دوڑ میں ہمارا ابو عبید مناف کے ساتھ جھگڑا چلا آ رہا ہے، انہوں نے کھلایا، ہم نے بھی کھلایا، انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں، ہم نے بھی لوگوں کو سواری کے جانور فراہم کئے، وہ عطا کرتے رہے، ہم بھی عطا کرتے رہے حتیٰ کہ جب ہم گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح مساوی ہو گئے اور وہ ہم پر برتری حاصل نہ کر سکے تو یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ہم میں ایک تمہی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی اترتی ہے، بھلا ہم کب یہ مرتبہ پاسکتے ہیں، اللہ کی قسم! نہ ہم اس پر ایمان لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔ یہ سن کر انھیں اٹھ کھڑا ہوا اور اسے چھوڑ کر چل دیا (۱)۔

وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنْ نَأْتِنَا بَعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿۱۰﴾ قُلْ كُونُوا حِجَابًا أَوْ حَبِيدًا ﴿۱۱﴾ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْتُمُونَ فِي صُدُورِهِمْ مَا سَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الْاٰلِ الْاٰزِمِي
فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ اِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَ يَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى اَنْ
يَكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَ تَقُولُوْنَ اِنْ لَّبِثْنَا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۳﴾

”اور انہوں نے (ازراہ انکار) کہا کہ جب ہم (محرک) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا ازسرنو

پیدا کر کے۔ فرمائیے (یقیناً ایسا ہی ہوگا) خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ۔ یا کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جس کا ازسرنو پیدا کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے وہ کہیں گے ہمیں دوبارہ کون (زندہ کر کے) لوٹائے گا؟ فرمائیے وہی جس نے پیدا فرمایا تمہیں پہلی مرتبہ۔ پس وہ حیرت سے آپ کی طرف (دیکھ کر) سروں کو جنبش دیں گے اور پوچھیں گے ایسا کب ہوگا؟ آپ بتائیے شاید اس کا وقت قریب ہی ہو۔ اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ تعالیٰ بلائے گا۔ سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں پتھر (دنیا میں) مگر تھوڑا عرصہ۔

مجاہد کے نزدیک رفات کا معنی مٹی ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی غبار بتاتے ہیں۔ کفار کے متعلق خبر دی جا رہی ہے جو وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے اور اس کا انکار کرتے ہوئے پوچھتے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور مٹی بن جائیں گے تو کیا ہمارے بوسیدہ اور فنا ہو جانے کے بعد قیامت کے دن ہمیں ازسرنو پیدا کر کے اٹھایا جائے گا، جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: يَتَقَوُّنَ عِزًّا لِّالسُّودُودُؤُنِ فِي الْحَاوِرَةِ ۗ عِزًّا لِّكُلِّ اَصْحَابِ اَنْجَارٍ ۗ قَالُوْا اِنَّكَ اِلٰهٌ كَاذِبٌ ۗ (الاحزاب: 12-10) ”کافر کہتے ہیں کیا ہم اٹھے پاؤں پلٹائے جائیں گے؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے؟ بولے یہ وہ ایسی تو بڑے گھائے کی ہوگی“۔ وَصَصَبَ لَكَ مِثْلًا وَّيَسِي حَقِّقَةً ۗ قَالَ مَنْ يُعْنِي اِنْجَلَمَ وَهِيَ رَاوِيَةٌ (الطین: 78) ”اور بیان کرنے لگا ہمارے لئے مثالیں اور اس نے اپنی پیدائش کو فراموش کر دیا، کہتا ہے کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں“۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ انہیں یہ جواب دیں: قُلْ كَلِمَاتٍ ۗ كَلِمَاتٍ ۗ اور لوہا دونوں چیزیں ہڈیوں اور مٹی سے سخت ہیں، مطلب یہ ہوا کہ خواہ تم پتھر بن جاؤ، یا لوہا بنو کوئی ایسی مخلوق جس کو ازسرنو پیدا کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے تو بھی اللہ تعالیٰ تمہیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سے مراد موت لیتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تم مردے بن جاؤ تو بھی میں تمہیں زندہ کروں گا۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ اگر تم بالفرض موت کے گھاٹ اترا جاؤ جو حیات کی ضد ہے، تو بھی اللہ تعالیٰ جب چاہے گا تمہیں ازسرنو زندہ کر دے گا، (1) کیونکہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اس پر مشفق اور مشکل نہیں ہوتی۔

ابن جریر نے یہاں ایک حدیث ذکر کی ہے: ”قیامت کے دن موت کو ایک سیاہ و سفید مینڈھے کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان لاکھڑا کیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے اہل جنت! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں، پھر اہل جہنم سے کہا جائے گا کہ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ چنانچہ اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے جنتیو! بغیر موت کے پہچانگی ہے۔ اے دوزخیو! بلا موت خلو وہے“ (2)۔

مجاہد اَوْحَتْهَا... کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان، زمین اور پہاڑ ہیں۔ امام مالک سے اس کی تفسیر موت مروی ہے۔ آگے فرمایا: فَسَيَقُوُّنَ یعنی وہ کہیں گے کہ جب ہم پتھر، لوہا یا کوئی اور سخت مخلوق بن گئے تو ہمیں کون زندہ کر کے لوٹائے گا؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ وہی ذات تمہیں لوٹائے گی جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا، حالانکہ تم قابل ذکر چیز تھے ہی نہیں، پھر تم چلتے پھرتے انسان بن گئے۔ اب تم جس حالت میں بھی منتقل ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور لوٹائے گا اور وہ اس پر پوری طرح قادر ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ اَعْوَدُ اَعْيُنِ الرَّؤُومِ (27) ”اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ

بنائے گا اور یہ آسان تر ہے۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ قَسَمُوا بِمُحَمَّدٍ... کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھ کر ابوطراستہرا اپنے سروں کو جنبش دیں گے۔ یہ معنی لغت عرب کے عین مطابق ہے کیونکہ انعام کا معنی ہے: نیچے سے اوپر تک یا اوپر سے نیچے تک حرکت کرنا۔ شتر مرغ کے نیچے کو بغض کہا جاتا ہے کیونکہ وہ چلتے وقت تیز رفتاری سے چلتا ہے اور اپنے سر کو حرکت دیتا ہے، اسی طرح جب دانت بڑھ سے ہٹنے لگے تو کہا جاتا ہے: ”قَصَصَتْ سِنَّهُ“ آگے فرمایا: وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ يَأْتِنَا فَمَاذَا كُنَّا عَنْ يَمِينِهِ يَوْمَ تَبُورُ... اور وہ کہتے ہیں کہ (عذاب کا) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے مقامات پر فرمایا: وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ يَأْتِنَا فَمَاذَا كُنَّا عَنْ يَمِينِهِ يَوْمَ تَبُورُ... اور وہ کہتے ہیں کہ (عذاب کا) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ ”يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ يَزِيدُونَ فِي ثَمَرِهَا“ (الشوریٰ: 18) ”جلدی چماتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے،“ جواب میں فرمایا: قُلْ عَسَىٰ أَن يَأْتِيَكُمُ الْيَوْمَ الْغَيْبُ فَتَدْرِكُونَ... یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے گا اور قبروں میں سے نکلنے کا حکم دے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی دعوت پر لبیک کہو گے، اس کے حکم کی مخالفت نہیں کی جاسکتی جیسا کہ فرمایا: إِذَا دَعَاكُمْ فَاذْعَبُوا وَلَا تَرْضَىٰ لَدَىٰ آثَانِكُمْ تَعْرِجُونَ (الروم: 25) ”جب وہ تمہیں زمین پر بلائے گا تو تم فوراً ہا ہر نکل آؤ گے۔“

وَمَا أَصْرًا إِلَّا وَاحِدًا كُنْتُمْ بِالْأَيْمِينِ الْقَوْمِ (50) اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو بیک بھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے، اِنَّمَا قَوْلُنَا يُشْفَىٰ عُرُوذًا آتَمُّ ذُلُّهُ أَنْ يَقُولَ لَدُنَّ قَوْمٍ يَلْمِزُونَ (الخل: 40) ”ہمارا فرمان کسی چیز کے لئے جب ہم اس (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرتے ہیں، صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے،“ قَدْ أَفْلَحَ مَن زُجِرَ ذُو جِدَّةٍ ﴿١٤﴾ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٣﴾ (النازعات: 13-14) ”پس (وایسی کے لئے) ایک جھڑک ہی کافی ہے پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے۔“ یعنی ایک ہی جھڑک سے تمام لوگ زمین کے حکم سے باہر نکل آئیں گے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يَنْعُوكُمْ... یعنی تم سب اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک ہو گے اور اس کے ارادہ کی اطاعت کرو گے۔ حضرت ابن عباس اور ابن جریج کے نزدیک یہاں حمد سے مراد امر ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس سے مراد معرفت اور اطاعت ہے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ ہر حال میں اسی کے لئے حمد ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”إِلَّا إِلَهُ اللَّهِ كُنْهُ وَالْوَلُونَ كَقَبْرُونَ“ کے اندر کوئی وحشت نہیں ہوگی، گویا کہ میں لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے اپنی قبروں سے اٹھ رہے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ وہ العنقاء بنو النبی اذْهَبْ عَنَّا الْحَزُونَ (فاطر: 34) کہتے ہوئے اٹھیں گے، اس کا بیان سورۃ فاطر میں ہوگا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ”وَتَضُنُّونَ“ یعنی جب تم قبروں سے اٹھو گے تو تم یہ گمان کرو گے کہ تم دنیا میں تھوڑی سی مدت ٹھہرے رہے جیسا کہ متعدد مقامات پر اسے بیان کیا گیا ہے، فرمایا: كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَنَدْبُهُمْ قَوْمًا عَسِيفًا أُولُوفُصْطًا (النازعات: 46) ”گویا وہ جس روز اسے دیکھیں گے (انہیں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح،“ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْنُ الْمُهْرَمُونَ يَوْمَ نَبُوءُ دُرُجًا قَاطِنًا يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْنَا إِلَّا عَشْرًا نَاحِشِينَ أَعْمَاهُمْ يَنْعُوكُونَ إِذْ يَقُولُ آمَنَّا لَهُمْ طَرِيفًا إِنْ لَبِثْنَا إِلَّا يَوْمًا (ط: 104-102) ”جس روز صور بھونکا جائے گا اور اس دن ہم بحر مول کو جمع کریں گے اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر دن دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب کہ ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے جو تم مگر ایک دن“۔ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْبِضُ السُّجُودَ لَمَّا

يُثْبِتُوا عَصِيْبًا سَاعَةً ۗ كَذٰلِكَ كَانُوا يَمُرُّونَ (الزوم: 55) ”اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم تمہیں اٹھائیں گے کہ وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے۔“ فَلَمَّ كَمْ لَهَشْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدُوِّ سَيْبِنَا ۗ قَالُوْا اَيُّهَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَنُجِبُ الْعَادُوْنَ ۗ فَلَمَّ اِنْ لُّبْتُمْ اِلَّا قَبِيْلًا لَّوْ اَلَكُمْ لَنْتُمْ تَعْلُوْنَ ۗ (المؤمنون: 114-112) ”اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم زمین میں کتنے سال ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ آپ سال گننے والوں سے پوچھ لیں۔ ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ، کاش! تم جان لیتے۔“

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يٰقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اِنْ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۶﴾

”اور آپ حکم دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کریں جو بہت عمدہ ہوں۔ بے شک شیطان فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے اور رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ میرے مومن بندوں کو یہ حکم دے دیں کہ وہ ایک دوسرے سے بات چیت اور گفتگو کرتے ہوئے خوش کلامی، نرمی اور عمدہ الفاظ سے پیش آئیں، کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان ان کے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دے گا، شرکی حزم ریزی کرے گا اور نوبت لڑائی جھگڑا سے تک پہنچ جائے گی۔ یہ لہجہ تو اس وقت سے ہی آدم علیہ السلام اور اولاد آدم علیہ السلام کا کھلا دشمن ہے جب اس نے آدم علیہ السلام کو جہنم کرنے سے انکار کروا یا تھا۔ اس کی عداوت ظاہر اور عیاں ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ شیطان کی انگیزت پر وہ اپنے بھائی پر وار کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص اسلحہ سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ نہ کرے، کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ شاید وہ شیطان کی انگیزت کا شکار ہو کر جہنم کے گڑھے میں جا کرے“ (1) ایک مرتبہ لوگوں کے مجمع میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے بے یار و مددگار چھوڑ سکتا ہے۔ تقویٰ یہاں (سینہ میں) ہے نہ وہ شخص رضائے الہی کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں، پھر کسی وجہ سے ان کے درمیان جدائی پڑ جاتی ہے۔ ان میں سے جدائی کا سبب بننے والا اور اسے بیان کرنے والا شریر ہے، شریر ہے، شریر ہے“ (2)۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۗ اِنْ يَشَاءِ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَشَاءِ يَعْذِبْكُمْ ۗ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِسِنِّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۗ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٰنَ عَلَى بَعْضٍ وَاَنْتُمْ لَا تَدْرِيُوْنَ ﴿۵۸﴾

”تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر چاہے تو تم پر رحم (دکرم) فرما دے اور اگر چاہے تو تمہیں سزا دے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر (تا کہ ان کے کفر کے لئے آپ جو جادہ ہوں) اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور بے شک ہم نے بزرگی دی ہے بعض انبیاء کو بعض پر اور ہم نے عطا فرمائی ہے داؤد کو زبور۔“

تفسیر ابن کثیر: جلد سوم

اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں خوب جانتا ہے، اسے معلوم ہے کہ کون تم میں سے ہدایت کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں اپنی اطاعت اور نجات کی توفیق دے کر تم پر رحم فرمائے اور اگر اس کی مرضی ہو تو تمہیں عذاب کی سزا میں پھینک کر رکھ دے اور اسے میرے پیارے رسول ﷺ! ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار نہیں بنا کر بھیجا۔ آپ کا فریضہ یہ ہے کہ آپ ﷺ انہیں بروقت خبردار کریں۔ جو آپ ﷺ کی اطاعت کرے گا، جنت میں داخل ہوگا اور جو آپ ﷺ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَرَبَّكَ أَغْلَمُ بِمَنْعٍ..... یعنی آپ کا رب اطاعت و معصیت میں مخلوق کے درجات اور مراتب سے خوب واقف ہے۔ انبیاء کرام میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت اور بزرگی عطا کی گئی جیسا کہ فرمایا: تِلْكَ الْأُمَّةَ قَدْ جَاءْنَا لِنُعَلِّمَهُمُ الْكَلِمَاتِ الَّتِي كَانَتْ تُخْفَىٰ عَنْهُمْ فَهَلْ يَرَوْنَكَ وَأَنْتَ غَافِلٌ عَنِ الَّذِي تُعَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ يَخْتَصِمُ بِمَا يُعَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ يَخْتَصِمُ بِمَا يُعَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ يَخْتَصِمُ بِمَا يُعَلِّمُهُمُ اللَّهُ (البقرہ: 253) ”یہ سب رسول، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کسی سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کے درجے بلند کئے“۔ یہ آیات اس حدیث کے منافی اور متناقض نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَفْضَلُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ“ (1) (انبیاء کے درمیان فضیلت قائم نہ کرو)، کیونکہ اس میں اس تفضیل سے منع کیا گیا ہے جس کی بنیاد خواہش نفس اور تعصب ہو ورنہ اگر کسی دلیل سے فضیلت ثابت ہو جائے تو اس کی اتباع ضروری ہے۔ دیکھیں، اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول تمام انبیاء سے افضل ہیں اور پھر رسولوں میں سے اولوالعزم رسولوں کو فضیلت حاصل ہے۔ ان کی تعداد پانچ ہے جن کا ذکر ان آیات میں موجود ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ (الاحزاب: 7) اور یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عبدلیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی، ”سَمِعْنَاكَ يَا رَبِّ الْوَالِدِينَ وَالْوَالِدَاتِ“ (13) ”اس نے تمہارے لئے وہ دین مقرر فرمایا ہے جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جسے ہم نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرق نہ ڈالنا“۔ اور یہ بات بھی اختلاف سے بالاتر ہے اور مشہور بھی یہی ہے کہ ان میں سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام، پھر عیسیٰ علیہ السلام۔ ہم نے ایک اور مقام پر اس بحث کو دلائل سمیت شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت اور شرف پر آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ (الشوریٰ: 13) ”داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) نہایت آسان کر دیا گیا تھا، وہ اپنی سواری پر زمین کسے کا حکم دیتے تو اس سے فراغت سے پہلے ہی قرآن ختم کر لیتے“ (2)۔

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ رَعَيْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ هَدْيُكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ①
أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ سَائِرِ الْوَسِيلَةِ إِلَيْهِمْ أَقْرَبَ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ② إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُومًا ③

” (انہیں) کہئے اب بلاؤ ان کو جنہیں تم گمان کیا کرتے تھے (کہ یہ خدا ہیں) اللہ تعالیٰ کے سوا۔ وہ تو قدرت نہیں رکھتے کہ تکلیف دور کر سکیں تم سے اور نہ ہی وہ (اسے) بدل سکتے ہیں وہ لوگ جنہیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں، وہ خود ڈھونڈتے ہیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 194، صحیح مسلم، کتاب اعتقاد، جلد 4 صفحہ 1843-1844

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 107

اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون سا بندہ (اللہ تعالیٰ سے) زیادہ قریب ہے اور امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور ڈرتے رہتے ہیں اس کے عذاب سے بے شک آپ کے رب کا عذاب ڈرانے کی چیز ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ غیر اللہ کی پرستش کرنے والے مشرکین سے کہہ دیں کہ تم اپنے بتوں اور معبودوں کو پکارو جنہیں تم نے اللہ کے سوا اپنا خدا بنا رکھا ہے اور ان کی طرف رغبت کرو، کیا وہ تمہاری مشکل کشائی کر سکتے ہیں؟ وہ نہ تو تم سے کسی تکلیف کا ازالہ کر سکتے ہیں اور نہ تم سے نالی کر کسی اور کی طرف منتقل کر سکتے ہیں۔ یہ تو بے بس اور بے کس ہیں۔ قدرت اور طاقت کا مالک تو صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے جس کے لئے ہر قسم کی تخلیق اور ہر نوع کا حکم مخصوص ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل شرک کہا کرتے تھے کہ ہم ملائکہ، مسیح اور عزیٰری کی عبادت کرتے ہیں، تو یہی وہ لوگ ہیں جو ملائکہ، مسیح اور عزیٰری کو پکارتے ہیں (1)۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ اس آیت اُولَئِكَ اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ کچھ جن غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، پھر وہ مسلمان ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ انسان کچھ جنات کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان جنات نے تو اسلام قبول کر لیا لیکن یہ انسان کفر پر ڈٹے رہے (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت عرب کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ان جنات نے تو اسلام قبول کر لیا لیکن جو انسان ان کی پرستش کیا کرتے تھے، انہیں ان کے اسلام لانے کا شعور تک نہ ہوا۔ اس وقت یہ آیت اتری (3) ایک اور روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ملائکہ کی صنف کے جنات کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرات عیسیٰ، آپ کی والدہ اور عزیٰری علیہم السلام ہیں جن کی یہ عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ ابراہیم حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد عیسیٰ عزیٰری، سورج اور چاند ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ عیسیٰ، عزیٰری اور ملائکہ۔ ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يَتَّبِعُونَ اِلٰى رَبِّهِمْ اَلْوَسِيْلَةَ يَهٰبِضُ** یعنی وہ وسیلہ کا معنی ہے قرب اور نزدیکی جیسا کہ قوادہ کا قول ہے، اسی لئے فرمایا: **اَلَيْهِمْ اَقْدَابٌ** آگے فرمایا: **يَدْعُوْنَ**۔ خوف اور رجاء کے بغیر عبادت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ خوف کی وجہ سے انسان ممنوعہ چیزوں کے ارتکاب سے باز آ جاتا ہے اور رجاء کے سبب زیادہ سے زیادہ اطاعت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **اِنَّ عَذَابَ اَبْرٰهِيْمَ** یعنی یہی انسان کے لئے مناسب ہے کہ وہ ہر وقت عذاب الہی سے لرزاں و ترساں رہے۔

وَ اِنَّ مِنْ قَرِيْبٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهُمَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مَعَهُ اَوْ هَاعَدَا اَبٰشَرٍ يَدًّا كَلٰٓمًا

ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿٣١﴾

”اور کوئی ایسی ہستی نہیں ہے مگر ہم اسے برباد کر دیں گے روز قیامت سے پہلے یا اسے سخت عذاب دیں گے، یہ فیصلہ کتاب (تقدیر) میں لکھا ہوا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس لوح محفوظ میں جو نوشتہ لکھ دیا ہے وہ قطعی اور حتمی ہے کہ وہ ہر ہستی کو ہلاک کر دیگا، اس کے بسنے والے لوگوں کو نیست و نابود کر دے گا یا سخت عذاب میں مبتلا کر دیگا، یہ عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہے چاہے قتل کر ڈالے یا اور کسی آزمائش میں ڈال دے۔ اس کا سبب لوگوں کی بد اعمالیاں اور گناہ ہوں گے جیسا کہ گزشتہ قوموں کے متعلق فرمایا: **”وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَّلٰكِنْ كَلَّمُوْا اَنْفُسَهُمْ** (ہود:

(101) ”اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر زیادتی کی“۔ قَدْ أَقْبَتْ وَبَالَ أَهْلِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَهْلِهَا خُسْرًا
(الطلاق: 9) ”پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام نرا خسارہ تھا“۔ وَكَانَ مِنْ قَبْلِ يَوْمِ عَبَثَتْ عَنْ أَهْلِهَا
(الطلاق: 8) ”کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی“۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوْلَادُ وَآتَيْنَاهُمُ الذَّلِيلَةَ مُبْصِرًا
فَقَالُوا إِلَٰهًا وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ﴿٥١﴾

”اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیوں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں
نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)۔ اور ہم نے وہی تھی قوم شہود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے زیادتی کی
اس پر۔ اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں مگر لوگوں کو (عذاب سے) خوفزدہ کرنے کے لئے“۔

مشرکین حضور نبی کریم ﷺ سے کہتے گئے کہ آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء گزرے ہیں، جن میں سے کسی کے ہوا تابع
تھی اور کوئی مردوں کو زندہ کیا کرتا تھا، اگر آپ کی خواہش ہے کہ ہم آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق کریں تو اپنے رب سے یہ دعا
کیجئے کہ وہ ہمارے کو صفا کوسونے میں تبدیل کر دے۔ ان کے اس مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی اور فرمایا: ”میں نے
ان کی باتیں سن لی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم ان کا مطالبہ پورا کر دیں، لیکن اس کے باوجود اگر وہ ایمان نہ لائے تو عذاب نازل ہوگا کیونکہ
(مطلوبہ) نشانی کے نزول کے بعد مہلت کی گنجائش نہیں ہوتی، اور اگر آپ پسند کریں تو ہم انہیں مہلت دے دیں۔“ آپ ﷺ نے عرض
کی: ”اے پروردگار انہیں مہلت دے دے“ (1)۔ اسے سعید بن جبیر، قتادہ، ابن جریج وغیرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ صفا کی پہاڑی کو ان کے لئے سونا بنا دیں اور
پہاڑوں کو دور بٹھا دیں تاکہ وہ وسیع و عریض میدان میں کاشت کاری کر سکیں۔ اس پر آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ پسند کریں تو ہم
انہیں (غور و فکر کے لئے) کچھ مہلت دے دیں اور اگر آپ پسند کریں تو ہم ان کے مطالبہ کو پورا کر دیں لیکن پھر بھی اگر یہ کفر پر اڑے رہے
تو انہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا جیسا کہ ان سے پہلی قوموں کیساتھ ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے عرض کی: نہیں، الہی! انہیں مہلت مرحمت
فرما۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ کوہ صفا کو
ہمارے لئے سونا بنا دے، پھر ہم آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”و اتقی ایمان لاؤ گے؟“ وہ کہنے لگے: ہاں ہاں۔
آپ ﷺ نے دعا کی تو جبریل حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے کہنے لگے: اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ
ﷺ کی خواہش ہو تو کوہ صفا ان کے لئے سونا بن جائے، لیکن اس کے بعد جس نے کفر کیا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو پہلے کسی کو نہ دیا
ہوگا اور اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ان کے لئے توبہ اور رحمت کے دروازے کھلے رکھوں؟ آپ نے عرض کی کہ در توبہ و رحمت کھلے رکھئے (3)۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ وَآتَيْنَاهُمْ عِشْرِينَ مِائَةَ أَلْفٍ قَدْرًا (الشعراء: 214) ”اور آپ اپنے
قریبی رشتہ داروں کو ڈرا لیا کریں“ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے جبل ابی نعیس پر چڑھ کر یہ ندا دی: ”اے آل عبد مناف! میں تمہیں

ڈرانے والا ہوں۔ یہ سن کر قریش آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ کی اور ڈرایا تو وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ نبوت کے دعویدار ہیں، آپ سے قبل سلیمان کے لئے ہواؤں اور پہاڑوں کو مخر کر دیا گیا، موسیٰ کے لئے سمندر تابع کر دیا گیا اور عیسیٰ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، آپ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ ان پہاڑوں کو ہم سے دور ہٹا دے اور زمین میں نہریں جاری کر دے تاکہ ہم بھتیجی باڑی کر کے کھانے کے لئے اناج پیدا کر سکیں، اگر یہ ممکن نہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے مردوں کو زندہ کر دے تاکہ ہم ان سے اور وہ ہم سے گفتگو کریں، اگر یہ بھی نہیں تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرو دیجئے کہ وہ اس پہاڑ کو سونے میں تبدیل کر دے تاکہ ہم اس سے لے کر اپنی ضروریات پوری کرتے رہیں اور سردیوں اور گرمیوں کے تجارتی سفر سے بے نیاز ہو جائیں، آپ کا تو دعویٰ بھی ہے کہ آپ ساقیہ انبیاء کی طرح ہیں۔ اسی اثنا میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے لگی۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ عطا فرمایا ہے جو مطالبہ تم نے کیا۔ اگر میں چاہوں تو ایسا ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ یا تو تم در رحمت میں داخل ہو جاؤ اور تم میں سے ایمان لانے والا ایمان لے آئے یا وہ تمہیں تمہاری پسند کے سپرد کر دے تو تم در رحمت سے برگشتہ ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لائے چنانچہ میں نے یہ پسند کیا کہ در رحمت وار ہے تاکہ تم میں سے جس کی خواہش ہو، ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر اس نے تمہارا مطالبہ پورا کر دیا اور تم پھر بھی کفر پر مصر رہے تو وہ تمہیں ایسا سخت عذاب دے گا جو پہلے کسی کو نہ دیا گیا ہوگا“ (1) اس وقت مذکورہ بالا آیت کے علاوہ یہ آیت بھی نازل ہوئی: ﴿لَوْ اَنَّ قُرْآنًا سُوِّرَتْ بِهٖ اَوْ نُفِثَتْ بِهٖ اَوْ نُزِّلَتْ بِهٖ اَوْ كُتِبَتْ بِهٖ اَللّٰهُ لَيَكْفُرَنَّ بِهٖ اَلرَّحْمٰنُ﴾ (الرعد: 31) ”اور اگر کوئی ایسا قرآن اترتا جسکے ذریعے سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے زمین پھٹ جاتی یا اس کے ذریعے مردوں سے بات کی جاسکتی۔“ اس لئے فرمایا: ﴿وَمَا صَدَقْنَا اَنْ نُّبْرِئَكَ...﴾ یعنی ان لوگوں کے مطالبات کو پورا کرنا اور ان کے مطلوبہ معجزات دکھانا ہمارے لئے بالکل آسان ہے، ہمیں تو اس میں ذرا بھی دشواری نہیں لیکن بات یہ ہے کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی نشانیاں اور معجزات طلب کئے تھے، انہیں ان کی مطلوبہ نشانیاں دکھادی گئیں پھر بھی وہ جھٹلانے سے باز نہ آئے اور انہیں عذاب سے دوچار کر دیا گیا۔ سنت الہی ہے بھی یہی کہ مطلوبہ معجزات اور نشانیاں دکھانے کے بعد مزید مہلت نہیں دی جاتی جیسا کہ فرمایا: ﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَنَّوْا لَهَا عَلَيْكُمْ فَتَمَنّٰ يٰۤاَقْرَبُ بَعْدَ صِدْقِكُمْ قَالِيْۤ اَعْبُدُوْهُ عَدَابًا لَّاۤ اَعْبُدُ بِهٖۤ اَحَدًا فَاِنْ اِنْعٰمَ عَلٰی بَنِيۤ اِسْرٰٓءِیْلَ لَآ اَنْتُمْ عَلٰیہِمْ سٰلِحٌ عَلَیہِ السَّلَامُ﴾ انہیں نے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ کے عین مطابق اسے چنان سے نکالا، اس کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس نشانی پر ظلم کیا اور اس کے رسول کی تکذیب پر کمر بستہ رہے۔ سب سے بڑھ کر انہوں نے یہ ظلم کیا کہ اپنی ہی طلب کردہ اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿تَسْبَعُوْا نِیۤاۤیۤا زَاہِرٰتِكُمْ مِّمَّاۤ اَنْتُمْ اٰتٰوۤا وَّذٰلِکَ وَاَعَدُّوْا مِثْلَهُمْ وَاذٰبُہٗمُۤ اَشَدُّ﴾ (ہود: 65) ”اپنے گھروں میں تین دن تک لطف اٹھا لو، یہ ایسا وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا“، اس لئے یہاں فرمایا: ﴿اٰتٰیۤتًا مِّنْ سُوْرٍ اَلثَّاقٰتِ...﴾ یعنی تو تم شہود کو ایسی روشنی نشانی (ناتہ) عطا کی گئی جو اس کے خالق کی وحدانیت اور اس کے رسول کی صداقت پر واضح دلیل تھی جن کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا گیا لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا، اس کا انکار کیا اور اسے اپنی باری پر پانی پینے سے روک دیا،

اسی پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ اسے قتل کر ڈالا۔ اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں حرفِ نطق کی طرح مٹا دیا، ان سے خوب انتقام لیا اور سخت پکڑ کی۔ قتادہ اس فرمانِ وصفاً تَوَسَّلَ بِالْأَلِيَّةِ کے تحت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس قسم کی نشانیوں سے چاہے، لوگوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ عبرت اور نصیحت حاصل کر کے حق کی طرف رجوع کر لیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ زلزلہ کا شکار ہو گیا تو آپ فرمانے لگے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رضا جوئی کا حکم دے رہا ہے، اس لئے اسے راضی کر دو (1)۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ شریف میں متعدد بار زلزلہ آیا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم ضرور کسی نئی بات کے مرتکب ہوئے ہو، اللہ کی قسم! اگر دوبارہ ایسا ہوا تو میں تم سے نمٹ لوں گا۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انہیں کسی کی موت و حیات کے باعث گرہن نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں کو خوفزدہ کرتا ہے۔ جب تم ایسا دیکھو تو فوراً اللہ کے ذکر، دعا اور استغفار میں لگ جاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے امت محمد! اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیور نہیں کہ اس کا کوئی بندہ یا بندگی زنا کرے، اے امت محمد! اللہ کی قسم، اگر تم وہ کچھ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے“ (2)۔

وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّعْيَا الْآلِيَّةَ إِلَّا قِتْمَةَ لِلنَّاسِ وَ

السَّجْرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَمَنْ حَوْفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝

”اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا آپ کو بے شک آپ کے پروردگار نے گھبرے میں لے لیا ہے لوگوں کو۔ اور انہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کیلئے نیز (آزمائش بنایا) اس درخت کو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے قرآن میں۔ اور ہم انہیں (نا فرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں بس نہ بڑھایا اس ڈرانے نے انہیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کو تبلیغِ رسالت کی ترغیب دلا رہا ہے اور لوگوں کی شر سے آپ کی حفاظت کی ذمہ داری کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کیونکہ اسے لوگوں پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، تمام لوگ اس کے قبضہ، قہر اور غلبہ تلے ہیں۔ مجاہد، عروہ بن زبیر، حسن، قتادہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اس فرمانِ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو لوگوں سے محفوظ کر دیا۔ حضرت ابن عباس آیت کریمہ میں لفظ ”رؤیا“ سے مراد لیتے ہیں: عالمِ بیداری میں دیکھنا جو آپ کو معراج کی رات دکھایا گیا تھا اور شجرہ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے (3)۔ امام بخاری، امام احمد اور عبدالرزاق نے اسے روایت کیا ہے اور حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، ابراہیم، قتادہ، عبدالرحمن بن زید اور دیگر متعدد حضرات نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے اور احادیث معراج اس سورت کے شروع میں بائشفیصل بیان ہو چکی ہیں۔ یہ بھی گزر چکا ہے کہ کچھ لوگ دینِ اسلام سے پھر گئے حالانکہ وہ حق پر تھے، کیونکہ ان کے دل اور عقلیں اس کی حقانیت کا اور اک نہ کر سکیں اور انہوں نے نادانی اور جہالت کے باعث اسے جھٹلایا، لیکن راسخ العقیدہ حضرات کیلئے یہی واقعہ ثبات و یقین کا باعث بنا، اسی لئے فرمایا: ”الْأَلِيَّةُ“ یعنی آزمائش اور امتحان۔ شجرہ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے

2- صحیح بخاری، کتاب السنن، جلد 2 صفحہ 42، صحیح مسلم، کتاب السنن، جلد 2 صفحہ 618

1- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 109

3- صحیح بخاری، تفسیر سورہ اسراء، جلد 6 صفحہ 107

بتایا کہ اپنے جنت، روزخ اور رزق تو م کا درخت دیکھا لیکن کفار اسے تھملا نے لگے یہاں تک کہ لعین ابو جہل کہنے لگے کہ لاؤ کھجور اور مکھن، اور دونوں کو ملا کر کھاؤ، یہی تو رزق ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ شجرہ ملعونہ سے مراد ہنوا میہ ہیں لیکن یہ قول بہت غریب اور بودا ہے (1)۔ سہل بن سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں قبیلہ والوں کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح اچھلتے کودتے دیکھا تو آپ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ پھر وصال تک آپ پوری ہنسی نہیں بنے، اس وقت یہ آیت اتری (2)۔ اس کی سند بہت کمزور ہے کیونکہ اس کا راوی محمد بن حسن بن زبالہ متروک ہے اور اس کا شیخ بھی بالکل ضعیف ہے، اس لئے ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے کہ اس سے مراد شب معراج ہے اور شجرہ ملعونہ سے مراد رزق تو م کا درخت ہے اور اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَلَوْ نَفَعُهُمْ ...** یعنی ہم کفار کو شدید و شدید اور عبرتناک عذاب سے خوفزدہ کرتے ہیں لیکن ان کی کفر و ظلمات میں سرکشی اور ہٹ دھرمی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی نظر کرم حاصل نہیں۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلنَّاسِ اسْجُدُوا لِلَّهِ وَالْإِدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ قَالَ أَسْجُدْ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ۖ قَالَ أَرَأَيْتَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنِ أَخَّرْتَنِي إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَبِيلًا ۝

”اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے کہا کیا میں سجدہ کروں اس (آدم) کو جس کو تو نے کچھڑ سے پیدا کیا۔ اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی وجہ کیا ہے)؟ اگر تو مجھے مہلت دے روز قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے۔“

ابلیس ملعون کی آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کے ساتھ عداوت کا ذکر ہو رہا ہے، اس کی عداوت کا آغاز تخلیق آدم علیہ السلام سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، چنانچہ سوائے ابلیس کے تمام فرشتے سجدہ میں گر گئے۔ اس نے تکبر کیا اور خود کو عظیم سمجھتے ہوئے اور آدم علیہ السلام کو حقیر مروتانے ہوئے اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا: ”أَسْجُدُ ...“ جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: **أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ (ص: 76)** ”میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔“ رب تعالیٰ جو نہایت علم والا اور مہلت دینے والا ہے، اس کے حضور اس لعین کی مزید جسارت، ذہنائی اور کفر دیکھنے، کہنے لگا: **أَرَأَيْتَ بَيْنَكَ هَذَا الَّذِي بَنَىٰ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان ”لَا أَحْتَنِكَنَّ“ کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ میں اس کی اولاد پر غلبہ پالوں گا سوائے قلیل افراد کے۔ مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ میں سوائے چند افراد کے انہیں اپنا تابع بنا لوں گا۔ ابن زید کہتے ہیں کہ میں انہیں گمراہ کر دوں گا۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے: مجھے بتا، یہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت، عظمت اور شرف سے نوازا ہے، اگر تو مجھے مہلت دے تو میں اس کی اولاد کو گزشتہ کر دوں گا سوائے چند ایک کے۔

قَالَ إِذْ هَبْ فَمِنَ نَّبَعِكَ مِنْهُمْ قَاتِ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا ۝ وَاسْتَغْفِرْ لِمَنْ أَسْأَفْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْبِكَ وَرَأْمِكَ وَشَاهِرِ كُهُم فِي الْأَمْوَالِ وَ

إِلَّا وِلَادٌ وَعِدُهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿٣٨﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ
سُلْطَنٌ وَكَفَى بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٣٩﴾

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا چلا جا (جو مرضی ہو کر) سو جو تیری پیروی کرے گا ان سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے۔ اور گمراہ کرنے کی پوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور دھوا دبول دے ان پر اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدہ کرتا رہ۔ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر کمر و فریب کا۔ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ اور (اے محبوب!) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کار سازی کے لئے۔“

ابلیس کے مہلت طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت عطا کر دی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٤١﴾ اِنِّي يُؤَيِّرُ الْوَقْتِ اَمْعَمُوهُ (العنبر: 37-38) ”بے شک تو مہلت دے دئے ہوئے لوگوں میں سے ہے، وقت مقررہ کے دن تک۔“ اللہ تعالیٰ نے ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والے انسانوں کو جہنم کی دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اِذْ هَبْنَا قَيْنَ شَيْعَتِكَ . یعنی تمہیں اور تمہاری پیروی کرنے والوں کو اعمال بد کی پوری پوری سزا دی جائے گی اور اس میں ذرا بھی کمی نہیں ہوگی۔ فرمایا: اِذْ هَبْنَا قَيْنَ شَيْعَتِكَ . صوت سے مراد ابوداد لعب اور غناء ہے یعنی جسے تو بہکا سکتا ہے، ابوداد لعب اور گانوں کے ذریعے بہکا لے۔ حضرت ابن عباسؓ ”صَوْتِكَ“ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ شیطانی آواز ہے (1)۔ ابن جریر نے اس مفہوم کو پسند کیا ہے۔ مزید فرمایا: وَقَدْ جُوبِدَ . یعنی تو ان پر اپنے گھوڑ سوار اور پیادہ دستوں کے ساتھ پورٹ کر دے۔ رجل، راجل (پیادہ) کی جمع ہے جیسے ركب، راکب (سوار) اور صوب، صاحب (ساتھی) کی۔ مطلب یہ ہوا کہ تو ہر ممکن طریقے سے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ان پر دھوا دبول کر اپنا تسلط اور اقتدار قائم کر لے۔ یہ امر قدری ہے جیسا کہ فرمان ہے: اَلَمْ نَشْرَأْكَ اَنْ اَسْئَلَنَّ الْفَلِيطِيْنَ عَنِّي الْكٰفِرِيْنَ تَتَّوَعَّرُوْهُمْ وَقَوْلًا (مریم: 83) ”کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے کفار پر شیطانوں کو مسلط کر دیا ہے، وہ انہیں ہر وقت اکساتے رہتے ہیں“ یعنی یہ انہی بہکا کر اور مجبور کر کے گناہوں کی دلدل میں دھکیل دیتے ہیں۔ حضرات ابن عباسؓ اور مجاہد پختیک و سراجیک کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سوار ہو اور بیدل ہو، وہ شیطانی لشکر ہے۔ قہادہ کہتے ہیں کہ جن و انس میں سے شیطان کے سوار اور پیادہ لشکری ہیں جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ جب کسی کو چیخ کر آواز دی جائے تو کہا جاتا ہے: ”اَجَلْبَ فَلَانٍ عَنِّي فَلَانٍ“۔ آپ ﷺ نے گھوڑ دوڑ میں جلب (چیخ) کر گھوڑے کو آگے بڑھانا اور جب (پہلو پر مارنا) سے منع فرمایا ہے، لفظ جلب بھی اس سے ہے، اسی طرح جلب کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: شور و غل کرنا۔ حضرات ابن عباسؓ اور مجاہد اس فرمان و شاعرانہ۔ کا معنی بتاتے ہیں کہ شیطان انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے، عطاء کہتے ہیں کہ اس سے مراد سود ہے۔ حسن فرماتے ہیں کہ خبیث مال جمع کر کے اسے حرام کاری میں خرچ کرنا۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ شیطان کی اموال میں شرکت سے مراد ان کا اپنے مونیہوں کو حرام قرار دینا ہے یعنی بحیرہ، سائبہ وغیرہ بیٹانا۔ بقول ابن جریر یہ آیت عام ہے اور ان تمام مفاہیم کو شامل ہے (2)۔ اور حضرات ابن عباسؓ، مجاہد اور ضحاک کے مطابق اولاد میں شیطان کی شرکت سے مراد زنا کاری سے پیدا ہونے والی اولاد ہے۔ عقی بن طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی وہ اولاد ہے جسے انہوں نے اپنی نادانی اور بیوقوفی کے باعث نقل کر دیا تھا۔ حضرت حسن بصری اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ شیطان نے انہیں مجوسی، یہودی اور نصرانی بنا کر غیر اسلام کے رنگ میں رنگ دیا اور ان کے اموال کا ایک حصہ اپنے لئے مخصوص کر دیا۔ ابوصالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ شیطان کی اولاد میں شرکت سے مراد ان کا اپنی اولاد کا نام عبدالمحارث، عبدالفتس اور عبدالقلاں رکھنا ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اولاد میں شیطان کی مشارکت کے سلسلہ میں یہ کہنا سب سے زیادہ موزوں ہے کہ اس سے مراد وہ اولاد ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا جائے خواہ اس کا کوئی ایسا نام رکھا جائے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو یا اسے دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پیرو کار بنا دیا جائے یا اس کی ماں زنا کی مرتکب ہو یا اسے قتل کر دیا جائے یا زندہ درگور کر دیا جائے یا اور کوئی ایسا کام کیا جائے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معصیت لازم آتی ہو تو یہ ایسے امور ہیں جو اولاد آدم علیہ السلام میں شیطان کی مشارکت میں داخل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کو کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ ہر وہ چیز جس میں یا جس کے سبب معصیت الہی کا ارتکاب یا شیطان کی اطاعت لازم آتی ہو وہ مشارکت ہی ہے (1)۔ یہ عمدہ توجیہ ہے اور اسلاف میں سے ہر ایک نے مشارکت کا جزدی مضمون بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موجد پیدا کیا لیکن شیاطین نے انہیں برگشتہ کر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کیلئے حلال کی تھیں“ (2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو یہ کہے: ”بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَدَّقْتَنَا“ (اللہ کے نام سے، یا اللہ! شیطان سے ہمیں دور رکھ اور جو تو ہمیں عطا فرمائے اس سے شیطان کو دور رکھ)، اگر کوئی بچہ مقدر ہو تو اسے شیطان کبھی بھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا (3)۔

شیطان کے جھوٹے اور فریب دہندوں کے متعلق فرمایا: وَعَذَّبْنَاهُمْ... قیامت کے دن جب حق واضح ہو جائے گا تو ابلیس کہے گا: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَلْتُمْ وَعَدَلْتُمُ الْبَاطِلُ وَوَعَدْتُمُ الْكَافِرِيْنَ (ابراہیم: 22) ”بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا ابلیس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی“ پھر فرمایا: اِنَّ هِيَ اَوْىٰ... اس آیت میں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوتی ہے اور انہیں شیطان مردود سے بچاؤ کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امان سے نوازا جاتا ہے، اسی لئے فرمایا: ذُوْكَفٰى... یعنی آپ کے رب کی کارسازئی، حمایت اور نصرت ہی کافی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن اپنے شیاطین کو اس طرح مغلوب کر لیتا ہے جس طرح ایک سوار سفر میں اپنے اونٹ کو“ (4)۔

رَسُوْلُكُمْ الَّذِي يُرِيْضُ لَكُمْ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِيَتَّبِعُوْا مِنْ قَضٰىهِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ يَكْتُمُ رَاٰى سِيْمًا ﴿٥١﴾

”تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیوں کو سمندر میں تاکہ تم تلاش کرو (بحری سفر کے ذریعہ) اس کا فضل۔ بیشک وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خصوصی لطف و کرم ہے کہ اس نے ان کے لئے سمندر میں کشتیوں کو سفر کر دیا اور ان کی مصلحتوں اور منافع کے لئے سمندری سفر نہایت آسان بنا دیا تاکہ وہ بذریعہ تجارت اللہ کا فضل (رزق) حاصل کر سکیں، اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ... یعنی اللہ

تعالیٰ نے تم پر اپنا فضل و کرم اور رحمت فرماتے ہوئے تمہیں یہ سہولیات بہم پہنچائی ہیں۔

وَ إِذْ أَمْسَكْتُمْ الْغُرُفَ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا آيَاتِنَا فَكَلِمَاتُكُمْ إِلَى اللَّهِ يَ عَرَضْتُمْ وَا
كَانَ الْإِنْسَانُ لَكُفْرًا ۝

”اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں توغم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے پس جب وہ خیر و عافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکر ہے۔“

سمندری سفر کے دوران جب لوگ کسی مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں تو وہ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس لئے فرمایا: وَ إِذْ أَمْسَكْتُمْ۔ یعنی اس سنگین صورتحال میں تمہارے دلوں سے ان تمام معبودوں کا خیال محو ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو جیسا کہ عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ ایسا ہی اتفاق ہوا، فتح مکہ کے موقع پر وہ جان بچا کر فرار ہو گیا اور حبشہ جانے کی غرض سے کشتی پر سوار ہو گیا۔ دوران سفر سخت آندھی آئی اور کشتی طوفان میں پھنس گئی، کشتی کے سوار ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب نجات کی سہیل یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ عکرمہ نے اپنے دل میں کہا: اللہ کی قسم! اگر سمندر میں صرف وہی کام آتا ہے تو ظاہر ہے کہ خشکی میں بھی صرف وہی کام آسکتا ہے۔ اسے اللہ! میں تیرے ساتھ پختہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے اس مصیبت سے بخیر و عافیت نکال دیا تو میں ضرور جا کر اپنا ہاتھ محمد (ﷺ) کے ہاتھ میں دے دوں گا اور میں یقیناً انہیں مہربان اور رحیم پاؤں گا۔ چنانچہ وہ سب سلامتی سے کنارے تک پہنچ گئے۔ عکرمہ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ گوش اسلام ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ (1)۔ فرمایا: فَكَلِمَاتُكُمْ... یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں ساحل تک بعافیت پہنچا دیتا ہے تو تم اس توحید کو فراموش کر دیتے ہو جس کا عرفان تمہیں سمندر میں ہوا تھا اور تم اللہ وحدہ لا شریک کو پکارنے سے روگردانی کرنے لگ جاتے ہو، اور انسان کی تو فطرت ہی یہی ہے کہ وہ انعامات کو فراموش کر دیتا ہے بلکہ ان کا انکار کر دیتا ہے، سوائے ان سعادت مند حضرات کے جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

أَفَأَمْسَكْتُمْ أَنْ يَحْصِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَيْرِ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ
وَكَيْلًا ۝

”کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسائے والا بادل پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے کوئی کارساز۔“

اللہ تعالیٰ کافروں سے فرما رہا ہے کہ سمندر سے بخیر و عافیت خشکی پر پہنچنے سے کیا تم نے یہ یگانہ کر لیا ہے کہ اب تم اللہ تعالیٰ کے انتقام اور عذاب سے بے خوف اور محفوظ ہو گئے، اس کا عذاب خشکی پر بھی آسکتا ہے، وہ تمہارے سمیت زمین کے کنارے کو دھنسا سکتا ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تم پر پتھروں کی بارش برسا دے جیسا کہ فرمایا: رَأَىٰ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا جَعَلْنَا لَمُوسَىٰ بَيْتًا مِّنْ عِبَادِنَا (القم: 35-34) ”ہم نے ان پر پتھر برسائے والی ہوا بھیجی سوائے لوط کے گھرانے کے۔ ہم نے انہیں سحری کے وقت بچا لیا۔ یہ ہماری طرف سے خاص مہربانی تھی۔“ وَ أَفَمَنْ نَّاعْبُدُهُمْ جَاثِرًا مِّنْ حِجَابٍ (الحجر: 74) ”اور ہم نے ان پر کھنگر کے پتھر برسائے،“

تَدْبِيرِ (الملک: 17-18) ”کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ تمہارا گناہ لے۔

کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھر برسائے والی ہوا بھیج دے۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے۔“ آیت کے آخر میں فرمایا: ثُمَّ لَا تَجِدُوا... یعنی پھر تم کوئی ایسا مددگار نہیں پاؤ گے جو تم سے اس عذاب کو ہٹا کر تمہیں بچالے۔

أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ وَتَأْتَا سَائِرًا أُخْرَى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيَغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْهَا نَذِيرًا ۝۱۱

”کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر سخت آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو پھر غرق کر دے تمہیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا۔ پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے ہم سے اس ڈوبنے پر کوئی انتقام لینے والا۔“

اللہ تعالیٰ روگردانی کرنے والوں سے فرما رہا ہے کہ سمندری سفر کے دوران گرداب ہلاکت میں تو تم نے توحید کا اقرار کر لیا تھا لیکن بغایت باہر نکلنے پر پھر تم نے پہلی کفریہ روش اپنائی، کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہیں دوبارہ سمندری سفر پیش آ جائے اور اللہ تعالیٰ تند تیز آندھی اور طوفان کے ذریعے تمہاری کشتیوں کو توڑ پھوڑ کر تمہیں غرق کر دے، اس طرح تم اپنے کفر اور روگردانی کا مزہ چکھ لو۔ پھر تو تمہیں کوئی ایسا شخص بھی نہیں ملے گا جو تمہاری خاطر ہم سے اس کا انتقام لے سکے۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ ”تبع“ کا معنی ہے مددگار۔ مجاہد کہتے ہیں: ایسا مددگار جو بدلے لے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پیچھا کرنے والا (1)۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْوُجُوهِ وَالْبَحْرِ وَنَزَلْنَاهُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَأَنْزَلْنَاهُمْ عَلَى الْأَرْضِ رِزْقًا وَمِنْ حَلْقِنَا لِلنَّحْيِيلِ ۝۱۲

وَمِنْ حَلْقِنَا لِلنَّحْيِيلِ ۝۱۲

”اور بے شک ہم نے بڑی عزت بخشی اولاد آدم کو اور ہم نے سوار کیا انہیں (مختلف سواریوں پر) ذنکلی میں اور سمندر میں اور رزق دیا انہیں پاکیزہ چیزوں سے اور ہم نے فضیلت دی انہیں بہت سی چیزوں پر جن کو ہم نے پیدا فرمایا نمایاں فضیلت۔“

اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام کو بہترین اور کامل ترین شکل و صورت پر پیدا کر کے انہیں اپنے خصوصی اعزاز، شرف اور تکریم سے نوازا ہے جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین: 4) ”بے شک ہم نے انسان کو بہترین اعتدال پر پیدا کیا“، یعنی انسان اپنی دو ٹانگوں پر سیدھا کھڑا ہو کر چلتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کھاتا ہے جبکہ حیوانات چار پر چلتے ہیں اور منہ سے کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کان، آنکھ اور دل سے نوازا جن کے ذریعے وہ فہم و ادراک حاصل کرتا ہے، انہیں بروئے کار لا کر نفع حاصل کرتا ہے، چیزوں کے درمیان تمیز کرتا ہے، دینی اور دنیاوی امور میں اشیاء کے فوائد، خصوصیات اور نقصانات سے روشناس ہوتا ہے۔ اس عزت و تکریم کے علاوہ انسان کو بری سفر کے لئے گھوڑے، اونٹ اور چرچیسے جانور مرحمت فرمائے اور سمندری سفر کے لئے چھوٹی بڑی کشتیوں کی طرف رہنمائی کی، مزید برآں پاکیزہ چیزوں کی صورت میں رزق عطا فرمایا یعنی کھیتیاں، بھیل، گوشت، دودھ اور اسی طرح کی خوش ذائقہ خوش رنگ اور مزیدار

متنوع نعمتیں، اس کے ساتھ ساتھ انواع و اقسام کے عمدہ ملبوسات جنہیں نہ صرف یہ اپنے لئے تیار کرتے ہیں بلکہ دوسرے علاقوں میں برآمد بھی کئے جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت انسان کو تمام حیوانات اور مخلوقات پر نمایاں فضیلت اور برتری حاصل ہوگئی۔

اس آیت کریمہ سے جنس ملائکہ پر جنس بشری، فضیلت پر استدلال کیا گیا ہے۔ زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ ملائکہ نے کہا: اے ہمارے پروردگار! تو نے بنی آدم کو دنیا عطا کی وہ اس سے کھاتے پیتے اور عیش اڑاتے ہیں لیکن تو نے ہمیں دنیا نہیں دی، اس لئے تو ہمیں اس کا بدلہ آخرت میں عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم! جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، اس کی نیک اولاد کو اس کے برابر نہیں بناؤں گا جسے میں نے نکلے کن کے ذریعے پیدا کیا۔ اس سند سے یہ حدیث مرسل ہے لیکن ایک اور سند سے یہ متصل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”فرشتوں نے عرض کی: اے پروردگار! تو نے بنی آدم کو دنیا دی، وہ اس میں کھاتے، پیتے اور پہنتے ہیں لیکن ہم تیری حمد بیان کرتے ہوئے تسبیح کرتے ہیں، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ کھیل کود میں مصروف ہوتے ہیں۔ جس طرح تو نے ان کے لئے دنیا بنائی ہے، اس طرح تو ہمیں آخرت میں عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اس کی صالح اولاد کو میں اس کی طرح نہیں بناؤں گا جسے میں نے کن کہا تو وہ وجود میں آ گیا“ (1) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فرشتوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں بھی پیدا کیا اور تو نے اولاد آدم علیہا السلام کو بھی پیدا کیا۔ انہیں تو تو نے اس طرح بنایا کہ وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، پہنتے ہیں، عورتوں کے ساتھ شادی کرتے ہیں، جانوروں پر سواری کرتے ہیں، سوتے ہیں اور راحت و آرام حاصل کرتے ہیں لیکن ہمیں تو نے یہ چیزیں مرحمت نہیں فرمائیں۔ سو ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور اپنی روح اس میں پھونکی، اسے میں اس کی طرح نہیں بناؤں گا جسے میں نے نکلے کن کے ذریعے پیدا کیا“ (2) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ابن آدم سے بڑھ کر کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہیں ہوگا“ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! فرشتے بھی نہیں؟ فرماتے بھی نہیں، فرشتے تو شمس و قمر کی طرح مجبور ہیں“ (3)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

يَوْمَئِذٍ نَعْلَمُ كُلَّ اَنْفُسٍ بِاِمْرِهِمْ قَمِنَ اَوْ تَنِي كِتَابَهُ بِيَمِينِهِمْ فَاُولَئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيْلًا ① وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰى فَمَهْوٰى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَصْلُ سَبِيْلًا ②

”وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ۔ پس وہ شخص جس کو یا یا یا اس کا نامہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں تو یہ لوگ (خوش خوشی) پڑھیں گے اپنا نامہ عمل اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور جو شخص بنا رہا اس دنیا میں اندھا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور بڑا ام کردہ راہ ہوگا“۔

قیامت کے دن ہر امت کا اپنے امام (پیشوا) کے ساتھ محاسبہ ہوگا۔ لفظ ”امام“ کا نسبہ میں اختلاف ہے۔ مجاہد، قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نبی ہے یعنی ہر امت اپنے نبی کے ساتھ بلائی جائے گی جس نے فرمایا ہے: ”وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا عَزَمْتَ لَهُمُ الْفُتٰى بِئِهِمْ بِاَنْفُسِهِمْ (یونس: 47)“ اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے پس حسب ان کے پاس ان کا رسول آیا تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو یا گیا“ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ اصحاب حدیث کے لئے یہ بہت بڑا شرف ہے کیونکہ ان کے امام نبی کریم ﷺ ہیں۔ ابن

زید کہتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد ان کی وہ کتاب ہے جو شرعی احکام کے متعلق ان کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی کتابیں ہیں۔ یہ مراد لینا بھی ممکن ہے اور یہ بھی کہ امام سے مراد نامہ اعمال ہے جیسا کہ حضرات ابن عباس، ابو العالیہ، حسن اور شجاع کا قول ہے اور یہی قول زیادہ راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامِهِ مُبْتَدِئًا** (یسین: 12) ”اور ہر چیز کو ہم نے لوح محفوظ میں شمار کر رکھا ہے“، **وَ وَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُنْجِبِينَ مُسْفِقِينَ وَمِنَّا فَيْضًا** (الکہف: 49) ”اور نامہ عمل (ان کے سامنے) رکھ دیا جائے گا پس تو دیکھے گا مجرموں کو کہ وہ اس سے ڈر رہے ہوں گے جو اس میں ہے“۔ امام کا معنی پیشوا بھی ہو سکتا ہے یعنی ہر امت کو اس کے ساتھ لایا جائے گا جس کی وہ پیروی کرتے رہے۔ اہل ایمان انبیاء کرام علیہ السلام کی پیروی کرتے رہے اور اہل کفر اپنے گمراہ اماموں کی۔ ہر ایک اپنے نیک یا بد امام کے ساتھ ہوگا، فرمایا: **وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا** (التکویر: 41) ”اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا تھا جو آگ کی طرف بلا رہے تھے“۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”ہر امت اپنے معبود کے پیچھے ہوگی، جو طاعت کی عبادت کرتا رہا، وہ طاعت کے پیچھے ہوگا“ (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَائِعَةٍ** (الباقیہ: 28-29) ”اور آپ ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے، ہر گروہ کو اس کے صیغہ عمل کی طرف بلا یا جائے گا، آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ ہمارا نوشتہ ہے جو تمہارے بارے میں سچ بولتا ہے۔ ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے“۔ یہ اس بات کے منافی نہیں کہ ہر امت کے درمیان فیصلہ کرتے وقت اس کے نبی کو لایا جائے گا کیونکہ نبی کا اپنی امت پر اس کے اعمال کی بابت گواہی دینا ضروری ہے جیسا کہ فرمایا: **وَأَشْرَقَتْ لِنُورِهَا** (النساء: 41) ”تو کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے آئیں گے اور (اے حبیب ﷺ) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لے آئیں گے“، لیکن یہاں امام سے مراد نامہ اعمال ہے، اسی لئے فرمایا: **يَوْمَ نُنْزِلُ...** جس شخص کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ فرط مسرت سے اس میں درج اعمال صالطہ کے باعث اسے پڑھے گا اور اسے پڑھنا اس کے پاس بہت محبوب ہوگا جیسا کہ فرمایا: **فَأَقَامُوا آيَاتِي كِتَابُهُ بِيَمِينِهِمْ قِيَمُوا مَا وَفَّرْنَا لَهُمْ كِتَابَهُمْ... وَأَقَامُوا آيَاتِي كِتَابُهُ بِشِمَالِهِمُ** (الحاقة: 19-29)۔

آیت کریمہ میں لفظ ”قیمیں“ سے مراد وہ لمبا دھاگہ ہے جو کھجور کی گھٹلی کے شق میں پایا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”ایک آدمی کو بلا کر اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اس کا جسم بڑھ جائے گا، اس کا چہرہ سفید اور روشن ہوگا اور اسے چمکتے موتیوں سے مرصع تاج پہنایا جائے گا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف چل پڑے گا تو وہ اسے دور سے ہی دیکھ لیں گے اور کہیں گے: اے اللہ! ہمیں بھی اس انعام سے نواز اور اس میں ہمارے لئے برکت ڈال دے۔ وہ شخص ان کے پاس آکر انہیں کہے گا کہ تمہیں بشارت ہو تم میں سے ہر ایک کے لئے ایسا ہی انعام ہے۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوگا اور اس کا جسم بڑھ جائے گا۔ اس کے ساتھی اسے دیکھ کر کہیں گے کہ ہم اس کی شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یا اللہ!

اسے ہمارے پاس نہ لانا لیکن وہ ان کے پاس آجائے گا تو وہ کہیں گے: یا اللہ! اسے ذلیل و رسوا کر دے، وہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دور کر کے برباد کرے، تم میں سے ہر ایک کے لئے یہ سزا ہے“ (۱)۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَمَنْ كَانَ فِي ظُلُمَةٍ... یعنی جو شخص اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حجت، آیات اور روشن دلائل سے اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا، بلکہ اس سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہوگا۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُوكَ عَنِ الزَّيْنَىٰ أَوْ حَبِيبَا إِلَيْكَ لِيُفْتَنِيَّ عَلَيْنَا غَيْرُكَ وَإِذْ آلَا تَخَذُوكَ حَلِيلًا ۖ وَلَوْلَا أَنْ مَبْتَلُنَا لَقَدْ كُنْتَ تَرَكُنَّ إِلَيْهِمْ شَيْبًا قَلِيلًا ۗ إِذْ آلَا ذُفُنُكَ ضَعْفَ الْحَيَوةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ لَمْ يَلَّا تَجِدْ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۖ

”اور انہوں نے پشتہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو برگشتہ کر دیں اس (کتاب) سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ بہتان باندھ کر (منسوب کریں) ہماری طرف اسکے علاوہ تو اس صورت میں وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیں گے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہو جاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ۔ (بفرض محال اگر آپ ایسا کرتے) تو اس وقت ہم آپ کو چکھاتے دو گنا عذاب دنیا میں اور دو گنا عذاب موت کے بعد۔ پھر آپ نہ پاتے اپنے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار۔“

اللہ تعالیٰ اس امر کی خبر دے رہا ہے کہ وہ بذات خود اپنے پیارے رسول ﷺ کا مؤید و مددگار ہے، وہی آپ کو راہ راست پر ثابت بخشتا ہے، وہی آپ کو ہر غلطی سے محفوظ رکھتا ہے اور شریروں کی شرانگیزیوں اور بدکاریوں کے کفر و فریب سے وہی آپ کو سلامت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے تمام امور کا تمہیدان ہے اور وہی آپ ﷺ کا حامی و ناصر ہے، وہ آپ کو مخلوق میں کسی کے سپرد نہیں کرتا بلکہ وہ آپ کا کارساز، مددگار، مؤید، محافظ، آپ ﷺ کو اپنے دشمنوں پر فتح و ظفر بخشے والا اور مشرق و مغرب میں آپ ﷺ کو عہد و اقدار عطا فرمانے والا ہے، ﷺ تسليماً كُفِّرُوا بِنِيعَةِ الرَّحْمٰنِ الْوَالِدِ الْكَرِيمِ ۗ

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذْ لَا يَلْبَسُونَ خَلْقَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۖ سُنَّةٌ مِّن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلِكَ مِنَ الرُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۖ

”اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انہوں نے یہ حماقت کی) تب وہ نہیں ٹھہریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تمہوڑا عرصہ (یہی ہمارا) دستور ہے ان کے بارے میں جنہیں ہم نے بھیجا آپ سے پہلے رسول بنا کر اور آپ نہیں پائیں گے ہمارے اس دستور میں کوئی رد و بدل۔“

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ شریف سے کوچ کر کے سرزمین انبیاء شام کی طرف چلے جانے اور وہاں سکونت اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مدینہ میں آپ ﷺ کی رہائش بعد میں ہوئی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت کریمہ مقام حبوک پر نازل ہوئی لیکن اس قول کی صحت محل نظر ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن نعم بیان کرتے ہیں کہ یہود ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس آکر کہنے لگے: اے ابوالقاسم! اگر آپ سچے نبی ہیں تو شام چلے جائیے، کیونکہ شام ارض حشر اور ارض انبیاء ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی بات کی تصدیق کی اور شام چلے جانے کے ارادہ سے آپ ﷺ نے غزوہ تبوک کے لئے تیار کی۔ جب آپ ﷺ تبوک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیتیں ڈاؤن گلاؤں... ٹھونڈا نازل کیں اور آپ ﷺ کو مدینہ شریف کی طرف واپسی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ یہیں آپ کا جینا مرنا ہے اور یہیں سے آپ کو دوبارہ اٹھایا جائے گا (1)۔ اس کی سند قابل غور ہے اور واضح بات یہی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ یہود کے کہنے پر غزوہ تبوک کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی تعمیل کرتے ہوئے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ (التوبة: 123) ”اے ایمان والوں! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں“، قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدْعُونَ دِينَهُمْ مِنَ الْكُفْرِ مِنْ الَّذِينَ كَتَبُوا الْحَقَّ يَدْعُونَ يَدْعُونَ يَدْعُونَ ضَعُفُونَ (التوبة: 29) ”ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور حرام نہیں سمجھتے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ قول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ وہ مظلوم ہوں“۔ اس غزوہ کا مقصد شہدائے غزوہ موسیٰ کا قصاص اور انتقام لینا تھا۔ اگر مذکورہ بالا واقعہ درست ہو تو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قرآن تین مقامات پر نازل ہوا: مکہ، مدینہ اور شام“ (2)۔ ولید کہتے ہیں کہ شام سے مراد بیت المقدس ہے لیکن اس قول کی بجائے شام سے مراد تبوک لینا زیادہ مناسب اور درست ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو جلاوطن کرنے کی ٹھان لی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے انہیں دھمکی دی کہ اگر انہوں نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو وہ بھی مکہ میں پھر تھوڑی سی مدت ہی ٹھہر پائیں گے اور اسی طرح ہوا۔ جب ان کی ایذا سامنیوں کے باعث آپ ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی تو ابھی تو ڈیڑھ سال کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ بدر کے میدان میں بغیر کسی پروگرام کے آپ ﷺ کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح و ظفر اور غلبہ سے نوازا۔ ان کے بڑے بڑے رئیس اور لیڈر قتل ہو گئے اور ان کی اولاد میں سے بہت سے قید کر لئے گئے، اسی لئے فرمایا: سُنَّةَ هَرَجٍ . یعنی ہمارے رسولوں کا انکار کرنے والوں اور انہیں ایذا پہنچانے والوں کے متعلق ہمارا یہی دستور ہے کہ ہم ان سے اپنے رسول کو نکال کر ان پر اپنا عذاب مسلط کر دیتے ہیں۔ اگر رسول رحمت ﷺ تشریف فرما نہ ہوتے تو ان پر دنیا میں ہی ایسا عذاب نازل ہوتا جس کی یہ تاب نہ لاسکتے، اسی لئے فرمایا: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (الانفال: 33)۔

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِكَ الشُّسِ إِلَى عَسَى النَّبِيِّ وَ قُرْآنِ الْفَجْرِ - إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ
مَشْهُودًا ۝ وَ مِنَ النَّبِيِّ فَتَهَجَّدْ بِهِمْ نَافِلَةً لَكَ ۝ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا ۝

”نماز ادا کیا کریں سورج ڈھلنے کے بعد رات کے تارک تک (تیز ادا کیجئے) نماز صبح۔ بلاشبہ نماز صبح کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اور رات کے بعض حصہ میں (اشھو) اور نماز تہجد ادا کرو (ملاوت قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً نافرمانے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر“۔

نماز پنجگانہ کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ حضرات ابن مسعود، مجاہد اور ابن زید فرماتے ہیں کہ ”دلوک“ کا معنی ہے غروب جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا معنی زوال ہے۔ حضرات ابن عمر، حسن، ضحاک، ابو جعفر الباقر اور قتادہ کا بھی یہی موقف ہے، ایک روایت میں حضرت ابن مسعود اور مجاہد سے بھی یہی معنی مروی ہے۔ ابن جریر نے اسی معنی کو پسند کیا ہے (1)۔ اس کی دلیل حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی جنہیں آپ چاہیں، دعوت کی۔ کھانا کھانے کے بعد سورج ڈھلنے پر تمام چلے گئے، چلنے وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے ابو بکر! چلو، یہ دلوک شمس (روا) کا وقت ہے“ (2)۔ اس صورت میں اس آیت کریمہ میں نماز پنجگانہ کے اوقات بیان ہو گئے یعنی زوال شمس سے رات کی تاریکی تک چا نمازیں اور قرآن الفجر سے مراد پانچویں نماز (فجر)۔ غسق سے مراد غروب آفتاب ہے یا غروب آفتاب۔ اوقات نماز رسول اللہ ﷺ کے اقوال افعال سے بہتواتر ثابت ہیں، اہل اسلام شروع سے ہی ان اوقات کی پابندی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت اِنْ قُرْآنَ الْفَجْرِ... کی تفسیر نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ نماز فجر کی تلاوت کے وقت رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”باجماعت نماز تمہارا نماز پڑھنے سے بچو جس درجہ زیادہ فضیلت کی حامل ہے اور نماز فجر میں رات اور دن کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں“ (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت وَقُرْآنَ الْفَجْرِ... پڑھ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے ہاں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور نماز فجر اور نماز عصر کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں۔ تم میں رات گزارنے والے اوپر چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ تمہارے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم ان کے پاس گئے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم واپس آئے تو اس وقت بھی وہ نماز میں مصروف تھے“ (5) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ محافظ فرشتے نماز فجر کے وقت جمع ہوتے ہیں، رات والے عروج کر جاتے ہیں اور دن والے ٹھہر جاتے ہیں۔ امیرانیم شخصی، مجاہد، قتادہ اور دیگر حضرات نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ابن جریر کی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نزول فرمانے کے بعد ارشاد فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تاکہ میں اسے بخش دوں، کون ہے مجھ سے سوال کرنے والا تاکہ میں اسے عطا کروں، کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اس کی دعا کو قبول کروں، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقُرْآنَ الْفَجْرِ۔ یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ بھی جلوہ فرمایا ہوتا ہے اور لیل و نهار کے فرشتے بھی جمع ہوتے ہیں۔ دوسری روایات کی نسبت اس روایت میں (اللہ تعالیٰ کے نزول کے) جس اضافہ کا ذکر ہوا ہے، ابن جریر اس میں منفرود ہیں (6)۔

نماز پنجگانہ کے حکم کے بعد حضور ﷺ کو قیام لیل اور نماز تہجد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَهِيَ الْبَيْتُ الْكَبِيرُ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: فرض نماز کے بعد کون سی نماز افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”رات کی

- 1- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 136
- 2- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 137
- 3- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 136
- 4- صحیح بخاری، تفسیر سورہ اسراء، جلد 8 صفحہ 108
- 5- صحیح بخاری، کتاب مواعیت الصلاة، جلد 1 صفحہ 145 صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 439
- 6- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 139، سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 12

نماز (1)۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو فرض نمازوں کے بعد نماز تہجد کا حکم دیا۔ تہجد نیند کے بعد کی نماز کو کہتے ہیں، علامہ، اسود، ابراہیم نخعی اور دیگر حضرات کا یہی قول ہے اور یہی معنی لغت عرب میں معروف ہے۔ حضرات ابن عباس، عائشہ اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہونے کے بعد نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ تہجد اس نماز کو کہتے ہیں جو عشاء کے بعد ہو۔ بہر صورت اسے بھی نیند کے بعد وہی نماز پر محمول کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان تَائِفَةُ لَيْلِكَ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ تہجد صرف آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی نماز تہجد آپ ﷺ پر فرض تھی، امت پر نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نماز تہجد آپ ﷺ کے حق میں خصوصاً نفل (اضافہ) قرار پائی کیونکہ آپ ﷺ کی اگلی پچھلی لغزشیں بخش دی گئیں اور ان نفل نمازوں کے باعث امتیوں کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں گویا یہ نفل نمازیں ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں (2)۔

فرمایا: عَسَىٰ اَنْ يُّرَٰعَتَكَ ... یعنی آپ میرے حکم کو بجالائیں تاکہ میں آپ کو قیامت کے دن مقام محمود پر فائز کروں جہاں نہ صرف تمام مخلوقات آپ کی تعریف کرے گی بلکہ خود خالق کائنات بھی۔ ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ اکثر مفسرین کے نزدیک مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جہاں قیامت کے دن حضرت محمد ﷺ لوگوں کی شفاعت کے لئے کھڑے ہوں گے تاکہ ان کا رب انہیں اس دن کی شدت اور سنگین صورتحال سے نجات عطا فرمائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کیا جائے گا، ایک پکارنے والا انہیں اپنی آواز سنائے گا، ان کی آنکھیں کھل جائیں گی، وہ برہنہ پا اور برہنہ بدن ہوں گے جیسے پیدائش کے وقت تھے، سب کھڑے ہوں گے، کوئی بھی اذن الہی کے بغیر بات نہیں کر سکے گا، اسی اثناء میں ندا دی جائے گی: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کہیں گے: ”یار رب! میں حاضر ہوں اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، شریعتی طرف سے نہیں، ہدایت یا نجات وہی ہے جسے تو ہدایت عطا فرمائے، تیرا بندہ تیرے سامنے حاضر ہے، وہ تیری ہی توفیق سے قائم ہے اور تیری طرف ہی رجوع کرنے والا ہے، مجھ تیرے نہ کوئی نجات کی راہ ہے اور نہ پناہ گاہ، تو بڑا ہی بابرکت، برتر اور بالا ہے، اے رب العزت! تو پاک ہے۔“ یہ وہ مقام محمود ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی مقام محمود مقام شفاعت ہے۔ مجاہد اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ قنادہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن آپ ﷺ ہی سب سے پہلے زمین سے باہر آئیں گے اور سب سے پہلے شفاعت بھی آپ ہی کریں گے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے (3)۔

قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کو ایسے امتیازی فضائل و مکارم حاصل ہوں گے جن میں نہ کوئی آپ ﷺ کا شریک ہوگا اور نہ کوئی ان میں آپ ﷺ کی برابر کی کا دعویٰ کر سکے گا۔ سب سے پہلے آپ زمین سے باہر آئیں گے اور سوار ہو کر میدان حشر کی طرف روانہ ہو جائیں گے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں پرچم ہوگا، آدم علیہ السلام اور آپ کی تمام ذریت اس کے نیچے ہوگی، حوض کوثر آپ ﷺ کے لئے ہی مخصوص ہوگا جہاں سب سے زیادہ لوگ آئیں گے، اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت عظمیٰ کا منصب آپ ﷺ کو ہی حاصل ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے جلوہ فرما ہو۔ یہ اس کے بعد ہوگا جب تمام لوگ باری باری حضرت آدم علیہ السلام، پھر نوح علیہ السلام، پھر ابراہیم علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے لیکن ہر ایک یہی کہے گا کہ میں اس کا اہل نہیں،

یہاں تک کہ لوگ اٹھتے ہو کر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کریں گے تو آپ ﷺ فرمائیں گے: ”اِنِّ لَهَا، اِنَّا لَهَا“ یعنی میں ہی اس کا مستحق ہوں، میں ہی اس کا اہل ہوں۔ اس کی تفصیلات ان شاء اللہ یہاں بیان کی جائیں گی۔

آپ ﷺ ان لوگوں کے بارے میں شفاعت کریں گے جنہیں جہنم کا حکم ہو چکا ہوگا، سب سے پہلے آپ ﷺ کی امت کے فیعلے کئے جائیں گے، آپ کی امت ہی سب سے پہلے بل صراط کو عبور کرے گی اور جنت میں (بلندی درجات کے لئے) بھی آپ ﷺ ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے جیسا کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ حدیث صورت میں ہے کہ مومن تمام کے تمام آپ کی شفاعت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ جنت میں داخل ہوں گے اور پھر آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی، آپ ﷺ ایسے لوگوں کے رفع درجات کے لئے شفاعت کریں گے جن کے اعمال ان درجات تک پہنچنے سے قاصر تھے، آپ ﷺ ہی صاحب وسیلہ ہیں جو جنت میں اعلیٰ مقام ہے اور صرف آپ ﷺ کے ہی شایان شان ہے۔ ملائکہ، انبیاء اور مومنین بھی گنہگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کریں گے لیکن آپ ﷺ اتنی مخلوق کے لئے شفاعت کریں گے جس کی تعداد بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں، نہ کوئی آپ کی مثل شفاعت کر سکے گا اور نہ ہی کوئی برابری کا دعویٰ کر پائے گا، کتاب السیرۃ کے باب الخصال میں میں نے اسے شرح و وسط سے بیان کر دیا ہے۔ اب ہم مقام محمود کے متعلق وارد ہونے والی احادیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ گھنٹوں کے بل گئے ہوں گے، ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی، کہیں گے: اے فلاں! ہماری شفاعت کیجئے، اے فلاں! ہماری سفارش کریں، یہاں تک کہ شفاعت کی انتہاء نبی کریم ﷺ تک ہوگی۔ یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا (1)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سورج بہت قریب آجائے گا یہاں تک کہ پینڈا آدھے کانوں تک پہنچ جائے گا، اسی اثناء میں وہ آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے لیکن وہ کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح جواب دے دیں گے، پھر محمد ﷺ کی خدمت میں التجا پیش کریں گے تو آپ ﷺ مخلوق کی شفاعت کرنے کے لئے چل دیں گے یہاں تک کہ باب جنت کی کنڈی تمام لیں گے، اس دن اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا“۔ بخاری نے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن اس اضافہ کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا جہاں تمام لوگ آپ کی تعریف کریں گے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے: ”اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدُّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَوْمَ الَّذِي وَعَدْتَهُ“، قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی“ (2)۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں قیامت کے دن انبیاء کا امام، خطیب اور ان کا سفارشی ہوں گا، یہ بات بطور فخر نہیں کہتا“ (3)۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں قرآن کریم کو سات قرأتوں کے مطابق پڑھنے کا ذکر ہے، اس حدیث کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے عرض کی: اے اللہ! میری امت کی مغفرت فرما، اے اللہ! میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لئے پکار رکھی ہے جس تمام مخلوق حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف رغبت کریں گے (4)۔ حضرت انس رضی اللہ

1- صحیح بخاری، تفسیر سورہ اسراء، جلد 6 صفحہ 108

2- صحیح بخاری، تفسیر سورہ اسراء، جلد 6 صفحہ 108

3- عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 101، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1443

4- صحیح مسلم، کتاب صلاة السرقرین، جلد 1 صفحہ 561-562، سند احمد، جلد 5 صفحہ 127

عز سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن مومن جمع ہوں گے، ان کے دلوں میں یہ خیال ڈالا جائے گا اور وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں کوئی شفاعت کرنے والا مل جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کر کے ہمیں اس سنگین کیفیت سے راحت پہنچائے۔ چنانچہ وہ سب آدم غیبیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، ملائکہ سے آپ کو سجدہ کروایا اور ہر چیز کے ناموں سے آپ کو آگاہ کیا، اس لئے آپ بارگاہِ خداوندی میں ہماری شفاعت کریں تاکہ ہمیں کچھ آرام نصیب ہو۔ وہ انہیں کہیں گے کہ یہاں میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اس وقت انہیں اپنا گناہ یاد آ جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس کریں گے اور کہیں گے کہ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اہل زمین کی طرف مبعوث کیا گیا۔ وہ سب مل کر نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ انہیں اپنی خطا یاد آ جائے گی کہ انہوں نے اپنے رب سے وہ سوال کیا تھا جس کے متعلق انہیں علم نہ تھا، اس لئے وہ بھی اس خطا کے باعث اپنے رب سے شرم مانے لگیں گے اور فرمائیں گے کہ ابراہیم ظلیل اللہ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ۔ وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ لیکن تم موسیٰ کے پاس جاؤ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور تورات سے نوازا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے لیکن وہ بھی معذوری ظاہر کریں گے، انہیں یاد آ جائے گا کہ انہوں نے ناعن ایک آدمی کو قتل کیا تھا، اس بناء پر انہیں بھی اللہ تعالیٰ سے شرم دامن گیر ہوگی، وہ کہیں گے کہ صیسی کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے، رسول، کلمہ اور روح تھے۔ چنانچہ وہ تمام عیسیٰ کے پاس آئیں گے، وہ بھی کہیں گے کہ میں اس کی اہلیت نہیں رکھتا، البتہ تم اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے محمد (ﷺ) کی جناب میں حاضر ہو جاؤ جن کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے گئے تھے۔ وہ سب مل کر میرے پاس حاضر ہوں گے۔ میں کھڑا ہوں گا اور مومنین کی دو عضوں کے درمیان چمتا ہوا بارگاہِ خداوندی میں باریابی کے لئے اجازت طلب کروں گا۔ جب میں اپنے رب کا دیدار کروں گا تو اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا، میں اسی حالت میں پڑا رہوں گا، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سراٹھائیے، کہتے، آپ کی بات سنی جائے گی، شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ اب میں اپنا سراٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ حمد و ثنا کروں گا جو مجھے وہ سکھائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی جس کے مطابق میں لوگوں کو جنت میں داخل کروں گا۔ پھر دوبارہ وہ میں جناب باری تعالیٰ میں حاضر ہوں گا۔ جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اس کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا، مشیت الہی کے مطابق یہ کیفیت برقرار ہے گی، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سراٹھائیے، کہتے، آپ کی سنی جائے گی، مانگئے، آپ کو عطا ہوگا اور شفاعت کیجئے، آپ ﷺ کی شفاعت مقبول ہوگی۔ چنانچہ میں اپنا سراٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ حمد و ثنا کروں گا، پھر سفارش کروں گا۔ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی جس کی مقدار لوگوں کو میں جنت میں داخل کروں گا، پھر تیسری بار لوٹوں گا اور جب اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی، سجدہ میں پڑا رہوں گا، پھر فرمایا جائے گا: اے محمد! اپنا سراٹھائیے، کہتے، آپ کی بات سنی جائے گی، سوال کیجئے، آپ کو سوا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت کو شرف قبولیت سے نوازا جائے گا۔ میں اپنا سراٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ حمد کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں بھی جنت میں پہنچا دوں گا، چوتھی دفعہ پھر میں جناب باری تعالیٰ میں لوٹوں گا اور عرض کروں گا: اے پروردگار! اب تو صرف وہی باقی رہ گئے جنہیں قرآن نے روک لیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ بروہ

شخص جہنم سے نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا اور جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر خیر تھی، پھر وہ شخص جہنم سے رہائی پائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا تھا اور گیہوں کے دانے کے برابر اس کے دل میں خیر تھی، پھر وہ شخص جہنم سے چھٹکارا پائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی خیر موجود تھی (1)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں کھڑا اپنی امت کے پل صراط عبور کرنے کا انتظار کر رہا ہوں گا کہ اسی اثناء میں عیسیٰ علیہ السلام میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ یہ انبیاء آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں، یہ ہارگا و خداوندی میں درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی مشیت کے مطابق تمام امتوں کے فیصلے فرما کر انہیں الگ الگ کر دے کیونکہ اس وقت وہ سخت تکلیف دہ صورتحال سے دوچار ہیں۔ لوگ پسینہ میں شرابور ہوں گے، مومن پر تو وہ زکام کی مثل ہوگا لیکن کافر پر موت چھائی ہوئی ہوگی۔ آپ ﷺ فرمائیں گے، ذرا ٹھہرو، میں آتا ہوں۔ اللہ کے نبی ﷺ جا کر عرش تلے کھڑے ہو جائیں گے اور وہ اعزاز و اکرام پائیں گے جو کسی برگزیدہ فرشتے اور رسول کو بھی نہ ملا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بذریعہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے فرمائے گا: اپنا سرائیے، مانگئے، آپ کو دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے، آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ چنانچہ میں اپنی امت کے بارے میں شفاعت کروں گا اور ہر ننانوے میں سے ایک نکال لاؤں گا، اسی طرح میں لگا تا رہے رب کے حضور آتا جاتا رہوں گا اور اس وقت تک شفاعت کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرمادے گا کہ اسے محمد! اپنی امت میں سے ہر اس شخص کو جنت میں لے جاؤ جس نے ایک دن بھی اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی اور پھر اسی پر اس کو موت آئی“ (2)۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس وقت ایک آدمی گفتگو کر رہا تھا، آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا مجھے گفتگو کرنے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، آپ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ بریدہ بھی اس قسم کی گفتگو کریں گے جو وہ شخص کر رہا تھا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”مجھے قوی امید ہے کہ میں قیامت کے دن روئے زمین پر موجود درختوں اور کنکروں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کروں گا“۔ اسے معاویہ! آپ تو اس کی امید کریں اور (کیا) علی رضی اللہ عنہ اس سے ناامید ہو جائیں؟“ (3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملیکہ کے دونوں بیٹے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہماری ماں ہمارے والد کی بہت عزت کرتی تھی اولاد پر بہت مہربان اور شفیق تھی اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی تھی لیکن ایک بات ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت میں اپنی بچیاں زندہ درگور کر دیا کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہاری ماں کا ٹھکانہ جہنم ہے“۔ یہ سن کر وہ دونوں رنجیدہ خاطر واپس چلے آئے تو آپ نے انہیں واپس بلانے کا حکم دیا۔ وہ خوشی خوشی واپس آئے کہ شاید اب امید افزا بات سننے کو ملے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے“۔ یہ سنتے ہی ایک منافق کہنے لگا کہ یہ اپنی ماں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور ہم خواہ مخواہ اس کے نقش قدم چل رہے ہیں، ایک انصاری جو سب سے زیادہ سوالات کرنے کا عادی تھا، کہنے لگا: یا رسول اللہ! کیا اس (ملیکہ) کے یا ان دونوں کے بارے میں آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کے ساتھ کوئی وعدہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہیں فرمایا: ”نہ میرے رب نے چاہا اور نہ مجھے اس میں طبع دلائی۔ میں قیامت کے دن مقام محمود پر فخر ہوں گا“۔ انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ! مقام محمود کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اس وقت ہوگا جب تمہیں برہنہ پا، برہنہ بدن اور بے نعتہ لایا جائے گا۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام

1- صحیح بخاری، تفسیر سورہ بقرہ، جلد 6، صفحہ 21، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 181، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 116

2- مسند احمد، جلد 3، صفحہ 178

3- مسند احمد، جلد 4، صفحہ 347، یہ حدیث ضعیف ہے

السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے ظلیل کو کپڑے پہناؤ۔ چنانچہ دو سفید چادریں انہیں پہنائی جائیں گے اور انہیں عرش کی طرف منہ کر کے بٹھا دیا جائے گا، پھر میرا لباس لایا جائے گا، میں اسے پہن کر ان کی دائیں طرف اس مقام پر کھڑا ہو جاؤں گا جہاں کوئی اور کھڑا نہیں ہوگا، اور اس مقام کے حصول پر تمام اگلے پچھلے لوگ مجھ پر رشک کریں گے۔ اور کوثر سے حوض تک ان کے لئے کھول دیا جائے گا۔ منافق کہنے لگا کہ پانی کے جاری ہونے کے لئے مٹی اور نکل لازمی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کی مٹی مشک ہے اور اس کے نکل مونی“۔ منافق کہنے لگا کہ ایسی عجیب بات پہلے نہیں سنی، پانی جاری ہو تو نباتات بھی اگنی چاہئیں؟ انصاری دریافت کرنے لگا: یا رسول اللہ! کیا وہاں نباتات بھی ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، سونے کی شاخوں والیں“۔ منافق کہنے لگا کہ بڑی تعجب خیز بات ہے شاخیں ہوں تو پتے اور پھل بھی ضرور ہونے چاہئیں۔ انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ان پر پھل بھی ہوں گے؟ فرمایا: ”ہاں، رنگا رنگ جواہر، ان کا رس دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا۔ جس نے ایک گھونٹ بھی پی لیا، وہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور جسے اس سے محروم کر دیا گیا، وہ پھر کبھی سیراب نہ ہوگا“ (1)۔ حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں: ”پھر اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے گا، چنانچہ روح القدس جبریل علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر حضرت ابراہیم، ظلیل اللہ علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر حضرت عیسیٰ یا موسیٰ علیہما السلام کھڑے ہوں گے، پھر تمہارے نبی حضرت محمد ﷺ کھڑے ہوں گے اور سب سے زیادہ شفاعت کریں گے، یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے“ (2)۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ میں اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوں گے، مجھے اللہ تعالیٰ سبز رنگ کا حلہ پہنائے گا، پھر مجھے اذن دیا جائے گا اور میں وہ کچھ کہوں گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ یہی مقام محمود ہے“ (3)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کا اذن ملے گا، اور مجھے ہی سب سے پہلے سر اٹھانے کی اجازت مرحمت ہوگی، میں اپنے آگے بیچھے اور دائیں بائیں دیکھوں گا اور تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا، ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر تمام امتوں میں سے آپ ﷺ اپنی امت کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وضو کے اثر سے ان کی پیشانیوں اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے، ان کے سوا کوئی اور ایسا نہیں ہوگا۔ میں انہیں اس نشانی سے بھی پہچان لوں گا کہ انہیں نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملیں گے۔ مزید ان کی پہچان اس طرح ہوگی کہ ان کی اولادیں ان کے آگے چل رہی ہوں گی“ (4)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا، چونکہ شانے کا گوشت آپ ﷺ کو زیادہ پسند تھا، اس لئے وہی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ اس میں سے توڑ توڑ کرتا تو ل کرنے لگے، پھر فرمایا: ”قیامت کے دن میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، کیا تمہیں اس کا سبب معلوم ہے؟ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام لوگوں کو ایک بہت بڑے میدان میں جمع کرے گا۔ ایک ندادینے والا انہیں سنائے گا؛ لگا ہیں اوپر اٹھی ہوں گی اور سورج بالکل قریب ہوگا۔ لوگ ناقابل برداشت رنج و الم اور کرب کا شکار ہوں گے، وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ تکلیف کس ابنہ کو پہنچ چکی ہے، کیا تمہیں کسی ایسے شخص کا ظلم

2- مستدعی داؤد طحاوی: 51

1- مستدعی، جلد 1 صفحہ 398-399

4- مستدعی، جلد 5 صفحہ 199

3- مستدعی، جلد 3 صفحہ 456

ہے جو بارگاہِ خداوندی میں تمہاری سفارش کرے؟ یا ہمیشہ مشورت سے ملے ہوگا کہ آدم علیہ السلام کے پاس چلو، چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، آپ میں اپنی روح پھونکی اور ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ملائکہ نے آپ کو سجدہ کیا، اس لئے آپ اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر سنگین صورت حال سے دوچار ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ تو وہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک ہوا ہے اور نہ بعد میں اس قدر کبھی ہوگا۔ اس نے مجھے درخت سے روکا تھا لیکن مجھ سے حکم عدولی ہوگی۔ مجھے اپنی فکر دامن گیر ہے، نفسی نفسی کا عالم ہے، اس لئے کسی اور کے پاس جاؤ، نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ وہ سب مل کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اہل ارض کی طرف آپ پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ”عبد شکور“ نام دیا ہے، بارگاہِ خداوندی میں ہماری شفاعت فرمائیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر مشکل میں ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج میرا رب اس قدر غضبناک ہے کہ نہ پہلے کبھی اس قدر غضبناک ہوا اور نہ کبھی بعد میں ہوگا۔ مجھے ایک دعا مرحمت کی گئی تھی جو میں نے اپنی امت کے خلاف مانگ لی، نفسی (میرا نفس) نفسی نفسی، کسی اور کے پاس جاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ وہ سب اکٹھے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے آئیں گے اور التجا کریں گے کہ آپ اللہ کے نبی اور خلیل ہیں، اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ ہماری خست حالی نہیں ملاحظہ کر رہے؟ آپ فرمائیں گے کہ میرا رب آج اس قدر غصہ میں ہے کہ نہ اسے پہلے کبھی اتنا غصہ آیا ہے اور نہ کبھی آئے گا۔ آپ اپنے جھوٹ یا دکر کے نفسی نفسی کرنے لگیں گے اور فرمائیں گے کہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ، موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ سب مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر آپ کو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ جن لیا، آپ بارگاہِ رب العزت میں ہماری سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر آزمائش میں گھرے ہوئے ہیں؟ آپ فرمائیں گے کہ آج میرا رب اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اتنا پہلے کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ مجھ سے تو ایک ناحق قتل ہو گیا تھا، مجھے اپنی پڑی ہے، نفسی نفسی کی کیفیت ہے، کسی اور پر چلے جاؤ۔ جاؤ۔ یحییٰ علیہ السلام کے پاس۔ وہ تمام کے تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کریں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی روح ہیں۔ آپ نے بچپن میں گہوارے میں گنجلوئی۔ آپ بارگاہِ خداوندی میں ہماری سفارش فرمائیں۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر اندوہناک حالت کا شکار ہیں؟ آپ فرمائیں گے کہ آج میرا رب شدید غضب میں ہے، نہ پہلے کبھی اس قدر غضبناک ہوا اور نہ کبھی بعد میں ہوگا۔ آپ اپنے کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے بلکہ کہیں گے۔ نفسی نفسی نفسی۔ کسی اور کی طرف جاؤ۔ محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، چنانچہ وہ تمام جمع ہو کر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرمادیئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت فرمائیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں؟ پس میں کھڑا ہوں گا اور عرش تلے آ کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی حمد و ثناء کے وہ کلمات سکھائے گا جو پہلے اس نے کسی کو نہیں سکھائے ہوں گے۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنا سر اٹھائیے، مانگتے آپ ﷺ وعظا ہوگا، شفاعت کیجئے آپ ﷺ کی شفاعت قبول ہوگی۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا۔ یا رب! میری امت، اے میرے پروردگار! میری امت، میرے رب! میری امت؟ چنانچہ

مجھے فرمایا جائے گا: اے محمد ﷺ! اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں، لے جاؤ اور دائیں جانب والے دروازے سے جنت میں داخل کرو لیکن باقی دروازوں میں سے داخل ہونے کا بھی انہیں حق حاصل ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! جنت کے کواڑوں میں سے دو کے درمیان اتنی مسافت ہے جس قدر مکہ اور جبر کے درمیان یا مکہ اور بصری کے درمیان (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت ہی قبول ہوگی“ (2)۔ آپ ﷺ سے اس آیت عَلَسَ اَنْ يَّبْعَثَكَ... کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ شفاعت ہے“۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا: ”یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا“ (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو کھال کی طرح کھینچ کر پھیلا دے گا یہاں تک کہ ہر شخص کو پاؤں رکھنے کی جگہ مل جائے گی۔ سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ جبریل علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے، اللہ کی قسم! اس سے پہلے انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! اس (جبریل علیہ السلام) نے مجھے بتایا تھا کہ تو نے اسے میری طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر میں شفاعت کروں گا اور عرض کروں گا: اے میرے پروردگار! تیرے بندوں نے زمین کے ہر طرف تیری عبادت کی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے“ (4)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقِيْ وَاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجِ صِدْقِيْ وَاَجْعَلْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٥﴾ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَرَهَقَ الْبٰطِلُ اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ ذَهٰبًا ﴿٦﴾

”اور دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ۔ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔ اور آپ (اعلان) فرمادیجئے آگینے بے حق اور مٹ گیا ہے باطل۔ بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تشریف فرما تھے، پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا تو اس وقت یہ آیت وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقِيْ... نازل ہوئی (5)۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب کفار مکہ نے باہمی مشاورت سے یہ طے کیا کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں یا قید میں ڈال دیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ قتال انہیں سزا دینے کا ارادہ کر لیا تو اس نے آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ اس وقت یہ آیت اترتی (6)۔ قرآن فرماتے ہیں کہ مدینہ میں داخل ہونا اور مکہ سے ٹکنا مراد ہے۔ عبدالرحمن بن زید اسلم کا بھی یہی قول ہے اور یہی قول سب سے زیادہ مشہور ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اَدْخِلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقِيْ سے مراد موت ہے اور ذَاخِرِيْ مَخْرَجِيْ مَخْرَجِيْ سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہی ہے اور ابن جریر نے اسے ہی

2- صحیح مسلم، کتاب الفضائل جلد 4، صفحہ 1782

4- مصنف عبدالرزاق

6- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 149

1- صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اسراء، جلد 6 صفحہ 105 صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 184-186

3- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 145، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 528, 444, 441

5- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 223

پسند کیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اس فرمان **وَاجْعَلْنٰی**..... کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ساتھ یہ وعدہ کیا کہ وہ فارس و روم کی سلطنتیں اور ان کی عز و جاہ چھین کر آپ ﷺ کو عطا فرمائے گا (1)۔ قنادہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر غلبہ وین ممکن نہیں اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے تائید و حمایت اور مدد کی التجا کی تاکہ اس کے ذریعے قرآن کریم، حدود و فرائض کا نفاذ اور اقامت دین ممکن ہو سکے کیونکہ تائید الہی پر مبنی غلبہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جسے وہ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتو لوگ ایک دوسرے پر پل پڑیں، ارتقا تو رکزور کو نگل جائے۔ مجاہد ”سلطان نصیر“ سے مراد واضح حجت لیتے ہیں۔ ابن جریر نے حضرات حسن و قنادہ کے قول کو پسند کیا ہے اور یہی زیادہ راجح ہے کیونکہ مخالفین حق کو مغلوب کرنے کے لئے حق کے ساتھ قوت اور غلبہ کا ہونا ضروری ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ الْاِنْسَانُ بِالنِّصْحِ ؕ وَاَنْزَلْنَا الْحَبِیْبَ فِیْ سُبْحَانَ سُدِّیْنِ ذُو مَنَافِعٍ لِّنَّاسٍ (الحدید: 25)** ”یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) اتارا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا اس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لئے طرح طرح کے فوائد ہیں“۔ حدیث شریف میں آتا ہے: **اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا يَزَعُ بِالْقُرْآنِ** یعنی اللہ تعالیٰ قوت و غلبہ کے باعث ایسی بہت سی برائیوں اور بدکاریوں کے ارتکاب سے روک دیتا ہے جو قرآن اور اس میں موجود سخت وعید اور شدید محکمی سے بھی ممکن نہیں اور یہ بالکل حقیقت ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا: **وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ**..... اس میں کفار قریش کے لئے سخت و محکم اور وعید ہے۔ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق آگیا جس میں نہ کوئی شک و شبہ ہے اور نہ ان میں اس کے مقابلہ کی تاب۔ قرآن کریم، ایمان اور علم نافع کی صورت میں حق ان کے سامنے آ پہنچا اور ان کا باطل مضحل ہو کر فنا ہو گیا کیونکہ حق کے سامنے باطل کو کوئی بقا اور ثبات حاصل نہیں جیسا کہ فرمایا: **بَلْ تَقْتَدِرُ وَتُقْتَدِ بِعَنَى الْبَاطِلِ لَقَدْ كُنْتُمْ مَعَهُ قَادِرَاتٍ وَّهَیْئَةُ الْاِنْبِیَاءِ: 18** حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے، اس وقت بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں چھتری تھی، آپ ﷺ اس کے ساتھ نہیں کچھ کے گالگا کر یہ فرما رہے تھے: ”حق آ پہنچا اور باطل مٹ چکا، بلاشبہ باطل مننے والا ہی ہے۔ حق آگیا، باطل نہ دوبارہ آ سکتا ہے اور نہ لوٹ سکتا ہے“ (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بتوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ منہ کے بل گر پڑے۔ اس وقت آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی (3)۔

وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝

”اور ہم نازل کرتے ہی قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سزا پر رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو“۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے جسے اس نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ یہ وہ قرآن

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ نبی اسرائیل، جلد 6 صفحہ 108، صحیح مسلم، کتاب النبیاء، جلد 3 صفحہ 1408 وغیرہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 150

3۔ مسند ابی یعلیٰ

کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے، باطل کسی جانب سے بھی اس کی طرف راہ نہیں پاسکتا، یہ اہل ایمان کے لئے باعث شفا اور مرپا رحمت ہے یعنی دلوں کے اندر شک وارتباب، نفاق، شرک اور کجی جیسے جو بھی امراض پائے جاتے ہیں، ان سب روگوں کے لئے قرآن کریم شفا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ رحمت بھی ہے جس کے ذریعے ایمان، حکمت، بھلائی اور نیکی کی طرف رغبت حاصل ہوتی ہے۔ یہ شفا اور رحمت صرف اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اس پر ایمان لائے، اس کی تصدیق اور اتباع کرے۔ جہاں تک اپنے اور پر ظلم کرنے والے کافر کا تعلق ہے تو وہ جو قرآن سنتا ہے، اس سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے لقمے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ أَسْمَاءُ هَذِهِ وَشِقَاقِهَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقُرْآنُ هُوَ عَلَيْهِمْ عَسَىٰ أُولَٰئِكَ يَنذَرُونَ مِمَّنْ مَنكَا بِنِعْمَةِ اللَّهِ (سورة: 44) ”آپ فرمائیے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پین ہے اور وہ ان پر مشتبہ رہتا ہے، انہیں گویا دور کی جگہ سے بلایا جاتا ہے“، وَإِذَا مَا أَنْذَرْنَا نَسُوا آيَاتِنَا فَهُمْ يَرْجِعُونَهَا حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْغِيَابُ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَأزَادتْهُمْ إِيْمَانًا وَهُمْ يَسْتَبِشِرُونَ ﴿١٢٤﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ فِي قُلُوبِهِمْ مَقْرَضًا فَزَادتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَهَاتُوا لَهُمْ لِقْفَؤُنَا (التوبة: 125-124) ”اور جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کسی کا ایمان زیادہ کر دیا ہے تو (وہ سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورت نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منارہے ہیں اور جن کے دلوں میں روگ ہے تو اس سورت نے ان کی (سابقہ) پلیدی پر اور پلیدی بڑھا دی ہے، اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے“ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ فقہانہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو قرآن کریم سنتا ہے تو وہ اس سے نفع حاصل کرتا ہے، اسے یاد کرتا ہے اور اسے اپنے دل میں جگہ دیتا ہے لیکن کافر نہ اس سے استفادہ کرتا ہے، نہ اسے یاد کرتا ہے اور نہ اپنے دل میں بساتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو صرف اہل ایمان کے لئے شفا اور رحمت بنا دیا ہے۔

وَإِذَا أَنْصَبْنَا عَلَىٰ الْإِنْسَانِ أَعْرَاضًا وَنَالِبًا جَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يُسُوسًا ﴿١٢٥﴾ قُلْ مَلِكٌ يُعَلِّمُ عَلَىٰ مَا يَشَاءُ كَلِمَةً ۖ قَرِيبٌ مِّنْ أَعْلَمِ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا ﴿١٢٦﴾

”اور جب ہم کوئی انعام فرماتے ہیں انسان چوتھ (بجائے شکر کے) وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے۔ اور جب پہنچتی ہے اسے کوئی تکلیف تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ آپ فرمادیں گے کہ ہر شخص عمل پیرا ہے اپنی فطرت کے مطابق۔ پس تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھی راہ پر (گامزن) ہے۔“

راحت اور تکلیف دونوں حالتوں میں انسان ایک بڑے نقص کا شکار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے تائید یافتہ لوگ اس نقص سے محفوظ ہیں۔ وہ نقص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب انسان پر مال و متاع، صحت و عافیت اور فتح و نصرت کے دروازے کھول کر اپنا انعام فرماتا ہے تو وہ اس کی اطاعت و عبادت سے روگردانی اور پہلو تہی کرنے لگ جاتا ہے بلکہ بقول مجاہد اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ غُصَّةَ صُورِهِ مَا يَكْفُرُ بِآيَاتِنَا إِلَّا فِي حُرْمَةٍ ﴿١٢٥﴾ (یونس: 12) ”پھر جب ہم اس سے تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو جمل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی“، فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ غُصَّةَ صُورِهِ مَا يَكْفُرُ بِآيَاتِنَا إِلَّا فِي حُرْمَةٍ ﴿١٢٥﴾ (یونس: 12) ”پس جب وہ تمہیں سائل تک پہنچا دیتا ہے تو تم روگردانی کرنے لگتے ہو۔“ اور جب انسان کو مصائب، حوادث اور مسائل آگھیرتے ہیں تو وہ ہر قسم کی بھلائی کے حصول سے ناامید ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَكَوْنُوا آدِقًا الْإِنْسَانَ وَمَا رَحِمَةَ لَمْ تَرَ عَلَيْهَا مِنْهُ ۗ إِنَّهُ لَيَسُوسُ لِقَوْمٍ ۖ وَلَيُؤْتِيهِمْ مَّا يَشَاءُونَ بَعْدَ إِذْ عَصَىٰ آدَمَ مَسْتَهْزِئًا

يَسْتَوُونَ ذَهَبَ الشَّيْءَاتِ عَنِّي - إِنَّهُ لَقَدْ مَرَّ فَخُورٌ ﴿١١٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ صَدَقُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ - أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (ہود: 119) اور اگر ہم کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھائیں پھر ہم اسے اس سے جھین لیں تو وہ بڑا مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے اور اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھاتے ہیں اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ سب تکلیفیں مجھ سے دور ہو گئیں، بے شک وہ بڑا خوش ہونے والا اترا نے والا ہے مگر وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، وہی ہیں جن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "شاحلہ" کا معنی "فاحیہ" (طرف) بیان کرتے ہیں، مجاہد اس کا معنی فطرت بتاتے ہیں، عقاد کے نزدیک اس کا معنی نیت اور ابن زید کے نزدیک دین ہے (1)۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ اس آیت کریمہ میں مشرکین کے لئے وعید اور حکمی ہے جیسا کہ فرمان ہے: وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا عَلٰیٰ مَكَانَتِكُمْ (ہود: 121) اور آپ فرمادیجئے انہیں جو ایمان نہیں لائے کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو، اس لئے یہاں فرمایا: قُلْ كَلِّمْ... یعنی ہر ایک اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے اور آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے اور تم میں سے کون زیادہ راہ راست پر گامزن ہے، وہ اس کے مطابق ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا کیونکہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

وَيَسْتَوُونَكَ عَنِ الرُّوحِ طُفْلِ الرُّوحِ مِنْ آهٍ رَبَّيْ وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٢٠﴾

”یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق۔ (انہیں) بتائیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم گرتھوڑا سا“۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کے کھیتوں میں جا رہا تھا، آپ ایک لاشی کے سہارے چل رہے تھے۔ یہودیوں کے ایک گروہ کے پاس سے جب گزر ہوا تو ان میں سے بعض کہنے لگے کہ آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کرو جبکہ بعض نے کہا کہ آپ سے سوال نہ کرو۔ آخر کار انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھ ہی لیا کہ روح کیا ہے؟ آپ ﷺ لاشی پر ٹیک لگائے ٹھہر گئے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ پر وحی اتر رہی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی (2)۔ بخاری شریف میں یہ روایت اس طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ کھیتوں میں جا رہا تھا۔ آپ لاشی کا سہارا لئے چل رہے تھے کہ یہود کے پاس سے گزر ہوا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آپ ﷺ سے روح کے متعلق دریافت کرو۔ کسی نے کہا کہ تمہیں اس سوال سے کیا سروکار؟ کسی نے کہا کہ ایسا نہ ہو آپ ﷺ ایسا جواب دے دیں جو تمہیں ناپسند ہو۔ بالآخر انہوں نے اتفاق کر کے آپ ﷺ سے روح کے متعلق پوچھ لیا۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے اور انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ پر وحی اتر رہی ہے، میں اپنی جگہ کھڑا رہا، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی (3)۔ اس سے بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس کا نزول مدینہ شریف میں اس وقت ہوا جب یہود نے آپ ﷺ سے روح کی بابت دریافت کیا حالانکہ سورت تمام کی تمام مکی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ آیت مدینہ میں دوسری بار نازل ہوئی ہو جس طرح مکہ میں پہلے نازل ہوئی تھی یا یہ صرف مکہ میں ہی نازل ہوئی تاکہ آپ ﷺ اس کے ذریعے یہودیوں کے اس سوال کا جواب دے سکیں جو انہوں نے بعد میں کرنا تھا۔ اس آیت کے کئی ہونے کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ روایت ہے کہ قریش نے یہود سے

کہا کہ ہمیں کوئی مشکل سوال بتاؤ جو ہم اس شخص (حضرت محمد ﷺ) سے دریافت کریں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ سے روح کے متعلق دریافت کرو تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت اتری تو یہود کہنے لگے کہ ہمیں تو وافر عطا ہوا ہے یعنی ہمیں تورات ملی ہے اور جسے تورات عطا ہوئی اسے خیر کثیر مل گئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: قُلْ لَوْ كَانُ الْبَحْرُ مِلْحًا لَئِيْكَمَلَّتْ سَائِرُ... (الکہف: 109) ”فرمائیے اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا اس سے جو شتر کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگرچہ ہم اس کی مدد کو اتنی روشنائی اور لے آئیں (1)۔ حضرت نکرمدہ سے مروی ہے کہ اہل کتاب نے رسول اللہ ﷺ سے روح کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے: آپ کا گمان ہے کہ ہمیں بہت کم علم دیا گیا ہے حالانکہ ہمیں تورات سے سرفراز کیا گیا جو سراپا حکمت ہے اور جسے حکمت عطا ہوئی اسے خیر کثیر مل گئی، اس وقت یہ فرمان نازل ہوا: وَكُوْنْ اَنْ مَّآنِيْ الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَوْ قَدْرًا مَّرْوًا يَّهْرِيْضُ دُوْهُنَّ بَعْدَ سَبْعَةِ اَهِمْ مَّا تَقِيْدَاتُ كَلِمَاتِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (القمان: 27) ”اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر است مزید سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی، بے شک اللہ سب پر غالب، بڑا دانہ ہے۔“ فرمایا کہ جو علم تمہیں دیا گیا ہے، اگر اسے اللہ تعالیٰ آگ سے تمہاری خلاصی کا ذریعہ بنا دے تو یہ کثیر اور طیب ہے لیکن علم الہی میں پھر بھی یہ قلمیں ہے (2)۔ محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عطاء بن یسار سے مروی ہے: یہ آیت وَمَا اَوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا شَرِيْفٌ میں نازل ہوئی، جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو علمائے یہود آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ یہ کہتے ہیں: وَمَا اَوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا، اس سے آپ ﷺ کی مراد ہم ہیں یا آپ ﷺ کی قوم؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سبھی مراد ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ قرآن کریم میں آپ ﷺ بھی پڑھتے ہیں کہ ہمیں تورات عطا کی گئی جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ علم الہی کے مقابلے میں قلیل ہے، بہر صورت اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس قدر عطا فرمایا ہے کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تمہیں بہت نفع حاصل ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَكُوْنْ اَنْ مَّآنِيْ الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ... نازل کی (3)۔

روح سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی ارواح ہیں۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ یہود یوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ ہمیں بتائیں روح کیا ہے اور جسم میں روح کو کیسے عذاب ہوتا ہے حالانکہ روح تو اللہ کی طرف سے ہے۔ چونکہ اس بارے میں کوئی وحی آپ ﷺ پر نہیں اتری تھی، اس لئے آپ ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا، پھر جب جبریل علیہ السلام یہ آیت قُلِ الْوَجُوْہُ... لے کر آئے تو آپ ﷺ نے یہود کو اس کے متعلق آگاہ کر دیا، وہ کہنے لگے کہ کس نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر لائے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کے پاس یہ خبر لانے والا ہمارا دشمن ہے تو اس وقت یہ فرمان نازل ہوا: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِیْلِ فَقَدْ اَدْبَرَ اَعْقَابَهُ لَئِنْ عَلِمْتُمْ لَوْلَا اَنْ اللّٰهُ مَصْدَقًا لِّمَا بَيَّنَّتْ يَدَیْہِ الْاَبْرَةِ: (97) ”آپ فرمائیے جو جبریل علیہ السلام کا دشمن ہو (اسے معلوم ہونا چاہئے)“ کہ اس نے آپ ﷺ کے دل پر اللہ تعالیٰ کا قرآن اتارا جو تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں (4)، تو وہ کہتے

2- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 155

1- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 389

4- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 156

3- تفسیر صبری، جلد 5 صفحہ 157

ہیں کہ روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد تمام مخلوقات کے برابر ایک عظیم فرشتہ ہے۔ علی بن طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا فرشتہ ہے کہ اگر اسے کہا جائے کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو ایک ہی لقمہ میں نکل جا تو وہ ایسا گرگزرے، اس کی تسبیح یہ ہے: ”سُبْحَانَكَ حَيِّثُ كُنْتُ“ (1)۔ یہ حدیث غریب بلکہ منکر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روح سے مراد ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں، ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور ہر زبان پر ستر ہزار لغات ہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو دیگر فرشتوں کے ساتھ قیامت تک اڑتا رہے گا (2)۔ یہ اثر عجیب و غریب ہے۔ سبکی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ روایت میں آتا ہے کہ اس فرشتے کے ایک لاکھ سر ہیں، ہر سر میں ایک لاکھ چہرے ہیں، ہر چہرے میں ایک لاکھ منہ ہیں اور ہر منہ میں ایک لاکھ زبانیں ہیں جن کے ساتھ وہ مختلف بیویوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کا ایک گروہ ہے جن کی صورتیں بنی آدم کی سی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ روح سے مراد ایسا گروہ ہے جو فرشتوں کو دیکھتے ہیں لیکن فرشتے انہیں نہیں دیکھ سکتے، وہ فرشتوں کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے لئے فرشتے (3)۔

فرمایا: قُلِ الْرُّوْحُ... یعنی روح کی حقیقت کے متعلق علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور اس سے تمہیں آگاہ نہیں کیا، اسی لئے فرمایا: وَمَا أُوْتِيتُمْ... یعنی تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے، کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا بجز اس مقدار کے جس سے آگاہ کرنا مشیت الہی میں متقدّر ہو۔ پھر یہ عطا کردہ علم بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہے۔ تم روح کی حقیقت کے متعلق دریافت کر رہے ہو تو سن لو اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور تمہیں اس پر مطلع نہیں کیا، بالکل اسی طرح جیسا کہ اس نے تمہیں اپنے علم پر بجز معمولی مقدار کے آگاہ نہیں کیا۔ ان شاء اللہ عنقریب قصہ موسیٰ و خضر علیہما السلام میں آئے گا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے کنارے پر ایک چڑیا بٹھی ہوئی دیکھی، اس نے چونچ میں پانی لیا اور اڑ گئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا تمہارا اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جس قدر اس چڑیا نے اس سمندر سے لیا ہے، اسی لئے فرمایا: وَمَا أُوْتِيتُمْ

بقول سبکی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں ان کے سوال کا جواب نہیں دیا کیونکہ ان کا سوال ضد اور ہت دھری پر مبنی تھا جبکہ بعض کہتے ہیں کہ انہیں جواب دیا۔ سبکی کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ روح شریعت خدا میں سے ہے یعنی اس شریعت میں داخل ہو جاؤ اور یہ تم بخوبی جانتے ہو کہ اس کی معرفت کسی طبعی اور فلسفی طریقہ پر منحصر نہیں بلکہ اس کا دار و مدار شریعت پر ہے۔ لیکن یہ مسلک محل نظر ہے۔ پھر سبکی نے علماء کے درمیان اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ آیا روح نفس ہی ہے یا کچھ اور۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ روح ہوا کی طرح نہایت لطیف چیز ہے جو جسم میں اس طرح سرایت کے ہوئے ہوتی ہے جس طرح درخت کی رگوں میں پانی اور جب فرشتہ اس روح کو شکم مادر میں بچے کے اندر پھونکتا ہے تو وہ جسم کے ساتھ ملتے ہی نفس بن جاتی ہے، اس کے سبب سے ہی وہ اچھن بری صفات حاصل کرتا ہے۔ یا تو یہ نفس مطمئنہ ہوتا ہے یا نفس اندرہ، اس کی مثال یوں سمجھ لیں جس طرح پانی درخت کی حیات ہے لیکن درخت کے ساتھ اتصال کے باعث اسے ایک خاص نام دے دیا جاتا ہے مثلاً انگور، جب اسے نچڑیں گے تو اس کے پانی کو شراب یا کوئی دوسرا نام دیں گے، پانی نہیں کہیں گے۔ البتہ مجازی طور پر پانی کہا جاسکتا ہے نہ کہ حقیقی طور پر، بالکل اسی طرح نفس کو روح نہیں کہا جاسکتا اور اسی طرح روح کو بھی نفس نہیں کہا جاسکتا

مگر بلحاظ انجام کے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ روحِ نفس کی اصل اور اس کا مادہ ہے، نفس روح اور بدن کے اتصال سے مرکب ہے۔ پس روح ایک وجہ سے نفس ہے نہ کہ تمام وجہ سے۔ یہ بہت عمدہ بات ہے (1)، لوگوں نے روح کی ماہیت اور اس کے احکام کے متعلق بہت گفتگو کی ہے اور متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں لیکن روح کے متعلق ابن مندہ کی کتاب سب سے عمدہ ہے۔

وَلَيْنَ شِئْنَا لَنذَهَبَنَّ بِالْبَيْتِ أَوْ حِينَمَا إِلَيْكَ لَمْ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكَيْلًا ۖ إِلَّا
رَحْمَةً مِنِّي بِرَبِّكَ ۗ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۖ قُلْ لَّيْنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ
عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِبُحْلٍ هَذَا الْقُرْآنَ لَا يَأْتُونَ بِشَيْءٍ وَلَوْ كَانَ بِعَصْمٍ لَبَعْضٌ ظَهِيرًا ۖ وَ
لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۖ

”اور اگر ہم چاہتے تو سلب کر لیتے دو جی جو ہم نے آپ کی طرف کی ہے پھر آپ کوئی ایسا وکیل نہ پاتے جو آپ کے لئے اس کے متعلق ہماری بارگاہ میں وکالت کرتا۔ سوائے اپنے رب کی رحمت کے (کہ وہ ہمہ وقت آپ کے شامل حال ہے) یقیناً اس کا فضل (و کرم) آپ پر بہت بڑا ہے، (بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لائیں گے اس کی مثل اگر چہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار۔ اور بلاشبہ ہم نے طرح طرح سے (بار بار) بیان کی ہیں لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں (تا کہ وہ ہدایت پائیں) پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے عبد محبوب اور رسول کریم ﷺ پر اپنی نعمت عظمیٰ اور فضل عظیم کا ذکر فرما رہا ہے یعنی آپ ﷺ کو وحی سے نوازا اور ایسا قرآن مجید آپ کو مرحمت فرمایا جس کی طرف باطل راہ نہیں پاسکتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخر زمانے میں شام کی طرف سے ایک سرخ ہوا چلے گی، اس وقت نہ قرآن اور اہل میں باقی رہے گا اور نہ کسی کے دل میں کوئی آیت محفوظ رہے گی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسی آیت وَلَيْنَ شِئْنَا کی تلاوت کی (2)۔ پھر اللہ تعالیٰ قرآن عظیم کے شرف پر آگاہ فرماتے ہوئے خبر دے رہا ہے کہ اگر تمام انسان اور تمام جن اکٹھے ہو جائیں اور قرآن کریم کی مثل لانے پر اتفاق کر لیں تو بھی ایسا نہیں کر پائیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کریں اور مکمل صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے مدد فراہم کریں کیونکہ اس قرآن کی مثل لانا مقدر اور طاقت سے باہر ہے۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ مخلوق کا کلام خالق کائنات کے کلام کے مشابہ ہو جائے جس کی نہ کوئی نظیر ہے اور نہ کوئی مثال، نہ اس کا کوئی عدیل ہے اور نہ شریک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہم بھی اس قرآن جیسا کلام بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت یہ آیت اتری (3)، لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ یہ سورت کئی ہے اور اس کے مخاطب قریش ہیں۔ یہودیوں سے تو مدینہ شریف میں آپ ﷺ کو واسطہ پڑا تھا۔ آگے فرمایا: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا یعنی ہم نے طرح طرح سے ان کے لئے دلائل واضح اور براہین قاطعہ بیان کر دی ہیں اور ان کے لئے حق کو شرح و بسط کیساتھ واضح کر دیا ہے، اس کے باوجود بھی اکثر لوگ ناشکری، انکار حق اور تردید صواب پر بھند ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تَنْفَجِرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۖ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ
 تَجْنِيلٍ ۖ وَعَنْبٌ فَتَفَجَّرَ الْأَنْهَارُ خَلْفَهَا تَفَجُّرًا ۖ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْهَا
 كِسْفًا أَوْ تَأْتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۖ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ رُّحْرٍ أَوْ تَنْزِيلٌ فِي
 السَّمَاءِ ۗ وَلَنْ نُؤْمِنَ بِرُحْمَتِكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ
 كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَ سَائِرِ الْبَشَرِ ۗ ﴿١٧﴾

”اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کرویں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ یا
 (لگ کر تیار) ہو جائے آپ کے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پھر آپ جاری کھویں ندیاں جو اس بارغ میں (ہر
 طرف) بہ رہی ہوں۔ یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے، ہم پر نکلے نکلے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور
 فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں۔ یا (تعمیر) ہو جائے آپ کے لئے ایک گھر سونے کا۔ یا آپ
 آسمان پر چڑھ جائیں۔ بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے کہ آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ اتار لائیں ہم پر ایک
 کتاب جسے ہم پڑھیں۔ آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرمادیں کہ میرا رب (ہر عیب سے) پاک ہے۔ میں
 کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ کے دونوں بیٹے عقبہ اور شیب، ابو سفیان بن حرب، ابو عبد اللہ کا ایک شخص،
 ابو العتر، اسود بن مطلب، بن اسد، زعبن بن الاسود، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عبد اللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل
 اور حجاج سبھی کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ غروب آفتاب کے بعد کعبہ شریف کے پیچھے اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ محمد
 (ﷺ) کو بلا لو اور ان سے بحث و تجویس اور گفتگو کر کے عذر مانگ کر دو۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ کی قوم کے
 اشراف اور رؤساء آپ کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ فوراً ان کی طرف چل دیئے، آپ ﷺ کا خیال تھا
 کہ شاید دین اسلام کی حقیقت ان پر عیاں ہوگئی ہو اور پھر آپ ﷺ ان کی ہدایت کے شدید خواہاں اور حریص تھے، ان کی سرکشی اور ہٹ
 دھرمی آپ کو بہت گراں گزرتی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواہش کے پیش نظر ان کے پاس چلے آئے۔ جب آپ ﷺ ان
 کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ ہم نے آپ کو آج اس لئے بلایا ہے تاکہ اتمام حجت کر دیں اور اس کے بعد
 آپ ﷺ کیسے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ دیکھیں، کسی آدمی نے اپنی قوم کو ایسے حالات اور مسائل سے دوچار نہیں کیا جس قسم کے حالات و
 مسائل سے آپ نے ہمیں دوچار کر رکھا ہے، تم ہمارے آباؤ اجداد کو سب دشمن کرتے ہو، ہمارے دین کو برا سمجھتے ہو، ہمارے بڑوں کو احمق
 اور بے وقوف گردانتے ہو، ہمارے محبوبوں کو برا بھلا کہتے ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم نے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ہماری
 جمعیت کو منتشر کر دیا ہے، تمہاری وجہ سے ہر قباحت ہمارے اندر در آئی ہے۔ ان باتوں سے اگر مال جمع کرنا تمہارا مقصود ہے تو ہم تمہارے
 لئے اس قدر مال و دولت جمع کروں گے کہ تم سب سے زیادہ ثمنی اور خوشحال ہو جاؤ گے، اگر اس سے تمہاری خواہش شرف و سیادت کا حصول
 ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں، اگر تمہارا ارادہ بادشاہت حاصل کرنے کا ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے پر بھی راضی ہیں اور ہر کوئی

جن تم پر مسلط ہے جو تمہیں ایسی باتوں پر اکساتا ہے تو ہم اپنے اموال خرچ کر کے تمہارا علاج کرانے کے لئے بھی تیار ہیں یہاں تک کہ تمہیں شفا ہو جائے یا تمہارے بارے میں ہمیں معذور سمجھ لیا جائے۔ ان کی یہ ساری باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو تم کہہ رہے ہو وہ (وماغی غلغل یا آسیب) مجھ میں نہیں، جو دین میں تمہارے پاس لایا ہوں، اس سے میری یہ خواہش نہیں کہ میں تمہارے اموال حاصل کر لوں اور نہ ہی یہ مقصد ہے کہ تمہارا سردار اور بادشاہ بن جاؤں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خوشخبری دوں اور بروقت خبردار کروں۔ چنانچہ میں نے اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچا دیئے اور تمہارے لئے اخلاص اور خیر خواہی کا اظہار کیا۔ اگر تم میرے پیغام کو قبول کر لو گے تو دنیا و آخرت میں سرفرد ہو جاؤ گے اور اگر اسے رد کر دو گے تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرماوے۔“ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ اگر آپ کو ہماری کوئی پیشکش قبول نہیں تو سنیں، یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ہم سے زیادہ نیک شہر کس کا نہیں، نہ ہی کوئی ہم سے زیادہ کم مال و دولت والا ہے اور نہ ہی ہم سے زیادہ کوئی خستہ حال اور تنگدست ہے۔ آپ ایسا کریں کہ آپ اپنے اس رب سے ہمارے لئے سوال کریں جس نے آپ کو مبعوث کیا ہے کہ وہ سچائی کا باعث بننے والے ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دے تاکہ ہمارے شہر کثادہ اور وسیع ہو جائیں، اس میں شام و عراق کی نہروں جیسی نہریں جاری ہو جائیں، اور تمہارا رب ہمارے آباؤ اجداد خصوصاً قصی بن کلاب کو زندہ کر دے کیونکہ وہ ہمارا قابل احترام اور سچا برگ تھا، ہم ان سے دریافت کر لیں گے کہ آیا آپ ﷺ کا پیغام حق ہے یا باطل؟ اگر آپ نے ہمارے مطالبات پورے کر دیئے اور ہمارے آباؤ اجداد نے آپ ﷺ کی تصدیق کر دی تو نہ صرف ہم آپ کی تصدیق کریں گے بلکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل شدہ آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کا بھی علم ہو جائے گا اور ہم یہ بھی پہچان لیں گے کہ واقعی اس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ان کی باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ”مجھے ان چیزوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص مقصد لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام پہنچو دیا ہے جس کا مجھے پابند کیا گیا ہے، اگر تم اسے قبول کر لو تو دنیا و آخرت میں تمہارے بخت پیدا ہو جائیں گے اور اگر تم نے اسے رد کر دیا تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرماوے۔“ وہ کہنے لگے کہ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر آپ یوں کریں اپنے رب سے درخواست کریں کہ وہ ایک فرشتہ روانہ کرے جو آپ کی باتوں کی تصدیق کرے اور آپ ﷺ کی طرف سے ہمیں جواب دے، مزید برآں آپ اس سے یہ سوال کریں کہ وہ آپ کو باغات، خزانے اور سونے چاندی کے محلات مہیا کرے اور زندگی کی نیک و دود اور محنت سے آپ کو بے نیاز کر دے کیونکہ آپ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور بالکل ہماری طرح کسب معاش کی خاطر جدوجہد کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو واقعی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام حاصل ہے اور واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے فرستادہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ”نہ میں یہ کرنے والا ہوں، نہ میں اپنے رب سے اس کا سوال کرتا ہوں اور نہ ہی مجھے اس کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوشخبری دینے والا اور بروقت ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اگر تم میرے لئے ہوئے پیغام کو قبول کر لو تو دنیا و آخرت میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور اگر تم اسے ٹھکرا دو تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی آمد تک صبر کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرماوے۔“ پھر وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے: چلو ہم پر آسمان گراو جیسا کہ تم خیال کرتے ہو کہ اگر تمہارا رب چاہے تو ایسا کر دے۔ ہم بہر صورت آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ”یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر وہ چاہے تو تمہارے ساتھ

ایسا کر دے۔ وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ کیا آپ ﷺ کے رب کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھیں گے، یہ سوالات آپ ﷺ سے کریں گے اور یہ یہ مطالبات پیش کریں گے، چاہئے تو یہ تھا کہ وہ پیشگی آپ ﷺ کو ان چیزوں کے متعلق آگاہ کر کے ان کے جوابات سکھا دیتا اور آپ ﷺ کو اس بات کی خبر دے دیتا کہ اگر ہم آپ کی بات نہ مانیں تو وہ ہمارے ساتھ کیا سوک کرے گا۔ ہمیں تو یہی خبر تھی ہے کہ یمامہ کا رحمن نامی ایک شخص آپ ﷺ کو یہ سب کچھ سکھاتا ہے، اللہ کی قسم! ہم کبھی بھی رحمن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمد ﷺ! ہم نے اتنا جھٹ کر دی اور عذر تمام کر دیا۔ اب ہم آپ ﷺ کو اس موجودہ حالت پر نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہم آپ کو ہلاک کر دیں یا آپ ہمیں نیست و نابود کر دیں۔ کوئی ان میں سے کہنے لگا کہ ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کوئی کہنے لگا کہ ہم آپ ﷺ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ﷺ اللہ اور ملائکہ کو ہمارے سامنے نہیں لے آتے۔ جب انہوں نے یہ ہرزہ سرائی کی تو آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت عائشہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھی اٹھ کھڑا ہوا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو پیشکش کی لیکن آپ نے اسے ٹھکرادیا، پھر انہوں نے اپنے لئے کچھ مطالبات پیش کئے تاکہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کو بچان لیں، یہ بھی آپ ﷺ نہ کر سکے پھر انہوں نے اس عذاب کا مطالبہ کیا جس سے آپ انہیں ڈراتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا یہاں تک کہ آپ ﷺ آسمان کے ساتھ بیڑی لگا کر اوپر چڑھ جائیں، میں آپ کو دیکھتا رہوں، آپ آسمان تک پہنچیں اور وہاں سے اپنے ساتھ ایک کھلی کتاب لائیں۔ چار فرشتے آپ ﷺ کے ساتھ ہوں جو اس بات کی گواہی دیں کہ آپ واقعی اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کر بھی دیا تو میرا خیال ہے کہ میں پھر بھی آپ ﷺ کی تصدیق نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ بہت غمزہ، افسردہ اور دل گرفتہ ہو کر واپس گھر لوٹے کیونکہ آپ ﷺ ان کی ہدایت کے لئے بہت حریص تھے اور اس مقصد کے لئے آپ ان کی مجلس میں تشریف لائے لیکن انہوں نے سرکشی اور بہت دھڑکی کی حد کر دی (1)۔ اس مجلس میں جمع ہونے والے کفر کے سرغنے اگر طلب ہدایت کے لئے سوالات کرتے تو انہیں ضرور جواب دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان کے مطالبات کفر و عناد پر مبنی ہیں اس لئے انہیں پورا نہ کیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم ان کے مطالبات پورے کر دیں لیکن اس کے باوجود اگر انہوں نے کفر پر ضد کیا تو انہیں میں وہ مذاہب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہوگا، اور اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ان پر درتوبہ و رحمت کھلا رکھوں۔ آپ ﷺ نے عرض کی: بلکہ ان پر توبہ اور رحمت کا دروازہ کھل رکھئے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ تَتُوبُونَ** (بنی اسرائیل: 59) کی تفسیر کے تحت اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس چیز کو ان آیت میں بھی بیان فرمایا: **وَقَالُوا إِنَّمَا هِيَ إِهْوَاءُ الْبَشَرِ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ وَمَا يَسْتَكْبِرُونَ** (الفرقان: 11-7)۔

عیسوی جاری چشمہ کو کہتے ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ارض حجاز میں ادھر ادھر ان کے لئے ندیاں اور چشمے رواں کر دیں۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لئے نہایت ہی اہل اور معمولی ہے۔ اگر اس کی مرضی ہوتی تو نہ صرف ایسا کر دیتا بلکہ ان کے باقی تمام مطالبات بھی پورے فرمادیتا لیکن اسے علم تھا کہ وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ فرمایا: **رَأَى الْآيَاتِ مِنْكَ فَكَفَرَ بِكَ وَكَفَرَ بِكَ بِمَا كَفَرَ بِكَ** (1)

يَوْمَ يَبْسُوتُونَ ﴿١٧﴾ وَذُنُوبُهُمْ كُلُّهَا يُرْوَدُ الْعَذَابِ الْآخِرِ (يونس: 96-97) ”بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ساری نشانیاں آجائیں جب تک وہ دروناک عذاب کو نہ دیکھ لیں“، وَلَوْ أَنبَأْنَا نَدْمَاءَ آلِهَيْمُ الْمَكِّيَّةَ وَحَسَمَةَ ابْنِ الْمُؤْتَبِرِ وَحَسْرَةَ عَلِيٍّ كُلَّ شَيْءٍ مِّمَّا كَانُوا لِيَوْمِئِذٍ وَمَثُورًا (الانعام: 111) ”اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہم ہر چیز کو ان کے رو برو جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے“، أَوْ نُثَبِّطُ السَّمَاءَ . . . یعنی آپ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ کر بودا ہو جائے گا اور اس کے کنارے لٹک جائیں گے۔ آپ دنیا میں ہی ایسا کر لڑیں اور آسمان کو کھلے کھلے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں۔ یہ قول بالکل ان کے اس قول جیسا ہے: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هَذَا الَّذِي مِنْ عَذَابِكَ فَأَمِطْهُ عَيْنِنَا جَعَلْنَا رَبَّيْنَ السَّمَاءَ . (الانفال: 32) ”اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے سچ ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر کوئی درناک عذاب لے آ“، اسی طرح قوم شعیب نے مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا: فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كَيْفَ مَثُورِ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (الشعراء: 187) ”لو اب ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اور تم راست بازوں سے ہو“ اس مطالبہ پر انہیں چھتری والے دن کے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا اور وہ واقعی ایک بڑے دن کا شدید عذاب تھا لیکن ہمارے پیارے رسول نے جو نبی التوبہ، نبی الرحمہ اور رحمۃ للعالمین ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ انہیں مزید مہلت عطا فرمائے، بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کر دے جو صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور واقعی ایسا ہی ہوا، انہی میں سے متعدد مشرف بہ اسلام ہوئے اور حقیقی اور سچے مسلمان ثابت ہوئے یہاں تک کہ عبد اللہ بن ابی اسید جنہوں نے آپ ﷺ کو اپنی ناروا باتوں سے بہت زیادہ رنجیدہ کر دیا تھا اور اسلام نہ لانے کی قسم کھائی تھی، مکمل طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے لو لگالی۔

حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ زخرف سے مراد ذہب (سونا) ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہی لفظ (ذہب) ہے (1)۔ پھر فرمایا: أَوْ ذَوْنِي . . . یعنی آپ ہماری نظروں کے سامنے سبز مٹی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں۔ اس کے باوجود ہم اس وقت تک آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ﷺ ہم پر ایک کتاب نہ اتاریں جسے ہم پڑھیں۔ مجاہد اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک ایسی کتاب اتاریں جس میں ہر ایک کی طرف ایک ایک مکتوب تحریر کیا گیا ہو اور وضاحت سے لکھا گیا ہو کہ یہ مکتوب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں بن فلاں کے نام ہے اور صبح کے وقت ان کے سر ہانے پڑا ہوا انہیں ملے۔ اس کے جواب میں فرمایا: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي . . . یعنی میرا رب اس بات سے پاک، برتر، بالا اور مقدس ہے کہ کوئی اس کے امور سلطنت میں دخل اندازی کرے بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہاری فرمائش پوری کر دے اور اگر چاہے تو تمہاری فرمائش پوری نہ کرے، میں تو تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، میں تم تک اپنے رب کے پیغامات پہنچانے کا فریضہ انجام دے رہا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ میں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا، اب تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے رب نے مجھے یہ پیغام کی کھینچ لیا کہ وہ میرے لئے ملک کی وادی بطحاء کو سونا بنا دے، میں نے عرض کی: نہیں، اے میرے رب! بلکہ میری خواہش ہے کہ میں ایک دن میرے کھوکھوں اور ایک روز بھوکے رہوں۔ بھوک کی حالت میں میں مجز و نیاز سے تیری جانب بھٹوں گا اور یکسر تیری یاد کروں گا اور میرے کھوکھوں کو تیری حمد کروں گا اور تیرا شکر بجالاؤں گا“ (2)۔

وَمَا مَنَّ عَلَى النَّاسِ أَنْ يُؤْتُوا مَوْتًا إِذْ جَاءَهُمْ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبْعَثْ اللَّهُ بَشَرًا
رَسُولًا ﴿٥٠﴾ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مُلْكٌ يَنْشُونَ مُطَهَّرِينَ لَنُرْسِلْنَاهُمْ مِنْ السَّمَاءِ
مَلَكًَا رَسُولًا ﴿٥١﴾

”اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر (ایسا نہیں ہو سکتا) فرمائیے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کے لئے) ان پر اتار دیتے آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر۔“

اکثر لوگ اس بنا پر ایمان لانے اور رسولوں کی اتباع کرنے سے رکے رہتے ہیں کہ رسولوں کا بشر ہونا ان کے لئے باعث حیرت و استعجاب ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَكْلَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِذْ نَزَّجِلْهُمْ اَنْ اُنزِلَ بِهِ النَّاسُ وَبَشِرَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَنُحْيِيَنَّكُمْ قَدْ مَرَ جَدْنِيْ عَسَدًا رَٰبِعًا ﴿٢﴾ ”کیا یہ بات لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کامل پر وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے ہاں بلند مرتبہ ہے، ذٰلِكَ بِاَنَّكَ كَانْتَ تَاْبِتُمْ رُءُوسَهُمْ بِالْبَيْتِ فَقَالُوْا اَنْبَسُوْا لَيْهٖمْ وَاُنۢبَاؤُنَا ﴿٦﴾ (التغابن: 6) ”اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر آتے رہے پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے۔“ فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا: اَلَا هُوَ الَّذِيْ جَاءَنَا بِالْبَشْرِ وَكُنَّا نَعْبُدُ الَّذِيْ يَخْلُقُ الْبَشَرَ اِنَّ هُوَ لَكُنَّا عِندَهُ لَشَرِيْطُوْنَ اَنْ نَّصُدُّوْا عَمَّا كَانَ يَبْعَثُ اٰبَاؤُنَا الَّذِيْنَ نَاْبِسُوْنَ مِنْهُمْ اِنَّهُمْ لَكَاٰبِتُونَ ﴿١٠﴾ (ابراہیم: 10) ”نہیں ہوتم مگر ہماری طرح بشر تم یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان (بتوں) سے روک دو جن کی پوجا ہمارے باپ و ادا کیا کرتے تھے، پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل،“ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنے لطف و کرم اور رحمت پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انہی کی جنس میں سے ایک رسول ان کی طرف مبعوث کیا تاکہ اس رسول سے بذریعہ گفتگو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر سکیں اور اگر کسی فرشتہ کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا جاتا تو وہ نہ اس کا سامنا کر سکتے اور نہ ہی اس سے کچھ اخذ کر پاتے۔ جیسا کہ فرمایا: لَنُنَزِّلُ مِنْ سَمٰوٰتِنَا اَنْبِيَاۗءًا مِّنۡ نَّفۡسِنَا عَلٰی الَّذِيۡنَ نُوۡحِيۡنَ اِذۡ بَعَثۡنَا فِيۡہِمۡ رَسُوۡلًا ﴿١٦٤﴾ (آل عمران: 164) ”یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب اس نے ان میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا،“ لَنُنَزِّلُ مِنْ سَمٰوٰتِنَا رَسُوۡلًا مِّنۡ نَّفۡسِنَا اَوْ يُرۡسِلُ عَلٰیہُمۡ وَاٰتِنَاۤ اٰیٰتِنَا اَوْ يُرۡسِلُ عَلٰیہُمۡ رُسُوۡلًا مِّنۡ نَّفۡسِنَا اَوْ يُرۡسِلُ عَلٰیہُمۡ رُسُوۡلًا مِّنۡ نَّفۡسِنَا اَوْ يُرۡسِلُ عَلٰیہُمۡ رُسُوۡلًا مِّنۡ نَّفۡسِنَا اَوْ يُرۡسِلُ عَلٰیہُمۡ رُسُوۡلًا مِّنۡ نَّفۡسِنَا ﴿١٥٢﴾ (البقرہ: 152-151) ”جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس تم میں سے رسول، دو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا تا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جنہیں تم جانتے ہی نہ تھے، سو تم مجھ یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔“ اس لئے یہاں فرمایا، قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مُلْكٌ لَنُرْسِلْنَاهُمْ مِنْ السَّمَاءِ مَلَكًَا رَسُولًا ﴿٥٠﴾ یعنی زمین پر اگر تمہاری جگہ فرشتے چلتے پھرتے اور سکونت اختیار کرتے تو ہم کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے، چونکہ تم بشر ہو اس لئے ہم نے لطف و کرم اور رحمت فرماتے ہوئے تمہیں میں سے ایک رسول تمہاری طرف مبعوث کر دیا ہے۔

قُلْ لَنْفِي بِاللَّهِ شَهِيدًا ابْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِي خَبِيرًا بَصِيرًا ۝

”فرمائیے کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان۔ بے شک وہ اپنے بندوں (کے احوال) کو خوب جاننے والا اور ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کو اپنی رسالت کی صداقت اور خفائیت کی دلیل تلقین فرما رہا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی بطور گواہ کافی ہے۔ جو پیغام میں تمہیں دے رہا ہوں، وہ اس سے خوب واقف ہے۔ اگر میں کوئی جھوٹی بات اس کی طرف منسوب کروں تو وہ مجھ سے شدید انتقام لے جیسا کہ فرمایا: وَتَوَثَّقُوا لِعَلَيْنَا بَعْضُ الَّذِي قَالُوا يَلٰٓٔٔ لِمَا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ غَضَابُنَا ۚ اِنَّكُمْ لَكٰٓفِرًاۙ اِلٰٓهِيۡنَ (المائدہ: 46-44) ”اور اگر وہ بعض باتیں جو گھڑ کر ہرہری طرف منسوب کرتا ہے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم اس کی رگ دل کاٹ دیتے۔“ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّهُ كَانَ۔ یعنی اسے خوب علم ہے کہ بندوں میں سے کون انعام، احسان اور ہدایت کا مستحق ہے اور کون شقاوت اور گمراہی کا۔

وَمَنْ يُّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَمْ يَهْتَدِ ۗ وَمَنْ يُّضِلَّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاءَ مِمَّنْ دُوۡنِهِ ۗ وَ نَحۡشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَلًا وَّجۡوَاهِرُهُمْ عَمِيۡمًا وَّبٰٓغِيًا وَّصٰٓبًا ۗ مَا وُهِبَ لَهُمۡ جَهَنَّمَ ۗ اِلَّا كَمَا خَسِبَتۡ رِزۡدُهُمْ سَعِيۡرًا ۝

”اور جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو آپ نہیں پائیں گے ان (گمراہوں) کے لئے کوئی مددگار اس کے سوا اور ہم انھیں گے انہیں قیامت کے روز منہ کے بل اس حالت میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہو گئے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لئے اس کی آج کچھ بڑھا دیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں پورا پورا تصرف حاصل ہے اور اس کا حکم ہر حال میں نافذ ہے، کوئی بھی اس کے حکم کو نال نہیں سکتا، وہ جسے ہدایت سے سرفراز فرمادے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اس کے لئے بجز اس کے کوئی مددگار نہیں جو اسے ہدایت کی راہ پر گامزن کر سکے، جیسا کہ فرمایا: مَنْ يُّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَمْ يَهْتَدِ ۗ وَمَنْ يُّضِلَّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَّلِيًّاۙ اَشْرٰٓسِيۡنَ (الکہف: 17) ”جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو اس کے لئے کوئی مددگار (اور رہنما نہیں پائے گا۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! لوگوں کو کیسے منہ کے بل اٹھایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ”جس نے انہیں بیروں پر چلایا، وہ انہیں اوندھے منہ چلانے پر بھی قادر ہے“ (1)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے بنی غفار! بات کرو لیکن تمہیں نہ کھاؤ، کیونکہ صادق اور مصدوق پیغمبر ﷺ نے مجھے بتایا ہے کہ لوگوں کو تین گروہوں میں اٹھایا جائے گا۔ ایک گروہ کے لوگ سوار، کھانے پینے اور پہننے والے ہوں گے، دوسرے گروہ کے لوگ پیدل دوڑ رہے ہوں گے، جبکہ تیسرے گروہ والوں کو فرشتے اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے جہنم رسید کر دیں گے۔ سامعین میں سے ایک آدمی نے عرض کی کہ دو گروہوں کی تو سمجھ آگئی لیکن پیدل دوڑنے والوں کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سوار یوں پر آفت ڈال دے گا اور کوئی سواری باقی نہیں بچے گی یہاں تک کہ ایک

آدی اپنا پسندیدہ باغ دے کر اس کے بدلے میں پالان والی اونٹنی خریدنا چاہے گا لیکن وہ اسے حاصل نہیں کر پائے گا“ (1)۔ ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: عُنَيْمًا۔ یعنی نہ انہیں کچھ دکھائی دے گا، نہ وہ گفتگو پر قادر ہوں گے اور نہ کچھ سن سکیں گے۔ مختلف حالات میں ان کے ساتھ یہ بتیے گی، جس طرح وہ دنیا میں حق سے اندھے، بہرے اور گونگے بنے رہے، اسی طرح میدان حشر میں انہیں بطور جزا اندھے، بہرے اور گونگے بنا دیا جائے گا، حالانکہ قیامت کے دن انہیں ان اعضاء کی سخت ضرورت ہوگی۔ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، جب بھی اس کی آگ سرد اور بھسم ہوگی، اس کی آج حزیذ تیز کر دی جائے گی، جیسا کہ فرمایا: قَدْ وَقَفُوا أَقْدَمَ نُيُونٍ كَمْ اِلَّا عَمَدًا يَا (النبأ: 30) ”جس مزہ چکھو اب ہم تم پر نہیں زیادہ کریں گے مگر عذاب“۔

ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْا اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ؕ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ
خٰلِقًا جَدِيْدًا ﴿۱۰﴾ اَوْلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ وَّجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاٰبِيَ الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا لَيَقُوْمُنَّ ﴿۱۱﴾

”یہ سزا ہے ان کی کیونکہ انہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا۔ اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے از سر نو پیدا کر کے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ پیدا فرمادے ان کی مثل اور اس نے مقرر فرمادی ہے ان کے لئے ایک میعاد جس میں ذرا شک نہیں۔ پس انکار کر دیا ظالموں نے (اللہ کی قدرت کا) سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں“۔

کفار کی جس سزا کا اوپر ذکر ہوا کہ انہیں اندھا، بہرہ اور گونگا بنا کر اٹھایا جائے گا، وہ واقعی اس کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے ہماری آیات اور دلائل کو جھٹلایا اور وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے کہنے لگے کہ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو کر خاک ہو جائیں گے تو کیا اس ہلاکت، فنا، تفریق اعضاء اور بوسیدگی کے بعد ہمیں از سر نو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی حجت پیش کرتے ہوئے اور اپنی عظیم قدرت پر انہیں آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے تو بڑے بڑے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی، اس لئے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے اس سے بہت زیادہ آسان ہے جیسا کہ فرمایا: يَخْلُقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَلَمْ يَكُنْ خٰلِقَ النَّاسِ (المومن: 57) ”آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا کام ہے“، اَوْلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَّجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاٰبِيَ الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا لَيَقُوْمُنَّ (الاحقاف: 33) ”کیا انہوں نے نہیں جانتا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے بنانے میں ذرا ٹھکن محسوس نہ کی، وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے“۔ اَوْلَمْ يَسْ اَلَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ اَبٰى ؕ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَلِيْمُ ﴿۱۰﴾ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ اِلٰكُمْ اَنْ يَّقُوْلَ لَكُمْ لَنْ يَّخْلُقَكُمْ (النبأ: 81-82) ”کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، وہ قدرت نہیں رکھتا کہ ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق پیدا کر سکے، بے شک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا، سب کچھ جاننے والا ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا حکم صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے ”ہو جا“، پس وہ ہو جاتی ہے“ یہاں فرمایا: اَوْلَمْ يَرَوْا... یعنی وہ اللہ تعالیٰ جس نے زمین و آسمان کی تخلیق کی، وہ اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ وہ قیامت کے دن از سر نو لوگوں کو پہلے کی طرح پیدا کرے، پھر فرمایا: وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ لوٹانے اور قبروں سے اٹھانے کی ایک

مدت مقرر کر رکھی ہے جس کا اختتام ضروری ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَوْلَا إِذْ سَأَلْتُمْ عَذَابَ رَبِّكُمْ تُعَذَّبُونَ (ہود: 104) ”اور ہم نے اسے سوچنے میں کیا گمراہی کی ہوئی مقررہ مدت تک“۔ لیکن قیام حجت کے باوجود ظالم کفر، باطل اور گمراہی کے ساتھ چمٹے رہنے پر پابند ہیں۔

قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۗ وَكَانَ
الْإِنْسَانُ قَشُورًا ﴿١٩﴾

”فرمائیے اگر تم ہاں تک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اس خوف سے کہیں (سارے خزانے) ختم ہی نہ ہو جائیں۔ واقعی انسان بڑا تنگدل ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیں: اے لوگو! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں تصرف کرنے کا اختیار مل جائے تو تم اس خوف سے کہ کہیں یہ خزانے ختم نہ ہو جائیں، اپنے ہاتھ روک لو اور نکل کا مظاہرہ کرو۔ حضرات ابن عباس اور قتادہ افاق کا معنی فقر بتاتے ہیں، یعنی تمہیں یہ اندیشہ وامن گیر ہے کہ اگر یہ خزانے خرچ کیے تو یہ ختم ہو جائیں گے اور ہم بالکل مفلس اور قماش ہو جائیں گے، حالانکہ یہ خزانے کبھی بھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ ہے تمہاری فطرت اور جبلت، اس لئے فرمایا: وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَشُورًا یعنی انسان بڑا تنگدل، بخیل اور کنجوس ہے۔ ایک اور مقام پر اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا: أَمْ لَهُمْ قَصَبٌ مِّنَ السَّمَكِ فَإِذَا كَانُوا لِلْأَعْيُنِ مُنْجِبُونَ (النساء: 53) ”کیا ان کیسے حکومت میں کوئی حصہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو مل برابر بھی نہ دیتے“۔ اللہ تعالیٰ انسان کی فطرت بیان کرتا ہے کہ جلد بازی، بخل، لالچ اور بے صبری اس کی صفات ہیں، بجز ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نواز کر راہ ہدایت پر گامزن کر دیا، فرمایا: إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ خَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الْفَقْرُ جَذُوْعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْغِنَىٰ مُنْجِعًا ﴿٢١﴾ (المعارج: 19-22) ”بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل بجز نمازیوں کے“۔ قرآن کریم میں اس قسم کی اور بھی آیات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور فضل و احسان کی بھی دلیل ہے، حدیث شریف میں آتا ہے: ”اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن رات کا خرچ اس میں کمی نہیں لاتا۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے لے کر اب تک جو اس نے خرچ کیا وہ خزانوں میں کمی نہیں لاسکا جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہیں“ (1)۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَمَسَّ عَلَىٰ يَدَيْهِ إِسْرَآءُ يَلِيكَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يُوسُفُ مَسْحُورًا ﴿١٩﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمَا أَنزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَآئِرٍ وَ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يُفْرِعُوعُونَ مَثْبُورًا ﴿٢٠﴾ فَأَمَّا إِذْ أَنُؤْتَفَتِحَهُمْ مِنَ الْآرْمَضِ فَأَعْرَضْتَهُ وَمَنْ مَعَهُ جَمِيْعًا ﴿٢١﴾ وَ قُلْنَا مِنْ بَعْدِ إِسْرَآءِ يَلِ إِسْرَآءِ يَلِ اسْكُنُوا الْآرْمَضِ فَوَآدَا
جَاءَ وَعَدُ الْآخِرَةِ جَسًا يَكْفِيْعًا ﴿٢٢﴾

”اور ہم نے عطا فرمائی تھیں موسیٰ (علیہ السلام) کو نور و روشن نشانیاں آپ خود پوچھ لیں بنی اسرائیل سے جب موسیٰ علیہ السلام آئے تھے ان کے پاس۔ پس فرعون نے آپ کو کہا اے موسیٰ! میں تمہارے متعلق خیال کرتا ہوں کہ تم پر جاو کر دیا گیا ہے۔

کلم علیہ السلام نے جو آیا فرمایا (اے فرعون!) تو خوب جانتا ہے کہ نہیں اتارا ان نشانوں کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے یہ بصیرت افروز ہیں۔ اور اے فرعون! میں تیرے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک کر دیا جائے گا۔ پس اس نے ارادہ کر لیا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ سو ہم نے فرق کر دیا اسے اور اس کے سارے ساتھیوں کو۔ اور ہم نے حکم دیا فرعون کو خرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیت کر۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے، یہ آپ کی نبوت کی صحت اور رسالت کی صداقت پر قطعی دلیل تھے، وہ آیات بینات (روشن نشانیاں) یہ ہیں: عصا، ہاتھ، قحط سالی، سمندر، طوفان، نمڈیاں، جوکس، مینڈک اور خون۔ یہ تمہیں مفصل آیات۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (1)۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ وہ معجزات یہ ہیں: ید بیضاء، عصا، پانچ وہ جن کا ذکر سورہ اعراف میں ہے، مالوں کا ختم ہو جانا اور پتھر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (ایک دوسری روایت میں)، مجاہد، عکرمہ، شععی اور قرقی دو ان سے یہ مراد لیتے ہیں: ید بیضاء، عصا، قحط سالی، پھلوں میں کمی، طوفان، نمڈیاں، جوکس، مینڈک اور خون۔ یہ قول واضح عمدہ اور قوی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے قحط سالی اور پھلوں میں کمی کو ایک ہی معجزہ قرار دیا ہے اور آپ کے نزدیک نواں معجزہ آپ علیہ السلام کے عصا کا چارو گروں کے سانپوں کو نگل جانا ہے۔ ان معجزات کے باوجود فرعونیوں کا رد عمل یہ تھا: فَاسْتَكْبَرُوا كُفْرًا وَكَانُوا قَوْمًا مُّشْرِكِينَ (الاعراف: 133) ”پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشرو) مجرم تھے“، یعنی ان معجزات اور نشانوں کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود انہوں نے کفر کرتے ہوئے ان کا انکار کر دیا اور ظلم اور تکبر کا شکار رہے۔ اسی سبب سے یہ معجزات ان میں مؤثر اور مفید ثابت نہ ہوئے۔ ان آیات کا گزشتہ آیات کے ساتھ ربط و تعلق ہے۔ یعنی فرعونیوں کی طرح ان کفار مکہ نے بھی آپ ﷺ سے معجزات طلب کیے، اگر ہم ان کی خواہش کے مطابق ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیتے تو بھی یہ انہیں نہ قبول کرتے اور نہ ایمان لاتے، بجز اس کے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا بلکہ آپ ﷺ کے متعلق بھی وہی کہتے جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود کہا تھا: اِنِّي لَا ظَنُّكَ لِيُؤْمِنِي مَسْحُورًا بعض نے کہا ہے کہ یہاں مسحور (جادو کیا ہوا) بمعنی ساحر (جادو گر) ہے۔ یہ نو آیات جن کا ذکر ان امر نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہیں: وَ اَلَيْكَ حَصَٰكُ فَاَلَيْسَ اَرَا اَعَانَتَهُمْ اَنْ كَانُوا جَانًا وَّ لِي مُدَابِّرًا وَّ لَمْ يُحِيقْ لِيُؤْمِنِي لَا تَحْتَفِ - فَا تَسْمَعُ اِيْتًا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهِ اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (المنزل: 10-12) ان آیات میں عصا اور ید بیضاء دو معجزات کا ذکر ہے جبکہ بقیہ معجزات سورہ اعراف میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے، مثلاً پتھر پر عصا مارنے سے پانی کا چھوٹنا، بادلوں کا بنی اسرائیل کو سایہ کرنا، من و سلوی کا اتارنا اور دیگر انعامات جو مصر چھوڑنے کے بعد بنی اسرائیل پر کیے گئے، لیکن یہاں صرف ان نو معجزات کا تذکرہ ہے جن کا مشاہدہ فرعونیوں نے کیا تھا، یہ معجزات ان پر حجت تھے لیکن انہوں نے کفر، انکار، مخالفت اور ہٹ دھرمی کی روش اختیار کیے رکھی۔ اس کے برعکس حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ان نو آیات بینات سے اور چیزیں مراد لی گئی ہیں۔ روایت یہ ہے کہ ایک یہودی نے اپنے دوست سے کہا: چلو اس نبی کے پاس چلتے ہیں تاکہ اس سے اس آیت وَ لَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى... کے متعلق دریافت کریں۔ اس کے دوست نے اسے کہا کہ اسے نبی مت کہو، کیونکہ اگر اس نے من لیا تو بہت مسرور ہوگا۔ چنانچہ ان کے دریافت کرنے پر نبی

کریم ﷺ نے (یہ نو آیات بتاتے ہوئے) فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ظہرو اور چوری نہ کرو، زمانہ نہ کرو، ناحق کسی کو قتل نہ کرو، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس اس لئے نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کر دے، پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ یا فرمایا کہ جہاد سے فرار اختیار نہ کرو اور اسے یہود! تمہارے لئے یہ خصوصی حکم ہے کہ سنیچر کے متعلق زیادتی نہ کرو“۔ ان دونوں یہودوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر میری اتباع کرنے سے تمہیں کوئی چیز مانع ہے؟“ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ ان کی نسل سے ہی نبی آتے رہیں، ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کیا تو یہ یہودی ہمیں قتل کر دیں گے“ (1)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث مشکل ہے کیونکہ اس کے ایک راوی عبد اللہ بن سلمہ کے حافظہ میں کچھ نقص تھا، علماء نے ان پر جرح کی ہے، ممکن ہے انہیں شہد پڑ گیا ہو اور انہوں نے اس شہد میں نو آیات کی بجائے دس کلمات سمجھ لیے ہوں جو دراصل تورات میں موجود احکام ہیں اور فرعون پر رحمت قائم کرنے کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا: **وَرَأَيْتُكَ يَفْعَلُ عَوْنُ الْمُجْرِمِ** اور قاتلہ مشور کا معنی بتاتے ہیں: ہلاک ہونے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے دو معانی منقول ہیں: ملعون اور مغلوب۔ حشاک نے بھی اس کا معنی مغلوب کیا ہے، بہر صورت مشور بمعنی ہالک (ہلاک ہونے والا) ان تمام معانی کو شامل ہے۔

بعض نے عَلِيَّتٌ (واحد مشکلم) پڑھا ہے لیکن جمہور کی قرأت فتح تاء کے ساتھ غلٹ (واحد مذکر مخاطب) ہے، اس میں خطاب فرعون کو ہے، جیسا کہ فرمایا: **فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُنْجِبَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ** وَجَعَلُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (انمل: 13-14) ”پس جب ان کے پاس ہماری بصیرت افروز نشانیاں آئیں تو انہوں نے کہا یہ کھلا ہوا جادو ہے اور انہوں نے محض ظلم اور تکبر کے باعث ان کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان کی صداقت کا یقین کر لیا تھا“ یہ ساری چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ نو آیات سے مراد عصا، ہاتھ، قحط سالی، چھنوں میں کمی، طوفان، ہڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون ہے۔ یہ نشانیاں فرعونوں پر قطعی دلائل، موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کرنے والے معجزات اور آپ کو رسول بنا کر بھیجنے والے فاعل مختار کے وجود کیلئے عظیم برہان تھیں۔ آیت کریمہ میں مذکور نو آیات سے مراد وہ چیزیں نہیں جو حدیث میں ذکر کی گئی ہیں، حدیث شریف میں تو چند احکام کا ذکر کیا گیا ہے جو فرعون اور اس کی قوم پر رحمت نہیں بن سکتے بلکہ ان کے اور فرعون پر رحمت قائم کرنے کے درمیان کوئی مناسبت ہی نہیں۔ یہ صرف حدیث کے راوی عبد اللہ بن سلمہ کے وہم کا شاختہ ہے۔ ان کی بعض روایات منکر ہیں۔ ممکن ہے ان دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ سے دس کلمات کے متعلق پوچھا ہو اور راوی نے اشتباہ کی بنا پر نو آیات سمجھ لیا ہو، اس سبب سے وہم ہو گیا۔

فرمایا: **فَاذْكُرُوا أَن يَنْصُرُوا هُمْ**۔ یعنی فرعون نے ارادہ کیا کہ وہ انہیں ملک سے باہر دھکیل دے لیکن ہم نے اسے تمام ساتھیوں سمیت غرق کر دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اس سرزمین میں آ جاؤ جو جاؤ۔ اس میں حضرت محمد ﷺ کیلئے فتح مکہ کی بشارت ہے، اگرچہ یہ سورت مکی ہے اور ہجرت سے پہلے اس کا نزول ہوا۔ پھر بالکل اسی طرح ہوا۔ اہل مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا، جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا، **وَإِن كَادُوا لَيَنْصُرُوا نُورَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُنْجِرُوا جُوكَ مِنْهَا** .. (بنی اسرائیل: 76) ”اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ آپ کو اس علاقہ سے پریشان کر دیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں“ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ کا

1۔ سنن نسائی، کتاب التحریم، جلد 7 صفحہ 111، مسند احمد جلد 4 صفحہ 239، مارضہ الاحوذی، ابواب الاستئذان، جلد 10 صفحہ 193-194 وغیرہ

وارث اور مالک بنا دیا۔ آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور اس کے مکینوں پر مکمل تسلط اور غلبہ پالیا، لیکن اس کے بعد فضل و کرم اور حلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی اسرائیل کو زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا اور فرعون کا ملک، فرعونوں کے خزانے، اموال، کھیتیاں اور پھل ان کی ملکیت میں دے دیئے حالانکہ نبی اسرائیل کو بہت کمزور سمجھا جاتا تھا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَدْ رَسَّاهُا بِئِيْ اِسْرَائِيْلَ (الشعراء: 59) یہاں فرمایا: وَقَدْ رَسَّاهُمْ بَعْدَہٗ۔ تحفیف کا معنی ہے تمام کے تمام، یعنی تم اور تمہارے دشمن سبھی کو لایا جائے گا۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا اَمْرُ سَلْتِكَ اِلَّا مُبَشِّرًا اَوْ نَذِيْرًا ﴿١٥﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِيَقْرَآءَ عَلٰی النَّاسِ عَلٰی مُكْتَبٍ وَنَزَلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿١٦﴾

”اور حق کے ساتھ ہی ہم نے اسے اتارا ہے اور حق کے ساتھ ہی وہ اترا ہے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر (رحمت الہی کا) مژدہ سنانے والا اور (عذاب الہی سے) ڈرانے والا۔ اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ظہر ظہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز (قرآن مجید) کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق کے ساتھ ہی یہ نازل ہوا یعنی یہ حق کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جیسا کہ فرمایا: ”لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِاَنْزَالِ الْكِتٰبِ اَنْزَلْنٰهُ بِعِلْمِيْهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ“ (لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعے جو اس نے آپ ﷺ کی طرف اتاری کہ اس نے اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم کے مطابق اتارا ہے اور اس کے نازل کرنے سے مقصود تمہیں اس کے احکام، ادا اور نواہی پر مطلع کرنا ہے۔ فرمایا: وَبِالْحَقِّ نَزَلَ یعنی یہ قرآن آپ ﷺ کے پاس بالکل محفوظ پہنچا ہے، اس میں باطل کا شائبہ تک نہیں اور نہ ہی اس میں کسی بیشی کی گنجائش ہے، اسے آپ کے پاس لے کر آنے والا وہ فرشتہ ہے جو بہت طاقتور، امین، معزز اور عالم بالا میں فرشتوں کا سردار ہے۔ پھر فرمایا: وَمَا اَمْرُ سَلْتِكَ۔ یعنی اے میرے محبوب! ہم نے آپ کو رسول مبعوث فرمایا ہے تاکہ آپ اطاعت گزار مومنوں کو رحمت الہی کا مژدہ سنا سیں اور نافرمان کافروں کو عذاب سے ڈرائیں۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ۔ فرقنا تحفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے قرآن کریم کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت پر نازل فرمایا، پھر تیس سال کے عرصہ میں حالات و واقعات کے مطابق اسے قسط وار رسول اللہ ﷺ کی طرف اتارا۔ دوسری قرأت فرقنا تشدید کے ساتھ ہے (1)، یعنی ہم نے ایک ایک آیت کر کے اسے وضاحت اور تفسیر کے ساتھ نازل کیا، اسی لیے فرمایا: نَزَلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۔ تاکہ آپ ظہر ظہر کر لوگوں پر اس کی تلاوت کریں اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا ہے۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖ اَوْ لَا تُوْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَا يُسْئَلُوْنَ عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ
لِيْلَا دِقٰنٍ سُبْحٰنًا ﴿١٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ كَان وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ وَيَخِرُّوْنَ
لِيْلَا دِقٰنٍ يَّبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ حُشُوْعًا ﴿١٩﴾

”آپ (کفار کو) کہتے خواہ تم ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ۔ بے شک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے۔ اور کہتے ہیں (برحیب اور نقص سے) پاک ہے ہمارا رب، بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ و زاری کرتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے (خضوع و) خشوع کو بڑھا دیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ قرآن کریم کا انکار کرنے والوں سے کہہ دیں کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ، دونوں چیزیں یکساں ہیں۔ قرآن کریم فی نفسہ حق ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، بلکہ سابقہ آسمانی کتب میں بھی اس کی شان بیان کی ہے، اس لئے فرمایا: إِنَّ الَّذِيْنَ أُوذُوا بِالْعِلْمِ... یعنی وہ نیکوکار اور صالح فطرت اہل کتاب جنہوں نے اپنی اپنی کتاب کو مضبوطی سے تھاما اور اس میں تقیر و تبدل اور تحریف کے مرکب نہ ہوئے، جب ان کے سامنے یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور اس انعام کا شکر بجالاتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں کہ اس نے انہیں اس عظیم رسول ﷺ کے پالنے اور آپ پر اترنے والی کتاب سے فیض یاب ہونے کی سعادت مرحمت فرمائی، اس لئے وہ کہتے ہیں: سُبْحَانَ... یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس بات پر اس کی تعظیم و توقیر کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ اس نے سابق انبیاء علیہ السلام کی زبانی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا وعدہ پورا کر دیا۔ ان کے متعلق مزید فرمایا: وَيَخْرُؤْنَ... یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے جناب میں خشوع و خضوع ایمان اور کتاب و رسول کی تصدیق کے ساتھ گریہ و زاری کرتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں۔ اور قرآن ان کی خشوع و خضوع، ایمان اور جذبہ حلیم و رضا میں اضافہ کا موجب بنتا ہے، جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا ذَادَ فَهْدِهِمْ وَاللّٰهُمَّ تَقْوٰمُنَا (محمد: 17) ”اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے، اللہ تعالیٰ ان کے نور ہدایت کو بڑھا دیتا ہے اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے۔“ وَيَخْرُؤْنَ... میں عطف صفت کا صفت پر ہے نہ کہ ذات (سجود) کا ذات (سجود) پر جیسا کہ اس شعر میں ہے:

إِلَى الْمَلِكِ الْقَرْمِ وَأَيْنَ الْفَهَامِ وَتَبَّتِ الْكَلْبِيَّةُ فِي الْمَرْدَحَمِ
قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۗ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ۗ وَلَا تَجْهَرُوا
بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُتُمْ يَهَاؤُا هَتَفًا بَيْنَكُمْ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ
وَلَدًا ۗ أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ ۗ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَاوِيٌّ مِنَ الدَّلٰلِ ۗ وَكَوَيْدًا لَّكُمْ يَوْمًا ۝

”آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر پکارو یا یا الرحمن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام (نبی) اچھے ہیں۔ اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ۔ اور آپ فرمائیے سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے نہیں بنایا (کسی کو اپنا) بیٹا اور نہیں ہے جس کا کوئی شریک حکومت و فرمانروائی میں اور نہیں ہے اس کا کوئی مددگار در ماندگی میں اور اس کی بڑائی بیان کرو و کمال درجہ کی بڑائی۔“

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا انکار کرتے ہیں اور اسے رحمن کہنے سے کتراتے ہیں: ادْعُوا اللَّهَ... یعنی اسے اللہ کہہ کر پکارنے اور رحمن کہہ کر پکارنے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے خوبصورت اور بہترین نام ہیں جیسا کہ فرمایا: هُوَ اللَّهُ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۗ عَلَيْهِ الْعِصْمَةُ ۗ وَكَهَادٍ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ

اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ أَلَمْ يَكُن لَّكَ الْفُؤَادُ مِنْ قَبْلُ السَّمْعِ أَلَمْ يَكُن لَّكَ الْبَصَرُ أَلَمْ يَكُن لَّكَ الْبَصِيرُ ۗ ۝ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ
الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (المحشر: 24-22)۔ ایک مشرک نے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کی
حالت میں یا رخصت یا رجم کہتے ہوئے سن لیا تو کہنے لگا کہ یہ تو خدائے واحد کو پکارنے کا دعویٰ کرتے ہیں اب دو کو پکار رہے ہیں اس وقت
یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ ﷺ مکہ میں پوشیدہ تھے۔ جب
آپ صحابہ کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز میں قرأت کرتے، مشرکین قرأت قرآن سن کر قرآن، اسے نازل کرنے والے اور اسے لانے والے
کو گالیاں دیتے، اس وقت آپ ﷺ کو یہ حکم ہوا: وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ كَمَا تَجْهَرُونَ ۗ (یعنی آپ بلند آواز سے قرأت نہ کریں کہ مشرکین سن کر قرآن کو سب
دشتم کرنے لگیں اور نہ ہی بالکل دھیمی اور پست آواز کے ساتھ قرأت کریں کہ آپ کے ساتھی اسے سن ہی نہ سکیں بلکہ درمیانی راہ اختیار
کریں (2)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہ حکم ساقط ہو گیا، اب آپ جیسے چاہیں
پڑھیں (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتے تو مشرکین
آپ سے دوادھر ادھر نکھر جاتے اور سماع قرآن سے احتراز کرتے جب کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ سے تلاوت قرآن سننے کا خواہشمند ہوتا
تو وہ ان مشرکین کے خوف سے چوری چھپے سنتا جب وہ دیکھتا کہ مشرکین کو اس بات کا علم ہو گیا ہے تو وہ ان کی ایذا رسانی کے اندیشہ سے
وہاں نہ ٹھہرتا اور نہ ہی سنتا اور اگر آپ پست آواز سے قرآن کریم پڑھتے تو یہ چوری چھپے سننے والے نہ سن سکتے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی
جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ بلند آواز میں قرأت نہ کریں کہ لوگ اسے سن کر تڑپتے ہو جائیں اور نہ بالکل دھیمی آواز کے
ساتھ قرأت کریں کہ چوری چھپے سننے والوں کیلئے سنتا مشکل ہو جائے۔ ممکن ہے آپ کی سلامات کو سن کر کوئی شخص راہ راست پر آجائے اور
اس قرآن سے نفع حاصل کرے، بلکہ آپ درمیانی آواز کے ساتھ قرأت کیا کریں (4)۔ حضرات عکرمہ، حسن بصری اور قتادہ کا یہی قول ہے
کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو پست آواز سے قرأت کرتے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہ آواز بلند قرأت کیا کرتے
تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں اپنے رب کے ساتھ سرگوشی کرتا
ہوں اور اسے میری حاجات کا بخوبی علم ہے۔ آپ سے فرمایا گیا کہ بہت خوب۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں
کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں اس طرح شیطان کو بھگانا ہوں اور سونے والے کو بیدار کرتا ہوں۔ فرمایا کہ یہ بھی بہت اچھا ہے۔ جب یہ آیت
کریمہ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ذرا آواز بلند کرنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذرا پست کرنے کا حکم
ہوا (5)۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
بھی یہی فرماتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ دعا کے متعلق اتری۔ مجاہد، سعید بن جبیر، ابو عیاض، بکھول اور عروہ بن زبیر کا بھی یہی قول ہے۔ جو جیم کا
ایک اعرابی جب بھی نبی کریم ﷺ نماز سے سلام پھیرتے، یہ دعا کرتا کہ یا اللہ! مجھے اونٹ اور اولاد عطا فرما۔ اس وقت یہ آیت اتری۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اور روایت میں فرماتی ہیں کہ یہ آیت تشہد کے بارے میں نازل ہوئی۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی

2- صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9، صفحہ 174، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 329 وغیرہ

1- تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 182

5- تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 186

4- تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 185

3- تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 185

اللہ عنہ سے اس آیت کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ ریا کاری کیلئے نماز نہ پڑھو اور نہ لوگوں کے خوف سے اسے ترک کرو۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ اعلانیہ طور پر تو تم بڑے عمدہ طریقے سے نماز پڑھو اور خفیہ طور پر اسے خراب کر کے پڑھو۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اہل کتاب آہستہ آہستہ سے پڑھتے، اسی دوران کوئی بلند آواز سے کوئی جملہ پڑھتے تو سمجھی اس کے ساتھ چلانے لگ جاتے۔ ان لوگوں کی طرح چپختے اور آواز کو بالکل دھیمہ کرنے کی ممانعت کر دی اور اس درمیانی راہ کو اپنانے کا حکم ہوا جو جبریل علیہ السلام نے بتلائی تھی۔

اس لئے حسنی کے اثبات کے بعد تمام نفلوں سے اپنی تہذیبہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَقُلِي الصَّغْدُ لِلَّهِ** یعنی تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، جس نے نہ اپنی کوئی اولاد دینا کی اور نہ ہی بادشاہت میں کوئی اس کا شریک ہے بلکہ وہ یکتا اور بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جٹا اور نہ اسے کسی نے جٹا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے، مزید فرمایا: **وَأَلَمْ يَلِدْ وَلَدًا** یعنی وہ کوئی حقیر نہیں کہ اسے کسی مددگار، وزیر یا مشیر کی ضرورت پڑے، بلکہ صرف وہی تمام اشیاء کا خالق، مدبر اور مقدر ہے، تمام امور کا دار و مدار صرف اس کی مشیت پر ہے۔ مجاہد اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ وہ نہ تو کسی کو حلیف بنانے کا محتاج ہے اور نہ کسی کی مدد کا طلب گار۔ آیت کے انتہام میں فرمایا: **وَأَكْبَرُ** یعنی اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور مشرکین یہ کہتے: **لَيْلَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ** اور مشرکوں سے آپ خوب اس کی بڑائی، بزرگی اور پاکی بیان کریں۔ قرظی بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ نصاریٰ کہتے شریک نہیں بجز اس کے جسے تو نے اپنا شریک بنایا تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔ صابئی اور مجوسی کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے اولیاء (مددگار) نہ ہوتے تو وہ بے بس ہو جاتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے چھوٹے بڑے سبھی افراد کو یہ آیت سکھایا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کو آیت العز (عزت والی آیت) کا نام دیا۔ (2) بعض آثار میں ہے کہ رات کے وقت کسی گھر میں اگر یہ آیت پڑھی جائے تو وہاں نہ کوئی چور نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی دوسری آفت۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نکلا، آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا۔ ایک خستہ حال شخص کے پاس سے گزر رہا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: **ارے فلان! یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟** اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! بیماری اور تکلیف نے یہ حال بنا رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن کے سبب سے تمہاری بیماریاں اور تکلیف رفع ہو جائیں؟** اس نے عرض کی: کیوں نہیں، ضرور بتلائیے، ان کے مقابلے میں آپ ﷺ کی معیت میں بدر یا احد میں عدم شہرت کا مجھے کوئی غم نہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ ہنس دیئے اور فرمایا: **کیا اہل بدر اور اہل احد وہ پاسکتے ہیں جو ایک قانع فقیر پالتا ہے؟** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے ہی یہ کلمات سکھا دیجئے، آپ نے فرمایا: **اے ابو ہریرہ! کہو: "تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ الْحَيُّ الْقَيُّومُ، الصَّغْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَدًا"**۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میری حالت بہت سنور چکی تھی۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں تو مسلسل ان کلمات کا ہی درد کرتا رہا جو آپ نے مجھے سکھائے تھے، ان سے ہی حالت بہتر ہو گئی (3)۔ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے متن میں نکارت ہے۔

سورہ کہف (ملکیہ)

اس سورت کے فضائل کا تذکرہ، خصوصاً اس کی اول آخردس آیات کی فضیلت کا بیان اور اس بات کا ذکر کہ یہ سورت فتنہ و جال سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت براہِ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی اپنے گھر میں سورہ کہف کی تلاوت کر رہے تھے، ان کے گھر میں ایک جانور تھا، وہ بدستے اور اچھلنے لگا۔ صحابی نے ادھر نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بادل اس پر چھا یا ہوا ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”اسے پڑھتے رہو، کیونکہ یہ وہ سیکرہ ہے جس کا نزول تلاوت قرآن کے وقت ہوتا ہے“ (1)۔ یہ صحابی حضرت اسید بن خنیر رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں مژر دیکھا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کر لیں وہ فتنہ و جال سے محفوظ ہو گیا“ (2)۔ نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ جس نے سورہ کہف کی دس آیات کی تلاوت کی۔۔۔ نسائی میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”جس نے سورہ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھیں تو اسے و جال سے حفاظت ميسر آگئی“۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”جس نے سورہ کہف کے اول آخر کی تلاوت کی، اس کیلئے اس کے قدموں سے سرنسک نور ہوگا اور جس نے پوری سورہ کہف پڑھ لی تو اس سے اسے زمین سے آسمان تک کا نور ملے گا“ (3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کرے، اسے پاؤں کے تلووں سے لے کر آسمان کی بلندی تک کا نور ملے گا جو روز قیامت خوب پٹنگے گا اور دو جمعوں کے درمیان اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے“ (4)۔ اس کی سند غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں شک ہے، زیادہ بہتر تو اس کا مقوف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھی، اسے اپنے پاس سے لے کر بیت اللہ شریف تک نور مل گیا۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے جمعہ کے روز سورہ کہف پڑھی، اسے دو جمعوں کے درمیان تک روشنی مل جاتی ہے“ (5)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”جس نے سورہ کہف کی تلاوت اسی طرح کی جس طرح وہ نازل ہوئی ہے، قیامت کے دن یہ اس کیلئے باعث نور ہوگی“ (6) حافظ ضیا مقدسی کی کتاب المختارہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھی، وہ آٹھ دنوں تک ہر قسم کے فتنہ سے محفوظ ہو گیا اور اگر اس دوران و جال بھی نکلے تو بھی اس سے محفوظ ہوگا“۔

1- صحیح بخاری، کتاب التذکر، جلد 4 صفحہ 245، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 547-548

2- صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 555، سنن ابی داؤد، کتاب الماحم، جلد 4 صفحہ 117

3- مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 439

4- نزهة المجالس، جلد 1 صفحہ 576

5- سنن البیہقی، کتاب الجمع، جلد 3 صفحہ 249

6- مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 368

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا ۙ قَبِيْلًا یُبْدِئُهَا بِاَسَا
سُیْدٍ ۙ وَمِنْ لَّدُنْهُ وَیُبِیِّنُهَا لِّلْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا
حَسَنًا ۙ مَا كِیْفَیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۙ وَیُبْدِئُهَا الَّذِیْنَ قَالُوْا اَتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ مَا لَنَّهُمْ بِهِ
مِنْ عِلْمٍ وَلَا اِلٰهَ اِلاَّ بِاَبْوَابِهِمْ ۙ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۙ اِنْ یَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۙ

”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نکس پیدا ہونے والی اس میں ذرا کجی (اور معاش و معاد کو) درست کرنے والی ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ مژدہ سنائے ان اہل ایمان کو جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بے شک ان کے لئے بہت عمدہ جزا ہے۔ وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تا ابد اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ نہ انہیں اللہ (کی ذات و صفات) کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے منہوں سے۔ وہ نہیں کہتے مگر (سرتاسر) جھوٹ۔“

تفسیر کے آغاز میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر امر کے آغاز اور اختتام پر اپنی حمد اور تعریف بیان کرتا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں قابل ستائش اور لائق شائے۔ اول آخر اور دنیا و آخرت میں ہر قسم کی تعریف و توصیف کا مستحق صرف وہی ہے، اس لئے جب اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ پر قرآن کریم اتارنے کا ذکر کرنا چاہا تو پہلے اپنی حمد اور توصیف بیان کی کیونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور گرانقدر نعمت ہے جو اس نے اہل زمین کو ارزانی فرمائی اور اسے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کا وسیلہ بنایا۔ یہ ایسی کتاب مستقیم ہے جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ کوئی نقص، بلکہ یہ تو راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر گامزن کرنے والی، واضح، جلی اور ظاہر کتاب ہے جو کافروں کو عذاب سے خبردار کرنے والی ہے اور مومنوں کو رحمت الہی کا مژدہ سنانے والی ہے، اسی لیے فرمایا: وَلَمْ یَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا یعنی اس میں کجی اور انحراف نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ معتدل اور مستقیم ہے، تم کا معنی ہے: مستقیم۔ اس عظیم کتاب کو اتارنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: یُبْدِئُهَا بِاَسَا..... تاکہ آپ اس کی مخالفت کرنے والوں، جھلانے والوں اور اس پر ایمان نہ لانے والوں کو دنیا و آخرت میں جلد اور بدیر ملنے والے اللہ تعالیٰ کے شدید عذاب اور سخت گرفت سے ڈرائیں، اس جیسا نہ کسی کا عذاب ہے اور نہ کسی کی گرفت، اور اس قرآن کے ذریعے اپنے ایمان کو اعمال صالحہ کے ذریعے سچ کر دکھانے والے اہل ایمان کو یہ مژدہ سنادیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت کی صورت میں بہت عمدہ اجر ملے گا، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہ کبھی فنا ہوں گے اور نہ ان کی نعمتیں ختم ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَیُبِیِّنُهَا لِّلْمُؤْمِنِیْنَ قَالُوْا۔ کے متعلق ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ مشرکین عرب تھے جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم قریشوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا: مَا لَنَّهُمْ بِهِ ہے۔ یعنی یہ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بتان بائعہا ہے۔ اس کے متعلق نہ انہیں کچھ علم ہے اور نہ ان کے آباؤ اجداد کو کچھ علم تھا۔ ”کلمہ“ کا لفظ بطور تمیز منسوب ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی: ”كَبُرَتْ كَلِمَتُهُمْ هٰذِهِ كَلِمَةٌ“ بعض بصری کہتے ہیں کہ یہ تعجب کے طور پر ہے، تقدیر کلام یہ ہے: ”اَعْظَمُ بِكَلِمَتِهِمْ كَلِمَةٌ“ جیسے کہا جاتا

ہے: ”اَكْرَمُ بَرِيَّةٍ وَجَلَاءٌ“ (زید کتنا کریم آدمی ہے)۔ مکہ کے بعض قراء نے کَثِيرَتْ كَلِمَةً پڑھا ہے (1)۔ جیسے کہا جاتا ہے: ”عَظَمَ قَوْلُهُ وَكَبُرَ شَأْنُهُ“۔ جمہور کی قرأت کے مطابق معنی زیادہ واضح ہے کیونکہ مشرکین کے اتہام کی قباحت اور اللہ تعالیٰ پر ان کے غیر معمولی بہتان کا بیان مقصود ہے اس لئے فرمایا: كَثِيرَتْ كَلِمَةً۔ یعنی بجز کذب و افتراء کے ان کی بات کسی دلیل یا حجت پر مبنی نہیں ہے، اس لئے فرمایا: اِنْ يَفْقَهُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔

محمد بن اسحاق اس سورت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قریش نے نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ کے یہودی علماء کے پاس بھیجا کہ تم ان کے پاس جاؤ اور محمد ﷺ کے متعلق سارے حالات ان کے گوش گزار کرو، چونکہ وہ اہل کتاب ہیں اور ان کے پاس سابقہ انبیاء کا علم ہے جو ہمارے پاس نہیں، اس لئے وہ اس بارے میں بہتر رائے دے سکتے ہیں، چنانچہ وہ دونوں مدینہ پہنچے اور علماء یہود سے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی بابت دریافت کرنے لگے۔ آپ ﷺ کے حالات، اوصاف اور بعض تعلیمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ تم اہل تورات ہو اس لئے ہمیں بتاؤ تمہارا ہمارے اس صاحب (نبی کریم ﷺ) کے متعلق کیا خیال ہے؟ وہ کہنے لگے کہ تم جا کر ان سے تین سوالات کرو، اگر تو وہ ان کے جوابات دے دیں تو سچے نبی ہیں ورنہ جموٹے آدمی، پھر ان کے بارے میں جو جی میں آنے کرنا، ان سے پوچھیں کہ پہلے زمانے میں چند نوجوان ہو گزرے ہیں، ان کا بہت عجیب و غریب قصہ ہے وہ کون تھے؟ دوسرا سوال ایک آدمی کے متعلق پوچھنا جس نے مشرق و مغرب کا چکر لگایا تھا، اس کا کیا واقعہ ہے؟ تیسرا سوال ان سے روح کی حقیقت کے متعلق پوچھنا کہ روح کیا ہے؟ اگر وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق تسلی بخش جواب دے دیں تو سمجھ لینا وہ واقعی نبی ہیں اور پھر بلا تامل ان کی اتباع کرنا اور اگر تمہیں ان سوالات کے جوابات نہ دے سکیں تو یقین کر لینا کہ وہ جموٹے ہیں پھر اپنی سوچ کے مطابق ان سے سلوک کرنا۔ یہ باتیں پلے باندھ کر نصر اور عقبہ دونوں واپس آ کر قریش سے کہنے لگے کہ ہم ایک فیصلہ کن بات لے آئے ہیں، ابھی تمہارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔ بات یہ ہے کہ یہود نے ہمیں محمد ﷺ کی آزمائش کرنے کیلئے کچھ سوالات بتائے ہیں۔ انہوں نے قریش کو ان کے متعلق آگاہ کر دیا، چنانچہ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور یہود کے تجویز کردہ سوالات کے جوابات دینے کا آپ ﷺ سے مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں کل تمہیں ان سوالات کا جواب دوں گا لیکن آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔“ قریش واپس چلے گئے۔ پندرہ دن گزر گئے، اس دوران نہ آپ ﷺ پر وحی اتری اور نہ جبریل علیہ السلام آئے۔ اہل مکہ میں شور مچا ہو گیا، کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے کل کا وعدہ کیا تھا لیکن اب پندرہ دن گزر گئے ہیں۔ ہمیں کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ انقطاع وحی کے باعث رسول اللہ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے اور اہل مکہ کی ہرزہ سرائیاں آپ پر بہت شائق گزریں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورہ کہف لے کر آئے، جس میں ان شاء اللہ نہ کہنے پر آپ ﷺ کو عتاب کیا گیا اور مشرکین مکہ کے سوالات کے جوابات بیان کیے گئے، یعنی نوجوانوں کا قصہ، مشرق و مغرب کی گشت لگانے والے کا واقعہ اور اس آیت (وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ..) میں روح کا بیان (2)۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ مُّقْتَدِرٌ غَلِيظٌ ۝۱۰ اِنَّا جَعَلْنَا مَا
عَلَى الْاَرْضِ رِيۡتَةً لِّهَا لِيَبۡتَلُوۡهُمۡ اَۡيُّہُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ۝۱۱ وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَيۡہَا
صَعِيۡدًا اَجۡرًا ۝۱۲

”تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔ بیشک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اس کے لئے باعث زینت و آرائش تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔ اور ہم ہی بنانے والے ہیں ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں (ویران کر کے) چھیل میدان، غیر آباد“۔

مشرکین ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوتے اور نبی کریم ﷺ سے دور بھاگتے، اس سے آپ ﷺ کو بہت رنج ہوتا، اس پر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تسلی دے رہا ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ (فاطر: 8) ”بیس فرط غم سے ان کیلئے آپ کی جان نہ گھلے۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (النحل: 127)“ اور آپ ان (کی ہت دھری) پر رنجیدہ نہ ہوا کریں، تَعَلَّكَ بِأَخْفِكَ نَفْسُكَ أَلَا يَنْكُرُونَ مُؤْمِنِينَ (الشعرا: 3) ”شاید آپ اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر دیں کہ وہ ایمان نہیں لارہے“۔ بانیع کا معنی ہے ہلاک کرنے والا اور حدیث سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی اگر یہ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ ان کے پیچھے فرط غم سے اپنی جان کو تلف کر دیں گے؟ ”اسفا“ کا معنی بقول قتادہ: فرط غضب اور فرط غم کا اظہار کرتے ہوئے، مجاہد کہتے ہیں کہ گھبراہٹ اور بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، یہ سب معافی قریب قریب ہیں، یعنی آپ ان کفار پر افسوس اور غم نہ کریں بلکہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچادیں، جو ہدایت قبول کرتا ہے اس میں اسی کا فائدہ ہے اور جو گمراہی پر مصرر جتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوگا، اس لئے آپ غم و حسرت کے باعث اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارن بنا دیا ہے اور اسے فنا پذیر زینت کے ساتھ آراستہ کیا۔ یہ دنیا دار امتحان ہے، دار قرار نہیں۔ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّا جَعَلْنَا حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا شیریں اور سرسبز شاداب ہے، اس میں اللہ تعالیٰ تمہیں خلیفہ بنا کر رکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو، دنیا اور عورتوں سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے سر اٹھانے والا قنوت عورت ہی کے متعلق تھا“ (1)۔ پھر اس دنیا کے زوال، فنا، انتہا اور بربادی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ یعنی ہم زمین کو سزین اور آراستہ کرنے کے بعد تباہی و بربادی کے گھاٹ اتار دیں گے اور اس پر موجود ہر چیز کو فنا کر کے اسے غیر آباد، بنجر اور چھیل میدان بنا دیں گے، جہاں نہ کوئی چیز آگ سکے گی اور نہ کوئی دوسرا قائدہ حاصل ہو سکے گا، جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ اِنَّا لَازْرِيْنَ الْبُجُوْرَ وَنَخْرِيْهِمْ ذَّرَمًا مَّا تَكُلُّ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ (السجدة: 27) ”کیا انہوں نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں، کھاتے ہیں اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی، کیا وہ نہیں دیکھتے؟“ محمد بن اسحاق اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ روئے زمین پر ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے، ہر ایک کو آخر کار اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش ہونا ہے، اس لئے جو بھی سنی یاد رکھیں اس پر غم اور افسوس نہ کریں (2)۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكُفْرِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيَاتِنَا عَجَبًا ۝۱۰ اِذْ اَوْى الْاَنْفُسُۃُ اِلَى الْكُفْرِ فَقَالُوْا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَبْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۱ فَصَرَ بِنَا

عَلَىٰ أَذَانِهِمْ فِي الْكُفِّفِ سِنِينَ عَدَدًا ۝ لَّهُمَّ بَعَثْ لَهُمْ لِعَلَمِهِ أَحْيَى الْعُزْبَيْنِ أَحْطَى لِمَا
لَيْسُوا الْأَمْدًا ۝

”کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور درقیم والے ہر ان نشانوں میں سے ہیں جو تعجب خیز ہیں۔ (یاد کرو) جب پناہ والی ان جو انوسا نے غار میں پھر انہوں نے دعا مانگی اسے ہمارے رب! ہمیں مرحمت فرما اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما، ہرے لئے اس کام میں ہدایت۔ پس ہم نے بند کر دیئے ان کے کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گئے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے اس مدت کا جو وہ (غار میں) ٹھہرے تھے۔“

پہلے اجمال و اختصار کے ساتھ اصحاب کہف کا قصہ بیان ہو رہا ہے، پھر شرح و بسط اور مکمل تفصیلات کے ساتھ اس کا بیان ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اَفَرِحْتُمْ؟ یعنی ہماری قدرت کے سامنے یہ کوئی بڑا تعجب خیز واقعہ نہیں بلکہ بہت معمولی واقعہ ہے، اُس اس کی قدرت ملاحظہ کرنا مقصود ہے تو زمین و آسمان کی تحقیق، گردشِ ایل و نہار، تسخیرِ شمس و قمر اور دیگر اہم و نشانوں کو دیکھیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اسے ہر چیز پر پوری پوری قدرت اور قدرت حاصل ہے اور کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ یہ تمام اشیاء اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ تعجب خیز ہیں جیسا کہ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ہماری ایسی نشانیاں بھی ہیں جو اس واقعہ سے بھی زیادہ باعثِ تعجب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آپ کو جس عزم، سنت اور کتاب سے نوازا ہے وہ اصحاب کہف درقیم کے قصہ سے افضل ہے۔

کہف سے مراد پہاڑ کے اندر وہ غار ہے جس میں مذکورہ نوجوانوں نے پناہ لی تھی۔ درقیم کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطیہ عوفی اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ ایلہ کے قریب ایک وادی ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ کہف تو وادی کی غار سے اور درقیم اس وادی کا نام ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ درقیم ان کی نماز کا نام ہے۔ جنس کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ وادی ہے جہاں یہ غار تھی۔ حضرت کعب کا خیال ہے کہ درقیم لہنتی کا نام ہے۔ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ درقیم دو پہاڑ ہے جہاں یہ غار تھی۔ مجاہد حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ اس پہاڑ کا نام جیلوس ہے (1)۔ شعیب جہاں بھی یہی کہتے ہیں کہ جس پہاڑ میں یہ غار ہے اس کا نام جیلوس ہے، غار کا نام حمزم اور کئے کا نام حمران۔ مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ سارے قرآن کا مجھے علم ہے سوائے حمان، اوداہ اور درقیم کے کلمات کے۔ آپ رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم درقیم کیا ہے؟ کتاب ہے یا نماز؟ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درقیم کا نام پوچھا تو فرمایا: یہ کتاب ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ درقیم پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھ کر اسے غار کے دروازے پر رکھ دیا گیا تھا (2)۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ درقیم سے مراد کتاب ہے، قرآن پاک میں آتا ہے کَلِمَاتٍ مَّا تَشْتَوُونَ (المطففين: 20) آیت کا ظاہر تو اس کی تائید کرتا ہے اور ابن جریر نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ درقیم فعل کے وزن پر مرقوم مفعول کے معنی میں ہے، یعنی لکھا ہوا جیسے قتل بمعنی مقتول اور جرح (زخمی) بمعنی مجروح۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس فرمان رُذِيَ اَوْسَىٰ اَنْفُسِيَّةً میں ان نوجوانوں کے متعلق خبر دے رہا ہے جو اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اپنی قوم

سے بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ وہ اپنی دولت ایمان پچھلیں اور لوگ انہیں اپنے دین سے برگشتہ نہ کر سکیں۔ اپنی قوم سے روپوش ہونے کیلئے وہ ایک پہاڑی غار میں پناہ گزین ہو گئے۔ غار میں داخل ہوتے وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور لطف و کرم کی التجا کی: رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رِزْقًا يَّوْمًا نَّحْيِي فِيهِ رُوحَنَا وَتَجْزِي لَنَا فِيهِ اَعْمَارَنَا وَتَجْزِي لَنَا فِيهِ اَعْمَارَنَا وَتَجْزِي لَنَا فِيهِ اَعْمَارَنَا۔ یعنی اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی جناب سے خصوصی رحمت مرحمت فرما تاکہ ہم ان کے جبر و تشدد سے محفوظ رہیں اور ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں اور ہمیں اپنے معاملہ میں ہدایت نصیب فرما یعنی ہمارے معاملہ کا انجام سراسر ہدایت اور خیر پر مبنی ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "وَمَا قَضَيْتُ لِّلْمَیْمِنِ قَضَاءً فَاَجْعَلْ عَاقِبَتَهُ رَشَدًا" (1)۔ یعنی اے پروردگار! تو ہمارے لئے جو بھی فیصلہ کرے اس کا انجام بخیر فرما۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: "اے اللہ! تمام امور میں ہماری عاقبت کو بہتر بنا اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے اپنی پناہ عطا فرما" (2)۔ پھر فرمایا: فَصَرِّحْ بِمَا عَلَيَّ اِذَا لَيْتُمْ۔ یعنی جب وہ غار میں داخل ہوئے تو ہم نے ان پر نیند طاری کر دی اور وہ کئی سال سوئے رہے، پھر ہم نے انہیں نیند سے بیدار کیا تو ان میں سے ایک کچھ درہم لے کر گیا تاکہ کھانا خرید سکے، اس کی تفصیلات عنقریب بیان ہوں گی، اس لئے فرمایا: لَمْ يَغْتَبِطْ۔ یعنی ہم نے انہیں بیدار کیا تاکہ ان کے بارے میں اختلاف کرنے والے دو گروہوں کو ہم دیکھ سکیں کہ کون ان کے ٹھہرنے کی مدت کو زیادہ صحیح شمار کرنے والا ہے۔ "اَعْدُ" کا معنی ہے تعد اور گنتی یا عاقبت۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ مَا كَانُوا بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنَاهُمْ هُدًى ۝ وَ سَابَقَنَا
 عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اِلٰهًا
 نَعْبُدُ قُنٰنًا اِذَا سَطَطْنَا ۝ هٰذَا الَّذِي كُنَّا نَعْبُدُ وَا مِنْ دُوْنِهٖ اِلٰهَةٌ لَّوْلَا يَأْتُوْنَ عَلَيْهِمْ
 بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كُنٰبًا ۝ وَاِذَا عَتٰوْا تَلَمَّوْهُمْ وَمَا يَعْجُبُوْنَ
 اِلَّا اللّٰهَ فَاَوَّلٰى الْكُفْرِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهئٖ لَكُمْ مِنْ اَمْرٍ كُمْ مَرْفَقًا ۝

"(اے حبیب!) ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر ٹھیک ٹھیک۔ بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے (نور) ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ اور ہم نے مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو جب وہ راد حق میں کھڑے ہو گئے تو انہوں نے (برہما) کہہ دیا ہمارا پروردگار وہ ہے جو پروردگار سے آسمانوں اور زمین کا ہمہ گیر نہیں پکاریں گے اس کے سوا کوئی معبود (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دور ہے۔ یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے بتالیہ ہے اس کے سوا غیروں کو (اپنے) خدا۔ کیوں نہیں پیش کرتے ان (کی خدائی) پر کوئی ایسی دلیل جو روشن ہو۔ ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر بھونا بہتان باندھتا ہے۔ اور جب تم الگ ہو گئے ہو ان (کفار) سے اور ان معبودوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ کے سوا تو اب پتہ لو غار میں پھیلا دے گا تمہارا۔ سے تمہارا رب اپنی رحمت (کا دامن) اور مہربان کر دے گا تمہارے لئے تمہارے اس کام میں آسانیاں۔"

یہاں سے اس قصہ کی تفصیلات شروع ہو رہی ہیں۔ یہ چند نوجوان تھے جو بڑے بوزخوں کی نسبت زیادہ ہدایت یافتہ اور قبول حق پر

آبادہ تھے کیونکہ عمر رسیدہ سرکشی پر بند رہے اور باطل دین کے ساتھ ہی چمٹے رہے، یہی کیفیت قریش کی بھی تھی۔ امتداد اس کے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لیکھ کہنے والوں کی اکثریت نے جو انوں پر مشتمل تھی جبکہ زیادہ تر قریشی بڑے اپنے دین پر ڈٹے رہے اور ان میں سے بہت ہی کم لوگ شرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی طرح اسی ب کہف کے متعلق بتایا کہ وہ چند نوجوان تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے ہاتھوں میں بالیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ہدایت و تقویٰ کا نور ڈال دیا، وہ اپنے رب پر ایمان لائے، اس کی وحدانیت کا اعتراف کیا اور اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مزید کرم نوازی فرماتے ہوئے ان کے نور ہدایت میں اور اضافہ کر دیا۔ اس ارشاد و نُورِ نَبِيِّهِمْ ﷺ اور اس قسم کی دیگر آیات سے امام بخاری اور دوسرے متعدد ائمہ کرام نے ایمان کی زیادتی اور تقاضی پر استدلال کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ممکن ہے۔ دوسرے مقامات پر فرمایا: وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا نَزَّلْنَا دَرَجَاتٍ مِنْهُمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا سَابِقِينَ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَدُنْهُمْ ابْنَاءٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ الَّذِينَ هُمْ يَكْتُمُونَ (التوبہ: 124) "اس سورت نے ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور وہ خوشیوں منارہے ہیں، يُبَيِّنُكَ اِنَّ ذَا اٰيٰتِنَا لَمَعْلَمٌ اَيْنَ نَبِيٍّ (آیت: 4) "تا کہ وہ اپنے (پہلے) ایمان کے ساتھ ایمان میں اور بڑھ چکے ہیں" علاوہ ازیں اس پر دلالت کرنے والی اور بھی متعدد آیات ہیں (1)۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ نوجوان حضرت مسیح علیہ السلام کے دین پر کاربند تھے لیکن انھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دور ملت نصرانیت سے قبل کا ہے کیونکہ اگر یہ نصرانیت کے پیروکار ہوتے تو ہماری یہود مخالفی کی بنا پر اس قدر توجہ سے ان کے حالات محفوظ نہ رکھتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ قریش نے مدینہ کے یہودی علماء سے چند باتوں کا تقاضا کیا تھا جن کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی آزمائش کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے صحابہ کہف، ذوات قرین اور روح کے متعلق سوالات تجویز کیے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں یہ قصہ موجود تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نصرانیت سے پہلے کسی دور میں وقوع پذیر ہوا۔

فرمایا: وَرَبَّنَا عَلِّمْنَا لِسَانَ رَبِّنَا لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ لَمْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ وَأُولَئِكَ الَّذِينَ كَذَبُوا وَعَصَوْا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَكَبِّرُونَ (تیسرا باب: 1) "یہودیوں کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی آزمائش کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے صحابہ کہف، ذوات قرین اور روح کے متعلق سوالات تجویز کیے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں یہ قصہ موجود تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نصرانیت سے پہلے کسی دور میں وقوع پذیر ہوا۔

فرمایا: وَرَبَّنَا عَلِّمْنَا لِسَانَ رَبِّنَا لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ لَمْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ وَأُولَئِكَ الَّذِينَ كَذَبُوا وَعَصَوْا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَكَبِّرُونَ (تیسرا باب: 1) یعنی جب ان کی قوم نے ان کی مخالفت کی اور انہوں نے پیش و آرم اور پر لطف زندگی کو خیر باد کہہ دیا تو ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور انہیں صبر کی دولت سے نوازا۔ متعدد مفسرین کا کہنا ہے کہ وہ روم کے امراء و رؤساء کے فرزند تھے۔ ایک مرتبہ عید کے تہوار پر وہ بھی باقی لوگوں کے ساتھ نکلے عید منانے کیلئے شہر سے باہر ان کا اجتماع ہوتا تھا۔ وہ وہاں بتوں کی پرستش کرتے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرتے۔ ان کا بادشاہ بہت جاہل اور سرکش تھا، اس کا نام دقیا نوس تھا۔ وہ لوگوں کو طاقت کے زور پر بت پرستی کی دعوت دیتا اور شرک پر اصرار کرتا۔ جب اس اجتماع میں شرمت کرنے کیلئے لوگ نکلے تو یہ نوجوان بھی اپنے آباء اور دیگر افراد کے ساتھ اس تہوار میں شریک ہونے کیلئے نکل پڑے، وہاں جب ان نوجوانوں نے سمیرت کی آنکھ سے لوگوں کو شرک اور بت پرستی کا ارتکاب کرتے ہوئے اور غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو وہ پہچان گئے کہ یہ لوگ جو کچھ بتوں کیلئے کر رہے ہیں، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کو زینا ہے جس نے آسمانوں و زمین کی تخلیق کی۔ چنانچہ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے کھسکتے ہوئے الگ تھک بول گئے۔ سب سے پہلا نوجوان جس نے اپنی قوم کے ان اعمال پر سے بے اثری کا اظہار کیا تھا، وہ الگ ہو کر الگ درخت کے سائے تلے آ بیٹھا، پھر دوسرا نوجوان وہاں اس کے پاس آیا بیٹھا، اس طرح وہ سب جمع ہوئے۔ حالانکہ ان کے درمیان کوئی جان پہچان نہیں تھی لیکن اس ذات نے انہیں وہاں جمع کر دیا

جس نے ان کے دلوں کو ایمان پر جمع کیا تھا، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے ”الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ فَتَعَارَفَ مِنْهَا اِتْتَفَقَ وَمَا تَنَافَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ“ (1)۔ یعنی ارواح ایک جمع شدہ لشکر ہیں ان میں سے جو (روز ازل) متعارف ہو گئیں، ان کے درمیان (دنیا میں) الفت پیدا ہو جاتی ہے، اور جو (دباں) انجمنی رہیں، ان میں (یہاں) اختلاف رہتا ہے۔ عرب کہتے ہیں: ”الْجَنَسِيَّةُ عَلَةُ الضَّمَّةُ“، یعنی جنسیت میں جمل کا سبب ہے۔ غرض یہ کہ ان میں سے ہر ایک باقی سرگتھیوں سے اپنی حقیقت کو چھپائے ہوئے تھا، کیونکہ ہر ایک کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ اگر حقیقت سے پردہ اٹھ گیا تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، حالانکہ ان سب کی حقیقت یکساں نوعیت کی تھی، آخر کار ایک نوجوان نے جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا کہ اسے میرے دوستو! کوئی ایسا سبب ضرور ہے جس کی بناء پر تم لوگوں سے اور کھیل نمائشے سے منہ موڑ کر بالکل الگ تھلک یہاں آ بیٹھے ہو۔ ہر شخص کو اپنے دل کی بات بتا دینی چاہئے۔ اس پر ایک دوسرا نوجوان کہنے لگا کہ میں نے اپنی قوم کو باطل روش اور مشرکانہ عقائد اپنائے ہوئے دیکھا ہے۔ عبادت کا مستحق تو صرف اللہ وحدہ ہاثریک ہے جس نے زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر چیز کو پیدا کیا۔ دوسرے نوجوان نے کہا کہ میرا معاملہ بھی یہی ہے حتیٰ کہ تجھی تو حید کا اقرار کرتے ہوئے ایک بات پر متفق ہو گئے اور قرآن مجید بھائی بن گئے۔ انہوں نے اپنے لیے ایک عبادت خانہ تیار کر لیا جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہنے لگے۔ لوگوں کو جب ان کے متعلق مہم ہوا تو انہوں نے بادشاہ کے ہاں ان کی دخلی کھائی۔ بادشاہ نے انہیں اپنے پاس بلا کر حقیقت حال واضح کرنے کیلئے ان سے استفسار کیا تو انہوں نے بلا تمل و کاست حق بات واضح کر دی، بلکہ بادشاہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کی دعوت دی، اسی چیز کو اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَمَنْ يَهْتَفِ اَعْلٰی قُلُوْبِهِمْ لٰكِنَّهُمْ يَخْلَوْنَ عَلَيْهِمْ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ لِيَفْهَمُ لِقَاءَ رَبِّهِمْ“ یعنی بھی ہم سے یہ نہیں ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکاریں کیونکہ ایسا کرنا باطل ہے۔

اس لیے فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ لِيَفْهَمُ لِقَاءَ رَبِّهِمْ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا معبودان باطلہ کی پرستش کرنے والے یہ لوگ اپنے اس عمل کی صحت پر کوئی واضح دلیل نہیں پیش کرتے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ درحقیقت ظالم اور جھوٹے ہیں، کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے بادشاہ کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو اس نے انکار کر دیا اور انہیں سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے لگا، بلکہ ان کے آرائشی لباس بھی اترا لیے اور انہیں مہلت دی تا کہ وہ غور و فکر کر کے اپنے پسے دین کی طرف لوٹ آئیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تھا کہ ان مہلت کی گھڑیوں میں انہیں اپنے دین کو سچا کر وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا، قندھ کے وقت جب آدمی کا دین خطرہ میں ہو تو ایسے حالات میں لوگوں سے الگ تھلک ہونا اور فرار اختیار کرنا جائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”قریب ہے ایسا زمانہ آجائے جب آدمی کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جنہیں وہ لے کر پھاڑوں کی پوٹیوں اور بارش کے مقامات پر چلا جائے گا اور قنتوں کے خوف سے اپنے دین کو لے کر فرار ہو جائے گا“ (2) اس حالت میں عزالت مشروع ہے لیکن اگر اس قسم کے حالات نہ ہوں تو لوگوں سے الگ تھلک ہو کر گوش نشینی اختیار کرنا مشروع نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے نماز باجماعت اور جمعہ ترک ہو جاتا ہے، بہر صورت ان نوجوانوں نے اپنی قوم سے الگ تھلک ہونے کا عزم کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دست گیری کی، اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا: وَ اِذَا تَوَسَّوْا فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ عَسَّوْا“ یعنی جب تم دین میں ان سے الگ تھلک اور ان کے مخالف ہوئے تو اب دسمانی اعتبار سے بھی ان سے الگ ہو جاؤ اور غار میں پناہ لو، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت کی چادر میں پھیلے گا اور تم اپنی قوم کو دکھائی ہی نہیں دو گے

اور وہ اس معاملہ میں تمہیں راحت اور آسانی بہم پہنچائے گا۔ بس یہ نوجوان موقع ملنے ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک غار میں پناہ گزریں ہو گئے۔ بادشاہ اور قوم کے افراد تلاش بسیار کے وجود ان کا سراغ نہ لگا سکے۔ بحر پور کوشش کے باوجود بادشاہ انہیں پکڑنے میں ناکام رہا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملہ کو بالکل مخفی رکھا جیسا کہ ہجرت کے موقعہ پر ہوا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غار ثور میں پناہ لئے ہوئے تھے، مشرکین تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ وہ غار پر سے گزرے بھی نہیں ان دونوں ہستیوں کی موجودگی کا سراغ نہ پاسکے۔ اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی تھی: یا رسول اللہ! اُمران میں سے کسی نے نیچے اپنے قدموں کی طرف نظر دوڑائی تو ضرور ہمیں دیکھ لے گا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیرا اللہ ہے؟ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا كَفَرُوا بِآيَاتِنَا إِنَّكَ تَكْفُرُ بِآيَاتِنَا وَإِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَإِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا كَفَرُوا بِآيَاتِنَا** (التوبہ: 40) اتر تم رسول کریم کی مدد نہ کرو گے تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب ان کو کفار نے نکالا تھا۔ آپ دو میں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے رفیق سے فرما رہے تھے کہ مت غمگین ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی تسکین نازل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جنہیں تم نے نہ دیکھا اور کافروں کی بات کو سرگموں کر دیا اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے اور اللہ تعالیٰ غالب و حکمت والا ہے۔ غار ثور کا قصہ اصحاب کبف کے قصہ سے زیادہ اشرف، جلیل القدر، عظیم اور عجیب ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ لوگ ان نوجوانوں کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے، انہیں غار کے اندر کچھ کہنے لگے کہ اس سے زیادہ سزا کی انہیں ضرورت ہی نہیں، چنانچہ انہوں نے غار کا منہ بند کر دیا تاکہ وہ اس کے اندر ہی ہلاک ہو جائیں لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ صبح و شام دھوپ ان پر غار میں داخل ہوتی ہے۔

وَسَرَى الشَّمْسُ إِذَا طَلَعَتْ تَرَوْمًا عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا عَابَتْ تَقَرَّبَتْهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّ قَوْمًا يَهْتَدُونَ فَهِيَ اللَّهُ لَعَلَّ قَوْمًا يَهْتَدُونَ

يُضِلُّ لَكِنَّ تَجِدُ لَكَ وَلِيًِّا مَرَشِدًا ۝

اور تو دیکھے گے سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو وہ ہت کر گزرتا ہے ان کی غار سے دائیں جانب اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہوا ڈوبتا ہے۔ اور وہ (سور سے) ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں۔ (سورج کا) یوں (طلوع و غروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ (حقیقت یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما۔

اس آیت سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس غار کے دو ہاند شمال کی جانب تھ لیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ دائیں طرف مار سے ہٹ جاتا ہے، یعنی دائیں طرف اس کا سایہ سکر جاتا ہے جیسا کہ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے، اس کی صورت یہ تھی کہ جب بھی سورج افق میں ابھرتا تو اس کے ارتعاش کے ساتھ ساتھ اس کی شعاعیں سترتی رہتیں، یہاں تک کہ زواں کے وقت دھوپ وہاں بالکل نہ رہتی اس لیے فرمایا: **وَإِذَا عَابَتْ** یعنی جب سورج غروب ہوتا ہے تو شمال کی طرف ان سے

يَتَمُّ بِحُدَىٰ مُفْلَتَمِهِ وَيَتَّقِي بِأَخْرَى الرِّذَالِيَا فَهَوَ يَقْظَلَانُ نَابَهُ (1)

(وہ ایک آنکھ کے ساتھ سوتا ہے اور دوسری آنکھ کے ساتھ خطرات پر نظر رکھتا ہے۔ گویا وہ (ایک ہی وقت میں) بیدار بھی ہوتا ہے اور سونے والا بھی)۔

فرمایا: وَقَفَيْتُمْ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ سال میں دو مرتبہ ان کی گردنیں بدلی جاتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے پہلو نہ بدلے جاتے تو زمین انہیں کھا جاتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ کے بقول ”وصید“ کا معنی سخن ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی دروازہ بھی بتایا ہے۔ بعض نے اس کا معنی مٹی کہا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد غار کا دہانہ اور دہلیز ہے، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنهَا لَمَكِيْهُمْ مُّوَسَّسَةٌ (الزمرہ: 8) (موسدہ کا معنی ہے بند کی ہوئی۔ وصید میں ایک دوسری لغت اصید بھی ہے۔ اس سے مراد چوکھٹ ہے جہاں وہ کتابیٹھا تھا۔ کتوں کی عموماً یہی عادت ہے کہ وہ چوکیداری کیلئے دروازے کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ ستا بھی اپنی فطرت کے مطابق ان نوجوانوں کی حفاظت کرنے کیلئے دروازے کے پاس باہر بیٹھ رہا کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں ستا، تصویر، اجنبی اور کافر ہو، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے (3)۔ ان نوجوانوں کی برکت سے کتابھی نوازا گیا، ان کی طرح اس پر بھی تیند مسلط ہوگئی۔ نیکو کار لوگوں کی صحبت سرا سر فوائد کا موجب ہے اور ایسی صحبت اختیار کرنے والا حرم نہیں رہتا۔ اس کا اندازہ اس کتے سے ہوتا ہے جو ان پاکباز نوجوانوں کی صحبت کے باعث یادگار بن گیا اور قرآن کریم میں اس کا ذکر بھی خصوصیت کے ساتھ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ ان نوجوانوں میں سے کسی کا شکاری کتابھی جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ باشاہ کے باورچی کا کتابھی تھا، چونکہ وہ بھی ان نوجوانوں کا ہم خیال تھا اور عزت نشینی اختیار کرنے میں ان کے ساتھ شریک تھا، اس لئے اس کا کتابھی ان کے ساتھ ہو گیا۔

حافظ ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کا کہنا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبح کردہ مینڈھے کا نام جریر، ہد ہد سلیمان علیہ السلام کا نام عقیق، اصحاب کعبہ کے کتے کا نام قطیر اور بنی اسرائیل کے اس چھترے کا نام بھوت تھا جس کی انہوں نے پرستش شروع کر دی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے، حضرت حواء جدو میں، اٹلیس دشت بیسان میں اور سانپ اصہبان میں (4)۔ شیبہ جہانی نے کتے کا نام حمران بتایا ہے۔ اس کتے کے رنگ کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں لیکن یہ سب لاحقہ حاصل اور بے فائدہ ہیں، نشان کی کوئی دلیل ہے اور نہ ضرورت، بلکہ ایسی چیزوں میں ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑانے سے منع کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق مزید فرمایا: نُوْا فَخَلَقْتَ عَلَيْنَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ماحول کو بھی تک بنا دیا ہے اور انہی وہ ہیبت سطا کی ہے کہ جو انہی ان پر کسی کی نظر پڑتی ہے، وہ دہشت زدہ اور خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کیا تاکہ نہ کوئی ان کے پاس اندر جا سکے اور نہ کوئی ہاتھ لگا سکے اور جب تک ان کے محواسزاحت ہونے کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے، اس وقت تک وہ آرام سے سوتے رہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت، واضح رحمت اور وسیع رحمت کا فرما ہے۔

2۔ تفسیر خبری، جلد 15 صفحہ 215

1۔ دیوان تہذیبی ثور: 105

3۔ صحیح مسلم کتاب اللباس و الثوب، جلد 3 صفحہ 1664-1666، جنس ابی داؤد، کتاب الطہارۃ جلد 1 صفحہ 58، لمیرہ

4۔ جیسے غزوات الاقرآن فی صحبات القرآن للسیوطی: 137، 72، 152، 174

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۖ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ
بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالُوا رَبُّكُمْ اَنعَمَ بِمَا لَبِثْتُمْ ۖ فَابْعَثُوا اَحَدَكُمْ يَوْمًا فَاِذَا هُوَ اِلَى الْمَدْيَنَةِ
فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَرْكَى طَعَامًا فَاْيَا نَبِيْرٍ رُّزِقَ مِنْهُ وَاَيُّ سَكْفٍ وَلَا يَنْشُرْ اِيَّاكُمْ اَحَدًا ۝۱۰۱ اِنَّ
اِيْنَ يَنْظُرُوْا عَلَیْكُمْ يَبْرِجُوْكُمْ اَوْ يُعَيِّدُوْكُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ وَلَنْ تُغْلِبُوْا اِذَا اَبَدًا ۝۱۰۲

”اور اسی طرح ہم نے انہیں بیدار کر دیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے آپس میں پوچھیں۔ کہنے لگا ایک کہنے والا ان سے کہ تم
یہاں ستنی مدت ٹھہرے ہو۔ بعض نے کہا ہم ٹھہرے ہوں گے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ دوسروں نے کہا تمہارا رب بھتر
جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے ہو۔ پس بھیجو کسی کو اپنے ساتھیوں سے اپنے ایک سگدے کے ساتھ شہر کی طرف۔ پس وہ دیکھے کہ
کس کے ہاں عمدہ پاکیزہ کھانا ملتا ہے پس وہ لے آئے تمہارے پاس کھانا وہاں سے۔ اسے چاہئے کہ خوش خلقی سے کام لے
اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ وہ لوگ اگر آگاہ ہو گئے تم پر تو وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا تمہیں (جبراً) لوٹا
دیں گے اپنے (بھولنے) مذہب میں اور (اگر تم نے ایسا کیا) تو تم بھی بھی فلاح نہیں پاسکو گے۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے انہیں سلایا، اسی طرح تین سو سو سال کی نیند کے بعد بالکل اسی حالت میں بیدار کر دیا، ان کے
بدن، بال اور آنکھیں بھی اعضاء جوں کے توں بالکل صحیح و سالم تھے۔ ان کی حالت اور ہیئت میں سرمو بھی فرق نہیں آیا تھا، اسی وجہ سے وہ
ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: کہ لَبِثْتُمْ .. یعنی تم تنقیر ویر سوئے رہے؟ جواب ملا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، کیونکہ وہ صبح کے وقت غار
میں داخل ہو کر سوئے تھے اور شام کے وقت بیدار ہو گئے۔ لیکن پھر فوراً انہیں خیال آیا کہ ایب تو نہیں، اس لئے اپنے نظن و تخمین کو ترک کر کے
معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے کہنے لگے: رَبَّنَا اَنْعَمْنَا عَلَیْكَ ۖ یعنی تمہارے معاملہ والہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اکثر ت نوم کے سبب گویا وہ
تردد کا شکار ہو گئے۔ چونکہ اب انہیں بھوک پیاس بھی ستانے لگی تھی، اس لئے اس بحث کو طول دینے کی بجائے وہ اس اہم ضرورت کی طرف
متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: فَابْعَثُوا اَحَدًا ۖ یعنی کسی ایک آدمی کو (چاندی کا) یہ سگدہ بھر بھیجو، جب انہوں نے اپنے اپنے گھروں کو خیر بد
کہا تھا تو کچھ دراہم اپنے ساتھ رکھ لیے تھے جن میں سے کچھ صدقہ کر دیئے اور چند ایب ان کے پاس باقی بچ گئے، اس لئے انہوں نے یہ
تجویز دی کہ اپنے اس شہر میں کسی کو یہ سگدہ سے رنجھج دو، کہ وہ وہاں سے کھانے پینے کی کوئی پاکیزہ اور عمدہ چیز لے آئے۔ ”اَرْكَى“ کے لفظ
میں پاکیزگی اور عمدگی کا معنی پایا جاتا ہے جیسا کہ ان آیت میں ہے: وَ لَا يَلَا فِضْرٌ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهُ صَاۤءِلٌ مِّنْكُمْ فِیْنَ اَسْحٰبٍ
اَبَدًا (التور: 21) ”اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی ہر روز نہ بچ سکتا“ اِنَّ اَفْجَحَ مَنِّ مِّنْ رُّسُلِ
(الاعلیٰ: 14) ”بے شک فلاح پائین جس نے اپنے آپ کو پاک لیا۔“ اسی سے لفظ زکوٰۃ ہے، کیونکہ اس سے مال پاکیزہ اور طہر ہو جاتا
ہے۔ بعض نے ”اَرْكَى“ کو اکثر کے معنی میں لیا ہے اس صورت میں ”اَرْكَى طَعَامًا“ کا معنی ہوگا کہ کون زیادہ کھانا دیتا ہے۔ جب بھتی
بڑھ جائے تو عرب کہتے ہیں: ”رَكِيَ الزَّرْعُ“ اسی طرح شاعر کے مندرجہ ذیل شعر میں بھی یہ لفظ نثر کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

فَبِنَا سَبْعٌ وَاَنْتُمْ ثَلَاثَةٌ
وَلَسَبْعٌ اَرْكَى مِنْ ثَلَاثٍ وَاَطْمَبٌ

لیکن پہلا قول صحیح ہے کیونکہ ان کا مقصود پاکیزہ اور حال کھانے کا حصول تھا خواہ وہ زیادہ ہو یا کم اور انہوں نے اس مقصد کیلئے جانے والے کو تائید کر دی کہ اسے آنے جانے اور کھانا خریدنے میں مکمل احتیاط برتنی چاہئے اور ہر ممکن لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر رہنا چاہئے اور وہ کسی کو تمباری موجودگی کا احساس نہ ہونے دے، کیونکہ اگر انہیں تمباری موجودگی کا علم ہو گیا تو وہ تمہیں سنگسار کر کے ہلاک کر دیں گے یا پھر اپنے باطل مذہب میں جبر و تشدد کے ذریعے دوبارہ لے آئیں گے۔ یعنی دوقیانوس بادشاہ کے آدمیوں سے انہیں خطرہ تھا کہ اگر انہیں ان کی بھٹک پڑتی تو وہ انہیں گرفتار کر کے انواع و اقسام کے عذاب دیں گے، پھر انہیں یہ تو ان کے باطل دین کو مجبوراً قبول کرنا پڑے گا یا پھر موت کی آغوش میں جا، ہوگا، کہنے لگے کہ اگر تم نے ان کفار کی موافقت کرتے ہوئے ان کا دین قبول کر لیا تو وہ دنیا میں تمہارے لیے قلاوچ ہوگی اور نہ آخرت میں، اس لیے فرمایا: **وَلَنْ يُغْنِيَنَّكَ** .

وَكُلُّ لَيْتٍ أَعْتَرَا عَلَيْهِمْ لِيَعَسَوْا أَنْ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا سَرِيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَزَّلُ عُنْ بَيْنَهُمْ أَمْرُهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُيُوتًا ط سَرَابُهُمْ أَعْلَمَ بِهِمْ ط قَالَ الَّذِينَ غَابُوا عَلَى أَمْرِهِمْ لَنْ نَجِدَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴿١٠﴾

”اور بہتی والوں کو ہم نے اچانک آگاہ کر دیا ان (اصحاب کہف) پر، کہ وہ جان نہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بلاشبہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ جب وہ بہتی والے جھگڑا سے تھے آپس میں ان کے معاملہ میں تو بعض نے کہا کہ (بطور یادگار) تعمیر کرو ان کے غار پر کوئی عمارت۔ ان کا رب ان کے احوال سے خوب واقف ہے۔ کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد بنا دیں گے۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوگوں کو ان کے حال پر مطلع کر دیا تاکہ انہیں علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں، کہتے ہیں کہ اس زمانے کے لوگ دوبارہ زندہ کیے جانے اور قیامت کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار تھے، ان میں سے ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ صرف روحانی حشر ہوگا نہ کہ جسمانی حشر، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو صحیح و سالم بیدار کر کے اپنی قدرت اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا ناقابل تردید ثبوت دیدیا۔ کہتے ہیں کہ جب اصحاب کہف میں ایک شخص خور و نوش کا سامان لینے کیلئے شہر کی طرف نکلا تو سارا ماحول اجنبی محسوس ہونے لگا۔ وہ بھیس بدل کر عام رستہ سے بت ترشہر پہنچا۔ اس شہر کا نام بفسوس تھا (۱)۔ کھانا لانے والے صاحب یہ گمان کیے ہوئے تھے کہ انہیں شہر سے نکلے کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن ادھر تو ہر چیز کا نقشہ ہی بدل چکا تھا، شہر اور درود یوار کچھ اور ہی داستان ستار ہے تھے اور لوگ بھی وہ نہیں تھے جنہیں وہ چھوڑ کر گئے تھے، ہر چیز میں انقلاب آچکا تھا، شہر کی کوئی نشانی نہیں دکھائی دے رہی تھی جس کا علم تھا اور نہ ہی کسی خاص و عام کے ساتھ ملاقات ہو رہی تھی، حیران و ششدر ہو کر اپنے دل میں سوچنے لگا کہ شاید مجھے جنون لاحق ہو گیا ہے یا کوئی اور عارضہ ہو گیا ہے یا پھر میں خواب دیکھ رہا ہوں لیکن پھر خیال آیا کہ ایسی تو کوئی بات نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس شہر کی وہ حالت نہیں ہے جس پر کزشتہ شام اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس شہر سے جلد از جلد نکل جانا میرے لیے بہتر ہے۔ وہ ایک نہ بانی کے پاس گئے اور اسے سکھ دیکر کھانا طلب کیا۔ جب نانانی نے اس سکھ کو دیکھا تو وہ ہکا بکا رہ گیا، اس نے اسے اپنے پڑوسی کو دیا اور لوگ بھی اکٹھے ہوئے۔ سبھی اس سکھ کو اٹ پٹ کر دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ کوئی خزانہ اس

شخص کے ہاتھ لگا ہے۔ چنانچہ وہ دریا وقت کرنے لگے کہ تم نے یہ سُنک کہاں سے لیا ہے، شاید تمہیں کوئی خزانہ ملے اور بتاؤ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اسی شہر کا باشندہ ہوں، کل شام کے وقت ہی میں یہاں سے آکا تھا، یہاں کا بادشاہ قیافوس ہے، یہ سن کر سچی کہہ گیا کہ یہ بیٹھن ہے اور انہیں لے کر حاکم شہر کے پاس چل دیئے۔ حاکم کے پوچھنے پر انہوں نے سارے حالات اس کے گوش گزار کر دیئے، حاکم اور باقی تمام لوگ بڑے حیران تھے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ آخر طے یہ ہوا کہ غار کی طرف چلتے ہیں، حاکم اور سبھی لوگ غار کی طرف روانہ ہوئے، جب غار کے پاس پہنچے تو کھانا لانے والے ساتھی نے کہا کہ تم ذرا انتظار کرو تا کہ میں اپنے ساتھیوں کو اطلاع کروں، جب وہ اندر داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح بھیجی کہ وہ لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ کہ وہ کدھر گیا ہے اور اسی طرح باقی ساتھیوں پر بھی خفا کے پردے ڈال دیئے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ اصحاب کعبہ کے پاس گئے، ان کی زیارت کی اور حاکم شہر نے نہ صرف انہیں سلام کیا بلکہ ان سے عارفانہ بھی کیا۔ وہ بذات خود مسلمان تھا اور اس کا نام بنید ویس تھا۔ اس حاکم سے مل کر اصحاب کعبہ کو بڑی مسرت ہوئی، اس سے گفتگو ہوئی۔ پھر دعا و سلام کے ساتھ سے رخصت کرنے کے بعد اپنی اپنی آرام گاہ میں ریت گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے طبعی وقت پائی۔ قہر دیکھتے ہیں کہ حضرت مہدائے بن عباس رضی اللہ عنہما حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک جہاد تھے۔ ان کا گزر روٹی ملاقات میں ایک غار سے ہوا جہاں انہوں نے کچھ بڈیاں دیکھیں۔ ایک آدمی سبے گا کہ یہ اصحاب کعبہ کی بڈیاں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باعث ان کی بڈیاں بوسیدہ ہو گئی ہیں (1)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جس طرح اصحاب کعبہ کو سوا یا اور پھر اسی نیت پر بیدار کیا، اسی طرح ہم نے اس زمانے کے لوگوں کو ان کے متعلق مطلع کر دیا تاکہ وہ سچے سچے سچے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں یہ وہ وقت تھا جب لوگ قیامت کے متعلق جھگڑتے تھے، کچھ لوگ ان کے قائل تھے اور کچھ منکر، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اصحاب کعبہ پر مطلع کر کے قیامت کی ناقابل تردید دلیل دینی۔ اس وقت سب گئے: اِنْتُمْ اَصْلٰیْبِیْہِ ہٰنِیْا اَلْعٰقِبٰی کا ذکر ہاں بندہ کر رہا ہوں اور انہیں اپنی حالت پر پتہ ہے، ان کا رب ان کے متعلق بہتر جانتا ہے لیکن جو لوگ اپنے کام پر مذہب تھے وہ کہنے لگے کہ ہم سرور ان کے قریب مسجد بنا میں نے۔ اور وہ ابن جریر نے ان لوگوں کے متعلق دونوں قائل کیے ہیں ایک یہ کہ ان میں سے مسلمانوں نے یہ بات کہی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بات کرنے والے مشرک تھے۔ بہر کیف بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اثر و رسوخ والے لوگ تھے، لیکن کیا وہ اس بات میں قابل تعریف ہیں یا نہیں؟ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنائیں“ (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب عراق میں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر کا سراغ ملا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا اور اس رقعہ کو بھی دفن کرنے کا حکم دیا جو وہاں سے ملا تھا اور اس میں لڑائیوں وغیرہ کا ذکر تھا۔

سَيَقُولُونَ لَوْلَا اَنزَلْنَا عَلٰی سُلَيْمٰنَ رُوحَنَا لَفَاخَرْنَا بِمَا اٰتٰیہٗہٗ ؕ وَ يَقُولُونَ حَسْبُكَ سَاوِمٌ مِّنْ كَلْبٍ ؕ لَمَّا رَجَعْنَا بِالْبَغِيِّ ؕ وَ

2- صحیح بخاری، کتاب التوزیجہ 2 صفحہ 111 صحیح مسلم، کتاب التوزیجہ 1 صفحہ 376

1- تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 217

نوٹ: اس حدیث شریف میں قبروں کو مسجد بنانے کی ممانعت ہے، خصوصاً یہ کہ قبروں کی طرف جدوں یا پامالے جیسے کہ حضرت ادریس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ”قبروں پر بیٹھو اور ان کی طرف نہ گئے، نماز پڑھو نہ، دعا دو، آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنا ہمارے عزائمات کے قریب مسجد بنانا جائز ہے تاکہ اسے اس میں حرمیت نہ کہیں۔ ان سے نوبت حاصل نہیں۔ ان بزرگوں کی یادگار ہوئی۔ ہے۔ نہ کہ قریب مسجد بنانے میں ان لوگوں سے پیش نظر یہی مقاصد کار ہوتے۔“

يَقُولُونَ سَبْعَةً وَثَمَانَةً وَتِسْعَةً قُلْ مَا بَدَأْتُهَا لَوْلَا أَمْرُ رَبِّي أَتَعْتَبُونَ مَا يَعْلَمُهَا إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا

تَسَاءُرَ فِيهَا إِلَّا أَصْرًا ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِي فِيهَا مِنْهُمْ أَحَدًا ۝

”کچھ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے وہ چار تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے۔ اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ فرمائیے (اس بحث کو رتبے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو (اور) نہیں جانتے ان (کی صحیح تعداد) کو اگر چند آدمی۔ سو بحث نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے۔ اور نہ دریافت کرو ان کے متعلق (اہل کتاب) میں سے کسی اور سے۔“

اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اختلاف بیان کرتے ہوئے لوگوں کے تین اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چوتھا قول کوئی نہیں۔ پہلے دونوں قولوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ضعیف کر دیا: تَسَاءُرًا ظَاهِرًا لَعَلَّيْهِمْ یعنی یہ بن دیکھے تخمینے اور بغیر جانے قیاس آرائیاں ہیں، بالکل ایسے ہی جس طرح ایک شخص اندازے سے ایک غیر معروف جگہ پر نشاں لگاتا ہے تو ایسا پتھر یا تیر جو عموماً خطا جاتا ہے اور اگر نشاں لگ جائے تو وہ محض اتفاقی اور بلا قصد ہوتا ہے۔ تیسرا قول بیان کر کے سکوت اختیار فرمایا: وَلَا تَسْتَفْتِي فِيهَا مِنْهُمْ أَحَدًا یعنی نہ اس فرمانِ قُلِّیٰ تَسَاءُرًا لَعَلَّيْهِمْ کے ذریعے رہنمائی فرمادی کہ ایسے موقع پر بہتر یہی ہے کہ حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ بغیر علم کے ایسے معاملات میں قیاس آرائیاں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جب کسی چیز پر آگاہی ہو جائے تو اسے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن علم نہ ہو تو خاموشی اختیار کرنی چاہئے پھر فرمایا: مَا يَعْلَمُهَا إِلَّا قَلِيلٌ یعنی بہت کم لوگ ان کی صحیح تعداد کو جانتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان قلیل افراد میں سے ہوں جن کی اللہ تعالیٰ نے استثناء کی ہے۔ ان کی تعداد سات تھی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے ہر رے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ان کی تعداد سات تھی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو بہت ہی کم عمر، روشن رو اور عقلمندانہ شباب میں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے، گریہ و زاری کرتے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہتے تھے، وہ آٹھ افراد تھے۔ مکسینا، یہ سب سے بڑے تھے اور انہوں نے ہی سب کی نمائندگی کرتے ہوئے بادشاہ سے گفتگو کی تھی۔ یقینہ کے نام یہ ہیں: یسلیخا، مرطونس، کسطونس، بیرونس، دینیوس۔ یسٹونس اور قالوش (2)۔ اس روایت میں ان کی تعداد آٹھ ذکر کی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ ابن اسحاق کا اپنا قول ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح روایت میں ان کی تعداد سات بتائی گئی ہے اور آیت کا ظاہر بھی اسی کا قضا کرتا ہے۔ شیعہ جو کہنے ان کے کہنے کا نام حمران بتاتے ہیں لیکن اصحاب کہف کے نام اور ان کے کہنے کے نام کی صحت محل نظر ہے۔ ان میں سے بہت سی چیزیں اہل کتاب سے ماخوذ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا تَسَاءُرَ فِيهَا مِنْهُمْ یعنی آپ ان کے بارے میں کسی سے بحث و تحقیق نہ کریں۔ ہاں اگر سرسری طور پر گفتگو ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ (تعداد) معمولی معاملہ ہے جس کے ساتھ کوئی بڑا فائدہ و اہمیت نہیں اور نہ ہی آپ ان کے متعلق کسی سے دریافت کریں کیونکہ لوگوں کو اس بارے میں ذرہ برابر بھی علم نہیں، وہ تو اپنی خیالی آرائی کرتے ہوئے ظن و تخمینے کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ کوئی صحیح دلیل ان کے پاس نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق سے نوازا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہی قول فیصل اور تمام کتب و

اقوال پر مقدم اور ماکم سے۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ عَدَاوَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۗ وَادْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ
وَقُلْ عَسَى أَنْ يَهْدِيَنَا رَبِّي لِقُرْبٍ مِنْ هَذَا أَمْرًا ۝

”ہرگز نہ کہہ کسی چیز کے متعلق کہ میں اسے کرنے والا ہوں کل۔ مگر (یہ کہ ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے۔ اور یہ ذکر اپنے رب کو جب تو بھول جاسے۔ (یہ بھی) کہو کہ مجھے امید ہے کہ دکھا دے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ۔“
اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو ادب سکھا رہا ہے کہ جب آپ مستقل میں کسی کام کے کرنے کا عزم کر لیں تو ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ کر اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد کر دیں، کیونکہ تو م غیب کا علم صرف اسے ہے، وہ جانتا ہے جو کچھ ہوا، جو کچھ ہوگا اور جو نہیں ہوا اور وہ ہر چیز کی کیفیت کے متعلق بھی علم رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے کہا کہ میں آج کی رات اپنی ستر، دوسری روایت کے مطابق تو سے اور ایک تیسری روایت کے مطابق سو بیویوں کے پاس جاؤں گا، ان میں سے ہر ایک بچے کو جنم دے گی جو راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ ایک فرشتے نے آپ سے کہا کہ ان شاء اللہ کہیے لیکن آپ علیہ السلام نے نہ کہا، چنانچہ آپ باری باری اپنی بیویوں کے پاس گئے اور بجز ایک بیوی کے کسی کے پاس بھی بچہ پیدا نہ ہوا اور جو پیدا ہوا وہ بھی لعنف۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو حادثہ نہ ہوتے بلکہ ان کی خواہش پوری ہو جاتی۔“ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ وہ تمام کے تمام شہسوار بن کر راہ خدا میں جہاد کرتے (۶)۔

سورت کے آغاز میں ہم اس آیت کا شان نزول بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے جب اصحاب کعبہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کل جواب دوں گا اور ان شاء اللہ نہ کہا، اس سبب سے پندرہ دن وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس روایت کو ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا: وَادْكُرْ رَبَّكَ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ جب تم اثنائاً (ان شاء اللہ کہنا) بھول جاؤ تو جس وقت یاد آجائے، کہہ لیا کرو۔ یہ قول ابوالعالیہ اور حسن بصری کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو حلف اٹھائے کہ اسے ان شاء اللہ کہنے کا حق حاصل ہے اگرچہ ایک سال گزر جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَادْكُرْ رَبَّكَ (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی قسم یا اپنے کلام میں ان شاء اللہ کہنا بھول گیا تو جب اسے یاد آئے کہہ لے اگرچہ ایک سال بعد ہی اسے یاد آئے۔ حتیٰ کہ اگر وہ قسم توڑ چکا ہے تو بھی ان شاء اللہ کہہ لے لیکن یہ مطلب نہیں کہ اسے قسم توڑنے کا اختیار حاصل ہو گیا اور کفارہ کو ساقط کرنے کی مجتہدگی مل گئی۔ ابن جریر کا بیان کردہ یہ مفہوم بھی صحیح ہے اور اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو محمول کیا جائے گا۔ عکرمہ ”إِذَا نَسِيتَ“ کا معنی ”إِذَا غَضِبْتَ“ (جب تو غضبناک ہو جائے گا) بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان شاء اللہ بھول جانا ہے۔ یعنی جب تم ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے کہہ لو فرماتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے کسی اور کی وہی ان شاء اللہ معتبر سے جو قسم کے ساتھ متصل ہو۔ اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بات بھول جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کیونکہ نسیان شیطان کی

طرف سے ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَمَا أُنسِيَهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ (الکہف: 63) ”اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ کچھ مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں“۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر شیطان کو بھگا دیتا ہے، جب شیطان بھاگ گئے تو نسیان بھی جاتا رہتا ہے۔ اس لئے اللہ کا ذکر یاد کا ذریعہ ہے، اسی وجہ سے فرمایا: وَادْعُهُمْ بِرَبِّكَ. آگے فرمایا: وَقُلْ عَلَيَّ بِعْنِي جِبْتُمْ كَسِي مَا مَعْلُوم چیز کے متعلق دریافت کرنا چاہیو تو صرف اللہ تعالیٰ سے دریافت کرو، اسی کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو جاؤ اور اس سے رشد و ہدایت کی توفیق مانگو۔ اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں۔

وَيَسْتَوِي كَفَهُمْ ثَلَاثَ مِائَةِ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ۝ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَتَّبِعُونَ لَهُ
عَلِيمُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَأَبْصِرُ بِهِ وَأَسْمِعُ مَا لَهُمْ قِنْدُؤُنِهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا يُعْشِرُونَ فِي
حُكْمِهِ أَحَدًا ۝

”اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کئے انہوں نے (اس پر) نو سال۔ آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھہرے۔ اسی کے لئے (علم) غیب ہے آسمانوں اور زمین کا۔ وہ بڑا دیکھنے والا ہے اور سب باتیں سنتے والا ہے۔ نہیں ان کا اس کے سوا کوئی دوست۔ اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو۔“ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اس مدت میں آگاہ فرما رہا ہے جو اصحاب کہف نے بحالت نیند غار کے اندر گزارے۔ یہ مدت قمری حساب سے تین سو نو سال تھی اور شمسی اعتبار سے تین سو سال کیونکہ شمسی اور قمری سالوں میں تفاوت ہے۔ ہر سو سال پر تین سالوں کا فرق پڑتا ہے، اس لئے تین سو کا ذکر کرنے کے بعد نو کو بیان کیا۔

اب اس چیز کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب آپ سے غار میں ان کے ٹھہرنے کی مدت دریافت کی جائے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگاہ نہ کیا گیا ہو تو آپ آگے بڑھ کر اپنی طرف سے کوئی چیز بیان نہ کریں بلکہ اس قسم کے حالات میں یوں کہیں: اِنَّهُ اَعْلَمُ بِمَا يَتَّبِعُونَ۔ یعنی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس شخص کو جسے اللہ تعالیٰ آگاہ فرمادے۔ اصحاب کہف کی غار میں ٹھہرنے کی مدت کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا ہے وہی موقف مجاہد جیسے اکثر علماء تفسیر کا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ قول وَ يَتَّبِعُونَ كَفَهُمْ اہل کتاب کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: قُلِ اِنَّهُ اَعْلَمُ بِمَا يَتَّبِعُونَ حضرت عبد اللہ کی قرأت ”وَقَالُوا وَيَتَّبِعُونَ“ اس کی تائید کرتی ہے۔ یعنی مذکورہ مدت اہل کتاب کی بیان کردہ ہے (۱)۔ قتادہ کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اہل کتاب کے ہاں شمسی حساب مروج تھا، اس اعتبار سے ان کے ہاں تین سو سال کی مدت بنتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اہل کتاب کا قول نقل کرتا تو صرف ثَلَاثَ مِائَةِ سِنِينَ کا ذکر کرتا اور وَ اَزْدَادُوا تِسْعًا نہ فرماتا۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے نہ کہ اہل کتاب کے قول کی حکایت۔ ابن جریر نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت منقطع ہے بلکہ جمہور کی قرأت کے متعلقے میں شاذ ہے اس لئے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

فرمایا: وَأَبْصِرُ بِهِ وَأَسْمِعُ یعنی وہ بہت دیکھنے والا اور خوب سنتے والا ہے۔ یہ اسلوب مدح میں مبالغہ کا فائدہ دے رہا ہے، یعنی وہ کیا ہی

خوب دیکھنے اور سننے والا ہے اور ہر موجود کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو پوری طرح سن رہا ہے، کوئی چیز اس پر مخفی نہیں (1)۔ تمنا وہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ نہ کوئی اس سے زیادہ دیکھنے والا ہے اور نہ کوئی اس سے زیادہ سننے والا ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ وہ سب کے اعمال دیکھ رہا ہے اور سب کی باتیں سن رہا ہے۔ آخر میں فرمایا: مَا تَرْتُم مِّنْ دُونِهِ - یعنی ہر قسم کی تکلیف اور ہر نوع کا امر اللہ تعالیٰ کیسے ہی مخصوص ہے۔ اس کے حکم کو کوئی نال نہیں سکتا، نہ کوئی اس کا وزیر ہے، نہ مددگار، نہ شریک اور نہ مشیر، وہ ہر قسم کے عیب، کمزوری اور نقص سے بالا، پاک اور مقدس ہے۔

وَ اِثْلَ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۗ اِلَّا مُبَدَّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۗ وَلٰكِنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهِ
 مُنْتَحِدًا ۙ وَاَصْحٰبِ نَفْسِكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدُوِّ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ
 وَلَا تَعْدُ عَيْنٌ عَنْهُمْ ۗ تُرِيْدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَلَا تُصَلِّمْ مَنْ اَعْقَلْنَا قُلُوْبَهُ عَنْ ذِكْرِ نَاوِ
 اتَّبَعْهُ هُوَالَهُ وَا كَانَ اَمْرًا فَرِحًا ۙ

”اور پڑھ سنا کیے (انہیں) جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی کتاب سے۔ کوئی بدلنے والا نہیں اس کے ارشادات کا۔ اور نہیں پائیں گے آپ اس کے سوا کوئی پناہ گاہ۔ اور روک رکھے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام طلب گار ہیں اس کی رضا کے اور نہ نہیں آپ کی نگا ہیں ان سے۔ کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت۔ اور نہ بیرونی کیسے اس (بد نصیب) کی غافل کر، یا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے اور وہ التباغ کرتا ہے اپنی خواہش کا اور اس کا مدد سے گزر کیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی تبلیغ کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشادات جو نہ کوئی بدلنے والا ہے، نہ کوئی نالتے والا ہے اور نہ کوئی ان میں تحریف کرنے والا ہے، جو بد ”منتحد“ کا معنی پناہ گاہ بناتے ہیں، اور تمنا وہ کہتا ہے: یہ ان کا معنی ہے: نہ مددگار اور کارساز، ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنے رب کی کتاب کی تلاوت و تبلیغ ترک کر لی تو پھر آپ کیسے کوئی پناہ گاہ نہیں ہوں جیسا کہ فرمایا: لِيٰلَيْهَا اَنْزَلْنَا سُوْرًا مِّنْ دُوْنِ الَّذِيْنَ اِيْتٰكَ مِنْ شَرٰطِنَا ۗ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ لَمَّ يَسْتَفْتِ رَبُّنَا نَاوِ اَنْ يُّصَلِّمْ مِّنَ النَّاسِ (المائدة: 67) ”اے رسول ﷺ! پانچ دینیجے جو آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اور آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا، اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا،“ اِنْ اِلَّا يَمُنِيْ فَطَرَفَ عَيْنَيْكَ اَنْتَقِرٰنَ لِمَا اَذٰنٌ فِيْ مَعَايِدِ الْقُرْصٰنِ (85) ”یعنی اللہ تعالیٰ آپ سے فریضہ تبلیغ کے متعلق ضرور پوچھے گا۔“

فرمایا: وَاَصْحٰبِ نَفْسِكَ یعنی آپ ان کے ساتھ بیٹھیں جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور اس کی حمد، تسبیح، تہلیل اور تکبیر میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ بندگان خدا سواں بھی اسی سے کرتے ہیں۔ آپ صرف ان کی طرف نظر عایت کریں خواہ یہ فقیر ہوں یا غنی، طاقتور ہوں یا کمزور۔ کہتے ہیں کہ وہ سائے قریش نے نبی کریم ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ صرف ان کے ساتھ بیٹھا کریں اور باہل، عمار، صہیب، حبیب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے فقیر صحابہ کو ان کے ساتھ اپنی مجلس میں نہ آنے دیا کریں، تاکہ الگ مجلس میں ان کی

انفرادی حیثیت قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغُلُوبِ وَأَنْعَمْنَا عَلَىٰ الْإِنْسَانِ (52) اور نہ دور ہناؤ انہیں جو صبح، شام، اپنے رب کو پکارتے ہیں، اور مزید آپ کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان جانثار اور مخلص صحابہ کی مجلس میں ہی بیٹھا کریں، فرمایا: وَأَصْبَحَ لُفْلُسًا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چھ صحابہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، میں، ابن مسعود، ایک ہڈیل کا قحط، بلال اور دو آدمی جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے، اسی اثناء میں شرمین وہاں آگئے، وہ نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے کہ ان بے نواؤں کو دور ہنادو تا کہ یہ ہمارے ساتھ بیٹھنے کی جسارت نہ کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دل میں کوئی بات آئی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اس وقت یہ آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغُلُوبِ (1)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک قصہ گو قصہ گوئی کر رہا تھا، اس دوران رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تو وہ خاموش ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم بیان کرتے رہو، صبح سے لے کر طلوع آفتاب تک اس مجلس میں بیٹھنا مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے“ (2)۔ ایک روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”اس قسم کی مجلس میں بیٹھنا مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے“ (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اللہ کی یاد کرنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ عزیز ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے اور نماز عصر سے غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مجھے اولاد اسماعیل سے آٹھ (گراں قیمت) غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے، جن میں سے ہر ایک کی دیت بارہ ہزار ہونے (4)۔ مجھوی قیمت چھیا نو میں ہزار بنی، بعض لوگ یہاں چار غلام بتاتے ہیں لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آٹھ غلام کہے تھے۔ نبی کریم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو خاموش ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہی ان لوگوں کی مجلس ہے جن کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھنے کا مجھے حکم ہوا ہے“ (5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ حج کی تلاوت کر رہا تھا یا سورہ کہف کی، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہی تو وہ انہی مجلس ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم ملا ہے۔“ جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کی غرض سے جمع ہوں اور اس سے تصویر صرف رضائے الہی کا حصول ہو تو ایک منادی آسمان سے ندا دیتے ہوئے انہیں کہتا ہے کہ اٹھو اس حال میں کہ تمہارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں اور تمہاری برائیاں نیکیوں میں بدل دی گئی ہیں“ (6) ایک روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو اس وقت آپ ﷺ اپنے کسی گھر میں تھے، آپ ﷺ فوراً ان کی تلاش میں نکلے، وہ یاد الہی میں مشغول تھے، کچھ ڈولیدہ سر، خشک کھس، اُملے اور ایک ہی کپڑا پہنے ہوئے تھے۔ جب آپ نے انہیں دیکھا تو ان کی مجلس میں بیٹھ گئے اور فرمایا: ”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کا اس نے مجھے حکم دیا ہے“ (7)۔ پھر فرمایا: وَلَا تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ ان نداد صحابہ سے تجاوز کر کے خوشحال، اور اصحاب شرف لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہو جانا یعنی ان کے بدلے میں آپ دین سے برگشتہ مالدار لوگوں کو طلب نہ کریں، اور نہ ہی اس کی پیروی کرنا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا

3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 374

2۔ مسند احمد جلد 5 صفحہ 261

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللہ، جلد 4 صفحہ 1878

5۔ شفاء الاستار عن زکاء مسر، کتاب التہجد، جلد 3 صفحہ 94-95

4۔ مسند ابی داؤد ص 281

7۔ مسند ابی داؤد، جلد 3 صفحہ 457

6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 142

ہے اور اس کے اعمال حماقت، تغریظ اور ضیاع پر مبنی ہیں، انہاں ایسے شخص کی اطاعت کرنا، نہ اس کے طریقے کو پسند کرنا اور نہ ہی اس کی حالت پر رشک کرنا جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَسْتَدْرِكْ عَيْنِيكَ إِنْ مَا مَشَّاهَا أَرَادُوا جَانِبَهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِيُغْتَنَبَ فِيهَا وَيُرَدُّقَ رَبَابَتَ عَيْدُوْهُ أَبْلَى (ط: 131) ”اور آپ مشاقق نگاہوں سے نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو، یہ محض دنیاوی زندگی کی زینت ہے، (مقصد یہ ہے) تاکہ ہم انہیں ان سے آزما لیں اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔“

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَنْهَرْ إِنْ أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سَرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ كَالشَّرَابِ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۝

”اور فرمائیے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پس جس کا جی چاہے وہ ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کرتا رہے۔ بیشک ہم نے تیار کر رکھی ہے ظالموں کے لئے آگ۔ گھبرایا ہے انہیں اس آگ کی دیوار نے اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریادوں کی جائے گی ایسے پانی کیساتھ جو پیپ کی طرح (غلیظ) ہے (اور اتنا گرم کہ) جھون ڈالتا ہے چہروں کو یہ مشروب بڑا ناگوار ہے۔ اور یہ قرار گاہ بڑی تکلیف دہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ لوگوں کو آگاہ کردیں کہ جو پیغام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں وہ حق ہے، اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں، اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کرتا رہے، ان الفاظ کے ذریعے شہیدِ مدنی اور عذاب کی، عید سنائی جا رہی ہے۔ اس لئے فرمایا: إِنْ أَعْتَدْنَا یعنی ہم نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے والے ظالموں کیلئے اس آگ تیار کر رکھی ہے جس کی چار دیواری میں یہ گھرے ہوں گے۔ سَرَادِقُ کا معنی ہے چار دیواری۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لِيَسْرَأِقَ الَّذِينَ أَرَبَعَةَ جُدُدٍ كَذْفَةُ كُنِّي جَذَارٍ مِثْلُ مَسَلْفَةِ أَرَبَعِينَ سَنَةً“ (1) یعنی جہنم کی چار دیواریں ہیں، ہر دیوار کی موٹی اتنی ہے کہ اسے طے کرنے میں چالیس سال کا عرصہ درکار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی سَرَادِقُ کا معنی دیوار بتایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسند بھی جہنم سے ہے“ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ کیسے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ”مَارًا أَحَاطَ...“ کی تلاوت کی، پھر فرمایا: ”اللہ کی قسم میں اس میں کبھی بھی داخل نہیں ہوں گا، جب تک میں زندہ ہوں اس کا ایک قطرہ تک مجھے نہیں پہنچ سکتا (2)۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ”مہل“ کا معنی بتاتے ہیں: تیل کے نیچے جھے ہوئے تھخت کی طرح کا غلیظ پانی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ خون اور پیپ جیسی چیز۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ چیز ہے جو انتہائی گرم ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر گھلی ہوئی چیز کو ”مہل“ کہا جاتا ہے۔ ثناء وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سوئے گھٹایا، جب اس نے مانع کی شکل اختیار کر لی اور جوش مارنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ”مہل“ کے مشابہ ہے (3)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم کا سیاہ پانی ہے جہنم بھی سیاہ ہے، اور جنہی بھی سیاہ ”مہل“ کی وضاحت میں یہ اقوال ایسے ہیں جو ایک

1۔ ۴ صحت الاحادیث، ابواب دین جہنم، جلد 10 صفحہ 53، مسند حماد، جلد 3 صفحہ 29

دوسرے کی نفی اور تردید نہیں کرتے کیونکہ ”مہل“ کے اندر یہ تمام اوصاف رذیلہ پائے جاتے ہیں، یہ سیاہ، بدبودار، غلیظ اور سخت گرم ہے، اس لئے فرمایا: يَشْوِي الْوَجْوهَ لِعَسَىٰ اِطْنِي شِدَّةَ حِرَارَتِ كَيْ بَاعَثَ يَدَّيْهِمْ لِيُحْمِلُوهُنَّ ذَاتَهُنَّ۔ جب کافر اسے پینے کے ارادے سے اپنے چہرے کے قریب لائے گا تو اس کا چہرہ بری طرح جھلس جائے گا، حتیٰ کہ چہرے کی کھال اس میں آکر بے گی جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ”مَاءٌ كَأَيْ الْمُهْلِ“ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تیش کے تجھٹ جیسا ہے، جب چہنمی اسے اپنے قریب لائے گا تو اس کے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں گر جائے گی (1)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت: وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿١٦﴾ يَتَجَرَّعُهُ ﴿١٧﴾ (ابراہیم: 16) کی تفسیر میں فرمایا کہ اس پیپ کو اس کے قریب لایا جائے گا تو وہ اس سے کراہت محسوس کرے گا، چہرے کے پاس آتے ہی، وہ اسے بھون ڈالے گا اور سر کی کھال نیچے آگرے گی اور جب وہ اسے چے گا، اس کی آنتیں کٹ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِنْ يَسْتَوِيضُوا ۖ.. حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب چہنمیوں کو بھوک لگے گی تو وہ فریاد کریں گے، چنانچہ قوم کے درخت سے ان کی فریادوں کی تردید کر دی جائے گی۔ جب وہ اسے کھائیں گے تو ان کے چہروں کی کھالیں اس طرح اوھڑ جائیں گی کہ انہیں پہچاننے والا ان کی کھالوں کو بھی پہچان لے گا۔ پھر جب انہیں پیاس ستائے گی تو پانی کیلئے فریاد کریں گے، چنانچہ انہیں کھولتے ہوئے انتہائی گرم پانی دیا جائے گا، جب وہ اسے اپنے منہوں کے قریب کریں گے تو اس کی شدید حرارت کے باعث چہروں کے گوشت بھون ڈالے جائیں گے اور چہروں کی کھال پہلے ہی گر چکی ہوگی (2)۔ اس پانی کی تیج اور مذموم صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا: بِئْسَ الشَّرَابُ جِيسَا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَسُقُوا مَاءً حَمِيماً فَتَقَدَّمُ أَعْمَاءَهُمْ ﴿١٥﴾ (محمد: 15) ”اور انہیں کھولتے پانی پلایا جائے گا اور وہ ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا“، تُسْقَىٰ مِنْ عَذْبِ الْآيَةِ ﴿٦٥﴾ (الغاشیہ: 65) ”انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے“، وَنَبِّئْنِ حَبِيبُ بْنُ الرَّحْمَنِ ﴿٤٤﴾ ”اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان“ اور جنہم کے متعلق فرمایا: وَسَاءَتْ صُرُتُكَ أَهْنِي دَوْخٌ بَهْتٌ بَنِي بَرَامُكَ نَهْ، تیج منزل اور بری آرام گاہ ہے جیسا کہ فرمایا: إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا (الفرقان: 66) ”بے شک وہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری جگہ ہے“۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿١٦﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا هَيَّاتٍ سُدُوسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَسْرَائِلِ نِعْمَ الثَّوَابُ ۗ وَسَاءَتْ مَرْتَقًا ﴿١٧﴾

”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (تو ہمارا یہ دستور ہے کہ) ہم ضائع نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ (اور مفید) کام کرتا ہے۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کے لئے بھنگی کے جنت ہیں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں۔ انہیں پہنائے جائیں گے ان جنتوں میں گنگن سونے کے اور پہنیں گے ہزر رنگ کا لباس جو ہر ایک رنگی کپڑے اور موٹے رنگی کپڑے کا بنا ہوا ہوگا کھد لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں مرصع پلٹوں پر کتنا اچھا ہے یہ اجر۔ اور کتنی عمدہ ہے یہ آرام گاہ“۔

بد بخت لوگوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادت مند افراد کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس کے رسولوں اور ان کے لائے

ہوئے پیغام کی تصدیق کی اور ان کے ارشادات کی روشنی میں نیک اعمال کرتے رہے، انہیں پہنچی والی دائمی جنتیں اور انی فرمائی جائیں گی جن کے بالا خانوں اور رہائش گاہوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، فرعون نے کہا تھا: وَطَلِيحًا وَآنَةَ نُحَافَةَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۗ (الزخرف: 51) ”اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہ رہی ہیں“ ان خوش بختوں کو سونے کے ٹنگن پہنائے جائیں گے، ایک اور مقام پر فرمایا: وَتُؤْتُوا أُطْرُقًا مُبِينًا لَكُمْ فِيهَا حَوَارِيرٌ رَاغِبَاتٌ (الحج: 23) ”اور موتیوں کے ہار اور ان کی پوشاک وہاں رہنمی ہوگی“ یہاں اس لباس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَسْمُونَ شَيْبًا بَابًا... ”سُنْدُسٌ“ باریک نرم ریشم کو کہا جاتا ہے اور ”اِسْتَبْرَقٌ“ نرم موٹے ریشم کو کہتے ہیں، اس میں چمک بھی ہوتی ہے۔ ”مُتَكَبِّرِينَ“ اِتِّكَا سے ہے جس کا معنی بقول بعض پہلو کے بل لیٹنا ہے اور بعض نے اس کا معنی بتایا ہے چار زاوہ کو کر بیٹھنا۔ یہی معنی یہاں موزوں معلوم ہوتا ہے، اس معنی میں یہ حدیث بھی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”أَمَا آتَى فَلَا أَكُلُ مُتَكَبِّرًا“ یہاں ”مُتَكَبِّرًا“ کے دونوں معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ”ارائلك“ ”آریكہ“ کی جمع ہے اس سے مراد وہ نشست گاہ اور پلنگ ہے جس پر پردہ ڈال کر دلہن کیلئے آراستہ کیا گیا ہو۔ بعض نے اس کا معنی بیان کیا ہے: جملہ عروسی میں رکھے ہوئے پلنگ۔ ان کے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: نِعْمَ الثَّوَابُ. یعنی جنت ان کے اعمال صالحہ کا کتنا عمدہ اجر ہے اور یہ کس قدر بھی آرام گاہ اور پیارا مقام ہے! اس کے برعکس دوزخیوں کیلئے یہ کہا تھا: يَهَيِّسُ الشَّيْطَانُ بَوَاسِعَاتٍ مُؤْتَفِقَاتٍ سَوْرَهُ فِرْقَانٌ فِيهَا بَأْسٌ لِكُلِّ أَسِيٍّ لِيُطْرَقَ بِهِ الدُّنْيَا مِنَ الشَّيْطَانِ وَهُوَ يُطْرَقُ بِهَا مِنَ الدُّنْيَا (الفرقان: 66) ”بے شک وہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری جگہ ہے“ ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کیلئے فرمایا: أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرَّةَ بِمَا صَبَرُوا وَأُولَئِكَ فِيهَا فَتْنَةٌ وَسُكُونٌ لِيُخْلَبُوا فِيهَا حَسْبُ الْمُتَّقِينَ (الفرقان: 75-76)۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَمْزَعًا ۗ كُنَّا الْجَنَّتَيْنِ مِثْلًا وَلَمْ نَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا ۗ وَفَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا نَهْرًا ۗ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۗ وَ دَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ ۗ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۗ وَ مَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۗ وَلَئِنْ رُدِّدْتُ إِلَى رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۗ

”اور بیان فرمائیے ان کے لئے مثال دو آدمیوں کی ہم نے دیئے تھے ان دونوں میں سے ایک کو دو باغ انگوروں کے اور ہم نے باڑ بنادی ان دونوں کے اور گرد کھجور (کے درختوں) کی اور اگادی ان دونوں کے درمیان کھتی۔ یہ دونوں باغ اپنے اپنے پھل لائے اور نہ کم ہوئی ان سے کوئی چیز۔ اور ہم نے جاری کر دیں ان کے درمیان نہریں۔ اور (باغوں کے علاوہ) بھی اس کے اموال تھے۔ تو (ایک روز) اس نے اپنے ساتھی سے بحث مباحثہ کے دوران کہا کہ میں دولت کے لحاظ سے بھی تم سے زیادہ ہوں اور نفی کے لحاظ سے بھی تم سے طاقتور ہوں۔ اور (ایک دن) وہ اپنے باغ میں گیا درآسمان پر وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ (یہ سرسبز و شاداب) باغ کبھی برباد ہوگا۔ اور میں یہ خیال بھی نہیں کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی۔ اور بغرض حال اگر مجھے لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میں پاؤں گا اس (زہرت گاہ) سے بہتر پلٹنے کی جگہ۔“

قل ان میں ان مشرکین کا ذکر ہوا جو ازراہِ نوحوت و تکبر کفر اور مسکین مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہیں کرتے تھے اور مالدار ہونے کی وجہ سے ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ یہاں دو آدمیوں کی مثال بیان کی جا رہی ہے جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے انگوروں کے دو باغات مرحمت فرمائے، ان کے ارد گرد کھجوروں کے درخت تھے اور درمیان میں کھیتی، تمام درخت اور کھیتیاں نہایت عمدہ اور بھرپور پیداوار دیتیں، اس لئے فرمایا: **يَكْنُكُ الْجَنَّتَيْنِ** یعنی دونوں باغات خوب پھل لاتے اور کسی چیز کی کمی واقع نہ ہوتی، پھر ان باغات کے درمیان ادھر ادھر نہریں بھی جاری کرویں۔ صرف اسی پر ہی بس نہیں بلکہ اسے مزید مال عطا فرمایا۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ ”شمر“ کا معنی مال ہے، بعض نے اس کا معنی پھل کیا ہے۔ کچھ زیادہ ظاہر ہے اور ایک دوسری قرأت (نحو) اس کی تائید کرتی ہے۔ اس صورت میں یہ شمرہ کی جمع ہے جیسے شہیہ کی جمع شہب۔ بعض دیگر حضرات نے اسے فُصْمٌ بھی پڑھا ہے۔ ان فرض ان باغات کے مالک نے ایک دن بحث و مباحثہ کے دوران فخر و غرور کرتے ہوئے اور اپنی سروری کی دھاک بٹھاتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا: **اِنَّكَ كَثْرٌ** یعنی میرے پاس مال و دولت بھی تم سے زیادہ ہے اور نوکر چاکر اور اولاد بھی تم سے زیادہ اور طاقتور۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک فاجر شخص کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو اور طاقتور نفری میسر ہو۔

فرمایا: **وَدَخَلَ**۔ یہ شخص اپنے باغ میں داخل ہوا اور اس حالیکہ وہ کفر، تکبر، جبر اور انکارِ قیامت کے باعث اپنے اوپر ظلم کرنے والا تھا، جب اس نے اپنے باغات کے چاروں طرف پھلوں سے لدے درخت، لہلہاتی سرسبز فصلیں اور جاری نہریں دیکھیں تو تکبر و غرور سے خیال کرنے لگا کہ یہ چیزیں نہ فنا ہو سکتیں ہیں، نہ تلف ہونے والی ہیں اور نہ بربادی ان تک راہ پاسکتی ہے، حالانکہ یہ اس کی کم عقلی، کوتاہ بینی، ضعف اعتقاد، انکارِ آخرت اور نیاوی زبیب و زینت پر فریفتگی تھی جس کے سبب وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا، اس لئے کہنے لگا: **وَمَا أَظُنُّ الْمَسَاحَةَ...** یعنی میرے خیال میں تو قیامت کبھی بھی نہیں آئے گی اور اگر بالفرض قیامت آگئی اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا بھی پڑا تو وہاں میں اس سے بھی زیادہ خوش نصیب ہوں گا اور دنیا سے بڑھ کر وہاں مجھے نواز جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھے خاص مرتبہ اور عزت حاصل ہے اور مجھے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی میں اللہ تعالیٰ کا پیارا ہوں۔ اس چیز کو دیگر آیات میں یوں بیان کیا: **وَلَوْ كُنْ تُمْرُجِحْتَ اِنَّ مَآبِيْ اِنَّ لِيْ عِنْدَ رَبِّيْ مَسْئِلٌ** (فصلت: 50) ”اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا گیا تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس اکرام ہی اکرام ہوگا“، **اَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآلِهَتَانَا وَقَالَ لَا تُخِيبُنَّ مَالًا وَّلَوْلَا (مریم: 77)** ”کیا آپ نے اس کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد“۔ قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ شخص بڑی جسارت کرتا ہے، عاص بن وائل کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اپنے مقام پر انشاء اللہ اس کا بیان ہوگا۔

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّكَ رَجُلًا ۗ لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّيُّ وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّيُّ أَحَدًا ۗ ﴿٥٠﴾ وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۗ إِنَّ تَرِينَ أَنَا أَقَلُّ مِنْكَ مَالًا وَّلَوْلَا ۗ ﴿٥١﴾ فَعَسَى رَبِّيُّ أَنْ يُّؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَيُصْبِحُ صَعِيدًا زَلَقًا ۗ أَوْ يُصْبِحَ مَا وَهَّغُونَ فَأَنْ يُّسْتَبِيحَ لَهُ طَلَبًا ۗ ﴿٥٢﴾

”اس کے ساتھی نے اسے بحث مباحثہ کے دوران کہا کیا تو انکار کرتا ہے اس ذات کا جس نے تجھے پیدا فرمایا مٹی سے پھر نطفہ سے پھر بنا سنوار کر تجھے مرد بنایا۔ لیکن میں، (تو) وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں شریک نہیں ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو اور کیوں ایسا نہ ہو کہ جب تو باغ میں داخل ہوا تو کہتا ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ (وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں) اگر تو نے مجھے دیکھا کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں۔ پس عجب نہیں کہ میرا رب مجھے عطا فرمادے کوئی بہتر چیز تیرے (اس) باغ سے اور اتارے اس باغ پر (کوئی) آسمانی عذاب، تو ہو جائے یہ (سرسبز) باغ ایک پھیلنے والا میدان۔ یا یوں جذب ہو جائے اس کا پانی زمین کی گہرائی میں کہ پھر تو اس کو تلاش کے باوجود نہ پاسکے۔“

کا فرما لہذا کہ اس کے مومن نادار ساتھی نے وعظ و تلقین اور کفر و فرود پر سرزنش کرتے ہوئے کہا اَ كْفَرْتَ . . یعنی یہ بہت ہی ناروا اور ناپسندیدہ بات ہے کہ تم اپنے خالق کا انکار کرو جس نے انسانی تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا، یعنی آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک حقیر سے قطرہ آب کے ذریعے ان کی نسل کا سلسلہ جاری کر دیا، جیسا کہ فرمایا: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَانًا قَدْ حَيَاكُمْ (البقرہ: 28) ”کیونکہ تم اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے، اس نے تمہیں زندگی بخشی“، یعنی تم کیونکر اپنے رب کا انکار کرتے ہو حالانکہ تمہارا وجود اس کی ذات کی نشاندہی کرتا ہے، ہر شخص اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہر مخلوق پہلے معدوم تھی، پھر وجود میں آئی، اس کا وجود میں آنا نہ از خود ہے اور نہ کسی دوسری مخلوق کا کرشمہ، کیونکہ وہ بھی اس کی طرح خالق کی محتاج ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر مخلوق کا موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے، اس لئے مومن نے کافر سے کہا: لَيْسَ اَهُوَ اللّٰهُ رَبِّي . یعنی میں وہ بات کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا جو تم نے کی، بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا صدق دل سے اعتراف کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے کہا: وَتَوَلَّوْا اِذْ دَخَلْتَ . یعنی جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے اور طرح طرح کی نعمتیں دیکھ کر مسرور ہوئے تو تم نے ان انعامات اور مال و اولاد جیسی دیگر نوازشات پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے یہ کیوں نہ کہا: مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہے، کوئی قوت نہیں ہے مگر اس کی توفیق سے“، اس لئے کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ جسے اپنا حال، مال یا اولاد پسند آجائے، اسے یہی مَا شَاءَ اللّٰهُ . کہنا چاہئے۔ یہ اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ ایک حدیث مرفوعہ میں جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”جس بندے پر اللہ تعالیٰ اہل و عیال، مال یا اولاد کی صورت میں انعام فرمائے اور وہ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہ لے تو اس پر بجز موت کے کوئی آفت نہیں آئے گی“ اور آپ اس آیت کی تاویل کرتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں ایک تمہاری رہنمائی نہ کر دوں؟ وہ ہے: لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہنا“ (1)۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: ”کیا میں تمہیں ایک جنتی خزانہ نہ بتا دوں؟“ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ . حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا ”اے ابو ہریرہ! کیا میں تمہیں عرشِ تسلے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان! ضرور بتلائے۔ آپ نے فرمایا: لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا کرو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندے نے اطاعت کی اور سر تسلیم خم

کر دیا؟ (1)، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھنا چاہئے، آپ نے فرمایا کہ صرف یہی نہیں بلکہ وہ جو سورہ کہف میں ہے یعنی مَا شَاءَ اللَّهُ ۔

اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مومن کہنے لگا: قَضَىٰ رَبِّيْ۔ یعنی مجھے امید ہے میرا رب مجھے آخرت میں تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تمہارے باغ پر جس کے متعلق تو خیال کیے بیٹھا ہے کہ یہ کبھی بھی فنا نہیں ہوگا، آسمان سے عذاب نازل کر دے، شدید بارش برسنے لگے جو درختوں اور کھیتوں کو برباد کر کے رکھ دے، پھر وہاں صرف ایسی کھیتی بجز زمین باقی رہ جائے جہاں قدم بھسنے لگیں اور وہ کوئی چیز اگانے کے قابل نہ رہے یا پھر اس کو پانی نیچے بہت زیادہ گہرائی میں چلا جائے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: فَمَنْ أَمَرْتُمْ أَنِ اصْبِرْ مَا لَكُمْ عَذَابًا لَّسْنَا بِنَائِبِيْنَ بِمَا عَصَيْتُمْ (الملك: 30) آپ پوچھئے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہ میں اتر جائے تو تمہیں بیٹھا صاف پانی کون لا دے گا؟

یہاں غور (مصدر) بمعنی غار (اسم فاعل) ہے اور یہاں مصدر کا استعمال زیادہ بیخ ہے۔

وَأُحِيطَ بِشَرِّهِ قَاصِبٍ يُقَلِّبُ كَفِّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنْعَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ
لِيَلَيْتَنِي لَمْ أَشْرِكْ بِرَبِّيْ أَحَدًا ۖ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِتْنَةً يُّضْمَرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ
مُنْتَصِرًا ۗ هَٰذَا الَّذِي نَذَرْنَا لِحَقِّ ۗ هُوَ حَبِيرٌ مُّوَابَا وَحَبِيرٌ عُقْبَا ۖ

”اور اس (کے باغ) کا پھل برباد ہو گیا پس وہ کف افسوس ملنے لگا اس مال کے نقصان پر جو اس نے باغ پر خرچ کیا تھا اور (اب) وہ گر پڑا تھا اپنے پچھروں پر اور (بصد حسرت) کہنے لگا کاش! میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا۔ اور نہ رہی تھی اس کے پاس کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اور نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا۔ یہاں سے ثابت ہو گیا کہ سارا اختیار اللہ سچے کے لئے ہے۔ وہی بہتر ثواب دینے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں بہتر انجام ہے۔“

اس کا تمام مال یا دوسرے قول کے مطابق تمام پھل برباد ہو گیا اور اس کے ساتھ وہی ہوا جس سے مومن نے اسے خریدار کیا تھا، یعنی اس کا وہ باغ عذاب کی نذر ہو گیا جس پر وہ اترتا تھا اور اس نے اسے یاد اُٹھی سے غافل کر دیا تھا، وہ اس باغ پر خرچ کیے ہوئے مال کی بربادی پر کف افسوس ملنے لگا اور بصد حسرت کہنے لگا ہائے کاش! میں نے اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا، اس صورت حال میں اب وہ بے یار و مددگار تھا، خاندان اور اولاد جن پر اسے ناز تھا اور جنہیں وہ اپنی قوت کا سرچشمہ سمجھتا تھا، وہ بھی اس کی مدد نہ کر سکے اور وہ خود بھی انتقام لینے کے قابل نہ رہا، یہاں سے ثابت ہو گیا کہ اختیار صرف اللہ سچے کے ہاتھ میں ہے۔ بعض قراء ”ھنالك“ پر وقف کرتے ہیں اور اسے پہلے جملے کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں یعنی وہ اس مقام پر انتقام نہ لے سکا جہاں عذاب نازل ہوا تھا اور نہ اسے کوئی اس عذاب سے بچا سکا، اس صورت میں الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ نیا جملہ ہوگا، جبکہ بعض قراء ”منتصرا“ پر وقف کرتے ہیں اور ”ھنالك“ سے نئے جملے کا آغاز کرتے ہیں۔ پھر ”ولایة“ کی قرأت میں اختلاف ہے، بعض اس کی واو کو زبردستی ہیں، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہر شخص کو خواہ وہ مومن ہو یا کافر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرنا ہے اور نزول عذاب کے وقت اس کے حضور سر تسلیم خم کرنا ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَئِنَّمَا آذَابْنَا سَاءَ لَوْلَا اِنْتَابُوا لَلَّهِ وَحْدًا كَاوَدُ

كَفَرْنَا بِمَا كَفَرْنَا بِهِ مُشْرِكِينَ (خافر: 84) ”پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جنہیں ہم اس کا شریک ٹھہراتے تھے۔“ اسی طرح فرعون کے متعلق فرمایا: حَتَّىٰ إِذْ آذَرْتَهُ الْعُرْيَانِ قَالَ اصْبَتْ أَنْتُمُ الْإِلَٰهَ إِلَّا إِلَٰهِي اصْبَتْ بِهِ نَبُوٓءُ الْإِنسِ آءِیْلٌ وَآءِیْلٌ مِنَ الْمَسْلُوبِیْنَ ﴿۹۰﴾ اَللّٰهُ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (یونس: 90-91) ”حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تھے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ کیا اب؟ اور تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو تہذیب و فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔“

بعض ولایہ کی داؤ کو زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہاں حکم صرف اللہ سچے کیلئے ہے، بعض نے لفظ ”الحق“ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں ”الولایہ“ کی صفت ہوگا جیسے فرمایا: اَلَّذٰلِكَ یَوْمَیْنِ الْحَقِّ بِالْحَقْلِیْنَ وَكَانَ یَوْمَ مَاعْلِی الْكُفْرِیْنَ عَیْنِیْ (الفرقان: 26) ”اس دن سچی بادشاہی رحمن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لئے بہت مشکل ہوگا“، جبکہ بعض نے لفظ جلالہ کی صفت بناتے ہوئے اسے مجرور پڑھا ہے جیسے یہ فرمان ہے: ثُمَّ نُرْذِقُ الْاِیُّوْمَ لِهِمْ النِّعَی (الانعام: 62) ”پھر لوٹا دیئے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے“ اس لئے فرمایا: مُوَحِّدٌ... یعنی جو اعمال خالص اس کیلئے کیے جائیں ان کا ثواب بہت بہتر اور ان کا انجام قابل تعریف ہوتا ہے۔

وَاصْرَبْ لَهُمْ مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٌ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ
فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَدْرُوۡهُ اِلَّا لِبَیۡحٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۹۱﴾ اَلْمَالُ وَ النَّبُوۡنُ
زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْيَا تَاۤءِیۡتُ بِالْحَقِیۡقِیۡتِ الصَّٰلِحٰتِ حٰمِیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابٌ وَّحٰیۡرٌ ۗ اَمَلًا ﴿۹۲﴾

”بیان فرمائیے ان سے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال یہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گنجان ہو کر اگتی ہے اس پانی سے زمین کی انگوریں پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک ہو سیدہ گھاس ہو جاتی ہے اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور فرزند (تو صرف) دنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں اور (درحقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں جن سے امید وابستہ کی جاتی ہے۔“

دنیاوی زندگی کی بے ثباتی، زوال، فنا اور بربادی کی مثال بیان کی جا رہی ہے، یہ آسمان سے اترنے والے پانی کی طرح ہے جو بیخ کے ساتھ مل کر خوب گھسی فصل اگاتا ہے، سرسبز کھیت اہلہانے لگتے ہیں اور خوبصورت کلیاں اور کوئٹیس اپنی بہار دکھانے لگتی ہیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ نباتات خشک اور بوسیدہ ہو کر چور چور ہو جاتی ہیں، جنہیں ہوائیں اوھر اوھر اڑائے پھرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حالت پر بھی اور اس حالت پر بھی پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ عموماً دنیاوی زندگی کی یہی مثال بیان فرماتا ہے جیسا کہ سورہ یونس میں فرمایا: اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٌ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ وَمَا یَاكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ (یونس: 24) ”دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا، سو پانی کے باعث زمین کی سرسبزگی گھسی ہو کر اگی جس سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی“، سورہ زمر میں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلٰتُكُمۡ یَاۤاِبْرٰهٖمَ فِی الْاَرْضِ لَھُمۡ یُخْرِجُ بِهٖ زُرْعًا مُّخْتَلِیۡفًا

الْوَالِدُ (الزمر: 21) ”کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اسے زمین کے چشموں سے جاری کیا، پھر اس کے ذریعے جدا جدا رنگوں والی فصلیں اگاتا ہے“، سورۃ حدید میں ارشاد ہوتا ہے: **إِعْلَمُوا أَنَّمَا آخِيبُوا النَّبِيَ لِعِيبِ وَكَيْفَ وَرَيْبُهُمْ أَن تَقَابَلُوا فِي يَوْمِ يُخَالَفُ فِي الْأَسْوَاقِ وَالْأَسْوَاقِ وَالْأَسْوَاقِ كَمْ كُنْتُمْ فِي غَيْبٍ عَنَّا عَجَبَ الْكُفَّارِ بِآيَاتِنَا (الحديد: 20)** ”خوب جان لو دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا، آرائش، آئیں میں اترا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال و اولاد حاصل کرنا ہے، اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور کسانوں کو اس کی کھیتی نہال کر دے“۔

حدیث صحیح میں آتا ہے: **”الَّذِنْيَا حُلْوَةٌ حَضْرَةٌ“** (1) یعنی دنیا سبز اور شیریں ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد **أَنْتَ وَالْأَنْبِيَاءُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَرَبُّنَا الْعَلِيِّ وَالنَّبِيِّاتِ مِنَ النَّبِيِّاتِ وَالنَّبِيِّاتِ مِنَ النَّبِيِّاتِ وَالنَّبِيِّاتِ مِنَ النَّبِيِّاتِ** (آل عمران: 14) ”آرستہ کی گئی لوگوں کیسے خواہشات کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے اور چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے“ **أَمْوَالِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ فَتَنَةٌ وَاللَّهُ عَسَىٰ أَن يَجْزِيَ الْعَظِيمَ** (التغابن: 15) ”بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے“۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کی عبادت میں مشغول ہو چنا اموال و اولاد میں بالکل کھو جانے سے بہتر ہے، اسی لئے فرمایا: **وَالْبَيْهَاتُ الضَّالِحَاتُ**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر اور متعدد علماء سلف کہتے ہیں کہ الباقیات الصالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) سے مراد نماز، حج، زکوٰۃ ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے: **”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“**۔ اسی طرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے باقیات صالحات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں: **”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“**۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حادث بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں مؤذن آپ کے پاس آ گیا تو آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اس طرح وضو کیا پھر فرمایا: ”جس نے میرے اس وضو جیسا وضو کیا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور نماز پڑھا اور اس کے فجر اور ظہر کے درمیان کے گناہ معاف ہو گئے، پھر عصر کی نماز پڑھی تو ظہر سے لے کر عصر تک کے گناہ بخش دیئے گئے، پھر نماز مغرب اور اس کے عصر اور مغرب کے درمیان کے گناہ معاف ہو گئے، پھر عشاء کی نماز پڑھی تو عشاء اور مغرب کے درمیان کے گناہ بخش دیئے گئے، پھر رات کو دو سو پارہا، پھر اگر اس نے اٹھ کر وضو کر کے نماز فجر ادا کر لی تو عشاء سے لے کر فجر تک کے گناہ معاف ہو گئے اور یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں“۔ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ تو حسنت (نیکیاں) ہیں اور الباقیات الصالحات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں **”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“** (2)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ باقیات صالحات یہ ہیں: **”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“**۔ ہمارے کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیب نے مجھ سے پوچھا کہ الباقیات الصالحات کیا ہیں؟ میں نے کہا: نماز اور روزہ، آپ نے فرمایا کہ تم نے درست جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: زکوٰۃ اور حج۔ آپ نے فرمایا:

1۔ اخرجہ الترمذی وابن ماجہ فی کتاب السنن، عارضۃ الاقوی، جلد 9، صفحہ 41، ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1325

2۔ مستدرک، جلد 1، صفحہ 71

یہ بھی نہیں، بلکہ وہ یہ پانچ کلمات ہیں: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ"۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ باقیات صالحات یہ ہیں: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ"۔ عطاء بن ابل رباح کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد اس سے مراد یہ لیتے ہیں، "سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ"۔ حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ"۔ یہ باقیات صالحات ہیں ابن جریر کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ"۔ یہ باقیات صالحات ہیں (1)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "باقیات صالحات بکثرت کیا کرو" عرض کی گئی، یا رسول اللہ! یہ کیا ہیں؟ فرمایا: "ملت"، عرض کی گئی، یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: "تکبیر" جمیل، شیخ، الحمد للہ اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ (2)۔

سالم بن عبد اللہ کے مولیٰ عبد اللہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ مجھے سالم نے محمد بن کعب قرظی کے پاس کسی کام کیلئے بھیجا تو انہوں نے کہا کہ سالم سے کہنا کہ دو فلاں قبر کے قریب کونے میں میرے ساتھ ملاقات کریں، مجھے ان سے ایک ضروری کام ہے۔ چنانچہ دونوں کی ملاقات ہوئی، سلام دعا کے بعد سالم نے پوچھا کہ آپ باقیات صالحات سے کیا مراد لیتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ"۔ سالم نے ان سے کہا کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ آپ نے کب سے اس میں شامل کر لیا؟ انہوں نے کہا کہ میں تو ہمیشہ سے اسے اس میں شامل کرتا چلا آ رہا ہوں۔ دو تین بار یہی سوال و جواب ہوا لیکن سالم نہ مانے۔ آخر کار محمد بن کعب نے پوچھا کہ کیا آپ کو اس کلمے سے انکار ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، مجھے انکار ہے کیونکہ حضرت ابو ایوب انصاری نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "مجھے آسمان پر لے جایا گیا، میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، انہوں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد (ﷺ) چنانچہ انہوں نے مجھے ہلکا و سہلا اور مرحبا کہا، پھر فرمایا: "اپنی امت کو حکم دینا کہ وہ جنت میں بکثرت درخت لگائے، اس کی ٹٹی بڑی زرخیز اور زمین بہت فراخ ہے۔ میں نے پوچھا کہ جنتی درخت کیسے لگائیں؟ انہوں نے جواب دیا: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ" (3) پڑھیں۔ ایک انصاری بیان کرتے ہیں کہ نماز عشاء کے بعد ہم مسجد میں تھے، اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر اسے نیچے کر لیا۔ ہمیں خیال گذر کہ شاید آسمان میں کوئی نئی چیز وقوع پذیر ہوئی ہے، کچھ دیر کے بعد آپ نے فرمایا "میرے بعد ایسے حکام ہوں گے جو جھوٹ بولیں گے اور ظلم کریں گے، جس شخص نے ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور ان کے ظلم میں ان کا معاون بنا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور جس شخص نے ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کی اور نہ ہی ظلم میں ان کی معاونت کی، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، سنو! "سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ"۔ یہی باقیات صالحات ہیں (4) ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں "واہ واہ، پانچ چیزیں میزان میں کس قدر روزنی ہیں: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ اور صالح فرزند جس کی وفات پر اس کا والد صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر طلب کرے۔ واہ واہ! پانچ چیزیں ایسی ہیں جن پر یقین رکھنے کی

1- تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 255

2- مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75

3- تفسیر جریر، جلد 15، صفحہ 255، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 418

4- مسند احمد، جلد 4، صفحہ 267-268

حالت میں اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے، وہ چلتی ہے، اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، جنت، دوزخ، موت کے بعد دوبارہ اٹھنے اور حساب پر ایمان رکھے (1)۔

حضرت حسان بن عطیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوس سفر پر تھے دوران سفر ایک جگہ قیام کیا اور اپنے غلام سے کہا کہ چھری لاؤ، تھوڑی دیر اس کے ساتھ کھیل لیں، مجھے یہ بات پسند نہ آئی، میری ناگواری کو جانتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، بجز آج کی اس بات کے میں نے کوئی نازیبا بات نہیں کی، سوا اس بات کو جانے دو اور بالکل فراموش کر دو، اس کی بجائے وہ حدیث ذہن نشیں کر لو جو میں تمہیں بتانے والا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جب لوگ سونا اور چاندی جمع کرنے میں لگ جائیں تو تم ان کلمات کا خزانہ کر لو! اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْقَبَاتَ فِي الْأَمْرِ وَالْعَرِيضَةَ عَمَى الرَّشِيءِ، وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ حَسْنَ عِبَادَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيمًا، وَأَسْأَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا، وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا نَعَلَمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا نَعَلَمَ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا نَعَلَمَ إِنَّكَ عَلَامُ الْغُيُوبِ“ (2) یعنی اسے اللہ! میں تجھ سے ہر معاملہ میں ثابت قدمی اور ہدایت پر کاربند رہنے کی توفیق کا سوال کرتا ہوں، میں تجھ سے استعا کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنی نعمتوں کے شکر کی طاقت مرحمت فرما، میری تجھ سے درخواست ہے کہ تو مجھے عمدہ طریقے سے اپنی عبادت کرنے کی قوت ارزانی فرما، میں تجھ سے سلامتی والداد اور سچی زبان مانگتا ہوں، میں ہر اس بھلائی کا طلب گار ہوں جو تو جانتا ہے اور ہر اس شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں جو تیرے علم میں ہے اور میں ہر اس برائی سے تیری مغفرت طلب کرتا ہوں جسے تو جانتا ہے، بے شک تو ہی غیبوں کو جاننے والا ہے۔ حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں طائف کے لوگوں میں سے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں علی الصبح طائف سے نکلا اور عصر کے وقت منیٰ میں پہنچ گیا، پہاڑ پر چڑھا اور اتر آیا۔ پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے مجھے قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اور ”إِذَا دُرِيَ لَيْتٌ“ دو سو مرتبیں سکھائیں اور ان کلمات کی تلقین کی: ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“، فرمایا: یہی باقیات صالحات ہیں (3) اسی سند سے مروی ہے: ”جو شخص رات کو اٹھے، وضو کرے اور کھڑے ہو کر کہے، پھر سورتہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ بجز خون (قتل) کے، کیونکہ یہ معاف نہیں ہوتا، علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ باقیات صالحات سے مراد ہے: اللہ کا ذکر اور یہ پڑھنا ”إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَقَبَارِكُ لِلَّهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ وَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَي رَسُولِ اللَّهِ“ روزہ، نماز، حج، صدق، غلام آزاد کرنا، جہاں صلہ رحمی اور سب نیکیاں باقیات صالحات ہیں جن کا اجر اہل جنت کو اس وقت تک ملتا رہے گا جب تک زمین و آسمان قائم ہیں، عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد پاکیزہ کلام ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد تمام اعمال صالحہ ہیں۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے (4)۔

وَيَوْمَ نُسِفُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزًا ۗ وَحَسْرَتُهُمْ فَلَمْ يُعَاذُوا مِنْهُمْ أَحَدًا ۗ وَ
عُرْضُوا عَلَى رَبِّكَ صَفًّا ۗ لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا حَقَّقْنَاهُمْ ۗ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۗ بَلْ زَعَمْتُمْ أَنَّنِي جَعَلْ

2۔ منہ احمد، جلد 4 صفحہ 123، 125، سنن نسائی، کتاب السنن، جلد 3 صفحہ 54

4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 256

1۔ مستدرج، جلد 4 صفحہ 237

3۔ المعجم الکبیر، جلد 6 صفحہ 51-52

لَكُمْ مَوْعِدًا ۝ وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ
يُؤَيِّنُنَا مَا لِي هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا
عَمِلُوا حَاضِرًا ۝ وَلَا يَظْلِمُ بَلَدًا أَحَدًا ۝

”اور (غور کرو) جس روز ہم ہٹاویں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور تم دیکھو گے زمین کو کہ کھلا میدان ہے اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو۔ اور وہ پیش کئے جائیں گے آپ کے رب کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے۔ (پھر ہم انہیں کہیں گے کہ) آج تم آگئے ہو ہمارے پاس جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی بار۔ ہاں تم تو یہ خیال کئے ہوئے تھے کہ ہم نہیں مقرر کریں گے تمہارے لئے وعدہ کا وقت۔ اور کھڑا یا جائے گا (ان کے سامنے) نامہ عمل پس تو دیکھے گا مجرموں کو کہ وہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو اس میں ہے اور کہیں گے صد حقیق اس نوشتہ کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں چھوڑ اس نے کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ کسی بڑے گناہ کو مگر اس نے اس کا شمار کر لیا ہے۔ اور (اس دن) وہ پالیں گے جو عمل انہوں نے کئے تھے اچھے سامنے۔ اور آپ کا رب تو (اپنے حبیب!) کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔“

قیامت کی ہولناکیوں اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے بڑے بڑے امور اور حوادث کی خبر دی جا رہی ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: **يَوْمَ يُنْفَخُ السَّمَاءُ كَمَا يَنْفَخُ الْبُحْبُورُ ۝ وَتَجْعَلُ الْجِبَالُ كَصُدُوفٍ ۝** (الطور: 10-9) ”جس روز آسمان بڑی طرح تھر تھرا رہا ہوگا اور پہاڑ تیزی سے چٹنے لگیں گے۔“ **وَتَجْعَلُ الْجِبَالُ كَصُدُوفٍ ۝ وَتَجْعَلُ الْجِبَالُ كَصُدُوفٍ ۝ وَتَجْعَلُ الْجِبَالُ كَصُدُوفٍ ۝** (الزلزلہ: 88) ”اور تو پہاڑوں کو دیکھے گا تو عثمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے،“ **وَتَجْعَلُ الْجِبَالُ كَصُدُوفٍ ۝ وَتَجْعَلُ الْجِبَالُ كَصُدُوفٍ ۝** (القارعة: 5) ”اور پہاڑ دھنی ہوئی اولن کی مانند ہوں گے،“ **وَتَجْعَلُ الْجِبَالُ كَصُدُوفٍ ۝ وَتَجْعَلُ الْجِبَالُ كَصُدُوفٍ ۝** (طہ: 107-105) ”اور وہ آپ سے پہاڑوں کے اتجام کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھڑ کر پھینک دے گا پھر انہیں کھلا ہوا میدان بنا چھوڑے گا، اس میں نہ تجھے کوئی موڑ نظر آئے گا اور نہ کوئی ٹیلہ، یعنی پہاڑ اڑ جائیں گے اور زمین صاف چمیل میدان کی شکل اختیار کرے گی، جس میں نہ کوئی اونچ نیچ باقی رہے گی اور نہ کوئی وادی اور پہاڑ، اس لئے فرمایا: **وَتَجْعَلُ الْجِبَالُ كَصُدُوفٍ ۝ وَتَجْعَلُ الْجِبَالُ كَصُدُوفٍ ۝** یعنی زمین بالکل صاف اور ظاہر ہوگی جس میں نہ کسی کیلئے کوئی نشانی ہوگی اور نہ ایسی جگہ جہاں وہ چھپ سکے بلکہ تمام مخلوق اپنے رب کے روبرو ہوگی اور ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہو سکے گا۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ زمین میں نہ کوئی پتھر رہے گا اور نہ کوئی پناہ گاہ، قتادہ مزید کہتے ہیں کہ نہ کوئی عمارت باقی رہے گی اور نہ کوئی درخت۔“

فرمایا: **وَوَحَّشَهُنَّ** یعنی ہم اگلے پچھلے تمام لوگوں کو اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑیں گے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: **عَلَىٰ أَعْقَابِهِمُ النَّارُ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهِمْ وَبَنَاتِهِمْ لَا مُعَادَةَ لَهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤَلَّفُونَ لِمَلِكٍ لَّهُ يَوْمَئِذٍ أَعْيُنٌ عَابِدُونَ ۝** (الواقعة: 50-49) ”آپ فرمادیجئے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں جمع کیا جائے گا،“ **ذَٰلِكَ يَوْمَ تَمُوتُ أُمَّمُوسَىٰ وَآلِهَا ۝ وَذَٰلِكَ يَوْمَ تَكُونُ الْأَنْفُسُ كَالْأَشْيَارِ ۝** (ہود: 103) ”یہ وہ دن ہے جس دن سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔“ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی کے متعلق ارشاد ہوا: **وَعَرَّضُوا عَلَيْكُمْ رَبِّكُمْ صَلَاحًا لِّمَنِ هُمُ الْبَاقُونَ وَأَمَنَ اللَّهُ بِمَنْ يَشَاءُ ۝** اللہ تعالیٰ نے جو چاہے انہیں محفوظ رکھا ہے کہ تمام مخلوقات ایک ہی صف باندھے اللہ

تعالیٰ کے سامنے کھڑی ہوں گی جیسا کہ فرمایا: **يَوْمَ يَقُومُ الرُّؤْمُ وَ الْمَلَائِكَةُ صَفًّا اَلَا مَنْ اٰذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَاَقَالَ صَوَابًا (النبا: 38)** ”جس روز روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا، جو اس کے جس کو رحمن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے۔“ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ تمام کے تمام کئی صفیں باندھے کھڑے ہوں گے جیسا کہ فرمایا: **وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلٰٓئِكُ صَفًّا (الفرج: 22)** ”اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف در صف حاضر ہوں گے۔“ منکرین قیامت کو سرعام سرزنش اور ذمہ ڈھٹ کرتے ہوئے فرمایا جائے گا: **لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا.....** اس لئے انہیں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوگا: **بَلَىٰ وَعَدَّٰكُمْ... یعنی تم تو اس بات کے قائل ہی نہ تھے کہ قیامت کا وقوع حتمی ہے۔** پھر ہر ایک کے سامنے اس کا نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا جس میں ہر چھوٹا بڑا عمل درج ہوگا، بحر میں اپنے اپنے نامہ اعمال میں اپنے بڑے اعمال اور قبیح افعال دیکھ کر خوفزدہ ہو جائیں گے اور کہیں گے **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّمَا تُحٰسِنُ وَاِنَّمَا تُحٰسِرُ اِنَّمَا تُحٰسِنُ وَاِنَّمَا تُحٰسِرُ** ہائے افسوس، صد حیف! ہم نے اپنی عمریں فضولیات میں برباد کر دیں، یہ کیسا نوشتہ ہے جس نے نہ کسی چھوٹے گناہ کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑے گناہ کو گمراہے شتار کر کے محفوظ کر رکھا ہے۔ حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر عازم سفر ہوئے تو ہم نے ایک بخر میدان میں پڑاؤ کیا، جہاں کوئی چیز نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو کوئی شاخ ملے وہ اسے لے آئے، جسے کوئی لکڑی یا کوئی اور چیز ملے وہ بھی لے آئے“ تھوڑی ہی دیر میں وہاں ڈھیر لگ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس طرح تم نے یہ ڈھیر لگایا ہے، اسی طرح ایک آدمی کے گناہ جمع کر کے اس پر ڈھیر کر دیئے جائیں گے۔ آدمی کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ہر گناہ شمار کیا جاتا ہے“ (1) فرمایا: **وَوَجَدُوْا... یعنی ہر اچھا برا عمل اپنے سامنے پائیں گے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا... (آل عمران: 30)** ”جس دن ہر نفس موجود پائے گا جو نیکی اس نے کی تھی اپنے سامنے اور جو اس نے برائی کی تھی۔“ **يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ يَوْمَ مِيْنًا قَدْ مَرَّ اَخْرَجَ (القيامة: 13)** ”انسان کو اس روز آگاہ کرو یا جائے گا جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) چھپے چھوڑ آیا۔“ **يَوْمَ تُبٰٓئِبُ السُّوْاۤءِ (الطارق: 9)** ”اس دن کو یاد کرو جب راز فاش کر دیئے جائیں گے۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”روز قیامت ہر بد عہدی کرنے والے کیلئے ایک جھنڈا ہوگا جس سے اس کی پہچان ہوگی“ (2) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”قیامت کے دن ہر بد عہد کیلئے اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا اس کی بد عہدی کی مقدار بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی بد عہدی ہے۔“ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَلَا يَعْصِيْهِ اِيَّاكَ اَحَدٌ** یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان ان کے اعمال کا فیصلہ کرتے وقت کسی پر زیادتی نہیں کرتا بلکہ وہ معاف بھی فرما دیتا ہے، درگزر بھی کرتا ہے، معفرت اور رحم بھی فرماتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی قدر، حکمت اور عدل کی رو سے جسے چاہے عذاب بھی دیتا ہے، وہ جہنم کو کفار اور گنہگاروں سے بھر دے گا۔ گنہگار مسلمان آخر کار جہنم سے رہائی پائیں گے، لیکن کفار اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ہی ایسا حاکم ہے جو نہ ظلم کرتا ہے اور نہ زیادتی، فرمایا: **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَاٰتَكَ حَسَنَةٌ فَيَضَعُهَا (النساء: 40)** ”بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اگر معمولی سی بھی نیکی ہو تو وہ اسے دو گنا کر دیتا ہے۔“ **وَتَضُمُّ السُّوْاۤءِ فَيُؤْوِيْهِمُ الْاَلِيْمُ فَاَلَا تَتْلُوْنَ اَنْفُسَ سَيِّئًا..... حَسِبْتُمْ اَلَا اِنْبِيَاۡءُ (47)** ”اور ہم قیامت کے دن صحیح تو لنے والے ترازو رکھ دیں گے جس کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی (کوئی عمل) ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک حدیث کے متعلق پتہ چلا کہ اسے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، چنانچہ میں نے ایک اونٹ خریدا، کجاوا کسا اور رخت سفر باندھ کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ ایک ماہ کے سفر کے بعد میں شام پہنچا، تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ شخص تو عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے دربان سے کہا کہ عبد اللہ کو جا کر بتائیں جابر دروازے پر کھڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا: جابر بن عبد اللہ؟ میں نے کہا: ہاں۔ یہ سنتے ہی وہ جلدی کے باعث اپنی چادر روندتے ہوئے باہر نکلے اور مجھ سے لپٹ گئے، معانفہ کے بعد میں نے انہیں کہا کہ قصاص کے متعلق ایک حدیث ہے جس کی بابت مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے وہ نبی کریم ﷺ سے سنی ہے، مجھے اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں اسے سننے سے پہلے ہی نہ مر جاؤں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”روز قیامت اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو اس حال میں جمع کرے گا کہ وہ برہنہ بدن، بے تختہ اور بے سرو سامان ہوں گے، پھر انہیں ایسی آواز کے ساتھ ندا دے گا جو دور سے بھی ایسے ہی سنائی دے گی جیسے قریب سے، فرمائے گا کہ میں حقیقی بادشاہ ہوں، میں ہی پورا پورا بدلہ دینے والا ہوں، کوئی جنمی اس وقت تک جہنم میں نہیں جائے گا جب تک میں اسے اس کا وہ حق نہ دلا دوں جو کسی جنتی کے ذمہ ہے اور نہ کوئی جنتی اس وقت تک جنت میں داخل ہو سکے گا جب تک میں اسے اس کا وہ حق نہ دلا دوں جو کسی دوزخی کے ذمہ ہے، اگرچہ وہ حق ایک تھپڑ ہی ہو، ہم نے عرض کی کہ یہ کیسے ہوگا، حالانکہ ہم برہنہ پا، برہنہ بدن، بے تختہ اور بے سرو سامان ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: نیکیوں اور برائیوں کے ذریعے“ (1)۔ (حقوق کی ادائیگی ہوگی)، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن بے سیگ بکری سیگ والی بکری سے بدلہ لے گی“ (2)۔ اس کے اور بھی متعدد شواہد ہیں جنہیں ہم نے ان ارشادات ”وَقَسَمُ الْمَوَالِيْنَ الْفَسَطَ... (الانبیاء: 47)۔ اِنَّ اَصَمَّ اُمَّمًا لَكُمْ مَعَاظِرُ ظَنَانِي الْكَلْبِ مِنْ هَيْبِي... (الانعام: 38) کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّا اِبْلِیْسَ ط كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ط اَفْتَحْجُوْۤا وَنْهٖ وَ ذُرِّیَّتَهٗ اَوْ لِبٰیۡۤءٍ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ط یٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا لَا تَتَّبِعُوْۤا اٰیۡۤاتِ الْفٰسِقِیْنَ ۝۱۰۰

”اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ قوم جن سے تمہا سوائے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی۔ (اسے اولاد آدم!) کیا تم جانتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ نبی آدم کو ابلیس کی انسان پر متنب فرما رہا ہے، یہ نہ صرف اولاد آدم کے ساتھ عداوت رکھتا ہے بلکہ اسے ابوالبشر آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی شدید عداوت تھی اور ان لوگوں کو سزائیں کی جارہی ہے جو ابلیس کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اس خالق و مالک خدا کی مخالفت پر اتر آتے ہیں جس نے انہیں وجود بخشا، اپنے لطف و کرم سے نوازا اور ہر مرحلہ پر ان کیلئے رزق اور غذا کا بندوبست کیا، اس کے باوجود بھی یہ ابلیس کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو دشمن۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِذْ قُلْنَا... اس کی وضاحت سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے، فرشتوں کو آدم کیلئے جس سجدہ کرنے کا حکم ہوا وہ سجدہ تعظیمی تھا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف، تعظیم اور تکریم مقصود تھی، جیسا کہ

فرمایا: وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ يَا سُبْحَانَكَ إِنِّي خَلَقْتُكُمْ مِنْ صَلَافِ لَيْلِ لَيْلٍ مَسْمُومٍ ۝ قَالُوا سَوَاءٌ نَحْنُ وَنُفُسُهُمْ فِيهِمْ وَإِنْ كُنَّا لَمَجْمُومِينَ (العنقر: 28-29) اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں بشر پیدا کرنے والا ہوں کھلکھنیاتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کچھڑھی تو جب میں اسے درست فرما دوں اور اس میں اپنی طرف سے خاص روح پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر جاتا۔ تمام فرشتے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے لیکن ابلیس نے حکم عدولی کی۔ اس کا تعلق قوم جن سے تھا، چونکہ اس کی اصلیت ناری تھی، اس لئے اس کی یہ اصل (جس میں تندر اور سرکشی پائی جاتی ہے) اسے دھوکہ دے گئی۔ اس کے برعکس فرشتوں کی اصل نوری ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا، ابلیس کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا اور آدم کو اس سے پیدا کیا گیا جس کا بیان تمہارے سامنے کر دیا گیا ہے، اور ضرورت کے وقت ہر برتن سے وہی کچھ نپکتا ہے جو اس کے اندر موجود ہوتا ہے، ضرورت کے وقت ابلیس کی سرشت اسے دھوکہ دے گئی، چونکہ وہ فرشتوں کے سے اعمال کرتا تھا، انہی کی مشابہت اختیار کیے ہوئے تھا اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا، اس لئے اس خطاب میں وہ بھی داخل ہو گیا اور مخالفت کے سبب نافرمان ٹھہرا“ (1)۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات پر آگاہ فرمایا کہ ابلیس قوم جن میں سے تھا یعنی اس کی تخلیق آگ سے ہوئی جیسا کہ اس نے کہا تھا: أَنَا خَبِيرٌ مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَنِي مِنْ طِينٍ (ص: 76) ”میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا“۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ چشم زدن کی دیر بھی ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا۔ یہ جنات کی اصل ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام انسان کی اصل ہیں (2)۔ سخاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جنہیں جن کہا جاتا تھا، ان کی تخلیق تیز آگ سے ہوئی تھی۔ ابلیس کا نام حارث تھا، یہ جنت کا ایک داروغہ تھا۔ اس قبیلہ کے علاوہ باقی تمام فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی، اور جن جنات کا ذکر قرآن کریم میں ہوا، انہیں آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سے پیدا کیا گیا، سخاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ ابلیس جلجل اللہ ملائکہ اور معزز قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، وہ جنوں کا داروغہ تھا، آسمان دنیا کا بھی اسے اقتدار حاصل تھا اور زمین کا بھی۔ اس وجہ سے اس کے دل میں یہ خیال پختہ ہو گیا کہ اسے تمام اہل آسمان پر شرف اور فضیلت حاصل ہے، چنانچہ اس خیال کے سبب اس کے دل میں تکبر پیدا ہو گیا جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو تھا۔ اس تکبر کو ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، سو اس کا تکبر ظاہر ہو گیا، جیسا کہ فرمان ہے: وَاسْتَكْبَرُ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (البقرة: 34) ”اور اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ جن تھا یعنی جنت کا خازن تھا، اس میں نسبت کا معنی ہے جیسے کہا جاتا ہے: کئی، مدنی، بصری اور کوفی، سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ جنت کا خازن تھا اور آسمان دنیا کا انتظام اس کے ہاتھ میں تھا (3)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ وہ آسمان دنیا کے فرشتوں کا رئیس تھا۔ طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ابلیس حکم عدولی سے پہلے ملائکہ میں سے تھا، اس کا نام عزرا زیل تھا اور اس کی رہائش زمین پر تھی، یہ فرشتوں میں سب سے زیادہ عبادت میں کوشاں اور سب سے زیادہ علم والا تھا، یہی چیز اس کے تکبر کا سبب بنی، اس کا تعلق جن نامی قبیلے سے تھا جو دراصل فرشتوں کا ہی ایک قبیلہ تھا، یہ زمین، آسمان کے درمیان امور کا منتظم تھا، لیکن نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گیا، اسے مسخ کر کے شیطان مردود بنا دیا اور اسے ملعون ٹھہرایا، جو عذاب تکبر کے باعث

سرزد ہوتا ہے اس سے تو بہ کی امید نہیں کی جاسکتی لیکن اگر کوئی اور گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے تو بہ کی امید کرنا ممکن ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اہلسنت کے اندر کام کاج کرنے والوں میں سے تھا (۱)، اس بارے میں سلف سے اور بھی آثار مروی ہیں جن میں سے اکثریت کا تعلق اسرائیلیات سے ہے جنہیں نظر سے گزارنے کیلئے نقل کیا جاتا ہے، ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ بعض اسرائیلی روایات چونکہ ہمارے پاس موجود حق کی مخالفت کرتی ہیں اس لیے یہ قطعی طور پر جھوٹی ہیں، قرآن کریم کی موجودگی میں ہمیں ایسی روایات کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کی پیشی اور تغیر و تبدل سے پاک ہیں بلکہ ان میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بعد میں وضع کر لی گئیں اور پھر اہل کتاب کے ہاں کوئی ایسے اعلیٰ پایہ کے حافظ بھی نہیں تھے جو ان روایات میں چھانٹی کرتے اور جھوٹی روایات کو الگ کر دیتے جیسا کہ اس امت میں ایسے آئمہ، علماء، متقی، پاک طینت اور سربرآوردہ حفاظ و نقاد پیدا ہوئے جنہوں نے حدیث کو مدون کیا، کتابی شکل میں تحریر کیا اور صحیح، حسن، ضعیف، منکر، موضوع، متروک اور مکذوب ہر ایک کو الگ الگ کر کے بیان کر دیا، علاوہ ازیں حدیث گھڑنے والوں، جھوٹ بولنے والوں، مجہول راویوں اور دیگر اصناف کے لوگوں کی پہچان کرائی، اس تمام تک دو سے منقوص حضور سید البشر خاتم النبیین ﷺ کے مقام کا تحفظ اور حدیث کی خدمت تھی تاکہ کوئی جھوٹی حدیث آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ کی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی رضا سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے!

شیطان کے متعلق فرمایا: **فَسَقَّ عَنِ أَقْصَىٰ رَبِّهِ يُلْقِيهِ فِي الْيَمِّ عَنِ الْفَلَاحِ** اور جب چوہا اپنے بل سے باہر آجائے تو کہتے ہیں: **”فَسَقَّتِ الْفَلَاحَةَ“** پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے اطاعت گزاروں اور اس کی اتباع کرنے والوں کو زجر و توبیح کرتے ہوئے فرماتا ہے: **”أَفَتَتَّخِذُونََّهُ...“** یعنی کیا تم میرے بدلے میں شیطان اور اس کی ذریت کو اپنا مددگار بنا تے ہو، اس لئے فرمایا: **”يُنْفِئُكَ مِنَ الْغَلِيظِينَ بَنَاتًا“** یہ سورہ یٰسین کی اس آیت کی طرح ہے جہاں قیامت کی ہولناکیوں اور سعادت مندوں اور بد بختوں کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: **”وَأَمَّا زَكَاةً أَوْ بَيِّنَةً أَلَيْسَ الْبَصِيرُ“** اَفَلَمْ تَتَذَكَّرُوا اَتَعْبُدُونَ اِلٰهَيْنِ (یسین: 62-59) ”اے مجرمو! آج (میرے دوستوں سے) الگ ہو جاؤ، کیا میں نے تمہیں تاکید حکم نہیں دیا تھا کہ اے اولاد آدم! شیطان کی عبادت نہ کرنا، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا، یہ سیدھا راستہ ہے، (بایں حمد) شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔“

مَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُمْ مُشْجِدًا
الْمُضِلِّينَ عَصَدًا ۝۱۰

”میں نے ان سے مدد نہیں لی تھی جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور نہ (اس وقت ان سے مدد لی) جب خود انہیں پیدا کیا اور میں نہیں بنایا کرتا گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست دہاڑو۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے چھوڑ کر جنہیں تم نے اپنا مددگار بنا رکھا ہے، وہ تمہاری مثل غلام ہیں، وہ کسی چیز کے مالک نہیں۔ زمین و آسمان کی تخلیق میں میں نے انہیں شامل نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو اس وقت موجود ہی نہ تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہی تمام اشیاء کو پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی سب کی تدبیر کرنے والا ہوں اور صرف میں ہی ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہوں، نہ میرے ساتھ کوئی میرا شریک

ہے، نہ وزیر، نہ مشیر اور نہ مشیل جیسا کہ فرمایا: قُلْ اِدْعُوا الَّذِيْنَ رَزَعْنٰهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَسْبِقُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ صَلَاتِهِمْ فِيْهِمْ سَاعِيْنَ شِيْزٍ وَصَلَاتُهُمْ مِنْ طَهْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهٗ اِلَّا لِمَنْ اِذِنَ لَهٗ (سبا: 22-23) ” فرمائیے (اے مشرک) تم پکارو کھو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو، یہ تو زور و برابر کے بھی مالک نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین و آسمان میں کچھ حصہ ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی مددگار ہے اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو۔ اس لئے فرمایا: وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذًا لِلْمُشْرِكِيْنَ عُضْدًا مَّا كُنْتُ بِهٖمْ اَعْمٰی ۝ ہرگز نہیں، وہ باز و اور مددگار۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ رَزَعْتُمْ قَدًا عَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا لِيَوْمِهِمْ

مَوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْا اَنَّهَا لَمْ يَكُنْ لَهَا سَبِيْلًا ۝

” اور اس روز اللہ تعالیٰ (کفار کو) فرمائے گا بلاؤ میرے شریکوں کو جنہیں تم (میرا شریک) خیال کرتے تھے تو وہ انہیں پکاریں گے پس وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم حائل کر دیں گے ان کے درمیان ایک آڑ۔ اور دیکھیں گے مجرم (جنہم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ۔“

قیامت کے دن مشرکین کو سرعام سرزنش اور زبردستی کرتے ہوئے کہا جائے گا: نَادُوْا شُرَكَآءَیْكُمْ..... یعنی آج تم ان شرکاء کو بلاؤ جنہیں تم دنیا میں پکارا کرتے تھے تاکہ وہ تمہیں آج کی اس سنگین صورتحال سے بچالیں جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ جِئْتُمُوْا اِلٰہِیْكُمْ مَا خَلَقْتُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَذُكِّرْتُمْ فَاخُوْا نَلْمُوْا عَلَیْہُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَنَادٰوْا اِلٰہَیْكُمْ مَعَكُمْ شَفَعَاۗءُکُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ رَزَعْتُمْ اَنْہُمْ یَنْبَغُوْنَ لَہُمْ شُرَکَآءُ ۝ لَقَدْ شَفَعْنَا بِیْسُکُمْ وَصَلَّیْنَا عَلَیْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الانعام: 94) ” اور بے شک تم آگے ہو ہمارے پاس اکیلے اکیلے جیسے ہم نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا اور ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں ہمارے شریک ہیں۔ بے شک تمہارے سارے رشتے ٹوٹ گئے اور کھو گئے تم سے جو تم دعویٰ کیا کرتے تھے۔“

وہ شرکاء کو بلائیں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے جیسا کہ اس مقام پر فرمایا: وَقَبِيْلًا اِدْعُوا شُرَكَآءَکُمْ فَاذْعَبُوْا ۝ فَلَمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَہُمْ (التقصص: 64) ” اور کہا جائے گا پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب نہیں دیں گے۔“ وَهٰنَ اَصْحٰبُ وِعٰثِنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اِلٰہٍ يَسْتَجِیْبُ لَہٗ (الاحقاف: 5) ” اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارتا ہے جو اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا،“ وَاصْحٰبُ وَاوٰیْمِنَ دُوْنِ اللّٰهِ اِلٰہَہٗ یَتَّبِعُوْنَ اَنھُمْ یَعْرِضُوْنَ ۝ كَلَّاۗ سَیَلْمُکُمْ ذٰنَ بَعَادَتِہُمْ وَیَلْمُوْنَ عَلَیْہُمْ ضَلٰلًا (مریم: 81-82) ” اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں، وہ جو نے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے۔“ حضرت ابن عباس آیت کریمہ میں لفظ ”موبق“ کا معنی بتاتے ہیں، ہلاکت، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسی گہری وادی ہے جس کے ذریعے اہل ہدایت اور اہل ضلالت کی تفریق کر دی جائے گی۔ قنارہ کہتے ہیں کہ یہ جنہم کی ایک وادی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ جنہم میں ایک وادی ہے جس میں پیپ اور خون بہ رہا ہوگا (1)۔ حضرت حسن بصری نے اس کا معنی عداوت بتایا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا معنی ہلاکت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جنہم میں ایک وادی ہو یا کچھ اور، بہر صورت اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ روز قیامت یہ مشرکین اپنے ان معبودوں

تک نہیں پہنچ سکیں گے جنہیں وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے، ان کے اور ان کے معبودان باطلہ کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور ایک آڑ حائل ہوگی جس کے باعث ان تک رسائی ناممکن ہوگی، بلکہ ان دونوں کے درمیان ہلاکت اور ہولناکی حائل ہوگی۔ اگر ”بینہم“ کی ضمیر کا مراد مومنین اور کفار بنائے جائیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کے ذریعے اہل ہدایت اور اہل ضلالت کے درمیان امتیاز کر دیا جائے گا تو اس کا مفہوم ان ارشادات کی طرح ہوگا: **وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبَدِّلُنَا مَنَاقِبَهُمْ** (انروم: 14) ”اور جس روز قیامت برپا ہوگی اس روز وہ جدا جدا ہو جائیں گے“، **يَوْمَ يُبَدِّلُ يَصَدُّونَ** (الروم: 43) ”اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے“، **وَإِنَّمَا دَاوُدَ وَالْيَسَّاقُومَةُ الْيَهُودِيَّةُ** (اليسين: 59) ”اے مجرمو! آج (میرے دوستوں سے) الگ ہو جاؤ“۔ **وَيَوْمَ نَخَسِفُهُمْ جَبَبِيْعًا لَهُمْ تَقُولُ يٰلَيِّنُ أَمْ كُنَّا آسَافًا لَّكُمْ وَ شُرَكَاءَ لَكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاءُ لَهُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَارُ كَلْبٍ بَالِئٍ شَيْطَانًا يَبْتَلُوا وَ بَيْنَهُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ غَافِلِينَ ۗ هُنَالِكَ تَبْلُغُنَّ أَنْفُسُ مَا أَسْلَفَتْ وَرُؤُوسًا إِلَى اللَّهِ مَوْجِلُهُمُ الْحَقِّي وَصَلَّ عَلَيْهِمْ مَا كَانَ يَدْعُوهُمْ** (یونس: 28-30) ”اور جس دن ہم ان سب کو (میدان محشر میں) جمع کریں گے پھر ہم مشرکوں کو حکم دیں گے اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ تم اور تمہارے جھوٹے معبود، پھر ہم ان کے باہمی تعلقات منقطع کر دیں گے۔ اور تم ہو جائے گا ان سے جو وہ افتراء باندھا کرتے تھے“، فرمایا: **وَمَنْ أَلْفَيْتُمْ أَفْئِدَةً** یعنی مجرم جب دوزخ کو دیکھیں گے کہ اسے ستر ہزار لگاموں کے ساتھ لایا جا رہا ہے اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہیں تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب وہ یقیناً اس میں جھوٹے جانے والے ہیں، اس طرح دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہ شدید غم و اندوہ اور رنج و دالم کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ عذاب کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس کی توقع اور خوف ہمہ وقت کا عذاب ہے اور اس عذاب سے چھٹکارے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کافر چار سو سال کی مسافت سے جہنم کو دیکھے گا تو خیال کرے گا کہ بس اب وہ اسے اپنی لپیٹ میں لینے ہی والا ہے“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کافر کو پچاس ہزار سال کی مقدار سیدھا کھڑا کیا جائے گا جیسا کہ اس نے دنیا میں عمل نہ کیا اور کافر چالیس سال کی مسافت سے جہنم کو دیکھ کر محسوس کرے گا کہ وہ اب اس میں جھونکا جانے والا ہے“ (1)۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۗ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْئًا جَدَلًا ۗ

”اور بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے طرح طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں اور تمام امور کی تفصیلات سمیت وضاحت کر دی ہے تاکہ لوگ حق سے بھٹک کر راہ ہدایت سے منحرف نہ ہو جائیں لیکن اس بیان اور فرقان کے باوجود انسان بہت جھگڑالو ہے۔ یہ باطل کی آڑ میں حق کی مخالفت کرتا ہے لیکن وہ لوگ اس حکم سے مستغنی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت ارزانی فرمائے اور راہ نجات اپنانے کی بصیرت سے نوازے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت قاطر رضی اللہ عنہما کے گھر تشریف لائے، دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا: ”کیا تم (دونوں) نماز نہیں پڑھو گے؟“ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے

عرض کی: یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے، اٹھا دیتا ہے، جب میں نے یہ جواب دیا تو آپ ﷺ بغیر کچھ فرمائے واپس لوٹ گئے، پھر میں نے سنا کہ آپ واپس جاتے ہوئے یہ آیت و کلمات اُن کے کتبوشن و جدلاً پڑھ رہے ہیں (1)۔

وَمَا مَسَّكُمُ النَّاسُ أَنْ يُلَاقُوا إِدْجَاءَهُمْ أَلْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ
الْأُولَىٰ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۖ ﴿٣٠﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَ
مُنذِرِينَ ۗ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَ
مَا أَنْزَلْنَا مِنْ آيَاتِنَا

”اور کس چیز نے روکا ہے لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئیں جب آگئی ان کے پاس ہدایت (کی روشنی) اور مغفرت طلب کریں اپنے رب سے مگر یہ (کہ وہ منتظر ہیں) کہ آئے ان کے پاس انگوں کا دستور یا آئے ان کے پاس طرح طرح کا عذاب۔ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر مژدہ سنانے والے اور ڈرانے والے اور جھگڑتے ہیں کافر سے سروپا دیلیوں کی آزلے کرتا کہ وہ منادیں اس سے حق کو اور بنائیا ہے انہوں نے میری آیتوں کو اور جن سے وہ ڈرائے گئے ایک مذاق“۔

قدیم اور جدید زمانے کے کفار کی سرکشی کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ روشن نشانیوں اور واضح دلائل کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود بھی ظاہر حق کو جھٹلاتے ہیں اور اجماع حق سے انہیں صرف یہی بات روکے ہوئے ہے کہ وہ عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے نبی سے مطالبہ کیا تھا۔ فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (الشعراء: 187) ”لو اب ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم راست بازوں میں سے ہو“۔ دوسروں نے کہا تھا، اِسْتَأْذِنُكَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (العنکبوت: 29) ”اے ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو، قریش نے کہا تھا: اَللَّهُمَّ إِن كَانَتْ هَذِهِ الْحَقُّ مِن عَذَابِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِّنَ السَّمَاءِ وَأَنْتَ بِمَا تَعْمَلُ الْبَاطِلِ إِنَّكَ لَكَلَّامٌ مِّنَ الصَّادِقِينَ ۗ (الحجر: 7-6) ”اور وہ کہنے لگے اے وہ شخص جس پر قرآن انمارا گیا ہے بے شک تو جھوٹا ہے۔ تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچا ہے“۔

علاوین ازیں اور بھی متعدد آیات ہیں جو اس مفہوم پر دلالت کرتی ہیں، پھر فرمایا: اِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ ۔ یعنی ہدایت آجانے کے باوجود ایمان لانے اور استغفار کرنے سے انہیں صرف یہی چیز روکے ہوئے ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ پہلے لوگوں کی طرح انہیں بھی عذاب اپنی لپیٹ میں لے لے یا وہ عذاب کو اپنے سامنے بالکل عیاں دیکھ لیں، اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ یعنی نزول عذاب سے پہلے ہم رسول بھیجتے ہیں جو ایمان لانے والوں کو مژدہ سنانے ہیں اور تکذیب کرنے والے مخالفین کو ڈراتے ہیں، پھر کفار کے متعلق بتایا کہ وہ بے سروپا دلائل اور باطل کے ذریعے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ وہ رسولوں کے لائے ہوئے حق کو کمزور کر دیں لیکن ان کی یہ خواہش نا تمام ہی رہے گی اور یہ ایسے ناانجبار ہیں جنہوں نے دلائل و براہین، معجزات اور اس عذاب کا تسخیر ازا نا شروع کر دیا جس سے

انبیاء و رسل نے انہیں خبردار کیا تھا۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَبِيٌّ مَّقَدِّمَتْ آيَاتُهُ إِذَا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝۱۰ وَرَبُّكَ الْعَفْوَءُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ الْعَجَل لَنَهَمُ الْعَذَابَ ۖ بَلْ لَكُمْ مَوْعِدٌ لَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ مِنْ دُونِهِ مَوْعِدًا ۝۱۱ وَتِلْكَ الْقُرْآنُ الَّتِي آهَدَكُمُوهَا لَمَّا ظَلَمْتُمْ وَأَوْجَعْنَا لِيَهْدِيكُمْ مَوْعِدًا ۝۱۲

”اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے صیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پس اس نے روگردانی کرنی ان سے اور فراموش کر دیا اس نے ان (اعمال بد) کو جو آگے بھیجے تھے اس کے دونوں ہاتھوں نے ہم نے ڈال دیے ان کے دلوں پر پردے تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرائی پیدا کر دی اور اگر تم بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف تو جب بھی وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ اور آپ کا پروردگار تو بہت بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے۔ اگر وہ پکڑ لیا کرتا انہیں ان کے کئے پر تو جلد ان پر عذاب بھیجتا (وہ ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کو سزا دینے کا ایک وقت مقرر ہے۔ نہیں پائیں گے اس وقت، اس کے بغیر کوئی پناہ کی جگہ۔ اور یہ بستیاں ہیں ہم نے تیار کر دیا ان کے ہاشندوں کو جب وہ ستم شعار بن گئے اور ہم نے مقرر کر دی تھی ان کی ہلاکت کے لئے ایک میعاد“۔

اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم اور ستم شعار ہو سکتا ہے جسے آیات الہی کے ساتھ صیحت کی گئی لیکن اس نے انہیں نظر انداز کر کے روگردانی کی، نہ انہیں توجہ سے سنا اور نہ دل میں انہیں جگہ دی اور اپنے کیے ہوئے تمام اعمال سیہ اور افعال قبیحہ کو فراموش کر دیا، ایسے بد بخت لوگوں کے دلوں پر ہم پردے ڈال دیتے ہیں تاکہ یہ قرآن کریم کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرائی پیدا کر دیتے ہیں تاکہ یہ درس ہدایت سن ہی نہ سکیں اور اگر آپ انہیں ہدایت کی دعوت دیں تو یہ ہرگز ہدایت قبول نہیں کریں گے، اس کے بعد فرمایا: وَرَبُّكَ الْعَفْوَءُ۔ اس طرح کے اور بھی ارشادات ہیں: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا كَسَبُوا مَا أَتَاكَ عَلَى طَهْرٍ ۚ هَٰلِكِينَ ذَٰلِكَ ۖ (فاطر: 45) اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث فوراً پکڑ لیا کرتا تو زمین کی پشت پر کسی جاندار کو (زندہ) نہ چھوڑتا۔“ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَعْفُونٍ ۖ لِيَأْسَىٰ عَلَىٰ ظُنُوبِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ (الرعد: 6) ”اور آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود بہت بخشنے والا بھی ہے اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا بھی ہے“ اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ حلیم، ستار اور غفار ہے، بعض کو وہ گمراہی سے نکال کر ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے لیکن جو شخص گمراہی پر یقین رہتا ہے، اس کی پکڑ کیلئے ایک ایسا دن مقرر ہے جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حمل گر پڑیں گے، اس لئے فرمایا: بَلْ لَكُمْ مَوْعِدٌ..... یعنی ان کیلئے وعدہ کا ایک ایسا دن مقرر ہے جس سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ یہ ہیں گزشتہ دور کی بستیاں جن کے ہاشندوں کو ہم نے ان کے ظلم، کفر اور عناد کے باعث ہلاک کر دیا اور ان کی ہلاکت کیلئے ایک وقت معین کر دیا، اس طرح اے مشرک! تم نے بھی ان لوگوں کی روش اختیار کر رکھی ہے، خبردار ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان جیسا عذاب تمہیں بھی اپنی پیٹ میں لے لے۔ تم نے تو سب سے اشرف رسول اور جلیل القدر نبی کو جھٹلایا اور تم سابقہ امتوں سے کوئی زیادہ نہیں

عزیز بھی نہیں اس لئے میرے عذاب سے ڈرو۔

وَ إِذْ قَالَ مُوسَى لِقِسِيِّ رَبِّكَ أَتَبْرَأُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نَبَسَا حَتَّىٰ تَمَازَا فَتَخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِقِسِيِّ رَبِّكَ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَلِّمَهُ الْعُتُوقُ وَمَا أُتَسِّنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكَرَ كَأَنَّهُ وَتَخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَانزَلْنَا عَلَىٰ انبَاءِهِمَا قَصَصًا ۚ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتِيَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنُهُ مِمَّا لَدُنَّا عِلْمًا ۝

” اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں یا (چلتے چلتے) گز اردوں کا مدت دراز۔ پھر جب وہ دونوں پہنچے جہاں آپس میں دو دریا ملتے ہیں، دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بتایا اس نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ کی طرح۔ پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے تو آپ نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا بے شک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت۔ اس ساتھی نے کہا (اے کلیم!) آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (سستانے کے لئے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔ اور اس نے بنالیا تھا اپنا راستہ دریا میں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا یہی تو وہ ہے جس کی ہم جستجو کر رہے تھے۔ پس وہ دونوں لوٹنے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔ تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا گیا کہ دو دریاؤں کے سنگم پر اللہ کا ایک ایسا بندہ ہے جس کے پاس وہ علم ہے جو ان کے پاس بھی نہیں، اس لئے آپ نے اللہ کے اس بندے سے ملاقات کا عزم کر لیا اور اپنے نوجوان ساتھی یوشع بن نون سے فرمانے لگے: ”یوشع! ہمیں یعنی میں لگا تار چلتا رہوں گا یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ جاؤں جہاں دو دریا ملتے ہیں۔ قنادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ان دو دریاؤں میں سے ایک مشرقی جانب بحیرہ فارس ہے اور دوسرا مغربی جانب بحیرہ روم ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ دو دریاؤں کا سنگم طبرہ ہے جو بلاد مغرب کا دور دراز علاقہ ہے، ہب کا معنی ہے طویل عرصہ۔ قیس کی لغت میں ہب ایک سال کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اسی برس ہیں، مجاہد کہتے ہیں: ستر سال، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ثناء اور ابن زید اس کا معنی زمانہ بتاتے ہیں۔ یعنی مدت دراز۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ساتھ نمک لگی ہوئی مچھلی رکھ لیں، جہاں وہ مچھلی گرم ہو جائے وہی میرے بندے کی قیام گاہ ہوگی، چنانچہ دونوں سفر کرتے کرتے دو دریاؤں کے سنگم تک پہنچ گئے۔ یہاں ”عین الحیاة“ نامی ایک چشمہ تھا، دونوں حضرات یہاں آکر سو گئے، جونہی اس چشمہ کے پانی کے چھینٹے مچھلی پر پڑے، وہ حرکت کرنے لگی اور اس کو شہدان سے جو یوشع علیہ السلام کے پاس تھا، سمندر میں گودھنی، اسی دوران حضرت یوشع علیہ السلام بیدار ہو گئے اور انہوں نے مچھلی کو پانی میں کودتے ہوئے دیکھا جو طاق کی

طرح سرنگ اور سوراخ بنائے پانی میں جاری تھی، اس لئے فرمایا: **فَاتَّخَذَتْ سَيْبَهُ لِي الْبَيْحِ سَبِيًّا**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانی پر اس کا نشان یوں ثبت ہو گیا گویا وہ پتھر ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مچھلی دریا کے جس پانی کو چھوٹی وہ خشک ہو کر پتھر کی شکل اختیار کر لیتا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب سے لوگ پیدا ہوئے ہیں، پانی پھٹ کر نہیں جما، سوائے اس مچھلی کے کہ پانی میں یہ جہاں جہاں سے گزری وہاں کا پانی پھٹ کر جم گیا اور روشندان کی طرح گزرگار بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس لوٹے تو انہوں نے اسے دیکھا اور فرمایا: **ذُلُّكَ عَا كِنًا نَبِيَّ قَدَاہِ** بھی یہی فرماتے ہیں کہ مچھلی نے دریا میں جھلانگ لگا دی جہاں سے اس کا گزر ہوتا، وہاں کا پانی جامد ہو جاتا۔ آیت کریمہ میں نسیان کی نسبت دونوں حضرات کی طرف کی گئی ہے حالانکہ نسیان کا صدور صرف حضرت یوشع علیہ السلام سے ہوا تھا۔ یہاں یہی ہے جیسا کہ فرمایا: **يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ** (الرحمن: 22) ”نکلے ہیں ان سے موتی اور مرجان“۔ حالانکہ دونوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ لؤلؤ اور مرجان، کھاری اور نمکین پانی سے نکلتے ہیں۔ بہر صورت جب دونوں حضرات اس جگہ سے کچھ آگے بڑھ گئے جہاں انہیں مچھلی فراموش ہو گئی تھی اور ایک مرحلہ (تقریباً بارہ میل) مزید سفر کر لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لوجوان ساتھی سے کہا کہ صبح کا کھانا لانا، اس سفر سے تو ہمیں بڑی تھکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس پر آپ کے ساتھی نے کہا: **يَا سَعْدُ اِذَا قَوَيْتَا اِلَى الصَّخْرَةِ**۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ”اِنَّ اَذْكُرْكُمَا“ ہے (1)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ اس جگہ کی تو ہمیں تلاش تھی۔ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس پلٹے۔ جب وہاں پہنچے تو ان کی ملاقات اللہ کے خاص بندے سے ہو گئی جسکی خاطر وہ سفر پر نکلے تھے، فرمایا: **فَوَجَدَا عَبْدًا**..... یہ بندے حضرت خضر علیہ السلام ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کوف بکالی کا یہ خیال ہے کہ یہ بنی اسرائیل والے موسیٰ انہیں تھے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ دشمن خدا نے جھوٹ بولا ہے۔ ہمیں ابی بن کعب نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے، آپ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: میں۔ چونکہ آپ نے اس بات کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹایا، اس لئے اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ دعویٰ پسند نہ آیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ دو دریاؤں کے سنگم میں میرا ایک ایسا بندہ ہے جو تم سے بھی بڑا عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ امیری اس تک رسائی کیسے ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی لے کر توشہ دان میں رکھ لو، جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہی (میرے اس بندے کی) قیام گاہ ہے“ سو انہوں نے مچھلی توشہ دان میں رکھی اور اپنے لوجوان خادم یوشع بن نون علیہ السلام کو ساتھ لے کر چل پڑے، یہاں تک کہ ایک چٹان پر پہنچے، کچھ دیر سنانے کیلئے اس پر سر رکھے اور سو گئے۔ مچھلی نے توشہ دان میں حرکت کی اور اس سے نکل کر دریا میں کود گئی۔ پانی میں جھلانگ لگانے کے باعث سرنگ کی طرح رستہ بن گیا، اللہ تعالیٰ نے پانی کے بہاؤ کو روک دیا اور طاق کی طرح اس کی گزرگاہ کا سوراخ جوں کا توں باقی رہا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو حضرت یوشع علیہ السلام آپ کو مچھلی کا ماجرا سنانا بھول گئے۔ پھر سفر شروع ہو گیا اور وہ باقی ماندہ دن اور پوری رات چلتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لوجوان ساتھی سے فرمایا: **اِنَّتُمْ عَنَّا عَا.....** حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تھکاوٹ محسوس ہوئی جب انہوں نے وہ مقام عبور کر کے

آگے سفر جاری رکھا جہاں ٹھہرنے اور اپنے بندہ خاص سے ملاقات کرنے کا حکم دیا تھا، جواب میں آپ کے ساتھی نے کہا: اِنَّهُ يَتَّيْتُ اِذَا اُوْتِيَ بِهَا۔ مچھلی کیلئے سرنگ بن گئی اور حضرات موسیٰ علیہ السلام و یوشع علیہ السلام کیلئے یہ حیرت و استعجاب کا باعث بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ یہی تو ہماری منزل مراد تھی، چنانچہ اپنے نقوش پا پر چلتے ہوئے واپس پلٹے۔ اس چٹان پر پہنچے تو وہاں ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ آپ نے سلام دیا۔ وہ حضرت علیہ السلام تھے۔ کہنے لگے کہ آپ کی سرزمین میں یہ سلام کہاں؟ آپ نے بتایا کہ میں موسیٰ ہوں، انہوں نے پوچھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل؟ آپ نے ہاں میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ مجھے ان حقائق و معارف سے روشناس کرائیں جو آپ کو سکھائے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علم سکھایا ہے جس سے آپ واقف نہیں اور جو علم آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے میں واقف نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام آپ سے کہنے لگے کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو کسی چیز کے متعلق مجھ سے مت پوچھئے، یہاں تک کہ میں خود ہی اس کے متعلق آپ کو آگاہ کر دوں گا۔ اس گفتگو کے بعد دونوں مساعل کے ساتھ ساتھ چل دیئے۔ اسی اثنا میں ایک کشتی گزری، کشتی والوں سے بات چیت ہونے لگی کہ وہ انہیں بھی سوار کر لیں، کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا، اس لئے بغیر کرایہ کے انہیں سوار کر لیا، کشتی میں سوار ہو کر کچھ دور چلے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے گلہ بازے کے ساتھ کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں کہنے لگے کہ ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرایے کے کشتی پر سوار کیا لیکن آپ نے اس میں شکاف کر دیا تاکہ یہ سب لوگ غرق ہو جائیں۔ یہ آپ نے بہت برا کام کیا ہے۔ حضرت علیہ السلام کہنے لگے کہ میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ آپ میری معیت پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اس بھول پر میری گرفت نہ کرنا اور میرے اس معاملہ میں نہ ہی مجھے زیادہ مشکل میں ڈالنا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”موسیٰ علیہ السلام سے پہلی غلطی نسیان کے باعث تھی“ اسی دوران ایک چڑیا کشتی کے ایک کنارے پر آ بیٹھی، اس نے دریا میں ایک دو چوچھیں ماریں اور پانی لے کر اڑ گئی۔ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں میرا اور آپ کا علم اس قدر ہے جس قدر چڑیا نے دریا کے پانی میں کمی کی ہے۔ پھر دونوں کشتی سے باہر نکل آئے اور ساحل پر چلنے لگے، اچانک حضرت خضر علیہ السلام کو ایک لڑکا نظر آیا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کے سر کو پکڑا اور گردن مروڑ کر ہلاک کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں کہنے لگے کہ آپ نے ناحق ایک معصوم جان کو قتل کر دیا، یہ تو آپ نے بہت نازیبا کام کیا ہے۔ حضرت علیہ السلام کہنے لگے کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ میری سنگت پر صبر نہیں کر پائیں گے، آپ نے تو پہلے سے بھی زیادہ بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ اب آپ معذور ہیں۔ یہ طے کرنے کے بعد دونوں پھر عازم سفر ہوئے یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے، وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ان کی صیافت سے انکار کر دیا۔ وہاں حضرت خضر علیہ السلام نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی، انہوں نے اسے اپنے ہاتھ کے ساتھ سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر یارائے ضبط نہ رہا، فرمانے لگے کہ اس گاؤں والے ایسے بے مردت ہیں کہ نہ انہوں نے ہمیں کھانا کھلایا اور نہ مہمان نوازی کی۔ اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر کچھ مزدوری لے لیتے۔ اس پر خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اب میرے اور آپ کے درمیان فراق کا وقت آ گیا۔ میں آپ کو ان تمام چیزوں

کے حقائق پر آگاہ کروں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکیے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”کاش موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مزید باتیں بیان فرماتا“ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ”وکان وراہم ملک“ والی آیت میں ”ورائہم“ کی بجائے ”امامہم“ پڑھتے اور ”أَمَّا الْعَلَمُ“ - والی آیت یوں پڑھتے ”وَأَمَّا الْعَلَمُ فَكَانَ مَكَانًا وَتَكَانَ أَبُوهُ مُوَاهَبِينَ“ (1)۔ بخاری شریف میں اور سند سے بھی یہ روایت مروی ہے، اس میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نکلے، ان کے ساتھ نوجوان خادم یوشع بن نون تھے، دونوں کے پاس ایک مچھلی تھی۔ جب چٹان پر پہنچے تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سر رکھا اور سو گئے۔ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا نام ”الحیات“ تھا، جس چیز کو اس کا پانی مس کرتا، وہ چیز زندہ ہو جاتی، جب مچھلی پر اس چشمہ کا پانی پڑا تو وہ حرکت کرنے لگی اور توشدان سے کھسک کر دریا میں کود گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے نوجوان ساتھی سے صحیح کا کھانا لانے کیلئے کہا۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آئی تھی، اس نے اپنی چونچ پانی میں ڈوبی اور اڑ گئی، یہ دیکھ کر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا، آپ کا اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اسقدر ہے جس قدر اس چڑیا نے پانی میں اپنی چونچ ڈبو کر پانی لیا ہے (2)۔

حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ان کے گھر میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی سوال کرنا چاہتا ہے تو کرے۔ میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان جاؤں! کوفہ میں ایک قصہ گو شخص ہے جس کا نام نوف ہے، اس کا خیال ہے کہ جس موسیٰ کا ذکر ہوا ہے وہ موسیٰ بنی اسرائیل نہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ دشمن خدا جھوٹا ہے۔ مجھے ابی بن کعب نے ایک حدیث سنائی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام نے ایک روز لوگوں کو (وقت انگیز) وعظ کیا، یہاں تک کہ جب آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگیں اور دل پہنچ گئے تو آپ انہیں چھوڑ کر چل دیئے، ایک شخص آپ کے پاس پہنچ کر عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا اس روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ چونکہ علم آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض نہیں کیا تھا اس لئے یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی، آپ کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ میرا ایک بندہ تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے، عرض کی: اے پروردگار! وہ کہاں ہے؟ فرمایا: دو دریاؤں کے سنگم میں، عرض کی: اے میرے رب! مجھے کوئی نشانی بتادے جس سے میں اسے پہچان لوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی بتائی کہ جہاں مچھلی تم سے الگ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ علیہ السلام نے ایک مچھلی لے کر اسے توشدان میں رکھ لیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تمہیں صرف اس بات کا پابند کرتا ہوں کہ جس جگہ مچھلی تم سے جدا ہو جائے، مجھے آگاہ کر دینا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو معمولی بات ہے۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ“۔ ”فتی“ سے مراد یوشع بن نون ہیں۔ یوشع علیہ السلام ایک درخت تلے نمناک جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک مچھلی زندہ ہو کر دریا میں کود گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ حضرت یوشع نے آپ علیہ السلام کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ خیال کیا کہ جب آپ خود بیدار ہوں گے تو انہیں یہ سارا ماجرا کہہ سناؤں گا لیکن جب آپ علیہ السلام بیدار ہوئے تو وہ مچھلی کی بابت بتانا بھول گئے۔ جب مچھلی نے دریا میں چھلانگ لگائی تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا بہاؤ روک دیا اور پانی کے اندر شگاف بالکل ایسے دکھائی دیتا تھا جیسے کسی پتھر میں۔ راوی حدیث عمرو نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی دو انگلیوں کا حلقہ بنا کر بتایا کہ وہ اس طرح سوراخ تھا جیسے پتھر میں ہوتا ہے۔

جب دونوں حضرات واپس چنان کی طرف چلے تو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو بقول عثمان بن ابی سلیمان دریا کے وسط میں سبز رنگ کی چٹائی پر بیٹھے ہوئے پایا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کا ایک سرا پاؤں کے نیچے اور دوسرا سرا سر کے نیچے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام دیا تو انہوں نے اپنے چہرے سے چادر ہٹائی اور کہنے لگے کہ میری سر زمین میں یہ سلام؟ آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں موسیٰ ہوں، پوچھا: کیا موسیٰ بنی اسرائیل؟ فرمایا: ہاں، پوچھنے لگے کہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ رشد و ہدایت کا وہ خاص علم مجھے سکھائیں جس کی تعلیم آپ کو دی گئی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کے ہاتھوں میں تورات ہے اور آپ کے پاس وحی آتی ہے، کیا یہ آپ کو کافی نہیں؟ اے موسیٰ! میرے پاس ایسا علم ہے جس کا جاننا آپ کیلئے مناسب نہیں اور آپ کے پاس ایسا علم ہے جس کا جاننا میرے لئے مناسب نہیں۔ ایک پرندے نے دریا سے پانی کی چونچ بھری تو حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! میرا اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں استقدر ہے جس قدر اس پرندے نے دریا سے اپنی چونچ میں پانی لیا ہے۔ کشتی پر سوار ہوئے، کشتی والوں نے آپ کو پہچان لیا اور کہنے لگے کہ یہ (خضر) اللہ کے نیک بندے ہیں، اس لئے کرایہ نہیں لیں گے لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں شگاف کر دیا، ایک تختہ توڑ کر اس میں مینیں لگا دیں، حضرت موسیٰ کہنے لگے کہ کیا آپ نے اس لئے کشتی میں شگاف ڈالا ہے تاکہ اس کے سوار غرق ہو جائیں۔ یہ آپ نے بہت برا کام کیا ہے۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض نسیان کے باعث تھا، دوسرا شرط کے طور پر اور تیسرا قصداً۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ میری بھول پر گرفت نہ کریں اور نہ میرے معاملہ میں مجھ پر زیادہ سختی کریں، پھر آگے چلے تو رستہ میں ایک ہوشیار، چالاک کافر لڑکا دیکھا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے زمین پر لٹایا، پھر اسے چھری کے ساتھ ذبح کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کر سکے، کہنے لگے کہ آپ نے ایک موصوم جان کو قتل کر دیا ہے جس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا؟ حضرت عبداللہ بن عباس کی قرأت میں آتا ہے ”اَفْتَلَتَ نَفْسًا زَاكِيَةً مُسْلِمَةً“۔ پھر سفر شروع ہو گیا، اس دوران ایک دیوار نظر آئی جو گرنے کے قریب تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے اسے ہاتھ لگایا تو وہ سیدھی ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ آپ اس کی اجرت بھی لے سکتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ”وَكَانَ اَمْلَهُمْ مَلِكًا“ ہے۔ کہتے ہیں کہ اس ظالم بادشاہ کا نام ہدود بن بدو تھا اور جس لڑکے کو قتل کیا گیا اس کا نام صبور تھا۔ وہ ظالم بادشاہ زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس میں شگاف کر کے اسے عیب دار بنا دیا تاکہ بادشاہ کی دستبرد سے محفوظ رہے اور کشتی کے مالک کشتی لے کر جب بادشاہ کے پاس سے بچ کر گزر جائیں تو آگے جا کر اس کی اصلاح کر لیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے برتن کے ساتھ کشتی کے شگاف کو بند کر دیا اور بعض کہتے ہیں کہ تارکوں کے ساتھ۔ جس لڑکے کو قتل کیا تھا وہ کافر تھا جبکہ اس کے والدین مومن تھے۔ خدشہ یہ تھا کہ کہیں اس لڑکے کی سرکشی اور کفر انہیں تلاحق ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ اس کی محبت انہیں اس کے دین کی پیروی پر مجبور کر دے۔ کہتے ہیں کہ اس لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک لڑکی عطا فرمائی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے امر کے متعلق مجھ سے زیادہ کسی کو علم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنے کا حکم دیا (2)۔ حضرت سعید بن جبیر

بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ کے پاس کچھ اہل کتاب بھی موجود تھے۔ کسی آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضرت کعب کے سوتیلے بیٹے نوف کا یہ خیال ہے کہ جس موسیٰ کا ان آسمانوں میں ذکر ہے وہ موسیٰ بن میثا تھے۔ حضرت ابن عباس فرمانے لگے، اے سعید! کیا نوف یہ کہتا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! میں نے نوف کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہے۔ فرمانے لگے: اے سعید! کیا تم نے یہ خود سنا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! آپ نے فرمایا، نوف جھوٹ کہتا ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ابی بن کعب نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ موسیٰ بنی اسرائیل نے اپنے رب سے عرض کی، اے میرے رب! اگر تیرے بندوں میں کوئی مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا بندہ ہے تو اس پر میری رہنمائی فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، میرے بندوں میں ایک ایسا شخص ہے جو تم سے بڑا عالم ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی قیام گاہ کے متعلق آگاہ کر دیا اور ملاقات کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بھیسی ہوئی پھللی ساتھ رکھ لی۔ چنانچہ پوچھنے تو وہاں سستانے کیلئے ٹھہر گئے، پھللی دریا میں کود گئی جس کی بابت پوشیح نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کرنا تھا، لیکن بھول گئے۔ یہاں چنانچہ کے پاس ”ماء الحیاء“ کا چشمہ تھا، جس چیز پر یہ پانی پڑتا وہ زندہ ہو جاتی، پھللی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ واپس لوٹ کر چنانچہ پوچھنے تو وہاں چادر میں لپیٹا ہوا ایک آدمی دکھائی دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام دیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر آپ سے کہنے لگے کہ آپ کس مقصد کیلئے آئے ہیں، ابھی آپ کی قوم کو آپ کی ضرورت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ مجھے رشد و ہدایت کے اس خصوصی علم سے آگاہ کریں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام چونکہ غیب کا علم جانتے تھے اس لئے کہنے لگے کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے اور آپ ایسی چیز پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جس کے متعلق آپ کو پورا پورا علم نہیں کیونکہ آپ ظاہر پر حکم لگائیں گے جبکہ میں مریدتہ رازوں سے آگاہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق مت پوچھئے گا، یہاں تک کہ میں از خود آپ کو آگاہ کر دوں۔ یہ طے کر لینے کے بعد دونوں ساحل پر چل دیئے، ایک کشتی نظر آئی، اس پر سوار ہو گئے، کہتے ہیں کہ یہ سب کشتیوں سے زیادہ خوبصورت، عمدہ اور مضبوط تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس میں سوار ہو کر دیا جس پر احتجاج کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ کیا آپ سوار ہو کر کے سواروں کو غرق کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ایک بستی میں آئے، وہاں کچھ بچے کھیل رہے تھے، ایک بچہ ان میں بہت زیادہ خوبصورت اور تیز طرار تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو پکڑا اور ایک پتھر اس کے سر پر مار کر اسے قتل کر دیا۔ یہ نازیبا کام دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یارائے صبر نہ رہا فرمانے لگے کہ آپ نے ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا، یہ تو بہت ہی بری بات ہے۔ پھر بستی والوں سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ضیافت سے انکار کر دیا۔ وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے اسے منہدم کیا پھر اس کی تعمیر شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکتا گئے اور ضبط نہ کر سکے، کہنے لگے کہ آپ اگر چاہتے تو اس محنت پر کچھ مزدوری لے لیتے، اب حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے: هَذَا اِقْرَابِي بَيْنِي... ذُنُوبُ تَاوِيلِ مَالِهِ قَدْ طَلَمَ عَلَيْهِ وَصَدَّقُوا حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں ”كُلُّ سَفِيهَةٍ صَالِحَةٍ“ کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دیوار کے نیچے کا خزانہ علم تھا (1)۔

عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم بنی اسرائیل نے مصر پر غلبہ پایا اور یہاں قرار پذیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات یاد دلایں، چنانچہ آپ نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عنایات اور نوازشات یاد دلانیں کہ جب اس نے انہیں فرعونین کے مظالم سے نجات دلائی، ان کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا، پھر ان کی سرزمین کا مالک بنا دیا اور ان کے نبی کو ہم کلامی کا شرف بخشا، مزید فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لئے چن لیا، اپنی محبت مجھ پر ڈال دی اور ہر وہ چیز تمہیں عطا فرمائی جس کا تم نے سوال کیا تھا۔ تمہارا نبی زمین کے تمام باشندوں سے افضل ہے اور تم تورات کے حامل ہو۔ الغرض آپ نے انہیں وہ تمام انعامات یاد دلانے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیے تھے۔ بنی اسرائیل کا ایک شخص آپ سے کہنے لگا کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے، اے اللہ کے نبی! جو حقائق آپ نے بتائے ان کے متعلق تو واقفیت ہو گئی، اب یہ فرمائیے کہ کیا روئے زمین پر کوئی ایسا شخص ہے جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تمہیں علم ہے کہ میں اپنا علم کہاں کہاں رکھتا ہوں، بلاشبہ دریا کے کنارے پر ایک ایسا آدمی ہے جو تم سے بڑا عالم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے انہیں یہ بندہ دکھانے کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ دریا کی طرف جاؤ، کنارے پر تمہیں ایک مچھلی ملے گی، اسے اپنے نوجوان خادم کے سپرد کر دینا اور پھر دریا کے کنارے چلنے پر رہنا، جب آپ کو مچھلی فراموش ہو جائے اور وہ آپ سے گم ہو جائے وہاں اس صالح بندے کو پالو گئے، چنانچہ عازم سفر ہوئے۔ جب سفر کرتے کرتے تھک گئے تو آپ نے اپنے خادم سے مچھلی کے متعلق پوچھا، وہ عرض کرنے لگے: اِنَّهَا نِيْٓٓٓٓ اِذْ اَوْثِقَآ اِلَى الصَّخْرِ ۗ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس پلٹ کر چٹان کے پاس پہنچے، مچھلی کا جارجن کر آپ بڑے متعجب تھے واپسی پر آپ نے دیکھا کہ مچھلی پانی میں سرنگ بنائے جا رہی ہے۔ آپ بھی اپنے عصا کے ساتھ پانی کو چیرتے ہوئے مچھلی کے پیچھے چل دیئے، جو پانی مچھلی کے ساتھ مس کرتا، خشک ہو جاتا، یہاں تک کہ وہ چٹان بن گیا، اس سے بھی اللہ کے نبی علیہ السلام کو بہت تعجب ہوا۔ آخر کار مچھلی ایک جزیرے تک پہنچ گئی۔ یہاں آپ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی، انہیں دیکھتے ہی آپ علیہ السلام نے سلام کیا اور انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ تعارف کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے تشریف آوری کا مقصد پوچھا..... الخ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حبر بن قیس رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہو گیا کہ یہ اللہ کے کون بندے تھے، جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ خضر علیہ السلام تھے، اسی دوران حضرت ابی بن کعب کا وہاں سے گزر ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا اور اپنے اختلاف سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی مجلس میں تھے، اسی اثناء میں ایک شخص آیا اور آپ سے پوچھنے لگا کہ کیا آپ کو کسی ایسے آدمی کی موجودگی کا علم ہے جو آپ سے بھی بڑا عالم ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کرتے ہوئے آپ سے فرمایا کہ کیوں نہیں، بلکہ ہمارا بندہ خضر (آپ سے بڑا عالم) ہے..... الخ۔

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ آتَيْتَكَ عَلٰى اَنْ تَعْلَمَ مِنْ مِمَّا عَلَّمْتَنِيْ مِنْ اٰیٰتِكَ ۗ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَبِيْعَ

مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۝ قَالَ سَجِدُنِي إِنِ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۝ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝

”کہا اس بندے کو موسیٰ نے کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس بندے نے کہا (اے موسیٰ!) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔ آپ نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔ اس بندے نے کہا اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں، یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان ہونے والی گفتگو کے متعلق آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اس علم کے ساتھ مخصوص کیا تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مطلع نہیں تھے اور اسی طرح جو علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا تھا اس کی اطلاع حضرت خضر علیہ السلام کو نہ تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: هَلْ أَتَيْتُكَ۔ آپ کا یہ سوال ازراہ ادب و احترام، نرمی اور تملط کے تھا نہ کہ الزامی اور اجباری طور پر۔ ایک عالم سے سوال کرتے وقت طالب علم کو یہی انداز اپنانا چاہئے۔ آپ کہنے لگے کہ کیا میں اس شرط پر آپ کی سنت اختیار کر سکتا ہوں کہ آپ مجھے رشد و ہدایت کے اس خصوصی علم سے آگاہ کریں جو آپ کو سکھایا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میرے علم نافع اور عمل صالح میں اضافہ ہو جائے۔ حضرت خضر آپ سے کہنے لگے: إِنَّكَ لَنْ تَسْتَفِيدَ... یعنی آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے کیونکہ آپ کو میرے افعال آپ کی شریعت کے مخالف دکھائی دیں گے، دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کچھ ایسا علم عطا فرمایا ہے جو آپ کو نہیں سکھایا اور کچھ علم ایسا ہے جو آپ کو سکھایا گیا ہے لیکن مجھے اس کی تعلیم نہیں دی گئی، ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ مخصوص امور کا پابند ہے، اس لئے میرے معیت میں رہنے کی آپ میں طاقت نہیں اور پھر آپ اس بات پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جس کے متعلق پوری طرح آپ کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ جن باتوں میں مجھ پر اظہارِ رائے نہ دینی کریں گے، اس میں آپ معذور ہیں، لیکن ان امور میں جو حکمت اور مصلحت کا فرما رہے، اس کے متعلق مجھے تو مطلع کر دیا گیا ہے لیکن آپ کو نہیں، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: سَجِدُنِي إِنِ شَاءَ اللَّهُ... یعنی آپ مجھے ہر معاملہ میں صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا، یہ طے کر لینے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے ایک شرط کا پابند کرتے ہوئے کہا: فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي.....

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے میرے پروردگار! تمام بندوں میں کون سا بندہ تجھے زیادہ محبوب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بندہ جو مجھے ہر وقت یاد کرتا ہے اور کبھی فراموش نہیں کرتا، پھر عرض کی کہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہے؟ فرمایا: وہ جو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور خواہش نفس کی پیروی نہیں کرتا، پھر عرض کی اے پروردگار! تیرے بندوں میں سے سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: وہ جو اپنے علم کے باوجود لوگوں کے علم کی جستجو میں رہتا

ہے، شاید کسی سے کوئی ایسی بات مل جائے جو اسے راہ ہدایت پر گامزن کر دے یا بلاکت سے دور کر دے۔ عرض کی، اسے پروردگار! کیا تیری زمین میں کوئی ایسا ہے جو مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو؟ فرمایا: ہاں، عرض کی، وہ کون ہے؟ فرمایا: مختصر، عرض کی کہ میں اسے کہاں تلاش کر سکتا ہوں؟ فرمایا: ساحل پر اس چٹان کے پاس جہاں مچھلی غائب ہو جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ساحل بندے کی تلاش میں نکلے، دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے، زمین میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں اس سے زیادہ پانی ہو، اس روایت میں آتا ہے کہ ایک پرندہ چونچ سے پانی پینے لگا۔ حضرت مختصر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں اس پرندے نے دریا میں کس قدر رکھی کی ہے؟ فرمایا: بہت معمولی، وہ کہنے لگے: اے موسیٰ! میرا اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں یہی حیثیت رکھتا ہے، چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سمجھتے تھے کہ ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت مختصر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم دیا (1)۔

فَانطَلَقَا ۗ حَتَّىٰ اِذَا سَارَكِبَانِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۗ قَالَ اَخْرَقْتَهَا بِتَغْرِقِ اَهْلِهَا ۗ لَقَدْ جِئْت
 سَيِّئًا اِمْرًا ۗ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۗ قَالَ لَا تَأْخُذْ بِنِهَا
 نَسِيْبَتِ وَلَا تَرْهَقْنِي مِنْ اَمْرِي ۗ عَسْرًا ۗ

”پس وہ دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے کیا تم نے اس لئے شگاف کیا ہے کہ اس کی سوار یوں کو ڈبو دو۔ یقیناً تم نے بہت برا کیا ہے۔ اس بندے نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ تنگی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں بہت زیادہ۔“

دونوں حضرات نے جب ایک ساتھ سفر کرنے پر اتفاق کر لیا اور حضرت مختصر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ شرط منوالی کہ وہ کسی بھی انوکھی چیز پر معترض نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ انہیں خود ہی نہیں آگاہ کر دیتے تو دونوں عازم سفر ہوئے اور ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ اس کے متعلق تذکرہ ہو چکا ہے کہ کشتی والوں نے حضرت مختصر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان دونوں حضرات کو بغیر کرایہ وصول کیے سوار کر لیا۔ جب کشتی نجد حار میں پہنچی تو حضرت مختصر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکھیرا الا، پھر اسے وہاں لگا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کر سکے، فرمانے لگے: اَخْرَقْتَهَا بِتَغْرِقِ اَهْلِهَا۔ ”تغریق“ میں لام عاقبت کا ہے نہ کہ تعلیل کا جیسا کہ شاعر کا قول ہے ”لِيَدُلُّوا بِلَنُوْتِ وَاَبْنُوْا يَلْبَحْرَ اَب“۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اظہارِ ناپسند بدلی کرتے ہوئے کہنے لگے: لَقَدْ جِئْت سَيِّئًا اِمْرًا یعنی آپ نے نازیبا اور عجیب کام کیا ہے۔ اس وقت حضرت مختصر علیہ السلام نے آپ کو طے شدہ شرط یاد دلانے ہوئے کہا: اَلَمْ اَقُلْ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا یعنی میں نے یہ کام تصدأ کیا ہے اور یہ ایسے امور میں سے ہے جن کے متعلق میں نے آپ پر پہلے ہی یہ شرط عائد کی تھی کہ ان کے متعلق آپ مجھ پر اعتراض نہیں کریں گے، کیونکہ ان کے متعلق آپ کو پوری طرح آگاہی نہیں بلکہ ان میں ایسی مصلحت کار فرما ہے جس کا آپ کو علم نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: لَا تَأْخُذْ بِنِهَا نَسِيْبَتِ ۔ یعنی آپ نہ مجھے تنگی میں ڈالیں گے اور نہ مجھ پر سختی کریں۔ حدیث شریف میں یہ گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”موسیٰ کا یہ پہلا اعتراض نسیان کے باعث تھا۔“

فَانطَلَقَا^{۱۸} حَتَّىٰ اِذَا قِيَا عُلْمًا فَتَقَاتَلَا^{۱۹} قَالَ اَفْتَلَتْنَا نَفْسًا رَّكِيَةً^{۲۰} بِغَيْرِ نَفْسٍ^{۲۱} لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا فَكُرًّا^{۲۲} قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا^{۲۳} قَالَ اِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَا فَالْتَصِحْبِي^{۲۴} قَدْ بَدَعْتَ مِنْ لَدُنِّيْ عُدْمًا^{۲۵}

”پھر وہ دونوں چل پڑے۔ حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰ (غضبناک ہو کر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلہ کے بغیر۔ بے شک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے۔ اس نے کہا کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے کہا اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے معذور ہوں گے۔“

بعد ازاں دونوں پھر چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں ایک بہت حسین و جمیل لڑکا دکھائی دیا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے پتھر سے اس کا سر کچل دیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اس کی گردن مروڑ دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھیانک منظر دیکھا تو صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے بولے: اَفْتَلَتْنَا..... حضرت خضر غنیہ السلام نے آپ کو پہلی شرط تاکید کے ساتھ یاد دلاتے ہوئے کہا: قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: اِنْ سَأَلْتُكَ... یعنی اس کے بعد پھر اگر میں نے آپ پر اعتراض کیا تو بے شک مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، اب آپ معذور ہیں۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی شخص یاد آجاتا اور آپ اس کیلئے دعا کرتے تو پہلے اپنے لئے کرتے، ایک دن آپ نے فرمایا: ”ہم پر اور موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو، گردہ اپنے ساتھی (خضر علیہ السلام) کے ساتھ ٹھہرتے تو اور بھی بہت ہی توجہ خیر چیزیں دیکھتے لیکن وہ کہنے لگے: اِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَا (1)۔“

فَانطَلَقَا^{۱۸} حَتَّىٰ اِذَا آتَيَا اَهْلًا قَرِيْبًا^{۱۹} اسْتَطْعَمَا^{۲۰} اَهْلَهَا فَاَبَوْا^{۲۱} اَنْ يُصَفِّقُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُرِيْدُ اَنْ يَّقْطَعُ فَاَقَامَهُ^{۲۲} قَالَ كُوْشَيْتُ لَكَ خَدَّتْ عَلَيْكَ^{۲۳} اَجْرًا^{۲۴} قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ^{۲۵} سَاُتِيْبُكَ بِثَاوِيْلٍ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِمْ^{۲۶} وَصَبْرًا^{۲۷}

”پھر وہ چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے، پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا (بس سنگت ختم) اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کر سکتے۔“

یہاں ان دونوں حضرات کے سفر کے تیسرے مرحلے کا بیان ہو رہا ہے۔ دونوں سفر کرتے کرتے ایک بستی میں پہنچے، اس کا نام بقول ابن سیرین ایک تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس بستی کے باشندے بہت بخیل تھے۔ بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے

انکار کر دیا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے ایک عیسیٰ دیوار کو جو گرنے کے قریب تھی، پکڑ کر سیدھا کر دیا۔ آیت کریمہ میں دیوار کی طرف ارادہ کی نسبت کرنا بطور مجاز ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کی کچی کو درست کر کے اسے پختہ کر دیا۔ یہ خلاف عادت امر تھا، اسے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: لَوْ شِئْتُمْ . چونکہ انہوں نے ہمیں کھانا کھلانا بھی گوارا نہیں کیا، اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ آپ اس کام کی اجرت لے لیتے۔ اب حضرت خضر علیہ السلام فرمانے لگے: هٰذَا اِقْرَابِي..... کیونکہ لڑکے کے نقل کے وقت آپ نے از خود یہ شرط لگائی تھی کہ اگر میں نے اس کے بعد کوئی اعتراض کیا تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، سنیں، اب میں ان چیزوں کے حقائق سے آپ کو آگاہ کرتا ہوں جن پر اعتراض کرنے سے آپ صبر نہ کر سکتے۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ
مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝۹

”وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔ سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جاہل) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا برکشتی کو زبردستی سے۔“

کشتی کو عیب دار کرنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہو گیا اور اس فعل کو انہوں نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، چنانچہ اس میں مضر حکمت سے نقاب کشائی کرتے ہوئے حضرت خضر علیہ السلام بتانے لگے کہ میں نے قصداً کشتی کو عیب دار بنانے کیلئے اس میں شکاف ڈالا تھا، کیونکہ آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر عمدہ اور صحیح وسالم کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا، چنانچہ میں نے اسے عیب دار کر دیا تاکہ اس عیب کی وجہ سے یہ بادشاہ کی دست برد سے محفوظ رہے اور کشتی کے مسکین مالک اس کے ذریعے روزی کھاتے رہیں جن کے پاس کوئی اور ذریعہ معاش نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ کشتی کے مالک چند تہیم بچے تھے۔ اس ظالم بادشاہ کا نام ہمدین بد تھا، تو رات میں اس کا ذکر میں بن اسحاق کی ذریت میں ہوا ہے۔

وَأَمَّا الْجُمْهُورُ فَكَانَ أَبُوهُمُ امِّمِينَ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمُ طَغْيَانًا وَكُفْرًا ۝۱۰ فَأَرَدْنَا أَنْ
يُؤْبَدُوا لَهَا سَرِيبًا حَبِيرًا ۝۱۱ وَأَقْرَبُ مَرْحَبًا ۝۱۲

”اور وہ جو لڑکا تھا تو (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اس کے والدین مومن تھے۔ پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔“

اس لڑکے کا نام جیسور تھا۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس لڑکے کو خضر نے قتل کیا تھا، وہ فطرنا کافر تھا“ (1)۔ اس لئے فرمایا: فَكَانَ أَبُوهُمُ امِّمِينَ . کیونکہ اس بات کا خدشہ تھا کہ بچے کی محبت اس کے مومن والدین کو کفر کی طرف مائل کر دے گی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جب یہ لڑکا پیدا ہوا تو اس کے والدین بہت مسرور ہوئے اور جب وہ قتل ہوا تو اس پر بہت غمزدہ ہوئے حالانکہ اگر وہ زندہ باقی رہتا تو اس کے سبب یہ ہلاک ہو جاتے، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی رہے کیونکہ مومن کیلئے

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس کے اپنے ذاتی فیصلے سے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ مومن کے لئے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے وہ اس کے لئے باعث خیر ہوتا ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرة: 216) ”اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو“۔ حضرت خضر علیہ السلام فرمانے لگے: فَارْتَدْنَا أَنْ يَبْهَاتَهُمَا... یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لڑکے کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو قتل کیا تھا، اس وقت اس کی والدہ کے پیٹ میں ایک مسلمان بچہ تھا۔

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسَخَّرَ مَا كُنْتُمْ تَرَاهُمْ أَلْرَّحْمَةً مِنْ رَبِّكَ يَا وَمَا قَعَلْتُمْ عَنْ أَمْرِي ۗ ذَٰلِكُمْ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٥٧﴾

”باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (دُن) تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا۔ پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو بچائیں اور نکال لیں اپنا وہینہ۔ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی اور (جو کچھ میں نے کیا) میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔“

اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ قریہ کا اطلاق مدینہ (شہر) پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ پہلے فرمایا: حَتَّىٰ إِذْ آتَيْنَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اور پھر یہاں فرمایا: فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ اس طرح مندرجہ ذیل آیت میں قریہ سے مراد مکہ شریف ہے: وَكَانَ مِنْ قَرْيَةٍ مِّنْ أَشْدَ قُرَىٰ قَوْمٍ مِّنْ قَرْيَتِكَ الْيَتِيمَ أَخُو بِئْسَ مَكْرًا (13: محمد) ”اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے) باشندوں نے آپ کو نکال دیا (ایک دوسری آیت میں ”قریہ“ سے مراد مکہ اور طائف ہیں فرمایا: وَقَالُوا لَوْلَا كُنَّا لِهَذَا الْقُرْآنِ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْ الْقَرْيَةِ شَشِينٍ عَجِيبٍ (الزخرف: 31)“ اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے۔“

حضرت خضر علیہ السلام دیوار کی اصلاح میں پوشیدہ حکمت سے آگاہ کرتے ہوئے کہتے لگے کہ یہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا۔ مگر وہ، قتادہ اور دیگر حضرات کہتے ہیں کہ دیوار کے نیچے مال دفن تھا۔ آیت کے ظاہری الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں، لیکن بقول ابن عباس رضی اللہ عنہم اس دیوار کے نیچے علم کا خزانہ مدفون تھا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ علمی کتابوں پر مشتمل خزانہ تھا، ایک مرفوع حدیث سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، اس میں آتا ہے: ”جس خزانہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے وہ خالص سونے کی ایک تختی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین کر لینے کے باوجود مشقت میں پڑتا ہے، تعجب ہے اس شخص پر جو روزگ کو یاد رکھنے کے باوجود ہنستا ہے اور جس شخص کو موت یاد ہے، اس پر تعجب ہے کہ وہ کیونکر لا إله إلا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ سے غافل ہے“ (2)۔ سلف سے بھی اس بارے میں کچھ آثار مروی ہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ وہ سونے کی تختی تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تقدیر پر ایمان رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیسے غمزدہ ہوتا ہے، موت پر یقین رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیونکر مسرور ہوتا ہے، دنیا اور تقلبات زمانہ کو پہچاننے

والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ عمر مولیٰ غفرہ سے حضرت حسن بھریؓ جیسا قول مروی ہے۔ جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ اس سختی پر ڈھائی سطر میں تھیں، پوری تین تھیں، ان میں تحریر تھا: ”رزق پر ایمان رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیسے مارا مارا پھرتا ہے، حساب پر یقین رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیوں غافل ہے اور موت پر ایمان رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیوں خوش ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِنْ كَانَ مِنْكُمْ شَقِيحٌ مِّنْ خَيْرٍ ذَلِ اٰیٰتِنَا لِيُحٰطَ وَ لِكُلِّ يٰسٰرٍ حٰسِبٍ“ (الانبیاء: 47) ”اور اگر رانی کے دانہ کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہو تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں“ ان دونوں جہنم بچوں کے باپ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ نیک تھا، جبکہ ان کے نیک ہونے کا ذکر نہیں ہوا۔ ان تینوں اور ان کے باپ کے درمیان جس کی وجہ سے یہ بھی محفوظ رہے، سات پشتوں کا فاصلہ تھا اور ان کا یہ جدا جدا ہوا تھا (1)۔ ان آیتوں نے جو کچھ بیان کیا ہے اور جو حدیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ خزانہ علم تھا، یہ اس قول کے منافی نہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ خزانہ مال و دولت پر مشتمل تھا کیونکہ سونے کی تختی بذات خود ایک گرفتار مال ہے، مزید برآں اس میں علم و حکمت پر مبنی مواظبت بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان و کلام اَبُوهُ صَٰلِحٌ لِّمَا مِثْلِ اِسْبٰتِہٖ لٰدِیْلِہٖ ہ ہے کہ نیک آدمی اپنی ذریت کے لئے بھی مفید ثابت ہوتا ہے وہ اپنی ذریت کی حفاظت کا سبب بنتا ہے اور اس کی عبادت کی برکت انہیں دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہے۔ ایسا صالح بندہ اپنی ذریت کے بارے میں شفاعت کرے گا اور جنت میں ان کے درجات بلند کرنے کا وسیلہ ثابت ہوگا جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ان لڑکوں کی صالحیت کا ذکر نہیں بلکہ ان کے ساتویں واد کی صالحیت اور نیکو کاری کا ذکر ہوا جس کے باعث یہ بھی محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاتْرٰا ذَرٰیٰرَتُکَ اَنْ یُّہٰنَکَ۔ میں ارادہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انہیں جو اپنی تک پہنچانے پر صرف وہی قادر ہے، جبکہ لڑکے کے بارے میں ”فَارَدَہَا“ اور کشتی کے متعلق ”فَارَدَتَ“ کے الفاظ ہیں۔ پھر فرمایا: تَرٰہِصَہٗ یٰقِیْنُ رَہٰنَکَ ؕ وَ مَا فَکَّرْنَا عَنْہٗ اَسْمٰوِیّٰتِیْ اِنْ تِیۡوٰنِہٖ اِحْوَالِہٖ اِسْمٰوِیّٰتِیۡنِ اِنْ تِیۡوٰنِہٖ اِحْوَالِہٖ اِسْمٰوِیّٰتِیۡنِ میں نے جو کچھ کیا، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے ہے، یہ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ مجھے اس کا حکم دیا گیا تھا اور اس میں پوشیدہ حکمت پر مجھے آگاہ بھی کر دیا گیا تھا۔ اس سے بعض لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر استغلال کیا ہے اور اس سے پہلے یہ بھی ان کے متعلق فرمایا جا چکا ہے: فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنْ عِبَادِنَا۔ کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ وہ رسول تھے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ اکثر علماء کا یہ موقف ہے کہ وہ نبی نہیں بلکہ ولی تھے، ابن قتیبہ نے معارف میں ذکر کیا ہے کہ ان کا نام بلہا بن ماکان بن فالغ بن خابر بن شالح بن ارشد بن سام بن نوح (علیہ السلام) تھا (2)۔ ان کی کنیت ابو العباس اور لقب خضر علیہ السلام تھا اور آپ کا تعلق شاہی خاندان سے تھا، امام نووی سے تہذیب الاسماء میں اس چیز کا تذکرہ ہے، مزید آپ یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام اب تک زندہ ہیں لیکن کیا وہ قیامت تک زندہ رہیں گے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام نووی اور ابن صلاح کا میلان تو اس طرف ہے کہ آپ قیامت تک باقی رہیں گے۔ اس بارے میں سلف سے بہت سی حکایات اور آثار منقول ہیں اور بعض احادیث میں بھی اس کا ذکر آیا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، ان میں سے سب سے زیادہ مشہور حدیث تعزیرت ہے جس میں آتا ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی تعزیرت کیلئے تشریف لائے تھے، لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اکثر محدثین اور دیگر علماء اس کے برعکس کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا جَعَلْنَا لَیۡسٰہٗ قِیۡمَۃً وَّ لَیۡسٰہٗ قِیۡمَۃً لِّذٰلِکَ الْاٰنۡبِیَآءِ:

(34) ”اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کیلئے ہمیشہ رہنا مقدر نہیں کیا“۔ دوسری دلیل میدان بدر میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ”اے اللہ! اگر میری یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے گی“ (1) اور تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور نہ آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا، اگر آپ زندہ ہوتے تو ضرور نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں شامل ہوتے کیونکہ آپ ﷺ کو تمام جن وانس کی طرف رسول مبعوث فرمایا گیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا“ اور آپ ﷺ نے اپنے دصال سے کچھ عرصہ پہلے فرمادیا تھا کہ جو لوگ آج کل روئے زمین پر موجود ہیں، ان میں سے کوئی بھی آج سے لے کر سو سال تک چشم زدن کیلئے بھی زندہ نہیں رہے گا (2)۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد دلائل ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ”انہیں خضر علیہ السلام اس لئے نام دیا گیا کہ وہ سفید رنگ کی خشک گھاس پھوس پر بیٹھے تو اچانک وہ ہنرہ بن کر لہانے لگی“ (3)۔ بعض نے کہا ہے کہ شاید یہ مراد ہو کہ آپ خشک زمین پر بیٹھے تو وہاں ہنرہ آگ آیا۔

فرمایا: ذَابَتْ تَابًا وَيُلْمُ مَا لَمْ يَنْطَلِقْ عَلَيْهِ صَمْنًا یعنی جس چیز کو آپ برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس پر بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا، یہ اس کی تفسیر ہے۔ جب حضرت خضر علیہ السلام علیہ السلام نے اپنے ہر اقدام کی وضاحت کر دی، اس میں مضمر حکمت سے پردہ اٹھا دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اشکال کا ازالہ کر دیا تو اب اس کیلئے لَمْ يَنْطَلِقْ عَلَيْهِ صَمْنًا استعمال کیا۔ قبل ازیں اشکال چونکہ قوی اور شدید تھا، اس لئے وہاں لَمْ يَنْطَلِقْ عَلَيْهِ استعمال کیا یعنی نقل کے مقابلہ میں نقل اور خفیف کے مقابلہ میں خفیف جیسا کہ اس فرمان میں ہے: فَهَذَا سَطَاعًا وَأَنْ يَنْظُرُوا لَهُمْ هَذَا سَطَاعًا أَلَمْ يَكْفَىٰ (الکہف: 97) ”سو یا جوج ماجوج کو کشش کے باوجود اسے سرنہ کر سکتے اور نہ ہی اس میں مورخ کر سکتے“ صعود کیلئے ”اسطاعوا“ کا لفظ استعمال کیا اور نقب کیلئے ”استطاعوا“ کا، کیونکہ نقب میں مشقت زیادہ ہے، گویا ہر ایک کیلئے مناسب لفظ استعمال کیا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی کا ذکر شروع میں تو ہوا ہے لیکن اس کے بعد کہیں ذکر نہیں ہوا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود حضرات موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا ہے۔ آپ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی تو آپ کے خادم اور تابع تھے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کے یہ ساتھی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن جریر کی اپنی تفسیر میں بیان کردہ وہ روایت ضعیف ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا ذکر بعد میں نہیں سنا حالانکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نوجوان نے آپ حیات پنی لیا جس کے باعث انہیں دائمی زندگی مل گئی، انہیں ایک کشش میں ہٹا کر تلاطم فیروزوں کی نذر کر دیا گیا۔ یہ کشش قیامت تک موجودوں کے تلاطم میں رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ حیات پیمانہ کیلئے مناسب نہیں تھا (4)۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے، اس کا ایک راوی حسن متروک ہے اور اس کا باپ غیر معروف۔

2- مسند احمد، جلد 1، صفحہ 93-140

1- مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1384، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 30

4- تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 281

3- مسند احمد، جلد 2، صفحہ 312، جلد 2، صفحہ 318، مجمع غاری کتاب الانبیاء، جلد 4، صفحہ 190

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقُرْنَيْنِ ۗ قُلْ سَأَتْلُوهُنَّ مَا عَمِلْنَ ۗ إِنَّ مَكَانَهُ فِي
الْأَرْضِ مَرْمُوسٍ ۖ وَالَّذِينَ يُتَّبِعُ مِنْ كُلِّ شَعْبٍ مِثْرًا ۗ

”اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذوالقرنین کے متعلق۔ فرمائیے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال۔

ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل نے) کا ساز و سامان“۔

پہلے گزر چکا ہے کہ کفار مکہ نے اہل کتاب سے ایسی چیز دریافت کی تھی جس سے وہ نبی کریم ﷺ کا امتحان لے سکیں۔ اہل کتاب نے انہیں تین سوالات بتائے تھے۔ ایک اس آدمی کے متعلق جس نے دنیا کا پتھر لگایا تھا، دوسرا ان نوجوانوں کے متعلق جو لاپتہ ہو گئے تھے اور تیسرا سوال روح کی حقیقت کے متعلق، اس پر سورہ کہف نازل ہوئی۔ اس مقام پر ابن جریر اور اسوی نے اپنی مغازی میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف حدیث نقل کی ہے کہ کچھ یہودی ذوالقرنین کا قصہ دریافت کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے ان کی گفتگو سے پہلے ہی انہیں آگاہ کر دیا کہ تم اس مقصد کیلئے آئے ہو، چنانچہ آپ نے انہیں ذوالقرنین کے متعلق آگاہ کر دیا۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ذوالقرنین ایک رومی نوجوان تھا، اسی نے اسکندریہ کی بنیاد رکھی۔ ایک فرشتہ اسے آسمان پر لے آیا اور پھر وہاں سے اسے سد (دیوار) تک لے آیا، اس نے کچھ لوگ دیکھے جن کے چہرے کتوں جیسے تھے، یہ بہت طویل اور مکرر روایت ہے۔ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ زیادہ یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اسرائیلی روایات سے ہے۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ ابو زہرہ رازی نے اپنی جلالت شان کے باوجود اسے اپنی کتاب دلائل النبوة میں بیان کیا ہے، یہ بہت عجیب و غریب بات ہے۔ یہ بات بھی درست نہیں کہ یہ رومی تھا، رومی بادشاہ تو اسکندر روم بن قلیس مقدونی تھا جس سے روم کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے اور اسکندر اول تو بقول ازرقی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ہوا۔ اس نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے بعد آپ صیہ السلام کے ساتھ طواف کیا، یہ مومن اور آپ علیہ السلام کا بیروکار تھا اور حضرت خضر علیہ السلام اس کے وزیر تھے، جبکہ اسکندر دوم مقدونی یونانی کا وزیر مشہور نفسی ارسطاط لیس تھا۔ اسی اسکندر سے روم کی تاریخ نکھی گئی۔ اس کا دور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے کا ہے۔ جہاں تک اسکندر اول کا تعلق ہے تو اس بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ حضرت ظلیل علیہ السلام کا ہم عصر تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر مکمل کر لی تو اس نے آپ علیہ السلام کے ساتھ طواف کیا اور قربانی دی۔ اس کے بہت سے واقعات ہم نے اپنی کتاب ”البدایہ والنہایہ“ میں بیان کر دیئے ہیں۔

دوسرے بن مذہب کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے سر کی دونوں اطراف تانبے کی تھیں۔ کسی اہل کتاب کا کہنا ہے کہ چونکہ وہ فارس دروم کا بادشاہ تھا اس لئے ذوالقرنین نام پڑ گیا۔ بعض حضرات اس نام کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے سر کے دونوں طرف سینک سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک مخلص بندے تھے، انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن وہ ان کے درپے آزار ہو گئے، انہوں نے ان کے ایک سینک پر مارا تو وہ فوت ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندگی عطا فرمادی۔ اب وہ پھر قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے لگے، انہوں نے دوسرے سینک پر مارا تو پھر فوت ہو گئے، اس لئے نام ہی ذوالقرنین پڑ گیا (۱)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین نام رکھے جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشرق اور مغرب

تک اس مقام پر پہنچے جہاں جہاں سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ ذوالقرنین کو بخشے گئے اقتدار کے متعلق فرمایا: **إِنَّمَا مَكَّنَّا لَكَ فِي الْأَرْضِ مَعْنَى** یعنی ہم نے اسے ایک وسیع اور عظیم سلطنت سے نوازا جس میں قوت، لشکر، آلات حرب اور ہر قسم کے دیگر لوازمات موجود تھے، اس لئے اس نے زمین کے مشرق و مغرب پر اقتدار مستحکم کر لیا، سارے ممالک اس کی قلمرو میں شامل ہو گئے، بادشاہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے اور عرب و عجم اس کی غلامی کا دم بھرتے، اس لئے بعض لوگوں کے خیال میں ذوالقرنین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشرق و مغرب میں آفتاب کے دونوں قرونوں تک رسائی پا چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَإِنِّي لَمِّنْ مَكَّنِّي هَاهُنَا** کے متعلق حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، مسدی، قتادہ اور ضحاک وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد علم ہے۔ قتادہ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اسے زمین کی منازل اور نشانیاں بتلا دیں۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد زبانوں کی تعلیم ہے، وہ جس قوم پر حملہ آور ہوتے ان کے ساتھ انہی کی زبان میں گفتگو کرتے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب الاحبار سے پوچھا: تم کہتے ہو کہ ذوالقرنین ثریا کے ساتھ اپنے گھوڑے ہاندھتے تھے؟ حضرت کعب نے جواب دیا کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: **وَإِنِّي لَمِّنْ مَكَّنِّي هَاهُنَا**۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب کی اس بات کا جواب انکار کیا تھا، وہ درست تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس انکار کا حق پہنچتا تھا کیونکہ بقول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کعب کی بعض روایات درست نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جھوٹی روایات خود گھڑ لیتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں موجود ایسی اسرائیلی روایات بیان کرتے جن کی اکثریت تغیر و تبدل، تحریف اور جھوٹ کا پلندہ تھی۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کی موجودگی میں ہمیں ان کی بالکل ضرورت نہیں کیونکہ ایسا روایات بہت شر اور فساد کا باعث بن سکتی ہیں۔ اسرائیلی روایت کے ثبوت میں قرآن کریم کی اس آیت **وَإِنِّي لَمِّنْ** سے کعب کا استدلال درست نہیں کیونکہ آسمان تک پہنچنا کسی بشر کے بس کا روگ نہیں۔ بلقیس کے حق میں بھی ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: **وَإِنِّي لَمِّنْ مَكَّنِّي هَاهُنَا** (المعل: 23) یعنی اسے ہر وہ چیز عطا کی گئی جو بادشاہوں کے پاس عموماً ہوتی ہے۔ اس طرح مختلف ممالک کو فتح کرنے، دشمنوں کو شکست دینے، بادشاہوں کو لگام دینے اور اہل شرک کو ذلیل و رسوا کرنے کیلئے جن اسباب اور وسائل کی ضرورت تھی، وہ سبھی ذوالقرنین کو مرحمت کر دیئے گئے۔ کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا کہ وہ کیسے مشرق اور مغرب تک پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو ان کیلئے سخر کر دیا، تمام اسباب انہیں فراہم کر دیئے اور بھر پور قوت سے نوازا دیا۔

فَأَتَيْتُمْ سَبَبًا ۝ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغْتُم مَّغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا قُلْنَا لَئِنِ الْقَرْيُنِينَ إِنَّمَا أَنْتُمْ تُعَذِّبُونَ وَإِنَّمَا أَنْتُمْ تُخَذَّفُ بِهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ أَمَا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا ثَقِيلًا ۝ وَأَمَا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءُ الْحُسْنَىٰ ۝ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ۝

”ہیں وہ رہا نہ ہوا ایک راہ پر۔ یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ذوب رہا ہے ایک سیاہ کچھڑ کے چشمہ میں اور اس نے وہاں ایک قوم پائی۔ ہم نے کہا اسے ذوالقرنین (تمہیں اختیار ہے) خواہ تم انہیں

مزاد و خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ذوالقرنین نے کہا جس نے ظلم (کفر و فسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے پھر اسے لوٹا دیا جائے گا اس کے رب کی طرف تو وہ اسے عذاب دیکھا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کئے تو اس کے لئے اچھا معاوضہ ہے۔ اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام بجالانے کا جو آسان ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”سبب“ سے مراد منزل ہے، مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مشرق و مغرب کے درمیان منزل اور رستہ ہے، ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی زمین کی دونوں طرفیں بھی منقول ہے۔ قنابہ اس کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ زمین کی منازل اور نشانات پر چل دیئے۔ ضحاک نے بھی ”سبب“ سے مراد منازل ہی لیا ہے۔ حضرات سعید بن جبیر، مکرمہ، عبیدہ بن یعلیٰ اور سدیی نے اس سے مراد علامت لی ہے، مطر کہتے ہیں کہ وہ (ذوالقرنین) زمین پر پہلے سے موجود نشانات اور آثار پر چل دیئے۔ پھر فرمایا: حَسْبِيَ إِذَا بَدَأْتُمُ الْعُيُوبَ الْفُتَيْسِ یعنی وہ ایک رستہ پر چل پڑے اور مغرب کا رخ کیا یہاں تک کہ وہ زمین کی اس مغربی سمت کی انتہا تک پہنچ گئے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں زمین کی مغربی سمت مراد ہے نہ کہ آسمان کا وہ حصہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے، کیونکہ وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے اور قصہ گو لوگوں نے یہ جو مشہور کر رکھا ہے کہ ذوالقرنین کچھ مدت زمین پر چلے رہے، پھر سورج کے غروب ہونے کی جگہ سے بھی تجاوز کر گئے اور اس دوران سورج ان کی پس پشت غروب ہوتا رہا، یہ سب من گھڑت قصے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، ان میں سے اکثر افسانے ہیں جو اہل کتاب کے خرافات اور زنادقہ کی افتراء کا شاخسانہ ہیں۔ مزید فرمایا: وَجَدَ هَاتَا الْعُرْبُ فِي عَيْنِ حَيْثُ لَمِنِ ابْتِئَاءِ مَغْرِبِ مِثْلِ بَيْتِجِ كَرَانِيسِ سورج کا منظر یوں دکھائی دیا کہ وہ بحر محیط میں ڈوب رہا ہے، بالکل یہی کیفیت ہر اس شخص کی ہوتی ہے جو ساحل پر کھڑے ہو کر سورج کا نظارہ کرتا ہے، اسے سورج یوں دکھائی دیتا ہے گویا وہ پانی میں ڈوب رہا ہے حالانکہ سورج چوتھے فلک میں ہے اور وہاں سے جدا کبھی نہیں ہوتا۔ ”حَجْمَةٌ“ ”حَمَاةٌ“ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے: چکنی مٹی جیسا کہ فرمایا: اِنِّي خَالِقٌ بِسْمَاءِ اَمْرِي صَنْصَالِ قَبْرِ حَيَاتِ اَمْسُوْنِ (الجم: 28) ”میں بشر پیدا کرنے والا ہوں کھٹکھٹاتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کچڑ تھی۔“ اس کا بیان گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی معنی منقول ہے یعنی کچڑ والا چشمہ۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت کعب الاحبار سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے زیادہ قرآن کریم کے عالم ہو، لیکن میں تو کتاب میں یہی پاتا ہوں کہ وہ سیاہ رنگ کی مٹی میں غروب ہو جاتا ہے (1)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ لفظ اسی طرح پڑھایا تھا یعنی ”حَجْمَةٌ“ (2)۔ ابن ابی طلحہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور قرأت نقل کرتے ہیں، وہ ہے: ”فِي عَيْنِ حَامِيَةٍ“، حامیہ کا معنی ہے گرم، حضرت حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ دونوں قراتیں مشہور ہیں، ان دونوں میں سے جو بھی پڑھ لی جائے درست ہے اور ان دونوں کے معانی میں کوئی منافات یا تضاد نہیں کیونکہ غروب آفتاب کے وقت سورج کے قریب ہونے اور بغیر کسی رکاوٹ کے براہ راست شعاعیں پڑنے کے سبب ممکن ہے کہ وہ چشمہ گرم ہو اور سیاہ کچڑ کے باعث پانی گدلا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی وکالت ہوئی آگ میں، اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی تپش کم نہ ہوتی تو یہ زمین پر ہر چیز کو جلا دیتا“ (3)۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا محل نظر ہے، ممکن ہے کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا کلام ہو اور کتب کی ان دو بوریوں سے لیا گیا ہو جو انہیں جنگ یرموک کے موقع پر ملی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابی

سفیان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو اس طرح تلاوت کیا: ”تقرب فی سین حمیة“ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تو اسے ”حَسَنَةً“ پڑھتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اسے کس طرح پڑھتے ہیں؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ جس طرح آپ نے پڑھا۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے گھر میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور ان سے پوچھا: آپ تو رات میں سورج کہاں غروب ہوتا ہوئے پاتے ہیں؟ حضرت کعب نے جواب دیا کہ عربی زبان کے ماہرین سے پوچھیں، وہ اس بارے میں بہتر جانتے ہیں، البتہ تو رات میں یہ لکھا ہے کہ سورج پانی اور مٹی (کچھڑ) میں ڈوبتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہاتھ سے مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ یہ قصہ سن کر ابن حاضر کہنے لگے کہ اگر اس وقت میں آپ کے پاس ہوتا، تو تبع کے وہ شعر آپ کی تائید میں پڑھ دیتا جس سے اس لفظ (حمر) کی وضاحت ہو جاتی ہے، ان اشعار میں تبع ذوالقرنین کی توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہوں پر سفر کرتے کرتے مشرق اور مغرب تک پہنچا، غروب آفتاب کے وقت اس نے دیکھا کہ سورج سیاہ کچھڑ کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے، ان اشعار کے تین الفاظ طلب، ناط اور حمر کے معانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھے تو انہوں نے بالترتیب یہ معانی بتائے: مٹی، کچھڑ اور سیاہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام یا کسی اور شخص سے فرمایا کہ یہ شخص جو کہتے ہیں کعبہ لو۔ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سورہ کعبہ کی تلاوت کر رہے تھے، جب آپ نے اس آیت وَجَدَهَا تَقْرُبُ فِي عَلَيْنِ حَوْمًا كِي تَلَادُتِ كِي تو حضرت کعب کہنے لگے کہ جس طرح تو رات میں ہے، اسی طرح میں نے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ تو رات میں بھی یہی ہے کہ سورج سیاہ رنگ کے کچھڑ میں ڈوبتا ہے۔ تفسیر ابن جریج میں وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا کے تحت مذکور ہے کہ وہاں ایک شہر تھا جس کے بارہ ہزار دروازے تھے۔ اگر اس شہر کے مکینوں کا شور و غل نہ ہوتا تو وہ غروب آفتاب کی آہٹ تک سن لیتے۔ یہاں انہوں نے اولاد آدم سے ایک بہت بڑی امت کو آباد پایا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: فَمُنَّا لِي الْفَقْرُ نَحْنُ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو اس بہتی پر مکمل اقدار عطا فرمایا اور یہاں کے رہنے والوں پر پورا پورا تسلط مرحمت فرمادیا۔ اس نے یہ اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہیں تو ان بہتی والوں کو قتل کر دیں اور قید میں ڈال دیں اور اگر چاہیں تو ان سے حسن سلوک کریں تاکہ ہر طرف ان کے عدل اور ایمان کی شہرت پھیل جائے، کہنے لگے: اَمَّا مَنْ ظَلَمَ، یعنی ان میں سے جو کفر و شرک پر بضد رہے گا، اسے ہم سزا دیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سزا قتل تھی۔ سدی کہتے ہیں کہ تانبے کا برتن خوب گرم کیا جاتا پھر ایسے لوگوں کو اس میں ڈال کر پلاکت کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہ بن منہ کہتے ہیں کہ ظالم سپاہی ان پر مسلط کر دیے جاتے جو ان کے گھروں میں داخل ہو جاتے اور ہر طرف سے گھیر کر انہیں طرح طرح کی سزاؤں دیتے (1)۔ آیت کریمہ میں عَذَابًا مُّكْرَمًا سے مراد سخت دردناک عذاب ہے۔ اس میں قیامت اور جزا کا بھی ثبوت ہے۔ اہل ایمان کے متعلق واضح کر دیا: وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ یعنی جو شخص ہماری دعوت کو قبول کرتے ہوئے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت میں ہماری اتباع کرے گا، اسے روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت عمدہ اجر ملے گا اور ہم خود بھی اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے شاکستہ بات کہیں گے۔

ثُمَّ اَتَّبِعْ سَبَبًا ۝ حَتَّىٰ اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ النَّسِيسِ وَجَدَهَا تَصْلُحُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ يَجْعَلْ لَهَا مِنْ

دُونَهَا سَمَرًا ۝ كَذَلِكَ ۝ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝

”پھر وہ روانہ ہوا دوسرے راستہ پر یہاں تک کہ جب وہ پہنچا طلوع آفتاب کے مقام پر تو اس نے پایا سورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بتائی ہم نے ان کے لئے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی آرزو۔ ہت یونہی ہے اور ہم نے احاطہ کر رکھا ہے ہر اس چیز کا جو اس کے پاس تھی اپنے علم سے۔“

ذوالقرنین پھر ایک اور سفر پر روانہ ہوئے اور غروب آفتاب کے مقام سے طلوع آفتاب کے مقام کی طرف چل پڑے، دوران سفر جس قوم سے سامنا ہوتا، اسے مغلوب کر کے توحید کی دعوت دیتے، اگر تو وہ ان کی اطاعت کر لیتے تو فیہا درنہ انہیں ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیتے۔ ان کے اموال اور ساز و سامان کو اپنے قبضہ میں لے لیتے اور ساتھ والے علاقوں کے ساتھ متوقع معرکہ کے پیش نظر بقدر ضرورت لوگوں کو اپنے لشکر میں شامل کر لیتے۔ اسرائیلی روایات میں آتا ہے کہ وہ ایک ہزار چھ سو سال تک زندہ رہے۔ اس عرصہ کے دوران وہ مسلسل زمین کے طول و عرض میں پیش قدمی کرتے رہے یہاں تک کہ مشرق اور مغرب تک پہنچ گئے۔ جب وہ زمین کے اس مقام پر پہنچے جہاں سورج طلوع ہوتا ہے تو وہاں انہوں نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتا ہے جن کے پاس کوئی ایسی آڑ یا پردہ نہیں ہے جس کے ذریعے وہ سورج کی گرمی سے اپنا بچاؤ کر سکیں۔ نہ ان کے پاس مکانات ہیں جو انہیں سورج کی تپش سے محفوظ رکھیں اور نہ درخت ہیں جو انہیں سایہ فراہم کریں اور سورج کی نمازات سے بچائے رکھیں۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ وہ سرخ رنگ کے پستہ قامت لوگ تھے۔ غاریں ان کا مسکن تھا اور عمومی خوراک مچھلی تھی، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ان کی زمین عمارتوں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ جب سورج طلوع ہوتا تو وہ پانی میں چلے جاتے اور جب سورج غروب ہوتا پانی سے نکل کر ادھر ادھر جانوروں کی طرف چلا تے پھر نے (1)۔ قزوہ کہتے ہیں کہ ان کی زمین بجز تھمی، کوئی چیز وہاں نہیں آگئی تھی، طلوع آفتاب کے وقت وہ خانوں میں چلے جاتے اور جب سورج ڈھلتا تو اپنے کھیتوں کی طرف نکل جاتے۔ سلمہ بن کہیل کہتے ہیں کہ سر چھپانے کیلئے ان کے پاس کوئی محفوظ مقامات نہیں تھے، البتہ ان کے کان بڑے بڑے تھے، طلوع آفتاب کے وقت ان میں سے ہر شخص اپنا ایک کان نیچے بچھالیتا اور دوسرا کان اوپر اڑھ لیتا۔ قزوہ کہتے ہیں کہ یہ وحشی جوشی تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نہ انہوں نے کبھی خود کوئی عمارت وغیرہ وہاں بنائی اور نہ ہی کسی اور نے۔ جب سورج طلوع ہوتا تو وہ زوال تک خانوں میں گھسے رہتے یا پانی میں اور ان کی زمین پر کوئی پہاڑ بھی نہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک لشکر وہاں آدھمکا، وہاں کے مکینوں نے انہیں کہا کہ اس سر زمین پر طلوع آفتاب کا سامنا کرنے سے بچو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیں رہیں گے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، پھر پوچھنے لگے کہ یہ ہڈیاں کیسی ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ پہلے ایک لشکر یہاں آیا تھا، جو نبی ان پر سورج طلوع ہوا، وہ سبھی مر گئے، یہ ان کی ہڈیاں ہیں، یہ سنتے ہیں وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے (2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان گَذَلِكْ ۝ وَقَدْ أَحَطْنَا ۝ میں بقول مجاہد اور سعدی ”خبر“ کا معنی علم ہے یعنی ہم ذوالقرنین اور ان کے لشکر کے حالات پر پوری طرح مطلع ہیں اور ان کی کوئی چیز ہم پر مخفی نہیں اگرچہ وہ زمین کے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے: لَا يَخْفَىٰ عَلَیْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (آل عمران: 5) ”نہیں پوشیدہ رہتی اس پر کوئی شے زمین میں اور نہ آسمان میں۔“

لَمْ أَتِبْكُمْ سَمِيًّا ۝ حَتَّىٰ إِذَا بَدَأْتُمُ السَّدَانِ ۝ وَجَدْتُمْ مِن دُونِنَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ

يَقْتُلُونَ قَوْلًا ⑤ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْقُرَيْشُ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ
نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ⑥ قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ
فَاعْيَنُونِي يَفْهَمُوا أَعْمَلُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَادِمًا ⑦ التَّوْفِي رُبُّوهُمُ حَتَّىٰ إِذَا سَأَوِي
بَيْنَ الصَّدَاقَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ⑧ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا ⑨ قَالَ التَّوْفِي أْفِرِعْ عَلَيْهٖ وَظَهْرًا ⑩

”پھر وہ روانہ ہوا ایک اور راہ پر۔ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان تو پایا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم کو جو نہیں سمجھ سکتے تھے (ان کی) کوئی بات۔ انہوں نے کہا اے ذوالقرنین ایاجوج اور ماجوج نے بڑا فساد برپا کر رکھا ہے اس علاقہ میں تو کیا ہم مقرر کریں آپ کے لئے کچھ خراج تاکہ آپ بنا دیں ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار۔ وہ بولا وہ دولت جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے پس تم میری مدد کرو جسانی مشقت سے میں بنا دوں گا تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ۔ تم لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں (چنانچہ کام شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب ہموار کر دیا گیا وہ خلا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا تو اس نے حکم دیا جو لوگوں کو یہاں تک کہ جب وہ لوہا آگ بنا دیا تو اس نے کہا لے آؤ میرے پاس پگھلتا ہوا تانہا اس سے اس پگھلے ہوئے لوہے پر اٹھ لیں۔“

ذوالقرنین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ ایک اور راہ پر چلے یعنی انہوں نے مشرق سے ایک نئے سفر کا آغاز کیا، چلتے چلتے وہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ایک مقام پر پہنچے۔ یہ پہاڑ ایک دوسرے کے بالمقابل تھے، درمیان میں ایک درہ تھا، جہاں سے یاجوج ماجوج نکل کر ترک علاقوں پر حملہ آور ہوتے، وہاں خوب فساد برپا کرتے، کھیتوں کو برباد کر دیتے اور لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ یاجوج ماجوج بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے: ”اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! آپ عرض کریں گے: ”لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ“، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آگ کا حصہ الگ کرو، عرض کریں گے کہ آگ کا کتنا حصہ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں، اس وقت ہر بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ اپنے حمل کو گرا دے گی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں دو امتیں ہیں، وہ جس میں ہوں اسے اکثریت والا بنا دیتی ہیں، یعنی یاجوج ماجوج“ (1)۔ امام نووی نے شرح مسلم میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے منیٰ خارج ہو کر منیٰ میں مل گئی، اس سے یاجوج ماجوج کی تخلیق ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی تخلیق صرف حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی نہ کہ آدم و حوا دونوں سے، یہ قول بہت ہی عجیب و غریب ہے جسکی نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل اور اہل کتاب سے منقول ایسی روایات قابل اعتماد نہیں کیونکہ ان کے ہاں اکثر من گھڑت اور بناوٹی روایات ملتی ہیں۔ حضرت سرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نوح (علیہ السلام) کے تین بیٹے تھے، سام جس سے عربوں کی نسل چلی، حام جس سے حبشیوں کی نسل چلی اور یافق جس سے ترکوں کی نسل چلی“ (2)۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یاجوج ماجوج بھی یافق کی اولاد میں سے ہیں۔ چونکہ یہ ہر وقت فساد، بغاوت اور شرارت پر آمادہ رہتے تھے اس لئے انہیں پہاڑ کے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا، وہاں الگ تھلگ چھوڑے جانے کی بنا پر انہیں ترک نام دیا گیا۔ ابن جریر نے وہب بن منبہ سے ذوالقرنین کے سفر، تفسیر

سد اور یا جوج ماجوج، ان کی صفات، اشکال، قد و قامت اور کانوں کے متعلق ایک طویل قصہ نقل کیا ہے جو عجیب و غریب ہونے کے علاوہ صحت سے بھی بعید ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے اس سلسلہ میں متعدد غریب احادیث روایت کی ہیں جن کی سندیں صحیح نہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا۔ یعنی پہاڑوں کے درے میں انہوں نے ایسے لوگ آباد پائے جو اپنی مخصوص زبان سے واقفیت اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے کسی اور کی زبان کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے ذوالقرنین کی نیک نفسی کو دیکھتے ہوئے ان سے گزارش کی کہ یا جوج ماجوج آئے دن ہماری ہستی کو تاراج کرتے رہتے ہیں، اگر آپ مہربانی فرمائیں تو ہم آپ کیلئے بہت سامان جمع کرنے کیلئے تیار ہیں، تاکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار اور آڑ بنادیں۔

ذوالقرنین نے عفت، دیانت اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور مفاد عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا: مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي حَذِيذٌ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جو بادشاہت اور اقتدار مرحمت فرمایا ہے وہ تمہارے مال سے بہتر ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: أَشِدُّ دُنِّي بِمَالٍ لَسْنَا آتَيْنَا اللَّهَ حَيْرًا وَمِنَّا لَكُنْمُ (النمل: 36) ”کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو، جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے۔“ ذوالقرنین کہنے لگے کہ جو کچھ مجھے عطا فرمایا گیا ہے وہ اس مال سے بہتر ہے جو تم خرچ کرو گے، لیکن تم افرادی قوت، بزم پہنچاؤ اور جسمانی محنت اور آلات تعمیر کے ذریعے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا، تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ۔ ”زبر“ زبرۃ کی جمع ہے اس کا معنی ہے لوہے کا ٹکڑا۔ لوہے کے یہ ٹکڑے اینٹوں کی طرح تھے، کہتے ہیں کہ ہر ٹکڑے کا وزن ایک قنطار تھا، لوہے کے ٹکڑے جمع ہو گئے تو ذوالقرنین نے دیوار کی تعمیر شروع کر دی، یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان خلا کو ہموار کر دیا اور طول و عرض میں اسے دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر کر دیا۔ اس دیوار کے طول و عرض کی مقدار میں لوگوں کا اختلاف ہے، اس کے بعد فرمانے لگے: انْفَعُوا... یعنی اس پر آگ بھڑکاؤ، یہاں تک کہ جب وہ دیوار بالکل آگ بن گئی تو کہنے لگے کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ اسے میں اس کے اوپر بہا دوں۔ ”قنطر“ سے مراد بقول ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، عساک، قتادہ اور سدی پگھلا ہوا تانبا ہے۔ اسکی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: وَاسْتَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقَصْرَ (سبا: 12) ”اور ہم نے ان کیلئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا۔“ یہ دیوار دیکھنے میں یوں معلوم ہونے لگی گویا دھاری دار چادر ہے، ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے یا جوج ماجوج کی وہ دیوار دیکھی ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ کبھی ہے؟ عرض کی: دھاری دار چادر کی طرح جس میں سرخ اور سیاہ دھاریاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”واقعی تم نے اسے دیکھا ہے“ (1)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ خلیفہ ہاشمی نے اپنے عہد میں اپنے کسی امیر کو ایک بہت بڑا لشکر اور کثیر ساز و سامان دیکر ایک مہم پر روانہ کیا۔ وہ مہم یہ تھی کہ وہ اس دیوار کو تلاش کر کے اسکی صحیح صحیح خبر لائیں۔ چنانچہ یہ لوگ اس مہم پر روانہ ہوئے اور ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی خاک چھانٹتے ہوئے آخر کار منزلی مقصود پر پہنچ گئے۔ انہوں نے لوہے اور تانبے سے تعمیر کردہ دیوار دیکھی اس میں ایک بہت بڑا دروازہ تھا جس پر دیو بیکل قفل لگے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک برج میں باقیماندہ اینٹیں، مال اور سالہ پڑا ہوا ہے۔ پڑوسی بادشاہوں کی دست برد سے محفوظ رہنے کیلئے باقاعدہ پہرے کا انتظام ہے۔ دیوار استقدر بلند ہے کہ اس پر چڑھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح اس کے ساتھ ساتھ بلند و بالا پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ لینے کے بعد یہ لوگ اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔

اس مہم پر دوساں سے بھی زائد عدد صرف ہوا۔ اس دوران انہوں نے نہایت عجیب و غریب اور ہولناک چیزوں کا مشاہدہ کیا۔

فَمَا اسْتَطَاعُوا أَنْ يَنْظُرُوا وَوَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ﴿١٥﴾ قَالَ هَذَا أَرْحَمُهُ قَبْلَ رَبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعَدَّ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءً وَكَانَ وَعْدَ رَبِّي حَقًّا ﴿١٦﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجًا فِي بَعْضٍ وَ

نُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿١٧﴾

”سہ یا جوج ماجوج بڑی کوشش کے باوجود اسے سر نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے۔ ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی) اور جب آجائے گا میرے رب کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ اور میرے رب کا وعدہ (ہمیشہ) سچا ہوا کرتا ہے۔ اور ہمہواگزار کر دیں گے بعض کو اس دن کہ وہ (تند موجوں کی طرح) دوسروں میں گھس جائیں گے اور صورت چھوٹا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کر دیں گے۔“

اللہ تعالیٰ یا جوج ماجوج کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ سر توڑ کوشش کے باوجود نہ تو دیوار کو پھانسیا کر سکے اور نہ ہی نیچے سے نقب لگا سکے، چونکہ دیوار پر چڑھنا اس میں سوراخ کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے اس لئے ہر ایک کیلئے مناسب لفظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: فَمَا اسْتَطَاعُوا؛ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نہ تو پوری دیوار میں سوراخ کر سکے اور نہ اس کے کچھ حصہ میں، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”یا جوج ماجوج ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ سوراخ غروب ہونے والا ہے تو ان کا سردار انہیں حکم دیتا ہے کہ واپس چلے آؤ، کل اسے کھود کر گرا دینا، لیکن جب وہ اگلے روز آتے ہیں تو اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط پاتے ہیں۔ آخر کار جب ان کی میعاد پوری ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں پر ان کا ٹکنا منظور ہوگا تو یہ دیوار کو کھودتے کھودتے پھٹکے جیسا کریں گے، جب سوراخ غروب ہونے کے قریب ہوگا تو ان کا سردار انہیں کہے گا کہ اب واپس چلو، کل انشاء اللہ اسے مس کر ڈرائیں گے۔ ان شاء اللہ کہنے کی وجہ سے وہ اگلے روز دیوار کو جوں کا توں، بالکل اسی حالت پر پائیں گے جس پر وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ چنانچہ وہ اسے گرا کر لوگوں پر پل پڑیں گے، تمام پانی ہزپ کر جائیں گے، لوگ ان کی دست برد سے محفوظ رہنے کیلئے قعدہ بند ہو جائیں گے، یہ اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے تو وہ خون آلود ان کے پاس لوٹیں گے، یہ دیکھ کر وہ کہیں گے کہ ہم نے نہ صرف زمین والوں کو مغلوب کر لیا ہے بلکہ آسمان والوں کو بھی، حکم خدا ان کی گردنوں میں ایسے کیڑے مسلط ہوں گے جن کے سبب یہ سب مر جائیں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! زمین کے جانور ان کے خون اور گوشت کھا کھا کر خوب موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے“ (1)۔ اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ غریب ہے۔ اور صرف اس سند سے معروف ہے۔ اسکی سند عمدہ اور قوی ہے لیکن متن میں نکارت ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دیوار کی چٹنگی اور مضبوطی کے باعث نہ وہ اسے عبور کر سکے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکے۔ حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ یا جوج ماجوج ہر روز اس دیوار کو چائے ہیں یہاں تک کہ جب وہ بہت کم باقی رہ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کل اسے توڑ ڈالیں گے، جب اگلے روز آتے ہیں تو دیوار کو بالکل اسی طرح پاتے ہیں جس طرح وہ اصل میں تھی، پھر وہ اسے چائنا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ معمولی سے مقدار باقی رہ جاتی ہے، کہتے ہیں کہ کل اس کا کام تمام کر دیں گے لیکن دوسرے دن دیوار کو پھر اصلی شکل میں پاتے

ہیں۔ آخر کار جب ان کا خروج مقصود ہوگا تو انہیں بذریعہ الہام ان شاء اللہ کہنے کی تلقین کی جائے گی۔ چنانچہ انشاء اللہ کہہ کر وہ دیوار کو جس حالت پر چھوڑیں گے، اگلے دن صبح بالکل اس حالت پر اسے پائیں گے اور اسے گرا کر باہر کود پڑیں گے۔ یہ بات قابل فہم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے، ممکن ہے یہ روایت حضرت کعب سے لی ہو کیونکہ آپ اکثر ان کے پاس بیٹھتے اور گفتگو کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے نے اسے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سمجھ کر مرفوعاً بیان کر دیا ہو۔ ہمارے اس موقف کی تائید کہ وہ نہ تو پوری دیوار میں نقب لگانے پر متمکن ہوئے اور نہ اس کے کچھ حصہ میں، وہم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہوئے، آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور آپ یہ فرما رہے تھے: "لا اله الا الله" ایک قریب آ جانے والے شتر کے باعث عربوں کیلئے بربادی ہے، آج یا جوج، جوج کی دیوار میں اس قدر سوراخ ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے حالانکہ ہمارے اندر نیلکا کا موجود ہیں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں، جب ضعیف لوگوں کی کثرت ہو جائے گی" (1)۔ یہ حدیث صحیح جیسے بخاری و مسلم نے امام زہری سے روایت کیا ہے لیکن بخاری کی روایت میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر اور ایولوں میں موجود نہیں البتہ مسلم کے راویوں میں آپ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔ اس سند میں چند چیزیں ایسی ہیں جو شاذ و نادر ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ ایک چیز یہ ہے کہ زہری نے عروہ سے روایت کی ہے اور یہ دونوں تابعی ہیں، دوسری چیز یہ ہے کہ اس سند میں چار عمرتیں جمع ہو گئی ہیں جو ایک دوسرے سے روایت کرتی ہیں، پھر یہ چاروں صحابیہ ہیں، ان میں سے دو نبی کریم ﷺ کی سوتیلی بیٹیاں ہیں، یعنی زینب بنت ابی سلمہ اور حبیبہ بنت ام حبیبہ جبکہ باقی دو (ام حبیبہ اور زینب بنت جحش) آپ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ اس طرح کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آج یا جوج، جوج کی دیوار میں اس قدر سوراخ ہو گیا اور آپ نے انگلیوں سے نوے کا اشارہ کیا" (2)۔ دیوار کی تعمیر مکمل ہونے پر ذوالقرنین کہنے لگے، هَذَا بَرَأْنِي مِنَ الشَّرِّ۔ یعنی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص رحمت ہے کہ اس نے ان کے اور یا جوج، جوج کے درمیان ایک آڑ قائم کر دی تاکہ وہ ان کے فتنہ و فساد اور شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ جب میرے رب کے سچے وعدے کا وقت آ جائے گا تو وہ اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین بوس کر دے گا۔ دکاء کا معنی ہے برابر، جب کسی اونٹنی کی کوبان نہ ہو اور انکی پشت برابر ہو تو اسے "نائد دکاء" کہا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فَلَمَّا تَصَلَّىٰ نَسَبْنَا لَهَا لِيُجَبِّلَ جَعَلْنَا دَكَّاءَ (الاعراف: 143)" پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اسے پاش پاش کر دیا، عکرمہ اپنی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے پہلے کی طرح رستہ بنا دے گا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے جس کا وقوع یقینی ہے۔ مزید فرمایا: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ... یعنی اس دیوار کے سہار ہونے کے بعد یہ لوگ وہاں سے نکل پڑیں گے اور مسند کی موجوں کی طرح ایک دوسرے لوگوں میں گھس جائیں گے، خوب اور صدمہ مچائیں گے، فساد پھیلے گا اور لوگوں کے مال و متاع تلف کر ڈالیں گے۔ یہ واقعہ خروج دجال کے بعد اور وقوع قیامت سے پہلے ہوگا، اس کا پورا بیان اس آیت: سَخَّيْنَا إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ يَغِيْبُونَ ﴿۹۶﴾ وَافْتَتَبَ الرَّوْعَدُ الْحَقَّ (الانبیاء: 96-97) کی تفسیر کے تحت ہوگا۔ اس طرح یہاں فرمایا: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ... وقوع قیامت سے کچھ پہلے شروع میں یہ ہوگا، اس کے بعد صور پھونکا جائے گا اور سب لوگ جمع ہو جائیں گے، بعض

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد 9، صفحہ 168، مسند احمد جلد 6، صفحہ 428

2۔ فتح الباری کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 382، صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 2208

دوسرے حضرات اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ روز قیامت تمام جن وانس خلط ملط ہو جائیں گے اور موجوں کی طرح ایک دوسرے میں گھس جائیں گے۔ بنو فزارہ کے ایک شیخ کا کہنا ہے کہ جب جن وانس آپس میں گھل مل جائیں گے تو اس وقت انہیں کہے گا کہ میں تمہیں حقیقت حال معلوم کر کے بتاتا ہوں، چنانچہ وہ مشرق کی طرف بھاگ نکلے گا لیکن وہاں فرشتوں کو دیکھ کر مغرب کا رخ کرے گا۔ وہاں بھی ہر جگہ فرشتوں کو پائے گا تو کہے گا کہ کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ پھر وہ دائیں بائیں زمین کی انجاہ تک بھاگے گا لیکن زمین کی تہ میں بھی فرشتوں کو پائے گا اور کہتا جائے گا کہ آج فرار کی کوئی جگہ نہیں۔ اسی اثناء میں اسے قسم کی مقدار رستہ دکھائی دے گا تو وہ اپنی ساری ذریت کو لیکر اس رستہ میں گھس جائے گا۔ آگے جائے گا تو اس کا سامنا جہنم سے ہوگا۔ ایک داروغہ جہنم اسے کہے گا: اے اٹلیس! کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام نہیں حاصل تھا، کیا تو جنت میں نہیں تھا؟ وہ کہے گا کہ یہ عتاب اور سزا کا دن نہیں۔ اے اللہ تعالیٰ مجھ پر ایک فریضہ مقرر کر دے تو میں انکی اتنی عبادت کروں جس قدر عبادت انکی مخلوق میں سے کسی نے نہ کی ہو۔ داروغہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فریضہ تم پر مقرر کر رکھا ہے۔ اٹلیس پوچھے گا کہ کونسا؟ داروغہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جہنم میں جانے کا حکم دیتا ہے۔ اس پر اٹلیس ہچکچائے گا تو وہ فرشتہ اسے اور انکی ذریت کو اپنے دونوں پروں کے ساتھ گھینٹے ہوئے جہنم میں پھینک دے گا، جونہی انہیں پھینکا جائے گا، جہنم سے ایک سخت چنگھاڑ سنائی دے گی جس کے باعث تمام فرشتے، نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے حضور بجز و نیاز کرتے ہوئے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یا جوج ماجوج اولاد آدم سے ہیں، اگر انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ لوگوں کی معاش میں فساد برپا کریں۔ ان میں سے کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی اولاد میں ایک ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ افراد نہ چھوڑے۔ ان کے سواتین اور اسی ہیں: تاویل، تاریخ اور نمک“ (1)۔ یہ حدیث فریب بلکہ منکر اور ضعیف ہے۔ حضرت اوس بن ابی اوس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یا جوج ماجوج کی بیویاں ہیں، جس قدر چاہیں، ان کے ساتھ مجامعت کریں اور ان کے ہاں درخت ہیں، جس طرح چاہیں بیوی بدمعاری کریں۔ ان میں سے جب کوئی مرتا ہے تو اپنے پیچھے ایک ہزار بلکہ اس سے بھی زائد افراد چھوڑ کر مرتا ہے“ (2)۔ اور صورت جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، ایک قرن (سینک) ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ اس میں پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے جیسا کہ ایک طویل حدیث میں گزر چکا ہے۔ اس سلسلہ میں اور بھی متعدد احادیث ہیں۔ حضرت ابن عباس اور ابو سعید سے ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: ”میں کیسے سکون سے بیٹھوں جبکہ صاحب قرن، قرن کو منہ سے لگائے، پیشانی جھکائے اور کان لگائے ہوئے منتظر ہے کہ کب (صور پھونکنے کا) حکم ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی کہ پھر ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ کہو: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ عَلَيَّ اللَّهُ فَوَلَّانَا“ (3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا اِطْرَحْ اور مقامات پر فرمایا: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لِيَسْمَعُوْنَ لِي اِنْ صِبْقَاتِ يَدِي وَفَعُوْهُ (الواقفہ: 49-50) ”آپ فرمادیجئے بے شک انگوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں جمع کیا جائے گا۔“ وَحَسْبُهُمْ لَكُمْ لِقَاءُ رَبِّهِمْ اَحَدًا (الکہف: 47) ”اور ہم انہیں جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔“

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِيْنَ عَرْضًا ۗ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاۗءٍ عَنِ ذٰلِكُمْ ۗ
وَكَانُوْا لَا يَسْتَفِيحُوْنَ سَعًا ۗ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْ

أَوْ يَأْتِ إِلَّا آخِذًا بِأَعْقَابِهِمُ الْكٰفِرِينَ نَزَّلًا ۝

”اور ہم ظاہر کر دیں گے جہنم کو اس دن کفار کے لئے بالکل عیاں۔ وہ کافر جن کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے میری یاد سے اور جو (کلمہ حق) سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کیا گمان کرتے ہیں کفار کہ وہ بتائیں گے میرے بندوں کو میرے بغیر اپنا حماقتی؟ (یہ ناممکن ہے) بیشک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کفار کی رہائش کے لئے۔“

روز قیامت کفار کے ساتھ جو سلوک ہوگا، اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ جہنم بالکل عیاں کر کے ان کے سامنے ظاہر کر دیا جائے گا تا کہ وہ اس میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کے عبرتناک اور ہوشربا عذاب کا مشاہدہ کر لیں، فوری طور پر غم و اندوہ اور زنج و الم میں مبتلا کرنے کا یہ زیادہ موثر طریقہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن جہنم کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ جکڑ کر لایا جائے گا اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے“ (1)۔ پھر ان کفار کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: **الَّذِينَ كَانَتْ أَصْهُمُ... یعنی یہ کفار قبول ہدایت اور اتباع حق سے غافل، اندھے اور بہرے بنے رہے جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ لَقَدْ ضَلَّ لِشَيْطٰنٍ قَوْلَهُ قَدْرِيْعٌ (الزخرف: 36)“ اور جو شخص رخص کے ذکر سے (وانست) اندھا بنتا ہے، ہم اس کیلئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جس سے وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے“ اور یہاں فرمایا: **وَكٰلِئِذَا يَسْتَطِيعُوْنَ سَبْعًا** یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ پھر فرمایا: **اَفَحَسِبَ الَّذِيْعُ... یعنی یہ کفار یقین کیے بیٹھے ہیں کہ وہ اپنے محبوبانِ باطلہ کو اپنا حماقتی اور مرد گار بنا لیں گے اور وہ ان کے کام آئیں گے حالانکہ ان کی حقیقت یوں ہے: كَلَّا سِبْطُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ عَلَيْهِمْ حَسْبًا (مریم: 82)“ ہرگز نہیں، وہ جھوٹے خداؤں کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے۔“ اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان کفار کی رہائش کیلئے جہنم بالکل تیار ہے۔****

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِاٰرَآءِ خٰسِرِيْنَ اَعْمٰلًا ۝ الَّذِيْنَ صَلَّ سَعِيْبُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّيْهِمْ وَلِقٰئِيْهِمْ وَحَوِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوْا وَاَنْتُمْ حٰدِثُوْا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هٰذَا ۝

”فرمائیے (اے لوگو!) کیا ہم مطلع کریں تمہیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھٹائے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیاوی زندگی کی آرائشی میں کھو کر رہ گئی اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں۔ سبکی وہ (بد نصیب) ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا تو ضائع ہو گئے ان کے اعمال تو ہم ان کے اعمال تو لے لے کے لئے روز قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے۔ یہ ہے ان کی جزا جہنم اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنالیا۔“

حضرت مصعبؓ نے اپنے والد گرامی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس آیت **قُلْ هَلْ** کے متعلق دریافت کیا کہ کیا

اس سے خوارج مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود نے حضور اکرم ﷺ کو جھٹلایا، نصاریٰ نے سنت کا انکار کیا اور کہنے لگے کہ ہاں کوئی طعام و شراب نہیں اور خوارج نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو پختہ کر لینے کے بعد ٹر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خوارج کو فاسق کہا کرتے تھے (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، قتادہ اور دیگر متعدد حضرات کہتے ہیں کہ اس میت سے مراد خارجی ہیں (2)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت خارجیوں کو بھی اسی طرح شامل ہے جس طرح یہود، نصاریٰ اور ان جیسے ٹیڑھ لوگوں کو، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آیت کسی مخصوص گروہ کے متعلق نازل ہوئی ہے بلکہ یہ آیت عام ہے اور اس قماش کے تمام لوگوں کو شامل ہے کیونکہ یہ آیت کی ہے اور اس کے نزول کے وقت مکہ میں اس کے مخاطب یہود و نصاریٰ نہ تھے اور خوارج کا تو اس وقت وجود تک نہ تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت ہر اس شخص کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ طریقے کے مطابق اسکی عبادت کرتا ہے اور وہ اپنے بس یہ یقین کر بیٹھتا ہے کہ وہ بہت عمدہ اور درست کام کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل مقبول ہوگا حالانکہ اس کا یہ گمان غلط اور اس کا عمل مردود ہے۔

یسا کہ فرمایا: **وَجُودًا يُؤْمِنُونَ خَاشِعَةً لِّلْعَابِدَاتِ وَأَصْلًا نَّاصِحَةً لِّلْمُكَلِّمَاتِ تَاثِرًا حَاجِبَةً** (الغاشیہ: 2-4) ”کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے مشقت میں جٹلا تھکے ماندے، داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں“، **وَقَدْ مُنَّا إِلِی صَاعِمُونَ** ابن عباسی **فَجَعَلْنَاهُمْ نَبَاً مِّنْ نَّبَاِ الْفِرْقَانِ**: ”اور ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے اور انہیں گردوغبار بنا کر اڑا دیں گے“، **وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَصْحَابُ الْكُفْرَةِ أَصْحَابُ كُفْرَتِهِمْ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ يَبْتَلِيهِمُ الْاُنْثَانَ صَاوِطًا حَتَّىٰ اِذَا جَاءَهُمْ كُنُوزُهُمْ كَانُوا بِهَا كَاثِبِينَ** (النور: 39) ”اور کافروں کے اعمال ایسے ہیں جیسے کسی ٹھٹھل میدان میں چمکتی ہوئی ہبت ہو جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا“۔ اور یہاں فرمایا: **قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ** پھر لوگوں کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: **أَلَمْ نَبِّئْهُمْ خَلْقًا ...** یعنی یہ لوگ ناپسندیدہ اور غلط طریق کار کو اپنانا کر باطل اعمال کرتے رہے۔

دل میں یہ یقین محکم کیے رہے کہ وہ بہت عمدہ کام کر رہے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے ہیں لیکن یہ تو ایسے بد نصیب جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی صداقت پر قائم آیات اور دلائل کا انکار کر دیا اور آخرت کو جھٹلانے لگے، اس نے قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا کیونکہ وہ خیر سے خالی تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”روز قیامت ایک بھاری بھر کم موٹا تازہ شخص آئے گا لیکن اللہ کے ہاں پتھر کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگرچا ہو تو یہ آیت **فَلَا نُفِئُكُمْ لَهُمْ**۔۔۔ پڑھ لو“ (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”بہت زیادہ پیڑھ اور بھاری بھر کم شخص کو لایا جائے گا اور ایک دانے کے ساتھ اس کا وزن کیا جائے گا تو اس کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا“۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک قریشی اپنے طے میں اترا تا ہوا وہاں سے گزرا، جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آکر ٹھہرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے بریدہ! یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کا روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وزن نہیں ہوگا“ (4)۔ حضرت کعب فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک گرائڈل اور لمبا بڑکا شخص لایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن پتھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا، اسکی یہ آیت **فَلَا نُفِئُكُمْ**۔۔۔ ہے (5)، پھر ان کی جزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **ذٰلِكَ جَزَاُ وَّهْمٍ جَهَنَّمَ**۔۔۔ یعنی یہ ان کے کفر، اللہ تعالیٰ کی

2- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 32-33

بخاری، تفسیر سورہ کہف، جلد 6 صفحہ 117

بخاری، تفسیر سورہ کہف، جلد 6 صفحہ 117 صحیح مسلم، کتاب صدقات القیلت والجزء والناز، جلد 4 صفحہ 2147

5- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 35

شف الاستار، زوائد الخوارزمی، کتاب الفہام، جلد 3 صفحہ 385

آیات اور رسولوں کا تمسخر اڑانے اور انہیں جھٹلانے کا بدلہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿٤١﴾ خُلِدُوا فِيهَا لَا
يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿٤٢﴾

”یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے۔ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ وہ اس جگہ کو بدل لیں۔“

اللہ تعالیٰ کے سعادت مند بندوں کا ذکر ہو رہا ہے، یہ ایسے پاکباز ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور تمام رسولوں کی تصدیق کی، ان کیلئے فردوس کے باغات ہیں، مجاہد کہتے ہیں کہ رومی زبان میں باغ کو فردوس کہتے ہیں، کعب، سدوی اور ضحاک کہتے ہیں کہ فردوس سے مراد انگوروں کا باغ ہے، ابو امامہ کہتے ہیں کہ فردوس سے مراد وسط جنت ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ فردوس جنت میں سے سب سے افضل، بلند اور اونچی جگہ پر واقع ایک مقام ہے جیسا کہ حضرت سرور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فردوس جنت کا ٹیلہ، ساری جنت سے اعلیٰ اور خوبصورت ہے“ (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے فردوس مانگو کیونکہ یہ جنت کا سب سے اعلیٰ اور افضل مقام ہے اور یہاں سے ہی جنت کی نہریں پھوٹی ہیں“ (2)۔ آیت کریمہ میں لفظ ”نزل“ سے مراد ضیافت اور مہمان نوازی ہے۔ وہ فردوس کے باغات میں ہمیشہ ہمیشہ مقیم رہیں گے اور یہاں سے کوچ کرنے اور اس کے بدلے کوئی اور جگہ تلاش کرنے کا انہیں خیال تک نہیں آئے گا۔ ان کی کیفیت بالکل ایسی ہوگی جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے وہ میرے دل کے سیاہ نقطہ میں جاگزیں ہوگی، یہ میں اس کے بدلے میں کوئی اور تلاش کرتا ہوں اور نہ میں اسکی محبت سے دستبردار ہوتا ہوں (3)۔ فرمایا: لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا یہ فرما کر جنات الفردوس میں ان کی رغبت اور محبت سے آگاہ کر دیا حالانکہ ایک ہی جگہ پر ہمیشہ مقیم رہنے والے شخص کے متعلق کم از کم یہ تو گمان کیا ہی جاسکتا ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی اکتاہٹ کا شکار ہو سکتا ہے لیکن ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ وہ اس دوام اور خلود کے باوجود اپنے مقام سے ہٹا اور اس کے بدلے میں کوئی دوسرا مقام منتخب کرنا پسند نہیں کریں گے۔

قُلْ لَوْ كَانِ الْبَحْرُ هَذَا الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَقْدِرَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَقْدِرَ رَبِّي وَ لَوْ جُئْنَا
بِوَسِيلِهِ مَعْدَاً ﴿٤٣﴾

”(اے حبیب!) آپ فرمائیے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لئے تو ختم ہو جائے گا سمندر اس سے جو شتر کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات اور اگرچہ ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اس کی مدد کو (حب بھی ختم نہ ہوں گے)۔“

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ کو اس بات کے اعلان کا حکم دے رہا ہے کہ اگر تمام سمندر روشنائی بن جائیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلمات، حکمتیں اور آیات بیانات لکھنی شروع کی جائیں تو ان کی کتابت سے جو شتر یہ تمام روشنائی ختم ہو جائے اور پھر اگرچہ بار بار اتنی مقدار میں مزید روشنائی مہیا کی جائے تو بھی خدائی کلمات ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَ لَوْ أَنَّ تَمَانِي الْأَنْهَارِ مِنْ شَجَرَةٍ أَفْلاَ تَرَوْنَ

اَللّٰهُ يَسْتَلِمْ لَوَاصِقٌ بَعْدَهُ سَبْعَةٌ اَتَمُّهَا قَدَمَتُ كَلْبِثُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَكِيْمٌ (لقمان: 27) ”اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاحی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر سے (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی سبے شک اللہ غالب، دانا ہے۔“ ریح بن انس کہتے ہیں کہ تمام بندوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں یوں ہے جیسے ایک قطرہ تمام سمندروں کے مقابلہ میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ لَوْ كَانِ الْاِنْسَانُ شَاكِرًا لَّوَدَّعَا رَبَّهُ خدائی کلمات لکھنے کیلئے اگر تمام سمندر سیاحی بن جائیں اور تمام درخت قلمیں بن جائیں تو قلم ٹوٹ جائیں گے اور سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات بالکل اسی طرح قائم رہیں گے اور انہیں کوئی چیز ختم نہیں کر سکتی کیونکہ کوئی بھی کما حقہ اللہ تعالیٰ کی قدر پہچان سکتا ہے اور نہ اسکی حمد و ثنا کر سکتا ہے بلکہ وہی کما حقہ اپنی توصیف بیان کرتا ہے۔ بلاشبہ ہمارا رب ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ خود فرما رہا ہے اور وہ ہماری حمد و ستائش سے بہت بالا ہے۔ اول سے لیکر آخر تک تمام دنیا کی نعمتیں اخروی نعمتوں کے مقابلہ میں یوں ہیں جیسے رائی کا ایک دانہ ساری زمین کے مقابلہ میں۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ اِلَيَّ اَنْ اَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ ۚ اٰحَدًا ۝۱

”(اے پیکرِ رحمانی و زبیبائی!) آپ فرمائیے کہ میں بشری ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے۔ پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔“

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان شرکین سے کہہ دیں جو آپ کی رسالت کو جھٹلاتے ہیں کہ میں تمہاری طرح بشری ہوں اور جو مجھے جھوٹا خیال کرتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ میرے لائے ہوئے قرآن جیسا قرآن لائے، تم نے مجھ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصوں کے متعلق استفسار کیا اور میں نے ان کے متعلق حقیقت حال سے تمہیں سگاہ کر دیا، یہ ایسے ٹیپی امرا ہیں جنہیں میں اللہ تعالیٰ کے آگاہ کیے بغیر از خود نہیں جان سکتا۔ میرا فریضہ تو تمہیں اس بات کی خبر دینا ہے کہ تمہارا معبود جس کی عبادت کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، پس جو شخص اپنے رب کے ساتھ ملاقات اور عمدہ اجر و ثواب کی امید کرتا ہے اسے چاہئے کہ وہ ایسے نیک عمل کرے جو شریعت الہی کے مطابق ہوں اور وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے، یعنی ہر عمل سے اللہ وحدہ لا شریک کی رضا مقصود ہو۔ کسی بھی عمل کی مقبولیت کیلئے ان دو ارکان کا ہونا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو اور دوسرا یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہو۔ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں بہت سے نیک کام کرتا ہوں جن سے مقصود رضائے الہی کا حصول ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ میری نیکی کا چرچا ہو۔ آپ ﷺ نے اس شخص کو کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ نازل ہوئی (1)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مجھے ایک شخص کے متعلق آگاہ کریں جو نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، صدقہ کرتا ہے اور حج کرتا ہے، ان عبادات سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا بھی طلب گار ہوتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اُسکی تعریف کریں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کیلئے

کوئی اجڑنٹس کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب سے بہتر حصے والا ہوں جو شخص کسی عمل میں میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو یہ عمل اس کا ہے، مجھے اسکی کوئی ضرورت نہیں۔ (1) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم باری باری رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے اور آپ کے پاس رات گزارتے، اگر آپ ﷺ کو رات کے وقت کوئی ضرورت ہوتی یا کوئی اور معاملہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ ہمیں بھیج دیتے، اس طرح باری باری خدمت بجالانے والوں کی کثرت ہوگئی، ایک رات ہم آپس میں گفتگو کر رہے تھے، اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا سرگوشیاں ہو رہی ہیں؟ ہم نے عرض کی: یا نبی اللہ! ہماری تو بے ہم مسج دجال کا ذکر کر رہے تھے اور اس سے ہم خوفزدہ ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں مسج دجال سے بھی زیادہ خوفناک چیز نہ بتلاؤں؟ ہم نے عرض کی کہ ضرور بتلائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ شرک خفی ہے کہ ایک انسان کسی دوسرے انسان کو دکھانے کیلئے نماز پڑھے“ (2) حضرت ابن غنم بیان کرتے ہیں کہ جب میں اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما جاہلیہ کی مسجد میں داخل ہوئے تو ہماری ملاقات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہوئی، انہوں نے اپنے بانیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ اور دائیں ہاتھ سے حضرت ابوالدرداء کا بائیں ہاتھ تھام لیا۔ اس طرح ہم تینوں سرگوشیاں کرتے ہوئے باہر نکلے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر تم میں سے ایک یا تم دونوں زندہ رہے تو ممکن ہے کہ تم ایسے شخص کو دیکھو جس نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی قرآن سیکھا، اسے پڑھتا رہا، اسکی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتا رہا اور اس کے احکام کو مناسب جگہ رکھتا رہا لیکن لوگوں میں اس کا مقام درجہ ایسا ہو جیسے مردہ گدھے کے سر کا۔ اسی اثناء میں حضرت شدا بن اوس اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئے، حضرت شدا فرمانے لگے، اے لوگو! مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس کا ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا یعنی شہوت خفی اور شرک، یہ سن کر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما نے کہا: یا اللہ! معفرت فرمائیے۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات سے آگاہ نہیں فرمادیا کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ بیزیر عرب میں اسکی عبادت کی جائے۔ جہاں تک پوشیدہ شہوات کا تعلق ہے تو ان کے متعلق تمہیں بخوبی علم ہے کہ اس سے مراد شہوات دنیا یعنی عورتیں وغیرہ ہیں۔ اے شدا! یہ شرک کیا ہے جس سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں؟ حضرت شدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بتائیے کہ ایک آدمی دوسروں کو دکھانے کیلئے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور صدقہ وغیرات کرتا ہے، کیا تمہارے خیال میں اس نے شرک کیا؟ سب حاضرین نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! جو شخص دکھاوے کیلئے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور صدقہ کرتا ہے، وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ حضرت شدا رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جس نے دکھاوے کیلئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے ریا کاری کی خاطر روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے نمائش کیلئے صدقہ کیا اس نے شرک کیا“۔ اس پر حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا یہ ممکن نہیں کہ ان اعمال میں جو خالص رضائے الہی کیلئے ہوں، انہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور جو دوسروں کیلئے ہوں، انہیں رد کر دے۔ حضرت شدا رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب سے بہتر حصے والا ہوں۔ جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس کا عمل خواہ کلیل ہو یا کثیر، اس کے شریک کیلئے ہے جسے اس نے شریک بنایا، میں اس سے بے نیاز ہوں“ (3)۔ حضرت شدا بن اوس رضی اللہ عنہ ایک دن رونے لگے، آپ رضی اللہ عنہ سے رونے کا جب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا

کہ مجھے اس چیز نے دلایا ہے جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اپنی امت پر شرک اور پوشیدہ شہوت کا اندیشہ ہے“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، سنو! وہ سورج، چاند، پتھر اور بت کی پرستش نہیں کریں گے بلکہ اپنے اعمال میں ریاکاری کریں گے اور پوشیدہ شہوت یہ ہے کہ ایک آدمی روزے کی حالت میں صبح کرے لیکن پھر کسی شہوت کے باعث روزہ ترک کر دے“ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں سب سے بہتر شریک ہوں، جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو اس کا سارا عمل اسی کیلئے ہے“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں سب شریکوں سے بہتر ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا تو میں اس سے بری ہوں اور اس کا یہ عمل اس کیلئے ہے جسے اس نے شریک بنایا“ (3)۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تم پر سب سے زیادہ داندیشہ شرک اصغر کا ہے“، قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو ریاکاروں سے فرمائے گا کہ ان کے پاس جاؤ جن کی خاطر تم دنیا میں ریاکاری کیا کرتے تھے پھر دیکھو، کیا تمہیں ان کے ہاں بدلہ ملتا ہے“ (4)۔ حضرت ابوسعید بن ابی فضاہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ اول آخر تمام لوگوں کو ایسے دن میں جمع کرے گا جس میں کوئی شک و شبہ نہیں تو اس دن ایک ندادینے والا ندادیگا: جس نے اپنے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تھا وہ اس کا ثواب اسی سے طلب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک سے بے نیاز ہے“ (5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے سنا ہے کہ کوئی عمل کیا اسے اللہ تعالیٰ عذاب بھی سنا کر دے گا اور جس نے دکھاوے کیلئے کوئی عمل کیا اسے اللہ تعالیٰ عذاب بھی سنا کر دے گا“ (6)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو ریاکاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو دکھا کر اسے عذاب دے گا اور جو شہرت کی خاطر کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو سنا کر اسے عذاب دے گا“ (7)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اپنے عمل کو لوگوں میں اچھالا، اللہ تعالیٰ اسے علی الاعلان رسوا کرے گا، اس کے اخلاق بگڑ جائیں گے اور وہ ذلیل و خستیر ہوگا“۔ یہ حدیث بیان کر کے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے (8)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن بنی آدم کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک سر بہرہر حیفہ میں پیش کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسے پھینک دو اور اسے قبول کر لو گرتے عرض کریں گے: اے پروردگار! ہم نے تو اس شخص میں بھلائی ہی دیکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس شخص کا عمل میری رضا کیلئے نہیں تھا اور آج میں صرف وہی عمل قبول کروں گا جس سے صرف میری رضا مقصود تھی“ (9)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو دکھاوے اور شہرت کیلئے کھڑا ہوتا ہے وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے جب تک بیٹھ نہ جائے“۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص لوگوں کی موجودگی میں بڑے عمدہ طریقے سے نماز ادا کرے لیکن تنہائی میں برے طریقے سے ادا کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی“ (10)۔ حضرت امیر معاویہ

1- سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1406، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 123-124 2- مسند بزار 3- مسند احمد، جلد 4 صفحہ 301
4- مسند احمد، جلد 5 صفحہ 428 5- مارضیہ الاحوذی تفسیر سورہ کہف، جلد 13-12، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1406 وغیرہ
6- مسند احمد، جلد 5 صفحہ 45 7- مسند احمد، جلد 3 صفحہ 40 8- مسند احمد، جلد 2 صفحہ 162
9- کشف الاستار، سنن زوائد، کتاب الحدیث، جلد 4 صفحہ 157 10- مسند ابی یعلیٰ، جلد 5 صفحہ 67

رضی اللہ عنہ نے اس آیت قَسَمَ لَكَ يَوْمَئِذٍ جُؤًا۔ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ قرآن کریم کی سب سے آخری آیت ہے (1)۔ لیکن یہ اثر اشکال سے خالی نہیں کیونکہ یہ سورۃ کہف کی آخری آیت ہے اور سورۃ کہف تمام کی تمام مکی ہے۔ شاید حضرت معاذ یہ رضی اللہ عنہ کا یہ مقصد ہو کہ اس آیت کے بعد کوئی ایسی آیت نہیں آتری جو اس کیلئے ناسخ اور اس کے حکم کو بدلنے والی ہو بلکہ یہ آیت محکم ہے یہ چیز راوی پر مشتبہ ہوگی اور اس نے اپنی سمجھ کے مطابق اسے روایت کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص رات کے وقت یہ آیت قَسَمَ لَكَ يَوْمَئِذٍ جُؤًا۔ تلاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے عدنان سے لیکر مکہ تک کا نور عطا کرے گا اور اس میں فرشتے ہوں گے“ (2)۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔

سورہ مریم (مکیہ)

سیرت ابن اسحاق میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور مسند احمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس سورت کی ابتدائی آیات نجاشی اور اس کے درباریوں کے سامنے پڑھی تھیں۔ (1)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

كَلْبِ عَصَى ۝ ذِكْرًا رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدًا زَكِرْتَنَا ۝ اِذْ نَادَى رَبَّهٗ نِدَاءً حَفِیًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنْ الْعَظْمِ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّاسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَاۤیِكَ رَبِّ شَقِیًّا ۝ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتْ اٰمْرًاۤیْ عَاقِبًا فَمَهَّبْتُ لِیْ مِنْ لَدُنْكَ وَلِیًّا ۝ یٰرَبِّ تُرِّثُ مِنَ الْاٰلِ یَعْقُوْبَ ۙ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝

”کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ ص۔ یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے ذکر کیا پر فرمائی۔ جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے عرض کی اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور ہوسیدہ ہوگئی ہیں میری ہڈیاں اور بالکل سفید ہو گیا ہے (میرا) سر بڑھا پنے کی وجہ سے اور اب تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہوا ہے میرے رب! اور میں نامراد رہا ہوں۔ اور میں ڈرتا ہوں (اپنے بے دین) رشتہ داروں سے (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کر دیں) اور میری بیوی بانجھ ہے پس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا۔ اور بنا دے اسے اے رب! پسندیدہ (سیرت والا)۔“

حروف مقطعات کے متعلق بحث سورہ بقرہ کے شروع میں گذر چکی ہے۔ حروف مقطعات کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ذِكْرًا رَحْمَتِ اس کا مبتدا (هذا) محذوف ہے یعنی یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے ذکر کیا پر فرمائی۔ لفظ ذکر یا میں دو مشہور قراتیں ہیں: ایک مد کے ساتھ یعنی ذکر باء اور دوسری قصر کے ساتھ یعنی ذکر یا۔ حضرت ذکر یا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے عظیم بنی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ جو حنی کا کام کر کے گذر اوقات کرتے تھے (2)۔ بعض مفسرین اس فرمان اِذْ نَادَى رَبَّهٗ نِدَاءً حَفِیًّا کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ چپکے چپکے اور پوشیدہ طور پر دعا کرنے کا سبب یہ تھا کہ چونکہ آپ علیہ السلام عمر رسیدہ ہو چکے تھے اس لئے اندیشہ تھا کہ اس عمر میں اولاد کی خواہش کو لوگ کہیں آپ کی رعزت پر نہ محمول کر دیں جبکہ دیگر حضرات اس کا یہ سبب بیان کرتے ہیں کہ پوشیدہ دعا اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے جیسا کہ قنادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متقی دل کو بخوبی جانتا ہے اور صوت خفی کو پوری طرح سنتا

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 461، سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 336

2۔ لہجہ وئی البخاری، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1847 سنن ابن ماجہ، کتاب القارات، جلد 2، صفحہ 727

ہے (1)۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام رات کے وقت اٹھے جبکہ آپ کے ساتھ سوچکے تھے تو آپ نے خفیہ خفیہ اپنے رب کو پکارنا شروع کر دیا اور عرض کرنے لگے: یارب، یارب، یارب! اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ۔ پھر آپ نے عرض کی رَبِّ ارْنِي وَاٰتِي وَهَنٍ..... یعنی میری ہڈیاں کنزور و بوسیدہ ہو گئی ہیں، میرے قلوبی مضطرب ہو گئے ہیں اور میرے سر کے بال سفید ہو گئے ہیں یعنی ظاہر اور باطن دونوں میں ضعف اور بڑھاپے کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں۔ دعا کو جاری رکھتے ہوئے عرض کی: يٰوَلَدِ اعْلَمِ... یعنی میں نے تجھ سے جب بھی دعا کی تو نے میری دعا کو رد نہیں کیا۔ آیت کریمہ میں لفظ ”موالی“ کا آخر منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول ہے۔ کسائی نے اس کے آخر (یاء) کو سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجاہد، قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ موالی سے مراد عصب (باپ کی جانب سے رشتہ دار) ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ”جَنَفْتُ“ کو حَقَّقْتُ پڑھا کرتے تھے۔ اس کا معنی ہے قلیل ہونا یعنی میرے بعد میرے رشتے دار کم ہیں (2)۔ پہلی قرأت کی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ چونکہ آپ کی اولاد تھی اس لئے آپ کو ندمیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو آپ کے بعد آپ کے رشتہ دار لوگوں میں برات صرف کرنے لگیں اور باہا اہل ثابت ہوں اس لئے آپ نے ایک بیٹے کیلئے التجا کی جو منصب نبوت پر فائز ہو اور وحی الہی کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرے چنانچہ اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کو اپنے مال کی وراثت کے ضائع ہوجانے کا خوف تھا کیونکہ ایک نبی کا مقام و مرتبہ اس بات سے بہت ہی بلند اور فزوں ہے کہ وہ اس حد تک مال کی فکر کرے، اپنے رشتہ داروں کے وارث بننے سے کبیدہ خاطر ہو اور صرف میراث سنبھالنے کیلئے اولاد کا سوال کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں یہ ذکر نہیں ہوا کہ وہ بہت مالدار تھے، بلکہ آپ بڑھئی تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ اس قسم کے آدمی کے پاس مال جمع ہو ہی نہیں سکتا اور پھر انبیاء کرام تو ویسے ہی زاہد ہوتے ہیں، دنیا جمع کرنے کی ہوس ان میں ہوتی ہی نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ انبیاء کرام وراثت میں مال و دولت نہیں چھوڑتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہم (مال کا) وارث نہیں بناتے، بہار اتر کہ صدقہ ہے“ (3)۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”ہم خصوصاً گروہ انبیاء میراث میں کچھ نہیں چھوڑتے“ (4)۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس فرمانِ فُھَبْنٰی۔۔۔ یٰرَبِّیْ میں جس میراث کا ذکر ہے وہ میراث نبوت ہے نہ کہ مالی وراثت اس لئے فرمایا: يٰوَلَدِیْ رَیْبُکَ مِنْ اٰلِیِّیْ عَقُوْبٌ۔ اسی طرح اس فرمانِ ذُوْیْرِیْثَیْنِ لِحٰذِیْ (الزل: 16)۔ میں بھی ورثہ نبوت مراد ہے کیونکہ اگر مال میں وراثت کا ذکر مقصود ہوتا تو آپ کے سبھی بھائیوں کا ذکر ہوتا اور وراثت کی تخصیص صرف آپ علیہ السلام کے ساتھ نہ ہوتی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مالی وراثت کے متعلق خبر دینے میں کوئی خاص فائدہ مضر نہیں کیونکہ ہر شریعت اور ہر ملت میں یہ بات معروف ہے کہ اولاد اپنے باپ کی وراثت بنتی ہے اس لئے یہاں اگر خاص وراثت کا تذکرہ مقصود نہ ہوتا تو اس کے متعلق خبر دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ان تمام وجوہات کی تثبیت اور تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے: ”ہم خصوصاً گروہ انبیاء وراثت نہیں بتاتے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے“۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں ورثہ علم مراد ہے اور حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یعقوب کی اولاد سے تھے (5)۔ ابو صالح اس آیت یٰرَبِّیْ۔۔۔ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح نبی بنے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت زکریا کی نبوت اور عم کا وارث بنے۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ میری اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث بنے۔ زید بن

1- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 45

2- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 47

3- صحیح بخاری، کتاب الاقسام، جلد 4 صفحہ 96 صحیح مسلم، کتاب اہل باہر، جلد 3 صفحہ 1379-1383

4- مسند احمد، جلد 2 صفحہ 463

5- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 48

اسلمہ کہتے ہیں کہ آل یعقوب کی وراثت سے مراد ان کی نبوت ہے۔ ابوصالح کا ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ میرے مال کا اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث بنے۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو منتخب اور پسند کیا ہے۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ذکر یا علیہ السلام پر رحم فرمائے“ مال کی وراثت میں (خواہ کوئی ان کا وارث بننا) ان پر کوئی مواخذہ نہ تھا اور اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے، وہ کسی مضبوط سہارے کے محتاج تھے“ (1)۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ میرے بھائی ذکر یا علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ مال کی وراثت کے متعلق ان پر کوئی گرفت نہ تھی جب انہوں نے یہ عرض کی تھی: فہب لی من لذنک۔ یہ تمام احادیث مرسل ہیں جو صحیح احادیث کے مقابل نہیں ہو سکتیں دعا کے آخر میں عرض کی: **وَأَجْعَلْهُمَا رَبِّ رَحْمَةً** یعنی اسے اپنے باپ اور تمام مخلوق کے ہاں پسندیدہ بنا دے۔ دین اور اخلاق میں وہ تیرا بھی محبوب ہو اور ساری مخلوق کا بھی محبوب۔

يَا ذَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

”اے ذکریا! ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے۔“

اس سے قبل کلام مخدوف ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت ذکر یا علیہ السلام کی دعا کو قبول کرتے ہوئے انہیں فرمایا گیا: **يَا ذَكَرِيَّا ...** جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ إِنَّ رَبَّهٗ لَمُبِينٌ ۝ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَوَدَّعَاهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُنْفِثُ الرِّيحَ بِقُوَّتِهِ فَبَدَأَ اللَّهُ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ عَلِيًّا ۝ (آل عمران: 38-39)** ”وہیں ذکر یا نے دعا مانگی اپنے رب سے، عرض کی اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد دعا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے پھر انہیں فرشتوں نے آواز دی جب وہ عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بچی کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہوگا صالحین سے“۔ بقول قتادہ، ابن جریر اور ابن زید ”سکن“ کا معنی ہے ہم نام۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا معنی مشابہ ہے، انہوں نے یہ معنی اس آیت سے اخذ کیا ہے: **فَاعْتَبِرُوا وَاسْطَلِبُوا لِحِبَانِهِمْ ۚ هَلْ نَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (مریم: 65)** ”سو اس کی عبادت کرد اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو کیا تم اس کا کوئی ہم مثل جانتے ہو“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے کسی ہانجھ نے کوئی بچہ جنم نہیں دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ذکر یا علیہ السلام کو اولاد کی توقع نہیں تھی اور آپ کی زوجہ تو شروع سے ہی ہانجھ عورت تھیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ علیہما السلام کا معاملہ اس کے برعکس تھا، ان دونوں کو جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری سنائی گئی تو انہوں نے کبر سنی کی وجہ سے تعجب کا اظہار کیا تھا نہ کہ ہانجھ پن کی وجہ سے، اس لئے فرمایا: **أَبَشَّرْتُنِي وَعَلَىٰ أَنْ مَسَّنِي الذِّكْرُ فَهَمُّنِي ۝ (الحجر: 54)** ”کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھا پالاق ہو چکا ہے، پس یہ کیسی خوشخبری ہے“۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اس سے تیرہ سال پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہو چکی تھی۔ آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے اس مژدہ کو سن کر کہا: **يٰٓأَيُّهَا لَيْلَىٰ اَلَيْسَ الْكَيْدُ وَآنَا عَجُوزٌ ۗ وَهٰذَا هُوَ الَّذِي سَمِعْنَا ۗ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالَتَا اِنَّا نَجْعَلُكَ مِنْ اُمَّرِئٍ اَلِيٍّ ۗ وَرَضِيَ اللَّهُ وَرَضَتْ اَللَّهُ وَرَضَتْ اَللَّهُ عَلَيْكُمْ ۗ اَهْلُ الْبَيْتِ ۗ اِنَّهُ حَبِيبٌ مَّحِبُّونٌ (ہود: 72-73)** ”وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں کی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے

میاں بھی بوڑھے ہیں، بلاشبہ یہ تو عجیب و غریب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔“

قَالَ رَبِّ اَلَىٰ يَكُوْنُ لِي عِلْمٌ وَّكَانَتْ اَمْرًا لِّي عَاقِبًا اَوْ قَدْ بَلَغْتُ مِنْ اَلْكِبَرِ عِتْيًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَاكَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰى هٰٓئِيْن وَّقَدْ خَلَقْتِكُمْ مِنْ قَبْلُ وَاَنْتَ كٰتِبٌ ۝

”ذکر یانے عرض کی میرے رب! کیسے ہو سکتا ہے میرے ہاں لڑکا حالانکہ میری بیوی بائجھ ہے اور میں خود بچھنچ گیا ہوں بڑھاپے کی انتہا کو۔ فرمایا یونہی ہوگا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کبرنی میں بچہ دینا میرے لئے آسان بات ہے اور (دیکھو) میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔“

دعا کی قبولیت اور بیٹے کی ولادت کا مزدور بن کر حضرت زکریا علیہ السلام بڑے محجب ہوئے اور انتہائی مسرت کے عالم میں ولادت کی کیفیت اور سبب دریافت کرنے لگے کیونکہ آپ کی زوجہ محترمہ شروع عمر سے ہی بائجھ تھیں اور اب بوڑھی بھی ہو چکی تھیں، اسی طرح زکریا علیہ السلام خود بھی ضعیف اور عمر رسیدہ ہو چکے تھے، آپ کی ہڈیاں یوسیدہ اور خشک ہو چکی تھیں اور آپ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہے تھے ”عیتی“ کا معنی ہے خشک، جب نہیں خشک ہو جائے تو کہتے ہیں: ”غنا العود“ اس کا ہم معنی لفظ ”عسی“ بھی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ عیتی کا معنی ہے ہڈیوں کا کمزور ہونا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی کبرنی بتایا ہے بہر کیف یہ لفظ، کبر سے خاص ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تمام سنتوں کو جانتا ہوں لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ آیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں پڑھتے تھے یا نہیں اور نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ آپ ﷺ اس لفظ کو عتیا پڑھتے تھے یا عسینا (1)۔ فرشتے نے حضرت زکریا علیہ السلام کے اظہار تعجب پر جواب دیتے ہوئے کہا: كَذٰلِكَ اَتَاكَ رَبُّكَ۔ یعنی تم سے اور تمہاری اس بیوی سے نہ کہ کسی اور سے بچہ پیدا کرنا مجھ پر بہت آسان ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ تعجب خیز چیز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَّقَدْ خَلَقْتِكُمْ ... جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ”هَلْ اَلَىٰ عَلٰى اَنْفُسِنَا جِئْتُمْ لَنْ نَّظْهَرَكُمْ يَوْمَ نَسِيتُمْ اَمَّا لَكُمْ ذِكْرًا (الذہر: 1)“ بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت گذرے جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔“

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۗ قَالَ اَيُّكَ اَلَّا سَكَلِمَ اَلنَّاسُ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ وَحَدَّثَ بِرِ عَالِي قَوْمِهِ مِنَ الْمَعْرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّكُمْ وَاَوْعِيْبًا ۝

”ذکر یانے عرض کی اے میرے رب تمہرا او میرے لئے کوئی علامت جو اب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکتے گا لوگوں سے تین رات تک حالانکہ تو بالکل تندرست ہوگا۔ پھر آپ نکل کر آئے اپنی قوم کے پاس (اپنے) عبادت خانہ سے تو اشارہ سے انہیں سمجھایا کہ تم یا کی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح و شام۔“

حضرت زکریا علیہ السلام نے مزید تفسی اور اطمینان قلبی کی خاطر اللہ تعالیٰ سے اپنے ساتھ کیے گئے وعدہ پر علامت اور دلیل قائم کرنے کی التجا کی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی تھی: رَبِّ اِنِّى كُنْتُ نَسِيْتُ الْوَلٰٓئِيْنَ ۗ قَالَ نَبِيْلٌ وَّلٰكِن لَّيَطْمَئِنُّ قَلْبِيْ (البقرہ: 260) ”اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے، فرمایا کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے، عرض کی ایمان تو ہے لیکن

(یہ سوال اس لئے) تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے نشانی مقرر کرتے ہوئے فرمایا: اَيْتُكَ الْاَلْمُحْكَمَةُ . یعنی تم تین راتیں لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے دراصل حاکمہ تم بغیر کسی مرض اور علت کے بالکل صحیح تندرست ہو گے۔ حضرات امین عباس، مجاہد، عکرمہ، وہب، سدی، قتادہ اور دیگر متعدد علماء کا کہنا ہے کہ بغیر کسی مرض اور علت کے آپ علیہ السلام کی زبان بند ہو گئی۔ ابن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ تسبیح اور ذکر وغیرہ میں تو آپ کی زبان چلتی تھی لیکن لوگوں کے ساتھ سوائے اشارہ کے آپ بات نہیں کر سکتے تھے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ”سوئیا“ کا معنی مسلسل اور لگا تار نقل کرتے ہیں لیکن آپ سے منقول پہلا قول جو کہ جمہور کا بھی قول ہے، زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح سورۃ آل عمران میں ہے۔ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۗ قَالَ اَيْتُكَ الْاَلْمُحْكَمَةُ النَّاسُ لَشِقَّةٌ اَيَّاكَ ۗ وَالَّذِينَ رَّبُّكَ تُكَلِّمُ اَوْ سَمِعَهُ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (آل عمران: 41) ”عرض کی اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دے، فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کر سکو گے لوگوں سے مگر اشارہ کے ساتھ اور اپنے رب کو بکثرت یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔“ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ گونگے ہو گئے تھے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ان تین دنوں اور راتوں میں آپ علیہ السلام لوگوں کو اشارہ سے سمجھاتے۔ اس لئے اس آیت کریمہ میں فرمایا: فَتَكْرِيهٌ عَلٰى قَوْلِهِمْ . . . یعنی آپ اس عبادت خانہ سے باہر نکل کر آئے جہاں آپ کو بیٹے کی خوشخبری دی گئی تھی اور اپنے پیروکاروں کو اشارہ سے حکم دیا کہ ان تین دنوں میں جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے اس کی موافقت کرتے ہوئے اور آپ پر کیے گئے انعام کا شکر بجا لاتے ہوئے وہ بھی صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں۔ مجاہد، وہب اور قتادہ کہتے ہیں کہ آپ نے انہیں اشارہ کے ساتھ سمجھایا جبکہ مجاہد (ایک دوسری روایت میں) اور سدی کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے زمین پر لکھ کر انہیں سمجھایا۔

يَجِيئِي حُنَى الْكِتَابِ بِقَوْلَةٍ ۗ وَاتَّبَعْتُهُ الْحَكْمَ صَبِيحًا ۙ وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَرُكُوعًا ۗ وَكَانَ تَقْوِيًّا ۙ وَابْرَأَ اِلٰى رَبِّهِ وَاَلَمَ يَلْمُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۙ ۝۱۰ وَسَلَّمْ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَ يَوْمَ يَبْعَثُ حَيًّا ۙ

”اے نبی! پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرمادی ان کو دانائی جب کہ وہ بچے تھے۔ نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے اور نفس کی پاکیزگی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔ اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جاہل (اور) سرکش نہ تھے۔ اور سلامتی ہوا ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔“

اس سے پہلے بھی کچھ کلام مخدوف ہے یعنی وہ بچہ (حضرت یحییٰ علیہ السلام) تولد ہوا جس کی دلاوت کا معرودہ سنایا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب (تورات) کا علم دیا جسے بنی اسرائیل سیکھتے سکھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار انبیاء کرام اور علمائے ربانین یہود کہنے اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے اس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام کم سن تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی جلالت شان، ان پر اور ان کے والدین کریمین پر کیے گئے اپنے خصوصی انعام کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: يَجِيئِي حُنَى . . . یعنی آپ پوری تمدنی، حرمی اور جدوجہد سے اس کتاب کو سیکھیں اور ہم نے انہیں بچپن میں ہی فہم و فراست، علم، قوت، تنجیدگی اور عمل خیر کا جذبہ مرحمت فرمایا تھا۔ حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ بچے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہتے کہ ہمارے ساتھ آؤ، کھیلیں تو آپ فرماتے کہ میں کھیل کیسے نہیں پیدا کیا گیا اس لئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** (1)۔ حضرت ابن عباس **وَحَسَنًا قِيْلَ لِيْنَا كَا مَعْنَى** بتاتے ہیں: ہماری طرف سے رحمت۔ ضحاک کہتے ہیں۔ کہ ایسی رحمت جس پر ہمارے سوا کوئی قادر نہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایسی رحمت جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو نواز۔ مجاہد اس (حنان) کا معنی شفقت اور مہربانی بیان کرتے ہیں۔ عکرمہ اور ابن زید کے بقول اس کا معنی محبت ہے۔ عطاء بن ابی رباح نے اس کا معنی تعظیم بتلایا ہے۔ عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم ”حنان“ کا مطلب کیا ہے (2)۔ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کا مطلب پوچھا تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بہر صورت اس ارشاد **وَحَسَنًا قِيْلَ لِيْنَا كَا عَطْفٌ بظاہر ”الحکم“ پر ہو رہا ہے۔ یعنی ہم نے انہیں دانائی، رحمت اور پاکیزگی عطا فرمائی، بالفاظ دیگر ہم نے انہیں مہربان اور پاکیزہ بنا دیا۔ حنان ایسی محبت کو کہتے ہیں جس میں شفقت اور میلاں ہو جیسا کہ عرب کہتے ہیں ”حَسَبَ الْمَنَاقَةَ عَلَيَّ وَكَيْلَهَا“ (اوٹنی اپنے بچے پر مہربان ہوئی) اور ”حَسَبَ التَّوَالِفَ عَلَيَّ ذَوْجِيهَا“ (عورت اپنے خاوند کی مشتاق ہوئی)۔ ایسی عورت کو حسیہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے۔ ”حَنُّ الرَّجُلِ اِلَى وَطَنِهِ“ (آدمی اپنے وطن کی طرف مشتاق ہوا)۔ اس کا معنی شفقت، مہربانی اور رحمت بھی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک شخص دوزخ میں ایک ہزار سال تک یا حنان اور یا منان پکارتا رہے گا“ (3)۔ لفظ زکوٰۃ کا عطف ”حنان“ پر ہو رہا ہے اس کا مطلب ہے: ہر آلودگی، گناہ اور معصیت سے پاکیزگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کا معنی عمل صالح ہے۔ ضحاک اور ابن جریر کے بقول زکوٰۃ صالح اور پاکیزہ عمل کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی برکت منقول ہے (4)۔ مزید یہ کہ آپ متقی تھے، کبھی کوئی گناہ آپ سے سرزد نہیں ہوا، والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے اور آپ جاہل اور سرکش نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صحبت اطاعت کا تذکرہ کیا اور رحمت، پاکیزگی اور تقویٰ جیسے جن اوصاف سے آپ متصف تھے انہیں بیان کیا پھر والدین کی اطاعت، ان کے ساتھ حسن سلوک اور قول و فعل اور مرد و عورتوں میں ان کی نافرمانی سے اجتناب جیسے اخلاق عالیہ کو ذکر کیا اس لئے فرمایا: **وَلَمْ يَكُنْ مِنْ جَنَابِ اَرْعَابِيْنَا اِنْ اَوْصَافَ جَمِيْلَةٍ** کے ذکر کے بعد بطور جزا فرمایا: **وَسَلَّمَ عَلَيْكَ**۔ یعنی ان تینوں احوال میں آپ کیلئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ آدمی کیلئے تین مقامات سب سے زیادہ وحشت ناک ہیں: جس دن وہ پیدا ہوتا ہے اور اپنی ماں کے پیٹ سے نکل کر نبی دنیا میں آکھ کھوتا ہے، جس دن وہ فوت ہو جاتا ہے اور اسے ایسی مخلوق کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے پہلے اس نے نہیں دیکھا تھا اور جس دن اسے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور وہ خود کو میدان حشر میں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات پر حضرت یحییٰ علیہ السلام پر خصوصی کرم فرمایا اور سلامتی کے ساتھ نواز دیا جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے (5)۔ حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ہر شخص کسی نہ کسی گناہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا سوائے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے“۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے نہ کبھی کوئی گناہ کیا اور نہ کسی عورت کا قصد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اولاد آدم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس نے غلطی یا غلطی کا ارادہ نہ کیا ہو سوائے یحییٰ بن زکریا کے اور کسی آدمی کو یہ کہنا زیب نہیں دیتا کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں“ (6)۔ اور پر والی روایت کی طرح یہ بھی ضعیف ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی**

3- مسند احمد، جلد 3 صفحہ 230

2- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 56

1- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 55

6- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 254

5- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 58

4- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 58

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ میرے لئے استغفار کریں، آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ کیونکہ میں نے خود اپنے اوپر سلام بھیجا لیکن آپ پر اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا۔ اب دونوں کی فضیلت واضح ہے (1)۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ اتَّيَدَّتْ مِنْ آهْلِهَا مَا كَانُوا شَرِيقِيًّا ۖ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ
جِجَابًا فَقَارَ سِنًا إِلَيْهَا رُوحًا فَنَمَثَلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۗ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ
مِنْكَ إِن كُنْتُ تَوَّيًّا ۗ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكَ غُلَامًا زَكِيًّا ۗ قَالَتْ أَلَمْ
يَكُنْ لِي بَدَلٌ مِمَّن سَبَّوْنِي بَشَرًا مِثْلِي وَقَدِ غَدَاوْتَنِي بِنَارٍ ۗ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ
وَلْيَجْعَلَنَّ آيَةً لِلنَّاسِ وَمَرَحَمَةً مِّمَّنَّا ۗ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۗ

”اور (اے عیسیٰ!) بیان کیجئے کتاب میں مریم (کا حال) جب وہ الگ ہو گئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ پس بنا لیا اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ۔ پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے روح جبرائیل علیہ السلام کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔ مریم بولیں میں پناہ مانگتی ہوں رحمن کی تجھ سے اگر تو پر ہیزار گار ہے۔ جبرائیل نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔ مریم (حیرت سے) بولیں (اے بندۂ خدا) کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ نہیں چھو امجھے کسی بشر نے اور نہ میں بد چلن ہوں۔ جبرائیل نے کہا یہ درست ہے۔ (لیکن) تیرے رب نے فرمایا یوں بچہ دینا میرے لئے معمولی بات ہے اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنا لیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لئے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔“

قبل ازیں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ اور مبارک فرزند عطا فرمایا حالانکہ آپ بوڑھے ہو چکے تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ بانجھ تھیں۔ اب حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے جن کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہونے۔ ان دونوں قصوں کے درمیان بہت زیادہ مناسبت اور مشابہت ہے۔ دونوں قصے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہذا اور سلطنت و عظمت پر دلالت کرتے ہیں اس لئے نہ صرف یہاں بلکہ سورۃ آل عمران اور سورۃ انبیاء میں بھی ان دونوں کو متصل ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا: وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ حضرت مریم بنت عمران، حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھیں اور آپ عیسا السلام کا تعلق بنی اسرائیل کے ایک معزز، پاکیزہ اور شریف گھرانے سے تھا۔ سورۃ آل عمران میں آپ کی ولادت کا ذکر ہوا ہے۔ آپ کی والدہ نے یہ نذر مان رکھی تھی کہ وہ انہیں المقدس کی خدمت کیلئے وقف کر دیں گی۔ ایسا کرنا اس وقت عام دستور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نذرانہ کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: فَتَقَبَّلْنَاهَا مَرْيَمًا بِقَبُولِ حَسَنٍ وَأَكْبَمْنَا لَهَا آتَا حَسَنًا (آل عمران: 37) پھر اسے اس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے بڑی اچھی طرح پر وہ ان چڑھایا، ”آپ نے بنی اسرائیل میں نہایت پاکیزہ ماحول کے اندر پرورش پائی۔ آپ کا شمار ان چند عابدہ اور زاہدہ خواتین میں ہوتا ہے جنہیں بہت زیادہ عبادت کرنے اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے باعث خاص شہرت حاصل ہوئی۔ آپ اپنے

بہنوئی حضرت زکریا علیہ السلام کے زیر تربیت تھیں جو اس وقت بنی اسرائیل کے نبی اور سربراہ اور وہ شخصیت تھے، بنی اسرائیل دینی امور میں ان کی طرف رجوع کرتے۔ آپ نے حضرت مریم علیہا السلام سے بہت حیران کن کرامات کا صدور ہوتے دیکھا جیسا کہ ارشاد ہے: **ذَكَرْنَا مَا كُنَّا نَكْفُرُ بِهَا وَكُنَّا نَحْمِلُ فِيهَا بُرْءًا فَكَفَرْنَا بِهِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ** (آل عمران: 37) ”جب بھی زکریا مریم کے پاس (انکی) عبادت گاہ میں جاتے تو اس کے پاس کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ بولے اے مریم! یہ تمہارے لیے کہاں سے آتا ہے بولیں یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے“۔ کہتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام آپ کے پاس بے موسم کے پھل پاتے جیسا کہ سورۃ آل عمران میں بیان ہو چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت مریم کے ہاں اس کے پیارے بندے اور پانچ اولوالعزم رسولوں میں ایک رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو تو اس کی خاص حکمت کے پیش نظر حضرت مریم علیہا السلام اپنے گھر والوں سے الگ تھلگ مسجد قدس کی شرقی جانب ایک مکان میں قیام پذیر ہو گئیں۔ سدی نے الگ تھلگ قیام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ کو حض آگیا تھا۔ دیگر حضرات نے اس کے اور اسباب بھی بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل کتاب پر بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور اس کا حج کرنا فرض کیا گیا تھا لیکن حضرت مریم علیہا السلام چونکہ بیت المقدس کی شرقی جانب گئی تھیں اس لئے وہ مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں کہ نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کی اس فرمان **إِذْ أَنْبَأَتْ بِوَعْدِ رَبِّهَا وَنَسَى** ... کی وجہ سے مشرق کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت کو قبلہ بنا لیا۔ **فَوَدَّ عَلَيْهَا قَائِمًا مِّنْ دُونِهَا وَنَسَى** اور الگ تھلگ واقع جگہ لیتے ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں آپ پانی لانے کیلئے گھڑا لیکر اس جگہ گئی تھیں۔ نوب بکالی کا کہنا ہے کہ یہاں آپ علیہا السلام نے عبادت کرنے کیلئے ایک ٹھکانا بنا لیا تھا۔ اس مقام پر آپ پر وہ نقیض ہو گئیں جیسا کہ فرمایا: **فَالْقَائِمَةُ** ... یعنی آپ سب سے الگ تھلگ ہو کر گوش نشین اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جبرائیل علیہ السلام کو ایک مکمل اور تندرست انسان کی صورت میں بھیجا۔ بقول مجاہد، قتادہ، شحاک، ابن جریر، وہب بن منبہ اور سدی رحمہم اللہ یہاں روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **تَزَوَّلُ بِهٖمُ الزُّمَرُ اِذَا هُمُ يَدْعُوْنَ** **عَلَىٰ قَلْبِهَا يَتَكَلَّمُونَ مِنْ رَبِّهَا** (الشعراء: 194-193) ”اترا ہے اسے روح الامین لیکر آپ کے قلب (منیر) پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے بن جائیں“۔ حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا تعلق ان ارواح سے ہے جن سے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں عہد لیا گیا تھا اور یہی وہ روح (روح عیسیٰ علیہ السلام) ہے جو ایک بشر کی صورت میں حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے ظاہر ہوئی، اسی نے آپ سے باتیں کیں اور یہی آپ کے جسم میں حلول کر گئی لیکن یہ قول نہایت غریب اور منکر ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔ بشر کو دیکھ کر حضرت مریم علیہا السلام کہنے لگیں: **رَبِّیْ اِنَّیْ اَعْمُوْدٌ** ... یعنی جب حضرت مریم نے اپنی خلوت گاہ میں فرشتے کو انسانی صورت میں دیکھا تو خوفزدہ ہو گئیں اور خیال کرنے لگیں کہ شاید یہ یہی نبی تیت سے آیا ہے، اس لئے آپ کہنے لگیں: **رَبِّیْ اِنَّیْ اَعْمُوْدٌ** ... یعنی میں تجھ سے زہن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تم میں خوف خدا موجود ہے۔ آپ علیہا السلام نے خوف خدا یاد دلایا۔ ایسے مقام پر اس طرح ہی کرنا چاہیے۔ ابواہل کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نے یہ بھانپ لیا تھا کہ یہ عظیم اور صالح آدمی ہے (2)۔ فرشتے نے آپ کی وحشت، خوف اور گھبراہٹ کو دور کرتے ہوئے کہا کہ میں ویسا نہیں ہوں جیسا آپ گمان کر رہی ہیں بلکہ میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں، اس نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا

السلام نے جب رحمن کا ذکر کیا تو حضرت جبریل خوف سے کانپ اٹھے اور اپنی صورت میں لوٹ آئے۔ ابو عمرو بن علاء کی قرأت ”لَيْسَ“ سے اور باقی حضرات کی ”لَا هَبَّ“۔ ان دونوں قرأتوں کی توجیہ عمدہ اور صحیح صحیح ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اپنے ہاں سچے کی ولادت کا سن کر حضرت مریم علیہا السلام حیرت و استعجاب سے کہنے لگیں: آفِي يَكُونُ..... یعنی میرے ہاں سچے کی ولادت کیسے ممکن ہے حالانکہ نہ میں شادی شدہ ہوں اور نہ ہی میرے بارے میں بدکاری کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ”بھی“ سے مراد زانیہ ہے۔ حدیث شریف میں مہر البیعی (زانیہ کا مہر) کی ممانعت آئی ہے (1)۔ فرشتے نے آپ کو جواب دیتے ہوئے کہا: كُنَّا بِكَ إِتْقَالًا مَرَاتِنًا..... یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کے ہاں بچہ پیدا ہوگا اگرچہ نہ آپ کا شوہر ہے اور نہ آپ بدچلن ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے، اس لئے فرمایا: وَيَتَجَعَلُهُ..... تاکہ یہ لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل اور علامت بن جائے جو ہر چیز کا خالق ہے اور اس نے لوگوں کو طرح طرح سے پیدا کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مردوزن دونوں کے بغیر پیدا کیا، حواء کو بغیر زن کے صرف مرد سے پیدا کیا، باقی ذریت کی تخلیق مردوزن دونوں سے ہوتی ہے، سو اس کے سوانہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔ پھر فرمایا: وَرَحْمَةً مِنَّا لَعَنِي يه بچہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے جو منصب نبوت پر فائز ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید کی دعوت دے گا جیسا کہ اور مقام پر فرمایا: إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ أَنْتَ السَّيِّدَةُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۱۷﴾ وَيُكَلِّمُ الْإِنْسَانَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الشُّلَّالِ ﴿۱۸﴾ (آل عمران: 45-46) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے ایک حکم کی بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقررین سے ہوگا اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور بچی عمر میں بھی اور نیکو کاروں میں سے ہوگا، یعنی وہ بچپن اور بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں گے۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا کہنا ہے کہ جب میں تنہا ہوتی تو عیسیٰ مجھ سے گفتگو کرتے حالانکہ وہ میرے شکم میں تھے اور جب میں لوگوں کے پاس ہوتی تو وہ پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تکبیر بیان کرتے۔ اس ارشاد و کان آمراء مفضیلاً کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی کلام کا حصہ ہو جو انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے کی تھی اور اس سے حضرت مریم کو یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور مشیت میں حتمی طور پر مقدر ہو چکا ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس جملہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو خبر دے رہا ہو اور یہ حضرت مریم علیہا السلام میں روح کے پھونکنے سے کہنا یہ ہو جیسا کہ فرمایا: وَمَرْيَمَ إِذْ نَبَتْ جَدْرًا الْيَتِيمَ أَخْصَنْتْ فَرَّجَهَا فَوَقَفْنَا فِيهِ مِنْ شَرْوَجِنَا (التحریم: 12) اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوبر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی، وَالْيَتِيمَ إِخْصَنْتْ فَجَعَلْنَا فِيهَا مِنْ شَرْوَجِنَا (الانبیاء: 91) اور یا کرو اس خاتون کو جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پس ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونک دیا“ آیت کے اس آخری حصہ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی اور قطعی امر ہے جس کا وقوع ضروری ہے (2)۔

فَحَصْنَتْهُ فَانْتَبَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۱۷﴾ فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جُذُوعِ النَّخْلِ ﴿۱۸﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَىٰ أَعْيُنُهُمْ لِيَدِيْنَ مِثْ قَبْلِ هَذَا أَوْ كُنْتُ نَسِيًّا مِّنْ سَيِّئَاتِي ﴿۱۹﴾

”پس وہ حاملہ ہو گئیں اس (بچہ) سے پھر وہ چلی گئیں اسے (شکم میں) لئے کسی دور جگہ۔ پس لے آیا انہیں دروزہ ایک کھجور

کے تئے کے پاس۔ (بعد حسرت و یاس) کہنے لگیں کاش! میں مرگتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی۔“

حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کے بعد حضرت مریم علیہا السلام نے قضائے الہی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ متعدد علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی قمیص کے ریبان میں پھونک ماری، یہ پھونک نیچے تک پہنچ گئی اور بحکم خدا حمل ٹھہر گیا۔ جب آپ حاملہ ہوئیں تو سخت پریشانی لاحق ہو گئی کہ لوگوں کا کیسے سامنا کریں گی اور انہیں کیا جواب دیں گی کیونکہ آپ کو یہ علم تھا کہ برأت کا اظہار کرنے کے باوجود لوگ ان کی بات کی تصدیق نہیں کریں گے۔ آپ نے اپنی بہن حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کے سوا کسی کے سامنے اس راز کو افشاء نہ کیا۔ ادھر حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ بھی آپ کے دعا کے طفیل حاملہ ہو چکی تھی۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام اپنی بہن کے پاس آئیں تو وہ ان سے معاف کر کے کہنے لگیں: اے مریم! کیا تم نے محسوس کیا کہ میں حاملہ ہوں؟ حضرت مریم علیہا السلام نے جواب میں کہا کہ کیا آپ کو بھی معلوم ہے کہ میں بھی حاملہ ہوں؟ اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ چونکہ یہ ایمان و تصدیق کا حامل گھرانہ تھا اس لئے انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی بات پر یقین کر لیا۔ پھر جب بھی حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے آئیں تو انہیں محسوس ہوتا کہ ان کے شکم میں بچہ مریم کے شکم میں بچے کو سجدہ کرتا ہے یعنی وہ اس کی تعظیم کرتا ہے۔ ان کی ملت میں سلام کے وقت سجدہ کرنا جائز تھا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو آپ کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا تھا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں لیکن ہماری ملت میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے کیونکہ تعظیم جلال ربی کی تکمیل اسی طرح ممکن ہے کہ غیر اللہ کیلئے سجدہ حرام قرار دے دیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام خالہ زاد بھائی تھے دونوں کا حمل ایک ہی وقت میں قرار پایا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت مریم سے کہا کہ میں دیکھتی ہوں میرے پیٹ میں بچہ تمہارے پیٹ کے بچے کو سجدہ کرتا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فضیلت حاصل تھی کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار سے مردوں کو زندہ کرتے اور مردار اذاندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدت حمل کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے۔ جمہور کا مشہور قول تو یہی ہے کہ آپ نو ماہ تک حمل میں رہے جبکہ عکرمہ کہتے ہیں کہ آٹھ مہینے، اس لیے آٹھ ماہ کے حمل کا بچہ عموماً زندہ نہیں رہتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حمل ٹھہرتے ہی بچہ پیدا ہو گیا (1)۔ یہ قول عجیب و غریب ہے۔ ممکن ہے آپ نے ان آیات فَصَلُّوا... کے ظاہری الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کیا ہو کیونکہ حمل اور روزہ کے ذکر کو ف کے ذریعے جوزا گیا ہے جو تعقیب کا قاعدہ دیتی ہے۔ بہر صورت قاء اگرچہ تعقیب کیلئے آتی ہے لیکن ہر چیز کی تعقیب اس کے اپنے اعتبار سے ہوتی ہے جیسا کہ اس فرمان میں ہے: وَذَلَّلْنَا خَلْقَنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلْطَانِهِمْ ۗ لَكُمْ بَعَلُّنَا نَطَقَةٌ فِي كَلِمَاتِهِمْ ۗ لَكُمْ خَلْقَنَا الْبَلْطَغَةُ ۗ فَخَلَقْنَا الْعَقَلَةَ مَضْعَةً ۗ فَخَلَقْنَا الْفَضْفَضَةَ عِظْمًا (المومنون: 14-12) ”اور بے شک ہم نے انسان کو ٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے پانی کی بوتل بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی سے ہڈیاں پیدا کر دیں“۔ یہاں بھی قاء تعقیب کیلئے ہے لیکن اپنے اعتبار سے۔ صحیحین کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ مراحل میں سے ہر دو مرحلوں کے درمیان چالیس دن کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک اور فرمان ہے: آتَمَ تَرَاتُ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخَسِبَ لِمُ الْأَرْضِ أَنْ تُصْبِرَ ۗ (الحج: 63) ”کیا تو نے

نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا تو (شک) زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی قاء تعھیب کیلئے ہے لیکن بارش برسنے کے نوراً بعد سبزہ نہیں آگتا۔ بہر کیف دوسری عورتوں کی طرح حضرت مریم علیہا السلام پر بھی حمل کا معروف عرصہ گزرا۔ آپ کے ساتھ آپ کے رشتہ داروں میں سے یوسف نجار نامی ایک مرد صالح بھی بیت المقدس کا خادم تھا۔ جب حمل کے آثار ظاہر ہوئے اور یوسف نجار نے آپ کے بڑھے ہوئے شکم کو دیکھا تو انہیں شک سا گذرا۔ چونکہ حضرت مریم علیہا السلام نہایت پارسا، عبادت گزار، پاکیزہ اور خدا ترس تھیں اس لئے جلد ہی یہ شک رفع ہو گیا لیکن پھر غور کرنے سے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق ایک فکر دامگیر ہو گئی۔ یہ ایک ایسا خیال تھا جو باوجود کوشش کے کبھی ذہن سے محو ہوتا ہی نہیں تھا۔ آخر کار ایک دن یوسف نجار نے حضرت مریم علیہا السلام سے اشارتاً حقیقت حال دریافت کرنے کی ٹھان لی، کہنے لگے: اے مریم! میں تم سے ایک چیز کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں، محسوس نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ یوسف نے کہا: یہ بتاؤ کیا بغیر بیچ کے درخت اگ سکتا ہے، کیا بغیر دانے کے کھیتی ہو سکتی ہے اور کیا بن باپ کے بچ پیدا ہو سکتا ہے؟ حضرت مریم علیہا السلام ان کا اشارہ سمجھ گئیں اور فرماتے لگیں: ہاں۔ جہاں تک بغیر بیچ اور دانے کے درخت اور کھیتی اگنے کا تعلق ہے تو تم یہ بات جان لو کہ سب سے پہلے جو درخت اور کھیتی اللہ تعالیٰ نے اگائی تھی وہ بغیر بیچ اور دانے کے تھی اور جہاں تک بن باپ کے بچ کی پیدائش کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں باپ دونوں کے بغیر تخلیق کیا۔ یہ سن کر یوسف نجار نے آپ کی تصدیق کی اور خاموش ہو گئے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ لوگ ان پر بدکاری کی تہمت لگائیں گے تو آپ لوگوں سے الگ تھلگ دور دراز مقام پر چلی گئیں تاکہ نہ آپ لوگوں کو دیکھیں اور نہ لوگ آپ کو دیکھیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب آپ حاملہ ہو گئیں اور اپنا گھرا بھر کر وہاں لوٹیں تو خون رک گیا اور آپ کے چہرہ پر تھہکتے کے آثار نمایاں ہو گئے، رنگ متغیر ہو گیا اور زبان باہر نکل آئی، بالکل وہی آثار جو ایک حاملہ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ ہر شخص کی زبان پر یہی بات تھی کہ یہ سب یوسف نجار کا ہی کیا دھرا ہے کیونکہ کہنے میں مریم علیہا السلام کے ساتھ اس کے سوا کوئی اور تھا ہی نہیں۔ اس لئے آپ نے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانا مناسب سمجھا۔ آپ پر پردہ نشین ہو گئیں تاکہ نہ کوئی آپ کو دیکھے اور نہ آپ کسی کو دیکھیں۔ دوسری آیت میں فرمایا: فَآجَأَ آعْمَاقَ الْبَحَارَاتِ... یعنی دریاؤں نے آپ کو اس جگہ جہاں آپ خلوت نشین ہو گئی تھیں، ایک سمجھور کے درخت کے تنے کی آڑ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس جگہ کے متعلق اختلاف ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ کی خلوت گاہ بیت المقدس کے اس حجرہ کے مشرقی جانب تھی جہاں آپ عبادت کیا کرتی تھیں۔ وہب بن منہب کہتے ہیں کہ آپ وہاں سے بھاگیں اور جب شام اور مصر کے درمیان پہنچیں تو دریاؤں نے آپ کو ایک اور روایت کے مطابق وہب کہتے ہیں کہ یہ جگہ بیت المقدس سے آٹھ میل دور بیت لحم نامی ایک گاؤں میں تھی۔ احادیث معراج میں بھی گذر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش بیت لحم ہے۔ لوگوں میں بھی یہی مشہور ہے اور نصاریٰ کو بھی اس بارے میں کوئی شک نہیں۔ حدیث شریف میں بھی اس کا ذکر ہے اگر وہ صحیح ہو۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کہنے لگیں: یٰیہیٰ عیسیٰ ولدت پر انہیں آزمائش کا سامنا کی دلیل ہے کہ فتنہ کے وقت موت کی تمنا کرنا جائز ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو معلوم تھا کہ اس بچے کی ولادت پر انہیں آزمائش کا سامنا کرنا ہوگا، لوگ یہ دیکھ کر اوہم مچائیں گے، اس معاملہ کے درست پہلو کو نہیں لیں گے اور نہ ہی ان کی بات کو صحیح تسلیم کریں گے، بلکہ ایک عابدہ زاہدہ کی حیثیت سے عمل صالح کی شہرت رکھنے کے باوجود بدظن خیال کریں گے۔ اس لئے کہنے لگیں: یٰیہیٰ عیسیٰ... یعنی ہائے کاش! میں اس حالت سے پہلے مر جاتی اور بالکل فراموش کر دی جاتی۔ حضرت ابن عباسؓ و کُلُّتُ نَسِیًا قَدیمیًا کا معنی بتاتے ہیں: نہ مجھے پیدا کیا جاتا

اور نہ میں قابل ذکر چیز ہوتی۔ سدی کہتے ہیں کہ لوگوں سے شرم و حیا کے باعث آپ تمنا کرنے لگیں کہ کاش مجھے اس کرب اور بغیر شوہر کے بچے کی ولادت کے غم سے پہلے موت آجاتی اور مجھے فراموش کر دیا جاتا اور میرا ذکر تک نہ کیا جاتا بلکہ ایسے ہی جیسے حیض کے پڑے کو پھینک دیا جاتا ہے پھر نہ اسے ڈھونڈا جاتا ہے اور نہ اس کا ذکر کیا جاتا ہے (1)۔ فقہاء اس فرمان **وَلَمَّا نَسُوا نُبُؤَاتِنَا كَمَا كَانُوا نَسُوا نُبُؤَاتِ الْبَنَاتِ** کہ میں ایسی چیز ہوتی جسے نہ پہچانا جاتا، نہ ذکر کیا جاتا اور نہ یہ معلوم ہوتا کہ میں کون ہوں۔ ہم نے اس آیت **تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَنصِفِي** بالاضد جنت (یوسف: 101) کے تحت وہ تمام احادیث بیان کر دی ہیں جو سوائے قنبر کے وقت موت کی تمنا کرنے کی ممانعت پر ولادت کرتی ہیں۔

مَا دَاهَا مِنْ تَحْتِهَا إِلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقُ عَلَيْكَ رُطَبًا حَنِينًا ۝ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَأَمَا تَضَرِّينَ مِنَ الْمَسِيءِ أَحَدًا ۚ انْفِقُو ۚ إِنِّي تَذَرُّهُ الْمُرَّحِلِينَ صَوْمًا فَلَنَأْكُلَمُ الْيَوْمَ أَنْسِيًّا ۝

”ہنس پکارا سے ایک فرشتے نے اس کے نیچے سے (اے مریم!) غمزہ نہ ہو جاری کر دی ہے تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی۔ اور بلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں۔ (پیلھے پیٹھے خرے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور (اپنے فرزند ولید کو کھجور) آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم دیکھو، کسی آدمی کو تو (اشارے سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمن کے لئے (خاموشی کے) روزہ کی ہیں میں آج کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی۔“

اکثر حضرات کے نزدیک **مِنْ تَحْتِهَا** ہے یعنی ”من“ حرف جر ہے جبکہ بعض کی قرأت میں **مِنْ تَحْتِهَا** ہے اس صورت میں ”من“ بمعنی الذی اسم موصول ہے۔ اس نداء نے والے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نداء نے والے جبریل علیہ السلام تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس وقت گفتگو کی تھی جب آپ انہیں لیکر اپنی قوم کے پاس آئی تھیں۔ حضرات سعید بن جبیر، شحاک، عمرو بن میمون، سدی اور فقہاء رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ جبریل علیہ السلام نے وادی کے نیچے سے آپ کو آواز دی جبکہ مجاہد، فقہاء اور حسن رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ یہ ندا آپ کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ ایک روایت میں حضرت سعید بن جبیر سے بھی یہ قول مروی ہے کہ آپ کے بیٹے نے آپ کو آواز دی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَأَنشَأْنَا لَهَا مِن تَحْتِهَا نَدِيًّا (2)**۔ فرشتے نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے آواز دی کہ غمزہ نہ ہونا تمہارے رب نے تمہارے نیچے ندی جاری کر دی ہے۔ ”سوتی“ کے مختلف معانی منقول ہیں: ندی، نہر اور چشمہ۔ ایک حدیث مرفوعہ میں اس کا معنی نہر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ سری جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مریم کیلئے کیا ہے وہ ایک نہر تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اس لئے جاری کیا تا کہ وہ اس میں پانی پینے لگے“ (3)۔ یہ حدیث اس سند سے بہت غریب ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ”سوتی“ سے مراد حضرت سلی علیہ السلام ہیں لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر اور مناسب ہے، کیونکہ اس کے بعد فرمان ہے: **وَهُزِّي إِلَيْكِ**۔ یعنی کھجور کا تنہ پکڑ کر بلائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ درخت بالکل سوکھا پڑا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ پھل دار تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ کھجور کی قسم عجوبہ تھی۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت یہ درخت خرم چھلدا نہیں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے طعام و شراب بہم پہنچانے پر اپنا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا **تُسَاقُ عَلَيْكَ**

عَلَيْكَ... عمرو بن ميمون کہتے ہیں کہ ایام زوجگی میں عورت کیلئے تازہ اور خشک کھجوروں سے بہتر کوئی غذا نہیں پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی (1)۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی پھوپھی درخت خرما کی قدر کرو کیونکہ اسے اسٹی سے بنایا گیا ہے جس سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تھی۔ اس کے سوا کوئی اور ایسا درخت نہیں جو زماہ کے ملاپ سے پھلکا ہو۔“ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: اپنی عورتوں کو ایام زوجگی میں ترکھورین کھلاؤ، اگر ترکھورین میسر نہ ہوں تو خشک ہی سکی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس درخت سے بڑھ کر کوئی دوسرا درخت نہیں جس کے نیچے مریم بنت عمران ٹھہری تھیں (2)۔ یہ حدیث نہایت منکر ہے۔ لفظ تساقط میں متعدد قرأتیں ہیں۔ بعض نے سین کو مشدود کر کے تَسْقَاطُ پڑھا ہے۔ بعض نے تخفیف کے ساتھ تَسْقِطُ، بعض نے تَسْقَاطُ اور بعض نے تَسْقِطُ پڑھا ہے اس صورت میں اس کا فاعل ”النجذع“ ہوگا۔ بہر صورت مفہوم میں یہ تمام قرأتیں قریب قریب ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا: فَاِمَّا تَرِيْعُ یعنی جب بھی کوئی آدمی تمہیں نظر آئے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمن کیلئے روزے کی نذر مانگی ہوئی ہے سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ یہاں زبان سے گفتگو کرنا مقصود نہیں بلکہ اشارہ کے ساتھ سمجھانا مراد ہے تاکہ اس فرمان لَكِنَّ اَكْمَلُ... کے ساتھ تضاد پیدا نہ ہو۔ حضرات انس بن مالک، ابن عباس اور شحاک رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ یہاں خاموشی کا روزہ مراد ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روزہ اور خاموشی دونوں (3)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی شریعت میں دوران روزہ طعام بھی حرام تھا اور کلام بھی، سدی تقادہ اور عبدالرحمن بن زید کا یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص آئے۔ ایک نے سلام کیا جبکہ دوسرے نے سلام نہ کیا۔ آپ نے اس کی وجہ پوچھی تو حاضرین نے آپ کو بتایا کہ اس نے آج گفتگو نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ فرمانے لگے کہ یہ تو ایک عورت (مریم علیہا السلام) کیلئے تھا جنہوں نے ایک عذر کے پیش نظر خاموشی اختیار کی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ لوگ ان کی اس بات کی تصدیق نہیں کریں گے کہ میں بغیر شوہر کے حاملہ ہوئی۔ حضرت عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ سے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ میں کیسے نہ گھبراؤں؟ نہ میرا شوہر ہے اور نہ میں ملوک لوٹدی ہوں۔ لوگوں کے سامنے میں کیا عذر پیش کروں گی؟ کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بالکل فراموش کر دی جاتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو کلام کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ میں خود ہی جواب دے لوں گا۔ آپ نے صرف یہ کہا ہے: فَاِمَّا تَرِيْعُ..... (4)۔

فَاتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُہٗ ۗ قَالُوْا اَیْمٰنِمْ لَقَدْ جِئْتِ سَیِّئًا فَرِیًّا ۙ یٰۤاَحْتِ هٰؤُوْنَ مَا کَانَ
 اَبُوکِ اِمْرًا سَوُوًّا وَّمَا کَانَتِ اُمَّلًا بَغِیًّا ۙ فَاَسْمٰرَتْ اِلَیْہِ ۙ قَالُوْا کَیْفَ تَعْلَمِمْ مِّنْ کَانَ فِی
 الْبَہْدِ صَبِیًّا ۙ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ۙ اُنْشِیْ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ وَجَعَلَنِیْ مُبْرَکًا اٰیْنَ
 مَا کُنْتُ ۙ وَاَوْصَنِیْ بِالصَّلٰوٰةِ وَالزَّکٰوٰةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۙ وَبَرًّا بِوَالِدِیْ ۙ وَ لَمْ یَجْعَلَنِیْ
 جَبًا رَاسِخًا ۙ وَالسَّلَامُ عَلٰی یَوْمِ وُلِدْتُ وَ یَوْمِ اَمُوْتُ وَ یَوْمِ اُبْعَثُ حَیًّا ۙ

2- مستدابی بیہی، جلد 1 صفحہ 353، مجمع الزوائد، جلد 5 صفحہ 89

1- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 72

4- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 75

3- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 74

”اس کے بعد وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے۔ انہوں نے کہا اے مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بد چلن تھی۔ اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ کہنے لگے ہم کیسے بات کریں اس نبیے جو گہوارہ میں (کسمن) بچہ ہے۔ (اچانک) وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا۔ اور اس نے تمہیں بنایا مجھے جابر (اور) بد بخت۔ اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔“

حضرت مریم علیہا السلام کو روزہ رکھنے اور اپنے دفاع میں کچھ نہ کہنے کا حکم ہوا تو آپ نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے فرزند ارجمند کو گود میں لیا اور اپنی قوم کے پاس آگئیں۔ جب انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بچہ دیکھا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ آپ کو حیرت کی نظر سے دیکھنے لگے اور ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے: اے مریم! تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ نوبت نکالی کہتے ہیں کہ لوگ حضرت مریم علیہا السلام کی تلاش میں نکلے لیکن انہیں آپ علیہا السلام کا کوئی سراغ نہ ملا۔ رستہ میں انہیں ایک چرواہا ملا۔ اس سے آپ علیہا السلام کا حلیہ بیان کر کے پوچھنے لگے کہ کیا تم نے اس قسم کی لڑکی دیکھی ہے۔ اس نے کہا: نہیں، البتہ آج رات میں نے اپنی گایوں کا ایک عجیب معاملہ دیکھا ہے۔ وہ پوچھنے لگے کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں آج نے کی رات یہ عجیب بات دیکھی کہ میری گائیں اس وادی کی طرف سجدہ ریز ہو گئیں۔ ایسا عجیب واقعہ پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے ایک نور دیکھا۔ جس سمت کی چرواہے نے نشا بدہی کی تھی وہ اس طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر سامنے انہیں مریم علیہا السلام دکھائی دیں جو اپنے بیٹے کو گود میں لیے بیٹھی ہوئی تھیں، کہنے لگے: لَيْدِيْكُمْ نَفَقًا چلتے۔ اے مریم! تم نے بہت برا کام کیا ہے، اے اخت ہارون یعنی عبادت میں شبیہ ہارون! تمہارا تعلق تو ایسے پاکیزہ گھرانے سے ہے جو نیکی، عبادت، زہد اور پارسائی میں معروف ہے، پھر تم سے یہ فعل قبیح کیسے سرزد ہو گیا؟ علی بن ابی طلحہ اور سدی کہتے ہیں کہ یہاں ہارون سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام چونکہ ان کی نسل سے تھیں اس لئے انہیں ”اخت ہارون“ کہا گیا جیسا کہ تمیم خاندان سے تعلق رکھنے والے کو اخیتم اور قبیلہ: مضر سے تعلق رکھنے والے کو اخومضر کہا جاتا ہے (1)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہارون آپ کی قوم کا ایک نیکو کار شخص تھا۔ چونکہ آپ زہد و عبادت میں اس کی تقلید کرتیں اس لئے اس کی طرف آپ کو منسوب کر کے ”اخت ہارون“ کہا گیا۔ بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ ہارون ان میں ایک بدکار شخص تھا۔ اس کے مشابہہ قرار دیتے ہوئے انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو اخت ہارون کہہ دیا (2)۔ ان تمام اقوال سے بڑھ کر قرظی کا ایک عجیب و غریب قول یہ بھی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرات موسیٰ و ہارون بیہما السلام کی سگی بہن تھیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا گیا تھا تو یہی چپکے چپکے اس کے تعاقب میں گئی تھیں۔ یہ قول بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے اور آپ کے بعد صرف حضرت محمد ﷺ مبعوث فرمائے گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”میں سب سے زیادہ ابن مریم کے قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا“ (1)۔ اگر محمد بن کعب قرظی کا یہ قول درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ آپ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام سے بھی پہلے تھے کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں ارشاد ہے: **أَتَمَّ تَبْرَأَى الْمَلَائِكَةُ نَبِيَّ إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا إِنَّمَا اتَّبَعْنَا لَمَّا كَانَتْ أَجْزَاءُ نَبِيِّنَا وَمَا لَنَا آلًا أَنْ نَقْتَابِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالُوا هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلًا نَقْتَابِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ..... وَقَتَّلَ دَاوُدُ جَالُوتَ (البقرة: 251-246)** قرظی نے یہ موقف تو رات کی اس عبارت کے باعث اختیار کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے پیغمبر و عاقبت سمندر سے نکلنے اور فرعونوں کے غرق ہو جانے کے بعد حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بہن مریم بنت عمران اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کی عورتیں دف بجا کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے اور اس کے انعام پر شکر ادا کرنے لگیں۔ اس سے قرظی نے یہ سمجھ لیا کہ یہی مریم بنت عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ ان کے نام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام مریم رکھا گیا کیونکہ بنی اسرائیل کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے انبیاء اور صالحین کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نجران بھیجا۔ وہاں نصاریٰ نے مجھ سے سوال کیا کہ تم یَا خُثْلُطُ حُذْرُونَ پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے گذر چکے ہیں؟ میں کوئی جواب نہ دے سکا جب وہاں لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا ”تم نے انہیں یہ کیوں نہ بتا دیا کہ وہ لوگ اپنے انبیاء اور پہلے گذرے ہوئے نیک لوگوں کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام رکھا کرتے تھے“ (2)۔ ایک مرتبہ حضرت کعب کہنے لگے کہ یہاں وہ ہارون مراد نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ یہ بن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ تمہاری یہ بات درست نہیں۔ حضرت کعب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے کہ اگر آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے تو ہمیں قبول ہے ورنہ ان دونوں نبیوں کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ یہ بن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں (3)۔ بہر صورت یہ بیان کردہ حدیث محل نظر ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم کا گھرانہ شروع سے ہی صالح، پارسا، اور دیندار تھا اور ان کے ہاں ایسے ہی نیک بچے پیدا ہوتے۔ گویا نیکی اتنی اور دینداری نسل در نسل منتقل ہو رہی تھی۔ بعض گھرانے بالکل ایسے ہی ہوتے ہیں لیکن بعض گھرانے اس کے برعکس ہوتے ہیں جہاں نسل در نسل بدی کا دور دورہ رہتا ہے۔ ہارون بڑے نیکو کار اور اپنے خاندان میں بر دلعزیز شخصیت تھے یہ وہ ہارون نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے بلکہ یہ اور ہارون ہیں۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اس لئے بنی اسرائیل میں یہ نام رکھنے کا عام رواج ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کے جنازے میں ہارون نامی چالیس ہزار افراد نے شرکت کی (4)۔ آخر کار آپ نے معاملہ اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا: **فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ.....** جب لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو شک کی نظر سے دیکھا، طرح طرح کی تاغار باتیں بنانے لگے اور ملامت کرتے ہوئے اشارہ نابدکاری کی تہمت لگانے پر آئے تو چونکہ آپ نے روزہ اور خاموشی اختیار کی ہوئی تھی اس لئے آپ نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے پوچھو جو پوچھنا ہے۔ لوگ سمجھے کہ مریم ہمارے ساتھ مذاق کر رہی ہے چنانچہ وہ تمہارا میز لہجہ میں پوچھنے لگے: **كَيْفَ حَكَمْتُمْ.....** میمون بن مهران

2- صحیح مسلم، کتاب الآداب جلد 3 صفحہ 1685

4- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 77

1- فتح الباری، کتاب الانبیاء جلد 6 صفحہ 477-478

3- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 77

کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس سے کلام کرو۔ وہ کہنے لگے کہ یہ بہت چالاک ہے، ہمیں کس نچے کے ساتھ گفتگو کرنے کیلئے کہہ رہی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ کے اس اشارہ سے لوگ ششمناک ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس کا تمسخر آمیز رویہ ہمارے لئے اس کی بدکاری سے بھی زیادہ ناگوار ہے۔ بھلا گوارے میں کھلتا کس نچے کیسے گفتگو کر سکتا ہے؟ اسی اثناء میں وہ بچہ بول اٹھا اور کہنے لگا: **إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ**۔ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہوئے اولاد سے اللہ تعالیٰ کی تہنیر بہا اور پانکی بیان کی، پھر یہ **إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَحَدَّثَنِي أَبِي** کہہ کر اپنی والدہ کی بدکاری سے برأت بیان کی۔ نوبت بکالی کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پلے رہے تھے۔ آپ دودھ چھوڑ کر اور بائیں کروٹ ہو کر فرمانے لگے: **إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ..... مَا دُمْتُ حَيًّا**۔ ثابت بنانی کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی شہادت کی انگلی اپنے کندھے سے اوپر اٹھا کر یہ فرمایا تھا۔ عکرمہ اس فرمان **إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ** کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے کتاب دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے جو ہر صورت پورا ہوگا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کے شکر میں ہی انجیل اچھی طرح سیکھ لی تھی اور یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ مجاہد، عمرو بن قیس اور ثوری نے آیت کریمہ میں مذکور لفظ مبارک کا معنی معلوم نہیں کیا ہے۔ ایک اور روایت میں مجاہد سے اس کا معنی نفع رساں بھی منقول ہے۔ ایک عالم اپنے سے بڑے عالم سے ملے اور پوچھنے لگے کہ وہ کونسا عمل ہے جو میں علی الاعلان کر سکتا ہوں؟ فرمایا: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام پیغمبروں کو اس فریضہ کا مکلف بنایا تھا۔ اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ کی برکت سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے (1)۔ اور یہ فرمان **وَ أَوْصِيَنِي.....** ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا: **وَ أَوْصِيَنِي بِرَبِّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ** (المحجر: 99) ”اور اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے“۔ حضرت مالک بن انس اس فرمان **وَ أَوْصِيَنِي** کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امر کی خبر دے دی جو مرتے دم تک آپ نے بجالانا تھا۔ تقدیر کے ثبوت کی یہ کس قدر یقین دہن دہن ہے۔ پھر مزید فرمایا: **يَوْمَ الْوَلَايَةِ** یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اطاعت الہی کے بعد اس کا ذکر ہوا اور عموماً اللہ تعالیٰ اپنی عبادت اور اطاعت والدین کے حکم کو ایک ساتھ بیان فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: **وَأَطِيعُوا آبَاءَكُمْ وَأُمَّهَاتِكُمْ** (النساء: 36) اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو“۔ اور فرمایا: **أَبْنِ الشُّكْرَىٰ وَابْنِ الْوَالِدِيكَ** **إِنِّي أَنَا عَبْدُ اللَّهِ** (لقمان: 14) ”شکر اور کرو میرا اور اپنے والدین کا۔ میری طرف ہی لوٹنا ہے“۔ مزید فرمایا: **وَلَمْ يَجْعَلْنِي** یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ جابر بنایا اور نہ اپنی عبادت و اطاعت اور اپنی والدہ کی خدمت کرنے سے متکبر بنایا کہ میں اس وجہ سے شقی بن جاؤں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ جبار و شقی وہ ہے جو غصہ کے سبب قتل کرنے کے درپے ہو جائے۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ اپنے والدین کا نافرمان شخص جبار اور شقی ہوتا ہے پھر انہوں نے اس آیت **وَبِزْوَالِهَا** کی تلاوت کی اور ہر بد اخلاق شخص اترانے والا اور مغرور ہوتا ہے، اس پر انہوں نے یہ آیت پڑھی: **وَمَا مَنَعَكَ أَتَيْتَ الْكُفْرَ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا** (النساء: 36) ایک عورت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مشاہدہ کیا کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور مردار زندہ ہوتے ہیں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگی کہ مبارک ہے وہ پیٹ جس نے تمہیں اٹھائے رکھا اور مبارک ہے وہ چھاتی جس سے تم نے دودھ پیا۔ یہ سن کر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ مبارک ہے وہ شخص جس نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور اس پر عمل پیرا ہوا اور جاہل و

پر بخت نہ بنا (1)۔ پھر فرمایا: وَالسَّلَامُ عَلَيَّ۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ آپ کو زندگی بخشی گئی، پھر آپ پر موت بھی آئے گی اور قیامت کے دن باقی مابقی مخلوق کی طرح آپ کو بھی زندہ کرے گا اور اٹھایا جائے گا لیکن ان تینوں مواقع پر آپ کیسے سلامتی ہے حالانکہ بندوں کیلئے یہ تینوں مواقع بڑے سنگین اور مشکل ہیں۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۗ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٥٨﴾ مَا كَانَ لِیْلَهُ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْهُ
وَلٰكِنَّ سُبْحٰنَهُ ۗ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِلٰنَا یَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَاَیْكُنُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ وَّسَبِیْحٌ
فَاعْبُدُوْهُ ۗ وَكُلَّ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿٦٠﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِهِمْ ۗ فَوَيْلٌ لِلَّذِیْنَ

كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿٦١﴾

”یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) گئی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ یہ زیبا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے، وہ پاک ہے۔ جب وہ فیصلہ فرمادیتا ہے کسی کام کا تو بس صرف اتنا حکم دیتا ہے اس کے لئے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سواسی کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر ان میں سے کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ پس ہلاکت ہے کفار کے لئے اس دن کی حاضری سے جو بہت بڑا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے جس سے ہم نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے، یہی گئی بات ہے جس کے متعلق ان پر ایمان لانے والے حق پرست اور ان کا انکار کرنے والے باطل پرست اختلاف کرتے ہیں۔ اکثر حضرات کی قرأت میں قَوْلُ الْحَقِّ ہے یعنی قول کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ عاصم اور عبداللہ بن عامر نے اسے منصوب پڑھا ہے یعنی قَوْلِ الْحَقِّ (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ”قَالَ الْحَقُّ“ ہے۔ ہر کیف اسے مرفوع پڑھنا زیادہ ظاہر ہے اور اس کی تائید اس فرمان سے بھی ہوتی ہے: ”الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكْفُرْ مِنَ التَّنْذِيْرِ“ (آل عمران: 60) ”یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے پس تو نہ ہو شک کرنے والوں میں سے“۔ یہ بیان کرنے کے بعد کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی اور بندے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی تمیز اور پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ لِیْلَهُ ۗ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْهُ ۗ تَحَاوِزَ كَرْنِ وَالْوَالُوْنَ كِيْ بَرَزَ سَرَائِيْمُوْنَ سَ بَہت ہالا اور برتر ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف ”كُنْ“ کہہ دیتا ہے تو وہ چیز اس کی مشیت کے مطابق وجود پذیر ہو جاتی ہے، جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنْ مَسَّكَ عِيْسَى جُنْدًا اللّٰهُ كَسَبَلِ اَدَمَ ۗ حٰكِمَةٌ مِنْ سُرَابٍ مِّمَّ قَالَتْ لَنْ لَّهٗ كُنْ فَاَیْكُنُوْنَ ﴿٦٠﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكْفُرْ مِنَ التَّنْذِيْرِ“ (آل عمران: 59-60) ”بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم علیہ السلام کی مانند ہے۔ اسے مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا ہو جا تو وہ گیا۔ یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے ہے سو تو نہ ہو جا شک کرنے والوں میں سے“۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گوارے میں ہی اپنی قوم کو یہ پیغام بھی دیا: اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ... یعنی اللہ تعالیٰ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، سواسی کی عبادت کرو اور جو کچھ میں اللہ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں، یہی صراط مستقیم ہے۔ جس نے اس کی اتباع کی، وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس کی مخالفت کی، وہ گمراہ ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا:

فَاخْتَلَفَ الَّذِينَ هُنَا .. یعنی اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے لگے حالانکہ آپ کی حقیقت سے پردہ اٹھایا جا چکا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے، رسول، روح اور کلمہ ہیں جسے اس نے مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا۔ یہ وہ یوں کی اکثریت ہے کہ (نعوذ باللہ) ولد الزنا کہتی ہے۔ یہ ملعون کہتے ہیں کہ آپ کا یہ نام جو وہاں رکھا گیا ہے۔ یہ درود ہے لہذا یہ اللہ تعالیٰ کا نبی کا نام ہے۔ نصاریٰ میں سے کچھ آپ کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) کہنے لگے۔ کچھ کہنے لگے کہ آپ تین خداؤں میں سے ایک ہیں جبکہ باقی لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور یہی سچی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بتلائی ہے اور یہی امت مسلمہ کا عقیدہ ہے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ نبی اسرائیل کے چار گروہ اکٹھے ہوئے اور ہر ایک گروہ نے اپنا عالم پیش کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا جا چکا تھا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ ایک کہنے لگا کہ یہ بذات خود اللہ تھا جو زمین پر اترا۔ جسے چاہا اسے اس نے زندہ کیا اور جسے چاہا، مرد یا پھر وہ اپنی آسمان کی طرف چلا گیا۔ اس عقیدہ کے حامل گروہ کو یہ عقوبت کہا جاتا ہے۔ یہ سن کر باقی تینوں علماء نے اسے جھوٹا قرار دیا۔ اب ان میں سے دو نے تیسرے سے کہا کہ تم اپنا عقیدہ بیان کرو۔ اس نے کہا کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنے والے نسطور یہ بھلائے۔ یہ سن کر دونوں نے اس کی تکذیب کی۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم اپنا موقف بیان کرو۔ اس نے کہا وہ تین خداؤں میں سے ایک ہیں یعنی اللہ، عیسیٰ اور ان کی والدہ تین خدا ہیں۔ یہ گروہ اسرائیلیہ کے نام سے معروف ہوا یہی شاہان نصاریٰ تھے، غَلِيْبُهُمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ اچوتھے نے اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ بات ایسی نہیں ہے، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندہ، رسول، روح اور کلمہ ہیں، اس عقیدہ کے حامل مسلمان کہلائے۔ ان چاروں علماء میں سے ہر ایک کے پیروکار اور ہمنوا تھے جو آپس میں لڑنے بھگڑنے لگے اور آخر کار مسلمانوں پر غالب آگئے اور یہی اس آیت کا مقصود ہے: ﴿يَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ﴾ (آل عمران: 21) ”اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو لوگوں میں سے عدل و انصاف کا حکم کرتے ہیں“۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہی وہ گروہ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاخْتَلَفَ الَّذِينَ هُنَا﴾۔ اہل کتاب اور دیگر متعدد مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ قسطنطین بادشاہ نے تین بار نصاریٰ کے اجتماع کا انعقاد کیا۔ آخری اجتماع میں ان کے دو ہزار ایک سو ستر بپش جمع ہوئے۔ یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف عقیدہ رکھتے تھے۔ ہر گروہ اپنا اپنا رنگ لاپٹا۔ سو کچھ کہتے ستر کو نبی اور بات کرتے، پچاس اپنا خیال ظاہر کرتے اور ایک سو ساٹھ اپنا الگ عقیدہ بیان کرتے۔ ان میں سے سب سے بڑا گروہ تین سو آٹھ افراد پر مشتمل تھا انہوں نے جس بات پر اتفاق کیا، بادشاہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ بادشاہ چونکہ فلسفی تھا اس لئے اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اکثریت کا ساتھ دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اس اکثریتی گروہ کا بھرپور ساتھ دیا، ہر طرح سے ان کی معاونت کی اور باقی سب کو اس نے جلا وطن کر دیا۔ اس گروہ کے علماء نے بادشاہ کیلئے امانت کبیرہ کی رسم ایجاد کی جو دراصل خدیت عظیمہ ہے، بادشاہ کو تو ان میں وضع کر کے دیے، بہت سی من گھڑت اشیاء کو شریعت کا حصہ بنا دیا، بدعات کو جنم دیا اور دین مسیح میں تحریف اور تغیر و تبدیل کر کے اس کی صورت مسخ کر دی۔ اس تحریف شدہ دین کو جبراً مسلط کرنے کے بعد بادشاہ نے اپنی ساری قوم رو میں بڑے بڑے کئیوں کا جال بچھا دیا جن کی تعداد اس کے دور میں بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ بادشاہ کی ماں، ہیلا نے اس جگہ پر ایک قبضہ کر دیا جس کے بارے میں یہود کا گمان ہے کہ یہاں حضرت مسیح کو ہی سولی دی گئی تھی۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھایا گیا۔ پھر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے، شدید دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَقَوْلِي لِيُنْيِي بَيْنَ﴾۔ یعنی آپ ان افتر پردازوں

کو قیامت تک مہلت دے دیں اور ظلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں ڈھیل دے دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان کو فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ”اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا“ (1)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذْ أَخَذَ مِنَ النَّاسِ مِيثَاقَهُ - إِنَّ أَخْذًا أَلِيمٌ شَدِيدٌ (ہود: 102) ”اور یونہی آپ کے رب کی گرفت ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے دریں حالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں، بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہوتی ہے“۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ماروا باتیں سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا ہو۔ لوگ اس کی اولاد بھڑھراتے ہیں اور وہ انہیں رزق سے بھی نوازتا ہے اور عافیت سے بھی“ (2)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمٌ قَدْ يَأْتُوا الصَّالِحِينَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (الأنعام: 48) ”اور کئی بستیوں میں نے ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھے پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی لوٹنا ہے“ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ عَاقِلًا عَمَّا يَعْبَثُ الظَّالِمُونَ ﴿۱﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِحُجَّتِهِمْ لِيُؤْمِرَ بِعَشْرِهُمْ فِيهِمْ لِيُبْصِرَ (البراق: 42) ”اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کڑو توں سے بے خبر ہے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔ وہ تو انہیں صرف اس دن کیلئے ڈھیل دے رہا ہے جب آنکھیں (خوف کے مارے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی“۔ اور یہاں فرمایا: قَوْلِي لِّلَّذِينَ كَفَرُوا... ایک حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، یسعی اللہ کے بندے، رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی روح ہیں اور جنت اور جہنم حق ہیں، اس کے اعمال خواہ کیسے ہوں اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کر دے گا“ (3)۔

أَسْمُهُمْ وَأَبَرٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا آتُونَكَ لَكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱﴾ وَأَنْتُمْ لَهُمْ لِيَوْمِ
النَّصْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَ
مَنْ عَلَيْهِمْ وَإِلَيْنَا يَرْجِعُونَ ﴿۳﴾

”(اس دن) یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے جس دن آئیں گے ہمارے پاس لیکن یہ ظالم آج تو کھلی گمراہی میں ہیں اور اے نبی کریم! آپ ڈرائے انہیں حسرت و ندامت کے دن سے جب ہر بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور آج یہ لوگ غفلت میں ہیں اور یہ ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہماری طرف ہی سب لوٹائے جائیں گے“۔

روز قیامت کفار کی قوتِ سماعت اور قوتِ بصارت غیر معمولی ہوگی۔ وہ اچھی طرح سنیں گے بھی اور دیکھیں گے بھی جیسا کہ فرمایا: وَكُلُّ
شَيْءٍ أِنْفِئَاتٍ يُؤْمِنُونَ كَأَنَّهُمْ قَوْمٌ عَرِفُونَ ﴿۱﴾ وَتَرَىٰ فِيهَا جِبَالًا مَّوَسَّعًا (السجدة: 12) ”اور کاش تم دیکھو جب مجرم سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا“۔ یہ اس وقت کہیں گے جب یہ سماعت اور بصارت ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے اگر وہ آواز حق سن لیتے اور نور ہدایت کا مشاہدہ کر لیتے تو اس کا انہیں فائدہ

1۔ فتح الباری، تفسیر سورہ ہود، جلد 8 صفحہ 354، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997-1998

2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 8 صفحہ 31، صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ القیامۃ والیوم والنار، جلد 4 صفحہ 2160

3۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 201، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 57

ضرور پہنچنا اور وہ عذاب سے بچ جاتے۔ اس لیے فرمایا: **أَسْهَبُوا بِهَمِّمْ وَأَهْوَرُوا**۔ یہ توجب کا صیغہ ہے یعنی روز قیامت یہ خوب سنیں اور دیکھیں گے لیکن آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔ نہ یہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی قائم حق کو سمجھتے ہیں۔ دنیا میں انہیں ہدایت قبول کرنے کیلئے کہا جاتا ہے لیکن یہ ہدایت قبول نہیں کرتے اور آخرت میں یہ اطاعت کا اظہار کریں گے لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا: **وَآذَنُوا لَهُمْ**..... یعنی مخلوق کو آپ حسرت و ندامت والے دن سے ڈرائیں جب جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان فیصلہ ہوگا اور ہر ایک اپنے ابدی ٹھکانے کی راہ لے گا لیکن یہ لوگ آج اس حسرت و ندامت والے دن سے بالکل غافل ہیں اور اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا، یہ یوں محسوس ہوگی جیسے سفید و سیاہ رنگ والا سینہ ہا ہے۔ پھر اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے کہا جائے گا: اے جنتیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ گردنیں ورازا کر کے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں، یہ موت ہے۔ پھر کہا جائے گا: اے دوزخیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ بھی گردنیں ورازا کر کے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں، یہ موت ہے۔ پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا: اے جنتیو! بغیر موت کے بھٹکتی ہے اور اے دوزخیو! بلا موت بھٹکتی ہے“ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت **وَآذَنُوا لَهُمْ يَوْمَ أَنْعَمُوا** کی تلاوت کی اور ہاتھ کے ساتھ اشارہ کیا، پھر فرمایا: اہل دنیا غفلت میں ہیں“ (1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ میں بیان کیا ہے کہ اس حسرت والے دن ہر شخص جنت اور دوزخ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھنے لگا اور دوزخی جنت میں اپنے ٹھکانے کو دیکھیں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ اگر تم عمل کرتے تو یہ جگہ تمہیں مل جاتی۔ اس وقت حسرت انہیں گھیر لے گی۔ جنتی جنم میں اپنے ٹھکانے کو دیکھیں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر احسان نہ فرماتا تو تمہارا یہ ٹھکانہ ہوتا (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس فرمان **وَآذَنُوا لَهُمْ** کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو ایک مینڈھے کی صورت میں لایا جائے اور جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، پھر ایک مناد یہ ندا دے گا: اے جنتیو! یہ وہ موت ہے جو لوگوں کو دنیا میں مارا کرتی تھی تو جنت میں ہر اونچے اور نیچے طبقہ والا شخص اسے دیکھے گا۔ پھر ندا ہوگی: اے دوزخیو! یہ وہ موت ہے جو دنیا میں لوگوں کو مارا کرتی تھی چنانچہ ہر دوزخی اسے دیکھے گا۔ پھر اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر کے کہا جائے گا: اے جنتیو! ابد الابد تک بھٹکتی ہے اور اے دوزخیو! ابد الابد تک بھٹکتی ہے۔ یہ سن کر جنتی اسقدر خوش ہوں گے کہ اگر فرما سرت سے کسی کو مرنا ہو تو وہ ضرور مر جائیں اور دوزخی اس قدر چیخ و پکار کریں گے کہ اگر اس سبب سے کسی کو مرنا ہو تو وہ ضرور مر جائیں۔ پس یہی مطلب اس آیت کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یوم الحسرة قیامت کے ناموں میں سے ہے۔ اس کی غیر معمولی کیفیت کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سے خبردار کیا۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ اس پر انہوں نے یہ آیت پڑھی: **أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ لِّمَنْ عَلَيَّ مَقْرَنَةٌ لِّقِي أَتَى اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** (3) ”کوئی شخص یہ کہنے لگے صدحیف! ان کو تباہیوں پر جو اللہ کے بارے میں مجھ سے سرزد ہوئیں“۔ فرمایا: **إِنَّا نَحْنُ نَرُوثُ**..... اس میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف ہے، تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ بجز اس کے کوئی بھی ملکیت اور تصرف کا دعویٰ نہیں کر سکتا بلکہ وہی تمام مخلوق کا وارث، ان کے بعد ہمیشہ باقی رہنے والا اور

1- صحیح بخاری، تفسیر سورہ مرمیم، جلد 6، صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب البیو، جلد 4، صفحہ 2188، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 9

2- تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 87

3- اثر: 56، تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 88

ان کا فیصلہ فرمانے والا ہے۔ وہ ایسا عادل ہے کہ چمھر کے پر اور ایک ذرہ کے برابر بھی وہ ظلم نہیں کرتا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے کوفہ کے گورنر عبد الحمید بن عبد الرحمن کو لکھا: انا بعد اللہ تعالیٰ نے جب سے مخلوق کو پیدا کیا اسی وقت سے ہی ان پر موت لکھ دی اور ہر ایک کا انجام یہی موت ہے۔ اسی نے اپنی نازل کردہ وحی کتاب میں جسے اس نے اپنے علم کے ساتھ محفوظ کیا ہے اور ملائکہ کو اس کی حفاظت پر گواہ بنایا ہے، اس نے لکھ دیا ہے کہ وہ زمین اور اس کے اوپر ہر چیز کا وارث ہے اور اسی طرف سب کو لوٹنا ہے (1)۔

وَ اذْ كُنْ فِي الْكِتَابِ اِيْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لَا يٰٓيٰوَيْلَا بَتِّ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جِئْتُكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۝ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّبْسُكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنُ لِلشَّيْطٰنِ وٰلِيًّا ۝

” اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا۔ وہ بڑا راست باز نبی تھا۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اے میرے باپ! بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا، اس لئے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔ اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر۔ بے شک شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔ اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب (خدا نے) رحمن کی طرف سے تو تو بن جائے شیطان کا ساتھی۔“

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی محمد ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کریں اور اپنی بت پرست قوم کو جو ان کی اولاد اور ان کی پیروکار ہونے کی دعوت دے رہا ہے، ان کا واقعہ بیان کریں کہ اس سچے نبی نے کس طرح اپنے باپ کو بت پرستی سے منع کیا۔ آپ نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ کیوں اس کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ نفع پہنچاتا ہے اور نہ تکلیف کو دور کرتا ہے۔ اے میرے باپ! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ اپنے باپ سے یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگرچہ میں آپ کا بیٹا اور کم عمر ہوں لیکن یاد رکھیے جس علم پر اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہی بخشی ہے آپ کو نہیں بخشی، اس لئے میری اتباع کریں میں آپ کو صراط مستقیم دکھاؤں گا جس پر گامزن ہونے سے مطلوب حاصل ہوگا اور عذاب سے نجات ملے گی۔ اے میرے باپ! بت پرستی میں شیطان کی اطاعت نہ کریں۔ چونکہ شیطان بت پرستی کی دعوت دیتا ہے اس لئے بت پرست کو ایسی کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ اَعْهَدْ اَيْدِيْكُمْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَعْبُدُوْا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البین: 60) ”اے اولاد آدم! کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اِنْ يُّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّا اِنْشَآءً وَاَوْ اِنْ يُّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مُّرْوِيًّا (النساء: 117) ”یہ مشرک اللہ کے سوا نہیں عبادت کرتے مگر دیویوں کی اور یہ نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی“۔ شیطان کے متعلق فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ - یعنی شیطان اللہ تعالیٰ کا مخالف اور اس کی اطاعت سے کلمبر اور روگردانی کرنے والا ہے۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اسے رحمت سے دور کر دیا اور اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا، اس لئے اس کی اتباع نہ کریں ورنہ اس جیسا ہو جائیں گے۔ اے میرے باپ! مجھے

اندیشہ ہے کہ شرک اور میری نافرمانی کے باعث رحمن کی طرف سے کہیں عذاب آپ کو پہنچ جائے اور اگر آپ شیطان کی اجازت کرتے رہے تو وہی آپ کا دوست ہوگا لیکن اس وقت وہ کسی کام نہیں آئے گا بلکہ عذاب آپ کو گھیر لے گا جیسا کہ فرمایا: تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِيَّ اَصْحٰبِنَا قَبْلِكَ فَرَزِقْنٰهُمْ الشَّيْطٰنَ اَعْمٰلَانِمْ فَهُمْ فِيْهِمْ وَيُحِبُّوْنَ اَلَيْسَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اٰحل: 63)۔

قَالَ اَرَا عَضِبَ اَنْتَ عَنِ الرَّهَقِيَّ يَا اِبْرٰهِيْمَ لٰكِنْ لَمْ تَنْتَهَ لِاَرْجٰسِكَ وَاهْجُرْتَنِيْ مَيْلًا ۝ قَالَ سَلَّمَ عَلَيْكَ ۝ سَاَسْتَغْفِرُكَ رَبِّيْ ۝ اِنَّهُ كَانَ نِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۝ عَسَى اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَاؤِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝

”باپ نے کہا کیا رگروانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم! اگر تم باز آنے تو میں تمہیں سزا کر دوں گا اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے (جواب میں) کہا سلام ہو تم پر۔ میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لئے اپنے رب سے۔ بے شک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر آپ کے باپ نے جو جواب دیا، اس کا تذکرہ ہو رہا ہے اَرَا عَضِبَ یعنی اگر تم میرے خداؤں کی عبادت سے روگردانی کیے ہوئے ہو تو انہیں سب دشمن کرنے اور ان کی عیب جوئی کرنے سے باز آ جاؤ۔ اگر تم باز آنے تو میں تم سے اس کا بدلہ لوں گا اور تمہیں سب دشمن کروں گا۔ بقول ابن عباس، سدی، ابن جریر، ضحاک وغیرہ لَا اَرْجٰسِكَ کا مین مطلب ہے (1)۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور محمد بن اسحاق نے ”میلًا“ کا معنی بتایا ہے کچھ عرصہ۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا معنی ہے: طویل زمانہ۔ سدی کے بقول اس کا معنی ہے ہمیشہ۔ حضرات ابن عباس، ضحاک، قتادہ، عطیہ جدلی اور ابو مالک وغیرہ نے وَاهْجُرْتَنِيْ مَيْلًا کا مطلب بتایا ہے کہ تم مجھ سے صحیح سالم الگ ہو جاؤ اس سے پہلے کہ میں تمہیں سزا دوں۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے (2)۔ اس پر حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا: ”سلام علیک“ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ مومنین کے متعلق فرمایا: وَاِذَا خَاصَمْتَهُمُ النُّجُودُ فَقَالُوْا سَلِّمْ عَلَيْهِمُ الْاَنْبِيَاۡءُ وَلَكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَاقِيْنَ الْعَذَابِ (الفرقان: 63) اور جب جاہل ان سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں تم سلامت رہو، وَاِذَا سَخِمُوا وَارْتَمَوْا عَنَّا وَقَالُوْا النَّارُ اَعْمٰلَانَا وَلَكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَاقِيْنَ الْعَذَابِ (القصص: 55) اور جب وہ کسی پیروہ بات کو سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم سلامت رہو ہم جاہلوں (سے) الجھنے کے خواہاں نہیں۔“ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ کر سَلَّمَ عَلَيْكَ اپنے باپ کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ نہ میں آپ کو کوئی گزند پہنچاؤں گا اور نہ آپ کے ساتھ کوئی ناروا بات کروں گا۔ یہ باپ کی حرمت کے پیش نظر تھا۔ پھر فرمایا: سَاَسْتَغْفِرُكَ رَبِّيْ ۝ عَسَى اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَاؤِ رَبِّيْ شَقِيًّا کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سے یہی التجا کروں گا کہ وہ آپ کو بدایت نصیب فرمائے اور آپ کے گناہ بخش دے۔ وہ بلاشبہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔ یہ اس کا لطف و کرم ہی ہے کہ اس نے مجھے اپنی عبادت اور اخلاص کی توفیق مرحمت فرمائی۔ تو وہ اور مجاہد ”حَفِيًّا“ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کا مجھے شوگر بنایا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ ”حَفِيًّا“ سے مراد وہ ہے جو کسی کے معاملہ کا اہتمام کرے۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام طویل مدت تک اپنے باپ کیلئے استغفار کرتے رہے بلکہ شام کی طرف ہجرت کرنے، مسجد حرام کی تعمیر کرنے اور حضرات اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کی ولادت کے بعد بھی اس قول کے ساتھ طلب مغفرت کرتے رہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِي ذَلِيلًا اِيْنِي وَاَلِئْتُوْنِي يَوْمَ يُنْفَخُ الْحِسَابُ (ابراہیم: 41) ”اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا“، آغاز اسلام میں مسلمان بھی حضرت ابراہیم کی اقتدا کرتے ہوئے اپنے مشرک اعزاء و اقارب کیلئے استغفار کیا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ فرمان نازل ہوا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اَسْوَفُ حَسَنَةٍ لِّي بَزِيْهِمْ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اِذْ قَالُوا اَلْقُوْهُمْ اِنَّا بِلَهِّنَا لَمَنْ اَوْسَطُ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ - اِلَّا قَوْلُ اِبْرٰهِيْمَ بِيَبْرٰهِيْمَ لَا يَبْرٰهِيْمُ لَكَ وَمَا اَمْنٰكَ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنَ شَيْءٍ (الممتحنہ: 4) ”بے شک تمہارے لیے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور ان معبودوں سے بیزار ہیں جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں ضرور تمہارے لیے مغفرت طلب کروں گا اور میں تمہارے لیے اللہ کے سامنے کسی نفع کا مالک نہیں ہوں۔“ یعنی اس قول میں تم حضرت ابراہیم کی اقتدا کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بعد میں اس سے رجوع کر لیا جیسا کہ فرمان ہے: مَا كَانَ لِلشُّعْبٰنِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَفِزُّوْا النَّاسَ كَيْفَ يَشٰوْنُ . وَمَا كَانَ اسْتِغْفٰرًا لِّاِبْرٰهِيْمَ وَلَا لِمَنْ اٰلَا عَنْ غُلُوْبٍ وَّ قُوَّةٍ عَنَّا يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَنْ اَكْفُرَنَّ عَنْكُم مَّا كُنْتُمْ اَعْمٰهًا وَاَنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (التوبہ: 114-113) ”درست نہیں ہے نبی کیلئے اور نہ ایمان والوں کیلئے کہ وہ مشرکوں کے واسطے مغفرت طلب کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ داری ہوں جب کہ واضح ہو گیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں اور تمہی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کیلئے مگر ایک وعدہ کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب آپ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے ہی نرم دل اور بردبار تھے“، پھر فرمایا: وَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ - یعنی میں تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے بیزار اور اجتناب کرنے والا ہوں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجتے ہو اور میں تو صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے تامل اور نہیں رہوں گا یہاں لفظ ”عسی“ یقین کے معنی میں ہے کیونکہ آپ حضرت محمد ﷺ کے بعد سید الانبیاء ہیں۔

فَلَمَّا اعْتَرٰهُمْ وَمَا يَعْْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَسَلَةَ اِسْحٰقُ وَيَعْقُوْبُ ۗ وَ كَلَّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۙ وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۙ

”پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب۔ اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔ اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں اپنی رحمت سے (طرح طرح کی نعمتیں) اور ہم نے ان کے لئے سچی اور دائمی تعریف کی آواز بلند کر دی۔“

جب حضرت خلیل علیہ السلام اپنے باپ اور اپنی قوم سے رضائے الہی کی خاطر الگ تھلگ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے بیٹے اور حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے پوتے کی صورت میں نعم البدل عطا فرمادیا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَ يَعْقُوْبُ نَافِلَةً (الانبیاء: 72)، وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبُ (ہود: 71) اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد گرامی ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں واضح طور پر فرمایا: اَمَرْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبُ الْمَوْتَ اِذْ قَالُ لِيَبْنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ - قَالُوْا الْعِبَادَةُ لَكَ وَ اِلٰهًا اَبَاكَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ (البقرہ: 133) ”بھلا کیا تم موجود تھے جب آئینہ

یعقوب کو موت جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے عرض کی ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے خدا کی۔ یہاں حضرات اسحاق و یعقوب علیہما السلام کا ذکر کیا جس سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسا بیٹا اور پوتا عطا فرمائے جو آپ کی زندگی میں ہی منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھیں کھلادی کیں، اس لئے فرمایا: **وَوَكَلْنَا جِبْرَائِيلَ عَلَيْهَا**۔ حضرت یعقوب علیہ السلام آپ کی حیات مبارکہ میں نبی نہ بنائے جاتے تو صرف آپ کے ذکر پر اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ آپ کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی ساتھ ہی ذکر ہوتا کیونکہ آپ بھی نبی ہیں جیسا کہ ایک حدیث صحیح میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے سب سے بہتر شخص کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”یوسف نبی اللہ ابن یعقوب نبی اللہ ابن اسحاق نبی اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ“ (1)۔ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں ”کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم“ (2)۔ آیت کریمہ میں لفظ **لِسَانَ صِدْقٍ** سے مراد ذکر خیر اور ثناء جمیل ہے۔ **لِسَانَ صِدْقٍ** کو ”علیاً“ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ برطت اور ہر دین کے حامل لوگ آپ کی مدحت اور تعریف کرتے ہیں (3)۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْتَصِمًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الظُّلُمَاتِ الْأَيْمَنِ وَنَرَيْنَاهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَّمْنَا لَهُ مِنْ رَأْسِهِ نَارًا كَالظُّلُمَاتِ الْأَيْمَنِ ۝

”اور ذکر فرمائیے کتاب میں موسیٰ کا۔ پیچک وہ (اللہ کے) چنے ہوئے تھے اور رسول و نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں پکارا طور کی دائیں جانب سے اور ہم نے انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کے لئے۔ اور ہم نے بخشا انہیں اپنی خاص رحمت سے ان کا بھائی بارون جو نبی تھا۔“

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ذکر کے بعد اب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تذکرہ رہا ہے۔ ”مُخْتَصِمًا“ کی دوسری فرأت ”مُخْتَصِمًا“ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی وہ عبادت میں اخلاص رکھنے والے تھے۔ مروی ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: اے روح اللہ! یہ فرمائیے کہ اللہ کیلئے مخلص شخص کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جو خالص اللہ کی رضا کیلئے عمل کرے اور اس پر لوگوں کی تعریف کا خواہشمند نہ ہو۔ اگر مخلص لام کے فتح کے ساتھ پڑھیں تو اس کا معنی ہے بزرگزیادہ اور چنا ہوا، جیسا کہ فرمایا: **إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى الْكَافِرِينَ (الاعراف: 144)** ”میں نے تمہیں تمام لوگوں پر چن لیا“۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور رسالت دونوں سے سرفراز کیا گیا۔ آپ پانچ بڑے بڑے اولوا العزم رسولوں میں سے ایک ہیں یعنی نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم وعلیٰ آلائہم وعلیٰ آسماؤہم۔ فرمایا: **وَنَادَيْنَاهُ...** یعنی ہم نے انہیں طور پہاڑ کی دائیں جانب سے آواز دی اور راز کی باتیں کرنے کیلئے انہیں اپنے قریب کر لیا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ آگ کی تپش میں نکلے۔ دور سے آگ دکھائی تو اس طرف چل پڑے۔ یہاں طور کی دائیں جانب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمکلامی کی شرف بخشا اور راز کی باتیں کرنے کیلئے اپنے قریب کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو اس قدر قریب کیا گیا کہ آپ قلم چلنے کی آواز سننے لگے۔ مجاہد اور ابوالحالیہ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں کہ تورات لکھتے ہوئے قلم کی آواز آپ کو سنائی دینے لگی۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ آسمان میں گئے اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلام

1- صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 170 صحیح مسلم، کتاب المناسک، جلد 4 صفحہ 1846

3- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 93

2- صحیح بخاری، کتاب المناسک، جلد 4 صفحہ 181

ہوئے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر راز کی باتیں بتانے کیلئے اپنے قریب کیا تو فرمایا: اے موسیٰ! جب میں تمہیں شکر گزاروں، ذکر کرنے والی زبان اور ایسی بیوی سطا کر دوں جو بھلائی کے کاموں میں تمہاری معاون ہو تو سمجھ لیں کہ میں نے تم سے کوئی بھلائی چھپا کر نہیں رکھی اور جس شخص سے میں یہ چیزیں روک کر رکھ لوں تو اسے میں نے کوئی بھلائی عطا نہیں کی۔ پھر فرمایا: وَ وَهَبْنَا لَهُ ... یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست اور اپنے بھائی کے متعلق ان کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے انہیں بھی منصب نبوت پر فائز کر دیا جیسا کہ اور آیت میں فرمایا: وَ آخِزْهُنَّ لَهُنَّ أَفْصَحُ لِسَانًا فَأَنزَلْنَا مِنْهُنَّ صَوْرًا لِيُصَدِّقُنَّ إِيَّاهُ أَخَافُ أَنْ يُكَلِّمَهُنَّ بَنُونَ (التقصص: 144) ”اور میرا بھائی ہارون، وہ گفتگو کرنے میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو اسے میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر بھیج تا کہ وہ میری تصدیق کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔“ قَدْ أُوتِيتَ سُورَةَكَ الْيُونُسَ (ط: 36) ”اے موسیٰ! آپ کی درخواست منظور کر لی گئی ہے“، فَارْسِلْ إِلَىٰ هَذِهِنَّ ۖ وَ لَهُنَّ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونَّ (الشعراء: 14-13) ”سو جی بھیج ہارون کی طرف اور ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔“ اس لئے کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ دنیا میں کسی نے کسی کیلئے اس سے زیادہ بہتر اور عظیم سفارش نہیں کی جو سفارش حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کیلئے کی تھی کہ وہ بھی مقام نبوت پالیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ انہیں بھی نبوت مل جائے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ ۖ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۗ وَكَانَ يَأْمُرُ
أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝

”اور ذکر کیجئے کتاب میں اسماعیل کو بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول (اور) نبی تھے۔ اور وہ حکم دیا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا۔ اور اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے۔“

اللہ تعالیٰ عرب حجاز کے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف فرما رہا ہے کہ وہ وعدہ کے سچے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کیا یعنی ہر نذر مانی ہوئی عبادت کو بجالاتے اور اس کا پورا پورا حق ادا کرتے۔ سہل بن عثمان کہتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص کے ساتھ کسی جگہ ملاقات کا وعدہ کیا۔ آپ حسب وعدہ وقت مقررہ پر اس جگہ پہنچ گئے لیکن وہ شخص بھول گیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں ہی ٹھہرے رہے۔ اگلے روز وہ شخص وہاں آیا تو آپ کو اس مقام پر دیکھ کر کہنے لگا کہ آپ کل سے یہاں ہی ٹھہرے ہوئے ہیں؟ معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے آنے سے پہلے اس جگہ کو کیسے چھوڑ سکتا تھا، اسی لیے فرمایا: إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (1)۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ آپ اس جگہ ایک سال تک اس شخص کا انتظار کرتے رہے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ آپ نے اس جگہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن ابی الحساء بیان کرتے ہیں کہ اعلان نبوت سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تجارتی سودا کیا۔ میرے ذمے آپ کا کچھ بچا تھا۔ میں نے آپ کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ اس جگہ ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں لیکن میں اپنے وعدہ کو بھول گیا۔ تیسرے دن یاد آنے پر جب میں اس جگہ پر گیا تو میں نے آپ کو وہاں ہی پایا۔ آپ نے مجھے صرف یہی فرمایا: ”اے نوجوان! تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا میں یہاں تین دن سے تمہارا انتظار کر

رہا ہوں“ (1)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ”صادق الوعد“ کہنے کی وجہ آپ کا اپنے والد گرامی سے یہ کہنا ہے: سَمِعْتُ أَبِي إِذْ قَالَ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ مِنْ الظُّمُورِ (الصافات: 102) وعدہ وفا کرنا صفات حمیدہ میں سے ہے جبکہ وعدہ خلافی صفات مذمومہ میں سے ہے جیسا کہ فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقْعُدُونَ مَا لَمْ يَنْقُصْكُمْ مِنْهُ لَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (الصف: 2-3) ”اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک بڑی ناراضگی کا باعث ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مناقق کی تین نشانیاں ہیں: ”جب وہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے“ (2)۔ یہ مناققین کی صفات ہیں اور ان صفات کے برعکس صفات سے متصف ہونا اہل ایمان کی شان ہے، اس لئے صدق وعدہ کے سبب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی اپنے وعدہ کے سچے اور پابند تھے۔ کسی کے ساتھ جو بھی وعدہ آپ نے کیا، اسے وفا کیا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص بن ربیع کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ”اس نے جو بھی بات میرے ساتھ کی اس میں سچ بولا اور جو بھی وعدہ اس نے میرے ساتھ کیا، اسے پورا کیا“ (3)۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امور خلافت سنبھالتے ہی فرمایا کہ جس شخص سے رسول اللہ ﷺ نے کوئی وعدہ کر رکھا ہو یا آپ ﷺ کے ذمے کسی کا قرض ہو تو وہ میرے پاس آئے، میں اسے پورا کروں گا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو میں تمہیں اتنا، اتنا اور اتنا یعنی یک بھر کر دوں گا۔ جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس میں سے لپ بھرنے کا حکم دیا۔ آپ کے حکم سے گفتگی کی تو وہ پانچ سو درہم نکلے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کے ساتھ دو گنا مزید (کل پندرہ سو) عطا فرمائے (4)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام پر زیادہ شرف حاصل تھا کیونکہ حضرت اسحاق کو صرف نبوت سے سرفراز کیا گیا جبکہ آپ کو نبوت اور رسالت دونوں سے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کو جن لیا (5)۔ پھر آپ علیہ السلام کی مزید صفت حمیدہ، خصیلت نبیلہ اور شانہ جلیل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَكَانَ يَأْمُرُ... یعنی آپ نہ صرف خود اطاعت الہی پر پوری طرح کاربند تھے بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی اس کا حکم دیا کرتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: وَأَمُرُ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طہ: 132) ”اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور جو بھی اس پر پابند رہیے“۔ اسی طرح فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ عِنْدَهُ قَانِطِينَ وَ اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (التحریم: 6) ”اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا اندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو، سخت مزاج ہیں تا فرمائی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجالاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے۔“ یعنی اپنے گھر والوں کو نیکی کا حکم دو، ہر اسی سے منع کرو اور انہیں یونہی بے لگام نہ چھوڑ دو ورنہ قیامت کے دن وہ آگ کا اندھن ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

1- سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 299 و نمبرہ

2- فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 89، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 78

3- صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 3 صفحہ 249، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1903

4- فتح الباری، کتاب اہمہ، جلد 5 صفحہ 221-222، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1806

5- صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1722

سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ایسے مرد پر رحم فرمائے جو رات کو نماز تہجد پڑھنے کیلئے اٹھتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرتا ہے۔ اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھتی ہے اور اپنے خاوند کو بھی بیدار کرتی ہے۔ اگر وہ بیدار نہ ہو تو اس کے منہ پر پانی چھڑکتی ہے“ (1)۔ حضرت ابوسعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب ایک آدمی رات کو جاگے اور اپنی بیوی کو بھی جگاے، پھر دونوں دو رکعت نماز ادا کر لیں تو انہیں ان مردوں اور عورتوں میں لکھ لیا جاتا ہے جو بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں (2)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِذْ مَرَّ نِسْرٌ اِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿٥١﴾ وَرَفَعْنَا مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٢﴾

”اور ذکر فرمائیے کتاب میں اور نسر (علیہ السلام) کا بے شک وہ بڑے راست باز تھے (اور) نبی تھے۔ اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک۔“

حضرت اور نسر علیہ السلام کی تو صیغہ ہو رہی ہے کہ آپ راست باز نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ مقام تک بلند کیا۔ حدیث صحیح میں گذر چکا ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کی چوتھے آسمان میں حضرت اور نسر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس مقام پر ابن جریر نے ایک عجیب و غریب اثر روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے اس آیت **وَرَفَعْنَا مَكَانًا عَلِيًّا**..... کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اور نسر علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہر روز میں تمام اولاد آدم کے اعمال کے برابر تمہارے لیے اعمال بلند کرتا ہوں۔ اس پر آپ نے چاہا کہ مزید عمل کریں۔ جب آپ کا دوست فرشتہ آیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ یہ وحی کی ہے، اب تم ملک الموت سے بات کرو کہ وہ میری روح قبض کرنے میں تاخیر کریں تاکہ میں مزید اعمال کر سکوں۔ اس فرشتے نے آپ کو اپنے دونوں پروں کے درمیان لے کر اٹھایا اور آپ کو لے کر آسمان پر چڑھا گیا۔ چوتھے آسمان میں پہنچے تو دیکھا کہ ملک الموت نیچے اتر رہے ہیں۔ فرشتے نے ان سے حضرت اور نسر علیہ السلام کے متعلق سفارش کی تو وہ پوچھنے لگے کہ اور نسر کہاں ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کہ یہ دیکھیں، میری پیٹھ پر ہیں۔ ملک الموت کہنے لگے کہ بڑے تعجب کی بات ہے، مجھے چوتھے آسمان میں اور نسر علیہ السلام کی روح قبض کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ میں سوچنے لگا کہ وہ تو زمین پر ہیں، بھلا چوتھے آسمان میں ان کی روح کیسے قبض کر سکتا ہوں، چنانچہ وہاں ہی ان کی روح قبض کرنی گئی۔ یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ یہ حضرت کعب کی اسرائیلی روایات میں سے ہے جس کے بعض حصے میں نکارت ہے۔ ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ اس میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے اس فرشتے سے کہا تھا کہ ملک الموت سے پوچھیں میری کتنی عمر باقی ہے تاکہ میں زیادہ سے زیادہ اعمال کر سکوں۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ فرشتے کے سوال پر ملک الموت نے کہا مجھے معلوم نہیں، البتہ میں دیکھ کر بتاتا ہوں۔ دیکھ کر کہتے لگے کہ ان کی عمر تو صرف پلک جھپکنے کی مقدار باقی ہے۔ اب فرشتے نے اپنے پر تلے دیکھا تو حضرت اور نسر علیہ السلام کی روح قبض کی جا چکی تھی (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اور نسر علیہ السلام درزی تھے جب بھی آپ سوئی کے ساتھ ٹانگا لگاتے تو سبحان اللہ کہتے۔ جب شام ہوتی تو روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر نیک اعمال والا شخص کوئی نہ ہوتا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت اور نسر علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

1- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 2 صفحہ 70، سنن ابن ماجہ، کتاب الاکل، جلد 1 صفحہ 424

2- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 2 صفحہ 70، سنن ابن ماجہ، کتاب الاکل، جلد 1 صفحہ 423

طرح آپ بھی آسمانوں پر اٹھالیے گئے (1)۔ آپ جو تھے آسمان میں ہیں۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کوچھے آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہیں آپ نے وصال فرمایا۔ حضرت حسن وغیرہ کہتے ہیں کہ بلند مکان سے مراد جنت ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَمْعَهُ نُوحًا وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا سُئِلَ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ حَرَّوْا سُبْحًا أَوْ بُكِيًا ۝

”یہ وہ (مقدس ہستیاں ہیں) جن پر انعام فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء (کرام کے زمرہ) سے یہ آدم کی اولاد سے تھے اور بعض ان کی اولاد جن کو ہم نے سوار کیا تھا (کشتی میں) نوح علیہ السلام کے ساتھ اور بعض ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے تھے۔ اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔ جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے رحمن کی آیتیں تو وہ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور (زار و قطار) روتے ہوئے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ تمام انبیاء کرام کا ذکر ہو رہا ہے، اس سورت میں جن انبیاء کا ذکر ہوا ہے، صرف وہی مراد نہیں بلکہ جنس انبیاء علیہم السلام مراد ہے۔ چند ایک کا تذکرہ کرنے کے بعد ساری جنس کے ذکر کی طرف اسطر اڑا دیا۔ سدی اور ابن جریر کہتے ہیں کہ میں ذُرِّيَّةِ آدَمَ سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، و مِمَّنْ حَمَلْنَا مَمْعَهُ نُوحًا سے مراد حضرت ابراہیم، میں ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ سے مراد حضرات اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور میں ذُرِّيَّةِ إِسْرَائِيلَ سے مراد حضرات موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، ادریس علیہ السلام ہیں، اس لیے ان کے نسب متفرق طور پر بیان کیے اگرچہ تمام اولاد آدم سے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض ان حضرات کی نسل سے نہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے، وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے (2)۔ یہی بات زیادہ واضح ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بالائی نسب میں ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے، ان کی دلیل حدیث معراج ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ سے کہا تھا خوش آید اے صالح نبی اور اے صالح بھائی۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کو صالح بنیا نہیں کہا جیسا کہ حضرات آدم و ابراہیم علیہما السلام نے کہا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قوم کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے قائل ہو جاؤ اور پھر جو چاہو کرو لیکن انہوں نے اس کا انکار کر دیا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو برباد کر دیا۔ (3) اس بات کی دلیل کہ یہاں آیت کریمہ میں جنس انبیاء مراد ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ..... أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهِهِمْ آخْتَبْنَا (الانعام: 84-91) اسی طرح فرمایا وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَمْعَهُ نُوحًا وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا سُئِلَ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ حَرَّوْا سُبْحًا أَوْ بُكِيًا (المومن: 78) ”ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور ان میں بعض کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا۔“

مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا سورہ عن میں سجدہ ہے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں پھر اس آیت أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ... کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے نبی کو بھی ان کی اقتداء کرنے کا حکم ہوا اور حضرت داؤد بھی انہی مقتدا انہوں

میں سے ہیں (۱)۔ ان مقدس ہستیوں سے متعلق فرمایا: **ذُنُوبُهُمْ عَنِّي** یعنی جب یہ اہل و عیال و عیال سے بھر پور کھانا الہی کو سنتے تو خشوع و خضوع کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا شکر بنا لاتے ہوئے اپنے آپ کے حضور سجدہ و ریز ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ عشاء سے متفقہ طور پر ان انبیاء کی اقتداء اور اتباع میں یہاں سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی تلاوت کی اور اس آیت پر سجدہ کیا، پھر فرمانے لگے کہ یہ سجدہ تو ہو گیا لیکن ویسا روٹا کہاں سے لائیں (2)۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا
الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَهُمْ سَلَامٌ إِنَّهُمْ لَخَالِفُونَ

”پس جا شین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو اور پیروی کی خواہشات (نفسانی) کی سو وہ دوچار ہو گئے اپنی نافرمانی (کی سزا) سے۔ مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

سعادت مند اور نیک گروہ کا ذکر ہوا۔ پھر گروہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں پر مشتمل تھا جو اللہ تعالیٰ کی حدود و ادوار کو بجالاتے، اس کے فرائض ادا کرتے اور لوہائی سے اجتناب کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کے ناکل اور ناخلف جا شینوں کا ذکر ہوا ہے جو نمازوں سے غافل ہو گئے۔ جب وہ دین کے ستون، بنیاد اور سب سے بہتر عمل نماز سے لاپرواہ ہو کر اس فریضہ کو ضائع کرنے پر آئے تو دیگر واجبات سے وہ اس سے بھی زیادہ لاپرواہ ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیاوی شہوات اور لذتوں میں کھو کر صرف دنیاوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے۔ یہ لوگ قیامت کے دن بہت بڑے خسارے سے دوچار ہوں گے۔ عشاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہاں نماز کے ضائع کرنے سے کیا مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے، نماز کو بالکل ترک کر دینا۔ یہ قول محمد بن کعب قرظی، ابن زید بن اسلم اور سدی کا ہے اور ابن جریر نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ اسی لیے امام احمد اور متعدد سلف و خلف کا یہ مذہب ہے کہ نماز کا تارک کا فر ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیثیں ہیں: ”بندے اور شرک کے درمیان ترک صلوة ہے“ (3)۔ ”ہم میں اور ان میں فرق نماز کا ہے جس نے اس چھوڑ دیا، اس نے کفر کیا“ (4) اس مسئلہ کی وضاحت کا یہ مقام نہیں۔ قاسم بن خیمہ کہتے ہیں کہ نماز کو ضائع کرنے سے مراد اس کے اوقات کی پابندی نہ کرنا ہے۔ اگر ترک نماز کا ذکر ہوتا تو اس سے مراد کفر لیا جاتا (5)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں نماز کا بار بار ذکر فرمایا ہے، کہیں فرمایا: **الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (الماعون: 5)** کسی جگہ فرمایا: **عَلَى صَلَاتِهِمْ يَخْتَفُونَ (المعارج: 34)** اور کسی مقام پر ارشاد فرمایا: **عَلَى صَلَاتِهِمْ أَرْحَمُونَ (المعارج: 23)** اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ان سے مراد اوقات صلوة کی پابندی نہ کرنا ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ یہ ترک صلوة کے متعلق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ترک صلوة تو کفر ہے۔ مسروق فرماتے ہیں کہ نماز بخیر گانہ کی پابندی کرنے والے اطفالوں میں نہیں لکھا جاتا۔ ان میں افراط باعث ہلاکت ہے اور افراط سے مراد ہے: ان کے اوقات کی پابندی نہ کر کے انہیں ضائع کرنا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے

2- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 98

1- صحیح بخاری، تفسیر سورہ انعام، جلد 6 صفحہ 71

3- صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 88، سنن ابی داؤد، کتاب السنن، جلد 4 صفحہ 219

5- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 98

4- عارضہ الاحادیث، ابواب الایمان، جلد 10 صفحہ 89-90، سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1 صفحہ 231

اس آیت فَخَلَفَ مِنْ بَدْوٍ هُمْ کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ ضائع کرنے سے مراد ترک کرنا نہیں بلکہ اوقات کی پابندی نہ کرنا ہے۔ (1)۔ مجاہد اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ قیامت کے قریب آئیں گے۔ امت سے نیک لوگ، نیاست انھ پختے ہوں گے۔ اس وقت یہ لوگ بازاروں میں ایک دوسرے پر اچھلیں کوویں گے۔ حضرات سرمدہ و عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس سے مراد اس امت کے وہ لوگ ہیں جو آفر زمانہ میں آئیں گے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ اس امت کے ایسے لوگ ہوں گے جو سر عام رستوں میں جانوروں اور گدھوں کی طرح ایک دوسرے پر چڑھ دوڑیں گے۔ نہ انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا اور نہ لوگوں کا حیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کہ یہ فرماتے ہوئے سنا: ”ساتھ سال کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئیں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے، خواہشات نفسانی کی پیروی کریں گے اور اس گمراہی کی سزا کا سامنا کریں گے۔ پھر ایسے ناخلف لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ سنو! قرآن پڑھنے والے تین قسم کے لوگ ہیں: مؤمن، منافق اور فاجر“ اس حدیث کے راوی بشیر نے اپنے شیخ ولید سے جب ان تینوں کی تفصیل پوچھی تو انہوں نے فرمایا: مؤمن اس کی تصدیق کرنے والا ہے، منافق اس کا انکار کرنے والا ہے اور فاجر اسے بیچ کھانے والا ہے (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اصحاب صفہ کی طرف کوئی صدقہ بھیجتیں تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیتیں کہ اس میں سے کسی بریری مرد اور عورت کو نہ دینا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”یہی وہ ناخلف ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَخَلَفَ مِنْ بَدْوٍ هُمْ۔ یہ حدیث غریب ہے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شاہان مغرب ہیں جو نہایت برے لوگ ہیں۔ حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں کتاب اللہ میں منافقین کے اوصاف پاتا ہوں: یہ شراب کے رسیا، نماز کے تارک، چوسر وغیرہ کھیلنے والے، نماز عشاء کے وقت سو جانے والے، کھانے میں افراط کرنے والے اور جماعتوں کو چھوڑنے والے۔ پھر انہوں نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مساجد سے منہ موڑ کر اپنی جائیدادوں میں منہمک رہتے ہیں۔ ابوالاھب عطاردی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا: اے داؤد! اپنے ساتھیوں کو خبردار کر دیں کہ وہ خواہشات نفسانی سے باز رہیں کیونکہ جن لوگوں کے دل دنیاوی خواہشات کے ساتھ چمپے رہتے ہیں، میں ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیتا ہوں اور جو بندہ شہوت کو ترجیح دیتا ہے تو سب سے بلکی سزا میں یہ دیتا ہوں کہ اسے اپنی اطاعت سے محروم کر دیتا ہوں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اپنی امت کے متعلق دو چیزوں کا اندیشہ ہے: قرآن اور لہن“ لہن سے مراد یہ کہ لوگ جھوٹ کی پیروی کریں گے، شہوات کے پیچھے پڑ جائیں گے اور نمازوں کو ترک کریں گے، قرآن کے متعلق یہ خوف ہے کہ اسے منافقین سیکھیں گے اور اس کے متعلق مؤمنین کے ساتھ جھگڑیں گے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت کریمہ میں لفظ ”غی“ کا معنی خسارہ بتاتے ہیں۔ قوادہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی شر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہے جو بہت زیادہ گہری اور سخت بدبودار ہے۔ ابو عیاض فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں پیپ اور خون سے بھری ہوئی وادی ہے۔ حضرت لقمان بن عامر خزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوامامہ صدیق بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور ان سے گزارش کی کہ مجھے کوئی حدیث سنائیں۔ آپ نے کھانا منگوایا پھر یہ حدیث بیان کی جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اگر دس اوقیہ وزنی پتھر جہنم کے کنارے سے اس میں پھینکا جائے تو وہ پچاس سال تک جہنم

کی تہہ تک نہیں پہنچے گا، بھردہ نگی اور اتام تک پہنچے گا۔۔۔ میں عرض کی کہ نگی اور اتام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ جہنم کے نیچے دو کنویں ہیں جن میں جہنمیوں کی پیسپ بہتی ہے“ ان دونوں کا ذکر بھی ان آیات میں کیا گیا ہے: فَسَوْفَ يَنْقَوْنَ غَيْثًا اَوْر - وَلَا يُؤْتُونَ سَوْفًا يَفْعَلُونَ ذٰلِكَ يَلْتَمِسُ اٰتَمًا (1)۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ پھر ان لوگوں سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا مَنْ تَابَ۔۔۔ یعنی جو لوگ توبہ صلوات اور اتباع شہوات سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، ان کی عاقبت سنوار دے گا اور انہیں نعمتوں بھری جنت کے وارثوں میں شامل فرما دے گا، اسی لئے فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ يَنْجُوْنَ۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ توبہ پہلے گناہوں کو طہا میٹ کر دیتی ہے اور حدیث شریف میں آتا ہے: ”گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ سے پاک شخص کی طرح ہے“ (2)۔ یہ اس کریم کا کریم اور اس صلیم کا صلیم ہے کہ وہ ان توبہ کرنے والے لوگوں کے اعمال میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کرے گا بلکہ پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور توبہ سے پہلے کئے گئے گناہوں پر گرفت بھی نہیں کرے گا کیونکہ توبہ پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے۔ یہاں استثناء ایسے ہی ہے جیسے سورہ فرقان میں فرمایا: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اٰلِهٰٓئِهِمْ اٰنۡدَادًا وَلَا يَقْسَمُوْنَ النَّفۡسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ..... وَكَانَ اللّٰهُ عَٰلِمًا غَٰلِبًا (الفرقان: 70-68)۔

جَنَّتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادًا بِالْغَيْبِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدًا مَّآثِيًا ۗ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيهَا لُغُوًا اِلَّا سَلٰمًا ۗ وَ لَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ ثَمَرٍ مَّا شَاءُوْا ۗ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَآلۡمِ الْغُيُوْبِ ۗ
عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيًّا ۝۱۶

”سدا بہار جن جہنم کا وعدہ (خداوند) رحمن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ نہیں سنیں گے جنت میں کوئی لغوبات، بجز سلامت رہو کی وعائے صدا۔ اور انہیں ان کا رزق ملے گا وہاں ہر صبح و شام۔ یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں سے (صرف) اس کو جو تقی ہوگا۔“

ان جنات کا تذکرہ ہو رہا ہے جن میں توبہ کرنے والے حضرات داخل ہوں گے۔ یہ ہمیشہ رہنے والے سدا بہار جن ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے عاقبتاً وعدہ کر رکھا ہے۔ شدتِ ایقان اور قوتِ ایمان کے باعث وہ بن دیکھے اس پر ایمان لے آئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقینی، حقی اور اہل ہوتا ہے۔ نہ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے اور نہ اسے تبدیل کرتا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (المزل: 18) ”اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا“ اور یہاں فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ وَعْدًا مَّآثِيًا یعنی بندے ضرور اس وعدہ تک پہنچیں گے اور اسے پائیں گے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں صاتیٰ (اسم مفعول)، آتیٰ (اسم فاعل) کے معنی میں ہے کیونکہ جو تمہارے پاس پہنچے گویا تم اس کے پاس پہنچ گئے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: اَتَتْ عَلِيَّ حَسْبُوْنَ سَنَةً (مجھ پر پچاس سال گذر گئے) اور اَتَتْ عَلِيَّ حَسْبِيْنَ سَنَةً (میں پچاس سال کو پہنچ گیا) دونوں جملے ہم معنی ہیں (3)۔ فرمایا: لَا يَسْمَعُوْنَ۔۔۔ یعنی ان باغات میں کوئی لغو، سوقیانہ، گھٹیا اور مطلب سے خالی کلام نہیں ہوگی جیسا کہ بعض اوقات دنیا میں ایسی گفتگو ہوتی ہے۔ ”اِلَّا سَلَامًا“ میں استثناء منقطع ہے جیسا کہ اس فرمان میں: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيهَا لُغُوًا اِلَّا سَلَامًا (۱۶) ”اِلَّا تَقِيًّا سَلَامًا“ (الواقعة: 26-25) ”نہ سنیں گے وہاں لغوباتیں اور نہ گناہ والی باتیں بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی“ پھر فرمایا: وَ لَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ ثَمَرٍ مَّا شَاءُوْا۔۔۔ یہاں صبح و شام کے ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ

2- سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1419-1420

1- انفرقان: 68، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 100

3- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 101-102

وہاں دن اور رات ہوں گے بلکہ صبح و شام کی مثل اوقات مراد ہیں، جن کے گزرنے کا اندازہ انہیں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ انوار سے ہوگا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”سب سے پہلے گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چمکدیں اور رات کے چاند کی طرح نورانی ہوں گے۔ وہاں نہ انہیں تھوک آئے گی، نہ رینت اور نہ پاخانہ۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کے ہوں گے، ان کی آنکھوں میں خوشبودار اگر کی لکڑی ہوگی، ان کا پینہ مشک ہوگا اور ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی کہ فرط حسن کے باعث گوشت کے نیچے سے ان کی چند بیویوں کا گودا تک نظر آئے گا۔ ان جنتیوں کے درمیان نہ کوئی اختلاف ہوگا اور نہ کسی قسم کا بغض، تمام کے دل متفق ہوں گے اور وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے“ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہداء جنت کے دروازے کے پاس سبز رنگ کے تپے میں ایک نہر کے کنارے پر ہیں۔ صبح و شام انہیں جنت سے رزق ملتا ہے“ (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں صبح و شام سے مراد دنیاوی لحاظ سے دن اور رات کے اوقات ہیں۔ نہ ہیر بن محمد کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی رات نہیں بلکہ جنتی ہر وقت نور میں رہتے ہیں، البتہ دن اور رات کی مقدار وہاں ہے۔ پردے گر جانے اور دروازے بند ہو جانے سے انہیں رات کا اندازہ ہوگا اور پردے اٹھ جانے اور دروازے کھل جانے سے دن کا اندازہ ہوگا۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جنت کے دروازے ایسے ہوں گے کہ باہر کی چیزیں اندر سے نظر آئیں گی اور یہ دروازے جنتیوں کے اشارے سے کھلیں گے اور بند ہوں گے (3)۔ قنادہ کہتے ہیں کہ صبح و شام کے اوقات میں دو گھنٹیاں ہوں گی، دن اور رات نہیں ہوں گے بلکہ وہاں تو نور اور روشنی کا سماں ہوگا۔ مجاہد کہتے ہیں وہاں صبح اور شام کا وجود نہیں ہوگا لیکن دنیا میں چونکہ صبح و شام کے عادی تھے اس لئے ایسے اوقات کی جنب وہ خواہش کریں گے تو انہیں مہیا کر دیے جائیں گے۔ حسن اور قنادہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ خوشحال عرب چونکہ صبح اور شام کھانے کے عادی تھے اس لئے ان کے دستور کے مطابق اللہ تعالیٰ نے صبح اور شام کا ذکر کیا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ شام کے بعد صبح اور صبح کے بعد شام ہوگی اور درمیان میں رات نہیں ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمام جنت صبح ہی صبح ہے اور ہر صبح ایک حور اللہ تعالیٰ کے دوست کے پاس بھیجی جائے گی، جن میں ادنیٰ درجے کی وہ ہوگی جس کی تخلیق زعفران سے ہوئی“۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ پھر فرمایا: تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي ان صفات عظیمہ سے متصف جنت کا وارث ہم اپنے متقی بندوں کو بنا کریں گے جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشاں رہتے ہیں، اپنے غصہ کو ضبط کرتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور وہ ان اوصاف جمیلہ سے آراستہ ہیں جن کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي

وَمَا تَسْتَكْبِرُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٢٦﴾ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٢٧﴾

”اور (جبرائیل! میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 134، صحیح مسلم، کتاب الوصی، جلد 4 صفحہ 2180

3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 102

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 266

ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سوائے عبادت کرو اور ثابت قدم رہو اس کی عبادت پر۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس کا کوئی ہم مثل ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: ”آپ جتنا میرے پاس آتے ہیں، اس سے زیادہ میرے پاس آنے سے کوئی رکاوٹ ہے؟“ اس وقت یہ آیت وَمَا تَنْتَظِرُونَ نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کافی عرصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے جس کی وجہ سے آپ ﷺ بہت زیادہ غمگین ہوئے۔ پھر جب جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے تو یہ پیغام وَمَا تَنْتَظِرُونَ... لائے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جبریل بارہ دن تک آپ ﷺ کے پاس نہ آئے۔ اس دوران کفار آپ ﷺ کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ جب جبریل آئے تو آپ نے فرمایا: اے جبریل! آپ نے تو بہت تاخیر کر دی، مشرکین تو مختلف قسم کی قیاس آرائیں کرنے لگ گئے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت سورہ صٰحٰی کی آیت چھٹی ہے (2)۔ ضحاک، قتادہ، سدی اور دیگر متعدد حضرات نے اس آیت کا یہی شان نزول بتایا ہے۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس نہ آئے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں فرمایا: ”آپ نہیں اترے یہاں تک کہ میں آپ کی ملاقات کا بہت مشتاق ہو گیا“۔ جبریل عرض کرنے لگے کہ میں تو اس سے بھی زیادہ آپ کی زیارت کا مشتاق تھا لیکن میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو وحی کی کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ پیغام دے دیں: وَمَا تَنْتَظِرُونَ۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کافی تاخیر سے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: ”اے جبریل! کس چیز نے آپ کو روک رکھا؟“ جبریل نے جواب دیا کہ میں تم لوگوں کے پاس کیسے آؤں جبکہ تم نہ ناخن کاٹتے ہو، نہ اپنی انگلیوں کے جوڑ صاف رکھتے ہو، نہ مونچھیں کٹواتے ہو اور نہ مسواک کرتے ہو؟ پھر یہ آیت وَمَا تَنْتَظِرُونَ... پڑھی۔ طبرانی میں اس قسم کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (3)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”ہمارے لیے مجلس درست کرویں کیونکہ زمین پر آج وہ فرشتہ آ رہا ہے جو پہلے زمین پر کبھی نہیں آیا“ (4)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَمْ تَقْبَلُوا مِنِّي نِيَّةً کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ مَا تَنْتَظِرُونَ سے مراد امر دنیا، مَا تَخْلُقْنَا سے مراد امر آخرت اور مَا تَنْتَظِرُونَ سے مراد دونوں گھوس کے درمیان کی اشیاء ہیں۔ یہ قول حضرات ابوالعالیہ، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ، اور ربیع بن انس کا ہے۔ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ، ابن جریج اور ثوری کا کہنا ہے کہ مَا تَنْتَظِرُونَ سے مراد آنے والے امور آخرت، مَا تَخْلُقْنَا سے مراد گذشتہ امور دنیا اور مَا تَنْتَظِرُونَ سے مراد دنیا و آخرت کے درمیان کے امور ہیں (5)۔ پھر فرمایا: وَمَا تَخْلُقْنَا نِيَّةً بِمَا جَاءَ اور سدی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ آپ کے رب نے آپ ﷺ کو فراموش نہیں کیا۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: ”وَالصَّالِحِينَ وَالَّذِينَ إِذْ أَتَىٰ لِي صَاعِقُوتَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ (الغاشیٰ: 3-1)“ قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ناراض ہوا“۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: ”جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے

2- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 104

1- صحیح بخاری، تفسیر سورہ مریم، جلد 8 صفحہ 428-429، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 333-334

5- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 105

3- عجم کبیر، جلد 11 صفحہ 431-432، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 243

4- مسند احمد، جلد 6 صفحہ 296

اپنی کتاب میں حلال کیا ہے، وہ حلال ہے جس چیز کو اس نے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے اور جس چیز سے سکوت اختیار فرمایا ہے، وہ عافیت ہے۔ سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عافیت کو قبول کرو، اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولنے والا نہیں (1)۔ پھر آپ نے اس آیت وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا کی تلاوت کی۔ دوسری آیت میں فرمایا: رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق، مالک مدبر اور متصرف ہے، اس کے حکم کو نالنے کی کسی भी مجال نہیں، اس لئے اس کی عبادت کرو اور اس پر پوری طرح کار بند ہو جاؤ۔ اس کا کوئی ہم نام اور ہم مثل نہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کا نام رخصن ہو۔ اللہ تعالیٰ کا نام ہا برکت، مقدس اور اعلیٰ ہے۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مِئْتٌ لَسَوْفَ أَخْرُجُ حَيًّا ۝١٥ أَوْ لَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ يَكْ شَيْئًا ۝١٦ فَوَسَّيْنَا لَكَ لَحْشَتَهُمْ وَ الشَّيَاطِينِ ثُمَّ لَحَضَمْنَا لَهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ حَيًّا ۝١٧ ثُمَّ لَنَزَعْنَهُنَّ مِنْ كُلِّ شَيْعَةٍ آيُهُمْ أَشَدُّ عَلَى النَّارِ حِينَ عِتِيًّا ۝١٨ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۝١٩

”اور انسان (ازراہ انکار) کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو مجھے پھر زندہ کر کے نکالا جائے گا؟ کیا یاد نہ رہا ان کو کہ ہم نے ہی پیدا کیا اسے اس سے پہلے حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ سو (اے محبوب!) تیرے رب کی قسم! ہم جمع کر دیں گے انہیں بھی اور شیطانوں کو بھی پھر حاضر کریں گے ان سب کو جنہم کے ارد گرد کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔ پھر ہم (جن جن کر) الگ کر لیں گے ہر گروہ سے ان لوگوں کو جو (خداوند) رخصن کے سخت نافرمان تھے۔ پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو زیادہ مستحق ہیں اس آگ میں تپائے جانے کے۔“

قیامت کا انکار کرنے والے انسان کے متعلق آگاہ کیا جا رہا ہے کہ وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اسے محال سمجھتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَإِنْ تَعَجَّبَ فَعَجَبٌ قَوْلِهِمْ إِذْ أَنشَأْنَاهُمْ لِنَارٍ لَقَدْ خَلَقْنَا جَدِيدًا (الرعد: 5) ”اور اگر تو حیران ہوتا ہے تو ان کا یہ قول بھی حیرت انگیز ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا؟“ اَوْلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نَظْفٍ قَلْبًا فَذُو حَصِيصٍ مُّبِينٍ ۝١٥ وَصَرَّبْنَا مَثَلًا لِّمَنْ خَلَقَهُ ۝١٦ قَالَ مَنْ يُّعْطِي الْوَعْدَ وَهُوَ رَهِيمٌ ۝١٧ قُلْ يُعْطِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (یسین: 79-77) ”کیا انسان نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے اور ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے لگا ہے اور اس نے اپنی پیدائش کو فراموش کر دیا ہے کہتا ہے کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ فرمائیے، انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے۔“ اور یہاں فرمایا: وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ - جواب میں اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا: أَوْ لَا يَذْكُرُ -

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اب جبکہ وہ کوئی چیز بن چکا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کیلئے اس کا اعادہ مشکل ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِي يُبْدِئُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم: 27) ”اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ بنائے گا اور یہ اس کیلئے آسان تر ہے۔“ حدیث صحیح میں آتا ہے: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے اور ایسا کرنا اسے زریعہ نہیں دیتا

اور ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے اور مجھے اذیت دینا اس کیلئے ردائیں ہے، اس کا مجھے جھٹلانا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی دو بارہ زندہ نہیں کرے گا، جیسا کہ اس نے مجھے پہلے پیدا کیا حالانکہ ابتدائے آفرینش اعادہ کی نسبت آسان نہیں اور اس کا مجھے ایذا دینا اس کا یہ کہنا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں وہ یکتا اور بے نیاز ہوں جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے (1)۔ پھر فرمایا: قَوْلَهُمْ تَكْفُرٌ... اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کی قسم اٹھا کر فرماتا ہے کہ وہ انہیں اور ان شیاطین کو ضرور جمع کرے گا جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجتے تھے، پھر انہیں جہنم کے ارد گرد حاضر کرے گا جہاں وہ گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: يَوْمَ تَوَدَّى كُلُّ الۡاُمَّةٍ جَانِبًا (الجماعہ: 28) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ”جینا“ کا معنی بیٹھے ہوئے منقول ہے اور سدی اس کا معنی کھڑے ہوئے منقول ہے۔ پھر فرمایا: لَنْ تَخْرُقَ... بقول مجاہد شَيْعُوۡةٌ سے مراد امت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول آخر تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ جب کبھی اکٹھے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے چھین چھین کر درجہ بدرجہ بھرمین کو الگ کر دے گا (2)۔ یہی اس آیت شَمَّ لَنْ تَخْرُقَ... کا مطلب ہے۔ قنادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر دین کے ماننے والوں میں سے شر اور برائی پھیلانے والے ان کے زعماء اور رؤساء کو الگ کر دے گا۔ یہ مطلب ہے اس فرمان کا: حَتَّىٰ اِذَا اَذۡنَابُہُمۡ اُفۡتِحۡتۡ جَنۡبِیۡنًا قَالَتۡ اُمَّہُنَّمۡ یٰۤاٰہِلَہُمۡ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَصۡلُنَا فَاَنۡتُمۡ عَذٰبًا ضَعِیۡفًا مِّنَ النَّارِ... ہِنَا لَنْ تَشۡکُوۡنَ (الاعراف: 38-39) ”یہاں تک کہ جب اس میں ساری آتیں جمع ہو جائیں گی تو آخری امت پہلی امتوں کے متعلق کہے گی اے ہمارے رب انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس ان کو آگ کا دو گنا عذاب دے“۔

پھر فرمایا: شَمَّ لَنْ تَخْرُقَ... قسم کے ذریعے خبر پر عطف کیا جا رہا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہنے کے مستحق ہیں اور ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو دو گنا عذاب کے سزاوار ہیں جیسا کہ فرمایا: قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٍ وَ لٰكِنۡ لَّا تَعْلَمُوۡنَ (الاعراف: 38) ”اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کیلئے دو گنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے“۔

وَ اِنۡ يَّمۡسُکۡمُ اِلَّا وَاٰمِرۡدُہَاۗ كَانَ عَلٰی سَرۡبِکَ حٰثِمًا مَّقۡضِیًّا ؕ شَمَّ لَنْ تَخۡرُقَ اِلَیۡنِیۡنِ اَتَّقُوۡا وَاذۡنُرۡمُ
الظَّالِمِیۡنَ فِیۡہَا جِیۡتًا ۝۱۱

”اور تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دروزخ پر ہوگا۔ یہ آپ کے رب پر لازم ہے (اور اس کا) فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر ہم

نجات دیں گے پر ہیزگاروں کو اور رہنے دیں گے ظالموں کو دروزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے“۔

ابو سیبہ بیان کرتے ہیں کہ ورود کے متعلق ہمارا اختلاف ہو گیا۔ ہم میں سے بعض کہنے لگے کہ مومن اس میں داخل نہیں ہوں گے جبکہ بعض کا یہ کہنا تھا کہ (مومن اور کافر) سب اس میں داخل ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس سے نجات دے دے گا۔ میری ملاقات حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے ان سے ورود کے متعلق لوگوں کے اختلاف کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ سب اس میں داخل ہوں گے اور آپ نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو: ”نیک اور بد سبھی اس میں داخل ہوں گے مومن کیلئے یہ آگ ٹھنڈی اور بے ضرر ہوگی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تھی یہاں تک کہ آگ چیخ چیخ کر اس ٹھنڈک کی شکایت کرے گی پھر اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو وہاں سے رہائی دلانے کا اور ظالموں کو

وہاں ہی گھٹنوں کے بل چھوڑ دے گا“ (1)۔ خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ جنتی جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے کہ کیا ہمارے پروردگار نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہر ایک کو جہنم پر وارد ہونا ہے؟ انہیں فرمایا جائے گا کہ جہنم پر سے تمہارا گدرا تو ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کی آگ ٹھنڈی کر دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی گود میں سر کر کے لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک رونے لگے۔ آپ کو روتا دیکھ کر آپ کی زوجہ محترمہ بھی رونے لگیں۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے رونے کا کیا سبب ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ آپ کو روتا دیکھ کر آپ کی زوجہ محترمہ بھی رونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو یہ فرمان **وَإِنْ مِنْكُمْ إِذْءَاوَا بِهَا بِرُءُوسِهِمْ** سے نجات پاسکوں گا یا نہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت بیمار تھے۔ حضرت ابو میسرہ جب رات کے وقت آرام کرنے کیلئے اپنے بستر پر جاتے تو کہتے: اے کاش! میری ماں مجھے جنم نہ دیتی، پھر زار و وقتا روتے۔ ایک دفعہ آپ سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں ہمیں یہ خبر دی گئی ہے کہ ہمیں جہنم میں وارد ہونا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ ہم وہاں سے باہر نکل آئیں گے۔ (2) حضرت حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں جہنم پر وارد ہونا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم وہاں سے نکل جاؤ گے؟ جواب دیا: نہیں۔ فرمانے لگے کہ پھر ہنسی کبھی؟ بعد ازاں مرتے دم تک انہیں ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نافع بن ازرع کا درود کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ درود بمعنی دخول ہے جبکہ نافع اس کا انکار کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کی تائید میں دو آیات پیش کیں: **إِنَّكُمْ وَمَنْ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَرَدُونَ** (الانبیاء: 98) تم اور جن جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے، تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ فرمایا: دیکھو یہاں درود بمعنی دخول ہے یا نہیں؟ دوسری آیت میں ارشاد ہے: **يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ** (ہود: 98) ”وہ روز قیامت اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں جہنم میں لا ڈالے گا“ یہاں بھی دیکھیں ”اور“ داخل کرنے کے معنی میں ہے یا نہیں؟ جہاں تک میر اور تمہارا تعلق ہے تو ہم داخل ضرور ہوں گے۔ اب یہ دیکھیں کہ ہم اس میں سے نکلیں گے یا نہیں۔ چونکہ تم اس کے منکر ہو، اس لئے میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں نکالے گا۔ یہ سن کر نافع ہنس دیا۔ یہ نافع خارجی تھا اور اس کی نسبت ابوراشد تھی۔ اس نے ایک دفعہ اپنی تائید میں یہ آیت پڑھی: **لَا يَسْتَمِعُونَ حَسْبِنِسْمَا** (الانبیاء: 102) ”اور وہ انکی آہٹ بھی نہ سنیں گے“ اس کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: صد افسوس! کیا تو مجھوں ہے؟ ان ارشادات کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے: **يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ**، **وَأَسْوَى النَّارِ مِثْلُ مِثْلِ النَّارِ** (مریم: 86) اور **وَإِنْ مِنْكُمْ إِذْءَاوَا بِهَا بِرُءُوسِهِمْ** اور خوشی خوشی جنت میں داخل ”اللَّهُمَّ أَخْرِجْنِي مِنَ النَّارِ سَالِمًا وَأَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ غَائِبًا“ (اے اللہ! مجھے صحیح سالم جہنم سے نکال لے اور خوشی خوشی جنت میں داخل فرما دے)۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی اثناء میں ابوراشد نافع بن ازرع نامی ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابن عباس! اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **وَإِنْ مِنْكُمْ إِذْءَاوَا بِهَا بِرُءُوسِهِمْ** کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: اے ابوراشد! میں اور تم اس میں داخل ہوں گے۔ اب یہ دیکھو کہ کیا ہم اس میں سے نکلیں گے یا نہیں؟ (3)۔ ابوراشد طرابلسی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے مخاطب کفار ہیں۔ مگر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ظالم لوگ

ہیں۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد نیک اور بد سبھی ہیں، دیکھیں اللہ تعالیٰ کا فرعون کے متعلق ارشاد ہے: "يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ" اس طرح فرمایا: "وَأَسْمَوْتِي الْمَعِي مَبِينٌ إِنَّ جَهَنَّمَ وَمَرَدًا يَهَابُ" بھی درود دخول کے معنی میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وَأَرَدْتُ سَبَّ لَوْ كُنتُمْ لَوْ كُنتُمْ لَوْ كُنتُمْ" سے باہر اپنے اعمال کے سبب آئیں گے" (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب لوگ پہل صراط پر سے گزریں گے اور درود سے متصوران کا آگ کے ارد گرد کھڑا ہونا ہے پھر وہ اپنے اعمال کے مطابق پہل صراط کو عبور کریں گے، بعض بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گزر جائیں گے، بعض ہوا کی طرح، بعض پرندوں کی طرح، بعض تیز رفتار عمدہ گھوڑوں کی طرح، بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح اور بعض آدمی کے دوڑنے کی مثل یہاں تک کہ سب سے آخر میں اسے عبور کرنے والا وہ مسلمان ہوگا جس کے صرف پیروں کے انگوٹھوں پر نور ہوگا۔ وہ پہل صراط پر لڑکھڑاتے ہوئے چلے گا۔ پہل صراط پھسلوایں جس پر گوگھر جیسے کانٹے ہیں اور دونوں کناروں پر فرشتے ہیں جن کے پاس جہنم کی مہمضیں ہوں گی جن سے پل پکڑ کر لوگوں کو وہ جہنم میں پھینکیں گے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم پر رکھا ہوا پہل صراط تلوار کی دھار جیسا تیز ہوگا، پہلا گروہ بجلی کی سی تیز رفتاری سے گزر جائے گا، دوسرا گروہ ہوا کی طرح، تیسرا گروہ تیز رفتار گھوڑے کی طرح اور چوتھا گروہ جانور کی طرح۔ وہ گزریں گے اور فرشتے یہ دعا کر رہے ہوں گے: "اللّٰہی! سلامت رکھ" (2)۔ صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں اس کے شواہد موجود ہیں (3)۔ حضرت کعب بیان کرتے ہیں کہ آگ تمام لوگوں کو پکڑے گی، نیک و بد تمام لوگوں کے قدم اس کی پشت پر جم جائیں گے، پھر اسے اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اپنے دوستوں کو پکڑ لے اور میرے دوستوں کو چھوڑ دے۔ چنانچہ آگ تمام جہنمیوں کو نگل لے گی، وہ جہنمیوں کو اس سے بھی زیادہ جانتی ہے جیسے ایک آدمی اپنی اولاد کو جانتا ہے اور مومنین اس سے بالکل صحیح سالم اس حال میں نکل آئیں گے کہ ان کے کپڑے تر ہوں گے۔ جہنم کے ہر دارہ غصے کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہے، اور ہر ایک کے پاس دو شانہ گزرے ہوگا جس کی ایک ضرب سے وہ سات لاکھ آدمیوں کو جہنم رسید کر دے گا (4)۔ حضرت حصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے توئی امید ہے کہ ان شاء اللہ ہر شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس نے بدر اور حدیبیہ میں شرکت کی" حضرت حصہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے: "وَإِنْ فَضَلْتُمْ إِلَّا وَادْرَدْنَا" اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ ارشاد بھی ہے: "مَنْ نَسِخِي" (5)۔ حضرت زید بن حارثہ کی زوجہ حضرت ام بشر بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حصہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر وہ شخص جو بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا، دوزخ میں نہیں جائے گا"۔ حضرت حصہ نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: "وَإِنْ فَضَلْتُمْ إِلَّا وَادْرَدْنَا" آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے: "مَنْ نَسِخِي" (6)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے، اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم پوری کرنے کیلئے" (7)۔ اس سے مراد درود ہے جس کا ذکر اس آیت "وَإِنْ فَضَلْتُمْ إِلَّا وَادْرَدْنَا" میں ہوا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی کو بخار چڑھا ہوا تھا جس کی عیادت کیلئے رسول اللہ ﷺ نکلے۔ میں بھی آپ کے ساتھ

2- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 110

1- عارفہ الاحادی، تفسیر سورہ مریم، جلد 12 صفحہ 16-17، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 434-435

4- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 109

3- صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 146، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 163-171

6- مسند احمد، جلد 6 صفحہ 362

5- مسند احمد، جلد 6 صفحہ 285

7- صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 93، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2028 وغیرہ

تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بخار میری آگ ہے جسے میں اپنے مومن بندے پر مسلط کرتا ہوں تاکہ یہ آخرت میں آتشِ جہنم کا بدلہ بن جائے“ (1)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ بخار مومن کے لئے آتشِ جہنم کا بدلہ ہے پھر انہوں نے اس آیت **وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا قَوْمًا يَمُوتُ كِتَابًا** کی تفسیر فرمائی۔ حضرت معاذ بن انسؓ نے فرمایا: ”جو شخص سورہٴ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ دس مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں ایک محل تعمیر کر دیتا ہے“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! پھر تو ہم بکثرت محل بنوائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہت زیادہ اور نہایت عمدہ عطا سے نوازنے والا ہے“ (2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”جو شخص اللہ کی راہ میں ہزار آیات پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اسے قیمت کے دن انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لکھ لے گا اور یہ بہترین ساتھی ہیں اور جو شخص مجاہدین کی پشت کی جانب سے حفاظت کی خاطر رضا کارانہ طور پر بغیر کسی اجرت کے پہرہ دیتا ہے تو وہ اپنی آنکھوں سے بھی آگ کو نہیں دیکھے گا مگر صرف قسم پوری کرنے کیلئے“ کیونکہ ارشاد ہے: **وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا قَوْمًا يَمُوتُ كِتَابًا** اور اللہ کی راہ میں ذکر کرنا خرچ کرنے سے سات سو گنا زیادہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق سات لاکھ گنا زیادہ اجر کا حامل ہے (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”مجھ پر درود، روزہ اور ذکر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے سات سو گنا زیادہ اجر رکھتے ہیں“ (4)۔ قوادہ اس ارشاد **وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا قَوْمًا يَمُوتُ كِتَابًا** کے متعلق کہتے ہیں کہ یہاں درود سے مراد گذرنا ہے (5)۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مسلمان کا درود یہ ہے کہ وہ پل صراط پر سے گذر جائیں گے اور مشرکین کے درود کا یہ مطلب ہے کہ وہ اس میں داخل ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اس روز بہت سے مرد اور عورتیں اس سے پھسل جائیں گے۔ اس روز پل صراط کے ارد گرد فرشتوں کی دو صفیں ہوں گی، ان کی دعایہ ہوگی: ”اے اللہ! مسلماتی عطا فرما“۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس فرمانِ کلانِ علیؓ **رَبِّكَ حَسْبًا مَشْهُوبًا** کے متعلق کہتے ہیں کہ **حَسْبًا مَشْهُوبًا** سے مراد ایسی قسم ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔ مجاہدؓ ”حسبًا“ کا معنی قضا، بتاتے ہیں۔ پھر فرمایا: **مَشْهُوبًا** ... یعنی جب تمام مخلوق پل صراط کو عبور کرنے لگے گی تو کفار اور گنہگار جہنم میں گر جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ مومنین کو ان کے اعمال کے مطابق اس سے نجات عطا فرمائے گا۔ پل صراط کو عبور کرتے وقت ان کی رفتار دنیا میں کیے ہوئے ان کے اعمال کے مطابق ہو گی، پھر یہ نجات یافتہ کبیرہ گناہ کرنے والے دوسرے مومنوں کی سفارش کریں گے۔ ملائکہ، انبیاء اور مومنین اپنی شفاعت کے ذریعے بہت سے ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال لائیں گے جنہیں آگ کھا چکی ہوگی مگر ان کے چہروں میں سجدہ کی جگہیں بچی ہوں گی۔ ہر ایک کو اپنے اپنے ایمان کے مطابق وہاں سے نکالا جائے گا۔ سب سے پہلے ان لوگوں کو نکالا جائے گا جن کے دلوں میں ایک دینار کی مقدار ایمان تھا، پھر ان لوگوں کو جن کے دلوں میں اس سے کم ایمان تھا، اسی طرح درجہ بدرجہ، یہاں تک کہ اس شخص کو بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ سے بھی کم ایمان تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی آگ سے رہائی عطا فرمائے گا جس نے صرف ایک دن لالہ اللہ کا اقرار کیا اگرچہ وہ کوئی عمل خیر نہ کر سکا اور جہنم میں صرف وہی باقی رہ جائیں گے جن پر ظلوم اور بیچینی لکھی جا چکی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس لئے فرمایا: **مَشْهُوبًا** ...

وَإِذَا سَأَلَ عَنْهُمْ الِئْتِنَا يَنْتَبِ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَلَيْسَ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرًا

مَقَامًا وَاَوْحَسَّنْ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَشَاكًا وَّمِرًا ۝

”اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں وضاحت سے (تو) کافر کہتے ہیں ایمان والوں سے کہ (یہ تو بتاؤ) ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ آرام وہ ہے اور کس کی نشست گاہ خوبصورت ہے۔ اور (ان احمقوں نے یہ نہ سوچا کہ) کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا، وہ ساز و سامان اور طاہری حج و حج میں (ان سے) بہتر تھیں۔“

کفار کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ جب ان کے سامنے صریح دلالت اور واضح برہان کی حامل آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان سے روگردانی کر لیتے ہیں اور اپنی آرام وہ رہائش گاہوں اور خوبصورت نشست گاہوں کو اپنے لیے وجد افتخار اور اپنے دین باطل کی صحت کی دلیل سمجھتے ہیں۔ مقام کا معنی ہے منزل اور گھر۔ ندی کا معنی ہے محفل اور نشست گاہ جہاں لوگ گفتگو کرنے کیلئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کفار کے کہنے کا یہ مطلب تھا کہ ان مسلمانوں کی نسبت ہمارے گھر اور رہائش گاہیں بھی بہت عمدہ ہیں اور ہماری محفلیں بھی بڑی پر رونق ہیں۔ اس لئے اس شان و شوکت کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم باطل پر ہوں اور دار ارقم اور دیگر پناہ گاہوں میں سر چھپانے والے مسلمان حق پر ہوں، جیسا کہ ایک اور مقام پر ان کے متعلق فرمایا: ”وَقَالَ الَّذِي نَادَىٰ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَرَخَاءُ لِمَا كَسَبَتْ (الاحقاف: 11)“ اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) بہتر چیز ہوتی تو یہ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔“ قوم نوح علیہ السلام نے کہا: اَلَّذِي نَادَىٰ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَرَخَاءُ لِمَا كَسَبَتْ (الشعراء: 111) ”کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹلیا لوگ کر رہے ہیں، ایک اور مقام پر فرمایا: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَعْلَمُوْا اَلْهُلٰلَا مِمَّنْ اللّٰهُ عَلٰیهِمْ رِجْسٌ اَلَا يَتَذَكَّرْنَ اَلَمْ نَكْتُبْ اِلَيْكَ اَلْحِكْمَةَ (الانعام: 53)“ اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض سے آزمائش میں ڈال دیا تاکہ کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے۔ کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکر گزاروں کو۔“ اس لئے ان کے شہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا .. یعنی کتنی ہی ایسی جھٹلانے والی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ان کے کفر کی پاداش میں ملیا میٹ کر دیا حالانکہ وہ ان سے زیادہ مال و متاع کے مالک، زیادہ خوش منظر اور خوش شکل تھے۔ بقول حضرت ابن عباس مقام کا معنی منزل، ندی کا معنی مجلس، اثاث کا معنی ساز و سامان اور رومی کا معنی منظر ہے (1)۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مقام کا معنی مسکن ہے اور ندی سے مراد مجلس، نعمت اور رونق جو انہیں حاصل تھی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعونوں کو ہلاک کرنے کے بعد ان کے متعلق فرمایا: كَمْ تَرَكُوا مِثْلَ مَا كُنْتُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَذُرِّيَّةً وَّ مَقٰوِرٍ كٰرِيْنَ (الدخان: 25-26) ”وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور جڑھے، کھیتیاں اور شاندار محلات۔“ پس مقام سے مراد مسکن اور نعمت ہے اور ندی کے معنی محفل اور مجلس جہاں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ قوم لوط کے متعلق فرمایا: وَ تَاْتٰنَّوْنَ فِيْ نَآوِيْغِكُمْ اَلْمُنْتَهٰرِ (العنكبوت: 29) ”اور تم اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو۔“ عرب مجلس کو نادی کہتے ہیں (2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کفار نے مومنوں کی خست حالی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا: اَمْ اِنَّمَا اُنْقَرِ بِرَيْفَتَيْنِ .. بعض نے اثاث کا معنی مال بتایا ہے، بعض نے کپڑے اور بعض نے ساز و سامان اور رومی کا معنی بقول ابن عباس اور مجاہد منظر ہے جبکہ حضرت حسن بصری کے بقول اس کا معانی صورت ہے۔ یہ تمام معنی درست اور قریب قریب ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَبْسُطْ ذُلَّهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا حَتَّىٰ إِذَا سَاءَ أَوْ مَا يُوعَدُونَ إِمَّا
الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۖ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُودًا ﴿٦٠﴾

”آپ فرمائیے جو گمراہی میں (گمن) ہو تو ڈھیل دیے رکھتا ہے اسے رحمن لمبی ڈھیل۔ یہاں تک کہ وہ جب دیکھیں گے وہ چیز جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی عذاب یا قیامت تو اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ کون مکان کے لحاظ سے برا اور لشکر کے اعتبار سے کمزور ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر ہو، مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ یعنی ہم میں سے اور تم میں سے جو شخص گمراہی میں مبتلا ہے، اللہ تعالیٰ اسے لمبی ڈھیل عطا کر دے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات تک جو چاہے کرتا رہے۔ پھر جب وہ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب یا قیامت، تو اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کی جگہ بری اور لشکر کمزور ہے۔ ان کے قول ”أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا وَ أَحْسَنُ نَدْبًا“ کے مقابلہ میں یہاں فرمایا: مَنْ هُوَ شَرٌّ مجاہد اس فرمان فَلْيَبْسُطْ ذُلَّهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا کا معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی سرکشی میں چھوڑے رکھے۔ اس آیت میں مشرکین کے ساتھ مہابلہ کا چیلنج ہے جو خدیا ل کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر کار بند ہیں جیسا کہ یہود کے ساتھ مہابلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَسَبِّحُوا النَّبَأَ إِن لَكُمْ صُحُفًا مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ (60) ”اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں ہیں تو زمر نے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو۔“ یعنی ہم میں سے اور تم میں سے جو باطل پر ہے اس کے لئے موت کی دعا کرو۔ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم حق پر ہیں تو ایسی دعا تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچائے گی لیکن یہود کو اس کی جرأت نہ ہوئی۔ سورہ بقرہ میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں، اسی طرح جب نصاریٰ اپنے کفر، سرکشی اور عیسائی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے کے دعویٰ پر مصر رہے تو انہیں مہابلہ کا چیلنج کر دیا گیا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام، آدم علیہ السلام کی طرح مخلوق اور بندے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: قَسَمَ حَاجُّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبَاءَنَا وَ آَبَاءَكُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ نِسَاءَكُمْ وَ أَنْفُسَنَا وَ أَنْفُسَكُمْ ۚ هُمْ يَتَّبِعُونَ لَعْنَتَ اللَّهِ عَنِ الْكَافِرِينَ (آل عمران: 61) ”پھر جو شخص اس بارے میں آپ سے جھگڑا کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس قطعی علم آ گیا تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی پھر بڑی عاجزی سے استغاثہ کریں پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں، لیکن وہ بھی اس سے باز رہے۔“

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبَلِيغَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَ خَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٦١﴾

”اور زیادہ کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں (کے نور) کے ہدایت کو اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور انہی کا انجام اچھا ہے۔“

گمراہوں کی گمراہی میں زیادتی کا ذکر کرنے کے بعد ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ کا ذکر ہو رہا ہے جیسا کہ ایک اور مقام

پر فرمایا: وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ إِنَّمَا ذُوُّنَا بُنْيَانٌ. وَهُمْ كَقُرُونٍ (التوبہ: 125-124) ”الہا قیات الصالحات“ کی تفسیر اور اس کے متعلقہ احادیث سورہ کہف میں بیان کی جا چکی ہیں (1)۔ ثواب کے معنی جزا اور مرد کا معنی عاقبت اور انجام ہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف فرماتے۔ آپ نے ایک خشک شاخ کو پکڑ کر بلایا تو اس کے سوکھے پتے جھڑنے لگے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ کے کلمات گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح ہوا اس (خشک) درخت کے پتوں کو جھاڑ دیتی ہے۔ اسے ابو الدرداء! ان کلمات کو پڑھا کرو اس سے پہلے کہ تمہارے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی ہو جائے، یہی باقیات صالحات ہیں اور جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔“ حدیث کے راوی ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداء جب اس حدیث کو بیان کرتے تو فرماتے کہ میں ضرور جلیل، تکبیر اور تسبیح کرتا رہوں گا یہاں تک کہ جاہل مجھے دیکھ کر جتنوں خیال کرنے لگے (2)۔

أَفَرَعَيْتَ الْإِنَّمَى لَقَرٍ يَأْتِيْنَا وَقَالَ لَا وَتَكِينًا مَالًا وَوَلَدًا ۖ أَظَلَمَ الْعَيْبَ أَمْ أَتَّخَذَ عِنْدَ
الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۗ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدَدًا ۗ وَنُرِيَّهُ مَا
يَقُولُ وَيَأْتِيْنَا أَقْرَبًا ۖ

”کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے انکار کیا ہماری آفتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے) کیا وہ آگاہ ہو گیا ہے غیب پر یا لے لیا ہے اس نے (خداوند) رحمن سے کوئی وعدہ؟ ہرگز ایسا نہیں۔ ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لہا کر دیں گے اس کے لئے عذاب کو خوب لہا کرنا۔ اور ہم ہی وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے (یعنی اس کے مال و اولاد کے) اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔“

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں لوہا ہارتھا اور عاص بن وائل کے ذمہ میرا کچھ قرض تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور قرض کا تقاضا کیا۔ وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں تمہارے قرض کی ادائیگی اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک تو عمر (ﷺ) کا انکار نہیں کرتا۔ میں نے جواب دیا: نہیں، قسم بخدا! میں حضرت محمد ﷺ کا انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مر جائے پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔ وہ کہنے لگا کہ مرنے کے بعد جب مجھے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو اس وقت میرے پاس آنا، وہاں میرے پاس مال و اولاد کی فراوانی ہوگی تو میں تمہارا قرض چکا دوں گا، اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں (3)۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ میں کہہ میں لوہاروں کا کام کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کے لئے تلوار بنائی، اس کی قیمت کا تقاضا کرنے کے لئے میں اس کے پاس گیا (4)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ میں عاص بن وائل کا کام کیا کرتا تھا، اس کے ذمہ میرے بہت سے درہم جمع ہو گئے۔ ان کا تقاضا کرنے کے لئے میں اس کے پاس گیا۔ پھر اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو کا ذکر میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں (5)۔ حضرت بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عاص بن وائل کے ذمہ کچھ صحابہ کا قرض تھا، وہ اپنا قرض واپس لینے کے لئے

1- دیکھئے تفسیر سورہ کہف: 46۔ 2- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 120، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1253

3- مسند احمد، جلد 5 صفحہ 111، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2153۔ 4- صحیح البخاری، تفسیر سورہ مہرب، جلد 8 صفحہ 430-431

5- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 121

اس کے پاس آئے۔ وہ انہیں کہنے لگا کہ کیا تم یہ گمان نہیں کرتے کہ جنت میں سونا، چاندی، ریشم اور ہر قسم کے پھل ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ آخرت میں تمہارے قرض کی ادائیگی ہوگی، وہاں مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا اور تمہاری اس کتاب جیسی کتاب بھی مجھے ضروری جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال بیان کرتے ہوئے مذکورہ آیات نازل کیں۔ لفظ ”ولد“ واد کے ضمہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ دونوں قراءتیں ہم معنی ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ واد کے ضمہ کے ساتھ ولد جمع ہے اور فتح کے ساتھ مفرد، قبیلہ قبیلہ کی یہی لغت ہے۔ یہ مفرد جس نے قسم اٹھا کر کہا کہ قیامت کے دن مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا، اس پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: **أَطْلَمَ الْغَيْبُ**۔۔۔ امام بخاری نے عہد کا معنی وعدہ بتایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنا ہے یعنی کیا اس نے توحید کا اقرار کر لیا ہے جس کے باعث اسے یہ امید ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا ہے پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: **إِنَّا مِنَ الْغَائِبِينَ**۔۔۔ (مریم: 87) اس میں بھی عہد سے یہی مراد ہے۔ پھر فرمایا: **كَلَّا**۔۔۔ ”کلا“ ماقبل کیلئے حرف روع ہے اور مابعد کے لئے تاکید، یعنی ایسا ہرگز نہیں، ہم اس کے قول، خواہش اور کفر کو لکھ لیں گے اور اس کی پاداش میں ہم آخرت میں اس کے لئے عذاب کو بہت لمبا کر دیں گے اور جو یہ یقین کئے بیٹھا ہے کہ آخرت میں مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا، ہم اسے اس سے محروم رکھیں گے بلکہ جو کچھ اس کے پاس دنیا میں تھا، وہ بھی ہم اس سے سلب کر لیں گے اور وہ تمہارا ہمارے پاس آئے گا۔ نہ اس کے پال مال ہوگا اور نہ اولاد۔ **مَا يَقُولُ** سے مراد اس کا یہ قول ہے: **لَا تَدْعُنِي إِلَىٰ مَالٍ أَذْهَبَ لَكَ**۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرات میں **وَنَزِيفَةٌ مَّا عِنْدَآ** ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ اس نے جمع کیا اور جو عمل کیا ہم ہی اس کے وارث ہوں گے اور وہ تمہارا ہمارے پاس آئے گا۔ اس کی پیروی کرنے والے موجود نہیں ہوں گے، نہ کم نہ زیادہ۔

**وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۗ كَلَّا ۗ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ
يَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝۱۰ اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيْطٰنَ عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ تَوَخَّرْتُمْ اَنۡ تَاْتٰ
تَعْجَلَّ عَلَيْهِمْ ۗ اِنَّمَا تَعَدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝۱۱**

”اور انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ جموں نے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (اٹلے) ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے مسلط کر دیا ہے شیطانوں کو کفار پر وہ انہیں (اسلام کے خلاف) ہر وقت اکساتے رہتے ہیں۔ پس جگت نہ سمجھئے ان پر (نزدل عذاب کے لئے)۔ ہم گن رہے ہیں ان کے ایام زندگی کو اچھی طرح“۔

کفار و مشرکین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا بنا لئے ہیں تاکہ وہ بوقت ضرورت ان کی مدد کریں، لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے، دراصل معاملہ اس طرح نہیں جیسا ان کا خیال ہے اور نہ ہی ان کی یہ خواہش کبھی پوری ہوگی، اس لئے فرمایا: **كَلَّا ۗ سَيَكْفُرُونَ**۔۔۔ یعنی ہرگز نہیں، ان کے یہ جموں خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے بلکہ انہاں کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی مخالفت پر آئیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **وَضَرَبَ اَصْحٰبُ مَثَلًا لِّمَنْ يُدْعُو مِنَ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهٗٓ اِلٰهِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنِ**

دَعَا بِهِمْ غُلْفُونَ ﴿٥٠﴾ وَإِذَا حُجِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَآؤَادًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا ﴿٥١﴾ (الاحقاف: 5-6) ”اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں اور جب (روز محشر) لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ معبودان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے، ابونہیک کی قرأت میں ”كُنْ سَيِّئُكُمْ وَوَنَ بَعَادَتِهِمْ“ ہے۔ سدی اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کافران جنوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔ اس فرمان وَيَلْعَنُونَ عَلَيْهِمْ وَقَدْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِهَا كَمَا مَطْلَب يَه تہ ہے کہ انہوں نے جو امید ان جنوں سے وابستہ کر رکھی ہے وہ اس کے برخلاف ثابت ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ”ضد“ کا معنی مدوگار بیان کرتے ہیں یعنی وہ ان کے خلاف مدوگار ہوں گے، ان سے جھگڑیں گے اور ان کی تکذیب کریں گے۔ قتادہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ وہ جہنم میں ان کے ساتھی ہوں گے، وہاں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور ایک دوسرے کا انکار کریں گے۔ سدی ”ضد“ کا معنی بیان کرتے ہیں: سخت جھگڑا۔ ضحاک اس کا معنی دشمن بیان کرتے ہیں۔ ابن زید کہتے ہیں کہ ”ضد“ کا معنی ہے: آزمائش اور کرمہ کے بقول اس کا معنی حسرت ہے۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سَأَلُوهُمْ أَعْرَابًا كَمَا مَعْنَى نَقْل كرتے ہیں کہ وہ انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ عوفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ انہیں حضرت محمد ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ انہیں ابھارتے رہتے ہیں، قتادہ کہتے ہیں کہ وہ انہیں نافرمانیوں پر برا بھانت کرتے رہتے ہیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ وہ انہیں ہر وقت ابھارتے رہتے ہیں اور سدی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ انہیں سرکشی کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی طرح ہے: وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُفِخْ لَهُ شَيْطٰنًا فَيُهْوِئُهُ قَلْبًا لِّذٰلِكَ الْاٰخِرِ ﴿٣٦﴾ ”اور جو شخص رحمن کے ذکر سے اندھا بنتا ہے تو ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔“ پھر فرمایا: فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ ان پر وقوع عذاب کی جلدی نہ کریں، ہم انہیں ایک معین مدت تک مہلت دے رہے ہیں، آخر کار جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی تو لازماً انہیں عبرتاک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَخْصِبْ لِلّٰهِ عَاقِلًا عَمَّا يَعْبُكُمُ الظَّالِمُونَ (ابراہیم: 42) ”اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کو تو توں سے بے خبر ہے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔“ فَهَبْ لِكُفْرٰتِهِمْ اَمْهَاتِهِمْ ثُمَّ وَيْتَذَكِّرْ (الطارق: 17) ”پس آپ کفار کو اور مہلت دے دیں، کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں،“ اِنَّا نَسْتَعْتَابُكَ رَبُّنَا فَادْرَأْنَا بِالْاٰثِمِ (آل عمران: 178) ”ہم انہیں اس لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں،“ نَسْتَعْتَبُكُمْ قَبَلَكُمْ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ اِلَىٰ عَدَآءِ اٰبِ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (آل عمران: 24) ”ہم انہیں تھوڑی دیر لطف اندوز ہونے دیں گے پھر ہم انہیں سخت عذاب کی طرف ہانک کر لے جائیں گے،“ قُلْ سَمِعُوا اٰقَانَ مَصْرُوعًا كَرِهَتْ اِلَى الْقَارِ (ابراہیم: 30) ”آپ فرمائیے لطف اٹھا لو پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے،“ سدی اس فرمان اِنَّا نَعْتَدُ لَكُمْ عَذَابًا كَمَا يَه مَطْلَب بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کے لئے سال، مہینے، دن اور گھنٹیاں شمار کر رہے ہیں۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں ان کے سانس گمن رہے ہیں۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَقَدْ اٰلَهُمْ وَنَسُوْا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلَىٰ جَهَنَّمَ وَمَرَادًا ﴿٥٠﴾ لَا يَسْلِكُوْنَ الشَّقَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٥١﴾

”وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے پر ہیزگاروں کو رحمن کے حضور میں (معزز و مکرم مہمان بنا کر) اور اس روز ہانک کر لائیں

گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاستے جانوروں کی طرح۔ انہیں کوئی اختیار نہیں ہوگا شفاعت کا بجز ان کے جنہوں نے خداوند رحمن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے ان متقی دوستوں کے متعلق خبر دے رہا ہے جو دار دنیا میں اس سے ڈرتے رہے، اس کے رسولوں کی اتباع کی، ان کے لئے ہوئے پیغام کی تصدیق کی، ان کے اومر کی اطاعت کی اور نوای سے اعتقاد کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عزت و کرامت کے ساتھ اپنے پاس جمع کرے گا۔ ”وفد“ کا معنی ہے سوار ہو کر آنے والے۔ یہ سعادت مند وار آخرت کی نورانی سوار یوں پر سوار ہو کر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دار کرامت و رضوان (جنت) میں داخل ہوں گے۔ ان کے برعکس رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کرنے والے مجرمین کو پیاسا ہانک کر جہنم رسید کر دیا جائے گا اور یہاں پوچھا جائے گا: ”أَيُّ الْفِرْيَاقِينَ عَمِلُوا مَقَلًا وَ أَحْسَنُ نَدِيًّا“۔ ابن مرزوق کہتے ہیں کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو اس کی ملاقات ایک نہایت حسین و جمیل اور مہکتی ہوئی عمدہ خوشبو والے شخص سے ہوگی۔ وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ پوچھے گا کہ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ مومن جواب دے گا: نہیں، البتہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری خوشبو عطریز ہے اور تمہارا چہرہ دلآویز۔ وہ کہے گا کہ میں تمہارا عمل صالح ہوں، دنیا میں اسی طرح تمہارا عمل عمدہ اور عطریز تھا۔ دنیا میں طویل عرصہ تک میں تم پر سوار رہا۔ اب آؤ۔ مجھ پر سواری کرو۔ چنانچہ مومن اس پر سوار ہو جائے گا۔ یہی مطلب اس آیت ”يَوْمَ نُحْضِرُ“ کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متقی سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوں گے (1)۔ ان جنتی کہتے ہیں کہ عمدہ اونٹنیوں پر، ثوری کہتے ہیں کہ اونٹنیوں کے مشابہ اونٹوں پر۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ سوار ہو کر جنت کی طرف جائیں گے۔ نعمان بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اس آیت ”يَوْمَ نُحْضِرُ“ کی تلاوت کی اور فرمایا: نہیں، قسم بخدا وہ پیدل نہیں ہوں گے، وفد کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ پیدل ہو، بلکہ وہ ایسی عمدہ اونٹنیوں پر سوار ہوں گے کہ مخلوق نے ایسی سواریاں کبھی نہ دیکھی ہوں گی، ان پر سونے کے پالان ہوں گے، وہ ان پر سوار ہو کر جنت کے دروازے تک جائیں گے (2)۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی ٹکیلیں زبرد کی ہوں گی۔ ابو معاذ بصری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسی آیت کی تلاوت کی اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! میرا خیال ہے کہ وفد سوار لوگوں کو کہا جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تو سفید رنگ کی پروں والی نورانی اونٹنیاں اپنے سامنے موجود پائیں گے، ان پر سونے کے پالان ہوں گے، ان کے پاؤں سے نور پھوٹ رہا ہوگا، ان کا ہر قدم تاحند نگاہ پر پڑے گا۔ چلتے چلتے وہ ایک درخت تک پہنچیں گی جس کی جڑوں سے دو چشمے پھوٹ رہے ہوں گے، ایک سے وہ پئیں گے جس سے ان کی اندرونی میل دھل جائے گی اور دوسرے میں وہ غسل کریں گے، اس کے بعد ان کے جسم میلے ہوں گے اور نہ بال پر آمند ہوں گے بلکہ نعمتوں کی شگفتگی ان پر اپنی بہار دکھا رہی ہوگی اور ان کے چہرے دکھ رہے ہوں گے۔ جب یہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو وہاں سونے کے دروازے پر سرخ یا قوت کا حلقہ پائیں گے، اس حلقہ کے ساتھ دستک دیں گے تو اس کی نہایت عمدہ آواز سنائی دے گی جس سے ہر جرم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا خاندان آگیا ہے، چنانچہ وہ اپنے منتظم کو بھیجے گی، جب وہ دروازہ کھولے گا تو جنتی اس نورانی پیکر کو دیکھتے ہی اس کے سامنے سجدے میں گر جائے گا۔ وہ اسے کہے گا کہ اپنا رٹھا لے، میں تو آپ کا تابع فرمان ہوں۔“

چنانچہ وہ اس کے ساتھ چل پڑے گا۔ حور جلدی جلدی موتی اور یاقوت کے بنے ہوئے خیمے سے باہر آئے گی اور اپنے جتنی خاوند کو گلے لگا لے گی، پھر اسے کہے گی کہ آپ میرے محبوب ہیں اور میں آپ کی محبوبہ ہوں، میں ہمیشہ رہنے والی ہوں اور مجھے موت کبھی نہیں آئے گی، میں آسودہ حال ہوں اور مجھے نعمتوں سے محروم نہیں کیا جائے گا، میں خوش و خرم رہنے والی ہوں اور کبھی ناراض نہیں ہوں گی اور میرا قیام دائمی ہے اور میں کبھی کوچ نہیں کروں گی۔ جتنی ایسے گھر میں داخل ہوگا جس کی بنیاد سے چھت تک ایک لاکھ گز کی بلندی ہے، اس کی دیواریں انواع و اقسام کے سرخ، زرد اور سبز رنگ کے تہ بہ تہ موتیوں سے جنی ہوئی ہیں، ہر تہہ منفرد نوعیت کی ہے۔ ہر گھر میں ستر تخت ہیں، ہر تخت پر ستر بستری ہیں، ہر بستری پر ستر حوریں ہیں، ہر حور ستر جوڑے زیب تن کئے ہوئے ہے، اس کے باوجود اس کی پنڈلی کا گودا نیچے سے صاف دکھائی دے رہا ہے۔ مرد کو دنیاوی ایک راست کی مقدار میں ان تمام کے ساتھ جامعیت کی پوری پوری قوت حاصل ہوگی، ان کے نیچے صاف شفاف آلودگی سے پاک پانی کی، خالص اور تازہ دودھ کی جو جانوروں کے تھنوں سے برآمد نہیں ہوا، خوش ذائقہ، پر لطف شراب طہور کی جیسے انسانوں نے نہیں پیوڑا اور خالص عمدہ شہد کی جو کھیبوں کے شکم سے نہیں نکلا، نہریں بہ رہی ہوں گی۔ پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کی ڈالیاں جھوم رہی ہوں گی۔ چلے تو جتنی انہیں کھڑے ہو کر تناول کر لے، چاہے تو بیٹھ کر اور اگر چاہے تو لیٹ کر۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: **وَذَآئِبَةٌ عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلَّتْ أَعْيُنُهُمْ أَصْبَاحًا نَّيِّرًا (الدھر: 14)** اور اس کے درختوں کے سائے ان سے قریب ہوں گے اور میووں کے چھکے بھلکے ہوئے لگ رہے ہوں گے۔ کھانا انتہائی پر لطف اور لذیذ ہوگا۔ سفید اور سبز رنگ کے پرندے از خود حاضر ہوں گے، وہ اپنے پیروں کو اوپر اٹھالیں گے اور جتنی ان کے اجسام میں سے جو حصہ پسند کرے گا، کھالے گا، پھر وہ اڑ جائیں گے۔ فرشتے حاضر ہو کر اہل جنت کو سلام کریں گے اور کہیں گے: **وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُدْرِيَ فِيهَا مَنَّا لِمَن تَعَسَّوْنَ (الزخرف: 72)** اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیے گئے ہو ان اعمال کے سبب جو تم کیا کرتے تھے، اگر کسی حور کا ایک بال بھی زمین پر آگرے تو سورج کی روشنی اس کے سامنے دھیمی اور نامنڈ پڑ جائے (1)۔ یہ روایت تو مرفوع بیان ہوئی ہے لیکن یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے۔

مجرمین کی حالت زار بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَتَسْمُوْنَ فِيهَا مِن مِّنَ...** یعنی اس روز ہم مجرموں کو پیاسے جہنم کی طرف ہانک کر لائیں گے اور ان کے لئے کوئی اس طرح سفارش کرنے والا نہ ہوگا جس طرح اہل ایمان ایک دوسرے کی سفارش کریں گے۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: **فَمَا لَتَأْتِيَنَّهُنَّ الْغَيَابُ وَالصَّبَا بِئِ حَيْثُ (الشعراء: 101-100)** (تو) آج ہمارا کوئی سفارشی نہیں ہے اور نہ کوئی غمخوار دوست اللہ تعالیٰ کے فرمان **إِلَّا مَنِ اتَّعَدَ...** میں استثناء منقطع بمعنی "لیکن" ہے۔ اس عہد سے مراد وہ الہا اللہ کی گواہی دینا اور اس پر استقامت اختیار کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس عہد سے مراد لیتے ہیں: توحید کی گواہی اور غیر اللہ سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے امید و استہانت کرنا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عہد لے لو کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہد حاصل ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: اے ابا عبد الرحمن! ہمیں وہ عہد سکھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو: **اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَايُنِي أَعْمَدُ إِلَيْكَ فِي هَذِهِ الْحَمَاةِ الْمَذْنِبِ أَنْتَ بِن تَكَلِّبُنِي إِلَى عَمَلِي يَقْرَبُنِي مِنَ الشَّرِّ وَيَبْأ عَذَابِي مِنَ الْخَيْرِ وَإِنِّي لَا أَفِي إِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِي عِنْدَكَ عَهْدًا تَوَدِّيهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَنْتَ لَا تَخْلِفُ الْبِعَادَ (2)**۔ اے اللہ! اے

آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، اے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے! میں تیرے پاس اس دنیاوی زندگی میں اپنا ایک عہد رکھتا ہوں کہ مجھے ایسے عمل کے سپرد نہ کرنا جو مجھے شر کے قریب اور خیر سے دور کر دے۔ میں صرف تیری رحمت پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میرے اس اقرار کو بطور عہد محفوظ فرما اور قیامت کے دن وہ مجھے عطا فرماتا، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: خَائِفًا مُسْتَعْفِرًا رَاجِبًا رَاجِبًا إِلَيْكَ۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۗ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۗ تَكَذَّبُوا بِالسَّمَوَاتِ وَيَتَّقْنَ مِنْهُ وَتَسْفِكُونَ الْأَرْضَ وَتَحَرُّوا الْعِجَالَ هَذَا ۗ أَنْ دَعَا إِلَى الْكُفْرِ وَلَدًا ۗ وَمَا يُبْعَثُ إِلَّا لِرَحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۗ إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِيَ الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۗ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۗ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَرْدًا ۗ

”اور کفار کہتے ہیں بنا یا ہے رحمن نے (فلان کو اپنا) بیٹا۔ (اے کافر!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے ہوئے۔ کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمن کا ایک بیٹا ہے۔ اور انہیں جائز رحمن کیلئے کہ وہ بنائے کسی کو (اپنا) فرزند۔ کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح۔ اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تمہارا۔“

حضرت عبید بن علیہ السلام کی عبودیت اور بن باپ کے حضرت مریم علیہا السلام کے شکم سے ان کی پیدائش کا تذکرہ اس سورہ مبارکہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ اب ان لوگوں کی تردید ہو رہی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند، برتر، اعلیٰ و مقدس اور منزہ ہے۔ لفظ ”ادًا“ میں تین قرأتیں ہیں: ”ادًا“ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، ”ادًا“ فتح کے ساتھ اور ”ادًا“ مد کے ساتھ۔ پہلی قرأت زیادہ مشہور ہے۔ فرمایا: تَكَذَّبُوا بِالسَّمَوَاتِ وَيَتَّقْنَ مِنْهُ۔ یعنی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے پیش نظر فاسق و فاجر بنی آدم کے اس سخت معیوب اور شدید بہتان کے سبب آسمان شق ہو جائیں، زمین پھٹ جائے اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر پڑیں کیونکہ ان چیزوں کی تخلیق تو حید پر ہوئی ہے اور ان کی اساس میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ مثل، نہ بیٹا، نہ بیوی اور نہ ہی کوئی ہمسر، بلکہ وہ یکتا اور بے نیاز ہے، ہر چیز میں اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ حضرت امین عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شریک ایسی شدید چیز ہے جس سے جن و انس کے سوا آسمان، زمین اور پہاڑ سبھی لرز اٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے قریب ہے کہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ شرک کے ساتھ کوئی سبکی نفع بخش نہیں لیکن ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل توحید کے گناہوں کو بخش دے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی تلقین کرو، جس نے موت کے وقت اسے کہہ لیا اس کے لئے جنت واجب ہوگی“ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! جس نے بوقت عالیت اسے کہہ لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس کے لئے بدرجہ اولیٰ (جنت کو) واجب کرنے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! زمین و آسمان، ان کے اندر، ان کے درمیان اور ان کے نیچے کی تمام چیزیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دی

جائیں اور لا الہ الا اللہ کی شہادت دوسرے پڑے میں رکھ دی جائے تو یہ پلڑا جھک جائے“ (1)۔ حدیث بلاق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (2)۔ ضحاک کہتے ہیں: قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے ڈرتے ہوئے آسمان، زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ قریب ہے زمین اللہ تعالیٰ کے لئے بوجہ غضب پھٹ جائے۔ ”حد“ کا معنی بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ منہدم ہو جانا ہے۔ سعید بن جبیر اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ لگا تار ایک دوسرے کے اوپر لگ کر ٹوٹ پھوٹ جانا۔ حضرت عون بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو اس کا نام لے کر بلاتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ آج تمہارے پاس سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا ہو؟ وہ ہاں میں جواب دیتے ہوئے مسرت کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت عون فرماتے ہیں کہ پہاڑ بھلائی کی باتوں کو زیادہ سنتے ہیں۔ جب یہ باطل اور جھوٹی باتوں کو سن لیتے ہیں تو بھلا اچھی باتوں کو کیوں نہیں سنیں گے، پھر انہوں نے اس آیت عَزَّوَجَلَّ الشُّبُوتِ يَتَّقُونَ... کی تلاوت کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا کیا اور اس میں درخت اگانے تو بنی آدم ہر درخت سے فائدہ اٹھاتے۔ لوگ اسی طرح زمین پر اگنے والے درختوں کے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے رہے یہاں تک کہ اولاد آدم سے بدکار لوگ سخت مجرب بات کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ ان خرافات کی وجہ سے زمین لرزنے لگی اور درخت کا نئے دار ہو گئے۔ حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ جب ان نانبھاروں نے اللہ تعالیٰ پر یہ بہتان باندھا تو ملائکہ غضبناک ہو گئے اور جہنم بھڑکنے لگا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اذیت تاک چیزوں پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں، لوگ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کی اولاد مقرر کرتے ہیں لیکن وہ انہیں عافیت سے نوازتا ہے، ان سے تکلیف دور کرتا ہے اور انہیں رزق بچھینچاتا ہے“ (3)۔

فرمایا: وَمَا يَتَّقِي لِخَلْقِهِ... یعنی بیٹا بنانا اللہ تعالیٰ کو زریب ہی نہیں دیتا اور نہ ہی یہ اس کے جلال اور عظمت کے لائق ہے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں بلکہ تمام مخلوق اس کی بندگی اور غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے ہوئے ہے، اس لئے فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَرْنٍ... یعنی ہر چیز بندہ بن کر رحمن کے حضور حاضر ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو گن کر شمار کر رکھا ہے، ابتداءے آفرینش سے لے کر قیامت تک کے تمام مرد و زن اور چھوٹے بڑے اس کی گفتنی میں ہیں اور سب تمہاں کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا وہاں نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی پناہ دینے والا۔ وہ اپنی مشیت کے مطابق اپنی مخلوق میں فیصلہ فرمائے گا۔ وہ عادل ہے اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ﴿٥١﴾ قَوْلَانَا يَسْرُتُهُ بِلِسَانِكَ
لِيُبَيِّنَ بِهِ السَّقِيَّةِينَ وَتُنزِلَ بِهِ قَوْلًا لَدَا ﴿٥٢﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُنْجِسُ
مِنْهُمْ قَرْنٍ أَحَدًا أَوْ كَسَبَ لَهُمُ يَرْكُزًا ﴿٥٣﴾

”جاشد جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے پیدا فرمادے گا خدا نے مہربان ان کے لئے (دلوں میں) محبت۔

1- تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 130

2- حارثہ الاموذی، ابواب الایمان، جلد 10 صفحہ 107-108، سنن ابن ماجہ، کتاب الایمان، جلد 2 صفحہ 1437، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 213، 223

3- صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 31، صحیح مسلم، کتاب مفقہ القیامہ، جلد 4 صفحہ 2160، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 405

صرف اس لئے ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں اتار کر تاکہ آپ مژدہ سنائیں اس سے پرہیزگاروں کو اور ڈرائیں اس کے ذریعہ اس قوم کو جو بڑی جھگڑا لوی ہے۔ اور کتنی تو میں تمہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے کیا محسوس کرتے ہو ان میں سے کسی کو یا سنتے ہو ان کی کوئی آہٹ۔“

اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کے دلوں میں اپنے ان مومن بندوں کی محبت و مودت پیدا کر دیتا ہے جو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق نیک اعمال، بحالہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ اس مضمون کی متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ اے جبریل علیہ السلام! میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان والوں میں یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو اپنا محبوب رکھتا ہے، پس تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین پر اسے مقبولیت عام بخشی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے ناخوش ہوتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے ناراض ہوں، اس لئے تم بھی اس سے دشمنی کرو، چنانچہ جبریل علیہ السلام بھی اس کے دشمن بن جاتے ہیں، پھر آسمان والوں میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے، اس لئے تم بھی اس سے عداوت اور نفرت کرو چنانچہ آسمان کے تمام فرشتے بھی اس کے دشمن بن جاتے ہیں پھر زمین پر اس سے عداوت اور نفرت کو عام کر دیا جاتا ہے“ (1)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بندہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ مجھے راضی کرنے کا خواہاں ہے، سنو، اس پر میری رحمتیں نازل ہو گئیں۔ چنانچہ جبریل اعلان کرتے ہیں کہ فلاں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو گیا، پھر عالمین عرش اور ان کے ارد گرد کے فرشتے یہاں تک کہ سات آسمان کے فرشتے بھی یہی اعلان کرتے ہیں، پھر زمین پر بھی یہ اعلان عام ہوتا ہے“ (2)۔ یہ روایت غریب ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور شہرت آسمان سے اترتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ اعلان کرتے ہیں کہ تمہارا رب فلاں سے محبت کرتا ہے اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر زمین پر اس کی محبت پھیل جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہو جاتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں سے ناراض ہوں اس لئے تم بھی اس سے عداوت رکھو، چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ اعلان کرتے ہیں کہ تمہارا رب فلاں سے ناخوش ہے اس لئے تم بھی اس کے دشمن بن جاؤ، چنانچہ زمین پر اس سے بغض اور عداوت عام ہو جاتی ہے“ (3)۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو ندا دیتا ہے کہ میں نے فلاں کو اپنا محبوب بنا لیا ہے اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ آسمان میں یہ اعلان کر دیا جاتا ہے پھر تمام لوگوں میں اس کی محبت عام کر دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا كَافٍ**“ (4)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 17 صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2030، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 413

3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 263

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 279

4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2031، عارضۃ الاحادیث تفسیر سورہ مریم، جلد 11 صفحہ 17-18

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں لوگوں کے درمیان ان کی محبت عام کر دیتا ہے، ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے اور اپنے مومن بندوں کے ہاں انہیں محبوب بنا دیتا ہے۔ عوفی سے منقول روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں دنیا میں مسلمانوں کی طرف سے محبت و عمدہ رزق اور (مرنے کے بعد) ذکر خیر نصیب ہوتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دیتا ہے۔ ہرم بن حیان کہا کرتے تھے کہ جو بندہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں کو اس کی طرف مائل کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان کی محبت و مودت سے اسے نوازدیتا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو بھی اچھا یا برائے عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی عمل کی چادر اسے پسنا دیتا ہے۔ (1) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کروں گا جس کے باعث مجھے لوگوں میں خوب شہرت مل جائے۔ چنانچہ وہ سرگرمی کے ساتھ عبادت میں لگ گیا، ہر وقت نماز پڑھتے ہوئے دکھائی دیتا، سب سے پیچھے مسجد میں داخل ہوتا اور سب سے آخر میں باہر نکلتا۔ اس کے باوجود لوگ اسے کوئی وقعت نہ دیتے، اسی طرح سات مہینے گزر گئے۔ جب وہ لوگوں کے پاس سے گزرتا تو وہ کہتے کہ اس ریاکار کو دیکھو۔ اپنے متعلق لوگوں کے خیالات سن کر وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا اور کہنے لگا کہ مجھے نوبت برے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، اب میں ہر عمل محض رضائے الہی کے حصول کے لئے کروں گا۔ سابقہ اعمال کو برقرار رکھتے ہوئے بس نیت کا تہہ درست کرنے کی دیر تھی کہ اب وہ لوگوں کے پاس سے گزرتا تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھتے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر رحم فرمائے۔ پھر انہوں نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ ابن جریر سے مروی ایک اثر میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے متعلق نازل ہوئی ہے (1)۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ یہ پوری سورت سنی ہے، ہجرت کے بعد اس کا کوئی حصہ نازل نہیں ہوا اور اس اثر کی سند بھی درست نہیں۔ اس کے بعد ارشاد دیتا ہے: **فَأَنَّ يٰٓأَيُّهَا رَسُولُ! اِهْم** نے اس قرآن کو آپ کی فصیح و بلیغ اور کامل عربی زبان میں بالکل آسان کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ ان صحیحی بندوں کو اس کے ذریعے بشارت دیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کرتے ہیں اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ان جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں جو حق سے اعراض کر کے باطل کی طرف مائل ہیں۔ مجاہد کے بقول **فَوَمَا تَدْعَا** سے مراد راہِ راست سے منحرف لوگ مراد ہیں۔ ابوصالح کے نزدیک اس سے مراد حق سے روگردانی کرنے والے لوگ ہیں۔ ضحاک کے بقول اس کا معنی جھگڑالو، قرظی کے نزدیک اس کا معنی جھوٹے لوگ اور حضرت حسن بصری کے بقول بہرے لوگ ہیں۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے کان بہرے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد قریش ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قجر لوگ ہیں۔ ابن زید نے اس کا معنی ظالم بتاتے ہوئے آیت کا یہ حصہ پڑھا: **وَهُوَ الَّذِي أَنْصَبَ لِكُلِّ الْبَشَرِ (204)** وہ (حق کا) سخت ترین دشمن ہے، آخری آیت میں فرمایا: **وَكَمْ أَهْلَكْنَا** یعنی کتنی ہی ایسی قومیں ہیں جنہیں ہم نے آیات الہی کے ساتھ کفر کرنے اور رسولوں کی تکذیب کرنے کی پاداش میں ہلاک کر دیا۔ کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہو یا کسی کی آہن سلتے ہو۔ ”رکز“ جیسی آواز اور آہٹ لو کہتے ہیں۔

سورۃ طہ (مکیہ)

امام الامام محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے کتاب التوحید میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ایک ہزار سال پہلے سورۃ طہ اور سورۃ یسین کی تلاوت فرمائی، فرشتوں نے جب اسے سن تو کہنے لگے کہ وہ امت بہت سعادت مند ہے جس پر اس کلام کا نزول ہوگا، وہ سینے قائل تھیں ہیں جو اس کلام کو محفوظ رکھیں گے اور وہ نہ نہیں مہار کہاؤ کی مستحق ہیں جو اس کلام کی تلاوت کریں گے۔ (1)“ یہ حدیث غریب سے اور اس میں نکارت بھی ہے۔ مزید برآں اس کے راوی ابراہیم بن مہاجر اور ان کے شیخ پر تشدید کی بھی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طہ ﴿ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ ﴿١﴾ إِلَّا تَذَكَّرَ ۚ لَئِمَّنَ يَئِشْهُ ﴿٢﴾ تَتْرِكُهُ ۗ أَلَمَنَّا ۗ حَافِي الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَىٰ ﴿٣﴾ أَلَرْحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ﴿٤﴾ لَدْنَا مَفَاتِحُ السَّمَوَاتِ وَ مَفَاتِحِ الْأَرْضِ وَمَا يَبْتَغِيهَا وَمَا تَحْتِ الثُّرَىٰ ﴿٥﴾ وَإِنْ تَجَهَّرَ بِالنُّقُولِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ ﴿٦﴾ أَلَمْ نَكُنْ لَهُ الْآلِهَةَ الْأَوْلَىٰ ۗ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴿٧﴾

”طاہا۔ نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو (اپنے رب سے) ڈرتا ہے۔ یہ اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بے حد مہربان (کائنات کی فرمانروائی کے) تخت پر متمکن ہوا۔ اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گلی مٹی کے نیچے ہے۔ اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور لوں کے بھیدوں کو بھی۔ اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۔ اس کے لئے بڑے خوبصورت نام ہیں۔“

حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۃ بقرہ کے اوائل میں گزر چکی ہے، جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں، البتہ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ ”ط“، یا ر جمل (اسے شخص) کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ معرب ہے۔ قاضی عیاض اپنی کتاب الشفاء میں ایک روایت ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ایک پاؤں پر کھڑے ہو جاتے اور دوسرا پاؤں اٹھا لیتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ط“ یعنی اے محمد اپنے دونوں پاؤں زمین پر رکھا کریں، پھر فرمایا: مَا أَنْزَلْنَا قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس ارشاد میں نبی کریم ﷺ کے لئے موجود اعزاز و اکرام اور حسن معاملہ مخفی نہیں ہے (2)۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم نازل کیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پوری دلجمعی کے ساتھ اس پر عمل چیرا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر مشرک قریشی کہنے لگے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) پر اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ وہ مشقت میں مبتلا ہو جائیں، اس پر یہ آیات (ط۔...) اتریں، اور یہ واضح کر دیا گیا کہ معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ یہ باطل پرست گمان کئے ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسے ہم سے نوازتا ہے، اس کے ساتھ وہ خیر کثیر کی عطا کا ارادہ فرماتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے“ (1)۔ کیا یہی خوب حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کرنے کے لئے اپنی کرسی پر جلوہ گر ہوگا تو علماء سے فرمائے گا کہ تمہیں اپنا علم اور حکمت عطا کرنے سے میرا یہ ارادہ تھا کہ میں تمہارے گناہوں کو بخش دوں اور مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ تم نے کیا کیا“ (2)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت مَا آتَوْنَا... اس فرمان کی طرح ہے: فَاقْرَءُوا مَا تَيَدَّبَرُونَ (المزمل: 20) ”تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو“۔ اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ نماز میں خود کورسیوں میں جکڑ کر لٹکا لیا کرتے تھے۔ اس آیت کے ذریعے ان کی اس مشقت کو ختم کر دیا۔ قنادہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو باعث شقاوت نہیں بلکہ رحمت، نور اور جنت کی طرف رہنما بنایا ہے۔ پھر فرمایا: إِلَّا تَذَكَّرُونَ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر خصوصی رحمت فرماتے ہوئے اپنی کتاب نازل کی اور اپنے محبوب رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ نصیحت کو قبول کرنے کی خواہش رکھنے والا شخص کتاب اللہ کو کن کر نصیحت حاصل کرے اور نفع پائے۔ یہ قرآن کریم تو سراسر ذکر اور نصیحت ہے جس میں حلال و حرام کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے اور یہ قرآن کریم جو نبی کریم ﷺ کے قلب اقدس پر اترا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو ہر چیز کا رب اور مالک ہے، وہ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے، اسی نے زمین کو پست اور کثیف بنایا ہے اور آسمان کو بلند اور لطیف پیدا کیا ہے۔ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ ہر آسمان کی موائی پانچ سو سال کی مسافت کی ہے اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے (3)۔ ابن ابی حاتم نے اسی آیت کی تفسیر کے تحت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اوعال بیان کی ہے (4)۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اَلَّذِينَ عَلَى الْعَرْشِ اشْتَوْىٰ كِي تَفْسِيرِ سُوْرَةِ اَعْرَافِ مِیْنِ كَزِرْجَلِیْ ہِے جِس كِ اَعَادِہ كِ مِیْہَا ضَرُورِت نِہِیْس (5)۔ اس بارے میں سب سے زیادہ محفوظ مسلک سلف کا ہے یعنی اس بارے میں کتاب و سنت میں جو کچھ مذکور ہے اسے بغیر تکلیف، تحریف، تشبیہ، تعطیل اور تمثیل کے ظاہری الفاظ کے مطابق تسلیم کیا جائے۔ فرمایا: لَقَدْ مَاتِی السُّلُوٰتِ یعنی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت، اس کے قبضہ قدرت میں اور اس کے تصرف، مشیت، ارادہ اور حکم کے ماتحت ہیں۔ وہی تمام اشیاء کا خالق، مالک اور معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی رب ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ وَمَا تَحْتِ الْعَرْشِ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو ساتویں زمین کے نیچے ہیں۔ حضرت کعب سے پوچھا گیا کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: پانی۔ پھر دریافت کیا گیا کہ پانی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: زمین۔ پھر پوچھا گیا کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: پانی۔ اسی طرح بار بار دریافت کرنے پر یہی جواب دیتے رہے، پھر کہنے لگے کہ زمین کے نیچے ایک چٹان ہے۔ پوچھا گیا کہ چٹان کے نیچے کیا ہے؟ جواب دیا: فرشتے۔ سوال کیا گیا کہ فرشتے کے نیچے کیا

2- محمد بن کعب، جلد 2 صفحہ 84

1- صحیح بخاری کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 27، صحیح مسلم، کتاب الزکاة، جلد 2 صفحہ 718

3- عاصمہ الاحمدی، تفسیر سورۃ حدید، جلد 11 صفحہ 182-184

5- دیکھیے تفسیر سورۃ اعراف: 54

4- سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 231، سنن ابن ماجہ، المقدمة، جلد 1 صفحہ 69 وغیرہ

ہے؟ فرمایا: ایک مچھلی ہے جس کی دونوں طرفیں عرش کے ساتھ معلق ہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ مچھلی کے نیچے کیا ہے؟ جواب دیا کہ اس کے نیچے ہوا اور تاریکی ہے اور بس اس قدر ہی معلوم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ سب سے اوپر والی زمین ایک مچھلی کی پشت پر ہے جس کے دونوں بازو آسمان میں ہیں۔ یہ مچھلی ایک چٹان پر ہے اور یہ چٹان ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہے، دوسری زمین ہواؤں کا مخزن ہے، تیسری میں جہنم کے پتھر ہیں، چوتھی میں جہنم کی گندھک ہے، پانچویں میں جہنم کے سانپ ہیں، چھٹی میں جہنم کے بچھو ہیں اور ساتویں میں جہنم ہے، یہیں ابلیس جکڑا ہوا ہے، اس کا ایک ہاتھ آگے ہے اور ایک ہاتھ پیچھے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے“ (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں تامل ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شدید گرمی کے موسم میں غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ ہم دو دو اور چار چار آدمیوں کی ٹولیاں بنائے کھڑکریں رہے تھے۔ میں لشکر کے آگے تھا۔ اچانک ایک شخص ہمارے پاس آیا اور سلام کر کے پوچھنے لگا کہ تم میں سے محمد (ﷺ) کون ہیں؟ میرے ساتھی تو آگے بڑھتے گئے اور میں اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ لشکر کے وسط میں سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار تھے اور گرمی سے بجائو کی خاطر آپ اپنے سر کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ ہمارے قریب آئے تو میں نے اس شخص سے کہا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان لوگوں میں سے آپ ﷺ کون ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ سرخ سواری والے۔ چنانچہ وہ شخص آپ ﷺ کے قریب چلا گیا اور آپ کی سواری کی تکبیل تھام لی۔ آپ ﷺ رک گئے۔ وہ دریافت کرنے لگا کہ آپ محمد (ﷺ) ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ کہنے لگا کہ میں چند چیزوں کے متعلق آپ سے استفسار کرنا چاہتا ہوں جن کے متعلق بجز ایک دو آدمیوں کے کسی کا علم نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس چیز کے متعلق چاہو، سوال کرو“۔ وہ پوچھنے لگا کہ کیا نبی سوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل بیدار رہتا ہے“۔ اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا ہے پھر اس نے دریافت کیا کہ بچہ کیوکر اپنے باپ اور اپنی ماں کے مشابہہ ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے جبکہ عورت کا پانی زرد اور پتلا ہوتا ہے، دونوں پانیوں میں سے جو دوسرے پر غالب آجائے، وہی بچہ کو اپنے مشابہہ کر لیتا ہے۔“ اس نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا ہے۔ پھر اس نے استفسار کیا کہ بچے کے کون سے اعضاء مرد کے پانی سے بنتے ہیں اور کون سے عورت کے پانی سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مرد کے پانی سے بڈیاں، رگیں اور پٹھے اور عورت کے پانی سے گوشت، خون اور ہاں“۔ اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ پھر وہ آپ ﷺ سے دریافت کرنے لگا کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: ”مخلوق“، اس نے پوچھا کہ اس مخلوق کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: زمین۔ سوال کیا کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: ”پانی“۔ پوچھا کہ پانی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: ”تاریکی“۔ سوال کیا کہ اس تاریکی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: ”ہوا“، دریافت کیا کہ ہوا کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: ”گیلی مٹی“۔ سوال کیا کہ اس کے نیچے کیا ہے؟ اس پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہ پڑے اور آپ ﷺ فرمانے لگے: ”مخلوق کے علم کی یہاں انتہاء ہو جاتی ہے، اس کے آگے کا علم صرف خالق کو ہے۔ اے سوال کرنے والے! جس سے ان چیزوں کے متعلق دریافت کیا جا رہا ہے، وہ سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں“ اس شخص نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے

میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ جبریل علیہ السلام تھے“ (1)۔ یہ حدیث بھی نہایت غریب ہے اور اس کا سیاق بھی بہت عجیب ہے۔ اس کے راویوں میں قاسم بن عبد الرحمن مغزہ ہیں جن کے متعلق یحییٰ بن معین کا کہنا ہے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور ابو حاتم رازی نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن عدی کا کہنا ہے کہ یہ غیر معروف ہے اور اس نے اس حدیث میں خلط ملط کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے دانستہ طور پر ایسا کیا ہو یا پھر اسی طرح حدیث ان کے پاس پہنچی ہو۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَ اِنْ تَنْهَضُوا .. یعنی اس قرآن کو زمین و آسمان کے خالق نے نازل کیا ہے جو رازوں اور دلوں کے پھیلوں سے بخوبی واقف ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: كُلُّ اَنْثَرَلَا اَنْزِي يَعْلمُه اَنْبِيَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلَمًا خَفِيًّا (الفرقان: 6) ”فرمائیے! ہمارا ہے اسے اس (خدا) نے جو آسمانوں اور زمین کے سامنے رازوں کو جانتا ہے واقعی وہ غفور رحیم ہے“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”السر“ سے مراد وہ مجید ہے جو ابن آدم اپنے دل میں چھپاتا ہے اور ”خفی“ سے مراد وہ مخفی کام ہے جو ابن آدم آئندہ چل کر کرنے والا ہے، ابھی اسے اس کے متعلق علم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ ماضی اور مستقبل کے متعلق اسے یکنس علم ہے۔ اس کے علم میں تمام مخلوق نفس واحد کی طرح ہے اور یہی مقصود اس آیت سے ہے: صَاحِبِ السِّرِّ الَّذِي لَا يَخْفَىٰ اِلَآهَ الْغَيْبِ وَاَجْمَعًا ﴿٢٨﴾ ”نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور پھر زندہ کرنا مگر ایک نفس کی مانند“۔ سخاک کہتے ہیں کہ ”السر“ سے مراد دل میں پیدا ہونے والے خیالات ہیں اور ”خفی“ سے مراد وہ خیالات ہیں جنہوں نے ابھی تک دل میں جنم نہیں لیا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ تو صرف آج کے پوشیدہ اعمال کے متعلق جانتا ہے اور کل کے پوشیدہ اعمال کے بارے میں تمہیں کوئی خبر نہیں لیکن اللہ تعالیٰ آج اور کل کے پوشیدہ اعمال کو خوب جانتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ”خفی“ سے مراد وہ سر ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عمل ہے جو بند نے آئندہ کرنا ہے لیکن ابھی اسے اس کا احساس تک نہیں۔ پھر فرمایا: اِنَّهٗ يَرٰ اِلَآهَ الْاَوْحٰى۔ یعنی جس نے قرآن کریم نازل کیا ہے وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کے خوبصورت نام اور اعلیٰ صفات ہیں۔ اسماء حسنی کے متعلق احادید سورہ اعراف کے آخر میں لڑرہی ہیں (2)۔

وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوسٰى ﴿١﴾ اِذْ رَاٰ نٰسْرًا فَاَقْبَالَ لِاَهْلِيْهٖ اَمْكُشُوْا اِنِّىۡ اِنْسٌ نٰسْرًا تَلْعَبُوْ

اَبْتِيْكُمْ مِنْهَا يُعٰبِسُ اَوْ اَجِدُ عَلٰى النَّاسِ هُدٰى ﴿٢﴾

”اور (اے صیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو اطلاع موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی؟ جب (مدین سے واپسی پر تارکب رات میں) آپ نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں کو کہا کہ (ذرا یہاں) ٹھہرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے لئے اس سے کوئی چنگاری یا بیجھل جائے آگ کے پاس کوئی راہ دکھانے والا“۔

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ کیسے آپ کی طرف وحی کی ابتدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا آپ کو شرف حاصل ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے اپنے سفر سے طے شدہ مدت کی تکمیل کر دی اور دس سال سے زائد عرصہ کی غیر حاضری کے بعد اپنے اہل خانہ کے ہمراہ آپ واپس اپنے وطن مصر کی طرف عازم سفر ہوئے۔ دوران سفر رست بھول گئے سخت سردی کی رات تھی، شدید سردی، ٹھنڈک، بادل، تاریکی اور دھند میں گھرے ہوئے آپ نے گھٹائیوں اور پہاڑوں کے درمیان ایک جگہ قیام کیا۔ اپنے چمٹاق سے آگ نکالنا چاہی لیکن اس سے آگ بالکل برآمد نہ ہوئی۔ اسی اثنا میں کوہ طور کی دائیں جانب آپ کو

آگ دکھائی دی۔ آپ نے اپنے اہل خانہ کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا: **إِنِّي أَنشئتُ** ایک دوسری آیت میں فرمایا: **أَوْجَدُوا قَوْمًا يَمُنُوا** لَعَنَكُمْ بَصَصُونَا (القصص: 29) ”یا آگ کی کوئی چنگاری (لے آؤں) تاکہ تم اسے تپ سکو،“ آپ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت سخت سردی اور ٹھنڈک تھی۔ ”بقبس“ کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت سخت اندھیرا تھا اور آؤ اُچھلنے والی تھیں۔ اہل خانہ سے فرمایا کہ اگر مجھے رست بتلانے والا کوئی چیز پر ولایت کرتا ہے کہ آپ رست بھول چکے تھے۔ جب آپ نے آگ دیکھی تو اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ اگر مجھے رست بتلانے والا کوئی شخص نہ بھی ملا تو کم از کم تاپنے کے لئے آگ تمہارے لئے لے لی آؤں گا۔

فَلَمَّا أَتَاهَا نُورٌ يُّومِسِي ① إِنْ أَرَأَيْتَ إِذْ أَنزَلْنَاكَ فَأَخَذَ نَعِيمَتَ ② إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ
طُوسِي ③ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَبِعْ لِمَا يُوسِي ④ إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ
الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ⑤ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِيَجْزِيَ ⑥ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى ⑦ فَلَا
يُصَدِّكَ عَنْهَا مَنْ لَّيَالِيُومٍ بِهَا وَاتَّبِعْ هَوَاةَ فَتْرِي ⑧

”بس جب آپ وہاں پہنچے تو نہا کی گئی اسے موسیٰ! بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں، پس تو اتار دے اپنے جوتے پیش تو طوسی کی مقدس وادی میں ہے۔ اور میں نے پسند کر لیا ہے تجھے (رسالت کے لئے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا پس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نہز مجھے یاد کرنے کے لئے۔ پیشک وہ گھڑی (قیامت) آنے والی ہے۔ میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لئے کوشاں ہے۔ پس ہرز نہ رو کے تجھے اس (کومانے) سے وہ شخص جو نہیں ایمان رکھتا اس پر اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی، ورنہ تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے قریب پہنچے تو آپ کو نہا دی گئی، اسے ایک دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا: **نُورٌ يُّومِسِي** جو جگہ جگہ **النَّوَارِ الْيُسْنِي** فی **الْمَقْعَةِ السُّوَيْطِيَّةِ مِنَ الشَّجَرَةِ** **إِنِّي أَنَا اللَّهُ** (القصص: 30) ”نہا آنی وادی کے دائیں کنارہ سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اسے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں“ اور یہاں یہ نہا ہوئی: **إِنِّي أَنَا السَّمَاءُ** .. یعنی میں تمہارا رب تم سے ہم کام اور مخاطب ہوں، پس اپنے جوتے اتار دو۔ حضرات می، ابوذر، ابوبوب اور دیگر سلف کا کہنا ہے کہ آپ کے جوتے گدھے کے چڑے سے بنے ہوئے تھے، اس لئے انہیں اتارنے کا حکم ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ تعظیم کے پیش نظر آپ کو جوتے اتارنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ کعبہ شریف میں داخل ہونے کے لئے جس طرح آدمی کو جوتے اتارنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، بالکل اسی طرح یہ حکم تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جوتے اتاروانے کا یہ مقصد تھا تاکہ آپ کے کلو سے اس مقدس سرزمین کو چھو لیں، علاوہ ازیں اور بھی متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس اور دیگر متعدد حضرات کا کہنا ہے کہ ”طوسی“ اس وادی کا نام ہے۔ اس صورت میں عطف بیان ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وادی پر قدم رکھنے کا حکم دینا ہے (1)۔ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ اس وادی کو بار بار پاک کیا گیا اور اس میں بار بار برکتیں بھردی گئیں اس لئے اس کا نام ”طوسی“ پڑ گیا۔ بہر کیف پہلا قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **إِنَّ لِكُلِّ دَابَّةٍ رَبَّةً بِالنَّوَارِ الْمُقَدَّسِينَ**

طوسی (النازعات: 16) ”جب ان کے رب نے انہیں طوی کی مقدس وادی میں پکارا تھا“۔ اور یہ فرمان وَأَنَا اخْتَرْتُكَ اس فرمان کی طرح ہے: رَبِّي اصْخَفْتَنِيكَ عَلَى النَّاسِ بِرُسُلِي وَبِحَلَامِي (الاعراف: 144) ”میں نے تجھے تمام لوگوں پر سرفراز کیا ہے اپنی پیغامبری سے اور اپنے ساتھ ہم کلام ہونے سے“۔ یعنی آپ کے زمانے میں موجود تمام لوگوں میں سے آپ کو چن لیا۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمام لوگوں میں سے صرف تمہیں کیوں اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا؟ آپ نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اس لئے کہ میرے حضور تمہاری طرح کسی نے تو اوضاع نہیں کی۔ پھر فرمایا: فَاسْتَبِحْ لِنَسَائِي طوی یعنی اب میرے ارشاد اور وحی کو غور سے سنلے کہ بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ مکلفین پر سب سے پہلا فریضہ اس حقیقت کو جاننا ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر آپ کو عبادت اور نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: فَاذْبُرْ نِي... یعنی بغیر کسی کو شریک کے صرف میری عبادت کرو اور مجھے یاد کرنے کے لئے نماز قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَأَقِمِ الصَّلَاةَ... کا بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ مجھے یاد کرنے کے لئے نماز پڑھو اور بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جب میری یاد آئے نماز پڑھو، اس دوسرے مفہوم کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کو نیند آ جائے اور نماز نہ پڑھ سکے یا نماز سے غافل ہو جائے تو جب اسے یاد آ جائے، نماز پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ”جو شخص نماز پڑھے بغیر سو جائے یا اسے بھول جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اسے یاد آ جائے، اس وقت نماز پڑھ لے، اس کا یہی کفارہ ہے“ (2)۔ قیامت کے متعلق فرمایا: إِنَّ السَّاعَةَ... یعنی قیامت کا وقوع یقینی اور ضروری ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ”أَحْفِيهَا“ کے بعد ”مِنْ نَفْسِي“ کے الفاظ بھی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کبھی بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہو سکتی۔ اس قرأت کے مطابق معنی یہ ہو گا کہ قیامت آنے والی ہے، اگر ممکن ہو تو میں اسے اپنی ذات سے بھی پوشیدہ رکھوں لیکن میری ذات سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہم آكَادُ أَحْفِيهَا کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں قیامت کے متعلق کسی کو مطلع نہیں کروں گا۔ سدی کہتے ہیں کہ زمین و آسمان کے مکینوں میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم غفل رکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ الفاظ ہیں: ”إِنِّي أَكَادُ أَحْفِيهَا مِنْ نَفْسِي“ یعنی میں نے تمام مخلوقات سے اسے مخفی کر رکھا ہے، اگر اپنی ذات سے بھی اسے پوشیدہ رکھنا ممکن ہوتا تو میں ایسا بھی ضرور کر گزرتا۔ ایک قرأت میں ”أَحْفِيهَا مِنْ نَفْسِي“ ہے۔ قوادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کو مقرب فرشتوں اور انبیاء و رسل سے بھی چھپا رکھا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فرمایا: قُلْ لَا يَمْلِكُ مِنْ فِي السَّلْوَاتِ وَالْأَمْْرِضِ الْعَيْبِ إِلَّا اللَّهُ (النمل: 65) ”فرمائیے، نہیں جانتے غیب کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔“ قُلْتُ فِي السَّلْوَاتِ وَالْأَمْْرِضِ لَا تَأْتِيَنَّهُمْ إِلَّا بَشْرٌ شِدْقٌ (الاعراف: 187) ”یہ (حادثہ) آسمانوں اور زمین میں بہت گراں ہے۔ یہ نہ آئے گی تم پر مگر اچانک“ یعنی زمین و آسمان والوں پر اس کا علم بھاری ہے۔ درقواء کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر نے مجھے ”أَحْفِيهَا“ (فتح الف کے ساتھ) پڑھایا ہے۔ اس قرأت کے مطابق اس کا معنی ظاہر کرنا ہے۔ قیامت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: يُخْفِيهِمْ... یعنی میں اس لئے قیامت برپا کروں گا تاکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا کروں جیسا کہ فرمایا: قَمَنَ يَمَعِلُ وَمَثَقَالِ ذَرَّةٍ وَخَيْرٌ يَوْمَ الْقَدَرِ (قرآن مجید: 81) وَ قَمَنَ يَمَعِلُ وَمَثَقَالِ ذَرَّةٍ وَخَيْرٌ يَوْمَ الْقَدَرِ (الزلزال: 8-7) ”پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی

کی ہوگی اسے بھی وہ دیکھ لے گا۔ ”إِنَّمَا تُحَدِّثُونَ صَالِحَاتٍ تَتَذَكَّرْنَ (التحریم: 7) ”تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔“ اور اس فرمانِ قَلْبًا صِدْقًا تِلْكَ ۔ کا مخاطب ہر بر شخص ہے یعنی ایسے لوگوں کی چیر دی نہ کرو جو قیامت کو جھٹلاتے ہیں، دنیاوی لذات میں کھوئے ہوئے ہیں، اپنے مولیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کے اسیر بنے ہوئے ہیں۔ جس نے ان کی موافقت کی وہ غائب و خاسر ہو گیا اور بربادی اس کا مقدر بن گئی۔ ”تو دی“ ہلاک و برباد ہونے کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى (اللیل: 11) ”اور اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ ہلاک ہوگا۔“

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسَىٰ ۙ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۗ أَتَوَكَّلُ عَلَيْهَا وَا أَهْلِي بِهَا عَلَىٰ عَسَىٰ
وَلِي فِيهَا مَأْرَبٌ أُخْرَىٰ ۙ قَالَ أَتَقْتَلُهَا فِإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ۙ قَالَ
حَدِّثْهَا وَلَا تَخَفْ ۗ سَعِيدٌ هَالِكٌ لِئَلَّا تُؤَلَّىٰ ۙ

”اور (ندا آئی) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! عرض کی (میرے رب!) یہ میرا عصا ہے۔ میں ٹیک لگاتا ہوں اس پر اور میں پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں کے لئے اور میرے لئے اس میں کئی اور فائدے بھی ہیں۔ حکم ہوا ڈال دے اسے زمین پر اے موسیٰ! تو آپ نے اسے زمین پر ڈال دیا پس اچانک وہ سانپ بن کر (دوہرا دھر) دوڑنے لگا۔ حکم ہوا اسے پکڑ لو اور مت ڈرو۔ ہم لو تادیں گے اسے اپنی پہلی حالت پر۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واضح برہان اور خلاف عادت رونما ہونے والے عظیم معجزہ سے سرفراز کیا جس کا ظہور صرف قدرتِ خداوندی سے اور صرف رسول کے ہاتھ پر ہی ممکن ہے۔ یہ معجزہ ہے عصا کا اڑدھا بن جانا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ سوال کرنا و صَالِحَاتٍ تِلْكَ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سے مانوس کرنے کی غرض سے تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں استقباحم تقریری ہے، اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں جو کچھ ہے کیا یہ تمہارا وہ غذا نہیں جسے تم اچھی طرح پہچانتے ہو۔ اب عنقریب تم ملاحظہ کر لو گے کہ ہم اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ جواب میں آپ نے عرض کی: هِيَ عَصَايَ..... یعنی یہ میرا عصا ہے، چلتے ہوئے میں اس پر سہارا لیتا ہوں اور درختوں سے اس کے ساتھ پتے جھاڑتا ہوں تاکہ میری بکریاں انہیں چر لیں۔ امام مالک ”ہش“ کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ آدمی کا ڈنڈے کے مڑے ہوئے سرے کوٹنی میں ڈال کر اس طرح حرکت دینا کہ صرف پتے اور پھل گریں، نبی نہ ٹوٹنے پائے (1)، پھر عصا کے بارے میں مزید یہ بیان کیا: وَلِي فِيهَا مَأْرَبٌ أُخْرَىٰ یعنی اس کے ساتھ میری دیگر ضروریات اور فوائد بھی وابستہ ہیں۔ بعض لوگوں نے تکلف سے کام لیتے ہوئے ان فوائد اور ضروریات کو بیان کیا ہے جنہیں یہاں ہم رکھا گیا ہے، کہتے ہیں کہ یہ عصا رات کی وقت روشنی فراہم کرتا، جب آپ علیہ السلام سو جاتے تو یہ بکریوں کی نگہبانی کرتا اور اگر زمین میں اسے گاڑ دیتے تو سایہ دار درخت بن جاتا۔ اسی طرح کے اور بھی خلاف عادت امور اس سے صادر ہوتے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ اس طرح نہیں تھا کیونکہ اگر واقعی ایسا ہوتا تو جب یہ عصا اڑدھا بن کر لہرانے لگتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر خوفزدہ نہ ہوتے اور نہ ہی ڈر کر بھاگتے۔ یہ اسرائیلی روایت معلوم ہوتی ہے، بالکل اسی طرح بعض کا یہ قول ہے کہ یہ عصا حضرت آدم علیہ السلام کا تھا اور یہ قول بھی افسانہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہی عصا قیامت کے قریب ”ذَابَةُ الارض“ کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس عصا کا نام

”ماشاء“ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ عصا زمین پر ڈالتا تو اس نے ایک بہت بڑے اور لمبے اتر دھسے کی شکل اختیار کر لی اور تیزی سے حرکت کرتے ہوئے لہرانے لگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درخت اس کے سامنے آیا تو وہ اسے نکل گیا، ایک چٹان کے پاس سے گزر ہوا تو اسے ہزپ کر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چٹان کے اس کے پیٹ کے اندر گرنے کی آواز سنائی دی۔ چنانچہ آپ خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ندادی کہ اسے پکڑ لو لیکن آپ نے اسے نہ پکڑا، پھر دوسری مرتبہ ندا ہوئی کہ اسے پکڑ لو اور مت ڈرو، اب بھی آپ نے اسے نہ پکڑا۔ تیسری بار آپ سے فرمایا گیا کہ تم امن میں ہو۔ اب آپ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا (۱)۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے عصا کو زمین پر ڈال دیا۔ پھر جب اچانک اس پر آپ کی نظر پڑی تو آپ کو ایک بہت بڑا اتر دھا دکھائی دیا جو زمین پر اس طرح تیزی سے چل رہا تھا گویا کسی چیز کی تلاش ہے اور وہ اسے پکڑنا چاہتا ہے۔ گامین اونٹنی جیسے بڑے بڑے پتھروں کو نکل رہا تھا اور بڑے بڑے درختوں کی جڑوں میں اپنی دائرہ بیست کرتا اور اسے جڑ سے اکھین کر رکھ دینا، اس کی آکھیں آگ کی طرح روشن تھیں، عصا کا مڑا ہوا سر اگنی کی شکل اختیار کر گیا اور اس کے بال نیزے کی طرح تھے۔ لائچی کی دونوں شاخیں ایک وسیع و عریض کٹوال بن گئیں جس میں پیسے دینے والے دانت اور دائرہ جیسے بھی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ہیئت ناک منظر دیکھا تو اٹھنے والے پاؤں بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ پھر آپ کو اپنے رب کی یاد آئی تو حیاء کے باعث ٹھہر گئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو واپس لانے کے لئے کہا۔ آپ واپس پلٹے تو شدید خوفزدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے پکڑ لو اور مت ڈرو، ہم اسے یہی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اون کا مکمل اتر دھسے ہوئے تھے جسے آپ نے ایک کانٹے کے ساتھ اٹکا رکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اتر دھسے کے پکڑنے کا حکم دیا تو آپ نے مکمل کا ایک کنارہ اپنے ہاتھ سے لپیٹ کر پکڑنا چاہا۔ اس پر ایک فرشتے نے آپ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! یہ تو تباہی، جس چیز کا آپ کو خطرہ ہے اگر اللہ تعالیٰ اتر دھسے تو اس کا حکم دے دے تو کیا آپ کا مکمل آپ علیہ السلام کو بچا سکتا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، لیکن میں ضعیف ہوں اور میں ضعیف ہی پیدا ہوا ہوں۔ چنانچہ آپ نے مکمل ہٹا کر اپنا ہاتھ اتر دھا کے منہ پر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس کے دانتوں اور دائرہ جوں کی آہٹ سنائی دینے لگی، پھر جب آپ نے اسے پکڑا تو وہی پیسے والا عصا بن گیا، جہاں سے پکڑا آپ علیہ السلام پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اب بھی ہاتھ اسی جگہ پر تھا، اس لئے فرمایا: سُبْحٰنَ مَا سُبْحٰنَ رَبِّہَا الْاَعْلٰی۔

وَاصْبِرْ يَبْنَكَ اِلَىٰ جَنَاحِكَ تَحْتَوِجْرُ بِيْضًا مِّنْ غَيْرِ سُوْءٍ اَيُّهُ الْاَحْمَرٰی ﴿۱﴾ لِيُوْرِيْكَ مِنْ اَيْتِنَا الْكُبْرٰی ﴿۲﴾ اِذْ هَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اَسْرِخٰنِيْ صَدْرِيْ ﴿۴﴾ وَ يَسْزِيْ اَمْرِيْ ﴿۵﴾ وَ اَحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۶﴾ يَفْتَقُوْنَ اَقْوَابِيْ ﴿۷﴾ وَ اجْعَلْ لِّيْ وَرِيْءًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۸﴾ هٰرُوْنَ اَنْحٰی ﴿۹﴾ اَسْدُدْ بِہٖ اَرْبَعِيْ ﴿۱۰﴾ وَ اَسْرِكُهٗ فِيْ اَمْرِيْ ﴿۱۱﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَاۓِصِيْرًا ﴿۱۴﴾

”اور (عصا بن گیا) دیا لو اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے یہ نکلے گا خوب سپید ہو کر بغیر کسی بیماری کے یہ دوسرا معجزہ (ہم نے تمہیں دیا)

ہے۔ تاکہ ہم دکھائیں تمہیں اپنی بڑی نشانیاں۔ (اب) جائے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ آپ نے دعا مانگی اسے میرے پروردگار! کشادہ فرماوے میرے لئے میرا سینہ اور آسان فرماوے میرے لئے میرا یہ (کٹھن) کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی۔ تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات۔ اور مقرر فرما میرے خاندان سے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔ مغبوط فرماوے اس سے میری کمر۔ اور شریک کر دے اسے میری (اس) مہم میں۔ تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ بیشک تو ہمارے (ظاہر و باطن کو) خوب دیکھنے والا ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزے کا ذکر ہو رہا ہے، وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی بغل میں اچھا ہاتھ ڈال کر باہر نکالنے کا حکم دیا تو وہ چمکتا دمکتا باہر نکلا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں یہ صراحتاً مذکور ہے، یہاں فرمایا: **وَاضْمُمُ يَدَكَ**۔ ایک اور مقام پر فرمایا: **وَاضْمُمُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ النَّهْبِ قُلُوبَكَ بِرُحْمَانٍ مِنْ رَبِّكَ إِنْ فِرْعَوْنُ وَمَلَآئِكَهُ** (القصص: 23) ”اور خوف دور کرنے کے لئے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لے تو یہ تمہارے رب کی طرف سے دو ولیئیں ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کے طرف“۔ مجاہد کے بقول آیت کریمہ میں ”الی“ بمعنی ”نعت“ اور جناح بمعنی عضد (بازو) ہے یعنی اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے دالو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بھی اپنا ہاتھ اپنی بغل میں داخل کر کے نکالنے کو وہ چمکتا ہوا باہر نکلا، یوں محسوس ہوتا گویا وہ چاند کا کترا ہے۔ **مِنْ غَيْبِ مَوْجِكَ** مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کا خوب سفید ہو کر لکنا نہ برس کے باعث تھا، نہ کسی بیماری اور نہ کسی عیب کے سبب تھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو وہ چراغ کی طرح روشن نکلا، اس سے آپ کا یہ یقین مزید پختہ ہو گیا کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو رہے ہیں، اس لئے فرمایا: **لِيُؤَيِّنَكَ ... (1)**۔ وہ ب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قریب ہونے کا حکم دیا۔ آپ قریب ہونے لگے یہاں تک کہ آپ اس درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر اور پر سکون ہو کر کھڑے ہو گئے۔ خوف جاتا رہا، آپ نے اپنے عصا کا سہارا لیا اور سر جھکا کر اور گردن خم کئے ہوئے ہمدن گوش ہو گئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے انتہائی اہم قوم داری سوچتے ہوئے فرمایا: **إِذْ هَبْنَا إِبْرَاهِيمَ**۔ یعنی مہر کے بادشاہ فرعون کی طرف جاؤ جس کی دست برد سے محفوظ رہنے کے لئے تم نے جلاوطنی اختیار کی تھی اور اسے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دو اور اسے حکم دو کہ وہ اپنی اسرائیل کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور انہیں تکلیفیں دینے سے باز رہے۔ یہ ایسا بد بخت ہے جس نے سرکشی اور بغاوت کی روش اختیار کی ہوئی ہے اور دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہو کر اپنے رب حقیقی کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ وہ ب بن معبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا پیغام لے کر اس کے پاس جاؤ، تم میرے کانوں کے بالکل قریب اور میری آنکھوں کے بالکل سامنے ہو، میرے ہاتھ اور میری نصرت تمہارے شامل حال ہے، میں نے اپنی قوت کی ڈھال تمہیں پہنا دی ہے تاکہ اس جہم میں تمہیں بھر پور طاقت نصیب ہو، تم میرے لشکروں میں ایک عظیم لشکر ہو، میں اپنی مخلوق میں سے ایک کمزور سے بندے کی طرف تمہیں روانہ کر رہا ہوں جو میری عطا کردہ نعمتوں پر اترتا ہے، میری خفیہ تدبیر سے سبے خوف ہے اور دنیا نے اسے دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لئے وہ میرے حق کا انکار کرتا ہے، میری ربوبیت کو جھٹلاتا ہے اور یہ گمان کئے ہوئے ہے کہ وہ مجھے نہیں پہنچاتا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر میں نے مہلت نہ دی ہوتی تو میں اس قدر سخت گرفت کرتا کہ آسمان، زمین، پہاڑ اور سمندر بھی اس پر غضبناک ہو جاتے۔ اگر میں آسمان کو حکم دوں تو وہ اس پر پتھر برسائے، اگر زمین کو حکم دوں تو وہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر

پہاڑوں کو حکم دوں تو وہ اسے تباہ و برباد کر دیں اور اگر سمندروں کو حکم دوں تو وہ اسے غرق کر دیں، لیکن وہ میرے یہاں ذلیل و رسوا ہو گیا ہے، میری نظروں سے گر گیا ہے، میرا علم اسے بچائے ہوئے ہے۔ درحقیقت صرف میں ہی بے نیاز ہوں، میرے سوا کوئی بے نیاز نہیں، پس میرا پیغام اسے پہنچا دو، میری عبادت، توحید اور اخلاص کی اسے دعوت دو، میری نعمتیں اسے یاد دلاؤ، میرے عذاب اور پکڑ سے اسے خبردار کرو، اسے آگاہ کرو کہ میرے غضب کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی اور یہ پیغام پہنچاتے ہوئے نرم لہجہ اٹھیا کر کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا مجھ سے ڈرنے لگے۔ اسے یہ بھی بتا دو کہ میں غضب اور عقاب کی نسبت غفور و مغفرت کو زیادہ محبوب رکھتا ہوں اور اس کی ظاہری سچ و صبح سے مرعوب نہ ہو جانا۔ اس کی پیشانی کے بال میرے ہاتھ میں ہیں، میرے اذن کے بغیر نہ وہ گفتگو کر سکتا ہے، نہ پلک جھپک سکتا ہے اور نہ سانس لے سکتا ہے۔ اسے یہ حکم دو کہ وہ اپنے پروردگار کے پیغام کو قبول کر لے، وہ اسے بخش دے گا کیونکہ وہ وسیع مغفرت والا ہے۔ اسے یہ یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چار سو سال مہلت دیے رکھی لیکن تو اس دوران اس کا مقہ بلکہ کرتا رہا، اسے برا بھلا کہتا رہا اور اس کے بندوں کو راہ راست سے برگشتہ کرتا رہا حالانکہ وہ تم پر آسمان سے بارش برساتا ہے اور تمہارے لئے زمین سے طرح طرح کی چیزیں اگاتا ہے۔ یہ اس کا انعام ہے کہ نہ تجھے بیماری میں مبتلا کیا گیا، نہ تجھ پر بڑھاپا آیا، نہ تو محتاج ہو اور نہ مغلوب۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے نوراً سزا دینا چاہتا تو وہ ایسا کرنے پر قادر تھا لیکن وہ بہت حلیم اور بردبار ہے۔ جاؤ، اپنے بھائی کے ساتھ فرعون سے جدا کرو، اس کا تمہیں اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ اگر میں چاہتا تو اس کے مقابلے میں ایسے لشکر لاتا جن کے مقابلے کی یہ تاب نہ لاسکتا۔ لیکن ایسا کرنا میری مشیت نہیں تاکہ اس فریب خوردہ، خود پسند، تکبر اور کمزور بندے کو معلوم ہو جائے کہ کم تعداد پر مشتمل میری جماعت کثیر تعداد پر میری توفیق سے غالب آجاتی ہے۔ یاد رکھنا کہ فرعون کی ظاہری زیب و زینت اور ٹھاٹھ ہاتھ تم دونوں کو تعجب میں نہ ڈال دے بلکہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کرنا کیونکہ یہ دنیاوی زندگی کی آرائش اور عیش و عشرت کے دلدادہ لوگوں کے لئے زیب و زینت ہے۔ اگر میں چاہتا تو تمہیں بھی دنیاوی زینت سے آراستہ کر دیتا تاکہ فرعون اسے دیکھ کر جان لیتا کہ اس کی قدرت اس کے سامنے سچ ہے لیکن میں دنیا سے تم دونوں کو دور رکھنا چاہتا ہوں اور میں اپنے دوستوں کے ساتھ اسی طرح کرتا ہوں۔ شروع سے ہی میری سنت یہی ہے کہ میں اپنے مقبول بندوں کو عموماً دنیاوی نعمتوں اور دلفریب چیزوں سے بچا کر رکھتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے ایک مشفق چرواہا اپنے اونٹوں کو تکلیف دہ مقامات سے بچا کر رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی میرے ہاں کوئی وقعت نہیں بلکہ اس لئے تاکہ دار آخرت میں انہیں کھل اور وافر انعامات سے شاد کام کیا جائے۔ جان لو میرے بندوں کے لئے میرے نزدیک زہد سے بڑھ کر کوئی زینت نہیں، یہ متعین کے لئے زینت ہے جو سکینت اور خشوع و خضوع کا لباس پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں، یہی میرے سچے اور حقیقی اولیاء ہیں۔ جب ان کے ساتھ تمہاری ملاقات ہو تو ان کے لئے اپنے پروں کو جھکا دیا کرو اور اپنے دل اور زبان کو ان کا مطیع بنا لو۔ جان لو جس نے میرے ولی کی اہانت کی یا اسے خوفزدہ کیا، اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کر دیا اور خود کو خطرے میں ڈال دیا۔ میں اپنے اولیاء کی فوراً مدد کرتا ہوں۔ میرے ساتھ جنگ کرنے والا کیا یہ گمان کرتا ہے کہ وہ میرے سامنے ٹھہرنے کی قدرت رکھتا ہے، کیا میرے ساتھ دشمنی رکھنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ وہ مجھے عاجز کر دے گا اور کیا مجھے دعوت مبارزت دینے والا یہ سوچ رکھتا ہے کہ وہ مجھ پر غالب آجائے گا یا مجھ سے بچ نکلے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے حالانکہ میں دنیا و آخرت میں اپنے اولیاء کی خاطر انتقام لینے والا ہوں اور ان کی فتح و نصرت کو میں کسی غیر کے سپرد نہیں کرتا۔ پھر عرض کی: قال رب انہ زہد... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ التجا اس لئے کی کہ

آپ کی ذمہ داری بہت بڑی تھی اور نہایت اہم اور مشکل فریضہ آپ نے انجام دینا تھا۔ آپ کو ایسے شخص کی طرف مبعوث کیا گیا جو اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا، سب سے جاہل، سخت کافر، سب سے زیادہ لادانگہ والا، سب سے زیادہ معمر، سب سے زیادہ باغی اور سرکش بادشاہ تھا۔ اس کی سرکشی اور حماقت اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا بلکہ اس (فرعون) کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ عجمین میں حضرت موسیٰ فرعون کے پاس اسی کے گھر میں پرورش پاتے رہے۔ جب جوان ہوئے تو ان کا ایک آدمی آپ کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ آپ اس خوف کے پیش نظر کہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے، وہاں سے چلے گئے اور اتنی مدت جلاوطن رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دعوت تو حید دینے کے لئے آپ کو منصب رسالت پر فائز فرما دیا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: رَبِّ اِنِّىٓ اَشْهَدُكَ ۔ یعنی اے میرے رب! اگر تو میرا حامی و ناصر اور دوست و بازو نہیں ہوگا تو مجھ میں اس فریضہ کی ادائیگی کی طاقت نہیں۔ پھر مزید یہ التجا کی: فَاِخْلُفْ عَفْوَكَ ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زبان میں لکنت کا اثر تھا۔ عجمین میں آپ کے سامنے کھجور اور انکار رکھا گیا۔ آپ نے انکارے کو پکڑ کر منہ میں رکھ لیا اس لئے زبان لکنت کا شکار ہو گئی۔ اس کا بیان عنقریب ہونے والا ہے۔ آپ نے یہ دعا نہیں کی کہ آپ کی لکنت مکمل طور پر زائل ہو جائے بلکہ بقدر حاجت سوال کرتے ہوئے یہی دعا کی کہ زبان کی اس قدر گرہ کھل جائے جس سے لوگ بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اگر آپ تمام لکنت کے ازالہ کا سوال کرتے تو تمام کی تمام ختم ہو جاتی لیکن انبیاء کرام بقدر ضرورت سوال کرتے ہیں، اس لئے لکنت کا کچھ اٹھاتی رہ گیا۔ فرعون نے بھی اس چیز کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا تھا: اَمْ اَرَاۤىٓ اَخْبَرْتَنِ لَیْسَ اِلٰہِیْ حَٰوًۢا مَہْمًۢوًۢا فَاَنْتَ تَبْکُۡرُۢا بِیْہِۡنِۡ (الزخرف: 1) ”کیا میں اس شخص سے بہتر نہیں ہوں جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا“۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک گرہ کھولنے کی درخواست کی تھی اگر وہ تمام کی دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے قبول فرماتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے لکنت کی شکایت کی اور اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ کہیں فرعون نے اپنے عقول کے بدلے میں آپ کو قتل ہی نہ کر دیں اور یہ درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی ہارون کو آپ کا معاون بنادے تاکہ وہ آپ کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ کی وہ باتیں لوگوں تک پہنچائیں جنہیں لکنت کے باعث آپ صاف طور پر نہیں بیان کر سکتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے آپ کی زبان کی گرہ کو کھول دیا۔ محمد بن کعب کے پاس ان کا ایک رشتہ دار آیا اور انہیں کہنے لگا کہ آپ صاف طور پر بات نہیں کر سکتے، کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ بولنے میں غلطی نہ کرتے۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! کیا میری بات کی تمہیں سمجھ نہیں آتی؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے صرف یہ سوال کیا تھا کہ وہ زبان کی ایک گرہ کھول دے تاکہ نبی اسرائیل آپ کی بات کو سمجھ سکیں۔ اس سے زیادہ آپ نے دعا نہیں کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات سے ہٹ کر ایک امر خارجی یعنی اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی معاونت کے حصول کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی: فَاِجْعَلْ لِّیْ ذَرِیْرًا ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی اس وقت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا کر دی گئی (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئیں، دوران سفر آپ ایک اعرابی کے پاس ٹھہریں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ ایک آدمی یہ استفسار کر رہا ہے کہ دنیا میں وہ کون سا بھائی ہے جس نے سب سے زیادہ اپنے بھائی کو نفع پہنچایا ہے؟ لوگ کہتے گئے کہ ہمیں نہیں معلوم، وہ شخص کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے۔ حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ شخص ان شاء اللہ کہے بغیر قسم اٹھا رہا ہے، اسے معلوم ہے دنیا میں کون سا بھائی سب سے زیادہ اپنے بھائی کے لئے نفع کا باعث بنا۔ اس نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام جب انہوں نے اپنے بھائی کو بھی منصب نبوت پر فائز کرنے کی التجا کی تھی۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ واقعی اس شخص کی بات سچی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی توصیف کرتے ہوئے فرمایا: وَكَانَ عَلِيمًا اللَّهُ وَحِيمًا (الاحزاب: 69) ”اور آپ اللہ کے نزدیک بڑی شان والے تھے“، پھر یوں عرض گزار ہوئے: اَلشُّدُوبَةُ اَزْرَبِي مَجَاهِدٌ فَرَمَاتِي هِيَ كَمَا لَللَّهِ تَعَالَى كَوَيْلَتٌ يَادُ كَرْنِي وَالْوَلُونَ فِي بَدْعِ كَا شَارِ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ آخر میں عرض کی: اِنَّكَ كُنْتَ بِنَائِي وَمِنْ بَيْنِي مِمَّنْ تَقْبَلُ كَرْنِي بِشَرَفِ نُبُوْتٍ سَعَى لُوَا زْنِي اُوْدِرْفَرَعُونَ كِي طَرَفِ مَبْعُوْثِ كَرْنِي مِيْنِ تُو مِيْسِ بَخُوْبِي رَيَكِيْنِي بَهَالْنِي وَا لَا هِيَ۔

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتِ سُوْلَكَ يَمُوْسَى ۞ وَ لَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَكًا اٰخَرَى ۞ اِذَا وُوْحِيْنَا اِلَى اُمِّكَ مَا يُوْحَى ۞ اِنْ اَقْبَدِي فِيْهِ فِي التَّابُوْتِ قَاظِدٌ فِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْقِذْهُ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْكَ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لِّهٖ ۞ وَ اَلْتَقِيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مَّيْنِيْ ۞ وَ اِلْتَصَمْتُ عَلٰى عَيْنِيْ ۞ اِذَا نَسِيْتِيْ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدْلُكُمْ عَلٰى مَنْ يَكْفُلُهٗ ۞ فَرَجَعْتُ اِلَى اُمِّكَ كِي تَقْرَ عَيْنَهَا وَلَا تَحْزَنُ ۞ وَ قَتَلْتُ نَفْسًا فَانْجَيْتُكَ مِنَ النِّعَمِ وَ قَتَلْتُكَ فَمُتْنَا ۞

”جواب ملا منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اسے موسیٰ! اور ہم نے احسان فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی۔ جب ہم نے وہ بات الہام کی تمہاری ماں کو جو الہام ہی کہنے جانے کے قابل تھی۔ یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں پھینک دیا گئے دریا ساحل پر پھر پکڑے گا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے۔ اور (اسے موسیٰ) میں نے پر تو ڈالا تھا پر محبت کا اپنی جناب سے (تا کہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے) اور (اس تہذیب کا نشانہ تھا) کہ آپ کی پرورش کی جائے میری چشم (کرم) کے سامنے۔ یاد کرو جب چلتے چلتے آئی آپ کی بہن اور کہنے لگی (فرعون کے اہل خانہ سے) کیا میں بتاؤں تمہیں وہ آدمی جو اس کی پرورش کر سکے۔ پس (یوں) ہم نے آپ کو لوٹا دیا آپ کی ماں کی طرف تاکہ (آپ کو دیکھ کر) اپنی آنکھ ٹھنڈی کرے اور غمناک نہ ہو۔ اور (تمہیں یاد ہے جب) تو نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو پس ہم نے نجات دی تھی تمہیں غم و اندوہ سے اور ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا“۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کی منظور فرمائی اور اس گزشتہ انعام کا تذکرہ فرما رہا ہے جو اس نے آپ کی ولادت کے بعد آپ پر کیا تھا۔ اس وقت آپ کی والدہ آپ کو دووہ پلائی تھیں اور اس بات سے سخت رنجیدہ اور خوفزدہ تھیں کہ فرعون نے اس معصوم بچے کو قتل کر ڈالیں گے کیونکہ آپ علیہ السلام کی پیدائش اس سال میں ہوئی جس سال نوزائیدہ بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ام موسیٰ نے اپنے شیرخوار لخت جگر کو دووہ پلا کر صندوق میں رکھ دیا، پھر صندوق کو دریا کے نیل کے سپرد کر دیا، انہوں نے ایک رسی سے صندوق کو باندھ رکھا تھا جس کا ایک سر اپنے مکان سے باندھا لیا تھا، ایک سر تہذیبی باندھنے لگیں تو رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور دریا صندوق کو بہا لے گیا۔ اب وہ شدید غم و اندوہ کا شکار ہو گئیں جس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اَصَابَتْهُمُ لَمُوْذُ اُوْدِرْمُوْسَى عَلٰى مَا اِنَّ كَاذِبٌ لِّبْنِيْ يَمُوْسَى اَنْ تَرَ بَطْشًا عَلٰى

قُلُوبَهُمَا (القصص: 10) ”اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دے مگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط کر دیا ہوتا۔“ یہ تابوت دریا میں بہتے بہتے فرعون کے محل تک پہنچ گیا۔ یہاں آل فرعون نے اسے پکڑ لیا جس کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا: فَانقَلَبْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ رَبُّنَا وَعْدُوًّا وَمَنْ أَدْرَاكَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (القصص: 8) ”پس فرعون کے گھر والوں نے اسے نکال لیا تاکہ (انجا مکار) وہ ان کا دشمن اور باعث رنج و الم بنے،“ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کا فیض تھا حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وجود کے خوف سے فرعون بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ جو عظیم طاقت اور مکمل قدرت کا مالک ہے، اس کی تدبیر اور فیصلے کا تقاضا یہ تھا کہ آپ اس دشمن خدا فرعون کے ہاں ہی پرورش پائیں اور اسی کے گھر میں آپ کے قیوم و وطعہ اور جسد آسائش کا بندہ بست کر دیا جائے، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی بیوی کے دل میں آپ کی محبت پیدا کر دی، اس لئے فرمود: يَا حَتُّبَةُ قَيْثِي۔ اس فرمان و التَّقِيْتُ... کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہیں تمہارے دشمن کے دل میں محبوب بنا دیا۔ سلمہ بن کہیل اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بندوں کے ہاں تمہیں محبوب بنا دیا۔ ابو عمران جوئی اس فرمان و لِيُحِبُّكُمْ عَلَيَّ كَيْفَ يَشَاءُ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں: تاکہ اللہ تعالیٰ کی چشم کرم کے سامنے آپ کی تربیت کی جائے۔ عقادہ کہتے ہیں: تاکہ میری آنکھوں کے سامنے تمہاری غذا کا انتظام ہو۔ معمر بن شیبہ اس کے متعلق کہتے ہیں: تاکہ آپ کی پرورش اس طرح ہو کہ میں دیکھتا رہوں۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلمہ اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں نے موسیٰ علیہ السلام کی رہائش کا انتظام بادشاہ کے گھر میں کیا ہے تاکہ وہ آرام و آسائش کے ساتھ وہیں رہیں اور انہیں شامی غذا میسر ہو۔ پھر فرمایا: اِذْ تَتَذَكَّرُ اٰمِنًا... یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ آل فرعون کے ہاں قرار پذیر ہو گئے اور انہوں نے آپ کو دودھ پلانے کے لئے یکے بعد دیگرے کئی عورتیں مقرر کیں لیکن آپ نے ان کا دودھ پینے سے منہ موڑ لیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَرَّمْنَا عَلَيْكَ الْبَسَاتِينِ وَالْبِضَاعَ وَمِنْ قَبْلُ (القصص: 12) ”اور ہم نے اس سے پہلے اس پر دودھ پلانے والیاں حرام کر دیں،“ اسی اثناء میں آپ کی بہن وہاں پہنچ گئی اور انہیں کہنے لگی: قُلْ اَدُّوْكُمْ عَلٰى اٰخِلِيَّ بِيْتِيْ يٰقُلُوْبُوْنَ اِنَّكُمْ تَكْفُرُوْنَ (القصص: 12) ”کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کا پتہ نہ دوں جو تمہاری خاطر اس کی پرورش کریں اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں گے،“ وہ سب اس پر رضامند ہو گئے، چنانچہ آپ علیہ السلام کی بہن نے اپنے ننھے بھائی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیا اور اپنی والدہ کے پاس چلی آئی، وہ سب لوگ بھی ساتھ تھے۔ آپ علیہ السلام کی والدہ نے جوئی آپ علیہ السلام کو سینے کے ساتھ لگایا، آپ علیہ السلام نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر آل فرعون کو بڑی مسرت ہوئی اور انہوں نے آپ علیہ السلام کی والدہ کو آپ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھ لیا۔ اس طرح ام موسیٰ کو آپ علیہ السلام کے طفیل دنیا میں بھی سعادت، عظمت اور راحت نصیب ہوئی اور آخرت میں تو اس سے بھی عظیم اور لر القدر انعامات عطا کئے جائیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”اپنے کام میں بھلائی کو پیش نظر رکھنے والے کا ریکہ کی مثال ام موسیٰ کی سی ہے جو اپنے ہی بچے کو دودھ پلاتی اور اجرت بھی لیتی“ (1)۔ اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے: فَذَرْنُوْهُنَّ اِيَّ اٰمِنَاتٍ یعنی ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف کو نہ دیا تاکہ آپ دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ تمہارے متعلق غمزہ نہ ہو اور تم نے ایک قبلی کو قتل کر دیا تھا چنانچہ ہم نے تمہیں غم و اندوہ سے نجات دی۔ چونکہ فرعون نے آپ کو قتل کرنے کے درپے تھے اس لئے آپ پریشانی کے عالم میں وہاں سے بھاگے اور مدینہ کے چشمہ پر پہنچ گئے۔ وہاں ایک صالح بندے نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا: لَا تَحْزَنْ نَحْنُوْا مِنَ الْاَقْوَامِ الطَّالِبِيْنَ (القصص: 25) ”زرا نہیں تم ظالم

قوم سے بچ کر نکل آئے ہو۔“ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **وَقَدْ عَلِمْتُمْ لِيَوْمِئِذٍ** کی تفسیر پوچھتے ہوئے دریافت کیا کہ ”فتون“ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اب تو رات ہونے والی ہے، کل بتاؤں گا۔ اگلے روز میں صبح صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے وعدے کے ایفاء کی درخواست کی اور فتون کی تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا: فرعون کے دربار میں فرعون اور اس کے ہم نشینوں کے درمیان یہ بات چل نکلی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ ان کی اولاد میں انبیاء اور بادشاہ ہوں گے۔ ایک درباری کہنے لگا کہ بنی اسرائیل کو اس بارے میں کوئی شک نہیں اور وہ اس کے منتظر ہیں۔ پہلے تو ان کا خیال تھا کہ حضرت یوسف عنیدہ السلام مصر کے بادشاہ ہوں گے لیکن جب وہ فوت ہو گئے تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس طرح وعدہ نہ تھا۔ بہر صورت ایک نبی کا ان میں ظہور ہوگا جو سلطنت مصر کا فرمانروا بھی ہوگا۔ فرعون اپنے حاشیہ نشینوں سے پوچھنے لگا کہ اس خطرے سے بچاؤ کے لئے تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے آپس میں مشاورت کے بعد اس بات پر اتفاق کیا کہ پولیس کی کچھ نفری کو چھریاں فراہم کر کے یہ ذمہ داری سونپ دی جائے کہ وہ بنی اسرائیل کے گھروں میں چکر لگاتے رہا کریں اور جو نبی کسی کے ہاں نرینہ اولاد پیدا ہو، فوراً اسے ذبح کر دیں۔ اس طرح بنی اسرائیل کے نومولود بیٹوں کے قتل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد انہوں نے سوچا کہ اس طرح تو بنی اسرائیل کے مردوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور ان کی خدمت اور بیگار کے لئے کوئی اسرائیلی موجود نہیں رہے گا۔ اب انہوں نے یہ طے کیا کہ ایک ماں ان کے ہاں پیدا ہونے والے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے اور ایک سال زندہ باقی رکھا جائے تاکہ زندہ رہنے والے بچے جوان ہو کر مرنے والے بوڑھوں کی جگہ لے لیں۔ اس طرح ان کی اتنی زیادہ کثرت بھی نہیں ہوگی جس سے تمہیں ان کی عدوی برتری کا اندیشہ ہو اور نہ ہی ان کا وجود بالکل ختم ہوگا کہ تمہیں خدمت گزاروں کے لئے بھی کوئی اسرائیلی نہ ملے۔ اس بات پر انہوں نے اتفاق کر لیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی ولادت اس سال ہوئی جس سال بچوں کو ذبح کرنا موقوف تھا، اس لئے آپ کی والدہ نے آپ کو اطمینان کی حالت میں جنم دیا اور آپ کی ولادت کو پوشیدہ نہ رکھا، لیکن آئندہ برس چونکہ بچوں کے قتل عام کا برس تھا، اس لئے ام موسیٰ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو انہیں سخت بے چینی لاحق ہو گئی اور غم و اندوہ نے انہیں گھیر لیا۔ اے ابن جبیر! ایک قندہ تو یہ تھا جبکہ موسیٰ عنیدہ السلام بھی اپنی والدہ کے شکم میں تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ام موسیٰ کو بذریعہ الہام یہ یقین دلایا کہ ذرنے اور غمزہ ہونے کی ضرورت نہیں، ہم تمہارے لخت جگر کو تمہاری طرف لوٹا دیں گے اور اسے منصب رسالت پر فائز کریں گے، انہیں یہ بھی حکم ہوا کہ جب اس بچے کی ولادت ہو تو اسے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا، چنانچہ جب آپ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا اور اپنے معصوم بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا۔ جب بیٹا نظروں سے اوجھل ہو گیا تو شیطاں وسوسہ انداز میں کرتے ہوئے ان کے پاس آدھکا۔ چنانچہ وہ اپنے دل میں سوچنے لگیں کہ میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا، پانی میں جانوروں اور مچھلیوں کی خوراک بننے سے بہتر یہی تھا کہ میں اپنے بیٹے کو اپنے پاس ہی رکھتی، اگر وہ میرے پاس ذبح ہو جاتا تو کم از کم میں اسے کفن پہنا کر دفن تو کر دیتی۔ بہر صورت پانی صندوق کو بہاتے بہاتے آل فرعون کے گھاٹ پر لے آیا، یہاں فرعون کی بیوی کی لونڈیوں نے جب اسے دیکھا تو پکڑ لیا، تابوت کو کھولنا چاہا لیکن ایک لونڈی کہنے لگی کہ اس تابوت میں مال و متاع ہے، اگر ہم نے اسے کھولا تو فرعون کی بیوی ہم پر چوری کا الزام لگادے گی۔ چنانچہ انہوں نے جون کا توں صندوق ملک کی خدمت میں پیش کر دیا، جب اس نے اسے کھولا تو اس میں ایک بچہ دکھائی دیا۔ اس چاند سے سن موہنے بچے کو دیکھتے ہی اسکے دل میں اس کی محبت کے

جذبات موجزن ہو گئے۔ دوسری طرف ام موسیٰ کی حالت غیر ہو گئی، دل میں اگر کوئی خیال تھا تو صرف اپنے ننھے بیٹے موسیٰ کا۔ بچوں کو قتل کرنے پر مامور قہصائیوں کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا علم ہوا تو وہ اپنی چھریاں لئے ملکہ کے پاس آدھکے تاکہ اس بچے کو زنج کر دیں۔ اسے ابن جبیر ایہ ان فتنوں اور آزمائشوں میں سے دوسرا فتنہ تھا۔ ملکہ نے انہیں کہا کہ اسے زندہ رہنے دو۔ ایک بچے سے بنی اسرائیل کی قوت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، پھر بھی میں فرعون کے پاس جا کر درخواست کرتی ہوں کہ وہ یہ بچہ مجھے سہہ کر دے۔ اگر اس نے مجھے سہہ کر دیا تو بہتر ورنہ اسے ذبح کرنے پر میں تمہیں ملامت نہیں کروں گی۔ چنانچہ ملکہ فرعون کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ یہ بچہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا۔ فرعون کہنے لگا کہ یہ تمہارے لئے تو ممکن ہے لیکن مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ کی قسم! اگر فرعون بھی اپنی بیوی کی طرح یہ اقرار کر لیتا کہ یہ بچہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ضرور ہدایت عطا فرمادیتا جیسا کہ اس کی بیوی کو ہدایت سے سرفراز کیا تھا لیکن اس کی اکثر نے اسے ہدایت سے محروم رکھا۔“ ملکہ نے ارگرد کی عورتوں کو جمع کیا تاکہ ان میں سے اس معصوم بچے کے لئے دایہ کا انتخاب کیا جائے، ان میں سے جو بھی عورت آپ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے گود میں لیتی، آپ علیہ السلام کسی کے دودھ کو منہ تک نہ لگاتے۔ ملکہ کو بہت ترس آ رہا تھا کہ دودھ نہ پینے کی وجہ سے کہیں یہ معصوم فوت ہی نہ ہو جائے۔ اس وجہ سے ملکہ بہت غمزہ ہو گئی۔ آخر اسے یہ تدبیر سوچی کہ اس بچے کو بازار میں لوٹوں کے مجمع میں لے جایا جائے، ممکن ہے وہاں سے کسی ایسی دایہ کی نشاندہی ہو جائے جس کا دودھ یہ معصوم قبول کر لے لیکن وہاں بھی ناکافی ہوئی۔ ادھر شدت غم سے ام موسیٰ کی حالت غیر ہو رہی تھی، انہوں نے آپ کی بہن کو باہر بھیجا تاکہ وہ صندوق کا تاقب کرتے ہوئے جانے اور معصوم بیٹے کی خبر لائے کیا وہ زندہ ہے یا آبی جانور اسے نکل گئے ہیں۔ اس دوران انہیں دودھ فراہم ہوا جو گیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کیساتھ کر رکھا تھا۔ آپ علیہ السلام کی بہن آپ کو اس طرح چپکے سے دیکھتی رہی کہ ان لوگوں کو احساس تک نہ ہو۔ جب وہ لوگ عاجز آ گئے اور آپ نے تمام عورتوں کو مسترد کر دیا تو آپ علیہ السلام کی بہن نے فرط سرت سے کہا کہ میں ایسے گھرانے پر تمہاری رہنمائی کروں گی جو اس بچے کی پرورش کریں گے اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ یہ بات سن کر لوگوں کو کچھ شک سا گزرا، انہوں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ اس کے خیر خواہ ہیں، کیا تم اس بچے کو پہچانتی ہو؟ اسے ابن جبیر! یہ تیسرا فتنہ تھا۔ جواب میں آپ علیہ السلام کی بہن نے انہیں کہا کہ اس بچے کے لئے ان کی خیر خواہی اور شفقت اس بناء پر لازمی امر ہے کہ وہ بادشاہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے اور اس سے نفع حاصل کرنے کے ضرور خواہشمند ہوں گے۔ یہ سن کر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی والدہ کے پاس واپس آئی اور سارے حالات سے آگاہ کر دیا۔ آپ علیہ السلام کی والدہ وہاں پہنچیں اور جو نبی اپنے بیٹے کو اپنی گود میں لیا، اس نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا اور خوب سیر ہو کر پیا ہی وقت ملکہ تک یہ خوشخبری پہنچا دی گئی کہ آپ کے بیٹے کے لئے دایہ مل گئی ہے۔ ملکہ نے حکم دیا کہ دایہ اور بچے کو فوراً میرے پاس لایا جائے۔ جب ملکہ نے دیکھا کہ بچہ اس دایہ کا دودھ خوب پیتا ہے تو اس نے انہیں کہا کہ میرے ہاں قیام کرو اور میرے اس بیٹے کو دودھ پلایا کرو، اس بچے جیسی کوئی چیز مجھے محبوب نہیں۔ ام موسیٰ نے کہا کہ میں اپنے گھر اور بچوں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر تم پسند کرو تو یہ بچہ میرے سپرد کرو، میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گی اور اس کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گی، بہر صورت میں اپنے گھر یا اور بچوں کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ ام موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا وعدہ یاد آ گیا، اس لئے انہوں نے ملکہ کو اپنا مطالبہ ماننے پر مجبور کر دیا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ چنانچہ ملکہ کی رضامندی سے وہ اپنے بیٹے کو اس دن اپنے گھر لے آئیں اور یہاں اللہ تعالیٰ نے بہت عمدہ طریقے سے

آپ کو پروان چڑھایا اور ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھا۔ آپ کے طفیل اس محلے کے اسرائیلی بھی ظلم و ستم سے محفوظ ہو گئے۔ جب آپ پروان چڑھے تو ملکہ نے ایک دن ام موسیٰ کو پیغام بھیجا کہ کسی دن میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ، چنانچہ ایک دن مقرر ہو گیا جس میں بیٹے کو ملکہ کے پاس لایا جانا تھا۔ ملکہ نے ارکان سلطنت، درباریوں اور ملازمین کو یہ حکم دے دیا کہ ان میں سے ہر ایک آج بڑی گرجوٹی سے اور تختائف پیش کر کے میرے بیٹے کا استقبال کرے گا۔ میں ایک آدمی مقرر کر رہی ہوں جو تختائف کا حساب رکھے گا۔ چنانچہ آپ کے اپنی والدہ کے گھر سے روانہ ہونے سے لے کر ملکہ کے پاس پہنچنے تک لگا تار تختائف اور عطیات آپ کی نذر کئے جاتے رہے۔ جب آپ علیہ السلام ملکہ کے پاس پہنچے تو اس نے بھی تختیف پیش کیا، بڑی تعظیم سے پیش آئی اور فرحت و انبساط کا اظہار کیا۔ آپ علیہ السلام کی والدہ نے بھی عطیہ آپ علیہ السلام کی نذر کیا، پھر ملکہ کہنے لگی کہ میں اپنے بیٹے کو فرعون کے پاس بھی ضرور لے جاؤں گی وہ بھی اسے انعام و اکرام سے نوازے گا۔ جب وہ آپ کو لے کر فرعون کے پاس گئی تو اس نے آپ کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کر اسے زمین کی طرف کھینچا۔ یہ دیکھ کر دشمنان خدا گمراہ اور باری فرعون سے کہنے لگے کہ بہت تمہن ہے کہ یہ بچہ وحی ہو جس کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ آپ کے تاج و تخت کا وارث ہوگا، آپ پر غالب آجائے گا اور آپ کا خاتمہ کر دے گا، اس لئے اسے فوراً ذبح کر دیجئے۔ اسے ابن جبریل نے چوتھا فتنہ تھا۔ ملکہ فرعون کے پاس آئی اور اسے کہنے لگی کہ اس بچے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جسے آپ مجھے ہبہ کر چکے ہیں؟ فرعون کہنے لگا کہ تمہیں نہیں معلوم، یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہی بچہ مجھ پر غلبہ پا کر مجھے ہلاک کر دے گا۔ ملکہ کہنے لگی کہ ذرا ٹھہریں، اس مسئلے کا حل میرے پاس ہے، ابھی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ ایسا کریں کہ دو انگارے اور دو موتی اس بچے کے سامنے رکھیں۔ اگر وہ موتیوں کو پکڑ لے اور انگاروں سے اجتناب کرے تو سمجھ لینا کہ یہ بچہ غفلت ہے اور اگر یہ انگاروں کو پکڑ لے اور موتیوں کا ارادہ نہ کرے تو سمجھ جانا کہ کوئی بھی عش مند موتیوں پر انگاروں کو ترجیح نہیں دیتا۔ چنانچہ جب آپ کے سامنے موتی اور انگارے رکھے گئے تو آپ علیہ السلام نے انگاروں کو پکڑ لیا۔ فرعون نے فوراً آپ کے ہاتھ سے انگارے چھین لئے مبادا آپ کا ہاتھ جل جائے۔ اب ملکہ کہنے لگی کہ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا؟ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس برے ارادے سے باز رکھا۔ دراصل اللہ تعالیٰ کو جو فیصلہ منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو آل فرعون اب اسرائیلیوں پر ظلم و ستم ڈھانے سے بچکچکانے لگے یہاں تک کہ وہ اس سے بالکل باز آ گئے۔ ایک دن آپ شہر میں کسی جگہ جا رہے تھے کہ آپ نے دو آدمیوں کو باہم لڑتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک فرعون کا اور دوسرا اسرائیلی۔ اسرائیلی نے فرعون کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ علیہ السلام کو اس فرعون پر سخت غصہ آیا کیونکہ اس نے اسرائیلی کو بوج رکھا تھا۔ بنی اسرائیل آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے اور آپ بھی ان کا خصوصی خیال رکھتے اور ان کی طرف درائی کرتے۔ لوگ اس کا سبب یہ سمجھتے تھے کہ چونکہ آپ نے ان کے ہاں دودھ پیا ہے اس لئے ان کا خیال رکھنا فطری امر ہے۔ اصل حقیقت کا علم صرف ام موسیٰ کو تھا یا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے آگاہ کر دیا تھا، اور کسی کو اس راز کی اطلاع نہیں تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرعون کو ایک گھونسا رسید کیا تو وہ مر گیا، اس واقعہ کا علم اللہ تعالیٰ کو تھا یا اس اسرائیلی کو۔ آدمی کو مردہ دیکھ کر آپ علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ شیطانی عمل ہے اور بلاشبہ شیطان گمراہ کر دینے والا واضح دشمن ہے، پھر کہنے لگے: تہاب اِنِّیْ صَلَّیْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَعَفَّرَ لَیْ اِنَّهُوَ الْعَفُوُّ الرَّحِیْمُ (16) ”اے میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا پس مجھے بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا، بے شک وہی غفور رحیم ہے۔“ صبح ہوئی تو آپ خوفزدہ ہو کر خبروں کی جستجو میں لگ گئے۔ فرعون سے کہا گیا کہ بنی اسرائیل نے آل فرعون کے ایک شخص

کو قتل کر دیا ہے اس لئے ان سے ہمیں ہمارا حق دلوائیں اور انہیں ذرا بھی رعایت نہ دیں۔ فرعون نے کہا کہ قتل کو بھی تلاش کریں اور گواہ بھی لائیں، کیونکہ بادشاہ اگر چہ اپنی قوم کے ساتھ مخلص ہے پھر بھی اس کے لئے یہ روایتیں کہ وہ بغیر گواہ اور ثبوت کے قصاص کا حکم جاری کر دے، اس لئے ثبوت کے ساتھ قاتل کی نشان دہی کرو، میں تمہیں تمہارا حق دلوا دوں گا۔ تلاشِ بسیار کے باوجود وہ قاتل کا سراغ نہ لگا سکے۔ اگلے روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی اسرائیلی کو پھر کسی اور فرعونی کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا۔ اس نے پھر آپ علیہ السلام سے فریاد کیا۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ گزشتہ روز کے اپنے فعل پر نادم تھے اور اسرائیلی کی ہر روز کی ایسی حرکتوں پر نالاں بھی تھے اس لئے آپ غضبناک ہو کر اسرائیلی کو برا بھلا کہنے لگے اور اسے فرمایا کہ تمہاری کلن کی اور آج کی حرکت سے ثابت ہوتا ہے کہ تو واضح طور پر گمراہ ہے۔ گزشتہ روز کی طرح آپ کو غضبناک دیکھ کر اور اپنے متعلق آپ کی سخت باتیں سن کر اسرائیلی خوفزدہ ہو گیا۔ جب آپ ان کی طرف بڑھے تو اس نے سراستگی میں یہ خیال کیا کہ آپ اسے پکڑنا چاہتے ہیں حالانکہ اسے پکڑنے کا آپ علیہ السلام ارادہ نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ تو فرعون کو پکڑنا چاہتے تھے۔ خوف کے عالم میں اسرائیلی کی زبان سے بے ساختہ یہ بات نکل گئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح تم نے کل ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ اس نے یہ بات اس خوف کے پیش نظر کی تھی کہ کہیں آپ اسے قتل نہ کر ڈالیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو چھوڑ دیا تو فرعونی بھاگ بھاگ فرعونوں کے پاس گیا اور اسرائیلی کے منہ سے نچی ہوئی بات کے متعلق انہیں آگاہ کر دیا۔ فرعون نے آپ کو پکڑ کر قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اب فرعون کے جلا دوں نے شارع عام پر آپ علیہ السلام کی تلاش شروع کر دی، انہیں آپ کے بچ نکلنے کا ذرا بھی اندیشہ نہ تھا، لیکن انتہائے شہر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک خیر خواہ بچپن بیچ دوڑتا ہوا ان لوگوں سے پہلے آپ علیہ السلام تک پہنچ گیا اور نئی صورت حال سے آپ علیہ السلام کو آگاہ کیا۔ اے ابن جبرائیل! یہ بچہ دوڑتا ہوا ان لوگوں سے پہلے آپ علیہ السلام تک پہنچ کر قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اے ابن جبرائیل! یہ بچہ دوڑتا ہوا تھا اور نہ رستے کا حکم تھا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حسن ظن تھا، قرآن کریم اس کیفیت کو یوں بیان فرماتا ہے: عَلِيُّ رَبِّيَ أَنْ يَهَيَّئَ لِي سِوَأَ السَّبِيلِ ۝ وَلَمَّا وَرَوْهَا عَذَابٌ وَأَجْدَ عَلَيْهِ أَهْلَةُ بَنِي النَّاسِ يَسْقُونَ ۝ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ (القصص: 23-22) ”امید ہے میرا رب سیدھے راستے کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگوں کا ایک انبوه ہے جو پانی پلا رہا ہے اور اس انبوه سے الگ تھلگ دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں۔“ وہاں دو عورتیں اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے تھیں۔ آپ علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے تم الگ تھلگ کھڑی ہو اور لوگوں کے ساتھ اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتیں؟ وہ کہنے لگیں کہ اس بھیل میں ہمارے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں، ہم تو حوض میں سچے ہوئے پانی سے اپنے جانور سیراب کرتی ہیں۔ آپ نے فوراً ڈول کے ذریعے بہت سا پانی نکالا اور ان کی بکریوں کو سب سے پہلے سیراب کر دیا۔ وہ دونوں اپنی بکریوں کو لے کر اپنے باپ کی طرف لوٹ گئیں اور آپ علیہ السلام ایک درخت کے سائے تلے آ بیٹھے اور یوں عرض گزار ہوئے: رَبِّ إِنِّي لِنَاثِرٍ لِّئَلِي مِنْ خَلْقٍ عَقِيْبٍ (القصص: 24) ”میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف اتاری ہے۔“ جب ان لڑکیوں کے باپ نے دیکھا کہ وہ آج بکریوں کو شکر سیر اور دودھ سے بھرے ہوئے قنوں کے ساتھ معمول سے بہت پہلے لے آئی ہیں تو انہیں بہت تعجب ہوا۔ کہنے لگے کہ آج یقیناً کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہوا ہے۔ انہوں نے سارا واقعہ اپنے والد گرامی کے گوش گزار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ اس شخص کو بلالائے۔ وہ گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلالائیں۔ جب ان کے والد گرامی کی آپ سے گفتگو ہوئی اور ساری صورت حال سے آگاہی

ہوئی تو وہ آپ سے کہنے لگے کہ ذریعے مت۔ اب آپ ظالم قوم کی دستبرد سے محفوظ ہیں۔ فرعونیوں کو ہم پر اقتدار حاصل نہیں اور نہ ہی ہم اس کی سلطنت میں ہیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کہنے لگی: کیا ہے اسٹا چرکا؟ اِنَّ حَيَوِيَهِنَّ اسْتَا حَيَوَاتِ الْاَوِيَهِنَّ (التقصص: 26) ”ابا جان! اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بے شک بہتر آدمی جسے آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور ہو اور یا متدار بھی۔“ باپ نے غیرت میں آکر اپنی بیٹی سے پوچھا کہ تمہیں اس کی قوت اور امانت کے بارے میں کیسے علم ہو گیا؟ بیٹی نے جواب دیا کہ ان کی قوت کا اندازہ تو مجھے اس وقت ہوا جب انہوں نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمہا ڈول کے ذریعے پانی نکالا۔ اس طرح اتنی مقدار میں پانی نکالنے میں ان سے زیادہ قوی شخص میں نے نہیں دیکھا اور ان کی امانت کا علم مجھے یوں ہوا کہ جب میں ان کے پاس گئی تو انہوں نے مجھے نظر اٹھا کر دیکھا لیکن جب انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ میں عورت ہوں تو انہوں نے اپنا سر جھکا لیا۔ جب تک میں نے آپ کا پیغام ان تک نہیں پہنچا دیا، اس وقت تک انہوں نے اپنا سر نہیں اٹھایا۔ پھر مجھے یہ کہنے لگے کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور مجھے رستہ بتاتی جاؤ۔ ایسا انہوں نے اس لئے کیا کیونکہ وہ امین ہیں۔ یہ سن کر بیٹی کے باپ کا دل اس کی طرف سے صاف ہو گیا، اپنی بیٹی کی تصدیق کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہی راسے قائم کر لی جو ان کی بیٹی نے کہا تھا، پھر وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگے: اِنِّي اُسْرِيْدُ اَنْ اُقْبِلَ بِكَ اِحْدَى الْاَهْتِيْ خَسْبِيْنَ عَلٰى اَنْ تَاْجُرَنِيْ كَسْبِيْ جِجْتِيْ قَوْلَ اَنْتُمْ مِّنْ عَشْرَةِ اَقْبُوْنَ عَشْرًا ۗ وَ مَا اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۗ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (التقصص: 27) ”میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک تمہیں بیادہ دوں بشرطیکہ تو میری آٹھ سال خدمت کرے تو پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری اپنی مرضی اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے۔“

آٹھ سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واجب تھے اور مزید دو سال کا وعدہ آپ علیہ السلام کی طرف سے تھا، آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دس سال مکمل کئے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ایک نصرانی عالم کی میرے ساتھ ملاقات ہوئی تو اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دلوں و دلوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس وقت مجھے اس بارے میں علم نہیں تھا۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے آپ سے اس چیز کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ آٹھ سال اللہ کے نبی پر واجب تھے ان میں کسی کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اس مدت کی تکمیل مقصود تھی جس کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کر رکھا تھا۔ پس آپ علیہ السلام نے دس سال پورے کئے۔ اس کے بعد جب اس نصرانی سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے اسے اس کے سوال کا جواب دے دیا۔ وہ کہنے لگا کہ جس شخص سے تم نے اس بارے میں پوچھا اور اس نے تمہیں اس کے متعلق آگاہ کر دیا وہ اس معاملے میں تم سے بڑا عالم ہے۔ میں نے کہا: ہاں، واقعی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے اہل خانہ کو لے کر روانہ ہوئے تو رستہ میں آگ دکھائی دی، عصا اور بیضاء کے عجرات ظہور پذیر ہوئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ فرعون نے اپنے مقتول کا مجھ سے قصاص لیں گے اور بارگاہ خداوندی میں اپنی کشت کی شکایت کی کیونکہ اس کی وجہ سے آپ زیادہ اور صاف گفتگو نہیں کر سکتے تھے، مزید برآں اپنے رب سے یہ درخواست کی کہ وہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا معاون بنا دے تاکہ وہ ان کا سہارا بن جائیں اور ان کی ترجمانی کرتے ہوئے وہ بہت سی باتیں لوگوں تک پہنچا دیا کریں جنہیں وہ بذات خود صاف طور پر نہیں کہہ سکتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست منظور کرتے ہوئے آپ علیہ السلام کی زبان کی گرد کو بھی کھول دیا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف وحی کر کے اپنے بھائی کی معاونت کا بھی حکم دے دیا۔ حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا لیا اور اپنے بھائی کے پاس چلے گئے۔ اب دونوں فرعون کی طرف روانہ ہوئے، کچھ دیر اس کے دروازہ پر کھڑے رہے لیکن اجازت نہ ملی، آخر کار کافی دیر انتظار کے بعد اجازت مل گئی۔ اس کے پاس پہنچے تو فرمانے لگے: ”إِنَّا رَسُولُ رَبِّكَ مُبْتَلٰی (47: 20) ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں۔“ فرعون نے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ دونوں حضرات نے اسے آگاہ کر دیا۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ تم چاہتے کیا ہو؟ اور اس نے واقعہ قتل یاد دلایا جس کا عذر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا جیسا کہ قرآن کریم میں موجود ہے اور آپ علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ اور اپنی اسرائیل کو آزاد کرو دو، لیکن اس نے انکار کر دیا بلکہ کہنے لگا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی عجز دکھاؤ۔ آپ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ فوراً ایک بہت بڑے خوفناک اثر دھسے کی شکل اختیار کر کے منہ کھولے ہوئے تیزی کے ساتھ فرعون کی طرف لپکا۔ فرعون اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر وہ شہت زدہ ہو گیا، اپنے تخت سے نیچے کود گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ وہ اس سانپ کو پکڑ لیں، پھر آپ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ بغیر کسی پیٹاری کے چمکتا دمکتا باہر نکلا، پھر آپ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ سخت حیران ہوا اور اس بارے میں اپنے درباریوں سے مشورہ کرنے لگا۔ درباری کہنے لگے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور یہ اپنے جادو کے زور سے تم لوگوں کو تمہاری اپنی سرزمین سے نکال کر تمہاری سلطنت پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں اور تمہیں اس عیش و آرام سے محروم کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں، پھر انہوں نے آپ علیہ السلام کے کسی بھی مطالبہ کو ماننے سے صاف صاف انکار کر دیا اور فرعون سے کہنے لگے کہ اس کے مقابلہ کے لئے جادو گرجع کریں، آپ کی سلطنت میں جادو گروں کی کمی نہیں ہے، اس طرح ان دونوں کے جادو کا تو دو ممکن ہو سکے گا۔ فرعون نے ہر کارے بھیج کر اپنی قہرو کے شہروں سے ماہر جادو گرجع کر لئے۔ جب یہ جادو گر فرعون کے پاس آئے تو پوچھنے لگے کہ یہ جادو گر کس قسم کا جادو کرتا ہے؟ فرعونوں نے انہیں بتایا کہ وہ مکڑی کو سانپ بنا دیتا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم رسیوں اور لکڑیوں کو سانپ بنا کر ایسے جادو کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ایسا کرنا روئے زمین پر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اگر ہم غالب آگئے تو ہمارا انعام کیا ہوگا؟ فرعون نے انہیں یقین دلایا کہ نہ صرف تم میرے مقرب اور درباری بن جاؤ گے بلکہ میں تمہاری ہر خواہش پوری کر دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ عید والے دن مقابلہ ہوگا اور اس دن چاشت کے دن لوگ جمع ہو جائیں۔ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ ان کی عید کا دن عاشوراء کا دن تھا اور اس میں ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور جادو گروں پر فتح عطا فرمائی۔ مقررہ وقت پر لوگ ایک بہت بڑے میدان میں جمع ہو گئے۔ ہر شخص دوسرے کو وہاں حاضر ہونے کی ترغیب دے رہا تھا، وہ لوگ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا تہنہ اڑاتے ہوئے کہہ رہے تھے: هَلَّا نَشْكُرُهُمُ الشُّعْرَاءَ إِنَّ كَالُوْهُمُ الْغُلِيْبِيْنَ (الشعراء: 40) ”شاید ہم جادو گروں کی پیروی کرتے رہیں اگر وہ غالب آجائیں، جادو گر کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! تم جھینکویا پھر ہم پہلے کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تم اپنا جادو ظاہر کرو۔ انہوں نے اپنی رسیاں اور لٹھیاں زمین پر ڈال دیں اور کہنے لگے: فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی غالب آئے والے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس جادو کو دیکھ کر کچھ خوف سا محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ جب آپ نے اپنا عصا پھینکا تو یہ منہ کھولے ہوئے ایک بہت بڑا مہیب اثر دھا بن گیا۔ جادو گروں کی لٹھیاں رسیوں کے ساتھ گڈ گڈ ہو کر گھسوں کی شکل اختیار کر گئیں اور یہ اثر دھا انہیں نگلنے لگ گیا یہاں تک کہ کوئی لٹھی اور رسی باقی نہ بچی۔ جادو گر حقیقت کو سمجھ گئے، سوچنے لگے کہ اگر یہ جادو ہوتا تو کبھی بھی ہمارے جادو کے

مقابلے میں نہ ٹھہر سکتا بلکہ یہ امر خدا مدد ہی ہے اس لئے ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے گزشتہ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اس طرح فرعون اور فرعونیتوں کی کمر توٹ گئی، حق غالب آ گیا اور باطل فنا ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَقُلُوبُهُمْ أَكْفَىٰ لَكَ وَانْقَلَبُوا خَضِرِينَ** (الاعراف: 119) "یوں فرعونی وہاں مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر پلٹے"، ادھر فرعون کی بیوی بے چینی کے عالم میں بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے لئے دعا کر رہی تھیں۔ آل فرعون میں سے جو بھی انہیں اس حالت میں دیکھتا وہ بھی کھٹکتا کہ اپنے خاندان فرعون کی خاطر انہوں نے اپنی یہ بری حالت بنا رکھی ہے حالانکہ ان کی بے چینی اور غم موسیٰ علیہ السلام کی خاطر تھا۔ اس کے بعد فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جھوٹے وعدے کرتا رہا۔ جب بھی آپ اسے کوئی معجزہ دکھاتے، وہ اس وقت تو یہ وعدہ کر لیتا کہ میں بنی اسرائیل کو آزادی دے کر آپ علیہ السلام کے ساتھ روانہ کروں گا لیکن اس کے فوراً بعد وہ وعدہ خلافی کرتے ہوئے کسی نئے معجزے کا مطالبہ کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے فرعون اور اس کی قوم پر طوفان، بھڑکیاں، جوئیں، مینڈک اور خون کی شکل میں عذاب نازل کر کے اپنی واضح نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔ ہر بار فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عذاب کوٹانے کی درخواست کرتا اور آپ علیہ السلام کے ساتھ یہ عہد کرتا کہ وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور روانہ کر دے گا۔ جب وہ عذاب نکل جاتا تو پھر حسب معمول وعدہ خلافی اور عہد شکنی کرتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم سمیت رات کے وقت وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا چنانچہ آپ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت نکلے۔ صبح کے وقت فرعون کو جب یہ پتہ چلا کہ بنی اسرائیل راتوں رات کوچ کر چکے ہیں تو اس نے اپنی ساری قلمرو میں احکام بھیج کر فوج جمع کر لی اور ایک لشکر جرار لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا۔ رستہ میں دریا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دے دیا کہ جب میرا بندہ موسیٰ تم پر اپنا عصا مارے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بارہ رستے بنا دینا تاکہ میرا رسول اور اس کے ساتھی سکون سے پار ہو جائیں لیکن جب فرعونی داخل ہوں تو مل کر رواں دواں ہو جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا پر پہنچے تو دریا کی تند و تیز موجیں شور و شغب برپا کئے ہوئے تھیں، آپ اس پر اپنا عصا مارنا بھول گئے۔ دریا اس لئے مضطرب اور بے قرار تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اس کے کسی حصہ پر اپنا عصا ماریں اور اسے خرابی نہ ہو اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہو جائے۔ جب فرعون کا لشکر اور بنی اسرائیل ایک دوسرے کے آسنے سامنے اور قریب آ گئے تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے گئے، اس لئے اے موسیٰ علیہ السلام! اب وہ کیجئے جس کا آپ کو آپ کے رب نے حکم دیا ہے کیونکہ نہ وہ جھوٹا ہے اور نہ آپ۔ آپ فرمانے لگے کہ میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ جب میں دریا پر پہنچوں گا تو وہ بارہ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا یہاں تک کہ ہم اسے عبور کر لیں گے۔ اسی وقت آپ کو یاد آیا کہ مجھے تو عصا مارنے کا حکم ہوا تھا۔ اب آپ نے عین اس وقت اپنا عصا دریا پر مارا جب فرعونی لشکر کا ہراول دستہ بنی اسرائیل کے آخری حصے کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ عصا لگتے ہی دریا نے پھٹ کر رستے بنا دیئے، بالکل اسی طرح جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی بعافیت دریا پار کر گئے اور فرعون اپنے ساتھیوں سمیت دریا میں داخل ہوا تو دریا کے ٹکڑے آپس میں مل گئے اور وہ رواں ہو گیا جیسا کہ اسے حکم ہوا تھا۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے ہمیں اندیشہ ہے کہ فرعون خرق نہیں ہوا ہوگا اور ہمیں اس کی ہلاکت کا یقین نہیں آ رہا، چنانچہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کے حکم سے دریا نے فرعون کی لاش کو باہر پھینک دیا جسے دیکھ کر انہیں اس کی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ پھر چلتے چلتے ان کا گزر ایسی قوم سے ہوا جو اپنے بتوں کی

پرستش میں لگن تھی، کہنے لگے: يٰمُوسَى اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَكُمْ اِلٰهَةٌ - قَالَ (اِنَّكُمْ قَوْمٌ شٰجِعُونَ) اِنَّ اَوْلَادَ مُوسٰى مِمَّا حَمَيْتُمْ فِيْهِ (الاعراف: 138-139) "اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لئے بھی ایک خدا بنا دو جیسے ان کے خدا ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یقیناً تم جاہل ہو، یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں، تباہ ہو کر رہیں گے،" آپ نے انہیں فرمایا کہ تم عبرتاً کہ نشانیاں دیکھ چکے اور ایسے واقعات سن چکے جو تمہارے لئے کافی تھے، اس کے باوجود گمراہی کی باتیں کر رہے ہو۔ چلتے چلتے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ایک جگہ ٹھہرایا اور انہیں فرمایا کہ بارون علیہ السلام کی اطاعت کرنا، میں تم پر انہیں اپنا جانشین مقرر کئے ہوئے اپنے رب کے حضور جا رہا ہوں اور تمیں روز کے بعد واپسی کا وعدہ کر کے آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ آپ مقررہ جگہ پہنچے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمیں روزے رکھے روزوں کی تکمیل کے بعد اپنے رب سے ہم کلام ہونے کا ارادہ کیا لیکن منہ سے ایک قسم کی بو برآمد ہو رہی تھی جس طرح روزہ دار کے منہ سے عموماً بو آتی ہے، اس لئے آپ نے یہ پسند نہ کیا کہ اس بو کے آتے ہوئے اپنے رب سے ہم کلام ہوں، چنانچہ بو کو رفع کرنے کے لئے آپ نے ایک بوٹی کے چند تیلے چبائے۔ جب آپ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے باوجود علم ہونے کے آپ علیہ السلام سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو آپ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میری یہ خواہش تھی کہ میں خوشبودار منہ کے ساتھ تجھ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو مجھے مٹک کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ اب لوٹ جاؤ اور دس روزے مزید رکھیں، اس کے بعد میرے پاس حاضر ہونا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی۔ بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مقررہ مدت کے بعد واپس نہیں لوٹے تو انہیں تاخیر بہت ناگوار گزری اور وہ بہت پریشان ہوئے۔ حضرت بارون علیہ السلام نے انہیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب تم مصر سے نکلے تو فرعونینوں سے ادھار لی گئی چیزیں بھی تمہارے ذمے تھیں اور ان کی امانتیں بھی تمہارے پاس تھیں، اسی طرح تمہاری کچھ امانتیں اور ادھار لی گئی چیزیں ان کے ذمہ تھیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ ان کے ذمے تمہارے جو حقوق تھے تم ان سے دست کش ہو جاؤ لیکن ان کا جو مال و متاع تم نے عاریتاً لیا ہے یا تمہارے پاس امانت رکھا ہوا ہے، اسے میں تمہارے لئے حلال نہیں سمجھتا۔ اس مال و متاع کو ان کی طرف لوٹانا بھی ممکن نہیں اور تم ہی ہم استہ اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک گڑھا کھدوایا اور اس قسم کا مال و متاع اور زیورات اس گڑھے میں ڈالنے کا حکم دے دیا، پھر اسے آگ لگا کر جلادیا اور فرمایا کہ نہ یہ ہمارے پاس رہے اور نہ ان کے پاس۔ بنی اسرائیل کے ساتھ سامری نامی ایک شخص تھا جو ان میں سے نہیں تھا البتہ ان کا پڑوسی ضرور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے ساتھ یہ بھی مصر سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گیا۔ یہ گائے کی پرستش کرتا تھا۔ اس نے ایک نشانیاں دیکھی اور وہاں سے مٹھی میں کچھ خاک اٹھالی۔ جب یہ حضرت بارون علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے اسے فرمایا: اے سامری! کیا تم وہ نہیں پھینکو گے جو تمہاری مٹھی میں ہے۔ سامری اس چیز کو ابھی تک اپنی مٹھی میں لئے ہوئے تھا اور کسی نے اس چیز کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ اسے تو اس فرشتے کے اثر سے لیا گیا ہے جس نے تمہیں دریا عبور کروایا تھا۔ میں اسے صرف اس شرط پر پھینکنے کے لئے تیار ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جب میں اسے پھینکوں تو وہی چیز بن جائے جو میں چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اسے پھینکا اور حضرت بارون علیہ السلام نے اس کے لئے دعا کی تو وہ کہنے لگا کہ میں پگھڑے کا خواہشمند ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے طفیل گڑھے میں جو مال و متاع، زیورہت، ہاتھ اور لوہا جمع تھا وہ سب کا سب پگھڑے کی صورت اختیار کر گیا جو اندر سے کھوکھلا اور بے روح تھا لیکن ہوا کے داخل ہو کر نکلنے کے باعث ڈکارنے جیسی آواز پیدا ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ

کی قسم اس سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوتی تھی۔ دراصل ہوا اس کی دیر سے داخل ہو کر منہ کے رستہ نکلتی تھی، اسی وجہ سے کچھ آواز پیدا ہوتی۔ بنی اسرائیل مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نے پوچھا: اے سامری! یہ کیا ہے، تمہیں اس کے متعلق زیادہ علم ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ تمہارا رب ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام رستہ بھول گئے۔ ایک اور گروہ کہنے لگا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک اس کی تکذیب نہیں کر سکتے۔ اگر یہ واقعی ہمارا رب ہوا تو ہم اس کی ناقدری کرنے پر تیار نہیں اور اگر یہ ہمارا رب نہ ہوا تو ہم موسیٰ علیہ السلام کی بات کو تسلیم کریں گے۔ ایک اور گروہ کا موقف یہ تھا کہ یہ شیطانی حرکت ہے، یہ ہمارا رب نہیں ہے، نہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایک اور فرقے نے دل سے تو سامری کی بات کو سچ تسلیم کر لیا لیکن بظاہر اس کی تکذیب کرنے لگے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں فرمایا: يَقُولُوا لِمَا يُقُولُونَ وَإِن تَرَاهُمْ جَاهِلِينَ فَاُولَئِكَ مَوَاجِدُ أَشْقَىٰ ذُو الْعَرْسِ فَأَلَقْنَاهُم مِّمَّا فِي بَعْدِهِمْ لَمَن يَعْلَمُ الْغَيْبُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (ط: 90) ”اے میری قوم! تم تو اس سے فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور بے شک تمہارا رب بڑا مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو“، بنی اسرائیل کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیا ہوا، تمہیں دن کا وعدہ کر کے ہمارے ساتھ اس کی خلاف ورزی کی۔ اب تو چالیس دن گزر چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ احمق اور بے وقوف یہ ہرزہ سرائی کرنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب خطا کر گیا۔ اب موسیٰ علیہ السلام اس کی تلاش میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلامی کے دوران انہیں قوم کی تازہ صورت حال سے بھی آگاہ کر دیا، چنانچہ آپ علیہ السلام غم و غصہ کی حالت میں اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کے ساتھ وہ باتیں کہیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ آپ علیہ السلام اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر کھینچتے لگے اور فرط غضب سے تختیاں زمین پر پھینک دیں، پھر اپنے بھائی سے معذرت کرتے ہوئے ان کے لئے استغفار کیا اور سامری کی طرف متوجہ ہو کر اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے اکسایا؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ کے نشان قدم کی خاک سے ایک مٹھی لی، اس حقیقت کو میں بھانپ گیا لیکن لوگوں پر یہ مخنی رسی، پھر جو کچھ ہوا اسے قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے: فَتَنَّا آلَ كَلْبِ سَوَاسِثَ بْنِ قَيْصٍ . فِي الْيَمِينِ تَسْعًا (ط: 96-97) ”پھر اسے (اسی ڈھانچے میں) ڈال دیا اور اسی طرح میرے نفس نے میرے لئے یہ بات آراستہ کر دی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا جا چلا جا۔ پس تیرے لئے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھرے گا مجھے کوئی بات نہ لگے اور بے شک تیرے لئے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی اور دیکھ اپنے خدا کی قسم جس پر تو مجم کر بیٹھا رہا، ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر سمندر میں اس (کی راکھ) کو نکھیر دیں گے“۔ اگر وہ واقعی مجبور ہوتا تو اس کی یہ درگت نہ بنتی۔ اب بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ وہ خدا نہیں تھا بلکہ وہ تو ایک فتنہ تھا۔ وہ لوگ تو بہت خوش ہوئے جو حضرت ہارون علیہ السلام کے ہم عقیدہ تھے لیکن فتنہ کا شکار ہونے والے بہت نادم ہوئے۔ وہ معذرت کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اپنے رب سے ہمارے لئے درخواست کریں کہ وہ ہمارے لئے تو یہ کا دروازہ کھول دے تاکہ ہم تو یہ کر لیں اور وہ ہماری خطا کو معاف فرمادے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مقصد کے لئے اپنی قوم میں سے ستر افراد منتخب کر لئے جو ان میں صالح، ان کے خیر خواہ اور پچھڑے کی پرستش میں ملوث نہ تھے۔ آپ علیہ السلام انہیں لے کر چلے تاکہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کی درخواست کریں۔ زلزلہ آیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے متشکر ہوئے کہ قوم کو کیا جواب دیں گے، چنانچہ آپ عرض کرنے لگے: رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّمَّا فِي بَيْتِهِمْ وَ إِنِّي لَأُتْبِلُنَّكَ إِنَّا فَاعِلُونَ لَشَقِيحًا وَمِنَّا (الاعراف: 155) ”اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی، کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو ہم میں سے چند احمقوں نے کی“، ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کے دل پچھڑے کی

محبت سے سرشار تھے، اسی وجہ سے کبھی زلزلہ کی لپیٹ میں آ گئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَرَأَيْتُم مَّا كُنْتُمْ تُوعَدُونَ فِي التَّوْبَةِ قَوْلًا لِّلْإِنْسَانِ (الاعراف: 156-157)** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کے لئے توبہ کی التجا کی لیکن تو نے فرمایا کہ میری رحمت تمہاری امت کے علاوہ کسی اور امت کے لئے مخصوص ہے، اس لئے میری تمنا تو یہی تھی کہ تو مجھے اس امت مرحومہ میں پیدا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے فرمایا کہ ان کی توبہ کی قبولیت صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان میں سے ہر شخص جسے ملے، اسے قتل کر ڈالے خواہ وہ اس کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح یہ ایک دوسرے کو تلوار کے ساتھ قتل کریں اور اس بات کی پرداہ نہ کریں کہ کون قتل ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان میں سے جو اپنے دلوں میں منافقت رکھتے تھے، انہوں نے بھی اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو بجالائے۔ اللہ تعالیٰ نے قاتلین اور مقتولین تمام کی مغفرت فرمادی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام باقی بچ جانے والوں کو اپنے ساتھ لے کر بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور غصہ فرو ہو جانے کے بعد آپ نے وہ تختیاں اٹھالیں اور احکام خداوندی پر کار بند رہنے کا انہیں حکم دیا لیکن یہ احکام انہیں بوجہ محسوس ہوئے اور انہوں نے ان پر عمل پیرا ہونے سے صاف انکار کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑ اٹھ کر چھتر کی کی مانند ان کے اوپر مطلق کر دیا۔ وہ خوفزدہ ہو گئے کہ کہیں پہاڑ ان پر گر ہی نہ پڑے۔ اب انہوں نے کتاب کو قبول کر لیا، کان اس کے احکام کی سماعت پر لگے ہوئے تھے اور نظریں پہاڑ پر جمی ہوئی تھیں، ہر گھڑی انہیں پہاڑ کے گرنے کا دھڑک لگا ہوا تھا، پھر وہ چلتے چلتے بیت المقدس تک پہنچ گئے۔ وہاں ایک زبردست، جاہل اور عجیب الخلق قوم آباد تھی۔ ان کے پھل حیرت انگیز حد تک بڑے بڑے تھے۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ شہر میں ایک جاہل قوم کا تسلط ہے، ان سے مقابلہ کرنا ہمارے بس کاروگ نہیں جب تک یہ لوگ شہر میں موجود ہیں اس وقت تک ہم اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ اگر وہ اس میں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس جاہل قوم میں سے دو افراد ایمان لے آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف چلے آئے، وہ کہنے لگے کہ ہم اپنی قوم کے متعلق بہتر جانتے ہیں۔ تم ان کے اجسام اور تعداد کو دیکھ کر خوفزدہ ہو رہے ہو حالانکہ یہ لوگ بہادر نہیں اور نہ ہی ان کے پاس قوت ہے، اس لئے دروازے سے ان پر داخل ہو جاؤ، جو نمونی تم ان پر داخل ہو گئے تمہیں ان پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہمت بندھانے والے یہ دونوں آدمی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ ان کی ہمت افزائی کے باوجود بنی اسرائیل کہنے لگے: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِيْهَا قَادٰتُھَا اُنْثٰ وَرَبّٰکَ فَلَاقٰنَ اِنَّا کٰھُنٰتَا فَلَیْوُنَ (المائدہ: 24)** ”اے موسیٰ علیہ السلام! ہم تو ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں، پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں“۔ انہوں نے بزدلی اور نامردی کا مظاہرہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناراض اور غضبناک کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے ان کے لئے بدعا کرتے ہوئے انہیں فاسق کا نام دیا حالانکہ اس سے پہلے آپ نے ان کی نافرمانی اور برے سلوک کے باوجود ان کے لئے کبھی بدعا نہیں کی۔ آج بدعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کرتے ہوئے ان لوگوں کو وہی نام (فاسق) دیا جو حضرت کلیم علیہ السلام نے انہیں دیا تھا۔ اس بدوعا کے نتیجہ میں وہ چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہے اور پہاڑوں کی خاک چھانتے رہے، صبح اٹھ کر سفر شروع کرتے اور سارا دن بھٹکتے ہوئے گزار دیتے، ایک پل بھی انہیں قرار حاصل نہ تھا۔ میدان تیرہ میں بادل ان پر سایہ کرتے، ہن دسویں ان پر اترتا، کپڑے ایسے تھے کہ نہ وہ بوسیدہ ہوتے اور نہ میلے۔ ان کے سامنے مربوہ شکل کا ایک پتھر تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر عصا مارنے کا حکم دیا، جو نمونی آپ علیہ السلام نے اس پر اپنا عصا مارا، اس سے بارہ چشمے پھوٹ

پڑے، ہر کوئی سے تین چشمے۔ ہر قبیلہ کے لئے اس کے مخصوص چشمہ کی نشاندہی کر دی گئی جس سے انہوں نے پانی پینا تھا۔ یہ لوگ جب ایک جگہ سے کوچ کر کے اگلے مقام پر جاتے تو اگلے روز اس پتھر کو بالکل اسی جگہ پاتے جہاں یہ گزشتہ روز موجود تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے اور اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت معاذ یہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا تو اس بات کا انکار کر دیا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے شخص کے معاذ کا انکشاف کیا، وہ بھلا کیسے اس راز کو افشاء کر سکتا تھا جبکہ اسے اس بارے میں نہ تو علم تھا اور نہ وہ اس وقت وہاں موجود تھا۔ وہاں تو اس وقت صرف وہ اسرائیلی موجود تھا جو مقتول قبیلے سے لڑ رہا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے، حضرت معاذ یہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں حضرت سعد بن مالک زہری رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ آپ ان سے پوچھنے لگے: اسے ابو اسحاق! کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے فرعونی مقتول کی بابت بتایا تھا؟ قتل کا راز اسرائیلی نے افشاء کیا تھا یا فرعون نے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرعون نے اس اسرائیلی سے سن کر جو اس وقت وہاں موجود تھا (1)۔ یہ روایت نسائی نے سنن کبریٰ اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔ اس روایت میں مرفوع حصہ بہت کم ہے، ممکن ہے آپ رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار وغیرہ سے منقول ان اسرائیلی روایات سے لیا ہو جن کا نقل کرنا مباح قرار دیا گیا ہے۔ میں نے اپنے شیخ حافظ ابوالحجاج مزنی کو بھی یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

فَلَيْسَتْ يَسْمَعِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ لَمْ جَسَّتْ عَلَى قَدَسِ يَهُوَسَى ۝ وَأَصْصَعْتِكَ يَسْفِي ۝
 إِذْ هَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِأَيْتِي وَلَا تَبَيَّنِي ذِكْرِي ۝ إِذْ هَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۝ فَتَوَلَّأَ
 لَهُ قَوْلًا لَّيْسَ لَعَلَّهُ يَسْتَكْسِرُ أَوْ يَخْشَى ۝

”پھر تم ٹھہرے رہے کئی سال اہل مدین میں۔ پھر تم آگے ایک مقررہ وعدہ پر آئے موسیٰ! اور میں نے مخصوص کر لیا ہے تمہیں اپنی ذات کے لئے۔ اب جائے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لے کر اور نہ سستی کرتا میری یاد میں۔ آپ دونوں جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے۔ اور نگلگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے حاشیہ نشینوں سے بھاگ کر مدین پہنچے، یہاں اہل مدین کے ہاں کئی سال تک مقیم رہے اور شرط کے مطابق بکریاں چرانے رہے، یہاں تک کہ جب طے شدہ مدت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر کے مطابق آپ مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ کے پاس آئے۔ امر تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور وہی اپنی مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق چلاتا ہے، اس لئے فرمایا: لَمْ جَسَّتْ عَلَى قَدَسِ يَهُوَسَى۔ مجاہد کے بقول ”قدر“ کا معنی ہے وعدہ کا وقت اور قداہ اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ تم نبوت و رسالت کی قدر و منزلت کو پہنچے (2)۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَأَصْصَعْتِكَ يَسْفِي۔ یعنی میں نے اپنے ارادے اور مشیت کے مطابق تمہیں اپنا رسول جنم لیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

۱۔ تفسیر صری، جلد 16 صفحہ 164-167، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 569-579 مسند ابی یعلیٰ، جلد 5 صفحہ 10-29، مجمع مزدا، جلد 7 صفحہ 5

۲۔ تفسیر طبری جلد 16 صفحہ 168

ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام (حضرت آدم علیہ السلام سے) کہنے لگے کہ آپ نے لوگوں کو مصیبت میں ڈالا اور انہیں جنت سے نکال دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام فرماتے لگے کہ آپ کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے ساتھ منتخب کیا، اپنے لئے خاص کر لیا اور آپ پر تو رات نازل کی؟ حضرت موسیٰ کہنے لگے: جی ہاں۔ حضرت آدم علیہ السلام فرماتے لگے کہ کیا آپ نے اس میں یہ نہیں پڑھا کہ میری تخلیق سے پہلے مجھ پر یہ سب کچھ لکھا جا چکا تھا؟ فرماتے لگے: ہاں۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام حجت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے (1)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ میرے دلائل و براہین اور معجزات کے لئے تم دونوں جاؤ اور میرے ذکر میں کسی قسم کی کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرنا۔ اب یاد الہی میں ان حضرات کی یہ کیفیت تھی کہ فرعون کے سامنے بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے تاکہ فرعون کے مقابلہ میں یاد الہی کے ذریعے انہیں قوت و سلطت اور الطمینان نصیب ہو جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ”میرا کامل بندہ وہ ہے جو مجھے یاد کرتا ہے اور یہی اپنے مد مقابل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والا ہے“ (2)۔ پھر حکم ہوا: اِذْهَبْ اِلَى فِرْعَوْنَ۔ یعنی فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سخت سرکش، متمرد اور نافرمان ہے لیکن اس سے مخاطب ہوتے وقت نرم انداز میں گفتگو کرنا، شاید اس طرح وہ نصیحت حاصل کر لے یا خوف کھانے لگے۔ اس آیت کریمہ میں بہت بڑی عبرت کا درس موجود ہے، فرعون انتہائی سرکش اور متکبر ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے ہیں، اس کے باوجود آپ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ ملاحظت اور نرمی اختیار کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ یزید الرقاشی نے کیا خوب کہا ہے:

يَا مَنْ يَتَّخِبُ اِلَى مَنْ يُعَاوِدُوهُ فَكَيْفَ بَيْنَ يَتَوَلَّوْهُ وَ يَنْوَادُوهُ؟

(اے وہ خدا جو اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرتا ہے، تیرا ان لوگوں کے ساتھ کیسا اچھا معاملہ ہوگا جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور تجھے ہی پکارتے ہیں؟)۔ وہب بن منبہ اس فرمان کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو یہ فرما رہا ہے: تم فرعون کو بتا دو کہ میں غضب اور عقاب کی نسبت غفور و مغفرت کے زیادہ قریب ہوں۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ نرم بات (قول لین) سے مراد یہ ہے کہ وہ ”لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کا قائل ہو جائے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام حجت کرتے ہوئے اسے کہنا کہ تمہارا ایک رب ہے، تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اس کے حضور پیش ہو گے اور وہاں جنت اور دوزخ دونوں ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس کے مفہوم میں کہتے ہیں کہ اسے ایک مرتبہ میرے دروازے پر لے آؤ۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ فرعون کے لئے دعوت انتہائی نرم، رقیق اور ملائم لہجے میں ہونی چاہئے کہ یہ اس کے لئے زیادہ موثر اور مفید ثابت ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ نَادَى سَيِّدِي رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ (النحل: 125) ”بلائیے اپنے رب کے راست کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث اس انداز سے کریں جو بڑا پسندیدہ ہو“ فرمایا: نَعَلْتَهُ يَتَسَدَّدُ لَكُمْ یعنی شاید وہ گمراہی سے رجوع کر کے ہلاکت سے بچ جائے یا اپنے رب سے ڈر کر اطاعت پر آمادہ ہو جائے جیسا کہ فرمایا: لَيْسَ اَمْرًا اَنْ يَّتَقَدَّرَ اَوْ اَمْرًا اَنْ يَّتَكَلَّمُوا (الفرقان: 62) تذکر کا مطلب ہے ممنوع چیز سے رجوع کرنا اور خشیت کا مفہوم ہے اطاعت کا مظاہرہ کرنا۔ بقول حضرت حسن بصری اس فرمان نَعَلْتَهُ کا مقصد یہ ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! تمام حجت اور اس کے تمام بہانے ختم کرنے سے پہلے اس کی ہلاکت کے لئے دعا نہ کرنا (3)۔ یزید بن

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ طہ، جلد 6 صفحہ 129 صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 2 صفحہ 2043-2044

3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 580

2۔ عارضۃ الاحادیث، اجواب الدعاء، جلد 13 صفحہ 81-82

عمر و بن نفل بن یامیہ بن ابی الصلت کے اشعار میں آتا ہے: اے اللہ! تو نے ہی اپنے فضل و کرم سے موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ تم اور تمہارا بھائی ہارون باغی فرعون کی طرف جاؤ اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔ اس سے پوچھنا کہ کیا تو نے بغیر میخوں کے بیڑ میں بچھائی ہے جو تمام چیزوں کو اٹھائے ہوئے ہے، اس سے پوچھو کہ کیا تو نے بغیر ستونوں کے بلند آسمان پیدا کئے ہیں۔ اس سے ہو کہ رات کے اندھیرے میں رہتائی کے لئے آسمان کے وسط میں کیا تو نے روشن چاند تخلیق کیا ہے، اس سے دریافت کرو کہ کون صبح کے وقت سورج طلوع کرتا ہے جس کا اجالا زمین کو نور کر دیتا ہے، اسے کہو کہ کون مٹی سے دانے اگاتا ہے کہ طرح طرح کی فصلیں اہلپانے لگتی ہیں۔ ان تمام چیزوں میں ہر صاحب عقل و شعور کے لئے قدرت الہی کی روشن اور واضح نشانیاں ہیں۔

قَالَ رَبَّيْنَا إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى ۖ قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْمَاءُ
وَأَرْسَى ۖ فَأَيُّبُهُ فَعُولًا إِنَّا سُرُّوْنَا سَرِيكَ فَأَرْسَلْنَا مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا نَعْلَمُ بِبِهِمْ
قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَاتٍ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى ۖ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ
الْعَذَابَ عَلَى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۖ

”دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ دست درازی کرے گا یا سرکشی سے پیش آئے گا۔ ارشاد ہوا ڈرو نہیں۔ میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں۔ پس (بے خوف و خطر) اس کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے۔ ہم لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بیشک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذاب (خداوندی) اس پر آئے گا جو جھٹلاتا ہے (کلام الہی کو) اور رد گردانی کرتا ہے۔“

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے ذات باری تعالیٰ کی پناہ لیتے ہوئے اور اپنی کمزوری کی شکایت کرتے ہوئے عرض کی: إِنَّا نَخَافُ... یعنی انہیں اس بات کا خوف تھا کہ فرعون بنا و جان پر دست درازی کرے گا یا سرکشی سے پیش آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا: لَا تَخَافَا... یعنی تم دونوں کو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں، میں تمہاری اور اس کی گفتگو سنتا رہوں گا اور تمہاری اور اس کی حالت پر نظر رکھوں گا، کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوگی اور یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اس کی پیشانی میرے ہاتھ میں ہے، وہ میرے اذن کے بغیر نہ گھٹو کر سکتا ہے، نہ سانس لے سکتا ہے اور نہ کچھ چڑھ سکتا ہے۔ تم میری تائید و نصرت اور حفظ و امان میں ہو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو آپ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں اس کی طرف جاتے ہوئے کیا پڑھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرہ ”ھب شرھیا“ عربی میں اس کا مطلب یہ ہے: ”أَنَا الْحَيُّ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَالْحَيُّ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ“ یعنی میں ہی سب سے پہلے زندہ ہوں اور میں ہی سب کے بعد زندہ (1)۔ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے پاس گئے اور کافی انتظار کے بعد اندر آنے کی

اجازت ملی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث فتون میں گزر چکا ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسارہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اس کے پاس جانے کی اجازت طلب کی، فرمانے لگے کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں لیکن درہانوں نے امدد جانے کی اجازت نہ دی، دونوں حضرات دو سال لگا تار صبح و شام اس کے دروازے پر جاتے لیکن کسی کو یہ جرات نہ ہوتی کہ وہ فرعون کو کم از کم ان کی خبر ہی کر دے۔ دو سال کے بعد ایک شخص جو فرعون کا بے تکلف دوست تھا اور اس کے ساتھ کسی مذاق بھی کر لیا کرتا تھا، اسے کہنے لگا: بادشاہ سلامت! آپ کے دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے جو بڑی عجیب بات کر رہا ہے، اس کا خیال ہے کہ آپ کے سوا کوئی اور خدا ہے جس نے اسے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ فرعون نے پوچھا: میرے دروازے پر؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرعون نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے کر اپنے ہاتھ میں لاٹھی پکڑے ہوئے فرعون کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔ فرعون نے آپ علیہ السلام کو پہچان لیا۔ سدی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جب سر زمین مصر میں قدم رکھا تو پہلے اپنی والدہ اور بھائی کے پاس ٹھہرے۔ وہ آپ کو بچپن سے، مہمان سمجھ کر کھانا پیش کیا، اس رات ان کے ہاں شلغم کپکے ہوئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے پہچان لیا اور آپ علیہ السلام کو سلام کیا۔ آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فرعون کو دعوت تو حیدروں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے ساتھ تعاون کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے رب نے جو حکم دیا ہے اسے گزر دیجئے۔ رات کا وقت تھا، دونوں حضرات چلتے ہوئے فرعون کے محل تک پہنچ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کے ساتھ محل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ فرعون سن کر سخت غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا کہ اتنی جرات کون کر سکتا ہے۔ درہانوں نے اسے بتایا کہ یہاں ایک جنون شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ فرعون نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ چنانچہ دونوں بھائی بے دھڑک اس کے پاس چلے گئے اور فرمانے لگے: اِنَّا سُرُسُوْا بِرَسُوْلِكَ

پھر فرمانے لگے: وَ اِسْلَمْنَا۔ یعنی اگر تو ہدایت کی اتباع کر لے تو تم پر سلامتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی شاد روم برقل کے نام اپنے مکتوب کے آغاز میں تحریر فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے شاہ روم برقل کے نام۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے، اما بعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دو گنا اجر عطا فرمائے گا“ (1)۔ اسی طرح جب مسیلہ کذاب نے اللہ کے رسول ﷺ کے نام خط لکھا تو اس کی صورت یہ تھی: اللہ کے رسول مسیلہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام، آپ پر سلامتی ہو، اما بعد! میں امر نبوت میں آپ کیساتھ شریک ہوں، شہری علاقہ آپ کا اور دیہاتی علاقہ میرا لیکن قریش ظالم قوم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں اسے لکھا: ”محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلہ کذاب کے نام، اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اما بعد، بلاشبہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور عاقبت اہل تقویٰ کے لئے خاص ہے (2)۔ اسی لئے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرمایا: وَ اِسْلَمْنَا۔ یعنی سلامتی ہدایت کے پیروکاروں کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہمیں آگاہ کر دیا ہے کہ عذاب کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اس کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ”فَاَمَّا مَن صَعِيَ ۙ وَ اَسْرَأَ الْحَيٰوةَ الْاٰثْمِيٰةَ ۙ قَانَ الْاَجْبِيْةَ ۙ هٰٓؤُلَآءِ ۙ اَلَّذِيْنَ زَعَمَتْ: 37-39)“ پس جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا“ اور فرمایا:

قَالَ رَبُّكُمْ قَاتِلُوا الْكُفْرَ لَا يَصْلَهُمَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٦﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّى ﴿١٧﴾ (المیل: 16-14) ”پس میں نے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے خبردار کر دیا ہے۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بد بخت جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی، ایک اور مقام پر فرمایا: فَلَا صَدَقَ وَلَا صَنِيَ ﴿١٦﴾ وَ لَكِنَّ الْكُذَّابَ وَتَوَلَّى ﴿١٧﴾ (القیامہ: 32-31) ”نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔“

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمْ يَا مُوسَى ﴿١٦﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَاقًا ثُمَّ هَدَى ﴿١٧﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى ﴿١٨﴾ قَالَ عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَصْلُحُ لَهَا وَلَا يَنْسَى ﴿١٩﴾

”فرعون نے پوچھا موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی رہنمائی کی۔ اس نے کہا (اچھا یہ بتاؤ) کیا حال ہوا پہلی قوموں کا؟ فرمایا ان کا علم میرے رب کے پاس ہے جو کتاب میں (مرقوم) ہے۔ نہ بھٹکتا ہے میرا رب اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے۔“

فرعون ہر چیز کے خالق، مالک، معبود اور رب کا انکار کرتے ہوئے پوچھنے لگا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے، میں تو اسے نہیں پہچانتا بلکہ مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگوں کا میرے سوا کوئی اور خدا ہے۔ جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: رَبُّنَا الَّذِي... - علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس سے اس کا یہ مفہوم نقل کرتے ہیں کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کا جوڑا بنایا، جبکہ شحاک نے آپ سے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے انسان کو انسان، گدھے کو گدھے اور بکری کو بکری کی صورت پر پیدا کیا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص صورت عطا کی۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ جس نے ہر ایک کی صورت کو سنوارا (1)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس نے ہر مخلوق کو وہی عطا کیا جس کی صلاحیت اس میں تھی۔ انسان کو جانور کی صورت نہیں بخش۔ جو پاؤں کو کتے کی شکل پر نہیں پیدا کیا اور کتے کو بکری جیسی شکل نہیں دی، اسی طرح نسل بڑھانے کے بھی انتظامات کر دیے۔ پس کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جو تخلیق، رزق اور نسل کشی میں دوسری چیز کے مشابہ ہو (1)۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: وَالَّذِي قَدَّمَ قَهْلِي (الاعلیٰ: 3) یعنی جس نے ایک اندازہ مقرر فرمایا، پھر تمام مخلوقات کی اس طرف رہنمائی کر دی۔ ہر ایک کے لئے عمل، اجل اور رزق مقدر فرما دیا۔ اب ہر ایک چیز اسی اندازے کے مطابق چل رہی ہے اور کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس سے انحراف کرے یا اس ضابطہ سے نکل جائے۔ یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا رب ہی ہے جس نے ہر چیز کی تخلیق کی اور ہر ایک کا ایک اندازہ مقرر کر کے اسی کے مطابق اسے پیدا کر دیا۔ اب فرعون پوچھنے لگا: فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر واضح کر دیا کہ مجھے رسول بنا کر بھیجئے والا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اپنے مقرر کئے ہوئے اندازے کے مطابق پیدا کیا اور اسے اپنے مقصد کی طرف رہنمائی کر دی اور رزق بھی۔ ہم پہنچنا تو وہ اس سوال کا سہارا لے کر کہنے لگا کہ ان لوگوں کا یہاں جو غیر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا مختصر سا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ گزشتہ قوموں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں کتاب (لوح محفوظ) میں مرقوم ہیں وہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دے گا۔ میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے، کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے فوت نہیں ہو سکتی، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور وہ کسی چیز کو بھولتا نہیں، وہ نہایت باہرست، اعلیٰ، مقدس اور ہر قسم کے عیب اور کمزوری سے پاک ذات ہے۔ مخلوق کے علم میں دو نقص ہیں، ایک عدم احاطہ اور دوسرا نسیان۔ اللہ تعالیٰ ان

دونوں سے پاک ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَآَنَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَأَخْرَجْنَا بِهَا زُرُوعًا مِّنْ ثَبَاتٍ شَتَّى ۖ كُلُّوْا وَامْرَعُوْا أُنْعَمْكُمْ ۗ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ
لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ وَمِنهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى ۗ وَلَقَدْ
أَسْرَيْنَا لَيْلَىٰ نَاكِلَهَا فَكَذَّبَ وَآبَى ۗ

”وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو کچھونا بنایا اور بنا دیے تمہارے فائدے کے لئے اس میں راستے اور اتارا آسمان سے پانی۔ پھر ہم نے نکالے پانی کے ذریعے (شکم زمین سے) جوڑے گونا گوں نباتات کے۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے سویٹیوں کو بھی چراؤ۔ بیشک اس میں (ہماری قدرت و حکمت کی) نشانیاں ہیں دانشوروں کے لئے۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر۔ اور ہم نے دکھلا دیں فرعون کو اپنی ساری نشانیاں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور مانسنے سے انکار کر دیا۔“

فرعون کے سوال کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِي جَعَلَ ”مہد“ کی دوسری قرأت ”مہاد“ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے ایسی قرار گاہ بنایا ہے جس پر تم آرام سے اٹھتے، بیٹھتے، سوتے اور سفر کرتے ہو، مزید برآں اس میں تمہارے لئے رستے بھی بنا دیئے تاکہ تم اس کے اطراف و اکناف میں سفر کر سکو جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ (الانبیاء: 31) ”اور ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں بنا دیں تاکہ وہ (منزل مقصود کا) راستہ پاسکیں“، اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کر کے گونا گوں کھیتیاں اور پھلدار درخت اگائے، کوئی ترش، کوئی شیریں اور کوئی کڑوا۔ یہ خشک و تر سبھی ایسی چیزیں ہیں جو تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے خوراک بنتی ہیں۔ اس میں ان دانشوروں کے لئے قدرت الہی کی واضح نشانیاں ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوانہ کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب۔ پھر فرمایا: وَمِنهَا خَلَقْنَاكُمْ... یعنی زمین سے تمہاری تخلیق کا آغاز ہوا کیونکہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے۔ مرنے کے بعد اس میں ہی تم لوگوں کے اور اسی سے ایک مرتبہ پھر تمہیں زندہ کر کے نکالا جائے گا۔ اس وقت یہ کیفیت ہوگی: يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِحَمْدِ رَبِّكُمْ وَتَقُولُونَ اِنْ لَّوْ كُنَّا اِلَّا كَوْنٌ لَّا لَكُنَّا (بنی اسرائیل: 5) ”اور اس دن کو یاد کرو جب اللہ تمہیں بلائے گا، سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم (دنیا میں) تھوڑا عرصہ ٹھہرے“، یہ آیت کریمہ وَمِنهَا خَلَقْنَاكُمْ اس آیت کی طرح ہے: فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَفِيهَا تُنصَرَفُونَ (الاعراف: 25) ”فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے“۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ میں شریک ہوئے۔ جب میت کو دفن کر دیا گیا تو آپ نے ایک مٹی مٹی اور اسے قبر پر ڈال کر فرمایا: وَمِنهَا خَلَقْنَاكُمْ پھر ایک اور مٹی مٹی ڈال کر فرمایا: وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ پھر اور مٹی ڈال کر یہ تلاوت کی: وَمِنهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى (1)۔ پھر فرمایا: وَلَقَدْ اَسْرَيْنَا لَيْلَىٰ۔ یعنی ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں اور دلائل و براہین کا مشاہدہ

کر دیا لیکن یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی اس نے ان کی تکذیب کی اور کفر، عناد اور بغاوت کے باعث ان کا صاف انکار کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَجَعَلُوا آيَاتِهِمْ نَجْمًا وَكَوْكَبًا وَاَعْلَامًا (الزلزلہ: 14)** ”اور انہوں نے ان کا انکار کر دیا محض ظلم اور تکبر کے باعث حالانکہ ان کے دلوں نے ان کی صداقت کا یقین کر لیا تھا۔“

قَالَ اَجْتِنَّا لِيُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَى ﴿٥٠﴾ فَاَلَمْ نَجْعَلِ لَكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَاَنْتَ تَكْفُرُ ﴿٥١﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّبْحِ وَاَنْتُمْ كَاذِبُونَ ﴿٥٢﴾

”کہنے لگا موسیٰ! کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت سے۔ سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں جادو دیا ہی۔ پس اب مقرر کرو ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا دن نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو پھرے جمع ہونے کی جگہ ہمارا اور کھلی ہو۔ آپ نے فرمایا (تمہارا چیلنج منظور ہے) جشن کا دن تمہارے لئے مقرر کرتا ہوں اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جب اپنے معجزات دکھائے کہ عصا بھینکنے سے وہ ایک عظیم اور مہیب اثر دھا بن گیا اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ بغیر کسی بیماری کے خوب روشن ہو کر باہر نکلا تو فرعون کہنے لگا کہ یہ جادو ہے۔ تم ہمیں جادو کر کے یہ چاہتے ہو کہ تمہیں لوگوں پر اقتدار حاصل ہو جائے، وہ تمہاری پیروی کرنے لگیں اور ہمارے مقابلہ میں تمہیں عددی برتری حاصل ہو جائے جسے بروئے کار لاتے ہوئے تم ہمیں جلا وطن کرو دیں یا دیکھو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، تمہارے جادو جیسا جادو ہمارے پاس بھی ہے، اسلئے مغرور اور غلط فہمی کا شکار نہ ہو جانا۔ ہمارے اور اپنے درمیان ایک دن مقرر کر دو جس میں ہم اور تم اکٹھے ہوں گے۔ اس طرح مقررہ دن میں معین وقت پر ہم اپنے جادو کے ساتھ تمہارے جادو کا مقابلہ کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً چیلنج قبول کر سٹے ہوئے فرمایا کہ تمہاری عید اور قومی میلے کا دن مقرر کرتا ہوں جس میں کاموں سے فراغت کے باعث سب لوگوں کا جمع ہونا ممکن ہوگا تاکہ وہ سب اپنی آنکھوں سے دن کے اجالے میں قدرت الہی، معجزات کی صداقت اور جادو کے بطلان کا مشاہدہ کر لیں، اس لئے آپ نے فرمایا کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہوں تاکہ وہ واضح طور پر مقابلہ دیکھ سکیں اور دیکھنے میں کسی قسم کے ابہام کی گنجائش نہ رہے۔ انبیاء کرام کی شان اسی طرح ہوتی ہے، ان کا ہر معاملہ واضح ہوتا ہے جس میں نہ کوئی تخفا ہوتا ہے اور نہ کوئی ابہام، اس لئے آپ نے رات کا وقت معین نہیں کیا بلکہ دن میں چاشت کا وقت منتخب کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے جشن کا دن عاشوراء کا دن تھا۔ سدی، عقادہ اور ابن زید فرماتے ہیں کہ یہ ان کی عید کا دن تھا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ ان کے بازار لگنے کا دن تھا، بہر کیف ان اقوال کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ جگہ کوئی ایسی ہی تھی جہاں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو بھرنا تک شکست دی۔ وہب بن منہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مہلت کا تقاضا کیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں ہوا، مجھے تو تمہارے ساتھ مقابلہ کا حکم ملا ہے۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو میں تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا کہ اسے مہلت دے دو، چنانچہ فرعون نے چالیس دن کی مہلت مانگی جو اسے دے دی گئی۔ ”سوی“ کا معنی ہے برابر اور ہمارا جس میں نہ کوئی آواز ہو اور نہ کوئی چیز کسی سے مخفی ہو۔

فَقَسَوْنِي فِرْعَوْنَ فَجَعَلَ كَيْدًا لَهُمُ الْآيُ ۝ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيَكْفُرُوا عَلٰى اللّٰهِ كَيْدًا
فِيْ سِحْرِهِمْ بَعْدَ آيٍ ۝ وَقَدْ خَابَ مِنْ أَفْكَرِي ۝ فَتَنَّا ذٰلِكَ عَمَلًا صَرَٰفِيًّا وَمَأْسُورًا لِّلْجَوِي ۝
قَالُوْا اِنْ هٰذَا مِنْ لَّدُنِّ سَلْحٰنٍ يُرِيْدُنَ اَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمْ اَوْ يَدَّهَبَا بِطَرِيقَتِكُمْ
الْبَشٰلِ ۝ فَاجْعُوْا كَيْدَكُمْ لَهُمْ اَشْوَابًا وَقَدْ افْلَحَ الْيَوْمَ مَن اسْتَعْلٰ ۝

”پھر فرعون واپس مڑا اور اکٹھا کیا اپنی فریب کاریوں کو پھر خود آیا۔ فرمایا ان فرعونیوں کو موسیٰ علیہ السلام نے تم بخنوا نہ بہتان
باندھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام و نشان مٹا دے گا کسی عذاب سے۔ اور (اس کا یہ اٹل قانون ہے) کہ ہمیشہ نامراد
رہتا ہے جو افترا بازی کرتا ہے۔ پس وہ جھگڑنے لگے اس کام کے متعلق آپس میں اور چھپ چھپ کر مشورے کرنے لگے۔ وہ
ایک دوسرے کو کہنے لگے بلاشبہ یہ دو جادو گر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے
اور مٹا دیں تمہاری تہذیب و ثقافت کے مثالی طریقوں کو۔ پس کجا کر لو اپنی جیدہ سازیوں کو پھر آؤ پرے باندھے ہوئے۔ اور
کا میاب ہوگا آج وہ گروہ جو (اس مقابلہ میں) غالب رہا۔“

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان مقابلہ کے لئے وقت اور جگہ کا تعین ہو گیا تو فرعون اپنی سلطنت کے ہر علاقے
سے جادو گر جمع کرنے میں کوشاں ہو گیا۔ اس وقت وہاں جادو کا بہت زور تھا، فرعون نے ہر اس شخص کو بلا لیا جسے جادو کا علم تھا جیسا کہ ارشاد
ہے: وَقَالَ فِرْعَوْنُ اَشْتُوْنِيْ بِحُلِّ سِحْرِ عَلِيْبِيْمَ (یونس: 79) ”اور فرعون نے حکم دیا کہ (فورا) لے آؤ میرے پاس ہر ماہر جادو گر،“ پھر وقت
مقررہ پر عید کے دن لوگ جمع ہو گئے، فرعون دربار لگائے اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے دائیں بائیں ارکان سلطنت، اکابرین دولت اور
عوام الناس کھڑے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف
لانے۔ جادو گر فرعون کے سامنے پرے پامدھے کھڑے ہو گئے۔ فرعون انہیں انعام و اکرام کا لالچ دے کر مقابلہ پر اکسارہا تھا، جادو گر کہنے
لگے: اَيْنَ اِنَّا لَا حِزْمًا اِنْ كُنَّا مِنْ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاَنْتُمْ اِذْ اَلَيْسَ الْبَيْتُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (اشعراء: 42-41) ”کیا ہمیں کوئی انعام ملے گا اگر ہم
غالب آجائیں، اس نے کہاں ہاں ضرور ملے گا اور تم اس وقت میرے مقربوں میں شامل کر لئے جاؤ گے۔“ اس دوران حضرت موسیٰ علیہ
السلام کی آواز بلند ہوئی، آپ علیہ السلام انہیں فرمانے لگے: وَيَتْلُوْا... یعنی تم اپنی ہی صنعت کاری سے بے بنیاد اور حقیقت سے خالی اشیاء
ایجاد کرو ورنہ اللہ تعالیٰ پر چھوٹ اور افترا باندھنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ تمہیں کسی عذاب میں مبتلا کر کے نیست و نابود کر دے گا اور ہر وہ
شخص نامراد ہے جو افترا بازی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَتَنَّا ذٰلِكَ عَمَلًا... کا یہ معنی بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے آپس میں جھگڑنے لگے، کوئی
کہنے لگا کہ یہ جادو گر کا کلام نہیں بلکہ واقعی یہ نبی کا کلام ہے، کوئی کہنے لگا کہ یہ جادو گر ہے۔ اس طرح آپ علیہ السلام کا کلام سن کر چڑھ گئیں
شروع ہو گئیں اور وہ چپکے چپکے اس معاملہ میں مشورے کرنے لگے۔ تذبذب کا شکار ہو جانے والوں کو انہوں نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا: اِنْ
هٰذَا مِنْ لَّدُنِّ سَلْحٰنٍ... اس آیت کریمہ میں لفظ ”هٰذَا“ بعض عربوں کی لغت کے مطابق حالت نفی میں لایا گیا ہے حالانکہ یہ ”ان“ کا اسم
ہے، نحو یوں نے اس قرأت کے متعدد جواب دیئے ہیں جن کے بیان کا یہ مقام نہیں (1)۔ دوسری قرأت میں ”هٰذَا“ پر چھا گیا ہے۔

جادوگر آپس میں کہنے لگے محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) ماہر جادوگر ہیں جو فن سحر کو اچھی طرح جانتے ہیں، ان کا منصوبہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف تم اور تمہاری قوم پر غلبہ پالیں بلکہ عوام الناس پر بھی اپنا تسلط قائم کر کے انہیں اپنا تابع بنا لیں، پھر انہیں ساتھ ملا کر فرعون اور اس کے لشکروں کے ساتھ برسرِ پیکار ہو جائیں اور ان پر فتح حاصل کر کے تم سب کو تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے اس مثالی طریقے (سحر) پر اپنی اجارہ داری قائم کر لیں۔ اسی جادو کی وجہ سے ان جادوگروں کو عظمت، مال و دولت اور رزق حاصل تھا، وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر یہ دونوں غالب آگئے تو تمہیں اس سرزمین سے نکال باہر کریں گے اور اس جادو کو اپنے لئے خاص کر لیں گے، پھر ان کی نبی سروری اور شان و شوکت کا ڈنکا بجے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث فتوان میں گزر چکا ہے کہ ”طریقہ مثلی“ سے مراد بادشاہت اور عیش و آرام ہے جس کے چھن جانے کا انہیں خطرہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ و یٰٰذَا هٰذَا يَطْرُقُنٰكُمْ اَلْمَثَلُ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ یہ دونوں لوگوں کے رخ اپنی طرف پھیر لیں گے (1)۔ بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ تمہارے اشراف اور اصحاب عقل و دانش کو لے جائیں گے، مگر یہ کہتے ہیں کہ وہ تمہاری خوشحالی کو لے جائیں گے۔ قوادہ اس (طریقہ مثلی) سے مراد بنی اسرائیل لیتے ہیں۔ اس وقت وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور مال و دولت میں بھی، دشمنان خدا کہنے لگے کہ ان دونوں کی خواہش ہے کہ وہ انہیں اپنی خدمت کے لئے لے جائیں۔ عبدالرحمن بن زید اس سے مراد وہ مسلک لیتے ہیں جس پر وہ کاربند تھے۔ کہنے لگے کہ آج اپنی تمام جیلہ سازیاں اور تدبیریں جمع کر لو اور صرف واحد بن کر اپنے فن سحر کا بھر پور طریقے سے مظاہرہ کرو تا کہ تم آنکھوں کو چکا چوند کر کے اس پر اور اس کے بھائی پر غالب آ جاؤ۔ جو آج غالب آ گیا وہی کامیاب ہے۔ اگر ہم فتح یاب ہو گئے تو بادشاہ ہمیں گرانقدر عطیات سے نوازے گا اور اگر وہ (موسیٰ علیہ السلام) غالب آیا تو ساری سلطنت اسی کی ہو جائے گی۔

قَالُوا يٰٰمُوسٰى اِمَّا اَنْ تُلْقٰى وَ اِمَّا اَنْ تَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَنْتَلٰى ۝۱۰ قَالَ بَلٰى اَلْقُوْا قٰدًا
جِبَالَهُمْ وَ عَصِيْبُهُمْ يُحْيِيْنَ اِلَيْهِمْ مِنْ سَعْرِهِمْ اَلَيْهَا تَتَلٰى ۝۱۱ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيفَةً
مُّوسٰى ۝۱۲ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْمٰى ۝۱۳ وَ اَلْقِ مَا فِىْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا
صَنَعُوْا كَيْدٌ سَجِيْۢمٌ ۝۱۴ وَلَا يُفْلِحُ السَّاجِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝۱۵ فَالْقٰى السَّحْرَةَ سَجْدًا قَالُوْا اٰمَنَّا
بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوسٰى ۝۱۶

”جادوگر بولے اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے؟ آپ نے فرمایا نہیں، تم ہی (پہلے) پھینکو۔ پھر کیا تھا یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لائیاں آپ کو یوں دکھائی دینے لگیں ان کے جادو کے اثر سے جیسے وہ دوڑ رہی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا (اے کلیم!) مت ڈرو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔ اور زمین پر پھینک دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے۔ یہ نگل جائے گا جو انہوں نے کارگیری کی ہے۔ انہوں نے جو کارگیری کی ہے وہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے۔ پس گرا دیئے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے انہوں نے (بر ملا) کہہ دیا (اے لوگو! سن لو) ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ کے رب پر۔“

مقابلہ کے لئے جب آمنہ سامنا ہوا تو جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ یا تو آپ پہل کریں یا ہم پہل کرتے ہوئے اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے۔ آپ نے انہیں فرمایا: نہیں، بلکہ تم پہلے اپنا کرتب دکھا لو تا کہ ہم دیکھیں کہ تم جادو کا کیا کرشمہ دکھاتے ہو اور لوگوں پر بھی معاملہ کی حقیقت عیاں ہو جائے گی، پھر کیا تھا ایک ان کی رسیاں اور لائٹیاں جادو کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں دکھائی دینے لگیں جیسے وہ دوڑ رہی ہوں۔ ایک دوسری آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لائٹیاں پھینکتے ہی یہ کہا تھا: **بَعْضًا قِيَظٍ عَوْنٌ إِذَا لَسَخْنَ الْعُرْيُونُ (الشعراء: 44)** ”ناموس فرعون کی قسم! ہم ہی یقیناً غالب آئیں گے“، ایک اور مقام پر فرمایا: **سَخَّرُوا آتَمَةَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْوِ عَظِيمَةٍ (الاعراف: 116)** ”انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں خوفزدہ کر دیا اور انہوں نے بڑے جادو کا مظاہرہ کیا“ اور یہاں فرمایا: **فَأَذَىٰ جَهَنَّمَ** ... دراصل انہوں نے اپنی رسیوں اور لائٹھیوں میں پارہ بھر رکھا تھا جس کے سبب سے وہ حرکت کرتیں اور دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ ان کی یہ حرکت خود اختیار ہی ہے، حالانکہ یہ ان کا کرتب تھا۔ جادوگروں کا جم غفیر وہاں جمع تھا، ان میں سے ہر ایک نے لائٹھی اور رسی پھینکی جو سانپوں کی شکل اختیار کر گئیں۔ سارا میدان سانپوں سے بھر گیا، ایک دوسرے کے اوپر تلے سانپ دوڑ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا کہ ان کے عصا پھینکنے سے پہلے ہی لوگ جادوگروں کے جادو سے دھوکہ کھا کر ان کے قائل ہو جائیں گے۔ چنانچہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کرتے ہوئے حکم دیا کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں جو عصا ہے، اسے زمین پر پھینک دو، یہ جادوگروں کی کی ہوئی کارگیری کو نکل جائے گا، عصا فوراً گرا نڈل جہنم والا مہیب اڑدھا بن گیا، جس کے پیر بھی تھے، گردن بھی، سر بھی اور کچلیاں بھی۔ یہ اڑدھا رسیوں اور لائٹھیوں پر پل پڑا اور انہیں ٹکنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سب کو ہڑپ کر گیا۔ جادوگر اور باقی تمام حاضرین کھلی آنکھوں سے دن کے اچالے میں یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس طرح معجزہ غالب آ گیا، دلیل واضح ہو گئی، حق کا بول بالا ہوا اور جادو و سگست فاش سے دوچار ہوا، اس لئے فرمایا: **إِنَّمَا أَصْنَعُوا**۔ ابن ابی حاتم میں حضرت جناب بن عبد اللہ الجعفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب بھی ساحر پیاہ جائے اسے امان نہ دی جائے (1)۔ ترندی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ جب جادوگروں نے اپنی آنکھوں سے مصا کا کمال دیکھا تو چادو کے فنون، طریقے اور چالیں جاننے کے باعث انہیں یقینی علم ہو گیا کہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے کیا ہے وہ جادو یا کرتب نہیں بلکہ یہ حق ہے جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور اس پر صرف وہی ذات قادر ہے جس کے لفظ کن کہنے سے ہی مطلوبہ چیز رونما ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور برملا اعتراف کرنے لگے کہ ہم رب العالمین یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے، اسی لئے حضرت ابن عباس اور عبید بن عسیر کہتے ہیں کہ صبح کے وقت یہ، جادوگر اور کافر تھے جبکہ شام کے وقت پاکباز اور شہید۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ قاسم بن ابی برہ کے بقول وہ ستر ہزار تھے۔ سدی تین ہزار سے زائد ان کی تعداد بتاتے ہیں۔ ابو ثمامہ کے نزدیک ان کی تعداد انیس ہزار تھی (2)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ چند ہزار تھے، کعب الاحبار کہتے ہیں: بارہ ہزار، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ ستر آدمی تھے، صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہداء (3)۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادوگر جب سجدہ ریز ہوئے تو جنت ان کے سامنے عیاں کر دی گئی اور انہوں نے اس کا نظارہ کر لیا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ سجدہ کی حالت

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 586، مارۃ الاثری، ابواب اصد، جلد 6 صفحہ 246

3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 513

2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 513

میں انہوں نے اپنی منزل میں دیکھ لیں (4)۔

قَالَ اَمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اَذِنَ لَكُمْۙ اِنَّهٗ لَكَبِيْرٌ كُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَا تَحْصَنُوْا
اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَّلَا وُصَلْبِيْكُمْ فِى جُدُوْعِ النَّخْلِ وَاَنْتُمْ اَيْتًا اَسَدُوْ
عَدَاۤىَا وَاَبْنٰى ۙ قَالُوْا لَنْ نُؤْتِيْكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ النَّبِيَّتِ وَاَلَّذِيْ فَطَرَنَا قَاقِضَ مَا
اَنْتَ قَاقِضٌ ۙ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ اِنَّا اَمَّا بِرَبِّنَا لَيَعْفِرُنَا حَظِيْنًا وَّمَا
اَكْرَهْتُمْ عَلٰىكُمْ مِنَ السِّحْرِ ۙ وَاَللّٰهُ خَبِيْرٌ وَّاَبْلٰغٌ ۙ

”فرعون (کو یارا نے ضبط تدرہا) بولا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں نے تمہیں (مقابلہ کی) اجازت دی۔ وہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کافن) تو میں قسم کھاتا ہوں کہ کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ پاؤں یعنی ایک طرف ہاتھ ایک طرف کا پاؤں اور سولی چڑھاؤں گا تمہیں کھجور کے تنوں پر۔ اور تم خوب جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیر پا ہے۔ انہوں نے کہا (اے فرعون!) ہمیں اس کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہم ہرگز ترجیح نہیں دینا گے تجھے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئی ہیں ہیں (ہمارے بارے میں) جو فیصلہ تو کرنا چاہتا ہے کر دے۔ (ہمیں ذرا پروا نہیں) تو صرف اس (فانی) دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ یقیناً ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر تاکہ وہ بخش دے ہمارے لئے ہماری خطاؤں کو اور اس تصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا ہے یعنی فن سحر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عظیم معجزہ اور روشن دلیل کو دیکھنے اور اپنی مدد کے لئے بلائے گئے جادوگروں کے لوگوں کی موجودگی میں ایمان لانے اور مکمل طور پر مغلوب ہو جانے کے باوجود فرعون اپنے کفر، عناد، بغاوت اور تکبر پر ڈٹا رہا اور مہبوت ہو کر اس نے جادوگروں کے خلاف اپنی قوت و سطوت بروئے کار لانے کی ٹھان لی چنانچہ انہیں خوفناک انجام کی دھمکیاں دیتے ہوئے کہنے لگا: اَمَنْتُمْ لَهٗ۔ یعنی میں نے تمہیں یہ تو حکم نہیں دیا تھا کہ موسیٰ کی تصدیق کر کے مجھے آزمائش میں ڈال دو۔ پھر اس نے ایک ایسی بے بنیاد بات کہی جس کے بہتان اور جھوٹ ہونے کا علم اسے بھی تھا، جادوگروں کو بھی بلکہ تمام لوگوں کو اس کے بے سرو پا ہونے کا یقین تھا، کہنے لگا: اِنَّكُمْ لَكٰفِرُوْنَ ۙ یعنی تم نے جادو کی تعلیم موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ مل کر میرے خلاف محاذ قائم کر لیا تاکہ تم اسے غالب کر دو جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے: اِنَّ هٰذَا الَّذِيْ فَعَّرْتُمْ فِيْ السِّيْءَةِ لِيَُخَوِّجُوْا مِنْهَا اَهْلَهَا فَيَنْسُوْا فَمَا كَانُوْنَ (الاعراف: 123) ”بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے شہر میں کیا ہے تاکہ تم یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو نکال دو، ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔“ پھر انہیں دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگا: فَلَا تَحْطَبُوْنَ اَيْدِيَكُمْ۔ یعنی میں تمہارا مشا کہہ کے تمہیں سرعام پھانسی دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے فرعون نے اس سزا کو رواج دیا۔ پھر کہنے لگا: وَاَنْتُمْ عٰقِبُوْا۔ یعنی تمہارا یہ موقف ہے کہ میں اور میری قوم مگر اسی میں مبتلا ہیں جبکہ تم، موسیٰ اور اس کی قوم کے ساتھ ہدایت یافتہ ہو، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دائمی عذاب کس کو اپنی

لیٹ میں لیتا ہے۔ جب فرعون نے جادو گروں کو عبرتناک انجام اور خوفناک نتائج کی دھمکی دی تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں انہیں اپنی جانیں بیچ اور معمول محسوس ہونے لگیں، فرعون سے کہنے لگے: ہمیں اپنے خالق کی قسم! ہمیں ہدایت اور یقین کی جو روشن نشانیاں نصیب ہو چکی ہیں، ان پر ہم تجھے کبھی بھی ترجیح نہیں دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانِ ذَلِّیْہِی فَطَرَ نَاسِیْنَ اَوْ قَسْمِیْہِی بھی ہو سکتی ہے اور عاطفہ بھی۔ اگر عاطفہ ہو تو عطف ”الہینات“ پر ہوگا۔ وہ فرعون کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ہم تمہیں اس ذات کے مقابلہ میں ہرگز اختیار نہیں کر سکتے، جس نے ہمیں مٹی سے پیدا کیا اور عدم سے وجود بخشا، اس لئے عبادت اور خشوع و خضوع کا مستحق صرف وہی ہے نہ کہ تو۔ سو تو جو کرنا چاہتا ہے اور جہاں تک تیرا ہاتھ پہنچتا ہے، کر لے، تمہیں تو صرف اس فانی دنیا کے اندر ہی اختیار اور تسلط حاصل ہے لیکن ہم آخرت کے ابدی گھر میں رغبت رکھے ہوئے ہیں۔ پھر کہنے لگے: اِنَّا اَعْتَدْنَا۔ یعنی ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہمارے گزشتہ گناہوں خصوصاً اس جادو کے گناہ کو معاف فرمادے جس پر تو نے ہمیں مجبور کر کے اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اس کے نبی کے معجزے کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے چالیس بچے پکڑ کر جادو گروں کے حوالے کر دیئے اور انہیں کہا کہ انہیں جادو کی تعلیم دو۔ چنانچہ یہ انہی میں سے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور یہ بات کہی: اِنَّا اَعْتَدْنَا۔ (1)۔ آخر میں فرمایا: وَ اِنَّہٗ حَتِیْذَکَ اَبْلَغَ یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے لئے تم سے بہتر اور تمہارے انعام و اکرام سے بڑھ کر دائمی اجر و ثواب عطا فرمانے والا ہے۔ محمد بن کعب القرظی اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے تو وہ ہمارے لئے تم سے بہتر ہے اور اگر اس کی نافرمانی کی جائے تو وہ تم سے زیادہ دائمی عذاب دینے والا ہے۔ فرعون نے تو انہیں اس سخت عذاب میں مبتلا کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی، اس لئے حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ صبح کے وقت جادو گر تھے اور شام کے وقت شہید۔

اِنَّہٗ مِنْ یَّاتِ رَبِّہٖ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَہٗ جَہَنَّمَ لَا یَبُوْتُ فِیْہَا وَلَا یَحِیْیُ ۝۷ وَ مَن یَّاتِہٖ مُّؤْمِنًا
 قَدْ عَمِلَ الصَّالِحٰتِ فَاولٰئِکَ لَنُہِمُّ الدَّارَ الْجَنَّتِ الْعُلٰی ۝۸ جَنَّتْ عَدٰیۡنٌ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِہَا
 اِلَّا نَہْرٌ خَلٰیۡلَیۡنَ فِیْہَا ۝۹ وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ مَن تَرَکَی ۝۱۰

”بے شک جو شخص بارگاہ الہی میں مجرم بن کر آئے تو اس کے لئے جہنم (کا شعلہ زار) ہے۔ نہ وہ مر ہی سکے گا اس میں اور نہ وہ زندہ ہوگا۔ اور جو شخص حاضر ہوگا بارگاہ الہی میں مؤمن بن کر اس حال میں کہ اس نے عمل بھی نیک کئے ہوں تو یہ وہ (سعادت مند) ہیں جن کے لئے بلند درجات ہیں۔ یعنی سد ابھار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ (خوش نصیب) ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ ہے جزا ان کی جنہوں نے (اپنا دامن ہر آلائش سے) پاک رکھا۔“

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ساحروں کے کلام کا تمہہ ہیں۔ وہ فرعون کو اللہ تعالیٰ کے انتقام اور دائمی عذاب سے خبردار کرتے ہوئے اور اس کے ابدی ثواب کے حصول میں رغبت دلاتے ہوئے کہنے لگے: مَن یَّاتِ یعنی جو شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجرم بن کر حاضر ہوگا، اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا اور نہ زندہ رہ سکے گا جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: لَا یُبْقٰی عَلَیْہِمۡ قُوٰتُوۡہَا وَلَا یُخَفَّفُ عَلَیْہِمۡ مِّنۡ عَذَابِہَا۔ کَذٰلِکَ نَجْزِیۡ کُلَّ ظٰلِمٍ (فاطر: 36) ”نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، اس طرح ہم ہر ناشکر گزار کو بدلہ دیتے ہیں۔“ وَ یَسْجُدُ لَہَا الشَّمْسُ ۝۱۱ الَّذِیۡ یَبْصُرُ اَشْکٰرَ الْاَنْکٰبِ ۝۱۲ لَہٗ لَا یَسُوْتُ فِیْہَا وَلَا

يَخْلِي (الاعلى: 11-13) ”اور دور رہے گا اس سے بد بخت جو بڑی آگ میں داخل ہوگا پھر نہ وہاں مرے گا اور نہ جیسے گا“، وَكَأَذَىٰ الْهَيْلِكِ لِيَقْضِيَ عَلَيْهِ سَابِقَاتُكَ - قَالَ إِنَّكُمْ تُكَيِّفُونَ (الزخرف: 77) ”اور وہ پکاریں گے: اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جہاں تک اصلی اور دائمی دوزخیوں کا تعلق ہے، وہ اس میں نہ مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے، لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں آگ کا عذاب ہوگا، آگ انہیں مار ڈالے گی یہاں تک کہ جب وہ حمل کر کوئلہ بن جائیں گے تو ان کے متعلق اذن شفاعت ہوگا۔ ان تمام کو اکٹھا کر کے جنتی نہروں پر بکھیر دیا جائے گا اور اہل جنت سے کہا جائے گا کہ ان پر پانی بہاؤ چنانچہ وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلابی کوڑا کرکت میں پڑے ہوئے دانے اگتے ہیں۔“ یہ مثال بن کر ایک آدمی کہنے لگا یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کچھ عرصہ جنگل میں رہے ہیں (1)۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دورانِ خطبہ اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا: ”ہمیشہ رہنے والے اصلی جہنمی وہاں نہ مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے لیکن وہ جہنمی جو وہاں ہمیشہ رہنے والے نہیں، انہیں آگ مس کرے گی پھر شفاعت کرنے والے کھڑے ہو کر ان کی شفاعت کریں گے۔ چنانچہ ان سب کو اکٹھا کر کے ایک نہر پر لایا جائے گا جسے ”الحیاء“ یا ”الحیوان“ کہا جاتا ہے، وہاں وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلاب کے لائے ہوئے کوڑا کرکت میں گھاس اگتی ہے۔“ دوسری آیت میں فرمایا: وَنُزِّلْنَا تَابَهُمْ مَوْصِيًا... یعنی قیامت کے روز جو شخص اس حال میں اپنے رب سے ملاقات کرے گا کہ اس کا دل مومن ہو اور اپنے قول و فعل کے ساتھ اس نے اپنے ایمان کی تصدیق کی ہو تو ایسے لوگوں کے لئے بلند درجات، پرسکون بالا خانوں اور آرامدہ رہائش گاہوں والی جنت ہوگی۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جنت کے سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان اور فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی سے چاروں نہریں نکلتی ہیں، اس کے اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو“ (2)۔ ابن ابی حاتم میں یزید بن ابی نعلک اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں، ہر درجہ میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر دوری ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان، ان میں یا قوت، موتی اور زیورات ہیں اور ہر درجے میں ایک امیر ہے جس کی فضیلت اور سیادت کے دوسرے معترف ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے: ”علیین والے یوں دکھائی دیں گے جیسے تم آسمان کے افق میں دو دروازے کے ستارے دیکھتے ہو، کیونکہ جنتیوں کے درجات میں تفاوت ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو صرف انبیاء کے درجات ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی“ (3)۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نبی میں سے ہیں اور کیا ہی خوب ہیں! (4) ”جنات عدن“، ”الدرجات الاعلیٰ“ سے بدل ہے۔ عدن کا معنی ہے اقامت۔ ان سعادت مندوں کو ایسی دائمی جنتیں نصیب ہوں گی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہر اس شخص کے لئے بدلہ ہے جس نے اپنے آپ کو ہر قسم کی آلودگی، خباثت اور شرک سے پاک رکھا، اللہ وعدہ لاشریک کی

1- صحیح مسلم، کتاب ایمان، جلد 1 صفحہ 172-173، سنن، جلد 3 صفحہ 11

2- سنن ابوداؤد، جلد 1 باب صفحہ 10، جلد 10 صفحہ 7-8، سنن احمد، جلد 5 صفحہ 316

3- صحیح بخاری، کتاب بدو الخلق، جلد 4 صفحہ 145، صحیح مسلم، کتاب ائمتہ، جلد 4 صفحہ 2177

4- سنن ابی داؤد، کتاب الحدیث والقرأت، جلد 4 صفحہ 34، سنن ابن ماجہ، المنقذ، جلد 1 صفحہ 37

عبادت کرتا رہا اور رسولوں کی اتباع میں ہر تین کوشاں رہا۔

وَلَقَدْ آوَيْنَا آلَ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِبْ بِعِبَادِي فَأَضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخْفُفُ دَرَاكًا وَلَا تَخْشَى ۖ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَخَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۗ وَأَصْحَلُ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَهْدَى ۙ ﴿٥١﴾

”اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف کہ راتوں رات لے چلے میرے بندوں کو (مصر سے) (راہ میں سمندر حائل ہو) تو عصا کی ضرب سے ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنا دیجئے۔ نہ تمہیں پیچھے سے پکڑے جانے کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ۔ پس فرعون نے ان کا تعاقب کیا اپنے لشکروں سمیت پس چھاگئیں فرعونیوں پر سمندر کی (تند) موجیں جیسا کہ چھاگئیں ان پر اور گمراہ کرو یا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ دکھائی انہیں سیدھی راہ۔“

جب فرعون نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ روانہ کرنے سے صاف انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو راتوں رات بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ اس کی تفصیلات قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب ارشاد بنی اسرائیل کو لے کر وہاں سے نکل گئے۔ صبح ہوئی تو فرعونیوں کو کوئی اسرائیلی دکھائی نہ دیا۔ نہ ان میں سے کوئی بلائے والا موجود تھا اور نہ جواب دینے والا۔ فرعون کو جب اس چیز کا علم ہوا تو وہ غصہ سے بیچ و تاب کھانے لگا اور اپنی قلمرو کے ہر حصہ میں ہر کارے بھیج دیئے تاکہ وہ لشکر جمع کریں۔ کہنے لگا کہ یہ مٹھی بھر گروہ ہے جس نے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے۔ جب لشکر جمع ہوا تو فرعون نے اس سے عہد و پیمان لیا، پھر اسے لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل نکلا۔ بنی اسرائیل جب دریا کے کنارے پہنچے تو انہیں فرعون کا لشکر دکھائی دیا۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: برگزینیں، میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ابھی مجھے رادو دکھاوے گا۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر کھڑے ہو گئے، سامنے موجیں مارتا ہوا دریا ہے اور پیچھے فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ دریا میں خشک رستہ بنانے کے لئے اس پر اپنا عصا مارو۔ آپ علیہ السلام نے عصا کی ضرب لگائی تو دریا اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کی سی شکل اختیار کر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کی سطح پر ہوا بھیجی جس کے جھونکوں نے پانی کو خشک کر دیا یہاں تک کہ دریا کی سطح اس طرح خشک ہو گئی جیسے زمین کی سطح خشک ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ یعنی اپنا عصا مار کر ان کے لئے خشک رستہ بنالیں، نہ تمہیں فرعون کی پکڑ کا خوف ہے اور نہ دریا میں غرق ہونے کا اندیشہ۔ پھر فرمایا: فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ۔ یعنی فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلا تو دریا کی تند تیز موجوں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مَا غَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ کا مطلب ہے جو معروف اور مشہور ہے۔ جب کوئی امر معروف اور مشہور ہو تو اسے بیان کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَاللَّهُ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٤﴾ اور (لوط کی) اوندھی ہستی کو بھی بچھ دیا پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا۔ جس طرح فرعون نے قیادت کرتے ہوئے لوگوں کو دریا میں دھکیل دیا، انہیں گمراہ کیا اور رادو راست کی طرف ان کی رہنمائی نہ کی، اسی طرح قیامت کے دن وہ ان سب کی قیادت کرتے ہوئے انہیں جہنم میں لے جائے گا اور کیا ہی یہ بری جگہ ہے!

يَبِينِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكَ مِنْ عَدُوِّكَمْ وَوَعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَنَزَّلْنَا

عَلَيْكُمْ الْمَنَ وَالسَّلَامُ ۝ كَلُوا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمْ وَلَا تَطْعَمُوا فِيهِ قَبِيحًا عَلَيْكُمْ
 غَضَبِي ۝ وَمَنْ يَحْمِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَى ۝ وَإِنِّي لَعَقَابٌ لَيْسَ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ
 صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى ۝

”اے بنی اسرائیل! (دیکھو!) ہم نے بچا لیا تمہیں تمہارے دشمن سے اور ہم نے تم سے وعدہ کیا (کوہ) طور کی دائیں جانب کا اور ہم نے اتارا تم پر من و سلوی۔ کھاؤ ان پاک چیزوں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ اترے گا تم پر میرا غضب۔ اور وہ (بد نصیب) اترتا ہے جس پر میرا غضب تو یقیناً وہ گر کر رہتا ہے۔ اور میں بلاشبہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے بعد ازاں ہدایت پر مستحکم رہتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنی گراں قدر نعمتیں اور بڑے بڑے احسانات یا دلا رہا ہے کہ اس نے ان کے دشمن فرعون سے انہیں نجات عطا فرما کر ان کی آنکھوں کو کھٹکا دیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے فرعون اور اس کے لشکر کو ایک ہی صبح غرق ہوتے دیکھا اور ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ باقی نہ بچا جیسا کہ فرمایا: **وَاعْتَرَفْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَآئِنْتُمْ تَنْظُرُونَ (البقرہ: 50)** ”اور ہم نے فرعونوں کو ڈوب دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو حاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتح عطا فرمائی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہم موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں اس لئے (اے مسلمانو!) اس دن کا روزہ رکھو“ (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے ساتھ کوہ طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا، یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم کلامی کا شرف بخشا، یہاں ہی آپ نے رویت باری تعالیٰ کی درخواست کی اور اسی جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات عطا فرمائی۔ اس دوران بنی اسرائیل گوسالہ کی پرستش میں لگ گئے جس کا بیان عنقریب آنے والا ہے۔ جہاں تک من و سلوی کی بات ہے تو اس کا ذکر سورہ بقرہ اور دیگر سورتوں میں ہو چکا ہے (2)۔ ”من“ ایک قسم کا حلوہ تھا جو آسمان سے ان پر اترتا تھا اور سلوی ایک قسم کا پرندہ تھا جو ان کے سامنے گر پڑتا۔ یہ ہر پرندے سے ایک دن کی خوراک کی مقدار لے لیتے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ لطف و کرم اور رحمت و احسان تھا، اس لئے فرمایا: **كَلُوا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمْ**... یعنی میرے دیئے ہوئے پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے ضرورت سے زائد نہ لو ورنہ میرے حکم کی مخالفت کے باعث تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب اترتا ہے، وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس **فَقَدْ هَوَى** کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ بد بخت ہو گیا۔ حضرت شفی بن مانع فرماتے ہیں کہ جنیم میں ایک اونٹنی جگہ ہے جس کی چوٹی سے کافر کو گرایا جائے گا تو اسے نیچے سخت زمین تک پہنچنے میں چالیس سال لگیں گے یہی مطلب اس آیت **وَاصْرَفْ يَحْيَىٰ**۔ (3)۔ پھر فرمایا: **وَإِنِّي لَعَقَابٌ**۔ یعنی جو شخص توبہ کر کے میری طرف متوجہ ہوتا ہے، میں اس پر مائل بہ کرم ہو جاتا ہوں اور اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہوں۔ اس کے لطف و کرم کا یہ عالم ہے کہ اس نے پھٹے کی پوجا کرنے والے بنی اسرائیل کی توبہ کو بھی قبول فرمایا۔ پس جو شخص کفر، شرک، معصیت یا نفاق سے رجوع کر لے، دل کے ساتھ ایمان لائے اور اپنے اعضاء کے ساتھ اعمال صالحہ کرے پھر بغیر کسی شک و شبہ کے

2۔ دیکھئے تفسیر سورہ بقرہ: 57، ماجد اور تفسیر سورہ اعراف: 160

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ بقرہ، جلد 6 صفحہ 120، صحیح مسلم، کتاب الہدایہ، جلد 2 صفحہ 795

3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 591

تفسیر ابن کثیر: حمد سوم

مرتے دم تک سنت و جماعت اور اسلام پر ڈٹ جائے اور اس میں ثواب کا علم رکھتا ہو تو ایسے شخص کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے۔ ”تم“ کا لفظ یہاں خبر کو خبر پر مرتب کرنے کے لئے آیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿فَمَنَّ اللَّهُ مِنَ الَّذِينَ أَمَنُوا﴾ (البلدہ: 17)۔

وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَهُوسَى ﴿٣٠﴾ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتُنزِلَنِي ﴿٣١﴾ قَالَ فَإِنَّكَ قَدِ فِتْنَتَا قَوْمِكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٣٢﴾ فَرَجَعَهُمُؤَلَّىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ يَقُولُوا لَا لَكُمْ بِعِدَّتِكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا أَحْسَنًا ۚ أَقْطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَبْدُ أَمْ أَسْرَدْتُمْ أَنْ يَجِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي ﴿٣٣﴾ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حِينُنَا أَوْ ذَرَأَا مِنْ زِينَةِ الْقُورِ فَقَدَفُنَهَا كَذَلِكَ الْتَقَىٰ السَّامِرِيُّ ﴿٣٤﴾ فَأَخْرَجَهُ لَهُمْ عَجَلًا جَسَدًا آلَهُ خُورًا فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِنَّهُ مُوسَىٰ قَتَلْتَهُ ﴿٣٥﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ إِلَّا يَمْرُؤًا إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۚ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ صَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿٣٦﴾

”اور کس وجہ سے تم جلدی آگئے اپنی قوم سے اے موسیٰ! عرض کی وہ یہ ہیں میرے بیٹے اور میں جلدی جلدی تیرنی بارگاہ میں اسلئے حاضر ہو گیا ہوں میرے رب! کہ تو راضی ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا ہے انہیں سامری نے۔ (یہ سنتے ہی) لوٹے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضبناک اور فسرہ خاطر ہو کر۔ فرمایا اے میری قوم! کیا وعدہ نہیں کیا تھا تم سے تمہارے رب نے بہت وعدہ وعدہ۔ تو کیا طویل مدت گزر گئی ہے اس وعدہ پر (اور تم اس کے ایفاء سے مایوس ہو گئے) یا تم یہ چاہتے ہو کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی طرف سے اس لئے تم نے توڑ ڈالا میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ۔ کہنے لگے نہیں توڑا ہم نے آپ سے کیا ہوا وعدہ اپنے اختیار سے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم پر لا دوئیے گئے تھے بوجہ قوم (فرعون) کے زیورات سے سوہم نے (سامری کے کہنے پر) انہیں پھینک دیا۔ اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصہ کے زیور) پھینک دیئے۔ پھر سامری نے بنا نکالا ان کیلئے مچھڑے کا ڈھانچہ جو گائے کی طرح ڈکارتا تھا۔ پھر سامری اور اس کے جیلوں نے کہا (اے فرزند ان یعقوب) یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا پس موسیٰ بھول گئے۔ کیا ان احقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ پتھر ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کے لئے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا“۔

فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو ان کا گزر ایک ایسی قوم سے ہوا جو بہت پرستی پر جمی ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! جس طرح ان کے معبود ہیں اس طرح کا ایک معبود ہمارے لئے بھی مقرر کرویں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بڑے جاہل لوگ ہو، یہ تو برباد ہونے والے لوگ ہیں اور ان کے اعمال بھی بالکل باطل ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تیس روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر دس مزید رکھنے پڑے، اس طرح روزوں کی تعداد چالیس ہوئی۔ اس کا بیان حدیث فتون میں گزر چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہدی جلدی کوہ طور کی طرف چلے اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنا نائب مقرر کیا، اس لئے فرمایا: ﴿وَمَا أَعْجَلَكَ﴾، جواب میں عرض کی: ﴿هُمَّ أُولَآءِ﴾ یعنی وہ بھی طور کے قریب ہی ہیں اور آ رہے ہیں،

اس پروردگار! میں جلدی جلدی تیری ہر گاہ میں حاضر ہو گیا تاکہ مزید تیری رضا حاصل کر لوں۔ آپ کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نعمت میں مبتلا ہو گئے اور سامری کے بنائے ہوئے پتھرے کی پرستش میں لگ گئے، اس کی خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم علیہ السلام سے فرمایا: **فَاِنَّا نَقْضُ قَدْتَنَا** اسرائیلی کتابوں میں مذکور ہے کہ سامری کا نام بھی ہارون تھا۔ اس مدت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات کی تختیاں لکھ کر عطا فرمائیں جیسا کہ ارشاد ہے: **وَكُنْتُمْ اَلَّذِيْنَ اَلَا تُوْحٰوْنُ عَلٰى شَيْءٍ مَّوْعَضَةً وَّاْتْتَفِصِيْنَ لَا يُخٰنُ شَيْءٌ فَاَقْبَلُوْهُ وَاَقْبَلُوْهُ مٰنًا يَّخْتٰذِلُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاُوْرِيْنَ لَكُمْ اٰتَا الْفٰطِيْرِيْنَ (الاعراف: 145)** اور ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں میں ہر چیز لکھ دی نصیحت پذیری کے لئے اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی، پھر پکڑ لو اسے مضبوطی سے اور اپنی قوم کو تم دو کہ اس کی اچھی باتیں پکڑ لیں، عنقریب میں ان فرماؤں کا (برہ شدہ) گھر دکھاؤں گا۔ پھر فرمایا: **فَدْرَجْتَهُ لَمُوتٰى** جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے مشرکانہ فعل پر آگاہ کر دیا اور تورات عطا فرمادی جس میں ان کے لئے احکام مرقوم تھے اور یہ کتاب ان کے لئے باعث شرف تھی تو آپ اپنی قوم کی مشرکانہ حرکت پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ سخت غم و غصہ کے عالم میں اپنی قوم کے پاس لوٹے۔ یہ ایسی قوم تھی جو آپ کی عدم موجودگی میں غیر اللہ کی پرستش کرنے لگتی جس کے متعلق ہر عقلمند جانتا ہے کہ ان کا یہ فعل سراسر باطل تھا اور ان کی حماقت اور بے وقوفی کی نشاندہی کرتی تھی، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی طرف سخت غضبناک اور افسردہ ہو کر لوٹے۔ اسف فرط غضب کو کہہ جاتا ہے۔ مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں گھبراہٹ اور بے چینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ قتادہ اور سدی اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اپنی قوم کے کرموت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے (1)۔ اپنی قوم سے فرمانے لگے: **يٰۤاَقْرَبِيْنَ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَيْفَ تَصْبِرُوْنَ عَلٰى مَا كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَيْفَ تَصْبِرُوْنَ عَلٰى مَا كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَيْفَ تَصْبِرُوْنَ عَلٰى مَا كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ** کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ میری زبان دینا و آخرت کی بربھلائی اور اچھی عاقبت کا وعدہ نہیں کیا۔ جیسا کہ تم خود مشاہدہ کر چکے ہو کہ اس نے تمہاری مدد کر کے تمہیں دشمن پر فتح عطا فرمائی اور اسی طرح دیگر بہت سے احسانات سے تمہیں نوازا۔ کیا تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کئے گئے وعدہ کے انتظار میں کوئی طویل عرصہ گزر گیا ہے کہ تم نے اس کے سابقہ انعامات کو بھی فراموش کر دیا حالانکہ اس وعدہ کو کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا یا تم یہ چاہتے ہو کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو جائے۔ "ام" یہاں "بیل" کے معنی میں اضراب کے لئے ہے اور کلام اول سے کلام ثانی کی طرف عدول کا فائدہ دی رہی ہے، گویا کہ انہیں فرمایا: بلکہ اس حرکت سے تمہارا ارادہ یہ تھا کہ تم پر غضب الہی اتر آئے اس لئے تم نے میرے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔ اس سرزنش اور جھڑکے جواب میں بنی اسرائیل کہنے لگے: **مَاۤ اَخْلَفْنَا** یعنی ہم نے اپنے اختیار اور قدرت سے آپ علیہ السلام کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔ پھر عذر لگت پیش کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم نے پرہیز گاری کی خاطر وہ زیورات پھینک دیئے جو ہم نے قطیوں سے مستعار لئے تھے اور مصر سے روانگی کے وقت اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ حدیث فتون میں گزر چکا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ہی انہیں یہ زیورات اس گڑھے میں پھینکنے کا حکم دیا تھا جس میں آگ کا دلاؤ روشن تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی یہ خواہش تھی کہ یہ سب زیورات پھینچ کر ایک بڑے ڈالے کی شکل اختیار کر لیں گے اور جب موسیٰ علیہ السلام واپس آئیں گے تو اپنی مرضی کے مطابق ان کے متعلق فیصلہ کر دیں گے۔ پھر سامری نے یہ کیا کہ وہ مٹھی بھر خاک ان زیورات پر ڈال دی جو اس نے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ کے نشان قدم سے لی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام سے التجا کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری خواہش کو پورا فرما دے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اس کے ارادہ کا علم نہیں تھا۔ آپ نے اس کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کر لیا، اس وقت

سامری نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ ان زیورات کا پتھر ابن جائے، چنانچہ پتھر کا ڈھانچہ بن گیا جس سے گائے کے ڈکارنے کی آواز نکلتی تھی۔ اس طرح یہ پتھر ابنی اسرائیل کے لئے نقتہ بن گیا، اسی لئے فرمایا: فَكُنَّا يَوْمَئِذٍ نَخْبِئُ مِنْهُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام سامری کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت پتھر ابنار بنا رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا بنا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہ بنا رہا ہوں جو نفع دے سکتا ہے اور نقصان۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہا: اللہ! اس کے دل میں جس چیز کی خواہش ہے وہ اسے عطا فرما اور وہاں سے چل دیکھے۔ پھر سامری یہ دعا کرنے لگا: اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ یہ پتھر ڈکارنے لگے، چنانچہ وہ ڈکارنے لگا۔ اس کے پہلی مرتبہ ڈکارنے پر وہ اس کے سامنے سجدہ کر پڑا اور جاتے اور جب دوسری مرتبہ ڈکارنا تو اپنے سر سجدے سے اٹھا لیتے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ پتھر ڈکارنا بھی تھا اور چلنا بھی تھا۔ وہ کمرہ بنی اسرائیل جو نقتہ میں جتلا ہو کر اس پتھر سے کی پرستش پر آمادہ ہو گئے تھے، کہنے لگے کہ یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے، موسیٰ علیہ السلام جوں گئے اور ادھر ادھر اس کی تلاش میں نکل گئے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ”نسسی“ کا مضموم یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تمہیں یہ بتانا بھول گئے کہ یہی تمہارا خدا ہے۔ سو وہ پتھر سے کی عبادت پر جم گئے اور اس سے ایسی محبت کرنے لگے جیسی محبت انہوں نے کسی سے نہ کی تھی۔

”نسسی“ کا فاعل سامری بھی ہو سکتا ہے یعنی سامری نے دین اسلام کو ترک کر دیا جس پر وہ کار بند تھا (1)۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کا رد کرتے ہوئے، انہیں مردنہ کر کے ہوئے اور ان کی بے وقوفی اور حماقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: أَفَلَا يَذَّكَّرُونَ یعنی یہ کم عقل کیا اس چیز کو نہیں دیکھتے کہ یہ پتھر ان کی کسی بات کا جواب تک نہیں دے سکتا اور نہ ہی دنیا و آخرت میں ان کے کسی فائدہ یا نقصان کا مالک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! پتھر سے نکلنے والی آواز اس ہوا کے باعث تھی جو اس کی دبر سے داخل ہو کر منہ کے رستے سے نکل جاتی تھی۔ حضرت حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پتھر کے کا نام بھوت تھا۔ ان جابلوں کی محذرت کا حاصل یہ ہے کہ وہ قبیلوں کے زیورات سے اپنا دامن بچانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے یہ زیورات اتار پھینکے لیکن ان کی حماقت دیکھنے کہ اس چھوٹے گناہ سے احتراز کر کے بڑے گناہ (پتھر سے کی عبادت) کا ارتکاب کرنے لگے، بالکل اسی طرح جیسا کہ آیت عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر کپڑے پر پتھر کا خون لگ جائے تو کیا اس کے ساتھ نماز ہو جائے گی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان عراقیوں کو دیکھو، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نواسے (ابن حسین رضی اللہ عنہ) کو تو تمس کر دیا اور اب مجھ کے خون کے بارے میں فتویٰ پوچھ رہے ہیں (2)۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يُقَوْمِ إِثْمَاعِيلَ إِنَّمَا قُتِبْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَ

أَطِيعُوا أَمْرِي ۝ قَالُوا لَنْ نَبْدُكَ عَلَيْهِمْ عَلَقِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ۝

”اور بے شک کہا تھا انہیں ہارون نے (موسیٰ کی واپسی سے پہلے) اے میری قوم! تم تو نقتہ میں مبتلا ہو گئے اس سے۔ اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ تو م نے کہا ہم تو اسی کی عبادت پر تھے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ (علیہ السلام)۔“

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے بنی اسرائیل کو پتھر سے کی پرستش سے منع کیا اور انہیں بتا دیا کہ یہ

تمہارے لئے فتنہ ہے۔ تمہارا رب تو وہ رحمن ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ مقرر فرمایا، وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس لئے میری اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ جو میں کہوں وہ بجالاؤ اور جس چیز سے تمہیں منع کروں، اس سے باز آ جاؤ۔ اس کے جواب میں وہ کہنے لگے: لَنْ نُؤْتِيَكَ عَذَابًا... یعنی ہم موسیٰ علیہ السلام کی بات سننے سے پہلے اس کی عبادت ہرگز ترک نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور آپ سے جھگڑنے لگے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے۔

قَالَ يٰهُرُونَ مَا مَنَعَكَ اِذْ مَرَّ بِآيَاتِهِمْ صَلَوًا ۙ اَلَا تَتَّبِعِنَا ۙ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِي ۗ قَالَ
يٰبَنُوٓرَءِیۡمَ لَا تَاْخُذْ بِطِحِّيۡنِیۡ وَلَا بِرَاۤیِیۡ ۙ اِنِّیۡ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فِرَاقَتْ بَيْنَیۡ وَ اِسْرَآءِیۡلَ
وَلَمْ تَرَ قَبْ قَوْلِیۡ ۙ

”موسیٰ نے (آ کر غصہ سے) کہا اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انہیں گمراہ ہونے دیکھا تو (انہیں چھوڑ کر) میرے پیچھے نہ چلا آیا۔ کیا تو نے بھی میری حکم عدولی کی۔ ہارون نے کہا اے میری ماں جانے (بھائی!) نہ پکڑو میری ڈانڈھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف لوٹے اور انہیں بے راہ روی کا شکار دیکھا تو آپ سخت غصیناک ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تختیاں اپنے ہاتھ سے زمین پر ڈال دیں اور اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس کی تفصیلات ہم سورہ اعراف میں بیان کر چکے ہیں (1)۔ وہاں ہم نے اس حدیث کا بھی ذکر کیا تھا کہ ”سنناہ یکنینہ جیسا نہیں“۔ آپ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بلا امت کرتے ہوئے فرماتے لگے: مَا مَنَعَكَ... یعنی جب تم نے انہیں سپید پاہل گمراہی کا شکار ہوتے دیکھا تو اسی وقت مجھے اطلاع کیوں نہ کی، جو فریضہ میں تمہارے ذمہ لگا گیا تھا، کیا اس میں تم نے میری حکم عدولی کی؟ آپ علیہ السلام جاتے وقت یہ کہہ گئے تھے: اِخْتَلَفُوْا فِیۡ قَوْلِیۡ وَ اَصْحَابِیۡ وَلَا تَنْتَقِبْ سَبِیۡلَ الْمُتَخَفِیۡنَ (الاعراف: 142) ”میری قوم میں میرا نائب رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور امت چلانا مفسدوں کے راستے پر، جو اب میں حضرت ہارون علیہ السلام کہنے لگے: ”یَا اٰیْنَ اُمّ۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کے سگے بھائی تھے، پھر بھی انہوں نے ”یَا اٰیْنَ اُمّ“ (اے ماں جانے بھائی) کے الفاظ استعمال کئے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ لفظ ام ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں شفقت، محبت اور رقت کے جذبات ابھر رہے جائیں۔ بروقت بنی اسرائیل کے کروت کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ نہ کرنے کی معذرت کرتے ہوئے حضرت ہارون علیہ السلام کہنے لگے: اِنِّیۡ خَشِیْتُ... یعنی اگر میں بنی اسرائیل کو چھوڑ کر آپ کے پاس ان کی کارستانی بتانے چلا آتا تو مجھے اندیشہ تھا کہ آپ مجھے کہتے کہ تم نے انہیں تنہا کیوں چھوڑا، ان میں پھوٹ کیوں ڈال دی اور ایک نائب کی حیثیت سے تم نے میرے احکام کی حفاظت کیوں نہ کی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لٹا بھی رکھتے تھے اور ان کی بات بھی مانتے تھے (2)۔

قَالَ لَمَّا حَاطَبُكَ لِيَسَامِرِي ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِمَّنْ آتَرَ
الرَّسُولَ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلْتِ لِي نَفْسِي ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ
لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ ۝ وَانظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلَمْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا
لِنُجُودِهِ ۚ لَنْ نَنْسِفَهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ
كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

”آپ نے پوچھا اے سامری! (اس فتنہ انگیزی) سے تیری غرض کیا تھی؟ اس نے کہا میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے نہ دیکھی پس میں نے سٹی بھری رسول کی سواری کے نشان قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچہ میں) اور اس طرح آراستہ کر دی میرے لئے میرے نفس نے یہ بات۔ آپ نے (غم سے) فرمایا جلا جا۔ پس تیرے لئے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھر گیا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ اور بیشک تیرے لئے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ اور (ذرا) دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا (اس کا کیا حشر ہوتا ہے)۔ ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر ہم بکھر کر بھادیں گے اس سمندر میں اس (کی راکھ) کو۔ تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ کس چیز نے تجھے یہ فتنہ کھڑا کرنے پر اکسایا؟ حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ سامری باجرما کارہنے والا تھا اور اس کا تعلق ایسی قوم سے تھا جو گائے کی پرستش کرتی تھی۔ اس کے دل میں بھی گائے کی محبت گھر گئے ہوئے تھی، لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ اس نے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا (۱)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ کرمان کارہنے والا تھا۔ قنادہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق سامرانامی ہستی سے تھا۔ کہنے لگا: بَصُرْتُ..... یعنی فرعون کی ہلاکت کے لئے جب جبریل علیہ السلام آئے تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے پر سوار ہیں چنانچہ میں نے ان کے گھوڑے کے نشان قدم سے مٹھی بھر مٹی لے لی۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہی بات مشہور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام نیچے اترے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگے تو سامری نے دیکھ لیا اور جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشان قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی۔ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر اوپر چلے گئے، آسمان کے دروازے پر پہنچ کر اوپر چڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تختیاں لکھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تختیوں پر قلم چلنے کی آواز سن رہے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے فتنہ میں مبتلا ہونے کی خبر دی تو آپ نیچے اتر آئے اور پھٹے کو جلا دیا۔ یہ اثر بہت فریب ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے سمرتلے سے مٹی بھری، اقبضہ مٹی کو بھی کہتے ہیں اور چنگی کو بھی (2)۔ پھر اس نے یہ مٹی بنی اسرائیل کے زیورات پر ڈال دی اور زیورات کو گلا کر ایک پتھرے کا ڈھانچہ بنا دیا جو اندر سے کھوکھلا تھا، جب اس کے اندر سے ہوا گزرتی تو آواز پیدا ہوتی۔ تکریم کہتے ہیں کہ سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کو

دیکھا تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں ان کے گھوڑے کے نشان قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھ لوں اور اسے کسی چیز میں ڈال کر ”کُنْ“ کہوں تو وہ چیز میری خواہش کے مطابق وجود میں آجائے گی۔ چنانچہ اس نے ایک مٹھی بھری تو اس کی انگلیاں اسی طرح سوکھ گئیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چلے گئے تو نبی اسرائیل کو ان زیورات کے متعلق فکر دامن گیر ہو گئی جو انہوں نے آل فرعون سے عاریتاً لئے تھے۔ سامری انہیں کہنے لگا کہ ان زیورات کی وجہ سے تم پر مصیبت اتری ہے، اس لئے ان زیورات کو ایک جگہ جمع کر کے آگ لگا دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ زیورات سبجے اور انہیں آگ کی نذر کر دیا، آگ لگنے سے وہ پگھل گئے۔ یہ دیکھ کر سامری کے دل میں یہ خیال ابھرا کہ اگر یہ مٹھی اس میں ڈال کر ”کُنْ“ کہا جائے تو مطلوبہ چیز بن سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے مٹھی اس پر پھینکی اور کہا: ہو جا تو چھڑے کا ڈھانچہ بن گیا جس سے ذکر کرنے کی آواز برآمد ہوتی تھی۔ جب چھڑا تیار ہو گیا تو وہ نبی اسرائیل سے کہنے لگا کہ یہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے۔ اسی لئے کہنے لگا: فَتَقَبَّلْنَاهُ حَضْرَتِ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرَمَانِے گئے: فَذَاهَبَ۔ یعنی جس طرح تو نے اس چیز کو پکڑا اور مس کیا جسے پکڑنا اور مس کرنا تمہارے لئے جائز نہ تھا۔ اسی طرح تمہیں دنیا میں یہ سزا دی جاتی ہے کہ نہ تو لوگوں کو ہاتھ لگا سکے گا اور نہ لوگ تمہیں ہاتھ لگا سکیں گے۔ مزید برآں قیامت کے دن بھی تمہارے ساتھ عذاب کا وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ قنادہ کہتے ہیں کہ ”لَا مَسَلْسَ“ کبنا بطور سزا ہے اور ان کے بھائی بھی تک یہی کہتے ہیں کہ نہ چھوٹا (1)۔ حسن، قنادہ اور ابونبیک اس قول ”لَنْ نُخَلِّفَهُ“ کا معنی یہ بتاتے ہیں کہ تو اس سے عاقب نہیں ہو سکے گا۔ پھر فرما: يَا ذَا النُّفُوسِ الْيَاقِينِ۔ یعنی تو اپنے معبود (چھڑے) کی طرف دیکھ جس کی عبادت پر تو جمنا رہا، ہم اسے جلاؤ ایسے گے اور پھر اس کی راہ کو سمندر میں بہا دیں گے۔ قنادہ کہتے ہیں کہ اس چھڑے نے گوشت اور خون والے چھڑے جیسی شکل اختیار کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جلا ڈالا، پھر اس کی راہ کو سمندر میں بہا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی سے اللہ تعالیٰ کی طرف چلے گئے تو سامری نے جس قدر ممکن تھا نبی اسرائیل کی عورتوں سے زیورات جمع کر کے چھڑے کا ڈھانچہ تیار کر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جلا کر اس کی راہ کو دیا میں پھینک دی۔ چھڑے کی عبادت کرنے والوں میں سے جس نے بھی اس دور یا میں سے پانی پیا، اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ ہماری تو یہ کیسے قبول ہوگی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اس کا تفصیلی بیان سورہ بقرہ اور پھر حدیث متون میں گزر چکا ہے (2)۔ پھر فرمایا: اِنَّمَا اِلٰهُنَّ۔ یعنی یہ چھڑا تمہارا معبود نہیں بلکہ تمہارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عبادت کے لائق ہے اور عبادت صرف اسی کو کر لینا ہے کیونکہ ہر چیز اس کی محتاج اور اس کی بندگی میں مصروف ہے۔ اس فرمانِ دُوبِئَةً كُلُّ شَيْءٍ حَيٍّ فِيهَا میں علماء بطور تمیز منسوب ہے یعنی وہ ہر چیز کے متعلق پورا پورا علم رکھنے والا ہے، اس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کو اس نے سن کر شمار کیا ہے۔ ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے اوجھل نہیں ہو سکتی جو پتا کرتا ہے وہ اس کے متعلق بخوبی علم رکھتا ہے اور زمین کی تار کیوں میں جو کوئی دانہ ہے اور جو کوئی خشک وتر چیز ہے وہ سب کتاب مبین میں مرقوم ہے۔ زمین پر موجود ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے رحم سے وہ ہر ایک کی قرار گاہ اور ٹھکانے کو خوب جانتا ہے۔ سب کچھ واضح کتاب میں درج ہے۔ اس مضمون کی آیات بہت زیادہ ہیں۔

كُلُّ لَيْكُ تَقْصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقُ ۗ وَقَدْ آتَيْنَكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۗ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا ۗ خُلْدِيْنَ فِيْهِ ۗ وَسَاَءَ لَهُمْ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ جَلًّا ۝

”یوں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے خبریں ان لوگوں کی جو پہلے گزر چکے۔ اور ہم نے مرحمت فرمایا ہے آپ کو اپنی جناب سے ایک چند نام۔ جو شخص روگردانی کرے گا اس سے وہ اٹھائے گا قیامت کے دن ایک بوجھ۔ یہ لوگ ہمیشہ اس بوجھ تلے دبے رہیں گے اور بہت تکلیف دہ ہوگا ان کے لئے روز قیامت یہ بوجھ۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیار سے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ سے آگاہ کیا، اسی طرح ہم مزید خبریں بغیر کی پیشی کے آپ ﷺ کے سامنے بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو قرآن کریم کی صورت میں ایسا پند نامہ مرحمت فرمایا ہے جس کی طرف باطل راہ نہیں پاسکتا، اسے نازل کرنے والی ذات حکیم اور حید ہے۔ اس نے اس سے زیادہ کامل اور ماضی و مستقبل کی خبروں کی اس سے زیادہ جامع کتاب کسی نبی پر نازل نہیں کی، اس لئے جس نے اس سے اعراض کیا، اسے جھٹلایا، اس کی اتباع سے منہ موڑا اور کسی دوسری کتاب سے ہدایت طلب تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو گمراہ کر دیتا ہے اور سیدھا جہنم میں دھکیں دیتا ہے، اس لئے فرمایا: مَنْ أَخْرَضَ عَنِّي . اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ يَنْتَفِرْ بِهِ مِنْ آذَانِ ابِ قَائِلًا رَضْعًا (ہود: 17) ”اور جو اس کے ساتھ کفر کرے مختلف گروہوں سے تو آگ ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے۔“ یہ حکم ہر اس شخص کے لئے مام ہے جس تک قرآن کا پیغام پہنچ جائے خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، کتابی ہو یا غیر کتابی جیسا کہ فرمایا: ”لَا تَنْتَفِرْ بِهِ وَمَنْ يَنْتَفِرْ بِهِ يَكُ مِنَ الْآلِفَانِ“ (الانعام: 19) ”تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں ذراؤں اور اسے جس تک یہ پہنچے“، جس شخص تک قرآن کا پیغام پہنچ گیا اس کے لئے یہ نذر اور داعی ہے۔ جس نے اس کی اتباع کی، وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس کی مخالفت کی اور اس سے انحراف کیا وہ دنیا میں گمراہ اور بد بخت ٹھہرا اور قیامت کے دن اس کے ساتھ آگ کا وعدہ ہے۔ اس سے اسے رہائی نصیب نہیں ہوگی اور قیامت کے دن یہ بہت برا بوجھ ہوگا جسے یہ اٹھائیں گے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ رُزْمًا ۖ يُتَعَاقَبُونَ بِبَيْنِهِمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۖ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ۚ اذِيقُوا آصْنَاهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝

”جس روز پھونکا جائے گا صور میں اور ہم جمع کریں گے مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی۔ چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر صرف اس دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب ان میں سب سے زیادہ ذریعہ کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر صرف ایک دن۔“

رسول اللہ ﷺ سے صور کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک قرن (سینگ) ہے جس میں پھونکا جائے گا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صور میں آتا ہے کہ یہ بہت بڑا قرن ہے اور اس کا دائرہ بقدر آسمانوں اور زمین کے ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام اس میں پھونکیں گے (2)۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”میں کیسے راحت و آسائش میں رہوں حالانکہ صور پھونکنے والے نے صور اپنے منہ میں لے لیا ہے، اپنی پیشانی جھکا دی ہے اور اب منتظر ہے کہ کب حکم ملتا ہے۔“ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! پھر ہم کیا پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہو: ”حَسْبَا اللّٰهُ وَمَعْمَ اٰنُو كُنْ عَلٰى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا“ (3)۔

فرمایا: **وَنُحْشِرُ الْمُجْرِمِينَ** یعنی اس دن ہم مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ خوف اور دہشت کے سبب ان کی آنکھیں نملی ہوں گی اور وہ چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دنیا میں تمہارا قیام تو بہت کم تھا یعنی صرف دس دن۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يَنْحَنُّونَ أَغْلَمُ ...** یعنی ہم ان کی سرکوشیوں سے بھی خوب واقف ہیں جب کہ ان میں سے زیادہ ذریعہ اور عقلمند کہے گا کہ تم تو صرف ایک دن دنیا میں ٹھہرے۔ قیامت کے دن دنیاوی زندگی انہیں بہت مختصر محسوس ہوگی، کیونکہ دنیا کے اوقات اگرچہ پلٹ پلٹ کر آتے رہتے ہیں اور دنوں اور راتوں کا سلسلہ ہیچم جاری رہتا ہے، اس کے باوجود یوں محسوس ہوگا جیسے دنیاوی زندگی صرف ایک دن پر مشتمل تھی، اسی لئے کافر قیامت کے دن دنیاوی زندگی کو بہت مختصر خیال کریں گے۔ اس سے غرض یہ ہوگی کہ وہ اپنے خلاف حجت قائم نہ ہونے دیں، اس لئے فرمایا: **وَيَوْمَ تَنْتَهُمُ السَّاعَةُ يُحْشِرُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ تَطُوعُ السَّاعَةِ ...** **وَكَيْفَ تَكْفُرُ كَيْفَ لَا تَتَّقُونَ (الزوم: 55-56)**، **أَوَلَمْ نُعَمِّدْكُمْ مَاءِ شَدِيدًا كَثِيرًا فَيَمُوتُوا وَآتَاكُمْ اللَّهُ الْمَوْتَ الَّذِي ذُكِّرْتُمْ (فاطر: 37)** ”کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہ دی تھی جس میں نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور آگیا تمہارے پاس نذیر، **فَلَوْلَا كَفَرْتُمْ فِي الْآيَاتِ فِي الْأَنْفُسِ مَدَدًا يَسِينُونَ** ﴿ قَالُوا الْبَيْتُ نَايِبًا مَا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ فَتَنَّا بِالْعَادَةِ إِنَّكُمْ إِنَّا لَأَعْلَمُ مَا تَكْفُرُونَ ﴿ قُلْ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْ أَكْثَمِ كَيْفَ تَكْفُرُونَ (المومنون: 114-112) ”تم زمین میں کتنے سال ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ آپ پوچھ لیں سال گننے والوں سے ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ کا شتم (اس حقیقت کو پہلے ہی) جان لیتے۔“ یعنی دنیا میں تمہارا قیام بہت کم تھا، اگر تم حقیقت کو جان لیتے تو باقی کو فانی پر ترجیح دیتے لیکن تم نے بہت برا تصرف کیا، فانی دنیا کو باقی رہنے والی آخرت پر مقدم اور افضل سمجھتے رہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿ لَا تَبْقَىٰ فِيهَا جَبَلًا ﴿ وَلَا أَمْتًا ﴿ يَوْمَ يَمْشِي يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَابَ لَهُ ﴿ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِرَبِّ رَحْمٰنٍ ﴿ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿

”اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہوا میدان۔ نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ۔ اس روز سب لوگ بیخود کریں گے پکارنے والے کی کوئی روگردانی نہیں کر سکے گا اس سے۔ اور خاموش ہو جائیں گی سب آوازیں رحمن کے خوف سے پس تو نہ سنے گا (اس روز) مگر نہ ہم ہی آہٹ۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ قیامت کے دن باقی رہیں گے یا زائل ہو جائیں گے؟ آپ انہیں فرمادیں کہ میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر مٹا دے گا اور پھر انہیں صاف چھیل میدان بنا چھوڑے گا۔ ”قاع“ کا معنی ہے ہموار زمین۔ ”صفصف“ اس کی تائید ہے، اس کا معنی چھیل میدان بھی کیا گیا ہے جہاں کوئی چیز نہ رہے لیکن پہلا معنی زیادہ موزوں ہے اور دوسرا معنی مراد ہی اور لازمی ہے۔ اس لئے فرمایا: **لَا تَلْبَسِي** .. یعنی اس دن زمین پر نہ کوئی وادی، نہ کوئی ٹیلہ اور نہ کوئی تشیب و فرافز دکھائی دے گا۔ ان حالات اور ہولناکیوں کو جس دن وہ دیکھیں گے تو فوراً پکارنے والے کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کی طرف دوڑے چلے جائیں گے۔ اگر وہ دنیا میں ایسے کرتے تو ان کے لئے زیادہ نفع بخش ہوتا لیکن آج تو یہ دوڑ دھوپ بے سود ہے جیسا کہ ارشاد

ہے: اَسْمَاءُ يَوْمَ وَيَوْمَ وَيَوْمَ يَأْتُونَ تَنَا (مریم: 38) ”یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے“، فَهَيَّطِيْنَ رِئِيَ الدَّارِ (القر: 8) ”بلانے والے کی طرف ڈرتے ڈرتے بھاگے جا رہے ہوں گے“۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو تار کی میں جمع کرے گا، اس روز آسمان لپیٹ دیا جائے گا، ستارے بکھر کر گر پڑیں گے، چاند اور سورج محو ہو جائیں گے اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا جس کی آواز کا قصد کرتے ہوئے کبھی چل دیں گے، یہی مفہوم اس فرمان یَوْمَ يَتَّبِعُونَ ... کا ہے (1)۔ تمادہ اس فرمان

لَا يَجْزِيكَ كَايَهِ مَطْلَبٌ بِنَاتِيهِ كَرِئِيْلُ اس سے انحراف نہیں کر سکیں گے۔ ابوصالح کہتے ہیں کہ یہ ”لا عوج عنہ“ کے معنی میں ہے یعنی کوئی اس سے روگردانی نہیں کر سکے گا۔ حضرت ابن عباس اس فرمان وَخَشَعَتِ خَامُوشٌ ہو جائیں گی۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے ”ہمس“ کا معنی قدموں کی چاپ نقل کرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی بدہم آواز نقل کیا گیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے اس سے مراد سرگوشی اور قدموں کی آہٹ دونوں چیزیں مراد لی ہیں۔ میدان حشر کی طرف سکون و خضوع کے ساتھ چلتے ہوئے قدموں کی چاپ تو لاجائز ہوگی اور جہاں تک چپکے چپکے گفتگو کرنے کا تعلق ہے تو یہ بعض حالات میں ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ يَأْتِي تِلْكَ صَفْوَةٌ لِّلنَّفْسِ اِلَّا بِاِذْنِهِمْ فَبِمَا كَفَرْتُمْ كُفِرْتُمْ بِهِ لَئِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (ہود: 105) ”جس دن کوئی شخص بول نہ سکے گا مگر اس کی اجازت سے، بعض ان میں سے بد نصیب ہوں گے اور بعض خوش نصیب“۔

يَوْمَ يَوْمٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اِذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَاضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ وَعَسَىٰٓ اَنْ يُّجُوْا لِلَّذِيْنَ اَلْتَمُوْهُمُ ۝ وَقَدْ خَابَ مَن حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفِ ظُلْمًا وَاَوْ لَا ذَنْبًا ۝

”اس دن نہیں نفع دے گی کوئی سفارش سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمن نے اجازت دی اور پسند فرمایا ہو اس کے قول کو۔ وہ جانتا ہے لوگوں کے آنے والے حالات کو اور ان کے گزرے ہوئے اوقات کو اور لوگ نہیں احاطہ کر سکتے اس کا اپنے علم سے۔ اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے جی و قیوم کے سامنے۔ اور نامراد ہو جس نے لا دا اپنے (سر) پر ظلم (کا بار گراں)، اور جو شخص کرتا ہے نیک اعمال اور وہ ایماندار بھی ہو تو اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا“۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اس شخص کی سفارش نفع بخش ہوگی جسے وہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے جیسا کہ متعدد مقامات پر فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهِ (البقرہ: 255) ”کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے“، وَكَذٰلِكَ يَرْتَدُّ فِي السَّلٰوٰتِ لَآ تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مَنِ بَعْدَ اَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى (النجم: 26) ”اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لئے چاہے اور پسند فرمائے“، وَكَذٰلِكَ تُفَفِّحُوْنَ اِلَّا لِمَنْ اَرَادَ تَقْضٰى وَّهُمْ لَيْنٌ حٰشِيْتَهُمْ مَّشْفَعُوْنَ (الانبیاء: 28) ”اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے ہیں“، وَكَذٰلِكَ تُفَفِّحُوْنَ الشَّفَاعَةَ عِنْدَهُ اِلَّا لِمَنْ اِذِنَ لَهُ (سبا: 23) ”اور نہ نفع دے گی اس کے ہاں سفارش مگر جس کے لئے

اس نے اجازت دی ہو، ”يَوْمَ يَقُومُ الرُّسُلُ وَالسَّكَّةُ صَفًّا لَا يَتَسَكَمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا (النبا: 38)“ جس روز روح اور فرشتے پرے ہاندھے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے۔“ اولاد آدم کے سردار اور سب مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ معزز اور محبوب بندے اور رسول ﷺ فرماتے ہیں: ”میں عرشِ تے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا، اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد و ثناء کی بے شمار تعبیہات القاء فرمائے گا جن کا شمار میں اب نہیں کر سکتا اور جس قدر اسے منظور ہوا، وہ مجھے اسی حالت میں رہنے دے گا، پھر فرمائے گا: اے محمد ﷺ! اپنا سر اٹھاؤ، کہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی جنہیں میں جنت میں داخل کرنے کے بعد پھر لوٹ کر ایسا ہی کروں گا“ (1)۔ چار مرتبہ یہی ہوگا۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ جہنم سے ہر اس شخص کو نکال لو جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے اور جس کے دل میں اس سے بھی کم، اس سے بھی کم، اس سے بھی کم ایمان ہوا ہے بھی جہنم سے باہر لے آؤ“ (2)۔ پھر فرمایا: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَيَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَدْبَارِهِ (البقرة: 255) ”اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے گھرجتا وہ چاہے۔“

اس ارشاد وَعَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمُ کے ساتھ جھک جائیں گے جوئی و قوم ہے، نہ اسے موت آتی ہے اور نہ نیند، وہی ہر چیز کا مدبر، منتظم اور محافظ ہے اور کامل ذات صرف وہی ہے، باقی ہر چیز اس کی محتاج ہے اور کوئی چیز اس کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔ فرمایا: وَوَكَّلْنَا نَبِيًّا . یعنی قیامت کے دن وہ شخص نامراد ہوگا جس نے ظلم کا بارگراں اٹھایا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر حقدار کو اس کا حق دلوائے گا یہاں تک کہ بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلویا جائے گا (3)۔ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے: ”اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! کسی ظالم کا ظلم آج مجھ سے متجاوز نہیں ہو سکے گا“۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن تار کیوں کی صورت میں ظاہر ہوگا اور اس شخص کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے شرک کرتا ہو املا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے“ (4)۔ ظالموں کے ذکر اور انہیں وعید سنانے کے بعد متفقین کے متعلق فرمایا: وَوَعَنَّا يَعْمَلُ مِنَ الضَّالِّطِينَ یعنی نہ ان پر ظلم کرتے ہوئے ان کے گناہوں میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان کی حق تلفی کرتے ہوئے ان کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی۔ ظلم کا معنی ہے زیادتی کہ کسی اور کے گناہ کسی شخص کے ذمہ کر دیے جائیں اور ہضم کا معنی ہے کمی۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَوَعَدْنَا قَوْمَهُ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحَدِّثُ إِلَهُمْ
ذِكْرًا ۝ فَتَعَلَى اللَّهُ الْمَالِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ
وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝

1- فتح الباری، تفسیر سورہ البقرہ، جلد 8 صفحہ 160، صحیح مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 181

2- سنن نسائی، کتاب الایمان، جلد 8 صفحہ 112-113، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 94-95

3- صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 1 صفحہ 1997، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 235

4- صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1996، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 323

”اور اسی طرح ہم نے اتارا اس کتاب کو قرآن عربی زبان میں اور طرح طرح سے بیان کیس اس میں گناہوں کی سزا میں تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا پیدا کر دے یہ قرآن ان کے دلوں میں یہ سمجھ۔ پس اعلیٰ و ارفع ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے۔ اور نہ غلبت کیجئے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی۔ اور دعانا گناہ کیجئے میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو۔“

چونکہ قیامت کا وقوع اور نیک و بد اعمال کا بدلہ ملنا یقینی اور حتمی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوگوں کو بشارت دینے اور بروقت خبردار کرنے کے لئے فصیح عربی زبان میں قرآن کریم اتارا جس میں نہ کوئی التباس ہے اور نہ کوئی عجز، اور اس میں ہم نے گناہوں کی سزائوں کو طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ گناہوں، برائیوں اور حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کریں یا قرآن کریم ان میں سمجھ پیدا کر دے جس کی وجہ سے وہ اطاعت شعار بن جائیں اور نیک کاموں میں مشغول ہو جائیں، پس منزه، مقدس اور اعلیٰ و ارفع ہے وہ اللہ جو سچا بادشاہ ہے اور حق ہے، اس کی وعید حق ہے، اس کے رسول حق ہیں، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے حتیٰ کہ اس کی طرف سے ہر چیز حق ہے اور اس کا عدل اس بات سے بہت بالاتر ہے کہ وہ انذار، بعثت رسل اور تمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب میں مبتلا کر دے، وہ سب کے عذر شخم کر کے عذاب دیتا ہے تاکہ کسی کے لئے حجت اور شہید باقی نہ رہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ . اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: لَا تَعْجَلْ بِهِ لِيَسْأَلَنَّكَ لِتَعَجَّلَ بِهِ ﴿١٩﴾ إِنَّ عَلَيْكَ جُنُودَ اللَّهِ وَلَقَدْ أُنزِلَتْ ﴿٢٠﴾ فَلَا تَقْرَأُ الْكُتُبَ قُرْآنًا ﴿٢١﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْكَ لِيَأْتِيَنَّكَ (القیامت: 19-16) ”آپ اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ اسے جلدی یاد کر لیں، ہمارے ذمہ ہے اسے (سینہ میں) جمع کرنا اور اسے پڑھانا پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اسی پڑھنے کا اتباع کریں پھر اسے کھول کر بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نزول وحی کے وقت رسول اللہ ﷺ بڑی شدت محسوس کرتے اور آپ جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت دیتے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، مطلب یہ کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس وحی لاتے اور کوئی آیت تلاوت کرتے تو چونکہ آپ حفظ قرآن کے معاملہ میں بہت حریص تھے، اس لئے جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ بھی پڑھتے جس کے باعث آپ ﷺ کو وقت کا سامنا کرنا پڑتا، اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو آسان کرتے ہوئے اور اس مشقت کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا: ”لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ“ یعنی یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم قرآن کو آپ ﷺ کے سینے میں محفوظ کر دیں گے، پھر آپ اسے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں گے اور اس میں سے کوئی چیز آپ کو نہیں بھولے گی۔ یہاں فرمایا: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ یعنی قرآن پڑھنے میں غلبت سے کام نہ لیں اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی مکمل ہو جائے بلکہ غور سے سنیں۔ جب فرشتہ اس کی قرأت سے فارغ ہو جائے تو اس کے بعد آپ اسے دہرائیں اور یہ دعا کرتے رہا کریں: رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا یعنی اے میرے پروردگار! اپنی جناب سے میرے علم میں اضافہ فرما۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے علم میں تادم و الجہیں اضافہ ہوتا رہا، اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے: ”اللہ تعالیٰ مسلسل اپنے رسول پر وحی بھیجتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے وصال کے دن پہلے سے زیادہ وحی نازل ہوئی“ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”اے اللہ! مجھے اس علم سے نفع پہنچا جو تو نے مجھے سکھایا، مجھے وہ علم عطا فرما جو مجھے نفع پہنچائے، میرے علم میں اضافہ فرما اور ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں“ (2)۔ بزرگ کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

1 صحیح بخاری، کتاب الفضائل، جلد 6 صفحہ 224، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 2312

2 بحار صغیر، جلد 1، باب الدعاء، جلد 13 صفحہ 86، سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 1260

”اور میں اہل نار کی حالت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔“

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ قَنُوسَىٰ وَ لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۙ أَبَىٰ ۝ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَ لِي وَ جَكَ فَلا يَخِرْجَنَّكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشقى ۝ إِنَّ لَكَ أَلًا تَجُوعُ فِيهَا وَ لا تَعْرَىٰ ۝ وَ أَنْتَ لا تَطْمَؤُنُ فِيهَا وَ لا تَصْحَىٰ ۝ فَوَسَّوْا لِلشَّيْطَانِ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةٍ الْخُلْدِ وَ مَلَائِكِ لا يَبْئُتُ ۝ فَكَلَّا مِنْهَا فَبَدَّتْ لَهُمَا سَواتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذَرَمَاتِ الْجَنَّةِ ۝ وَ عَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۝ ثُمَّ اجْبَسَهُ رَبُّهُ قِطَابَ عَلَيْهِ وَ هَلَىٰ ۝

”اور ہم نے تمہم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد۔ اور جب ہم نے تمہم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سو اے اللہس کے، اس نے (تمہم بجالانے سے) انکار کر دیا۔ اور ہم نے فرمایا اے آدم! بیشک یہ تمہارا دشمن ہے اور تیری زوجہ کا بھی سو (ایسا نہ ہو) کہ وہ نکال دے تمہیں جنت سے اور تم معصیت میں پڑ جاؤ۔ بیشک تمہارے لئے یہ ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی یہاں اور نہ تم ننگے ہو گے۔ اور تمہیں نہ پیاس لگے گی یہاں اور نہ دھوپ ستائے گی۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ اس نے کہا اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمہیں بھنگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی نازل نہ ہو۔ سو (اس کے پھسلانے سے) دونوں نے کھالیا اس درخت سے تو (فوراً) برہنہ ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ چپکانے لگ گئے اپنے (جسم) پر جنت (کے درختوں) کے پتے۔ اور حکم عدلی ہو گئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ با مراد نہ ہوا۔ پھر (اپنے قرب کے لئے) چن لیا انہیں اپنے رب نے اور (غفور و رحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انسان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سب سے پہلے جو حکم اے دیا گیا تھا، یہاں سے بھول گیا۔ مجاہد اور حسن فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ترک کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی کرامت، فضیلت اور شرف کو یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا۔ یہ قصہ سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ حجر اور سورہ کہف میں بھی گزر چکا ہے اور سورہ ص میں بھی اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ ان سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور ان کی تشریف و تکریم کے لئے ملائکہ کو انہیں سجدہ کرنے کے حکم کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آدم علیہ السلام اور بنی آدم کے لئے انہیں کی ازلی عداوت کا بیان بھی وضاحت سے ہوا ہے، اس لئے فرمایا: فَسَجَدُوا۔ یعنی سوائے انہیں کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس نے تکبر کرتے ہوئے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ سو ہم نے بتا دیا: اے آدم علیہ السلام! یہاں سے تمہارا بھی دشمن ہے اور تمہاری زوجہ کا بھی، کہیں، ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکال دے اور پھر تمہم طلب رزق میں تمہا کو اور مشقت کا شکار ہو جاؤ۔ یہاں تمہیں بغیر کسی تکلف اور مشقت کے آسودگی اور خوشحالی میسر ہے۔ یہاں نہ تمہیں بھوک لگتی ہے اور نہ تم برہنہ ہوتے ہو، نہ تمہیں یہاں پیاس لگتی ہے اور نہ دھوپ ستاتی ہے۔ بھوک اور برہنگی کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے کیونکہ بھوک باطنی تکلیف ہے اور برہنگی ظاہری تکلیف، اسی طرح پیاس اور دھوپ ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں، پیاس

اندرونی حرارت ہے اور دھوپ ظاہری حرارت۔ شیطانی وسوسہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ**۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شیطان انہیں دھوکہ دیتے ہوئے اور قسمیں اٹھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین دلانے لگا۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو ہر جنتی پھل کھانے کی اجازت دی تھی لیکن جنت میں ایک معین درخت کے قریب تک جانے سے بھی ان دونوں کو ممانعت کر دی گئی تھی۔ ابلیس کے مسلسل وسوسہ اندازی کرنے اور پھسلانے کے باعث آخر کار اس درخت سے کھا بیٹھے۔ ابلیس نے انہیں فریب دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس بیٹگی کے درخت سے جو کھا لیتا ہے اسے خلود مل جاتا ہے اور وہ ہمیشہ یہاں رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سو اسی سال تک چلتا رہے گا، اس کے باوجود وہ اسے طے نہیں کر پاتا۔“ یہی شجرۃ الخلد ہے“ (1)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دراز قامت اور زیادہ بالوں والا پیدا فرمایا، یوں محسوس ہوتا جیسے آپ لمبی کھجور ہیں۔ جب آپ نے ممنوعہ درخت سے کھا لیا تو آپ کا لباس آپ سے چھن گیا، جو نمی شرمگاہ پر نظری پڑی تو جنت میں اوھر اوھر چھپنے کی کوشش میں دوڑنے لگے، آپ کے بال ایک درخت کے ساتھ الجھ گئے، ابھی اپنے بال چھڑا ہی رہے تھے کہ ذات رحمن نے آواز دی: اے آدم علیہ السلام! آیا مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ جب آپ نے کلام رحمن سنا تو عرض کرنے لگے: اے میرے پروردگار! نہیں، بلکہ حیا دامن گیر ہونے کے باعث ایسا کر رہا ہوں، یا اللہ! مجھے یہ بتا دے کہ اگر میں توبہ کر کے رجوع کر لوں تو کیا میں واپس جنت میں آسکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں“ یہی مطلب اس آیت کا ہے: **فَتَنَّاكَ اِذْ مَرَرْتَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَتَابَ وَتَابَ إِلَيْهِ** (البقرہ: 37) ”پھر سکھ لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کی“۔ یہ روایت منقطع ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں بھی شک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد **وَصَفَقًا يُخْصِفْنَ**..... کا معنی بقول مجاہد یہ ہے کہ وہ اس طرح اپنے جسم پر پتے چپکانے لگے گئے جس طرح کپڑے میں بیوند لگائے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ انجیر کے پتے اتار اتار کر اپنی شرمگاہوں پر چپکانے لگے۔ پھر فرمایا:

وَعَصَىٰ آدَمَ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے مابین بحث چھڑ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے نبی لوگوں کو اپنی اغوش کے سبب جنت سے نکالا اور مشقت میں مبتلا کر دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ جن لیا، کیا آپ مجھے ایسے معاملہ کے متعلق ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے پہلے مجھ پر مقرر اور مقدر فرما دیا تھا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر برتری لے گئے“ (2)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب کے ہاں آپس میں مناقشہ ہو گیا جس میں آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو لا جواب کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، آپ میں اپنی روح پھونکی، آپ کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا پھر آپ نے اپنی غلطی کے باعث لوگوں کو زمین پر اتار دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ منتخب فرمایا، آپ کو وہ تختیاں عطا کیں جن میں ہر چیز کا بیکن ہے اور سرگوشی کرتے ہوئے اس نے آپ کو قریب کر لیا۔ یہ بتائیے کہ میری تخلیق سے سنا عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے تو رات لکھی؟

جواب دیا کہ چالیس سال پہلے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمانے لگے کہ کیا آپ نے اس میں یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی قلم عددی کی سو وہ ہمارا نہ ہوا؟ جواب دیا: ہاں۔ حضرت آدم علیہ السلام کہنے لگے کہ پھر آپ مجھے ایسے عمل پر کیوں ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل مجھ پر لکھ دیا تھا کہ میں اس کا ارتکاب کروں گا؟ اس طرح آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر جنت میں بازی لے گئے۔

قَالَ اهْوِطَا مِنْهَا جَبِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۗ فَاَمَّا يَا تَيْدِيْكُمْ مَّبِيٍّ هُدًى ۗ فَمَنْ اَتْبَعَهُ هُدًى اِيْ فَلاَ يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً صَنْجًا وَنَحْشَةً ۗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْلَى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذَلِكِ اَنْتَكَ الْاِثْنَا فَنَسِيْتَهَا ۗ وَكَذَلِكِ الْيَوْمَ تُنْتَسَى ۝

”حکم ملا دونوں اتر جاؤ یہاں سے اسٹھے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بھٹکے گا اور نہ بد نصیب ہوگا۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے، تو اس کے لئے زندگی (کا جامہ) کو تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اٹھا کر کے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! کیوں اٹھایا ہے تو نے مجھے ناپیدا کر کے میں تو (پہلے بالکل) بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا جائے گا۔“

حضرت آدم علیہ السلام، جوا علیہا السلام اور اہلسنت کو حکم ہوا کہ تم سب جنت سے نکل جاؤ۔ اس کی تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے (1)۔ پھر فرمایا: يَعْصُمُكُمْ لِيَعْفُ عَنْكُمْ ۗ وَرَأْفَتُنَا عَلَيْكُمْ ۗ وَمَا يَعْصِيْكُمْ اِلَّا اِلٰهُكُمْ ۗ فَاَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْلِمُونَ ۗ۔ یعنی تمہارے پاس میرے انبیاء و رسل اور کتابیں آئیں گی تو جس نے میری ہدایت کی اتباع کی وہ تو دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ ہی آخرت میں بد نصیب ہوگا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ هٰذَا فَاِنَّهُ كَانَ كَدَالِيَةٍ ۗ يَخْرُجُ مِنْهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۗ لِيَمْلِكُنَّ اَعْنَاقَهُمْ ۗ لِيَتَرَكُوْا فِىْهَا اَمْوَالَهُمْ اَمْوَالًا يَّخْرَبُوْنَ ۗ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ هٰذَا فَاِنَّ لَهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۗ۔ یعنی جو ذکر الہی سے منہ موڑتا ہے، احکام خداوندی سے روگردانی کرتا ہے اور رسولوں کے لائے ہوئے پیغام کو فراموش کر کے کسی اور کی اتباع میں لگ جاتا ہے تو اس کے لئے زندگی کا جامہ تنگ کر دیا جاتا ہے۔ وہ دولت و ثروت، ظاہری ٹھانڈے ہاتھ، بیش قیمت لباس، لذیذ کھانے اور پرسکون رہائش گاہیں حاصل ہونے کے باوجود اطمینان قلب اور انشراح صدر کی دولت سے محروم رہتا ہے بلکہ گمراہی کے باعث اس کا سینہ بہت ہی تنگ ہوتا ہے کیونکہ جب تک اس کے دل کو ہدایت اور یقین کی روشنی نصیب نہ ہو، وہ قتل، حیرت اور شبہات کا شکار رہتا ہے، یہ ہے زندگی کی تنگی۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس فرمان قرآن لے کر معیشۃ صَنْجًا کا یہ مفہوم نقل کرتے ہیں کہ وہ شقاوت کا سزاوار ہو جاتا ہے، عوفی آپ ہی سے یہ معنی نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو کم یا زیادہ عطا فرماتا ہے لیکن وہ اس میں تقویٰ اختیار نہیں کرتا تو اس میں اس کے لئے کوئی بھلائی نہیں، یہی معیشت میں تنگی ہے۔ آپ ہی فرماتے ہیں کہ ایک گمراہ قوم نے حق سے انحراف کیا اور تکبر کو اپنا شعار بنا لیا، آسودگی اور خوشحالی حاصل ہونے کے باوجود ان کی زندگی تنگی کا شکار تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی کرتے ہوئے اور اس کے وعدوں کی تکذیب کرتے ہوئے یہ خیال کیا کرتے تھے کہ وہ انہیں

اخروی نعمتوں سے نہیں نوازے گا۔ جب ایک بندہ اللہ تعالیٰ کو چھٹاتا ہے، اس کے ساتھ بد کمائی کرتا ہے اور بے اعتمادی کا اظہار کرتا ہے تو اس کی زندگی اس پر دشوار اور سخت ہو جاتی ہے، یہی زندگی کی تنگی ہے (1)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ”مَعِيْشَةُ ضَلَّتْ“ سے مراد برائے عمل اور ضیعت رزق ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قبر کی تنگی ہے یعنی اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی دونوں طرف کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کی قبر سرسبز و شاداب باغ ہے، اسے ستر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اسے یوں منور کر دیا جاتا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس آیت **فَإِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكًا** کا شان نزول کیا ہے، کیا تم جانتے ہو کہ ”مَعِيْشَةُ ضَلَّتْ“ سے کیا مراد ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”کافر کے لئے عذاب قبر، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس پر ننانوے اژدھے مسلط کئے جاتے ہیں، ہر اژدھے کے ساتھ سر ہوتے ہیں، وہ قیامت تک پھنکارتے، اس کے جسم کو ڈستے اور لو پختے رہتے ہیں۔“ اس روایت کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”تنگ زندگی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر نوے اژدھے مسلط کرو دیتا ہے جو قیامت تک اس کے گوشت کو ڈستے اور لو پختے رہیں گے“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ مجاہد، ابوصالح اور سدھی اس فرمان **وَنُحْشِرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰی** کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی، مگر وہ اس کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ سوائے جہنم کے ہر چیز اس پر مخفی ہوگی۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اس حال میں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا کہ وہ ظاہری بینائی اور باطنی بصیرت سے محروم ہوگا جیسا کہ دوسرے مقدمہ پر فرمایا: **وَنُحْشِرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُنِيًا وَّ بَيْنَمَا وُضِعَتْ اَعْيُنُهُمْ اَلْوَيْحٰتُ جَهَنَّمَ** (بنی اسرائیل: 97) ”اور قیامت کے دن ہم انہیں منہ کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے“، اس لئے وہ کہے گا: **رَبِّ اَلَيْمَ حَسْرَتِيْ** اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: **كُنْ لِيْكَ اَشْتَكُ**۔ یعنی تیرے پاس ہماری آیات آئیں لیکن تو نے ان سے منہ موڑ لیا اور انہیں فراموش کر دیا۔ آج ہم یہی معاملہ تجھ سے کریں گے اور تجھے فراموش کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: **فَالْيَوْمَ نُنْشِرُهُمْ كَمَا نَسُوْا اِلْتِقَاءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا** (الاعراف: 51) ”آج ہم انہیں فراموش کر دیں گے جیسے انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا“۔ کیونکہ جیسا گل ہو، اسی نوعیت کی جزا ہوتی ہے۔ اگر قرآن کریم کے الفاظ بھول جائیں لیکن ان کے معانی ذہن نشین ہوں اور انسان قرآن پر عمل پیرا ہو تو وہ اس وعید خاص میں داخل نہیں اگرچہ ایک دوسری جہت سے وہ اس وعید کا سزا دار ہے کیونکہ اس معاملہ میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے نہایت سخت وعید وارد ہوئی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”جس آدمی نے قرآن کریم پڑھ کر بھلا دیا تو وہ جس دن اللہ تعالیٰ سے ملے گا، جدا مزدوں ملے گا“ (3)۔

وَكُنْ لِيْكَ تَجْرِيْ مِّنْ اَسْرَفٍ وَّلَمْ يَجْعَلْ يٰ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَكَانَ اَبُ الْاَخْيَارِ اَشَدُّ وَاَبْيَشَ ﴿١٥﴾
 ”اور یونہی ہم بدلہ دیں گے ہر اس شخص کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور نہ ایمان لایا اپنے رب کی آیتوں پر۔ اور (من لو!) آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیر پا ہے۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والوں اور آیات الہی کو جھٹلانے والوں کو ہم اسی طرح دنیا و آخرت میں بدل دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: **نَوْمُ عَذَابٍ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَعَذَابُ الْأَجْرِ فِي الْآخِرَةِ** "وَمَا لَكُمْ فِي الْأَجْرِ أَنْ تَقُولُوا لِمَنْ كَفَرَ مِنَّا وَقَالَ بَدَلْتُهُ بِعَدَابِي" (سورہ بقرہ: 25)۔ ان کے لئے دنیاوی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بڑا سخت ہوگا اور انہیں اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی نہیں۔ اس لئے فرمایا: **وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ**۔ یعنی اخروی عذاب دنیاوی عذاب سے زیادہ المناک اور دائمی ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ اس عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے لعان کرنے والوں سے فرمایا تھا: "وینا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا اور معمولی ہے" (1)۔

أَقَامَ بِيَهْدِيهِمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ يَئِسُونَ فِي مَسْئِلِهِمْ لَئِن فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَى ﴿٢٦﴾ وَكَذَٰلِكَ نَكْتُبُكَ مِن تَرَاتُوبِ الْأَمْثَالِ وَأَجَلِ مُسَيِّئِ قَاصِدٍ عَلَى مَا يَتَقَوَّلُونَ وَسَيَّحِرِ حَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِن آنَاءِ الْيَلِ قَسَبِ حَوْ وَأَطْرَافِ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْتَهِي ﴿٢٧﴾

”کیا (یہ بات) انہیں راہ راست نہ دکھا سکی کہ کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے (بد اعمالیوں کے باعث) ان سے پہلے برباد کر دیا ہے۔ اور اگر ان کے (انجام کے) متعلق آپ کے رب کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا اور ان کے لئے ایک وقت مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو ابھی ان پر عذاب نازل ہو جاتا۔ پس (اے صیب!) صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے لمحوں میں اس کی پاکی بیان کرو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ آپ خوش رہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کو جھٹلانے والے لوگوں کو کیا یہ بات راہ راست نہ دکھا سکی کہ ہم نے ان سے پہلے کئی قوموں کو اس لئے ہلاک کر دیا کہ وہ رسولوں کو جھٹلاتے تھے، اس کی پاداش میں انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، یہ کوئی دھکی چھپی بات نہیں بلکہ یہ کفار جب ان قوموں کی اجڑی ہوئی بستیوں سے گزرتے ہیں تو اپنی آنکھوں سے اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس میں دانشمندی اور عقلمندی کے لئے قدرت خداوندی کی واضح نشانیاں موجود ہیں جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: **أَفَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي الْأَمْثَالِ فَمَا كُنُوا لَهَا فَتًى يَتَقَوَّلُونَ بِهَا كَذِبًا وَأَذَانًا يَسْمَعُونَ بِنَاءٍ فَإِنَّهَا لَآ تَعْمَى الْأَنْصَارُ وَفَكُن بَعْضُ الْأَقْلَابِ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج: 46)** ”کیا انہوں نے زمین میں سیاحت نہیں کی تاکہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے وہ سن سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں“، **أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَئِسُونَ فِي مَسْئِلِهِمْ** (سجدة: 26) ”پھر فرمایا: **وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ**۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ہی یہ طے نہ ہو چکا ہوتا کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا اور ان جھٹلانے والوں کے لئے ایک مدت مقرر نہ کر دی گئی ہوتی تو انہیں اچانک عذاب اپنی پیٹ میں لے لیتا، اسی لئے اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: **قَاصِدٍ**۔ یعنی ان کی تکذیب اور دل دکھانے والی باتوں

پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب کے بعد تسبیح بیان کریں۔ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ سے مراد نماز فجر ہے اور قَبْلَ غُرُوبِهَا سے مراد نماز عصر ہے جیسا کہ حضرت جریر بن عبد اللہ احملی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا: ”تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم یہ چاند دیکھ رہے ہو اور اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑے گی۔ اگر تم طلوع آفتاب سے پہلے کی نماز اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز کی پابندی کر سکو تو ضرور ایسا کرو“ (1)۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”وہ شخص ہرگز آگ میں داخل نہیں ہوگا جو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز میں پڑھتا رہا“ (2)۔ مسند اور سنن میں حضرت اب عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہے جو دو ہزار سال کی مسافت تک اپنی تکلیف دیکھے گا، وہ دو دراز کی چیز اور اپنے سے قریب ترین چیز کو میاں دیکھے گا اور سب سے اعلیٰ درجے والا جنتی وہ ہے جو دن میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا“ (3)۔ پھر فرمایا: ذُو مِثْقَالِ أُتَىٰ اِنْتِیْلُ یعنی رات کی گھڑیوں میں تجھ پڑھیں۔ بعض نے اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں لی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اَخْتَرَفَ اللّٰہُ بِرَازِکِرْفَرْمَا یعنی رات کی گھڑیوں میں اور دن کے اطراف میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کریں تاکہ آپ خوش اور راضی ہو جائیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ذُو مِثْقَالٍ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَتَرْضٰی (الضحیٰ: 5)۔ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔“ حدیث صحیح میں ہے: ”اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جنتیو! وہ عرض کریں گے: ”لَبِیْکَ رَبَّنَا وَ سَعَدَیْنِ“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمارا کیا مجال ہے کہ ہم راضی نہ ہوں حالانکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے تو نے کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز عنایت کرتا ہوں۔ وہ عرض کریں گے کہ اس سے افضل چیز کون سی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اپنی خوشنودی سے سرفراز کرتا ہوں، اس کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا“ (4)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: ”اے جنتیو! اللہ تعالیٰ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا وہ اسے پورا کرنا چاہتا ہے۔ عرض کریں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا اس نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے، ہماری نیکیوں کے پلڑے ہماری نہیں کر دیئے، کیا ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی اور جنت میں داخل نہیں کیا؟ (پھر باقی کیا رہ گیا ہے) اسی وقت حجاب اٹھ جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، اللہ کی قسم! دیدار سے بہتر کوئی اور نعمت نہیں ہوگی، یہی زیادتی اور اضافہ ہے“ (5)۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفِثَنَّهُمْ فِيهَا
وَمِمَّا زَكَّيْنَاكَ خَيْرًا وَأَبْغَىٰ ۝ وَأَمَّا أَهْلُكَ بِالضَّلَاطَةِ وَأَصْطَلَبُوا عَلَيْهَا ۝ لَا تَسْأَلُكَ رِزْقًا
عَنْ نَّرِّكَ ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝

1۔ صحیح بخاری، کتاب موایت اخلاصہ جلد 1 صفحہ 145، صحیح مسلم، کتاب الہدایہ، جلد 1 صفحہ 439

2۔ صحیح مسلم، کتاب الہدایہ، جلد 1 صفحہ 440، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 136

3۔ عارضۃ الاحادیث، تفسیر سورۃ قیامت، جلد 12 صفحہ 230-233، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 13

4۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، جلد 9 صفحہ 142، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2176

5۔ صحیح مسلم، کتاب الامتحان، جلد 1 صفحہ 163، عارضۃ الاحادیث، ابواب صفة الجنۃ، جلد 10 صفحہ 18-19

”اور آپ مشتاق نگاہوں سے ندیکھتے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب و زینت ہیں دنیوی زندگی کی (اور انہیں اس لئے دی ہیں) تاکہ ہم آزمائیں انہیں ان سے۔ اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اور حکم دیجئے اپنے گھروالوں کو نماز کا اور خود بھی پابند رہیے اس پر۔ نہیں سوال کرتے ہم آپ سے روزی کا (بلکہ) ہم ہی روزی دیتے ہیں آپ کو۔ اور اچھا انجام پر بیزگاری کا ہی ہوتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان آسودہ حال اور نامدار کفار کی طرف مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیں جنہیں ہم نے طرح طرح کی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں کیونکہ یہ چیزیں دنیاوی زیب و زینت ہے جسے آخر کار فنا ہو جانا ہے۔ کفار کو ان چیزوں سے لطف اندوز کر کے ہم انہیں آزمانا چاہتے ہیں اور میرے بندوں میں سے شکر گزار تو بہت ہی کم ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اڈ و اجبا توہمہم سے مراد ماندار لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان سے بہت ہی بہتر نعمت سے نوازا ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَ لَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَائِلِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿٥٠﴾ وَ تَكُونُ مِنْ عَيْنِكَ ... (الحجر: 88-87) ”اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں عطا فرمائیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی، اپنی آنکھ اٹھ کر بھی نہ دیکھو۔“ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے جو خدوی انعامات تیار کر رکھے ہیں وہ بہت ہی گراں قدر ہیں، نہ ان کی حد بیان کی جا سکتی ہے اور نہ وصف جیسا کہ فرمایا: وَ نَسُوفُ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (النحل: 5) ”اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔“ اس لئے فرمایا: وَ رِزْقِي مَرَاتِنَ حَيْثُ وَ أَنْبَلِي۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کے دوران ایک بالاخانے میں عزالت نشینی اختیار کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ایک سخت اور کھردری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور مشکینے کے سوا اور کوئی سامان نہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے ساختہ رونا آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عمر! یہ رونا کیسا؟“ عرض کی: یا رسول اللہ! قیصر و کسری تو عیش و آرام میں ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ برگزیدہ ہونے کے باوجود اس حالت میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابن خطاب! کیا تم شک میں ہو؟ وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں دنیاوی زندگی میں ہی یہ نعمتیں مل گئیں“ (1)۔ آپ ﷺ باوجود قدرت کے سب سے زیادہ دنیا سے اعراض کرنے والے تھے۔ جب بھی دنیاوی مال و متاع آپ کے پاس آتا، آپ اسے فوراً خرچ کر دیتے اور آئندہ کل کے لئے کوئی چیز اپنے لئے بچا کر نہ رکھتے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ ”ذہوة الدنيا“ کا ہے جس کے دروازے اللہ تعالیٰ تم پر کھول دے گا۔“ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ازہرة الدنيا سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ”زمین کی برکات۔“ قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ ”ذہرة“ سے مراد زیب و زینت ہے (2)۔ پھر نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَأَمَّا أَهْلُكُمْ... یعنی اپنے گھروالوں کو نماز قائم کرنے کا حکم دیں تاکہ وہ عذاب سے محفوظ ہو جائیں اور خود بھی اس کی پابندی کریں جیسا کہ ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَخِيذُوا بِحُرْمِ اللَّهِ (6) ”اے ایمان والوں! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رات میں ایک وقت مقرر کر رکھا تھا جس میں اٹھ کر آپ نماز تہجد ادا کرتے، راوی کہتے ہیں کہ بعض اوقات آپ نہ اٹھتے تو ہم کہتے کہ آپ آج حسب معمول نہیں اٹھیں گے۔ آپ جب بھی نماز تہجد کے لئے اٹھتے تو اپنے گھروالوں کو بھی بیدار کرتے اور اسی آیت وَأَمَّا

أَفَلَنْتَ - کی تلاوت کرتے (1) - فرمایا: لَا تَسْتَلِكْهَا رِزْقًا - یعنی جب تم نماز قائم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جس کا تمہیں وہم و گمان بھی نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: وَصَحَّ يَفْقَهُ اللَّهُ يَجْعَلُ لَهُ مَعْرَجًا وَيُرِيهِ آيَاتٍ مِّنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: 3-2) "اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا" اور فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي - إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْتَمِيمُ (الذاریات: 56-58) "اور میں نے جن و انس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ - بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا اور بھرپور قوت والا ہے۔" اس لئے فرمایا: لَا تَسْتَلِكْهَا رِزْقًا - ثوری اس کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ ہم تمہیں کسی طلب کے مکلف نہیں بناتے۔ حضرت ہشام کے والد گرامی جب دنیا داروں کے پاس جاتے اور ان کی دنیاوی شان و شوکت کو دیکھتے تو وہاں اپنے گھر آ کر مذکورہ آیات کی تلاوت کرتے، پھر اپنے گھر والوں سے فرماتے، نماز پڑھیں، نماز پڑھیں، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے (2) نبی کریم ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ اپنے اہل خانہ کو آواز دیتے: اے میرے گھر والو! نماز پڑھو، نماز پڑھو۔ ثابت کہتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا ہمیشہ یہی معمول رہا۔ جب بھی انہیں کوئی معاملہ درپیش ہوتا، تو ان نماز پڑھنا شروع کر دیتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! میری عبادت میں لگ جا، میں تمہارا اسیرہ خوشحالی سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو ختم کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو فکروں سے بھر دوں گا اور تمہارے فقر کے احساس کو ختم نہیں کروں گا" (3)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو اپنے تمام فکروں کو کھینچ کر کے صرف آخرت کی فکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیاوی فکر میں اسے کافی ہو جاتا ہے اور جو شخص دنیا کی طرح طرح کی فکروں میں پڑ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے" (4)۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دنیا جس کا مقصود بن جائے، اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو منتشر کر دیتا ہے اور اس کے احساس فقر کو ہمیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود دنیا سے صرف اس قدر ہی ملتی ہے جتنی اس کے مقدر میں لکھی گئی ہے اور آخرت جس شخص کا مطلوب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو کھینچ کر دیتا ہے، اس کے دل کو فنی کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے" (5)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَإِن تَعَايَنَهُ لِشَيْءٍ مِّنْ دُنْيَا وَأُوخِرَ فِيهَا مِنْهَا حَتَّىٰ يَأْتِيَ تَحَمُّلَهَا فَتِلْكَ آيَاتُ الْكُفْرَانِ (الأنعام: 32)۔ آج رات میں نے خواب میں دیکھا گویا ہم عقیدہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن خطاب کے باغ کی تزکھجوریں ہمارے پاس لالی لگیں۔ میں نے اس سے یہ تعبیر اخذ کی ہے کہ دنیا میں عمدہ انجام اور رفعت ہمیں ہی نصیب ہوگی اور یہ کہ ہمارا دین پاک اور طیب ہے" (6)۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ مِنْ رَبِّهِ ۗ أَوْلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۗ وَكَوْنًا
أَهْلَكْتَهُمْ بَعْدَ آيٍ مِّنْ قَبْلِهِ ۚ لَقَالُوا لَوْلَا أَرْسَلْنَا إِلَيْنَا رَسُولًا قَدْ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكَ مِنْ

1- مولانا مہا لک، کتاب ملاقات الہیں، جلد 1 صفحہ 119، الدر اسکو، جلد 5 صفحہ 613-614

2- الدر اسکو، جلد 5 صفحہ 614، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 236-237

3- عارضہ الاحادیث، اب حنفیہ، جلد 7 صفحہ 286، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1376

4- سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1375

5- سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1375

6- صحیح مسلم، کتاب الروایہ، جلد 4 صفحہ 1779، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 306

قَبْلِ أَنْ تَذَلَّ وَ نَحْرِي ۝ قُلْ كُلٌّ مُتَرَبِّصٌ فَتَرَ بَصُوتًا فَسَتَعَلَمُونَ مِنْ أَصْحَابِ
الْحَصَاةِ السُّورِي وَمَنْ اهْتَدَى ۝

”اور کفار کہتے ہیں کہ (یہ نبی) کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب کے پاس سے۔ (ان سے پوچھو) کیا نہیں آگیا ان کے پاس واضح بیان جو پہلی نازل شدہ کتابوں میں ہے۔ اور اگر ہم انہیں ہلاک کر دیتے کسی عذاب سے اس سے پہلے تو کہتے اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی اس سے پہلے کہ ہم ڈریں اور رسوا ہوئے۔ (اے حبیب!) آپ انہیں فرمائیے ہر شخص (انجیم کا) منتظر ہے تو تم بھی انتظار کرو۔ تم عنقریب جان لو گے کون ہیں سیدھی راہ (پر چلنے) والے اور کون ہدایت یافتہ ہیں۔“

کفار یہ کہا کرتے تھے کہ یہ نبی (ﷺ) ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں لے آتے جو ان کی نبوت و رسالت کی صداقت پر دلالت کرے؟ اس کے جواب میں فرمایا: **أَوْلَمْ يَأْتِهِمْ... یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن کریم آپ ﷺ پر نازل کیا، آپ تو امی ہیں، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور نہ ہی آپ نے اہل کتاب سے سیکھا ہے۔ اس قرآن کریم میں پہلے لوگوں کے حالات مذکور ہیں بالکل اسی طرح جیسے سابقہ اصلی کتابوں میں ان کے حالات بیان ہوئے۔ قرآن کریم ان سب کتابوں پر تمہانہاں ہے، صحیح کی تصدیق کرتا ہے اور جو سوت گھڑی ہوئی باتوں کو واضح طور پر بیان کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوا لَوْلَا آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ يَبْتَغِيهِمْ الْيَهُودُ وَأَسْمَاءُ بَلْ كُنَّا عَلَيْهِم مِّنْ مُّشْفِقِينَ ۝ أَوْلَمْ يَأْتِيَ آلَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ يَبْتَغِيهِمُ الْيَهُودُ وَأَسْمَاءُ بَلْ كُنَّا عَلَيْهِم مِّنْ مُّشْفِقِينَ ۝ (50-51) اور انہوں نے کہا کیوں نہ ان پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں اتاری گئیں، فرمائیے نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ اس میں مومنوں کے لئے رحمت اور بصیحت ہے۔“ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”برہن نبی کو اللہ تعالیٰ نے ایسے معجزات عطا فرمائے جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن مجھے جو کچھ عطا کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی (قرآن کریم) ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے“ (1)۔ یہاں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے بڑا معجزہ (قرآن کریم) بیان ہوا ہے ورنہ آپ کے معجزات تو حد و شمار سے باہر ہیں جیسا کہ معجزات کے متعلقہ مخصوص کتابوں اور مخصوص مقامات پر ان کا تذکرہ موجود ہے۔ پھر فرمایا: **وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكَافِرَاتِ كُنُوا أَهْلًا لَّكَانَ يُسَّرَ لَكُمُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ**۔ یعنی اگر ہم اس رسول کریم ﷺ کو ان کی طرف بھیجے اور ان پر یہ کتاب عظیم نازل کرنے سے پہلے، ان جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہلاک کرنے سے پہلے تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ اس ذلت و رسوائی سے پہلے ہی ہم اس رسول پر ایمان لے آتے، اس کی اتباع کرتے اور تیری آیات کی پیروی کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جھٹلانے والے ہمت دھرم اور سرکش ہیں، یہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آجائے، البتہ جب یہ دردناک عذاب دیکھیں گے تو اس وقت اپنے ایمان لانے کا اظہار کریں گے جیسا کہ فرمایا: **وَهَذَا كِتَابُنَا أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكًا مُّزَكَّاتًا وَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ شَيْءًا مِّنْهُ لَوْ كُنْتُمْ عَادِلِينَ ۝ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ**۔ - **يَسَاءَ كَانُوا يَصْدِفُونَ (الانعام: 158-155)**، **وَ اتَّخَذُوا بِآيَاتِنَا هُجُومًا وَيَسْتَكْبِرُونَ ۝ فَجَاءَتْهُمْ آيَةٌ لِّئَلَّا يَقُولُوا مَا كُنَّا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۝ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَكُنَّا عَاثِرِينَ ۝ (الانعام: 110)** ”اور وہ پوری کوشش سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی تو اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔“**

آپ فرمائیے کہ نشانیاں صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آجائے گی تو بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ”وَآقْسَمُوا بِاللَّهِ لِيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ أَيْمَانِيُمْ كَيْ تَكُونُوا جَاءَهُمْ تَنْزِيلًا مِّنْ رَبِّكُمْ يُخَوِّفُونَ أَهْلِيَّ مِنْ إِخْدَىٰ مِنْ إِخْدَىٰ الْأَمَةِ (فاطر: 42)“ اور یہ اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ پہلی امتوں سے زیادہ ہدایت کو قبول کریں گے۔“ پھر فرمایا: قُلْ كَلِّفْتُ هُنَّ بِطَنٍ..... یعنی اسے میرے پیارے رسول! آپ ان لوگوں سے فرمادیں جو آپکو جھٹلاتے ہیں، آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے کفر و عناد پر ڈلے ہوئے ہیں کہ ہم میں سے اور تم میں سے ہر ایک اپنے انجام کا منتظر ہے اس لئے تم بھی انتظار کرو اور عترت رب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون لوگ راہ راست پر گامزن اور ہدایت یافتہ ہیں، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: ذَسَوْفَ يَتَعَلَّمُونَ حَيْثُ يَرَوْنَ أُمَّعَلَّابَ مِّنْ أَهْلِ سَبِيلِكُمْ (الفرقان: 42) ”یہ جان لیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔“ سَيَعْلَمُونَ عَذَابَ الْآسِفِ الْكَلْبِ الْآسِفِ (الفرقان: 26) ”کل نہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا، شنی باز ہے۔“

سورۃ انبیاء (مکیہ)

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ کہف، سورۃ مریم، سورۃ ط اور سورۃ انبیاء پہلے پہل نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہیں اور یہ میرا قدیمی جمع شدہ خزانہ ہیں۔ (1)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْا وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَا هِيَ اِلَّا نَفْسٌ مَّرْبُوءَةٌ ۝ وَاَسْرُوْا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَهْلَ هَذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۝ اَفَتَاتُّوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تَبْصِرُوْنَ ۝ قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ قَالُوْا اَصْحٰبُ اَحْلٰقٍ بَدِیْلٍ اَفْتَرٰهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۝ فَلْيَايْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوْلٰؤُنَ ۝ مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ اَوْ اَهْلَكْنٰهَا اَفْهَمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝

”قریب آگیا ہے لوگوں کے لئے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں نہیں آتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت ان کے رب کی طرف سے مگر یہ کہ وہ سنتے ہیں اسے اس حال میں کہ وہ (اہلود) لعب میں (مگن) ہوتے ہیں۔ غفل ہوتے ہیں ان کے دل۔ اور (آپ کے خلاف) سرگوشیاں کرتے ہیں ظالم (وہ کہتے ہیں) کیا ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند۔ تو کیا تم میری طرف سے لگے ہو جادو کی حالانکہ تم دیکھ رہے ہو۔ (کہ یہ تمہاری طرح بشر ہے (نبی کریم ﷺ نے) فرمایا میرا رب جانتا ہے جو بات کہی جاتی ہے آسمان اور زمین میں۔ اور وہی ہر بات سنتے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں بلکہ یہ پریشان خواب ہیں (نہیں) بلکہ اس نے خود گھڑا ہے اسے (نہیں) بلکہ وہ شاعر ہے۔ (اگر وہ سچا نبی ہے) تو لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح بھیجے گئے تھے پہلے انبیاء۔ نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی ہستی جسے ہم نے تباہ کیا تھا۔ تو کیا اب یہ لوگ ایمان لے آئیں گے۔“

اللہ تعالیٰ لوگوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ قیامت بالکل قریب ہے لیکن وہ اس سے غافل ہیں، نہ وہ اس کے لئے عمل کر رہے ہیں اور نہ تیار۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان **اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ** کے متعلق فرمایا کہ وہ دنیا میں مگن ہیں (2)۔ اور مقامات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اِنَّا اَنْزَلْنَا الْاِنْفِثَالَ فَاسْتَجَابُوْهُ (الاحق: 1)** ”قریب آگیا ہے حکم الہی پس اس کے لئے عجلت نہ کرو، اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ (الاحق: 1)“ قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔ ابو العاصیہ اپنے ایک شعر میں کہتا ہے۔

النَّاسُ فِيْ غَفْلَةٍ عَنْهُمْ وَرَحًا الْمَيْمَةِ تَطْلَحْنَ (1)

یعنی لوگ اپنی غفلتوں میں پڑے ہیں اور موت کی ٹنگی ہمتی چنی جا رہی ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ شعر کہاں سے اخذ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس آیت اِقْتِزَابُ اللَّيْلِ سے۔ حضرت عامر بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک عربی مہمان ٹھہرا، انہوں نے اس کی بڑی آؤ بھکت کی اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش بھی کی۔ دو بار وہ جب یہ مہمان ان کے پاس آیا تو انہیں کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فلاں وادی عطا فرمادی ہے، میری خواہش ہے کہ میں اس میں سے کچھ حصہ آپ کے نام کر دوں تاکہ یہ آپ کے اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کے کام آئے۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری جو گیری کوئی ضرورت نہیں، آج ایک سورت نازل ہوئی ہے جس نے ہمیں دنیا سے غافل کر دیا ہے پھر آپ نے یہی اِقْتِزَابُ اللَّيْلِ .. تلاوت فرمائی (2)۔ قریش اور ان جیسے کفار کے متعلق بتایا کہ وہ اس وحی کو فور سے نہیں سنتے وہ اپنے رسول پر نازل کرتا ہے فرمایا: هٰذَا يَوْمٌ مِنْ يَوْمِكُمْ... جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اہل کتاب سے ان کی کتابوں کی باتیں کیوں پوچھتے ہو حالانکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف، تبدیلی اور کمی بیشی کر دی ہے اور تمہاری کتاب تازہ اور خالص آسمانی کتاب ہے جس میں اس قسم کی چیز کا شائبہ تک نہیں (3)۔ فرمایا: وَآسْرُوا یعنی ظالم آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرح بشر ہی ہیں اور کیا تم جادو کی پیروی کر رہے ہو حالانکہ تمہیں اس بارے میں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ جادو ہے۔ یہ لوگ آپ ﷺ کے مقام نبوت پر فائز ہوئے کوموں کھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باقی لوگوں کو چھوڑ کر صرف انہیں ہی وحی کے ساتھ مختص کیا گیا ہے۔ اس افترا بازی اور کذب بیان کے جواب میں فرمایا: قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ یعنی وہ رب جو زمین و آسمان میں کبھی گئی بات کو چانتا ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہو سکتی، وہی وہ ذات ہے جس نے ایہ قرآن کریم نازل کیا ہے جو اول و آخر تمام لوگوں کی خبروں پر مشتمل ہے اور اس جیسا کلام پیش کرنا کسی کے بس کا روٹ نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں موجود ہر امر سے واقف ہے۔ وہ لوگوں کی باتوں کو سننے والا اور ان کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔ اس فرمان وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے۔ پھر فرمایا: بَلْ قَالُوا اِنْ شَاءَ اَخْلَاوْهُ كُفْرًا كِي هَت دهری، الحاد، قرآن کریم کے متعلق ان کے اختلاف رائے، ان کی حیرت اور گمراہی کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ کبھی تو وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن کریم جادو ہے، کبھی اسے شاعری قرار دیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ پریشان خواب ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ خود ساختہ اور گھڑا ہوا ہے جیسا کہ فرمایا: اَنْتُمْ كَيْفَ صَرَبْتُمْ اَلَكِ الْاَمْثَالَ فَهَمْ اَفْلَاكٌ يَنْتَظِعُونَ سَبِيحًا (بنی اسرائیل: 48) ”دیکھئے یہ کس طرح آپ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں پس وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھی راہ پر نہیں چل سکتے“۔ کفار حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام جیسے معجزات کا تقاضا کرتے ہوئے کہتے: فَلْيَايْتِنَا بِآيَةٍ... اس کے متعلق ارشاد ہوا: وَ مَا مَعْنَا اَنْ نُؤَيِّلَ بِالْاٰيَاتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوْلٰؤُنْ (بنی اسرائیل: 59) ”اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں نشانیاں مگر اس بات نے کہ پہلوں نے انہیں جھٹلایا تھا“۔ اس لئے یہاں فرمایا: مَا اَمْسَتْ قَهْنُهُمْ... یعنی ان سے پہلے جس جس ہمتی کو ہم نے تباہ و برباد کیا، اس کی طرف پہلے ہم نے اپنے نبی کو معجزہ دے کر بھیجا لیکن وہ اس پر ایمان لانے کی بجائے اسے جھٹلانے لگے، چنانچہ اس کی پاداش میں ہم نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ جب گزشتہ تو میں معجزات دیکھ

لینے کے باوجود ایمان نہ لائیں تو کیا ان کفار کے متعلق یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ معجزات دیکھ لینے کے بعد ایمان لے آئیں گے؟ ہرگز نہیں، بلکہ إِنَّ الَّذِينَ صَفَقَتْ عَلَيْهِمْ مِّلَّةَ رَبِّكَ إِتْرَابًا كَرِهَتْ أَعْيُنُهُمْ إِلَىٰ ذِهِمُ النَّعْمَ ابِ الْإِلَهِ (یونس: 96-97) ”بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ساری نشانیاں آجائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں“، دراصل وہ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے تھے ورنہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں ایسے بے شمار روشن معجزات، قطعی دلائل اور واضح آیات کا مشاہدہ کر چکے تھے جو پہلے انبیاء کے معجزات اور دلائل سے زیادہ واضح، روشن اور قاہر ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ بیٹھے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ابی سلول (دیکھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند اور کلیہ لئے آدم کا اور اپنی مسند اور کلیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بہت خوبصورت، فصیح گفتگو کرنے والا اور بحث و تمحیص کرنے والا شخص تھا، کہنے لگا: اے ابو بکر! محمد (ﷺ) سے کہو کہ وہ ہمارے پاس کوئی معجزہ مانگے جیسا کہ پہلے انبیاء معجزات لے کر آئے۔ مومن علیہ السلام تختیاں لے کر آئے، وہ وہ علیہ السلام زبور لائے، صالح علیہ السلام اونٹنی کا معجزہ لائے اور عیسیٰ علیہ السلام انجیل اور آسمانی ستر خوان لائے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے نکلے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے لئے ہڑے ہو جاؤ، ہم اس منافق کے مطابق پورا کرنے کے لئے آپ ﷺ سے فرمایا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ سے فرمایا: ”میرے لئے قیام نہ کیا جائے، قیام تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔“ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس منافق سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جبریل علیہ السلام نے ابھی مجھے کہا کہ ہر نکلے اور جو انعام اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر فرمائے ہیں اور جن فضائل سے آپ کو فضیلت بخشی ہے، انہیں بیان فرمائیے۔ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جنت کو بھی خبردار کروں، مجھے کتاب عطا کی گئی ہے حال تک میں اسی ہوں اللہ تعالیٰ نے میرے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرم دیئے۔ اس نے میرا نام از ان میں شامل کیا، مجھے ملائکہ کے ذریعے امداد بھجوائی، اپنی فتح و نصرت سے مجھے نوازا، میرا رب میرے سامنے کر دیا، مجھے کوثر مرحمت فرمایا، میرے حوض کو قیامت کے دن سب سے بڑا بنا دیا، میرے ساتھ تمام محمود کا وعدہ فرمایا جبکہ لوگ پریشان حال مر جھکائے ہوئے ہوں گے، اس نے مجھے پہلے گروہ میں رکھا ہے جو لوگوں سے نکلے گا، میری شفاعت سے میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس نے مجھے سلطنت اور ملک عطا فرمایا، نعمتوں بھری جنت میں مجھے سب سے اعلیٰ بالا خانہ عطا فرمایا، مجھ سے اوپر صرف عرش کو اٹھانے والے فرشتے ہوں گے، میرے لئے اور میری امت کے لئے غنیمتوں کو حلال کیا، لاکھ ہم سے پہلے کسی کے لئے نہیں حلال نہ کیا گیا۔“ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَسَئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٠﴾
 وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا آلَا يَأْكُلُونَ الضَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ﴿١١﴾ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ
 فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ﴿١٢﴾

”ہرگز نہیں رسول بنا کر بھیجا ہم نے (اے حبیب!) آپ سے پہلے مردوں کو ہم نے وہی بھیجی ان کی طرف پس (اے

منکرو! پوچھو اہل علم سے اگر تم (خود حقیقت حال کو) نہیں جانتے۔ اور نہیں بتائے ہم نے ان انبیاء کے (ایسے) جسم کو وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے سچا کر دکھایا انہیں (جو) وعدہ (ہم نے ان سے کیا تھا) پس ہم نے نجات دی انہیں اور ان لوگوں کو جن کو ہم نے (بچانے) چاہا اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو۔“

کسی بشر کے منصب رسالت پر فائز ہونے کا انکار کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلٍ إِلَّا نَحْنُ مُبْتَلُونَ (یوسف: 101) ”اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی۔“ اور فرمایا: قُلْ مَا كُنْتُ بِمُرْسِلٍ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: 9) ”فرمائیے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں،“ پہلی امتیں بھی انکار کرتے ہوئے کہ کرتی تھیں: اِنهٗنَّ يَهْتَدُونَ (التفاحین: 6) ”کیا انسان بہاری رہنمائی کریں گے،“ اس لئے فرمایا: فَهَسِبْتُمْ اٰیَاتِنَا اَنْتُمْ سَمِعْتُمْ اَوْ اَنْتُمْ رَاٰتُمْ اَوْ اَنْتُمْ لَمَسْتُمْ a

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۙ وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَبْلِكَ كَالْتِ
ظَالِمِيَّةِ ۗ وَاَنْتُمْ اَبْعَدَ هَاقِمًا اٰخَرِيْنَ ۙ فَلَمَّا اَحْسَبُوْا بَاسًا اِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكَبُوْنَ ۙ
لَا تَرْكَبُوْا اَوْ اَمْرًا جَعَلْنَا اِلٰى مَا اَنْزَلْنَا فِيْهِ وَاَسْكِنَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ قَالُوْا اَيُّوَيْدِنَا

إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٥٠﴾ فَمَا زِلْنَا بِذَلِكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَبِيرِينَ ﴿٥١﴾

”بے شک ہم نے اپنی تباہی و بربادی کی طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ یہ تم (انتاجی) نہیں سمجھتے۔ اور کتنی بستیاں ہم نے برباد کر دیں (کیونکہ) وہ ظالم تھیں اور ہم نے پیدا فرمادی ان (کی بربادی) کے بعد ایک دوسری قوم۔ پس جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انہوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اب مت بھاگو اور واپس لوٹو ان آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں اور (لوٹو) اپنے مکانوں کی طرف تاکہ تم سے باز پرس کی جائے۔ کہنے لگے واہے شو مئی قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔ پس وہ یونہی شور و پکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں کئے ہوئے کھیت (اور) بچھے ہوئے (انگاریوں) کی طرح کر دیا۔“

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے شرف پر آگاہ کرتے ہوئے اور اس کی قدر و منزلت کی معرفت پر ترغیب دلاتے ہوئے فرماتا ہے: لَقَدْ آتَيْنَاكَ حُجْرَتِ ابْنِ مَرْيَمَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَمَا مَعْنَى شَرَفٍ بِهِ، وَمَجَادٍ كَيْفَ هِيَ كَمَا اس سے مراد تمہاری باتیں ہیں اور حسن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمہارا دین ہے۔ فرمایا: أَفَلَا تَتَّقُونَ یعنی کیا تم اس لعنت کو نہیں سمجھتے اور قبول نہیں کرتے، اور مقام پر فرمایا: وَزَيْنَةَ لَدَىٰ كُوْنُكُ وَ لَقَدْ مَكَتَ وَ سَوَىٰ تَشْتُونَ (الزخرف: 44) ”اور بے شک یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بڑا شرف ہے اور تم سے جواب طلبی ہوگی۔“ فرمایا: وَكَيْفَ تَحْسَبُنَا ”کم“ یہاں تکثیر کا فائدہ دے رہا ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: وَكَيْفَ تَحْسَبُنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ (بنی اسرائیل: 18) ”اور نوح کے بعد کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے تباہ کر ڈالا، کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ اپنا چھتوں پر سری پڑی ہیں۔“ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بہت ہی ظالم بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ایک اور قوم کو پیدا کر دیا، جب انہیں یقین ہو گیا کہ نبی کے وعدہ کے مطابق اب وہ لامحالہ عذاب کی لپیٹ میں آنے والے ہیں تو اوہر اوہر بھاگنے دوڑنے لگے، فرمایا: لَا تَتَّخِذُوا مِنِّي ظَاهِرًا أَعْرَضَ وَ ان سے استہزاء کرتے ہوئے اور انہیں ڈانٹتے ہوئے یہ فرمایا کہ اب عذاب سے بھاگو نہیں بلکہ اپنی عیش و عشرت کے سامان اور اپنے مکانوں کی طرف لوٹو تاکہ تم سے ان انعامات کے متعلق باز پرس کی جائے۔ دو کہنے لگے: يَا وَيْلَتَنَا یعنی انہوں نے اس وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کیا جس وقت ایسا کرنا بے سود تھا۔ پھر اسی طرح وہ چیخ و پکار کرتے ہوئے اپنے ظلم کا اعتراف کرتے رہتے یہاں تک کہ انہیں کئے ہوئے کھیت کی طرح تباہ و برباد کر دیا گیا، ان کی حرکت ختم اور ان کی آوازیں خاموش ہو گئیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَ الْأَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعِيسِينَ ﴿٥٢﴾ لَوْ أَرَادْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ آلًا
تَتَّخِذُهُ مِنْ دُونِنَا لَإِن كُنَّا فَعِلِينَ ﴿٥٣﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ
رَاحِقٌ ﴿٥٤﴾ وَ لَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿٥٥﴾ وَ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ عِنْدَ لَا
يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِمْ وَ لَا يَسْتَحْمِرُونَ ﴿٥٦﴾ يَسْبَحُونَ اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿٥٧﴾

”اور انہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، دل لگی کرتے ہوئے۔ اگر ہمیں یہ منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشہ بنا سیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔“

بلکہ ہم تو جوت لگاتے ہیں حق سے باطل پر یس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکا یک نبیہ ہو جاتا ہے۔ اور (اے باطل پرستو!) تمہارے لئے ہلاکت ہے، ان (نازیبا) باتوں کے باعث جو تمہیں بیان کرتے ہیں۔ اور اسی کا سے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور جو (فرشتے) اس کے نزدیک ہیں وہ ڈرا سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں۔ وہ (اس کی) پاکی بیان کرتے رہتے ہیں رات دن اور وہ اکتاتے نہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا فرمایا تاکہ وہ بدکاروں کو سزا اور نیکوں کو عہدہ اجر سے نوازے۔ اس نے انہیں فضول، بے کار اور کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا جیسا کہ فرمایا: وَمَا خَلَقْنَا النَّسْلَ عَرَاوَنًا وَلَا نَكْرًا وَلَكِنَّا جَلَدًا كَذٰلِكَ يُلَقَّ الْأُنثٰی كَقَدْرٍ وَأَقْوَمٰی لِّلَّذِیۡنَ كَفَرُوْا هٰۤیۡنَ النَّارُ (ص: 24) اگلی آیت میں فرمایا: لَوْ اٰمَرُوْا نَا اَنْ نُّشْجِدَ لَهَاٰ عٰبِدًا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت، دوزخ، موت، دوبارہ زندہ کئے جانے اور حساب کتاب کو کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا۔ حسن اور قبح وہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اہل یمن کی زبان میں ”لیو“ کا معنی عورت ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر ہم نبوی بنا چاہتے تو حوروں میں سے کسی کو بنا لیتے۔ مگر وہ اور سدی کے بقول یہاں ”لیو“ کا معنی اولاد ہے۔ یہ دونوں معانی مازم و مزوم ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: لَوْ اٰمَرْنَا اِنَّهٗ اَنْ یُّشْجِدَ لَهَا لَآرَٰءَہُ مَطْلٰفِیۡ وَمَا یَخْتُلِقُ صَٰغِیۡتَہٗا سُبْحٰنَہٗ ہُوَ اِنَّہٗ الْوٰحِدُ الْعَقَدُّ (الزمر: 4) ”اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹا بنا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا جن لیتا، وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست۔“ اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق اپنی ذات سے بیٹا بنانے کی نفی کرتے ہوئے اس سے اپنی پاکی بیان فرمائی ہے خصوصاً ان لوگوں کے بہتان و افتراء پر دازنی اور جھوٹ سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام یا فرشتوں کو اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ناروا باتوں اور خرافات سے بہت ہی بلند اور اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ اِنْ كُنَّا فِیۡ عٰیۡنِیۡنَ مِنْ اٰنٍ ”نافیہ ہے، بلکہ مجاہد تو کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر جگہ ”اِنْ“ نفی کے لئے ہے۔ پھر فرمایا: بِنٰی تَثْقُفٌ یعنی ہم جن کو خوب واضح کر دیتے ہیں تو وہ باطل کو کچل کر رکھ دیتا ہے اور وہ یکا یک ناپید اور محض ہو جاتا ہے اور اے وہ لوگو جو اللہ تعالیٰ کی اولاد کے قائل ہو! تمہاری ناروا باتوں اور افتراء پر دازنیوں کے باعث تمہارے لئے ہلاکت اور بربادی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ملائکہ کی عبودیت اور دن رات ان کے مصروف عبادت رہنے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَوْ كُنَّ صٰغِیۡتَیۡنِیۡ فِي السَّمٰوٰتِ یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ تو سرکشی کرتے ہیں اور نہ کوئی عار محسوس کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: لَنْ یُّسْتَكْبَفَ السَّبِیۡحُ اِنْ یُّكُوۡنَ عِبَدًا لِّلہِ وَلَا السَّجۡدَةُ الْمُقَرَّبٰیۡنَ وَ مَنۡ یُّسْتَكْبَفُ عَنِ عِبَادَتِہِا وَ یَسْتَكْبِرُ فَسَیُخۡشِیۡہُمُ الْیَہُوۡبِیۡنَ عٰلِیۡ (النساء: 172) ”ہرگز عار نہ سمجھے گا کعبہ کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے اور جسے اس کی بندگی سے عار ہو اور وہ تکبر کرے تو اللہ جلد ہی ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔“ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے نہ تھکتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں بلکہ دن رات اس کی اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیت اور عمل دونوں سے اس کی بندگی میں مصروف ہیں اور اس پر انہیں پوری پوری قدرت حاصل ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ یُخۡشَوْنَ اللہَ مَا اَمَرُوۡہُمۡ وَ یَفَعَلُوۡنَ مَا یُؤْمَرُوۡنَ (التحریم: 6) ”نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجالاتے ہیں جو انہیں حکم ہوتا ہے۔“ ابن ابی حاتم میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ پر ام رضی اللہ عنہم کی محفل میں تشریف فرماتے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم وہ سنتے ہو جو میں سنتا ہوں؟“ صحابہ نے عرض کی کہ ہمیں تو کوئی چیز سنائی نہیں دے رہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں آسمان کی چہرہ امت سن رہا ہوں اور یہ اس بات کا سزاوار ہے کہ چہرے کیونکہ اس میں ایک باشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں نہ ہو۔“ یہ

حدیث غریب ہے۔ عبد اللہ بن حارث بن نوفل بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کعب الاحبار کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس وقت میں کسبن تھا۔ میں نے ان سے اس آیت **يَسْتَجِيبُونَ النَّيْلَ** کے متعلق سوال کرتے ہوئے دریافت کیا کہ **تَنكَلُو** کرنا، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا اور عمل کرنا کیا انہیں تسبیح سے مشغول نہیں کرتا؟ اور پوچھنے لگے کہ یہ بچہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ بنو عبد المطلب سے ہے۔ انہوں نے میرے سر کو چوما اور فرمایا: بیٹے! فرشتوں کی تسبیح ایسے ہی ہے جس طرح ہم سانس لیتے ہیں۔ کیا تم سانس لیتے ہوئے تنگ نہیں کرتے اور کیا تم سانس لینے کی حالت میں چلتے پھرتے نہیں؟ (1)

اَوِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّنْ اِلٰهٍ مَّرْضٍ هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۗ لَوْ كَانَفِيْهِمَا اِلٰهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَاۙ

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۗ ۙ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۗ

”کیا بتائے ہیں انہوں نے خدا (اہل زمین سے جو مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔ اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے۔ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عرش کا رب ہے ان تمام نازیبا باتوں سے جو وہ کرتے ہیں۔ نہیں پرشش کی جاسکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام) سے باز پرس ہوگی۔“

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے فرمایا: **اَوِ اتَّخَذُوا** یعنی کیا ان کے گھرے ہوئے خدا زمین سے مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، انہیں تو اس پر بالکل قدرت حاصل نہیں۔ جب ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے تو انہوں نے کیونکر انہیں اللہ تعالیٰ کا مقابل بنا کر اس کے ساتھ انہیں شریک عبادت کر لیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ اگر زمین و آسمان میں اس کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو یہ تباہ و برباد ہو جاتے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **فَاَتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ مَثَلًا لِّمَنْ لَّمْ يَرْءِ اللّٰهَ اِلَّا ذَا الذَّهَبِ كُلِّۙ اِلٰهًا يَّمْسِكُ بِهٖ سُلٰكِيۙ وَكَهٰذَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍۙ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (المومنون: 91)** ”اللہ نے کسی کو مٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر خدا اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو لے جاتے اور وہ خدا ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں“ اور یہاں فرمایا: **فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ** یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی اس افترا پر دازی سے کہ اس کی اولاد ہے یا اس کا کوئی شریک ہے، بہت ہی بلند تر، منزه اور پاک ہے۔ پھر فرمایا: **لَا يُسْئَلُ** یعنی وہ ایسا حاکم ہے کہ کوئی اس کے حکم کو مستز نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کی عظمت، جلال، کبریائی، علم، حکمت، عدل اور لطف و کرم کے پیش نظر، اس پر معترض ہو سکتا ہے بلکہ وہ لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا جیسا کہ فرمایا: **فَوَسِّرٰنَا لَكَ لَتَسْتَغْنٰنَاۙ اَجْمَعِيْنَ ۗ عَمَّا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (الحجر: 92-93)** ”پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ان اعمال کے متعلق پوچھیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔“ اسی طرح فرمایا: **وَهُوَ يُجِيبُهُۥٓ وَلَا يُجٰۤاۙرُ عٰۤیۙبُهُۥ (المومنون: 88)** ”اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف پناہ نہیں دی جاسکتی۔“

اَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِہٖۤ اٰلِهَةً ۗ قُلْ فَاَتُوۡا بِرُہٰنٰکُمْ ۗ هٰذَا ذِکْرٌ مِّنْ مَّعۡیِ وَاذِکْرٌ مِّنْ قَبۡلِہٖۤ

بَلۡ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعۡلَمُوْنَ ۗ الْحَقُّ فَعۡمُرُ مَعۡرُضُوۡنَ ۗ ۙ وَمَاۤ اَسۡرَلْنَا مِنْ قَبۡلِکَ مِنْ رَّسُوۡلٍ

اِلَّا لِنُوحِیۡۤ اِلَیۡہِۤ اِلَّا اِلٰهَۙ اِلَّا اَنۡۢاَعۡبُدُوۡنَ ۗ

”کیا انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود۔ (اے صیب!) آپ (انہیں) فرمائے پیش کرو اپنی دلیل۔ یہ قرآن جو فصاحت ہے میرے ساتھ واولوں کے لئے اور ذوق سحری کتب جو فصاحت ہیں میرے پیشروں کے لئے (سب موجود ہیں ان کا کوئی حوالہ دو) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے۔ اس لئے وہ (اس سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں، آپ ان سے فرمادیں کہ اس کی کوئی دلیل لاؤ۔ یہ قرآن کریم اور دیگر آسمانی کتب موجود ہیں جو تمہارے زعم یا ظن کی تردید کر رہی ہیں۔ ہر نبی پر اترنے والی کتاب میں تو یہی مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں لیکن اے مشرکوں! تم حق کو نہیں جانتے، اس لئے اس سے روگردانی کر رہے ہو، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَسُئِلَ عَنْ آتِ سُلَيْمٍ مِنْ قَبْلِكَ مِنْ قَبْلِهَا آتِجَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِنَّهُ يُعَذِّبُ دُونَ (الزخرف: 45) ”اور آپ ان سے پوچھئے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کہ کیا ہم نے رحمن کے علاوہ اور خدا بنائے ہیں تاکہ ان کا پوجا کیا جائے۔“ وَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الصَّالِحَاتِ (النحل: 36) ”اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں تعلیم دے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو۔“ ہر نبی کی یہی دعوت ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو یکساں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور فطرت بھی اس چیز کی شاہد ہے جبکہ مشرکین کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی تمام محبتیں بے کار اور باطل ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ بَنًا ۗ سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ﴿١٠٠﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِ رَبِّهِمْ لَٰعِبُونَ ﴿١٠١﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ أَمَرَ أَتَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَقَدْ لَكَ نَجْرِيهِ ۖ جَهَنَّمَ ۗ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿١٠٣﴾

”وہ کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کار بند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے سے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جنہم کی۔ یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو۔“

بعض عربوں کا خیال تھا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس زعم باطل اور بہتان صریح کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اس سے سزاوار، مقدس اور پاک ہے بلکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں جنہیں اس کے ہاں جلیل القدر اور بلند مقام حاصل ہے اور اپنے قول و فعل کے ذریعے ہر وقت اس کی اطاعت بجالاتے ہیں۔ نہ تو وہ کسی امر میں اس سے آگے بڑھتے ہیں اور نہ وہ اس کے کسی

علم کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ فوراً اس کے ہر قسم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس پر ان کی کوئی بات مخفی نہیں۔ وہ جانتے ہیں جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ پھر فرمایا: **وَلَا يَشْفَعُونَ** اسی طرح دیگر مقامات پر فرمایا: **مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ** (البقرہ: 255) ”کون ہے جو اس کے ہاں سفارش کر سکے مگر اس کی اجازت سے“، **وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ** (سبا: 23) ”اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہے“۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر فرمایا: **وَمَنْ يُفْلِحْ فَعِنْدَ اللَّهِ** یعنی ان میں سے جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میں بھی خدا ہوں تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسی ناروا بات کرنے والے ہر ظالم کی جہنم جزا ہے۔ یہ بات بطور شرط ہے اور شرط کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا وقوع بھی ہو جیسا کہ فرمایا: **قُلْ إِنْ كَانَ بَنُو آدَمَ بَشَرًا لَكُنَ لَهُمْ مَوَازِينٌ** (الانعام: 81) ”فرمائیے اگر (باغرض) رحمن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا بچاری ہوتا“۔ **لَيْسَ أَشْرَكُ لَيْسَ أَشْرَكُ لَيْسَ أَشْرَكُ** (التکوین: 16) **الطَّيْرِ** (الزمر: 65) ”اگر (بغرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے“۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَنْ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كَانَتَا مَرْتَعًا فَفَقَفَ مِنْهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ
السَّمَاءِ كَلًّا شَدِيدًا ۖ فَلَا يُؤْمِنُونَ ۖ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ سَرَادِيسًا ۖ وَأَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَ
جَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سَابِغًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۖ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفَقًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ
آيَاتِهَا مُعْرَضُونَ ۖ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كَلَّا فِي قَلْبِكَ
يَسْبَحُونَ ۖ

”کیا کبھی غور نہیں کیا کفر وانکار کرنے والوں نے کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے پھر ہم نے الگ الگ کر دیا نہیں۔ اور ہم نے پیدا فرمائی پانی سے ہر زندہ چیز۔ کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور ہم نے بنا دیئے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے ان کے ساتھ۔ اور بنا دیئے ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں تاکہ وہ (اپنی منزل مقصود کا) راستہ پا سکیں۔ اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک چھت جو (شکست و ریخت سے) محفوظ ہے۔ اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کئے ہوئے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا میل و نہار کو اور مہر و ماہ کو سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ اشیاء کی تخلیق پر اپنی قدرت کا مد اور تمام مخلوقات پر اپنے غلبہ کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: **أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا** یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا انکار کرنے والے اور اس کے ساتھ فیروں کو شریک عبادت کرنے والے کیا یہ نہیں جانتے کہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور ہر چیز کی تدبیر کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ کیسے مناسب ہے کہ اس کے ساتھ اوروں کی عبادت کی جائے یا کسی اور کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین پہلے باہم دگر پیوست تھے اور ان کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ سات آسمان الگ اور سات زمینیں الگ۔ آسمان دنیا اور زمین کو

ہوا کے ذریعے جدا کر دیا۔ آسمان بارش برسانے لگا اور زمین انواع و اقسام کی چیزیں اگانے لگی اس لئے فرمایا: **وَجَعَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ** یعنی ہم نے ہر ذرہ چیز پانی سے پیدا کی۔ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے مختلف چیزوں کو جو دوسری آتے ہوئے اور بڑھتے ہوئے دیکھتے رہتے ہیں، اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ تمام چیزیں ایک خود مختار اور ہر قسم کی قدرت واسلے خالق پر دلالت کرتی ہیں اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانی اور دلیل موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا رات پہلے تھی یا دن؟ آپ نے فرمایا کہ زمین و آسمان پہلے جڑے ہوئے تھے، اس لئے ان میں تاریکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اس سے ثابت ہوا کہ رات دن سے پہلے تھی (1)۔ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ تم اس کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو۔ جو جواب دو دیں، وہ مجھے آکر بھی بتاؤ۔ چنانچہ وہ شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آیت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمان کا منہ بند تھا، اس سے بارش نہیں برسی تھی اور اسی طرح زمین کا بھی منہ بند تھا، اس سے کوئی چیز نہیں اگتی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کے کینوں کو پیدا کیا تو آسمان کو بارش کے ساتھ اور زمین کو نباتات کے ساتھ کھول دیا۔ یہ تفسیر نہیں کروہ شخص وہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اس سے آپ کو آگاہ کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کا خصوصی اور وافر علم عطا ہوا ہے، انہوں نے بالکل درست تفسیر بیان کی ہے، مجھے کبھی سمجھی یہ خیال آتا تھا کہ تفسیر قرآن کے معاملہ میں ابن عباس کی جرأت کچھ زیادہ ہی ہے لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ قرآنی علوم کا انہیں وافر حصہ مرحمت ہوا ہے (2)۔ عطیہ عوفی بھی کہتے ہیں کہ پہلے آسمان سے بارش نہیں برسی تھی، پھر بارش برسنے لگی، اسی طرح پہلے زمین کچھ نہیں اگتی تھی پھر نباتات اگانے لگی۔ اس میں ابن عباس نے فرمایا کہ میں نے ابوصالح حنفی سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلے ہی آسمان تھا، اس سے چیر کر اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنادئے اور اسی طرح زمین بھی پہلے ایک ہی تھی، اسے چیر کر اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں بنادیں۔ پھر اس کے علاوہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے نہیں تھے لیکن حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرمانے ہیں کہ زمین و آسمان پہلے ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کر کے زمین کو اس سے جدا کر دیا، اسی چیز کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اور یہی **فَفَتَقْنَا لَهَا مَا كَانَتْ تَحْتُهَا** ہے۔ حضرات حسن و قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ملے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ پھر فرمایا: **وَجَعَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ**... یعنی تمام جانداروں کی اصل پانی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب میں آپ کی زیارت کرتا ہوں تو میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور میرا دل سرور ہو جاتا ہے۔ آپ ہمیں ہر چیز کی اصلیت کے متعلق آگاہ فرمائیں تو آپ **ﷺ** نے فرمایا: ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید یہ عرض کی کہ آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، آپ **ﷺ** نے فرمایا: "اسلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رُحی کرو اور رات کے وقت نماز پڑھا کرو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں پھر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ" (4)۔ پھر فرمایا: **وَجَعَلْنَا مِنَ الْأَرْضِ رِيشًا وَنَبَاتًا** یعنی ہم نے زمین میں پہاڑ گاڑ کر اسے قرار بخشا اور مضمبوطا کر دیا تاکہ یہ برزقی اور ذوقی نہ رہے جس

2- الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 625

1- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 19

4- مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 295، 323، 324-493

3- مستدرک حاکم، کتاب البر والصلۃ، جلد 4 صفحہ 160، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 626

کے باعث اس کے سینوں کو قہر ہی نصیب نہ ہو۔ زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی میں ہے اور صرف ایک چوتھائی حصہ موائے اور سورج کے لئے ظاہر اور کھلا ہوا ہے؛ کہ لوگ آسمان، اس کے عجائبات اور اس میں موجود قدرت کی آیات و معجزات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکیں۔ آگے فرمایا: **وَجَعَلْنَا فِيهَا قَابًا مَّا سُمِّيَ لَمَعِي**۔ ہم نے پہاڑوں میں ورے اور کشادہ رستے بنا دیئے تاکہ لوگ ایک علاقہ سے دوسری علاقہ کا اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ملاحظہ کریں کہ اس نے لوگوں کی آمد و رفت ممکن بنانے کے لئے مختلف شہروں اور علاقوں کے درمیان حائل پہاڑوں میں کشادہ اور کھلے راستے بنا دیئے، اور آسمان کو زمین پر قبہ جیسی محفوظ چھت بنا دیا، اس لئے فرمایا: **وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِسَبْعِ ذَوَاتٍ لِّتَسْمَعُنَّ (الذاریات: 47)** ”اور آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور بے شک ہم وسعت دینے والے ہیں۔“ **وَأَسْمَاءَهُ وَمَا بَيْنَهُمَا (الشمس: 5)** ”اور ہم ہے آسمان کی اور اس کے بننے والے کی“، **أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ (ق: 6)** ”تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہ دیکھا ہم نے اسے کیسے بنایا اور سنوارا اور اس میں کہیں رختھیں۔“ بناؤ کا معنی ہے قہر اور خیر کھڑا کرنا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نبی الاسلام علیٰ عہدہ“ یعنی اسلام کی بناء پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ایسا عہدوں میں ہوتا ہے جیسا کہ عرب نیسے نصب کرتے وقت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ایسی چھت بنا دیا ہے جو ہر قسم کی دست برد سے محفوظ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ آسمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایسی موج جو تم سے روک دی گئی ہے“۔ اس کی سند غریب ہے۔ پھر فرمایا: **وَهُمْ عَنِ ابْنِهَا مَعْزُومُونَ** ایک اور جگہ فرمایا: **وَلَا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ النَّسُوبَاتُ إِذْ انْطَرَضَ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَلَيْهَا مَعْزُومُونَ (يوسف: 105)** ”اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کئے ہوتے ہیں“۔ یعنی یہ لوگ اس وسیع اور بلند آسمان میں غور و فکر نہیں کرتے جسے ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہے، ان میں سے بعض ساکن ہیں اور بعض متحرک، اسی طرح اس میں سورج جڑا ہوا ہے جو اپنے مدار میں حرکت کرتا ہوا چوبیس گھنٹوں میں اپنا چکر مکمل کرتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو ایسی ہی طرح گردش کرتا رہے گا۔ ابن ابی الدیاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”التفکر والاقتدار“ میں بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک عابد تیس سال تک عبادت کرتا رہا۔ ان میں سے جب کوئی شخص تیس سال عبادت کرتا تو باول اس پر سایہ نکلن ہو جویا کرتا تھا لیکن اس عابد کے ساتھ ایسا نہ ہوا تو اس نے اپنی ماں سے اس کی شکایت کی اس نے کہا: اے میرے بیٹے! تم نے اپنی عبادت کی اس مدت میں ممکن ہے کوئی گناہ کر لیا ہو۔ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کہ ممکن ہے تم نے کسی گناہ کا قصد کیا ہو۔ اس نے کہا: نہیں۔ ماں نے کہا کہ پھر ممکن ہے تم نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی ہو اور بغیر فکر و تدبیر کے وہاں لوٹا لی ہو۔ وہ کہنے لگا: ہاں، ایسا تو متعدد بار ہوا۔ اس کی ماں نے کہا: بس یہی وجہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی چند نشانیوں پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: **وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الْاِنْسَانَ** یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی رات کو پیدا کر کے اس میں تاریکی اور سون رکھ دیا اور دن کو پیدا کر کے اس میں روشنی اور اس قرآنم کریم کر دیا، کبھی دن طویل اور کبھی رات طویل، کبھی دن چھوٹا اور کبھی رات چھوٹی، یہ سلسلہ پیچیدگی ہی طرح چلتا رہتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مہر و ماہ کی تخلیق کی۔ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ نور، مدار، حرکت، رفتار اور وقت مخصوص ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مدار میں یوں گھوم رہا ہے جیسے چرنے میں تکلہ (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَالْيَقِ الْأَصْبَاحَ وَوَجَعَلْنَا الْاَيُّنَ لَسَمَكًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حَسْبًا كَمَا ذُكِرْتُ تَقْدِيرُ الْعَرَبِيْنَ**

الْعَلِيمِ (الانعام: 97) ”وہ صبح کو نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو باعث سکون اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے بنایا۔ یہ اندازہ ہے سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والے کا“۔

وَمَا جَعَلْنَا لِيَشْرِبَ مِنْ تَبِيكَ الْخُلْدُ أَفَأَنْ يَسْتَفْهِمَ الْخُلْدُونَ ﴿٥٠﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبِّئُكُمْ بِالْأَسْرِ وَالْخَيْرِ فَمَنْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ سَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٥١﴾

”اور ہمیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لئے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا۔ تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں ہر نفس موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے۔ اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے۔ اور (آخر کار) تم سب کو ہماری طرف ہی لوٹ آنا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے دنیا میں کسی بشر کے لئے دوام اور غلوط مقدر نہیں کیا بلکہ ہر چیز فانی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس آیت سے ہی ان علماء نے استدلال کیا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا گئے ہیں اور ابھی تک زندہ نہیں۔ خواہ وہ ولی ہوں، یا نبی ہوں یا رسول ہوں، بہر حال تھے تو بشر ہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا جَعَلْنَا لِيَشْرِبَ... پھر فرمایا: أَفَأَنْ يَسْتَفْهِمَ... یعنی اے میرے رسول ﷺ! اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا یہ آپ کے بعد ہمیشہ رہنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں، ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ایک کو فنا ہونا ہے، اس لئے فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی دو اشعار میں ہے: ”لوگ میری موت کی تمنا کرتے ہیں۔ اگر میں مر جاؤں تو یہ ایسا رستہ نہیں جس کا تمہا میں ہی مسافر ہوں، اگر کوئی اس کے برعکس کا خواہشمند ہے تو اسے بتا دو کہ ایسے ہی رستہ پر چلنے کی تیاری کر لو“ (1)۔ پھر فرمایا: وَنَبِّئُكُمْ... یعنی ہم تمہیں کبھی مصائب میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں اور کبھی نعمتوں سے نواز کر، تاکہ ہم دیکھیں کہ کون شکر ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کرتا ہے، کون صبر کرتا ہے اور کون ناامید ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں تنگدستی اور خوشحالی، صحت اور بیماری، دولت اور فقر، حلال اور حرام، اطاعت اور معصیت اور ہدایت اور گمراہی کے ساتھ آزماتے ہیں اور ہماری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے اور ہم تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے (2)۔

وَإِذَا رَأَى الْآلِينَ كَفَرًا وَإِن يَتَّخِذُ مِنْكَ إِلَّا هُزُوعًا ۗ أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ آيَاتٍ ۚ فَكَيْفَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ إِن كُمْ تُعَذِّبُونَ ﴿٥٢﴾ هُمْ بِذُنُوبِكُمْ أَكْرَاهٍ لِّأَنْفُسِكُمْ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ إِنَّكَ أَنتَ الْعَاقِلُ ﴿٥٣﴾

”اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہی وہ صاحب ہیں جو (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں تمہارے خداؤں کا۔ حالانکہ وہ (کفار) زمین کے ذکر سے خود (بکسر) انکاری ہیں۔ انسان کی مرثیت میں ہی جلد بازی ہے۔ میں عنقریب تمہیں (خود ہی) اپنی نشانیاں دکھاؤں گا۔ سو تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جب آپ کو ایو جہل اور اس قماش کے دوسرے کفار قریش دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق آتے۔ دئے اور آپ کی تنقیص کرتے ہوئے کہتے ہیں: اَلَّذِي نَزَّلَ الْوَحْيَ عَلَيَّ لِيُخَوِّفَهُمْ وَلِيُبَيِّنَ لَهُمْ سَبِيلَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ يُخَوِّفُونَ لِي وَلَئِنْ كُنْتُ إِلَّا نَجْمًا مِّنْ نَّجْمٍ لَّيُكْفَرُنَّ بِهِ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَ رَبِّي إِلَّا عِندَ عِزِّ رَبِّي ۗ (الفرقان: 41-42) اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ قریب تھا کہ یہ ہمیں اپنے خداؤں سے بہکا دیتا اگر ہم ان پر ثابت نہ رہتے۔ یہ جان لیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون راہ راست سے بھٹکے ہوا ہے۔ انسان کے متعلق فرمایا: خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا (بنی اسرائیل: 11) اور انسان بڑا جلد باز (واقع ہوا) ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، اس دن شام کے قریب ہر چیز کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا شروع کیا۔ جب روح پھونکی گئی اور وہ ان کے سر، آنکھوں اور زبان میں آگئی تو کہنے لگے: اے میرے پروردگار! غروب آفتاب سے پہلے پہلے میری تخلیق مکمل فرما دے (1)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں انہیں جنت میں داخل کیا گیا، اسی میں انہیں جنت سے نیچے اتارا گیا، اسی میں قیامت قائم ہوگی اور اسی میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر وہ کسی بندہ مومن کو محالت نماز میسر آجائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جس بھلائی کا سوال کرے، اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا فرمادیتا ہے۔“ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ کون سی گھڑی ہے، وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے، اسی گھڑی میں آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ یہاں انسان کی جلد بازی کا ذکر کرنے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ جو نبی مسمان اس بات سے آگاہ ہوتے ہیں کہ کافر رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے دل میں آتش انتقام بھڑک اٹھتی ہے اور وہ جلد از جلد بدلہ لینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ، لیکن اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ ظالم کو ڈھکیل دیتا ہے، پھر جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں، اسی لئے فرمایا: نَسْأُؤُ بِرَيْبِكُمْ الْيَتِيمَ... یعنی عنقریب میں تمہیں دکھاؤں گا کہ میں کس طرح اپنے نافرمانوں سے انتقام لیتا ہوں، مجھے ان پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، اس لئے تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٠﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينًا لَا يَكْفُونُ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿١١﴾ بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٢﴾

”اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ (قیامت کا) وعدہ؟ (بتاؤ نا) اگر تم سچے ہو۔ کاش! جاننے کفار (اس وقت کو) جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ (کے شعلوں کو) اور نہ اپنی پشتوں سے اور ان کی مدد کی جائے گی۔ بلکہ وہ آگے ان کے پاس ناگہاں سوائیکم بدحواس کر دے گی پھر وہ نہ اسے روک سکیں گے اور نہ ہی انہیں مزید مہلت دی جائے گی۔“

اللہ تعالیٰ مشرکین کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ اپنے کفر و مناد کے باعث قیامت کی تکذیب کرتے ہوئے اور اسے محال سمجھتے ہوئے وقوع عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں اور کہتے ہیں: مَطْلِي هَذَا الْوَعْدُ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَنْ يُغْنِيَنَّكَ الْإِنِّ شَيْئًا كَفَرًا . یعنی اگر انہیں یقین ہو جاتا کہ قیامت لا محالہ واقع ہوگی تو وہ نزول عذاب کی جلدی نہ مچتے۔ کاش وہ اس وقت کو جان لیتے جب عذاب انہیں اوپر سے اور نیچے سے اپنی لپیٹ میں لے لے گا جیسا کہ فرمایا: لَنْ تَنْفَعُ مِنْ قَوْلِهِمْ ضَلُّهُنَّ أَشْيَاءُهُنَّ وَ مِنْ تَحْتِهِنَّ ضَلُّهُنَّ (الزمر: 16) "ان کے لئے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے۔" لَنْ تَنْفَعُ مِنْ قَوْلِهِمْ وَ مَا هُوَ مِنْ قَوْلِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف: 41) "ان کے لئے دوزخ کا ہی پھوسنا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اور حزن، یہاں فرمایا: جِئْتُمْ بِهِ يَتْلُقُونَ . ایک اور مقام پر فرمایا: نَسْرًا بِئِنَّهُمْ مِنْ قِطْرِ إِبْنِ وَنَفْسِي وَ جُودُهُمُ الْثَّارُ (ابراہیم: 50) "ان کا لباس تاروں کا ہوگا اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ رہی ہوگی۔" یعنی عذاب انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا اور ان کی مدد بھی نہیں کی جائے گی جیسا کہ فرمایا: وَ مَا تَنْفَعُ مِنْ النَّوْمِ وَ ابْقِ (الرعد: 34) "اور انہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچنے والا۔" اس کے بعد فرمایا: بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً . یعنی آگ کا عذاب ناگہاں ان پر آئے گا اور انہیں سراسیمہ اور بدحواس کر دے گا، وہ حیران و ششدر اس کے سامنے بس ہو جائیں گے، انہیں کوئی ایسا حیر نہیں سوجھے گا جس کے ذریعے وہ اسے تال سکیں اور نہ ہی انہیں مزید مہنت دی جائے گی۔

وَلَقَدْ اسْتَمْتَنِي بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٤﴾ قُلْ مَنْ يَحْكُمُكُمْ بِالْبَيْتِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ آيَاتِهِ مُعْرِضُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَسْعُهُمْ مِنْ دُونِنَا لَا يَسْتَشْعِرُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُونَ ﴿٣٦﴾

"اور بے شک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمہارا کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ آپ پوچھئے (اے منکر و!) کون ہے جو تمہاری بات کرتا ہے تمہاری رات بھر اور دن بھر ضائع کر رہا ہے (اور وہ تمہیں عذاب دینا چاہے) عمر (ان سے کیا پوچھنا) یہ تو اپنے رب کے ذکر سے ہی روگرداں ہیں۔ کیا ان کے اور خدا ہیں جو بچا سکتے ہیں انہیں (عذاب سے) ہمارے سوا۔ وہ جھوٹے معبود تو خواہیں مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ہماری تاکید میسر ہوگی۔"

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کو مشرکین کی ایذا رسانی، استہزاء اور تکذیب پر تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَقَدْ اسْتَمْتَنِي بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (الاعراف: 34) "اور آپ سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آگئی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں اور آپ کے پاس رسولوں کی یہ خبریں آئی چکی ہیں۔" اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام ہے کہ وہ دن اور رات کی ہر گھڑی میں اپنی نہ سوتے والی آنکھ کے ساتھ اپنے بندوں کی نگہبانی اور حفاظت کرتا ہے، اسی نعمت کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: قُلْ مَنْ يَحْكُمُكُمْ (الاعراف: 34) اس آیت میں وَ مِنَ الرَّحْمَنِ بدل الرحمن کے معنی میں سے یعنی

رحمن کے سوا۔ پھر فرمایا: بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ يُعْمَدُونَ ... یعنی یہ کافر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور نعمتوں سے روگردانی کرتے ہیں۔ پھر انہیں زجر و توبیح، سرزنش اور ان پر اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: أَفَرَأَيْتُمْ إِيَّاهُ يَعْبُدُونَ یعنی کیا ہمارے سوا ان کے کوئی ایسے معبود ہیں جو ان کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں؟ ان کی یہ خام خیالی اور زعمِ باطل ہے، اس لئے فرمایا: يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ عِبُدُوا اللَّهَ عِندَ مَا تُرَكِبُ الْإِنْسَانَ وَالْحِجَابَ حُبًّا ۗ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۚ یعنی یہ معبودانِ باطل تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچنے کے لئے کوئی پناہ کا وہ حاصل ہوگی۔ قنادہ کہتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر نام کی کوئی چیز میسر نہیں ہوگی۔ بعض اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ سے نہیں بچ سکیں گے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ أَفَلَا يَذَرُونَ أَنَا نَاتِي الْآسْرَافِ
نَنَقُصُهُمْ مِنْ أَضْرَافٍ ۗ أَفَهُمُ الْعَالِمُونَ ۖ قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَعْدِ ۗ وَلَا يَسْمَعُ الصَّمْعُ
الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ۖ وَلَئِن مَسَّ سِتْمٌ نَفْحَةٌ مِنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَا وَيْلَنَا إِنَّا
كُنَّا ظَالِمِينَ ۖ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقَسِيطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَاسٍ حِشَابِينَ ۖ

”بلکہ ہم نے (عیش و آرام کا) سامان دیا انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو حتیٰ کہ (اسی عیش و آرام میں) ان پر لہذا عرصہ گزر گیا (اور وہ سرکش ہو گئے)۔ کیا وہ ملاحظہ نہیں کر رہے کہ ہم زمین (کی وسعتوں) کو گھٹاتے چلے جا رہے ہیں اس کی (چاروں) سمتوں سے۔ کیا وہ (ہماری تقدیر پر) غالب آسکتے ہیں؟ آپ فرمائیے میں تمہیں ڈراتا ہوں صرف وحی سے۔ اور تمہیں سنا کرتے بہرے پکارنے کو جب انہیں (عذاب الہی سے) ڈرایا جاتا ہے۔ اور اگر (صرف) چھو جائے انہیں ایک جھوٹکا تیرے رب کے عذاب کا تو (سارا نشہ ہرن ہو جائے) یوں کہتے لگیں صدحیف ایدیک ہم ہی ظالم تھے۔ اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر۔ اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔“

مشرکین کو دنیاوی زندگی میں آرام و آسائش کا سامان دیا گیا اور انہیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا گیا، اسی آرام و آسائش میں ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ اس سے وہ دھوکہ کھا گئے اور یہ خیال کرنے لگے کہ یہ انعامات و آسائشات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہم صحیح راہ پر گامزن ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہیں۔ اس زعمِ باطل میں وہ اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: أَفَلَا يَذَرُونَ أَنَا نَاتِي۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے جسے ہم سورہ رعد میں بیان کر چکے ہیں (1)۔ اس کی بہترین تفسیر اس آیت میں کی گئی ہے: وَلَقَدْ آهَنْكُنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْعَرَبِ وَمَضَّ فَمَا أَلَانِيَتَ لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ (الاحقاف: 27) ”اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے ارد گرد تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں تاکہ وہ باز آجائیں۔“ حضرت حسن بصری رحمت اللہ علیہ کے بقول اس سے مراد اسلام کا کفر پر غلبہ ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ کیا یہ لوگ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے

کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے خلاف اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے، جھٹلانے والی قوموں اور ظالم بستیوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور اپنے مومن بندوں کو نجات عطا فرماتا ہے، اس لئے فرمایا: **أَفَلَمْ نَقُومُوا لِلنَّارِ حَرًّا** یعنی یہ غالب نہیں بلکہ مغلوب، ذلیل، رذیل اور خسار اٹھانے والے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: **قُلْ إِنَّكُمْ أَنْتُمْ مُرْكَبُونَ**۔ یعنی میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا ہوں اور جس عبرت تک عذاب سے میں تمہیں ڈرا رہا ہوں وہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے اس کی اطلاع دی ہے، لیکن یہ اس شخص کے لئے ڈرا بھی سود مند نہیں جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے سلب کر لیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اس لئے فرمایا: **وَلَا يَسْمَعُ** ... اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: **وَلَوْ يَرَوْنَ حَسَنَاتِهِمْ**۔ یعنی اگر ان جھٹلانے والوں کو معمولی سا بھی عذاب چھو جائے تو یہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے لگ جائیں گے اور کہیں گے کہ واقعی دنیا میں ہم اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔ اگلی آیت میں فرمایا: **وَنَقَضْنَا آيَاتِنَا**۔ یعنی ہم قیامت کے دن عدل کرنے والے ترازو رکھیں گے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ میزان (ترازو) ایک ہی ہے لیکن یہاں اسے جمع لانے کا مقصد یہ ہے کہ جن اعمال کا اس میں وزن کیا جائے گا، وہ متعدد ہوں گے۔ فرمایا: **فَلَا تَقْلُمُ**، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: **وَلَا يظْلِمُ سَائِلٌ** **أَحَدًا** (الکہف: 49) ”اور آپ کا سب کسی پر زیادتی نہیں کرتا“، **إِنَّ اللَّهَ لَا يظْلِمُ مَشَقًّا** **وَمَقَالًا** **ذَرًّا** **وَوَإِنَّ تَكَّ حَسَنَةً يُضَعِفُهَا وَيُؤْتِي مَن يَشَاءُ لَكُفْرًا أَجْرًا عَظِيمًا** (النساء: 40) ”اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر معمولی سی نیکی ہو تو اسے دو گنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتا ہے“، حضرت لقمان نے فرمایا: **يُنَبِّئُهَا إِنَّ تَكَّ مَشَقًّا حَتَّى يَمُوتَ حَرًّا ذَلَّ فَكُنْ فِي مَشَقًّا** **أَوْ فِي السَّلْوَاتِ** **أَوْ فِي الْأَرْضِ نِيَابَ بِنَا** **اللَّهُ** **إِنَّ اللَّهَ يُظَلِّفُ حَبِيبًا** (لقمان: 16) ”اے میرے بیٹے! اگر رائی کے دانہ کے برابر کوئی وزنی چیز ہو یا پھر وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو تو اسے اللہ تعالیٰ لے آئے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ یا ایک بین، ہر چیز سے باخبر ہے۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بلکہ ہیں، میزان میں بھاری ہیں اور رحمن کو بہت محبوب ہیں: **سُبْحَانَ اللَّهِ** **وَبِحَمْدِهِ** **سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ**“ (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو سب کے سامنے بلائے گا اور اس کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے، ہر ایک رجسٹر کا حد نظر پھیلایا ہوا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ کیا تمہیں ان میں سے کسی گناہ کا انکار ہے؟ کیا لکھنے والے محافظ فرشتوں نے تم پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: کیوں نہیں تمہاری ایک نیکی ہمارے ہاں محفوظ ہے، آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، چنانچہ ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا جس میں یہ لکھا ہوا ہوگا: **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ**“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے پیش کرو۔ وہ شخص عرض کرے گا: اے پروردگار! ان رجسٹروں کے مقابلے میں اس معمولی سے پرچہ کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ تمام رجسٹر ایک پلڑے میں ڈال دیئے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو رجسٹروں والا پلڑا ہلکا ہوگا اور پرچے والا بھاری اور بھروسہ اللہ الخلیل الرحیم کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں“ (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ترازو رکھے جائیں گے، ایک آدمی کو لاکر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور اس کے ساتھ وہ

1 - صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 196، صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2072

2 - مسند احمد، جلد 2 صفحہ 213، عارضۃ الاخوان، جلد 10 صفحہ 107-108 وغیرہ

کہہ بھی رکھ دیا جائے گا جو اس پر شمار کیا گیا ہوگا تو وہ پلڑا اٹھ جائے گا چنانچہ اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا، جب وہ پتھر پھیر کر جانے لگے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز مینے والا پکارے گا کہ جلدی نہ کرو، اس کی ایک چیز باقی رہ گئی ہے، پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے گا جس پر یَا اَللّٰهُ مَرْتُوْمٌ ہوگا اور اسے اس آدمی کے ساتھ پلڑے میں رکھا جائے گا تو یہ پلڑا جھٹک جائے گا (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھا سوتا تھا، وہ عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میرے غلام ہیں جو مجھے جھٹلاتے ہیں، میرے ساتھ خیانت بھی کرتے ہیں اور میری نافرمانی بھی کرتے ہیں اور میں انہیں مارتا ہوں اور برا بھلا بھی کہتا ہوں، آپ فرمائیے کہ ان سے میرا یہ سوک کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کی خیانت، نافرمانی اور تکذیب اور تمہارے عقاب کا حساب کیا جائے گا۔ اگر تمہارا عقاب ان کی زیادتوں کے برابر ہو تو تو بری الذمہ ہوگا نہ ثواب اور نہ عذاب۔ اگر تمہاری سزا ان کی خطاؤں سے کم ہوئی تو یہ تمہارے لیے باعث فضل ہوگا اور اگر تمہاری ماریت ان کی خطاؤں سے زیادہ ہوئی تو تمہاری اس زیادتی کا ثمر سے بدل لیا جائیگا۔“ یہ سن کر وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے گریہ و زاری کرنے اور چیخنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کیا ہے؟ کیا اس نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا: وَتَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقَدِیْحَ۔ یہ سن کر وہ صحابی کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ ان غلاموں کو آزا کرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں، آپ گواہ رہیے کہ میں نے ان کو آزا کر دیا (2)۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَ هَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنْ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿١١﴾ وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ ۗ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿١٢﴾

”اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرقان اور روشنی اور ذکر پر ہمیز گاروں کے لئے۔ جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے۔ نیز وہ قیامت سے بھی ترسان رہتے ہیں۔ اور یہ قرآن نصیحت ہے بڑی بابرکت ہم نے (ہی) اسے اتارا ہے۔ تو کیا تم اسکو ماننے سے انکار کرتے ہو۔“

پہلے بھی آگاہ کیا جا چکا ہے کہ اللہ اکثر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان حضرات کو دی گئی کتابوں تو رات اور قرآن کریم کا ذکر ایک ساتھ کرتا ہے۔ بقول مجاہد الفرقان سے مراد کتاب ہے، ابو صالح کہتے ہیں کہ اس سے مراد تو رات ہے۔ قی وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تو رات ہے جو حلال و حرام کو بیان کرنے والی اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ ابن زید اس سے مراد نصرت و غلبہ لیتے ہیں (3)۔ بہر صورت جامع بات یہی ہے کہ تمام آسمانی کتب حق و باطل، ہدایت و گمراہی اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرتی ہیں اور دلوں میں نور، ہدایت، تقویٰ اور اتاہت کے حصول کا سبب بنتی ہیں، اس لئے فرمایا: الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً۔ پھر متقین کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنْ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ اس طرح اور مقامات پر فرمایا: مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبِ وَجَاءَتْهُمُ الْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَثِيرٌ (المک: 12) ”بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر

عظیم ہے۔ پھر قرآن کریم کے متعلق فرمایا: وَهَذَا الَّذِي كُنْتُمْ تُعْتَمِدُونَ یعنی یہ قرآن کریم اللہ کی نازل کردہ ایسی عظیم کتاب ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پاسکتا، تو پھر کیا تم استدراوض اور علمی کتاب کا انکار کرتے ہو؟

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿٥١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذَا السَّمِيعُ الَّذِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِفُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا أَوَجَدْنَا أَبَاءَنَا وَآلِهَنَا عَمِينَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوا آجِئْنَا بِالْحَقِّ أَمْ آنتُم مِّنَ اللَّعِينِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ سَأَلْتُ رَبِّي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالْزَّمِينَ فَصَرَّهُنَّ ۗ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٦﴾

”اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم علیہ السلام کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا صورتیاں ہیں جن کی پوجا پات پر تم جسے بیٹھے ہو۔ وہ بولے پایا ہے ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پیجاری تھے۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ بتلا رہے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔ انہوں نے پوچھا کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا (صرف) دل لگی کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے۔ اور میں اس (صدائق) پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے ظلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرما رہا ہے کہ ہم نے انہیں بچپن سے ہی دانائی عطا فرمادی اور ان کی قوم کے متعلق ہمیں حق اور حجت الہام کردی جیسا کہ فرمان ہے: تِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ (الانعام: 83) ”اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی“۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ ابھی آپ شیر خوار بچے ہی تھے کہ آپ کے باپ نے آپ کو ایک غار میں داخل کر دیا، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد آپ علیہ السلام وہاں سے نکلے تو ستاروں اور دیگر مخلوقات میں غور و تدبر کرنے کے بعد آپ کو خدا کی پہچان ہوئی، یہ اور اس قسم کے دیگر قصے اسرائیلی روایات ہیں۔ ان میں سے جو روایات ہمارے ہاں موجود حق کے موافق ہوں، وہ قابل قبول ہیں اور جو اس کے مخالف ہوں، وہ مردود ہیں لیکن وہ روایات جن کے متعلق ہماری شریعت میں نہ مخالفت پائی جاتی ہے اور نہ موافقت، ان کی نہ ہم تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب بلکہ ان کے متعلق سکوت اختیار کرتے ہیں، اہل سنت نے اس قسم کی باتوں کو روایت کرنا جائز قرار دیا ہے، بہر صورت ان میں سے اکثر ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ ہمارا کوئی دینی فائدہ وابستہ نہیں اور اگر دینی معاملات میں واقعی ان کا کوئی فائدہ ہوتا تو ہماری شریعت کاملہ ضرور انہیں واضح طور پر بیان کر دیتی۔ ہمارا موقف تو اس تفسیر میں یہی ہے کہ اسرائیلی روایات سے اجتناب کیا جائے کیونکہ ایسی روایات بیان کرنے میں ایک تو وقت کا ضیاع ہے اور دوسرا اس جھوٹ کی ترویج لازم آتی ہے جس کی آمیزش انہوں نے اکثر روایات میں کر دی تھی، ان کے پاس کوئی ایسی کوئی نہیں تھی جس کے ذریعے وہ صحیح اور غلط کے درمیان تفریق کر سکیں جیسا کہ اس امت کے ائمہ حفاظ نے روایات کی جانچ پڑتال کرنے کیلئے نہایت عمدہ طریقہ وضع کیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو انشائی سے نوازا اور وہ

اس کے اہل بھی تھے۔ اس رشد و ہدایت، بصیرت اور دانائی کی نشاندہی اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی قوم کی بت پرستی پر نفرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اِذْ قَالَ رَبِّي وَيُوقُوْهُ صِهٖ . حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو شطرنج کھیل رہے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم جسے شیٹھے ہو؟ تم میں سے کوئی انکارے کو پکڑے تو وہ شطرنج کے مہروں کو پکڑنے سے بہتر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے جواب میں وہ کہنے لگے وَجَدْنَا اَبًا عَدُوًّا ... ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہ تھی کہ ان کے آباؤ اجداد اس کھلی گمراہی کا شکار تھے، اس لئے فرمایا: لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ . یعنی تمہارا معاملہ اور تمہارے ان آباؤ اجداد کا معاملہ یکساں ہے جن کے کرتوت تم بطور دلیل پیش کر رہے ہو، تم بھی گمراہ اور وہ بھی گمراہ، تم بھی راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہو اور وہ بھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بیوقوفی واضح کر دی، ان کے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیا اور ان کے معبودانِ باطلہ کی تخفیر کی تو وہ کہنے لگے: اَجْمَعْتُمْ بِالْحَقِّ . یعنی یہ بات تم بطور بنی مذاق کر رہے ہو یا واقعی سچیدگی کے ساتھ صحیح بات کر رہے ہو، ہم نے تمہارے منہ سے اس سے پہلے ایسی بات نہیں سنی۔ آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: بِنِيْ رَبِّيْكُمْ . یعنی تمہارا رب وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی نے زمین و آسمان اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب ہے۔

وَتَاٰنِهٖ لَا كَيْدَ اَنْ اَصْنٰمَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۱۰۰ فَجَعَلَهُمْ جُنُودًا اِلَّا كَيْدِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝۱۰۱ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِالْهَيْتٰنَا اِنَّهٗ لَمِنَ الظَّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۲ قَالُوْا سَمِعْنَا قُتَيْبَ بْنَ كُرَيْمٍ يُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِيْمُ ۝۱۰۳ قَالُوْا فَاَتُوْا بِهٖ عَلٰى اَعْيُنِنَا لَنْ نَعْلَمَهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝۱۰۴ قَالُوْا اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِالْهَيْتٰنَا يَا اِبْرٰهِيْمُ ۝۱۰۵ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَوْفِيْهُمْ هٰذَا فَاسْتَكُوْهُمۡ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝۱۰۶

”اور بخدا! میں بند و بست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے بیچہ پھیرتے ہوئے۔ پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا گمراہی کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تا کہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اس کی طرف رجوع کریں۔ وہ بولے کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔ (چند آدمیوں نے) کہا ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے تو پھر (پکڑ کر) لاؤ اسے سب لوگوں کے رو بہ و شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں۔ (ابراہیم پکڑ کر لائے گئے تو) لوگوں نے پوچھا اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی سو ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں۔“

حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم کے بعض افراد کو سنا کر قسم اٹھائی کہ جب تم عید منانے کیلئے باہر نکل جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کا بند و بست کروں گا اور انہیں توڑ چھوڑ کر رکھ دوں گا۔ ان کی ایک قومی عید تھی جسے منانے کیلئے وہ باہر نکل جایا کرتے تھے۔ سدن کہتے ہیں کہ جب اس عید کا وقت قریب آیا تو آپ کے باپ نے آپ سے کہا کہ اگر تم ہمارے ساتھ عید منانے کیلئے چلو تو تمہیں ہمارا دین بہت پسند آئے گا۔ چنانچہ آپ بھی لوگوں کے ساتھ نکلے لیکن تھوڑے سا چلنے کے بعد آپ نے خود کو زمین پر گرالیا اور کہنے لگے کہ میں بیمار ہوں۔ باقی ساتھی تو آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور آپ وہاں ہی پڑے رہے۔ لوگ آپ سے پوچھتے کہ کیا بات ہے؟ آپ یہی فرماتے کہ میں بیمار ہوں،

اس طرح لوگ وہاں سے گذرتے گئے جب اکثر لوگ باہر نکل گئے اور صرف بوڑھے اور ضعیف باقی رہ گئے تو آپ نے فرمایا: تَأْتِيهِمْ لَآكِيْمَةٌ . ان باقی رہ جانے والوں نے آپ کی یہ بات سن لی۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ جب اپنا قبور مانے کیلئے باہر جانے لگے تو ان کا گذر آپ کے پاس سے ہوا، وہ کہنے لگے: اے ابراہیم! کیا تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے؟ آپ نے فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔ اس سے گذشتہ روز آپ واقعی علیل تھے، آپ نے فرمایا: تَأْتِيهِمْ لَآكِيْمَةٌ کچھ لوگوں نے آپ کی یہ بات سن لی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے ان کے صنم اکبر کو چھوڑ کر باقی سب بتوں کو بڑھ کر بڑھ کر لڑا الا صیبا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قَدَاءٌ عَلَيْنِهِمْ صَرْبًا بِأَيْدِيهِمْ (الصافات: 93) ”آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے ان پر پوری قوت سے ضرب لگائی“، فرمایا: تَعْلَمُهُمُ الرَّيْبِيَّةُ يَجْعَلُونَ كَهَيْئَةِ جِبَالٍ مَّوَدَّعَةٍ اس غرض سے باقی بتوں کو توڑ پھوڑ کر ان کے بڑے بت کے ہاتھ میں کلباڑا رکھ دیا تاکہ ان لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ بڑے بت کو یہ بات پسند نہ تھی کہ اس کی موجودگی میں باقی بتوں کی پرستش کی جائے، اس لئے غیرت میں آکر اس نے باقی تمام بتوں کے ساتھ یہ حشر کیا۔ جب وہ لوگ واپس پلٹے اور انہوں نے اپنے بتوں کی یہ بات، تذلیل اور درگت جی دیکھی تو کہنے لگے: هَسَّ قَعْلٌ چنانچہ جنہوں نے آپ علیہ السلام کو یہ قسم لاکھی تھی... اٹھاتے ہوئے سنا تھا، وہ کہنے لگے سَمِعْنَا فَتَى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہرنی کو جوانی میں منصب نبوت پر فائز کیا گیا اور ہر عالم کو عالم شباب میں عم حاصل ہوا، اس کی تائید میں آپ نے یہ آیت قَالُوا سَمِعْنَا فَتَى... تلاوت کی۔ وہ کہنے لگے: فَتَى قَوْمِهِ... یعنی اسے بھری محفل میں لوگوں کے سامنے لاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود بھی یہی تھا کہ جمع عام میں ان لوگوں کی جہالت اور کم عقلی کا پردہ چاک کیا جائے اور ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی کا پول کھولتے ہوئے ان پر واضح کیا جائے کہ وہ جن خداؤں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں، وہ نہ تو اپنے آپ سے کسی نقصان کو دور کر سکتے ہیں اور نہ خود کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ جب ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے تو بھلا کیوں کر ان سے کوئی امید وابستہ کی جاسکتی ہے؟ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پوچھنے لگے: عَآثَتْ قَعْلَةٌ... آپ نے جواب میں فرمایا: بَلَى قَعْلَةٌ آپ کے اس فرمان سے مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ خواب غفلت سے بیدار ہو کر غور و فکر کریں اور اعتراف کریں کہ یہ بت بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس لئے بے جان ہونے کے نام سے اس بڑے بت سے یہ حرکت سرزد ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صرف تین مرتبہ کذب کا صدور ہوا، دو مرتبہ ذات الہی کی خاطر یعنی جب آپ نے یہ بَلَى قَعْلَةٌ كَيْفَ يُؤْتِيهِمْ هَذَا اور یہ (الَّذِي سَقِيمٌ) کہا۔ تیسری مرتبہ اس وقت جب آپ حضرت سارہ کے ساتھ سفر میں تھے کہ آپ کا گذر ایک ظالم بادشاہ کی سرزمین سے ہوا، وہاں آپ نے ایک جگہ قیام کیا۔ کسی آدمی نے اس ظالم بادشاہ کو یہ بتا دیا کہ اس وقت آپ کی سطلت میں ایک آدمی فروکش ہوا ہے جس کے ساتھ نہایت خوبصورت عورت ہے۔ بادشاہ نے آپ کو بلا بھیجا۔ جب آپ تشریف لائے تو اس نے پوچھا کہ یہ عورت تمہاری کیا لگتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔ بادشاہ نے آپ سے کہا جاؤ اور اس عورت کو میرے پاس بھیج دو۔ آپ حضرت سارہ کے پاس گئے اور انہیں فرمایا کہ اس ظالم نے مجھ سے تمہارے بارے میں دریافت کیا تو میں نے اسے بتایا کہ تم میری بہن ہو۔ اب اس کے پاس جا کر یہی کہنا کیونکہ دینی لحاظ سے تم میری بہن ہو اور اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مسلمان نہیں۔ آپ نے حضرت سارہ کو ادھر بھیج کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ حضرت سارہ جب اس ظالم کے پاس گئیں اور اس نے دست درازی کی کوشش کی تو وہ ایسا مذاہب، الہی میں گرفتار ہوا کہ اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو اب وہ آپ سے کہنے لگا کہ میرے لیے اللہ سے دعا کرو کہ

وہ مجھے درست کر دے، آئندہ میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ آپ نے اس کیلئے دعا کی تو وہ درست ہو گیا، پھر اس نے وہی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اب بھی اسی عذاب نے جلد اس سے بھی شدید عذاب نے اسے آدب و چا، تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا اور اس نے آپ کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن پہلے جیسا ہی اس کا حشر ہوا۔ اب اس نے پھر آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے اس کیلئے دعا کی تو وہ اس عذاب سے آزا ہو گیا، پھر اس نے اپنے سب سے قریبی دربان کو بلایا اور اسے کہنے لگا کہ تم میرے پاس کوئی انسان نہیں بلکہ شیطان لائے ہو، اس عورت کو یہاں سے نکال دو اور اسے باجر حطا کر دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آپ کی آہٹ محسوس کی تو فوراً نماز سے فارغ ہو کر دریافت کیا کہ کیا گذری؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فاجر کافر کے کمر کو ناکام بنا دیا ہے اور اس نے میری خدمت کیلئے باجر مجھے دی ہے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو فرماتے: اے آسمانی پانی کے فرزند! یہ ہیں تمہاری جلیل القدر ماں۔

فَرَجَعُوا اِلَىٰ اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوا اِنَّكُمْ الظَّالِمُونَ ﴿١٠﴾ ثُمَّ تَوَكَّلْنَا عَلٰى سُرْعٰوِيْنِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا هٰؤُلَاءِ يَفْعَلُوْنَ ﴿١١﴾ قَالَ اَفَتَعْْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿١٢﴾ اُقْبِلْ لَكُمْ وَلِيْمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَتَعْقِلُوْنَ ﴿١٣﴾

” (لا جواب ہو کر) اپنے دلوں میں غور کرنے لگے پھر بولے بلاشبہ تم ہی زیاں کار ستار ہو۔ پھر وہ اوندھے ہو کر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے۔ اور کہنے لگے تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔ آپ نے فرمایا (نادانوں!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بے بس بتوں) کی جو تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے؟ اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تم ہر تم پر نیزان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو لا جواب کر دیا تو وہ اپنے خداؤں کی حفاظت کا مناسب بندوبست نہ کر سکنے کے باعث خود کو ملامت کرنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم نے بڑا ستم کیا کہ اپنے خداؤں کو بغیر محافظ کے یونہی تنہا چھوڑ دیا۔ پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لیے اور مارے حیرت و ندامت کے کہنے لگے: لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ قیادہ کہتے ہیں کہ قوم سخت حیرت سے دوچار ہو گئی، اس لئے انہوں نے یہ بات کہی۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ فتنہ میں کوشاں ہو گئے اور امین زید کہتے ہیں کہ وہ سوچ بچار کرنے لگے۔ بہر صورت قیادہ کا قول زیادہ واضح ہے کیونکہ انہوں نے حیرت اور حشر کے باعث یہ کہا تھا: لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ جب انہوں نے اپنی زبانوں سے یہ اعتراف کر لیا تو حضرت ابراہیم نے ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی پر ضرب کاری لگاتے ہوئے فرمایا: اَفَتَعْْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یعنی جب یہ نہ بول سکتے ہیں اور نہ نفع نقصان کی قدرت رکھتے ہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انکی پوجا کیوں کرتے ہو، تم ہر تم پر اور تمہارے معبودان باطلہ پر۔ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے کہ تم گمراہی اور کفر میں مبتلا ہو جس کا حامل ایک ظالم اور فاجر ہی ہو سکتا ہے۔ اس طرح آپ علیہ السلام نے ان پر حجت قائم کر دی اور انہیں لا جواب کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَا يُوْحٰى بِكُمْ عَلٰى قَوْمِهِم (الانعام: 83)۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فاعِلِينَ ﴿٣٠﴾ قُلْنَا يَا مَعْزُوتِي بَرِّدَا وَسَلِّمَا عَلٰى
اِبْرَاهِيمَ ﴿٣١﴾ وَاَسَاذُ وَاِبِهَ كَيْدًا اَوْجَعَلْنَاهُمْ اِلَّا حَسْرَتِيْنَ ﴿٣٢﴾

” (سب ایک زبان ہو کر) بولے جلاؤ اللہ کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔ (جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کے لئے۔ انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔“

جب ان کی جنت بودی ثابت ہوئی، ان کا معرظا ہر ہو گیا، حق غالب آ گیا، باطل مغلوب ہو گیا اور ان کو منہ کی کھانا پڑی تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف تشدد اور طاقت کے استعمال پر اتر آئے اور کہنے لگے: حَرِّقُوهُ۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے انہوں نے لکڑیوں کے ڈھیر لگا دیے۔ یہاں تک کہ بقول سدی اگر ان کی کوئی عورت بیمار ہو جاتی تو وہ نذر مانتی کہ اگر وہ صحت یاب ہو گئی تو ابراہیم کیلئے تیار کی جانے والی آگ کیلئے اتنے گھسے لکڑیاں پیش کرے گی۔ انہوں نے زمین میں ایک بہت گہرا گڑھا کھود کر اسے لکڑیوں سے بھر دیا اور اس میں لگا دی۔ یہ دیکھتے ہوئے انگاروں والی اور بھڑکتے ہوئے شعلوں والی اتنی بڑی آگ تھی کہ روئے زمین پر ایسی آگ نہیں جلائی گئی، اب سوچنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے پھینکا جائے، آخر کار ایک کرد فارسی دیہاتی کے مشورہ سے آپ کو آگ میں ڈالنے کیلئے ایک ٹمٹیک میں رکھا گیا۔ شعیب جہانی کہتے ہیں کہ اس دیہاتی کا نام ہیزن تھا (1)، اس بد بخت کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور یہ قیامت تک نیچے دھنسا ہی چلا جائے گا۔ جب انہوں نے آپ کو آگ میں ڈالا تو آپ نے فرمایا: ”حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ“ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کہا: ”حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ“ اسی طرح جب حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تک یہ خبر پہنچی کہ دشمنان دین لشکر جبار لے کر مقابلہ کیلئے آرہے ہیں، ان سے ڈرو لیکن خوفزدہ ہونے کی بجائے ان کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہو گیا، اس وقت آپ ﷺ نے بھی یہی پڑھا اور صحابہ کرام بھی کہنے لگے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جانے لگے تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ! تو آسمان میں کیلنا ہے اور زمین پر میں تجھا تیری عبادت کرنے والا ہوں“ (3)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ بد بخت جب آپ علیہ السلام کو باندھنے لگے تو آپ نے فرمایا: ”اِنَّ اللّٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ لَكَ الْحَمْدُ لَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ“ (4)۔ شعیب جہانی کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام فضا میں آپ کے سامنے ظاہر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے آپ کی اعانت کی ضرورت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہے (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آگ میں ڈالے جانے سے پہلے بارش کا فرشتہ بالکل مستعد تھا کہ کب مجھے بارش برسانے کا حکم ہو اور میں بارش برسوں کہ اس آگ کو بھسم کر دوں لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم جلد ہی آ پانچا، فرمایا: يٰمُؤْمِنُوْنَ... جو نبی یہ حکم ہوا روئے زمین کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن دنیا کا کوئی شخص آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسیاں

1- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 43، تفسیر قرطبی، جلد 11 صفحہ 303، جلد 15 صفحہ 97

4- تفسیر ضری، جلد 17 صفحہ 45

3- الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 639

2- فتح الباری، تفسیر سورہ آل عمران، جلد 8 صفحہ 229

جلانے کے سوا آپ کو کوئی گزند نہ پہنچائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آگ کو حکم ہوا کہ وہ ابراہیم کو کوئی ضرر نہ پہنچائے (1)۔ حضرت ابن عباس اور ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "يُرَادُ" کے ساتھ "سَلَامًا" نہ فرما تا تو آگ کی تختہ آپ علیہ السلام کو تکلیف پہنچاتی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ انہوں نے آپ کیلئے دیکھے انکاروں اور بھڑکتے شعوس والا ایک بہت بڑا آتش مدہ تیار کیا، لیکن اس آگ نے آپ کو چھوا تک نہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بالکل بھسم کر دیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے چہرہ سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ آگ کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ سدی کہتے ہیں کہ آتش کندہ میں سائے کا فرشتہ آپ کے ساتھ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے۔ آپ علیہ السلام خود فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں میں مجھے جو عیش و آرام حاصل تھا، ایسا آرام و سکون پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا تھا، میری تو یہ خواہش تھی کہ میری ساری زندگی اسی میں گذرتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے باہر آتے ہوئے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے، اس وقت آپ علیہ السلام کے واند نے جو سب سے اچھی بات کہی وہ یہ تھی کہ اے ابراہیم! تمہارا رب تو بہت اچھا ہے (2)۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس دن جو جانور نکلا، وہ آپ علیہ السلام سے آگ بھانے کی کوشش کرتا رہا، سوائے چھپکلی کے، زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا اور اسے فاسق کا نام دیا۔ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نیزہ دیکھ کر ان سے دریافت کیا: اے ام المومنین! یہ نیزہ کس مقصد کیلئے آپ نے رکھا ہوا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم اس کے ساتھ چھپکیوں کو مارتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو زمین پر کوئی ایسا جانور نہ تھا جو آگ بھانے میں کوشاں نہ ہو سوائے چھپکلی کے، یہ آگ کو اور چھپکلیں، رکر بھڑکار رہی تھی"۔ آپ ﷺ نے ہمیں اسے مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: وَ اَسْمَا وَ ذَا بِيْعَةَ كَيْدَا یعنی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گزند پہنچانے کی کوشش کی لیکن ہم نے انہیں ناکام، مغلوب اور ذلیل کر دیا اور اپنے ظلیل علیہ السلام کو آگ سے نجات عطا فرمائی۔ عطیہ عرفی کہتے ہیں کہ جب آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈانا گیا تو ان کا بادشاہ دیکھنے کیلئے وہاں پہنچا، ایک چنگاری، اڑسراس کے اٹھوٹھے پر گری اور اسے جلا کر رکھ دیا۔

وَنَجَّيْنَهُ وَ لَوْ كُنَّا اِنَّا اِلَّا مَرَضُ الْبَرِيَّةِ بِرُكْنِهَا بِالْعَالَمِيْنَ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗ اسْتِقْوًا وَ يَعْقُوبَ نَافِلَةً ۝ وَ كَلَّمَا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَ جَعَلْنَاهُمْ اٰيَةً لِّبٰهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فَعَلَ الْخَيْرَاتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتٰنَا الزَّكٰوةَ وَ كَانُوا السَّاعِدِيْنَ ۝ وَ لَوْ كُنَّا اَلَيْتُهُ حٰكِمًا ۝ عَمَّا وَ نَجَّيْنَهُ مِنَ الْقَرِيْبَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيْثَ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا سَوِيْۢمٍ فٰسِقِيْنَ ۝ وَ اَدَّخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۝ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

"اور ہم نے نصبتِ ذوقِ آجیو اور لوگوں کو اس سرزمین کی طرف (حجرت کا حکم دیا) جسے ہم نے برکت بنا دیا تھا تمہارا جہان و اولوں کے لئے۔ اور ہم نے مٹا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یاقوب (جیسا) پوتہ۔ اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔ اور ہم نے بند دیا انہیں پیٹھوں (لوگوں کے لئے) اور راہ دلخاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام

کریں اور نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے اور لوط کو ہم نے کھومت اور ہم عطا فرما یا اور
صحابت دی اسے اس گاؤں سے جس کے باشندے بہت رذیل کام کیا کرتے تھے۔ بے شک وہ لوگ بڑے ناہنجار (اور)
نافرمان تھے۔ اور ہم نے اسے داخل کر لیا اپنے (حزب) رحمت میں۔ بیشک وہ نیلوی کاروں میں سے تھا۔“

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ کر کے اس ظالم قوم سے نکالا اور شام کے مقدس ملک میں پہنچا
دیا۔ حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں جس سرزمین کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ ہر بیٹھاپانی وہاں کے
صحرو کے نیچے سے نکلتا ہے (1)۔ قنادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام عراق میں تھے، وہاں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شام پہنچا دیا۔ شام میں
انبیاء کی ہجرت گاہ رہی۔ زمین میں سے جو گھٹتا ہے وہ شام میں بڑھتا ہے اور شام میں سے جو کم ہوتا ہے وہ فلسطین میں زیادہ ہو جاتا ہے۔ کہا
جاتا ہے کہ یہی ارض محشر ہے، یہاں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور یہیں مسیح و جہاں ہلاک کیا جائے گا۔ حضرت کعب الاحبار کہتے
ہیں کہ آپ علیہ السلام نے حران کی طرف ہجرت کی۔ سدی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام شام کی طرف چلے۔ حران
پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں کے بادشاہ کی بیٹی اپنی قوم کے دین سے نفرت کرتی ہے اور اسے مطعون کرتی رہتی ہے۔ اس سے آپ کی ملاقات
ہوئی تو آپ نے اس کے ساتھ اس شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کرے گی، یہ حضرت سارہ علیہا السلام تھیں۔
بیر وایت غریب ہے، مشہور یہی ہے کہ حضرت سارہ آپ کی چچا زاد تھیں، ہجرت کرتے وقت آپ انہیں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ نے مکہ شریف کی طرف ہجرت کی اس کی دلیل یہ آیت ہے: **إِنَّ أَوْلَىٰ نَبِيَّتٍ وَضَعَهَا لِلنَّاسِ لَأَذِينِ
يَوْمَئِذٍ مَّبِيرٌ ۚ وَكَانَتْ مَدِينَةَ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهَا كَانَ آمِنًا (آل عمران: 96-97)** ”بیشک پہلا (عبادت)
خانہ جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، بڑی برکت والا، سب جہانوں کی لئے ہدایت، اس میں روشن نشانیاں ہیں اور مقام
ابراہیم اور جو بھی اس میں داخل ہو محفوظ ہے۔“ پھر فرمایا: **وَوَهَبْنَا لَهَا إِسْحَاقَ** حضرت ابن عباس، قنادہ اور حکم بن عینیہ کہتے ہیں کہ
”نافلہ“ سے مراد پوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: **فَوَهَبْنَا لَهَا إِسْحَاقَ وَوَهَبْنَا لَهَا يَسْحَاقَ** ”تو ہم نے سارہ کو اسحاق کی
خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی“۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے ایک بیٹے کا سوال کرتے ہوئے دعا
کی تھی: **رَبِّ اجْعَلْهُ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ (الصافات: 100)** ”اے میرے رب مجھے ایک نیک بچہ عطا فرما“ لیکن اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے ساتھ
پوتے کی بھی نوید سنائی، اور سب کو صالح اور نیلوی کار بنا دیا۔ اس کے بعد فرمایا: **وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً**۔ یعنی ہم نے انہیں ایسا پیشوا بنایا جو
ہمارے اذن سے لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتے، اس لئے فرمایا: **وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ** اس میں مطف خاص علی العام ہے اس
کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا، آپ علیہ السلام ہاران بن ذر کے بیٹے ہیں۔ آپ حضرت ابراہیم پر ایمان لائے، آپ کی اتباع کی
اور آپ کے ساتھ ہی ہجرت کی جیسا کہ فرمایا: **فَأَخْرَجْنَا لَهُمْ لُوطًا وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي (العنکبوت: 26)** ”تو ان پر لوط ایمان نائے اور
ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں“۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سخت و عزم سے نوازا، آپ کی طرف
وحی کی اور نبی بنا کر سدوم اور اس کی گردنوں کی بستیوں کی طرف آپ کو بھیجا لیکن انہوں نے آپ کی مخالفت اور تکذیب کی جس کی پاداش
میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا جیسا کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ واقعہ مذکور ہے، اس لئے فرمایا: **وَجَعَلْنَاهُمْ**

وَتَوْحَا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَعَجَبْنَا وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۗ وَنَصَرْنَاهُ

مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

” اور یاد کرو نوح علیہ السلام کو جب انہوں نے (یمیں) پکارا پیش ازیں، تو ہم نے قبول فرمایا ان کی دعا کو اور بجایا انہیں اور ان کے گھروالوں کو سخت مصیبت سے۔ اور ہم نے ان کی حمایت کی اس قوم کے مقابلہ میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ بیشک وہ بڑے ناخوار لوگ تھے پس ہم نے فرق کر دیا ان سب کو۔“

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ جب ان کی قوم انہیں پیغم جھٹلاتی رہی تو آخر کار انہیں یہ دعا کرنا پڑی: فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ (القر: 10) ”آخر کار آپ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو ان سے انتقام لے“، رُحْبُتٌ بِمَا كَذَّبَتْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّانًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْنَاهُمْ يَفِضُوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح: 26-27) ”اے میرے رب! روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستانا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہ جنس کے گمراہ کار، تا شکر گزار۔“ اس لئے یہاں فرمایا: إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَإِذْ نَادَى مِنْ سَبْعِ سَبْعِ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ لَوْ مَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ (ہود: 40) ”اور اپنے گھروالوں کو سوائے ان کے جن پر پہلے حکم ہو چکا ہے اور (سوار کر لو) جو ایمان لائے ہیں اور آپ پر تھوڑے لوگ ہی ایمان لائے تھے۔“ الکر ب العظیم سے مراد تکذیب، تکالیف اور اذیت رسانیاں ہیں جن کا آپ کو سامنا کرنا پڑا، کیونکہ ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود صرف چند لوگ آپ پر ایمان لائے۔ فرمایا: وَنَصَرْنَاهُ۔ یعنی ہماری آیات کو جھٹلانے والی قوم کے مقابلہ میں ہم نے آپ علیہ السلام کی حمایت کی، انہیں تباہ کر دیا اور روئے زمین پر ان میں سے کوئی بھی کافر زندہ نہ بچا۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْتَلِمُن فِي الْحَرْبِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ عَنَمُ الْقَوْمِ ۗ وَكُنَّا لِحَكْمِهِمْ

شُهَدَاءَ ۗ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۗ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۗ وَسَخَرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ

يُسَبِّحُونَ وَالطَّيْرَ ۗ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۝ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ ۗ

فَهَلْ أَنْتُمْ مُشْكِرُونَ ۝ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا

فِيهَا ۗ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ۝ وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يَعْتَصِمُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا

دُونِ ذَلِكَ ۗ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ۝

” اور یاد کرو داؤد و سولیمان (علیہما السلام) کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھڑے کا جب رات کے وقت چھوت گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں۔ اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان کو اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم۔ اور ہم نے فرما نبرد دار بنا دیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کہا

کرتے، اور (بیہوشان) ہم دینے والے تھے۔ اور ہم نے سکھا دیا انہیں زہہ بنانے کا ہنر تمہارے فائدے کے لئے تاکہ وہ زہہ پچائے تمہیں تمہاری زد سے۔ تو کیا تم (اس احسان کا) شکر یہ ادا کرنے والے ہو۔ اور ہم نے سلیمان کے لئے تندہ تیز ہوا کو فرمانبردار بنا دیا چھٹی تھی وہ ہوا ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنا دیا تھا۔ اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ اور ہم نے مسخر کر دیئے شیطانوں میں سے جو (سندروں میں) غوطہ زنی کرتے ان کے لئے اور کیا کرتے طرح طرح کے اور کام۔ اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کھیتی اگوروں کی تھی جس کے خوشے لٹک رہے تھے۔ ”نفس“ کا معنی ہے رات کے وقت کھیتی چر جانا اور دن کے وقت چرنے کو ”ھمل“ کہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کی بکریوں نے اس کھیت کو اجاڑ دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ نقصان کی تلافی کرنے کیلئے بکریاں کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں۔ یہ فیصلہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اس سے بہتر فیصلہ کی صورت ہو سکتی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جواب دیا کہ کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیا جائے تاکہ کھیت کے اصلی حالت پر لوٹے تک وہ اس کی خبر گیری اور نگرانی کرے اور بکریاں کھیت کے مالک کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائے۔ جب کھیت اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے تو اسے اس کے مالک کے حوالے کر دیا جائے اور بکریاں اس کے مالک کی طرف لوٹا دی جائیں۔ یہی مقصود اس ارشاد فقہنا مسلمین سے ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب یہ فیصلہ سنایا تو بکریوں والے خالی ہاتھ اپنے کتوں کو لے کر واپس چل دیے۔ جب ان کا گذر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا فیصلہ ہوا؟ انہوں نے آپ کو فیصلہ کے متعلق آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا یہ مقدمہ میرے پاس آتا تو میں اس کا کچھ اور فیصلہ کرتا۔ حضرت داؤد کو جب یہ بتایا گیا تو آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلا کر پوچھا کہ تمہارا کیا فیصلہ کرتے؟ آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا فیصلہ یہ ہوتا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ حاصل کرتا رہے اور بکریوں والے کھیتی بوئیں۔ جب وہ کھیتی اپنی اصل حالت پر آجائے تو کھیتی اور بکریاں اپنے اپنے اصل مالکوں کو لوٹا دی جائیں۔ مسروق کہتے ہیں کہ وہ کھیتی اگور کی تھی جس میں بکریاں گھس گئیں اور پتے اور خوشے سب کچھ چٹ کر گئیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریاں کھیت والوں کو دے دیں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیتی والوں کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے استفادہ کریں اور کھیتی بکریوں کے مالکوں کے حوالے کی جائے تاکہ وہ اس کی اصلاح اور نگرانی کریں۔ جب کھیتی اصلی حالت پر لوٹ جائے تو کھیتی اور بکریاں اپنے اصل مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔ اس طرح کا ایک مقدمہ قاضی شریح کے پاس بھی آیا تھا، دو آدمی آپ کے پاس آئے، ان میں سے ایک کہنے لگا کہ اس شخص کی بکریوں نے میرا کتا ہوا سوت برباد کر دیا ہے۔ قاضی شریح نے پوچھا: دن کو یا رات کو؟ اگر تو انہوں نے دن کے وقت یہ نقصان کیا ہے تو ان کا مالک بری الذمہ ہے اور اگر رات کے وقت کیا ہے تو وہ ضامن ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (2)۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کسی باغ میں داخل ہو گئی اور باغ کا کافی نقصان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دن کے وقت ہانگوں کی حفاظت ان کے مالکوں کے

ذمہ ہے لیکن اگر رات کے وقت کسی کے مویشی نقصان کر دیں تو مویشی والے اس کے ذمہ دار اور ضامن ہوں گے (1)۔ یہ حدیث معطل ہے اور ہم نے اس کی تفصیل کتاب الاحکام میں بیان کر دی ہے۔ حضرت ایاس بن معاویہ کو جب قاضی بننے کی پیشکش کی گئی تو وہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہونے پر رو دیے، آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے: اے ابوسعید! مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر قاضی نے اجتہاد کیا اور پھر بھی غلطی کی تو وہ جنبی ہے، جو خواہش نفس کی طرف مائل ہو گیا وہ بھی جنبی ہے اور جس قاضی نے اجتہاد کیا اور صحت تک پہنچ گیا وہ جنتی ہے۔ یہ سن کر حضرت حسن فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس میں ان لوگوں کے اس قول کا رد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَذَاذُو سُنْيَيْنَ رَاؤُهَا تَمْكِنُ . اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف کی ہے لیکن حضرت داؤد کی مذمت نہیں کی، پھر حضرت حسن فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے قاضیوں سے تین باتوں کا عہد لیا ہے: ایک یہ کہ وہ احکام شریعت کو معمولی قیمت کے بدلے نہ بیچیں، دوسرا یہ کہ وہ اپنی خواہش کی پیروی نہ کریں اور تیسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَعَلْتُمْ كَرْهِيَةً فِى الْقَضَايَا فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْعَدْلِ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (ص: 26) ”اے داؤد ہم نے زمین میں آپ کو (اپنا) نائب مقرر کیا ہے پس لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلے کیا کرو اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو وہ تمہیں راہ خدا سے بہکا دے گی“۔ ایک جگہ ارشاد ہے: فَلَا تَلْعَنُوا الْإِنْسَانَ وَاحْتَرِبُوا (المائدہ: 44) ”پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کر دمجھ سے“۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَشْتَرُوا بِإِيْمَانِكُمْ ثَمَنًا قَلِيلًا (البقرہ: 41) ”اور تم تمہاری ہی قیمت کے عوض میری آیات کا سودا نہ کرو“۔ میں یہ کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور انہیں تائید، الٰہی حاصل ہے، اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن جہاں تک غیر انبیاء کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں حضرت عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حاکم اجتہاد کرے اور صحت تک پہنچ جائے تو اس کیلئے دو اجر ہیں اور جب وہ اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اس کیلئے ایک اجر ہے (2)۔ اس حدیث میں ایاس کے اس قول کا رد ہے کہ قاضی جب اجتہاد کے باوجود غلطی کر جائے تو وہ جنبی ہے۔ سنن کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں: ایک جنتی اور دوزخی۔ وہ شخص جس نے حق معلوم ہو جانے کے بعد اسی کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ جنتی ہے، وہ شخص جس نے جہالت کے ساتھ فیصلہ دیا، وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جس نے حق معلوم ہو جانے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ دیا، وہ بھی جنبی ہے (3)۔ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعہ کے قریب قریب وہ واقعہ بھی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”دو عورتوں کے پاس اپنے دو بیٹے تھے کہ اچانک بھیرٹا آ گیا اور ایک عورت کے بیٹے کو اٹھا کر لے گیا۔ باقی رہ جانے والے بچے کے متعلق ہر ایک دعویٰ کرنے لگی کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ جب وہ مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئیں تو انہوں نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جب وہ وہاں سے نکل کر جانے لگیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دونوں کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ چھری لاؤ، میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے ان کے درمیان تقسیم کر دیتا ہوں۔ چھوٹی کہنے لگی: ”اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! یہ لڑکا اس بڑی کا ہے، آپ اس بچے کے ساتھ ایسا نہ کریں چنانچہ آپ علیہ السلام نے اس چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا“ (4)۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تو کتاب القضاء میں ”بَابُ الْحَاكِمِ يُؤْتِيهِمْ عِذَابًا الْحَكِيمَ لِيَسْتَعْلَمَ“

1- سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 298، سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، جلد 2 صفحہ 781 وغیرہ

2- سنن ابی داؤد، کتاب الاقضية، جلد 3 صفحہ 299، سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، جلد 2 صفحہ 776

3- سنن ابی داؤد، کتاب الاقضية، جلد 6 صفحہ 458، صحیح مسلم، کتاب الاقضية، جلد 3 صفحہ 1344-1345

الحق“ کے نام سے اس پر باب بھی ہاتھ صاف ہے۔ ایسا ہی ایک قصہ حافظ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ نبی اسرائیل نے زمانہ کی ایک نہایت حسین و جمیل عورت نے ان میں سے کسی کے جال میں آنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر برہم ہو کر انہوں نے آپس میں مشفقہ فیصلہ کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ان سب نے اس عورت کے خلاف گواہی دی کہ اس نے اپنے کتے سے بول چال کروائی ہے، جسے اس نے اس فعل کیلئے تربیت دے رکھی ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو رحم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس دن کی شام کو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ فرضِ عدالت لگ گئی۔ آپ حکم بن گئے، چار لڑکوں نے ان رئیسوں کا روپ دھار لیا اور ایک نے اس عورت کا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان چاروں کو جدا جدا کر دو، پھر آپ نے ایک کو بلا کر پوچھا کہ اس کتے کا رنگ کیا ہے؟ اس نے کہا: سیاہ۔ آپ نے اس کو الگ بھیج کر دوسرے کو بلا لیا اور اس سے کتے کا رنگ پوچھا؟ اس نے کہا: سرخ۔ تیسرے نے کہا: خاکستری اور چوتھے نے کہا: سفید۔ آپ علیہ السلام نے اسی وقت اکتے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ جب حضرت داؤد کو اس کا روپ دیکھا تو آپ علیہ السلام نے فوری طور پر ان چاروں رئیسوں کو بلا لیا اور الگ الگ ہر ایک سے کتے کا رنگ دریافت کیا، ہر ایک نے الگ الگ رنگ بتایا تو آپ نے انہیں قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: **وَسَخَّرْنَا مَعَهُ دَاوُدَ**۔ حضرت داؤد علیہ السلام بڑے خوش گلو اور خوش الحان تھے، آپ کی آواز بہت رسوا تھی، جب آپ ترنم سے زبور کی تلاوت کرتے تو پرندے ہوا میں ظہر جاتے اور نہ صرف وہ بلکہ پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہو جاتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز بھی بہت پیاری اور رسوا تھی۔ ایک مرتبہ وہ رات کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے کہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گذر ہو گیا۔ آپ وہاں کھڑے ہو کر تلاوت سننے لگے اور فرمایا: ”انہیں تو آل داؤد کی مزامیر میں سے ایک مزامیر (خوش الحانی) عطا ہوئی ہے“۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جب یہ معلوم ہوا تو عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں خوب مزین کر کے پڑھتا (1)۔ ابومثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز جیسی آواز ہے، ربط اور بانسری کی بھی نہیں سنی، اس لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ انہیں آل داؤد کی خوش آوازی میں سے حصہ عطا ہوا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک اور کمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: **وَأَلْقَانَةُ الصَّيْبِ لِي أَيْنَ اعْتَمَلُ لِحَيْطٍ وَقَدَّ نَزِي النَّبِيُّ (سبا: 10-11)** اور ہم نے اس کیلئے لوہے کو نرم کر دیا اور (تھم دیا) کہ کشادہ زرد میں بناؤ اور حلقے جوڑنے میں اندازہ کا خیال رکھو۔ یعنی زردہ کا حلقہ اتنا وسیع نہ کریں کہ کیل اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور اس قدر کیل سخت نہ کریں کہ حلقہ ہی ٹوٹ جائے۔ اس لئے فرمایا: **يُخَيِّضُكُمْ**۔ یعنی یہ جنگ میں تمہاری حفاظت کا ذریعہ ہے، کیا تم اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنے والے ہو جو اس نے داؤد علیہ السلام کے ذریعے تم پر کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے کمالات ذکر کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے کمالات کا ذکر ہو رہا ہے، فرمایا: **وَسَيِّدِينَ** **الْبَيْتِ** یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کیلئے تند و تیز ہوا کو مسخر کر دیا جو ان کے حکم سے شام کی مبارک سرزمین کی طرف چلتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ضرورت کی اشیاء لے کر اپنے تخت پر بیٹھ جاتے، امراء، وزراء، گھوڑے، اونٹ، فیے اور لشکر بھی ساتھ ہوتے، پھر آپ کے حکم سے ہوا تخت کو اپنے دوں پر سوار کر لیتی اور اسے لے کر سفر شروع کر دیتی۔ دورانِ سفر پرندے آپ علیہ السلام پر سایہ لگاتے۔ جہاں آپ علیہ السلام کی مرضی ہوتی، ہوا وہاں تک آپ کو لے جاتی جیسا کہ ارشاد ہے: **فَسَخَّرْنَا لَهُ الْوَهَّاجَ يُجْرِي بِأَمْرِهِ مَخَافَةَ حَيْثُ**

اَصَابَ (ص: 36) ”پس ہم نے ہو کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا۔ وہ آپ کے حسب علم جہاں آپ چاہتے آرام سے چلتی تھی“، عُدُّوْهَا شَهْرًا وَرُؤْيَا مَهْنًا شَهْرًا (سبا: 12) ”اس (ہوا) کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل بھی ایک ماہ کی ہوتی“۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے چھ لاکھ کرسیاں لگائی جاتیں، آپ کے قریب مومن انسان بیٹھتے، پھر ان کے پیچھے مومن جن بیٹھتے، پھر پرندوں کو حکم ہوتا تو وہ سب پر سایہ کرتے، پھر ہوا کو حکم ہوتا تو وہ سب کو اٹھا کر لے چلتی (1)۔ عبداللہ بن عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے تو وہ ایک بڑے ٹیلے کی مانند جمع ہو جاتی، یوں محسوس ہوتا گویا یہ پہاڑ ہے، پھر آپ بستر لگانے کا حکم دیتے تو اس کی بالائی سطح پر بستر لگا دیا جاتا۔ پھر آپ سر جھکا لیتے اور دائیں بائیں نہیں دیکھتے تھے۔ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے انعام پر شکر بجالانا تھا اور عاجزی کا اظہار کرنا تھا، پھر آپ جہاں چاہتے ہوا آپ کو نیچے اتار دیتی۔ اس کے بعد فرمایا: وَمِنَ الْمُحْسِنِينَ..... یعنی سرکش جنات آپ کے تابع فرمان کر دیئے گئے جو سمندر میں غوطہ لگا کر اس کی تہہ سے قیمتی موتی اور جواہرات نکالتے اور اس کے علاوہ طرح طرح کے اور کام بھی کرتے جیسا کہ فرمایا: وَالْقَلِيبُنَّ كُلُّ بَنَاءٍ وَغَوْاصٍ ﴿۱﴾ وَالْآخِرِينَ مَقْرَنِينَ فِي الْأَصْفَادِ (ص: 37-38) ”اور سب دیوبھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوط خور اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) زنجیروں میں باندھ دیئے گئے“۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کا محافظ تھا۔ جنات میں سے کوئی بھی آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا تھا، سبھی آپ کے ماتحت اور زیر قبضہ تھے، کوئی آپ کے قریب بھی نہ پھٹک سکتا تھا۔ آپ جیسے چاہتے ان پر حکمرانی کرتے۔ اگر چاہتے تو آزاد کر دیتے اور اگر چاہتے تو اپنی قید میں رکھتے، اس لیے فرمایا: ”وَ الْآخِرِينَ مَقْرَنِينَ فِي الْأَصْفَادِ“۔

وَ الْيُوبُ إِذْ نَادَىٰ رَبَّابَةً أَيْ مَسْنَى الطَّرِّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿۱﴾ فَلَسْتَجَبْنَا لَهُ
فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَ آتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَ مَثَلَهُمْ مَعَهُمْ رَاحَةً مِنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرًا
لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲﴾

”اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے کبھی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے۔ (میرے حال زار پر بھی رحم فرما) تو ہم نے قبول فرمائی اس کی فریاد اور ہم نے درد فرمادی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی اور ہم نے عطا کئے اسے اس کے گھروالے نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لئے“۔

حضرت ایوب علیہ السلام اپنے مال، اولاد اور جسم کے متعلق جس آزمائش سے دوچار ہوئے اس کا ذکر عبور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفود و دولت، طرح طرح کے ہزار ہا موباشی، وسیع زرعی زمین، کثیر اولاد اور پرسکون رہائش گاہیں مرحمت فرمائیں لیکن جب آزمائش کا دور آیا تو یہ سب کچھ ختم ہو گیا، پھر جذام کی بیماری نے آپ کے پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دل اور زبان کے سوا آپ کا کوئی عضو اس بیماری سے محفوظ نہ رہا، ان سے آپ ذکر الہی میں مشغول رہتے۔ اب یہ کیفیت ہو گئی کہ دوست احباب بھی آپ سے نفرت کرنے لگے۔ آپ کی زوجہ محترمہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہ تھا جو آپ کی طرف متوجہ ہوتا۔ آپ کو شہر کے ایک کونے میں الگ تھلک سکونت اختیار کرنا پڑی۔ صرف آپ کی زوجہ آپ کی تیمارداری اور دیکھ بھال کرتیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان نامساعد حالات میں انہیں آپ کی خاطر محنت مزدوری کرنا پڑی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر صالحین کی، پھر ان سے کم درجہ کے حامل

لوگوں کی پھر ان سے درجہ میں کم لوگوں کی“ (1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”ہر شخص کی آزمائش اس کے دین کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے، اگر اس کے دین میں مضبوطی پائی جاتی ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔“ حضرت ایوب علیہ السلام انتہائی صابر تھے اور آپ کا صبر ضرب المثل بن گیا۔ یزید بن میسرہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان لیا، آپ کا مال اور اہل و عیال سب کچھ جاتا رہا اور کچھ بھی باقی نہ رہا تو آپ پہلے سے بھی زیادہ یادِ الہی میں سرگرم ہو گئے اور کہنے لگے: اے پالنے والے! میں تیری حمد و ثنا کرتا ہوں، تو نے مجھ پر احسان فرمایا، مجھے مال و اولاد سے نوازا جن کے ساتھ میرا دل مشغول ہو گیا۔ تو نے یہ سب کچھ واپس لے کر میرے دل کو ہرگز سے آزاد کر دیا ہے، اب میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ اگر میرے دشمن ابلیس کو تیرے اس عظیم احسان کا علم ہو جائے تو وہ مجھ پر حسد کرنے لگ جائے۔ اس دعا سے ابلیس کو سخت تکلیف پہنچی اور اس نے ناگواری کا اظہار کیا (2)۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ بھی کہا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے مال و اولاد وسطا فرمایا لیکن میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا جس کی شکایت لے کر وہ میرے دروازے پر آیا ہو، اس چیز کو تو اچھی طرح جانتا ہے، اے پروردگار! مجھے معلوم ہے کہ میرے لیے نرم بستر بچھایا جاتا لیکن میں اسے چھوڑ کر اپنے آپ سے کہتا کہ تمہیں نرم بستر پر آرام کرنے کیلئے نہیں پیدا کیا گیا۔ تیری رضا کی خاطر میں راحت و آرام کو خیر باد کہہ دیتا۔ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ سے آپ علیہ السلام کے متعلق ایک طویل واقعہ بیان کیا ہے جسے متعدد مفسرین نے بھی نقل کیا ہے، لیکن اس میں غرابت ہے، طوالت کے باعث ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ مروی ہے کہ آپ طویل عرصہ اس آزمائش سے دوچار رہے، پھر اس سبب کے متعلق اختلاف ہے جو اس دعا کا باعث بنا۔ حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور چند مہینے اس مشکل کا سامن کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے کوڑا کرکٹ بھینکنے کی جگہ پر پڑے رہے یہاں تک کہ آپ کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تکلیف کو رفع کر دیا، عظیم اجر سے نوازا اور آپ کی بہت تعریف کی۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ آپ پورے تین سال اس تکلیف کو برداشت کرتے رہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ کے جسم سے گوشت اتر کر نیچے گرنے لگا یہاں تک کہ صرف پٹھے اور ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ آپ کی خدمت بجالاتیں اور آپ کے پاس راکھ لے کر آئیں جس میں آپ پڑے رہتے۔ جب اس تکلیف کو ایک طویل عرصہ گزر گیا تو آپ کی زوجہ نے آپ سے عرض کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اس تکلیف سے کشائش کی دعا کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ستر سال صحت و عافیت میں گزارے ہیں، اگر میں رضائے الہی کی خاطر ستر برس بھی صبر کروں تو بھی یہ کم ہے، یہ سن کر آپ کی زوجہ لرز گئیں۔ وہ محنت مزدوری کر کے آپ علیہ السلام کا پیٹ پالتی تھیں۔ اہل فلسطین میں سے دو آدمی حضرت ایوب علیہ السلام کے گہرے دوست تھے، شیطان ان کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ تمہارا دوست ایوب سخت مصیبت سے دوچار ہے، اس لئے تم اس کی تیمارداری کیلئے جاؤ اور اپنے ساتھ اپنے علاقہ کی شراب بھی لیتے جانا، اگر اس نے وہ شراب پی لی تو شفا یاب ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ دونوں جب آپ علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ کی حالت دیکھ کر انہیں بے ساختہ رونا آ گیا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم دونوں کون ہو؟ انہوں نے یاد دلایا کہ ہم فلاں فلاں ہیں۔ یہ جان کر آپ نے خوشی کا اظہار کیا اور انہیں خوش آمدید کہا۔ وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ شاید آپ اپنے دل میں کچھ چھپائے ہوں گے اور اس کے برعکس ظاہر کرتے

1۔ عارضۃ الاحزاب، ایوب الزہرہ، جلد 9 صفحہ 343-344، سن ابن ماجہ، کتاب المغن، جلد 2 صفحہ 1334 وغیرہ

2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 653-654

ہوں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آزمائش میں ڈال دیا۔ آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) بخوبی جانتا ہے کہ میں کیا چھپاتا تھا اور کیا ظاہر کرتا تھا۔ دراصل میرے رب نے مجھے اس لئے آزمائش میں ڈالا ہے کہ وہ مجھے دیکھے میں صبر کرتا ہوں یا بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہوں۔ وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ ہمارے علاقہ کی شراب پیئیں، اگر آپ نے یہ شراب پی لی تو آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔ آپ سخت غضبناک ہو کر فرمانے لگے کہ خبیث شیطان تمہارے پاس گیا اور تمہیں یہ حکم دیکر چلا بنا۔ تم سے کلام کرنا اور تمہارا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے۔ چنانچہ یہ دونوں آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک گھر والوں کی روٹیاں پکائیں۔ ان کا ایک بچہ سویا ہوا تھا تو گھر والوں نے اس بچے کے حصہ کی نکلیا انہیں دے دی اور بچے کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا، وہ نکلیا لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئیں تو آپ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پہلے تو ایسی روٹی نہیں لاتی تھیں، آج کیا ہوا؟ انہوں نے صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے وہ بچہ بیدار ہو کر اس نکلیا کیلئے ضد کرتا ہو اور نہ ملنے پر رو رہا ہو، اس لئے یہ نکلیا اس کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ وہ روٹی لے کر ادھر چل پڑیں، جب وہ ان کے گھر کی میز پر تک پہنچیں تو وہاں بندھی ہوئی بکری نے انہیں سینگ مار دیا، اس وقت ان کی زبان سے عیساختہ یہ الفاظ نکل آئے کہ ایوب کیسے غلط خیال والے ہیں، جب وہ ادھر پر چڑھ کر ان کے گھر گئیں تو دیکھا واقعی بچہ رو رہا ہے اور اسی نکلیا کیلئے ضد کر رہا ہے، اس کے علاوہ کسی اور چیز پر راضی ہی نہیں ہوتا۔ یہ دیکھ کر کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ ایوب پر رحم فرمائے۔ روٹی اس بچے کو دی اور واپس لوٹ آئیں۔ رستہ میں اٹلیں، ایک طبیب کے روپ میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہارے شوہر کی بیماری طویل پکڑ گئی ہے، اگر وہ صحت یابی کا خواہشمند ہے تو اسے کہو کہ وہ ایک مکھی بنی فلاں کے بت پر مار دے، اس طرح شفا ہو سکتی ہے، شفا یاب ہونے کے بعد توبہ کر لے، جب انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا کہ شیطان خبیث نے تمہیں یہ مشورہ دیا ہے۔ اگر میں تندرست ہو گیا تو میں تمہیں سو کوڑے لگاؤں گا۔ ایک دن وہ روزی کی تلاش میں نکلیں لیکن گھر گھر جانے کے باوجود کوئی کام نہ ملا۔ جب مایوس ہو گئیں اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بھوک کا خوف دامنگیر ہو گیا تو انہوں نے اپنی کچھ زلفیں کاٹ کر ایک امیر زادی کے ہاتھ فروخت کر دیں، اس کے بدلے میں بہت سادہ کھانا مل گیا جسے لے کر وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئیں اور حضرت ایوب علیہ السلام نے دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا اور پوچھا کہ یہ سب کچھ کہاں سے ملا؟ انہوں نے جواب دیا کہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کرنے کے صلہ میں یہ کھانا ملا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اس میں سے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ اگلے روز پھر ایسا ہی ہوا۔ تلاش بسیار کے باوجود جب مزدوری نہ ملی تو انہوں نے اپنی کچھ زلفیں کاٹ کر اس امیر زادی کو بیچ دیں اور اس کے بدلے میں کھانا لے کر آپ کے پاس چلی آئیں، آپ نے فرمایا کہ میں جب تک اس کھانے کی حقیقت نہ جان لوں، بالکل نہیں کھاؤں گا۔ اب آپ کی زوجہ نے اپنے سر سے دو پٹہ اتار دیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ زوجہ محترمہ کے سر کے بال تک کٹ چکے ہیں تو آپ بہت بے چین اور پریشان ہو گئے۔ اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتے ہوئے عرض کی: اِنِّیْ مُسْتَسْبِیْ الْعُقُبَا...۔۔۔ نوح یحییٰ کہتے ہیں کہ جو شیطان حضرت ایوب علیہ السلام کے پیچھے پڑا تھا، اس کا نام موطا تھا۔ آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ آپ سے عرض کیا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی صحت یابی کیسے دعا کریں لیکن آپ دعا نہ کرتے یہاں تک کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کے پاس سے گزرے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس شخص کو کسی بڑے گناہ کی پاداش میں اس تکلیف سے دوچار کیا گیا ہے۔ اس وقت آپ نے مذکورہ دعا مانگی۔ عبد اللہ بن عبد بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے۔ ایک دن وہ ملاقات کیلئے آپ علیہ السلام کے ہاں آئے لیکن بدبو کے باعث آپ کے قریب نہ جاسکے اور دور ہی کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر ایوب میں کوئی بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں مبتلا نہ کرتا۔ یہ سن کر آپ علیہ السلام کو شہید دکھ ہوا کہ استغدر دکھ آپ کو پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! میں نے کوئی رات ایسی نہیں گذاری جس میں میں نے تو سیر ہو کر کھانا ہوا اور میرے علم کے باوجود کوئی شخص بھوکا رہا ہو، اگر یہ بات درست ہے تو اے اللہ! میری تصدیق فرما۔ چنانچہ اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق نازل ہوئی اور وہ دونوں سن رہے تھے، پھر آپ نے عرض کی: اے اللہ! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس دو قمیضیں ہوں اور میرے جانتے ہوئے بھی کوئی شخص پر بند رہا ہو۔ اگر یہ بات سچ ہے تو تصدیق فرما، اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق نازل ہوئی اور وہ دونوں سن رہے تھے۔ پھر آپ نے عرض کی: اے اللہ! تیرے عزت کی قسم، اس کے ساتھ ہی آپ سجدہ رہے ہو گئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ! تیری عزت کی قسم! میں اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک تو میری تکلیف دور نہ کر دے۔ واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب تک آپ کو مصیبت سے نجات نہ ملی، اس وقت تک آپ نے سر نہ اٹھایا (1)۔ ابن ابی حاتم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے نبی ایوب علیہ السلام اٹھارہ برس ابتلاء میں رہے۔ سوائے دو قریبی دوستوں کے کبھی نے آپ سے منہ موڑ لیا۔ یہ دونوں صبح دشام آپ کی مزاج پر ہی کیلئے آتے۔ ایک مرتبہ ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ ایوب نے ایسا گناہ کیا ہے جس طرح کا گنہ کسی نے نہ کیا ہوگا۔ اس کا ساتھی پوچھنے لگا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ اٹھارہ برس ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر نذر ہم فرمایا ہے اور نہ ان کی تکلیف کو رفع کیا ہے۔ جب وہ دونوں آپ کے پاس آئے تو اس آدمی نے اپنے ساتھی کی بدگمانی کے متعلق آپ کو آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میری احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ اگر دستہ میں دو آدمیوں کو بھگھرتے ہوئے اور اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے پاتا تو گھر واپس لوٹ کر ان کی طرف سے اس اندیشہ کے پیش نظر کفارہ ادا کرتا کہ کہیں انہوں نے ناحق اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا ہو۔ آپ اس قدر نحیف اور کمزور ہو گئے کہ قضائے حاجت کیسے بھی اپنی راجہ کے سہارے چل کر جاتے۔ ایک مرتبہ آپ کی راجہ نے آنے میں تاخیر کر دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو اور جاری ہونے والے چشمہ سے غسل بھی کرو اور پیو بھی۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اینٹ جتنی جلد پہنایا تو آپ ایک ٹونے میں بیٹھ گئے۔ آپ کی راجہ محترمہ آئیں لیکن آپ کو نہ پہچان سکیں۔ کہنے لگیں: اے اللہ کے بندے! یہاں ایک مصیبت زدہ شخص تھے وہ کہاں گئے، شاید انہیں کتے یا بھڑیے لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایوب ہی ہوں۔ کہنے لگیں: اے اللہ کے بندے! کیا تو میرے ساتھ مذاق کر رہے ہے؟ آپ نے فرمایا میں ایوب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرمادی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہی مال و اوناہ آپ کو لوٹا دی اور ان کے ساتھ اس قدر اور بھی۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی حرف وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمہارے اہل و عیال اور مال و دولت تم پر لوٹا دیے ہیں اور ان کے ساتھ اس قدر مزید بھی۔ تم اس پانی کے ساتھ غسل کرو کیونکہ اس میں تمہارے لیے شفا ہے اور اپنے اعزاء و اقارب کی طرف سے قربانی پیش کریں اور ان سے استغفار کریں کیونکہ وہ تمہارے بارے میں میری نافرمانی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو عافیت عطا

فرمائی تو آپ پر سونے کی ٹڈیاں برسائیں۔ آپ اپنے ہاتھ سے انہیں پکڑتے جاتے اور اپنے کپڑے میں رکھتے جاتے۔ آواز آئی: اے ایوب! کیا تم سیر نہیں ہوئے؟ عرض کی: اے پروردگار! تیری رحمت سے کون سیر ہو سکتا ہے؟ (1)۔ اس کے بعد فرمایا: **وَالتَّيْمَةُ الْاَهْلَةُ**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے والے اہل وعیال آپ کو واپس کر دیے گئے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کا نام رحمت تھا، اگر تو یہ نام اس آیت سے ماخوذ ہے تو بھی یہ دور از حقیقت ہے اور اگر اہل کتاب سے لیا گیا ہے تو بھی نہ تو اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ تکذیب۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ان کا نام ”لیا بنت منشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم“ بتایا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت لیا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور ارضِ شہداء میں حضرت ایوبؑ کیساتھ رہتی تھیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا کہ تمہارے اہل وعیال جنت میں ہیں۔ اگر آپ کی خواہش ہو تو ہم وہی آپ کو عطا کر دیتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو انہیں جنت میں ہی رہنے دیتے ہیں اور ان کے عوض ہم تمہیں اور عطا کر دیتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ انہیں وہاں ہی رہنے دیں۔ چنانچہ انہیں جنت میں ہی رہنے دیا گیا اور ان کے عوض میں ان جیسے اور عطا کر دیے۔ نوحؑ ہالی کہتے ہیں کہ آخرت میں ان کا اجر اور دنیا میں ان کا عوض آپ کو عطا ہوا۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات مطرف کو بتائی تو وہ کہنے لگے کہ آج سے پہلے مجھے اس توجیہ کا علم نہیں تھا (2)۔ پھر فرمایا: **بَرَحْنَا مِنْ عَشِيرَتَانَا**۔ یعنی یہ ان پر ہماری خصوصی رحمت تھی اور ہم نے انہیں اس لئے تکالیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ لوگوں کیلئے قابل تقلید نمونہ بن جائیں اور آزمائش سے دوچار ہونے والے یہ نہ خیال کرنے لگیں کہ وہ ہمارے ہاں گھٹیا اور ذلیل ہیں، دوسری چیز یہ ہے کہ لوگ آپ کے اسوہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقدر کی گئی آزمائشوں پر صبر کریں۔ آزمائش میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کا فرما ہے۔

وَاسْتَجِيبْ لِادْرِئْسَ وَذَٰلِكَ الْكُفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ﴿٥٦﴾ **وَادْخُلْهُمْ فِي رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ**

مِّنَ الصَّابِرِينَ ﴿٥٧﴾

”اور یاد کرو اسماعیل، ادْرِئْس اور ذوالکفل (عیسہ السلام) کو۔ یہ سب صابروں کے گروہ سے تھے۔ اور ہم نے داخل فرمایا انہیں اپنی خاص رحمت میں۔ یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے۔“

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے، ان کا ذکر سورہ مريم میں گذر چکا ہے اور اسی طرح حضرت ادْرِئْس علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے۔ جہاں تک حضرت ذوالکفل کا تعلق ہے تو چونکہ ان کا ذکر انبیاء کے ساتھ ہوا ہے اس لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نبی نہیں تھے بلکہ ایک صالح شخص اور عادل بادشاہ تھے۔ امام ابن جریر نے اس بارے میں توقف کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ذوالکفل نیکو کار آدمی تھے، نبی نہیں تھے، انہوں نے اپنی قوم کے نبی سے یہ عہد کیا کہ وہ اپنی قوم کو راہِ راست پر گھمیں گے اور ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلے کریں گے چنانچہ انہوں نے اس عہد کو خوب نبھایا، اس لیے ان کا نام ذوالکفل پڑ گیا۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یسوعؑ بوزھے ہو گئے تو انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اپنی زندگی میں ہی اپنا جاننا نشان مقرر کر دوں اور دیکھ لوں کہ وہ کس طرح امور انجام دیتا ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور کہاں کہ کون تین شرائط پر خلافت کو قبول کرنے کیلئے تیار ہے، دن بھر روزہ دار رہے، رات بھر قیام کرے اور کبھی غضبناک نہ ہو۔ ایک شخص جسے لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے

کھڑا ہوا اور کہنے لگے کہ میں تیار ہوں۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم دن بھر روزے سے رہو گے، رات بھر قیام کیا کرو گے اور غصہ میں نہیں آؤ گے؟ اس شخص نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے اس شخص کو واپس لوٹا دیا۔ اگلے روز پھر ایسا ہی ہوا، حضرت مسیح کی شرائط سن کر سبھی خاموش رہے اور وہی آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں یہ شرائط پوری کروں گا۔ چنانچہ آپ نے اس شخص کو اپنا خلیفہ بنا دیا۔ اب اہلبیس نے اپنے چھوٹے شیطانوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو بر گشتہ کرنے کی سر توڑ کوشش کرو لیکن بھر پور کوشش کے باوجود وہ بزرگ ان شیاطین کے جال میں نہ آئے۔ اب اہلبیس نے خود ان پر وار کرنے کا تہیہ کر لیا، چنانچہ وہ ایک بوڑھے فقیر کی صورت میں آپ کے پاس چلا آیا، آپ اس وقت قیلولہ کیلئے لیٹے ہی تھے۔ دن اور رات میں یہی تو آپ کے آرام کا وقت تھا۔ اہلبیس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے پوچھا کہ کون ہے؟ اہلبیس نے کہا کہ میں ایک مظلوم بوڑھا ہوں۔ آپ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ کہنے لگا کہ میرا اپنی قوم کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، انہوں نے مجھ پر بہت ظلم کیا، میرے ساتھ یہ کیا، وہ کیا، اس طرح وہ آپ کو ایک طویل قصہ سنانے لگا گیا۔ یہاں تک کہ قیلولہ کا وقت جاتا رہا۔ آپ نے فرمایا کہ شام کے وقت میرے پاس آنا، میں تمہیں تمہارا حق دلوا دوں گا۔ شام ہوئی تو جب آپ فیصلے کرنے کیلئے بیٹھے تو وہ بوڑھا آپ کو نظر نہ آیا، ادھر ادھر تلاش کے باوجود وہ نمل سکا۔ اگلے روز آپ قیلولہ کرنے کیلئے لیٹے تو وہ پھر آدھمکا اور دروازہ کھٹکھٹانے لگ گیا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ اس نے کہا: مظلوم بوڑھا۔ آپ نے دروازہ کھول دیا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ جب میں فیصلے کرنے کیلئے بیٹھوں گا تو اس وقت میرے پاس آنا۔ وہ کہنے لگا کہ میری قوم والے بڑے غیبت لوگ ہیں۔ جب میں آپ کے پاس آئے لگا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ فیصلے کرنے کیلئے بیٹھ گئے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں تمہارا حق ادا کر دیتے ہیں لیکن جب آپ نے مجلس برخواست کر دی تو انہوں نے حق ادا نیکی سے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: اب چلا جا اور شام کے وقت میرے پاس آنا۔ دوسرے دن بھی آپ کے قیلولہ کا وقت یونہی ضائع ہو گیا۔ شام ہوئی تو آپ اس کا انتظار کرنے لگ گئے لیکن وہ آج پھر دکھائی نہ دیا۔ نیند آپ کو ستانے لگی۔ تیسرے دن آپ نے اپنے اہل خانہ میں سے کسی کے ذمہ لگا دیا کہ قیلولہ کے وقت کوئی بھی اس دروازے کے قریب نہ آنے پائے تاکہ میں آرام کر سکوں، نیند تو مجھ پر غالب آ چکی ہے۔ حسب عادت قیلولہ کی گھڑی میں وہ پھر آدھمکا۔ دربان نے اسے روک کر کہا کہ پیچھے ہٹو۔ اہلبیس کہنے لگا کہ میں کل بھی آیا تھا اور بادشاہ کے ساتھ ایک ضروری بات کی تھی۔ دربان نے کہا کہ انہوں نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ کوئی اس دروازے کے قریب نہ آنے پائے۔ وہاں سے ناکام ہونے کے بعد اہلبیس ایک روشتدان سے اندر کود گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگ گیا۔ آپ نے اٹھ کر دربان سے کہا کہ میں نے تمہیں پابند کیا تھا کہ کوئی میرے پاس اندر نہ آئے۔ دربان کہنے لگا کہ یہ میری طرف سے تو آپ کے پاس نہیں آیا، خود ہی دیکھ لیں کہ یہ کہاں سے وارد ہوا ہے۔ آپ پوچھان گئے کہ یہ شیطان ہے۔ شیطان کہنے لگا کہ تم نے میرا ہر حرب ناکام بنا کر مجھے عاجز کر دیا، میں نے تمہیں غضبناک کرنے کیلئے تنگ کیا۔ آپ نے جو معاملہ اپنے ذمے لیا تھا او جو عہد کیا تھا، اسے پورا کر دکھایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام زوال کفعل رکھ دیا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک قاضی تھا جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا کہ کون اس شرط پر میرا منصب سنبھالے گا کہ وہ غضبناک نہ ہو۔ ایک آدمی نے کہا: میں۔ چنانچہ ان کا نام زوال کفعل پڑ گیا۔ وہ رات بھر نماز پڑھتے رہتے اور دن بھر روزہ سے رہتے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے، صرف قیلولہ کیلئے انہوں نے کچھ وقت مقرر کر رکھا تھا۔ ایک دن جب ان کے قیلولہ کا وقت ہوا تو شیطان آدھمکا۔ دربانوں نے اسے روک

کر پوچھا کہ تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ شیطان نے کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں، فلاں آدمی نے میرا حق غصب کر رکھا ہے۔ دربان کہنے لگے کہ ان کے بیدار ہونے تک ٹھہرو۔ وہاں پر سو رہے ہیں لیکن وہ آپ کی نیند میں خلل ڈالنے کیلئے دانہ پیچھنے لگا جس کی وجہ سے آپ کو جاگ آگئی۔ آپ نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا میں مسکین آدمی ہوں اور ایک آدمی کے ذمہ میرا حق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو اس شخص سے ہو، وہ تمہیں تمہارا حق دے دے گا۔ شیطان کہنے لگا کہ وہ انکاری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاں کے پاس جاؤ تو سہی۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ دوسرے دن پھر آگیا اور آپ کے پوچھنے پر کہنے لگا کہ وہ تو آپ کا حکم سن کر بس سہہ مٹ نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ، وہ تمہیں تمہارا حق دے دے گا۔ وہ چلا گیا لیکن تیسرے دن پھر آگیا تو دربان اسے کہنے لگے: تیرا نام ہو! چاہتا ہوں کہ اس سے نکل بھاگ، ہر روز تو منہ اٹھائے چلا آتا ہے اور ان کے آرام میں خلل ہوتا ہے۔ شیطان زور زور سے پیچھنے لگا اور کہنے لگا کہ چونکہ میں مسکین ہوں اس لئے میرے ساتھ یہ راسلوک کیا جا رہا ہے۔ اگر میں مالدار ہوتا تو میرے ساتھ ایسا سلوک نہ ہوتا۔ آپ بیدار ہو گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ کیا بنا۔ شیطان کہنے لگا کہ میں اس کے پاس گیا تھا لیکن وہ مجھے مارنے پینے لگا۔ آپ نے فرمایا: چلو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ اس کا ہاتھ سے چل پڑے لیکن راستہ میں وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑا ہوا (1)۔ حضرت اشعری نے منبر پر فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے، بلکہ وہ نبی اسرائیل کے ایک صالح صاحب شخص تھے، ہر روز سو نمازیں پڑھا کرتے۔ ان کی وفات کے بعد ذوالکفل نے یہ ذمہ داری لے لی اس لئے نام ہی ذوالکفل پڑ گیا۔ (2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک فریب حدیث مروی ہے جسے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے متعدد بار سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”نبی اسرائیل کا کافل نامی شخص کسی گناہ سے احتراز نہیں کرتا تھا، اس کے پاس ایک (ضرورت مند) عورت آئی تو اس نے بدکاری کی شرط پر اسے ساتھ دینا دے دیا۔ وہ عورت آمادہ ہو گئی لیکن جب وہ شخص مطلب براری کیلئے آئے بڑھا تو عورت کا پسنے اور رونے لگی۔ اس نے کہا اب رونے کی کیا وجہ ہے، میں نے تمہیں مجبور تو نہیں کیا؟ وہ کہنے لگی کہ مجبور تو نہیں کیا، لیکن ایسی حرکت مجھ سے پہلے کبھی سرزد نہیں ہوئی، بس محتاجی نے نوبت یہاں تک پہنچا دی ہے۔ کافل نے کہا کہ ایک گناہ پر تمہارا نبی یہ حامت ہے حالانکہ پہلے بھی تم نے ایسا نہیں کیا۔ اسی وقت دو پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگے کہ جاؤ، دینار لے کر چلی جاؤ، پھر سہنے لگا: اللہ کی قسم! کافل اب بھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ اسی رات اس کا انتقال ہو گیا تو صبح کے وقت اس کے دروازے پر یہ تحریر موجود تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کافل کو بخش دیا“ (3)۔ اس روایت میں صرف کافل مذکور ہے۔ ممکن ہے یہ اور ہوں اور ذوالکفل کوئی اور شخص ہوں۔

وَذَا النُّونِ إِذْ ذُهِبَ مُغَاصِبًا أَفْكُنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِمَا عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۱﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَجَعَلْنَاهُ مِنَ النُّعَمِ ط وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ وَإِسْرَائِيلَ إِذْ رَأَى وَدَّ الْكَفْلِ - كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۰۲﴾
أَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰۳﴾

”اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیہ غصبناک ہو کر اور یہ خیال کیا کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے پھر اس نے پکارا (تذرت) اندھیروں میں کوئی مجبور نہیں سواتیر۔ پاک سے تو۔ بیچنا۔ میں نے تصور کیا۔ اس سے ہوں۔ جس سے ہم نے ان کی

پکارا کہ قبول فرمایا اور نجات بخش دی، انہیں غم (واندوہ) سے۔ اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو۔

یہ واقعہ یہاں بھی مذکور ہے اور سورہ صافات اور سورہ نون میں بھی۔ حضرت یونس بن متى علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سرزمین موصل کی بہتی نیو کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ اہل نیو کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے لیکن ان پر آپ کی دعوت کا کوئی اثر نہ ہوا، انہوں نے آپ پر ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ آپ علیہ السلام ان سے ناراض ہو کر وہاں سے چل دیے اور جاتے وقت انہیں کہہ گئے کہ تمہیں دن بدتم پر عذاب آئے گا۔ جب انہیں وقوع عذاب کا یقین ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ اللہ کے نبی جھوٹ نہیں بولتے تو وہ اپنے بچوں، جانوروں اور موشوں کو لے کر باہر صحرا کی طرف نکل گئے، بچوں اور ماؤں کو جدا جدا کر دیا پھر لڑ لڑاتے ہوئے آہ وزاری کرتے ہوئے پورے جزیرہ نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرنے لگے۔ دوسری طرف جانوروں میں بھی الجھل مچ گئی، اونٹ بلبلانے لگے، نسل اور گائیں ڈکارنے لگے اور مکر یاں اور میٹھے میمانے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد کو قبول فرماتے ہوئے ان سے عذاب کو نال دیا جیسا کہ فرمان ہے: **لَمَّا رَاكَانَتْ قَدَرْتَنَآ اَمْنًا فَنَقَعْنَآ اِيْمَانَهَا اِلَّا قَوْمًا يَدْرُسُوْنَ - لَمَّا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمُ غَآثَ الْبَلِّ الَّذِي فِي الْاَنْحِلٰوَةِ الَّذِيْ رَاوْا فَسَقَطْنَا مِنْ اِيْمَانِهِمْ اِلَّا جُنْحًا (يونس: 98)** ”یونس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بہتی ایمان لائی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان بجز قوم یونس کے جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے دنیوی زندگی کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک ہم نے انہیں لطف اٹھانے دیا۔“ حضرت یونس علیہ السلام وہاں سے چلے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے، کشتی ہچکولے کھانے لگی، سب سوار رُوب جانے کے خوف سے دو چار ہو گئے چنانچہ طے یہ ہوا کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں، جس کے نام قرعہ نکلے، اسے پانی میں ڈال دیا جائے تاکہ وزن کم ہو جائے۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا، لیکن باقی سوار آپ کو دریا میں ڈالنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ دوسری بار قرعہ اندازی ہوئی پھر بھی آپ کا ہی نام نکلا، پھر تیسری دفعہ قرعہ اندازی میں بھی آپ کا ہی نام نکلا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَنَسَاهُمْ فَيَقَا نَ مِنْ اَنْذُرْتَيْنِ (الصافات: 141)** ”پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے۔“ حضرت یونس علیہ السلام نے کپڑے اتارے اور دریا میں کود گئے اللہ تعالیٰ نے بحرِ اخضر سے ایک مچھلی بھیجی جو پانی کو کاٹی ہوئی آئی اور حضرت یونس علیہ السلام کو پانی میں گرنے سے پہلے نکل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ نہ میرے نبی کا گوشت کھانا اور نہ بڑی توڑنا، کیونکہ یونس تمہاری خوراک نہیں بلکہ تمہارا شکم ان کیلئے قید خانہ ہے، اسی وجہ سے مچھلی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو ”ذالنون“ کہا گیا ہے۔ فرمایا: **اِذْ ذُكِّرْتَب ۝۱۰** یعنی جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چل پڑے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم مچھلی کے شکم میں ان پر گئی نہیں کریں گے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ آیت کریمہ میں ”فقدرد“ صحیحی کرنے کے معنی میں ہے۔ ابن جریر اس معنی کی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: **وَضَرَبَ قَدْرًا عَلٰى رَءْسِ قَدْرٍ فَلَمَّا نَفَسَ وَبَا اَلْمَلٰٓئِكَةُ اَللّٰهُ لِيَكْفِفَ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اَلٰهَهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا (الطلاق: 7)** ”اور وہ جس پر اس کا رزق نکل کر دیا گیا ہے تو وہ اس سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو اگر مستقدر جتنا اس نے دیا ہے۔“ عتق رب اللہ تعالیٰ صحیحی کے بعد فرما دے دے گا۔“ عطیہ عرفی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ گویا انہوں نے یہ تقدیر کے معنی میں لیا ہے۔ قَدْرٌ اور قَدْرٌ دونوں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں، اس معنی میں یہ آیت ہے: **فَلَمَّا تَلَقٰٓى اللّٰهُ عَمْرُقٰٓتًا فَمَدَّ رَءْسًا (القرآن: 12)** ”پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لئے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا۔“ پھر فرمایا: **فَتَاوٰى فِي الْكَلْبَتِ** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور رات کا اندھیرا جمع تھے۔ جب مچھلی آپ کو لے کر سمندر کے نیچے گئی تو اس کی تہہ میں آپ نے کنگریوں

کی تسبیح سنی، اس وقت آپ نے یہ کہا: **اِنَّ اِلٰهَ اِلٰهٍ اِلَّا اَنْتَ**۔ عوف الاعرابی کہتے ہیں کہ پھلی کے شکم میں حضرت یونس نے خیال کیا کہ میں مر گیا، پھر جب آپ نے اپنے پاؤں کو حرکت دی تو وہ بلا۔ آپ فوراً سجدہ میں گر گئے۔ پھر ندا دی: اے پروردگار! میں نے تیرے لیے ایسی جگہ کو مسجد بنا لیا ہے جہاں کوئی شخص نہیں پہنچا (1)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ چالیس دن پھلی کے پیٹ میں رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو پھلی کے شکم میں قید کرنا چاہا تو اس پھلی کو حکم دیا کہ انہیں نکل جائیں نہ جسم پر خراش آئے اور نہ ہڈی ٹوٹے۔ جب پھلی آپ کو لے کر سمندر کی تہ میں پہنچی تو وہاں آپ کو چھو آواز سنائی دی۔ آپ نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے پھلی کے پیٹ میں ہی آپ کی طرف وحی کی کہ سمندری جانوروں کی تسبیح ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی تسبیح شروع کر دی۔ جب فرشتوں نے یہ تسبیح سنی تو عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہم کسی اجنبی جگہ سے کمزوری آواز سن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا بندہ یونس ہے، اس نے میری حکم عدول کی تو میں نے اسے سمندر میں پھلی کے شکم میں قید کر دیا۔ فرشتے کہنے لگے کہ یہ صالح بندے ہیں، اے اللہ! دن اور رات ہر وقت ان کے اعمال صالحہ تیری طرف بلند ہوتے رہتے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں۔ اس وقت فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے آپ کی سفارش کی تو اللہ تعالیٰ نے پھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو کنارے پر اگل دے اور اس وقت آپ کی یہ حالت تھی جیسا کہ فرمان ہے: **وَهُوَ سَقِيمٌ (الصافات: 145)** "اس حال میں کہ وہ بیمار تھے"۔ ابن ابی حاتم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھلی کے پیٹ میں جب ان کلمات کیساتھ یونس علیہ السلام کو دعا کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور میں ہی خالموں میں سے ہوں۔ یہ دعا عرش تلے گھونسنے لگی۔ فرشتے عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ایک جانی پیچانی کمزوری آواز کسی اجنبی جگہ سے آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ عرض کی: نہیں، اے پروردگار! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ میرا بندہ یونس ہے۔ فرشتے عرض کرنے لگے کہ تیرا بندہ یونس جن کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہر وقت بلند ہوتی تھیں۔ اے ہمارے پروردگار! جس طرح وہ آسائش کے وقت نیک اعمال کیا کرتے تھے، اس کے پیش نظر کیا تو ان پر رحم فرما کر اس آزمائش سے انہیں نجات نہیں دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھلی نے آپ کو باہر کتارے پر اگل دیا۔ فرمایا: **فَلَنْسَجِبَنَّا لَهٗ.....** یعنی ہم نے ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور پھلی کے شکم اور تار کیبیوں سے باہر نکال کر انہیں غم و اندوہ سے نجات دی اور ہماری یہی سنت ہے کہ جب اہل ایمان مشکلات میں گھر جاتے ہیں اور ہماری طرف رجوع کر کے ہمیں پکار جاتے ہیں خصوصاً آزمائش کے وقت جب وہ یہ دعا کرتے ہیں تو ہم انہیں مشکلات سے نکال دیتے ہیں۔ حضور سید الانبیاء ﷺ نے اس دعا **اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ**... کی بہت ترغیب دلائی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرا تو انہیں سلام کہا۔ انہوں نے مجھے غور سے دیکھا لیکن میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور سارا واقعہ بتا دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور پوچھا کہ آپ کو اپنے بھائی کے سلام کا جواب دینے سے کوئی چیز مانع تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا کیا ہی نہیں اور اس پر انہوں نے قسم اٹھائی کہ انہوں نے مجھے سلام کیا ہی نہیں کہ میں جواب دیتا۔ میں نے بھی قسم اٹھائی کہ میں نے سلام کیا تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یاد آ گیا، فرمانے لگے: واقعی تم بے سلام کیا تھا، میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ

جب آپ میرے پاس سے گزرے تو اس وقت میں اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی۔ اللہ کی قسم! جب بھی مجھے وہ بات یاد آتی ہے تو میری آنکھوں اور دل پر ایک پردہ چھا جاتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کو اس سے آگاہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اول وعا کا ذکر کیا تھا کہ اسی اثناء میں ایک اعرابی آگیا جس نے آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا یہاں تک کہ آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا۔ جب مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ ﷺ میرے ساتھ ملنے سے پہلے ہی اپنے گھر تشریف لے لے جائیں گے تو میں نے زور سے اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ”یہ کون ہے، ابو اسحاق“ میں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی کہ آپ نے ہمارے سامنے اول وعا کا ذکر کیا پھر اعرابی آگیا جس نے آپ کو مشغول کر لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ دعا حضرت ذوالنون (یونس) علیہ السلام کی ہے جو انہوں نے چھلی کے شکم میں مانگی، وہ یہ ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ جو مسلمان جس چیز کیلئے یہ دعا مانگے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے (1)۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ اس سے آپ کی مراد یہ ہے: وَكَذَلِكَ نُفَخِي الْمُؤْمِنِينَ۔ ابن جریر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا وہ نام جسب اس سے استے پکارا جائے تو وہ قبول فرمائے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے، وہ حضرت یونس بن متی کی دعا ہے۔“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا یہ حضرت یونس علیہ السلام کیلئے ہی خاص ہے یا تمام مسلمانوں کیلئے م ہے؟ آپ نے فرمایا: ”یہ یونس بن متی کے لئے خاص ہے اور تمام مومنوں کے لئے عام ہے جب بھی وہ ان کلمات کے ساتھ دعا کریں، کیا تم نے یہ فرمان نہیں سنا: فَمَا دَامِي فِي الْكَلْبَةِ... وَكَذَلِكَ نُفَخِي الْمُؤْمِنِينَ جو بھی یہ دعا کرے، اس کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے“ (2)۔ کثیر بن معبد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اے ابوسعید! اللہ تعالیٰ کا وہ اسمِ اعظم کیا ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور جب اس کے ذریعے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن کریم میں یہ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ... نُفَخِي الْمُؤْمِنِينَ نہیں پڑھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے (3)۔

وَرَكِبْنَا إِذْ دَامِي رَبِّهُ رَبِّ لَا تَذُرْنِي فَرَادًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿١١﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْحَابًا لَهُ زَوْجَهُ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَعْمُرُونَ سَاعِيًا وَرَهَابًا ۗ وَكَانُوا الشَّاشِعِينَ ﴿١٢﴾

”اور یاد کرو ذکر یا علیہ السلام کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمایا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو۔ بے شک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے۔“

1- عارفہ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13، صفحہ 33-34، سند احمد، جلد 1 صفحہ 170

3- الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 669

2- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 82

حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی عطا کا سوال کیا جو آپ کے بعد نبی ہو۔ سورہ مریم اور سورہ آل عمران میں یہ واقعہ بالتفصیل گزر چکا ہے۔ یہاں یہ واقعہ اختصار کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے، فرمایا: اِنَّكَ اِلٰهِيْ . یعنی جب انہوں نے لوگوں سے پوشیدہ اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! مجھے بیٹے اور وارث کے بغیر تمہارا چھوڑا اور تو سب وارثوں سے اچھا ہے۔ دعا کے بعد اپنے سوال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی شاکہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ کی اہلیہ کو اولاد کے قابل بنا دیا۔ پہلے آپ یا مجھ میں اور اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ تھیں۔ عطا کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی اہلیہ میں کچھ زبان درازی پائی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح فرما دی۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ان کے اخلاق میں کچھ نقص تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے درست کر دیا لیکن الفاظ قرآنی کے قریب پہلا معنی ہی ہے۔ فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا اِلٰسٍ عٰوَنَ . یعنی یہ سب نیک کام کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں بہت سبک تھے اور بہت زیادہ عجز و نیاز کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس اس فرمان و کائناتنا خشیعین کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ وہ اس کی تصدیق کرنے والے تھے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ مجاہد اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ حقیقی اور سچے مومن تھے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ وہ خوفزدہ رہنے والے تھے۔ ابو شان کہتے ہیں کہ خشوع ایسے خوف کو کہتے ہیں جو ہر وقت دل میں موجود رہے اور کبھی جدا نہ ہو۔ مجاہد اس کا یہ معنی بھی بتاتے ہیں کہ وہ تواضع کرنے والے تھے۔ حسن، قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور فروتنی کا اظہار کرنے والے تھے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو، اس کی وہ تعریف کرو جس کا وہ اہل ہے، خوف کے ساتھ امید بھی رکھو، سوال کرتے ہوئے عاجزی بھی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا اِلٰسٍ عٰوَنَ . (1)۔

وَالَّتِيْ اٰحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ شُرُوْحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَاٰبًا لِّبَنِيْهَا لِيَلْعَلَّ عَمِيْنٌ ﴿۱﴾

”اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنا دیا اسے اور اس کے بیٹے کو (اپنی قدرت کی) نشانی سارے جہاں والوں کے لئے“۔

حضرت زکریا علیہ السلام اور آپ کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد، ساتھ ہی حضرت مریم علیہا السلام اور آپ کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں واقعات باہم مربوط ہیں۔ دونوں واقعات میں بیٹوں کی پیدائش کا تذکرہ ہے۔ ایک واقعہ میں جس والدین کے ہاں بیٹے کی نوید سنائی، وہ دونوں بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ علیہ السلام کی اہلیہ یا مجھ میں جنم کے ہاں جوانی میں بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ مذکور ہے جو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ اس میں باپ صرف عورت سے بیٹے کی ولادت کا تذکرہ ہے۔ سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں بھی اسی طرح یہ واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔ یہاں فرمایا: وَالَّتِيْ اٰحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ شُرُوْحِنَا لِيَلْعَلَّ عَمِيْنٌ (12)۔ اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوبر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی۔ اس کے بعد فرمایا: وَجَعَلْنَاهَا وَاٰبًا لِّبَنِيْهَا . یعنی ہم نے مریم اور ان کے بیٹے کو اس حقیقت کی دلیل بنا دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ وہ صرف ”کن“ کہتا ہے تو مطلوبہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ یہ اس فرمان کی طرح

ہے: وَلَا تَجْعَلْ كَاٰيَةِ النَّاسِ (مریم: 21) ”اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم اسے لوگوں کیلئے اپنی نشانیاں بنا سکیں۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ”الْعَالَمِيْنَ“ سے مراد جن وانس ہیں۔

اِنَّ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۗ ۝۱۱ وَتَقَطَّعُوا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۗ كُلٌّ لِّاٰمِنَاتِ الرَّجْعُوْنَ ۗ ۝۱۲ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۙ فَلَا كُفْرَانَ لَّنَا وَلَا لِمَنْ يَّاتٰ ۙ لَهٗ كِتٰبٌ مِّنْ ۙ

” (اے ان انبیاء کو ماننے والو)، یہی (توحید) تمہارا دین ہے جو ایک دین ہے۔ اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری بندگی کیا کرو۔ مگر لوگوں نے پارہ پارہ کر ڈالا اپنے دین کو آپس میں (آخر کار) سب ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ پس جو شخص کرتار ہا کوئی نیک کام بشرطیکہ وہ مومن ہو تو رانیکاں نہیں جائے دیا جائے گا اس کی کوشش کو۔ اور ہمارے لئے (اس کے عملوں کو) کٹنے والے ہیں۔“

حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور عبد الرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ”امۃ“ سے مراد دین ہے یعنی تمہارا دین ایک دین ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے وہ چیزیں بیان فرما رہا ہے جن سے انہیں احتراز کرنا ہے اور جنہیں بجالانا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے یعنی یہ تمہاری شریعت ہے جسے میں نے واضح طور پر تمہارے لیے بیان کر دیا ہے۔ ”ھذا“، ”ان“ کا اسم ہے اور ”امۃکم“ اس کی خبر۔ ”امۃ واحده“ حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ فرمایا: وَاَنَا رَبُّكُمْ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: يَآٰيٰهَا الرَّسُلُ ۚ كَلِمٰتٍ وَّاعْتَمَلُوا صٰلِحًا ۚ وَاٰنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْا (المومنون: 51-52) ”اے پیغمبر! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ میں تمہارے اعمال سے خوب واقف ہوں اور یہی تمہارا دین ہے، وہ ایک ہی ہے اور میں تمہارا رب ہوں، مجھ سے ڈرو۔“ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”ہم سرود انبیاءِ خلائی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے“ (1)۔ یعنی شریعتیں اگرچہ مختلف تھیں لیکن ہر ایک کا مقصد اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت ہے جیسا کہ فرمایا: لٰكِن جَعَلْنَا مَنَاسِكَهُمْ شِرْعَةً وَّصَلَاتًا (المائدہ: 48) ”ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے بنائی ہے ایک شریعت اور عمل کی راہ“۔ اس کے بعد فرمایا: وَتَقَطَّعُوا یعنی اتنی اپنے رسولوں کے بارے میں دوصوں میں بٹ گئیں، کچھ نے ان کی تصدیق کی اور کچھ ان کی تکذیب کرنے لگے، اس لئے فرمایا: كُلٌّ لِّاٰمِنَاتِ الرَّجْعُوْنَ، یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کی جزا دے گا، اس لئے فرمایا: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۙ فَلَا كُفْرَانَ لَّنَا وَلَا لِمَنْ يَّاتٰ ۙ لَهٗ كِتٰبٌ مِّنْ ۙ الصّٰلِحٰتِ اس طرح ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّا لَا نُضِيْعُكُمْ اَجْرًا مِّنْ اَحْسَنِ عَمَلًا (الکہف: 30) ”ہم ضائع نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ کام کرتا ہے۔“ یعنی کسی کا عمل، کارت نہیں جائے گا بلکہ اس کی قدر کی جائے گی اور وہ بھر بھی کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا اس لئے فرمایا: وَاِنَّا لَنَدْرِكُ لَكُمُوْنَ ۙ یعنی تمام اعمال لکھ کر محفوظ کیے جا رہے ہیں اور ان میں سے کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا۔

وَصَرَّ عَلَىٰ قَدْرِيْٓ وَاَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۗ ۝۱۳ حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَابُجُوْبُهُمْ وَمَا جُوْا مِنْهُمْ ۙ مِنْ كُلِّ حَاۡبٍ يَّتَسَلَّوْنَ ۗ ۝۱۴ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقِّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارًا اَلْيٰسِيْنَ

كُفِّرُوا بِلأِيُونِكُمْ أَقْدَرُ كُنَّا فِي عَقْلِكُمْ مِنْ هَذَا اِبْلِ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٥﴾

”اور ناممکن ہے اس بستی کے لئے جس کو ہم نے برباد کر دیا کہ اسکے باشندے پھر لوٹ کر آئیں۔ یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں گے یا جوج اور ماجوج اور وہ ہر بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگیں گے۔ (تب معلوم ہوگا کہ) قریب آ گیا ہے سچا وعدہ تو اس وقت تاڑے لگ جائیں گی نظریں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تھا۔ (کہیں گے) صد حیف! ہم تو غافل رہے اس امر سے بلکہ ہم تو ظالم تھے۔“

حضرت ابن عباس اس آیت وَحَوَّارٌ۔ کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ ہلاک شدہ بستی کے باشندوں کا ہلاکت کے بعد دنیا کی طرف نہ لوٹنا ضروری اور مقدر کر دیا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ لَآئِنِ جَعَلْنَاكَ يَمْشِي وَيَسْجُدُ وَكَانَ وَرَاءَ نَجْمٍ مِّنَ النُّجُومِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِاللِّسَانِ وَأَعَدْنَا لَهُ عَذَابًا بِمَا كَانُ يُكَفِّرُ۔ کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ وہ تو بن نہیں کریں گے لیکن پہلا قول زیادہ واضح ہے۔ اس کے بعد فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ... ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ یا جوج ماجوج نسل آدم علیہ السلام سے ہیں بلکہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد سے ہیں جن سے ترک نسل چلی اور یہ بھی انہی کا ایک گروہ ہے، انہیں اس دیوار کے پیچھے چھوڑ دیا گیا جس کی تعمیر وہ افریقین نے کی تھی اور کہا تھا: هَذِهِ مَحْضَةٌ مِّنْ رَبِّي تَقَادَرًا جَاءَهُ وَعُذْرًا بِيَّ جَعَلَهُ ذِكَاةً ۚ وَكَانَ وَعْدًا مِّنِّي حَقًّا ۗ وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجًا فِي بَعْضٍ (الکہف: 97-98)۔ ”یہ میرے رب کی رحمت ہے اور جب میرے رب کا وعدہ آ جائے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا اور اس دن ہم بعض کو دوسروں میں گھس جائیں گے“ اور یہاں فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ۔

حداب کا معنی ہے اونچی جگہ۔ وہ قیامت کے قریب ہر اونچی جگہ سے نکل کر زمین میں فساد برپا کر دیں گے۔ ان کے خروج کی حالت اس طرح بیان ہو رہی ہے گویا سامع اپنی آنکھوں سے اس چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ یہ اس ذات کی طرف سے خبر دی جا رہی ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کی ہر چیز سے واقف ہے اسے تمام قیمتی چیزوں کا علم ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کچھ لڑکوں کو کھیلتے ہوئے اور ایک دوسرے کے اوپر اچھلتے کودتے دیکھا تو فرمایا کہ یا جوج ماجوج اس طرح نکلیں گے (1)۔ متعدد احادیث میں ان کے خروج کا ذکر موجود ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یا جوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا تو وہ لوگوں پر اس طرح چڑھ دوڑیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ہر اونچی جگہ سے تیزی کے ساتھ اترتے چنے جائیں گے۔ وہ نکل کر لوگوں پر چھا جائیں گے۔ مسلمان ان سے دور اپنے شہروں اور قلعوں میں سمت جائیں گے اور اپنے جانور بھی ساتھ لے جائیں گے۔ یا جوج ماجوج زمین کا سارا پانی چٹ کر جائیں گے۔ ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ ان میں سے بعض نہر کے پاس سے گذریں گے اور اس کا سارا پانی پی کر اسے خشک بنا چھوڑیں گے یہاں تک کہ جب ان کے بعد دوسرا نول اس نہر سے گذرے گا تو کہے گا کہ کسی زمانے میں یہاں پانی ہوگا۔ جب قلعوں اور شہروں میں پناہ گزریں مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں بچے گا تو یہ کہیں گے کہ ہم زمین والوں سے تو فارغ ہو گئے۔ اب آسمان والے باقی رہ گئے ہیں، پھر ان میں سے ایک اپنا نیزہ گھما کر آسمان کی طرف پھینکے گا تو وہ خون سے آلودہ ہو کر نیچے گرے گا، یہ ایک آزمائش ہوگی۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی گردنوں میں کیڑے ریگنے لگیں گے، اس دبا سے وہ سبھی مرجائیں گے اور ان کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ مسلمان کہیں گے کہ کوئی ایسا شخص ہے جو ہماری خاطر اپنی جان خطرہ میں ڈال کر جائے اور دیکھ کر آئے کہ یہ دشمن کس حال میں ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص خود کو مقتول سمجھتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے ان کی طرف نکل کھڑا ہوگا۔ جب

و وہاں پہنچے گا تو دیکھیے گا کہ کبھی مرے پڑے ہیں، اور ان کی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو آواز دے گا کہ تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اب مسلمان اپنے شہروں اور قلعوں سے باہر آئیں گے اور اپنے مومنین کو بھی لے آئیں گے، ان کیلئے بجز یا جوج ماجوج کے گوشت کے کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ یہ جانور ان کا گوشت کھا کر خوب موٹے ہو جائیں گے (1)۔

حضرت نو اس بن سمان کلابی سے روایت ہے کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نے کچھ اس طرح دجال کا ذکر کیا کہ ہم خیال کرنے لگے شاید وہ درختوں کی اوٹ میں ہے اور بس نکلا ہی چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تم پر دجال سے زیادہ کسی اور چیز کا خوف ہے۔ اگر دجال میری موجودگی میں نکلا تو میں اسے سنبھال لوں گا اور اگر وہ میری عدم موجودگی میں نکلے تو ہر شخص خود اپنی حفاظت کا انتظام کرے، میں ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی امان میں دے رہا ہوں۔ وہ نوجوان چھوٹے چھوٹے گھنگھر یا لے بالوں والا، کلابی اور ابھری ہوئی آنکھ والا ہے۔ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور اپنے دائیں بائیں خوب فساد انگیزی کرے گا۔ اے اللہ کے بند و اطاعت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کتنا عرض زمین میں ٹھہرے گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”چالیس دن، ایک دن سال کا ہوگا، ایک دن مہینے کے برابر ہوگا، ایک جمعہ کی طرح ہوگا اور باقی دن تمہارے معمول کے دنوں جیسے ہوں گے۔“ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ دن جو اس سال جیسا ہوگا، کیا اس میں یہی پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے اندازے سے ہر نماز پڑھتے رہنا۔“

ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس کی رفتار کیا ہوگی؟“ آپ نے فرمایا: بادل کی سی جسے ہوا تیز بھگانے جارہی ہو۔ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا اور انہیں اپنی دعوت دے گا تو وہ اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے۔ وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسانے لگ جائے گا، زمین کو حکم دے گا تو وہ فصلیں اگا دے گی۔ شام کے وقت ان کے جانور ان کے پاس موٹے تازے، خوب شکم سیر اور بھرے ہوئے تھنوں والے ٹوٹیں گے۔ وہ ایک اور قبیلہ کے پاس جا کر انہیں اپنی طرف بلائے گا لیکن وہ اس کی دعوت کو رد کر دیں گے۔ وہ وہاں سے نکلے گا تو ان کے اموال اس کے پیچھے لگ جائیں گے، وہ ہر چیز سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور کچھ بھی ان کے پاس نہیں رہے گا۔ وہ غیر آباد اور ویران جگہ کو حکم دے گا کہ اپنے خزانے باہر اگل دے تو سارے خزانے باہر نکل کر اس کے پیچھے چل دیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنی ملکہ کے پیچھے۔ وہ ایک آدمی کو تلوار کے ساتھ قتل کر دے گا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے دور پھینکو دے گا، پھر اسے بلائے گا تو وہ زندہ چلتا ہوا اس کے پاس آ جائے گا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔ آپ دمشق کی مشرقی جانب سفید منارے کے پاس اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے اتریں گے اور دجال کا پیچھا کر کے اسے مشرقی باب لد کے پاس قتل کر دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو وحی فرمائے گا کہ میں ایسے بندے بھیجے والا ہوں جن کے ساتھ لڑنے کی تم میں طاقت نہیں، اس لئے میرے بندوں کو طور کی طرف سمیٹ لو، اس وقت اللہ تعالیٰ یا جوج ماجوج کو نکالے گا جیسا کہ فرمایا: وَهَمَّ بِصُنْجَيْنَ حَدَابِ يَنْبَغِي لِي وَنَحْنُ نَحْنُ عِيسَىٰ عَلِيہ السلام اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایک وہاں پر بھیجے گا جس کے باعث ان کی گردنوں میں کیتڑے نمودار ہوں گے اور یہ سب کے سب یکبارگی موت کے منہ میں چلے جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی وہاں سے نیچے آئیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ ہر گھرانے کی لاشوں سے لٹا پڑا ہے اور ان کی سرانڈ اور بد بو ناک قابل برداشت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ کے حضور اتھا کریں گے تو وہ ان لاشوں پر پختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرتے بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر وہاں پھینک دیں

گے جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی۔“ حضرت کعب وغیرہ کہتے ہیں کہ پرندے ان کی لاشوں کو ہمیں یعنی طلوع آفتاب کی جگہ میں پھینک دیں گے۔“ پھر اللہ تعالیٰ چاہیں دن تک تمام روئے زمین پر بارش برسائے گا جس سے زمین ڈھل کر پختی صاف چٹان کی طرح ہو جائے گی اور زمین سے کہا جائے گا کہ پھل اگاؤ اور اپنی برکتیں باہر نکالو۔ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ ایک گروہ کو ایک انار ہی کافی ہوگا اور وہ اس کے چھلکے تلے سایہ حاصل کریں گے۔ جانوروں میں برکت ڈال دی جائے گی یہاں تک کہ ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی ایک جماعت کیلئے کافی ہوگا، ایک گائے ایک قبیلہ والوں کو کفایت کرے گی اور ایک بکری ایک گھرانے کو کافی ہوگی۔ اس اثنا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پاکیزہ ہوا چلے گی جو مسافرانوں کی بغلوں تلے سے نکل جائے گی اور ان کی روح قبض ہو جائے گی اس کے بعد شہر لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کودتے پھریں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی“ (1)۔ ابن حزمہ اپنی حالہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، آپ کو چھوٹے کاٹ لیا تھا، اس لئے آپ اس وقت اپنی انگلی پر اپنی باندھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: ”تم کہتے ہو کہ اب تمہارا دشمن کوئی نہیں بلکہ تم تو ہمیشہ دشمن سے لڑتے رہو گے یہاں تک کہ چوڑے چوڑے چہروں والے، چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے اور سرخ سفید بالوں والے ہراونچی جگہ سے اتریں گے، ان کے چہرے تہ بہ تہ ڈھالوں جیسے ہوں گے“ (2)۔ سورہ اعراف کی تفسیر کے آخر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث گذر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”معراج کی رات میری ملاقات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ہوئی۔ وہ قیامت کے متعلق گفتگو کرنے لگے، حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ مجھے تو اس کے متعلق کوئی علم نہیں، پھر انہوں نے یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو انہوں نے کہا کہ اس کے معین وقت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں البتہ مجھے بھی فرمایا کہ مجھے قیامت کے دن کا علم نہیں۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باری آئی تو انہوں نے کہا کہ اس کے معین وقت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں البتہ مجھے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ دجال نکلے گا، میرے پاس دو شاخیں ہوں گی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرح پھٹنے لگے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا۔ پھر لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹ جائیں گے۔ اس وقت یا جوج ماجوج کا خروج ہوگا، وہ ہر بلندی سے کودتے ہوئے آدھمکیں گے، شہروں کو روند ڈالیں گے، جس چیز سے ان کا گذر ہوگا اسے تباہ ویراں کر دیں گے اور جتنا پانی سامنے آئے گا سب پی جائیں گے۔ لوگ ان کی دست برد سے محفوظ رہنے کیلئے اپنے وطنوں میں محصور ہو جائیں گے اور ان کی شکایت کریں گے تو میں ان کیلئے بدعا کروں گا جسے قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے گا یہاں تک کہ ان کی سزا ساری زمین کو اپنی پیٹ میں لے لے گی۔ اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جس کا پانی لاشوں کو بہا کر سمندر میں پھینک دے گا۔ میرے رب نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ اس وقت قیامت بالکل ایسے ہی ہوگی جیسے پورے دنوں والی حاملہ، جس کے گھر والوں کو یہ معلوم نہیں کہ دن یا رات کب ولادت ہو جائے“ (3)۔ اس کی تصدیق اس آیت کریمہ عَلَّمِي (إِذْ أَفْتَحَتْ) میں موجود ہے۔ اس بارے میں احادیث اور آثار سلف بکثرت موجود ہیں۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب یا جوج ماجوج کے نکلنے کا وقت قریب ہوگا تو وہ دیوار کو کھودیں گے یہاں تک کہ ان کے قریب رہنے والے ان کے کدالوں کی آوازیں سنیں گے۔ جب رات ہو جائے گی تو ان میں سے ایک کہے گا کہ باقی کام کمالیں گے لیکن اللہ تعالیٰ دیوار کو بالکل ویسا ہی کر دے گا جس طرح وہ تھی۔ وہ اگلے روز آئیں گے تو دیوار کو جوں

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 271

1۔ صحیح مسلم، کتاب النتن، جلد 4 صفحہ 2250-2255 مسند احمد، جلد 4 صفحہ 181-182 وغیرہ

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النتن، جلد 2 صفحہ 1365 مسند احمد، جلد 1 صفحہ 375

کا توں پائیں گے، پھر اسے کھودنا شروع کر دیں گے یہاں تک کہ آس پاس والوں کو ان کے کدالوں کی آوازیں سنائی دیں گے۔ رات ہو گی تو ان میں سے ایک شخص کہے گا کہ کل آئیں گے اور باقی دیوار توڑ کر ان شاء اللہ نکل جائیں گے، کھل جب آئیں گے تو دیوار کو اسی حالت پر پائیں گے جس پر وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ چنانچہ وہ اس باقی ماندہ حصہ کو بھی کھود کر باہر نکل آئیں گے۔ ان کا پہلا گروہ بچیرہ پر آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا۔ پھر دوسرا گروہ آئے گا تو وہ اس کا کچھ چٹ کر جائے گا، تیسرا گروہ آئے گا اور کہے گا کہ یہاں کبھی پانی ہوگا۔ لوگ ان کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ ان کی دہشت سے کوئی چیز ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی۔ پھر وہ اپنے تیر آسمان پر پھینکیں گے تو وہ خون آلود ہو کر واپس گریں گے۔ یہ دیکھ کر وہ کہیں گے کہ ہم زمین والوں اور آسمان والوں پر غالب آ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے لئے بد دعا کرتے ہوئے عرض کریں گے: اے اللہ! ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں، تو ان سے ہمیں جیسے چاہے نجات عطا فرما! اس دعا کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر ایک وبا بھیجے گا جس کے سبب ان کی گردنوں میں کینے پڑ جائیں گے، اور یہ سب مر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر ندے بھیجے گا جو اپنی چونچوں میں ان کی لاشوں کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیں گے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ حیات نامی ایک چشمہ جاری کرے گا جس سے تمام زمین دھل کر پاک صاف ہو جائے گی اور خوب پیداوار دینے لگے گی یہاں تک کہ ایک انار سے سارے گھروالے سیر ہو جائیں گے۔ اسی اثناء میں ایک شخص ندادے گا کہ ذوالسویتمین نکل آیا ہے (1)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سات آٹھ سو لشکریوں کا ایک دستہ بھیجیں گے۔ وہ ابھی رستہ میں ہی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ یعنی پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو تمام مومنوں کی روح قبض کر لے گی، پھر گھٹیا اور ردی قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے جو جانوروں کی طرح بد فعلیاں کرتے دندتاتے پھریں گے۔ اس وقت قیامت بالکل ایسے ہوگی جس طرح ایک آدمی اپنے پورے دنوں کی گھوڑی کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے کہ کب وہ بچتی ہے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میری ان باتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص کچھ کہے تو وہ محض تکلف کرنے والا ہے (2)۔ حضرت کعب کی اس روایت کی تائید صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث شریف سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللہ شریف کا حج کریں گے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آپ علیہ السلام یا جوج ماجوج کے بعد ضرور بیت اللہ کا حج اور عمرہ کریں گے“ (3)۔ فرمایا: وَقَاتِلُوا قَوْمَ الْفُجْرَاءِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَكَانَ اٰتِاَعَاتٍ وَّ اٰقَاتٍ اور زلزلوں کا ظہور ہوگا تو اس وقت قیامت بالکل قریب ہوگی اور جب قیامت قائم ہوگی تو کافر کہیں گے کہ یہ بہت مشکل دن ہے، اس لیے فرمایا: فَاِذْ اٰهِيْ سَآخِصَةً .. اس وقت وہ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر اپنے عظم کا اعتراف کر لیں گے لیکن یہ اعتراف اس وقت بے سود ہوگا۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبٌ جَهَنَّمَ اَ اَنْتُمْ لَهَا وَاٰرِدُوْنَ ۝۱۰ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ
 الْاٰهَةَ مِمَّا وَاوَدُوْهُآ وَكُلَّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱ لَنْتُمْ فِيْهَا زٰفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝
 اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ وَاٰلُ حُسَيْنٍ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝۱۲ لَا يَسْمَعُوْنَ
 حَسِيْبَهَا وَّهُمْ فِيْهَا اَسْتَهْتَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۳ لَا يَحْرُغُهُمْ اَلْفَرْعُ الْاَكْبَرُ وَا

1- چنگی چنگیوں والا شخص، امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الحج میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: نَهَرَتْ الْقَعْبَةَ وَ السُّوْ يَقْنِيْنَ مِنَ الْحَبَشَةِ دَكِيْعَةُ

الباری، جلد 3 صفحہ 460, 454

3- صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 182، 4- البقرہ: 24

2- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 89

تَتَكَلَّمُ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ۖ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٥﴾

” (اے مشرکوں!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ (سوچو) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں۔ اور (جھوٹے خدا اور ان کے پجاری) سب اس میں رہیں گے۔ وہ جہنم میں (شامت عذاب سے) جنجلیں گے اور وہ اس میں اور کچھ نہ سن سکیں گے۔ بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی، تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے۔ اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی خواہش انہوں نے کی تھی ہمیشہ رہیں گے۔ نہ غمناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انہیں بتائیں گے) یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔“

اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ اور ان کی روش اختیار کرنے والے بت پرستوں سے فرما رہا ہے کہ تم اور تمہارے بت جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول ”حصب“ کا معنی ایندھن ہے جیسے فرمایا: وَتَوَدُّهَا النَّاسُ وَالْجِبَّاتُ (البقرہ: 24) ”جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں“۔ آپ نے اس کا معنی درخت بھی منقول ہے۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ حبشی زبان میں ”حصب“ لکڑیوں کو کہتے ہیں۔ ایک قرأت میں حصب کی بجائے حطب (لکڑیاں) کا لفظ ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ”حصب“ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جہنم میں پھینکی جائے والی ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: لَوْ كَانَتْ كَلِمَةً أُخْرَىٰ... یعنی تمہارے یہ بت اگر سچے معبود ہوتے تو آگ میں داخل نہ ہوتے۔ یہ بت اور ان کے پجاری تمام جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہاں یہ جنجلیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: لَنْ يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَضْحَكُ وَلَا يَبْكُ (ہود: 106) ”وہاں ان کے مقدر میں چیخنا اور چلانا ہوگا“۔ علاوہ ازیں وہ کسی چیز کو نہیں سن سکیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہی لوگ جہنم میں باقی رہ جائیں گے جنہیں وہاں ہمیشہ رہنا ہے، تو انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا جن میں آگ کے کیل ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک یہ خیال کرے گا کہ اس کے سوا کسی کو یہ عذاب نہیں دیا چاہا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس آیت لَنْ يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَضْحَكُ... کی تلاوت کی (1)۔ مشرکین اور ان کے عذاب کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ ان سعادت مندوں کا ذکر فرما رہا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور دنیا میں اعمال صالحہ کرتے رہے، ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سعادت مقدر کر دی گئی ہے، فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ... اس طرح اور مقامات پر فرمایا: الَّذِينَ يَنْتَظِرُونَ أَحْسَنُ وَأَحْسَنُوا (الأنبياء: 26) ”ان کیلئے جنہوں نے نیک عمل کیے نیک جزا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ“، هَلْ يَجْزَىٰ أَعْمَالُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (الرحمن: 60) ”کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے“۔ جس طرح انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کیے، اس طرح اللہ تعالیٰ انہیں اجر و ثواب سے نوازے گا اور عذاب سے محفوظ رکھے گا جس طرح فرمایا: أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِّن رَّبِّهِمْ... یعنی وہ آگ سے اس قدر دور ہوں گے کہ انہیں آگ کے جلنے کی بھی آواز نہیں سنائی دے گی۔ اب عثمان اس فرمان لَنْ يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَضْحَكُ کے متعلق کہتے ہیں کہ پل صراط پر زہریلے سانپ دوزخیوں کو ڈسے گا تو وہ ”حس حس“ کریں گے اہل جنت اس درد ناک آواز کو نہیں سنیں گے۔ فرمایا: وَهَلْ فِي مَآسِئِكُمْ... یعنی انہیں نہ صرف ناپسندیدہ چیزوں سے دور رکھا جائے گا بلکہ ان کی محبوب اور مرغوب نعمتیں بھی انہیں عطا کی جائیں گی۔ ایک رات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت إِنَّ الَّذِينَ يَنْتَظِرُونَ أَحْسَنُ... کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ میں بھی ان سے

ہوں، عمر، عثمان، زبیر، طلحہ اور عبدالرحمن بھی انہی میں سے ہیں یا آپ نے فرمایا کہ کس سعد بھی انہی لوگوں میں سے ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہی اولیاء اللہ ہیں جو بکلی سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ بل صراط کو عبور کر لیں گے اور کافر گھنٹوں کے بل وہاں گر پڑیں گے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت بطور استثناء ہے اور یہ استثناء معبودین سے ہے۔ اس حکم سے حضرت عزیز علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکل جائیں گے۔ انہیں معبود تو سمجھا جاتا ہے لیکن یہ شرک سے بیزار تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: **إِنَّكُمْ وَمَنْ تَعْبُدُونَ** پھر اس حکم سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: **إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ سَبَقَتْ**۔ اس استثناء سے ملائکہ، حضرات عزیز علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، مریم اور دیگر وہ معبود جو شرک سے بیزار تھے اور لوگوں نے ان کی مرضی کے خلاف انہیں معبود بنا رکھا تھا، پہلی آیت کے حکم سے خارج ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن زبیری نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہارا خیال ہے کہ تم پر یہ آیت **إِنَّكُمْ وَمَنْ تَعْبُدُونَ**... اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے، اگر یہ بات ہے تو کیا سورج، چاند، فرشتے، عزیز اور عیسیٰ علیہ السلام سبھی ہمارے معبودوں کے ساتھ جنم میں جائیں گے؟ اس وقت اس کے جواب میں یہ ارشادات نازل ہوئے: **وَلَمَّا ضُرِبَ الْإِنْفِتْرَابُ مَرَّتِمْ مَسَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِيدُونَ** ﴿٥٦﴾ **وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الضَّالُّونَ كَذِبًا أَمْ أَنْتُمْ نَارُ** شور و غل مچا دیتی ہے اور کہتے ہیں کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ وہ آپ سے یہ مثال بیان نہیں کرتے مگر کج بخشی کیلئے۔ دراصل یہ جھگڑا لوگ ہیں، **إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ سَبَقَتْ**..... (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ **إِنَّكُمْ وَمَنْ تَعْبُدُونَ**... نازل ہوئی کہ تو مشرکین کہنے لگے کہ ملائکہ، عزیز اور عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تو اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ اس وقت یہ آیت تو کائنات پر نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے ساتھ یہ آیت **إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ سَبَقَتْ**۔ بھی اتری۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نضر بن حارث بھی آکر ساتھ بیٹھ گیا۔ مسجد میں اور قریشی بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ گفتگو فرمانے لگے تو نضر بن حارث نے آپ ﷺ سے تعرض کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی گفتگو سے اسے لاجواب کر دیا۔ آپ ﷺ نے تمام حاضرین کو یہ آیات **إِنَّكُمْ وَمَنْ تَعْبُدُونَ**... **لَا يَسْمَعُونَ سُنَائِمًا**۔ پھر آپ ﷺ اس مجلس سے اٹھ گئے اور عبداللہ بن زبیری وہاں چلا آیا۔ ولید بن مغیرہ اسے بتانے لگا کہ نضر بن حارث آج ابن عبدالمطلب کے سامنے نہیں ٹھہر سکا اور بری طرح لاجواب ہو گیا۔ محمد ﷺ کا یہ کہنا ہے کہ ہم اور ہمارے معبود جنم کا بندھن ہوں گے۔ یہ سن کر عبداللہ بن زبیری کہنے لگا کہ اگر میں ہوتا تو ان کے ساتھ مناقشہ کرتا۔ محمد ﷺ سے یہ دریافت کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبود اور ان کے پیجاری جنم ہیں تو ملائکہ، عزیز اور عیسیٰ علیہم السلام کا کیا ہوگا۔ ہم ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں، یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ بن مریم کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ سن کر ولید اور باقی اہل مجلس بہت متعجب اور متحیر ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جو یہ بات پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی عبادت کی جائے، وہ اور اس کے پیجاری جنم ہیں۔ یہ دراصل شیطان اور اس کی پوجا کرتے ہیں جس نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا۔ اس وقت یہ فرمان **إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ سَبَقَتْ**... **خَلِدُونَ** نازل ہوا، یعنی حضرات عیسیٰ، عزیز اور علماء و درویش جو اطاعت الہی پر کاربند رہے، انہیں گمراہ لوگوں نے اپنا معبود بنا لیا، اس طرح کچھ لوگ فرشتوں کی عبادت کرنے لگے اور انہیں

اللہ کی بیٹیاں سمجھنے لگے۔ یہ نیک لوگ پہلی آیت کے حکم سے متشکی ہیں کیونکہ یہ ہمیشہ شرک سے بیزار رہے۔ چنانچہ فرمایا: **وَمَنْ يُقُلْ وَمِنْهُمْ اِنِّيَ الرَّحْمٰنُ ذُوْنُهٗ قَدْرٌ بَلٰغٌ يُجٰزِيْهُمْ جَهَنَّمَ** گناہ کی تہذیبی (الانبیاء: 29) ”اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ یونہی ہم خالموں کو سزا دیا کرتے ہیں“۔ ایک اور جگہ فرمایا: **وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ فَلَا صَاحِبَ لَهٗ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (الزخرف: 61-57)** اس حجت کے سامنے ولید اور دیگر حاضرین مجلس دم بخود رہ گئے (1)۔ ابن زبیری کا قول بالکل غلط ہے کیونکہ آیت کریمہ میں خطاب مشرکین مکہ کو ہے جو بے جان اور سبے عقل بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے تاکہ ان کے پیجاریوں کو سرد نش اور زبرد توخ کی جائے، اس لئے فرمایا: **اِنَّكُمْ وَاَعْمَابُكُمْ**۔ اس لئے اس حکم کا اطلاق حضرات مسیح، عزیر اور ان جیسے دوسرے نفوسِ قدسیہ پر کیسے کیا جاسکتا ہے جو ہمیشہ نیک اعمال کرتے رہے اور کبھی بھی اور کسی صورت میں بھی انہوں نے بت پرستی کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ”ما“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عربوں کے ہاں غیر ذی عقل چیزوں کیلئے آتا ہے (2)۔ اس کے بعد ابن زبیری کو اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ یہ بہت مشہور شاعر تھے، پہلے مسلمانوں کی ہجو کیا کرتے تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد معذرت کرنی (3)۔ فرمایا: **لَا يَخْرُجُ عَنْكُمْ اَنْفُؤُكُمْ اِلَّا كَتِيْبٍ لِّبَعْضٍ** نے کہا ہے کہ اس بڑی گھبراہٹ سے مراد موت ہے، بعض نے اس سے مراد نطفہ لیا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اس وقت کی گھبراہٹ ہے جب کسی بندے کو جہنم کا حکم ہوگا۔ سعید بن جبیر اور ابن جریج اس سے مراد اس وقت کی پریشانی لیتے ہیں جب جہنم کو بند کر دیا جائے گا۔ ابو بکر ہندی کہتے ہیں کہ اس سے مراد اس وقت کی پریشانی ہے جب موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا: **وَتَتَلَفَّحُمْ**۔ یعنی قیامت کے دن جب وہ اپنی قبروں سے باہر نکلیں گے تو فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور انہیں بشارت دیتے ہوئے کہیں گے کہ یہ ہے وہ دن جس کا وعدہ کیا جاتا تھا، اب سر ت بخش چیزوں کی امید رکھو۔

يَوْمَ تَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السَّجِّجِ لِلنَّشْبِ - كَمَا بَدَا اَنَا اَوَّلَ خَلْقٍ لِّعِيْدِنَا ط وَعَدَا اَعْلِيْنَا ط
اِنَّا كُنَّا فَعْلِيْنَ ۝

” (یا کرو) جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹ دیئے جاتے ہیں طومار میں کاغذات۔ جیسے ہم نے آغاز کیا تھا ابتداءً آفرینش کا اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ وعدہ (پورا کرنا) ہم پر لازم ہے۔ یقیناً ہم (ایسا) کرنے والے ہیں“۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمان کو اس طرح لپیٹ دے گا جس طرح طومار میں کاغذات لپیٹے جاتے ہیں، اس طرح ایک اور جگہ فرمایا: **وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَتّٰى قَدَرُوْا ۗ وَاَلَا تَرٰهُمْ جَبِيْنًا مِّمَّا قَدَفْتُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ - سُبْحٰنَهٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الزمر: 67)** ”اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ پہچانی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ پاک ہے وہ ہر سبب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے“۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز زمینوں کو مٹھی میں لے لگا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے“ (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کو ان میں موجود تمام مخلوق

2- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 98

1- سیرت ابن عباس، جلد 1 صفحہ 358، تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 96-97

4- صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 150

3- سیرت ابن عباس، جلد 2 صفحہ 419

سمیت اور اسی طرح ساتوں زمینوں کو ان میں موجود تمام مخلوقات سمیت اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا۔ یہ سب کچھ اس کے ہاتھ میں یوں ہوگا جیسے رائی کا دانہ۔ آیت کریمہ میں انقضاء سخن سے مراد بقول بعض کتاب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں اس سے مراد ایک فرشتہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک فرشتہ ہے۔ جب یہ کسی کا استغفار نے کر اوپر چڑھتا ہے تو کہتا ہے کہ اسے نور لکھ لو (1)۔ سہمی کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ”بجمل“ سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اعمال ناموں پر مقرر ہے۔ جب کوئی انسان مرجاتا ہے تو یہ اس کی کتاب کو لپیٹ کر قیامت کیلئے رکھ دیتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے ایک کاتب وحی کا نام ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ کل ایک صحابی اور کاتب وحی کا نام ہے (2)۔ یہ روایت ابوداؤد، سنن ابن جریر میں موجود ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قول منقول ہے لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ حافظ حدیث کی ایک جماعت نے اسے موضوع کہا ہے خصوصاً ہمارے شیخ حافظ کبیر ابوالحجاج الحزری نے، میں نے اس روایت کو ایک الگ کتاب میں لکھا ہے۔ امام ابن جریر نے اس روایت کا انکار کرتے ہوئے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ صحابہ کرام میں کل نامی کوئی صحابی نہیں اور حضور ﷺ کے کاتبان وحی بھی مشہور و معروف ہیں، ان میں سے بھی کسی کا نام ”کل“ نہیں (3)۔ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل درست فرمایا ہے اور یہ اس حدیث کے منکر ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس نے کل نامی صحابی کا ذکر کیا ہے، اس نے اسی روایت پر اٹھنا ذکر کے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے منقول صحیح قول یہ ہے کہ یہاں ”کل“ سے مراد نامہ اعمال ہے، اکثر مفسرین نے یہی معنی مراد لیا ہے کیونکہ لغوی طور پر یہی معنی معروف ہے۔ آیت کا معنی ہوگا کہ جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے پر کتاب لپیٹ دی جاتی ہے۔ یہاں ”لکنتب“، ”علی الکتب“ کے معنی میں ہے جیسا کہ اس آیت میں بھی لام، علی کے معنی میں ہے: فَذُنُوبُهُمْ وَأَسْمَاءُ تَلَوْتُهُ لِيُحْيِيَنَّ (الصافات: 103) ”بس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے تل بنا دیا“۔ لغت میں اس کی متعدد نظائر موجود ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: كَسَابًا أَنَا... یعنی یہ اس دن یقینی طور پر وقوع پذیر ہوگا جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ پیدا کرے گا جس طرح اس نے ابتدا میں پیدا کیا تھا، وہ دوبارہ پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے اور ایسا حتمی اور یقینی طور پر ہوگا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، وہ اپنے وعدہ کی نہ خلاف ورزی کرتا ہے اور نہ اس میں رو بدلتا کرتا ہے، وہ اپنے وعدے کی تکمیل پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے، اس لئے فرمایا: إِنَّ كُنَّا لَفَعِلِينَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”تم پر ہن پا، بر ہن بدن اور بے ہتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے“ پھر آپ نے آیت کا یہ حصہ پڑھا: كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ حَلْقٍ لَّعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ وَعَلَّمْنَاكُمْ مَا كُنَّا فَعَلِينَ (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی پھر دوبارہ انہیں بنایا جائے گا (5)۔

وَلَقَدْ كَسَبْنَا فِي الرَّبُّوبِيَةِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿٥﴾ إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿٦﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿٧﴾

”اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زیور میں چند موعظت کے (بیان کے) بعد کہ با شہ ز زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے۔ یقیناً اس قرآن میں کفایت ہے اس قوم کی (فلاح دارین کیلئے) جو عبادت گزار ہے۔ اور انہیں بھیجا ہم نے

1- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 99

2- سنن ابی، ذر، کتاب الادب، جلد 3 صفحہ 132

3- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 100

4- صحیح بخاری، تفسیر سورہ انبیاء، جلد 6 صفحہ 122

5- صحیح بخاری، تفسیر سورہ انبیاء، جلد 6 صفحہ 122

6- صحیح بخاری، تفسیر سورہ انبیاء، جلد 6 صفحہ 122

7- صحیح بخاری، تفسیر سورہ انبیاء، جلد 6 صفحہ 122

آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لئے۔“

اللہ تعالیٰ کا اپنے صالح بندوں کیلئے یہ حتمی فیصلہ ہے کہ وہ انہیں نہ صرف دنیاوی سعادت سے نوازتا ہے بلکہ اخروی سعادت سے بھی اور وہ نہ صرف دنیا میں زمین کے وارث ہیں بلکہ آخرت میں بھی وہ ارشِ جنتی کے وارث ہوں گے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَانْعَابِيَةَ بَلْسَقَيْنِ (الاعراف: 128) ”بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسکا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام پر ہمیزگاروں کیلئے ہے“، اِنَّا كُنْصُمْ نُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنَا فِي الْغَيْبِۃِ الدُّنْيَا وَ يَمُرُّ بِالْاَشْهَادِ (المومن: 51) ”بے شک ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی مدد کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ (گوای کیلئے) کھڑے ہوں گے۔“ وَعَاذَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰتَيْنَا مِنْهُ وَعَمَلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَيَلْبِئْسَ لَكُمُ وِجِيْلًا الَّذِيْ اسْتَخْلَفَ لَكُمْ (الزور: 55) ”اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بناے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کیلئے ان کے دین کو مستحکم کر دے گا جسے اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے۔“ اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ یہ شرعی اور قدری کتب میں مرقوم ہے اور اس کا وقوع یقینی ہے، اس لئے فرمایا: وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الْبُورِۃِ۔۔۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ زبور سے مراد تورات، انجیل اور قرآن ہے۔ مجاہد کے بقول اس سے مراد کتاب ہے۔ حضرات ابن عباس، شعبی، حسن، قتادہ وغیرہم کہتے ہیں کہ زبور سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد پر اتاری اور ”ذکر“ سے مراد تورات ہے۔ حضرت ابن عباس سے ذکر یعنی قرآن منقول ہے۔ سعید بن جبیر کا کہنا ہے کہ ذکر وہ ہے جو آسمان میں ہے مجاہد کا قول ہے کہ زبور سے مراد آسمانی کتابیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے (1)۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ یہی پہلی کتاب ہے یعنی لوح محفوظ جس میں پہلے لکھا جاتا تھا۔ ذکر سے یہی مراد ہے اور زبور سے مراد پختہ ہونے والی کتابیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تورات، زبور، اور علمِ خدا میں زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے ہی یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ امت محمد ﷺ نے زمین کی وارث بنے گی اور وہ نیکو کار بن کر جنت میں جائیں گے۔ بہت سے حضرات نے زمین سے مراد جنت کی زمین لی ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہی صالح لوگ ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد مومن ہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا: اِنَّ فِيْ هٰذَا لَآيٰتٍ لِّمَنْ يَّرٰى (یعنی اس قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر اتارا گیا، ان لوگوں کیلئے فائدہ اور کفایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ شریعت کے مطابق اس کی عبادت کرتے ہیں اور شیطان اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کیلئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے، جس نے اس رحمت کو قبول کر لیا اور اس نعمت کا شکر ادا کیا، وہ دنیا و آخرت میں سعادت مند اور کامیاب ہے اور جس نے اسے رد کر دیا اور اس کی ناشکری کی، وہ دنیا و آخرت میں ناسعد ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ يَرِۤى اَنَّ الَّذِيْنَ يَدٰنُوْا اَنْعَمْتَ اللّٰهُ لَعَنُوْا وَاَوْ اَحْسَبُوْا اَنْهُمْ دَامَ الْبُورِۃِ ﴿٢٨﴾ جَهَنَّمَ يَصَلُوْنَ نَهَاۗ وَ يَنْسُوْنَ الْفَرَۤاۤءَ (ابراہیم: 28-29) ”کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو بلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتارا۔ وہ اس میں جھوٹے جائیں گے اور یہ برا ٹھکانا ہے۔“ قرآن کریم کے متعلق فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِيْۤ اٰتٰنَا مِنْ سَمٰوٰتِنَا مِۤیۡ وَرِسَالًا ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ سُوۡٓرًاۙ اِذَا دُعُوۡاۙ وَ هُوَ سَمٰوٰتِيۡنَ عَمٰی ۙ وَالَّذِيۡنَ

يُنَادُونَ وَيُقَاتِلُونَ بَعِيدًا (حم السجدة: 44) ”فرمائیے یہ قرآن ایمان والوں کیلئے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پین ہے اور وہ ان پر مشتبہ رہتا ہے انہیں گویا دور کی جگہ سے بلایا جاتا ہے“، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! مشرکین کیلئے بددعا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے مہربان بنا کر بھیجا گیا ہے“ (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”أَنْتَ رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ“، یعنی میں وہ رحمت ہوں جو (بندوں کو) بطور تحفہ عطا کی گئی ہے (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی رحمت بنا کر بھیجا ہے جو (لوگوں کو) بطور تحفہ عطا کی گئی ہے، مجھے ایک قوم کی ترقی اور دوسروں کے تنزل کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔“ ابو جہل نے کہا کہ اے گروہ قریش! محمد یثرب میں مقیم ہو گیا ہے اور اپنے عسکری دستے ادھر ادھر تہاری تلاش میں بھیج رہا ہے، وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے، اس لئے اس کے رستے سے گزرنے یا اس کے قریب جانے سے احتیاط برتنا، وہ ایک خونخوار شیر کی طرح، تم پر سخت غضبناک ہے کیونکہ تم نے اسے جلا وطن کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! اس کے پاس ماہر جادوگر ہیں، میں اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ شیاطین دیکھتا ہوں۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اوس اور خزرج تمہارے دشمن ہیں جنہوں نے اس دشمن کو پناہ دے رکھی ہے، اس پر معظم بن عدی کہنے لگا: اے ابوالحکم! میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو تمہارے اس بھائی سے زیادہ سچا اور وعدہ کا پابند ہو جسے تم نے جلا وطنی پر مجبور کر دیا ہے۔ اب جب تم یہ کروت کر رہی چکے ہو تو اس سے بالکل الگ تھلگ ہو جاؤ اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ اس پر پوری سختی کرنی چاہیے، یاد رکھو اگر اوس اور خزرج نے تم پر فتح پالی تو وہ نہ قرابت داری کا لحاظ رکھیں گے اور نہ کسی عہد کا۔ میری خواہش تو ہے کہ مدینہ والوں کو نیست و نابود کر دوں۔ اگر تم میرا مشورہ مانو تو میں انہیں لشکر جرار کے ساتھ شکست فاش سے دوچار کروں گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں انہیں ضرور قتل کروں گا اور میں انہیں ضرور قید کروں گا، پھر احسان کرتے ہوئے انہیں آزاد کروں گا، میں رحمت ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب نہیں کرتا اس وقت تک میرا وصال نہیں ہوگا، میرے پانچ نام ہیں، میں محمد اور احمد ہوں، میں مامی ہوں کہ میرے سبب سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، میں حاضر ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں“ (3)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے، وہ وہاں رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے حذیفہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: ”میں نے غصہ میں آکر اگر کسی کو برا بھلا کہہ دیا ہو یا اس پر لعنت کر دی ہو، تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ میں انسان ہوں، تمہاری طرح مجھے بھی غصہ آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے، اس لئے میرے یہ الفاظ قیامت کے دن اس کیلئے رحمت ثابت ہوں گے“ (4)۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ ﷺ کفار کیلئے کیسے رحمت تھے تو اس کا جواب ابن جریر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومن کیلئے دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ دی جاتی ہے اور کافر کو اس دنیا میں ان عذابوں سے عاقبت میسر رہتی ہے جن سے پہلی آیتیں دوچار ہوئیں مثلاً زمین میں دھنسا اور آسمان سے پتھروں کی بارش ہونا (5)۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن

1- صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2006-2007

2- مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 35

3- تفسیر ابن کثیر، جلد 2 صفحہ 123-124

4- سنن ابی داؤد، کتاب السنن، جلد 4 صفحہ 215، مستدرک، جلد 5 صفحہ 437

5- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 106

عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے آپ ﷺ کی اتباع کی تو اس کیسے آپ ﷺ دنیا اور آخرت میں رحمت ہیں اور جس نے آپ کی اتباع نہ کی، اسے کم از کم دنیا میں عذاب سے نجات مل گئی جیسا کہ گذشتہ آیتیں عذاب میں مبتلا ہوتی تھیں (1)۔

قُلْ إِنَّمَا يُرِيدُ إِلَىٰ آتِنَا إِلَهُكُمْ إِلَهًا وَاحِدًا قَهْلَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ
 آذِنْتُمْ عَلَىٰ سَوْآتِهِ ۗ وَإِنْ أَدْرِي أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدٌ مَّا تَوَعَّدُونَ ﴿١١﴾ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ
 مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١٢﴾ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهٗ فَتَنَّتْ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١٣﴾
 قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٤﴾

”فرمادیتے ہیں کہ میرے پاس تو صرف یہ دینی آئی ہے کہ تمہارا خدا (وہی ہے جو) ایک خدا ہے۔ پس کیا تم اسلام لانے کیلئے تیار ہو۔ اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرمادیتے ہیں کہ میں نے آگاہ کر دیا ہے تمہیں پوری طرح۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ قریب ہے یا بعید جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو بات تم بلند آواز سے کہتے ہو اور جانتا ہے جو تم (اپنے دل میں) چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں (اس ڈھیل سے) شاید تمہارا امتحان لینا اور ایک وقت تک تمہیں لطف اندوز کرنا مطلوب ہو۔ آپ نے عرض کی میرے رب فیصلہ فرماوے (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ۔ اور (اے کفار!) ہمارا رب وہ ہے جو رحمن ہے اسی سے مدد و طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم کرتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ مشرکین سے یہ کہہ دیں: إِنَّمَا يُرِيدُ إِلَىٰ آتِنَا إِلَهُكُمْ إِلَهًا وَاحِدًا۔ یعنی میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے، کیا تم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرنے پر آمادہ ہو؟ اگر وہ روگردانی کریں اور آپ کی دعوت کو مسترد کر دیں تو انہیں یہ فرمادیں کہ میں تمہیں صاف صاف بتا رہا ہوں کہ میں تمہارا دشمن ہوں جس طرح تم میرے دشمن ہو اور جس طرح تم مجھ سے بیزار ہو اسی طرح میں تم سے بیزار ہوں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ إِنِّي عَدُوٌّ لِّكُمْ وَمَا بِي مِنْكُمْ أَدْرِي أَيُّكُمْ يَرْجُو مِنِّي وَمَنْ لِي بِهِ حَسْبٌ وَأَنَا تَوَّابٌ ﴿٤١﴾ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرمادیتے ہیں میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں تمہری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بیزار ہوں اس سے جو تم کرتے ہو۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَإِنَّمَا تَخَافُونَ مِنِّي تُؤْمَرُونَ بِحِيبَانَةٍ فَإِنِئْتُمْ عَلَىٰ سَوْآتِهِ لَنُصَلِّيَنَّ عَلَيْكُمْ عَلَىٰ سَوْآتِهِ ﴿٥٨﴾ اور اگر آپ کسی قوم سے حیات کا اندیشہ کریں تو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر پھینک دیں۔ یعنی آپ کو اور انہیں یکساں طور پر عہد کے ٹوٹنے کا علم ہو جائے، اسی طرح یہاں فرمایا: فَإِنْ تَوَلَّوْا... یعنی میں نے تمہیں اپنی بیزاری اور تمہاری بیزاری سے آگاہ کر دیا ہے اس لئے کہ مجھے اس کا علم ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَإِنْ أَدْرِي أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدٌ یعنی جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے، وہ یقینی طور پر پورا ہوگا لیکن اس کے قرب و بعد کا مجھے کوئی علم نہیں۔ فرمایا: إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَالسُّكْرَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی تمام غیب کو جانتا ہے اور اسے پورا پورا علم ہے جو بندے ظاہر کرتے ہیں اور جو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ وہ ظاہر، باطن اور نہایت مخفی چیزوں سے بھی واقف ہے، اس معلوم ہے کہ بندے سلائیہ اور پوشیدہ کیا کیا اعمال کرتے ہیں۔ جو بھی کسی کا چھوٹا بڑا ہو گا، اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا: وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهٗ فَتَنَّتْ لَكُمْ۔ یعنی کیا معلوم شاید اس مہلت سے تمہاری آزمائش اور

تفسیر ابن کثیر: جلد سوم

تمہیں کچھ وقت تک لطف امدوز کرنا مطلوب ہو۔ آخر میں فرمایا: قُلْ رَبِّ اجْعَلْ لِي قَلْبًا مِّنْكُمْ لَعَلِّي اَسْمِعُ مِمَّا يُفْتَحُ لِي مِنْهُ لَعَلِّي اذْكُرُ مَا نَسِيتُ۔ یعنی اسے میرے پروردگار! ہمارے درمیان اور اس جھٹلانے والی قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے۔ قنادہ کہتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام یوں دعا کیا کرتے تھے: رَبَّنَا افْتَحْ لِي قَلْبًا وَبَيِّنْ لِي قَوْلِي مَا بِالْحَقِّ وَارْتُدَّ عَلَيَّ حَقِّي (الاعراف: 89) ”اے ہمارے پروردگار! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور تو ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس قسم کی دعا کرنے کا حکم ہوا (1)۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ میں شریک ہوتے تو یہ دعا کرتے: قُلْ رَبِّ اجْعَلْ لِي قَلْبًا مِّنْكُمْ لَعَلِّي اَسْمِعُ مِمَّا يُفْتَحُ لِي مِنْهُ لَعَلِّي اذْكُرُ مَا نَسِيتُ۔ یعنی ہمارا پروردگار رحمن ہے جس سے تمہارے جھوٹ، بہتان اور افترا پر دوزی کے مقابلہ میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

سورہ حج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمۡ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُدْهَلُ كُلُّ
 مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَ مَا لَهُمْ
 بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ ۝

”اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے۔ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جاؤ گی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لخت جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا، اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الہی بڑا سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے جو اس ہانتہ ہوں گے)۔“

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تقویٰ کا حکم فرما رہا ہے اور قیامت کی ہولناکیوں، زلزلوں اور دیگر حالات سے خبردار کر رہا ہے۔ قیامت کے زلزلہ کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا یہ لوگوں کے اپنی قبروں سے اٹھنے کے بعد میدان حشر میں جمع ہونے کے دن وقوع پذیر ہوگا یا لوگوں کے اپنی قبروں سے اٹھنے سے پہلے زمین کا زلزلہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ اَرْضًا مُّطْرًا ۚ وَ اُخْرِجَتِ الْاَرْضُ نُحُشًا ۚ اَنْفَعَالِهَا (الزلزال: 2-1) ”جب پوری شدت سے زمین تھر تھرانے لگے گی اور زمین اپنے بوجھوں (دینوں) کو باہر پھینک دے گی۔“ وَ اُخْرِجَتِ الْاَرْضُ نُحُشًا ۚ وَ الْجِبَالُ قَدْ تَصَالٰتٌ كَالْعِهَادِ ۚ قِيَوْمَ هِيَ وَاَحَدًا ۙ وَ قَلَعَتِ الْوَاوِجِعَةَ (الحاقة: 14-15) ”جب زمین تھر تھر کانپے گی اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔“ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ زلزلہ دنیا کی ابتدا اور احوال آخرت کا نقطہ آغاز ہوگا۔ علقمہ اور عامر ثعنی کا قول ہے کہ یہ زلزلہ قیامت سے پہلے ہوگا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث صور میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے صور پیدا کیا اور اسے اسرافیل علیہ السلام کو دے دیا۔ وہ اسے اپنے منہ سے لگائے ہوئے آنکھیں عرش کی طرف اٹھائے ہوئے اس بات کے منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صور کیا ہے؟ فرمایا: قرآن (سینک)۔ عرض کی کہ وہ کس طرح کا ہے؟ فرمایا: وہ بہت بڑا قرآن ہے جس میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلا نفعیہ گھبراہٹ کا ہوگا، دوسرا موت کا اور تیسرا رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پہلے نفعیہ کا حکم دے گا تو تمام زمین و آسمان والے گھبراہٹ کا شکار ہو جائیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے، اسرافیل بغیر کسی توقف اور سستی کے لگا تار پھونکتے رہیں گے، اس نفعیہ کا ذکر اس آیت میں ہے: وَ هَا يُنْفِثُهَا لَآءُ الْاِلٰهِيَّةِ

وَاجِدًا قَامًا تَالِيًا قَوَائِمًا (ص: 15) ”چنانچہ پہاڑ بڑے بڑے ہو کر مٹی بن جائیں گے اور زمین ڈولنے لگے گی“، اس بارے میں فرمان ہے: يَوْمَ تَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ مَنجُورًا مِمَّا تَحْتُهَا الرِّجَالُ ﴿١٥﴾ فَتَكُونُ يَوْمَئِذٍ رِجَالًا مِّنْ حَتِّهَا (الانعام: 8-6) زمین اس طرح ڈولنے لگے گی جس طرح سمندر میں کشتی چکھو لے کھاتی ہے اور موجیں اسے تھپڑے مارتی ہیں یا جیسے کوئی لکڑی ہوئی قندیل ہوتی ہے جسے ہوا میں حرکت دیتی ہیں۔ لوگ سطح زمین پر دراز ہو جائیں گے۔ دودھ پلانے والیاں اپنے شیر خوار بچوں کو بھلا دیں گی، حاملہ عورتیں اپنے حمل سرائیں گی، بچے بڑھے ہو جائیں گے، شیطان ادھر ادھر بھاگے زمین کے کناروں پر پہنچ جائیں گے لیکن فرشتے انہیں ماریں گے تو وہ واپس لوٹ آئیں گے اور لوگ ایک دوسرے کو آدازیں دیتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے، اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرمایا: يَوْمَ تَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ مَنجُورًا مِمَّا تَحْتُهَا الرِّجَالُ ﴿١٥﴾ اسی اثناء میں زمین ایک طرف سے دوسری طرف تک پھٹ جائے گی، اس وقت بڑا ہولناک منظر ہوگا اور کبھی نہایت کرب اور مصیبت سے دوچار ہوں گے۔ آسمان کی طرف نظر اٹھائیں گے تو یہ پھٹ چکی ہوئی دھات کی مانند دکھائی دے گا۔ آفتاب اور ماہتاب بے نور ہو جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر نکھر جائیں گے پھر آسمان کی کھال ادھیڑ دی جائے گی۔ مردے ان حالات سے بے بالکل بے خبر ہوں گے۔ اس آیت کریمہ فَفَعَنَ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ (النمل: 87) میں جن لوگوں کی استثناء کی گئی ہے اس سے مراد شہداء ہیں۔ زندہ لوگ گھبراہٹ سے دوچار ہوں گے جبکہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کی شکر سے محفوظ رکھے گا۔ یہ گھبراہٹ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو بدترین مخلوق پر نازل ہوگا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ... وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (1)۔ یہ حدیث طبرانی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور دیگر کتب میں مذکور ہے اور بہت طویل ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ زلزلہ یوم قیامت سے پہلے ہوگا۔ چونکہ یہ قیامت کے بالکل قریب ہوگا، اس لئے اس کی اضافت قیامت کی طرف کی گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”اشرط الساعة“ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ ہولناکی، گھبراہٹ اور زلزلہ قبروں سے نکلنے کے بعد قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے ابن جریر کا پسند یہ قول یہی ہے۔ ان حضرات نے متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیزی سے چل رہے تھے کہ آپ ﷺ نے باواؤ بلند ان دو آیات يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ... کی تلاوت کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سنا تو انہوں نے اچی سواریاں روک لیں اور سمجھ گئے کہ آپ ﷺ کچھ فرمانا چاہتے ہیں۔ جب وہ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہوگا؟ یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ جہنم کا حصہ نکالو، عرض کریں گے: اے پروردگار! جہنم کا حصہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنمی ہیں اور ایک جنتی“۔ یہ سن کر صحابہ بہت افسردہ اور شکستہ خاطر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے جب صحابہ کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا: ”خوش ہو جاؤ اور عمل کرتے رہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تمہارے ساتھ وہ ایسی مخلوقیں ہیں کہ وہ جس کے ساتھ ہوں، اسے بڑھا دیتی ہیں یعنی یا جوع ماجوع اور وہ جو اولاد آدم سے مر گئے اور اولاد ابلیس“ یہ سن کر صحابہ کرام کا غم دور ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”عمل کرتے رہو اور خوش ہو جاؤ، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تم باقی لوگوں کے مقابلہ میں اتنے ہو جس طرح اونٹ کے پہلو میں یا جانور کے ہاتھ میں

واغ“ (1)۔ حضرت عمران بن حنین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیات دوران سفر نازل ہوئیں۔ جب ان کا نزول ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا دن ہے؟“ صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ ایسا دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ دوزخ کا حصہ نکالیں۔ عرض کریں گے کہ اپنے پروردگار! دوزخ کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نوسونانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں“ یہ سن کر مسلمان رونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”راست روی اور اعتدال اختیار کرو، ہر نبوت سے پہلے جاہلیت کا دور رہا ہے، اس زمانے والوں سے گنتی پوری کی جائے گی۔ اگر ان سے پوری ہوگی تو ٹھیک ہے ورنہ منافقین سے پوری کی جائے گی۔ تمہاری مثال اور باقی امتوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی جانور کے ہاتھ پر یا اونٹ کے پہلو میں داغ۔ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک چوتھائی ہو گے، اس پر صبح نہ اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی ہو گے، یہ سن کر صحابہ نے پھر نعرہ تکبیر بند کیا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں نصف تعداد تمہاری ہوگی اس پر بھی صحابہ نے تکبیر کہی۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم اس کے بعد آپ ﷺ نے دو تہائیاں فرمائیں یہ نہیں (2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر مدینہ شریف کے قریب پہنچ کر یہ فرمایا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ جو کثرت جن و انس میں سے ہلاک ہوئے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے جس میں یہ اضافہ بھی ہے: ”تم تو ایک ہزار اجزاء میں سے ایک جز ہو۔“ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم، عرض کریں گے: ”لَبَّيْنَا وَرَبَّنَا وَسَعْدَا يَا ك“ پھر ندا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنی ذریت میں سے جنہم کا حصہ نکالیں۔ عرض کریں گے: اے پروردگار! جنہم کا حصہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار سے نوسونانوے۔ اس وقت ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی، بچے بوزھے ہو جائیں گے اور لوگ مدہوش دکھائی دیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ مذاہب الہی بہت سخت ہوگا یہ بات صحابہ پر بہت شاق گذری یہاں تک کہ ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یا جوج ماجوج میں سے نوسونانوے اور تم میں سے ایک تم لوگوں کے مقابلہ میں اس طرح ہو جیسے سفید تیل کے پہلو میں ایک سیاہ بال یا سیاہ تیل کے پہلو میں ایک سفید بال۔ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک چوتھائی ہو گے۔ یہ سن کر ہم نے تکبیر کہی۔ پھر آپ نے فرمایا: ”اہل جنت کا نصف“ (3) اس پر بھی ہم نے اللہ اکبر کہا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک ندا دینے والے کو بھیج کر فرمائے گا: اے آدم! اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے جنہم کا حصہ نکالیں۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اے میرے رب! وہ کون ہے؟ کہا جائے گا کہ ہر سو سے نانوے“ یہ سن کر ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! پھر ہم میں سے نجات پانے والا کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ”کیا تمہیں اور اک ہے کہ تم لوگوں کے مقابلہ میں اس طرح ہو جیسے اونٹ کے سینے میں داغ“ (4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن تمہیں برہند پا، برہند بدن اور بے تختہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا۔“ حضرت

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ حج، جلد 12 صفحہ 28-30، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 435

2۔ رضی اللہ عنہ، الاحوذی، تفسیر سورہ حج، جلد 12 صفحہ 27-28، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 432

3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ حج، جلد 6 صفحہ 122، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 201-202

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 388

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عائشہ! وہ وقت اتنا سنگین اور شدید ہوگا کہ کسی کو ایسی بات سوجھے گی (یہ نہیں!)۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! قیامت کے دن کیا دوست کو دوست کی یاد آئے گی؟ آپ نے فرمایا: ”اے عائشہ! تین مواقع پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ میزان کے پاس جب تک اٹھال کی کمی یا زیادتی معلوم نہ ہو جائے، اٹھال نامے اڑانے جانے کے وقت جب تک وہ آدمی یا عورتیں ہاتھ میں نہ آجائیں اور اس وقت جب جہنم سے ایک گردن نکلے گی جو لوگوں کو لپیٹ لے گی اور سخت غضبناک ہو کر کہے گی کہ مجھے تین قسم کے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے۔ مجھے ایسے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو پکارتے رہے، دوسری قسم کے ان لوگوں پر مجھے مسلط کیا گیا ہے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتے تھے اور تیسری قسم کے جن لوگوں پر مجھے مسلط کیا گیا ہے وہ جاہل اور سرکش ہیں۔ چنانچہ وہ انہیں سمیٹ کر جہنم رسید کر دے گی۔ جہنم پر ایک ٹہا ہوگا جو بان سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اس پر کانٹے اور کندیاں ہوں گی جو ہر اس کو پکڑ لیں گی جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ لوگ اس پر سے بچنے کی طرف توجہ نہیں دیتے، ہوا کی طرح تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی سی رفتار کے ساتھ گزر جائیں گے اور فرشتے سلامتی کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ کچھ تو بالکل صحیح و سالم گزر جائیں گے، کچھ کو خراشیں آئیں گی اور کچھ اوندھے منہ جہنم میں گر جائیں گے۔“ (2)۔ قیامت کی ہولناکیوں کے بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن کے بیان کا یہ مقام نہیں، اس لئے فرمایا: **إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ** یعنی قیامت کا زلزلہ بہت شدید، خوفناک، بھیاں تک اور دل ہلا دینے والا ہے۔ رعب اور گھبراہٹ کے وقت دل کے ہتے کو زلزلہ کہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: **هَذَا لَيْكَ الْبُشَيْرُ الْكَلْبُ وَمِثْلُ ذَلِكَ الْإِنْفِرُ الْإِلَهِ** (الاحزاب: 11) ”اس موقع پر ایمان والوں کو خوب آرزو لیا گیا اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔“ اس کے بعد فرمایا: **يَذُوقُونَ فِيهَا** اس میں ضمیر شانہ ہے جس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: **يَذُوقُونَ فِيهَا كُلَّ مُذْقٍ** یعنی قیامت کی ہولناکی کے سبب دودھ پلانے والی ماں اپنے شیر خوار بیٹے کو دودھ پیتے ہوئے بھلا دے گی اور اس سے خائف ہو جائے گی حالانکہ وہ اسے سب سے زیادہ محبوب ہوگا اور وہ اس پر سب سے زیادہ مہربان ہوگی، اس طرح حاملہ اپنے حمل کی تکمیل سے پہلے ہی ساقط کر دے گی اور لوگ دہشت زدہ، حواس باختہ اور نشے میں مست دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ عذاب کی شدت کے باعث یہ کیفیت ہوگی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِعَدْوٍ عَرْمٍ وَيَشْتُمُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ۝ كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ

مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ ۝

”اور بعض ایسے لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں مہم کے بغیر اور بیرونی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔“

جس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا تو وہ اسے گمراہ کرے گا اور جو اسے بھڑکتی ہوئی

آگ کے مذاب کی طرف۔“

قیامت کی نکتہ بک کرنے والوں، مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت الہی کا انکار کرنے والوں، انبیاء کرام کے پیغام سے منہ موڑنے والوں اور کفر و انکار میں ہر سرکش شیطان کی اتباع کرنے والوں کی مذمت کی جا رہی ہے۔ یہ بدعتی اور گمراہ لوگوں کی حالت ہے جو حق سے اعراض برتتے ہیں، باطل کی پیروی کرتے ہیں، اس واضح حق کو ترک کر دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا اور اپنی

خواہشات و آراء پر مبنی بدعتوں کی دعوت دینے والے گمراہ سرخونوں کے اقوال کو تسلیم کرتے ہیں اس لئے اس قماش کے لوگوں کے متعلق فرمایا: **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَخْتَصِمُ**۔ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس خبیث نے کہا تھا کہ اپنے رب کے متعلق بتاؤ کہ وہ سوئے کا بنا ہوا ہے یا چاندی کا یا تانے کا؟ اس کی اس ہرزہ سرائی پر آسمان کڑکا اور اس خبیث کی کھوپڑی اڑ کر اس کے سامنے آ گئی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے بھی اس قسم کا سوال نبی کریم ﷺ سے کیا تھا کہ تمہارا رب موتی کا بنا ہوا ہے یا یاقوت کا؟ اس کی اس گستاخی پر فوراً بجلی گری اور اس نے اس منہ پھٹ کا کام تمام کر دیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ لَكُمْ فِي رَمَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تَرَابٍ ثُمَّ مِّن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّن عِلْقَةٍ ثُمَّ مِّن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لَّيْسَ بَيْنَ لَكُمْ ط وَ يُقْرَأُ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَسَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَدَّدٍ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِيَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّن يَمُوتُ وَمِنْكُمْ مَّن يُمِدُّ إِلَىٰ أُمْدٍ إِلَىٰ الْأَمْدِ لِيُكَيَّلَ لَكُمْ مِّن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَ تَرَىٰ الْأَرْحَامَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَّتْ وَأَنْبَتَتْ مِّن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَلِك بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَ أَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ ۝

”اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو (روزِ محشر) جی انھنے میں تو ذرا اس امر میں غور کرو کہ ہم نے ہی پیدا کیا تھا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے ٹوٹھڑے سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے بعض کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور بعض کی ناکمل تاکہ ہم ظاہر فرما دیں تمہارے لئے (اپنی قدرت کا کمال) اور ہم قرار دیتے ہیں رحموں میں جسے ہم چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر ہم نکالتے ہیں تمہیں بچہ بنا کر پھر (پرورش کرتے ہیں تمہاری) تاکہ تم پہنچ جاؤ اپنے شباب کو۔ اور تم میں سے کچھ (پہلے) فوت ہو جاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو پہنچا دیا جاتا ہے مگر عمر تک تاکہ وہ کچھ نہ جانے ہر چیز کو جاننے کے بعد اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہے پھر جب ہم اتار دیتے ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور چلتی ہے اور آگاتی ہے ہر خوشنما جوڑے کو۔ یہ (رنگارنگیاں اس کی دلیل ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو اور بلاشبہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شک نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا ان (مردوں) کو جو قبروں میں ہیں۔“

روزِ محشر جی انھنے اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ وقوعِ قیامت اور ہر ایک کو از سر نو پیدا کرنے پر اپنی قدرت کی دلیل (ابتداءً آفریش) بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ لَكُمْ فِي رَمَيْبٍ**۔ یعنی اگر تمہیں روزِ قیامت جی انھنے میں شک ہے تو تم اپنی پہلی دفعہ کی پیدائش اور اپنی اصلیت میں غور و فکر کرو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا یعنی ابو البشر آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے کی پھر حقیر سے قطرہ آب کے ساتھ تمہیں پیدا کیا۔ جس نے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد خون کے ٹوٹھڑے اور پھر کچھ دنوں کے بعد گوشت کے ٹکڑے کی شکل اختیار کر لی۔ دراصل ہوتا یوں ہے کہ جب نطفہ رحمِ مادر میں قرار پکڑ لیتا ہے تو چالیس دن اسی حالت میں

بڑھتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرخ گاڑھے خون کے لوتھڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے جس کی کوئی شکل و صورت اور خدو خال نہیں ہوتے۔ اس کے بعد اس کی شکل و صورت اور خدو خال نمایاں ہونے شروع ہوتے ہیں، سر، دونوں ہاتھ، سینہ، پیٹ، رانیں، پاؤں اور سب اعضاء بنتے ہیں۔ کبھی تو شکل و صورت اور خدو خال واضح ہونے سے پہلے ہی حمل گر جاتا ہے اور کبھی تکمیل کے بعد اس لیے فرمایا: **لَمْ يَمِنْ مُضَعَّةٌ مُّخَلَّقَةٌ وَغَدِيَةٌ مُّخَلَّقَةٌ** اس چیز کا مشاہدہ عموماً ہوتا رہتا ہے اور کبھی حمل رحم میں قرار پذیر ہو جاتا ہے اور ساقط نہیں ہوتا۔ جب اس لوتھڑے پر چالیس دن گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے درست کر کے سنوار دیتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ہوا سے خوبصورت یا بدصورت، مذکر یا مؤنث بنا دیا جاتا ہے، اس کا رزق اور اس کی موت کا وقت بھی لکھ لیا جاتا ہے اور یہ بھی کہ وہ سعید ہے یا شقی جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ نے بتایا اور آپ مجھے ہیں: ”تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اپنی ماں کے شکم میں چالیس راتیں جمع ہوتی رہتی ہے پھر چالیس دن تک جھے ہوئے خون کی صورت رہتی ہے، پھر چالیس دن کی لوتھڑے کی شکل پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اس کا رزق، اس کا عمل، اس کی موت کا وقت اور یہ کہ وہ سعادت مند ہے یا بد بخت، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے“ (1)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے، تو ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار! یہ مکمل تخلیق والا ہے یا نامکمل؟ اگر یہ کہا جائے گا کہ اس کی تخلیق نامکمل ہے تو وہ ذی روح بنتا ہی نہیں بلکہ رحم اسے خون کی شکل میں خارج کر دیتا ہے اور اگر کہا جائے گا کہ یہ مکمل تخلیق والا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے: اے پروردگار! یہ مذکر ہو یا مؤنث، شقی ہے یا سعید، اجل کیا ہے؟ اثر کیا ہے؟ کہاں مرے گا؟ پھر نطفہ سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ۔ پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رزق کون ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ۔ چنانچہ فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کی طرف جاؤ، اس میں تمہیں اس نطفہ کا سارا حال مل جائے گا۔ پھر اسے پیدا کیا جاتا ہے وہ اپنا مقررہ زندگی گزارتا ہے، اپنا رزق کھاتا ہے، معین مقامات پر چھٹا پھرتا ہے یہاں تک کہ جب پیام اجل آجاتا ہے تو مر جاتا ہے۔ اور اسے دفن کر دیا جاتا ہے جہاں دفن ہونا مقدر ہوتا ہے۔ پھر عامر شخصی نے اسی آیت **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنْ مَّا نُنزِّلُ فِي كِتَابِكُمْ** کی تلاوت کی۔ مضغ ہونے کے بعد پیدائش کا چوتھا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور وہ ذی روح بنتا ہے۔ اگر اس کی تخلیق نامکمل ہو تو رحم اسے خون کی شکل میں خارج کر دیتا ہے۔ اگر اس کی تخلیق مکمل ہو تو وہ ذی روح بن جاتا ہے۔ حضرت حدیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رحم میں نطفہ کے قرار پکڑنے کے چالیس یا پینتالیس دن بعد وہاں ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے: اے پروردگار! کیا یہ شقی ہے یا سعید؟ اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے اسے فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ پھر وہ پوچھتا ہے کہ یہ لڑکا یا لڑکی؟ جو جواب ملتا ہے فرشتہ اسے لکھ لیتا ہے، اسی طرح اس کا عمل، اثر، رزق اور اجل لکھ لی جاتی ہے پھر صحیفہ پلینٹ دیا جاتا ہے جس میں کی-بشئ ممکن نہیں“ (2)۔ اس کے بعد فرمایا: **لَمْ نُخَوِّعْكُمْ طِفْلاً** یعنی پیدائش کے بعد بچہ بدن، سماعت، بصارت، حواس، عقل بلکہ ہر اعتبار سے کمزور ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے تدریجاً قوت عطا فرماتا ہے اور اس کے والدین کو اس پر بہت مہربان اور شفیق بنا دیتا ہے، وہ دن رات اس کی خدمت کرتے ہیں اور اس پر جان چھڑکتے ہیں، اس لئے فرمایا: **لَمْ يَلَيْسَ لِقَوْلِهِمْ** یعنی اس کی قوتیں نشوونما پاتی ہیں اور وہ عالم شباب کو پہنچ کر خوبصورت اور تومند ہو جاتا ہے۔ بعض عفتوان شباب میں ہی اس دنیا سے چل بستے ہیں اور بعض بڑھاپے کی تکلیف میں مر جاتے ہیں، جب بدنی قوتیں

ضعف کا شکار ہو جاتی ہیں، عقل و ذہن کی صلاحیتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں اور انسانی دماغی عمل کا شکار ہو کر بچوں کی سی حرکتیں کرنے لگ جاتا ہے، اس لئے فرمایا: **يَكْفُرُ بِمَا يَكْفُرُ** .. اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: **اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسُفِّجَ بِهِ نَبَاتُ الْبَلَدِ كُلِّ حَيْثُ سَقِيَ بِهِ فَمِنْ ذَلِكَ نَبَاتٌ لَّهُ يَخْتَلِفُ حَسْبُ مَنْزِلِهِ مِنْهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ** (الروم: 54) ”اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور پیدا فرمایا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: ”بلوغت کو پہنچنے سے پہلے بچہ اگر نیکی کرے تو وہ اس کے والد یا والدین کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے اور اگر وہ برائی کرے تو اسے نہ اس پر لکھا جاتا ہے اور نہ اس کے والد پر۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تو اس پر قلم چلنے لگتا ہے۔ دو فرشتوں کو جو اس کے ساتھ مقرر کیے جاتے ہیں، حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کریں اور اس کا خیال رکھیں۔ جب وہ اسلام میں ہی چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تین بلاؤں سے امان دے دیتا ہے، جنوں، جذام اور برص سے۔ جب وہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے۔ جب وہ ساٹھ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پسندیدہ اعمال کے ساتھ اپنی طرف رجوع کی توفیق ارزانی فرماتا ہے۔ جب وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جب اسی برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں لکھتا ہے لیکن برائیوں سے تجاؤز کر لیتا ہے جب وہ نوے سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اسے اس کے اہل خانہ کا سفارش بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں امین اللہ کے لقب سے مشہور ہو جاتا ہے اور زمین میں وہ اللہ تعالیٰ کے قیدیوں کی طرح ہوتا ہے اور جب وہ مکی عمر کو پہنچتا ہے تا کہ سب کچھ جاننے کے بعد بے علم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں برابر وہ نیکیاں لکھتا رہتا ہے جو وہ اپنی صحت کے زمانے میں کیا کرتا تھا اور اگر اس سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اسے نہیں لکھا جاتا“ (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس میں شدید لگاوت ہے، اس کے باوجود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب ایک مسلمان چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چند بلاؤں سے تجاؤز دے دیتا ہے، جنوں، برص اور جذام سے۔ جب وہ پچاس برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب کو نرم کر دیتا ہے، جب وہ ساٹھ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی اثابت مرحمت فرماتا ہے جس کی بناء پر وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ جب وہ ستر برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت فرماتا ہے اور آسمان کے فرشتے بھی۔ جب وہ اسی برس کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو قبول فرمایا ہے اور اور اس کی برائیوں کو مٹا دیتا ہے اور جب اس کی عمر نوے برس ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے، زمین میں اسے ”أَسْوَىٰ اللَّهُ“ کا نام دیا جاتا ہے اور اس کے گھر والوں میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے“ (2)۔ اس کے بعد مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت پر ایک دوسری دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا: **وَتَسْمِي الْأَرْضِ مَهْمًا تَأْتِي** یعنی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر اسی طرح قادر ہے جس طرح وہ بخیر، خشک اور مردہ زمین کو زندہ کر کے اسے روئیدگی کی قوت عطا فرماتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ایسی زمین پر بارش برساتا ہے تو وہ ترونہ زہ ہو جاتی ہے، پھولتی ہے اور اس میں طرح طرح کی فصلیں اہلبانہ لگتی ہیں اور قسم قسم کے درخت اپنی بہار دکھانے لگتے ہیں۔ ایسی فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں جو رنگ، ذائقہ، خوشبو، شکل اور فوائد میں مختلف ہوتے ہیں، اس لئے فرمایا: **ذَلِكَ**

پاک اللہ۔ یعنی یہ رنگیتیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور مدبر ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، جس طرح وہ پتھر اور مردود زمین کو زندہ کر کے اس میں سے انواع و اقسام کی چیزیں اگاتا ہے اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرے گا۔ جو پہلی مرتبہ زندگی عطا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری مرتبہ بھی زندہ کر سکتا ہے، اسے ہر چیز پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف لفظ ”کن“ کہتا ہے تو وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے اور قیامت کا آنا بھی یقینی ہے اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو ضرور زندہ کر کے اٹھائے گا جیسا کہ فرمایا: **وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا دُونِي مَا خَلَقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ إِذْ تُخْرَجُونَ مِنْهَا قَوًى وَأَنزَلْنَا مِن سَمَوَاتِهِ مَاءً فَاخْرَجْنَا مِنْهَا خُبْرًا كُثْرًا سَاغً ۚ وَمِنْهُ يَخْرُجُ الْأَنْبِيُّ ۚ وَهُوَ يُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ بَشَرًا وَعَلَىٰ ذَٰلِكُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ مُدْرِجًا فِي الْغَايِبِينَ ﴿٨٠﴾** اور ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے لگا ہے اور اس نے اپنی پیدائش کو فراموش کر دیا ہے جتنا ہے کون بہ یوں کو زندہ کر سکتا ہے جب وہ یوسیدہ ہو چکی ہوں، فرمائیے انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ انہیں پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے جس نے تمہارے لیے سرسبز و درختوں میں آگ رکھ دی پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت ابو زین عقیلی نے جن کا نام لقیط بن عامر رضی اللہ عنہ ہے، عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور مخلوق میں اس کی نشانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم چاند کو یکساں طور پر نہیں دیکھتے؟ ہم نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تو بڑی عظمت والا ہے“۔ حضرت ابو زین کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا، کیا مخلوق میں اس کی کوئی نشانی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کسی پتھر وادی سے تمہارا گزر ہوا؟“ عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ”پھر تم نے وہ بارہ گزرے، وقت اسے سرسبز، شاہاب اور ابلہا تے ہونے نہیں دیکھا؟ عرض کی: بالکل معاملہ ایسا ہی ہے۔ فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور مخلوق میں یہی اس کی نشانی اور دلیل ہے“ (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت ابو زین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کیسے مردوں کو زندہ کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی قوم کی کسی ایسی زمین کے پاس سے گزرے ہو جو پہلے پتھر تھی لیکن جسے دوبارہ گزرے تو سرسبز و شاہاب دکھائی دے رہی تھی؟ عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسی طرح مردوں کو زندہ کر کے اٹھا جائے گا“ (2)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت کے وقوع میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا، وہ جنتی ہے (3)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِعَيِّيهِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٢٠﴾ تِلْكَ آيَاتُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ يُحَرِّمُونَ عَلَى النَّاسِ مِمَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ كَفْرًا وَبَغْيًا ۚ كَبِيرًا ﴿٢١﴾

”اور انسانوں میں ایسے گم بھی ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیہ علم کے اور بغیہ کسی روٹن کتاب کے۔ (تکبر سے) گردن مروڑے ہوئے تاکہ بہکاوے (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ ہی راہ سے اس کے لئے دنیا میں رسوائی سے اور ہم چکھائیں گے اسے قیامت کے دن جلانے والی آگ کا عذاب۔ (اس روز اسے بتایا جائے گا کہ) یہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنن، جلد 4 صفحہ 234، سنن ابن ماجہ، المقدمة، جلد 1 صفحہ 64

3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 11

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 11

سزا ہے اس کی جو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اوپر اپنے اس فرمان (وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ) میں گمراہ جاہل مقلدوں کا حال بیان فرمایا۔ اب یہاں گمراہی کی دعوت دینے والے کفر و بدعت کے سرغنوں کا حال بیان ہو رہا ہے، فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ۔ یعنی بعض لوگ بغیر عقلی اور نقلی دلیل کے صرف اپنی رائے اور خواہش نفسانی سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور جب انہیں حق کی دعوت دی جاتی ہے تو غرور و نخوت سے اپنی گردن پھیر لیتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول ”قُلِّي عَطِيفُهُ“ کا یہی معنی ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے سے تکبر کرتا ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی گردن کو مروڑ لیتا ہے اور تکبر کے باعث حق کی دعوت سے اعراض برتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَذِي مَوْتَى إِذْ أُمِرَ سَلُّهُ إِذْ يَفُوْعُونَ بِسُلْطَنِ مُهَيَّبٍ ۖ فَتَوَتَّىٰ بِرُكْبَةٍ (الذاریات: 38-39) ”اور موسیٰ علیہ السلام میں بھی جب ہم نے انہیں روشن سند دیکر فرعون کی طرف بھیجا تو وہ اپنے لشکر سمیت پھر گیا۔“ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ فَذُكِّرُوا صِلًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ أُفْتِنُوا بِهِمْ هُمْ كَالْبَعِضِ الَّذِي أُوذِيَ السَّمَكِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ (الانعام: 61) ”اور جب انہیں کہا جائے کہ آؤ اس (کتاب) کی طرف جو اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے اور رسول کی طرف تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ آپ سے روگردانی کر لیتے ہیں۔“ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّذَارُ عَوْسِهِمْ وَرَأَىٰ أَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ (المنافقون: 5) ”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت طلب کرے تو وہ (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ تکبر کرتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک رہے ہیں۔“ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: وَذَكَرْنَا لَكَ حَقَّكَ يَا سَائِسُ (لقمان: 18) ”اور لوگوں کی طرف سے اپنے رخسار کو نہ پھیرے۔“ وَإِذْ تُثَنَّىٰ عَلَيْكَ يَا سَائِسُ وَذَكَرْنَا لَكَ حَقَّكَ يَا سَائِسُ (لقمان: 7) ”اور جب اسے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ کے فرمان يُضِلُّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ..... میں بقول بعض لام عاقبت کا ہے کیونکہ بعض اوقات گمراہ کرنا مقصود نہیں ہوتا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لام تعلیل ہے۔ پھر اس سے مراد یا تو سرکش ہیں یا اس سے مراد ہے کہ ایسا کرنے والے کی جبلت میں یہ کمینگی اور بد خلقی رکھ دی گئی ہے تاکہ وہ دوسروں کو گمراہ کرتا رہے۔ پھر فرمایا: لَقَدْ فِي الدُّنْيَا..... یعنی دنیا میں اس کیلئے ابانت، ذلت اور رسوائی ہے۔ آیات الہی سے اعراض اور تکبر کرنے کی پاداش میں آخرت سے پہلے دنیا میں ہی ذلت اور رسوائی اس کا مقدر بن گئی۔ کیونکہ اس کی جدوجہد اور اس کا مبلغ علم صرف حصول دنیا تک محدود رہا اور قیامت کے روز اسے زبرد توخ اور مرزفش کرتے ہوئے کہا جائے گا: خُذْ ذُنُوبَكُمْ فَاغْتَبِئُوا إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۗ لَكُمْ فِيهَا مَأْوَىٰ ۖ وَسَاءَ لِمَن يَصْنَعُ مَأْوَىٰ ۚ (الدخان: 47-50) ”اسے چکرا لو پھر اسے گھٹیت کر جہنم کے وسط میں لے جاؤ، پھر عذاب دینے کیلئے اس کے سر پر کھولنا ہوائانی اندیلو، لوچھو تم بہت معزز و مکرم ہو۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم تک کیا کرتے تھے۔“ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے یہ روایت معلوم ہوئی ہے کہ ہر کافر کو ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ جلا یا جائے گا (1)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْبِدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَهُ فِتْنَةٌ أُنْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۗ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخَسِرَانُ الْمُبِينُ ۖ يَدْعُوا مِن

دُونَ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ كَمَا وَمَا لَا يَنْفَعُهُمْ ۗ ذَلِكَ هُوَ السَّلْطَنُ الْبَعِيدُ ﴿١٥﴾ يَدْعُوا الْمَنَاصِرَ كَمَا أَقْرَبُ
مِنْ نَفْعِهِ ۗ لَيْسَ الْمَوْتُ وَلَيْسَ الْعَشِيرُ ﴿١٦﴾

”اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی کنارہ پر (کھڑے کھڑے) پھر اگر پہنچے اسے بھلائی (اس عبادت سے) تو مطمئن ہو جاتا ہے اس سے۔ اور اگر پہنچے اسے کوئی آزمائش تو فوراً (دین سے) منہ موڑ لیتا ہے۔ اس شخص نے برباد کردی اپنی دنیا اور آخرت۔ یہی تو کھلا ہوا خسارہ ہے۔ وہ عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو ضرر پہنچا سکتا ہے اسے اور نفع پہنچا سکتا ہے اسے۔ یہی تو انتہائی گمراہی ہے۔ وہ پوجتا ہے اسے جس کی ضرر رسانی زیادہ قریب ہے اس کے نفع رسانی سے۔ یہ بہت بڑا دوست ہے اور بہت برا ساتھی ہے۔“

مجاہد، قتادہ وغیرہ کا قول ہے کہ ”حرف“ کا معنی شک ہے۔ دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ طرف کے معنی میں ہے۔ اسی کے کنارے کو ”حرف الخلی“ کہتے ہیں۔ آیت کریمہ میں اس شخص کا بیان ہے جو دین کے ایک کنارے پر کھڑا ہوتا ہے اگر مفاد حاصل ہو جائے تو دین سے وابستہ رہتا ہے ورنہ اس سے دست کش ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مدینہ آئے، یہاں اگر ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا اور ان کی اوشنیاں بچے جنمیں تو کہتے کہ یہ بہت اچھا دین ہے اور اگر ان کے ہاں اولاد پیدا نہ ہوتی اور نہ ہی ان کی اوشنیاں بچے جنم دیتیں تو کہتے کہ یہ بہت برا دین ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ کچھ بدو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیتے۔ جب وہ اپنے وطن کو لوٹتے تو اگر بارش ہو جاتی، زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی اور ان کے ہاں صحت مند اولاد پیدا ہوتی تو کہتے کہ یہ بہت عمدہ دین ہے چنانچہ وہ اسے تھامے رکھتے لیکن اگر قحط سالی سے واسطہ پڑ جاتا اور صحت مند اولاد پیدا نہ ہوتی تو کہتے کہ اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں میں سے جب کوئی شخص مدینہ آتا، یہاں آ کر اگر وہ صحت مند رہتا، اس کی گھوڑی بچھیرا جنتی اور اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو بہت مسرور اور مطمئن ہو جاتا اور بر ملا یہ کہہ اٹھتا کہ جب سے میں نے اس دین کو قبول کیا ہے، مجھے خیر ہی میسر آئی ہے اور اگر اسے مدینہ میں کوئی تکلیف لاحق ہو جاتی، اس کی بیوی لڑکی کو جنم دیتی اور صدق کا مال پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی تو شیطان اس کے پاس آدھمکتا اور وسوسہ اندازی کرتے ہوئے اسے کہتا کہ جب سے تو نے یہ دین قبول کیا ہے، تمہیں شر اور نقصان کے سوا کچھ نہیں ملا۔ یہ دراصل آزمائش تھی (2)۔ قتادہ، شحاک، ابن جریج اور دیگر سلف کا اس آیت کی تفسیر میں یہی قول ہے۔ عبد الرحمن بن زید کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں منافق کا حال بیان ہوا ہے، اگر دنیا اس کیلئے سازگار رہے تو وہ عبادت پر قائم رہتا ہے اور اگر دنیا اس کیلئے ناخوشگوار ہو جائے تو وہ دین سے من موڑ لیتا ہے اور صرف اس قدر عبادت کرتا ہے جس سے اسے دنیاوی مفاد حاصل ہو جائے اور اگر وہ فتنہ، شدت اور جنگ کا شکار ہو جائے تو دین اسلام کو ترک کر کے دوبارہ کفر اختیار کر لیتا ہے (3)۔ مجاہد اس فرمان انْقَلَبْ عَلٰی وُجُوْهِكُمْ مَطْلَب بتاتے ہیں کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنی دنیا بھی برباد کر لی اور آخرت بھی۔ کفر کرنے کے باعث دنیا میں اسے کچھ حاصل ہوا اور نہ آخرت میں اس کیلئے سوائے شقاوت اور اہانت کے کوئی چیز ہے، اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ هُوَ الْخَسْرَانُ الْعَظِيْمُ یعنی یہی بہت بڑا خسارہ اور واضح نقصان ہے اس کے بعد فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ دُوْنَ اللّٰهِ... وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے جنوں کی عبادت کرتا ہے، ان سے مدد اور رزق طلب

کرتا ہے جو نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے اور یہی انتہائی گمراہی ہے۔ وہ اس کو پکارتا ہے جس کی ضرور ساقی یعنی اور حتمی ہے۔ اس فرمان لپٹس کے متعلق مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد بت سے جی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ جس کی عبادت کرتا ہے وہ بہت ہی بڑا دوست اور ساتھی ہے۔ ”عشیر“ کا معنی ہے ساتھی۔ ابن جریر یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ چچا زاد اور دوست بہت ہی بڑا ہے جو ایک کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اگر خیر مل جائے تو اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر آزمائش کا سامن کرنا پڑ جائے تو اس سے منہ موڑ لیتا ہے (1)۔ لیکن مجاہد کا یہ قول کہ اس سے مراد بت ہے، زیادہ موزوں اور سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا أَنْهَارٌ لَيْسَ فِيهَا

اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ⑤

”بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے بغایت میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

بد بخت اور گمراہ لوگوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادتمند اور نیکو کار حضرات کا تذکرہ ہو رہا ہے جو صدق دل سے ایمان لائے، اپنے اعمال کے ذریعے اپنے ایمان کی تصدیق کی، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے اعمال صالحہ بجالاتے رہے اور برائیوں سے اجتناب کرتے رہے، اس سبب سے وہ جنت میں اعلیٰ درجات کے مالک بن گئے۔ ہدایت اور گمراہی چونکہ اللہ کے ہاتھ میں اس لیے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْسُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ

يُنْفِطِعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُدْهِبَنَّ كَيْدَهُ مَا يَغِيظُ ⑥ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ

يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ⑦

”اور جو شخص یہ خیال کئے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی مدد نہیں کرے گا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اسے چاہئے کہ لٹک جائے ایک رسی کے ذریعے چھت سے پھر (گلے میں چھند ڈال کر) اسے کاٹ دے پھر دیکھے آیا دور کر دیا ہے اس کی (خودکشی کی) تدبیر نے اس کے غم و غصہ کو۔ اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو روشن دہلیوں کے ساتھ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ جو شخص یہ خیال کیے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں حضرت محمد ﷺ کی مدد نہیں کرے گا، اسے چاہئے کہ وہ رسی کا پھند اپنے گلے میں ڈال کر چھت سے لٹک جائے اور پھر رسی کو کاٹ کر سر جائے۔ مجاہد، عکرمہ، عطاء، ابو الجوزاء، قتادہ اور دیگر حضرات کا بھی یہی قول ہے۔ عبدالرحمن بن زید اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ یہ آسمان تک پہنچنے کیلئے رسی کے ساتھ لٹک جائے کیونکہ حضور ﷺ کے پاس نصرت الہی کی آمد آسمان سے ہی ہوتی ہے، پھر آسمان کے بس ہیں ہو تو اس مدد کو کاٹ ڈالے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول لغوی لحاظ سے اور اس کافر کا تسخیر اڑانے کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ اس

صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ، اپنے دین اور اپنی کتاب کی مدد کرنے والا ہے، اگر اس کافر کو یہ بات ناقص برداشت ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے غضب کو فرو کرنے کیسے خود کو قتل کرے، اللہ تعالیٰ تو برصورت میں اپنے رسول ﷺ کا مددگار ہے جیسا کہ فرمایا: **إِنَّا لَنَنْصُرُ رَسُولَنَا وَأُوْلَئِكَ مِنَ الْخَبِيَةِ الثَّنَائِيَةِ وَيَوْمَ يَعْتَصِمُونَ الْإِسْهَادَ (المومن: 51)** ”بے شک ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی مدد کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں بھی اور اس دن بھی جب گواہ (گواہی کیلئے) کھڑے ہوں گے۔“ اس لئے فرمایا: **فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُدْرِكُهُ يَوْمَئِذٍ سَعْدٌ** کہہ رہے ہیں کہ وہ دیکھے یا اس کی تدبیر شان مصطفیٰ ﷺ کو ختم کر سکتی ہے، عطا خراسانی کہتے ہیں کہ وہ دیکھے کیا اس کی تدبیر اس کے سینے میں بھڑکنے والی آتش غضب کو بجھا سکتی ہے، اس کے بعد فرمایا: **وَكُنْ لَكَ آئَةٌ نُنَبِّئُ** یعنی ہم نے قرآن کریم کو ایسی آیات کیساتھ اتارا ہے جو لفظی و معنوی لحاظ سے واضح اور لوگوں پر حجت ہیں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ وہ کسی کو گمراہ کرے یا کسی کو ہدایت دے۔ یہ اس کی مشیت پر موقوف ہے، ہر ایک چیز میں اس کی حکمت کا فرما ہے۔ اس سے کسی کام کے متعلق بار پرس نہیں کی جاسکتی جبکہ لوگوں سے باز پرس ہوگی۔ وہ اپنی حکمت، رحمت، عدل، علم، قہر اور عظمت کے پیش نظر اس بات کا سزاوار ہے کہ ہر ایک سے حساب لے۔ اس کے حکم کو کوئی مسترد نہیں کر سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

إِنَّ الْإِنِّينَ أَمْوًا وَالْإِنِّينَ هَادُوا وَالضُّبَيْرِينَ وَالنُّضْرِيَّ وَالْمَجُوسَ وَالنَّبِيَّتَ أَشْرَكُوا

إِنَّ اللَّهَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ①

”بے شک اہل ایمان، یہودی، ستارہ پرست، عیسائی، آتش پرست اور مشرک۔ ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان (گمراہوں) کے درمیان قیامت کے دن۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔“

اللہ تعالیٰ مومنین اور دیگر اہل اویان، یہود، ستارہ پرستوں، نصاریٰ، آتش پرستوں اور مشرکین کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ فرمائے گا، اہل ایمان کو جنت میں اور اہل کفر کو دوزخ میں داخل کرے گا یونکہ اللہ تعالیٰ ان کے افعال کا مشاہدہ فرما رہا ہے اور ان کے اقوال اور دل کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے۔ ”صابنین“ کا بیان اور ان کے بارے میں اختلاف کا ذکر سورہ بقرہ میں ہو چکا ہے (1)۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّجَرُ وَالنَّجْمُ وَاللَّهُجُورُ

وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالذَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَقَابُ وَمَن يُهِنِ

اللَّهُ قِبَالَهُ مِنْ سُكُوتِهِ إِنَّ اللَّهَ يُفْعَلُ مَا يُشَاءُ ①

”کیا تم ملاحظہ نہیں کر رہے کہ اللہ تعالیٰ کو نبی سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے نیز آفتاب، مہتاب، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان بھی (اسی کو سجدہ کرتے ہیں) اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے۔ اور (دیکھو) جس کو ذلیل روئے اللہ تعالیٰ تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

صرف اللہ وحدہ لا شریک ہی مستحق عبادت ہے کیونکہ ہر چیز اس کی عظمت کے سامنے چاروناچار سراگتندہ اور سجدہ کر رہی ہے۔ ہر چیز کا سجدہ اس کی اپنی نوعیت اور بیعت کے مطابق ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ يَتَوَكَّلْ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدْ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (الحج: 18) یعنی آسمان کے کونے کونے میں فرشتے اور زمین کی ہر جہت میں جاندار یعنی انسان، جن، چوپائے اور پرندے۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ ذَهَبٍ وَّفِصْحًا لَّهُ عَيْنَ الْيَوْمِئِذِ وَ الشَّمٰوٰتِ لِيَسْجُدَ لَهٗ وَ هُمْ ذٰخِرُوْنَ (النحل: 48) ”کیا انہوں نے ان اشیاء کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا کیں کہ ان کے سامنے دائیں اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے بدلتے رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ انظارِ بصر کرتے ہیں“، وَ اِنَّ مِنْ شَيْءٍ مِّمَّنْ وَّجَّهَتْ وُجُوْهُهُمْ لِطَعْنِ الْيَوْمِئِذِ (سج: 44) ”اور کوئی بھی چیز نہیں مگر وہ اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرتی ہے“۔ اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور ستاروں کا نام لے کر اس لیے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں، ان پر واضح کر دیا کہ یہ بذاتِ خود اپنے خالق کے حضور سرسجود ہیں اور اس کے حکم کے پابند ہیں، اس لیے یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں، فرمایا: اَلَا تَسْجُدُ لِلَّذِيْنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ وَّ اللّٰهُ جَدُّ الْوَالِدِ الَّذِيْ عَلَّمَهُ حَقَّ الْقِسْمِ (حم السجدة: 37) ”سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا فرمایا“۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟“ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ عرشِ حق سجدہ کرنے چلا جاتا ہے، پھر اجازت طلب کرتا ہے۔ وہ وقت آنے والا ہے جب اسے حکم ہوگا کہ اسی جگہ لوٹ جا جہاں سے آیا ہے“ (1)۔ حدیث کسوف (گرہنِ دالی حدیث) میں ہے: ”سورج اور چاند اللہ کی مخلوق ہیں، انہیں نہ کسی کی موت پر گرہن لگتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش پر بلکہ اللہ تعالیٰ جب اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی فرماتا ہے تو وہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہے“ (2)۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ سورج، چاند اور ستارے جب غروب ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، جب تک انہیں واپس کی اجازت نہ ملے وہ سجدہ میں ہی رہتے ہیں، پھر اجازت ملنے پر وہ دائیں طرف سے ہو کر اپنے مطلع کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ پہاڑوں اور درختوں کا سجدہ ان کے سامنے کا دائیں بائیں پڑتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! آج میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں جب میں نے سجدہ کیا تو درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے اسے سجدہ میں یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس سجدہ کے بدلہ میں میرے لیے اپنے ہاں اجر لکھ لے، اس کے باعث میرے گناہ معاف فرمادے، اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرہ آخرت بنا دے اور میرا یہ سجدہ قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے آیت سجدہ پڑھی اور دورانِ سجدہ یہی دعا پڑھی جو درخت کے متعلق اس شخص نے بتائی تھی (3)۔ ”الدواب“ سے مراد تمام حیوانات ہیں۔ یہ بھی سجدہ کرتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بنالیا کرو کیونکہ بعض سواریاں اپنے سوار سے زیادہ اچھی اور زیادہ ذکر کرنے والی ہوتی ہیں“ (4)۔ یہی طرح اکثر انسان بھی برضا و رغبت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو تکبر کرتے ہیں اور عبادتِ الہی سے منہ موڑے رہتے ہیں، ایسے لوگوں پر عذابِ تعینی ہے۔ پھر فرمایا: وَ مَنْ لَيْسَ بِاَبْنِ حٰتِمٍ مِّمَّنْ

1- صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 131، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 139

2- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 308، مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 267 وغیرہ

3- عارضۃ الاحموزی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 80، سنن ابن ماجہ، کتاب القدر، جلد 1 صفحہ 334

4- سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 27

ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہاں ایک شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کا منکر ہے۔ آپ نے اسے فرمایا: اے شخص، یہ بتا اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی مرضی سے پیدا کیا ہے یا تیری مرضی سے؟ کہا کہ جیسے اس کی مشیت تھی۔ پھر آپ نے پوچھا کہ وہ تمہیں اپنی مشیت سے بیمار کرتا ہے یا تیری مشیت سے؟ کہا کہ جب اس کی مشیت ہو۔ پھر آپ نے پوچھا کہ جب وہ تمہیں شفا دیتا ہے تو اپنے ارادے سے دیتا ہے یا تیرے ارادے سے؟ کہا کہ جب اس کا ارادہ ہو۔ آپ نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے کہیں لے جائے تو تیری مرضی سے یا جو اس کی اپنی مرضی ہوگی؟ اس نے کہا کہ جیسے اس کی مرضی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس کے برعکس جواب دیتا تو میں تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب انسان آیت سجدہ پڑھتا ہے تو شیطان الگ تھلک ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے: ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کیا اور جنت حاصل کر لی۔ مجھے سجدہ کا حکم ہوا تو میں نے انکار کر دیا اور جہنم ہو گیا“ (2)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا سورۃ حج کو دو سجدوں کی وجہ سے باقی قرآن پر فضیلت ملی؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں اور جو شخص یہ دونوں سجدے نہ کرے، اسے چاہیے کہ وہ ان کی تلاوت ہی نہ کرے“ (3)۔ ابو جہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابہ کے مقام پر سورۃ حج کی تلاوت کی اور دو سجدے کئے۔ پھر فرمایا کہ اس سورت کو دو سجدوں کے باعث فضیلت ملی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قرآن کریم میں پندرہ سجدے پڑھائے، ان میں سے تین منصل میں اور دو سورۃ حج میں (4)۔ یہ روایات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

هٰذِهِ خِصْمٌ اخْتَصَمُوا فِي سَاءِ يَوْمٍ ۗ فَاَلَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ شِيَابٌ مِّنْ نَّسَائِمٍ ۖ يُصَبُّ
مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۗ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۗ وَلَهُمْ مَقَامٌ مِّنْ
حَدِيدٍ ۗ كَلِمًا اٰرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اٰعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوقُوْا عَذَابَ
الْحَرِيْقِ ۗ

”یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں۔ تو وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا تیار کر دیئے گئے ہیں ان کے لئے کیزے آتش (جہنم) سے اتر جایا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی۔ گل جائے گا اس کھولنے پانی سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے اور ان کی چڑیاں بھی گل جائیں گی۔ اور ان (کو مارنے) کے لئے گرز ہوں گے لوہے کے۔ جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرط رنج دالم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائیگا اس میں۔ اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ کا عذاب“۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ قسم لھا کر کہا کرتے تھے کہ آیت هٰذِهِ خِصْمٌ... حضرت حمزہ، عبیدہ، علی رضی اللہ عنہم اور بدر کے دن ان کے مقابلہ میں آنے والے کفار عقبہ، شیبہ اور ولید کے بارے میں نازل ہوئی (5)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ قیامت کے

2- صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 87

1- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 18

3- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 58، عارضۃ الاحوذی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 59

4- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 58، سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 335

5- صحیح بخاری، تفسیر سورۃ حج، جلد 6 صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 2323

دور میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی جست پیش کرنے کیسے، روزانہ ہو کر بیٹھ جانوں گا۔ حضرت قیس رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ انجی کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے میدان بدر میں ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دی یعنی مسلمانوں کی طرف سے حضرات علی، حمزہ اور عبیدہ رضی اللہ عنہم اور کفار کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ (1)۔ حضرت قتادہ اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان جھگڑا ہو گیا، اہل کتاب کہنے لگے کہ چونکہ ہمارا نبی تمہارے نبی سے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے اس لئے ہم تمہاری نسبت اللہ کے زیادہ قریب ہیں۔ مسلمان کہنے لگے کہ ہماری کتاب تمام کتابوں کا فیصلہ کرتی ہے اور ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اس لئے ہم تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ان پر غلبہ عطا کرتے ہوئے فرمایا: هٰذٰنِ خٰصٰلٰنِ (2)۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے دو گروہ ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومن اور کافر کی مثال بیان ہوئی ہے جن کا قیامت کے متعلق اختلاف تھا۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مومن اور کافر ہیں۔ حضرت مکرمہ رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دو جھگڑنے والے جنت اور دوزخ ہیں۔ دوزخ کا کہنا تھا کہ مجھے محل عقوبت بنا اور جنت کا تقاضا تھا کہ مجھے محل رحمت بنا۔ (3) مجاہد اور عطاء کا یہ قول کہ اس سے مراد کافر اور مومن ہیں، ان تمام اقوال کو شامل ہے اور وہ ائمہ بدر اور اس قسم کا کوئی اور واقعہ بھی اس کے ضمن میں آ سکتا ہے کیونکہ مومنین دین الہی کے طلبہ کے خواہاں تھے اور کفار اس کوشش میں تھے کہ وہ نورا ایمان کو بجھا دیں، حق کو تکست دے دیں اور باطل کو غالب کر دیں۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے یہ واقعی بہت اچھا ہے۔ اس لئے فرمایا: فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قٰتِلُوْهُمُ حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْ دِيْنِهِمْ يَكْفُرُوْنَ۔ یعنی کافروں کیلئے آتش جہنم کے ٹکڑے تیار کیے گئے ہیں۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ان کیلئے تانبے کے پزے تیار ہیں جو گرم کرنے پر بہت زیادہ گرم ہوتا ہے۔ مزید فرمایا: يُضَبُّ مِنْهُ فَوْقَ سُوْدُوْمٍ۔ یعنی ان کے اوپر کھولتا ہوا گرم پانی اندر لایا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کے اندر کی چربی اور انتڑیاں اور ان کی چیزیاں بھی پھل جائیں گی۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ان پر کھلا ہوا تانبا اندر لایا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ان کی چیزیاں نیچے گر پڑیں گی۔ حضرت ابو مریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: 'ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی اندر لایا جائے گا تو وہ ان کی کھوپڑیوں کو پار کرتا ہوا اور ان کے پیٹ سے ہوتا ہوا قدموں تک پہنچ جائے گا، پھر جیسے تھے ویسے ہو جائیں گے' (4)۔ عبد اللہ بن سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتہ کافر کے پاس کھولتے ہوئے پانی کا برتن دونوں کندوں سے پکڑ کر لائے گا جب وہ برتن اس کے منہ کے قریب کرے گا تو وہ کراہت سے منہ پھیر لے گا، فرشتہ کے پاس گرز ہوگا، وہ اس کے سر پر گرز کی ضرب لگا کر پھارے گا پھر برتن اس کے دماغ میں اندر لے دے گا، وہ پانی دماغ سے اس کے پیٹ میں پہنچ جائے گا، یہی مطلب اس فرمانِ مُصَدَّرٌ بہ (5)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'المر یہ ایک آنہی گرز زمین پر رکھ دیا جائے گا تو جن وانس سب مل کر بھی اسے زمین سے نہیں اٹھا سکتے' (6)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اگر یہ گرز کسی بیاز پر مار دیا جائے تو ریزہ ہو جائے۔ اس کی ضرب سے جہنمی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا۔ جہنمیوں کو پلائی

2- اللہ المستور، جلد 6 صفحہ 20

1- صحیح بخاری، جلد 6 صفحہ 177

4- ماخوذ عن الاحوان، اجواب عنہم، جلد 10 صفحہ 50-51

3- تیسری جلد، صفحہ 132-133، اللہ المستور، جلد 6 صفحہ 20

6- مسند احمد، جلد 3 صفحہ 29

5- اللہ المستور، جلد 6 صفحہ 21

جانے والی پھپھ کا ایک ڈول اگر دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا کا بدبو کے باعث جینا دو بھر ہو جائے“ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنہیوں کو یہ آہنی گرز مارے جائیں گے تو ایک ایک عضو الگ ہو کر ان کے سانسے گرنے کا اس وقت یہ موت کی تمنا کریں گے (2)۔ جب بھی یہ فرط رنج و الم سے آتش جہنم سے نکلتا چاہیں گے تو انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آتش جہنم نہایت سیاہ اور تاریک ہے، نہ اس میں شعلہ بھڑکتا ہے اور نہ انگارو دکھتا ہے، پھر انہوں نے اس آیت **كُلَّمَا أَسَآذُوا... كِي تَلَاوَتِ كِي (3)**۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ جنہی جہنم میں سانس نہیں لے سکیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! انہیں جہنم سے نکلنے کی کوئی امید ہی نہ رہے گی کیونکہ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، البتہ یہ ہوگا کہ آگ کے شعلے انہیں اونچالے جائیں گے لیکن فرشتوں کے گرز کھا کر پھر نیچے آ جائیں گے (4)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَذُو قُوَّةٍ أَعْدَابُ الْعَصِيفَةِ... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَفِيهِ لَكُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِينَ كُنْتُمْ بِهِ مُشْكِكِينَ (السجدة: 20)** اور انہیں کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔“ مطلب یہ کہ انہیں زبانی اور عملی دونوں قسم کے عذاب دیکر ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
يُحَلِّتُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَ لُؤْلُؤًا وَ لِيَا سُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۖ وَ هُذُوقًا إِلَى
الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَ هُذُوقًا إِلَىٰ صِرَاطٍ الْحَبِيبِ ۝

”یقیناً اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان بھی لے آئے اور عمل بھی نیک کرتے رہے جنتوں میں، بہتی ہیں جن میں نیچے مریاں انہیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی اور ان کی رہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ قول کی طرف۔ اور دکھایا گیا تھا انہیں راستہ اللہ تعالیٰ کا جو تعریف کیا گیا ہے۔“

قل ازیں اہل جہنم، ان کے عبرت کا عذاب اور ان کیلئے تیار شدہ طوق و زنجیر اور آگ کے لباس کا ذکر ہوا اب اہل جنت کا حال بیان ہو رہا ہے، فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ... یعنی جنت کے ہر طرف اور اس کے درختوں اور محلات کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اہل جنت جس طرح چاہیں گے ان کا رخ پھیر دیں گے، انہیں جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”مومن کو وہاں تک زیور پہنایا جائے جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے“ (5)۔ حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ جنت میں ایک فرشتہ ہے اگر میں اس کا نام لینا چاہوں تو اس کا نام بھی مجھے معلوم ہے۔ وہ اپنی پیدائش سے اہل جنت کیلئے زیور بنا رہا ہے اور قیامت تک وہ اس کام میں مشغول رہے گا۔ اگر جنت کا ایک کنگن ظاہر ہو جائے تو سورج کی روشنی اس طرح ختم ہو جائے جس طرح اس کے سامنے چاند کا نور جاتا رہتا ہے۔ دوزخوں کے کپڑوں کے مقابلہ میں جنتیوں کو ریشم کی پوشاکیں پہنائی جائیں گی جیسا کہ فرمایا: **طَيِّبَاتٌ مِّنْ ثَمَرٍ مُّتَمِّصَاتٍ وَ سَائِرٌ مِّنْ ثَمَرٍ مُّتَمِّصَاتٍ وَ سَائِرٌ مِّنْ ثَمَرٍ مُّتَمِّصَاتٍ ۖ إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَ كُنْتُمْ مُسْئِلِينَ (الذہر: 21-22)** ”ان کے اوپر باریک سبز ریشم اور اطلس کا لباس ہوگا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں**

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 83

2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 21

4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 238

3۔ مستدرک حاکم تفسیر سورہ حج، جلد 2 صفحہ 387، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 22، تفسیر طبری جلد 17 صفحہ 135

5۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 219، حسن نسائی، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 93 وغیرہ

نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔ (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا اصلہ ہے اور تمہاری کوشش مقبول ہوگی۔“ حدیث صحیح میں آتا ہے: ”تم ریشم مت پہنو کیونکہ جس نے اسے دنیا میں پہن لیا وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا“ (1)۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص آخرت میں ریشمی لباس سے محروم رہا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَلْيَايِسُوا فِيهَا لَحْيُونَ** (2)۔ اگلی آیت میں فرمان ہے: **وَهُنَّ ذَوَاتُ الْأَعْيُنِ الَّتِي أُسْتُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا سَاءَ مَا كَسَبُوا** (ایراہیم: 23)۔ ”اور داخل کیا جائے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، باغات میں جن کے نیچے نہریں جا رہی ہوں گی وہ ان میں اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ایک دوسرے کو ان کی دعا یہ ہوگی کہ تم سلامت رہو، وَالْمَسْكِينَةُ يَنْحَسِبُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ“ (سلم: 23)۔ ”وہاں ایک دوسرے کو ان پر ہر دروازے سے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے کہ تم پر سلامتی ہو جو اس کے جوتم نے صبر کیا، پس کیا عمدہ ہے آخرت کا گھر“، **لَا يَسْتَسْعَوْنَ فِيهَا لَعْوًا إِذْ لَا تَأْتِيهِمُ إِلَّا دُعَاؤُا وَسَلَامًا** (الواقفہ: 25-26)۔ ”نہ نہیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں، بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی“۔ **وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا كَلِمَةً وَسَلَامًا** (الفرقان: 75)۔ ”اور وہاں سلام اور دعا سے ان کا استقبال کیا جائے گا“۔ ان کے برعکس دوزخیوں کو خوب ذلیل کیا جائے گا اور انہیں زجر و توبیخ اور سزاؤں کرتے ہوئے کہا جائے گا: **ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ**۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَهُنَّ ذَوَاتُ الْأَعْيُنِ الَّتِي أُسْتُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا سَاءَ مَا كَسَبُوا**۔ ”جنتیوں کو تسبیح و تمجید کا اس طرح الہام ہوگا جیسے بلا قصد سانس آتا ہے“ (3)۔ بعض مفسرین نے قول طیب سے مراد قرآن کریم لیا ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد **إِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ بِالْمُنَافِقِينَ** اور بعض کے ہاں **إِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ بِالْمُنَافِقِينَ** سے مراد نبی میں راہ راست ہے۔ یہ معانی ہماری بیان کردہ تفسیر کے منافی نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ

سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَن يُدِ فِيهِ بِالْحَادِ يُظَلِّمُنِي فَمِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ﴿٣٠﴾

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور (دوسروں کو) روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جسے ہم نے (بلا امتیاز) سب لوگوں کے لئے (مرکز ہدایت) بنایا ہے یکساں ہیں اس میں وہاں کے رہنے والے اور پردہ کی۔ اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق تو ہم اسے پکھلائیں گے درودناک عذاب۔“

اللہ تعالیٰ کفار کی ہٹ دھرمی اور ان کی اس روش پر اظہارِ ناپسندندی کر رہا ہے کہ وہ اہل ایمان کو مسجد حرام جانے اور وہاں مناسک ادا کرنے سے روکتے ہیں اور اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی اس کے متولی ہیں حالانکہ اس کے متولی تو مصلیٰ بندے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اپنے مدنی ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ میں فرمایا: **يَسْتَوُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كُفْرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرًا بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ عَزَاوَجْهًا يُدْعَوْنَ إِلَىٰ سَبِيلِ اللَّهِ لِيُحْمَلَ ذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرًا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ عَلِيمٌ** (البقرہ: 217)۔ ”وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ماہ حرام میں جنگ کرنے

1- فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 284، مجمع مسم، جلد 3 صفحہ 1637

2- سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الصلاة جلد 2 صفحہ 422، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 23 وغیرہ

3- مجمع مسلم، کتاب البیوع، جلد 4 صفحہ 2180-2181، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 249

کا کیا حکم ہے۔ آپ فرمائیے کہ اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روک دینا اور اس میں بیٹے والوں کو اس سے نکال دینا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور یہاں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَعِيْنٌ يَّهْدِيْهِمْ جَهَنَّمَ كَمَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ لِيُكْفِرَنَّ عَنْهُمْ رِجْسَهُمْ اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ حُرْمَةٌ اَنْ يَكُوْنَتْ اِيْمَانُكُمْ اَنْ تَكُوْنُوا مِمَّنْ يَمُوتُ مِيتَةً مُّسْخَرًا لِّغَيْرِهِمْ اَلَمْ تَكُوْنُوْا اَعْمٰىءًا لِّمَا كَانُوْا مِمَّنْ يَمُوتُ مِيتَةً مُّسْخَرًا لِّغَيْرِهِمْ اَلَمْ تَكُوْنُوْا اَعْمٰىءًا لِّمَا كَانُوْا مِمَّنْ يَمُوتُ مِيتَةً مُّسْخَرًا لِّغَيْرِهِمْ اَلَمْ تَكُوْنُوْا اَعْمٰىءًا لِّمَا كَانُوْا مِمَّنْ يَمُوتُ مِيتَةً مُّسْخَرًا لِّغَيْرِهِمْ (الرد: 28) ”جو لوگ ایمان لائے اور جن کے دل ذکر الہی سے مطمئن ہوتے ہیں، سنو! اللہ کی راہ سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔“ یعنی اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ یاد الہی سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ فرمایا: الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ لِلنَّاسِ . یعنی یہ لوگوں کو مسجد حرام تک پہنچنے سے منع کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے سب کیلئے یکساں طور پر مرکز ہدایت بنایا ہے خواہ کوئی مقیم ہو یا غریب الیدیہ مسافر۔ مکہ کے رہنے والے اور باہر والے بھی مسجد حرام میں آ سکتے ہیں (1)۔ مجاہد، ابوصالح، عبدالرحمن بن سابط اور عبدالرحمن بن زید اس فرمان سَوَاءٌ اَعْمٰىءًا كَيْفَ... کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ کئی اور غیر کئی یہاں کی رہائش گاہوں میں یکساں حقوق رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق بن راہویہ کا مسجد خیف میں اختلاف ہو گیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف تھا کہ مکہ شریف کے مکانات ملکیت میں لائے جاسکتے ہیں، انہیں وراثت میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور انہیں کرائے پر بھی دیا جاسکتا ہے۔ اپنے موقف کی تائید میں انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے استدلال کیا، جس میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کل آپ مکہ میں اپنے گھر میں قیام کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عقیل نے ہزارے لیے کون سا مکان چھوڑا ہے“، پھر فرمایا: ”کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا“ (2)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کا گھر چار ہزار درہم میں خرید کر اسے قید خانہ بنا دیا۔ یہی مسلک طاؤس اور عمرو بن دینار کا ہے جبکہ اسحاق بن راہویہ کا موقف یہ تھا کہ مکہ کے مکانات نہ وراثت میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں اور نہ انہیں کرائے پر دیا جاسکتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت، مجاہد اور عطاء کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی دلیل حضرت علقمہ بن فضلہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں مکہ کے مکانات یونہی آزاد اور غیر ملکتی تھے۔ جسے ضرورت ہوتی دور رہائش کر لیتا اور اگر ضرورت نہ ہوتی تو کسی اور کی رہائش کیلئے چھوڑ دیتے (3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ شریف کے گھروں کو نہ بیچنا جائز ہے اور نہ کرائے پر دینا۔ حضرت عطاء، رحمۃ اللہ علیہ بھی حرم شریف کے مکانات کو کرائے پر دینے کی ممانعت کے قائل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ شریف کے گھروں کے دروازے بنانے سے منع کیا کرتے تھے کیونکہ تاج ان کے سھون میں ٹھہرا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت سمیل بن عمرو نے اپنے گھر کا دروازہ بنوایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا بھیجا۔ وہ کہنے لگے: اے امیر المؤمنین! میں معذرت خواہ ہوں، دراصل میں تاجر ہوں، میں نے اپنے چاندروں کو یہاں رکھنے کی غرض سے دروازے بنوائے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا کہ پھر تمہیں اس کی اجازت ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اہل مکہ! اپنے گھروں کے دروازے نہ رکھو تا کہ غریب الیدیہ مسافر جہاں چاہیں ٹھہر سکیں۔ عطاء فرماتے ہیں کہ مکہ والے اور باہر سے آنے

2- فتح الباری، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 450، صبح مسہر، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 984

1- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 137

3- سنن ابن ماجہ، کتاب النساک، جلد 2 صفحہ 1037

والے جہاں چاہیں رہائش اختیار کریں۔ (1) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفہ مروی ہے کہ جس نے مکہ کے گھروں کا کرایہ کھایا، اس نے آگ کھائی۔ امام احمد رضی اللہ عنہ نے فریقین کے دلائل کو جمع کرتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کی ہے، ان کا مسلک یہ ہے کہ مکہ کے مکانات کی ملکیت اور وراثت تو جائز ہے لیکن انہیں کرائے پر دینا ناجائز ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَقَضَىٰ يُؤَدُّ فِيمَا يَلْتَمَسُ..... بعض مفسرین نے ”بالحداد“ میں بآ کو زائد قرار دیا ہے جیسا کہ ”تَبَّتْ بِالذُّهْنِ“ میں۔ سب سے عمدہ وہ جہد یہ ہے کہ یہاں فعل اپنے ضمن میں ”يُؤَدُّ“ کا معنی لیے ہوئے ہے، اس لیے بآ کے ساتھ متعدی ہوا ہے۔ ”الحداد“ سے مراد کبیرہ قبیح گناہ ہیں۔ ”بِظَلْمٍ“ سے مراد ہے دانستہ اور قصداً، نہ کہ تاویل کی رو سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ظلم بمعنی شرک بھی منقول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ظلم سے مراد غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ظلم کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ حرم شریف میں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھ لینا مثلاً گناہ، بدسلوکی اور قتل (2)۔ حرم شریف کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر کوئی اجنبی بھی یہاں برے کام کا عزم کر لے تو اسے سزا ہوگی اگرچہ وہ اس کا مرتکب نہ بھی ہوا ہو جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص عدن میں ہو اور حرم شریف کے الحاد کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ دردناک عذاب کا ذائقہ چکھائے گا (3)۔ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو مرفوع بیان نہیں کرتے۔ اس کا موقوف ہونا مرفوع ہونے کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صرف برائی کا ارادہ کرے تو وہ اس پر نہیں لکھی جاتی لیکن اگر کوئی شخص عدن میں بھی بیٹھ کر بیت اللہ شریف کے کسی آدمی کے قتل کا منصوبہ بنائے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے دردناک عذاب کا ذائقہ چکھائے گا۔ ضحاک بن مزاحم کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں قسمیں اٹھانا بھی الحاد ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں اپنے خادم کو گالی دینا بلکہ اس سے بھی کمتر چیز ظلم میں داخل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں کسی امیر کا تجارت کرنا الحاد و ظلم ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں اتنا بیچنا الحاد ہے۔ حضرت حبیب بن ابی ثابت کا قول ہے کہ مکہ میں ذخیرہ کرنا الحاد ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مکہ میں اتنا بیچنا ذخیرہ کرنا الحاد ہے“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ فرمان وَقَضَىٰ يُؤَدُّ فِيمَا يَلْتَمَسُ..... عبداللہ بن انیس کے بارے میں نازل ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک مہاجر اور ایک انصاری کے ساتھ بھیجا تھا۔ یہ تینوں اپنے اپنے نسب پر فخر کرنے لگے۔ عبداللہ بن انیس نے غصہ میں آکر انصاری کو قتل کر دیا۔ پھر مرتد ہو گیا اور مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس شخص نے اسلام سے روگردانی کر کے حرم میں پناہ لے لی، اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھایا جائے گا۔ یہ آثار اگرچہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ سب چیزیں الحاد میں شامل ہیں لیکن دراصل یہ لفظ عام ہے۔ یہ نہ صرف ان اشیاء کو شامل ہے بلکہ اس میں ان سے بھی بڑی چیز کے متعلق تعبیر موجود ہے کہ جب ہاتھی والوں نے بیت اللہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیجے جنہوں نے ان پر ٹکریاں برسائیں اور انہیں نیست و نابود کر دیا اور بیت اللہ کے متعلق ہر بری نیت رکھنے والے کیلئے انہیں عبرت کا سامان بنا دیا۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک لشکر بیت اللہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے گا جب وہ وسیع میدان میں پہنچیں گے تو ان کے اگلے پچھلے سبھی زمین میں دھنسا دیے جائیں گے“ (4)۔ حضرت

1- مصنف عبدالرزاق، باب الکراء فی الحرم، جلد 5 صفحہ 147-149، سنن دارقطنی، کتاب امیر، جلد 3 صفحہ 57

2- مذکورہ آثار دیکھنے بغیر طبری، جلد 17 صفحہ 140-141

3- مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 387-388، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 428

4- صحیح بخاری، کتاب امیر، جلد 3 صفحہ 86، صحیح مسلم، کتاب القنن، جلد 4 صفحہ 2209

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حرم شریف میں الحاد سے بچیں کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”یہاں ایک قریشی الحاد کرے گا، اگر اس کے گناہوں کا تمام جن و انس کے گناہوں سے وزن کیا جائے تو بھی بڑھ جائیں، اس لئے خیال رکھنا، وہی شخص نہ بن جانا (1)۔“

وَ اذْبُوْا اَنْ اِلٰی بُرْهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَا تُشْرِكَ فِيْ شَيْئًا وَّ حَلِّقُوْا بَيْتِيْ لِطَآئِفٍ مِّنْهُمْ
الْقَائِمِيْنَ وَ الرُّكْعَةَ السُّجُوْدَ ۝ وَاذْنُ فِي الثَّالِثِ بِالْحَاجِّ يَأْتُوْكَ سِرْجًا لَّا وَّ عَلٰى كُلِّ صَاحِبٍ
يَأْتِيْنِ مِنْ كُلِّ قَبْلَةٍ عَيْتِيْ ۝

”اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس گھر (کے تعمیر کرنے) کی جگہ اور حرم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے۔ اور اعلان عام کرو دو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پایادہ اور ہر دلی اونچی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے۔“

غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اور شرک کا ارتکاب کرنے والے قریش کو اس بات پر سرزنش اور جروتوبخ کی جا رہی ہے کہ انہوں نے بیت اللہ میں شرک کو رواج دے رکھا ہے حالانکہ اول دن سے ہی اس کی بنیاد اللہ وحدہ لا شریک کی توحید اور عبادت پر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے اپنے گھر کی جگہ کا تعین کیا اور انہیں اس کی تعمیر کی اجازت عطا فرمائی۔ اس آیت سے ان بہت سے حضرات نے استدلال کیا ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ بیت اللہ شریف کے پہلے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جیسا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسجد حرام“ میں نے عرض کی کہ پھر کونسی؟ فرمایا: ”بیت المقدس“ میں نے عرض کی کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ فرمایا: ”چالیس سال“ (2)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّ هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ آل عمران: 96) ”بے شک (عبادت) خانہ جو لوگوں کیلئے بنایا گیا ہے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑی برکت والا، سب جہانوں کیلئے سرچشمہ ہدایت۔“ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ عَصَا نَاقِيْ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۲۶﴾ اَنْ حَلِّقُوْا بَيْتِيْ لِطَآئِفٍ مِّنْهُمْ وَ الرُّكْعَةَ السُّجُوْدَ ﴿۱۲۷﴾ البقرہ: 125) ”اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو تاکید کر دی کہ میرا گھر خوب صاف ستھرا رکھنا طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے۔“ بیت اللہ شریف کی تعمیر کا تفصیلی ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ یہاں فرمایا: اَنْ لَا تُشْرِكَ ... یعنی اسے صرف میرے نام پر تعمیر کرنا، میرے اس گھر کو شرک سے پاک رکھنا اور اسے ان کیلئے خاص کر دینا جو موصد ہیں۔ طواف ایسی عبادت ہے جو بیت اللہ کے ساتھ خاص ہے، اسے کسی اور جگہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ”تخلین“ کا مطلب ہے نماز میں قیام کرنے والے، اس لئے فرمایا: وَ الرُّكْعَةَ السُّجُوْدَ۔ طواف کو نماز کے ساتھ ملا کر ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں عبادات بیت اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ بیت اللہ کے ارد گرد طواف کیا جاتا ہے اور یہی نماز کا قبلہ ہے سوائے چند مستثنیات کے یعنی جب قبلہ انسان پر مشتبہ ہو جائے، یا دوران جہاد یا دوران سفر نفل نماز میں۔ ان حالات میں اگر رخ قبلہ کی طرف نہ ہو تو بھی نماز ہو جائے گی۔ اس کے بعد فرمایا: وَاذْنُ فِي الثَّالِثِ بِالْحَاجِّ یعنی اس گھر کے حج کا اعلان عام کر دیں جس کی تعمیر

کا حکم ہم نے تمہیں دیا تھا۔ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میری آواز لوگوں تک کیسے پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اعلان کریں، آواز کو پہنچانا میرے ذمے ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے بقول بعض مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بعض کہتے ہیں کہ صفا پہاڑی پر اور بعض کے نزدیک جبل ابونیس پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! تمہارے پروردگار نے اپنا ایک گھر بنایا ہے اس کا حج کرو۔ کہا جاتا ہے کہ اس اعلان پر پہاڑ جھٹک گئے یہاں تک کہ آپ کی آواز زمین کے کونے کونے میں پہنچ گئی اور جو ماں کے رحم میں اور باپ کی پشت میں تھے، انہوں نے بھی اس آواز کو سن لیا، ہر درخت، پتھر، ڈھیلے اور اس شخص نے جس کے مقدر میں حج کرنا لکھا تھا، ”لَيْلَتِ الْاَلْهَمِ تَيْنَتِ“ پکار کر جواب دیا حضرات ابن عباس، مجاہد، عفرہ، سعید بن جبیر اور دیگر متعدد مفسرین سے یہ منقول ہے (1)۔ اس کے بعد فرمایا: يَا تَوَكُّلَٰهٖ جَا لًا وَّ عَلٰى كُلِّ صَاحِبٍ اَس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کو قدرت حاصل ہو، اس کا پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے کیونکہ پہلے پیدل سفر کرنے والوں کا ذکر ہوا ہے جو ان کی خصوصی اہمیت، غیر معمولی ہمت اور عزمِ صمیم کی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری یہ تمنا باقی رہ گئی ہے کہ کاش میں پیدل حج کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَا تَوَكُّلَٰهٖ جَا لًا لیکن اکثر علماء کا موقف ہے کہ سواری پر حج کرنا افضل ہے۔ آیت کریمہ میں لفظ ”فج“ سے مراد رستہ ہے جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيهَا قَنَاطِرًا جَا سِبَ لًا (الانبیاء: 31) ”اور ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں بنا دیں“ اور عیسیٰ کا معنی ہے بعید اور دور دراز۔ یہ آیت حضرت ابراہیم کی اس دعا کی طرح ہے۔ فَاجْعَلْ اَفْوٰجَنَا فِی السَّابِیْئِیْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِمْ (ابراہیم: 37) ”بس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں“۔ کوئی بھی ایسا مسلمان نہیں ہے جو زیارت کعبہ کا مشتاق نہ ہو اور اس کے دل میں طواف کی تڑپ نہ ہو۔ زمین کے کونے کونے سے لوگ اس کی طرف کھینچے چلتے ہیں۔

لَيْسَ هُمْ اَوْ اَمْبَا فِہٖ لَہُمْ وَا یَدُ کُو وَا سَمِ اللّٰہِ فِیْ اَیَّامِ مَعْلُوْمَتِ عَلٰی مَا سَا رَ قَہُمْ مِنْ بَیْہِمَۃِ
اَلْاَنْعَامِ ۚ فَکُلُوْا مِنْہَا وَا طْعَمُوْا اَلْبَاسِ الْفَقِیْرِ ۝ ثُمَّ لَیَقْضُوْا لَکُمْ لَہُمْ وَا لَیُوْفُوْا
نُدُوْرَہُمْ وَا لَیَطَّوْفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ۝

”اعلان کیجئے“ تاکہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی و دنیوی) فائدوں کے لئے اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا مقررہ دنوں میں ان بے زبان جو پائیوں پر (ذبح کے وقت) جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ پس خود بھی کھاؤ ان سے اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج کو بچھڑا جانے کو دور کریں اپنی سیل کیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور طواف کریں ایسے گھر کا جو بہت قدیم ہے۔“

منافع سے مراد دنیا و آخرت کے فوائد ہیں۔ اخروی منفعت رضائے الہی کا حصول ہے اور دنیاوی منفعت وہ ہے جو تجارت وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: لَیْسَ عِیْنُکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَاَصْلَ حَیْثُ نَبْتُمْ (البقرہ: 198) ”تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم (حج کے ساتھ ساتھ) اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو“۔ ایام معلومات (مقررہ) سے مراد ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔ حضرت ابن عباس، ابو موسیٰ اشعری، مجاہد، قتادہ، عطاء، سعید بن جبیر، حسن، ضحاک، عطاء خراسانی اور ابراہیم نخعی کا یہی قول ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے اور امام احمد بن حنبل کا بھی مشہور مذہب یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”باقی دنوں کا عمل ان دنوں

کے عمل سے افضل نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ جہاد بھی نہیں؟ فرمایا: جہاد بھی نہیں سوائے اس جہاد کے جس نے اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ راہ خدا میں نثار کر دیا اور کوئی چیز بھی نہ بچائی“ (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دس دنوں سے زیادہ کوئی دن عظیم نہیں اور نہ ہی ان دنوں کے عمل سے زیادہ باقی دنوں کا عمل زیادہ محبوب ہے، اس لیے ان میں قلیل، تکبیر اور تمہید کی کثرت کیا کرو“ (2)۔ حضرات ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما ان دس دنوں میں بازار میں نکل آتے اور تکبیریں کہتے۔ لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیریں کہتے (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی دس دنوں کی قسم اپنے اس فرمان میں اٹھائی ہے: ذَا الْقَعْبِ وَالْكَوْبِ وَالْغَيْبِ (4)۔ بعض سلف کا کہنا ہے کہ: ذُو اَشْتِئْتِهَا يَعْشِبُ (الاعراف: 142) سے مراد بھی یہی دس دن ہیں۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس عشرہ کے روزے رکھتے تھے (5)۔ ان دنوں میں عرفہ کا دن شامل ہے جس کے روزہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے (6) اور ان دنوں میں قربانی کا دن بھی شامل ہے جو حج اکبر کا دن ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سب دنوں سے افضل ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ دس دن سال کے تمام دنوں سے افضل ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ بہت سے حضرات نے ان دس دنوں کو رمضان شریف کے آخری عشرہ پر فضیلت دی ہے کیونکہ نماز، روزہ صدقہ اور دیگر عبادات جو رمضان شریف میں ہوتی ہیں، وہ سب ان دنوں میں بھی ادا کی جاتی ہیں اور حج کی امتیازی خصوصیت اس پر مستزاد ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ کو ان دس ایام پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے کیونکہ اس میں شب قدر آتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ دیگر حضرات نے زفریقین کے دناں کے درمیان تقیین کرتے ہوئے اور درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دس دن افضل ہیں اور رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں افضل ہیں۔ ”ایام معلومات“ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے مراد قربانی کا دن اور اس کے بعد کے تین دن ہیں۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر اور ابن عباس نخعی سے یہی مروی ہے اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان مقررہ دنوں سے مراد قربانی کا دن اور اس کے بعد کے دو دن ہیں اور ”ایام معدودات“ سے مراد قربانی کے دن کے بعد والے تین دن۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے (7)۔ سدی کا بھی یہی کہنا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی۔ یہی موقف ہے، اس کی اور اس سے پہلے قول کی تائید اس فرمان علی مآثر ذَقْنَهُمْ يَوْمَ بَيْهَاتِهِمْ اَنْ لَعَاوَر سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے مراد جانوروں کی قربانی کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے۔ اس سلسلہ میں چوتھا قول یہ ہے کہ یہ مقررہ دن عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور اس کے بعد کا ایک دن ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ حضرت اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دنوں سے مراد یوم عرفہ، یوم نحر اور یام مقررہ ہیں۔ بَيْهَاتِهِمْ اَنْ لَعَاوَر سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہیں جیسا کہ سورۃ النعم کی اس آیت تَنْبِيْةً اَزْوَابِهِم (الانعام: 143) میں ان کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ پھر فرمایا: فَكَلَّمُوا مِنْهَا... اس سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ قربانی کا گوشت کھانا واجب ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ یہ رخصت ہے یا استحباب جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب قربانی کی تو آپ

2- مسند احمد، جلد 2 صفحہ 75-131-132

1- صحیح بخاری، کتاب العیدین، جلد 2 صفحہ 24، سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 325 وغیرہ

5- سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 325

3- صحیح بخاری، کتاب العیدین، جلد 2 صفحہ 24

6- صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 818-819

7- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 38

نے حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت سے ایک کلو اٹکال کر پکایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہ گوشت کھایا اور اس کا شور بہ بیا (1)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ قربانی کرنے والے اپنی قربانی کا گوشت کھائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكُلُوا مِنْهُمَا حَضْرَتِ لَيْثِ كَابِحِي قَوْلِ هِيَ۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکین اپنی قربانیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ مسلمانوں کو اس کی اجازت دے دی گئی۔ جو چاہے کھالے اور جو نہ چاہے، نہ کھائے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ فرمان ”فَكُلُوا مِنْهُمَا“ اس فرمان کی طرح ہے: وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدہ: 2) ”اور جب احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو“۔ اور اس فرمان کی طرح: قَوْلًا اَفْضَيْتِ الصَّلَاةَ فَانْتَهَى اَنِي الْاَمْرُضِ (الجمعة: 10) ”پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ“ (2)۔ یعنی ان آیات میں بھی امر و وجوب کیلئے نہیں بلکہ رخصت اور استحباب کیلئے ہے۔ امام ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے، بعض علما کا خیال ہے کہ قربانی کے گوشت کے دو حصے کیے جائیں۔ نصف قربانی کرنے والے کیلئے اور باقی نصف فقراء کو صدقہ کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَكُلُوا مِنْهُمَا .. ایک دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے، ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیا جائے ایک حصہ ہدیہ کر دیا جائے اور ایک صدقہ کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكُلُوا مِنْهُمَا وَاطْعَمُوا الْقَائِلَةَ وَالْمُعْتَمِرَةَ (الحج: 36) اس کا مکمل بیان عنقریب ہوگا۔ حضرت عکرمہ کے بقول ”البناس الفقير“ سے مراد وہ مجبور اور معصیت زدہ انسان ہے جو ضرورت کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا۔ مجاہد کے نزدیک بھی اس سے مراد وہ فقیر ہے جو کسی کے سامنے اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایانج ہے۔ مقاتل بن حیان کے بقول اس سے مراد تباہ ہے۔ اس کے بعد فرمایا: لَمْ يَلْقَ فَوْقَهُمْ حَضْرَتِ ابْنِ عَبَّاسٍ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ احرام کھول دیں، سر منڈوائیں، کپڑے پہن لیں، ناخن کٹوائیں وغیرہ (3)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”تغث“ سے مراد مناسک ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَتُؤْتُونَهُمُ بَعْضِ حَجِّ قَرْبَانِي اور حج کی دیگر نذر میں پوری کر لیں۔ چنانچہ جو شخص حج کیلئے نکلا اس پر طواف بیت اللہ، صفا، مردہ کے درمیان سعی، وقوف عرفہ و مزدلفہ، شیطانوں کو کنکریاں مارنا اور حج کے دیگر احکام بحال لانا ضروری ہے۔ پھر فرمایا: وَتَلْبَسُوا بِالنِّبْتِ الْعَتِيقِ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ طواف ہے جو یوم نحر کو واجب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حج کا سب سے آخری عمل بیت عتیق کا طواف کرنا ہے (4)۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب آپ یوم نحر (دسویں ذی الحجہ) کو منیٰ کی طرف لوٹے تو آپ نے سب سے پہلے رمی جمار کرتے ہوئے سات کنکریاں ماریں پھر آپ نے قربانی کی اور سر منڈوایا پھر واپس لوٹ کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کا آخری عمل طواف بیت اللہ ہے، البتہ حائضہ عورتوں کو تخفیف دی گئی ہے (5)۔ ”البيت العتيق“ کے لفظ سے بعض نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ دوران طواف حطیم کو بھی طواف کے اندر شامل کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بیت اللہ کی اس عمارت کا حصہ ہے جس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی اگرچہ قریش نے اس کی تعمیر کے وقت اس حصہ کو اخراجات کی کمی کے باعث باہر چھوڑ دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حطیم کے پیچھے سے طواف کیا اور فرمایا کہ یہ بیت اللہ شریف کا حصہ ہے۔ آپ ﷺ نے دونوں شامی

1- صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 892، سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 186

3- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 150

2- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 148

5- فتح الباری، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 585، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 963

4- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 42

رکتوں کو نہ ہاتھ لگایا اور نہ بوسہ دیا کیونکہ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرانی بنیادوں پر مکمل نہیں کیا گیا۔ اس آیت وَلَيَسْئَلُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ كَيْفَ زَوَّلَ كَيْفَ لَمْ يَزَلْ فِي مَفْضِلٍ نے عظیم کے پیچھے سے طواف کیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ پہلا گھر ہے اس لئے اسے بیت متیق کہا گیا۔ عکرمہ بیت اللہ کو متیق کہنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ طوفان نوح میں سلامت رہا۔ حصیف اس کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ کوئی جاہر اس پر غلبہ نہیں پاسکا۔ حضرت مجاہد بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ سرکشوں کی دست برد سے آزاد ہے کیونکہ جس نے بھی اس کے متعلق برا ارادہ کیا، وہ تباہ و برباد ہوا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ سے ہی مردی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بیت متیق نام اس لیے دیا گیا ہے کہ کوئی جاہر اس پر غالب نہیں آسکا“ (1)۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُعِظْمِ حُرْمَتِ اللّٰهِ فَهُوَ حَيْزٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ ط وَ اُجْحَتْ لَكُمْ اِلَّا نَعَاهُ اِلَّا مَا يُثَلِّ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوْا الزَّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حَقَّاعٌ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۝ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَانَ كَمَا كَفَرَ مِنَ السَّاءِ فَتَحْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهٖ الرَّيْحُ فِي مَكَانٍ سَجِيْقٍ ۝

”ان احکام کو یاد رکھو۔ اور جو شخص عظیم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے رب کے ہاں۔ اور حلال کئے گئے تمہارے لئے جانور بجز ان کے جن کی حرمت پر مٹی گئی تم پر پس پرہیز کرو۔ بتوں کی نجاست سے اور بچو جموئی بات سے۔ بیکر مائل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف، نہ شریک ٹھہراتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گرا ہوا آسمان سے پس اچک لیا ہوا کسی پرند نے یا پھینک دیا ہوا سے ہوا نے کسی دور جگہ میں“۔

فرمایا کہ یہ تو تھے احکام حج اور ان کی بجا آوری کرنے والے کے اجر عظیم کا ذکر۔ اب سنو: وَمَنْ يُعِظْمِ یعنی جو شخص گناہوں اور حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرے، اس کیلئے اس کے رب کے ہاں خیر کثیر اور ثواب عظیم ہے۔ جس طرح اوامر کی بجا آوری اور نکیوں کے کرنے پر ثواب ملتا ہے، اس طرح محرمات اور منوعہ چیزوں سے اجتناب پر بھی بہت زیادہ اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج، عمرہ، مکہ اور تمام منوعہ چیزیں حرمت میں داخل ہیں۔ پھر فرمایا: وَ اُجْحَتْ لَكُمْ۔ یعنی تمام جانور تمہارے لیے حلال ہیں بجز ان کے جن کی حرمت بیان کی جا چکی ہے۔ مشرکین نے جو بھیرہ، سائبہ، حام اور دھیلہ نام دیکر جانور حرام کر دیے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو حرام قرار دیا ہے اسے واضح طور پر بیان کر دیا ہے جیسے مردار، خون، خنزیر کا گوشت، وہ جانور جس پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، اور وہ جانور جس کا گلا گھونٹنے سے موت واقع ہوئی ہو وغیرہ۔ اس کے بعد فرمایا: فَاجْتَنِبُوا الزَّجْسَ۔ اس میں ”مِن“ بیان جنس کیلئے ہے۔ یعنی بتوں کی پلیدی سے بچو۔ یہاں شرک کو جھوٹ کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اس فرمان میں ہے۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَیَعْتَبِرُ الْعِیْقٰۤی ۝ اَنْ تَشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۝ وَاَنْ تَقْتُلُوْا عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَحْكُمُوْنَ (الاعراف: 33) ”فرمائیے بے شک میرے رب نے حرام کر دیا ہے سب بے حیائیوں کو جو ان سے

ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور گناہ کو اور ناحق مرثیٰ کو اور یہ کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ جس کیلئے اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر ایسی بات کہو جو تم نہیں جانتے۔“ اس میں جھوٹی گواہی بھی داخل ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ نہ بتاؤں۔“ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر بیٹھ گئے اور فرمایا: سنو، کذب بیانی اور جھوٹی گواہی دینا۔“ آپ اسے لگا تار دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ سکوت اختیار فرمالیے (1)۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دوران خطبہ تین مرتبہ فرمایا: ”اے لوگو! جھوٹی گواہی شرک کے برابر کر دی گئی“، پھر آپ ﷺ نے اس آیت فَجَسَدُ الْبَاطِلِ حِطْحِطٌ کی تلاوت کی (2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز فجر کی اور انگی کے بعد یہ فرمایا تھا (3)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (4)۔ حُكْمًا رَدِيًّا کا مطلب ہے دین کو اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کر تے ہوئے، باطل سے انحراف کرتے ہوئے اور حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے، اس لئے فرمایا: عَزِيْزٌ مُّسْتَكْبِرٌ يَّهْتَكِرُ الْكِبْرَ، ہلاکت اور ہدایت سے دوری میں مشرک کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ مَن يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ موت کے فرشتے جب کافر کی روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے بلکہ اسے وہیں سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ حدیث مکمل تفصیلات کے ساتھ سورہ ابراہیم میں گڈر چکی ہے (5)۔ سورہ النعم میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ایک اور مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ اَنْذَعُوْا صِرْطَكُمْ الَّذِيْ اَنْذَعَا لَآ اَبِيْكُمْ وَلَا يَصْرُوْا اَوْ لَرُؤْسِكُمْ اَعْقَابًا بَعْدَ اَذْعَابِ اللّٰهِ كَالَّذِيْ شَحَبُوْهُ الشَّيْطٰنُ فِي الْاَمْرِضِ حَسْرٰتٍ اَلَمْ اَصْحَبْ يَتْمُوْنَ اَنْ اِنْتَهٰى اِلَيْهِمْ اَنْتُمْ قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ هُوَ الْاَنْهٰى (الانعام: 71) ”فرمائیے کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پوجیں جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور (کیا) ہم پھرانے پاؤں پھر جائیں گے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی، مثل اس شخص کے کہ جسے جنوں نے زمین میں بھٹکا دیا ہو، وہ حیران ہو، اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آؤ۔“ فرمائیے اللہ کی رہنمائی ہی حقیقی رہنمائی ہے۔“

ذٰلِكَ ۙ وَ مَن يُّعْظَمْ شَعَابِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوٰى الْقُلُوْبِ ۙ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعٌ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۙ ثُمَّ مَحَلُّهَا اِلٰى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۙ

”حقیقت یہ ہے اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دنوں میں تقویٰ ہے۔ تمہارے لئے موبیشیوں میں طرح طرح کے فائدے ہیں ایک معین مدت تک پھر ان کے ذبح کرنے کا مقام بیت عتیق کے قریب ہے۔“

شعائر سے مراد اوامر ہیں، قربانی کے جانوروں کی تعظیم بھی ان میں شامل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے جانوروں کی دیکھ بھال کرنا اور انہیں قرب کرنا ان کی تعظیم ہے (6)۔ حضرت اہل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں قربانی کے

1- صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 91

3- مسند احمد، جلد 4 صفحہ 321

2- حارفہ الاصحاح، ابواب اشہادات، جلد 9 صفحہ 174، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 233، 178

6- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 46

4- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 45

5- دیکھئے تفسیر سورہ ابراہیم: 27

جانوروں کو خوب موٹا تازہ اور عمدہ کیا کرتے تھے اور تمام مسلمانوں کا یہی دستور تھا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک سفید رنگ والے جانور کا خون اللہ تعالیٰ کو دو سہاہ رنگت والے جانوروں کے خون سے زیادہ محبوب ہے“ (2)۔ دوسرے رنگوں والے جانوروں کی قربانی بھی جائز ہے لیکن سفید رنگ والے جانور زیادہ افضل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو بڑے بڑے سیٹلوں والے چتکبرے مینڈھے قربانی میں ذبح کیے (3)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیٹلوں والا، سفید اور سیاہ آنکھوں والا مینڈھا قربانی دیا جس کے منہ پر، آنکھوں کے پاس اور پیراں پر سیاہ رنگ کے نشانات تھے (4)۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو موٹے تازے، سیٹلوں والے چتکبرے خصی مینڈھوں کی قربانی دی (5)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ قربانی کے جانور خریدتے وقت اس کی آنکھوں اور کانوں کو خوب دیکھ بھال لیں اور آگے سے کٹے ہوئے کانوں والے، پیچھے سے کٹے ہوئے کانوں والے لمبائی میں چرے ہوئے کانوں والے اور پھٹے ہوئے کانوں والے جانور کی قربانی نہ کریں (6)۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ٹوٹے سیٹلوں والے اور کٹے کانوں والے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے (7)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ ممانعت اس وقت ہے جب نصف یا اس سے زائد سینگ ٹوٹا ہو اور کان کٹا ہو۔ حدیث میں مذکور لفظ ”عصب“ یہی مراد ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ اگر کسی جانور کے سینگ کا اوپر والا حصہ ٹوٹا ہو تو اسے عربی میں ”قضم“ کہتے ہیں اور اگر نیچے والا حصہ ٹوٹا ہو تو اسے ”عصب“ کہا جاتا ہے۔ اگر کان کا تھوڑا سا حصہ بھی کٹ جائے تو اس پر ”عصب“ کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عیب کے حامل جانور کی قربانی جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث کے پیش نظر ٹوٹے ہوئے سینگ والے اور کٹے ہوئے کان والے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر سینگ سے خون جاری ہو تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں: وہ کاننا پین واضح ہو، وہ بیمار جانور جس کا مرض ظاہر ہو، وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پین عیاں ہو اور وہ لاغر مرل جانور جس کی ہڈیوں کا گووا ختم ہو گیا ہو“ (8)۔ یہ ایسے عیوب ہیں جو گوشت میں کمی کا سبب بنتے ہیں کیونکہ ان عیوب کے ہوتے ہوئے جانور پوری طرح چرنے چلنے سے عاجز ہوتے ہیں، اس لیے امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک اس حدیث کے پیش نظر ایسے جانوروں کی قربانی جائز نہیں، البتہ وہ جانور جو معمولی سا بیمار ہو، اس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بالکل جڑ سے کٹے ہوئے کان والے، ٹوٹے ہوئے سینگ والے، کانے، کزوری کے باعث ریوڑ سے پیچھے رہ جانے والے اور لنگڑے لو لے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے (9)۔ ان عیوب والے جانوروں کی قربانی ناجائز ہے، البتہ اگر قربانی کیلئے بالکل صحیح سالم جانور کی تعیین کے بعد کوئی عیب

- 1- صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 130
- 2- سنن کبریٰ بیہقی، کتاب البقاع، جلد 9 صفحہ 273، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 417
- 3- صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 130، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی جلد 3 صفحہ 1556-1557
- 4- سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 45، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 292-293
- 5- مسند احمد، جلد 6 صفحہ 391,8
- 6- سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 97-98، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 90-108 وغیرہ
- 7- سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 98، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 296 وغیرہ
- 8- سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 97، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 294-295
- 9- سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 97

پیدا ہوا تو یہ امام شافعی کے نزدیک باعث حرج نہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اس کے برعکس ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے قربانی کیلئے ایک دنبہ خریدا، اس پر ایک بھیڑیے نے حملہ کر دیا اور اس کی پکتی کاٹ کر لے گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسکی قربانی کر سکتے ہو (1)۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے قربانی کیلئے جانور خریدتے وقت کان آٹکھ کو اچھی طرح دیکھ لینے کا حکم ارشاد فرمایا، یعنی قربانی کا جانور بے عیب، خوش شکل اور فرہ ہونا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بہت عمدہ اونٹنی قربانی کیلئے نامزد کی، لوگوں نے اس کی قیمت تین سو دینار لگائی۔ وہ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے قربانی کیلئے ایک عمدہ اونٹنی نامزد کی جس کی قیمت تین سو دینار لگی ہے، کیا میں اسے بیچ کر اس کی قیمت سے بہت سے اونٹ خرید کر قربانی کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ اسی کو ذبح کر (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے اونٹ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ محمد بن ابی موسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وقوف عرفہ، مزدلفہ، رمی جمار، حلق اور قربانی کے اونٹ سب شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نشانی بیت اللہ شریف ہے۔ فرمایا: لَنْ تَمُوتُمْ فِيهَا صَافَةً۔ یعنی ایک مقرر مدت تک ان جانوروں سے فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ان کا دودھ پیا جاسکتا ہے۔ ان کی اون وغیرہ کو کام میں لایا جاسکتا ہے اور ان پر سواری کی جا سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک انہیں قربانی کیلئے نامزد نہ کیا جائے اس وقت تک ان سے ہر قسم کا نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور منافع سے مراد ہے سواری کرنا، دودھ پینا اور ان کی نسل حاصل کرنا۔ جب انہیں قربانی کیلئے مقرر کر دیا جائے تو پھر یہ فوائد حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ عطاء، قنادہ، شحاک، عطاء خراسانی اور دیگر متعدد حضرات کا یہی قول ہے جبکہ بعض دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ بوقت ضرورت ان جانوروں سے یہ منافع حاصل کیے جا سکتے ہیں اگرچہ انہیں قربانی کیلئے نامزد کیا جا چکا ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اپنی قربانی کا اونٹ ہانکتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: ”اس پر سوار ہو جاؤ“ اس نے عرض کی کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ آپ نے فرمایا: ”انہیں ایٹھتے کیوں نہیں؟“ (3)۔ دو یا تین مرتبہ آپ نے ایسا فرمایا: صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب ضرورت ہو تو اس پر سوار ہو جاؤ“ (4)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو قربانی کی اونٹنی ہانک کر لیے جا رہا تھا، اونٹنی کا بچہ بھی ساتھ تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کے بچے کے دودھ پینے کے بعد اگر دودھ بیچ جائے تو تم پی سکتے ہو۔ جب قربانی کا دن آئے تو اسے اور اس کے بچے کو بھی اللہ کے نام پر ذبح کر دینا (5)۔ اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ مَجِّئُهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ یعنی ان جانوروں کی قربانی کا مقام بیت اللہ (کعبہ) ہے جیسا کہ فرمایا: هَذَانِ الْبِلْدَةُ الْكَعْبَةُ (المائدة: 95) ”یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو“، وَالْهَدْيُ مَعْلُوقًا أَنْ يَبْلُغَ مَجْدَهُ (النحر: 25) اور قربانی کے جانور کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں۔“ بیت عتیق کے معنی کی وضاحت ابھی ابھی ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا احرام سے حلال ہو جاتا ہے، اس کی دلیل یہی آیت ثُمَّ مَجِّئُهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ہے۔

1۔ سند احمد، جلد 3 صفحہ 32

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النساک، جلد 2 صفحہ 147-148، سند احمد، جلد 2 صفحہ 145

3۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 200، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 960

4۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 961

5۔ سنن کبریٰ تہذیبی، کتاب الحج، جلد 5 صفحہ 236-237

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسْكَ لِيُذَكَّرُوا اِسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا سَرَّ رَاٰى قَوْمٌ مِّنْ يَّهِيْمَةٍ اَلَّا تَعَاوَرُ
 قَالَهُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَا اَسْمَاءَ وَاَسْمَاءُ مَنَسِكٌ ۝۱۰۱ اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجَلَتْ
 قُلُوْبُهُمْ وَالصِّدِّیْقِيْنَ عَلٰى مَا اَصَابَهُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ الصّٰلِحَةَ ۝۱۰۲ وَمَا سَرَّ رَاٰى قَوْمٌ مِّنْ يَّهِيْمَةٍ ۝۱۰۳

” اور ہر امت کے لئے ہم نے مقرر فرمائی ہے ایک قربانی، تاکہ وہ ذکر کریں اللہ تعالیٰ کا اسم (پاک) ان بے زبان جانوروں پر ذبح کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ پس تمہارا خدا خدا ہے واحد ہے تو اسی کے آگے سر جھکاؤ۔ اور (اے محبوب!) مژدہ ستاپے تو وضع کرنے والوں کو۔ وہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں ان (مصائب و آلام) پر جو پہنچتے ہیں انہیں اور جو گنہگار کرتے ہیں نماز کو۔ اور ان چیزوں سے جو ہم نے انہیں عطا فرمائی ہیں وہ خرچ کرتے ہیں۔“

اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ ہر امت کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی دینے اور جانوروں کا خون بہانے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ”منسک“ کا معنی عید بتاتے ہیں یعنی ہر امت کیلئے عید کا دن مقرر تھا (1)۔ عکرمہ اس کا معنی ذبح کرنا بتاتے ہیں یعنی ہر امت کو ذبح کا حکم تھا۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ”منسک“ سے مراد مکہ شریف ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی امت کیلئے بھی اس کے سوا کوئی قربان گاہ نہیں بنائی۔ پھر فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كُوْنُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چنگبرے سینگوں والے مینڈھے لائے گئے۔ آپ نے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر اور اپنا پاؤں ان کی گردن پر رکھ کر ذبح کیا (2)۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”تمہارے باپ ابراہیم کی سنت“ صحابہ نے عرض کی کہ ہمیں اس سے کیا ملتا ہے؟ فرمایا: ہر بال کے بدلہ ایک نیکی، پھر دریافت کیا کہ اون کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اون کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی“ (3)۔ فرمایا: قَالَهُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ..... یعنی تم سب کا معبود ایک ہے اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں اختلاف تھا اور ان کے احکام میں تبدیلی واقع ہوتی تھی لیکن اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت میں سب کا اتفاق تھا جیسا کہ فرمان ہے: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِنُقَلِّبُ اَلْاٰیٰتِ الْاِنۡبِیَآءِ ذٰلِكَ لِنُبَيِّنَ لِقَوْمٍ یَّغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَاِنَّہٗ لَکَرِیۡمٌ (الانبیاء: 25) اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں، پس میری عبادت کیا کرو، اس لئے فرمایا: فَلَا اَسْمَاءَ ۝۱۰۱۔ یعنی اس کے سامنے اپنے سر جھکا دو اور غلوں دل سے اس کی اطاعت پر کمر بستہ ہو جاؤ۔ ”محببتین“ کا معنی بقول مجاہد مطمئن رہنے والے، قادرہ کہتے ہیں کہ تو وضع کرنے والے، سدی کہتے ہیں کہ ڈرنے والے۔ عمرو بن اوس کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور اگر کوئی ان کے ساتھ زیادتی کرے تو انتقام نہیں لیتے (4)۔ ثوری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں اطمینان کی دولت نصیب ہو، اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی ہوں اور اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں۔ بہر صورت اس کی بہترین تفسیر وہی ہے جو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے یعنی اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ..... حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہمیں ضرور صبر کرنا ہوگا ورنہ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ جمہور کی قرأت

1۔ الدر المنکور، جلد 6 صفحہ 47

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 130، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 1556-1557

3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 161 الدر المنکور، جلد 6 صفحہ 48

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1045، مستدرج، جلد 4 صفحہ 368

کے مطابق ”وَالْمُقْبِسِي“ اضافت کے ساتھ ہے جبکہ ابن سبع نے ”وَالْمُقْبِسِينَ الصَّلَوَةَ“ بغیر اضافت کے اور الصَّلَوَةَ کو نصب دیکر پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ”وَالْمُقْبِسِي“ میں نون تخفیف کی وجہ سے حذف ہوا ہے، اگر اضافت کی وجہ سے حذف ہوتا تو لفظ ”صَلَوَةَ“ کو مجرداً لازم آتا، اس لیے یہ تخفیفاً حذف کیا گیا ہے اور لفظ صَلَوَةَ منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سعادتمند قرآنوں کی اور ایسی کر کے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے اپنے اہل و عیال، قریبی رشتہ داروں، فقراء اور حاجتمندوں پر خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرتے ہوئے مخلوق خدا کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔ منافقین کی صفات ان کے بالکل برعکس ہیں۔ سورہ برأت میں بھی ان صفات کا ذکر ہو چکا ہے (1)۔

وَالْمُدَانِ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا حَبِيرٌ فَادْكُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ
فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِعُوا الْقَائِمَ وَالْمُعْتَصِمَ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾

”اور قربانی کے فریہ جانوروں کو ہم نے بنایا ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے۔ پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر اس حال میں کہ ان کا ایک پاؤں بندھا ہو اور تین پر کھڑے ہوں۔ پس جب وہ گر پڑیں کسی پہلو پر تو خود بھی کھاؤ اس سے نیز کھلاؤ قناعت کرنے والے فقیر کو اور بھیک مانگنے والے کو۔ اس طرح ہم نے فرمانبردار بنا دیا ان جانوروں کو تمہارے لئے تاکہ تم (اس احسان کا) شکر یہ ادا کرو۔“

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر عظیم احسان ہے کہ اس نے قربانی کے جانور پیدا کر کے انہیں اپنی نشانیاں قرار دیا اور انہیں بطور قربانی اپنے گھر پہنچانے کا حکم دیا۔ قربانی کا جانور بیت اللہ شریف کی طرف بھیجی جانے والی سب سے افضل چیز ہے جیسا کہ فرمایا: لَا تُشْجَلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْعَرَبَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آتُونَكَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ (المائدہ: 2) ”بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیاں کی، نہ عزت والے مہینے کی، نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ بیت اللہ کا قصد کرتے ہوئے“۔ عطاء فرماتے ہیں کہ ”بدن“ میں گائے اور اونٹ دونوں داخل ہیں جبکہ بقول مجاہد اس سے مراد صرف اونٹ ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جہاں تک اونٹ پر لفظ ”بدن“ کے اطلاق کا تعلق ہے تو اس پر سب کا اتفاق ہے لیکن اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا اس کا اطلاق گائے پر ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے زیادہ صحیح یہ قول ہے کہ شرعی طور پر اس کا اطلاق گائے پر بھی ہوتا ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ جس طرح اونٹ کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی دی جاسکتی ہے اسی طرح گائے کی بھی، جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ میں بھی سات آدمی شریک ہو جائیں اور گائے میں بھی سات آدمی (2)۔ اسحاق بن راہویہ وغیرہ کا تو یہ موقف ہے کہ ان دونوں میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں مسند احمد اور سنن نسائی میں ایسی حدیث بھی موجود ہے (3)۔ فرمایا: لَكُمْ فِيهَا حَبِيرٌ یعنی دار آخرت میں ان جانوروں کا تمہیں ثواب حاصل ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قربانی والے دن قربانی کرنے سے زیادہ ابن آدم کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں۔ قیامت کے دن جانور

اپنے سنگلوں، کھروں اور بالوں سمیت پیش ہوں گے۔ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ جاتا ہے اس لئے بخوشی قربانی کیا کرو (1)۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ابو حاتم قرض لے کر قربانی کیا کرتے تھے جب اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہیں نے جواب دیا کہ میں اس فرمان لَکُمُ فِيهَا خَيْرٌ کے پیش نظر ایسا کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عید والے دن قربانی کے جانور پر کیے جانے والے شریح سے افضل کوئی خرچ نہیں“ (2)۔ مجاہد اس فرمان لَکُمُ فِيهَا خَيْرٌ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ ان میں تمہارے لیے اجر اور دیگر فوائد ہیں۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ بوقت ضرورت قربانی کے جانوروں پر سواری بھی کی جاسکتی ہے اور ان کا دودھ بھی پیا جاسکتا ہے۔ پھر فرمایا: قَدْ كُرُوا اسْمَ اللَّهِ۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید الاضحیٰ کی نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ کے پاس مینڈھالا یا گیا جسے آپ نے بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا پھر یہ دعا کی: ”اے اللہ! یہ میری طرف سے اور میرے ہر اس امتی کی طرف سے ہے جو قربانی نہ کر سکے“ (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عید والے دن آپ ﷺ نے دم مینڈھے ذبح کیے، انہیں قبلہ رخ کر کے آپ ﷺ نے یہ پڑھا: ”وَجَعَلْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمَسْلُومِينَ وَالنَّهْمُ مِنْكَ وَلَكَ عَن مُحَدَّثِي وَ أَهْلِيهِ“ پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا (4)۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قربانی کیلئے دوسو تازے سنگلوں والے چشکیرے مینڈھے خریدتے۔ عید نماز اور خطبہ سے فراغت کے بعد ایک جانور آپ کے پاس لایا جاتا۔ آپ وہاں عید گاہ میں ہی خود اپنے ہاتھ سے چھری کے ساتھ ذبح کرتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ! یہ میرے ہر اس امتی کی طرف سے ہے جس نے تیری توحید اور میری تبلیغ کی گواہی دی۔“ اس کے بعد دوسرا جانور لایا جاتا، اسے بھی آپ بذات خود ذبح کرتے اور یہ کہتے: ”یہ محمد اور آل محمد کی طرف سے ہے۔“ پھر دونوں کا گوشت مساکین کو بھی دیتے اور آپ اور آپ کے اہل خانہ بھی کھاتے (5)۔

حضرت ابن عباس کے نزدیک ”صَوَافٍ“ کا معنی یہ ہے کہ اونٹ تین بیروں پر کھڑا ہے، اس کا پایاں ہاتھ باندھ دیا جائے اور ”بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ“ پڑھ کر اسے ذبح کیا جائے (6)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب اونٹ کا پایاں باندھ دیا جائے تو وہ تین بیروں پر ہی کھڑا ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کو نخر کرنے کیلئے بٹھایا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ ابو القاسم رضی اللہ عنہ کی سنت کے مطابق اسے کھڑا کر کے اور اس کے پاؤں باندھ کر نخر کرو (7)۔ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا کہ وہ اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر اور اسے تین پاؤں پر کھڑا کر کے نخر کرتے تھے (8)۔ حضرت سالم بن عبد اللہ نے سلیمان بن عبد الملک سے فرمایا تھا کہ بائیں طرف سے نخر کرو۔ حضرت جابر

1۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 288-289، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1045

2۔ سنن دارقطنی، کتاب الاضاحی، جلد 4 صفحہ 282

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 99، عارضۃ الاحوذی، ابواب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 318 وغیرہ

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 95، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1043

5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 8-391-292، 6۔ مستدرک حاکم، کتاب التشریح، جلد 2 صفحہ 389، سنن کبریٰ سنن ابی نعیم، کتاب الحج، جلد 5 صفحہ 237 وغیرہ

7۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 210، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 956-957

8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 149

رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے ہاتھ سے تریسٹھا اونٹ نحر کے (1)۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں سے نیرہ تھا جسے آپ اونٹ کے حلقوم میں مار کر شمی کر دیتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ”صَوَافِنَ“ ہے یعنی وہ اونٹ جو کھڑے ہوں اور ان کے پاؤں بندھے ہوں (2)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ”صَوَافِ“ کا معنی خالص بھی کیا گیا ہے یعنی یہ جانور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اور ان میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر لیا کرتے تھے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ان کی قربانی کی جائے۔ فرمایا: فَاِذَا وَجَبَتْ جُمُوبُهَُا یعنی جب یہ زمین پر گر پڑیں، ذبح کا عمل مکمل ہو جائے اور یہ ٹھنڈے ہو جائیں تو خود بھی ان کا گوشت کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ جب تک روح نہ نکل جائے اور جانور ٹھنڈا نہ پڑ جائے، اس وقت تک گوشت کے ٹکڑے نہیں کاٹنے چاہئیں۔ ایک حدیث مرفوعہ میں ہے: ”روحمیں نکالنے میں جلدی نہ کرو“ حضرت شداد بن اوس سے مروی حدیث میں آتا ہے: ”اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ حسن سلوک کرنا لکھ دیا ہے۔ جب تم قتل کرنے لگو تو بھی اچھی طرح قتل کرو اور جب تم ذبح کرنے لگو تو ذبح بھی اچھے طریقے سے کرو، چھری تیز کر لیا کرو اور جانور کو راحت دیا کرو“ (3)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تک جانور زندہ ہے، اگر اس کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو اس کا کھانا حرام ہے“ (4)۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں امر کا صیغہ (فَكُلُوا) اباحت کیلئے ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ واجب ہے۔ القانع اور المحتر کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قانع وہ ہے جو گھر بیٹھا رہے اور جو اسے مل جائے، اس پر کفایت کرے اور محتر وہ ہے جو سوال تو نہ کرے لیکن سامنے آ جائے اور اس غرض سے ساتھ چننا رہے کہ کچھ مل جائے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قانع دست سوال و راز نہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے اور محتر بھیک مانگنے والے کو کہتے ہیں۔ عکرمہ، زید بن اسلم، کلبی، حسن بصری، مقاتل بن حیان اور مالک بن انس فرماتے ہیں کہ قانع وہ ہے جو صرف سوال پر اکتفا کرے اور محتر وہ ہے جو سوال تو نہ کرے لیکن عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے پچھا کرتا رہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ قانع سائل کو کہتے ہیں۔ زید بن اسلم کہتے ہیں قانع چکر لگانے والے مسکین کو کہتے ہیں اور محتر سے مراد وہ دست وضعیف ہے جس کی آمد و رفت رہتی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ قانع وہ مالدار پڑوسی ہے جو دیکھتا رہتا ہے کہ تمہارا گھر کیا کچھ آتا ہے اور محتر وہ ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ ایک اور روایت میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قانع سے مراد طبع رکھنے والا ہے اور محتر وہ ہے جو بغیر سوال کیے لاحق ہو جاتا ہے خواہ مالدار ہو یا فقیر۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ قانع سے مراد اہل مکہ ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ قانع سے مراد سائل ہے کیونکہ وہ دست سوال و راز کرتا ہے اور محتر وہ ہے جو گوشت کھانے کے لئے آدمی کھتا ہے۔ جن علماء کا یہ خیال ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہیے، ایک تہائی اپنے لئے، ایک تہائی دوست احباب کیلئے اور ایک تہائی صدقہ کیلئے، انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کیونکہ فرمان ہے: فَكُلُوا مِنْهَا وَاَوْطِئُوا بِهَا وَاَطْعَمُوا الْفُقَرَاءَ وَابْتِغُوا رِضْوَانًا مِنْ رِيسِ اللَّهِ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ”میں تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زائد تک جمع کرنے سے منع کرتا تھا۔ اب کھاؤ اور جس طرح چاہو، جمع کرو“۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو“، ایک دوسری روایت میں فرمایا: ”کھاؤ، کھلاؤ اور صدقہ کرو“ (5)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی کرنے والا

1- صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 892

2- الدر المنثور، جلد 8 صفحہ 53، تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 165

3- صحیح مسلم، کتاب الصیاد والذبح، جلد 3 صفحہ 1548

4- سنن ابی داؤد، کتاب الصیاد، جلد 3 صفحہ 111، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 218

5- صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 124، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 1562-1564، سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 99-100، عارضہ

الاموزی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 309-310 وغیرہ

اس نے فرمایا کہ تمہارے لئے تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اس (نعمت پر) کہ اس نے تم کو ہدایت دی۔ اور (اے حبیب!) خوشخبری، مجھے احسان کرنے والوں کو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے بے قربانیوں اس لئے مشروع کی گئی ہیں تاکہ تم انہیں ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیں کیونکہ وہی خالق اور رازق ہے، ان جانوروں کے گوشت اور خون اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتے کیونکہ وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہے۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین جب قربانی کے جانور ذبح کرتے تو ان کا گوشت اپنے ہاتھوں کے پاس رکھ دیتے اور خون ان پر چھڑک دیتے۔ ان جرم کو کتبے میں کہ اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنی قربانی کے جانوروں کا خون بیت اللہ شریف پر لیتے۔ صحیحہ رضی اللہ عنہ کہے گا کہ ہم اس چیز کے زیادہ مستحق ہیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: **لَنْ يَنْتَهِلَ ذَبَابٌ** (1)۔ یعنی اللہ تعالیٰ تقویٰ کو قبول فرماتا ہے اور اسی کا بدلہ لہذا اجر عطا کرتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: "اللہ تعالیٰ تمہاری سورتوں اور تمہارے رنگوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے" (2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "صدقہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے رحمن کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے اور خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ جاتا ہے" (3)۔ یعنی اخلاص کے ساتھ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے۔ حضرت عامر شعمی سے قربانی کی کھانوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس آیت **لَنْ يَنْتَهِلَ ذَبَابٌ** کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر چاہو تو کچل لو، چاہو تو اپنے پاس رکھ لو اور اگر چاہو تو صدقہ کرو، پھر فرمایا: **كُلُّ لَيْتٍ سَخِرَ خَا** یعنی اسی وجہ سے تمہارے بے جان جانوروں کو سخر کیا ہے تاکہ تم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت بیان کرو کہ اس نے اپنے پسندیدہ دین اور شریعت کی طرف تمہاری رہنمائی کی اور پسندیدہ امور سے تمہیں منع کر دیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَيَبْقَى اللّٰهُ خَيْرٌ مِّنْ سَخِرَ خَا** یعنی اسی وجہ سے تمہارے بے جان جانوروں کو سخر کیا ہے تاکہ تم اس نعمت اعمال پہنچا لے، حد و اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، احکام کی اتباع کرتے ہیں اور رسول کی تصدیق کرتے ہیں۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری کا موقف یہ ہے کہ جو شخص نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو اس پر قربانی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط کا انصاف کیا ہے کہ وہ شخص اپنے گھر میں مقیم ہو۔ ان حضرات کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے: "جو وصحت کے باوجود قربانی نہ کرے، وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے" (4)۔ اس روایت میں غرابت ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منکر کہا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دس سال متواتر قربانی کرتے رہے (5)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے: "مال میں زکوٰۃ کے سوا اور کوئی چیز فرض نہیں" (6)۔ یہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی، اس لئے وجوب ساقط ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا پڑوسی تھا۔ یہ دونوں حضرات اس حدیث کے پیش نظر قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کی اقتداء کریں گے (7)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قربانی سنت کفایہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 56
2۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1986-1987، سنن ابن ماجہ، کتاب البر، جلد 2 صفحہ 1388

3۔ عرصۃ الاحیاء، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 288-289، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1045

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1044، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 321

5۔ مارقۃ الاحیاء، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 305

6۔ مارقۃ الاحیاء، کتاب الزکاة، جلد 3 صفحہ 162، سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاة، جلد 1 صفحہ 570 وغیرہ

7۔ تفسیر جلد 3 صفحہ 182، مجمع الزوائد، جلد 4 صفحہ 18

کیسا تھک گیا تھا، وہ پورا ہوا (۱)۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت مناسب اور موزوں وقت پر جہاد کو شروع کیا کیونکہ مکہ شریف میں مشرکین بھاری تعداد میں تھے اور مسلمان ان کے مقابلہ میں بمشکل دسواں حصہ تھے۔ اگر وہاں جہاد کا حکم دیا جاتا تو مسلمان مشکلات سے دو چار ہو سکتے تھے۔ چنانچہ لیلۃ العطبہ میں جب اسی سے زائد اہل مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو وہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو اس وقت منیٰ میں جس قدر مشرکین موجود ہیں کیا ہم ان پر ہلہ بول کر انہیں قتل نہ کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بھی تک مجھے اس کا حکم نہیں ملا“ (2)۔ جب مشرکین کی سرکشی انتہا کو پہنچی گئی، وہ نبی کریم ﷺ کو جہاد وطن کرنے کے منصوبے بنانے لگے اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کرنے لگے اور اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی دست بردا وریا اذارسانہوں سے محفوظ نہ رہے تو صحابہ کرام ادھر ادھر بکھر گئے۔ بعض ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور باقی مدینہ شریف ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ جب صحابہ کرام مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ قرار پڑے ہو گئے اور آپ کے جھنڈے سے متحد ہو کر ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہو گئے اور مدینہ شریف ان کیسے دار امن اور پناہ گاہ بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے دشمنان دین کے خلاف جہاد کو شروع قرار دیا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے مذکورہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ بتایا گیا کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ناحق مکہ سے مدینہ کی طرف نکالا گیا۔ نہ انہوں نے مکہ والوں کے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی اور نہ کوئی اور گناہ کیا تھا سوائے اس کے کہ انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا خدا مانا، اس کی توحید کا اقرار کیا اور صرف اسی کی عبادت کرنے لگے۔ یہاں اِلَّا اَنْ يَقُولُوا میں استثنا مطلق ہے، یہ حقیقت حال کے پیش نظر ہے ورنہ مشرکین کے نزدیک تو یہ سب سے بڑا حرم تھا جیسا کہ فرمایا: يُحِبُّونَ الذَّمَّ وَاللَّوْاۤءَ اِنْ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ (الممتحنہ: 1) ”انہوں نے نکالا ہے رسول ﷺ کو اور تمہیں بھی محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔“ صحابہ اشدود (خندق والوں) کے قصد میں فرمایا: وَهَاتَعْتَمُوْا بِهِمْ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (المبروج: 8) ”اور تمہیں ناپسند کیا انہوں نے مسلمان سے ہجران کے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہنے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھودتے وقت یہ جہاز پڑھ رہے تھے:

لَا هُمْ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَلَوْلَا نَسِيْمَتَا عَلَيْنَا وَكَيْتِ الْاَقْدَامِ اِنْ لَا قِيْنَا
اِنَّ الْاَلَمِي قَدْ جَعَلْنَا عَلَيْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةَ اٰبِيْنَا (3)

رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی موافقت کرتے اور ان کے ساتھ مل کر ہر قافہ کا آخری حرف پڑھتے اور ”ابینا“ کہتے ہوئے اپنی آواز کو خوب بلند اور دراز کرتے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَ لَوْلَا دَفَعْنَا اللّٰہِ ... یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے نکرانہ اور ہڈیوں کے اسباب نیک قوم کی شرور دوسری قوم کے ہاتھوں روک کر لوگوں کا دفاع نہ کرتا تو زمین پر فساد برپا ہو جاتا، طاقتور کمزور کو نکل جاتا اور عبادت خانے ویران ہو جاتے۔ عیسائی راہبوں کے چھوٹے عبادت خانوں اور خانقاہوں کو صوامع کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد صابی مذہب کے لوگوں کے عبادت خانے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جو عیسویوں کے آتش کدوں کو صوامع کہتے ہیں۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ یہ وہ گھر ہیں جو رستوں پر ہوتے ہیں۔ حج، صوامع سے بڑے عبادت خانے ہوتے ہیں جن میں عبادت کرنے والوں کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے

2- مسند احمد، جلد 3، صفحہ 460-462، سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 448

1- تیسری جلد، جلد 17، صفحہ 172

3- سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 328-329

مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۸۸﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا إِلَىٰ آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۸۹﴾

” (اے حبیب!) آپ فرمائیے اے لوگو! بس میں تو تمہیں (عذاب الہی سے) نکھلاؤ، ڈرانے والا ہوں۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ان کے لئے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی۔ اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہر ادبیں گے، یہی لوگ دوزخی ہیں۔“

کفار نبی کریم ﷺ سے فوری عذاب کا تقاضا کرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں عذاب شدید سے ڈراؤں، تمہارا حساب میرے ذمہ نہیں بلکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں جلدی عذاب میں مبتلا کر دے اور اگر چاہے تو کچھ تاخیر کر دے، اس کی مرضی ہو تو پھر کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے اور اگر اس کی مرضی ہو تو اس شخص کو گمراہ کر دے جس کے مقدر میں شقاوت لکھی جا چکی ہے وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی نالٹے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: فَالَّذِينَ آمَنُوا یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے ایمان لائے اور انہوں نے اپنے اعمال سے ایمان کی تصدیق کی، ان کے گنہگار ہونا موعاف کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی سی نیکیوں پر بھی بہت عمدہ اجر عطا کیا جاتا ہے۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ”رزق کریم“ سے مراد جنت سے۔ (1) اعلیٰ آیت میں فرمایا: وَالَّذِينَ سَعَوْا۔ یعنی وہ لوگ جو دوسروں کو نبی کریم ﷺ کی اتباع سے روکتے ہیں وہ جنہیں ہیں۔ عظیم سخت کرم، المناک، شدید اور عبرت ناک آگ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اسے بچائے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: الَّذِينَ سَعَوْا لِكُفْرًا وَاصْتَدُوا بِآيَاتِنَا كُفْرًا وَكَانُوا بِالْعَذَابِ پُتَاكًا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كُفْرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ شِقَا قِيَامِهِمْ ذَلِكَ أَجْرُ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴿۸۸﴾ (النحل: 88) ”جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، ہم نے ان کے پہلے عذاب پر اور عذاب بڑھا دیا اس کی وجہ سے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے۔“

وَمَا أَسْأَلُكَ مِنْ قَبْلِكَ مِنْ شَيْءٍ وَلَا نِيَّةٍ إِلَّا إِذَا سَمِعْتِ اللَّيْلِ الشَّيْطَانُ فِي أَمْنِيَّتِهِ ۗ
فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۹۰﴾ يَجْعَلُ مَا يُنْفِقِ
الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَ الْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي
شِقَا قِيَامِهِمْ ﴿۹۱﴾ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ
لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۹۲﴾

”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو دل دیکھے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) پس ملا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی شیطان کرتا ہے۔ پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ یہ سب اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ بنا دے جو جو سو۔ اللہ ہے شیطان ایک آزمائش ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں۔ اور بے شک ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جانیں وہ لوگ جنہیں علم بخشا گیا کہ

تم سے حقوق اللہ کی بجائے اور کی گرائے۔ ایک کا حق دوسرے سے دلوائے اور مقدر و بھراہ راست پر تمہیں چلانے کی کوشش کرے اور تم پر یہ ضروری ہے کہ تم اس کی خوشی خوشی، ظاہر باطن اور غیر مشروط اطاعت کرو۔ مطیع عوفی کہتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخِفَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (النور: 55)۔ "اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کر رکھا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بناے گا"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَيَذَرُ عَائِقَةَ الْأَكْفُوفِ يَهْدِيهِمْ إِلَىٰ طَرِيقِ الْإِيمَانِ لِيَنْتَهِبُوا الْبَغْيَ أَتَىٰ عَلَىٰ الْإِنسَانِ حَسْرَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْ أَصْحَابِ الْكُفْرِ إِنَّ اللَّهَ لَأَشَدُّ عَذَابًا عَلَيَّ الْبَاطِلِينَ (۱)۔

وَإِنْ يُكْذِبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَشُعُوبٌ ۙ وَقَوْمٌ أُبْرَهِيمَ وَتَوْمٌ لُوطٌ ۚ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۚ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ فَأَمْنَيْتُ لِلْكَافِرِينَ شِمًا أَخَذْتَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۙ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْنَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْسَ مَعْطَلَةٌ وَفَسٌ مَشِيدٌ ۙ أَقَلَّمْ بِيَسِيرٍ وَالْفِ الْأَرْضَ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قَالَتْهَا لَا تَعْمَىٰ الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَىٰ الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۙ

”اور اگر یہ کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کیا تعجب ہے) آپس جھٹلا یا تھا ان سے پہلے قوم نوح سے اور عاد و ثمود نے۔ اور قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے۔ اور مدین کے رہنے والوں نے (اپنے اپنے نبیوں کو) اور جھٹلائے گئے جو بھی بھی تو (بہت عرصہ) میں نے مہلت دی ان کفار کو (جب وہ ہانڈ آئے) تو میں نے انہیں پکڑا۔ (خود ہی بتاؤ) کتنے خوفناک تھا میرا عذاب! پس کتنی بستیاں ہم نے تروبالا کر ڈالنا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ لڑکی پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چوٹے سے بے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں) کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ نصیحت سن سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔“

حق اللہ کی تکذیب پر اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کو تلی دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَإِنْ يُكْذِبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَشُعُوبٌ ۙ وَقَوْمٌ أُبْرَهِيمَ وَتَوْمٌ لُوطٌ ۚ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۚ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ فَأَمْنَيْتُ لِلْكَافِرِينَ شِمًا أَخَذْتَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۙ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْنَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْسَ مَعْطَلَةٌ وَفَسٌ مَشِيدٌ ۙ أَقَلَّمْ بِيَسِيرٍ وَالْفِ الْأَرْضَ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قَالَتْهَا لَا تَعْمَىٰ الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَىٰ الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۙ

اس دعویٰ انارکھ الامحی (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) اور اس کی بلاکت کے درمیان چاہیں سال کا طرہ تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ظالم کو تھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا (2)۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: "وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخَذْنَا مِنْهُمُ الذُّنُوبَ كُلًّا فَمِنْهُمْ قَوْمٌ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتُ اللَّهِ فَكَلَّمَهُمْ قُلُوبَهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ"۔ یعنی بہت سی ایسی بستیاں تھیں جن کے رہنے والے ظالم اور اپنے رسولوں کو جھٹلانے والے تھے، ان بستیوں کو ہم نے

تو ہوا! کر دیا، وہ اپنی چھتوں کے بل گر پڑیں، ان کے مکانات برباد ہو گئے، آبادیاں اجڑ گئیں، ان کے کنوئیں بے کار ہو گئے حالانکہ پہلے ان پر بڑی بھیڑ مٹی تھی اور ان کے عالی شان پختہ محلات ویران ہو گئے۔ بقول مکرّم قَضَىٰ مَشِينًا سے مراد وہ محل ہے جسے چونکا گیا ہو اور وہ سفید دھائی دے۔ بعض نے اس کا معنی بلند و بالا بل کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی مضبوط اور ناقابلِ تسخیر ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں اور ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ یہ بلند و بالا، پختہ اور مضبوط محلات اپنے کینوں کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہ بچا سکے جیسا کہ فرمایا: **إِنَّ مَا تَلْمِزُونَ لَكُمْ مِنَ النَّوْتِ وَذَلُّكُمْ فِي بُرُودٍ مُّشِيدَةٍ (النساء: 78)**۔ ”جہاں کہیں تم ہو گے موت تمہیں آ لے گی اگرچہ (پناہ گزین) ہو جو وہ تم مضبوط قلعوں میں“۔ پھر فرمایا: **أَقَلَّتْ يَبْسُودًا**۔ یعنی کیا انہوں نے زمین میں سیاحت کرتے ہوئے غور و فکر نہیں کیا تاکہ انہیں عبرت حاصل ہوتی۔ اگر وہ غور و تدبر کرتے تو یہ انہیں کافی تھا جیسا کہ ابن ابی الدنیا کتاب التفسیر والاعتبار میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کرتے ہوئے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! لو بے کے نعلین پہن کر اور لوہے کا عصا لے کر زمین میں سیاحت کریں اور جب تک نعلین پھٹ نہیں جاتے اور عصا ٹوٹ نہیں جاتا، اس وقت تک عبرت کے نشانات تلاش کرتے رہیں (1)۔ اسی کتاب میں کسی دانا کا قول مذکور ہے کہ وعظ کے ساتھ اپنے دل کو زندہ کرو، تفسیر کے ساتھ اسے منور کرو، زہد کے ساتھ اسے مارد و یقین کے ساتھ اور قوی بناؤ، موت کے ساتھ اسے ذلیل کرو، فناء کے ذریعے اسے مستعد رکھو، دنیاوی مصائب و آلام سے اس کی آنکھیں کھول دو، زمانہ کے دست برد سے اسے متنبہ کرو، گردشِ زمانہ کا خوف دلاتے رہو، گذشتہ واقعات سے اسے عبرت دلاتے رہو اور گذشتہ اقوام کے عبرت ناک انجام کا تذکرہ اس سے کرتے رہو (2)۔ پھر فرمایا: **فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ**۔ اگر بصیرت منفقو ہو اور دل اندھا ہو تو ظاہری بصارت کی موجودگی کے باوجود نہ عبرت حاصل ہوتی ہے، اور نہ ہی حقیقت حال کا علم ہوتا ہے۔ ابو محمد ابن حیان اندلسی نے جن کی وفات ۱۵۷ھ میں ہوئی، اپنے اشعار میں اس مضمون کی کیا خوب ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے: اے وہ شخص جو برائی کی دعوت دینے والے کی طرف کان لگائے ہوئے ہے حالانکہ بڑھاپا اور کبر سنی تجھے موت کا پیغام دے رہے ہیں، اگر تو نصیحت کو گوشِ ہوش سے نہیں سنتا تو کیا تمہیں کانوں اور آنکھوں سے بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ حقیقی بہرہ اور اندھا وہ ہے جس کے کان اور آنکھیں اسے راہِ راست پر گامزن نہ کریں، نہ زمانہ باقی رہے گا، نہ دنیا، نہ آسمان، نہ سورج اور نہ چاند۔ اس دنیا سے بادل ناخواستہ ایک نہ ایک دن کوچ کرنا ہی پڑے گا، کوئی امیر ہو یا غریب، شہری ہو یا دیہاتی، موت سب کیلئے یکساں ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝ وَكَأَيُّنَ مِنْ قَرْيَةٍ أَمَلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ لِمَا أَحَدَّيْنَاهَا ۚ وَإِلَىٰ اللَّهِ مَصِيرٌ ۝

”یہ لوگ جلدی مانگ رہے ہیں آپ سے عذاب (یہ تلی رگھیں) اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہیں کرے گا اپنے وعدہ کی۔ اور بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔ اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی (سب کو) لوٹا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ یہ طرد، کافر اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور یوم آخرت کو بھٹانے والے آپ سے جلدی عذاب طلب کر رہے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَإِذْ قَالُوا الْاِنَّهْمُ اِنْ كَانْ هٰذَا اَوْفُوْا اَلْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَعِظْنَا عَلَيْنَا جَارًا تَقُوْمُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَاتُ بَعْدَنَا (الانفال: 32)۔ وَقَالُوا اَرَبْنَا عِزًّا نَسْتَفْتِنَا قَبْلَ بِيْزْرِ الْعِصَابِ (ص: 16)۔ فرمایا: وَلَنْ يُخْلِفَ اللهُ وَعْدَهُ لِعَنِى قِيَامَتِ بَرِّا كَرْنِ، اپنے دشمنوں سے انتقام لینے اور اپنے دوستوں کے ساتھ اعزاز و اکرام کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے، وہ ہرگز اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اسمعی کہتے ہیں کہ میں ابو عمرو بن العلاء کے پاس تھا کہ عمرو بن عبید وہاں آ گیا اور کہنے لگا کہ اے ابو عمرو! کیا اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ اس نے فوراً وعید والی آیت پڑھی تو ابو عمرو کہنے لگے کہ کیا تو عجمی ہے؟ عرب وعدہ خلافی کو برا سمجھتے ہیں اور ہم کی پر عمل درآمد نہ کرنے کو باعث کرم سمجھتے ہیں جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

فَلَيْقِيْ وَانْ اَوْعَدْتَهُ اَوْ وَعَدْتَهُ لَلْخَيْلِ اِيْعَادِيْ وَ مَنَجِحُوْ مَوْعِدِيْ

یعنی میں کسی کو دھمکی دوں یا کسی چیز کا وعدہ کروں تو میں اپنی دھمکی کی خلاف ورزی کرتا ہوں اور اپنے وعدہ کو پورا کرتا ہوں (1)۔

فرمایا: وَإِنْ يُّؤْمِنُ صَاعِدًا تَرْتَابِكَ..... یعنی اللہ تعالیٰ فوری اور جلد سزا نہیں دیتا کیونکہ اپنے صدم کے پیش نظر مخلوق کے ہزار سال اس کے ہاں ایک دن کی طرح ہیں۔ اسے پورا پورا علم ہے کہ وہ انتقام پر قادر ہے اور کوئی چیز اس سے بچ نہیں سکتی اگرچہ وہ مہلت اور ڈھیل دیتا رہتا ہے، اس لئے اس کے بعد فرمایا: وَكَانَ يَنْصَرِفُ قَرِيْبًا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فقراء مسلمان بالدار مسلمانوں سے نصف دن یعنی پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے“ (2)۔ کیر بن نہار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”فقراء مسلمان بالدار مسلمانوں سے بمقدار نصف یوم پہلے جنت میں جائیں گے۔ میں نے پوچھا کہ نصف یوم کی مقدار کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن کریم میں یہ وَإِنْ يُّؤْمِنُ صَاعِدًا تَرْتَابِكَ حضرت پڑھا (3)۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو آدھے دن تک تو ضرور مومنانہ رکھے گا“۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آدھا دن کتنے عرصہ کا ہے؟ فرمایا: پانچ سو سال (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ ان دنوں میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا (5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المراد علی الجھمیہ میں اسے صراحتاً بیان کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَا تَرْضَوْنَ لَكُمْ يَّوْمًا يَّجُزِيْ فِيْهَا كَمِثْلِ نَّوْمِكُمْ اَلَا تَرْضَوْنَ لَكُمْ يَّوْمًا يَّجُزِيْ فِيْهَا كَمِثْلِ نَّوْمِكُمْ (السجدة: 5) ”تمہیں فرماتا ہے ہر کام کی آسمان سے زمین تک پھر ہر کام اس کی طرف رجوع کرے گا اس روز جس کی مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شمار کرتے ہو“۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اجمل چھ دن مقرر کی ہے، ساتویں دن قیامت ہے پس چھ دن تو گزر گئے اور اب تم ساتویں دن میں ہو۔ اب قیامت ایسے ہے جیسے مکمل مدت کی حامل، جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب بچے جن دے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿ۙ﴾ قَالَتِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَكُمْ

1۔ دیوان عامر بن طفیل: 58

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 213، سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 11 صفحہ 6

3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 183

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاموال، جلد 4 صفحہ 125

5۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 183، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 62

مَغْفِرَةً لِّذُنُوبِهِمْ ۝ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

” (اے حبیب!) آپ فرمائیے اے لوگو! بس میں تو تمہیں (عذاب الہی سے) نکلا، ڈرانے والا ہوں۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ان کے لئے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی۔ اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہر ادیں گے، یہی لوگ دوزخی ہیں۔“

کفار نبی کریم ﷺ سے فوری عذاب کا تقاضا کرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں عذاب شدید سے ڈراؤں، تمہارا حساب میرے ذمہ نہیں بلکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں جندی عذاب میں مبتلا کر دے اور اگر چاہے تو سبھتا خیر کر دے، اگر اس کی مرضی ہو تو پوہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے اور اگر اس کی مرضی ہو تو اس شخص کو گمراہ کر دے جس کے مقدر میں شقاوت کھنی جا چکی ہے وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی نالنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: فَالَّذِينَ آمَنُوا یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے ایمان لائے اور انہوں نے اپنے اعمال سے ایمان کی تصدیق کی، ان کے گزشتہ گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی سی نیکیوں پر بھی بہت عمدہ اجر عطا کیا جاتا ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ”رزق کریم“ سے مراد جنت ہے۔ (۱) اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِينَ سَعَوْا یعنی وہ لوگ جو دوسروں کو نبی کریم ﷺ کی اتباع سے روکتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔ عجم سخت گرم، المناک، شدید اور عبرتناک آگ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اسے بچائے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: الَّذِينَ يَكْفُرُوا إِذْ أَصْدَقْنَا عَنَسِيْلَ السُّوْرِ ذُنُوبَهُمْ عَذَابًا لِّقَوْلِهِمْ نَعْتَدُ بِكَ بِمَا كَانُوا يَفْسُدُونَ (نحل: 88) ”جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، ہم نے ان کے پہلے عذاب پر اور عذاب بڑھا دیا اس کی وجہ سے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے۔“

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ ۖ فَيَلْسَنُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحَكِّمُ اللَّهُ أَلْبَابَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَ الْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝ وَيَلْعَلِمُ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّ الْحَقَّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ ۝

” اور نہیں بھیجا ہم سے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دینے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوہ) پس مناد بنا ہے اللہ تعالیٰ جو غل اندازی شیطان کرتا ہے۔ پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ یہ سب اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ بنا، جو موسیٰ، النبی ہے شیطان ایک آرزو نش ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں۔ اور بے شک ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جن لوگ جنہیں ہم بخش گیا کہ

کتاب حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ ایمان لائیں اس کے ساتھ اور جہت جائیں اس (کی سچائی) کے آگے ان کے دل۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے ایمان والوں کو اور راست کی طرف۔

بہت سے مفسرین نے یہاں غرائیق کا قصہ بیان کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس واقعہ کی وجہ سے اکثر مہاجرین حبشہ یہ سمجھ کر واپس مکہ لوٹ آئے کہ مشرکین قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن یہ قصہ ہر سند سے مرسل ہے اور کسی بھی صحیح سند سے مندرج نہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ شریف میں مشرکین کے اجتماع میں سورہ نجم کی تلاوت کی۔ جب اس مقام پر پہنچے: **اَقْرَبُّوْهُمْ اِنَّهُمْ اَنْتُمْ وَالْعَرَبِيَّةُ وَ مَلُوْكَهَا اَشْقٰبُ الْاُخْرٰى** (النجم: 20-19) تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات جاری کر دیے: **”يٰۤاَنْتَ الْغَرٰبِيُّ الْاَنْعَلِيُّ وَاِنْ شَفَعْتَهُنَّ فَرُوْجِحٰى“** (یعنی یہ بت) مرغان بلند پرواز ہیں، ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ یہ سن کر مشرکین خوش ہو گئے اور حضور ﷺ کے متعلق کہنے لگے کہ اس نے آج سے پہلے کبھی ہماری خدائوں کا ذکر نہیں کیا چنانچہ آپ ﷺ نے بھی سجدہ کیا اور وہ بھی سجدہ میں گر گئے۔ اس وقت یہ آیت **وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ** ... نازل ہوئی (1)۔ ابن جریر نے بھی یہ واقعہ روایت کیا ہے اور یہ مرسل ہے۔ بزار نے اپنی سند میں اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، لکھا ہے کہ یہ صرف اس سند سے متصل ہے۔ صرف امیہ بن خالد نے ہی اسے وصل کیا ہے اور وہ ثقہ مشہور ہیں۔ یہ صرف طریق کلبی سے ہی مروی ہے (2)۔ ابن ابی حاتم نے اسے ابو العالیہ اور سدی سے مرسل روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریر نے بھی محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس سے اسے مرسل ہی روایت کیا ہے (3)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو اٹکھائی اور شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ ڈال دیے: **”وَاِنْ شَفَعْتَهُنَّ لَتَرُوْجِحٰى وَاِنَّهَا لَتَعَمَّ الْغَرٰبِيُّ الْعُصٰى“** مشرکین ان الفاظ کو لے اڑے اور شیطان نے یہ بات پھیلادی کہ نبی کریم ﷺ نے ان کلمات کی بھی تلاوت کی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت **وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ** ... نازل کی اور شیطان کو ذلیل و رسوا کر دیا (4)۔ ابن ابی حاتم میں ابن شہاب سے مروی ہے کہ سورہ نجم نازل ہوئی اور مشرکین یہ کہہ رہے تھے کہ اگر یہ شخص (نبی کریم ﷺ) ہمارے معبودوں کو اچھے لفظوں میں یاد کر لے تو ہم اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں لیکن جس طرح یہ گالیوں اور برائی سے ہمارے خدائوں کا ذکر کرتا ہے اس طرح یہ ہود و نصاریٰ جیسے اپنے نبی مخالفین کا ذکر نہیں کرتا۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشرکین کی ایذا رسانیوں کی انتہا ہو چکی تھی اور ان کی تہذیب اور گمراہی آپ ﷺ کو بے چین کیے ہوئی تھی۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ یہ لوگ ہدایت قبول کر لیں۔ جب آپ نے سورہ نجم کی تلاوت شروع کی اور اس مقام پر پہنچے **اَقْرَبُّوْهُمْ اِنَّهُمْ اَنْتُمْ وَالْعَرَبِيَّةُ الْاَنْعَلِيُّ** ... **وَلَهٗ الْاُخْرٰى** تو چونکہ یہاں بتوں کا ذکر ہوا ہے، اس لئے شیطان نے ان کے متعلق یہ کلمات ڈال دیے: **”وَاِنَّهُمْ لَهٗنَّ الْغَرٰبِيُّ الْاَنْعَلِيُّ وَاِنْ شَفَعْتَهُنَّ لَهٰى الْبِنٰى تَرُوْجِحٰى“** یہ سچ اور سچی عبارت شیطان کی طرف سے تھی۔ یہ کلمات مشرکین کے دل میں جگہ پانگے اور وہ انہیں دہرا دہرا کر حضور ﷺ کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ اپنے پہلے دین اور اپنی قوم کے دین کی طرف لوٹ آیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سورہ نجم کے اختتام پر سجدہ کیا تو مجلس میں موجود تمام مسلمان اور مشرک بھی سجدہ میں گر گئے، سوائے ولید بن مغیرہ کے۔ چونکہ وہ بہت بوڑھا اور ضعیف تھا اس لئے اس نے ایک منگی مٹی لے کر اسے اپنی پیشانی کے ساتھ لگانا۔

2- کشف الاستار، ج 2، المراجعات، الشیخ، ج 3 صفحہ 72

4- امداد النعم، ج 6 صفحہ 68

1- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 188-189

3- تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 186-187

آپ ﷺ کے ساتھ جسدہ کرنے پر دونوں فریقوں کو ایک دوسرے پر تعجب ہوا۔ مسلمان اس بات پر متعجب تھے کہ مشرکین بغیر ایمان لائے اور یقین کیے ان کے ساتھ جسدہ میں شامل ہو گئے۔ مسلمانوں نے وہ الفاظ نہیں سنے تھے جو شیطان نے مشرکین کے کانوں میں ڈالے تھے۔ شیطان نے حضور ﷺ کی تلاوت کے دوران جو دخل اندازی کی تھی اس کے متعلق اس نے دوسرا اندازی کرتے ہوئے مشرکین کو یہ باور کرا دیا کہ یہ کلمات بھی آپ ﷺ نے ہی اس سورت میں پڑھے ہیں۔ مشرکین اس پر مطمئن ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ بتوں کی شفاعت کے متعلق کلمات آپ ﷺ نے ہی تلاوت کیے ہیں چنانچہ وہ بتوں کی تعظیم کی خاطر جسدہ ریز ہو گئے۔ لوگوں میں اس واقعہ کا خوب چرچا ہوا اور شیطان نے بھی اسے پھیلانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا یہاں تک کہ مہاجرین جسدہ کو بھی اس کی خبر ہو گئی۔ جب حضرت عثمان بن مظعون اور دیگر مسلمان مہاجرین کو یہ معلوم ہوا کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے بلکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور ولید بن مغیرہ جسدہ نہ کر سکا تو اس نے مٹھی بھر مٹی لے کر اس پر مارتا تھا تک دیا اور اب مسلمان مکہ شریف میں امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور انہوں نے جلدی سے واپس مکہ کی راہ لی۔ ان کے واپس مکہ پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی دخل اندازی اور دوسرا انگیزی کو ختم کر دیا اور اپنی آیات کو مستحکم کر کے انہیں بالکل محفوظ کر دیا اور فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ... جب اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال سے پردہ اٹھا دیا اور اپنے کلام کو شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھا تو مشرکین کی آتش عداوت مزید بھڑک اٹھی۔ وہ اپنی گمراہی میں اور زیادہ سخت ہو گئے اور پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے لگے۔ یہ روایت بھی مرسل ہے۔ تفسیر ابن جریر میں بھی یہ روایت موجود ہے (1) اور حافظ ابو بکر نعیمی نے بھی اسے اپنی کتاب دلائل النبوة میں روایت کیا ہے (2)۔ علاوہ ازیں محمد بن اسحاق بھی اسے اپنی سیرت میں لائے ہیں (3)۔ لیکن یہ تمام روایات مرسل اور منقطع ہیں۔ امام بغوی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اس قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد خود ہی ایک سوال اٹھایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی عصمت کا بذات خود ضامن اور محافظ ہے تو پھر آپ ﷺ سے ایسی بات کا صدور کیسے ممکن ہے؟ پھر انہوں نے مختلف علماء سے متعدد جوابات نقل کئے ہیں جن میں سے لطیف ترین جواب یہ ہے کہ شیطان نے مشرکین کے کانوں میں یہ بات ڈال دی اور انہیں یہ وہم دلایا کہ یہ الفاظ آپ ﷺ کے منہ سے نکلے ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا بلکہ یہ شیطان کی اپنی کارستانی تھی، آپ ﷺ سے ایسی بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا (4)۔ اسی طرح اور بھی متعدد حضرات نے اس واقعہ کے متعلق گفتگو کی ہے اور بغرض سحت روایت اس کے متعدد جوابات دیے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں اس قصہ کا ذکر کیا ہے ان کے جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ یہ اسی طرح ہے کیونکہ یہ ثابت ہے (5)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلیم دیتے ہوئے فرمایا: إِذَا دَأَبْتَنِي... یعنی شیطان آپ کو تشویش میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ سابقہ انبیاء و رسل کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب ان میں کوئی گفتگو کرتا تو شیطان دخل اندازی کرتے ہوئے اس کی گفتگو میں کوئی بات اپنی طرف سے ڈال دیتا لیکن اللہ تعالیٰ شیطان کی دوسرا اندازی کو باطل کر دیتا ہے اور پھر اپنی آیات کو مستحکم کرتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ”نمنی“ بمعنی قلآن ہے اور ”امنیتہ“ کا معنی ”قواءتہ“ ہے۔ ”إِلَّا أَمَانِي“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ پڑھتے ہیں، لکھتے نہیں۔ بغوی اور دیگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ ”نمنی“ کا معنی ہے کتاب اللہ کی تلاوت کرنا اور ”امنیتہ“ کا

2۔ لائل النبوة، جلد 2 صفحہ 286-296

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 189

3۔ یہ روایت سیرت ابن ہشام میں مذکور نہیں، البتہ امام کبلی نے الرضی الاف (1/229) میں یہ روایت سنائی ہے مقبراہ ابن اسحاق کے حوالے سے ذکر کی ہے۔

5۔ کتاب الصغائر، قاضی عیاض، جلد 2 صفحہ 750-763

4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 293-294

معنی ہے تلاوت (1)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو کسی شاعر نے آپ کے متعلق یہ شعر کہا:۔

قَتَلَنِي كِتَابَ اللَّهِ أَوْلَ لَيْلَةٍ وَأَجْرَهَا لَأَفِي حِمَامِ الْمَقْلُودِ

یہاں بھی 'قتلی' قرأت اور تلاوت کے معنی میں ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ قول تاویل کلام کے زیادہ قریب ہے (2)۔ نسخ کا لغوی معنی ہے از الہ اور رفع۔ حضرت ابن عباس اس فرمان اس فرمایا: **وَاللَّهُ عَزِيمٌ حَكِيمٌ** یعنی اللہ تعالیٰ تمام امور اور حوادث سے بخوبی آگاہ ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور وہ اپنے دینا ہے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیطان کی بات کو مٹا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی آیت کو محکم بنا دیتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَاللَّهُ عَزِيمٌ حَكِيمٌ** یعنی اللہ تعالیٰ تمام امور اور حوادث سے بخوبی آگاہ ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور وہ اپنے فیصلے، تحقیق اور حکم میں حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، اس لئے فرمایا: **لَيَجْعَلَنَّ مَا يَلْتَمِسُ** اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی دوسرا انداز کی کوان لوگوں کیلئے فتنہ بنا دے جن کے دلوں میں شک، شرک، کفر اور نفاق کا مرض ہے، مثلاً مشرکین، جب انہوں نے یہ بات سنی تو بہت خوش ہوئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ یہ الفاظ شیطان کی طرف سے تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ **لَيَجْعَلَنَّ مَا يَلْتَمِسُ** یعنی اللہ تعالیٰ ان سے مراد منافقین ہیں اور **وَالْقَالِيَةَ قُلُوبُهُمْ** مراد مشرکین، مقالہ بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں۔ فرمایا: **وَإِنَّ الظَّالِمِينَ** یعنی ظالم گمراہی، مخالفت اور ایسے عن دکا شکار ہیں جو حق و صواب سے بہت دور ہے۔ دوسری حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَلَيَعْلَمَنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ** یعنی وہ لوگ جنہیں ایسا علم نافع عطا کیا گیا ہے جس کے ساتھ وہ حق و باطل میں تمیز کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، وہ اس حقیقت کو جان لیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی طرف جو وحی کی ہے، وہی برحق ہے، اسے آپ کے رب نے اپنے علم سے نازل کیا اور کسی دوسرے کلام کی آمیزش سے اسے بالکل محفوظ بنا دیا۔ یہ ایسی کتاب عزیز ہے جس کی طرف باطل کی جانب سے بھی راہ نہیں پاسکتا۔ یہ حکیم و حمید خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اس قول **قَدِيمٌ وَمُنْتَهَى كَلِمَاتِهِ** یہ ہے کہ وہ اس کی تصدیق کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ **فَتُخْبِتُ لَهُ قُلُوبُهُمْ** یعنی ان کے دل خشوع و خضوع سے اس کے سامنے جھک جائیں۔ پھر فرمایا: **وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادٍ** یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں راہ راست دکھانے والا ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ حق اور اس کی اتباع کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے اور باطل کی مخالفت اور اس سے اجتناب کی توفیق بخشتا ہے اور آخرت میں وہ انہیں ایسی راہ پر چلائے گا جو سیدھی انہیں جنت میں لے جائے گی اور وہ انہیں جہنم کے دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

وَلَا يَرَأَى الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مَرِيئَةٍ قَسِيَةٍ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ
يَوْمَ عَقِيمٍ ⑤ أَلَمْ تَرَ يَوْمَ مَدْيَنَ إِذْ جَاءَتْهُمْ حُرُوفٌ فَاصَّةٌ فَفَضَّلَ آلَ مَدْيَنَ عَلَى الْغُلَامِ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي وادٍ لَمِيمٍ ⑥
جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ⑦ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ هُمْ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ ⑧

”اور ہمیشہ تک میں جنتا رہیں گے کفار اس کے بارے میں یہاں تک کہ آجائے ان پر قیامت اچانک یا آجائے ان پر عذاب منجوس دن کا۔ حکمرانی اس روز اللہ تعالیٰ کی ہی ہوگی۔ وہی فیصلہ فرمائے گا لوگوں کے درمیان۔ پس جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو وہ نعمت (واحسان) کے پانچوں میں (قیام پذیر) ہوں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ وہ بد نصیب ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا۔“

اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ قرآن کریم کے متعلق ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے ابن جریج نے ”منہ“ کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم کو ہی کر یہ مفہوم بیان کیا ہے (1)۔ سعید بن جبیر اور ابن زید نے اس ضمیر کا مرجع شیطان کی القاء کی ہوئی بات کو بنایا ہے یعنی وہ شیطان کی وسوسہ اندازی کے باعث ہمیشہ شک و شبہ کا شکار رہیں گے یہاں تک کہ اچانک ان پر قیامت آجائے۔ قنادہ کہتے ہیں کہ جب لوگ برائیوں میں مدہوش ہو جاتے ہیں، مہلت کی گھڑیوں اور نعمتوں سے دھوکہ کھاتے ہیں تو اس وقت اچانک اللہ تعالیٰ انہیں پکڑ لیتا ہے اس لئے دھوکہ کا شکار نہ ہونا کیونکہ دھوکہ میں رہنے والے فاسق لوگ ہوتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یوم عظیم (منجھن دن) سے مراد بدر کا دن ہے۔ مکرمہ و مجہد، سخاک اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے جس کے بعد رات نہیں۔ یہی قول صحیح ہے۔ اگرچہ بدر کا دن بھی ان کے کیلئے عذاب تھا لیکن یہاں مراد روز قیامت ہے، اس لئے فرمایا: **الْمَلُوكُ يَوْمَ يَوْمِي**۔ جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: **فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ الْآيَاتِ الْكُبْرَىٰ فَجَاءَهُمُ الْغَمَامُ وَالسَّيْلُ الْمَوْجِيءُ فَكَفَىٰ لِلْعِبَادِ الْعَذَابَ الْحَمِيمَ** (3)۔ **الْمَلُوكُ يَوْمَ يَوْمِي** (الفاتحہ: 3)۔ **وَكَانَ يَوْمَئِذٍ الْكَافِرِينَ عَذَابُهُمْ أَشَدَّ مِنْ عَذَابِ الْغَائِبِينَ** (26) ”اس دن سچی بادشاہی رحمن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لیے بڑا مشکل ہوگا“۔ اس کے بعد فرمایا: **فَأَلْقَىٰ مِنْ آصْفُؤا**۔ یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے ایمان لائے، اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی، اپنے علم کے مطابق عمل کرتے رہے اور ان کے دلوں میں اقوال و افعال کی مکمل ہم آہنگی رہی، ان کیلئے جنت کی دائمی نعمتیں ہوں گی جو سفاک ہوں گی، نہ کم ہوں گی اور نہ بڑیں گی۔ ان کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے سرفراہی، حق کی تکذیب کی، رسولوں کی مخالفت کی اور ان کے اتباع سے سبک کرتے رہے انہیں سنگم اور انکارِ حق کی پاداش میں رسوا کن عذاب دیا جائے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: **إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرِينَ** (المومن: 60) ”وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے سبک کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے“۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَاتَلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ ﴿٥٠﴾ **لَيْدًا خَلَقَهُمْ مَدًّا خَلَا يُرْضَوْنَ** - **وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ** ﴿٥١﴾ **ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِبُيُوتٍ مِمَّا عَفَا اللَّهُ عَنْهَا لَحِقَ اللَّهُ بِمُؤْمِنِهِمْ** ﴿٥٢﴾

”اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں پھروہ (جہاد میں) قتل کر دیے گئے یا طبعی طور پر فوت ہوئے تو ضرور عطا فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ بہترین رزق۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ وہ ضرور داخل کرے گا انہیں ایسی جگہ جسے وہ پسند کریں گے اور بقینا اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔ ان باتوں کو یاد رکھو! اور جس نے بدلا لیا اس قدر جتنی تکلیف اسے دی گئی تھی پھر (مزید) زیادتی کی گئی اس پر تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے“۔

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہجرت کی اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر دین کی سر بلندی کیلئے اپنے خویش و اقارب، اہل و عیال اور مال و دولت کو فخر یا بوجہ، پھر وہ میدان جہاد میں شہید ہو گئے یا بغیر جنگ کے طبعی طور پر فوت ہو گئے ان کیلئے اجر عظیم اور ثناء جمیل ہے جیسا کہ فرمایا: **وَمَنْ يُحِبَّ مِثْرَبِينَ بِمِثْرَبٍ مِنْهُمْ فَهِيَ مِثْرَبٌ وَلِلَّهِ سَبْعُ مِثْرَبٍ** (النساء: 100) ”اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا“۔ ان

نہیں قدمیہ کے اجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ مِنْهُ عَطَاً مَرِيداً (یعنی اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے نوازے گا اور جنت میں ایسا رزق عطا فرمائے گا جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے، مزید برآں اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں ایسی جگہ مرحمت فرمائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا: فَأَمَّا إِن كَانِ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ عِزٌّ مُّبِينٌ ﴿۸۸﴾ (الواقعة: 88-89) ”پس اگر وہ اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کیلئے راحت، خوشبودار غذا کی اور سرد و روانی جنت ہوگی“۔ یعنی انہیں راحت، رزق اور نعمتوں بھری جنت حاصل ہوگی جیسا کہ یہاں فرمایا: لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ

آیت کے آخر میں فرمایا: وَإِنَّ اللَّهَ لَهُ عِلْمٌ حَلِيمٌ (یعنی اللہ تعالیٰ بجزت کرنے والوں، جہاد کرنے والوں اور ان انعامات کا استحقاق رکھنے والوں سے اچھی طرح آگاہ ہے اور وہ بہت بردبار اور حلیم ہے، وہ اپنے ان بندوں کی ہجرت اور توکل کے سبب ان کے گناہ معاف فرماتا ہے۔ دو لوگ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں خواہ وہ مہاجر ہوں یا غیر مہاجر اور اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَبِمَا نَشَاؤُنَ لَهُمُ يُغْفِرُ ذُنُوبَهُمْ إِنَّهُ فَاعِلٌ يُفْعِلُ (آل عمران: 169) ”اور اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو ہرگز مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں (اور) رزق دیے جاتے ہیں“۔ اس بارے میں بہت سی احادیث گذر چکی ہیں۔ جو آدمی راہ خدا میں فوت ہو جائے خواہ وہ مہاجر ہو یا غیر مہاجر، اس پر اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے اور اسے اپنی جناب سے رزق عطا کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت کریمہ اور بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت شریح بن صبیح بن سمیط فرماتے ہیں کہ سرزمین روم میں ایک قلعہ کا محاصرہ طول پکڑ گیا۔ اسی اثناء میں حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کا میرے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جو شخص جہاد کی تیاری میں فوت ہو جائے، اللہ تعالیٰ اسے اس کا اجر عطا فرماتا ہے، رزق سے نوازتا ہے اور رفتہ میں ڈالنے والوں سے محفوظ رکھتا ہے، اگر چاہے وہ تو یہ فرمان پڑھ لو: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ هَا جَزُوْا۔“ (حضرت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور ربیعہ بن سبیح معاف فرماتے ہیں کہ ہر روز میں مصروف جہاد تھے ہر سے ساتھ صحابی رسول ﷺ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دو جنازے ہمارے پاس سے گزرے جن میں سے ایک شہید تھا اور دوسرا اپنی طبیعت موت مرا تھا۔ لوگ شہید کے جنازے پر جھک پڑے۔ حضرت فضالہ فرمانے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لوگ ایک پر جھکے پڑے ہیں اور دوسرے کی طرف بالکل توجہ نہیں دے رہے۔ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ یہ شہید ہے اور دوسرا اس سعادت سے محروم ہے۔ آپ فرمانے لگے کہ مجھے تو کوئی پروا نہیں خواہ اس کی قبر سے اٹھوں خواہ اس کی قبر سے۔ سنو، اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: وَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ هَا جَزُوْا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ دو جنازوں میں شریک ہوئے، ایک شہید تھا اور دوسرا طبیعت طور پر فوت ہوا تھا۔ آپ طبیعت موت مرنے والے کی قبر پر بیٹھ گئے۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ شہید کی قبر کے پاس کیوں نہیں بیٹھے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے کوئی پروا نہیں کہ میں ان میں سے کس کی قبر سے اٹھتا ہوں پھر آپ نے نہ کورہ دو آیات تلاوت کیں اور فرمانے لگے: اے بندے! جب تمہیں جنت مل گئی اور عمدہ رزق مرحمت کر دیا گیا تو تمہیں اور کیا چاہیے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ روم میں ایک دستہ کے امیر تھے۔ پھر فرمایا: اِنَّكَ تَوَصَّى بِهَا قَبْرٌ۔ قتال بن حیان اور ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ آیت صحابہ کے ایک چھوٹے سے لشکر کے متعلق اتری جن کا ماہ محرم میں مشرکین کی ایک جماعت سے آمناسا مانا ہوا۔ مسلمانوں نے ان سے، ہر حرام میں لڑائی سے اجتناب کرنے کو کہا لیکن وہ لڑائی پر مصر

رہے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے چنانچہ مسلمانوں نے جو اہل حملہ کر کے انہیں شکست فاش دی اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے طفیل غالب آ گئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوَلِّیْ لِمَا يَشَاءُ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ①
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیْمُ
الْکَبِیْرُ ②

”اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی داخل کرتا ہے رات (کے کچھ حصہ) کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کے کچھ حصہ) کو رات میں اور اللہ تعالیٰ سب باتیں سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ نیز اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خدائے برحق ہے اور جسے وہ پوجتے ہیں اس کے علاوہ وہ سراسر باطل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بلند (اور) سب سے بڑا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق اور وہی اپنی مشیت کے مطابق مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلِ اللّٰهُمَّ فَطَرْتَ الْمَلٰٓئِکَۃَ وَتَوَلَّیْتَهُنَّ وَتَشَآءُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ① اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ② تُوَلِّیْهِ الْاَیْمٰنُ فِی النَّہَارِ وَتُوَلِّیْهِ الْاَیْمٰنُ فِی الْاَیْمٰنِ ③ وَتَشَآءُ بِعَشْرِ حِسَابٍ (آل عمران: 27-28) ایضاً کا معنی ہے داخل کرنا۔ پس گرمیوں میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سردیوں میں راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ فرمایا: وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتوں کو خوب سننے والا اور انہیں اچھی طرح دیکھنے والا ہے۔ بندوں کے احوال اور حرکات و سکنات میں سے کوئی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں۔ جب یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز میں تصرف کرنے والا ہے اور وہی حاکم ہے جس کے حکم کو کوئی مستزید نہیں کر سکتا تو فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یعنی اللہ تعالیٰ ہی خدائے برحق ہے اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے کیونکہ وہ ایسی شان، عظمت اور قوت والا ہے کہ جو وہ چاہتا ہے، صرف وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، نہیں ہوتا اور ہر چیز اس کی محتاج اور اس کے سامنے بیچ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں وغیرہ کی پرستش کی جاتی ہے، وہ سب باطل ہیں اور کسی نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تسلط ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب کیونکہ وہ ایسا عظیم ہے جس سے بڑھ کر کوئی عظمت والا نہیں، ایسا ہی وارفع ہے جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں اور وہ سب سے بڑا ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں۔ وہ ظالموں اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی ہرزہ سرائیوں سے منزہ و مقدس اور بہت ہی بلند ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاصْبَحَ مِنْ الْاَرْضِ مُخْضَرًّا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ
خَمِیْمٌ ④ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ⑤ اَلَمْ تَرَ
اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ وَاَنْفَلَتْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرٍ ۙ وَیَسِّرُکَ السَّآءَ اَنْ
تَقَعَّ عَلٰی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِالْاٰتِیْسِ لَشَآءُ ۙ وَهُوَ الَّذِیْ
اَحْیَاکُمْ ثُمَّ یَمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ۗ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ ⑥

لیکن یہ اس کے لطف و کرم، اور رحمت و قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ آسمان کو گرنے سے روکے ہوئے ہے۔ بجز اس کے اذن کے اس لئے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ بِآثَارِكُمْ لَشَدِيدٌ عَلِيمٌ** یعنی لوگوں کے ظلم کے باوجود وہ ان پر بہت مہربان اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے آیت میں فرمایا: **وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَعْفَرٍ** لَتَأْتِيَ عَلَى ظُلْمِهِمْ **وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدٌ عَلِيمٌ** (الرعد: 6) ”اور آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا بھی ہے“۔ اگلی آیت میں فرمایا: **وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ لَكُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمُوا بِهِ وَأَنْذَرُ لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا مِنَ الْكٰفِرِينَ** (البقرہ: 28) ”تم کیونکر اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اس کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے“۔ **قُلِ اللَّهُ يُخَيِّطُ لَكُمْ يُخَيِّطُكُمْ لِمَنْ يَشَاءُ لَكُمْ لِيََجْعَلَ لِكُلِّ فِرْقٍ حَتْمًا مِمَّا تَكْفُرُونَ** (البقرہ: 26) ”فرمائیے اللہ نے تمہیں زندہ فرمایا ہے، پھر وہی تمہیں مارے گا پھر تمہیں روز قیامت جمع کرے گا جس میں ذرا شک نہیں“۔ **قَالُوا رَبَّنَا آتِنَا اللَّهُمَّ مِنْهُ خَبِيرًا** (المومن: 11) ”وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا“۔ (کلام کا مطلب یہ ہے کہ تم کیونکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور اس کے ساتھ غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو حالانکہ پیدا کرنے والا، رزق دینے والا اور تعریف کرنے والا صرف وہی خدا ہے، احد ہے، اس نے تمہیں عدم محض سے وجود بخشا، پھر وہی تمہیں مارے گا اور پھر قیامت کے دن وہی تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ بلاشبہ انسان بہت ہی ناشکر ہے۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا مِمَّا كَفَرُوا فَلَا يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ وَأَذَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ ۗ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥١﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٢﴾

”ہر امت کے لئے ہم نے مقرر کر دیا ہے عبادت کا طریقہ جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ نہ جھگڑا کریں آپ سے اس معاملہ میں آپ جلاتے رہئے انہیں اپنے رب کی طرف (اے محبوب ﷺ) آپ بے شک سیدھی راہ پر (گامزن) ہیں۔ اور اگر وہ (پھر بھی) آپ سے جھگڑا کریں، تو آپ (صرف اتنا) فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن ان امور کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو“۔

کلام عرب میں ”منسک“ اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں آنے جانے کا انسان عادی ہو خواہ خیر کیلئے یا شر کیلئے، اسی لیے احکام حج کو ”مناسک“ کہنے کی یہی وجہ ہے کہ لوگ بار بار جاتے ہیں اور ان کی بجا آوری کرتے ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس لفظ ”أُمَّةٍ“ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر نبی کی امت کیلئے نظام شریعت مقرر کیا ہے جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں (۱) اگر یہی مراد ہو تو فلا **يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ** کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ مشرکین آپ سے اس معاملہ میں تنازع نہ کریں۔ اور اگر یہاں جگہ **أُمَّةٍ** میں نظام عبادت مقرر کرنا بطور قدرت کے ہو جیسا کہ اس ارشاد میں ہے: **وَاللَّيْلُ وَجَهَةٌ هُمْ مَوْلَانَا** (البقرہ: 148) ”اور ہر قوم کیلئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرتی ہے“۔ اس لیے فرمایا: **هُم تَابِعُوا** تو اس صورت میں یہاں ضمیر کا مرجع یہی ہوں گے جن کیلئے نظام عبادت مقرر کیا گیا

یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ سے ایسا کر رہے ہیں، اس لیے آپ ان کے جھگڑے کو خاطر میں نہ لائیں اور یہ چیز آپ کو حق سے نہ بتا دے، اس لئے فرمایا: **وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً**... یعنی آپ اپنے رب کی طرف بلا تے رہے یقیناً آپ ایسے واضح اور سیدھے رستے پر گامزن ہیں جو مقصود تک پہنچانے والا ہے ایسا ہی ایک اور فرمان ہے: **وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أَنْتَ إِتَيْتَ بِهَا بَيِّنَاتٍ مِّنَ رَبِّكَ إِذْ أَنْتَ عَلَىٰ سَبِيلٍ مِّنْ رَبِّكَ** (التقصص: 87) اور وہ آپ کو ہرگز اللہ کی آیات سے نہ روکیں اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف اتاری گئیں اور اپنے رب کی طرف بلائیے۔ فرمایا: **وَإِنْ لَّجُنَاتُكَ**۔ اس فرمان کی طرح یہ بھی ہے: **وَإِنْ كَذَّبْتُمْ فَلَا تَكْفُلُ** یعنی تم نے کفر کیا تو فرما سچے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل تم میرے اعمال سے بری الذمہ ہو اور میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں۔ اس ارشاد اللہ **أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ** میں شدید صدمہ کی اور سخت وعید ہے جیسا کہ فرمایا: **هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفْعَلُونَ** **فِيهِ تُكْفَىٰ بِهِ شَهِيدًا** **بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ** (الاحقاف: 8) ”وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو، وہ میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کافی ہے۔“ اس لئے فرمایا: **اللَّهُ يَحْكُمُ** یہ اس فرمان کی طرح ہے: **فَوَيْلٌ لَّكَ فَادِمُ** **وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ** **وَلَا تَتَّبِعِ** **هُوَ أَعْلَمُ** **تَوَكَّلْ** **أَمْنْتُ** **بِمَا أُنزِلَ** **إِنَّهُ** **مِنْ** **كِتَابِ** **الْشُّرَىٰ** (15) ”ہیں اس دن کی طرف آپ دعوت دیتے رہئے اور ثابت قدم رہئے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور نہ اجراع کیجئے ان کی خواہشات کا اور فرمائیے میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی۔“

أَلَمْ تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ

يَسِيرٌ ۝

”کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب کچھ ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ بے شک (بلندی اور پستی کی ہر چیز کو جان لینا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔“

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے متعلق مکمل علم رکھتا ہے اور وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ زمین و آسمان میں ایک ذرہ بلکہ اس سے بھی چھوٹی بڑی چیز اس سے اوجھل نہیں ہو سکتی۔ کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے اسے کائنات کا علم تھا اور اسے اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھیں، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا“ (1)۔ سنن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہ حدیث مروی ہے: ”سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ۔ اس نے عرض کی کہ میں کیا لکھوں؟ فرمایا: لکھ جو کچھ ہونے والا ہے چنانچہ جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا، قلم نے اسے لکھ دیا“ (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سو سال کی مسافت جیسی لوح محفوظ پیدا کی اور مخلوق کی تخلیق سے پہلے جبکہ اللہ تعالیٰ عرش پر تھا، قلم کو لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے دریافت کیا کہ میں کیا لکھوں؟ فرمایا: قیامت تک مخلوق کے بارے میں جو میرا علم ہے۔ چنانچہ قلم چل پڑا اور اس نے قیامت تک روٹنا ہونے والے وہ تمام امور جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے لکھ دیے۔ اسی چیز کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے اس آیت **أَلَمْ تَعْلَمُ** میں

1- صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2044

2- سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، جلد 4 صفحہ 225-226، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 319-320 وغیرہ

کیا جا رہا ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا کماؤں علم ہے کہ اشیاء کے وجود سے پہلے ہی اسے ان کا علم ہے بلکہ اس نے کچھ بھی دیا ہے۔ بندوں نے جو اعمال جس طریقے سے کرنے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کے بارے میں مکمل آگاہی ہے۔ تحقیق سے پہلے ہی اسے معلوم ہے کہ یہ بند اپنے اختیار سے اطاعت کرے گا اور یہ اپنے اختیار سے نافرمانی کرے گا اور یہ سب کچھ اس نے سب میں لکھ دیا، اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر لیا اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان اور معمولی ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُنْطًا وَمَا يَشَاءُ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ
مِنْ مُصِيبٍ ۝ وَإِذَا تَشَلَّى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كُفَرُوا
بِكَادُونَ يَسْتَوُونَ بِالَّذِينَ يَشْتُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قُلْ أَفَأَنْتُمْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ لَمْ تَلَمْسُوا
وَعَدَاهُ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذْ وَبَسَّ الْمُصِيبُ ۝

”اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو نہیں اتاری جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی سزا اور نہیں خود بھی ان کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ اور نہیں ہوگا ظلم و ستم کرنے والوں کا کوئی مددگار۔ اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں صاف صاف، تو آپ پہچان لیتے ہیں کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار۔ یوں پتہ چلتا ہے کہ وہ عنقریب جھپٹ پڑیں گے ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔ آپ فرمائیے (اے جھین پتہ چھین ہونے والو!) کیا میں آگاہ کر دوں تمہیں اس سے بھی تکلیف دہ چیز پر دوزخ کی آگ! وعدہ کیا ہے اس آگ کا اللہ تعالیٰ سنے کفار سے۔ اور دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے۔“

مشرکین کی جہالت، کفر اور بغیر کسی سزا اور حجت کے غیر اللہ کی عبادت کرنے کے متعلق آگاہ کیا جا رہا ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَمَنْ يَتَّبِعْ أَهْلَ الْآخِرَةِ يَنْزِلْ عَلَيْهِمُ الْقَارِعَةُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ فَإِنَّ إِيمَانَهُ يَكْفُرُ بِهِ اللَّهُ فَإِنَّمَا أَجْسَادُهَا بَشَرٌ وَلَهُمْ جَزَاءُ عَذَابٍ أَلِيمٍ (المؤمنون: 117) اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پوجتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، بے شک کافر کا میاں نہیں ہوں گے۔ اس لئے یہاں فرمایا: عَذَابٌ يُنَزَّلُ بِهِ سُنْطًا... یعنی یہ لوگ بغیر کسی عقلی اور نقلی دلیل کے کھنٹ اپنے گمراہ آباؤ اجداد کی تقلید میں اور شیطان کی اٹکھت پر ایسا کر رہے ہیں اس لئے دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ مُصِيبٍ یعنی ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے۔ پھر فرمایا: وَإِذَا تَشَلَّى یعنی جب ان کے سامنے آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت والوہیت اور اس کے رسولوں کی حقانیت و صداقت کے واضح دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ قرآنی دلائل پیش کرنے والوں پر جھپٹ پڑیں گے اور ان کے ساتھ دست درازی کرتے ہوئے بدگلائی سے پیش آئیں گے۔ چنانچہ حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ان سے یہ کہہ دیں: أَفَأَنْتُمْ أَنْتُمْ بَشَرٌ... یعنی آگ کا عبرتناک عذاب تمہارے اس ظلم و ستم سے کیسے زیادہ، تکلیف دہ اور عظیم ہے جس سے تم اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو خوفزدہ کر رہے ہو۔ بفرض محال اگر تم اپنے زعم اور ارادہ کے مطابق اللہ کے ان نیک بندوں کو تکلیف پہنچا بھی لو تو اس کربوت پر آخرت میں تم جس عذاب کا شکار ہو گے وہ اس سے بہت بڑا ہے، تمہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا جو بہت برا ٹھکانا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ صُورِبْ مَثَلٌ قَاتِسْتُمْعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ لَنْ يَخْتَلِفُوا

ذُبَابًا وَكَوْا جَمْعُ وَاَلَهُ ط وَإِنْ يَسْلُبُهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ وَلَا مِنْهُ ضَعْفُ

الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ ﴿٢٠﴾ مَا قَدَّرَ وَاللَّهُ حَقٌّ قَدِيرٌ ﴿٢١﴾ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٢﴾

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے پس غور سے سنو اسے اے شک جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لئے اور اگر چھین لے ان سے کبھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھڑا سکتے اسے اس کبھی سے۔ (آہ) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب۔ زندگی پھیلانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسے اس کی قدر پہچانے کا حق تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا عاقبتور (اور) سب پر غالب ہے۔

بتوں کی حقارت اور ان کے پیچاریوں کی کم عقلی اور حماقت پر آگاہ کیا جا رہا ہے۔ فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ یعنی اے لوگو! یہ جاہل جن بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں ان کی مثال بیان کی جا رہی ہے، اسے غور سے سنو اور اچھی طرح سمجھ لو۔ یہ کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں، وہ اس قدر بے بس ہیں کہ کبھی تک پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب مل کر اس کام کیلئے کوشش کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں ہے: ”اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح کوئی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے، اگر واقعی وہ ایسا کر سکتے ہیں تو میری تخلیق جیسا ایک ذرہ، ایک مکھی یا ایک دانہ بنا کر دکھائیں“ (1)۔ صحیحین میں یہ الفاظ ہیں: اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو میری مخلوق جیسی کوئی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے، اگر واقعی انہیں قدرت حاصل ہے تو وہ ایک ذرہ یا ایک جوی بنادیں“ (2)۔ پھر فرمایا: وَإِنْ يَسْلُبُهُمُ الذُّبَابُ ان بتوں کی بے بسی اور بھڑکایہ عالم ہے کہ ایک مکھی پیدا کرنا تو درکنار، یہ تو مکھی کا مقابلہ کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ اگر کبھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو یہ اس سے چھڑانے کی قدرت نہیں رکھتے حالانکہ کبھی نہایت ضعیف اور حقیر مخلوق ہے، اس لئے فرمایا: ضَعْفُ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ طالب سے مراد بت اور مطلوب سے مراد مکھی ہے (3)۔ سدی وغیرہ کا کہنا ہے کہ طالب سے مراد ان بتوں کا پیچاری اور مطلوب سے مراد بت ہے۔ پھر فرمایا: مَا قَدَّرَ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر نہیں پہچانی جس طرح اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا اور نہ وہ ان بے بس اور عاجز بتوں کی پوجا نہ کرتے جو کبھی کا مقابلہ کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا اللَّهَ عَنِيعًا یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنی قدرت اور قوت کے ساتھ ہر چیز کو پیدا کیا، وہی پیدائش کا آغاز کرتا ہے اور پھر وہی وہ بارہ زندہ کرے گا اور ایسا کرنا اس پر بالکل آسان ہے۔ اس کی پکڑ بہت شدید ہے، وہی تخلیق کی ابتدا کرنے والا اور وہی اعادہ کرنے والا ہے، وہی رزق دینے والا اور لا محدود قوت کا مالک ہے اور وہ عزیز اور غالب ہے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تسلط ہے، کوئی اس پر غلبہ نہیں پاسکتا۔ وہ واحد اور قہار ہے۔

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ مَرْسَلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢٣﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢٤﴾

”اللہ تعالیٰ جن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی

لوٹائے جائیں گے سارے معاملات۔“

اللہ تعالیٰ بعض فرشتوں کو جن لیتا ہے جو اس کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں اور اس کی مقرر کردہ شریعت کو اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح وہ انسانوں میں سے پیغمبر منتخب فرماتا ہے جو اس کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا، انہیں دیکھنے والا اور یہ جانتے والا ہے کہ کون اس منصب کا مستحق ہے جیسا کہ فرمایا: **اللَّهُ أَعْلَمُ صَاحِبًا بِمَنْ يَجْعَلُ رَسُولًا أَلَيْسَ (الانعام: 125)** ”اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے۔“ پھر فرمایا: **يَعْلَمُ صَاحِبِينَ.....** یعنی وہ رسولوں کے متعلق جانتا ہے اور ان کے امور میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں جیسا کہ فرمایا: **عَلِيمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا - - - وَ أَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عِندَهُ (الحج: 28-26)** پس اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کا نگہبان ہے، جو انہیں کہا جاتا ہے، اس کا گواہ ہے، ان کا محافظ اور حامی و ناصر ہے۔ فرمایا: **يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَدَأْنَا مَا آتَيْنَاكَ مِنْ رَبِّكَ لَوْلَا رَأْيُنَا لَكُنَّ عُرَىٰ وَإِن تَقَعَلَ مُتَابِعُتِ هَاتِهِمَا لَتَجِدَنَّ أُمَّكَ وَ أُمَّكَ تَكْفُرُ بِاللَّهِ وَ النَّبِيِّ وَ مَا تَكْفُرُ إِلَّا فِي سَوَاطِيرِ النَّاسِ (المائدہ: 67)** ”اے رسول! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَ أَسْجُدُوا وَ اعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٦﴾ وَ جَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادٍ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ وَ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَ فِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ وَ اعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَ نِعْمَ الْمُرْتَبِتُونَ ﴿٢٧﴾

”اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے پروردگار کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تا کہ تم (دین و دنیا میں) کامیاب ہو جاؤ۔ اور (مروتوں) کوشش کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے جن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسانی اور اشاعت کے لئے) اور نہیں روارکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی گنجی۔ بیروی کرو اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی۔ اسی نے تمہارا نام مسلم (سراطاعت فہم کرنے والا) رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تاکہ ہو جائے رسول (کریم) گواہ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر۔ پس (اے دین حق کے علمبردارو!) صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑ لو اللہ تعالیٰ (کے دامن رحمت) کو، وہی تمہارا کارساز ہے، پس وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مدد فرمانے والا ہے۔“

سورہ حج کے اس دوسرے سجدہ کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے کہ آیا یہ مشروع ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ پہلے ہم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سورہ حج کو وہ سجدوں کے باعث فضیلت دی گئی ہے۔ جو یہ سجدہ نہ کرے، وہ یہ پڑھے ہی نہیں (1)۔“ فرمایا: **وَ جَاهِدُوا فِي اللَّهِ** جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ**

تُفْقِه (آل عمران: 102) اس کے بعد فرمایا: هُوَ اِحْتِشَابٌ لَكُمْ . یعنی اے عظیم امت! اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمام امتوں سے منتخب کر کے فضیلت اور شرف سے نوازا ہے اور تمہیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ تمہیں سب سے افضل رسول اور سب سے کامل شریعت عطا کی گئی اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی گتھی روا نہیں رکھی۔ تمہیں کسی ایسی چیز کا تکلف نہیں بنایا جو تمہاری استطاعت سے باہر ہو اور نہ کوئی ایسا امر تم پر لازم کیا ہے جو تمہیں شاق گذرے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آسانی پیدا کر دی ہے اور ہر مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ تجویز کر دی ہے۔ توحید و رسالت کی گواہی کے بعد اسلام کا سب سے بزرگ نماز ہے۔ انسان اگر تمہیں ہو تو چار فرض پڑھے اور اگر مسافر ہو تو قصر کرے یعنی دو فرض ادا کرے، بعض ائمہ کے نزدیک صلوٰۃ خوف صرف ایک ہی رکعت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور آدی سوار ہو یا پیدل، قبلہ رو ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں اس کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح سفر میں نقلی نماز کا بھی یہی حکم ہے یعنی جس طرف رخ ہوا ہے ادا کیا جا سکتا ہے پھر نماز میں قیام بیماری کے عذر کی بناء پر ساقط ہو جاتا ہے، مریض بیچہ کر نماز پڑھ سکتا ہے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر، اسی طرح دیگر فرائض و واجبات میں بھی اللہ تعالیٰ نے آسانی اور تخفیف پیدا کر دی ہے اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مجھے آسان دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہے“ (1)۔ جب آپ ﷺ نے حضرات معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کو امیر بنا کر یمن بھیجا تو انہیں فرمایا: ”بشارت دینا، نفرت نہ دلانا، آسانی پیدا کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا“ (2)۔ اس مفہوم کی متعدد احادیث ہیں۔ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ”حرج“ کا معنی تنگی ہے (3)۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ”ملہ“ کا لفظ حرف جر کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی، ”مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ بَلْ وَسَّعَهُ عَلَيْكُمْ كَيْلًا اَيْبِنَكُمْ اَيْرَاهِيمَ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی روا نہیں رکھی بلکہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت کی طرح اس میں وسعت پیدا کر دی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے پہلے ”الْوُجُوْا“ فعل مقدر مانا جائے جس کا ”ملہ“ مفعول ہو (4)۔ یہی چیز اس آیت میں بھی ہے: قُلْ اِنْتُنِي خَدْنِي رَبِّيْ اِنْ صِرَا طٌ مُّسْتَقِيْمًا ۗ وَاِنِّيْ لَقِيْتُمَا اِيْمًا وَاِنِّيْ لَرَبِّكُمْ حَنِيفًا (الانعام: 161) ”فرمائیے بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ تک پہنچا دیا ہے یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے“، فرمایا هُوَ سُنُّكُمْ . یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی آپ علیہ السلام نے تمہارا یہ نام رکھا ہے۔ کیونکہ آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی رَبَّنَا وَاَجْعَلْنَا مُسْلِمِيْنَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ: 128) ”اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنادے اور ہماری اولاد سے بھی اپنی ایک فرمانبردار جماعت پیدا کرنا“۔ لیکن ابن جریر نے اس توجیہ کو پسند نہیں کیا کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم نے قرآن میں اس امت کا نام مسلم نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود یہ نام دیا ہے اور آیت کریمہ میں ”من قبل“ سے مراد کتب سابقہ اور ”فی هذا“ سے مراد قرآن کریم ہے۔ مجاہد اس آیت هُوَ سُنُّكُمْ ... کا یہی معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتب سابقہ اور ذکر یعنی قرآن کریم میں تمہارا نام مسلم رکھا اور یہی درست ہے کیونکہ اس سے پہلے فرمایا: هُوَ اِحْتِشَابٌ لَكُمْ . پھر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اس دین کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ ان کے باپ حضرت فطیل علیہ السلام کا دین ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس امت کو اپنا احسان یاد دلارہا ہے کہ اس نے سابقہ آسمان کتابوں میں اس امت کا ذکر خیر کیا ہے، فرمایا: هُوَ سُنُّكُمْ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جو زمانہ

جاہلیت جیسا دعویٰ کرے وہ جہنمی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگرچہ وہ روزے رکھے اور نماز میں پڑھے؟ فرمایا: ہاں، اگرچہ وہ روزے رکھے اور نماز میں پڑھے، پس تم انہی ناموں سے پکارو جو نام اللہ تعالیٰ نے تمہارے رکھے ہیں یعنی مسلمین، مومنین اور عباد اللہ (1)۔ اس آیت یَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا إِلَهًا مَّا لَمْ يَخْلُقْكُمْ... (البقرہ: 21) کی تفسیر کے تحت یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے، اس لیے فرمایا: لِيَتَّبِعُونَ الذِّمَّةَ الَّتِي فِيهَا حَيَاتُهُمْ۔ یعنی ہم نے تمہیں بہترین، افضل، عمدہ اور عادل امت بنایا ہے اور تمام امتوں میں تمہاری عدالت کا حرج چا کر دیا ہے تاکہ تم قیامت کے دن سب لوگوں پر گواہی دو۔ چونکہ اس دن تمام امتیں اس امت کی سیادت اور فضیلت کی معترف ہوں گی اس لئے ان پر قیامت کے دن اس امت کی یہ گواہی قابل قبول ہوگی کہ ہر پیغمبر نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور رسول اللہ ﷺ اس امت پر گواہی دیں گے کہ آپ نے ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور فریضہ رسالت ادا کر دیا ہے۔ اس موضوع کے متعلق بحث اس فرمان: وَكَلِّمْنَاكَ جَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً وَمَسْطَرًا۔ (البقرہ: 143) کے تحت گذر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ وہاں ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کا واقعہ بھی بیان کر دیا ہے، فرمایا: فَاقْبَلُوا الصَّلَاةَ... یعنی اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے حقوق و فرائض کی بجا آوری کرو، فرائض میں سے سب سے اہم نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے۔ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ مال میں سے کچھ حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا ہوتا ہے جس سے کمزوروں اور محتاجوں کی کفالت ہوتی ہے اور اس سے مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے۔ سورۃ توبہ میں آیت زکوٰۃ کے تحت زکوٰۃ کے احکام بیان کیے جا چکے ہیں (2)۔ فرمایا: وَاعْتَصِمُوا... یعنی اللہ تعالیٰ کے دامن رحمت کو تھام لو، اسی سے مدد طلب کرو، اسی پر بھروسہ کرو اور اسی کی تائید کے خواستگار رہو، وہی تمہارا کارساز، حامی و ناصر اور دشمنوں کے خلاف تمہیں کامیابی سے نوازنے والا ہے۔ وہ بہت ہی اچھا کارساز اور بہت ہی مددگار ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت وہب بن ورد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے ابن آدم! جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کرو، جب مجھے غصہ آئے گا تو میں تمہیں یاد کروں گا اور تمہیں برباد ہونے والوں کے ساتھ برباد نہیں کروں گا اور جب تجھ پر ظلم کیا جائے تو صبر کرو اور میری مدد پر راضی رہو کیونکہ میں جو تمہاری مدد کروں گا وہ اس مدد سے بہتر ہے جو تو اپنی لئے کرے گا۔"

سورة مؤمنون (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خِشْعُونَ ﴿٢﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ هُمْ يُقْرَوْنَ وَهُمْ لَا يَخْفَوْنَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ آزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلْكُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنْ ابْتغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ﴿٧﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ لَوْحٌ رُّعُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾

”بے شک دونوں جہان میں با مرد ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں معجز و نیاز کرتے ہیں۔ اور وہ جو ہر بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں۔ اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں ملکیت میں تو بے شک انہیں ملامت نہ کی جائے گی۔ اور جس نے خواہش کی ان دو کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں۔ نیز وہ (مومن با مرد ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں جو وارث نہیں گے فردوس (بریں) کے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی اترتی تو آپ کے رخ انور کے قریب شہد کی کھپوں کی جھنجھناہٹ سی سنائی دیتی، ایک مرتبہ یہی کیفیت طاری تھی، تھوڑی دیر کے بعد جب وحی کا اختتام ہوا تو آپ نے قبضہ ہو کر اور اپنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: ”اے اللہ! ہمیں مزید عطا فرما اور کمی نہ کر، ہمیں اعزاز و اکرام بخش اور ہانت نہ کر، ہمیں عطا فرما اور محروم نہ رکھ، ہمیں ترجیح دے اور ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے، ہم سے خوش ہو جا اور ہمیں خوش کر دے۔“ ”بھہ پر دس آیات اتری ہیں، جو ان پر عمل پیرا ہو گیا وہ جنتی ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا دس آیات کی تلاوت کی (1)۔ امام ترمذی نے اسے منکر کہا ہے کیونکہ اس کا راوی صرف یونس بن سلیم ہے جو غیر معروف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہی تو تھا، پھر آپ رضی اللہ عنہا نے اس سورت کی ابتدائی نو آیات کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہی آپ ﷺ کے اخلاق تھے (2)۔ حضرات کعب الاحبار، مجاہد اور ابوالعالیہ وغیرہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا کی اور اس میں

اپنے ہاتھ سے درخت وغیرہ لگائے تو اس کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ گفتگو کر۔ جنت نے ان آیات قَدْ آفَاتِهِ کی تلاوت کی۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی تخلیق اس طرح کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور دوسری چاندی کی اور اس میں درخت وغیرہ لگا کر اسے فرمایا کہ کلام کر تو اس نے مذکورہ بالا آیات کی تلاوت کی۔ جب فرشتے اس میں داخل ہوئے تو کہنے لگے: واہ واہ! یہ تو بادشاہوں کا مقام ہے (1)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا، اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور دوسری چاندی کی اور اس کا گارامٹک کا“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کی تخلیق کی تو اس میں وہ چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا“۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گفتگو کرنے کیلئے فرمایا تو اس نے مذکورہ آیات کی تلاوت کی (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی حدیث میں آتا ہے: ”جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس میں بچھکے ہوئے پھول والے درخت لگے اور اس میں نہریں جاری کر دیں تو اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: کلام کر۔ چنانچہ اس نے یہ کہا: قَدْ آفَاتِهِ... پھر فرمایا: میری عزت اور جلال کی قسم! تجھ میں بخیل ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جنت عدن کو پیدا کیا، اس کی ایک اینٹ سفید موتی کی، دوسری سرخ یا قوت کی، تیسری سبز برجد کی، اس کا گارامٹک ہے، کنکر یا موتی اور گھاس زعفران ہے پھر اسے فرمایا کہ کلام کر تو اس نے یہ تلاوت کی: قَدْ آفَاتِهِ الْمُؤْمِنُونَ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! کوئی بخیل تجھ میں میرا قرب نہیں پاسکے گا“۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْكَ قَدْرُكَمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ (المشعر: 9) فرمایا: قَدْ آفَاتِهِ الْمُؤْمِنُونَ یعنی ان مذکورہ صفات سے متعفف اہل ایمان سعادتمند اور ہامراد ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ”عندنا دعوان“ کا معنی بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور سکون کے ساتھ رہنے والے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خشوع سے مراد دل کی عاجزی، فروتنی اور جھکاؤ ہے۔ حسن بھری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں خشوع و خضوع ہوتا جس کے باعث وہ اپنی لگاؤ میں لپٹی رکھتے اور بازو جھکا لیتے۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ رسول ﷺ نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے، جب یہ آیت کریمہ اتری تو انہوں نے اپنی نگاہیں پست کر کے سجدہ کی جگہ پر سر موڑ کر لیں۔ صحابہ کہا کرتے تھے کہ نظر نماز کی جگہ سے اوجھر نہیں جانی چاہیے۔ اگر کوئی اس قسم کی چیز کا مادی ہوتو وہ اپنی نگاہیں جھکا لے (3)۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اس آیت کے نزول تک ایسا کیا کرتے تھے (3)، نماز میں خشوع اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کا دل نماز کیلئے فارغ ہو، نماز میں مشغول ہونے کے باعث باقی ہر چیز کا خیال ترک کر دے اور نماز کو بوقت امور پر ترجیح دے، اس وقت اسے راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں حاصل ہوتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے خوشبو اور عورتیں محبوب بنا دی گئیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی“ (4)۔ حضرت محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز کے وقت اپنی لوٹنی سے کہا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ تا کہ میں نماز پڑھ کر راحت حاصل کروں۔ جب انہوں نے

2۔ محمد کبیر، جلد 11 صفحہ 184

1۔ کشف الاستار، ذواکب طیار، کتاب صلوٰۃ الخیر، جلد 4 صفحہ 189-190

3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 2، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 83-84

4۔ سنن نسائی، کتاب عشرۃ النساء، جلد 7 صفحہ 61-62، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 128

ہمارے چہرہ پر اس بات کی وجہ سے تعجب کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اے بلال! اشھور نماز کے ساتھ ہمیں راحت پہنچاؤ“ (1)۔ مومنین کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ النَّفْسِ الْمُعْرِضُونَ“ یعنی وہ بشمول شرک اور دیگر گناہوں کے ہر باطل، بے ہودہ اور بے فائدہ قول و فعل سے اعراض برتتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ”وَ اِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرَّوْا كَمَا مَرَّ الْقَارِيَانِ“ (72) اور جب کسی لغو چیز کے پاس سے گزرتے تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں۔“ فائدہ کہتے ہیں کہ وہ تو نیک خداوندی کے سبب لغویات سے احتراز کرتے ہیں (2)۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت کریمہ ”وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ النَّفْسِ الْمُعْرِضُونَ“ میں زکوٰۃ اموال کی ادائیگی کا بیان ہے باوجودیکہ یہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ شریف میں ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ زکوٰۃ مکہ میں ہی واجب ہو چکی تھی لیکن اس کی مقدار، نصاب اور دیگر احکام مدینہ شریف میں مقرر ہوئے، جیسے سورۃ الانعام میں جو کہہ گئی ہے، فرمایا: ”وَاتُوا حَقَّهَا يَوْمَ حَصَادِهِ“ (الانعام: 141) ”اور ادا کرو اس کا حق جس دن یہ کہنے“ آیت کریمہ میں لفظ زکوٰۃ سے مراد نفس کا شرک اور ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہونا بھی لیا جاسکتا ہے جیسا کہ فرمایا: ”قَدْ اَلَّفَيْنَا مِنْ ذٰلِكَ مَا لَكُمْ وَ قَدْ خَابَ عَنْ ذٰلِكَ مَا لَكُمْ“ (الانعام: 9-10) ”یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً ناسرمد ہوا جس نے اسے خاک میں ڈبا دیا“، ”وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ النَّفْسِ الْمُعْرِضُونَ“ یعنی زکوٰۃ مال اور پاکیزگی نفس۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس اور زکوٰۃ مال بیک وقت دونوں مراد ہوں کیونکہ یہ دونوں چیزیں نفس کی طہارت اور پاکیزگی کا باعث بنتی ہیں اور کامل مومن وہی ہے جو اپنے نفس کی پاکیزگی کا بھی خیال رکھے اور زکوٰۃ بھی ادا کرے۔ ان عفت مآب ہستیوں کا ذکر کرتے ہوئے سزید فرمایا: ”وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ غَيْرِهَا مُنْقَضُونَ“۔ ”الغڈوں یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، زنا اور لواطت جیسے ممنوعہ امور سے اجتناب کرتے ہیں اور سوائے اپنی منکوحہ بیویوں اور منکوحہ کو لوندیوں کے کسی اور کے قریب تک نہیں جاتے۔ جو شخص صرف ان حلال ذرائع پر اکتفاء کرتا ہے تو اس پر نہ کوئی ملامت ہے اور نہ کوئی گناہ لیکن وہ لوگ جو ان دو طریقوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں، وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، حضرت فائدہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے غلام سے تعلق استوار کر لیا اور بطور دلیل یہی آیت پیش کی۔ چنانچہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ وہاں موجود صحابہ کرام کہنے لگے کہ اس عورت نے آیت کا نفل مفہوم لیا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو مارا اور اس کا سر منڈوا دیا اور اس عورت سے فرمایا کہ اس کے بعد تو ہر مسلمان پر حرام ہے۔ یہ اثر غریب ہے، امام ابن جریر نے اسے سورۃ مائدہ کی تفسیر کے آغاز میں ذکر کیا ہے (3)۔ لیکن اس کے ذکر کرنے کی موزوں جگہ یہی ہے۔ اس عورت کو تمام مسلمانوں پر حرام کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ساتھ اس کے ارادے کے برعکس معاملہ کیا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے مشرت زنی کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ بھی ان دونوں مذکورہ حلال صورتوں سے خارج ہے اور ایسا کرنے والا اس فرمانِ مقیمین بہشتی... کے موجب حد سے تجاوز کرنے والا ہے، اس کی ایک اور دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جسے امام حسن بن عرفہ نے اپنے مشہور جزء میں وارد کیا ہے، اس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ساتھ قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ نظر رحمت فرمائے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ہی انہیں لوگوں کے ساتھ انہیں جمع کرے گا اور انہیں

سب سے پہلے جہنم میں جانے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل کرے گا، سوائے ان کے جو توبہ کر لیں اور جو غصہ توبہ کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر نظر کر مفرماتا ہے: مشت زنی کرنے والا، غلام بازی کرنے اور کروانے والا، شراب کارسیا، اپنے والدین کو مارنے والا حتیٰ کہ وہ فریاد اور چیخ و پکار کرنے لگیں، اپنے پڑوسیوں کو اذیت دینے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت بھیجنے لگیں اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنے والا۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا ایک راوی مجبول ہے۔ اہل ایمان کا ایک اور وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: **ذَٰلِکَ هُمُ الَّذِیْنَ هُمْ بِمَلٰئِکَتِهِمْ وَ عٰہِدِهِمْ رٰعُونَ** یعنی جب انہیں امین بنایا جائے تو یہ امانت میں خیانت نہیں کرتے بلکہ اسے اس کے مالک کو لوٹا دیتے ہیں اور جب یہ کوئی معاہدہ یا عہد و پیمانہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں، منافقین کی طرح نہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”منافق کی تین علامتیں ہیں: جب وہ گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے“ (1)۔ ان حضرات کی ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: **ذَٰلِکَ هُمُ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلٰوةِہِمْ یَحَافِظُوْنَ** یعنی یہ لوگ نمازوں کی ان کے مقررہ اوقات پر پابندی کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کونسا مثل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا“۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: ”والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا“، میں نے پوچھا: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا“ (2)۔ مستدرک حاکم میں یہ الفاظ ہیں: ”اول وقت میں نماز ادا کرنا“ (3)۔ حضرت ابن مسعود اور مسروق فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اوقات نماز کی پابندی کا حکم ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اوقات کی پابندی کے علاوہ رکوع و سجود کی حفاظت کا بھی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفات حمیدہ کا افتتاح اور اختتام نماز کے ذکر پر کیا ہے جو اس کی افضلیت کی واضح دلیل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”استقامت اختیار کرو اور تمہارے کماحقہ ہرگز نہیں کر سکو گے، جان لو کہ تمہارے اعمال میں سے بہترین عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کرتا ہے“ (4)۔ ان صفات حمیدہ اور افعال رشیدہ کی بجا آوری کے بیان کے بعد ان اہل ایمان کے اجر و ثواب کا ذکر کرتے کرتے ہوئے فرمایا: **اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُونَ**۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بسم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے جنت الفرووس مانگو کیونکہ یہ سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے، اس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں اور اس پر رحمن کا عرش ہے“ (5)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کی دو منزلیں ہیں، ایک منزل جنت میں اور ایک منزل جہنم میں۔ اگر کوئی مرنے کے بعد جہنم میں گیا تو اس کی منزل کے وارث جنتی ہوں گے“ اور یہی مطلب اس فرمان **اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُونَ** کا ہے (6)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر بندے کی دو منزلیں ہیں: ایک جنت میں اور دوسری جہنم میں۔ مومن جنت والا اپنا گھر تعمیر کرتا ہے اور دوزخ والا گھر منہدم کر دیتا ہے لیکن کافر اپنے جنتی گھر کو سمار کر دیتا ہے اور جہنمی گھر کی تعمیر کرتا رہتا ہے۔ پس مومن کافروں کی منزلوں کے وارث ہوں گے کیونکہ سب کا مقصد تخلیق یہ تھا کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کریں۔ اہل ایمان اس پر کار بند رہے جبکہ کافران سے اعراض کرتے رہے اس لئے ان کا حصہ بھی اہل ایمان لے گئے، اسی لیے انہیں وارث کہا گیا ہے۔ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ

1- فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 89، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 78

3- مستدرک حاکم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1 صفحہ 181

2- صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 236، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 56

6- سنن ابن ماجہ، کتاب الازیجہ، جلد 2 صفحہ 1453

4- سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1 صفحہ 101، 5- صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 19

تفسیر ابن کثیر: جلد سوم

فرماتے ہیں: ”قیامت کے دن کچھ مسلمان پہ زوں جیسے گناہ لے کر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بخش دے گا اور انہیں یہود و نصاریٰ پر ڈال دے گا“ (1)۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا نصرانی دے گا اور فرمایا جائے گا کہ یہ جنم سے تمہارا رفد یہ ہے۔“ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے راوی حدیث حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو تین مرتبہ قسم دی تو انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ یہ واقعی حدیث ہے (2)۔ یہ آیت ان آیات کی طرح ہے: **يَذُكُّ اَنْجِنَّةَ النَّارِ لِيُذَكِّرَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْهَا لَا يَدْرُوْنَ كَانَتْ تَقِيَّتًا (مریم: 63)** ”یہ وہ جنت ہے جس کا ہم اسے وارث بنا سکیں گے جو ہمارے بندوں سے متعلق ہو گا“۔ **وَ يَذُكُّ اَنْجِنَّةَ النَّارِ اُوْرَثُوْا بِهَا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الزخرف: 72)** ”اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے“۔ مجاہد اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ رومی زبان میں باغ کو فردوس کہتے ہیں۔ کسی سلف کا کہنا ہے کہ باغ کو فردوس اس وقت کہتے ہیں جب اس میں انگور ہوں (3)۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُصْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا الطُّفْلَةَ عِزًّا وَرَحْمَةً وَرَعِيَّةً فَخَلَقْنَا الْعَاقِلَةَ مِصْرَةً مُّصَعَّةً وَخَلَقْنَا الْاِنْسَانَ عِظْمًا فَاَكْسَوْنَا الْاِلْحَامَ رَحْمًا ۝ ثُمَّ اَنْسَاْنًا حَقِيْقًا ۝ فَبَلَّغْ اِنَّهٗ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّا كُنَّا بَعْدَ ذٰلِكَ لَنَبِيُّوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّا كُنَّا بَعْدَ ذٰلِكَ لَنَبِيُّوْنَ ۝

”اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے۔ پھر ہم نے رکھا اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں۔ پھر ہم نے بنا دیا نطفہ و خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنا دیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بونی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بونی میں ہڈیوں، پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت۔ پھر (روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا۔ پس بڑا ہابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر یقیناً ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد تم مرنے والے ہو۔ پھر بلاشبہ تمہیں روز قیامت (قبروں سے) اٹھایا جائے گا“۔

انسانی تخلیق کی ابتدا کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا گیا۔ یہ مٹی کچھڑ تھی اور بچنے والی تھی اس کے بعد مادہ منویہ اولاد آدم کی اصل ٹھہرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما **سُلٰلَةٍ مِنْ طِيْنٍ** کا معنی بتاتے ہیں صاف پانی اور قندہ اس سے مراد منی آدم لیتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی، اس لئے انہیں طین (مٹی) کہا۔ قندہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام شست خاک سے پیدا کیے گئے۔ یہی معنی لحاظ سے موزوں اور ظاہر کے زیادہ قریب ہے جیسا کہ فرمایا: **وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَآ اَنْتُمْ بِنُفُوْسٍ نَّاسِیٰتٍ (الروم: 20)** ”اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو“۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی خاک سے پیدا کیا جو تمام زمین سے لی تھی اس لئے اولاد آدم اس اعتبار سے مختلف ہے۔ کوئی ان میں سے سرخ ہے، کوئی سفید، کوئی سیاہ، کوئی اور رنگ کا، کوئی بد، کوئی نیک اور کوئی ان کے بین بین“ (4)۔ اللہ تعالیٰ کے فرماؤں **ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُصْفَةً** میں ضمیر مفعول کا مرجع جنس

3۔ عرب لہجہ الباقی 288-289

2۔ صحیح مسلم، کتاب اعوہر، جلد 4 صفحہ 2119

1۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2120

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، جلد 4 صفحہ 222، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 400-406، نمبرہ

انسان ہے جسے کہ ایک اور آیت میں فرمایا: وَيَذَرُ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ جَعَلْنَا نُفُسَهُ مِنْ سُلْطَانٍ مِّنْ لَّمَّا وَمُهَيَّبِينَ (السجدة: 8-7) اور انسان کی تخلیق کا آغاز گارے سے کیا پھر اس کی نسل کو ایک جوہر یعنی حقیر پانی سے پیدا کیا۔ ”مہین“ کا معنی ہے ضعیف و حقیر جیسا کہ فرمایا: أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿٢٣﴾ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿٢٤﴾ إِلَىٰ قَدَمَيْ رَجُلٍ مَّكُونٍ ﴿٢٥﴾ فَقَدَرْنَا فَرْدًا قَدِيمًا ﴿٢٦﴾ فَجَعَلْنَا الْقُلُوبَ وَالْأَفْئِدَةَ ﴿٢٧﴾ أَلَمْ نَجْعَلْ لَّكُمْ مِّنْ لَّدُنَّا عِزًّا ﴿٢٨﴾ أَلَمْ نَجْعَلْ لَّكُمْ مِّنْ لَّدُنَّا عِزًّا ﴿٢٩﴾ (المرسلات: 20-23) ”کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا، پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں ایک معین مدت تک رکھ دیا پھر ہم نے ایک اندازہ چھہرایا پس ہم کتنے بہتر اندازہ چھہرانے والے ہیں۔“ یعنی ایک معین عرصہ تک رحم مادر اس کا ٹھکانا ہے جہاں یہ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل ہوتا رہتا ہے اس لئے یہاں فرمایا: ثُمَّ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ عِظْمٍ ﴿١٠٠﴾ یعنی ہم نے نطفہ کو جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کے سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے، خون کے لوتھڑے کی شکل دے دی، پھر اگلے مرحلہ میں اس سے ہونے سرخ خون کو گوشت کا ایک ٹکڑا بنا دیا جس کی نلکی کی شکل ہوتی ہے اور نہ اس میں خدو خال واضح ہوتے ہیں، پھر اس میں ہڈیاں بنا دیں، سر، ہاتھ اور پاؤں کو ہڈیوں، پٹھوں اور رگوں سمیت تخلیق کیا گیا۔ بعض نے ”عظاما“ کی بجائے ”عظما“ پڑھا ہے، اس سے مراد بقول حضرت ابن عباس پیٹھ کی ہڈی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ابن آدم کا تمام جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے سوائے ریزہ کی ہڈی کے، اسی سے اسے پیدا کیا گیا اور اسی سے اسے ترکیب دیا جاتا ہے“ (1)۔ اس کے بعد فرمایا: فَكَسَوْنَاهُ الْعِظْمَ ﴿١٠١﴾ یعنی ہڈیوں کو چھپانے اور انہیں قوی بنانے کیلئے انہیں گوشت پہنا دیا، پھر اس میں روح پھونک دی تو یہ حرکت کرتی ہوئی ایک اور مخلوق بن گیا جس میں سماعت، بصارت، اور اک، حرکت اور اضطراب کی صلاحیتیں ودیعت کر دی گئیں۔ پس اللہ تعالیٰ بہت باہرست ہے جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ پر چار مہینے گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جو تمہارے سر سے اس میں روح پھونکتا ہے، یہی مطلب اس فرمان لَمْ نَجْعَلْ لَّكُمْ مِّنْ لَّدُنَّا عِزًّا ﴿١٠٠﴾ کا ہے یعنی دوسری قسم کی تخلیق سے مراد روح کا پھونکا جانا ہے (2)۔ حضرت ابن عباس آیت کے اس حصہ کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ ہم اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کی پیدائش کا مرحلہ آ جاتا ہے۔ پیدا ہونے سے تو بالکل چھوٹا نا سمجھ بچہ ہوتا ہے، پھر یہ پروان چڑھتے چڑھتے بالغ ہو جاتا ہے، پھر اپنے شباب کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد جوانی ڈھلنے لگتی ہے اور وہ کئی عمر کو پہنچ جاتا ہے، پھر بڑھاپا آ جاتا ہے اور آخر کار بالکل بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے۔ الغرض روح پھونکے جانے کے ساتھ ہی یہ تطورات اور تغیرات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صادق و مصدوق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کی تخلیق چالیس دن تک اس کی ماں کے شکم میں تیج ہوتی رہتی ہے پھر چالیس دن تک وہ جھے ہوئے خون کی صورت میں رہتا ہے، پھر چالیس دن تک وہ گوشت کے ٹکڑے کی شکل اختیار کیے رہتا ہے پھر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے چار باتوں کے کھنے کا حکم ہوتا ہے: اس کا رزق، اجل، عمل اور کیا وہ شقی ہوگا یا سعید۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک شخص جنتیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا لکھا ہوا اس پر غالب آ جاتا ہے اور دوزخیوں کے اعمال کرتے ہوئے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص دوزخیوں کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کی دوری رہ جاتی ہے تو نوشتہ تقدیر اس پر غالب آ جاتا ہے اور خاتمہ کے وقت وہ جنتیوں کے اعمال

کر کے جنتی بن جاتا ہے (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں ٹپکتا ہے تو وہ ہر ہر بال اور ہن تک پہنچتا ہے پھر چالیس دن کے بعد دو سجے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے (2)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحیحہ رضی اللہ عنہم سے باتیں کر رہے تھے کہ وہاں ایک یہودی آگیا۔ قریش کہنے لگے: اے یہودی! یہ شخص نبوت کا دعویدار ہے تو وہ کہنے لگا کہ میں اس سے ایک سوال کرتا ہوں جس کا علم سوائے نبی کے اور کسی کو نہیں۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کے پاس چلا آیا اور آپ سے پوچھنے لگا کہ انسان کی پیدائش کس چیز سے ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے یہودی! انسان کی پیدائش مرد اور عورت دونوں کے نطفے سے ہوتی ہے۔ مرد کا نطفہ نسیف اور گازھا ہوتا ہے، اس سے ہڈیاں اور پچھے بنتے ہیں جبکہ عورت کا نطفہ رقیق اور پتلا ہوتا ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے"۔ یہ سن کر یہودی کہنے لگا کہ پہلے انبیاء بھی اس طرح بتایا کرتے تھے (3)۔ حدیث بن اسید غناری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نطفہ کو رحم میں قرار پکڑے ہوئے جب چالیس دن گذر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور دریافت کرتا ہے: اسے پروردگار یہ کیا ہے؟ بد بخت یا نیک بخت، مذکر یا مؤنث؟ جو جواب ملتا ہے، اسے وہ لکھ لیتا ہے، اس کا عمل، عمر، مصیبت اور رزق سب کچھ لکھ کر اس کا دفتر لپیٹ دیا جاتا ہے، پھر اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہتی" (4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو عرض کرتا ہے: اسے پروردگار یہ اب نطفہ ہے، اسے خدا! یہ اب لوتھرا ہے، یارب! اب گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے: اے پروردگار! مرد ہے یا عورت؟ نیک بخت ہے یا بد بخت؟ رزق اور اجل کیا ہے؟ اس کا جو جواب ملتا ہے، وہ لکھ لیا جاتا ہے" (5)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَتَلَوْنَهُ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَلْقِينَ۔ یعنی نطفہ کے مختلف مراحل اور اطوارات سے گزرنے کے بعد انسان کامل بننے تک جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور لطف و کرم کا فرما ہے اس کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ باہرکت ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے اچھا خالق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار باتوں میں میری اور میرے رب کی موافقت ہوئی۔ جب یہ آیت وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ طہین اتری تو بے ساختہ میری زبان سے یہ الفاظ نکلے: فَتَلَوْنَهُ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَلْقِينَ۔ چنانچہ یہی الفاظ نازل ہو گئے (6)۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس آیت کی املاء کروائی۔ جب آپ "خلقاً آخر" تک لکھوا چکے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: فَتَلَوْنَهُ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَلْقِينَ۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ انہیں دیئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کیسے کہتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان الفاظ پر ہی آیت کا اختتام ہوا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی جابر بن زید جھٹی بہت ہی ضعیف ہے اور اس کی یہ روایت بہت منکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت زید بن ثابت مدینہ شریف میں کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، اسی طرح حضرت معاذ بن جبل نے مدینہ شریف میں ہی اسلام قبول کیا تھا۔ پھر فرمایا: ثُمَّ رَأَيْتُكُمْ يَوْمَ تَجِيئُكُمْ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔ یعنی عدم سے وجود میں آنے کے بعد تمہیں مرنا ہے، اس کے بعد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کر کے اٹھائے گا اور سب کا حساب ہوگا اور ہر ایک کو اس کے اچھے برے عمل کی پوری پوری جزا ملے گی۔

1- صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 363 صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2036، غیرو

3- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 465

2- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 91

4- صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2037 مسند احمد، جلد 4 صفحہ 7-6

6- مسند ابی داؤد، جلد 10، 9-10، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 94

5- صحیح بخاری، کتاب انبیاء، جلد 8 صفحہ 87 صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2038

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۗ وَمَا كُنَّا عَيْنَ الْخَالِقِ غَفِيلِينَ ﴿٥٥﴾

”اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنا دیے۔ اور ہم اپنی مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے۔“

انسان کی پیدائش کا ذکر کرنے کے بعد اب سات آسمانوں کی تخلیق کا بیان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ عموماً انسانی تخلیق کے ساتھ زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المومن: 57) ”بے شک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے بڑا کام ہے۔“ اسی طرح سورہ الم سجدہ کے شروع میں جسے رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں پڑھا کرتے تھے، پہلے زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر ہے، پھر انسانی پیدائش کا۔ اس کے بعد قیامت، جزا اور دیگر امور کا بیان ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ”سبع طرائق“ سے مراد سات آسمان ہیں۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: تَسْبِیحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ (بنی اسرائیل: 44) ”پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے۔“ اِنَّ لِلّٰهِ سُبْحٰنَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طَيِّبٰتًا (نوح: 15) ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے، اِنَّ لِلّٰهِ الْبَیِّنٰتِ خَلْقِ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنْ الْاَرْضِ سَبْعُنَ طَبَقٰتٍ لِّمَنْ يُّنۡزَلُ الْاَمۡرُ بَیۡنَهُنَّ لِتَعْلَمُوۡا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِيۡرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیۡءٍ حَلِيۡمًا (الطلاق: 12) ”اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور انہی کی مانند زمین کو بھی۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔“ اسی طرح یہاں فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے اس سے بھی بخوبی واقف ہے، تم جہاں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اس کے لئے ایک آسمان دوسرے آسمان سے اور ایک زمین دوسری زمین سے حجاب نہیں بن سکتی۔ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور پرچھراہوں اور سمندروں کی تہوں سے خوب آگاہ ہے۔ پہاڑ، ٹیلے، سمندر، میدان، جنگل اور درخت ہر چیز اس کے علم میں ہے، فرمایا: وَمَا تَشَافَعُ مِنْ دَرَجَاتٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ وَرَءِیۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَةِ لِمَاۤ اٰتٰوۡا حَسَبَۃً وَّ لَا رَیۡۤیۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَةِ لِمَاۤ اٰتٰوۡا حَسَبَۃً وَّ لَا رَیۡۤیۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَةِ لِمَاۤ اٰتٰوۡا حَسَبَۃً (الانعام: 59)۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ مَّا يَدَسَّغُكُمۡ فِي الْاَرْضِ ۗ وَارۡسَلْنَا عَلٰی ذٰلِكَ رِجَالًا لِلّٰهِ يُخۡبِرُوۡنَ ﴿٥٦﴾
 فَالۡنَّاسُ اِنۡ اَنۡكَرُوۡا بِهٖ جَسَدًا مِّنۡ مَّجۡمُوعٍ وَّاَعۡتَابَ لَكُمۡ فِيۡهَا قَوٰاۤكُمۡ كَثِيۡرَةً وَّ مِنْهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿٥٧﴾
 شَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنْ صُوۡرٍ سَيۡۤیۡۤءٍ تَتَّبِعُ بِالۡدَّهۡنِ ۗ وَ صِيۡۤبٌ تَلٰٓئِلُ كَلِمٰتٍ ﴿٥٨﴾ وَاِنَّ لَكُمۡ فِي
 الْاَنْعَامِ لَعِبۡرَةً ۗ نَسۡتَفِيۡئُمۡ مِمَّا فِيۡ بُطُوۡنِهَا وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ كَثِيۡرَةً وَّ مِنْهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿٥٩﴾
 عَلَیۡهَا وَعَلٰی الْفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ ﴿٦٠﴾

”اور ہم نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پھر ہم نے ٹھہرا لیا اسے زمین میں اور یقیناً ہم اسے بالکل ناپید کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔ پھر ہم نے آگے تمہارے لئے اس پانی سے باغات کھجوروں اور انگوروں کے تمہارے لئے ان میں بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ نیز پیدا کیا ایک درخت جو آگاتا ہے طور سینا میں وہ آگاتا ہے تل لئے ہوئے اور سالن لئے ہوئے کھانے والوں کے لئے۔ اور بے شک تمہارے لئے جانوروں میں بھی غور و فکر کا مقام ہے۔ ہم

پلاتے ہیں تمہیں اس (دودھ) سے جو ان کے شکموں میں ہے۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے بہت سے فائدے ہیں اور انہیں (کے گوشت) سے تم کھاتے ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ بارش کے ساتھ وابستہ انگنت اور لامحدود نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ وہ ایک اندازے اور ضرورت کے مطابق بارش برساتا ہے، نہ اتنی زیادہ کہ زمین اور آبادی بربادی کا شکار ہو جائے اور نہ اتنی کم کہ کھیتوں اور پھولوں کے لئے ناکافی ہو بلکہ پینے، سیراب کرنے اور دیگر ضروریات کے لئے جس قدر پانی درکار ہے وہ بآسانی دستیاب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جس زمین کو زراعت کیسے پانی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہاں بارش نہیں برتی تو قدرت نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ دوسرے علاقوں سے وہاں پانی پہنچ جاتا ہے جیسے مصر کی زمین جو کہ بخر ہے، اس تک دریائے نیل کا پانی پہنچتا ہے اور وہ اپنے ساتھ جوشہ سے بارش کے موسم میں سرخ مٹی لاتا ہے جو مصر کی زمین کے ساتھ گھل مل کر اسے زرخیز اور قابل کاشت بنا دیتی ہے۔ اس پانی سے مصر کی زمین سیراب ہوتی ہے اور وہ سرخ مٹی یہاں ٹھہر جاتی ہے جو ریتلی اور شور ملی زمین کو زراعت کے قابل بنا دیتی ہے۔ سبحان اللہ، اس لطیف، خبیر، رحیم اور غفور ذات کی قدرت کی کیا کیا کرشمہ سازی ہیں: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ إِنَّكَ أَنْتَ عِنْدَ عَيْنِ رَبِّكَ فَاصْبِرْ۔ یعنی ہم بادلوں سے برسنے والے پانی کو زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں اور زمین میں یہ صلاحیت دے دیتے کہ دیکھتے ہیں کہ وہ اس پانی کو اپنے اندر جذب کر کے اپنے شکر میں موجود دانوں اور پھلیوں کو فراہم کرتی رہے اور اگر ہم پانی کو ناپید کرنا چاہیں تو اس پر ہمیں پوری پوری قدرت حاصل ہے یعنی اگر ہم چاہیں تو بارش ہی نہ برسائیں، اگر ہم ارادہ کریں تو شور ملی سنگلاخ زمین، بیابانوں اور پہاڑوں پر بارش برسائیں، اگر ہماری مرضی ہو تو ہم پانی کو کھاری اور ٹھکن بنا دیں جو نہ پینے کے کام آئے اور نہ سیراب کرنے کے، اگر ہماری خواہش ہو تو زمین کو پانی جذب کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیں اور پانی اس کی سطح پر ہی کھڑا رہے اور اگر ہماری مشیت ہو تو ہم پانی کو اتنا گہرا لے جائیں جس تک نہ پہنچ سکو اور نہ استفادہ کر سکو لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور اس کی خصوصی رحمت ہے کہ وہ تم پر آسمان سے مینھ، عمدہ اور خوشگوار پانی نازل کرتا ہے پھر اسے چشموں، ندی نالوں، نہروں اور دریاؤں جیسے آبی ذخائر کی شکل میں ٹھہرا دیتا ہے جو نہ صرف پینے، نہانے، دھونے اور پاکیزگی حاصل کرنے کے کام آتا ہے بلکہ اس کے ذریعے کھیتوں اور پھولوں کو بھی سیراب کیا جاتا ہے اور جانوروں کو بھی پلایا جاتا ہے اس کے بعد فرمایا: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔ یعنی ہم نے آسمان سے برسنے والے پانی کے ذریعے کھجوروں اور آگوروں کے خوشنما باغات پیدا کئے۔ اہل حجاز کی پسندیدہ اور ان کے ہاں معروف چیزوں یعنی کھجور اور آگور کا ذکر کیا۔ اسی طرح ہر علاقے کے رہنے والوں کے لئے مختلف پھلوں کے ایسے انعامات ہیں جن کا شکر بجالانے سے وہ قاصر ہیں، پھر فرمایا: لَكُمْ فِيهَا خَمْرٌ وَ لَكُمْ فِيهَا زَيْتٌ وَ لَكُمْ فِيهَا نَعْمٌ وَ لَكُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (النحل: 11) ”وہ تمہارے لئے اس کے ذریعے کھیت، زیتون، کھجور، آگور اور (ان کے علاوہ) ہر قسم کے پھل آگاتا ہے۔“ اس فرمان وَ لَكُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ کا عطف ایک محذوف کلام پر ہے یعنی تم ان پھلوں کے حسن کو بھی دیکھتے ہو اور ان سے کھاتے بھی ہو۔ پھر فرمایا: وَ لَكُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ۔ اس درخت سے مراد زیتون ہے اور طور سے مراد پہاڑ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس پہاڑ پر درخت ہوں اسے طور کہتے ہیں اور جو بغیر درختوں کے ہوا سے ذہل کہتے ہیں۔ طور سماء اور طور سہینن ایک ہی پہاڑ کے نام ہیں جہاں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس پہاڑ کے ارد گرد کے پہاڑوں میں زیتون کے درخت ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شَبَابُكُ بِاللَّهْنِ میں بآواز آمد ہے جیسے اس قول میں: ”الْفَلْيُ فَلَانٌ بِيَدِي“ اگر بآواز آمد نہ ہو تو ”تبت“ فعل کسی اور فعل کے معنی کو متضمن ہوگا لکن ہر کلام یوں ہوگا: ”فَلْيُخْرُجُ بِاللَّهْنِ

اَوْ قَاتِلِي بِلَدِّهِنَّ“ یعنی وہ قاتل نکال دیا تاکہ اسے، اس لئے فرمایا: **وَجَنَابِلًا كَيْفَ تَصِفُ** سے مراد سائیں ہے۔ حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ، یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے“ (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ کیونکہ یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے“۔ شریک بن نمیر بیان کرتے ہیں کہ میں عاشوراء کی رات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرا۔ آپ نے مجھے اونٹ کی سری اور زیتون کھلایا اور فرمایا کہ یہ اس مبارک درخت کا تیل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کیا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: **وَإِنْ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ** یہاں جانوروں اور ان کے ساتھ وابستہ منافع اور فوائد کا ذکر ہو رہا ہے، ان کا دودھ پیا جاتا ہے جو گو براور خون کے درمیان سے نکلتا ہے، ان کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کے بالوں اور اون سے لباس تیار کیا جاتا ہے اور یہ جانور دروازے اور دروازوں تک مسافروں اور سامان کو لے جانے کا کام آتے ہیں جیسا کہ فرمایا: **وَتَحْمِلُ أَوْعَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدِكُمْ تَتَنَوَّنُوا إِلَيْهِمْ إِلَّا بِمِثْقَلِ ذَرَّةٍ** - **إِنْ تَرَيْتُمْ تَرَةً وَوَقْتُكُمْ حَيْثُ (الغزل: 7)** ”اور یہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگر مشقت کے ساتھ۔ بے شک تمہارا رب بہت مہربان اور رحیم ہے“۔ **أَوْ لَكُمْ يَوْمَآءَ أَنْ تَخْتَلَّوْا مِنْهَا تَبَعًا لِمَا تَنْتَظِرُونَ** (البین: 73-71) ”کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لئے اس مخلوق سے مویشی پیدا فرمائے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی، پھر یہ ان کے مالک ہیں اور ہم نے انہیں ان کا تابعدار بنا دیا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اور ان میں ان کے لئے اور بھی فوائد اور پینے کی چیزیں ہیں، کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے“۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠﴾ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ لَا يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿١١﴾
إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِالْجُنَّةِ فَتَرَىٰ تَبَعًا وَهُوَ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٢﴾

”اور ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو آپ نے فرمایا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے۔ تو کہتے گئے وہ سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے تم پر۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ اتنا رفتار فرستوں کہ تم نے نہیں سنی یہ بات (جو نوح کہتا ہے) اپنے پیسے آباد اجداد میں۔ نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جسے جنوں کا مرض ہو گیا ہے سو انتظار کرو اس کے انجام کا کچھ عرصہ“۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ آپ شرک کرنے والوں، اللہ تعالیٰ کی فرمائی کرنے والوں اور رسولوں کو جتلائے والوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا: **يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ**۔ یعنی اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور کیا تم شرک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ ان کے مرد اور اکابرین کہنے لگے: ہا

ہذا آدابِ نبوت یعنی یہ تو تمہاری طرح بشر ہی ہے جو نبوت کا دعویٰ کر کے تم پر اپنی عظمت اور بزرگی جتلاتا چاہتا ہے، بھلا اس بشر میں کون سی خصوصیت ہے کہ تمہیں چھوڑ کر اسے نبی بنا دیا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کسی فرشتہ کو نبی بنا کر مبعوث کر دیتا اور وہ نبی بشر کی بجائے فرشتہ ہوتا۔ یہ تو بڑی انہونی بات ہے، ہم نے اپنے آباؤ اجداد میں کوئی ایسی بات نہیں سنی کہ بشر بھی نبی بن سکتا ہے۔ اس شخص کو تو جنون کا مرض لاحق ہو گیا ہے، اسی لئے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہے۔ بس کچھ مدت اکتھا کر دو، گردشِ زمانہ کی لپیٹ میں آ کر یہ خود ہی ختم ہو جائے گا۔

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنتُ بِنُونٍ ﴿١٠﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلَكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِّينَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَوَقَرْنَا الشُّؤْمُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ مِّنَ الْبَشَرِ وَأَهْلِكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ﴿١١﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلِ فَقُلِ الصُّدُودُ لِلَّهِ الَّذِي يَجْتَنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٢﴾ وَقُلْ رَبِّ انزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿١٣﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿١٤﴾

”آپ نے عرض کی اے رب! (اب) تو ہی میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔ تو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ بناؤ ایک کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق پھر جب آجائے ہمارا عذاب اور (پانی) اہل پڑے سمور سے۔ تو داخل کر لو اس میں ہر جوڑے میں سے دو دو اور اپنے گھر والوں کو بجز ان کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ان میں سے۔ اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ ان کے متعلق جنہوں نے ظلم کیا۔ وہ تو ضرور غرق کیے جائیں گے۔ پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرش پر تو کہنا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے جوڑے) سے اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے میرے رب! اتار مجھے باہرست منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس قصہ میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں۔“

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف نصرت الہی کی جو دعائیں تھی اس کا ذکر ہو رہا ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: قَدْ عَارَظَنَّاكَ أَتَى الْمَعْنَى فَانْتَهَمُوا (القم: 10) ”آخر کار آپ نے اپنے رب سے دعا مانگی کہ میں عاجز ہوں پس تو بدل لے۔ اور یہاں یہ دعا کی: رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنتُ بِنُونٍ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ایک مضبوط کشتی بناؤ اور اس میں حیوانات، نباتات اور پھول وغیرہ سے جوڑا جوڑا رکھ لو۔ اسی طرح اپنے گھر والوں کو بھی اس میں سوار کر لو سوائے ان کے جن کی بلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس سے مراد آپ کا بیٹا اور بیوی ہے جو آپ کے اہل خانہ میں سے آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ پھر آپ کو حکم ہوا: وَلَا تُخَاطِبُنِي یعنی جب بارش اور دوسرا پانی طوفان کی شکل اختیار کر لے تو اس وقت ایسا نہ ہو کہ قوم کے بارے میں تمہارا دل تسلیج جائے اور تم شفقت اور مہربانی کے باعث ان کے لئے مہلت کا تقاضا کرنے لگو، اس امید پر کہ شاید وہ ایمان لے آئیں۔ بس میں نے یہ قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ انہیں کفر و طغیان کے سبب ضرور غرق کر دیا جائے گا۔ یہ واقعہ اپنی تفصیلات سمیت سورہ ہود میں گزر چکا ہے (1) جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ اس کے بعد

فرمایا: قَدْ اٰتَيْنٰكَ الْكِتٰبَ بِالْحِكْمَةِ وَجَعَلْنَا لَكَ مِنَ الْاٰيٰتِ الْاٰنۡبَاۡءِ مَا تَرْضٰۤى ۗ وَرَاٰۤى اِلٰى رَبِّنَا تَسْتَفۡئِیۡنُ (الزخرف: 12-14) جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَجَعَلْنَا لَكَ مِنَ الْاٰیٰتِ الْاَنْبَاۡءِ مَا تَرْضٰۤى ۗ وَرَاٰۤى اِلٰى رَبِّنَا تَسْتَفۡئِیۡنُ ۗ (الزخرف: 12-14) حضرت نوح علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی جیسا کہ فرمایا: وَقَالَ لِرَبِّكَ فَرَمٰۤى: وَقَالَ لِرَبِّكَ فَرَمٰۤى بِسْمِ اللّٰهِ مَجۡرِبَهَا وَنُسۡبَهَا (ہود: 21) ”اور نوح علیہ السلام نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا نکلنا انداز ہوتا ہے۔“ آپ علیہ السلام نے رشتی کے چلنے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور پھر تے وقت بھی، اور دعا کی: رَبِّ اِنِّیۡ تَقِیۡتُ لِعِبَادَتِکَ وَتَعٰوۡذُ بِکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ (یعنی مومنین کو نجات دینے اور کافروں کو ہلاک کرنے میں انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مدعا اور علم محیط پر واضح دلائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو بھیج کر بندوں کو آزماتا ہے۔

۞ ثُمَّ اَنْشَاۡنَا مِنْۢ بَعۡدِہِمۡ قَرۡنًاۭ اٰخَرِیۡنَ ۗ ۞ فَارۡسَلۡنَا فِیۡہِمۡ رَاسُوۡلًاۭ وَنَهَمۡہُمۡ اَنْۢ عَبَدُوۡا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِنْۢ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ۗ ۞ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۗ ۞ وَقَالَ السَّلٰمُۭ مِنَ تَوۡمِیۡۃِۭ الْاِنۡبِیِّۡنَ کَفَرُوۡا وَاَکَذَّبُوۡا بِیۡلَاقِآءِ الْاٰخِرَۃِ وَاسۡتَرَفۡنٰہُمۡ فِی الْحَیۡوِۃِ الدُّنْیَا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَبۡشُرٌۭ مِّمَّا لَکُمۡ بِیَاۡکُلُۭ مِمَّاۤ اَنْۢ کَلُوۡنَ مِنْہُ وَاَیۡشُرُّۭ مِمَّاۤ اَشۡرَبُوۡنَ ۗ ۞ وَلَیۡنَۭ اَطۡعٰتُہُمۡ بِسْمًاۭ مِّمَّا لَکُمۡ اِذَا لَلَّخِیۡرُوۡنَ ۗ ۞ اَیۡعٰدُکُمۡ اَکۡرَمُۭ اِذَاۤ اُمۡتُہُمۡ وَکُنۡتُمۡ شُرَآءَۭا وَّعِظَمًاۭ اَکۡرَمُۭ مۡمُخۡرَجُوۡنَ ۗ ۞ هٰیۡہَاتَۤا هٰیۡہَاتَۤا لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ ۗ ۞ اِنۡ هٰۤیۡ اِلَّا حَیَاۡتُنَا الدُّنْیَا نَمُوۡتُ وَنَحْیَاۡ وَمَاۤ نَحۡنُۭ بِسٰبِقُوۡۃِۭیۡنَ ۗ ۞ اِنۡ هُوَۤ اِلَّا رَجُلٌۭ اَفۡتَرٰۤی عَلٰی اللّٰہِ کَذِبًاۭ وَ مَا نَحۡنُۭ لَہٗۤ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ۗ ۞ قَالَ رَبِّ اِنۡصُرۡنِیۡ بِمَا کَذَّبُوۡنَ ۗ ۞ قَالَ عَمَّاۤ قَلِیۡلٍ لِّیُصِیۡحُنَّ لِبٰۤیۡبِیۡنَ ۗ ۞ فَاَحَدًاۭ نُّہِمُ الصَّیۡحَۃَ بِالۡحَقِّ فَجَعَلۡنٰہُمۡ عَشَآءًۭۭ قَبَعًاۭۭ اِلۡلَقَوۡۡۡمِ الرُّطَلِیۡۡنَ ۗ ۞

”پھر ہم نے پیدا فرمادی ان کے (غرق ہونے کے) بعد ایک دوسری جماعت۔ پھر ہم نے بھیجا ان میں ایک رسول ان میں سے (اس نے انہیں کہا) عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے سوا۔ کیا تم (شرک کے انجی م سے) نہیں ڈرتے ہو۔ تو بولے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا تھا اور جنہوں نے جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوشحال بنا دیا تھا انہیں دنیوی زندگی میں، (اے لوگو!) نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند۔ یہ کھاتا ہے وہی خوراک جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں (پھر قبروں سے) نکالا جائے گا، یہ بات عقل سے بعید ہے بالکل بعید، جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے یہی ہمارا مرنا ہے اور یہی ہمارا جینا اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ وہ نہیں مگر ایسا شخص جس نے بہتان لگایا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اور ہم تو قطعاً اس پر ایمان نہیں لائیں گے اس پیغمبر نے کہا میرے رب! اب تو میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے تو مجھے جھٹلایا

دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کئے پر نام ہو جائیں گے۔ تو آپؐ انہیں حقیقی چنگھار نے تو ہم نے انہیں خش و خاشاک بنا دیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو تم شعراء ہے۔“

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد جس قوم کو پیدا کیا گیا اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد قوم عاد ہے کیونکہ نوح علیہ السلام کے بعد متصل یہ قوم ہوئی۔ بعض نے اس سے مراد قوم ثمود لی ہے کیونکہ یہ فرمان **فَاَخَذْنَاهُمُ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ** اسی کی نشاندہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی طرف انہی میں سے ایک رسول بھیجا جس نے انہیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے محض اس وجہ سے کہ یہ رسول ان جیسا بشر ہے، تکذیب کی مخالفت پر اتر آئے، اس کی اتباع سے انکار کر دیا اور ایک بشری پیروی کرنا گوارا نہ کیا۔ مزید برآں وہ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حاضری کو جھٹلانے لگے اور جسمانی حشر کا انکار کرتے ہوئے کہنے لگے: **اَيُّبَعْدِكُمْ.....** **بَيِّنَعُوْثِيْنِ** یہ لوگ اس رسول کی رسالت، انداز اور قیامت کے متعلق اخبار کا انکار کرتے ہوئے کہنے لگے: **اِنَّ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ...** قوم کی مخالفت اور ہرزہ سرائی کے مقابلہ میں اس رسول نے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی درخواست کی اور ان کے خلاف بددعا کرتے ہوئے کہا: **عَسَا قُلُوبِيْ لِيُضَيِّقَنَّ لِيْ وَرِثِيْ سَا اَلْحَاكِيْ كُوْبُوْلٍ** کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَقُبِعُوا بِالْقَوْرِ الظَّالِمِيْنَ** یعنی مخالفت اور عناد کی پاداش میں انہیں عنقریب ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ انہیں ایک حقیقی چنگھار نے آ لیا۔ وہ اپنے کفر اور سرکشی کے باعث واقعی اس عذاب کے مستحق تھے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سخت جج اور ولد و زچنگھاڑ کے ساتھ ساتھ شدید درد اور تند و تیز آندھی ان پر مسلط کر دی گئی جس سے ہر چیز نیست و نابود ہو گئی، وہ سیلاب کے پانی پر تیرتے ہوئے حقیر، معمولی اور بے فائدہ خش و خاشاک کی طرح ہلاک اور برباد ہو گئے اور ان کے ویران اور کھنڈر گھر دوسروں کے لئے بطور درس عبرت باقی رہ گئے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **فَقُبِعُوا بِالْقَوْرِ الظَّالِمِيْنَ** ایسا ہی ایک اور جگہ فرمان ہے: **وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوْهُمُ الظَّالِمِيْنَ** (الزخرف: 76) ”اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہی (اپنی جانوں) پر ظلم ڈھانے والے تھے“۔ یعنی کفر، عناد اور مخالفت کے باعث ان کی بربادی ہو! پس سامعین کو تکذیب رسول سے بچنا چاہئے۔

ثُمَّ اَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاخِرُوْنَ ۝
ثُمَّ اَمْرًا سَنَّا مُرْسَلًا تَشْرَا ۝ كَلِمًا جَاءَ اُمَّةً سَاسُوْهَا كَذِبًا فَاَتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ
جَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثًا ۝ فَبِعَدِّ الْقَوْرِ اَلْيَوْمِ مَمُوْنٌ ۝

”پھر ہم نے پیدافرمائیں ان (کی بربادی) کے بعد کئی قومیں۔ آگے نہیں بڑھ سکتی کوئی قوم اپنی مقررہ ميعاد سے اور نہ وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پھر ہم بھیجتے رہے اپنے رسول کیے بعد وگیرے۔ جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتے گئے اور ہم نے (ان جابر) قوموں کو افسانے بنا دیا۔ پس خدا کی پھکار ہو ایسی قوم پر جو ایمان نہیں لاتی۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے بعد کئی دوسری قوموں کو پیدا کیا۔ کوئی بھی امت اپنی مقررہ ميعاد سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے بلکہ قوموں کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی جو اجل لوح محفوظ میں مقدر کر رکھی ہے، اس کے مطابق ان پر رشت کی

جاتی ہے۔ پھر فرمایا: ﴿لَمَّا أَمْسَسْنَا رُسُلَنَا لَيْلَةً﴾ یعنی پھر ہم نے کیے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رُسُلًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَانْتَشِرُوا الطَّاغُوتَ﴾ ﴿فِيهِمْ مَن هَدَىٰ اللَّهُ وَبِهِمْ مَن حَقَّتْ عَلَيْهِ الصَّالِةُ﴾ (النحل: 36) اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں تعلیم دے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ ان میں سے کچھ وہ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ پھر فرمایا: ﴿كَلِمَاتٍ﴾۔ یعنی ہر امت کی اکثریت نے اپنے رسول کو جھٹلایا جیسا کہ فرمایا: ﴿يَصْرَفُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يُؤْتِيهِمْ مِّن رَّسُولِنَا﴾ ﴿إِن كَانُوا بِهِ يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (یسین: 30) ”صدافسوس ان بندوں پر انہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول نہ کرو وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے۔“ اس کے بعد فرمایا: ﴿فَأَبَعْنَا لَهُمُ بَعْضَهُمُ بَعْضًا﴾ یعنی ایک کے بعد دوسری قوم کو ہم نے ہلاک کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مَنِ الْقُرُونِ مِن بَعْدِ نُوحٍ﴾ (ہی امراکل: 17) ”اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے نوح کے بعد ہلاک کیا۔“ پھر ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ﴾ یعنی ہم نے انہیں لوگوں کے لئے افسانے اور قصے کہانیاں بنا دیا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَثَلًا لِّمَن كَانَ مُسَدِّقًا﴾ (سبا: 19) ”پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے انہیں پارہ پارہ کر دیا۔“

ثُمَّ أَمْرَسْنَا مُوسَىٰ وَآخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٣١﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَصَلَٰٓئِهِ
فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿٣٢﴾ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِمِثْلِنَا وَسِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا
عِبَادُونَ ﴿٣٣﴾ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ
يَهْتَدُونَ ﴿٣٥﴾

”پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف تو انہوں نے بھی غرور تکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے۔ تو انہوں نے کہا کیا ہم ایمان لے آئیں ان دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھی ربا دہونے والوں میں شامل ہو گئے۔ اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب تاکہ (ان کی قوم) ہدایت یافتہ ہو جائے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کو زبردست معجزات، روشن آیات اور قطعی دلائل کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا لیکن ان فرعونوں نے بھی سابقہ قوموں کی روش پر چلتے ہوئے ان پیغمبروں کا اس بنا پر انکار کر دیا کہ یہ بھی ان جیسے بشر ہیں۔ ان کے دل بھی پہلی قوموں کے دلوں جیسے ہو گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں تمام فرعونوں کو فرعون سمیت غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات عطا فرمائی۔ فرعونوں کی ہلاکت اور تورات کے نزول کے بعد کوئی قوم عام عذاب کا شکار نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے مسومنوں کو کافروں کے ساتھ جہاد کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ مِن بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَِ الْأُولَىٰ بِصَٰٓئِرٍ لِلنَّاسِ وَ هُدًىٰ وَ رَحْمَةً لِّعِبَادِنَا﴾ ﴿يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (القصص: 43) ”اور ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی، (یہ) لوگوں کے لئے بصیرت افروز اور سراپا ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ صحیح قبول کریں۔“

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٣٦﴾

”اور ہم نے بنادیا مریم کے فرزند اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کی) نشانی اور انہیں بسایا ایک بلند مقام پر جو رہائش کے قابل تھا اور جہاں چشمے جاری تھے۔“

اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی واضح نشانی اور قطعی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا، حضرت حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بن باپ صرف عورت سے کی اور باقی تمام لوگوں کو مرد و زن دونوں سے پیدا فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ربوۃ“ اس بلند جگہ کو کہتے ہیں جہاں سبزہ اور نباتات کی بہتا ہوا، ”ذات قرار“ کا معنی ہے زرخیز اور سرسبز و شاداب اور ”معین“ کا معنی ہے جاری پانی (1)۔ مجاہد اس کا معنی ہموار ٹینڈہ کرتے ہیں۔ مفسرین کا اس ربوۃ (اوپرچی جگہ) کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ کون سی سرزمین تھی؟ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ ایسے اونچے مقامات مصر میں ہی ہوتے ہیں۔ جب پانی سیلابی شکل میں بہتا ہے تو ان اوپرچی جگہوں پر دیہات آباد ہو جاتے ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو دیہات غرق ہو جائیں (2) لیکن یہ قول بعید ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ یہ کلاؤ مشق میں تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ”معین“ سے مراد دمشق کی نہریں لیتے ہیں۔ مجاہد ”ربوۃ“ سے مراد دمشق اور اس کے مضافات لیتے ہیں۔ (2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس سے مراد فلسطین میں مقام رملہ لیتے ہیں (3)۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تو ربوۃ میں فوت ہوگا لیکن اس کی وفات رملہ (رتلیں زمین) میں ہوئی۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ ان تمام اقوال میں زیادہ قریب قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ نہر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے: **وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَابَ مَغْرِبًا لِّعِبَادِنَا الَّذِي يَدْعُوهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّهُمْ لَخَائِبُونَ** (مریم: 24) ”تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی جاری کر دی ہے“ (4)۔ یہی تفسیر سب سے زیادہ واضح ہے کیونکہ اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہے، سب سے پہلے قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جاتی ہے، پھر حدیث سے اور پھر آثار سے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ أَمْرًا مِّنْ رَبِّكَ وَأَلْبَسُوا الْحَيَآةَ ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٥١﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۚ كُلٌّ حِزْبٌ مِّمَّا يَخْلُقُ الْفِئْتَانَ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۚ كُلٌّ حِزْبٌ مِّمَّا يَخْلُقُ الْفِئْتَانَ ﴿٥٣﴾ أَيُّ حِزْبٍ مِّنْكُمْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَالِاتَّقَاتِ لِلَّهِ أَذِلَّةً وَسَأَلُوا بِأَمْرِ رَبِّكَ وَأَلْبَسُوا الْحَيَآةَ ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾

”اے (میرے) پیغمبر! پانچ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو۔ بے شک میں جو اعمال تم کر رہے ہو ان سے خوب واقف ہوں۔ اور یہی تمہارا دین ہے (اور) وہ ایک ہی ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں سو تم ڈرا کرو مجھ سے۔ لیکن کاٹ کر بنا دیا انہوں نے اپنی اپنی وحدت کو باہمی اختلاف سے پارہ پارہ۔ ہر گروہ اپنے نظریات پر سرور ہے۔ پس (اے محبوب!) ربت دو انہیں اپنی مددوشی میں کچھ وقت تک۔ کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حلال روزی کھانے اور نیک اعمال بجالانے کا حکم فرما رہا ہے، یہ اس بات کی

دلیل ہے کہ حلال روزی اعمال صالحہ کی بجائے آوری میں معاون اور مددگار ہے چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اس حکم کی تعمیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور اپنے قول، فعل، دلالت اور نصیحت سے ہر قسم کی بھلائیوں کو جمع کر لیا۔ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کی طرف سے انہیں جزائے خیر سے نوازے! حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کسی زرد یا سرخ رنگ اور کسی تلخ و شیریں ذائقہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ حلال کھاؤ۔ حضرت مریم علیہا السلام کو سوتے کاتے سے جو اجرت حاصل ہوتی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے کھایا کرتے تھے۔ حدیث صحیح میں ہے: ”کوئی بھی نبی ایسا نہیں ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! اور آپ نے بھی؟ فرمایا: ”ہاں، میں بھی چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (1)“ ایک اور حدیث میں ہے: ”حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے“ (2)۔ صحیحین کی حدیث میں ہے: ”اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ وہ آدھی رات سوتے تھے، تہائی رات قیام کرتے تھے اور چھنا حصہ سو جاتے تھے۔ وہ ایک دن ناخاکہ کے روزہ رکھتے اور دشمن کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار نہ کرتے“ (3)۔ حضرت ام عبد اللہ اخت شداد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ روزہ سے تھے، میں نے افطار کے وقت دودھ کا پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ دن کا آخری حصہ تھا اور دھوپ تیز تھی۔ آپ ﷺ نے یہ کہہ کر قاصد کو واپس کر دیا کہ تمہارے پاس بکری کہاں سے آگئی (اگر تمہاری بکری کا ہوتا تو پی لیتا)؟ حضرت ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا نے کہو! بھیجی کہ میں نے یہ اپنے ماں سے خریدا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے یہ دودھ پی لیا۔ دوسرے دن ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے دن کی طوالت اور گرمی کی شدت کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ کے لئے دودھ کا پیالہ بھیجی تھا لیکن آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”رسولوں کو یہی حکم ہے کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک عمل کریں“ (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال سے خوف و اتق ہوں۔ اور فرمایا: ”اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔“ پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو دروازہ کا سفر کرتا ہے، اس کے بال پر آگندہ اور غبار آلود ہوتے ہیں، اس کا کھانا، پینا اور پہننا حرام کا ہوتا ہے اور اس کی خوراک بھی حرام سے ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلائے ہوئے یارب، یارب کہتا ہے لیکن اس (حرام خور) شخص کی دعا کیسے قبول ہوگی“ (5)۔ اسکے بعد فرمایا: وَإِنَّ لَهَا فِي عَمَلِكُمْ۔ یعنی اے گروہ انبیاء و ائمہ جبار دین، دین واحد اور تمہاری ملت، ملت واحد ہے، وہ ہے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دینا، اس لئے فرمایا: وَإِنَّ رَبُّكَ فَاتَّقُوا نَاسَ كِي تفسیر سورہ انبیاء میں بیان ہو چکی ہے (6)۔ اُمَّتٌ وَاٰجِدُ مَا حَالِ هُوْنَ كِي بِنَاءِ مَرْسُوبِ ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ لِيَعْنِي ان امتوں نے جن کی طرف انبیاء و مبعوث کئے گئے، یا انہی اختلاف سے اس دینی وحدت کو پارہ پارہ کرو یا اور ہر گروہ اپنے نظریات اور گمراہی پر مسرور ہو گیا اور یہ خیال کرنے لگا کہ وہ ہدایت یافتہ ہے، اس لئے انہیں دھسکن

2- صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 74

1 صحیح بخاری، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 115

3- صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 52 صحیح مسلم، کتاب البیوع، جلد 2 صفحہ 816

4- مستدرک حاکم، کتاب الامارۃ، جلد 4 صفحہ 125-126 اندر اسنور، جلد 6 صفحہ 102

6- دیکھئے تفسیر سورہ انبیاء: 92

5- صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 702، مستدرک احمد، جلد 2 صفحہ 328 وغیرہ

دیتے ہوئے فرمایا: فَكَبَّرَهُمْ - یعنی آپ انہیں ان کی بلاکت کے وقت تک گمراہی میں ہی مدہوش اور مست رہنے دیں جیسا کہ فرمایا: فَكَبَّرَ الْكُفْرَيْنَ أَهْلَهُمْ رُدُّوْا (الطارق: 17) ”بس آپ کفار کو اور مہلت دے دیں، کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں۔“ ذَرَّهُمْ يَا كَلْبُ وَأَوْ يَهْمُؤُا وَيُلْهِمُهُمُ الْإِلَهَ صَلَّ سَوْفَ يَحْسَبُونَ (الحجر: 4) ”انہیں رہنے دیجئے وہ کھائیں اور حبش کریں اور (جھوٹی) امید انہیں غافل رکھے کچھ عرصہ بعد وہ جان لیں گے۔“ پھر ارشاد ہوتا ہے: أَيَحْسَبُونَ أَنَّنَا لَنُحْيِيَهُمْ هَيْهَ... یعنی کیا یہ مغرور اور فریب خور وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں مال و اولاد سے اس لئے نواز رہے ہیں کہ انہیں ہمارے ہاں آرامت اور عزت حاصل ہے، ہرگز نہیں، معاملہ یوں نہیں جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے: نَحْنُ أَنَا كَلْبُ وَأَهْلُ كَلْبٍ وَأَوْلَادُهُمْ وَأَوْلَادُ كَلْبٍ وَأَوْلَادُ كَلْبٍ وَأَوْلَادُ كَلْبٍ (سبا: 35) ”ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی اور ہمیں عذاب نہیں دیا جاسکتا۔“ یہ ان کی خام خیالی اور غلطی ہے اور ان کی یہ امید کبھی بھی بر نہیں آئے گی بلکہ وہ نامرادور ہیں گئے۔ انہیں جو نعمتیں دی جا رہی ہیں وہ بطور استدراج ہیں اور انہیں مہلت دے کر عذاب کے قریب لایا جا رہا ہے، اس لئے فرمایا: بَلَى لَا يَخْفَىٰ عَلَىٰ رَبِّنَا مَا تَعْمَلُونَ۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: فَلَا تَحْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِمَا فِي الصُّلُوبِ الْمُنِئِيَةِ (التوبة: 55) ”سو تمہیں ان کے اموال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ان چیزوں سے عذاب دے۔“ إِنَّمَا نُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الأنعام: 118) ”ہم صرف اس لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں،“ فَذَرْنِي وَمَنْ يُضَلِّبْ يَهْدِ اللَّهُ الصُّلُوبَ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ (القلم: 44-45) ”بس آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے۔ ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا اور میں نے انہیں مہلت دے رکھی ہے۔“ ذَرْنِي وَمَنْ حَقَّ قَوْلُ وَجِدْنَا - عَنِيدًا (المدثر: 16-11)، وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِآلِنِي تُفَكِّرْكُمْ عَنْهُ لِيُذَلِّقَ الْإِنَّمَانُ عَنْكُمْ وَأَعْيُدْ صَاحِبًا (سبا: 37) ”اور نہ تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قریب بخش دیں مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا، اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال و اولاد لوگوں کے لئے آزمائش ہیں اس لئے اموال و اولاد سے لوگوں کو نہ پرکھو بلکہ ایمان اور عمل صالح لوگوں کو جانچنے کا معیار ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے درمیان رزق تقسیم کئے ہیں اسی طرح تمہارے درمیان اخلاق کی تقسیم کی ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا سے بھی دیتا ہے جسے وہ محبوب رکھتا ہے اور اسے بھی جسے وہ محبوب نہیں رکھتا لیکن دین صرف اسے سوا فرماتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین سے نواز دیا، اسے اپنا محبوب بھی بنا لیا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو اور وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہو جائے۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس کی ایذا انہیں کیا ہیں؟ فرمایا: دعو کہ دہی اور ظلم۔ جو بندہ حرام کھاتا ہے اور اس میں سے خرچ کرتا ہے تو اس میں نہ برکت ہوتی ہے اور نہ اس کا صدق قبول کیا جاتا ہے اور جو وہ ترک چھوڑ کر جاتا ہے وہ اس کے لئے جہنم کا گوشہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے۔ خبیث خبیث کو نہیں مٹاتا“ (1)۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿٤٤﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٤٥﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٤٦﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقَلُّوا لَهُمْ وَجِلَةٌ أَكْبَرُوا إِلَىٰ

مَا يَهُمُّهُمْ لَمْرَجُوعُونَ ﴿١٠﴾ أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَاهِقُونَ ﴿١١﴾

”بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈر رہے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں بناتے۔ اور وہ جو دیتے ہیں، جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں (اس خیال سے) کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ جلدی کرتے ہیں بھلائیاں کرنے میں اور وہ بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔“

اہل ایمان کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ احسان، ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نیکی اور خوف خدا کا مرقع ہوتا ہے جبکہ کافر بدکار اور فاجر ہوتا ہے (1)۔ ان قدسی صفات اہل ایمان کا دوسرا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ يَأْتِيهِمُ الْيُوسُفُونَ يَعْنِي يَأْتِيهِمُ الْيُوسُفُونَ یعنی یہ لوگ کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور شرمی نشانیوں پر بھی جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا: وَصَدَقَتْ بِحَبْلِهَا وَتُكْتَبُ بِهَا (التحریم: 12) ”اور مریم نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی“۔ یعنی انہیں یقین تھا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو شروع کرتا ہے، اگر وہ امر ہو تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہوتی ہے، اگر وہ نکی ہو تو وہ نا پسندیدہ چیز ہوتی ہے اور اگر خیر ہو تو حق ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ يَأْتِيهِمُ الْيُوسُفُونَ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے بلکہ توحید پر یقین رکھتے ہوئے صرف اس کی پوجا کرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکساں اور بے نیاز ہے، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد، نہ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ کوئی ہمسر۔ ان حضرات کی ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ... یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت میں سے عطا کرتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اس بات سے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ شاید عطا کرنے میں کوئی کوتاہی ہو جائے اور اس وجہ سے اسے قبول نہ کیا جائے۔ خوف اور احتیاط کے سبب ان کی یہ حالت ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ... کے متعلق عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو چوری، زنا اور شراب نوشی کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے صدیق کی بیٹی! ایسا نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں، اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں“ (2)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”نہیں، اے صدیق کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نیکیاں کرنے میں سبک رفا کرتے ہیں۔“ اس آیت کی دوسری قرأت ”وَيَاتُونَ مَا آتَوْا“ ہے۔ حضرت ابو عاصم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے پاس آنے سے کون سی چیز تمہیں مانع ہے؟ عرض کی کہ مجھے اس بات کا خیال ہے کہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ ابو عاصم عرض کرنے لگے کہ میں اس آیت کے متعلق دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ”يُؤْتُونَ مَا آتَوْا“ پڑھا تھا یا ”يَاتُونَ مَا آتَوْا“؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں ان میں سے کون سی قرأت زیادہ محبوب ہے؟ ابو عاصم نے عرض کی: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان میں سے مجھے ”يَاتُونَ مَا آتَوْا“ والی

قرأت و نیا و ما نیہا سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے لگیں کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اسے اسی طرح پڑھا کرتے تھے اور اسی طرح اس کا نزول ہوا (1)۔ اس روایت کا ایک راوی اسماعیل بن مسلم کی ضعیف ہے۔ معنی کی رو سے سب سے زیادہ ظاہر قرأت وہی ہے جو قرآن کریم میں ہے اور یہی جمہور کی قرأت ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: **أُولَٰئِكَ يُسَبِّحُونَ**۔ اس میں انہیں سبقت لے جانے والے قرار دیا گیا ہے۔ اگر دوسری قرأت کو پیش نظر رکھیں تو یہ سبقت لے جانے والے نہیں بنتے بلکہ درمیانی راہ چلنے والے یا کوتاہی کرنے والے تصور ہوتے ہیں۔

وَلَا تُكَلِّفْ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا مَكْتُبٌ بِمَا عَمِلْتُمْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٠﴾ بَلْ قَلْتُمْ لَهُمْ فِي عَمَلِهِمْ قَدْرًا وَ هَذَا وَ لَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَمِلُونَ ﴿٥١﴾ حَتَّىٰ إِذَا آخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْعَرُونَ ﴿٥٢﴾ لَا تَجْعَرُوا الْيَوْمَ عَسَىٰ أَنْتُمْ مِّنَّا لَا تُخْصَرُونَ ﴿٥٣﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُشَلِّي عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ آعْقَابِكُمْ تُنكِبُونَ ﴿٥٤﴾ مُسْتَكْبِرِينَ ﴿٥٥﴾ بِهَسْبِ سَمِيرًا تَهْتَجِرُونَ ﴿٥٦﴾

”اور ہم تکلیف نہیں دیتے کسی شخص کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو جو بولتی ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے دل مدھوش ہیں اس (خونخاک حقیقت) سے اور ان کے اعمال مومنوں کے اعمال سے مختلف ہیں۔ یہ (نابکار) ان برے کاموں کو ہی کرنے والے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم پکڑیں گے ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب سے اس وقت وہ چلائیں گے۔ (ظالموں!) آج نہ چلاؤ۔ تمہاری ہماری طرف سے اب کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ (وہ وقت یاد کرو) جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایزویوں کے بل بوتے پر لوت چاہا کرتے تھے۔ غرور و تکبر کرتے ہوئے (پھر حرم میں) تم داستانِ سرانی کیا کرتے تھے اور قرآن کی شان میں بکواس کیا کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس شریعت کا پابند بنایا ہے اس میں عدل اور سہولت کا پہلو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی انسان کو صرف اتنی تکلیف دیتا ہے جس قدر اس میں وسعت اور طاقت ہو۔ کوئی ایسا حکم لاگو نہیں کیا جو انسانی قدرت سے بڑھ کر ہو پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے ان اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا جو کتابی صورت میں سب کے سامنے ظاہر کئے جائیں گے، اس لئے فرمایا: **وَلَدَيْنَا مَكْتُبٌ**۔ یعنی ہمارے پاس نامہ اعمال ہے جو جو بولے گا اور کسی پر ایسا ظلم نہیں کیا جائے گا کہ اسکی نیکیاں کم کر دی جائیں البتہ اکثر اہل ایمان کی خطاؤں کو معاف کر دیا جائے گا۔ پھر کفار اور مشرکین کی بہت دھرمی پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: **بَلْ قَلْتُمْ لَهُمْ فِي عَمَلِهِمْ قَدْرًا**..... یعنی ان کے دل اس قرآن سے بھٹکے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ ان کی شرک جیسی اور بھی بد اعمالیاں ہیں جن کا ارتکاب انہوں نے ہر صورت کرنا ہے۔ بعض حضرات نے اس فرمان **لَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَٰلِكَ** کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ان پر برے اعمال لکھ دیئے گئے ہیں جنہیں وہ اپنی موت سے پہلے ضرور کریں گے کیونکہ ان کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! ایک

آدمی جنتیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور وہ جہنمیوں کے سے اعمال کرنا شروع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ جہنمی بن جاتا ہے (1)۔ پھر فرمایا: حَتَّىٰ زُذَّآ أَحَدًا . یعنی جب خوشحال لوگ عذاب الہی کا شکار ہوتے ہیں تو وہ چلانے اور فریاد کرنے لگتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ذُذَّزِرْفِي وَ الشَّكْوَىٰ يَهْتَنُّ أَوْفِي الشَّعْبَةِ وَمَهْلِكُهُمْ قَبِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ يَوْمَئِذٍ نُكُلًا وَ جَحِيمًا ۝ وَ طَعَامًا إِذَا غَضَبُوا ۚ وَإِنَّا إِنَّمَا (المرحل: 13-11) ”آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جہلانے والے ہانداروں کو اور انہیں تھوڑی سی سہلت دیں، ہمارے پاس ان کے لئے بھاری چیزیاں اور پھڑکی آگ ہے اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب“۔ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَبْلِهِمْ قَدَرًا وَ قَدَرًا جَدِيدًا مَضَاجِرُ (ص: 3) ”ان سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے وہ فریاد کرنے لگے اور یہ وقت بچ نکلنے کا نہیں تھا“۔ فرمایا: ذَا جَحْدَرًا الْيَوْمَ . یعنی آج تمہارا ویلا کرنا بے سود ہے۔ خواہ تم جلاؤ یا خاموش رہو، آج کوئی بھی تمہیں اس عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہ عذاب تم پر لازم ہو چکا ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں۔ پھر ان کا ایک بڑا گناہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: قَدْ كَانَتْ لِي بِهِنَّ یعنی جب تمہیں ان آیات کی دعوت دی جاتی تو تم انکار کر دیتے تھے اور جب تمہیں حق کی طرف بلایا جاتا تو تم اس سے انحراف کیا کرتے تھے۔ توحید کا انکار اور شرک پر ایمان تمہارا شیوہ تھا۔ اس ارشاد مُسْتَلْهِمِينَ ۚ يَهْمُؤْنَ بِمَا تُصَدِّقُونَ كَيْ تَقْسِرُوا فِيهِمْ وَ قَوْلِي هُنَّ: اَلَيْكُ يَوْمَئِذٍ كَمْ مَسْتَكْبِرِينَ“ حال ہے یعنی وہ تکبر کرتے ہوئے اور حق اور اہل حق کو حقیر سمجھتے ہوئے حق سے اعراض کرتے۔ اس صورت میں ”بہ“ کی ضمیر کا مرجع یا تو حرم مکہ ہے کیونکہ وہ اس میں داستان سرائی اور بیہودہ گفتگو کرتے تھے، یا اس کا مرجع قرآن کریم ہے، یہ لوگ قرآن کریم کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہوئے اسے جادو، شعر، کہانت اور اس طرح کے دیگر نام دیتے، یا اس ضمیر کا مرجع حضور ﷺ ہیں۔ یہ نہ ہمارا آپ ﷺ کے متعلق نازیبا باتیں کرتے ہوئے کبھی آپ ﷺ کو شاعر کہتے، کبھی جادوگر، کبھی کذاب اور کبھی مجنون۔ ان کی یہ ساری باتیں باطل تھیں۔ آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بند اور رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر خندہ مٹا فرمایا اور انہیں ذلیل و رسوا کر کے حرم شریف سے نکال باہر کیا۔ مُسْتَلْهِمِينَ ۚ یہ کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ ”بہ“ کی ضمیر کا مرجع بیت اللہ ہے یعنی مشرکین بیت اللہ پر فخر و تکبر کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہی اس کے متولی ہیں حالانکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ ارشاد مُسْتَلْهِمِينَ ۚ آیا۔ نازل ہوا تو رات کے وقت قصہ گوئی مکروہ ہو گئی۔ مشرکین بیت اللہ پر تکبر کرتے ہوئے کہتے کہ ہم ہی اس کے اہل ہیں۔ وہ فرود کرتے اور بیت اللہ شریف میں قصے کہانیوں کی محفلیں جگاتے۔ وہ اسے آباد نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی بے ادبی کیا کرتے تھے (2)۔ ابن ابی حاتم نے یہاں بہت کچھ لکھا ہے جس کا حاصل یہی ہے۔

أَقَلَّمُ يَدَ بَرِّدَا الْقَوْلِ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۚ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا
رَسُولَهُمْ فَنَهْمُ لَهُمْ مَكْرُورُونَ ۚ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُمُ بِالْحَقِّ وَ أَكْذَرُهُمْ
لِيَحِقَّ كُرْهُونَ ۚ وَ لَوْ أَتَبَعِ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَ الْأَرْضُ وَ مَنْ
فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَلْبَسْنَاهُمْ فِي دُكْرِهِمْ قَهْمًا ۚ ذُكِّرُوا عَنْ دُكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۚ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرَاجًا وَ خَرَاجًا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 161، 135، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2036

2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 423-424، متدرک، حکم تفسیر سورہ مومنون، جلد 2 صفحہ 394

سَبَّكَ حَبِيرًا ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزِقِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١﴾ وَإِنَّ
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكِبُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ رَأَوْهُمْ وَكُفْنَا مَا بَيْنَهُمْ مِنْ
صُرَّةٍ لَلْجَوَافِي طَعْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٢٣﴾

”کیا انہوں نے کبھی تدبیر نہ کیا قرآن میں؟ یا آلِ تمہی ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی ان کے پہلے آباء و اجداد کے پاس۔
یا انہوں نے اپنے رسول (مکرم) کو نہ پہچانا تھا اس لئے وہ اس کے منکر بنے رہے۔ یا کہتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے۔
(یوں نہیں) بلکہ وہ تشریف لایا ان کے پاس حق کے ساتھ اور بہت سے لوگ ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اگر
بیرونی کرتا حق ان کی خواہشات (نفسانی) کی تو درہم برہم ہو جاتے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ بلکہ ہم ان کے
پاس لے آئے ان کی نصیحت تو وہ اپنی نصیحت سے ہی روگردانی کرنے والے ہیں۔ کیا آپ طلب کرتے ہیں ان سے کچھ
معاوضہ (آپ کے لئے) تو آپ کے رب کی عطا بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اور بے شک آپ تو
انہیں بلا تے ہیں سیدھی راہ کی طرف۔ بلاشبہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ راہ راست سے منحرف ہونے والے
ہیں۔ اور اگر ہم نے ان پر مہربانی بھی فرمائی اور دور بھی کر دیا اس مصیبت کو جس میں مبتلا ہیں پھر بھی وہ بڑھتے جائیں گے اپنی
سرشتی میں اندھے بنے ہوئے۔“

قرآن عظیم کو نہ سمجھنے، اس میں غور و تدبیر نہ کرنے اور اس سے روگردانی کرنے پر مشرکین کو سرزنش کی جا رہی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے
فصوصاً انہیں اس کتاب سے نوازا جس سے کامل اور اشرف کتاب کسی رسول پر نازل نہیں ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں مرنے والے ان کے
آباء و اجداد کتاب اور پیغمبر سے محروم رہے لیکن ان پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرماتے ہوئے انہیں قرآن کریم بھی عظیم اور گراماں بہا نعمت مرحمت
فرمائی۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ یہ مشرکین اس نعمت کی قدر کرتے، اسے قبول کرتے اور اس کا شکر بجالاتے ہوئے تہذیبی اور اجتماعی کے ساتھ
اس پر عمل پیرا ہو جاتے جیسا کہ انہی میں سے عقلمند اور صالح فطرت لوگوں نے اسلام کو قبول کر لیا، اللہ کے نبی ﷺ کی اتباع کی اور اللہ تعالیٰ
کو راضی کر لیا۔ قہادہ اس فرماناً اَقَامَ يَلِيَّ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ قرآن کریم میں غور و تدبیر کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تو
یقیناً انہیں نصیحت حاصل ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ جاتے لیکن وہ متشبہات کے پیچھے پڑ کر برباد ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کفار
قریش پر انکھار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَهْلًا لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ یعنی کیا وہ رسول اللہ ﷺ، آپ کی راست گفتاری،
دیاننداری، عفت اور پاکیزگی کو نہیں پہنچانے، کیا وہ اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شاہ جس نجاش
کے سامنے اپنی تقریر میں اس بات کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے
جس کے نسب، جس کی صداقت اور جس کی امانت سے ہم خوب واقف ہیں (1)۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی نائب کسری کو
میدان جنگ میں یہی فرمایا تھا (2) اور جب شام روم بزل نے ایوشیان صخر بن حرب سے نبی کریم ﷺ کی صفات، آپ کے نسب اور
صدق و امانت کے متعلق پوچھا تھا تو انہیں اس چیز کا اعتراف کرنا پڑا حالانکہ اس وقت وہ کافر تھے، اس کے باوجود انہیں سچ بولنے کے سوا

کوئی چارہ نہ تھا اور انہوں نے بر ملا آپ ﷺ کی حالی نسبی، راست گفتاری اور دیبا اندازی کی گواہی دی (1)۔ اس کے بعد فرمایا: اَفَرِ
يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ مَّشْرِكِينَ نَبِيَّ كَرِيمٍ ﷺ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اس نے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے یا اسے جنون کا مرض لاحق ہے
جس کی وجہ سے اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ ان مشرکین کے دل قرآن پر ایمان نہیں
لاتے حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ قرآن کے متعلق ان کی تمام باتیں غلط اور باطل ہیں۔ قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جس
کی نظیر لانے سے ساری دنیا عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین اور دنیا کے تمام لوگوں کو پہنچ کیا کہ اگر ان کے بس میں ہے تو اس جیسا
قرآن لائیں لیکن کسی کو بھی ہمت نہ ہوئی اور کبھی ہوگی بھی نہیں، اس لئے فرمایا: نَبِيَّ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ۔ اس آیت میں یہ جملہ وَأَنْتَعَمُّهُمْ بِذِكْرِهِ
كُلِّهِمْ حَالِ بَعِيٍّ بِنِجْمَانٍ ہے۔ قنادہ رحمت اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا:
”مسلمان ہو جا۔“ اس نے کہا کہ آپ مجھے ایسے امر کی دعوت دے رہے ہیں جسے میں ناپسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگرچہ
تمہیں ناپسند ہو۔“ مذکور ہے کہ ایک شخص سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اسلام قبول کر لے۔“ یہ بات اس شخص کو بہت گراں اور ناگوار
گزری۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ”مجھے بتاؤ، اگر تم کسی دشوار گزار اور خطرناک راستے پر جا رہے ہو اور تمہاری ملاقات ایک ایسے شخص
سے ہو جائے جس کا نام و نسب اور امانت و صداقت کے متعلق تمہیں اچھی طرح واقفیت ہو، وہ تمہیں ایک وسیع اور آسان راستے پر چلنے کے
لئے کہے تو کیا تم اس کی بات مان لو گے؟“ اس نے کہا: ہاں، ضرور تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی
جان ہے! تم اس سے بھی زیادہ دشوار گزار اور خطرناک راستے پر چل رہے ہو اور میں تمہیں اس سے بھی زیادہ آسان اور سیدھے راستے کی
دعوت دیتا ہوں، اس لئے میری دعوت قبول کر لو۔“ اسی طرح ایک اور روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت
دی تو اس نے ناگواری کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ”مجھے یہ بتاؤ، اگر تمہارے دوست سہمی ہوں، ان میں سے ایک جب تمہارے
ساتھ گفتگو کرے تو بیچ بولے اور اگر تم اس کے پاس امانت رکھو تو وہ تمہیں جوں کی توں لوٹا دے، کیا یہ سہمی تمہیں پسند ہے یا وہ سہمی جو
تمہارے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے جھوٹ بولے اور تمہاری امانت میں خیانت کرے؟“ اس آدمی نے جواب دیا کہ مجھے وہ دوست سہمی محبوب ہے
جو میرے ساتھ بیچ بولے اور میری امانت میں خیانت نہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسی طرح تم اپنے رب کے پاس ہو (2)۔ اس کے
بعد ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ۔ بحجابہ، ابوصالح اور سدی کہتے ہیں کہ حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ
ان کی خواہشات کے مطابق شرعی احکام مقرر کرتا تو زمین و آسمان اور ان میں سب چیزیں درہم برہم ہو جاتیں کیونکہ ان کی خواہشات بالکل
فاسد ہیں جیسا کہ ان کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: تَوَلَّوْا نُوْلَ هَذِهِ الْقَوْمِ عَلَىٰ رَأْسِهِمْ مِنَ الْقَدْحِ يَشْتَبِهُنَّ عَفْيفَةً (الزخرف: 31) ”کیوں نہ
اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے۔“ اس کے جواب میں فرمایا: اَهُمْ يَشْفِقُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (الزخرف: 32)
”کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو بانٹنا کرتے ہیں؟“ فرمایا: قُلْ لَنْ أَنزَلْتُمْ تَنْزِيلًا كَوْنًا حَزَّ آيَاتٍ مِّنْ رَّحْمَتِي رَبِّي إِذْ لَا مَسْتَشْفِعَ خَشِيَةً إِلَّا لِنَفْسِي (بنی
اسرائیل: 100) ”فرمائیے اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لینے اس خوف سے
کہیں ختم ہی نہ ہو جاسیں۔“ ایک اور جگہ فرمایا: أَمْ لَيْسَ لَكُم مِّنْ أُمَّةٍ مِّنْ قَبْلِكُمْ أَنذَرْنَا لَكُمْ أَنَّكُمْ كَذِبَةٌ (النساء: 53) ”یہ ان کا حکومت میں
کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو قتل برابر بھی نہ دیتے۔“ ان آیات میں بندوں کے عجز، ان کی آراء اور خواہشات کے اختلاف و

بیان کرنے کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا جا رہا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اپنی تمام صفات، اقوال، افعال، احکام، تقدیر اور ہر قسم کی تدبیر میں کامل ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب، اس لئے فرمایا: **بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بَنِي كِهْيَمٍ...**، ذکر سے مراد قرآن کریم ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: **اَفَرَسُلْتُمْهُمُ خُرَجًا...** یعنی آپ دعوت و تبلیغ کے مقابلہ میں ان سے اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ آپ رضائے الہی کی خاطر یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں اور اپنے رب سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں جیسا کہ فرمایا: **قُلْ مَا سَأَلْتُمْ مِنْ اٰجُرٍ فَعُوْلَكُمْ اِنَّ اٰجُرِيْ اِلَّا عِنْدَ اللّٰهِ (سبا: 47)** ”فرمائیے جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا وہ تم اپنے پاس رکھو، میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔“ **قُلْ مَا اَسْأَلْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ اٰجُرٍ فَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَعَجِّفِيْنَ (ص: 86)** ”آپ فرمائیے تم میں سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناؤں کرنے والوں میں سے ہوں،“ **قُلْ اِنَّا اَسْأَلْتُمْ عَلَيْكُمْ اٰجُرًا اِلَّا الْمَوْدُوْدٰتِي الْغَوْلِي (الشوری: 23)** ”آپ فرمائیے تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا بجز قربت کی محبت کے۔“ **وَجَاءَ مِنْ اٰخَصَا الْمَدْيَنَةِ تَوْرَبُجُلٌ يُّسْنِي قَالَ لِيَقُوْا بِرِاٰهِنُو الْاُمْنَسِيْبِيْنَ ﴿١٠﴾ اَتَوْهُمُ اَمْرًا لَّا يَسْتَلْتُمْ اٰجُرًا وَّهُمْ فُهْمَتُوْنَ (الشمین: 20-21)** ”دریں اثناء شہر کے پر لے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، کہنے لگا: میری قوم! رسولوں کی پیروی کرو، پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے۔“ اس کے بعد فرمایا: **وَ اِنَّكَ لَبِنْتُنَّ غُوْمٌ...** لکن چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوئے ہوئے تھے کہ دو فرشتے آپ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک آپ ﷺ کی پابندی بیٹھ گیا اور دوسرا سر ہانے۔ پابندی والا فرشتہ سر ہانے والے فرشتے سے کہنے لگا کہ ان کی اور ان کی امت کی مثال بیان کرو۔ وہ کہنے لگا کہ ان کی اور ان کی امت کی مثال ان مسافروں کی ہی ہے جو ایک بیابان چٹیل میدان میں پہنچے، ان کے پاس زادراہ نہیں تھا جس سے وہ اسے عبور کرتے یا واپس چلے آتے۔ اسی اثناء میں ایک شخص متعش اور عمدہ لباس زیب تن کئے ہوئے ان کے پاس آیا اور انہیں کہنے لگا کہ اگر میں تمہیں پھلوں سے لدے ہوئے بانگوں اور پانی سے بھرے ہوئے حوضوں تک پہنچا دوں تو کیا تم میری پیروی کرو گے؟ سب نے کہا: ہاں، ضرور۔ چنانچہ وہ ان سب کو پھلدار باغات اور پانی سے بھرے ہوئے حوضوں تک لے آیا۔ وہاں انہوں نے خوب کھایا پیا یہاں تک کہ موئے تازے ہو گئے۔ ایک دن اس نے انہیں کہا کہ تم ہلاک ہونے والے تھے لیکن میں نے تمہیں کہا کہ اگر تم میری بات مانو تو میں تمہیں باغات اور حوضوں پر لے چلتا ہوں۔ وہ کہنے لگے: واقعی۔ اب وہ انہیں کہنے لگا کہ اس سے آگے ان سے بھی زیادہ سبز و شاداب باغات اور پانی سے لبالب حوض ہیں، میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ اس پر ایک جماعت نے کہا کہ یہ آدمی سچا ہے، ہم ضرور اس کی پیروی کریں گے جبکہ دوسری جماعت کا کہنا تھا کہ ہمیں یہی کافی ہے اور ہم یہاں ہی رہیں گے (۱)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے پیچھے ہٹا رہا ہوں لیکن تم میرے ہاتھوں سے چھوٹ چھوٹ کر پرتانوں اور نڈیوں کی طرح آگ میں گھس رہے ہو۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم میرے ہاتھوں سے چھوٹ جاؤ گے۔ سنو، میں تم سے پہلے حوض پر پہنچنے والا ہوں، وہاں تم گروہ درگروہ اور تہا تہا میرے پاس آؤ گے اور میں تمہاری نشانہوں اور ناموں سے پہچان لوں گا جیسے ایک آدمی اپنے اونٹوں میں اجنبی اونٹ کو پہچان لیتا ہے۔ فرشتے تمہیں دائیں اور بائیں جانب لے جانا چاہیں گے تو میں رب العالمین کے حضور التجا کروں گا کہ اسے میرے پر درگزار! یہ میری قوم ہے، یہ میری امت ہے۔ پس کہا جائے گا: اے محمد ﷺ! آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں۔ یہ لوگ آپ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل لوٹتے رہے۔ میں تم میں سے ایک آدمی کو پہچان لوں گا جو قیامت کے دن

مسیاتی ہوئی گمراہی کو اٹھائے ہوئے آئے گا اور یا محمد یا محمد کی دعا دے گا لیکن میں کہوں گا کہ میں تمہارے کام نہیں آسکتا، میں نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا، میں اس شخص کو بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اٹھا کر حاضر ہوگا اور یا محمد یا محمد پکارے گا لیکن میں اسے کہوں گا کہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا، میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ اسی طرح میں اس شخص کو بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن نہنہاتے ہوئے گھوڑے کو اٹھائے ہوئے آئے گا اور یا محمد یا محمد کی دعا دے گا لیکن میں اسے کہوں گا کہ میں تیرے لئے کئی چیز کا مالک نہیں، میں نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر دیا تھا، اور میں اس شخص کو بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن مشکیزہ اٹھائے اور یا محمد یا محمد کہتے ہوئے میرے پاس آئے گا لیکن میں اسے بھی یہی کہوں گا کہ مجھے تمہارے بارے میں کوئی اختیار نہیں۔ میں نے تو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔" علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند تو حسن ہے لیکن اس کا ایک راوی حفص بن حمید مجہول ہے لیکن یحییٰ بن معین نے اسے صالح کہا ہے اور نسائی اور ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: "وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ" یعنی آخرت پر ایمان نہ لانے والے راہ راست سے منحرف ہونے والے ہیں۔ جب کوئی شخص سیدھی راہ سے ہٹ جائے تو کہا جاتا ہے: "نَكَبَ فَكُنَّ عَنِ الصِّرَاطِ"۔ اگلی آیت میں فرمایا: "وَلَوْ رَجَعْتَ لَهُمْ" کفر میں ان کی پختگی اور شدت کو بیان کرتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے تکلیف کو دور کر دے اور انہیں قرآن سمجھائے تو بھی یہ اطاعت نہیں کریں گے۔ ہمارے کفر، عناد اور سرکشی پر ڈٹے رہیں گے جیسا کہ فرمایا: "وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِتْنَتَكُمْ إِذْ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ لَلْتَوَلَّوْا قُلُوبَكُمْ" (الانفال: 23) "اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی جانتا تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر انہیں سنا دیتا تو وہ روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتے" "وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ ذُكِّرُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا إِنَّا بُدِّلْنَا دُورًا وَلَا تَكْفُرُ بِأَيْتَاتِنَا" (نکولون من المؤمنون)۔ (الانعام: 27-29)۔ لفظ "لو" امتناع پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ وہ بات ہے جو ہوگی نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر یہ ہو جائے تو اس پر کیا نتیجہ مرتب ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کلام میں "لو" ہو، اس کا وقوع نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ آخَذْنَا لِبُنْتِهِم بِالْعَدْوِ ابٍ فَمَا اسْتَكْبَرُوا لِيُرِيهِمْ وَمَا يَنْصُرُهُمْ عُونَ ﴿٢٦﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذْ هُمْ فِيهِ مُبْرِسُونَ ﴿٢٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٢٨﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٣٠﴾ بَلْ قَالُوا امْشِلْ مَا قَالِ الْإِلَٰهُ لَوْلَا ۗ قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٣١﴾ لَقَدْ وَعَدْنَاكَ خَيْرًا وَإِلَّا تُؤْتَاهُذَٰ مِنْ قَبْلُ ۗ إِن لَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٢﴾

"اور ہم نے پکڑ لیا انہیں عذاب سے پھر بھی وہ نہ بچ سکے اپنے رب کی بارگاہ میں اور نہ وہ اب گزر کر (توبہ کرتے) ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم کہوں دین گے ان پر دروازہ سخت عذاب والا وہ اس وقت باکل مایوس ہو جائیں گے۔ اور وہ وہی ہے جس نے بنائے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل۔ لیکن (ان عظیم نعمتوں پر بھی) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور وہ وہی ہے

جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین (کے اطراف) میں اور (انجام کار) اس کی جناب میں اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور وہ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے گردشِ مہل و مہار کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھتے؟ بلکہ انہوں نے بھی وہی بات کہی جو پہلے (کفار) کہا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور بن جائیں گے خاک اور ہڈیاں تو کیا ہمیں پھراٹھا یا جانے گا؟ بلاشبہ یہ وعدہ کیا گیا ہم سے اور ہمارے باپ و ابا کے ساتھ بھی آج سے پہلے (لیکن آج تک پورا نہ ہوا) نہیں میں یہ باتیں مگر من کھڑتِ افسانے پہلے لوگوں کے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا اور مصائب و شدائد سے انہیں دوچار کیا لیکن پھر بھی نہ اپنے رب کے حضور جھکے اور نہ اس کو ڈر کر تو بہ کرتے ہیں یعنی یہ عذاب بھی انہیں کفر اور مخالفتِ حق سے باز نہ رکھ سکا۔ کابعد یہ لوگ اپنی گمراہی پر نہ رہے۔ نہ ان کے دل جھکے اور نہ ان کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے جیسا کہ فرمایا: **فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَقَوُّرًا عَاذُوا بِاللَّيْلِ يُكَفِّرُونَ بَأْسَنَا وَالنَّارُ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْآلِهَةَ كَمَا تُحِبُّونَ آلَ اللَّهِ لَأُولِي عَذَابٍ أَلْوَنًا** (الانعام: 43) ”تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب ان پر ہمہ راز عذاب آیا تو وہ ڈر کر اٹھتے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب قریشی قحطِ سالی کا شکار ہوئے تو ابو سفیان نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اور قرابتِ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ ہم قحطِ سالی کی وجہ سے گوبر اور خون کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اس وقت یہ آیت کریمہ **وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِصُلْبِهِمْ لَمَّا سَأَلُوا رَبَّهُمْ فَرَاغَ لَهُمْ كَبَدًا** نازل ہوئی (1)۔ اس کی اصل صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کی شرارتوں اور ایذا رسانہوں سے نکل آ کر یہ بد دعا کی: ”اے اللہ! یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات سال قحط جیسے قحط میں قریش کو مبتلا کر کے میری مدد فرما“ (2)۔ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کو قید کر دیا گیا۔ وہاں ایک نو عمر شخص نے آپ سے کہا کہ کیا میں دل بہلانے کے لئے آپ کو کچھ اشعار سنناؤں؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت ہم عذاب میں ہیں اور اس آیت **وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِصُلْبِهِمْ لَمَّا سَأَلُوا رَبَّهُمْ فَرَاغَ لَهُمْ كَبَدًا** کا تقاضا یہ ہے کہ ہم خدا کے حضور جھکیں اور گڑ لڑائیں۔ پھر آپ نے نگاہ تار تین روزہ رکھے۔ جب آپ سے ان روزوں کی بہت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سے لئے ایک نئی چیز (قید) رونما ہوئی، اس سے ہم نے ایک نئی چیز (مزید عبادت) کی۔ فرمایا: **سَخَى زَادًا فَتَخَشَتَا** یعنی جب حکمِ خداوندی آپ سچے گا اور ان پر اچانک قیامت آجائے گی تو انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ اس وقت دو خبر سے ناامید ہو جائیں گے، ہر راحت سے ہاپوں ہو جائیں گے اور ان کی امیدیں دم توڑ جائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی نعمتیں یاد دلا رہا ہے کہ اس نے انہیں کان، آنکھیں، دل اور عقلیں عطا فرمائیں تاکہ وہ ان کے ذریعے چیزوں کا ادراک کریں اور کائنات میں بھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و تدبر کریں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان نعمتوں کے باوجود لوگ بہت تم شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: **وَمَا آخِذُوا بِالنَّاسِ أَلْوَنًا حَتَّىٰ تَصِفَ أَعْيُنُ النَّاسِ أَعْيُنَهُمْ فَذُرُّوا** (یوسف: 103) ”اور شرک و ایمان لانے اسے نہیں خواہ آپ کتنے ہی حریص ہوں۔“ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ اور سلطنتِ عظیمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے زمین کے اطراف و کوناف میں مختلف اجناس، لغات اور صناعت کی حامل مخلوق پھیلائی، پھر قیامت لے دن وہ تمام اٹکے اور چھٹے لوگوں کو زندہ کر کے جمع کرے گا، کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، مذکر ہو یا مؤنث، عظیم ہو یا حقیر، سب وابتداء آفرینش کی طرف پھر زندہ کیا جائے گا، اس لئے فرمایا: **وَلَهُ أَتَىٰ يَوْمَئِذٍ عِذَابٌ مُّبِينٌ** یعنی وہی وسیلہ ہڈیوں کو زندہ کرنے والا اور

1- سنن ترمذی، جلد 5، صفحہ 179، حدیث 2500، حدیث 395، جلد 2، صفحہ 395، جلد 2
2- صحیح بخاری، جلد 4، صفحہ 611، صحیح مسلم، کتاب غنایم، جلد 4، صفحہ 2155، جلد 4، صفحہ 2156

کہ آپ ان مشرکین سے پوچھیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہیں اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہیں سمجھتے لیکن اس کے باوجود الوہیت میں اس کے شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ اس بات کے معترف ہیں کہ ان کے یہ جھوٹے خدا نہ کچھ پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کے مالک ہیں بلکہ ان کا ان بتوں کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے: **مَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا لِيُؤْتُواكُم مِّنْ قَبْلِ الْيَوْمِ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ** (الزمر: 3) ”ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں“۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ ان سے پوچھیں: **لَيْسَ الْإِنْسَانُ حَيَوانًا، نَبَاتًا، وَبَحْلًا** اور دیگر انواع و اقسام کی مخلوقات کا مالک کون ہے، بتاؤ اگر تمہیں اس چیز کا علم ہے؟ وہ جواب میں اس بات کا اقرار کریں گے کہ یہ ساری چیزیں اللہ وحدہ لا شریک کی ملکیت ہیں۔ جب حقیقت یہی ہے تو آپ فرمادیں: **أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ** یعنی کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ عبادت کا سزاوار صرف وہی خالق اور رازق ہے۔ پھر فرمایا: **فَلْيَمُنْ رَبُّ الْعَالَمِينَ** یعنی عالم علویٰ اور اس میں روشن ستارے، آسمانوں میں ہر جگہ اطاعت گزار فرشتے اور عرش عظیم کس کی ملکیت ہیں؟ عرش مخلوق کی چھت ہے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بڑی ہے، اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے قبہ کی مثل بنا کر بتلایا (1)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”ساتوں آسمان، ساتوں زمینیں اور ان میں پائی جانے والی کل مخلوقات کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کسی پینٹل میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو“ (2)۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب کی طرف وہ قطرہوں کے درمیان پچاس ہزار سال کی مسافت ہے اور ساتویں زمین سے اس کی بلندی پچاس ہزار میل کی مسافت پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم عرش کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسے اس کے بند ہونے کی وجہ سے عرش کہا جاتا ہے۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین عرش کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے زمین و آسمان کے درمیان کوئی قدیل مطلق ہو، مجاہد فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان عرش کے مقابلے میں یوں جیسے ایک پینٹل وسیع میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عرش کی قدر و عظمت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ عرش سرخ یا قوت کا ہے۔ یہاں فرمایا: **رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ** یعنی وہ بہت بڑے عرش کا رب ہے۔ اس سورت کے آخر میں فرمایا: **رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ** (المؤمنون: 116) یعنی وہ بہت خوبصورت اور خوشنما عرش کا رب ہے۔ عرش وسعت و عظمت، ارتقاع اور حسن کا جامع ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ سرخ یا قوت کا بنا ہوا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کے ہاں نہ رات ہے اور نہ دن۔ عرش کا نور اس کی ذات کے نور سے ہے۔ بہر کیف ساتوں آسمانوں اور عرش کے مالک کے متعلق پوچھنے پر مشرکین یہی جواب دیں گے: **سَيَقُولُونَ يَدُؤُنَا فُلُوكَ الْأَكِلَاتُ** یعنی جب تم اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ آسمانوں اور عرش عظیم کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر تم غیر اللہ کی عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں اس کے عقاب اور عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کتاب **المنکر والاعتبار** میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر ایک عورت کی بابت بتایا کرتے تھے جو زمانہ جاہلیت میں کسی پہاڑ کی چوٹی پر رہتی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا جو بکریاں چرا لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا کہ اہی جان! آپ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ماں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ لڑکے نے پھر پوچھا کہ میرے باپ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے۔ پھر اس نے سوال کیا کہ مجھے کس نے پیدا کیا ہے! جواب ملا: اللہ تعالیٰ نے۔ لڑکے نے دریافت کیا کہ آسمانوں کا خالق کون ہے؟ ماں نے کہا: اللہ تعالیٰ۔ لڑکے نے پوچھا کہ زمین کا خالق کون ہے؟ جواب دیا: اللہ تعالیٰ۔ سوال کیا کہ پہاڑوں کی تخلیق کس نے کی؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ لڑکا پوچھنے لگا کہ ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا؟ ماں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ یہ سن کر لڑکا کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تصور کرتے ہوئے وہ کانپ گیا اور پہاڑ سے گر پڑا اور جان دے دی۔ اس کے ایک راوی عبید اللہ بن جعفر المدینی کے بارہے میں کلامی گئی ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: **قُلْ مَنْ يُبْدِئُ خَلْقَ كُلِّ شَيْءٍ يُخْلِقُ مِنْ نَفْسِهِ** یعنی اسی نے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی تخلیق سے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: **مَا صَارَ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا هُوَ يُخْلِقُ مَا يَشَاءُ بِمَا يَشَاءُ** (ہود: 56) ”کوئی جاندار بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدائشی کے بالوں سے پکڑا ہوا ہے“۔ رسول اللہ ﷺ عموماً ان الفاظ میں قسم اٹھایا کرتے تھے: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے“۔ زیادہ تاکید یہی قسم اٹھاتے وقت آپ یوں کہتے: ”اس کی قسم جو دلوں کو بچھرنے والا ہے“ (1)۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف ہے۔ وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب سردار قبیلہ کسی کو پناہ دے دیتا تو سارے قبیلہ پر اس کی پابندی ضروری سمجھی جاتی لیکن سردار قبیلہ کے مقابلے میں کسی اور کو پناہ دینے کا حق حاصل نہیں تھا اس لئے فرمایا: **وَهُوَ يُحْيِيهِ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑا اور عظیم ہے، اس سے بڑھ کر کسی کو عظمت حاصل نہیں، ہر قسم کی تخلیق اور ہر امر اسی کے اختیار میں ہے اور اس کے حکم کو نہ لانا جاسکتا ہے اور نہ اس کی مخالفت کی جاسکتی ہے۔ وہی ہوتا جو وہ چاہتا ہے اور جو وہی نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا، اس سے کسی کام کے متعلق باز پرس نہیں کی جاسکتی جبکہ لوگوں سے باز پرس سوئی، اس کی عظمت، سربوئی، منہ، فخر، عزت، حکمت اور عدل کے پیش نظر کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا لیکن مخلوق کو اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا جیسا کہ ارشاد ہے: **قُلْ رَبِّ انظُرْ لَنَا نَسَبَنَا لَكُمْ جَمِيعًا ۗ عَلَيْنَا كَالَّذِي يَتَّبِعُكُمْ** (الحجر: 92-93) ”پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ان کے اعمال کے متعلق پوچھیں گے جو وہ کیا کرتے تھے“۔ فرمایا: **نَسَبُهُمْ رَبُّنَا** یعنی یہ اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ سب سے بڑا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو پناہ دیتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر فرمایا: **قُلْ فَاَنْتُمْ تَسْتَعْتَبُونَ** یعنی تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم باوجود اس اعتراف کے، پھر بھی غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ پھر فرمایا: **بَلَىٰ اَتَيْنٰكُمْ**۔ یعنی ہم ان کے سامنے حق لے آئے۔ انہیں واضح طور پر آگاہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور پھر اس پر صحیح، واضح اور قطعی دلیل تو تم کر کے یہ بیان کر دیا کہ یہ غیر اللہ کی عبادت میں بھولے ہیں اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ فرمایا: **وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ الْاٰلِهَآءَ اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لِهٖمْ فَاَلَمْ يَكُنْ عِنْدَ رَبِّهٖ بِالذَّٰلِقِ غٰفِیۡمًا** (المؤمنون: 117) ”اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو پوجتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ کافر کا میاب نہیں ہوں گے“۔ مشرکین جس گمراہی اور افترا بازی کا شکار تھے، وہ ایسا کسی دلیل کے باعث نہیں کرتے تھے بلکہ وہ دشت حیرت و ہلاکت میں بھٹکنے والے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں ایسا کرتے تھے جیسا کہ ان کے متعلق فرمایا: **اِنَّ وَاٰلِهَآءَهُمْ اَعْدَآءُ وَاِنَّ اَعْدَآءَهُمْ لَطٰغِفُۃٌ مُّشْتَبٰوۃٌ (الزخرف: 23)** ”ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم ان کے نتوش پا پیر چل رہے ہیں“۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذَا ذُكِرَ كُلُّ اِلٰهٍ مِّمَّا خَلَقَ وَ لَعَلَّآ

بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ طَسُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿١٠﴾ عَلَيْهِمُ الْغَيْبُ وَالشَّهَادَةُ فَمَتَّلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١١﴾

”نہیں بنایا اللہ نے کسی کو (اپنا) بیٹا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ ورنہ بے جانا خدا ہر اس چیز کو جو اس نے پیدا کی ہوئی اور غالباً صل کرنے کی کوشش کرتے وہ خدا ایک دوسرے پر۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ ان تمام (نازیبا) باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو پس وہ بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور برتر ہے کہ اس کی اولاد ہو یا بادشاہت، تصرف اور عبادت میں کوئی الٰہی کا شریک ہو، فرمایا: مَاذَا شَكَدَ اللَّهُ صِرْعًا وَنَدَىٰ جَنَّتِي اِذَا فَرَضَ كَرِيماً جَانَةً كَذِبِي خُدا میں تو ہر خدا اپنی مخلوق کا مستحق مالک ہوتا اور، داپنی مرضی سے تصرف کرتا، اس طرح دنیا اور موجودات کا نظام درہم برہم ہو جاتا لیکن ہم، سمجھتے ہیں کہ عالم ملوٹی اور عالم سفلی میں موجودات کا نظام حدود و حدود کامل اور مربوط ہے۔ حسن کی تخلیق میں کوئی تفتوت یا نقص نظر نہیں آتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا صرف ایک ہی ہے۔ اگر خدا متعدد ہوتے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے پر غالب پانے اور اسے اپنا تخت بنانے کی کوشش کرتا۔ متکلمین نے دلیل قانع سے اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر دو یا دو سے زائد خدا فرض کرے جائیں جن میں سے ایک کسی جسم کی حرکت کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کے سکون کا۔ اب اگر دونوں کی مراد حاصل نہ ہو تو وہ دونوں ہی عاجز ٹھہرے اور عاجز خدا نہیں بن سکتا کیونکہ واجب الوجود عاجز نہیں ہو سکتا، اور یہ بھی ناممکن ہے کہ دونوں کی مراد پوری ہو کیونکہ دونوں کے ارادوں میں تضاد ہے۔ پس دونوں کی خواہش کا پورا ہونا محال ہے اور اس محال کے لازم آنے کی وجہ یہ ہے کہ متعدد خدا فرض کئے گئے تھے، اس لئے یہ تعدد محال اور باطل ہو گیا۔ اب اگر ایک کی خواہش پوری ہو اور دوسرے کی نہ ہو تو ان میں سے پہلے غالب اور دوسرا مغلوب ہوگا۔ غالب واجب اور مغلوب ممکن ہو کیونکہ واجب کی یہ صفت نہیں کہ وہ مغلوب ہو، اس لئے فرمایا: وَلَا تَلَوَّلَا بَعْضُهُمْ جَنَّتِي وَوَاحِدٌ دُوسرے پر برتری کی کوشش کرتے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی اس نازیبا بات سے پاک ہے کہ اس کا بیٹا یا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ضار اور پوشیدہ کو خوب جانتا ہے اور وہ انکار کرنے والے ظالموں کی ہرزہ سرائی سے بہت بلند مقتدر اور منزہ ہے۔

قُلْ رَبِّ اِمَّا تُرِيْفِي مَا يُؤَدُّوْنَ ﴿١٠﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿١١﴾ وَاِنَّ اَعْلَىٰ اَنْ تُرِيْكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدْ اَمْرُوْنَ ﴿١٢﴾ اِذْ قَبُلْنَا لَبِّيْ هِيَ اَحْسَنُ السُّبُوْحَةِ نَحْنُ اَعْمَبُ بِهَا يَصِفُوْنَ ﴿١٣﴾ وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطٰنِ ﴿١٤﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ ﴿١٥﴾

”آپ دعا مانگئے اے میرے پروردگار اگر تو ضرور مجھے دکھانا چاہتا ہے وہ (مذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو میرے رب (ازراہ عنایت) مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ کرنا۔ اور ہم اس بات پر کہ وہاں تھے وہ مذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے قادر ہیں۔ ودر کردار اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو ہ تمہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے دوسوں سے۔ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب ان سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔“

دسہ۔ شاید میں اچھے کام کروں اس دنیا میں دو بارہ جا کر جسے میں ایک بار چھوڑ آیا ہوں۔ اب نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک (لفظ) بات سے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جب وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔

کفار اور حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے والے لگنے کا رموت کے وقت سخت پشیمان ہوتے ہیں اور واپس دنیا کی طرف لوٹ جانے کی آرزو کرتے ہیں تاکہ وہ نیک کام کر کے اپنی سابقہ بد اعمالیوں کا تدارک کر سکیں، اس لئے فرمایا: رَبِّ اِنِّى اٰمِرٌ مَّجْهُوْنٌ... فَيَسْتَشِرُّوْنَكَ كَلَّا اِىْ طَرَحَ اُوْرَقَانَاتٍ پَرَفَرَمَا: وَ اَنْتَ فَعُوْا مِنْ مَّا تَرَدُّوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيْ اَحَدَكُمْ الْمَوْتُ وَ اِنَّهٗ حَسِيْبٌ لِّمَا لَعَنُوْنَ (المن لقون: 10-11)، وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ - مَا لَكُمْ مِنْ زُوْاْلِى (ابراہیم: 44)، يَوْمَ يَنْظُرُ يَتُوبُ الْاِيْمَانُ سُوْمًا مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّجَاعَتْ رُءُوسُ رَاسِمَاتٍ بِالْحَيِّ قَهْلٍ لِّمَا لَمِنَ شِقَاقِهَا فَيُشْفِقُوْنَ عَلَيْهَا اَوْ يَرُوْنَ دُفْعَ عَمَلٍ غَيْرِ الَّذِى كُنَّا نَعْمَلُ (الاعراف: 53) ”جس روز اس کا انجام ظاہر ہوگا تو کہیں گے جو پہلے اسے بھلائے ہوئے تھے کہ بے شک ہمارے رب کے رسول حق نائے تھے تو کیا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں تو وہ ہمارے لئے سفارش کریں یا ہمیں واہیں بھیج دیا جائے تاکہ ہم اس کے برعکس عمل کریں جو ہم کیا کرتے تھے۔“ وَ لَوْ تَرَى اِذَا اُنْفِجُوْنَ نُوْنٌ نَّا كَسُوْا رُءُودِىْهُمْ جَعَدٌ رَبِّهٖمْ رَبُّنَا اَبْصَرْنَا وَ سَوَّيْنَا لَكَ اَبْرًا جَعَلْنَا لَكَ لِحْمًا مَّوْتُوْنًا (اسجد: 12) ”اور کاش تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے ہاں سر جھکائے ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا ہمیں واہیں بھیج، ہم نیک عمل کریں گے ہمیں اب پورا یقین آ گیا ہے،“ وَ لَوْ تَرَى اِذَا اُنْفِجُوْنَ عَمَلِ النَّاسِ لَقَالُوْا اِنَّا بَيِّنَاتٌ لِّدُوْلَانَا كَلْبٌ اٰبَاتٍ رَبَّنَا - وَ اِنَّهٗمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام: 27-28)، وَ تَرَى اِذَا اُنْفِجُوْنَ لَكَ اَبْرًا وَ الْعَذَابَ يَبْقُوْنَ لَنْ هَلْ اِىْ صَرُوْا مِنْ سَبِيْلِ (الشورى: 44) ”اور آپ ملاحظہ کریں گے ظالموں کو جب وہ عذاب دیکھیں گے، پوچھیں گے کہ کیا واہیں لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے۔“ قَالُوْا رَبَّنَا اَصَدْنَا اِنَّا كُنَّا مِنَ الْاٰمِنِيْنَ وَ اَحْبَبْنَا اِنَّا كُنَّا مِنَ الْاٰمِنِيْنَ وَ اَبْغَضْنَا اِنَّا كُنَّا مِنَ الْاٰمِنِيْنَ (المومن: 11) ”وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا پس اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں سو کیا (یہاں سے) نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔“ وَ هُمْ يَصْطَلِحُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَا اٰخِرُ جَعَلْنَا لَكَ لِحْمًا مَّوْتُوْنًا اَلَّذِى كُنَّا نَعْمَلُ... مِنْ نَّصِيْبِ (فاطر: 37)۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ ایسے بدکار لوگ موت کے وقت، قیامت کے دن، اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے وقت اور جہنم میں دھکیلے جانے کے وقت دنیا میں واہیں جانے کی آرزو کریں گے اور نیک اعمال، مجالانے کا وعدہ کریں گے لیکن ان کی آرزو پوری نہیں ہوگی، اس لئے فرمایا: كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَوْلُهَا، ”كَلَّا“ حرف رد و جر ہے یعنی ہم ان کے مطالبہ کو پورا نہیں کریں گے کیونکہ یہ اس بات ہے جو وہ خود کہہ رہے ہیں اور ہر ظالم موت کے وقت لامحالہ یہ بات کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ فرمان اِنَّهَا كَلِمَةٌ، ”كَلَّا“ کی علت ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا: کیونکہ اس بدکار کا دنیا میں واہیں لوٹنے کا سوال کرنا اور اچھے اعمال کا وعدہ کرنا ایسی بات ہے جو وہ کر رہا ہے اور اس کے ساتھ عمل کی کوئی ضمانت نہیں۔ اگر اسے دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو بھی یہ اعمال صالحہ نہیں مجالانے گا، اس لئے یہ اپنی اس بات میں جھوٹا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ لَوْ تَرَى اِذَا اُنْفِجُوْنَ اِنَّا كُنَّا لَمِنَ الْاٰمِنِيْنَ وَ اَبْغَضْنَا اِنَّا كُنَّا لَمِنَ الْاٰمِنِيْنَ (الانعام: 28) قَادِرٌ رَحْمَةً اَللّٰهُ عَلَيْهِ فَرَمَاتے ہیں کہ اس روز کافر یہ آرزو نہیں کرے گا کہ اسے اس کے اہل و عیال اور خاندان کی طرف لوٹا دیا جائے اور نہ یہ کہ اسے دنیا میں لایا جائے اور اس کی خواہشات کی تکمیل ہو جائے بلکہ اس کی یہی تمنا ہوگی کہ اسے واہیں لوٹا دیا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے وہ کام کئے جن کی تمنا کافر اس وقت کرے گا جب اسے عذاب دھالی دے گا۔ عمر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جب کافر نیک اعمال کا وعدہ کرتے ہوئے دنیا میں لوٹا جائے تو کامطالبہ کرے گا تو اللہ

تعالیٰ است فرماتے گئے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا تو جھوٹا ہے۔ حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم خود کو یہ باور کرو اور پوری تندی سے نیک کام کرو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کافر کی اس آرزو کو پیش نظر رکھو اور احسانت الیہ میں اپنے نجات بسر کرو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کافر کو اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور وہ اپنا جنم کا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب! مجھے واپس لوٹا دے، میں توبہ کر لوں گا اور نیک اعمال بنالوں گا، اسے جواب ملتا ہے کہ جس قدر عمر تیرے لئے مقرر تھی وہ تو گزار چکا، پھر اس کی قبر ٹھک ہو کر اس پر مل جاتی ہے اور اس کی حالت مرنیزہ کی کی ہوئی ہے اور حشرات الارض، سانپ اور بچھوساں پر چڑھ دیتے ہیں (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ کتبک ارا ل قبر کے لئے بلاکت ہے، ان کی قبروں میں کالے ماگ انہیں ڈالتے رہتے ہیں۔ ایک سانپ سر کی طرف اور ایک پاؤں کی طرف سے ڈنٹ شروع کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ڈنٹ ڈنٹے درمیان میں اکٹھے ہو جاتا ہے۔ یہ برزخ کا عذاب ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمِنَ النَّارِ ابْوَابٍ كَثِيرَةٍ آتٰی السَّاعَةَ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَأَمْخِطُ النَّارَ بِالنَّارِ﴾ (سائیس) کے معنی میں ہے۔ مجھ پند کہتے ہیں کہ برزخ دنیا و آخرت کے درمیان آڑ کا نام ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ برزخ دنیا و آخرت کے درمیان حجاب ہے، وہ نہ تو اہل دنیا کیساتھ ہیں کہ کھائیں پئیں اور نہ اہل آخرت کے ساتھ کہ انہیں ان کے اعمال کا بدل دیا جائے۔ ابو سحر کہتے ہیں کہ برزخ سے مراد قبریں ہیں جہاں وہ قیامت تک رہیں گے۔ نہ وہ دنیا میں ہیں اور نہ آخرت میں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَمِنَ النَّارِ ابْوَابٌ كَثِيرَةٌ مِّنْ فِيهَا يُخْرَجُ الَّذِينَ كَانُوا فِيهَا وَمِنْ فِيهَا يُدْخِلُ الَّذِينَ كَانُوا فِيهَا مَنَ لَّمْ يَكْفُرْ بِالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (10) اور ﴿وَمِنَ النَّارِ ابْوَابٌ كَثِيرَةٌ مِّنْ فِيهَا يُدْخِلُ الَّذِينَ كَانُوا فِيهَا وَمِنْ فِيهَا يُخْرَجُ الَّذِينَ كَانُوا فِيهَا وَمِنْ فِيهَا يُدْخِلُ الَّذِينَ كَانُوا فِيهَا وَمِنْ فِيهَا يُخْرَجُ الَّذِينَ كَانُوا فِيهَا﴾ (17)۔ یہ فرمان اہل یورپ پر پھیلنے والا ہے کہ ان کا یہ عذاب قیامت تک جاری رہے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اسے (زمن) میں لگا تا عذاب ہونا رہے گا (2)۔

قَدْ أَفْخَمَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ○ فَمَنْ تَنَقَّصَتْ صَوَابَ مِنْهُ
فَأَوْلِيكَ هُمُ الْمُقْتَدُونَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ صَوَابُ مِنْهُ فَأَوْلِيكَ الَّذِينَ خَفِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي
جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ○ تَتَنَقَّحُونَ فِيهَا النَّارَ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ○

”تو جب صورت بھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ اہل اور سب سے متعلق پوچھ سکیں گے۔ البتہ جن کے پڑے، بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے۔ اور جن کے پڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ جہنم میں آئیں گے۔ انہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو وہ جہنم میں ہمیشہ (چلتے) رہیں گے۔ بری طرح جہنم سے گئی ان نے چرواں و آک اور وہ اس میں دانت نکالے ہوں گے (اب منہ کیوں ہسرتے ہوں!)۔“
دب دوبارہ زندہ کرنے کے لئے صورت بھونکا جائے گا اور لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے تو ان دنوں ان دنوں سے درمیان رشتہ داریاں باقی رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھیں گے۔ اس دن نہ تو نسب کام آئیں گے اور نہ بولی باپ اپنی اولاد پر تیس کھانے کا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا يَسْئَلُ حَبِيبٌ حَبِيبًا وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ (المعارف: 10-11) شوق کوئی دوست اپنے دوست سے کچھ نہیں پوچھتے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اگر کسی کا دوست اس دن گناہوں کے بوجھ سے دب ہوگا تو وہ جو اس کے کہہ دے گا نہیں بہت عزیز تھا پھر بھی نہ تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوگا، اور نہ ہی اس کا پھسر کے پڑے زیادہ مہمونی مانگی ہو پھر اٹھانے کے لئے تیار ہوگا جیسا کہ۔

فرمان سے: **يَوْمَ يَقْبِضُ الْمَوْتُ مِنْ أَحْيَيْهِمْ** وَأَوْصِي وَأُوصِيهِ وَيُنَبِّئُهُ عَمَّا كَانُ يَفْعَلُ (36-34) "اس دن آدمی بسنے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان لوگوں کو پھیلوں کو جمع کرے گا پھر ایک منہ دی ندا دے گا کہ جس کسی کا حق کسی دوسرے کے ذمہ ہو ۱۰۰ آئے اور اپنا حق لے لے۔ چنانچہ اگر کسی کا اپنے والد، اپنی اول دیا اپنی بیوی کے ذمے کوئی چھوٹا سا بھی حق ہو گا تو وہ خوش ہونے لگا اپنے حق کے لئے روز اچلا آئے گا، اس کا مصداق یہ آیت ہے: **فَلَا ذُنُوبَ فِي الْهَوْنِ** (۱)۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے ناراض کرتی ہے، وہ مجھے بھی ناراض کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرتی ہے، وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے، قیامت کے دن تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جائیں گی سوائے میرے نسب، میرے سبب اور میرے سسرال کے تعلق کے" (۲)۔ صحیحین میں یہ الفاظ ہیں:

"فاطمہ میری لخت جگر ہے، جو چیز اسے بے چین کرتی ہے، وہ مجھے بھی بے چین کرتی ہے اور جو چیز اسے اذیت پہنچاتی ہے، وہ مجھے بھی اذیت پہنچاتی ہے" (۳)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر فرمایا: "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رشتہ داری آپ ﷺ کے خاندان کو فائدہ نہیں دے گی، ایسا کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میرا رشتہ دنیا اور آخرت میں ملا ہوا ہے، اسے لوگو! جب تم وہاں آؤ گے تو میں تمہارا پیشرو ہوں گا۔ ایک آدمی کہے گا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں جواب دوں گا کہ نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتوں کو رواج دیا، اس لئے پاؤں پسا ہو گئے" (۴)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو فرمایا کہ میں نے صرف اس غرض کی خاطر یہ نکاح کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "قیامت کے دن مر سب اور نسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے سبب اور میرے نسب کے" (۵) یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے ان کے اعزاز و اکرام میں انہیں چالیس ہزار مہراں دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ہر نسبی اور سسرالی تعلق ختم ہو جائے گا سوائے میرے نسبی اور سسرالی تعلق کے"۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے: "میں نے اپنے پروردگار سے التجو کی کہ میری امت جس سے جہاں میرا نکاح ہوا اور ان میں سے جس کا میرے ماں نکاح ہوا وہ سب جنت میں میرے ساتھ رہیں تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی"۔ فرمایا:

فَمَنْ نَكَحْتُمْ مَوَازِينًا یعنی جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے بڑھ گئیں اگرچہ ایک نیکی بھی بڑھ گئی تو ایسے لوگ ہی ہمارا دوست گئے، جنہم سے نجات پائیں گے اور جنت کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مطلوب کو پایا اور ناپسندیدہ چیز سے بچ گئے، ان کے برعکس جن لوگوں کی برائیاں ان کی نیکیوں سے بڑھ گئیں تو یہی لوگ بے مہراں ہلاک ہونے والے اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جو میزان پر مقرر ہوگا۔ ابن آدم کو لایا جائے گا اور اسے میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیوں والا پلڑا بھری ہو تو فرشتہ اونچی آواز سے ندا دے گا جسے تمام مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص نے ایسی سعادت حاصل کر لی کہ اس کے بعد کبھی بھی بد جنت نہیں ہوگا اور اگر اس کی نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہو تو فرشتہ اونچی آواز سے ندا دے گا جسے سب سنیں گے کہ فلاں شہادت کا

1- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 84، اندر المکثور، جلد 6 صفحہ 117

2- سند احمد، جلد 3 صفحہ 158، مستدرک حاتم، جلد 3 صفحہ 158

3- صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 5 صفحہ 28، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 1902

4- مستدرک احمد، جلد 3 صفحہ 18

5- سنن کبریٰ ذہبی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 114، 64

مستحق ہوا، اب اس کے بعد کبھی بھی وہ سعادتمند نہیں ہوگا“ (1)۔ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی داؤد بن محمد ضعیف اور متروک ہے، فرمایا: **يُنْفِئُ جَهَنَّمَ**... یعنی وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور وہاں سے چھکارے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جہنم کی آگ انہیں جھلسائے گی جیسا کہ فرمایا: **وَتُعَلِّمُ الْوَجُوهَ الْكَاثِرَةَ الْقَائِرَةَ (ابراہیم: 50)** ”اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ رہی ہوگی“، **لَتَوَيْعَلَمُنَّ أَنْ شَرَّ كَفْرًا وَجِبِينَ لَا يَكْفُونَ عَرَضَ وَجُوهِهِمُ الْكَاثِرَةَ عَنِ ظُلْمِهِمْ (الانبیاء: 39)** ”کاش! کفار (اس وقت کو) جان لیتے جب وہ تروک نہیں گئے اپنے چہروں سے آگ کو اور نہ اپنی پشتوں سے“۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب جہنیوں کو دکھلیں کر جہنم میں لایا جائے گا تو اس کا پہلا شعلہ ہی انہیں جھلسا دے گا اور ان کا گوشت گر کر ان کے قدموں میں آپڑے گا“ (2)۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت **تَتَعَلَّمُ**... کی تفسیر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ انہیں اس طرح جھلسائے گی کہ ان کا گوشت ان کی ابرویوں پر پھینکے گا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَهُمْ فِيهَا كَالْحِيضُونَ** یعنی وہ جہنم میں منہ بسورے ہوئے اور ہونٹوں کو سکیڑ کر دانت نکالے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”وہ وہاں دانت نکالے ہوئے ہوں گے، آگ انہیں بھون ڈالے گی۔ ان کا اوپر والا ہونٹ اتنا چڑھا ہوا ہوگا کہ سر کے درمیان تک پہنچا ہوگا اور نیچے والا ہونٹ الٹ کر ناف تک پہنچا ہوا ہوگا“ (3)۔

أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِنَا تُشَلَّىٰ عَلَيْكُمْ فَلَمَنْتُمْ بِهَا تُكذِّبُونَ ﴿٥٠﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا مَّاصًّا لَّيِّنًا ﴿٥١﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿٥٢﴾

”کیا ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں تمہارے سامنے اور تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے۔ (معذرت کرتے ہوئے) کہیں گے اے ہمارے رب! غالب آگئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم تم کو گم کردہ راہ لوگ تھے۔ اے ہمارے مالک! (ایک بار) ہمیں نکال اس سے، پھر اگر ہم نافرمانی کی طرف رجوع کریں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہوں گے۔“

جہنیوں کو کفر، معاصی، مجاہد اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب پر قیامت کے دن جو سرزنش اور جزو توبیح ہوگی، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِنَا تُشَلَّىٰ عَلَيْكُمْ**۔ یعنی میں نے تمہاری طرف پیغمبر بھیجے، تم پر کتابیں نازل کیں اور تمہارے شبہات کا ازالہ کروایا یہاں تک کہ تمہاری کوئی حجت باقی نہ رہی جیسا کہ فرمایا: **لَيْسَ لَكَ يَوْمَئِذٍ نُّبَأٌ سَلَىٰ عَلَىٰ اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء: 165)** ”تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حذر نہ رہے۔“ **وَمَا كُنَّا مَعَنِي بِلَيْقِنَ حَتَّىٰ يُبْعَثَ رَسُولًا (بنی اسرائیل: 15)** ”اور ہم عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ کوئی رسول بھیج دیں۔“ **كُنَّا أَنْفِي فِيهَا قَوْمًا مَّاصًّا لَّيِّنًا حَتَّىٰ نَسِيْنَا آيَاتِنَا تَنْبِيْزًا**۔ **فَسَخَّطْنَا صُحُبَ النَّبِيِّ (الملك: 11-8)** ”اس لئے وہ کہیں گے: **رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا**۔ یعنی حجت تو ہم پر تمام ہوگئی تھی لیکن ہماری بدبختی آڑ سے آگئی اور ہم اس کی اتباع نہ کر سکے۔ اس وجہ سے ہم گمراہ ہوئے اور حراماں نعیمی ہمارا مقدر نظر ہی، پھر وہ کہیں گے: **رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا**۔ یعنی ہمیں دنیا میں لوٹا دے، پھر اگر ہم نے نافرمانی کی تو یقیناً ہم ظالم اور مستحق عقوبت ہوں گے جیسا کہ فرمایا: **فَأَعْتَوْا نَبِيًّا يُدْعُوهُمَ إِلَىٰ خُرُوجِهِمْ سِينِيًّا**۔ **فَأَلْحَمْتُمْ بِذِي الْعَرْشِ الْعَلِيِّ (المومن: 11-12)** یعنی تمہارے یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شُرک کرتے رہے جبکہ ایں ایمان

مقیدہ توحید پر کاربند رہے۔

قَالَ احْسَبُوا فِيهَا وَلَا تُكْفِرُونَ ﴿٣٠﴾ إِنَّهُ كَانَ قَدِيقًا مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿٣١﴾ فَاتَّخَذَتْهُمْ سَخِرًا مِّنْ حَتَّىٰ آتَيْنَاهُمْ لُحْمًا ذُكْرًا
وَلَكِنَّهُمْ فِيهِمْ يَصْضُخُونَ ﴿٣٢﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا ۗ وَاللَّهُ هُمُ الْغَافِرُونَ ﴿٣٣﴾

”جواب ملے گا پھر نکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ۔ (تمہیں یاد ہے) ایک گروہ میرے بندوں میں سے ایسا تھا جو عرض کیا کرتا تھا اے ہماری رب! ہم ایمان لے آئے ہیں، تو تو بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ تم نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس مشغہ نے غافل کر دیا تمہیں میری یاد سے اور تم ان پر قہقہہ لگایا کرتے تھے۔ میں نے بدلہ دے دیا نہیں آج ان کے صبر کا (ذرا دیکھو) وہی ہیں مراد کو پانے والے۔“

کفار جب جہنم سے نکلے اور دنیا کی طرف لوٹنے جانے کا سوال کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: احْسَبُوا فِيهَا یعنی تم ذلیل و سورا اور دھنکارے ہوئے کہیں جہنم میں پڑے رہو اور مجھ سے پھر ایسا سوال کرنے کی جرأت نہ کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ان کی ہر امید دم توڑ جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنمی داروغہ جہنم کو جلاتے رہیں گے لیکن وہ چالیس سال تک انہیں کوئی جواب نہیں دے گا، پھر وہ انہیں کہے گا کہ تمہیں کہیں رہنا ہے۔ ان کی پکار داروغہ جہنم کے ہاں بھی بے وقعت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی۔ پھر وہ اپنے رب کو پکارتے ہوئے کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا مِثْقَاتُ النُّجُومِ... قَالُوا غَلَبْتُمْ ۖ اس پکار کا جواب انہیں دنیا کی دو گنی عمر تک نہیں دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: احْسَبُوا فِيهَا وَلَا تُكْفِرُونَ اس کے بعد ایک کلمہ بھی ان کی زبان سے نہیں نکلے گا بلکہ وہ جہنم میں گدھوں کی طرح چیختے چلاتے اور شور مچاتے رہیں گے (1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو بھی جہنم سے نہ نکالنے کا ارادہ فرمائے گا تو ان کے چہرے مسخ ہو جائیں گے اور ان کے رنگ متغیر ہو جائیں گے۔ اس وقت ایک مومن اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کی التجا کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو کسی کو جانتا ہے وہ اسے جہنم سے نکال لائے چنانچہ مومن دیکھے گا تو کسی کو نہیں پہچان سکے گا، جہنمی اسے دیکھ کر پکارے گا کہ میں فلاں ہوں لیکن وہ کہے گا کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ اس وقت وہ کہیں گے: رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: احْسَبُوا فِيهَا۔ جب اللہ تعالیٰ یہ فرمائے گا تو اس وقت ان پر دوزخ کے دروازے بالکل بند کر دیئے جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی باہر نہیں نکل سکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں یاد دلانے گا کہ وہ دنیا میں گناہوں کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کا تسخر بھی اڑایا کرتے تھے فرمایا: اِنَّكَ كَانَ قَدِيقًا۔ یعنی جب میرے بندے میرے حضور مغفرت اور رحم کی دعا کرتے تو تم ان کی دعا اور عجز و نیاز پر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے بغض میں تم میری یاد کو بھی بھول گئے اور تمہاری روش یہ تھی کہ تم ان اہل ایمان کی عبادت پر قہقہہ لگایا کرتے تھے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ النَّارَ يَتَّبِعُهَا الْاِنْسَانُ اِنْ اَرَادَ مَوْتًا كَالْمَوْلَىٰ يَتَّبِعُ الْمَوْلَىٰ وَ اِذَا مَرَدُّهُمُ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَكُونُونَ ﴿٢٩-٣٠﴾ ”جو لوگ جرم کیا کرتے تھے وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے۔“ پھر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور مومن بندوں کے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: إِنِّي جَزَيْتُهُمْ

اور اتھرا اور پر صبر کرنے کے باعث بدلہ عطا فرمایا ہے اور یہی سعادت، سماحتی اور جنت حاصل کر کے اور روزِ خ سے نجات پا کر فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ كَمْ يَبْسُتُمْ فِي الْأَمْرِ عَدَا سِنِينَ ۝ قَالُوا لَيْسَ بِهَا شَيْءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 الْعَادِينَ ۝ قُلْ إِنْ يَبْسُتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مَا خَلَقْنَاكُمْ
 عَشَا وَ أَنْتُمْ لَيْسَ إِلَّا نَجْعُونَ ۝ فَتَعَلَى اللَّهُ الْمَدِينَةُ الْحَقِّ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَ
 عَرْشِ الْمَلِكِ ۝

”اللہ تعالیٰ فرمائے گا (ذرا بتاؤ) کتنے سال تم زمین میں ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ آپ پوچھیں سال سننے والوں سے۔ ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر ٹھہرے اور عرصہ، کاش اتم اس (حقیقت) کو (پہنچی) جان لیتے۔ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹانے جاؤ گے۔ بس بہت بند ہے اللہ، بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی مجبور و مجرا اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا۔“

فرمایا جو رہا ہے کہ کافر دنیا کی ٹھہر زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے رو لڑائی کرتے رہے اور اللہ وہ نبی میں صبر کرتے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنے نجات سرف کرتے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کی طرح ہمارا ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں کتنے سال ٹھہرے، وہ جواب دیں گے: لَيْسَ بِهَا شَيْءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی اتم اس حقیقت کو جان لیتے تو تم فانی کو باقی پر ترجیح نہ دیتے اور نہ اس ٹھہری مدت میں برائیوں کا، کتاب کر کے تم اللہ تعالیٰ کو ذرا رش کرتے۔ اتم اہل ایمان کی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت پر کار بند ہو جاتے تو آج تم بھی ان کی طرح کامیاب و کامران ہوتے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں داخل کر دے گا تو فرمائے گا: اب جنتیو اتم دنیا میں کتنے سال ٹھہرے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر تو تم بہت اچھے رہے۔ تم نے ایک آدھ دن میں میری رحمت، میری رضا اور میری جنت کو حاصل کر لیا، اب اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اب دوزخیو ا تم دنیا میں کتنا حصہ ٹھہرے؟ او دیکھیں گے کہ یہ آدھ دن۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم بہت برے لوگ ہو تم نے ایک آدھ دن میں مجھ کو ذرا رش کر کے جہنم خرید لیا، اب اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو“ (1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مَا خَلَقْنَاكُمْ عَشَا یعنی کیا تم نے یہ سمجھو رکھا ہے کہ تمہیں جانوروں کی طرح بے مقصد، بیٹ اور بغیر کسی ارادہ و حکمت کے پیدا کیا گیا ہے تاکہ تم ٹھیل کود اور خورد و نوش میں مصروف رہو اور تباہ و اخیال ہے کہ اس روش پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور نہ ہی دنیاوی اعمال پر کوئی جزا سزا مرتب ہوگی۔ ایسا سہ کر نہیں۔ بلکہ تمہاری تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ مزید برآں تم یہ بھی خیال کئے بیٹھے ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹنا پڑے گا۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى (القیامہ: 36) ”کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا“۔ پھر فرمایا: فَتَعَلَىٰ آلَهُ یعنی اللہ تعالیٰ بے مقصد اور بیٹ تخلیق سے بلند اور پاک ہے کیونکہ وہ حقیقی بادشاہ ہے جو

اس چیز سے منزه ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عزت والے عرش کا، لگتا ہے۔ عرش کا ذکر اس لئے کیا کیونکہ وہ تمام مخلوقات کی چھت ہے اور اس کا وصف کریں بیان کیا یعنی وہ خوشنما اور خوبصورت ہے جیسا کہ اس فرمان میں: **فَأَنْشَأْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَوْجٍ كَرِيمًا** (لقمان: 10) ”پس ہم نے زمین میں ہر نوع کے نفیس جوڑے اگائے۔“ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اسے لوگو! تمہیں فضول اور عبث نہیں پیدا کیا اور نہ تمہیں یونہی بے مقصد چھوڑا گیا تمہارے لئے ایک وعدہ کا دن مقرر ہے جس میں اللہ تعالیٰ بذات خود تمہارے درمیان فیصلے کرنے اور حکم فرمانے کیسے نازل ہوگا۔ وہ بندہ ہے مراد، ناکام اور بد بخت ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ایسی جنت سے محروم کر دیا جس کا عرض آسمانوں اور زمین کی مثل ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل وہی عذاب سے محفوظ رہے گا جو آج اس دن سے ڈرا اور فانی ہو جاتی ہے، لقیل کو کثیر پر اور خوف کو امن پر قربان کر دیا۔ کیا تم ملاحظہ نہیں کرتے کہ تم بلک ہونے والوں کی صیگوں میں جو اسی طرح تمہارے مرنے کے بعد اور تمہاری جگہ لے لیں گے یہاں تک کہ وہ وقت آجائے گا جب تم سب خیر اوار میں ہی طرف لوٹ چو گے۔ پھر تم ہر روز صبح و شام اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے کے جنازہ میں شریک ہوتے ہو جو وفات پا گیا اور اپنے مقررہ وقت کو پہنچ گیا، پھر تم اسے زمین کے ایک ٹرھے میں دفن کر کے بغیر نکلے اور بستر کے چھوڑ دیتے ہو۔ یہ دستوں سے جدا ہو گیا، مٹی کے ساتھ مل گیا اور حساب کتاب کا سامنا کیا۔ اب یہ اپنے مثل کے ساتھ چلے گا، اس چیز سے بے نیاز ہے جو اس نے چھوڑی اور اس چیز کا محتاج ہے جو اس نے آگے بھیجی۔ اس لئے اللہ کے بندو! مہدی بیان ختم ہو جانے اور موت کے آنے سے پہلے اللہ سے ڈرو۔ پھر آپ چادر کے ایک کنارے کو اپنے منہ پر رکھ کر رونے لگے اور سب حاضرین بھی رو دیے۔ ایک یہ شخص کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، اسے کوئی جن لائق تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے **أَفْحَسِبْتُمْ** سے لے کر اختتام سورت تک کی آیات اس کے کان میں پڑھیں تو وہ صحت یاب ہو گیا۔ جب اس چیز کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتا دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھی گئیں تو انہوں نے اسے جلد دیا“۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان یقین رشتہ والے انھیں ان آیات کو پہاڑ پر چڑھو تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے“ (1)۔ حضرت ابراہیم بن حارث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک القصر کے ساتھ بھیجا اور ہمیں صبح و شام اس آیت **أَفْحَسِبْتُمْ** کی تلاوت کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم حسب ارشاد اس کی تلاوت کرتے رہے تو سلامتی اور نجات کے ساتھ واپس لوٹے (2)۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کے لئے فرق ہونے سے بچاؤ کی تم یہ ہے کہ وہ کشتیوں پر سوار ہوتے وقت یہ پڑھا کریں: **بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْحَقِّ**۔ وما قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ، وَالْأَرْضُ حَبِيبًا قَبِضَتْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بَيْنَ يَدَيْهِ سُبْحَانَہُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُونَ، بِسْمِ اللّٰهِ مَخْرِبًا وَمُرْسَدًا، رَبِّیْ لَعَنُودٌ رَحِيمًا“ (3)۔

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ الْهٰ اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَدَيْهِ فَاِنَّمَا جِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ اِنَّهٗ لَا يَخْلَعُ
اَلْكُفْرٰنَ ۝ وَقُلْ رَبِّ اَعْفُوْا وَاَرْحَمْ وَاَنْتَ خَبِيْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

1۔ تہذیب المعانی جلد 3 صفحہ 458، الدر المنثور جلد 12 صفحہ 126، مجمع الزوائد جلد 5 صفحہ 115

2۔ الدر المنثور جلد 6 صفحہ 122، الدر المنثور جلد 1 صفحہ 51

” اور جو پوجتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بلاشبہ نہیں کامیاب ہوں گے حق کا انکار کرنے والے۔ اور اے (محبوب!) آپ (یوں) عرض کرو میرے رب! بخش دے (میرے گنہگار امت کو) اور رحم فرما (ہم سب پر) اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔“

شرک کا ارتکاب کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت کرنے والوں کو دھمکی دیتے ہوئے اور اس کی خبر دیتے ہوئے کہ مشرکین کے پاس اپنے شرک کی کوئی دلیل نہیں، فرمایا: وَمَنْ يَنْتَهِمْ فَعَمَّ اللَّهُ..... اس میں لَا بُدَّ لَكَ أَنْ يَكُونَ جَمَلٌ مَعْرُوضٌ ہے اور قَاتِلْنَا جَسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ جو اب شرط ہے۔ پھر فرمایا: اِنَّهُ لَا يُعْطِيهِمْ الْكُفْرُ وَاِنَّهُ لَيُعْطِيهِمْ الْقِيَامَتِ مَتَّ كَفَارِ كَلِّ لَنْ يَنْفَلِحَ لَوْ كَانَتْ نَجَاتٌ۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک شخص سے دریافت کیا: ”تو کس کی عبادت کرتا ہے؟“ اس نے جواب دیا کہ اللہ کی اور فلاں فلاں کی، یہاں تک کہ اس نے بتوں کے نام شمار کر دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان میں سے کون ہے کہ جب تو اسے مصیبت میں پکارے تو وہ تمہاری مصیبت کو دور کر دے؟“ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ”ان میں سے کون ہے جو وقت ضرورت تمہاری حاجت روائی کرتا ہے؟“ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ۔ آپ نے فرمایا: ”پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان بتوں کی عبادت کا کیا مقصد ہے، کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ تجھے اکیلا لاکائی نہیں؟“ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان بتوں کی عبادت کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح کما حقہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاسکوں۔ آپ نے فرمایا: ”تم علم رکھتے ہو لیکن وہ علم نہیں رکھتے۔“ جب اس شخص نے اسلام قبول کر لیا تو بعد میں یہ کہا کرتے تھے کہ حضور ﷺ نے مجھے لا جواب کر دیا (1)۔ سورت کی آخری آیت میں اس دعا کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ... .. مطلق ”غفر“ کا معنی ہے گناہوں کو مٹا دینا اور انہیں لوگوں سے پوشیدہ کر دینا اور رحمت کا معنی ہے راہ راست پر گامزن کرنا اور اچھے اقوال و افعال کی توفیق مرحمت کرنا۔

سورہ نور (مدنیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سُوْرًاۙ اَنْزَلْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا آٰیٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱ اَلرَّٰسِیْبَةُ وَ
الزَّانِيۙ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدًاۙ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا سَرَاقَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ
اِنَّ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِۙ وَلَيْسْتُمْ هٰذِهِمَا ظَالِمًاۙ فِیۤنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

”یہ ایک عظیم الشان سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے فرض کیا ہے اس (کے احکام) کو اور ہم نے اتاری ہیں اس میں روشن آیتیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو لگاؤ ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو (سو) درے۔ اور نہ آئے تمہیں ان دونوں پر (ذرا) رحم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر اور چاہئے کہ مشاہدہ کرے دونوں کی سزا کو اہل ایمان کا ایک گروہ۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ یہ ایسی سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، اس سورت کی اہمیت اور عظمت پر آگاہ کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی سورتیں اہمیت اور عظمت والی نہیں۔ فَرَضْنٰهَا کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس میں حلال و حرام، امر و نہی اور حد و کو بیان کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تم پر اور تم سے بعد آنے والوں پر اس کے احکام فرض کئے ہیں (۱)۔ پھر فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَا یعنی ہم نے اس میں واضح اور کھلی آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ پھر حد زنا بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَنْزَلْنَا فِيْهَا وَ الزَّانِيۙ .. اس مسئلہ میں تفصیل اور علماء کا اختلاف ہے۔ زانی یا تو کنوارا غیر شادی شدہ ہوگا یا محسن (شادی شدہ) ہوگا یعنی خالق بالغ آزاد جو نکاح صحیح کے ساتھ کسی عورت سے ملا ہو۔ غیر شادی شدہ زانی کی حد سو کوڑے ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں بیان ہوا، علاوہ ازیں جمہور کے نزدیک اسے ایک سال جلا وطنی کی سزا بھی دی جائے گی لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جلا وطنی کی سزا امام کی رائے پر مقوف ہے، اگر وہ چاہے تو جلا وطن کر دے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے۔ جمہور کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے کہ دو اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک ان میں سے کہتے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا بیٹا اس کے ہاں ملازم تھا۔ وہ اس کی بیوی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کر بیٹھا۔ میں نے اس کے نڈیہ میں اسے ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دے دی۔ پھر اہل علم سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑوں اور ایک سال جلا وطنی اور اس شخص کی بیوی پر رجم کی سزا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا، لونڈی اور بکریاں تمہیں اودنا دی جائیں گی اور تمہارے بیٹے کو سو دروں اور ایک سال جلا وطنی کی سزا دی جائے گی اور اے انیس (قبیلہ سلم کے ایک شخص) تم اس شخص کی بیوی کے

پاس باور اور وہ اپنی بدکاری کا اعتراف کر کے تو اسے رجم (سنگسار) کر دینا (1)۔ چنانچہ اس عورت کے اعتراف جرم پر اسے سنگسار کر دیا گیا۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ غیر شادی شدہ زانی کو سوزنے مارنے کے علاوہ ایک سال جلاوطنی کی سزا بھی دی جائے گی۔ الزکوٰۃ، نفل، بائع، آزاد شادی شدہ زانیہ کا مرتکب ہو تو اس کی سزا رجم ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل کی۔ کتاب اللہ میں رجم کی آیت بھی تھی جسے ہم نے پڑھا اور یہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم سے عظیم کو نافذ کیا اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے بعد رجم کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ چکوزہ نہ گزرنے کے بعد لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم کتاب اللہ میں آیت رجم نہیں پاتے، اس طرح نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فریضہ کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں جسے اس نے نازل کیا۔ کتاب اللہ میں مرشادی شدہ زانی پر رجم کا حکم ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ زانیہ پر شرعی دلیل قائم ہو جائے یا حمل ظاہر ہو جائے یا وہ خود اقرار کر لے (2)۔ عین میں یہ حدیث اس سے طویل ہے۔ ہم نے وہ حصہ بیان کر دیا ہے جس کا مسند کے ساتھ تعلق تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے اور رجم ذکر نہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود رجم کیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم بھی رجم کرتے رہے۔ اگر مجھے لوگوں کے اس اعتراض کا خوف نہ ہوتا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں ایسی چیز کا اضافہ کر دیا ہے جو اس میں نہ تھی تو میں اس میں آیت رجم اس طرح لکھتا جیسا جس طرح وہ نازل ہوئی تھی (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں رجم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ رجم ضروری نہ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد ہے، سنو، رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم کیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اگر لوگوں کے اس اعتراض کا اندیشہ نہ ہوتا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں ایسی چیز شامل کر دی ہے جو اس میں نہ تھی تو میں مصحف کے ایک طرف رجم کا حکم لکھ دیتا۔ حضرات عمر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف اور قلال فلاں گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ سنو، تمہارا بعد کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو رجم، شفاعت، عذاب قبر اور اس بات کو جھٹلائیں گے کہ کچھ لوگ جنہم سے اس وقت نکالے جائیں گے جب وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے (4)۔ مسند احمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت رجم کے انکار کی وجہ سے بلا کت سے بچنا (5)۔ اسے ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ کثیر بن صلت بیان کرتے ہیں کہ ہم مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے درمیان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بمقرآن میں یہ پڑھا کرتے تھے: اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَانِيَ فَرَجَحُوْهُمَا اَنْبَتَةً یعنی جب شادی شدہ مرد اور عورت زانیہ کر لیں تو انہیں ضرور رجم کرو۔ مروان نے کہا کہ پھر آپ نے اس آیت کو مصحف میں کیوں نہیں لکھا؟ آپ نے فرمایا کہ اس چیز کا ہم نے ذکر کیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مسند میں تمہاری تشفی کر دیتا ہوں۔ ہم نے پوچھا وہ کیسے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور یہ یہ ہنسنے کرنے کے بعد اس نے رجم کا ذکر کیا۔ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے رجم کی آیت ملھ دیں۔

1- صحیح بخاری، کتاب صحت جلد 3 صفحہ 240، صحیح مسلم، کتاب اللہ، جلد 3 صفحہ 1324-1325

2- صحیح مسلم، کتاب اللہ، جلد 3 صفحہ 1317، صحیح ابوداؤد، کتاب اللہ، جلد 2 صفحہ 823

3- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 23

3- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 29

5- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 204، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 36

آپ ﷺ نے فرمایا: ”اب میں ایسا نہیں کر سکتا“ (1)۔ یہ سب روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ رجم کی آیت پہلے لکھی ہوئی تھی لیکن پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور حکم باقی رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی بیوی کو رجم کرنے کا حکم دیا جو ملازم کیساتھ بدکاری کی مرتکب ہوئی تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ما عذر رضی اللہ عنہ اور ایک خادمہ عورت کو رجم کروایا۔ ان سب روایات میں یہ مذکور نہیں کہ آپ ﷺ نے رجم سے پہلے کوڑے بھی لگوائے۔ مختلف اسناد اور مختلف الفاظ سے مروی احادیث سے صرف رجم کا حکم ثابت ہوتا ہے اور ان میں کوڑے مارنے کا ذکر نہیں ہوا، اس لئے جمہور علماء اور امام ابوحنیفہ، شافعی اور مالک رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شادی شدہ زانی کو پہلے قرآن کے حکم کے مطابق کوڑے مارے جائیں اور پھر سنت کے مطابق اسے رجم کیا جائے تاکہ کتاب و سنت دونوں پر عمل ہو جائے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سراحہ لائی گئی جو شادی شدہ تھی اور زانیہ کی مرتکب ہوئی تھی۔ آپ نے اسے جمعرات کے دن کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن رجم کروایا، پھر فرمایا کہ کتاب اللہ پر عمل کرتے ہوئے میں نے در سے لگوائے اور سنت رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے اسے رجم کروایا (2)۔ حضرت عباد بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری بات سنے لو، میری بات سنے لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رستہ نکال دیا، کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ کرے تو سو کوڑے اور رجم“ (3)۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَأْتُوا بَدْنًا فَرِحَ بِكُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ لَكُمُ الْعَذَابُ (4)۔ یعنی تم حد جاری کرتے وقت رجم اور ترس نہ کھاؤ۔ انسان کے دل میں فطری رحم اور ترس اور چیز ہے جس پر مواخذہ نہیں۔ وہ رحم ممنوع ہے جو حاکم کو ترک حد پر راغب کرے۔ مجاہد اس فرمان کے متعلق کہتے ہیں کہ حد و قائم کرنے میں تساہل نہیں رہتا چاہئے بلکہ جو نبی حاکم کے سامنے کوئی واقعہ پیش ہو جو حد کا متقاضی ہو تو فوراً حد قائم کر دی جائے اور اسے ترک نہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے: ”آپس میں حد و سے درگزر کرو اور جو حد مجھ تک پہنچ گئی اس کا نفاذ ضروری ہو گیا“ (4)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”زمین پر ایک حد کا قائم کرنا اہل زمین کے لئے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے“ (5)۔ بعض نے اس فرمان وَلَا تَأْتُوا بَدْنًا لَعْنَةُ اللَّهِ کا یہ مطلب لیا ہے کہ تم حد جاری کرتے وقت اتنی نرمی سے کام نہ لو کہ ایسی شدید ضرب لگانے سے بھی احتراز کرو جو گناہ سے باز رکھنے کا سبب بننے والی ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسی شدید ضرب لگائی جائے کہ وہ اعضاء کو ہی الگ کر دے بلکہ ضرب درمیانی ہو۔ حماد بن ابی سفیان کہتے ہیں کہ جہت لگانے والے پر حد جاری کرتے وقت اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں لیکن زانی کے کپڑے حد جاری کرتے وقت اتار لئے جائیں کیونکہ فرمان ہے: وَلَا تَأْتُوا بَدْنًا لَعْنَةُ اللَّهِ۔ حماد سے پوچھا گیا کہ کیا یہ حکم میں ہے؟ فرمایا: ہاں، یہ حکم میں اور کوڑے مارنے میں یعنی حد قائم کرنے اور سخت ضرب لگانے میں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لفظی نے زنا کار کا رکناب کیا تو آپ نے اس کی ٹانگوں اور کمر پر کوڑے مارے تو آپ کے بیٹے حضرت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کا یہ حصہ وَلَا تَأْتُوا بَدْنًا لَعْنَةُ اللَّهِ تلاوت کیا۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! کیا تم نے مجھے اس پر ترس کھاتے دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے نہ یہ حکم دیا ہے کہ میں اسے قتل کر ڈالوں اور نہ یہ فرمایا کہ میں اس کے سر پر کوڑے ماروں۔ بہر صورت میں

1۔ سنن نسائی، جوارحیۃ الاشراف لمروی، جلد 3 صفحہ 225

2۔ فتح الباری، کتاب الحدود جلد 12 صفحہ 117، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 93، 107، 141، 153

3۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 3 صفحہ 1316-1317، سنن ابی داؤد، کتاب الحد، جلد 4 صفحہ 144

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 133، سنن نسائی، کتاب القتل، جلد 8 صفحہ 70

5۔ سنن نسائی، کتاب القتل، جلد 8 صفحہ 75-76، سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، جلد 2 صفحہ 848

نے اسے درناک ضربیں لگائیں ہیں (1)۔ فرمایا: اِنَّ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زانیوں پر حد جاری کرہ اور انہیں شدید ضربیں لگاؤ تاکہ وہ اور اس قسم کے لوگ اس فعلِ شنیع سے باز آجائیں۔ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ بکری ذبح کرتے وقت مجھے اس پر ترس آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'اس پر تمہیں اجر ہے گا' (2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلِيَسْتَفْهِقَ غَدًّا بَيْنَهُمَا۔ جب زانیوں کو مجمعِ عام میں کوڑے لگانے جائیں تو ان کی رسوائی ہوتی ہے اور دوسرے اس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ لوگوں کی موجودگی میں سزا زیادہ مفید اور کارگر ہوتی ہے اور فعلِ شنیع سے باز رکھنے کے لئے یہ مؤثر تدبیر ہے۔ مزید برآں اس طریقہ سے زیادہ سردائش اور رسوائی ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہو یا اس سے زیادہ ہوں تو طائفہ ہو گیا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ خائفہ (گروہ) کا اطلاق ایک سے ہزار تک کے افراد پر ہوتا ہے، اس لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بھی طائفہ ہے۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ کم از کم وہ افراد ہوں تو طائفہ ہوگا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ چار افراد اور اس سے زائد پر طائفہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ طائفہ میں کم از کم تین افراد ہوتے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ چار اور اس سے زیادہ کیونکہ زنا کے گواہ کم از کم چار ہوتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ ربیعہ کہتے ہیں کہ پانچ ہوں تو طائفہ کہلائے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس ہوں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ حد جاری کرتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ نصیحت اور عبرت حاصل ہو۔ نصر بن عاصم کہتے ہیں کہ جماعت کی موجودگی نصیحت و رسوائی کے باعث نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ ان کے لئے توبہ و رحمت کی دعا کریں۔

اَلْزَّانِي لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرْمَتُهُ
ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

”زانی شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرک کے ساتھ اور زانیہ نہیں نکاح کرتا اس کیساتھ مگر زانی یا مشرک۔ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہل ایمان پر“۔

اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ زانی سے زنا جیسے فعلِ شنیع پر صرف وہی عورت آمادہ ہوتی ہے جو گنہگار بدکار ہو یا مشرک ہو جو اسے معیوب نہیں سمجھتی اور اسی طرح زانیہ سے صرف وہی مرد رغبت رکھتا ہے جو اس قماش کا بدکار ہو یا مشرک ہو جو زنا کی حرمت کا قائل ہی نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں نکاح بمعنی جماع ہے (3)۔ یہی قول حضرات مجاہد، عمرہ، سعید بن جبیر، عمرو بن زبیر، ضحاک، کھول، مقاتل اور دیگر علماء کا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَحُرْمَتُهُ ذٰلِكَ۔ یعنی زنا کا ارتکاب کرنا، زانیہ عورتوں سے نکاح کرنا اور پاکدامن عورتوں کو بدکار مردوں کے نکاح میں دینا حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ زنا مومنوں پر حرام ہے۔ قتادہ اور مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ بدکار عورتوں کیساتھ مومنوں کا نکاح حرام ہے، اسی طرح اور آیات میں فرمایا: مُخَصَّصَاتٍ عَلَيَّ عَزِيْزٍ مُّسَلِّمَاتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتٍ اٰخٰنٍ (النساء: 25) ”وہ پاک دامن بن جائیں نہ کہ زنا کار اور نہ بنانے والی ہو خفیہ پار“۔ مُخَصَّصَاتٍ عَلَيَّ مُسَلِّمَاتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتٍ اٰخٰنٍ (المائدہ: 45) ”پاک باز بننے والی نہ ہوں نہ بدکاری کرتی ہوئے اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے“۔ اس

2۔ منہ احمد، جلد 3، صفحہ 436

1۔ ولد راحہ، جلد 6، صفحہ 125، بحوالہ مدارق، تفسیر طبری جلد 16، صفحہ 66-67

3۔ اللہ اسکو، جلد 6، صفحہ 126-127، بحوالہ مدارق، تفسیر

سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دلیل بکڑی ہے کہ پاکدامن مسلمان کا بدکار عورت سے نکاح صحیح نہیں ہوتا جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو عقد نکاح صحیح ہوگا ورنہ نہیں اور اسی طرح آزاد پاکدامن عورت کو بدکار زانی مرد کے نکاح میں دینا بھی صحیح نہیں جب تک وہ عی توبہ نہ کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلَا تَنْكِحُوا الَّذِينَ كَفَرُوا حَتَّىٰ يَتُوبُوا عَلٰیٰ ذٰلِكَ عَلٰیٰ الْكُفْرِ مَنِ اتَّبَعْتُمْ لَئِيَّا تَكُوْنُوْا سَلَٰمًا مِّنْ يَّوْمَ تَخْرُجُوْنَ**۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ام مزدل نامی ایک پیشہ ور عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے جواب میں یہی آیت پڑھ کر سنائی (1)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ شادی کے لئے طلب اجازت پر یہ آیت اتری (2)۔ حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ وہ چوری چھپے مکہ سے مسلمان قیدیوں کو رہا کر کے مدینہ لایا کرتے تھے۔ مکہ شریف میں عناق نامی ایک پیشہ ور عورت تھی جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں حضرت مرثد کا یار رہا تھا۔ حضرت مرثد بیان کرتے ہیں کہ ایک رات کسی قیدی کو رہا کر دینے کے لئے میں مکہ پہنچا۔ چاندنی رات تھی اور میں ایک دیوار کے سائے تلے سنا بیٹھا تھا کہ اتفاقاً عناق ادھر آ نکلی۔ جب اس نے میرا سر دیکھا تو اور میرے قریب آ گئی اور اس نے مجھے پہچان لیا، پوچھنے لگی کہ مرثد ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں، مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور خوش آمدید کہتے ہوئے پیشکش کرنے لگی کہ آؤ، آج کی رات میرے ہاں گزارو۔ میں نے کہا: اے عناق! اللہ تعالیٰ نے زنا حرام کیا ہے۔ جب وہ مایوس ہو گئی تو اس نے شور مچا دیا اور کہنے لگی: اے عیسیٰ والو! یہ ہے وہ شخص جو تمہارے قیدیوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔ چنانچہ آٹھ آدمی میرے تعاقب میں نکلے۔ میں ایک باغ میں داخل ہو گیا اور وہاں سے ایک غار میں گھس گیا۔ وہ لوگ غار تک پہنچ کر میرے سر کے اوپر کھڑے ہو گئے۔ وہاں انہوں نے پیشاب کیا اور ان کا پیشاب میرے سر پر بہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا اور وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔ جب وہ وہاں پلٹ گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ دو میری نمائش سے مایوس ہو چکے ہوں گے تو میں وہاں سے نکلا اور مکہ پہنچ کر مظلوم مسلمان قیدی کو لیا اور اپنے اوپر بٹھا کر مدینہ کی راہ لی۔ چونکہ وہ بھاری بدن کا تھا، اس لئے ازخیر پہنچ کر میں نے اسے اتار کر اس کے بندھن کھول دیئے، پھر اسے اٹھاتا چلا تا مدینہ پہنچ گیا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دو مرتبہ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اگر اجازت ہو تو عناق سے نکاح کر لوں؟ آپ ﷺ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ جب یہ آیت کریمہ **اَنْزَلْنَا ذٰلِكَ عَلٰیْكَ** نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے مرثد! زانیہ یا مشرکہ سے ہی نکاح کرتا ہے اس لئے اس سے نکاح کا ارادہ ترک کر دو" (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زانی جسے کوزے لگ چکے ہوں، وہ اپنے جیسے سے ہی نکاح کر سکتا ہے" (4)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین قسم کے لوگ نہ جنت میں جائیں گے اور نہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت کرے گا: اپنے دامین کا نافرمان، عورت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے اور بوٹ اور تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا: اپنے ماں باپ کا نافرمان، شراب کارسیا اور احسان جتلانے والا" (5)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے: شراب کارسیا، اپنے والدین کا نافرمان اور اپنے گھر والوں میں خباثت جائز اور برقرار رکھنے والا" (6)۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں

2- سنن نسائی، کتاب المغیر، جلد 6 صفحہ 375

1- مستدرجہ جلد 2 صفحہ 158-159

4- سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 220-221، سنن نسائی، جلد 6 صفحہ 66-67

3- مستدرجہ جلد 2 صفحہ 69، مستدرجہ جلد 1، صفحہ 89

6- سنن نسائی، کتاب الزکاة، جلد 6 صفحہ 80-81، مستدرجہ جلد 2 صفحہ 134

5- سنن ابی داؤد، کتاب الاکاح، جلد 2 صفحہ 221

حضور ﷺ فرماتے ہیں: ”دیوث (بے غیرت) جنت میں نہیں جائے گا“ (1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہشمند ہے، اسے چاہئے کہ وہ شریف آزاد عورت سے نکاح کرے“ (2)۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ جوہری اپنی کتاب الصحاح میں کہتے ہیں کہ دیوث بے غیرت شخص کو کہا جاتا ہے۔ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی مجھے بہت ہی محبوب ہے لیکن اس میں یہ بری عادت ہے کہ وہ کسی ہاتھ کو واپس نہیں لواتی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے طلاق دے دو“ وہ شخص کہنے لگا کہ میں اس سے صبر بھی نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر اس سے فائدہ اٹھا“ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور اس کا راوی عبدالکریم قوی نہیں۔ اس کا دوسرا راوی ہارون اس سے زیادہ قوی اور ثقہ ہے۔ لیکن ان کی روایت مرسل اور صحیح ہے (3)۔ یہ روایت مسند بھی مروی ہے لیکن امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ روایت مسند نہیں بلکہ مرسل ہے۔ یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے (4)۔ اس حدیث کے متعلق اختلاف ہے۔ امام نسائی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے منکر کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ اس کی بیہ ولیل کرتے ہیں کہ اس عورت کے کسی ہاتھ کو نہ روکنے کا یہ مقصد ہے کہ وہ نجی ہے اور کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتی، لیکن اس تاویل کا رد کیا گیا ہے کہ اگر یہی مراد ہوتی تو حدیث میں ”لا مس“ کی بجائے ”ملتس“ کا لفظ ہوتا، بعض نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس عورت کی عادت ہی ایسی تھی کہ کسی ہاتھ کو نہیں ہٹاتی تھی، یہ مطلب نہیں کہ وہ بدکاری کا ارتکاب کرتی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ بدتماش عورت کو رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے، دوسری بات یہ ہے کہ اس قسم کی عورت کو اپنے پاس رکھنے والا دیوث ہے اور دیوث کے متعلق وعید زرجینی ہے لیکن شاید خاوند کو اس کی اس قسم کی عادت کا شک گزارا اور اس بناء پر اس نے حضور ﷺ سے اس کی شکایت کی کہ اس کی بیوی غلطی میں کسی مرد کو نہیں روکتی ہوگی تو آپ ﷺ نے اسے طلاق کا حکم دے دیا لیکن جب اس نے اس سے اپنی شدید محبت کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اسے ساتھ رکھنے کی اجازت دے دی کیونکہ محبت تو یقینی طور پر موجود ہے لیکن بدکاری کے وقوع کا صرف وہم ہے، اس لئے وہم کے پیچھے یقینی چیز کو ترک کرنا مناسب نہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ زانیہ اگر تو بہ کر لے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں ایک عورت سے حرام کاری کرتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے توبہ کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اب میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں لیکن لوگ کہتے ہیں کہ زانیہ یا مشرک سے ہی نکاح کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں۔ اب تم اس سے بے دھڑک ہو کر نکاح کر لو، اگر کوئی گناہ ہوا تو میرے ذمے (5)۔ بعض دوسرے علماء نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے: **وَإِذَا نَكَحُوا آلَهُنَّ فَلَا يُؤْتُونَ**

3۔ سنن نسائی، جلد 6 صفحہ 67-68

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1 صفحہ 598

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 69، مسند ابی داؤد: 89

4۔ دیکھئے سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6 صفحہ 169-170، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 220

5۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 129 بحوالہ ابن ابی شیبہ

”اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر، پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ۔ تو لگاؤ ان (تہمت لگانے والوں) کو اسی درجے اور نہ قبول کرنا ان کی کوئی گواہی ہمیشہ کے لئے اور وہی لوگ فاسق ہیں۔ مگر (ان میں سے) وہ لوگ جو توبہ کر لیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اور اپنی اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ مغفور رحیم ہے۔“

یہاں حدیث کا بیان ہو رہا ہے، اگر کوئی پاکدامن آزاد بالغ عورت پر زنا کی تہمت لگے اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو اس کی سزا اسی درجے ہیں، اسی طرح اگر کوئی کسی پاکباز مرد پر زنا کی تہمت لگے اور اسے ثابت نہ کر سکے تو اس کی بھی یہی سزا ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ کا کوئی اختلاف نہیں۔ اگر تہمت لگانے والا گواہ پیش کر دے تو اس پر حد نہیں لگے گی لیکن اگر وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش نہ کر سکے تو وہ تین سزاؤں کا مستحق ہوگا: ۱۔ اسے اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ ۲۔ اس کی گواہی ہمیشہ کے لئے مردود ہوگی۔ ۳۔ وہ فاسق قرار پائے گا، نہ وہ اللہ کے ہاں عادل ہوگا اور نہ لوگوں کے ہاں۔ پھر استثناء کرتے ہوئے فرمایا: **إِنَّ الَّذِينَ تَلَاؤُا**۔ اس استثناء کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ اگر یہ صرف آخری جملہ **وَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ** سے استثناء ہو تو توبہ سے صرف فسق رفع ہوگا اور وہ ہمیشہ مردود الشہادۃ رہے گا۔ اگر یہ استثناء پچھلے دونوں جملوں سے ہو تو توبہ کے بعد اس کی شہادت بھی مقبول ہوگی اور فسق بھی رفع ہو جائے گا۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے، وہ توبہ نہیں سکتی اگرچہ وہ توبہ کرے یا نہ کرے۔ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا یہ موقف ہے کہ اگر وہ توبہ کرے تو اس کی شہادت بھی مقبول ہوگی اور فسق کا حکم بھی اٹھ جائے گا۔ سیدنا تبعین حضرت سعید بن مسیب اور سلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استثناء کا تعلق صرف آخری جملہ کے ساتھ ہے، اس لئے توبہ کے ساتھ اس کا فسق تو ختم ہو جائے گا لیکن اس کی شہادت ہمیشہ مردود ہی رہے گی۔ حضرات قاضی شریح، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، کھول اور عبدالرحمن بن زید بن جابر کا بھی یہی موقف ہے۔ شخصی اور شحاک کہتے ہیں کہ اس کی شہادت قابل قبول نہیں اگرچہ وہ توبہ کر لے لیکن اگر وہ اس بات کا اعتراف کر لے کہ اس نے بہتان باندھا ہے تو اس وقت اس کی شہادت مقبول ہے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ
 أَرْبَعٌ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۝ وَالْعَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ
 مِنَ الْكٰذِبِينَ ۝ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعًا شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَمِنَ
 الْكٰذِبِينَ ۝ وَالْعَامِسَةُ أَنَّ عَصَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ
 اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ۝

”اور وہ (خاوند) جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ بجز اپنے ان کی شہادت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ خاوند چار مرتبہ گواہی دے کہ بخدا وہ (یہ تہمت لگانے میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے والوں میں سے ہو۔ اور نل سکتی ہے اس عورت سے حد کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر مرد (خاوند) سچا ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو تم بڑی الجھنوں میں پڑ جاتے) اور بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا توانا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں خاوندوں کے لئے ایک مسئلہ کا حل اور اس سے چھٹکارے کی صورت بیان کی جا رہی ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے لیکن گواہ پیش نہ کر سکے تو اس صورت میں وہ اور اس کی بیوی باہم لعان کریں۔ لعان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ امام کے پاس آ کر دعویٰ کرے کہ اس کی بیوی نے زنا کیا ہے۔ حاکم چار گواہوں کے قائم مقام اس سے چار مرتبہ یہ حلفی بیان لے گا کہ وہ اس تہمت لگانے میں سچا ہے۔ ہر بار وہ اللہ کی قسم اٹھا کر کہے گا کہ اس نے جو بات کی ہے وہ سچ ہے اور پانچویں دفعہ وہ یہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت اور پھینکا رہو۔ لعان سے شواہع اور اکثر علماء کے نزدیک عورت اس سے باندہ ہو جائے گی اور ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی۔ یہ اسے مہر ادا کرے گا اور حد زنا اس پر ثابت ہو جائے گی۔ اسی عورت حد سے صرف اس وقت بچ سکتی ہے جب وہ بھی لعان کرے، یعنی وہ چار مرتبہ حلفیہ گواہی دے کہ اس کا خاوند تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو۔ آیت کریمہ میں صرف عورت کے لئے غضب کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی مرد خواہ مخواہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگا کر رسوائی مول نہیں لینا چاہتا۔ عموماً وہ سچا ہی ہوتا ہے اور سچائی کے باوجود وہ معذور سمجھا جاتا ہے لیکن عورت کو چونکہ علم ہوتا ہے کہ اس کا خاوند تہمت لگانے میں سچا ہے اس لئے اس کے لئے غضب کا لفظ استعمال کیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اگر اس کا خاوند حق پر ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا سزاوار وہی ہوتا ہے جو حق کو جاننے کے باوجود اس سے روگردانی کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنے لطف و کرم اور رحمت و رأفت کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے ان کے لئے تنگی اور شدت سے نکلنے کی سبیل پیدا کی، فرمایا: **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ**۔ یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم تنگی اور مشقت میں پڑ جاتے اور بہت سے امور تم پر شاق گزرتے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرمانے والا ہے اگرچہ وہ حلف اور پختہ قسموں کے بعد ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے احکام میں حکیم بھی ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ ان آیات کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں ان کا شان نزول بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ **وَ الَّذِيْنَ يَزْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ** اتری تو انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا یہ آیت اسی طرح اتری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے لوہ! انصار! کیا تم اپنے سردار کی بات نہیں سن رہے؟" انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! انہیں علامت نہ کریں، یہ غیر متند شخص ہیں اور ان کی غیرت کا یہ حال ہے کہ صرف کواری سے نکاح کرتے ہیں۔ اگر یہ کسی عورت کو طلاق دے دیں تو ہم میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ ان کی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے یقین ہے کہ یہ آیت حق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل شدہ ہے لیکن مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ اگر میں کسی بد معاش کو بیوی پر سوار کٹیوں تو بھی کچھ نہیں کر سکتا اور اگر چار گواہ لینے جاؤں گا تو وہ اتنی دیر میں اپنا کام کر کے روف چکر ہو چکا ہوگا۔ اس بات کو تھوڑی دیر ہی مڑی تھی کہ حضرت بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ آگئے۔ یہ ان تین اشخاص میں سے ایک تھے جن کی توبہ کی قبولیت کا حکم قرآن میں نازل ہوا۔ ویرات کے وقت اپنے کھیتوں سے واپس گھر لوٹے تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک غیر مرد کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ صبح ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کر دیا۔ آپ ﷺ کو بہن کی بڑی کوفت ہوئی۔ انصار کہنے لگے کہ سعد بن عبادہ کے قول کی وجہ سے ہم مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ابھی بلال پر حد تلافی گئی تھی اور اس کی شہادت مردود پنہر سے گئی۔ بلال رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ میرے لئے خلاصی کی کوئی صورت پیدا فرمادے گا۔ حضرت بلال عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس واقعہ کی

اطلاع پر آپ ﷺ کو سخت تکلیف ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ چونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وہ پیش نہ کر سکے اس سے قریب تھا کہ آپ ﷺ ان پر حد جاری کر دیتے۔ اسی اثناء میں نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب آپ ﷺ پر وحی اترتی تو صحابہ کرام آپ ﷺ کے چہرہ پر اس کے آثار و کجے کر پہچان لیتے کہ اب وحی اتر رہی ہے اس لئے اس دوران وہ خاموش ہو جاتے۔ چنانچہ یہ آیات ذالیں یُنزِلْنَ يَوْمَئِذٍ اَنْزَالَ اَنْزَالَهُمْ۔ نازل ہوئیں۔ وحی کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشتہ دہی اور جھکا کر سے کی صورت پیدا کر دی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مجھے اپنے رب سے اس کی امید تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بلالیا اور دونوں میاں بیوی کو یہ آیات پڑھ کر سنائیں اور انہیں عذابِ آخرت سے ڈراتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے بہت سخت ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! میں بالکل سچا ہوں۔ ان کی بیوی نے کہا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دعان کرو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ گواہی دو تو انہوں نے اللہ کی قسم اٹھا کر چار مرتبہ گواہی دی کہ وہ سچے ہیں۔ پانچویں مرتبہ گواہی سے پہلے انہیں کہا گیا: اے بلال رضی اللہ عنہ! اللہ سے ڈرو، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔ پانچویں دفعہ گواہی سے تم پر عذاب واجب ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میری سچائی کے سبب جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے حد سے بچایا ہے، اسی طرح وہ مجھے عذابِ آخرت سے بھی بچا لے گا۔ چنانچہ انہوں نے پانچویں دفعہ یہ گواہی دی کہ اگر وہ جھوٹے ہوں تو ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر ان کی بیوی سے کہا گیا کہ چار مرتبہ حلفیہ گواہی دے کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے۔ پانچویں دفعہ اسے کہا گیا کہ اللہ سے ڈر کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے۔ پانچویں بار کی گواہی سے تم پر عذاب لازم ہو جائے گا۔ پہلے تو وہ دنگلی اور جھنجکی اور اعتراف جرم کا ارادہ کر لیا لیکن پھر کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کرنا چاہتی۔ چنانچہ اس نے پانچویں دفعہ گواہی دے دی کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ لعان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں جدائی کرادی اور یہ فیصلہ دے دیا کہ اس عورت سے پیدا ہونے والے بچے کو بلال کی طرف منسوب نہ کیا جائے اور نہ اس بچے کو حرامی کہا جائے۔ جس نے اس عورت پر اب تہمت لگائی یا اس کے بچے کو حرامی کہا اس پر حدِ قذف لگے گی۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فیصلہ فرمادیا کہ اس کا مانا و نفقہ اس کے خاندان کے ذمہ نہیں کیونکہ دونوں کے درمیان جدائی ہوئی ہے، نہ طلاق ہوئی ہے اور نہ اس کا خاوند فوت ہوا ہے۔ مزید آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس عورت نے سرخ سفید رنگ کا پتلی پنڈلیوں والا بچہ جنا تو وہ بلال کا ہوگا اور اس نے خاکستری رنگ کا ہتھکڑیا لے بالوں والا، پر گوشت پنڈلیوں والا اور بڑی سرین والا بچہ جنا تو وہ اس کا ہوگا جس کے ساتھ اس پر تہمت لگائی گئی ہے۔“ چنانچہ اس عورت نے مؤخر الذکر صفات کا حامل بچہ جنا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر مسکے قسموں کے مطابق طے شدہ نہ ہوتا تو میں اس عورت پر حد نافذ کر دیتا۔“ حضرت مکر مفرماتے ہیں کہ یہ بچہ بڑا ہو کر مسکرا والی بنا۔ اسے ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، باپ کی طرف نہیں (1)۔ صحاح وغیرہ میں اس حدیث کے شاہد موجود ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلال بن امیر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سماء کے ساتھ تہمت لگائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”گواہاؤ اور نہ تمہاری بیٹی پر حد لگے گی۔“ بلال رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ایک شخص کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ حالتِ غیر میں دیکھے اور گواہ تلاش کرنے کے لئے چلا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”گواہ پیش کرو ورنہ حد لگے گی۔“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: قسم

ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ معوث فرمایا ہے! میں بالکل سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل فرمادے گا جس کی وجہ سے میں حد سے بچ جاؤں گا۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ آیت ڈالنے لگا: **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ آذَٰنَٰٓؤُنَا مِنۢ بَدُونِهَا** لے کر اترے۔ آپ ﷺ نے دونوں کو بلا لیا اور فرمایا: **اللہ تعالیٰ جتنا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، کیا وہ توبہ کی طرف راغب ہے؟** اس دوران حضرت بلال رضی اللہ عنہ گواہی دے چکے تھے۔ عورت نے بھی چار بار گواہی دی۔ جب وہ پانچویں بار گواہی دینے لگی تو صحابہ پر کرام نے اسے ٹھہرا کر کہا کہ پانچویں دفعہ کی گواہی سے عذاب واجب ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ذرا بچکچکی پالی جس سے ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ یہ اپنے سابقہ بیان سے رجوع کر کے جرم کا اقرار کر لے گی لیکن پھر وہ کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو ہمیشہ کے لئے رسوا کرنے پر آمادہ نہیں۔ پس اس نے پانچویں گواہی بھی دے دی۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: **”دیکھنا، اگر اس نے سرگمیں آنکھوں والے، بڑی سرین والے موٹی چند لیوں والے بچے کو جنم دیا تو وہ شریک بن سماء کا ہے۔“** چنانچہ اس نے ایسا ہی بچہ جنم دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: **”اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصدہ ہو چکا ہوتا تو میں اس عورت پر حد لگا دیتا“** (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی۔ یہ سن کر آپ ﷺ کو بڑی کوفت ہوئی۔ وہ شخص بار بار اس چیز کو بیان کرتا رہا یہاں تک کہ یہ آیت **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ آذَٰنَٰٓؤُنَا مِنۢ بَدُونِهَا** نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے دونوں میاں بیوی کو بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ یہ تم دونوں کے بارے میں اتنی ہے۔ پہلے آپ نے مرد کو بلایا، اس نے چار دفعہ گواہی دی کہ وہ سچا ہے، پھر آپ نے اس کا منہ بند کرنے کا حکم دیا اور اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر اللہ کی لعنت سے ہر چیز ملتی ہے۔ پھر آپ نے اس کا منہ کھلوا دیا تو اس نے پانچویں دفعہ کہا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ پھر آپ ﷺ نے عورت کو بلایا اور اس سے بھی چار حلفیہ گواہیاں لینے کے بعد نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی غضب سے ہر چیز ملتی ہے۔ اس کا بند منہ کھول دیا گیا تو اس نے کہا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن زبیر کی امارت کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ مجھ سے لعان کرنے والے مرد اور عورت کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا ان میں جدائی کرا دی جائے؟ مجھے اس سوال کا جواب معلوم نہیں تھا۔ میں اپنے گھر سے نکل کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ! سب سے پہلے فلاں بن فلاں نے اس کے متعلق سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے، اگر وہ زبان سے نکالے تو بھی بڑی بے حیائی اور رسوائی والی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی بڑی بے غیرتی والی بات ہے۔ آپ ﷺ خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد جب وہ شخص آیا تو کہنے لگا: یا رسول اللہ! جو سوال میں نے آپ سے کیا تھا، وہی واقعہ میرے ہاں پیش آیا۔ اس وقت سورہ نور کی یہ آیت **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ آذَٰنَٰٓؤُنَا مِنۢ بَدُونِهَا** نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ نے دونوں کو بلا دیا اور عذاب سے ڈرایا لیکن دونوں اپنی اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ جب دونوں لعان کر چکے تو ان کے درمیان تفریق کر دی گئی (2)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مسجد شام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری کہنے لگا: ہم میں سے جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پائے، اگر وہ اسے قتل کر دے تو تم اسے قتل کر دو گے، اگر وہ اس بات کو زبان پر لائے تو تم اس پر حد لگا دو گے اور اگر وہ خاموش رہے تو وہ غصہ کے گھونٹ پیتا رہے۔ واللہ! اگر زندگی رہی تو میں صبح ضرور رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کروں گا۔ چنانچہ اس نے

اپنے رات والے الفاظ دہرا کر رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور دعا کی کہ یا اللہ! اس بارے میں فیصلہ نازل فرما۔ اس پر آیت لعان نازل ہوئی۔ سب سے پہلے یہی شخص اس آزمائش سے دوچار ہوا (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عویر رضی اللہ عنہ نے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کرو کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ کر قتل کر دے تو کیا اسے بھی قتل کر دیا جائے گا؟ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جب یہ سوال کیا تو آپ کو یہ بہت ناگوار گذرا۔ حضرت عویر رضی اللہ عنہ دوبارہ ملے تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مسئلہ کا کیا بنا؟ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں، تم کوئی اچھی بات میرے پاس نہیں لائے تھے۔ میں نے آپ ﷺ سے سوال تو کیا لیکن آپ ﷺ کو یہ اچھا نہیں لگا۔ حضرت عویر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں آپ ﷺ کے پاس جا کر ضرور یہ مسئلہ دریافت کروں گا۔ جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لعان کا کلمہ نازل ہو چکا تھا۔ لعان کے بعد حضرت عویر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! اب اگر میں اس عورت کو اپنے گھر لے جاؤں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت باندھی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم سے پہلے ہی انہوں نے عورت کو جدا کر دیا۔ پھر لعان کرنے والوں کا یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دیکھنا اگر اس نے سیاہ رنگ کا، بڑی بڑی آنکھوں والا اور بڑی سرین والا بچہ جنا تو خاندان کی بات درست ہے اور اگر اس نے سرخ رنگ کے بچہ کو جنم دیا تو وہ جھوٹا ہے۔“ چنانچہ اس عورت نے بری صفات کا حامل بچہ جنم دیا (2)۔ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! اگر کوئی کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھے تو کیا اسے قتل کر دے یا کیا کرے؟ اس وقت لعان والی آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے بارے میں اور تمہاری بیوی کے بارے میں فیصلہ ہو چکا۔“ چنانچہ لعان کے بعد ان دونوں میں جدائی کرادی گئی اور یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔ یہ عورت حاملہ تھی لیکن اس کے خاندان نے اس کا انکار کر دیا۔ جب بچہ پیدا ہوا تو اسے اس کی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ پھر میراث میں سنت طریقہ یہ جاری ہوا کہ بچہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں بچے کی وارث۔ آپ ﷺ نے باری باری حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ اگر تم اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لو تو کیا کر دے؟ دونوں نے جواب دیا کہ ہم اسے قتل کر دیں گے۔ اس وقت چشم پوشی کرنے والا تو بے غیرت ہے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں (3)۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلا لعان حضرت ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کے درمیان ہوا تھا۔ باقی واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے (4)۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوا شُرَّاكُمْ بَلْ هُوَ خَيْبٌ لَّكُمْ طَبَعٌ

أَمْرِي وَمِنْهُمْ مَّا أَكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ①

”ہے نیک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے۔ تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو، بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لئے، ہر شخص کے لئے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیوان میں سے (تو) اس کے لئے عذاب عظیم ہوگا۔“

یہاں سے دس آیات ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس وقت نازل ہوئیں جب منافقین نے بہتان تراشی

1- صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 2 صفحہ 1133، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 421-422

2- فتح الباری، تفسیر سورہ نور، جلد 8 صفحہ 448، صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 2 صفحہ 1129-1130 وغیرہ

3- تفسیر الاستاذین زاد المعاد، تفسیر سورہ نور، جلد 3 صفحہ 60-61

4- مسند ابی یعلیٰ، جلد 5 صفحہ 207-208

اور افتراء بازی سے کام لیتے سونے آپ رضی اللہ عنہما پر جھوٹی تہمت لگانے۔ پونہ معاملہ کا تعلق برادر است حضور ﷺ اور آپ کی زوجہ محترمہ سے تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور یہ آیات نازل فرمادیں تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سنت اور پاکدامنی کی توثیق دی جائے اور اس صریح بہتان سے آپ کی برأت کا اعلان کیا جائے تاکہ آپ ﷺ کی آبرو پر حرف نہ آئے فرمایا: اِنَّ اَبِي بِنِيٍّ جَاءَهُ ... یعنی جنہوں نے جھوٹی بہت لگانی ہے وہ ایک دو نہیں بلکہ پورا ایک کر وہ ہے۔ اس ملعون سازش اور ملعونان کا سرخندہ رئیس انسان فئین عبد اللہ بن ابی تھا۔ وہی اس واقعہ کی تشہیر کرنے میں پیش پیش تھا۔ اس نے اس عرصہ سے بات کا پتنگل بنا یا کہ جنس سادہ لوح مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ لوگوں میں اس بات کا خوب چرچا ہوا۔ بعض مسلمانوں کی زبان پر بھی یہ بات آئی۔ منافقین نے ایک مہینہ تک خوب پراپیگنڈہ کیا یہاں تک کہ قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں۔ احادیث صحیحہ میں یہ واقعہ بالتفصیل مذکور ہے۔ متعدد حضرات نے یہ روایت بیان کی ہے اور ان کی روایات ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جس کے نام کا قرعہ نکلتا اسے آپ ﷺ اپنے ساتھ لے جاتے۔ ایک غزوہ (غزوہ بنی مصطلق) پر روانہ ہوتے وقت آپ ﷺ نے حسب معمول قرعہ اندازی کی تو میرا نام نکلا۔ چنانچہ میں آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ اس وقت پردہ کے احکام نازل ہو چکے تھے۔ مجھے ایک ہودج میں بٹھا دیا گیا اور لشکر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ جب لشکر روانہ ہوتا تو میرا ہودج اونٹ پر رکھ دیا جاتا اور جب پڑاؤ کرتا تو میرا ہودج اتار لیا جاتا۔ جہاد سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے وہاں ہی کا قصد کیا۔ ہم مدینہ شریف کے قریب پہنچے اور رات بسر کی۔ جب کوچ کی تیاری ہونے لگی تو مجھے قضائے حاجت کیسے بھر جانا پڑا۔ جب میں واپس آئی اور اپنے سینہ پر ہاتھ لگایا تو میرے گلے کا ہار تائب تھا۔ وہ ٹوٹ کر مٹیس گر پڑا۔ میں اس کی تلاش میں پھر لوٹ گئی۔ ہار تلاش کرتے ہوئے مجھے دیر ہو گئی۔ ہار تو مل گیا لیکن جب واپس آئی تو لشکر وہاں سے کوچ کر چکا تھا۔ جو لوگ میرے ہودج کو رکھے اور اتارنے پر مامور تھے انہوں نے حسب عادت میرا ہودج اٹھایا اور اونٹ پر کس دیا، انہیں یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں، کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں جس کا سبب سادہ اور غیر مرن غذا تھی اور میں تو کسمن بھی تھی اس لئے انہیں میرے ہودج میں نہ ہونے کا احساس تک نہ ہوا۔ جب میں ہار تلاش کرنے لے بعد واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ میں یہ خیال کر کے وہیں ٹھہر گئی کہ جب وہ مجھے نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ میں وہاں بیٹھ گئی۔ اسی اثناء میں مجھے نیند آ گئی۔ حضرت عثمان بن مظعون کی بیویوں کی بیویوں تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے۔ دورات کے پچھلے حصہ میں چلے تھے اور صبح کے وقت یہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے دور سے کسی کو سوا یا ہوا دیکھا تو قریب آ گئے اور جب مجھے دیکھا تو پہچان لیا۔ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے پہچان کر انہوں نے بلند آواز سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ان کی آواز سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی اور میں نے چادر کے ساتھ اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے میرے قریب اونٹ بٹھا دیا اور اس کی ٹانگ پر اپنا پاؤں رکھا۔ میں اٹھی اور اونٹ پر سوار ہو گئی۔ اللہ کی قسم! انہوں نے سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کے میرے ساتھ اور کوئی بات نہ کی۔ ہم دو پہر کے وقت لشکر سے آئے۔ بس اتنی ہی بات تھی جس کا ہلاک ہونے والوں نے پتنگل بنا لیا اور اس میں سب سے زیادہ کردار عبد اللہ بن ابی کا تھا۔ جب میں مدینہ پہنچی تو بیمار ہو گئی اور ایک ماہ تک بیمار پڑی رہی۔ لوگوں میں اس جھوٹی بات کا خوب چرچا ہوتا رہا لیکن مجھے قطعاً اس کا صدمہ نہ تھا۔ البتہ مجھے اس بات کا تعلق تھا کہ میری ملائت کے وقت جو لطف و عنایت حضور ﷺ پہنچے مجھ پر فرمایا کرتے تھے، وہ مفقود تھی۔ آپ

ﷺ جب میری مزاج پر کسی کے لئے تشریف لاتے تو صرف اتنا دریا یافت کرتے "كَيْفَ يَسْتَعْمَلُ" کہ تمہارا کیا حال ہے؟ یہ بات مجھے کھلتی تھی۔ تاہم اس شراٹگیز پرائیگنڈے کی مجھے خبر تک نہ تھی۔ بیماری کے بعد مجھے بہت نفاہت اور کمزوری محسوس ہونے لگی۔ ایک رات میں ام مطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے مدینہ سے باہر گئی کیونکہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنا کے کارواج نہ تھا۔ اس لئے ہم عربوں کے دستور کے مطابق صرف رات کے وقت باہر جنگل میں ہی جایا کرتی تھیں۔ گھروں میں بیت الخلاء بنانا ہمیں پسند نہ تھا۔ میں ام مطح بنت ابی رہم بن مطلب بن عبد مناف کے ساتھ چلی۔ یہ ام مطح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ ان کی ماں سحر بن عامر کی بیٹی تھی اور ان کے بیٹے کا نام مطح بن اثاثر بن عباد بن مطلب تھا۔ ہم جب دونوں فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں تو ام مطح کا پاؤں چادر میں الجھا اور وہ گر پڑیں۔ ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا "تَعَسَّ وَسَطَحًا" کہ مطح بلاک ہو۔ میں نے کہا کہ یہ بہت بری بات ہے تم ایک بدری صحابی کے لئے یہ الفاظ استعمال کر رہی ہو؟ وہ کہنے لگیں: اے بھولی لڑکی! کیا تم نے نہیں سنا جو طوقان اس نے برپا کر رکھا ہے؟ میرے استفسار پر انہوں نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ یہ سنتے ہی میں اور زیادہ بہار ہو گئی۔ گھر لوٹی تو حضور ﷺ نے پوچھا: كَيْفَ يَسْتَعْمَلُ "تمہارا کیا حال ہے؟" میں نے عرض کی کہ مجھے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ میں اپنے والدین سے اس خبر کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کروں۔ آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی۔ میں نیسے چلی آئی اور اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ یہ لوگ کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: بیٹی! زیادہ تمکین ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب کوئی بیوی خوبصورت ہو اور اس کا شوہرا سے محبوب رکھے اور اس کی سوکتیں بھی ہوں تو اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! اللہ اللہ میرے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں رات بھر جاگتی اور روتی رہی، صبح ہوئی تب بھی آنسو جاری تھے اور نیند کا نام و نشان تک نہ تھا۔ جب نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو میرے متعلق مشورہ کے لئے بلا دیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے میری ہدایت کی اور ان کے دل میں حضور ﷺ کے اہل کی جو محبت تھی اس کو ظاہر کیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! ہم آپ کے اہل میں سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ نے کوئی سختی نہیں کی، اس کے علاوہ عورتوں کی کیا کمی ہے۔ اگر آپ تصدیق فرمانا چاہتے ہیں تو بریرہ لونڈی کو بلا کر دریافت کر لیجئے وہ حقیقت حال سے آگاہ کر دے گی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر پوچھا: "اے بریرہ! کیا تو نے ایسی کوئی چیز دیکھی ہے جس سے تمہیں عائشہ کے بارے میں کوئی شک ہو؟" اس نے عرض کی: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس کے سوا میں نے عائشہ میں کوئی عیب نہیں دیکھا کہ آٹا گندھا ہو اور کھا ہوتا ہے، یہ اپنی کمسنی کی وجہ سے سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آنا کھا جاتی ہے۔ چنانچہ اسی دن حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: "اے رُوہ مسلمانان! اس شخص کے بارے میں مجھے کون معذور رکھتا ہے جس کی میرے اہل خانہ کے بارے میں اذیت رسالی مجھ تک پہنچی ہے۔ بخدا! میں اپنے اہل میں خیر کے بغیر کچھ نہیں جانتا۔ یہ لوگ جس شخص کا نام لے رہے ہیں، اس کے بارے میں بھی میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ وہ میرے ساتھ ہی گھر میں آتا تھا۔" حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ میں حاضر ہوں۔ یا رسول اللہ! کردہ شخص قبیلہ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر وہ بنی خزرج سے ہے تو آپ ہمیں حکم دیں، تعمیل ارشاد کی جائے گی۔ حضرت سعد بن عبادہ اٹھے جو خزرج کے سردار اور بڑے نیک آدمی تھے لیکن ان کی قبائلی عصبیت بیدار ہو گئی۔ وہ سعد بن معاذ سے کہنے لگے کہ ایسا کر نہیں ہوگا، نہ تو تم اسے قتل کرو گے اور نہ تم اسے قتل کرنے پر

قادر ہو۔ اُردوہ شخصیں تمہارے قبیلے کا ہوتا تو تم اس کا قتل کیا جانا پسند نہ کرتے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جو حضرت سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی تھے انھیں کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ سے کہنے لگے کہ تم جھوٹ کہتے ہو ہم اسے ضرور قتل کر ڈالیں گے، تم منافق ہو اور اس لئے منافقین کی طرف داری کر رہے ہو، غرضیکہ تلخ کلامی یہاں تک بڑھی کہ قریب تھا کہ دونوں قبیلوں (اوس و خزرج) میں لڑائی چھڑ جاتی۔ حضور ﷺ نے ممبر پر ہی دونوں کو سمجھایا اور ان کے جوش کو ٹھنڈا کیا یہاں تک کہ معاملہ رفع دفع ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے۔

میرے شب و روز گریہ و زاری میں گزرتے اور لمحہ بھر کے لئے بھی نیند نہ آتی۔ میرے والدین کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اس طرح رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ایک دن میں رو رہی تھی۔ میرے والدین بھی میرے پاس بیٹھے تھے۔ ایک انصاری عورت ملنے کے لئے آئی، وہ بھی بیچہ کر رونے لگی۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، سلام فرمایا اور بیٹھ گئے۔ جب سے یہ تہمت لگی تھی، آج تک آپ ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا اور میرے بارے میں کوئی دہی نہیں اتری تھی۔ آپ ﷺ نے تشہد کے بعد فرمایا: ”اے عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں ایسی ایسی اطلاع ملی ہے۔ اگر تو پاکدامن ہے تو اللہ تعالیٰ تمہاری براءت کر دے گا اور اگر تجھ سے قصور سرزد ہو گیا ہے تو توبہ و استغفار کر لے کیونکہ بندہ اگر اپنے قصور کا اعتراف کر لے اور توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔“ یہ سنتے ہی میری گریہ و زاری جاتی رہی اور یکدم میرے آنسو خشک ہو گئے۔ میں نے اپنے والد گرامی سے کہا کہ حضور ﷺ کو اس بات کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ پھر میں نے والدہ سے کہا تو انہوں نے بھی جواب دینے سے معذوری ظاہر کی۔ میں اگرچہ نوعمر تھی اور زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا لیکن میں نے کہا: بخدا! آپ لوگوں نے ایک بات سنی اور وہ تمہارے دلوں میں جم گئی۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے اور اگر میں ایسی بات کا اعتراف کروں جس کے متعلق خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ فوراً مان لیں گے۔ اب میرے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ میں وہ بات کہوں جو یوسف کے باپ نے کہی تھی: فَصَبِرْ صَبِيْرًا وَاللّٰهُ السَّمْعٰنُ عَلٰی مَا نَصِفُوْنَ۔ پھر میں منہ پھیر کر ہسٹ پریٹ گئی۔ قسم بخدا! چونکہ میں بے گناہ تھی، اس لئے مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت فرمائے گا لیکن مجھے یہ خیال نہ تھا کہ میرے بارے میں آیات نازل ہوں گی کیونکہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتی تھی، البتہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں میری پاکدامنی کے متعلق آگاہ فرمادے گا۔ حضور ﷺ ابھی دس تشریف فرما تھے اور تمام گھروالے بھی موجود تھے کہ نزول وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ سردیوں کے موسم میں بھی نزول وحی کے وقت پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور ﷺ بیس رہے تھے اور پہلی بات جو آپ ﷺ نے فرمائی، وہ یہ تھی: ”اے عائشہ! تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری براءت فرمادی ہے۔“ میری والدہ نے مجھے کہا کہ اٹھو اور حضور ﷺ کا شکر یہ ادا کرو۔ میں نے کہا: بخدا! نہ میں اٹھوں گی اور نہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا شکر یہ ادا کروں گی صرف اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کروں گی۔ جس نے میری براءت فرمائی۔ اس وقت یہ دس آیات اَنْزَلْنَا مِنْ جَاوِہِ الْاَفْقَانِ... نازل ہوئیں۔ میری پاکدامنی ثابت ہو جانے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سطح رضی اللہ عنہ کی مالی امداد سے ہاتھ کھینچ لینے کا عزم کر لیا کیونکہ اس پر ایگنڈے میں وہ بھی شریک تھے۔ پہلے انہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مالی تعاون حاصل تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو اس ارشاد کے ذریعے اس عزم سے منع کر دیا گیا: وَلَا يَأْتِكُمْ اَوْلُو الْفِصْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُؤْتُوْا اَوْلِيَ النَّسَبِ... اَلَا تَجِدُوْنَ اَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور: 22) اس ارشاد کے نزول پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

کہنے لگے: بخدا! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری مغفرت ہو۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مسطح کا وظیفہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ اب میں اس میں بالکل کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس واقعہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجہ زینب بنت جحش سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔ بخدا! مجھے خیر کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔ یہی زینب ہی تھیں جو آپ ﷺ کی ازدواج میں سب سے زیادہ مجھ سے جذبہ مسابقت رکھتی تھیں لیکن یہ اپنی پرہیزگاری کے باعث بیچ گئیں اگرچہ ان کی بہن حنہ بنت جحش جو تہمت لگانے والوں میں شامل تھی، ان سے لڑی اور انہیں اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا لیکن انہوں نے میری پاکدامنی کا ہی اظہار کیا اور حنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوئی (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں تشہد اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد یہ بھی فرمایا تھا کہ مجھے ان لوگوں کے متعلق مشورہ دو جنہوں نے میرے اہل پر تہمت لگائی ہے۔ قسم بخدا! میں اپنے اہل کے متعلق سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتا اور مجھے اپنے اہل کے بارے میں کسی برائی کا علم نہیں۔ جس شخص کی طرف وہ منسوب کرتے ہیں، اس میں بھی مجھے کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ بخدا! وہ مفرد حضرت میرے ساتھ رہا اور میری عدم موجودگی میں وہ میرے گھر نہیں آیا۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم ان فتنہ پرور لوگوں کی گردنیں اڑادیں۔ قبیلہ خزرج کا ایک آدمی کھڑا تھا، ام حسان بن ثابت کا تعلق اس شخص کے قبیلہ سے تھا۔ وہ شخص حضرت سعد بن معاذ سے کہنے لگا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ اگر یہ لوگ قبیلہ اوس سے ہوتے تو تم انہیں قتل کرنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ جب بحث و مناظرہ نے طول پکڑا تو لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے نکلی تو چادر میں ان کا پاؤں الجھا اور وہ گر پڑا۔ ان کے منہ سے نکلا کہ مسطح ہلاک ہو۔ میں نے کہا کہ تم اپنے جینے کو بددعا دے رہی ہو؟ لیکن وہ خاموش رہیں۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ جب تیسری مرتبہ ایسا ہوا تو وہ کہنے لگیں کہ میں آپ کی خاطر اپنے بیٹے کو برا بھلا کہہ رہی ہوں۔ پھر میرے استفسار پر انہوں نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ جب میں اپنے میکے جانے لگی تو حضور ﷺ نے میرے ساتھ ایک غلام بھیجا۔ میں میکے پہنچی تو میری والدہ ام رومان نے مجھے گھر میں موجود تھیں اور والدہ محترمہ اوپر بالا خانے میں تلاوت کر رہے تھے۔ میری والدہ نے میری آمد کا سبب پوچھا تو میں نے انہیں سارا قصہ سنا دیا لیکن جس قدر دکھ مجھے تھا، انہوں نے اس قدر دکھ کا اظہار نہ کیا۔ میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ کیا میرے والد محترم کو اس واقعہ کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، پھر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میری آواز سن کر نیچے آگئے اور میری والدہ سے پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ میری والدہ نے جواب دیا کہ اسے تہمت کے متعلق علم ہو گیا ہے۔ چنانچہ میرے والد کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور مجھ سے کہنے لگے: بیٹی، میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ چنانچہ میں واپس لوٹ گئی۔ حضور ﷺ نے کچھ اور لوگوں کی موجودگی میں میری خادمہ سے میرے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے عائشہ میں کوئی برائی نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ وہ گندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سوجاتی ہیں اور کبریٰ آ کر اسے کھا جاتی ہے۔ ایک صحابی نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ کھل کر صاف صاف بات کرو تو وہ کہنے لگی: سبحان اللہ! میں عائشہ کے متعلق اس طرح جانتی ہوں جس طرح ایک زرگر خالص سرخ سونے کے متعلق علم رکھتا ہے۔ جب اس

1- صحیح بخاری، کتاب النہایات، جلد 3 صفحہ 227 صحیح مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2129-2137 مستدرک، جلد 6 صفحہ 184-197، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ

مخلص تک یہ خبر پہنچی جسے بدنام کیا جا رہا تھا تو وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نے آج تک کسی عورت سے پردہ نہیں اٹھایا۔ یہ صحابی اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والدین صبح سے ہی میرے پاس رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کی اور اٹھنے کے بعد تشریف لائے، میرے والدین میرے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا: ”اے عائشہ! اگر تجھ سے غلطی سرزد ہوگئی ہے یا تو نے ظلم کیا ہے تو توبہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔“ ایک انصاری عورت دروازے پر آ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا کبھی عجیب بات ہے کہ یہ بات کرتے ہوئے اس عورت کا بھی خیال نہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے وعظاً و نصیحت کی تو میں نے اپنے والد محترم سے کہا کہ اس کا جواب دیں۔ انہوں نے بھی معذوری ظاہر کی، پھر والدہ سے کہا تو وہ بھی کوئی جواب نہ دے سکیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری براءت کی آیات نازل ہوئیں تو اس وقت میں شدید غصے میں تھی۔ اس لئے جب میرے والدین نے مجھے کہا کہ اٹھو اور حضور ﷺ کا شکر یہ ادا کرو تو میں نے کہا کہ نہ میں اٹھوں گی اور نہ آپ کا اور نہ تمہارا شکر یہ ادا کروں گی بلکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤں گی جس نے میری براءت کا حکم نازل کیا۔ تم لوگوں نے یہ بات سنی لیکن نہ تم نے اس کا انکار کیا اور نہ اس کی تردید کی۔ حمد بخت، جحش، مسطح اور حسان بن ثابت بھی اس سازش میں شریک ہو گئے۔ اس سازش کا سرخند عبد اللہ بن ابی منافق تھا جو ہر ایک کے کان بھرتا تھا (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری براءت کی آیتیں برتیں تو رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں اور ایک عورت کو حد کذب لگانے یعنی حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمد بخت جحش (2)۔ یہ حدیث مسند، سنن اور صحاح وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد طرق کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم ہوا کہ ان پر تہمت لگی ہے اور اس کا ظلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ کو بھی ہے تو آپ رضی اللہ عنہا بے ہوش ہو کر سر پڑیں۔ جب ہوش آیا تو بخاری کی وجہ سے کچھ طاری تھی۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اسی وقت کبیل اور ہادیا نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو پوچھا کہ اسے کیا ہوا؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اسے سردی کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید اس خیر کوں کرایا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھ کر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں: بخدا! اگر میں حلف اٹھا کر بھی کچھ کہوں تو بھی تم لوگ میری تصدیق نہیں کرو گے اور اگر میں عذر پیش کروں تو بھی تم مجھے معذور نہیں جانو گے۔ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے حضرت یعقوب بنیہ اسلام اور آپ کے بیٹوں کی جب آپ نے کہا تھا: فَصَيِّرْ جَبِيلٌ وَاللَّهِ التَّسْتَعَانُ عَلَيَّ مَا تَصِفُونَ۔ حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے تو میری براءت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس تشریف لائے اور فرمایا: ”اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارا عذر نازل کر دیا ہے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ اللہ کا شکر ہے نہ کہ آپ کا۔ حضرت ابو بکر فرمانے لگے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو یہ کہہ رہی ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں (3)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ... یعنی وہ لوگ جنہوں نے کذب بیانی، بہتان تراشی اور افتراء بازی سے کام لیتے ہوئے جھوٹی تہمت لگائی، وہ تم میں سے ایک گروہ ہے۔ اے آل انبیاء! تم اسے اپنے لیے برائے سمجھو بلکہ یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لئے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ نور، جلد 6، صفحہ 134-136، تفسیر طبری، جلد 18، صفحہ 93-94

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللہ، جلد 4، صفحہ 162، مسند امامہ، جلد 6، صفحہ 35 وغیرہ

3۔ صحیح بخاری، سورہ نور، جلد 6، صفحہ 132، مسند امامہ، جلد 6، صفحہ 367-368

بہتر ہے۔ دنیا میں تمہاری صداقت اور نیکی نامی ثابت ہوگی اور آخرت میں تمہیں بلند درجات حاصل ہوں گے۔ کیا یہ شرف کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کیلئے اس قرآن کریم میں آیات نازل فرمادیں جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آخری وقت قریب تھا تو اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کو خوشخبری ہو، آپ و حضور ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہے۔ حضور ﷺ آپ رضی اللہ عنہما سے محبت فرماتے تھے اور حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ (1) ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما اپنے اوصاف حمیدہ پر فخر کرنے لگیں۔ حضرت زینب کہنے لگیں کہ میرا عقد نکاح آسمان سے اترنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کہنے لگیں کہ میری براءت کا حکم کتاب اللہ میں اترنا جب صفوان بن معطل مجھے اپنی سواری پر بٹھا کر لائے تھے۔ حضرت زینب نے پوچھا کہ تم نے سوار ہوتے وقت کیا پڑھا تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ”حَسْبِيَ اللَّهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ“۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہما کہنے لگیں کہ تم نے مومنوں کا کلمہ کہا تھا (2)۔ پھر فرمایا: بِحَبْلِ امْرِيٍّ قُوْنُفُؤُهُ جَنِي بِرِ اس شخص کو بڑا عذاب ہوگا جو اس سازش میں شریک ہوا اور اس نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی۔ پھر فرمایا: يَا ذَا النِّبْتِيِّ تَوَلَّى۔ یعنی جس نے اس فتنہ کو جنم دیا اور اس کی تشہیر کرنے میں پیش پیش رہا، اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔ اکثر کا یہی خیال ہے کہ اس سے مراد رئیس المناشئین عبداللہ بن ابی بن سلول ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکا رہو! بعض نے کہا کہ اس سے مراد حضرت حسان بن ثابت ہیں لیکن یہ قول غریب ہے۔ چونکہ یہ قول بھی ہے، اس لئے ہم نے اسے بیان کر دیا۔ زینب اس کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہما کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن کے فضائل و مناقب، خدمات اور کارناموں کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہما کا سب سے بڑا کارنامہ یہی تھا کہ آپ اپنے اشعار کے ذریعے کفار کی جھوکتے اور حضور ﷺ کا دفاع کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہی فرمایا تھا: ”کفار کی جھوکیں جو جریں تمہارے ساتھ ہیں“۔ حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت حسان وہاں آگئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں عزت کے ساتھ تکیہ لگا کر بٹھایا۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ انہیں اپنے پاس کیوں آنے دیتی ہیں؟ انکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَا ذَا النِّبْتِيِّ تَوَلَّى۔ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اندھے پن سے بڑا عذاب کون سا ہوگا۔ اس وقت حضرت حسان رضی اللہ عنہما کی بیانی شتم ہو چکی تھی۔ فرمایا کہ شاید یہی عذاب ہو جس میں وہ مبتلا ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہی تو اپنے اشعار کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کیا کرتے تھے (3)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدد میں شعر پڑھا تھا کہ آپ پاکدامن، سنجیدہ، ہر قسم کے شل و شبہ سے بالاتر اور نجیبت اور برائی سے احتراز کرنے والی ہیں۔ جواب میں آپ نے فرمایا کہ تم ایسے نہ تھے (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ میں نے حسان کے اشعار سے زیادہ عمدہ اشعار نہیں سنے۔ میں جب بھی ان شعروں کو پڑھتی ہوں تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ حسان مطلق ہیں۔ وہ ابوسنیان کو مخاطب کر کے اپنے اشعار میں آتے ہیں، تو نے محمد ﷺ کی جھوکی جس کا میں نے جواب دیا اور اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ میرے باپ دادا اور میری عزت حضرت محمد ﷺ کی

عزت پر قربان ہے۔ کیا تو آپ ﷺ کی جھوکتا ہے حالانکہ تو آپ کا ہمسر نہیں۔ پس تم میں سے برا مجھے پر قربان ہو جائے۔ میری زبان تلوار کی طرح تیز اور بے سبب ہے اور میرے سمندر کو ڈول آلودہ نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لغو کلام نہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، لغو کلام تو وہ ہے جو عورتوں کے متعلق کہا جاتا ہے۔ آپ سے کہا گیا کہ کیا قرآن کریم میں یہ نہیں کہ اس تہمت میں زیادہ حصہ لینے والے کیلئے عذاب عظیم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ بیٹائی جاتی رہی اور تلوار کا وار برداشت کرنا پڑا؟ جب انہوں نے تہمت لگائی تو صفوان بن معطل تلوار لے کر ان کے پیچھے پڑ گئے اور قرب تہا کہ وہ انہیں قتل کر دیتے (1)۔

لَوْلَا إِذْ سَبَعْتُمْوهَا لَطَلَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِنُفُسِهِمْ حَبِيرًا ۖ وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿٥﴾
لَوْلَا جَاءَوهُ عَلَيْهٖ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ
الْكٰذِبُونَ ﴿٦﴾

”ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مومن مردوں اور عورتوں نے انہوں کے بارے میں نیک گمان۔ اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔ (اگر وہ سچے تھے تو) کیوں نہ پیش کر سکے اس پر چار گواہ۔ پس جب وہ پیش نہیں کر سکے گواہ تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ ان آیات میں مومنوں کو ادب سکھا رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جو نازیبا کلمات ان کی زبان پر آ گئے تھے، وہ ان کے لئے بالکل مناسب نہیں تھے، فرمایا: لَوْلَا إِذْ سَبَعْتُمْوهَا یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کی بات سنی تو مومن مرد اور مومن عورتیں کم از کم اپنے بارے میں نیک گمان کرتے اور اپنے آپ پر قیاس کرتے ہوئے اپنی شرعی ماں کے متعلق غلط گمان نہ کرتے۔ جب وہ اپنے لئے اس کام کو مناسب نہیں سمجھتے تو ام المؤمنین کو بدرجہ اولیٰ ایسے فعل سے منزہ اور بری سمجھنا چاہیے تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو ایوب خلد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے متعلق نازل ہوئی۔ آپ کی بیوی ام ایوب نے آپ سے کہا: اے ابو ایوب! کیا آپ نے نہیں سنا کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور یہ محض جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب! ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم ایسا کام کر سکتی ہو؟ وہ کہنے لگیں، نہیں، بخدا! مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں ایسا کام کروں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے بہتر اور افضل ہیں۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو سب سے پہلے حضرت حسان اور ان کے دیگر ساتھیوں کا ذکر کیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں شریک تھے، فرمایا: اِنَّ الْاٰمِنِيْنَ جَاءَوهُ بِالْاٰفْلٰكِيْنَ . پھر فرمایا: لَوْلَا إِذْ سَبَعْتُمْوهَا یعنی مومنوں نے ایسا کیوں نہ کہہ دیا جیسا کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ نے کہا تھا (2)۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ بات حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کی تھی (3)۔ فرمایا: كُنَّ الْمُؤْمِنُونَ یعنی مومنوں نے نیک گمان کیوں نہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس سے بھی زیادہ نیک گمان کی مستحق تھیں۔ اس (ظن) کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ مزید فرمایا: وَقَالُوا یعنی چاہیے تھا کہ وہ اپنی زبانوں سے کہہ دیتے کہ یہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر صاف جھوٹ اور صریح بہتان ہے کیونکہ اس واقعہ کے کسی پہلو میں بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے اجالے میں دو پہر کے وقت، سب کے

2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 96، ہیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 302

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 86

3۔ کتاب المغازی، المواقفی، جلد 2 صفحہ 434

سائے صفوان بن معطل کی اونٹنی پر سوار لشکر میں پہنچتی ہیں، سارا لشکر اس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی موجود ہیں۔ اگر کوئی شک و شبہ والی بات ہوتی تو وہ اس طرح کھلے بندوں لوگوں کے سامنے نہ آتے بلکہ بقدر امکان خفیہ خفیہ لشکر میں شامل ہونے کی کوشش کرتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان لوگوں کی یہ افواہ کذب بیانی، بہتان تراشی، بدینتی اور بے ایمانی پر مبنی تھی۔ فرمایا: لَوْلَا جَاءَهُ وَعَدِيْبٌ - یعنی یہ لوگ اپنے دعویٰ کی سچائی پر چار گواہ کیوں نہ لے آئے اگر وہ واقعی سچے تھے۔ جب وہ گواہ نہ لائے تو ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے اور بدکاریں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٥١﴾ اِذْ تَتَقَوُّنَهُ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُوْنَهُ هَيِّئًا وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿٥٢﴾

”اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں اس سخن سازی کی وجہ سے سخت عذاب۔ (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا۔ نیز تم خیال کرتے تھے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی تھی۔“

دو لوگ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازیبا بات اپنی زبان پر لے آئے، اللہ تعالیٰ انہیں فرما رہا ہے کہ اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور رحمت نہ ہوتی کہ وہ دنیا میں تمہاری توبہ فرمالے اور آخرت میں تمہیں تمہارے ایمان کی وجہ سے معاف کر دے تو اس بہتان تراشی کی وجہ سے تم سخت عذاب سے دوچار ہو جاتے۔ یہ آیت ان کے حق میں ہے جنہیں ایمان نصیب تھا اس وجہ سے ان کو توبہ کی قبولیت کی نوید سنائی، جیسے حضرات مسطح، حسان بن ثابت اور حنظلہ بن جحش۔ جہاں تک عبد اللہ بن ابی اور اس قماش کے دوسرے منافقین کا تعلق ہے جنہوں نے اس افواہ کے پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، یہ اس آیت کے حکم میں داخل نہیں کیونکہ نہ انہیں ایمان حاصل تھا اور نہ عمل صالح۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ جس برائی پر جو وعید آئی ہے وہ اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب آدمی توبہ نہ کرے یا اس کے مقابلہ میں اس جیسی یا اس سے بڑی نیکی نہ ہو۔ پھر فرمایا: اِذْ تَتَقَوُّنَهُ - یعنی جب تم اس افواہ کو ایک دوسرے سے نقل کر کے پھیلا رہے تھے۔ بعض حضرات کی قرأت میں اِذْ تَتَقَوُّنَهُ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح پڑھیں (1) اور فرماتیں کہ یہ ”وَلَيْقَ لِسَانٍ“ سے ہے یعنی مسلسل جھوٹ بولنا۔ عربوں کا قول ہے: ”وَلَيْقَ فَلَانٍ فِي الشَّيْءِ“ یعنی وہ لگاتار چلتا رہا۔ پہلی قرأت زیادہ مشہور ہے اور یہی جمہور کی قرأت ہے۔ دوسری قرأت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور آپ رضی اللہ عنہا یقیناً اس بارے میں دوسروں سے زیادہ علم رکھتی ہیں۔ فرمایا: وَتَقُولُونَ بِاَفْوَاهِكُمْ - یعنی تم وہ بات کر رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ پھر فرمایا: وَتَحْسَبُوْنَهُ هَيِّئًا - یعنی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو ناروا باتیں تم کر رہے تھے، تم تو اسے بہت معمولی اور آسان سمجھتے تھے حالانکہ اگر کسی اور عورت کا بھی معاملہ ہوتا تو بھی یہ بات معمولی نہیں تھی، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی زوجہ محترمہ کے متعلق یہ بات معمولی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی بیوی کے بارے میں ایسی بات کرنا بہت بڑی جسارت اور بہت بڑا گناہ

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت کسی نبی کی بیوی کے بارے میں ایسی بے حیائی برداشت نہیں کرتی، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ تمام انبیاء کی بیویوں کی سردار اور سید اولاد آدم کی زوجہ محترمہ اس گناہ کی مرتکب ہوتیں۔ اس لئے فرمایا: **وَتَحْسَبُونَهَا**۔ حدیث شریف میں ہے: ”جنس اوقات انسان اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ایسا کلمہ نکال بیٹھتا ہے جس کی ضرر رسانی کا اسے اندازہ نہیں ہوتا لیکن اس کی وجہ سے اسے زمین و آسمان کی دوری سے بھی زیادہ مسافت پر جہنم کے ٹپلہ طبقہ میں پھینک دیا جاتا ہے“ (1)۔

وَلَوْلَا إِذْ سَبَحْتُمْوهَا قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَّكِمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا الصُّبْحَانِ عَظِيمٌ ①
يَعِظُكُمْ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا إِلَيْهِمْ أَلَمْ تَكُونُوا مَعَهُ مُؤْمِنِينَ ② وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَ
اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ③

”اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم غلطگو کریں اس کے متعلق۔ اے اللہ! تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کہ دو بارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا، اگر تم ایمان دار ہو۔ اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اچھی) آیتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانہ ہے۔“

قل ازین حسن ظن رکھنے کا ادب سکھایا کہ جب نیک لوگوں کے متعلق کسی افواہ اور نازیبا بات کا ذکر ہو تو ان کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور ایسے لوگوں کے متعلق اپنے دل میں بدگمانی بوجگہ نہیں دینی چاہیے۔ یہاں ایک اور ادب سکھایا جا رہا ہے کہ کوشش کے باوجود بھی اگر کوئی وسوسہ یا برا خیال دل میں جگہ پالیتا ہے تو اسے زبان پر نہیں لانا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے میری امتی کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے درگزر فرمایا ہے جب تک وہ زبان پر یا عمل میں نہ لائیں“ (2)۔ فرمایا: **وَلَوْلَا إِذْ سَبَحْتُمْوهَا**۔ یعنی جب تم نے اس افواہ کو سنا تھا تو سنتے ہی تمہیں کہہ دینا چاہیے تھا کہ میں یہ بات زرب نہیں دیتی کہ ہم اس بات کو اپنی زبان پر لائیں اور نہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم کسی کے سامنے اس کا تذکرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے رسول اور دوست کی بیوی کے متعلق ایسی من گھڑت باتیں کی جائیں۔ پھر فرمایا: **يَعِظُكُمْ اللَّهُ** یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں سختی کے ساتھ آئندہ ایسی حرکت سے منع فرماتا ہے، اسی لئے فرمایا: **إِنْ كُنْتُمْ مَعَهُ مُؤْمِنِينَ** یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے رسول ﷺ کی تعظیم کرتے ہو لیکن جو کفر کے ساتھ آلودہ ہے، اس کا اور حکم ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: **وَيُبَيِّنُ اللَّهُ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے شرعی احکام اور تقدیری حکمتیں واضح طور پر بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنی شریعت اور قضاء و قدر میں حکیم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَسِيخَ الْقَالِيسَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةِ ④ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ⑤

”بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں (تو) ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔“

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقہ فی جلد 8 صفحہ 125، صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2290

2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 168، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 81

یہ تیسری تادیب ہے کہ جو شخص کسی کے متعلق بری بات سنے، اس کے لئے بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی تشہیر اور چرچا کرتا پھرے۔ بلکہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی عام ہو اور لوگ ان کے پر اپنی گنڈے سے متاثر ہو کر ان کی افواہوں پر یقین کرنے لگیں، ان کے لئے دنیا و آخرت کا دردناک عذاب ہے۔ دنیا میں حداد و آخرت میں آتش جہنم۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** یعنی تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دو، فائدہ میں رہو گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **بُدِّعَ الْكَافِرُ خَدَّيْهِ** اذیت دو، نہ انہیں عار دلاؤ اور نہ ان کی پوشیدہ باتوں کی تُوہ میں رہو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی سب جوئی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سب کو ظاہر کر کے اسے اپنے گھر میں ہی رسوا کر دیتا ہے (1)۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَاَنَّ اللّٰهَ سَرُوءٌ سَرَّحِيمٌ ﴿١٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ - وَمَنْ يَتَّبِعِ الشَّيْطٰنَ فَاتَّهٖ يَأْصُرُ بِالنَّفْسِ خَسَاءً وَاكْفَرًا - وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ - وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١١﴾

”اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے)۔ اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر۔ اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے (اپنے پیروؤں کو) بے حیائی اور بربرے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی برسر۔ ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا نہ ہوتا تو اس وقت اور ہی معاملہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان اور ان پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اس تفسیر سے توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول فرمایا اور پاک ہونے والوں کو بذریعہ حد شرعی پاک کر دیا، پھر فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اے ایمان والو! شیطان کے طریقوں اور اس کی راہوں پر چلتے ہوئے اس کے حکم کی پیروی مت کرو اور جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے تو اسے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ وہ بے حیائی اور بربرے کام کا حکم دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں نہایت فصیح و بلیغ اور مختصر عبارات کے ذریعے شیطان سے نفرت دلا کر اس کے جھگنڈوں، وسوسوں اور چالوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خطوات الشیطان (شیطانی قدم) سے مراد شیطانی اعمال ہیں۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شیطانی وسوسے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہر معصیت اس میں داخل ہے۔ ابو یوسف کہتے ہیں کہ: فرمانی کے کاموں میں نذرین، ننا اس میں شامل ہے۔ حضرت سروق بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں نے خدا کی چیز کھانا حرام کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی انگیزت ہے۔ اپنی قسم کا کفارہ دو اور اسے کھاؤ (2)۔ ایک آدمی نے مشعی سے کہا کہ میں نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطانی بہکا ہوا ہے۔ ایسا مت کرو بلکہ اس کے عوض ایک مینڈھا ذبح کر دو۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میرا بیٹا بیوی سے جھگڑا

ہو گیا۔ وہ فرط غضب سے کہنے لگی کہ وہ ایک دن یہودی ہے، ایک دن نصرانی ہے اور اس کے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ شیطانی حرکت ہے۔ حضرت زینب بنت ام سلمہ نے بھی یہی فتویٰ دیا اور یہ اس وقت سب سے زیادہ دینی سمجھ بوجھ رکھنے والی تھیں۔ حضرت عاصم بن عمر سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا (1)۔ پھر فرمایا: وَلَا تَقْضُلُوا اللّٰہَ... یعنی اگر اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا نہ فرمائے اور نہ نفوس کو شرک، برے اخلاق اور دیگر اولادگیوں سے پاک رکھے تو نہ پاکیزگی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ خیر لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی کریم نوازی ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے پاک فرمادیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر کے گمراہی کی اتھاہ گمراہیوں میں پھینک دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا ہے اور یہ جانتے والا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔

وَلَا يَأْتِلُ اُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسْكِيْنَ وَانَّهُمْ حَرِيْمٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيُعْفُوْا وَيُغْفُوْا اَلَا تَتَجَنَّبُوْنَ اَنْ يَّعْفَرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

”اور نہ قسم کھائیں جو بڑے زیادہ ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں اور مسکینوں کو اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو۔ اور چاہئے کہ (یہ لوگ) معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ بخور رحیم ہے۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ تم میں سے صدقہ و احسان کرنے والے صاحب ثروت اور خوشحال لوگ اس بات کی قسم نہ کھ لیں کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں، مسکینوں اور مہاجرین کو کچھ نہیں دیں گے۔ اس آیت میں انتہائی لطف و کریم پر مبنی صلہ رحمی کا درس دیا جا رہا ہے، اس لئے فرمایا: وَيُعْفُوْا... یعنی انہیں چاہیے کہ ان کی بدسلوکی اور اذیت رسانی سے صرف نظر کرتے ہوئے عفو و درگزر سے کام لیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کریم اور لطف و احسان ہے کہ وہ اپنے بندوں سے درگزر فرماتا ہے باوجود اس کے کہ وہ اپنے اوپر ظلم ڈھاتے ہیں۔ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب آپ نے مسطح بن اثاثہ کی مالی امداد سے ہاتھ کھینچ لینے کی قسم اٹھائی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہت لگانے والوں میں وہ بھی شامل تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا حکم نازل کر دیا، مومن نفوس مطمئن اور پرسکون ہو گئے، اس تہمت میں شریک مسلمانوں کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور بعض پر شرعی حد کا نفاذ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے قریبی رشتہ دار حضرت مسطح بن اثاثہ کی طرف مائل کیا۔ یہ آپ کے خال زاد بھائی تھے۔ ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ان کا واحد سہارا تھے جو انہیں مالی تعاون فراہم کرتے تھے۔ یہ مہاجرین میں سے تھے۔ لغزش کھا بیٹھے اور تہمت لگانے والوں میں شریک ہو گئے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا اور ان پر حد لگی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سخاوت مشہور تھی۔ آپ ہر ایک کے ساتھ خواہ دور رشتہ دار ہوتا یا اجنبی، حسن سلوک سے پیش آتے، ان کی ضروریات کا خیال رکھتے اور ان پر دُش کھول کر خرچ کرتے۔ جب یہ آیت اتری: اَلَا تَتَجَنَّبُوْنَ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہاں، بخدا! ہم چاہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہماری بخشش فرما۔ اس ارشاد سے یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ جیسا عمل ہوگا ویسی ہی اس کی جزا

ہوگی۔ جس طرح تم کسی کی غلطی سے درگزر کرو گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح کا وظیفہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ میں اس کی ناروا حرکت کے باوجود اس کی مالی امداد نہیں روکوں گا، واقعی صدیق صدیق تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَكَانَ
عَذَابٌ عَظِيمًا ﴿٥٦﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَآيَاتُهُمْ وَآرْجُهُمْ بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿٥٧﴾ يَوْمَ مَبْدُؤُهُمْ فِيهِمْ اللَّهُ دِيانَتَهُمُ الْحَقُّ وَيَعْمَلُونَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٥٨﴾

”جو لوگ تمہت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر جو انجان ہیں ایمان والیاں ہیں ان پر پھینکا رہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ وہ یاد کریں اس دن کو جب گواہی دیں گی ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال پر جو وہ کیا کرتے تھے۔ اس روز پورا پورا دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ جس کے وہ حقدار ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہر بات واضح کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو وعید سنائی جا رہی ہے جو پاکدامن بھولی بھالی ایماندار عورتوں پر بدکاری کی تمہت لگاتے ہیں۔ جب عام مسلمان عورتوں کے متعلق یہ حکم نازل فرمایا تو ٹیک فطرت اور عفت شعار امہات المؤمنین بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کی وجہ سے اس ارشاد کا نزول ہوا۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہتا ہے اور یہ تمہت لگاتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی اور اگر کوئی باقی امہات المؤمنین کے بارے میں ایسی باتیں کرتا ہے تو اس کے بارے میں دو قول ہیں جن میں سے صحیح قول یہی ہے کہ وہ بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی ہی ہیں اور سب کا حکم یکساں ہے۔ فرمایا: لُعُنُوا اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ يُبْذُونَ لِقَاءَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ أَسْمَاءً ۖ يَمَسُونَ رَسُولَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ وَقَدُّوا رُءُوسَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُفْتِنُوا فَتَنَةَ اللَّهِ الَّتِي بُدِيَ فِيهَا لَمَّا إِذْ نَبَاؤُا أَنَّهُمْ سَمِعُوا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ يَدْعُو لَهُمْ ۖ هَؤُلَاءِ الْمُؤْمِنَاتُ الَّتِي أَهْلَنَّ اللَّهُ لَعْنَتَهُنَّ فِي الْآخِرَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٥٩﴾ (الاحزاب: 57) ”بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے اور اس نے ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ آیت صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص ہے۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور مقاتل بن حیان کا کہنا ہے کہ یہ آیت انّ الذین یبذون لقیاء اللہ ورسولہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ ابن جریر نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ نفل کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مجھ پر تمہت لگی تو میں بالکل انجان اور لاعلم تھی۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہوا۔ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے کہ آپ پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب آپ پر وحی اتری تھی تو آپ پر نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اختتام وحی پر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے چہرہ کو پونچھتے ہوئے فرمانے لگے: ”اے عائشہ! تمہیں خوشخبری ہو“ میں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے نہ کہ آپ کا۔ پھر آپ نے ان آیات انّ الذین یبذون لقیاء اللہ ورسولہ ورسولہ کی تلاوت کی (2)۔ یہ روایت اسی طرح ہے لیکن اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ اس کا نزول آپ ہی کے متعلق ہے لیکن حکم عام ہے اور شاید حضرت ابن عباس اور آپ کے ہم خیال حضرات کی مراد بھی یہی ہو۔ شاک، ابوالنجوزاء اور سلمہ بن شیبہ کا قول ہے کہ اس سے مراد

صرف حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں۔ باقی مومن عورتیں اس میں شامل نہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت سے مراد نبی کریم ﷺ کی ازواج ہیں جن پر ائیں افاق نے تہمت لگائی۔ اس کی پاداش میں یہ منافق، اللہ تعالیٰ کی لعنت، غضب اور ناراضگی کے مستحق ٹھہرے، اس کے بعد مومن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے والوں کے متعلق فرمایا: **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْفَحْشَاءَ لَمْ يُكْفَرُوا**۔ **فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ**۔ اس میں حد نذہ اور توبہ کا حکم نازل ہوا، توبہ تو قبول ہو جائے گی لیکن گواہی مردوسی رہے گی (1)۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورہ نور کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جب اس آیت **زَنَ الَّذِينَ يَزْمُونَ الْفَحْشَاءَ لَمْ يُكْفَرُوا** کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ ان پینچے تو آپ نے فرمایا کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات کے متعلق نازل ہوئی۔ ان پر تہمت لگانے والوں کی توبہ بھی مقبول نہیں، اس آیت میں ابہام ہے۔ پھر آپ نے اس آیت **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْفَحْشَاءَ لَمْ يُكْفَرُوا** کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ ان سے لئے توبہ کی گنجائش ہے یعنی عام مومن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کی توبہ مقبول ہے لیکن حضور ﷺ کی ازواج مطہرات پر بہتان باندھنے والوں کے لئے کوئی توبہ نہیں۔ یہ عمدہ تفسیر سن کر بعض حاضرین نے ارادہ کیا کہ آپ کی پیشانی چوم لیں (2)۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ اس آیت میں ابہام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر پانچ آدمی عورت پر تہمت لگانے کی حرمت میں یہ آیت عام ہے اور ایسے شخص کے لئے جو جھوٹی تہمت لگاتا ہے، دنیا و آخرت کی لعنت ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس سے مراد ساری مسلمان عورتیں ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بطریق اولیٰ اس میں داخل ہیں (3)۔ ابن جریر نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سات مہلک گناہوں سے بچو“ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ کون کون سے ہیں؟ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جا دو کرنا، کسی بے گناہ کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے بھاگنا اور پاکدامن انجان مومن عورتوں پر تہمت لگانا“ (4)۔

حضرت حدیثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”پانچ عورت پر بدکاری کی تہمت لگانا سوسال کے اعمال برباد کر دیتا ہے“ (5)۔ اس کے بعد فرمایا: **يَوْمَ تَشْفَعُ بَدُعْتِيَهُمْ** حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب شرکین دیکھیں گے کہ جنت میں سوائے نمازیوں کے اور کوئی داخل نہیں ہوتا تو وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آؤ ہم بھی انکار کر دیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے شرک کا انکار کرنے لگیں گے تو ان کے مومنوں پر مہر لگادی جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے اور وہ کوئی بات اللہ سے چھپائیں سکیں گے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن کافر اپنے اعمال پچھاننے کے باوجود انکار کر دیں گے اور جھگڑنے لگیں گے۔ انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہیں تمہارے پڑوسی جو تمہارے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ پھر کہا جائے گا کہ تمہارے خاندان اور قبیلے والے؟ وہ کہے گا کہ وہ بھی جھوٹے ہیں۔ اس کے بعد انہیں کہا جائے گا کہ تمہیں کھاؤ۔ پس وہ تھمتیں کھالیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں گواہی کر دے گا تو ان کے ہاتھ اور ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی پھر انہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا“ (6)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

2- صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 12، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 64

1- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 104

4- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 105

3- مجمع کبیر، جلد 3 صفحہ 168

6- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 106

5- صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2280-2281، سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 1 صفحہ 249

آپ جس سے یہ پھر فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں بنسا؟“ ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس جھگڑے کی وجہ سے جو بندہ اپنے رب سے کمرے گا، وہ کہے گا: اب پروردگار! کیا تو نے مجھے ظلم سے نہیں روکا تھا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں۔ وہ کہے گا کہ آج میں اپنے بارے میں سوائے اپنے کسی اور معتبر ماورئیس بھتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر یونہی ہی۔ آج تو ہی اپنا گواہ ہوگا اور گواہ کا تین بھی تیرے گواہ ہوں۔ چنانچہ اس سے منہ پر مہر لگائی جائے گی اور اس سے اعضاء نہ کہا جائے گا کہ بولو تو وہ اس کے ایک ایک عمل سے پروردگارا دیں گے۔ اس وقت بندہ کہے گا کہ تم غارت اور برباد ہو چکے۔ تمہاری خاطر ہی تو میں جھگڑا کر رہا تھا“ (5)۔ حضرت قرہ فرماتے ہیں: ”اے لیکن آدم! تیرے جسم کے اعضاء تم پر ایسے گواہ ہیں جو تہمت سے بالاتر ہیں، ان کا خیال رکھو اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس سب سے اللہ ہیرا بھی روشنی ہے اور چھپا ہوا بھی اس سے سانس ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے مرو۔ اللہ ہی کے ساتھ ہر قسم کی قوت ہے۔ فرمایا: **يَوْمَئِذٍ يُرَوِّدُ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ فِي قُلُوبِهِمْ** حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی ”دینہم“ کا لفظ آیا ہے، اس کا معنی حساب ہے۔ جہود کے نزدیک لفظ حق منسوب ہے کیونکہ یہ ”دینہم“ کی صفت ہے (1)۔ مجاہد نے لفظ جلالت کی صفت بتاتے ہوئے اسے مرفوع پڑھا ہے (7)۔ صحیفہ ابی بن کعب میں یوں ہے: **”يَوْمَئِذٍ يُرَوِّدُهُمُ اللَّهُ الْحَقُّ دِينَهُمْ“** (2)۔ فرمایا: **يَوْمَئِذٍ يُرَوِّدُهُمُ اللَّهُ الْحَقُّ دِينَهُمْ** یعنی وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ، وعید اور حساب عین عدل ہے جس میں ظلم و جور کا شائبہ تک نہیں۔

الْحَيِّثُ لِلْحَيِّثِينَ وَالْحَيِّثُونَ لِلْحَيِّثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ
أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۰﴾

ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے ہیں اور پاک (دامن) عورتیں پاک (دامن) مردوں کے لئے اور پاک (دامن) مرد پاک (دامن) عورتوں کے لئے ہیں۔ یہ مبرا ہیں ان (تہمتوں) سے جو وہ (ناپاک) لگاتے ہیں۔ ان کے لئے ہی (اللہ کی) بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ صبیٹ باتیں جھبٹ باتوں کے لئے اور صبیٹ لوگ جھبٹ باتوں کے لئے ہیں۔ پاکیزہ یا ہمیں پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ لوگ پاکیزہ باتوں کے لئے۔ یہ آیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ پر بہتان لگانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی جس میں یہ واضح کر دیا کہ بری کلام کے مستحق برے لوگ ہی ہیں اور اچھی کلام کے مستحق اچھے لوگ ہی ہیں۔ اہل لائق نے جو تہمت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی تھی، دراصل وہی اس نے سزاوار میں اور آپ رضی اللہ عنہا کا، امن مصمت اس سے بالکل صاف اور پاک ہے، اس لئے فرمایا: **أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ**۔ حضرت عبد الرحمن بن زید اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کیسے اور پاک (دامن) عورتیں پاک (دامن) مردوں کیسے اور پاک (دامن) مرد پاک (دامن) عورتوں کے لئے ہیں۔ اس تفسیر سے بھی وہی معنی لازم آتا ہے جس کا پہلا ذکر ہوا یعنی یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ غیر صیب ہو۔ چونکہ آپ ہر پاکیزہ سے زیادہ پاکیزہ ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آپ کی زوجہ بھی پاکیزہ ہی ہو ورنہ وہ کسی صورت میں بھی آپ ﷺ کی زوجیت میں نہیں آسکتی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت کرتی ہے کہ نبی کی

بیوی کا دامن اس قسم کی چیز سے آلودہ ہو، اس لئے فرمایا: **أُولَئِكَ مُّحَرَّمُونَ** یعنی یہ بہتان تراشنے والے ظالموں کی باتوں سے مبرا اور بہت بعید ہیں۔ ان کے بارے میں جو کذب بیانی کی گئی ہے اس کے باعث ان نفوس قدسہ کے لئے بخشش اور جنت میں عزت والی روزی ہے۔ اس میں یہ وعدہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ جنتی ہیں۔ حضرت اسیر بن جابر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے آج ولید بن عقبہ سے بڑی عمدہ کلام سنی ہے۔ حضرت عبداللہ فرمانے لگے کہ مومن آدمی کے دل میں ایک اچھی بات ہوتی ہے۔ وہ دل میں جاگزیں ہونے کے بعد اس کے سینے میں آ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اسے اپنی زبان سے بیان کر دیتا ہے تو اچھا آدمی اسے اخذ کر کے اپنے دل میں جگہ دیتا ہے۔ اسی طرح برے آدمی کے دل کی بری بات اس کے سینے سے ہوتی ہوئی اس کی زبان پر آ جاتی ہے، برا آدمی اسے سن کر اپنے دل میں محفوظ کر لیتا ہے، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (1)۔ اسی طرح کی ایک حدیث ہے: ”جو شخص حکمت کی باتیں سنے، پھر وہ ایسی بات بیان کرے جو سب سے زیادہ خراب ہو، اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو کسی بکریوں والے کے پاس آیا اور اس سے ایک بکری مانگی۔ اس نے کہا کہ جاؤ اور ریوڑ میں سے جو بکری تمہیں پسند ہو، لے لو۔ وہ گیا اور ریوڑ کے کتے کا کان پکڑ کر لے گیا“ (2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”حکمت مومن کی گمشدہ دولت ہے، جہاں وہ اسے پائے لے لے“ (3)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسْمِعُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا
ذَلِكَ غَيْرَ نَكَمٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ
لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ امْشَوْا فَاَمْشُوا أَرْكًا لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ لَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَ
مَا تَكْتُمُونَ ﴿٥٢﴾

”اے ایمان والو! نہ داخل ہو کرو (دوسروں کے) گھروں میں اپنے گھروں کے سوا، جب تک تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کرو ان گھروں میں رہنے والوں پر۔ یہی بہتر ہے تمہارے لئے، شاید تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کرو۔ پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ داخل ہو ان میں حتیٰ کہ اجازت دی جائے تمہیں۔ اور اگر کہا جائے تمہیں کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ (طرز معاشرت) بہت پاکیزہ ہے تمہارے لئے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جانتے والا ہے۔ کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی آباد نہیں، جن میں تمہارا سامان رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو شرعی آداب سکھا رہا ہے کہ وہ اجازت مانگے اور سلام کے بغیر دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوں۔ تین مرتبہ اذن طلب کرنا چاہیے، اگر اذن مل جائے تو بہتر ورنہ واپس لوٹ آئے جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور تین دفعہ اجازت مانگی۔ جب اجازت نہ ملی تو واپس لوٹ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

2- سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1396-1397، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 353

1- اندر اسٹیو جلد 6 صفحہ 168

3- مارضہ الاقوٰی، ابواب الغنم، جلد 10 صفحہ 159، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1359

تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ کیا عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں تھی جو اذن طلب کر رہے تھے، جاؤ اور نہیں بلالاً و لیکن وہ جا چکے تھے۔ دو بارہ جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی لیکن مجھے اجازت نہ ملی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ اذن طلب کرے لیکن اسے اذن نہ ملے تو وہ واپس لوٹ جائے“۔ حضرت عمر فرمانے لگے کہ اس پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انصار کے ایک مجمع میں گئے اور ان کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کا تذکرہ کیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ بات تو سبھی جانتے ہیں۔ ہم میں سے سب سے چھوٹا تمہارا ساتھ جا کر گواہی دے آئے گا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس حدیث کی سحت کی گواہی دی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ افسوس کرتے ہوئے کہنے لگے کہ بازاروں کے لین دین نے مجھے اس مسئلہ سے غافل رکھا (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے اجازت مانگتے ہوئے فرمایا: ”اسلام علیک ورحمۃ اللہ علیہ، حضرت سعد نے چپکے سے وعلیک اسلام ورحمۃ اللہ علیہ کہا جسے حضور ﷺ نہ سن سکے۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ جب آپ ﷺ واپس جانے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ کے ہر سلام کو سنا اور جواب بھی دیا لیکن اونچی آواز میں جواب اس لئے نہیں دیا تاکہ آپ کے زیادہ سلام فرمانے سے مجھے زیادہ برکت حاصل ہو۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو اپنے گھر میں لے آئے اور کشمش پیش کی۔ آپ نے اسے تناول فرمایا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: ”نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا، فرشتوں نے تم پر رحمت بھیجی اور روزہ داروں نے تمہارے ہاں افطاری کی“ (2)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کے بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور فرمایا: ”اسلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ“۔ حضرت سعد نے آہستہ سے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا کہ کیا آپ رسول اللہ ﷺ کو اجازت نہیں دیں گے؟ انہوں نے فرمایا: ٹھہرو، حضور ﷺ کو زیادہ سے زیادہ سلام کر لینے دو۔ دوسری مرتبہ حضور ﷺ کے سلام فرمانے پر بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وہی ہی آواز سے سلام کا جواب دیا، پھر تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسری دفعہ بھی اذن نہ ملنے پر رسول اللہ ﷺ جب واپس تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد آپ ﷺ کے پیچھے لپکے اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کے سلام سن رہا تھا اور جواب بھی دے رہا تھا لیکن چپکے چپکے، اس کا مقصد یہ تھا کہ حضور ﷺ مجھے بار بار سلام فرمائیں اور مجھے اس کی برکت حاصل ہو۔ چنانچہ حضور ﷺ حضرت سعد کے ساتھ واپس ان کے گھر تشریف لے آئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے زعفران یا درس سے رنگی ہوئی ایک چادر آپ کی خدمت میں پیش کی جسے آپ نے جسم مبارک سے لپیٹ لیا، پھر اپنے ہاتھ اتھا کر یہ دعا کی: ”اے اللہ! سعد بن عبادہ کی آل پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما“۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد اپنے دراز گوش پر بالان کس لائے اور حضور ﷺ کو سواری کیلئے پیش کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔ حضرت سعد نے فرمایا: اے قیس! حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ جاؤ۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم بھی سوار ہو جاؤ لیکن میں نے معذرت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یا

تو سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ میں واپس چلا آیا (1)۔ اجازت طلب کرنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اجازت مانگنے والا دروازے کے بائیں سامنے نہیں بلکہ دروازے کے دائیں بائیں جانب کھڑا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے گھر تشریف سے جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے نہ کھڑے ہوتے، بلکہ دائیں بائیں جانب کھڑے ہو کر اسوا مسلم السلام علیکم کہتے، کیونکہ اس وقت دروازوں پر پردے لگانے کا رواج نہیں تھا (2)۔ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنے لگا تو آپ ﷺ نے اسے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح دائیں بائیں کھڑے ہو کر اجازت مانگا کر۔ اجازت اسی لئے مقرر کی گئی ہے تاکہ نظر نہ پڑے (3)۔ ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص تیرے گھر میں تیری اجازت کے بغیر جھانکنے لگا تو نے ننگے ماراں کی آکھ پھوڑی تو تجھے کوئی گناؤ نہیں ہوگا" (4)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد مرحوم کے قرض کی ادائیگی کی فکر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں میں۔ گویا ایسا کہنا آپ کو ناگوار گذرنا (5)۔ اور بات بھی ایسے ہی ہے کیونکہ نام یا کنیت طہ ہر کئے بغیر صرف میں کہنے سے تو پتہ نہیں چلتا کہ کون ہے۔ "میں" تو ہر شخص اپنے لئے کہہ سکتا ہے، اس لئے صرف "میں" کہہ کر اجازت طلب کرنے سے وہ مقصود حاصل نہیں ہوتا جس کا حکم آیت کریمہ میں دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "استئناس" کا معنی ہے اذن طلب کرنا اور آیت کریمہ میں "تَسْتَأْنِسُوا" کی بجائے "تَسْتَأْنِسُوا" کا لفظ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "تَسْتَأْنِسُوا" کا معنی ہے اذن طلب کرنا اور آیت کریمہ میں "تَسْتَأْنِسُوا" کی بجائے "تَسْتَأْنِسُوا" کا لفظ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (6)۔ ایک مرتبہ صفوان بن امیہ نے کلد و بن حنبل کو نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا۔ آپ ﷺ اس وقت وادئ کی بالائی طرف تھے۔ کلد و بیان کرتے ہیں کہ جب میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نہ میں نے سلام کیا اور نہ ہی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "واپس جاؤ اور ہو اسلام علیکم کیا میں حاضر ہو جاؤں" (7)۔ اس وقت صفوان رضی اللہ عنہ اسلام لایچکے تھے۔ قبیلہ بنو مرکا ایک شخص آپ ﷺ کے گھر آیا اور اجازت طلب کرتے ہوئے کہنے لگا کہ کیا میں اندر آ جاؤں؟ نبی کریم ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: "باہر جاؤ اور اس شخص کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ، اسے بتاؤ کہ یوں کہا کرو: السلام علیکم، کیا میں آ سکتا ہوں"۔ اس شخص نے جب یہ بات سنی تو اسی طرح کہنے لگا: السلام علیکم، کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور وہ اندر آ گیا (8)۔ اسی طرح ایک مرتبہ جب ایک آدمی نے بغیر سلام کے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو نبی کریم ﷺ نے اپنی روضہ نامی باندی سے فرمایا: "جاؤ، اسے اذن طلب کرنے کی تعلیم دو، اسے اذن طلب کرنے کا طریقہ معلوم نہیں، اسے بتاؤ کہ یوں کہا کرے: السلام علیکم، کیا میں اندر داخل ہو سکتا ہوں"۔

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاب، جلد 4 صفحہ 341

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاب، جلد 4 صفحہ 347-348

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاب، جلد 4 صفحہ 344

4۔ صحیح بخاری، کتاب لدریت، جلد 9 صفحہ 13 صحیح مسلم، کتاب آداب، جلد 3 صفحہ 1699

5۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئناس، جلد 8 صفحہ 68 صحیح مسلم، کتاب آداب، جلد 3 صفحہ 1697

6۔ تفسیر طبری، جلد 18 سنن ابی داؤد، کتاب الاب، جلد 4 صفحہ 109-110-112

8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاب، جلد 4 صفحہ 345

7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاب، جلد 4 صفحہ 344 سنن ابی داؤد، کتاب الاب، جلد 4 صفحہ 414 وغیرہ

اس آدمی نے جب یہ سن تو ان طریقہ سے اجازت مانگی۔ چنانچہ آپ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی (1)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”پہلے سلام، پھر کلام“ (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جنت سے واپس آ رہے تھے، شدید گرمی کے باعث آپ ایک قریشی عورت کے پیچھے پر آئے اور فرمایا: اسلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ عورت نے جواب دیا کہ سناتھی کے ساتھ آ جاؤ۔ آپ نے پھر ایسا کہا تو اس نے بھی وہی جواب دہرا دیا۔ آپ کے پاؤں اٹل رہے تھے، کبھی آپ اس قدم پر سہارا لیتے اور کبھی اس قدم پر۔ آپ نے فرمایا یوں کہو کہ داخل ہو جاؤ۔ اس نے کہا: اٹل ہو جاؤ تو آپ اندر داخل ہو گئے۔ ام ایسا بیان کرتی ہیں کہ ہم چار عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا کہ کیا ہم اندر آ جا سکتیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، تم میں سے جو اذن طلب کرنے کا طریقہ جانتی ہے، وہ اذن طلب کرے تو ایک عورت نے السلام علیکم کے بعد کہا کہ یہ ہم آ جا سکتیں؟ آپ نے انہیں اجازت دے دی اور یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اپنی ماؤں اور بہنوں کے پاس جاتے ہوئے بھی اجازت طلب کیا کرو۔ ایک انصاری عورت نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں بسا اوقات گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ مجھے اس حالت میں کوئی دیکھے یہاں تک کہ اگر میرا والد یا بیٹا بھی ہو تو بھی مجھے ان کا آنا اچھا نہیں لگتا۔ میں میرے اہل خانہ سے کوئی نہ کوئی مرد اس حالت میں بھی میرے پاس آتا رہتا ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تین آیات ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عین ترک کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّ أَوْلَىٰ مَعَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَشْكُرُونَ** (الحجرات: 13) لیکن لوگ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ خوشحال ہو۔ لوگوں نے ادب کی آیات کو بھی نظر انداز کر رکھا ہے۔ حضرت عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی ان یتیم بہنوں سے بھی اجازت مانگوں جو میری کفالت میں میرے ساتھ ایک ہی گھر میں رہ رہی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے دوبارہ پھر سوال کیا تو کہ رخصت کی کوئی صورت نہیں آئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم انہیں برہنہ دیکھنا پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں تو آپ نے فرمایا پھر اذن طلب کیا کرو۔ میں نے ایک بار پھر یہ مسئلہ آپ کے سامنے رکھا تو آپ فرماتے ہوئے گئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا پھر اجازت مانگا کرو۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ محرم عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑنے سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہیں۔ آپ اس معاملہ میں بہت سخت تھے۔ حضرت عطاء سے پوچھا گیا کہ اپنی بیوی کے پاس جاتے ہوئے بھی اذن ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں (4)۔ لیکن اسے عدم وجوب پر محمول کیا جائے گا یعنی بیوی سے اذن طلب کرنا ضروری نہیں، البتہ بہتر یہی ہے کہ اطلاع کی جائے اور اچانک آدھکنے سے احتراز کیا جائے کیونکہ ممکن ہے وہ ایسی حالت میں ہو جس میں وہ نہ چاہتی ہو کہ اس کا خاوند اسے دیکھے۔ حضرت زینب زوجہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت عبد اللہ گھر آتے تو دروازہ پر پہنچ کر کھٹکارتے اور تھوکتے یا کسی سے بلند آواز کے ساتھ باتیں کرتے کیونکہ آپ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ اچانک کسی نا پسندیدہ چیز پر نظر پڑ جائے (5)۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ کھٹکالیا کرو یا تھوک نیا کرو (6)۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اس کے

2۔۔۔ روضة الاموات، ادب الاستدال، جلد 10 صفحہ 173-174

4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 111-112

6۔ تفسیر صبری، جلد 18 صفحہ 111

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 110

3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 110-111

5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 112

لیے مستحب ہے کہ وہ کھانے یا جوتوں کی آہٹ سے انہیں خبردار کر دے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت بغیر اطلاع کے اپنے گھر آنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں گھر والوں کی خیانت کے تجسس کا شائبہ ہے (1)۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صبح کے وقت سفر سے واپس آئے اور مدینہ شریف سے باہر ہی پھرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: ”انتظار کرو یہاں تک کہ ہم شام کے وقت گھروں میں داخل ہوں گے تاکہ جن عورتوں کے خاوند غائب ہیں، انہیں ان کی آمد کی اطلاع ہو جائے اور وہ اپنی صفائی ستھرائی کر لیں“ (2)۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ سلامتی ہم جانتے ہیں لیکن استہناس کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی سبحان اللہ یا اللہ اکبر یا اللہ الحمد اللہ کہہ کر یا کھنکھار کر گھر والوں کو اپنی آمد کی اطلاع دے“ (3)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ فقہاء اس فرمان ”تستنسوا“ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے تمہیں دفعہ اذن طلب کرنا۔ جسے اذن نہ ملے اسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔ پہلی دفعہ اذن طلب کرے تاکہ گھر والے سن لیں، دوسری دفعہ وہ محتاط ہو جائیں اور تیسری دفعہ اذن طلب کرنے پر وہ چاہیں تو اذن دے دیں اور اگر چاہیں تو واپس لوٹادیں۔ اجازت نہ ملے تو دروازے پر نہیں کھڑا رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کی اپنی مجبوریاں، ضروریات اور مصروفیات ہوتی ہیں۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب ایک آدمی دوسرے سے متواتر سلام نہ کرتا بلکہ یہ کہتا: حَيِّتْ صَبَاحًا (صبح بخیر) اور حَيِّتْ مَسَاءً (شب بخیر)۔ یہی ان کا آپس میں سلام تھا اور جب ان میں سے کوئی دوسرے کے گھر جاتا تو بغیر اجازت مانگنے اس کے گھر جاتا اور صرف اتنا کہہ دیتا میں آ گیا ہوں۔ صاحب خانہ کو یہ چیز براں گذرتی کیونکہ بسا اوقات وہ اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتا کہ اس کا آنا سے ناگوار گذرتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ برے طریقے تبدیل کر کے ایسا اچھا دستور مقرر کیا جو نہایت پاکیزہ اور مفید ہے۔ متاع کا قبول بہت عمدہ ہے، اسی لئے فرمایا: لِيُكْمَلْ حَيَاتُكُمْ لِيُعْنِي حَلْبُ اذْنِ طَرْفَيْنِ (اذن طلب کرنے والے اور گھر والوں) کیلئے بہتر ہے۔ پھر فرمایا: قَانَ لَهٗ تَجِدُكَ وَوَدَّ۔ یعنی اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ جو تمہیں اجازت دے تو بغیر اجازت کے داخل نہ ہو کیونکہ یہ دوسرے کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف ہے جو یقیناً ناجائز ہے۔ یہ تو اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ اگر وہ چاہے تو اجازت دے اور اگر نہ چاہے تو نہ دے اور اگر اذن طلب کرنے سے پہلے یا بعد میں واپس لوٹ جانے کے لئے کہہ جائے تو واپس لوٹ جاؤ۔ تمہارا واپس لوٹنا تمہارے لئے زیادہ موزوں اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ کسی مہاجر صحنی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ساری عمر اس ہات کی خواہش رہی کہ اس آیت پر عمل کرنے کا موقع مل جائے، کبھی ایسا موقعہ میسر نہیں آیا کہ کسی سے اجازت طلب کرنے پر اس نے کہا ہو کہ وہ ایسے چلے جاؤ تاکہ میں خوشی سے واپس چلا جاؤ (4)۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اگر اجازت نہ ملے تو دروازے پر نہ کھڑے رہو۔ پھر فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ... یہ آیت کریمہ پہلی آیت سے خاص ہے کیونکہ اس میں ان گھروں میں بغیر اذن کے بھی داخل ہونے کا جواز ہے جن میں کوئی آباد نہیں ہوتا اور وہاں اس کا کوئی سامان وغیرہ ہو، مثلاً مہمان خانہ یہاں الریگی بار اجازت مل گئی تو وہی کافی ہے، ہر بار اجازت کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت پہلی آیت سے استثناء سے (5)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرائیں، مسافر خانے اور دوکانیں وغیرہ ہیں لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں اس سے مراد خیمے ہیں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعام، جلد 9 صفحہ 339، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1528

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعام، جلد 9 صفحہ 343، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1527

3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 113، مادہ الرکوع، جلد 6 صفحہ 176

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1221

5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 115

قُلْ الْمَوْتُ يَأْتِي بَعْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا أَمْوَالَهُمْ ۗ ذَٰلِكَ آيَاتُنَا لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ حَسِيرٌ
بِمَا يُصْنَعُونَ ﴿٥١﴾

”آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ نچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی۔ یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے ان کے لئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کاموں سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان چیزوں سے نگاہ نیچی رکھنے کا حکم فرما رہا ہے جن کا دیکھنا اس نے حرام قرار دیا ہے، بس لئے نگاہ صرف ان چیزوں پر ڈالنی چاہیے جنہیں دیکھنا مباح ہے اور صحیح رمک طرف نظر دوڑانے سے بچنا چاہیے۔ اگر اتفاق سے ناوانستہ نظر پڑ جائے تو فوراً اس سے نظر کو پھیر لینا چاہیے جیسا کہ حضرت جریر بن عبد اللہ الجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے کسی اجنبیہ عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کی بابت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ نگاہ فوراً ہٹا لیا کرو (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نگاہ جھکا لیں کرو۔ نگاہ پھیر لینا جھکانے کی نسبت عام ہے کیونکہ اس میں نگاہ کو زمین کی طرف جھکانا بھی شامل ہے اور کسی دوسری طرف کر لینا بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اے علی! ایک نذر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو، پہلی معاف ہے لیکن دوسری پر سواخذہ ہے“ (2)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں یہاں بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، ہم تو یہاں باتیں کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم یہاں بیٹھنے پر مصر ہو تو راستے کو اس کا حق دو۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! راستے کا کیا حق ہے؟ فرمایا: نگاہ نیچی رکھنا، ایذا برسانی سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا، سب کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا“ (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھجھکتا نہ ہو، جب اسے امن بناؤ جو بے توخیاست نہ کرے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے، اپنی نگاہیں نیچی رکھو، اپنے ہاتھوں کو روکو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو“ (4)۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ”جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے کہ جو اس کے جیزوں کے درمیان (زبان) ہے اور جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں“ (5)۔ حضرت عبیدہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ کام گناہ کبیرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا موجب بنے۔ اللہ تعالیٰ نے دو طرفوں کا ذکر فرمایا۔ نظر چونکہ دل کے فساد کا سبب ہے اس لئے اسے نیچے رکھنے کا حکم دیا جیسا کہ بعض سلف کا کہنا ہے کہ نظر دل کے لئے زہریلا تیر ہے، نگاہیں جو شہوانی جذبات کو مشتعل کرنے کی محرکات ہیں جس طرح آنکھیں نیچا رکھنے کا حکم دیا، اسی طرح شرمگاہوں کی حفاظت کا بھی حکم دیا۔ شرمگاہ کی حفاظت کبھی تو زنا سے اجتناب کرنے سے ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَاتَّقُوا رَبَّ ۚ هُمْ بِهِمْ حٰفِظُونَ (الماعز: 29) اور کبھی نگاہ کو محفوظ رکھنے کے باعث جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو بجز اپنی بیوی اور اپنی لونڈی کے“ (6)۔ فرمایا: ذٰلِكَ آيَاتُنَا لِيَعْلَمَ بَعْضُ مَا يَصْنَعُونَ (الماعز: 29) اور ان کے دین کے لئے تقویٰ کا باعث ہے جیسا کہ کہا گیا

1- صحیح مسلم کتاب آداب، جلد 3 صفحہ 1699-1700، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 246، غیرہ

2- سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 246، عارفتہ الاحوذی، ابواب اللادب، جلد 10 صفحہ 229

3- صحیح بخاری، کتاب الاطعمہ، جلد 3 صفحہ 173، صحیح مسلم، کتاب العس، جلد 3 صفحہ 1675

4- معجم کبیر، جلد 8 صفحہ 314

5- صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 8 صفحہ 125

6- سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 40-41، مستدرج، جلد 5 صفحہ 3-4، غیرہ

ہے: جس نے اپنی نظر کی حفاظت کی، اللہ تعالیٰ اسے نور بصیرت عطا فرمادیتا ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس مسلمان کی کسی عورت کے محاسن پر نظر پڑ جائے، پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اسے ایسی عبادت عطا فرماتا ہے جس کی عبادت وہ اپنے دل میں پاتا ہے" (1)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہی مرفوعاً مروی ہے: "تمہیں اپنی نگاہیں نیچی رکھنا ہوں گی، تمہیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا ہوگی اور تمہیں اپنے چہرے سے کھنا پڑیں گے ورنہ تمہارے چہرے گلہ جاکیں گے" (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث قدسی میں فرمایا: "نظر شیطان کے تیروں میں سے زہر آلود تیر ہے، جو اسے میرے خوف سے ترک کرتا ہے، میں اسے اس کے بدلہ میں ایمان کی نعمت بخشوں گا جس کی محاسن وہ اپنے دل میں پائے گا" (3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: (رَبِّكَ الَّذِي يُبَدِّلُ مَا يُصْنَعُونَ، اِذَا حَضَرَ لَكُم مِّنْ عَدُوٍّ فَعَدُوًّا يُغَيِّرُ نَسَبًا يَوْمَ يُغَيِّرُ عَضُدَهُمْ فَالْعَدُوُّ يُصْبِحُ لِلْعَدُوِّ وَالْبَتَّةَ وَالْكَافِرُ يَصْبِحُ لِلْكَافِرِ بِالْبَتَّةِ وَالَّذِي يَكْفُرُ بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ يَكْفُرْ عَنِ النَّبِيِّ ذَاتًا) (19)۔ "جو جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ لامحالہ پائے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا، کانوں کا زنا سننا، ہاتھوں کا زنا پکڑنا، ناکوں کا زنا چلنا، نفس تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے" (4)۔ اکثر مسقف نے بے ریش لڑکے کو نظر ہر کر اور گھور کر دیکھنے کی ممانعت کی ہے۔ صوفیہ کی اکثریت نے اس معاملہ میں بہت سختی سے کام لیا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اسے حرام کہا ہے کیونکہ اس میں نشہ کا اندیشہ ہے۔ بعض دیگر حضرات نے اس سے بھی زیادہ سختی کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی، بجز اس آنکھ کے جو حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے بند رہی، اور وہ آنکھ جو خدا کی راہ میں بیدار رہی اور وہ آنکھ جو خوف خدا کے باعث روئی، اگرچہ اس میں سے صرف کبھی کے سر کے برابر ہی آنسو نکلا ہو"۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَعْضُرْنَ عَنِّي وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَيُضْرِبْنَ بِخُضْرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَبَائِهِنَّ اَوْ اَبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاؤِهِنَّ اَوْ اَبْنَاؤِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَخْوَانِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ اَخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِي اَخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِي اَخْوَانِ اَخْوَانِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوْ التَّيْبَعَاتِ غَيْرِ اُولِي اِلْرَبِّ بِتِهِنَّ مِنَ الرِّجَالِ اَوْ الظُّلُمِ اَلْبَيْنِ لَمْ يَطْفُرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يُضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنَ زِينَتِهِنَّ وَتَوْبُوا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا يَا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَنَكُمُ تَفْلِحُونَ ﴿٢٠﴾

"اور آپ حکم دیجئے ایماندار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے اور ڈالے رہیں اپنی اور حمایاں اپنے گریبانوں پر۔ اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لئے یا اپنے بیٹوں کے لئے یا اپنے

2- مجملہ کبیر، جلد 8 صفحہ 246

1- سند احمد، جلد 5 صفحہ 264، مجملہ کبیر، جلد 8 صفحہ 247

4- تصحیح بخاری، کتاب الاستحسان، جلد 8 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2046

3- مجملہ کبیر، جلد 10 صفحہ 214

خاندان کے بیٹوں کے لئے یا اپنے بھائیوں کے لئے یا اپنے بھتیجیوں کے لئے یا اپنے بھانجیوں کے لئے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندھیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت کے) خواہشمند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں پر اور نہ زور سے واریں اپنے پاؤں (زمین پر) تاکہ معلوم ہو جاوے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں۔ اور رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) باہم راہ ہو جاؤ۔“

اس آیت کریمہ میں ایماندار عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، ان کے ایماندار خاندانوں کے لئے اظہارِ غیرت ہے اور زمانہ جاہلیت کی عورتوں سے ان کی امتیازی شان کا بیان ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اسماء بنت مرشد رضی اللہ عنہا بنی حارثہ کے محلہ میں رہائش پذیر تھیں۔ عورتیں ان کے پاس بغیر چادر اور ڈھکے ہوئے آتیں تو ان کے پاؤں میں پازیب نماہوں ہوتے اور ان کے سینے اور سر کے بال کھلے ہوتے۔ حضرت اسماء نے کہا کہ یہ کتنی بری بات ہے اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ فرمایا: وَقُلْ لِمَنْ هِيَ وَهِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا عورتیں سوائے اپنے شوہروں کو دیکھنے کے ہر اس شخص سے اپنی نگاہیں چھپا کر لیا کریں جس کا دیکھنا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا ہے۔ اس لئے علماء کی اکثریت کا کہنا ہے کہ جنہیں مردوں کو دیکھنا عورت کے لئے جائز نہیں ہے خواہ شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجی ہوئی تھیں کہ ابن ام کلثوم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا: ”پردہ کر لو“۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! تو تو نا بیجا میں، نہ ہمیں دیکھیں گے اور نہ بیجا نہیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم نا بیجا ہو؟ کیا تم اسے نہیں دیکھ رہی؟“ (2)۔ بعض دیگر علماء کا یہ موقف ہے کہ عورتوں کا بغیر شہوت کے جنسی مردوں کو دیکھنا جواز ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن حبشی لوگوں نے مسجد میں تھمیا روں کے کرتب دکھانا شروع کئے۔ حضور ﷺ ان کا کھیل دیکھنے لگے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کی آڑ میں پیچھے کھڑے ہو کر انہیں دیکھنے لگیں یہاں تک کہ جی بھر گیا تو واپس چلی گئیں (3)۔ فرمایا: وَقَدْ سَمِعْتُ فَرْدَوْسَ بِنْتُ سَعِيدِ بْنِ جَبْرِ اس کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ بے حیائی کے کاموں سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ عقادہ اور سنیان فرماتے ہیں کہ وہ ہر اس چیز سے اپنی شرمگاہوں کو بچائیں جو ان کے لئے حلال نہیں ہے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ زنا سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی حفظ فروج کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد زنا سے احتیاط کرنا ہے لیکن یہاں اس سے مراد ستر پوشی ہے تاکہ ان پر نظر نہ پڑے۔ فرمایا: وَكَذَلِكَ يُبَيِّنُ . یعنی جنسی مردوں کے سامنے اپنی زینت و آرائش ظاہر نہ کریں، بجز اس کے کہ جس کا چھپانا ممکن نہیں جیسے چادر بالائی کپڑے اور کپڑوں کے نچلے حصے جن کے اظہار میں کوئی حرج نہیں کیونکہ انہیں پوشیدہ رکھنا ناممکن ہے۔ یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن، ابن سیرین، ابوالجوزاء اور ابراہیم نخعی وغیرہ کا ہے۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر، عطاء، عکرمہ، سعید بن جبیر، حجاج وغیرہ سے منقول ہے کہ عورت کے لئے جس زینت کا ظاہر کرنا جائز ہے اس سے مراد اس کا چہرہ، ہاتھ اور انگوٹھی ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس زینت کی تفسیر ہو جس کے اظہار سے عورتوں کو منع کیا گیا ہے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 179 حوالہ ابن ابی حاتم

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 64063، عارفہ الاحوذی، باب الادب، جلد 10 صفحہ 230

3۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 549، صحیح مسلم، کتاب صلاة العیدین، جلد 2 صفحہ 808-810

جیسا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زینت جس کے اظہار کی ممانعت ہے اس سے مراد بانیاں، چوڑیاں، پازریب اور ہار ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زینت دو قسم کی ہے: ایک وہ جسے صرف خاوند ہی دیکھ سکتا ہے جیسے انگوٹھی اور کنگن اور دوسری زینت وہ جسے اجنبی بھی دیکھتے ہیں جیسے اوپر کے کپڑے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور رشتہ داروں کے سامنے اگر کنگن، دوپٹے اور بالیاں از خود کھل جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن عام لوگوں کے سامنے صرف انگوٹھیاں ظاہر ہو جائیں تو قابل مواخذہ نہیں۔ امام موصوف ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ جس زینت کا ظاہر کرنا عورت کے لئے جائز ہے اس سے مراد انگوٹھی اور پازریب ہے۔ ہو سکتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم خیال علماء نے مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر چہرے اور ہاتھوں سے کی ہو، جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ اس وقت ابی بکر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے پاس آئیں، اس وقت انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: 'اسے اسماء! جب عورت بالٹ ہو جائے تو اس کے لئے اس (چہرہ اور ہاتھ) کے سوا کوئی عضو دکھانا جائز نہیں' (1)۔ یہ حدیث مرس ہے۔ پھر فرمایا: وَيُضْفَرُونَ بِخُبْرٍ هَيَّ عَلَى جُبُوبِهِمْ یعنی عورتیں اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے رکھیں تاکہ ان کے سینے، گردن وغیرہ لوگوں کی نظروں سے چھپ جائیں۔ زمانہ جاہلیت میں عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ اپنے سینے ڈھانپنے بغیر ہی مردوں کے سامنے چلی آتی تھیں۔ اس طرح بسا اوقات ان کی مرد نہیں، ہال اور بالیاں صاف نظر آتی تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایماندار عورتوں کو حکم دیا کہ وہ خود کو پردہ میں رکھیں جیسا کہ فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَا رَأَوْا مِنْ حُلِيِّكُمْ فَآيَاكُمْ لَا تَرَوْنَهُمْ وَلَا تَرَوْا كُنُوزَهُمْ وَلَا تَلْبَسُوا مِنْهَا شَيْئًا وَلَا تَحْمِلُوا حِمْلًا كَمَا حَمَلْتُمْ أَنْتُم مِّنْ قَبْلِ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَنَ (الاحزاب: 59) "اے نبی کریم! آپ اپنی ازواج مطہرات، اپنی صاحبزادیوں اور جملہ امثال ایمان کی عورتوں کو فرمائیے کہ وہ (باہر نکلتے وقت) اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو ڈال لیا کریں، اس طرح وہ آسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا۔" اور یہاں فرمایا: وَيُضْفَرُونَ... فخر خدائی جمع ہے، اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے سر کو ڈھانپنا جاتا ہے یعنی اوڑھنی اور دوپٹہ۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ عورتیں اچھی طرح اپنے دوپٹے اوڑھ لیں تاکہ ان کی گردنیں اور سینے دکھائی نہ دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے پہل بھرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے کہ جب انہوں نے یہ فرمان دیا: وَيُضْفَرُونَ سنا تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر اوڑھنیاں بنا لیں (2)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ان عورتوں نے اپنی چادروں کے کنارے کات کر کے ان سے اپنا سر اور جسم ڈھانپ لیا (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چند عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے قریشی عورتوں کی فضیلت کا ذکر کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بلاشبہ انہیں فضیلت حاصل ہے لیکن میں نے کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو انصاری عورتوں سے بڑھ کر قرآن کریم کی تصدیق اور اس پر ایمان لانے والی ہوں۔ جب سورہ نور کا یہ حکم دیا: وَيُضْفَرُونَ .. نازل ہوا اور ان کے مردوں نے گھر جا کر اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں اور دوسری رشتہ دار خواتین کو یہ حکم سنایا تو انہوں نے تعمیل ارشاد میں فوراً پردے کی پابندی کو شعار بنا لیا۔ جب وہ صبح کی نماز میں آئیں تو ان کے سروں پر اوڑھنیاں تھیں (3)۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا... یہاں شوہر کے علاوہ عورت کے محرم رشتہ داروں کا ذکر ہے جن کے سامنے اظہار زینت کی ممانعت نہیں لیکن بناؤ سنگھار کے بغیر اور شرم و حیاء کے ساتھ۔ شععی اور حکمرمہ

2- صحیح بخاری تفسیر سورہ نور، جلد 6 صفحہ 136

1- سنن ابی داؤد کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 62

3- سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 61، الدر المنثور جلد 6 صفحہ 181

فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں بیچا اور ماموں کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی محرم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ان کے محاسن بیان کر سکتے ہیں اس لئے ان کے سامنے عورتیں بغیر روپے کے نہ آئیں۔ جہاں تک خاوند کا تعلق ہے تو یہ زیب و زینت اسی کے لئے تو ہوتی ہے، اس لئے عورت کو اپنے خاوند کیلئے بن سنور کر رہنا چاہیے۔ خاوند کے علاوہ کسی اور کے لئے ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ آیت کریمہ میں زینتاً جوہی سے مراد مسلمان عورتیں ہیں جن کے سامنے اظہار زینت جائز ہے لیکن اہل ذمہ کی عورتوں کے سامنے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے مردوں کے سامنے ان کے محاسن بیان کریں۔ یہ اندیشا اگرچہ مومن عورتوں کے متعلق بھی ہو سکتا ہے لیکن ذمی عورتوں کے متعلق یہ اندیشہ زیادہ ہے کیونکہ انہیں ایسا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ اس کے برعکس مسلمان عورتیں جانتی ہیں کہ شریعت نے ایسا کرنا حرام قرار دیا ہے اس لئے وہ عموماً اس سے باز رہتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”کوئی عورت کسی عورت کے اوصاف اپنے خاوند کے سامنے اس طرح بیان نہ کرے کہ گویا وہ اسے دکھ رہا ہے“ (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض مسلمان عورتیں مشرک عورتوں کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں، اس سے روک دو کیونکہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم عورت کے سامنے اپنا ستر کھولے (2)۔ حضرت مجاہد بھی ”اَوْيَسْلِيهِنَّ“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں نہ کہ مشرک عورتیں کیونکہ مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مشرک کے سامنے اپنا جسم کھولے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں، ان کے سامنے عورت اپنی وہ زینت ظاہر کر سکتی ہے جو اپنے ذمی محرم رشتہ داروں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے یعنی گلا، بالیاں، ہار۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ مسلمان عورت کسی مشرک عورت کے سامنے اپنا دوپٹہ نہیں اتار سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اَوْيَسْلِيهِنَّ“ اور غیر مسلم عورتیں ان میں داخل نہیں (3)۔ کھول اور عبادہ نے مسلمان عورت کے لئے یہودی، نصرانی اور مجوسی عورتوں کو بطور دوا یہ مکرہ قرار دیا ہے۔ مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب بیت المقدس پہنچے تو ان کی عورتوں کے لئے یہودی اور نصرانی عورتیں ہی دایہ تھیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اسے ضرورت پر یا ان عورتوں کی ذلت پر محمول کیا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں غیر ضروری جسم کا کھلنا بھی نہیں ہے۔ ابن جریر یٰ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مشرک عورتیں ہیں (4)۔ مشرک عورتوں میں سے اپنی لونڈیوں کے سامنے اظہار زینت پر کوئی حرج نہیں۔ حضرت سعید بن مسیب کا یہی مذہب ہے۔ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ غلام اور لونڈی کا ایک ہی حکم ہے۔ دونوں کے سامنے اظہار زینت پر کوئی گرفت نہیں۔ اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک غلام بہہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ غلام کو دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دوپٹہ اوڑھنے لگیں۔ کچھ چونکہ چھوٹا تھا اس لئے اگر سر ڈھاٹتیں تو پاؤں کھلے جاتے اور اگر پاؤں پڑتیں تو سر کھل جاتا۔ یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا: ”بیٹی! تم پر کوئی حرج نہیں، تمہارے سامنے تمہارے والد اور غلام کے سوا کوئی اور نہیں“ (5)۔ اس سیاہ فام غلام کا نام عبداللہ بن مسعدہ فراری تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی پرورش کی اور پھر آزاد کروایا۔ جنگ صفین میں یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کے ساتھ رہے اور یہ حضرت علی

2- سنن بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 95، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 183

4- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 121

1- صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 49

3- سنن بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 95

5- سنن ابی داؤد، کتاب اللہ، جلد 4 صفحہ 62

رضی اللہ عنہ کے شدید مخالف تھے (1)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں سے فرمایا: ”جب تم سے کسی کا دکا تب غلام ہو اور وہ طے شدہ رقم کا بندوبست کر لے تو چاہیے کہ وہ عورت اس سے پردہ کرے“ (2)۔ اس کے بعد فرمایا: ”أول الشیوعین غنیمہ اودی الازمیتہ من الزجالی یعنی وہ کم عقل ہو کر چا کر جو قوت مردانہ سے محروم ہوں اور انہیں عورتوں کی کوئی خواہش نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بھولوگ ہیں جن میں شہوت نہ ہو۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نامردانہ پن ہے ہیں۔ بہر صورت اس قسم کے مردوں کے سامنے اظہار زینت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ لیکن شر پھیلانے والا بیخبر اس حکم میں داخل نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک بیخبر حضور ﷺ کے گھر آیا کرتا تھا۔ ازواج مطہرات نے اسے بے ضرر لوگوں میں شمار کرتے ہوئے گھر میں آنے سے منع نہ کیا۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو وہ ایک عورت کے محاسن بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ سامنے سے آتے ہوئے اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں اور جاتے ہوئے پشت پر آٹھ۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ یہ تو سب کچھ جانتا ہے خبردار ایہ آئندہ تمہارے پاس نہ آئے“ (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک خضی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کے بھائی حضرت عبد اللہ بھی موجود تھے۔ وہ حضرت عبد اللہ سے کہہ رہا تھا: اے عبد اللہ! اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو طائف پر فتح عطا فرمائی تو غیلان کی لڑکی کو غور سے دیکھنا۔ سامنے سے آتے ہی اس کے شکم پر چار شکنیں پڑتی ہیں اور واپس جاتے ہوئے پیچھے سے آٹھ دکھائی دیتی ہیں۔ اتفاق سے حضور ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے یہ باتیں سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آئندہ یہ تمہارے پاس نہ آئے (4)۔ چنانچہ اسے نکال دیا گیا یہ بیداء میں رہنے لگا اور ہر جمعہ کو کھانے پینے کی چیزیں لینے کے لئے آ جاتا۔ پھر فرمایا: ”أول الظلم ان یشتع... یعنی ان چھوٹے بچوں کے سامنے بھی زینت کو ظاہر کیا جاسکتا ہے جو عورتوں کے حالات، اوصاف، چال و ڈھال، خفیہ معاملات اور حرکات و سکنات سے واقفیت نہیں رکھتے۔ اس قسم کے بچے اگر عورتوں کے پاس چھے آئیں تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی بچہ عورتوں کے معاملات اور خوبیوں کو سمجھتا ہو اور بد صورت اور خوب صورت عورت کے درمیان تمیز کر سکتا ہو تو اگرچہ وہ ناپاٹ ہو، پھر بھی اس سے پردہ ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو“۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! دیور جیٹھ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دیور جیٹھ تو موت ہے“ (5)۔ فرمایا: ”ولا یضربونہا نہ یضربونہا نہ جاہلیت میں کسی عورت میں نازیب پہن کر نکلتیں اور جب ان کا گزر مردوں کے مجمع سے ہوتا تو وہ دانستہ اپنے پاؤں زمین پر مار تیں تا کہ مرد نازیب کی جھنکار سن کر ان کی طرف متوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان کے ذریعے مسلمان عورتوں کو اس حرکت سے باز آنے کا حکم صادر فرمایا، اس ممانعت میں ہر وہ حرکت داخل ہے جس سے عورت کا مقصد اپنی عقلی زینت کا اظہار ہو اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بننا ہو، اسی طرح عطر اور خوشبو لگانے اور عورت کا اپنے گھر سے نکلنا اور مردوں کے مجمع میں جانا بھی ممنوع ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر آنکھ زانیہ ہے اور عورت جب عطر لگا کر مجمع عام سے گزرتی ہے تو وہ ایسی ایسی ہے“ (6) یعنی زانیہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

1- تہذیب تاریخ دمشق، جلد 4 صفحہ 91

2- سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 21، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 63 وغیرہ

3- صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 1716، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 63 وغیرہ

4- صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 205، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 1715

5- صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 48، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 1711

6- سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 79، سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 8 صفحہ 153 وغیرہ

نے ایک عورت کو آتے ہوئے دیکھا جس سے خوشبو کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ آپ نے اسے فرمایا اے خداوند جبار کی بندگی! کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا جو مسجد میں تیز خوشبو لگا کر جائے جب تک وہ گھروٹ کر غسل نہ کرے“ (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ عورت جو راستہ پیراستہ ہو کر نمازوں میں اترا اترا کر چلتی ہے، وہ قیامت کے دن مجسم تار کی ہوگی جہاں نور بالکل نہیں ہوگا“ (2)۔ اسی طرح عورتوں کو راستے کے درمیان میں چلنے سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رستہ میں مردوں اور عورتوں کو ملے جگہ چلتے ہوئے دیکھ کر عورتوں سے فرمایا: ”تم ادھر ادھر ہو جایا کرو، تمہارے لئے رستہ کے بیچ میں چلنا من سب نہیں بلکہ تم راستے کے کنارے کنارے چلا کرو“ (3)۔ اس فرمان کے بعد عورتیں بالکل دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگیں یہاں تک کہ ان کے پتے دیوار کے ساتھ رگڑ کھاتے تھے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ”وَتُؤْتُونَ اٰزٰی اللہ“ یعنی اسے ایمان والو! تمہیں جن صفات جلیلہ اور اخلاق جلیلہ کا حکم دیتا ہوں، انہیں اختیار کرو اور اہل جاہلیت کی ذلیل صفات اور فحش اخلاق سے اجتناب کرو کیونکہ حقیقی اور مکمل فلاح اسی میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے احتراز کیا جائے۔

وَ اَنْذِرْهُمْ اَنْ يَكُوْنُوْا اَكْفَرًاۗ اَقْرَبُۙ اَعْيُنِهِمْ
 اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللّٰهُ وَاَسْرَعُۙ عَلٰیۙہِمْ ۗ ۝۱۷۰ وَ لِيَسْتَغْفِرَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نَكَاحًا حَتّٰى يَّغْنِيَهُمُ
 اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الْكُتٰبَ مِمَّا مَلَكْتُۙ اَيْمَانَكُمْ فَمَا يَتَّبِعُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ
 فِيْهِمْ حَيْرًا ۗ وَ اَنْتُمْ مِّنْ قَالِ اللّٰهِ الَّذِيْ اَنْتُمْ ۗ وَلَا تَقْرٰٓءُوْا فَاْتٰتِيَكُمْ عَلٰى الْبِعَآءِ اِنْ
 اَرَادَنْ تَحٰصُّنَا لِيَتَّبِعُوْا عَرْضَ الْحَيٰوَةِ الدُّنْيَا ۗ وَ مَن يُّكْذِبْ هُنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ
 اِكْرٰٓهِنَّ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ۝۱۷۱ وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبِيْنٰتٍ وَ مَثَلًاۙ مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَقُوْا
 مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۷۲

”اور نکاح کر دیا کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے۔ اگر وہ تنگ دست ہوں (تو فکرنہ کرو) غنی کروے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہمدان ہے۔ اور چاہئے کہ پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی قدرت یہاں تک کہ غنی کروے انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔ اور جو مکاتب بننا چاہیں تمہارے غلاموں سے تو مکاتب بنا لو انہیں اگر تم چاہو ان میں کوئی بھلائی۔ اور (زر مکتوبت ادا کرنے میں) مدد کرو ان کی اللہ تعالیٰ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔ اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں تاکہ تم حاصل کرو (اس بدکاری سے) دنیوی زندگی کا کچھ سامان۔ اور (کمینہ خصلت) مجبور کرتا ہے انہیں (عصمت فروشی پر) تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد (ان کی لغزشوں کو) بخشے والا (اور ان پر) رحم

1- سنن ابی داؤد، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 79، سنن ابن ماجہ، کتاب المغن، جلد 2 صفحہ 1326

2- خارجہ الاحوی، ابواب الزہد، جلد 5 صفحہ 113-114

3- سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 369

فرمانے والا ہے۔ اور ہم نے اتاری ہیں تمہاری طرف روشن آیتیں نیز (ہم نے اتارے ہیں) بعض حالات ان لوگوں کے جو نر چٹھے ہیں تم سے پہلے نیز (اتاری ہے) نصیحت پر بیزار گاروں کے لئے۔

ان آیات میں چند قطعی اور محکم احکام بیان کئے جا رہے ہیں، پہلے نکاح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: **وَآتَيْنَا عِلْمًا** علماء کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ جو شخص نکاح پر قادر ہو، اس پر نکاح کرنا واجب ہے، اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے: ”اے لو جو انوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص طاقت رکھتا ہو اسے ضرور شادی کرنی چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے قدرت حاصل نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ یہ شہوت کو توڑنے والی ہے“ (1)۔ سنن میں متعدد اسناد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس سے زیادہ اولاد کی توقع ہو، اس سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ، میں قیامت کے دن تمہارے ساتھ دیگر امتوں پر فخر کروں گا“ (2)۔ ایک اور روایت میں ہے: ”یہاں تک کہ ناتمام گرے ہوئے بچے کی گنتی کے ساتھ بھی“۔ ”ایامی“ اہم کی جمع ہے۔ ہر اس عورت کو جس کا خاوند نہ ہو اور ہر اس مرد کو جس کی بیوی نہ ہو ”ایام“ کہتے ہیں خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ پھر فرمایا: **إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ**

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے نکاح کی رغبت دلاتے ہوئے بے نکاح لوگوں کی شادی کرنے کا حکم دیا خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام اور ان کے ساتھ خوشحالی کا وعدہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کا جو حکم تمہیں دیا ہے تم اس کی تعمیل کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کے ہوئے خوشحالی کے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نکاح میں خوشحالی تلاش کرو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے: نکاح کرنے والا۔ جس کا مقصد پاکدامن رہنا ہو، مکاتب غلام جو زر مکتبہ کی ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو اور راہ خدا میں جہاد کرنے والا“ (3)۔ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کی شادی کرادی، جس کے پاس بجز تینہند کے کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہ لنگی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس کی شادی ایک عورت سے کرادی اور مہر یہ مقرر کیا کہ وہ اس عورت کو قرآن سکھا دے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور لطف و احسان سے قوی امید تھی کہ وہ انہیں اتنی روزی عطا فرمائے گا جس سے ان کی گذراوقات آسانی سے ہوتی رہے گی۔ اکثر لوگ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ فقہری حالت میں بھی نکاح کیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کر دے گا۔ اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی قوی بلکہ ضعیف سند بھی نہیں ہے۔ قرآن اور ہرئی بیان کردہ احادیث کی موجودگی میں اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا: **وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ** یہاں ان لوگوں کو حرام کاری سے بچنے اور پاکدامن رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو نکاح کی قدرت نہیں رکھتے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے لو جو انو! تم میں سے جسے طاقت ہو وہ ضرور نکاح کرے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جسے طاقت نہ ہو، وہ روزہ رکھے کیونکہ یہ شہوت کو توڑنے والا ہے“۔ یہ آیت مطلق ہے جبکہ سورہ نسا کی یہ آیت اس سے خاص ہے: **وَمَنْ لَمْ يَلِدْ يُسْتَعْتَبْ فَكَفَالًا** اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ حَافِظًا فَاصْنُ لِحَافًا وَانْ تَصْنُؤْ اٰخِيْرًا لَكُمْ (النساء: 25) یعنی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے صبر کرنا تمہارا ہے لئے بہتر ہے کیونکہ اس طرح پیدا ہونے والی اولاد غلام ہوتی ہے۔ حکم فرماتا ہے میں کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو دیکھے اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہو تو اگر اس کی بیوی ہو تو اسے

1- سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6، صفحہ 95، نمبر 341

1- حججی، جلد 3، صفحہ 34، صحیح مسلم، جلد 4، صفحہ 128

3- سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6، صفحہ 61، نارعدہ الاخوانی، ابواب النکاح، الجہاد، جلد 7، صفحہ 156-157، نمبر

چاہیے کہ وہ اس کے پاس جا کر اپنی حاجت پوری کرے اور اگر اس کی بیوی موجود نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ زمین و آسمان کی وسیع مملکت میں غور و فکر کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے۔ اس کے بعد فرمایا: **وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِبْرَ**۔ یہاں آقاؐ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب ان کے غلام ان سے مکاتبت (مال کے بدلہ میں آزادی کا معاہدہ) کرنا چاہیں تو انہیں انکے ساتھ یہ معاہدہ کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ مال کی اتنی مقدار رکھ کر اپنے آقاؐ کو دینے پر قادر ہوں جس کی ادائیگی پر ان کی آزادی ملے ہوئی تھی۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہاں امر ارشاد اور احتیاب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔ اس لئے آقاؐ کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے غلام کے ساتھ مکاتبت کا معاہدہ کر لے اور اگر چاہے تو نہ کرے۔ بعض دیگر علماء کا کہنا ہے کہ یہاں امر وجوب کے لئے ہے اس لئے اگر کوئی غلام اپنے آقاؐ سے مکاتبت کا مطالبہ کرے تو اس کا قبول کرنا آقاؐ پر واجب ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے دریافت کیا کہ اگر مجھے توقع ہو کہ میرا غلام مجھے زر کتابت دے دے گا تو کیا مکاتبت مجھ پر واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میری رائے میں تو یہ واجب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مالدار غلام سیرین نے ان سے مکاتبت کا سوال کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ سیرین نے یہ معاہدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو مکاتبت کا حکم دیا لیکن انہوں نے پھر انکار کیا۔ آپ نے انہیں درے کے ساتھ مارا اور یہی آیت پڑھ کر سنائی یہاں تک کہ وہ مکاتبت پر راضی ہو گئے (1)۔ امام شافعی کا قدیم قول یہی تھا لیکن ان کا جدید قول یہ ہے کہ واجب نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ”مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں“ (2)۔ امام مالک فرماتے ہیں جب کوئی غلام اپنے آقاؐ سے مکاتبت کا سوال کرے تو اس کا قبول کرنا آقاؐ پر واجب نہیں اور میں نے نہیں سنا کہ کسی ام نے کسی آقاؐ کو اپنے غلام کے ساتھ مکاتبت کا معاہدہ کرنے پر مجبور کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اذن کے طور پر نہ کہ وجوب کے طور (3)۔ اسی طرح امام ثوری، ابو حنیفہ اور عبدالرحمن بن زید وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابن جریر کا مختار قول وجوب کا ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا** میں خیر سے مراد امانت ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد صدق ہے۔ بعض نے اس سے مال مراد لیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ذریعہ معاش ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں مکاتبت کرنے والے غلاموں کی مال کمانے کی صلاحیت کا حکم ہو تو مکاتبت کرو ورنہ انہیں لوگوں پر بوجھ بنا کر نہ چھوڑو (4)۔ مفسرین کا اس ارشاد **اَللّٰهُمَّ مِّنْ مَّالِ اَنْبِيَائِكَ** کے متعلق اختلاف ہے بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ زر کتابت میں سے کچھ معاف کر دو پھر اس کی مقدار بعض نے ایک چوتھائی مقرر کی ہے، بعض نے ایک تہائی، بعض نے نصف اور بعض نے حد مقرر کئے بغیر مقررہ مال سے کچھ منہا کرنے کا کہا ہے۔ بعض دیگر مفسرین نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ انہیں اموال زکوٰۃ کے اس حصہ میں سے دو جوان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ یہ قول حضرات حسن، عبدالرحمن بن زید، زید بن اسلم اور مقاتل بن حیان کا ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی معاونت پر برا بیچھیننا چاہیے خواہ وہ آقاؐ کا ہوا یا دوسرے لوگ (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اہل ایمان کو مرد نہیں آزاد کروانے میں امداد کا حکم ہے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی اعانت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ گرم پر لی ہوئی ہے، ایک ان میں سے دو مکاتبت غلام ہے جو مقررہ رقم کی ادائیگی کا خواہاں ہو۔ لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک

1- صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 198

2- سنن بیہقی، کتاب المغصب، جلد 6 صفحہ 100

3- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 131

4- صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 198

5- مرآة البیہقی، جلد 18 صفحہ 21

نلام نے مکاتبت کا معاہدہ کیا جس کی کیفیت ابو امیہ تھی۔ جب وہ پہلی قسط لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اسے فرمایا کہ جاؤ اور اس کے ذریعے اپنی مکاتبت میں دوسروں سے مدد طلب کرو۔ اس نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! اگر آپ مجھے آخری قسط تک محنت کرنے دیں تو کیا یہ اچھا نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ہم اس فرعون فکاہینوؤنہم پر عمل ترک نہ کر بیٹھیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ پہلی قسط تھی جو اسلام میں ادا کی گئی (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی نعام آپ سے مکاتبت کا معاہدہ کرتا تو آپ شروع کی قسطیں معاف نہ کرتے تھے کیونکہ آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو وہ آخر میں عاجز آ جائے اور آپ کا دیا ہوا صدقہ ہی آپ کو واپس مل جائے بلکہ آپ اپنی مرضی سے آخری قسطیں معاف کر دیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس ارشاد کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا زر مکاتبت معاف کر دو۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ زر مکاتبت سے کچھ معاف کر دینے سے اہل ایمان کو بہت خوشی ہوتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ مکاتبت کا چوتھائی حصہ چھوڑ دو۔ یہ حدیث غریب ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہو (2)۔ پھر فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ۔ زمانہ جاہلیت میں ایک قبیح رسم یہ بھی مروج تھی کہ وہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے اور ایک معین رقم کی ادائیگی ان کے ذمے لازم قرار دیتے۔ اسلام نے اہل ایمان کو اس حرام کاری سے منع کر دیا۔ متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ ارشاد عبد اللہ بن ابی منافق کے متعلق نازل ہوا، اس کی چند لونڈیاں تھیں جنہیں وہ قبیحہ کرنی کے پیشہ پر مجبور کرتا تا کہ ان سے آمدنی اور اولاد حاصل ہو اور ہر ایک پر اس کی سروری کی دھاک بیٹھ جائے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی کی معاذہ نامی ایک لونڈی تھی جسے وہ بدکاری پر مجبور کرتا (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس لونڈی کا نام مسیدہ تھا لیکن یہ بدکاری سے سخت متنفر تھی۔ اس پر یہ آیت اتری (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی کی ایک لونڈی زمانہ جاہلیت میں یہ پیشہ کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اس سے ناجائز اولاد بھی ہوتی لیکن پھر اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس پر عبد اللہ بن ابی نے اسے زد و کوب کیا تو اس وقت یہ آیت اتری۔ امام زہری بیان کرتے ہیں کہ بدری قیدیوں میں سے ایک قریشی قیدی عبد اللہ بن ابی کے پاس تھا۔ عبد اللہ بن ابی کی معاذہ نامی ایک لونڈی تھی جس کے ساتھ قریشی قیدی حرام کاری کرنا چاہتا تھا لیکن لونڈی اپنے اسلام کی وجہ سے اس سے احتراز کرتی تھی۔ عبد اللہ بن ابی اسے دہر پیٹ کر اس کام پر مجبور کرتا تھا تا کہ وہ اس قریشی سے رقم بٹور سکے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (5)۔ سدی کہتے ہیں کہ جب کوئی مہمان رئیس السانفین عبد اللہ بن ابی کے پاس ٹھہرتا تو وہ اپنی لونڈی معاذہ کو شبہ ہاشی کے لئے اس کے پاس بھیج دیتا تا کہ وہ اس منافق کا احسان یاد رکھے اور ضرورت پڑنے پر وہ اس کے کام آئے۔ یہی لونڈی ایک روز جنگ آ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اپنی داستان غم بیان کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے جب اس چیز کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس لونڈی کو اپنے قبضہ میں لے لیں۔ عبد اللہ بن ابی کو پتہ چلا تو اس نے بڑا شور مچایا کہ دیکھو اب محمد ﷺ ہماری لونڈیوں کو اپنے قبضہ میں لے رہے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (6)۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ مسیکہ اور معاذہ دو اشخاص کی لونڈیاں تھیں جو انہیں بدکاری پر مجبور کرتے تھے۔ مسیکہ اور اس کی ماں امیمہ نے نبی کریم ﷺ سے اس کی شکایت کی تو اس وقت یہ آیت

1- مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 6 صفحہ 371، عن کبریٰ نسائی، کتاب الکاتب، جلد 10 صفحہ 329-330

3- کنز الاستیعاب، زاد المعاد، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 61

2- مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجوع، جلد 6 صفحہ 369

4- صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 2320، عن ابی داؤد، کتاب الاطعماء، جلد 2 صفحہ 294، غیرہ

5- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 133

6- اندر المنجور، جلد 6 صفحہ 193-194

اتری۔ بقاء کا معنی ہے زنا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان **إِنَّ آمُرَؤْنَ لَخَصْمَاتُ** کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ پاکدامن ہونے کا ارادہ نہ کریں تو پھر ان سے یہ پیشہ کروانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے مقصود عمومی صورت حال بیان کرنا ہے۔ یہ کوئی قید اور شرط نہیں۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان سے انہیں مال اور اولاد حاصل ہو جو ان کی غلامی سے۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لگانے والے کی اجرت، پیشہ کرنے والی عورت کی کمائی اور کماہن کی اجرت سے منع فرمایا ہے (1)۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”زانیہ کی کمائی ناپاک ہے، کچھ لگانے والے کی کمائی ناپاک ہے اور کتے کی قیمت ناپاک ہے“ (2)۔ پھر فرمایا: **وَمَنْ يُكَيِّدْهُنَّ**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اپنی لونڈیوں کو تجھ گری کے پیشہ پر مجبور کریں تو اللہ تعالیٰ ان لونڈیوں کے لئے غفور رحیم ہے اور بدکاری کا گناہ ان پر ہوگا جنہوں نے انہیں اس پر مجبور کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یوں ہے: **فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ إِكْرَاهُونَ لَهِنَّ عَقُورٌ وَحِيمٌ وَ إِشْفُهُنَّ عَلَيَّ مَنْ أَكْرَهُهُنَّ** یعنی اس کا گناہ مجبور کرنے والوں پر ہے۔ ایک حدیث مرفوعہ میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”میری امت سے خطا، بھول چوک اور ہر وہ چیز معاف کر دی گئی ہے جس پر انہیں مجبور کیا جائے“ (3)۔ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے بعد فرمایا: **وَلَقَدْ آتَيْنَا لَيْلَىٰ نَمْلًا**۔ یعنی ہم نے قرآن کریم میں واضح آیات نازل کیں اور گزشتہ قوموں کے حالات اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں ان پر اتارنے والے عذاب کا ذکر کیا جیسا کہ فرمان ہے: **فَجَعَلْنَاهُمْ سَفَاحًا وَمَشَلَا بِلَا خَدِينٍ** (الزخرف: 56) ”اور ہم نے انہیں بنا دیا پیش رو اور کہنات بچھلوں کے لئے“۔ مزید فرمایا: **مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ**۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں تمہارے معاملات کے قطعی فیصلے، گزشتہ قوموں کے حالات اور بعد میں رونما ہونے والے امور کی خبریں موجود ہیں۔ یہ فیصلہ کن اور سنجیدہ کلام ہے، کوئی ہنسی مذاق نہیں۔ جو اسے سبک سے چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے برباد کر دیتا ہے اور جو اس کے سوا کسی اور سے ہدایت طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے (4)۔

اللَّهُ نُورٌ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - مِثْلُ نُورِ كِسْفِ قَوْسٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ أَلْوَبَاحٌ فِي رُجَاجَةٍ - أَلْرُجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَ لَّا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارًا نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ وَيُضِرُّ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾

”اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق سواں میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشہ (کے ایک فانوس) میں ہو۔ وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے، جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے، اُنر چہ است آگ نہ چھوئے۔ (یہ) نور ہی نور ہے۔ پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے، اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی مثالیں لوگوں (کی ہدایت) کے لئے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے۔“

1- صحیح بخاری، کتاب ایواع، جلد 3 صفحہ 110، صحیح مسلم، کتاب المساقا، جلد 3 صفحہ 1198

2- صحیح مسلم، کتاب المساقا، جلد 3 صفحہ 1199، سنن ابی داؤد، کتاب ایواع، جلد 3 صفحہ 266 و غیرہ

3- سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 159

4- صحیح ابی داؤد، جلد 4: 456

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اَنْذَرْتُمُ السَّنُوْبَاتِ وَالْاُمَمُضُ كَمَا مَعْنَى بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین والوں کا ہادی ہے اور وہی ان میں ستاروں سورج اور چاند کی تدبیر کرتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نور خدا سے مراد ہدایت ہے (1)۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ ”مثل نوره“ میں مومن کی مثال بیان ہوئی ہے جس کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن رکھ دیا ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا ذکر کیا پھر مومن کے نور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کی مثال یہ ہے، بلکہ حضرت امیٰ اسے اس طرح پڑھتے: ”مَثَلُ نُورٍ مِّنْ اَمْنٍ بِاللّٰهِ“، ”اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کی مثال (2)۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قراءت اس طرح منقول ہے: ”مَثَلُ نُورٍ مِّنْ اَمْنٍ بِاللّٰهِ“ بعض کی قراءت میں اَللّٰهُ نُورٌ السَّنُوْبَاتِ وَالْاَرْضِ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو نور بخشا اور اس نور سے وہ منور ہیں (3)۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جس دن طائف والوں نے آپ کو سخت ایذا پہنچائی تھی اس دن آپ ﷺ نے اپنی دعا میں فرمایا تھا: ”اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْاَلْبِيْنِ اَشْرَقَتْ بِهٖ الظُّلُمٰتُ وَصَدَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ يَّجِلَّ بِيْ غَضَبِكَ اَوْ يَنْزِلَ بِيْ سَخَطِكَ لَنْتَ الْعَتِيْبِي حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ فرماتے: ”اے اللہ! تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں، تو آسمانوں، زمین اور ان میں تمام موجودات کا نور ہے اور تیرے لیے ہی سب تعریفیں ہیں تو آسمانوں، زمین اور ان میں موجود سب چیزوں کو قائم رکھنے والا ہے“ (4)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کے ہاں ندرات ہے اور ندرتوں کے عرش کا نور اس کے چہرہ کے نور سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”مثل نوره“ میں ضمیر کے مرجع کے متعلق دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس ضمیر کا مرجع ذات خداوندی ہے یعنی قلب مومن میں اسکی ہدایت کی مثال طاق کی سی ہے۔ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع مومن ہے جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے یعنی قلب مومن میں نور کی مثال طاق کی سی ہے۔ مومن کے دل اور اس میں جو نور ہدایت اور نور قرآن ہے اسے طاق کے ساتھ تشبیہ دی جیسا کہ ارشاد ہے: اَقْسَمُ كَانَ عَلَىٰ نَبِيَّتِيْ مِنْ شَرْبَةٍ وَ يَشْتَوِيْ شَاهِدًا بَيْنَهُ (ہود: 17) ”تو کیا وہ شخص انکار کر سکتا ہے“ جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل ہو اور اس کے بعد اسکی طرف سے ایک سچا گواہ“۔ پس مومن کے دل کو نفاست اور لطافت میں بلور کے صاف شفاف اور چمکدار فانوس کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور اسے جو قرآن اور شریعت میسر ہے اسے زیتون کے صاف شفاف لطیف روشن اور معتدل تیل کے ساتھ مشابہت دی۔ مشکوٰۃ کا معنی بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور محمد بن کعب چراغ کی وہ جگہ ہے جہاں بتی رکھی جاتی ہے اور مصباح سے مراد وہ بتی ہے جو روشن ہوتی ہے۔ یہود نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا نور کیسے آسمانوں کے پار ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان کرتے ہوئے یہ آیت نازل کی۔ مشکوٰۃ سے مراد چراغ دان ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی مثال بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو نور فرمایا ہے اور پھر اسے اور بھی بہت سے نام دیئے ہیں (5)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ لغت حبشہ میں طاق کو مشکوٰۃ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسا طاق جس کا سوراخ آرا پار نہ ہو۔ حضرت مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ جس چیز سے چراغ کو لٹکا یا جاتا ہے اسے مشکوٰۃ کہتے

3۔ روح المعانی، جلد 18 صفحہ 164

2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 135-136

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 135

4۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، جلد 2 صفحہ 60 صحیح مسند، کتاب صلاۃ السافرین، جلد 1 صفحہ 532-533

5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 137 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ

ہیں لیکن پہلا قول زیادہ موزوں ہے یعنی مشکوٰۃ سے مراد چراغ میں بتی رکھنے کی جگہ ہے اسلئے بعد میں فرمایا۔ **فِيهَا وَصَبَ الْعَمَلُ** یعنی وہ نور جو حق میں ہے حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ مصباح سے مراد نور ہے یعنی وہ نور قرآن اور نور ایمان جو مومن کے سینے میں ہے۔ سدی کے بقول اس سے مراد چراغ ہے پھر فرمایا **الْوَضْعُ** یعنی یہ روشنی صاف شفاف بور میں سے چھن چھن کر آرہی ہے حضرت ابی بن کعب کا قول ہے کہ یہ قلب مومن کی مثال ہے پھر فرمایا **أَيُّهَا جَدُّ كَاثِمًا**... بعض نے دُرِّیٰ کو والی کے ضمہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اس وقت یہ در سے ماخوذ ہوگا یعنی گویا کہ وہ موتی کا ستارہ ہے۔ بعض نے اسے ہمزہ کے ساتھ اور وال کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ **دُرِّیٰ** اور **دُرِّیٰ** پڑھا ہے اسوقت یہ درء بمعنی دفع سے ماخوذ ہوگا۔ کیونکہ جب کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے تو اسوقت وہ انتہائی روشن ہوتا ہے۔ عرب غیر معروف ستاروں کو دراری کہتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب اس کا معنی بتاتے ہیں خوب روشن ستارہ، قنادر کہتے ہیں کہ وہ بہت بڑا ستارہ جو خوب واضح اور چمکدار ہو۔ فرمایا **لِيُقَدِّمَ فِيهِ شَجَرَةً مِّنْ كَوْنِ زَيْتُونَةٍ** "بدلی یا عطف بیان ہے یہ زیتون کا درخت نہ شرقی ہے اور نہ غربی یعنی نہ وہ مشرق میں ہے نہ کہ دن کے آغاز سے ہی سورج کی دھوپ اس پر نہ پڑے اور نہ ہی مغرب میں ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے ہی سایہ اس سے سکر کر ہٹ جائے بلکہ یہ درمیان میں ہے جہاں سارا دن سورج کی کرنیں اسے زندگی بخش اثرات سے سراسر کرتی رہتی ہیں اس لیے اس کا تیل بہت صاف چمکدار لطیف اور معتدل ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان **زَيْتُونَتَانِ لَا تَمُوتَانِ** کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ زیتون کا درخت صحرا میں ہے جہاں اسے کوئی درخت پہاڑ غار یا کوئی دوسری چیز چھپائے ہوئے نہیں اس کا تیل سب سے عمدہ ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ درخت صحرا میں ہوتا ہے اس کا تیل بہت صاف شفاف ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عکرمہ سے اس فرمان کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ زیتون کا درخت کھلے میدان میں ہوتا ہے جہاں کھلی ہوا کے ساتھ صبح سے شام تک سورج کی دھوپ اس پر پڑتی رہتی ہے اس وجہ سے اس کا تیل بہت صاف اور لطیف ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف شرقی ہے اور نہ صرف غربی ہے۔ سورج کی کرنیں بروقت اس پر پڑتی ہیں خواہ وہ طلوع ہو یا غروب۔ سعید بن جبیر بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس کا تیل سب سے عمدہ ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو بھی اسکی کرنیں اس پر پڑتی ہیں اور جب غروب ہوتا ہے تو بھی۔ چونکہ صبح و شام اس پر دھوپ پڑتی ہے اس لیے اسے نہ شرقی کہا جاسکتا ہے اور نہ غربی (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ درخت نہ مشرق کے ساتھ خاص ہے اور نہ مغرب کے ساتھ بلکہ یہ پہاڑ کی چوٹی پر ہوتا ہے یا صحرا میں اور سارا دن سورج اس پر پڑتا رہتا ہے۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ درختوں کے وسط میں ہوتا ہے اس وجہ سے یہ نہ مشرق کی طرف نمایاں ہوتا ہے اور نہ مغرب کی طرف۔ حضرت ابی بن کعب اس فرمان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ سرسبز و شاداب اور لطیف درخت ہے جسے کسی حالت میں بھی سورج کی کرنیں نہیں پہنچتیں نہ طلوع کے وقت اور نہ غروب کے وقت، یہی کیفیت مومن کی ہے۔ اسے فتنوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور اگر وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھتا ہے۔ چنانچہ اسے چار خصلتیں میسر آتی ہیں: گفتگو میں سچائی، فیصلہ میں عدل، آزمائش میں صبر اور نعمت پر شکر۔ وہ تمام لوگوں میں اس طرح ہوتا ہے جیسے مردوں میں کوئی زندہ شخص۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں زیتون کا درخت درختوں کے وسط میں ہوتا ہے جس تک نہ مشرق سے سورج کی رسائی ہوتی ہے اور نہ مغرب۔ عظیمہ عوفی کہتے ہیں کہ زیتون درختوں کے درمیان ہوتا ہے اس کے پھل کا سایہ اس کے پتوں سے دکھائی دیتا ہے اور اس پر نہ سورج طلوع ہوتا ہے اور نہ غروب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ ایسا

ورخت ہے جسکی سمت نہ مشرق ہے اور نہ مغرب بلکہ یہ شرقی غربی ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ یہ قبلہ کی طرف ہے اور زید بن اسلم کہتے ہیں کہ شام۔ میں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ ورخت زمین پر ہوتا تو ضرور شرقی یا غربی ہوتا لیکن یہ تو نور خدا کی مثال ہے (1)۔

ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس ورخت سے مراد مرد صالح ہے اور شرقی غربی نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ نہ یہودی ہے اور نہ نصرانی۔ ان تمام اقوال میں سے سب عمدہ اور موزوں قول پہلا ہے یعنی زیتون کا درخت کن، ہموار وسیع جگہ پر ہے جہاں ہر وقت ہوا کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے اور صبح سے شام تک سورج کی کرنیں اس پر پڑتی رہتی ہیں اس لئے اس کا تیل نہایت صاف ستھرا اور لطیف ہوتا ہے اس لئے فرمایا۔ **يَكَاذِبُ زَيْتُونَا** یعنی اس کا تیل اس قدر صاف شفاف اور نفیس ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بغیر جنائے اس طرح روشنی دے رہا ہے جس طرح جلائے سے روشنی حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا: **لُؤْلُؤًا عَلَى نُورٍ** بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سے مراد نور ایمان اور نور عمل ہے۔ سدی اور مجاہد کہتے ہیں کہ تیل کا نور اور آگ کا نور۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ اسے پانچ نور حاصل ہوتے ہیں: اس کا کلام نور ہے، اس کا عمل نور ہے، اس کا داخل ہونا نور ہے۔ اس کا نکلنا نور ہے اور قیامت کے دن اس کا آخری ٹھکانا نور جنت ہوگا۔ حضرت کعب الاحبار اس فرمان **يَكَاذِبُ زَيْتُونَا** کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی مثال بیان ہوئی ہے یعنی حضور کی شان استعد و واضح ہے کہ اگر آپ اعلان نبوت نہ بھی کرتے تو بھی یہ لوگوں پر ظاہر ہو جاتی جیسا کہ زیتون کا تیل بغیر روشن کیے بھی روشن ہے (2)۔ سدی اس فرمان **لُؤْلُؤًا عَلَى نُورٍ** کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد آگ کا نور اور زیتون کے تیل کا نور ہے، جب یہ دونوں جمع ہوتے ہیں تو روشنی پیدا ہوتی ہے ایک کے بغیر دوسرے سے روشنی کا حصول ناممکن ہے۔ اسی طرح نور قرآن اور نور ایمان یکجا ہونے سے مومن کا دل روشن ہوتا ہے ان میں سے صرف ایک سے یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا **يَهْدِي إِلَهُهُ لُؤْلُؤًا** یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر اسی دن ان پر اپنا نور ڈالا۔ اس دن جسے وہ نور پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق چل کر خشک ہو گیا (3)۔** قلب مومن میں نور ہدایت کی مثال بیان کرنے کے بعد آیت کے احتشام پر فرمایا: **وَيُضْرِبُ إِلَهُهُ لُؤْلُؤًا** یعنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **”دل چار قسم کے ہیں: ایک روشن چراغ کی طرح صاف اور چمکدار، ایک غلاف میں لپٹا ہوا ایک اوندھا اور ایک لٹا پھرا ہوا، صاف اور چمکدار دل مومن کا دل ہے جس میں چراغ کی سی روشنی ہوتی ہے، پردے اور غلاف میں لپٹا ہوا دل کا فر کا دل ہے، اوندھا دل منافق کا دل ہے جو پہچاننے کے بعد انجان بن گیا اور لٹا پھرا ہوا دل وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی۔ اس میں ایمان کی مثال ترکاری کی سی ہے جسے عمدہ پانی نشوونما دیتا ہے اور اس میں نفاق کی مثال پھوڑے کی سی ہے جسے خون اور پیپ ابھارتے ہیں، ان میں سے جو غالب آ گیا وہی دل پر قابض ہو جاتا ہے“ (4)۔**

فِي بَيُوتِ آذِنِ اللَّهِ أَنْ تَرْفَعَ وَيُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْعُدْوَةِ وَالْإِصْبَالِ
رَجَالٌ لَا تَنْهَيْهُمْ تَجَارِمًا وَلَا يَبِيعُ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَ إِقَامِهِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَدَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿١٤٤﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَ
يَزِيدَ لَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَزِدُّ مَن يَشَاءُ بِعَدُوِّ حِسَابٍ ﴿١٤٥﴾

”ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کئے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام۔ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں حج اور شاموہ (جو ان) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یا والہی سے اور نہ زکوٰۃ دینے سے، وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ تاکہ جزا دے انہیں اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال کی اور (اس سے بھی) زیادہ عطا فرمائے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب۔“

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مومن کے دل اور اس میں موجود ہدایت اور علم کی مثال بیان کی کہ وہ ایسے چراغ کی سی ہے جو شفاف اور چمکدار فانوس میں ہو اور اسے زیتون کے تیل سے روشن کیا گیا ہو گویا یہ قندیل کی طرح ہے۔ اب یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس کا محل مساجد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب مقامات ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہی ہیں جہاں انکی عبادت کی جاتی ہے اور انکی وحدانیت کو بیان کیا جاتا ہے فرمایا: ”نی بیوت“ یعنی اللہ تعالیٰ نے مساجد کی حفاظت کرنے ہر قسم کی غلاظت اور آلودگی سے پاک صاف رکھنے اور ان میں بیبودہ گوئی اور غیر شائستہ حرکات سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ مسجدوں میں ہر قسم کی لغو چیز کے ارتکاب کی ممانعت ہے (1)۔ قنادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی مساجد ہیں جنہیں تعمیر کرنے آباد کرنے شائبہ اور بنانے اور پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت کعب کہا کرتے تھے تو رات میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لکھا ہوا ہے کہ زمین میں میرے گھر مسجد ہیں۔ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے میرے گھر میں میری ملاقات کے لئے آئے، میں اسے عزت سے نوازتا ہوں اور میزبان پر یہ حق بنتا ہے کہ وہ آنے والے کی تکریم کرے۔ مساجد کی تعمیر ان کے ادب و احترام انہیں خوشبودار اور پاک صاف رکھنے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جنہیں میں نے ایک مستقل تالیف کی شکل میں الگ تحریر کر دیا ہے، چند ایک احادیث کا تذکرہ یہاں بھی ہوگا۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اس جیسا گھر تعمیر فرماتا ہے“ (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص مسجد بناتا ہے تاکہ اس میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے گھر تعمیر فرماتا ہے“ (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آبادیوں میں مسجدیں بنانے اور انہیں صاف ستھر اور پاک رکھنے کا حکم دیا (4)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے ایسی مسجدیں تعمیر کرو جو ان کے سر چھالیں اور انہیں سرخ یا زرد رنگ کرنے سے اجتناب کرو ورنہ لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے (5)۔ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تک کسی قوم نے اپنی مساجد کو نقش و نگار اور رنگ دروغن سے

1- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 144

2- صحیح بخاری، کتاب الصلاة، جلد 1 صفحہ 122، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 378

3- سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 243، سنن نسائی، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 31

4- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 1 صفحہ 124، عارنہ ذال مؤدی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 77، غیرہ

5- صحیح بخاری، کتاب الصلاة، جلد 1 صفحہ 113

آراستہ نہیں کیا اس وقت تک ان کے اعمال برے نہیں ہوئے“ (1)۔ اسکی سند میں ضعف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے مسجدوں کو بلند و بالا اور پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم ضرور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی مسجدوں کو نقش و نگار اور رنگ و روغن سے آراستہ کرو گے (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ مساجد کے بارے میں ایک دوسرے پر فخر و مہیابت نہ کرنے لگیں“ (3)۔ ایک شخص اپنے اونٹ کو ڈھونڈتا ہوا مسجد میں آگیا اور کہنے لگا کہ کون مجھے میرے سرخ اونٹ کا پتہ دے گا؟ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا ”اللہ کرے کہ وہ تجھے نہ ملے! مسجدیں تو اسی مقصد کے لئے ہیں جس کے لئے انہیں تعمیر کیا جاتا ہے“ (4)۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں میں خرید و فروخت، تجارت اور شعر گوئی سے منع فرمایا سے (5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم مسجد میں کسی کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت کو نفع بخش نہ بنا سکے اور جب تم کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ کرے وہ چیز تمہیں واپس نہ ملے“ (6)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو مسجد کے شایان شان نہیں، مسجد کو رستہ نہ بنایا جائے، اس میں ہتھیار کی نمائش نہ کی جائے اس میں تیر کمان پر نہ چڑھایا جائے، اس میں تیر نہ پھیلائے جائیں اس میں کچا گوشت نہ لایا جائے، اس میں حد نہ لگائی جائے اس میں قصاص نہ لیا جائے اور نہ ہی اسے بازار بنایا جائے (7)۔ حضرت واہلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مساجد کو اپنے بچوں، دیوانوں خرید و فروخت، لڑائی، جھگڑے، بلند آواز سے بولنے حدیں قائم کرنے اور تلواریں سونٹنے سے بچاؤ۔ ان کے دروازوں پر وضو اور طہارت کی جگہیں بناؤ اور جمعہ کے ایام میں انہیں خوشبودار بناؤ (8)۔ اسکی سند ضعیف ہے۔ علماء نے بلا ضرورت مساجد کو گزرگاہ بنانا مکروہ قرار دیا ہے۔ فرشتے ایسے شخص پر تعجب کرتے ہیں جو نماز پڑھے بغیر مسجد سے گزر جاتا ہے۔ مسجد میں ہتھیار لہرانے کمان پر تیر چڑھانے اور تیر پھیلانے کی ممانعت اس حدیث کے پیش نظر ہے کہ کہیں کوئی ہتھیار کسی نمازی کو نہ لگ جائے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص تیر لے کر گزرے تو اسے اس کا پھل اپنے ہاتھ میں محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ کسی کو ایذا نہ پہنچے (9)۔ مسجد میں کچا گوشت لانا اس وجہ سے منع کیا گیا ہے تاکہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ مسجد میں حد اور قصاص کی ممانعت کا سبب اسے نجاست سے پاک رکھنا ہے۔ مسجد کو بازار بنانے اور اس میں خرید و فروخت کرنا ممنوع ہے کیونکہ مسجد اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت کے لئے بنائی جاتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا تھا جس نے مسجد کے ایک گوشے میں پیشاب کر دیا تھا: ”مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز کے لئے بنایا گیا ہے“ (10)۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے پیشاب پر پانی کا ایک بڑا ڈول بہانے کا حکم دیا۔ بچوں کو مسجد سے دور رکھنے کا حکم اس لئے ہوا کیونکہ وہ مسجدوں میں کھیلنے میں اور ایسا کرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بچوں کو مسجد

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 122

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 244-245

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 123

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 32 و 33

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 47-48

6۔ سنن ابی داؤد، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 283

7۔ ابیضا

8۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 247

9۔ عارضہ الامور، جلد 8 صفحہ 61-62

10۔ فتح الباری، کتاب المغن، جلد 13 صفحہ 24

11۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2019

12۔ سنن احمد، جلد 4 صفحہ 392

13۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 503

میں کھینٹے ہوئے دیکھتے تو انہیں کوڑے سے پٹیتے اور آپ نماز عشاء کے بعد کسی کو مسجد میں نہ رہنے دیتے۔ دیوانے چونکہ عقل سے عاری ہوتے ہیں اور لوگ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اس طرح مسجد میں کھیل تماشہ کا فطرہ ہوتا ہے اور اسی طرح مسجد آلودہ ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے اسلئے مسجد میں ان کے داخلہ پر پابندی لگادی۔ خرید و فروخت کی ممانعت اسلئے کی کہ مسجد بنانے کا مقصد صرف عبادت ہے تجارت نہیں۔ مسجد میں جھگڑے لے جانا اور ان کے فیصلے کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ جھگڑوں میں آوازیں بلند کی جاتی ہیں اور غیر شائستہ زبان استعمال کی جاتی ہے جو آداب مسجد کے منافی ہے اس لئے حدیث شریف میں آوازیں بلند کرنا کی ممانعت کا ذکر بھی اس کے بعد کیا گیا ہے۔ لیکن وجہ ہے کہ بہت سے علماء نے کہا ہے کہ مسجد میں فیصلے نہ کیے جائیں بلکہ مسجد سے باہر کوئی اور جگہ اس غرض کیسے استعمل کرنی چاہیے۔ سائب بن یزید کندی فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے مجھ پر ٹکڑا پھینکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ میں ان دونوں کو لیکر آپ کے پاس آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ یا یہ پوچھا کہ تم کہاں سے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم مسجد نبوی میں اونچی آواز سے یوں رہے ہو (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کسی شخص کی اونچی آواز سن کر فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس جگہ ہو؟ (2) حدیث مذکور میں مساجد کے دروازے پر وضو اور طہارت کی جگہیں بنانے کا حکم دیا۔ مسجد نبوی کے قریب ہی کچھ کنوئیں تھے جن کا پانی پینے وضو کرنے طہارت حاصل کرنے اور دیگر اغراض کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ جمعہ کے ایام میں مساجد کو خوشبودار بنانے کا حکم دیا کیونکہ اس دن لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ آپ جمعہ کے دن مسجد نبوی میں خوشبودار کرتے تھے (3)۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے کا اجر گھر میں یا دوکان پر نماز ادا کرنے سے پچیس گنا زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ اچھی طرح وضو کر کے صرف نماز کے ارادہ سے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو ہر قدم کے بدلہ میں اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک گنا معاف کر دیا جاتا ہے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ موجود رہتا ہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرما اور اس پر رحم کر اور جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے اسے نماز کا اجر و ثواب ملتا رہتا ہے (4)۔ دارقطنی میں ایک مرفوع روایت ہے: ”مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا کسی جگہ نہیں ہوتی“ (5)۔ سنن میں ہے ”تاریکیوں میں مسجد کی طرف جانے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ انہیں قیامت کے دن پورا پورا نور ملے گا“ (6)۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت آدمی کے لئے مستحب ہے کہ وہ پہلے اپنا دایاں پاؤں رکھے اور نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی وہ دعا پڑھے جو آپ ﷺ بھی پڑھا کرتے تھے: ”أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَبِسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ جب آدمی یہ پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ شخص آج کا پورا دن میری شر سے محفوظ ہو گیا (7)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں کوئی مسجد میں داخل ہو تو یہ کہے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب باہر نکلے تو یہ کہے اَنْتَلِمُہٗ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ

1- فتح الباری، کتاب اصلاۃ، جلد 1 صفحہ 560

2- سنن نسائی، کتاب مواضع، جلد 8 صفحہ 4

3- مسند ابی یعلیٰ، تحقیق دارالشارع، جلد 1 صفحہ 121

4- صحیح بخاری، کتاب الوضوء، جلد 1 صفحہ 165 صحیح مسلم، کتاب اصلاۃ، جلد 1 صفحہ 459

5- سنن دارقطنی، کتاب اصلاۃ، جلد 1 صفحہ 419-420

6- سنن ابی داؤد، کتاب اصلاۃ، جلد 1 صفحہ 154، مواضع الاحادیث، ابواب اصلاۃ، جلد 2 صفحہ 23

7- سنن ابی داؤد، کتاب اصلاۃ، جلد 1 صفحہ 127

مِنْ قَضَيْكَ“ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ کہے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب باہر نکلے تو بھی نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ کہے: اَللّٰهُمَّ اعْمِسْ لِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ“ (2)۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اپنی ذات پر صلوة و سلام بھیجتے اور پھر یہ کہتے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ“ اور جب آپ ﷺ مسجد سے باہر نکلتے تو بھی اپنی ذات پر درود و سلام پڑھتے اور یہ دعاء لگتے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ“ (3)۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد احادیث ہیں جو مسجد کے آداب اور احکام کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ہم نے انہیں ترک کر دیا ہے۔ فرمایا قِيْلَ يَا اَبْنَةَ اَنَسٍ تَرَفَعِي... اس طرح اور مقامات پر فرمایا: لِيَبِيْنِيْ اَذْمُرْ خُذُوْا رِيْئَكُمْ عَنْ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف: 31) ”اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو“۔ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَ اذْعُوْا مُنْصِبِيْنَ لَهٗ الْيَمِيْنِ (الاعراف: 29)۔ ”اور ہر نماز کے وقت اپنے چہرے سیدھے کرو اور اس کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسے پکارو“۔ وَ اَتَى السُّلَيْمٰنُ يٰسُوْدَةَ (الحج: 18)۔ حضرت ابن عباس یٰسُوْدَةَ فِيْهَا اِسْمُهُ کا معنی تلاوت قرآن بتاتے ہیں۔ آصال اصل کی جمع ہے دن کے آخری حصے کو اصل کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں تسبیح کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد نماز ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ ”عدو“ سے مراد فجر کی نماز سے اور ”آصال“ سے مراد عصر کی نماز۔ یہی دو نمازیں پہلے پہل فرض ہوئی تھیں اور انہی کا تذکرہ کر دیا گیا (4)۔ ایک دوسری قرأت میں يُسَبِّحُ فَعَلْ يَجْوَلُ ہے۔ اس صورت میں ”والآصال“ پر وقف نام ہوگا اور ہرجال لَاتُتَّيْبَعُ مِنْهُ سے نئے ہملہ کا آغاز ہوگا گویا کہ یہ فاعل مدفوف کی تفسیر ہے۔ گویا یہ پوچھا گیا کہ کون ان میں تسبیح کرتے ہیں؟ جواب دیا گیا: رجال۔ اُرْسِيْبَعِ فَعَلْ معروف پر عین تو اس صورت میں اس کا فاعل ”رجال“ ہوگا اور اسی پر وقف ہوگا کیونکہ کلام فاعل کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ لفظ رجال کہنے میں ان کی بلند ہمتوں، صالح نیوٹوں اور اعلیٰ عزائم کا شعور دلانا مقصود ہے جن کے باعث یہ ان مساجد و آباد کرنے میں مشغول ہو گئے جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کی عبادت، شکر، توحید اور تزیینہ بیان کرنے کے مقامات ہیں جیسا کہ فرمایا: مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ رِيْجَالٌ صَبَّوْا نَسَا عَاهَدُوْا اِنَّهُمْ عَلَيَّ (الاحزاب: 23) ”اہل ایمان میں ایسے جو ائمہ ہیں جنہوں نے وہ وعدہ سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا“۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے تو ان کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ہی نماز ادا کریں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عورت کی اپنے گھر میں نماز، اس کے حجرے کی نماز سے افضل ہے اور اس کی اپنی کونجھری میں نماز، گھر میں نماز سے افضل ہے“ (5)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”عورتوں کے لئے بہترین مسجد ان کے گھروں کا بالکل اندرونی حصہ ہے“ (6)۔ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام حیدر رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے معلوم ہے کہ تمہیں میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند ہے لیکن تمہاری اپنے گھر میں نماز حجرو کی نماز سے اور حجرو کی نماز صحن کی نماز سے اور صحن کی نماز حنظلہ کی مسجد کی نماز سے اور حنظلہ کی مسجد میں تمہاری نماز میری مسجد میں نماز سے بہتر ہے“۔ چنانچہ

1- صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 494، سنن نسائی، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 53

2- سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 254، وغیرہ، 3- سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 253-254، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 282

4- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 146، 5- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 156

6- مسند احمد، جلد 6 صفحہ 297

انہوں نے اپنے گھر کی انتہائی اندرونی جگہ کو بطور مسجد مقرر کر لیا اور آخردم تک وہیں نماز پڑھتی رہیں (1)۔ اس کے باوجود عورتوں کے لئے مردوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا بھی بے گزبے بشرطیکہ وہ بناؤ سنگھار کر کے اور تیز خوشبو لگا کر نہ آئیں کیونکہ اس طرح مردوں کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی بندگیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو“ (2)۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے: ”عورتوں کے گھرانے کے لئے بہتر ہیں“ (3)۔ ایک روایت میں ہے: ”وہ خوشبو لگائے بغیر نکلیں“ (4)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں جانا چاہے تو وہ خوشبو نہ لگائے“ (5)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان عورتیں فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوتیں، پھر وہ اپنی چادروں میں لپیٹی ہوئی وہاں جاتی تھیں تو اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہ جاتی تھیں (6)۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان نئی نئی باتوں کو پالیتے جو عورتوں نے ایجاد کی ہیں تو آپ ﷺ انہیں ضرور مسجدوں میں آنے سے منع فرمادیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا (7)۔ اس کے بعد فرمایا: ”یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (المنافقون: 9)“ ”اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کرو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے۔“ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَوَدَّوْا أَنْ يُصَلُّوا مَعَكُمْ يَوْمَ الْيَوْمِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ“ (الحج: 9) ”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر جاؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو“۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسے بلند ہمت اور جوہر مند ہیں کہ دنیا اس کی زیب و زینت، اس کی لذت اور تجارت انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی جو ان کا خالق اور رازق ہے اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، وہ ان دنیاوی چیزوں سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہیں کیونکہ یہ چیزیں فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ باقی ہے، اس لئے فرمایا: لَا تُؤْتِيهِمْ بَتًّا ذَرًّا ... یعنی یہ سعادت مند اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے حکم اور اس کی محبت کو اپنی خواہش اور محبت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چند تجارت پیشہ لوگوں کو دیکھا کہ جو نبی نماز کے لئے اذان ہوئی، وہ اپنا کاج کاج چھوڑ کر مسجد کی طرف چل پڑے۔ یہ دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ انہی میں سے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ“ میں کیا ہے (8)۔ اس قسم کی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بازار میں تھے۔ جب نماز کا وقت ہو گیا تو لوگوں نے اپنی دکانیں بند کیں اور مسجد میں چلے آئے۔ یہ دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تجارت کروں اور اس سے مجھے ہر روز تین سو دینار نفع حاصل ہوتا بھی میں نماز کے وقت اسے چھوڑ کر مسجد میں چلا جاؤں گا۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ تجارت حلال نہیں ہے بلکہ میری خواہش ہے کہ میں ان لوگوں

2۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 7

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 371

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 76-77

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 438

5۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 328

6۔ فتح الباری، کتاب الوصیۃ، جلد 2 صفحہ 54، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 445-446

7۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1 صفحہ 219، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 329

8۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 146، تفسیر کبیر، جلد 9 صفحہ 253

میں شامل ہو جائیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سچا ہے: ﴿لَا تَلْمِزُوهُمْ﴾۔ عمرو بن دینار الامور بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سالم بن عبد اللہ کے ساتھ مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ جب ہم مدینہ شریف کے بازار سے گزرے تو دیکھا کہ دوکاندار اپنے سامان کو ڈھانچ کر نماز کے لئے مسجد میں چلے گئے ہیں۔ حضرت سالم نے وہاں جب کسی شخص کو نہ پایا تو اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہی دو لوگ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہوا ہے۔ سعید بن ابی الحسن اور عثاک اس آیت کے متعلق یہی فرماتے ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت ان لوگوں کو حشرہ وقت پر نماز کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی۔ مطر اور اراق کہتے ہیں کہ وہ خرید و فروخت میں مشغول رہتے تھے لیکن جوئی کسی کے کان میں اذان کی آواز پڑتی تھی تو وہ ترازو رکھ کر مسجد کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ذکر اللہ سے مراد فرض نماز ہے یعنی تجارت اور بیع انہیں فرض نماز سے غافل نہیں کرتی۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت کے باعث وہ نماز میں حاضر ہونے اور اس کے اوقات اور آداب کی پابندی کرنے سے غفلت نہیں برتتے۔ اس کے بعد فرمایا: يَخَافُونَ يَوْمًا - یعنی وہ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولناکی اور شدت کے باعث دل گھبرا جائیں گے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جیسا کہ فرمایا: ﴿وَأَنْذَرْنَاهُمْ يَوْمَ الْأُوقَاتِ﴾ (المومن: 18) ”اور آپ انہیں قریب آنے والے دن سے ڈرائیے“۔ ﴿إِنَّمَا يُؤِخَّرُ حَتَّىٰ لَبِئْسَ مَا تَحْكُمُونَ﴾ (الانعام: 160) ”جو کوئی ایک سنی لائے گا تو اس کے لئے اس کی مانند ہوں گی اور جو کوئی ایک برائی کرے گا تو اسے اس کے برابر ہی بدلے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا“۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّنَا إِلَّا الْمَنُوفُونَ سَابِقًا﴾ (الحج: 11) ”کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو (اپنا مال بطور) قرضہ حسد دے اور اللہ تعالیٰ اس کے مال کو کوئی گنا بڑھادے اور اسے شائد اراجہ بھی ملے“۔ ﴿وَأَنذَرْتَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (البقرہ: 261) ”اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھادیتا ہے“۔ اور یہاں فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يَتَزَوَّجُ﴾۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ دودھ لایا گیا۔ آپ نے مجلس میں موجود تمام حاضرین کے سامنے باری باری یہ دودھ پیش کیا۔ چونکہ وہ سب روزہ سے تھے اس لئے کسی نے بھی وہ دودھ نہ پیا۔ آپ روزہ دار نہیں تھے اس لئے آپ نے دودھ پی لیا اور پھر اس آیت یَخَافُونَ يَوْمًا - کی تلاوت کی (1)۔ حضرت اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اول آخر تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی بلند آواز سے ندا دے گا جو ساری مخلوقات کو سنائی دے گی کہ ابھی سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم کے سب سے زیادہ مستحق کون ہیں۔ پھر حکم ہوگا کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کیا کرتی تھی۔ چنانچہ وہ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ بہت ہی کم ہوں گے، انکے بعد باقی مخلوق کا حساب ہوگا“۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس فرمان ”لِيُؤْفِقَهُمْ أَجُودَهُمْ وَ لِيُرِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ“ کی وضاحت میں فرمایا کہ ان کی نیکیوں کا اجر جنت ہے اور ان پر عذیبہ فضل یہ ہوگا کہ انہیں ان لوگوں کے متعلق شفاعت کا حق حاصل ہوگا جنہوں نے ان پر دنیا میں کوئی احسان کیا تھا اور وہ مستحق شفاعت

ہوں گے (1)۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَتِهَا الظَّهْنُ مَاءٌ حَتَّى إِذَا جَاءَهُمْ لَا يُجِدُ كَأْسٍ شَرِبُوا وَجَدَ اللَّهُ عِندَ ذُنُوبِهِمْ جَسَابًا ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٠١﴾ أَوْ تَقَطَّبَتْ فِي بَحْرٍ لِيُؤْتِيَهُمْ مَوْجًا مَوْجًا فَوْقَهُمْ فَوْقَهُمْ سَحَابٌ مَطْمُتًا بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُمْ كَانُمْ يَبْكَدُونَ ۗ وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا أَفْئالَهُ مِنَ النُّورِ ﴿١٠٢﴾

”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت ہو کسی چمیل میدان میں خیال کرتا ہے اسے پیاسا کہ وہ پانی ہے۔ حتیٰ کہ جب (پینے کے لئے) اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا اور پاتا ہے اللہ کو اپنے قریب تو پورا چکا دیا اس نے اس کا حساب، اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھارہ ہی ہوتی ہے اس پر موج، اس کے اوپر اک اور موج (اور) اس کے اوپر بادل۔ (تدرست) اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔ جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے۔ اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لئے کہیں نور نہیں۔“

یہاں دو قسم کے کفار کے لئے دو مثالیں بیان ہو رہی ہیں بالکل اسی طرح جیسا کہ سورہ بقرہ کے آغاز میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئیں، ایک آگ کی اور دوسری پانی کی اور جیسا کہ سورہ رعد میں پانی اور آگ کی دو مثالیں اس ہدایت اور علم کے لئے بیان ہوئیں جو دلوں میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی تفسیر اپنے مقام پر گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ یہاں دونوں مثالوں میں سے پہلی مثال ان کافروں کی ہے جو دوسروں کو بھی کفر کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے عقائد اور اعمال بالکل درست اور اچھے ہیں اور وہ راہ راست پر گامزن ہیں حالانکہ یہ ان کی خام خیالی ہے اور درحقیقت وہ بے راہ روی کا شکار ہیں۔ ان کی مثال سراب کی سی ہے جو وسیع چمیل میدان میں دور سے یوں دکھائی دیتا ہے جیسے وہ موجیں مارتا ہو اور پابا ہے۔ قیعة جمع ہے قاع کی جیسے حیوۃ جمع ہے حار (پڑوسی) کی۔ قاع کی جمع قیعان بھی آتی ہے جیسے جبار کی جمع جباران۔ قاع وسیع کشادہ اور ہموار زمین کو کہتے ہیں اور ایسے ہی میدانوں میں سراب نظر آتا ہے۔ دو پہر کے وقت وسیع میدان میں ریت کے چمکتے ہوئے ذرات دور سے یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے پانی ہو۔ پیاسا اس سراب کو پانی خیال کر کے اس کی طرف لپکتا ہے تاکہ اس سے اپنی پیاس بجھائے۔ جونہی وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہ اسے کچھ بھی نہیں پاتا۔ سبکی حال کافر کا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ نیک اعمال کر رہا ہے اور یہ اعمال اس کے کام آئیں گے لیکن جب قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں حساب کے لئے حاضر ہوگا اور اس سے اس کے اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں۔ اس کے سب اعمال غارت جائیں گے یا تو اس وجہ سے کہ ان میں اخلاص نہ تھا یا اس وجہ سے کہ وہ شریعت کے مطابق نہ تھے جیسا کہ ارشاد ہے: وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ ظُلُمَاتٍ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَكَرِهُوا النُّورَ ۗ وَكَرِهُوا النُّورَ ۗ وَكَرِهُوا النُّورَ ۗ وَكَرِهُوا النُّورَ ۗ وَكَرِهُوا النُّورَ ۗ (الفرقان: 23)

”اور ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے۔“ اور یہاں فرمایا: وَوَجَدَ اللَّهُ ۙ

کہ قیامت کے دن یہود سے دریافت کیا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم اللہ کے بیٹے عزریٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ کہا جائے گا کہ تم جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ کا تو کوئی بیٹا ہے ہی نہیں، اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم سخت پیا سے ہیں، ہمیں پانی پلا دو۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم پانی پر جاتے کیوں نہیں؟ اب انہیں دوزخ دور سے سراب کی طرح دکھائی دے گا۔ دوزخ سے ہونے چاہئیں گے اور جہنم رسید ہو جائیں گے (1)۔ یہ مثال تو تھی جہں سراب والوں کی۔ اب جہل بیسٹ والوں کی مثال مد خطہ ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو انتہائی نادان، فریب خوردہ اور ظالم ہیں جو کفر کے سرخونوں کی اندھا دھند تقلید کئے جا رہے ہیں۔ یہ بہرے، گونگے، اندھے اور بے عقل ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ فرمایا: **أَذْكَىٰ كَلْمًا فِي بَعْضٍ** یعنی ان کی مثال گہرے سمندر میں تہہ در تہہ تار کیوں کی سی ہے، اس کے اوپر تہہ در تہہ موجیں ہیں اور مزید یہ کہ گھٹا نوپ پادل نے اسے ڈھانپ رکھا ہے۔ اب کیفیت یہ ہے کہ سخت تاریکی کے باعث ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دیتا۔ یہ مثال جاہل اور اندھی تقلید کرنے والے کافر کی ہے جسے اس شخص کا حال بھی معلوم نہیں ہوتا جو اسے گمراہی کی راہ پر چلا رہا ہوتا ہے اور نہ ہی اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس راہ پر گامزن ہے بلکہ اس کی مثال ایسے سے جیسے جاہل سے کہا جائے کہ تو کہاں جا رہا ہے؟ وہ کہے کہ میں ان کے ساتھ جا رہا ہوں، پھر اس سے پوچھا جائے کہ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ وہ کہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما **يُفْشِلُهُمْ فِي كَلْمٍ** وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ پروردگار ہے جو دل کا ڈال اور آنکھوں پر پڑ جاتا ہے۔ یہ ان ارشادات کی طرح ہے: **وَحَدَّثَنَا اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ يُشَاوِدُ (البقرة: 7)** ”مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پروردگار نے،“ **أَفَرَأَيْتَ عَيْنَ الَّذِينَ هَدَىٰ وَأَصَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَقَلْبِهِمْ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِمْ عَشِيرًا (الجملة: 23)** ”ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بتایا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگادی اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا اس کی آنکھوں پر پروردگار نے (2)۔ حضرت ابی بن کعب اس فرمان **كَلَّمَتْ بَعْضُهُمْ قُلُوبًا بِبَعْضٍ** کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایب کافر پانچ قسم کے اندھیروں میں گرفتار ہوتا ہے: اس کا کلام تاریکی ہے، اس کا عمل تاریکی ہے، اس کا داخل ہونا تاریکی ہے، اس کا کلنا تاریکی ہے اور قیامت کے دن اس کا انجام بھی جہنم کی تاریکی میں ہوگا (3)۔ اس کے بعد فرمایا: **وَمَنْ نَّمَّ يَنْجَلِ اللَّهُ** یعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے وہ ہلاک ہونے والا جاہل، گمراہی میں حیران و مشوش رہنے والا کافر ہے جیسا کہ فرمایا: **مَنْ يُضَلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ (الاعراف: 186)** ”جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“ یہ مومنوں کے لئے بیان کی گئی اس مثال **(يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ)** کے مقابلہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات القدس سے التجا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو بھی منور کر دے اور ہمارے دائیں بائیں بھی نور عطا فرمادے اور ہمارے نور کو بڑھاتا رہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَّتْ كُلُّ قَدِّ عِلْمٍ
صَلَاتُهُ وَتَسْبِيحُهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِسَائِقَعَلُونَ ۝ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى
اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝

”کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے

1 صحیح بخاری، تفسیر سورہ نساء، جلد 6، صفحہ 56، مجمع، کتاب الامان، جلد 167-1171

3- تفسیر جہری، جلد 18، صفحہ 151، مستدرک حاکم، تفسیر سورہ نورا، جلد 2، صفحہ 399

2- تفسیر طبری، جلد 18، صفحہ 150

پر پھیلانے ہوئے ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دعا اور اپنی تسبیح کو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے بادشاہی ہے سارے آسمانوں کی اور ساری زمین کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے۔ یہ بتایا جا رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بسنے والے تمام فرشتے، انسان، جن، حیوانات، حتیٰ کہ جمادات بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں جیسا کہ فرمان ہے: **تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ** (یٰسٰرٰئیل: 44) ”پاک جیان رستے ہیں اسی کی لمناؤں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے“، اور پرندے بھی پر پھیلانے ہوئے پرواز کے وقت اپنے رب کی عبادت اور اسی تسبیح کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھادی ہے، اسی نے فرمایا: **مَنْ لَمْ يَلْمِ يَلْمِ يَلْمِيهِ** یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی عبادت کا مخصوص طریقہ سکھادیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ تمام چیزوں سے اچھی طرح واقف ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں، اس لئے فرمایا: **وَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ**۔ اس کے بعد اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، وہی حقیقی حاکم متصرف اور معبود ہے جس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور اس کے حکم کو کوئی رو نہیں کر سکتا۔ قیامت کے دن سب کو اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ وہاں وہ اپنی مشیت کے مطابق ہر ایک کے متعلق فیصلہ فرمائے گا تاکہ ہر نیک و بد کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ وہی خالق مالک معبود اور حاکم ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ أَمْ لَهُمْ خَلِيقٌ مُّطَهَّرَةٌ
فِي السَّمَاءِ مِنْ حَبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنِ
مَنْ يَشَاءُ ۗ يَكَادُ سَنَابِقُهُ يَدْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۗ يُقَدِّبُ اللَّهُ النَّبِيَّ وَالنَّهَامَ ۗ إِنَّ فِي
ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْبَصَارِ ۗ

”کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ لے جاتا ہے بادل کو پھر جوڑتا ہے اس (کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں) کو، پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ نکلتی ہے اس کے درمیان سے اور اترتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے پس نقصان پہنچاتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور پھیر دیتا ہے اس کو جس سے چاہتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کی چمائی کو۔ بدلی کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ رات اور دن کی۔ بے شک اس میں عبرت ہے آنکھوں والوں کے لئے“۔

اللہ تعالیٰ پتے پتے بادلوں کو اپنی قدرت سے آہستہ آہستہ چلاتا ہے اور پھر ان کھمرے ہوئے بادلوں کے ٹکڑوں کو ملا دیتا ہے، پھر انہیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے اور پھر ان کے درمیان سے بارش برتی ہے۔ عبید بن عیسٰ اللہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کچھ ہوائیں بھیجتا ہے جو سرد و غیر سرد ہوتی ہیں، پھر بادلوں کو ظاہر کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے، پھر بادلوں کو یکجا کرنے والی ہوائیں روانہ کرتا ہے اور پھر ان سے بارش برسائے والی ہوائیں بھیجتا ہے (1)۔ فرمایا: **وَيُرْزِقُ مِنَ السَّمَاءِ** بعض نحوویوں کا کہنا ہے کہ اس میں پہلا ”من“ ابتدا کے غایت کے لئے ہے، دوسرا جمع کے لئے اور تیسرا بیان جنس کے لئے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کا یہ معنی کیا جائے کہ آسمان میں برف کے پہاڑ

ہیں جہاں سے اولے اور برف برتی ہے لیکن جن حضرات کے نزدیک یہاں جبال کا لفظ بادل کے لئے بطور کنایہ ہے، ان کے نزدیک دوسرا ”من“ بھی ابتدائے غایت کے لئے ہے لیکن پہلے ”من“ سے بدل ہے۔ فرمایا: **فَيُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ** ... اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاں چاہے اپنی رحمت سے وہاں بارش اور اولے برساتا ہے اور جہاں نہ چاہے وہاں سے بارش روک لیتا ہے۔ اس فرمان کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اولوں کے ذریعے نقصان میں مبتلا کر دے اور ان کے پھلوں، درختوں اور کھیتوں کو برف باری کے ذریعے تلف کر دے اور جس پر وہ اپنی رحمت کرنا چاہے اسے اس نقصان سے بچالے۔ پھر فرمایا: **يَكَاذِبُونَ** ... یعنی قریب ہے کہ اس کی بجلی کی شدید چمک آنکھوں کی بینائی لے جائے۔ اس کے بعد فرمایا: **يُعَذِّبُ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتُ الْمُنَافِقَاتُ** یعنی اللہ تعالیٰ ہی دن اور رات میں تشریف کرتا ہے اور انہیں باری باری چھوٹا بنا کر کے اعتدال پر رکھتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تصرف، غیب، عظمت اور عزم کی روشن دلیل ہے لیکن صرف ان کے لئے جن کی آنکھیں روشن ہیں جیسا کہ فرمایا: **إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ** (آل عمران: 190)۔

وَ اللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّا لَهُ فَمِنْهُمْ مَّن يَّمشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ ۖ وَ مِنْهُمْ مَّن يَّمشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ ۗ وَ مِنْهُمْ مَّن يَّمشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ ۗ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

”اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ہر جانور کو پانی سے۔ تو ان میں کچھ تو ریٹکتے ہیں پیٹ کے بل، اور ان میں سے بعض چلتے ہیں دو ٹانگوں پر اور ان میں سے بعض چلتے ہیں چار ٹانگوں پر۔ پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے ایک ہی پانی سے مختلف شکل و صورت، رنگ و روپ اور حرکات و سکنات کی حامل انواع و اقسام کی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ ان میں سے سانپ اور اس قسم کی دوسری چیزیں اپنے پیٹ کے بل ریٹکتی ہیں۔ انسان اور پرندے دیکھیں جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ حیوانات اور چوپائے چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اس لئے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ**۔

لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ ۖ وَ اللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

”ہم نے اتاری ہیں ایسی آیتیں جو (حق کو) صاف صاف بیان کرتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پہنچاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ تک۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بکثرت حکمتیں، احکام اور واضح اور پختہ مثالیں بیان کی ہیں اور اسی نے عقل و بصیرت رکھنے والوں کو ان کے سمجھنے کی صلاحیت سے نوازا ہے، اس لئے فرمایا: **وَ اللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ**۔

وَ يَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ بِالرَّسُولِ ۖ وَ أَطَعْنَا ثُمَّ قَبِيتُ مِنْهُمْ مَّن بَعْدِ ذٰلِكَ ۗ وَ مَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَ رَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا قَرِيتُ مِنْهُمْ

تَعْرِضُونَ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ يَكُنْ لَكُمْ الْحَقُّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى اللَّهِ فَدَعُوا إِلَيْهِمْ وَأَطِيعُوا أَمْرًا تَأْتِيهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا يَنْهَاهُمْ عَنْ عَمَلِهِمْ السَّيِّئِ ۚ إِنَّكُمْ عِنْدَ اللَّهِ لَكُونُونَ ۚ وَإِنْ يَكُنْ لَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأْتُوا بِهِ بِبَيِّنَاتٍ مِنَ اللَّهِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ لَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأْتُوا بِهِ بِبَيِّنَاتٍ مِنَ اللَّهِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ لَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأْتُوا بِهِ بِبَيِّنَاتٍ مِنَ اللَّهِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ لَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأْتُوا بِهِ بِبَيِّنَاتٍ مِنَ اللَّهِ ۚ

”اور وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور (اس کے) رسول پر اور ہم فرمانبردار ہیں پھر منہ پھیر لیتے ہے ایک فریق ان سے (ایمان و اطاعت کے) اس دعوئی کے بعد، اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں۔ اور جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو اس وقت ایک جماعت ان میں سے روگردانی کرنے لگتی ہے۔ اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہونا ہو تو (بھاگے) چلے آتے ہیں اس کی طرف تسلیم کرتے ہوئے۔ کیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ (اسلام کے متعلق) شک میں مبتلا ہیں یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ ظلم کرے گا اللہ تعالیٰ ان پر اور اس کا رسول۔ بلکہ (درحقیقت) وہ خود ظالم ہیں۔ ایمانداروں کی بات تو صرف اتنی ہے کہ جب انہیں بلا یا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ فرمادے ان کے درمیان، تو وہ کہتے ہیں ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں باہر اد ہیں۔ اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔“

ان منافقین کی صفات بیان کی جا رہی ہیں جو اظہار کسی اور چیز کا کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں موجود کوئی اور چیز ہے۔ یہ اپنی زبانوں سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن پھر وہ روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضاد ہے، یہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں، اس لئے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ ایماندار نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: إِذَا دُعُوا۔ یعنی جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے لئے ہوئے پیغام ہدایت کی طرف بلا یا جاتا ہے تو وہ تکبر کرتے ہوئے اس کی اتباع سے اعراض کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلْنَا مِنْ رَبِّكَ... رَأَيْتَ الَّذِينَ يَصُذُونَ عَنْكَ صُنُوفًا (النساء: 60-61) ”کیا آپ نے ان کی طرف نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے جو آپ کی طرف اتاری گئی اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے، وہ چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لئے (اپنے مقدمہ) طاعت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ طاعت کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور تک بہکا دے اور جب انہیں کہا جائے کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی طرف اور رسول کی طرف تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ آپ سے روگردانی کرتے ہوئے منہ موڑ لیتے ہیں۔“ حضرت سرہ رضی اللہ عنہ سے مروی عامرونی ہے: ”جس شخص کو حاکم کے پاس بلا یا جائے لیکن وہ نہ جائے تو وہ ظالم ہے اور اس کا کوئی حق نہیں“ (1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَإِنْ يَكُنْ لَكُمْ الْحَقُّ... یعنی اگر انہیں اپنے حق میں فیصلہ ہوتا ہو نظر آتا ہو تو وہ بھاگ بھاگ اسے تسلیم

کرتے ہوئے چلے آتے ہیں لیکن اگر فیصلہ ان کی مرضی اور مفاد کے خلاف ہو تو وہ اس سے اعراض کر کے باطل کے ساتھ چمت جاتے ہیں اور اپنے باطل کو رواج دینے کے لئے خواہش رکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سوا کسی اور سے تصفیہ کروائیں۔ پہلی صورت میں فیصلے کو تسلیم کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اسے برحق یقین کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ ان کی خواہش کے مطابق ہے، اسی لئے جب ان کے مفاد پر زد پڑے اور فیصلہ ان کی مرضی کے خلاف ہو تو یہ حق سے روگردانی کرنے لگتے ہیں، اس لئے فرمایا: **أَقْبَىٰ فُتُوًّا وَبُهْمًا مَّعْرُضًا** یعنی ان کا اصل مسند یہ ہے کہ یا تو ان کے دلوں میں روگ ہے یا انہیں دین میں شک ہے یا انہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ناحق ظلم کریں گے۔ جو کچھ بھی ان میں سے ہو بہر صورت وہ کفر ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو بخوبی جانتا ہے اور اسے یہ مکمل آگاہی ہے کہ ہر ایک کے دل میں کونسی صفت پائی جاتی ہے۔ آیت کے آخر میں واضح کر دیا گیا کہ یہی ظالم اور فاجر ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان کی بدگمانی سے مبرا ہیں کہ وہ ان پر ظلم کریں گے۔ جب کسی منافق کا کسی سے تازع ہو جاتا اور اس کے تصفیہ کے لئے اسے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہونے کے لئے کہا جاتا، اگر تو وہ حق پر ہوتا تو وہ تسلیم کر لیتا اور اسے معلوم ہو جاتا کہ حضور ﷺ اس کے حق میں فیصلہ دیں گے لیکن اگر وہ ظالم ہوتا تو آپ ﷺ کے پاس فیصلے کے لئے آنے سے روگردانی کرتا اور کہتا کہ میں تو فلاں سے تصفیہ کراؤں گا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس کا کسی کے ساتھ جھگڑا ہو اور اسے اسلامی حکم کے مطابق فیصلے کی طرف بلایا جائے لیکن وہ قبول نہ کرے تو وہ ظالم ہے اور اس کا کوئی حق نہیں۔“ یہ حدیث غریب اور مرسل ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان کا وصف بیان ہو رہا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور کتاب و سنت کے سوا کسی اور دین کے خواہاں نہیں ہوتے، فرمایا: **إِنَّا كَانُوا قَوْمًا مُّؤْمِنِينَ**، اسی لئے ان کے متعلق فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو بامر اور نجات یافتہ ہیں۔ یہ اپنے مطلوب کے حصول میں کامیاب ہیں اور عذاب سے سلامتی پانے والے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو بدری صحابی اور انصار کے ایک نقیب بھی ہیں، جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بھتیجے جنادہ بن ابی امیہ سے کہا: کیا میں تمہیں آگاہ نہ کر دوں کہ تمہارے ذمہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ ضرور آگاہ فرمائیے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تنگی، خوشحالی، خوشی، غمی اور جب کسی کو تجھ پر ترجیح دی جائے، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا تم پر ضروری ہے، اپنی زبان کو عدل کے ساتھ سیدھا رکھو، امور کو انجام دینے کے اہل لوگوں کے ساتھ امور کو چھیننے کے لئے تازع نہ کھڑا کرنا، البتہ اگر وہ تمہیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات بالکل نہ ماننا۔ اگر تمہیں کتاب اللہ کے منافی کسی چیز کا حکم دیا جائے تو کتاب اللہ کی ہی اتباع کرنا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر کوئی اسلام نہیں، خیر صرف جماعت کے ساتھ وابستہ ہے اور اخلاص صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور عام مومنوں کے لئے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اسلام کا مضبوط حلقہ لا الہ الا اللہ تعالیٰ دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور مسلمانوں کے حاکم کی اطاعت کرنا۔ کتاب و سنت، خلفائے راشدین اور مسلمان حکام کی اطاعت کے بارے میں احادیث اور آثار اس قدر زیادہ ہیں کہ یہاں انہیں ذکر کرنا ممکن نہیں۔ فرمایا: **وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ**۔ یعنی جس نے اللہ اور اس کے رسول کے اوامر اور نواہی کو تسلیم کیا اور گزشتہ گنہوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اور مستقبل میں تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھا تو ایسے لوگ بنی دنیا و آخرت میں بر بھلائی کے حصول میں کامیاب ہونے والے اور شر سے محفوظ رہنے والے ہیں۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَا تُفْسِدُوا طَاعَةَ

مَعْرُوفَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حَمَلْتُمْ ۚ وَإِن تُطِيعُوا تَهْتَدُوا ۗ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَدُ الْمُنِيبِينَ ﴿۱۰۰﴾

”اور تمہیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بڑے زور شور سے کہ اگر آپ نہیں حکم دیں تو وہ (گھروں سے بھی) نکل جائیں گے۔“
 فرمائیے تمہیں نہ کھاؤ۔ تمہاری فرمانبرداری خوب معلوم ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے جو کچھ تم کرتے رہتے ہو۔
 آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کرم) کی۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان لو) رسول کے ذمہ اتنا ہے جو ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا، اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور نہیں ہے (ہمارے) رسول کے ذمہ بجز اس کے کہ وہ صاف صاف پیغام پہنچا دے۔“

منافقین کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے سامنے جتنے قسمیں کھا کھا کر یہ یقین دہانی کراتے کہ اگر آپ ہمیں جہاد کے لئے نکلے گا حکم دیں گے تو ہم قبیل ارشاد کرتے ہوئے فوراً نکل کھڑے ہوں گے۔ اس کے جواب میں انہیں فرمایا گیا: **تَشْكُرُوا** بعض نے **طَاعَةَ مَعْرُوفَةٌ** کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ تمہاری اطاعت خوب معلوم ہے، اس کی حقیقت یہی ہے کہ تمہارے قول و فعل میں تقاضا ہے اور جب بھی تم قسم اٹھاتے ہو، جھوٹ بولتے ہو جیسا کہ فرمایا: **يُخْلِفُونَ كَلِمًا بِلِتْرَضْوَانِئِهِمْ** (النور: 96) ”وہ تمہارے لئے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔“ **إِنَّا نَحْنُ وَإِنَّمَا تَنَفَّسْتُمْ فِي الْمِطْرَيْنِ** (2)۔ جھوٹ ان کی فطرت اور عادات ہے یہاں تک کہ جس چیز کو وہ خود اختیار کرتے ہیں اس میں بھی جھوٹ بولتے ہیں جیسا کہ فرمایا: **أَلَمْ تَكِرَ الْأَنْبِيَاءُ نَاقِقُونَ يُقَالُونَ لِإِحْوَانِهِمْ** **وَلَيْسَ لَهُمْ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** (البقرہ: 24) بعض نے **طَاعَةَ مَعْرُوفَةٌ** کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم معمول کے مطابق اطاعت کرتے رہو، قسمیں کھانے کی کوئی ضرورت نہیں، جس طرح اہل ایمان بغیر قسم میں کھائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں منہک ہیں تم بھی اسی طرح اطاعت کرتے ہوئے ان جیسے بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں اچھی طرح باخبر ہے اور وہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو خوب جانتا ہے۔ قسمیں اٹھا کر اطاعت کا جھوٹا اظہار کرنے سے مخلوق کو تو دھوکہ دیا جاسکتا ہے لیکن اس خالق سے حقیقت چھپ نہیں سکتی جو پوشیدہ چیزوں کا بھی علم رکھتا ہے بلکہ وہ تو بندوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔ پھر فرمایا: **قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ** یعنی کتاب و سنت کی اتباع کرو۔ اگر تم نے اس سے روگردانی کی اور رسول اللہ ﷺ کی لبائے ہونے پیغام کو پس پشت ڈال دیا تو جان لو کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دینا اور اس کی امانت کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونا لازم ہے اور تم پر یہ لازم ہے کہ اس پیغام کو قبول کرو، اس کی تعظیم و تکریم کرو اور اس کے تقاضا کے مطابق عمل کرو۔ اگر تم نے آپ ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا راہت اختیار کر لیا تو ہدایت پا جاؤ گے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَإِنَّمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَدُ الْمُنِيبِينَ**، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: **فَائِدَةً عَلَيْكَ إِلَّا إِلَهُكَ وَعَلَيْكَ الْحِسَابُ** (الرعد: 40) ”سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے۔“ **فَقُلْ لِلَّهِ الْحُكْمُ** **مُذُنُّوا ۖ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّفٍ** (الغاشیہ: 22-21) ”پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں۔“ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیا علیہ السلام کی طرف وحی

کی کہ بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑے ہو جاؤ، میں تمہاری زبان پر وحی جاری کر دوں گا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کھڑے ہوئے اور آپ کی زبان پر یہ خطبہ جاری ہو گیا: اے آسمان! سن! اے زمین! خاموشی سے خور کر، اللہ تعالیٰ ایک معاملہ کی تکمیل اور ایک امر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے جسے وہ ہر صورت نافذ کرنے والا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جنگلوں کو آباد کر دے، ویرانوں کو سرسبز بنا دے، صحراؤں میں نہریں جاری کر دے، فقیروں کو فنی کر دے اور چرواہوں کو بادشاہ بنا دے اور وہ ان پڑھوں میں سے ایک امی نبی بھیجنا چاہتا ہے جو نہ درشت مزاج ہو، نہ سخت دل، نہ بدکلام اور نہ باز آروں میں شور و شغب کرنے والا۔ اگر وہ چراغ کے پاس سے گزرے تو اس کی تواضع، سٹون اور وقار کے باعث وہ چراغ بھی نہ بجھے اور اگر وہ سوکھے سرکنڈوں اور بانسوں پر پاؤں رکھ کر چلے تو بھی پاؤں تھے سے آواز سنائی نہ دے۔ میں اسے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجوں گا کوئی بیہودہ بات اس کی زبان سے نہیں نکلے گی، میں اس کی برکت سے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور غلاف میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھول دوں گا، میں اسے ہر امر جمیل سے آراستہ کروں گا، اسے ہر خلق کریم سے نوازوں گا۔ سکینت اس کا لباس، نیکی اس کا شعار، تقویٰ اس کا ضمیر، حکمت اس کی گفتار، صدق و وفا اس کی طبیعت، غنودا احسان اس کی خصلت، حق اس کی شریعت، عدل اس کی سیرت، ہدایت اس کا امام، اسلام اس کی ملت اور احمد اس کا نام ہوگا۔ میں اس کی برکت سے گمراہی کے بعد ہدایت، جہالت کے بعد علم، گمنامی کے بعد شہرت، ناواقفیت کے بعد پہچان، قلت کے بعد کثرت اور فقر کے بعد خوشحالی سے سرفراز کروں گا اور اس کے طفیل متفرق قوموں، باہمی منافرت کا شکار دلوں اور بکھری ہوئی خواہشات کو یکجا کر کے لوگوں کے درمیان الفت اور محبت پیدا کر دوں گا اور بہت سے لوگوں کو اس کے سبب ہلاکت سے بچا لوں گا۔ اس کی امت سب سے افضل امت ہوگی جو نیکی کا علم دیں گے، برائی سے منع کریں گے اور یہ موحد مومن مخلص اور تمام رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہوں گے (1)۔

وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسَّخَّرَنَّ لَهُمْ فِي الْآلَمِ مَرْضًا كَمَا اسْتَخَفَّ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَ لَيُؤْتِيَنَّهُمُ الْغَنَىٰ الَّذِي كَفَرُوا بِهٖمُ الْغَنَىٰ ۗ وَ لَيُؤْتِيَنَّهُمُ مِّنْ قَبْلِ حَوْفِهِمْ
أَمْثًا لِّيَعْبُدُوهُ ۗ وَ لَيُؤْتِيَنَّهُمُ الْغَنَىٰ ۗ وَ لَيُؤْتِيَنَّهُمُ الْغَنَىٰ ۗ وَ لَيُؤْتِيَنَّهُمُ الْغَنَىٰ ۗ ۝۳۱

”وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کئے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے، اور مستحکم کر دے گا ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لئے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں، کسی کو میرا شریک نہیں بناتے۔ اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرما رہا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی امت کو خلافت بخش کر لوگوں کا امام اور حکمران بنائے گا، ان کے طفیل ملک آباد ہوں گے اور بندے ان کے تابع فرمان ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خوف کی حالت کو امن میں بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ سچ ثابت ہوا۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ہی مکہ، خیبر، بحرین، جزیرہ عرب اور یمن فتح ہوا، ہاجر کے مجوسی اور شام کے بعض علاقوں والے لوگ جزیرہ دینے لگے اور شاہ روم برقل، مقوقس مصر، شاہ عمان اور شاہ حبشہ نجاشی نے آپ ﷺ کی خدمت میں تحائف اور نذرانے ارسال کئے۔ حبشہ کے بادشاہ اسمعہ نے تو اسلام قبول کر لیا۔ ان کی وفات کے بعد تخت حبشہ پر متمکن ہونے والے بادشاہ نے بھی

آپ ﷺ کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا اور تحائف نذر کئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے پاس دار کرامت میں بلا لیا تو آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی۔ آپ نے خلافت کو کمزور کرنے والوں اور دین میں رخنہ اندازی کرنے والوں کا قلع قمع کیا اور خلافت کو مستحکم بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ایک لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بلاد فارس کی طرف روانہ کیا جنہوں نے وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور کفر کے سرخونوں کو نیست و نابود کر دیا۔ ایک دوسرا لشکر آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سرزمین شام کی طرف روانہ کیا اور ایک تیسرا لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مصر کی طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے شام کی طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کو فتوحات عطا فرمائیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یصری، دمشق اور حران وغیرہ فتح ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ پر عظیم احسان فرمایا کہ اس نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا عظیم خلیفہ عطا فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف الہام ہی تھا جس کے سبب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے بھی اس ذمہ داری کو خوب سمجھایا اور سلطنت اسلامیہ کو ایک باوقار، پر شکوہ اور بے مثال مقام پر لاکھڑا کیا، یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام کے بعد چشم فلک نے آپ صیبا صاحب کردار، نیک سیرت اور عادل شخص نہیں دیکھا۔ آپ کے زریں عہد میں شام و مصر کے تمام علاقے اور ایران کے اکثر علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے۔ کسری کی شان و شوکت خاک میں مل گئی، وہ ذلیل و رسوا ہو کر اور سلطنت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور سلطنت کسری کے کلزے نکلے ہو گئے۔ قیصر بھی مغلوب ہوا اور بلاد شام سے ہاتھ دھو کر قسطنطنیہ میں جا ٹھہرا۔ ان دونوں سلطنتوں کے خزانے اور اموال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا جو اس نے اپنے پیارے رسول ﷺ سے کیا تھا، پھر خلافت عثمانیہ میں مملکت اسلامیہ کی سرحدیں مشرق و مغرب میں انتہائی دور دراز علاقوں تک وسیع ہو گئیں۔ مغرب میں فتوحات کا سلسلہ اندلس اور قبرص تک دراز ہوا اور بحر محیط کے ساتھ قبردان اور سیبہ کے علاقے فتح ہوئے۔ مشرق میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ چین کی سرحدوں تک پھیل گیا۔ کسری قتل ہوا اور ساری سلطنت اس کے ہاتھوں سے جاتی رہی، دوسری طرف عراق، خراسان اور ابوزہرا پر اسلام پر چم لہرانے لگا۔ ترکوں کے ساتھ گھمسان کارن پڑا جس میں بہت سے ترک کام آئے اور ان کے بادشاہ خاقان کو ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا، مشرق و مغرب سے خراج اکٹھا ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آنے لگا، یہ برکت تھی آپ کی تلاوت قرآن کی، قرآن کی اشاعت کی اور حفظ قرآن کی ترغیب دلانے کی۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سیٹ دیا، بوس میں نے اس کے مشرق اور مغرب دیکھ لئے اور عنقریب میری امت کی سلطنت ان علاقوں تک پہنچے گی جو میرے لئے سینے گئے“ (1)۔ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچ ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وسیع و عریض اور عظیم الشان سلطنت سے نوازا جس میں ہم خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اتھا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر کاربند رہنے اور اپنے احسانات کا شکر بجالانے کی توفیق ارزانی فرمائے! حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں کا معاملہ اس وقت تک بخیر و خوبی چلتا رہے گا جب تک ان میں بارہ آدمی امور سلطنت چلائیں گے“۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ ارشاد فرمایا جو میں نہ سن سکا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد گرامی سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ”وہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے“ (2)۔ مسلم کی روایت

میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات اس شام کو فرمائی تھی جب حضرت ماعز بن مالک کو رجم کیا گیا تھا (1)۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بارہ عادل خلفاء کا ہونا ضروری ہے لیکن اس سے مراد شیعوں کے بارہ امام نہیں کیونکہ ان کی اکثریت کو خلافت کا کوئی حصہ نہیں ملا۔ حدیث شریف میں جن بارہ افراد کا ذکر ہوا ہے وہ سب قریش سے ہوں گے، خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے اور عدل کریں گے۔ ان کی بشارت سابقہ کتابوں میں بھی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ لگا تار ہوں بلکہ امت میں ان کا وجود لگا تار بھی ممکن ہے اور متفرق بھی۔ پہلے چاروں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے تسلسل کے ساتھ خلافت پر متمکن ہوئے۔ ان کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، پھر بھی ایسے خلفاء ہوئے اور تمسک ہے آگے چل کر بھی ہوں۔ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی میں سے ہیں۔ ان کا نام اور کنیت حضور ﷺ کے نام اور کنیت کے مطابق ہوں گے۔ وہ تمام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جبکہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت آجائے گی“ (2)۔ ابوالعالیہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ تقریباً دس سال مکہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کی دعوت دیتے رہے لیکن یہ خوف اور بے اطمینانی کا زمانہ تھا جس میں جہاد کی اجازت بھی نہ تھی۔ اس کے بعد جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہتھیار اٹھانے اور جہاد کرنے کا حکم دے دیا۔ یہاں بھی مسلمانوں کو بروقت کفار کے حملہ کا کھڑا لگا رہنا اور وہ صبح و شام ہتھیاروں سے لیس رہتے۔ جب اسی کیفیت میں کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم ہمیشہ اس طرح خوفزدہ رہیں گے؟ کیا ایسا دن نہیں آئے گا جب ہمیں امن نصیب ہوگا اور ہتھیار رکھ دینے کی نوبت آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب تم آرام سے بے خوف ہو کر جمع عام میں بیٹھو گے اور تمہارے جسم پر کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کو جزیرہ عرب پر غلبہ عطا فرمایا۔ مسلمان پر امن ہو گئے اور ہتھیار رکھنے کی بھی نوبت آ گئی۔ پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت میں بھی امن و اطمینان سے زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر مسلمان باہمی تنازعات اور جھگڑوں میں پڑ گئے اور ایک بار پھر خوف انہیں دامگیر ہو گیا جس کی وجہ سے انہیں اپنے لئے پہریدار اور داروغے مقرر کرنا پڑے۔ جب وہ بدلے تو گردش زمانہ کے چکر میں آ گئے (3)۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ خلافت ابوبکر و عمر کتاب اللہ سے ثابت ہے، اس کی تائید میں انہوں نے یہی آیت پیش کی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ہم انتہائی خوف اور دہشت کی حالت میں تھے (4)۔ یہ آیت کریمہ اس فرمان کی طرح ہے: **وَإِذْ قُلْنَا إِذَا أَنْتُمْ قَائِلَةٌ فَاتَّصَفُوتُمْ فِي الْأَمْثَالِ... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ** (الانفال: 26) ”اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھتے جاتے تھے ملک میں ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچکے نہ لے جائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی اپنی نصرت سے اور تمہیں پاک چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ“۔ فرمایا: **كَمَا اسْتَشْفَكَتُمْ... جیسا کہ حضرت مویٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: عَسَىٰ رَبَّكُمْ أَنْ يُضَلِّكَ عَذَابُكُمْ وَيَسْتَشْفِكَتُمْ فِي الْأَمْثَالِ** (الاعراف: 129) **وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعَفُوا فِي الْأَرْضِ...** ”س کے بعد فرمایا: **وَالْيَوْمَ نَبِّئُكَ...** رسول اللہ ﷺ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم سے فرمایا: ”کیا تم نے حیرہ شہر دیکھا

2- سنن ابی داؤد کتاب السنن، جلد 4 صفحہ 211، مسند احمد جلد 5 صفحہ 220-221 وغیرہ

4- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 215

1- صحیح مسلم، کتاب الإمارة جلد 3 صفحہ 1453

3- مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 401

تفسیر ابن کثیر: جلد سوم

ہے؟“ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اسے دیکھا تو نہیں، البتہ اس کے بارے میں میں نے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کو غلبہ عطا فرمائے گا یہاں تک کہ ایک عورت حیرہ سے تنہا اونٹنی پر سوار ہو کر نکلے گی اور آ کر بیت اللہ کا طواف کرے گی۔ اور ستو، تم کسری بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کر کے۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے تعجب سے پوچھا کہ کسری بن ہرمز کے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، کسری بن ہرمز کے، اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہیں ملے گا۔“ حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حیرہ سے اونٹنی پر سوار ہو کر تنہا آنے والی عورت کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کسری کے خزانے فتح کئے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تیسری پیشین گوئی بھی پوری ہو کر رہے گی کیونکہ حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے (1)۔ حضرت ابن بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس امت کو ترقی، رفعت، دین، فتح و نصرت اور غلبہ کی نوید سنا دو۔ بس جس شخص نے دنیا کے لئے آخرت کا عمل کیا، اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا“ (2)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں گدھے پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف پالان کی کٹڑی تھی۔ آپ نے مجھے آواز دے کر فرمایا: اے معاذ! میں نے عرض کی: ”لَبَيْتُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ سَعْدِي يَتُكَ“ تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے وہی جواب دیا، پھر تھوڑی دور جا کر آپ ﷺ نے یہی فرمایا تو میں نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔“ پھر تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں اور ہر حکم کی بجا آوری کے لئے تیار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب بندے اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی کریں تو بندوں کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کیا حق ہے؟“ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی بہتر معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے“ (3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَهَذَا نَقَرٌ بِقَدْرٍ ذِيكَ۔ یعنی اس کے بعد بھی جس نے میری اطاعت سے اعراض کیا، اس نے میری حکم عدولی کی اور یہ بہت بڑا سخت گناہ ہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے، اس لئے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت اور شان و شوکت سے نوازا۔ انہوں نے دین کی سر بلندی کے لئے سب سے زیادہ جدوجہد کی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے انہوں نے تمام دنیا پر حکومت کی۔ جب اس کے بعد مسلمان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں سستی اور غفلت برتنے لگے تو ان کی گرفت بھی ڈھیلی ہوتی گئی اور ان کی شان و شوکت ماند پڑنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر اور غالب رہے گا۔ انہیں بے یار و مددگار چھوڑنے والے اور ان کے مخالفین قیامت تک ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے ایک اور روایت میں ہے: یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے اور حالیکہ وہ حق پر ہوں، ایک اور روایت میں ہے: یہاں تک کہ وہ دجال سے جہاد کریں گے، ایک اور روایت میں ہے: یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں اور اس وقت یہ کفار پر

2۔ مستدرج، جلد 5 صفحہ 134

1۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 610-611، مستدرج، جلد 4 صفحہ 257

3۔ صحیح بخاری، کتاب المقاتل، جلد 7 صفحہ 218، صحیح مسلم، کتاب الامین، جلد 1 صفحہ 58-59

غالب ہوں گے (1)۔ یہ تمام روایات صحیح ہیں اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۱﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَتَّكِفُونَ
كُفْرًا وَأَمْعَجُزِينَ فِي الْأَمْرِ وَمَا وَهَمُ الْكَاذِبُ وَلَيْسَ الْمَصِيئُ ﴿۵۲﴾

”اور صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے۔ یہ خیال ہرگز نہ کیجئے کہ کفار عاجز کرنے والے ہیں (ہمیں) زمین میں اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے۔ اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو نماز قائم کرنے یعنی صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے، زکوٰۃ دینے یعنی کمزور اور محتاج لوگوں پر احسان کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے اور ہر امر و نہی میں آپ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم فرما رہا ہے تاکہ اس قبیل اور شاخ کے سبب اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے ان کے احکام بجالاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم فرمائے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: **أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ (النور: 71)**۔ دوسری آیت میں فرمایا: **لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَتَّكِفُونَ**۔ یعنی اے نبی (ﷺ)! یہ نہ گمان کرنا کہ آپ کی مخالفت کرنے والے اور آپ کو جھٹلانے والے ہمیں عاجز کر دیں گے بلکہ ہمیں ان پر پوری پوری قدرت حاصل ہے اور ہم انہیں سخت ترین عذاب سے دوچار کریں گے، اس لئے فرمایا: **وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ**۔ یعنی دار آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ کفار کے لئے بہت برا ٹھکانا ہے۔

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْيَسْتَأْذِنُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ
ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۖ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ
الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ ۚ طَوُّوْنَ عَلَيْكُمْ
بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۱﴾ وَإِذَا بَلَغَ
الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ دِيَارِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۲﴾ وَالنِّسَاءُ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا
فَلْيَسَّ عَلِيَهُنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۚ وَأَنْ يَسْتَغْفِنَ
حَيْزُهُنَّ ۚ وَاللَّهُ سَبِيحٌ عَلِيمٌ ﴿۵۱﴾

”اے ایمان والو! اذن طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت) تمہارے غلام اور وہ (لاکے) جو ابھی جوانی کو نہیں پہنچے، تم میں سے تین مرتبہ نماز فجر سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو دو پیر کو اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لئے۔ نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی حرج ہے ان اوقات کے علاوہ۔ کثرت سے آنا جانا رہتا ہے تمہارا ایک دوسرے کے پاس۔ یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اپنے) احکام۔ اور اللہ تعالیٰ

سعیم حکیم ہے۔ اور جب پہنچ جائیں تمہارے بچے حد بلوغ کو تو وہ بھی اذن طلب کیا کریں جس طرح اذن طلب کیا کرتے ہیں وہ لوگ (جن کا ذکر پہلے ہوا یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کو، اور اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے۔ اور بوزھی خانہ نشین عورتیں جنہیں آرزو نہ ہو نکاح کی تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی کپڑے بشرطیکہ وہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں (اپنی) آرائش۔ اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے لئے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

ان آیات کریمہ میں قریبی رشتہ داروں کو ایک دوسرے سے اجازت حاصل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے سورت کے آغاز میں اذن طلب کرنے کا جو حکم گزرا ہے وہ اجنبیوں کے متعلق تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ ان کے خدام اور ان کے نابالغ بچے تین اوقات میں ان سے اجازت لے کر ان کے پاس آئیں۔ فجر کی نماز سے پہلے کیونکہ اس وقت لوگ عموماً سوئے ہوئے ہوتے ہیں، دوپہر کو کیونکہ اس وقت انسان عموماً اپنے بالائی کپڑے اتار کر آرام کرتا ہے اور عشاء کی نماز کے بعد کیونکہ یہ بھی نیند کا وقت ہے۔ ان تین اوقات میں خدام اور بچوں کو پابند کیا جائے کہ وہ بغیر اجازت کے گھر والوں پر نہ آدھمکیں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ ان اوقات میں انسان اپنے اہل کیساتھ ہو یا ایسی حالت میں ہو جس میں کسی کا وجود اس کے لئے ناقابل برداشت ہو، اس لئے فرمایا: **ثَلَاثَ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ...** یعنی یہ تین اوقات پردے کے ہیں لیکن ان تین اوقات کے علاوہ اگر کسی اور وقت میں وہ بغیر اجازت کے آئیں تو نہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر کیونکہ خدمت اور کام کاج کی خاطر ان کا بہت زیادہ آنا جانا رہتا ہے اور بار بار اجازت طلب کرنا حرج کا باعث ہے اس لئے صرف انہیں صرف انہی مذکورہ تین اوقات کے سوا باقی تمام اوقات میں بغیر اذن کے آنے کی رخصت دے دی گئی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی کے متعلق فرمایا: ”یہ شخص نہیں کیونکہ یہ بھی انہی میں سے ہے، جن کا تمہارے پاس بہت زیادہ آنا جانا رہتا ہے“ (1)۔ اس آیت کے حکم ہونے کے باوجود لوگوں کا اس پر عمل بہت کم ہے، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما لوگوں کی اس روش کو بہت ناپسند کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے تین آیات پر عمل ترک کر رکھا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ بِيَوْمِهِمْ**، **وَإِذَا خَصَمْتُ الْبِغْسَةَ أَوْ لَوْ الْفُتُولَى** (النساء: 8) اور **إِنْ أَكْرَهْتُمْ عَلَيْهَا فَعَلْنَا الْبِغْسَاطَ لَكُمْ** (الحجرات: 13) (2) ”ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ ان تین آیات کے متعلق شیطان لوگوں پر غالب آ گیا اور انہوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں کا آیت اذن پر گویا ایمان نہیں رہا، میں نے تو اپنی لونڈی کو بھی اذن طلب کرنے کا پابند کر رکھا ہے (3)۔ موسیٰ بن ابی حاشمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صفعی سے اس آیت **لِيَسْتَأْذِنَكُمْ** کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے؟ فرمایا: نہیں، میں نے پوچھا کہ لوگ تو اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے تو میں طلب کرنی چاہئے (4)۔ دو آدمیوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مستور ہے اور وہ پردہ کو پسند فرماتا ہے۔ دراصل پہلے لوگ اتنے خوشحال نہیں تھے کہ دروازوں پر پردے لٹکاتے یا اپنے گھروں میں کچی کچی کمرے بنا لیتے۔ بعض اوقات آدمی اپنے اہل کے ساتھ ہوتا اور اس کا خادم، اس کا بچہ یا اس کی زیرکفالت تنہا بچا چاک اس کے پاس آدھمکتا، یہ چیز بہت پریشان کن تھی، اس لئے مذکورہ تین اوقات میں اللہ

1۔ موطا امام مالک، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 23، سنن ابی داؤد، کتاب البہارۃ، جلد 1 صفحہ 19-20 وغیرہ

2۔ الحجرات: 13 تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 163

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 349

4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 163

تعالیٰ نے انہیں اجازت حاصل کرنے کا حکم دے دیا، اس کے بعد رزق کی فراوانی ہوگئی، لوگ خوشحال ہو گئے اور انہوں نے مرد سے لڑکا دیئے اور اپنے گھروں میں کئی کئی کرے بنا لئے، اس لئے لوگ سمجھنے لگے کہ اب اس اذن کی ضرورت نہیں جس کا آیت میں حکم دیا گیا ہے (1)۔ سہمی کہتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ چاہتے تھے کہ ان اوقات میں اپنی بیویوں کے ساتھ ہم بستری کریں اور پھر غسل کر کے نماز کے لئے چلے جائیں، اس لئے انہیں حکم دے دیا گیا کہ ان اوقات میں ان کے غلام اور لڑکے اذن حاصل کئے بغیر ان کے پاس نہ آئیں۔ مقاتل بن حیان بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری اور ان کی بیوی حضرت اسماء بنت مرثد نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کی۔ لوگ بغیر اجازت کے آئے گئے۔ حضرت اسماء نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کتنی بری بات ہے کہ غلام بغیر اجازت کے میاں بیوی کے پاس آدھمکے جبکہ وہ دونوں ایک ہی کپڑے میں ہوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس بات کی دلیل کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں، آیت کے یہ الفاظ ہیں: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكَ اٰيٰتِهٖ ۗ وَ اللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيْمٌ۔ اس کے بعد فرمایا: وَاِذْ اَبْلَهٰكُمْ اِذَا ظَلَمْتُمْ ۗ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْفٰسِقِيْنَ۔ یعنی تمہارے وہ بچے جو پہلے صرف ان تین اوقات میں تم سے اجازت لیتے تھے، جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ ہر وقت اجازت طلب کرنے کے پابند ہیں۔ اب ان کا حکم اجنبیوں جیسا ہوگا۔ یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ بچہ جب تک نابالغ ہو، وہ صرف ان تین اوقات میں اپنے والدین سے اجازت کا پابند ہوگا لیکن جب بالغ ہو جائے تو اسے ہر حال میں اسی طرح اجازت لینا ہوگی جس طرح آدمی کے بڑے بیٹے اور قریبی رشتہ دار اجازت لیتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَاَلْقُوا حَيْضَهُمْ۔ اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن کا حیض بالکل بند ہو جائے، بچہ پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں اور نہ ہی انہیں شادی کی خواہش ہو۔ ایسی عورتوں پر پردے کی وہ پابندی نہیں جو دوسری عورتوں پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت وَقُلْ لِلّٰهِ مَوْلٰدٌ مِّمَّنْ يَّخْتَصِمُ مِنْهُ (النور: 31) سے مستثنیٰ ہے (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور بہت سے دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ایسی عورتوں کو برقعہ اور بالائی چادر اتار دینے کی اجازت ہے (3)۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ ایسی عورت برقعہ وغیرہ اتار سکتی ہے لیکن لباس کے علاوہ دو پوشیدہ اور ڈھکی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ لفظ ہے: اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ۔ اس سے مراد بھی یہی ہے کہ وہ دو پوشے کے اوپر کی چادر اتار سکتی ہے بشرطیکہ وہ دو پوشہ موٹا ہو۔ اس کے ساتھ اظہار زینت کی پابندی عائد کرتے ہوئے فرمایا: عَدِيْبٌ مِّنْكُمْ لِيُجِئْتِ بِنِيْتٍ لِّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْفٰسِقِيْنَ۔ مقصود زینت و آرائش کی نمائش نہ ہو۔ ام مضاء بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مہندی، تہبند، بالیوں، پازیب، سونے کی انگوٹھی اور پتلے کپڑوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اے عورتو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بناؤ سنگار حلال کیا ہے بشرطیکہ مردوں کے سامنے اس کی نمائش مقصود نہ ہو۔ سہمی بیان کرتے ہیں کہ مسلم نامی میرا ایک رفیق تھا۔ وہ حضرت حذیفہ بن یمان کی زوجہ کا غلام تھا۔ ایک دن وہ بازار آیا تو مجھے اس کے ہاتھ میں مہندی لگی ہوئی دکھائی دی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں نے حضرت حذیفہ کی بیوی کے سر پر مہندی لگائی تھی۔ مجھے اس پر بہت تعجب ہوا۔ میں مسلم کو لے کر حضرت حذیفہ کی زوجہ محترمہ کے پاس لے گیا تو انہوں نے اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! میں اب ان عمر رسیدہ عورتوں میں سے ہوں جنہیں نکاح وغیرہ کی خواہش نہیں رہتی (4)۔ آخر میں فرمایا: وَاَنْ يَّسْتَفِفْنَ یعنی ان کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ بالائی کپڑے اتارنے سے اجتناب کریں۔ اگرچہ انہیں اس کی اجازت تو ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ وہ بالائی

2۔ سنن ابی داؤد کتاب اللہ ص، جلد 4 صفحہ 63

4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 4، صفحہ 334-335

1۔ سنن ابی داؤد کتاب اللہ، جلد 4 صفحہ 349

3۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الحج، جلد 7 صفحہ 93، بحکم بیہقی، جلد 9 صفحہ 237 وغیرہ

کپڑے بھی اوڑھے رہیں۔

لَيْسَ عَلَى إِذْنِ عَمِي حَرْبٌ وَلَا عَلَى الْآخِرِ حَرْبٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْبٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ
أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بِيوتِكُمْ أَوْ بِيوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بِيوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بِيوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ
بِيوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بِيوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بِيوتِ عَمَّتِكُمْ أَوْ بِيوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بِيوتِ
خَالَاتِكُمْ أَوْ مِمَّا مَلَكَتُمْ مِمَّا تَرْتَحَهُ أَوْ صَبِيغِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ
أَشْتَاتًا فَإِذَا دَخَلْتُمْ بِيوتَكُمْ فَاسْتَبِشُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبْرَكَةٌ طَيِّبَةٌ
كُنَّا لَكُمْ بِيوتِكُمْ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ⑩

”نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے
گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھتیجوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے
گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی
خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے۔ نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ
سب مل کر یا الگ الگ۔ پھر جب تم داخل ہو گھروں میں تو سلامتی کی دعا کرو اپنوں کو وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے
جو بڑی بابرکت (اور) پاکیزہ ہے۔ یونہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اپنے) احکام کو تاکہ تم سمجھ لو۔“

یہاں اندھے، لنگڑے اور مریض سے جس حرج کو رفع کیا گیا ہے، اس کی بابت مفسرین کا اختلاف ہے۔ عطاء خراسانی اور عبدالرحمن
بن زید فرماتے ہیں کہ یہ حکم جہاد کے بارے میں ہے یعنی اندھے، لنگڑے اور مریض جہاد میں شرکت نہ کریں تو ان پر کوئی حرج نہیں جیسا کہ
سورہ فتح میں ہے اور وہاں جہاد کے متعلق حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ ضعف اور عجز کے باعث جہاد ترک کر دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اسی
طرح سورہ برأت میں فرمایا: لَيْسَ عَلَى الْمُضْعَفَةِ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرْبٌ ۚ أَلَا يَتَذَكَّرُ
يُفْقُونَ (البقرہ: 91-92) ”نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں، کوئی حرج جبکہ وہ اللہ
اور اس کے رسول ﷺ کے لئے مخلص ہوں، نیوکاروں پر الزام کی کوئی وجہ نہیں اور اللہ تعالیٰ بخور رحیم ہے، اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے)
جو جب آپ کے پاس حاضر ہوئے تاکہ آپ انہیں سوار کریں تو آپ نے فرمایا میں نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کروں، وہ اس حال میں
لوٹتے ہیں کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسو بہا رہی ہوتی ہیں کہ افسوس! انہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں“ حضرت سعید بن جبیر اور
مقدم اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ لوگ اندھے، لنگڑے اور مریض کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج محسوس کرتے تھے کہ ایسا نہ
ہو وہ خود زیادہ اور اچھا اچھا کھالیں لیکن یہ معذور پیرت بھر کر نہ کھا سکیں۔ اس زیدتی کے پیش نظر لوگ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ مل کر
کھائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں اس چیز کی رخصت دے دی گئی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ بعثت سے پہلے لوگ ان کے ساتھ مل کر
کھانا کھانے سے کراہت محسوس کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ لوگ اندھے، لنگڑے اور
مریض کو لے کر اپنے باپ، بھائی، بہن، پھوپھی یا خالہ کے گھر میں لے جاتے تھے۔ یہ لوگ اس سے عار محسوس کرتے اور کہتے کہ ہمیں

اوروں کے گھر لے جاتے ہیں چنانچہ اس آیت کے ذریعے انہیں رخصت دے دی (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ آدمی اپنے باپ، بھائی یا بیٹے کے گھر جاتا، وہ نہ ہوتے اور عورتیں کوئی کھانا پیش کرتیں تو وہ اس وجہ سے نہ کھتا کہ گھر کا مالک تو ہے نہیں اور نہ ہی اس کی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَلَا عَلَىٰ الْفَيْسَلِمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ مَيْمُونَتَيْكُمْ تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ، واضح تو ہے لیکن اس کے ذکر کرنے میں یہ حکمت کا فرما ہے کہ اس پر کسی اور چیز کا عطف کیا جائے اور اسے اس کے حکم میں داخل کر کے اس کے برابر ٹھہرایا جائے اور یہ بیٹوں کے گھر دل کو ضمناً شامل ہے اگرچہ لفظوں میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا، لہذا بعض حضرات نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جیسے کا مال بجز لہ باپ کے مال کے ہے۔ مسند اور سنن میں متعدد اسناد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے“ (2)۔ اور یہ فرمان أَوْ مَيْمُونَتَيْكُمْ مَقَاتِحُهُ بِالْكَفْلِ وَالْمُحْرَمَاتِ اس سے بعض علما نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرابت داروں کا نان و نفقہ بعض کا بعض پر واجب ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے۔ سعید بن جبیر اور سدی اس فرمان أَوْ مَيْمُونَتَيْكُمْ مَقَاتِحُهُ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد غلام، خادم، داروغے اور کارندے ہیں۔ یہ اپنے آقا کے مال سے حسب ضرورت کھا سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد پر روانہ ہوتے وقت اپنی کنجیاں اپنے قابل اعتماد دوستوں کے حوالے کر دیتے اور انہیں کہہ دیتے کہ جس چیز کے کھانے کی تمہیں ضرورت ہو، ہم تمہیں اس کی اجازت دیتے ہیں لیکن وہ کھانے سے باز رہتے اور کہتے کہ ہمارے لئے کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے انہوں نے بدل نخواستہ ہمیں کھانے کی اجازت دی ہو اور ہم تو ایمن ہیں اس لئے ہم کچھ نہیں کھائیں گے۔ اس پر یہ فرمان أَوْ مَيْمُونَتَيْكُمْ مَقَاتِحُهُ نازل ہوا (3)۔ اس کے بعد فرمایا: أَوْ صَدِيقَيْكُمْ یعنی دوستوں کے گھروں سے کھانا بھی جائز ہے جبکہ تمہیں علم ہو کہ ان پر یہ شاق نہیں گزرے گا اور نہ ہی وہ اس کا برامنائیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جب تم اپنے دوست کے گھر جاؤ تو اس کی اجازت کے بغیر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَاءْنَاكُمْ بِالْحَبْلِ الْبَاطِلِ (النساء: 29) نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ناحق ایک دوسرے کا مال کھانے سے منع کیا ہے۔ اور کھانے پینے کی چیزیں بھی تو مال ہی ہیں اس لئے ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ہاں کچھ کھائیں چنانچہ سب اس سے احتراز کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اسی طرح صحابہ کرام تنہا تنہا کھانے کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ جب تک کوئی ساتھ نہ ہوتا، نہ کھاتے۔ چنانچہ اس کی رخصت دیتے ہوئے فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ..... اس میں دونوں چیزوں کی اجازت دے دی (4)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ بنی کنانہ کے لوگ تنہا کھانے کو عیب سمجھتے تھے۔ ان کی یہ کیفیت ہوتی کہ بھوک انہیں ستا رہی ہوتی پھر بھی وہ سواری پر سوار کر ایسے شخص کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے جو خورد و نوش میں ان کے ساتھ شریک ہو۔ اس پر یہ ارشاد نازل ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے تنہا اور مل کر دونوں طرح کھانے کی اجازت دے دی لیکن مل کر کھانا زیادہ برکت اور فضیلت کا باعث ہے جیسا کہ مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”شاید تم الگ الگ کھاتے ہو، مل کر اور اللہ کا

1- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 169

2- سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 289، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 179، 203، 214 وغیرہ

3- کشف الاستار من زاد المرء، تفسیر سورہ نور، جلد 3 صفحہ 61-62

4- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 168

نام لے کر کھاؤ، تمہیں اس میں برکت حاصل ہوگی“ (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عَلِمَ كَهَاؤُ، الْكَلْبِ نَهَكَهُ“ کیونکہ برکت اجتماعیت میں ہے“ (2)۔ پھر فرمایا: فَمَاذَا أَحَدَلْتُمْ هَيْبَتَنَا۔ یعنی گھروں میں داخل ہوتے وقت ایک دوسرے کو سلام کرو۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنے گھر میں جاؤ تو اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ کا تعظیم کردہ بار برکت اور پاکیزہ سلام کرو۔ میں نے اسے سراسر برکت پایا ہے (3)۔ ابن طاووس کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے گھر میں داخل ہو تو اسے سلام کرنا چاہئے (3)۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: میں اسے واجب تو نہیں کہتا کیونکہ اس کا وجوب کسی سے منقول نہیں ہے لیکن مجھے یہ بہت پسند ہے اور میں نے دانستہ طور پر اسے کبھی ترک نہیں کیا (3)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت السلام علی رسول اللہ کہو، اپنے گھر میں جاتے وقت اپنے اہل خانہ کو سلام کہو اور جب کسی ایسے گھر میں جاؤ جہاں کوئی موجود نہ ہو تو یہ کہو: ”السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ“۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب گھر میں کوئی نہ ہو تو وہاں داخل ہوتے ہوئے یہ کہو: ”بِسْمِ اللَّهِ، اَلْحَمْدُ لِلَّهِ، اَلْسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَبِّنَا، اَلْسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ“ (4)۔ قنادہ کہتے ہیں کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اپنے اہل خانہ کو سلام کرو اور جب تم ایسے گھر میں داخل ہو جہاں کوئی بھی موجود نہ ہو تو یہ کہو: ”السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ“ کیونکہ اسی چیز کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایسی صورت میں فرشتے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے پانچ چیزوں کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ”اے انس! کمال طریقے سے وضو کرو، تمہاری عمر میں اضافہ ہوگا، میری امت میں سے جس شخص سے تمہاری ملاقات ہو اسے سلام کرو، تمہاری نیکیاں بڑھیں گی، گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کیا کرو، تمہارے گھر میں خیر کی کثرت ہوگی، چاشت کے وقت کی نماز پڑھا کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے او ایسین (اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں) کی نماز ہے۔ اے انس! چھوٹے پر دم کرو، بڑے کی عزت کرو، قیامت کے دن تم میرے رفقاء میں شامل ہو گئے“ (5)۔ پھر فرمایا: تَبِيحَةُ فَيْنِ عَبْدِ اللَّهِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تشہد اسی فرمان سے سیکھا ہے۔ نماز کا تشہد (التَّحِيَّاتُ) یہ ہے: ”التَّحِيَّاتُ النَّبَارِكَةُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلاَّ اللَّهُ، اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اَلْسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلْسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ“ اسے پڑھنے کے بعد نمازی اپنے لئے دعا کرے اور سلام پھیر دے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی اس سے مختلف تشہد مروی ہے (6)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكَ اٰيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ اس سورت میں محکم اور قطعی احکام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس بات پر آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ ان کیلئے کھول کھول کر اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ وہ ان میں غور و تدبر کریں اور اچھی طرح سمجھ لیں۔

اَلَّتَّائِيَةُ مَوْتُونَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهُ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا
حَتّٰى يَسْتَاذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاذِنُوْكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِٖ ؕ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمه، جلد 3 صفحہ 346، سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمه، جلد 2 صفحہ 1093، وغیرہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 173

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمه، جلد 2 صفحہ 1093

6۔ دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الاطعمه، جلد 1 صفحہ 302-303

5۔ مسند بزار

4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 461

قَادًا اسْتَأْذَنُكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذِنَ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَفُوفٌ رَحِيمٌ ۝

”بس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لئے تو (وہاں سے) چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ۔ بس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لئے، تو اجازت دیجئے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ مغفور رحیم ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک اور ادب کی تعلیم دے رہا ہے کہ جس طرح آتے ہوئے اذن طلب کرنا چاہئے، اسی طرح واپس جاتے وقت بھی اجازت مانگنی چاہئے خصوصاً جب وہ نماز جمعہ، نماز عید، مشاورت یا کسی اور اجتماعی کام کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوں تو اس سے فراغت کے بعد وہ آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر واپس نہ جائیں۔ ایسا کرنا کالمومن ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرما رہا ہے کہ جب ان میں سے کوئی ضروری کام کے لئے آپ سے اذن طلب کرے تو آپ جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لئے استغفار کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مجلس میں جائے تو سلام کرے اور جب وہاں سے اٹھنے لگے تو بھی سلام کرے۔ پہلا سلام آخری سلام سے کوئی زیادہ واجب نہیں“ (1)۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا - قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَسْتَلُونَ مِنْكُمْ لِيُؤَادُوا الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرٍ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

”نہ بنا لو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے انہیں جو جھٹکتے جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر۔ بس دیکھنا چاہئے انہیں جو خلاف درزی کرتے ہیں رسول کریم ﷺ کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آئے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ نبی کریم ﷺ کو یا محمد اور یا ابابا القاسم کہہ کر بلا تے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعظیم و تکریم کی خاطر انہیں آپ ﷺ کا نام لے کر پکارنے سے منع کر دیا اور تلقین کی کہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر آپ کو مخاطب کیا کرو۔ تمنا وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے ادب و احترام اور عظمت و سیادت کو مخلوق کا خالص رکھنے کا قصہ، یا نبی ہے۔ مقاتل اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو آپ کا نام لے کر اور یا محمد یا ابابا بن عبدالمہدی کہہ کر نہ بلاؤ بلکہ ادب و احترام سے یا نبی اللہ یا رسول اللہ ﷺ کہا کرو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس آیت میں حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم کرنے کا قصہ ہے، اس طرح کے اور بھی

1 - سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 353، مدارسة الاحول، ابواب الاستحسان، جلد 10 صفحہ 177، وغیرہ

ارشادات ہیں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِبًا وَتَقُولُوا الضُّعْفًا وَاسْمَعُوا بِاللِّكْفِيفِ إِنَّ صَدَابَ الْكَيْفِ (البقرة: 104) "اے ایمان والو (میرے صیب سے کلام کرتے وقت) راعنا مت کہا کرو بلکہ ہو "أَنْظُرْنَا" اور (ان کی بات) غور سے سنا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ... وَلَوْ أَنَّمْ لَكُم مِّسْرَةٌ وَاسْتَفْتَى بِهَا رَبُّكُمْ لَآتَيْنَهُمْ مِنْكُمْ كِتَابًا فَهُمْ لَكَانُوا كَافِرًا (الاحزاب: 2-5) ان سب آیتوں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے اور آپ کو خطاب کرنے کے آداب سکھائے گئے ہیں، بلکہ پہلے تو یہ حکم بھی نازل ہوا کہ آپ ﷺ کے ساتھ سرگوشیاں کرنے سے پہلے صدقہ کرو۔ اس فرمان کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ حضور ﷺ کی دعا تمہاری دعاؤں کی طرح ہے۔ آپ ﷺ کی دعا تو مقبول ہے۔ آپ کی بددعا سے بچنا اور نہ نسبت و ناہود ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد فرمایا: قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ... مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے مراد منافق ہیں جنہیں جمعہ کے خطبہ میں موجود رہنا بہت بھاری محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ صحابہ کرام کی آڑے کر چپکے چپکے مسجد سے کھنکھ جاتے۔ خطبہ شروع ہونے کے بعد کوئی شخص حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ جب کوئی کسی ضرورت کے باعث وہاں سے جانا چاہتا تو وہ اٹھی کے اشارے سے اذن طلب کرتا اور آپ ﷺ سے اذن دے دیتے کیونکہ حضور ﷺ کے خطبہ دیتے وقت اگر کوئی شخص گنگو کرتا تو اس کا جمعہ باطل ہو جاتا۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ منافق جب حضور ﷺ کے ساتھ جماعت میں ہوتے تو ایک دوسرے کی آڑ لے کر فو پکھرمو جاتے۔ قہرہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور کتاب اللہ سے انحراف کرتے ہوئے یہ منافق ہٹ جاتے ہیں۔ سفیان کہتے ہیں کہ یہ صرف سے نکل جاتے ہیں، مجاہد "لو اذا" کا معنی بتاتے ہیں کہ مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: فَلْيُحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَكُمْ رُوًسًا بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (سورہ بقرہ: 213) یعنی جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم، آپ کے طریقہ، آپ کی سنت اور آپ کی شریعت سے روگردانی کرتے ہیں، انہیں کسی مصیبت سے دوچار ہونے یا عذاب میں مبتلا ہونے سے بچنا چاہئے پس لوگوں کے اقوال و افعال کا حضور ﷺ کے اقوال و افعال کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا، جو ان کے موافق ہوئے، وہ قبول کر لئے چائیں گے اور جو ان کے مخالف ہوئے، وہ رد کر دیئے جائیں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جس نے ہمارے حکم کے خلاف کوئی عمل کیا، وہ مردود ہے" (1)۔ یعنی ظاہر و باطن میں حضور ﷺ کی شریعت کی مخالفت کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں وہ کفر، نفاق اور بدعت جیسے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اور انہیں دنیا میں قتل، حد، قید و بند یا اس قسم کی کسی اور سزا کا سامنا کرنا پڑ جائے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اور تمہاری مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی، جب وہ خوب روشن ہوگئی تو پختے اور پروانے اندھا دھند اس پر گرنے لگے، وہ شخص انہیں بٹانے لگا لیکن انہیں آگ کا ایسا اشتیاق ہے کہ اس شخص کو نظر انداز کر کے آگ میں گھسے جا رہے ہیں، یہی میری اور تمہاری مثال ہے۔ میں تمہیں کمر بند سے پکڑ پکڑ کر آگ سے دور کر رہا ہوں کہ آگ سے بچو لیکن تم میری بات کو تسلیم نہیں اور آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو" (2)۔

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ وَاِيَّو مَرِيْرٍ جَعُوْنَ اِلَيْهِ
فَيَنْبِئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

"سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو پکھڑا ہونوں میں اور زمین میں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو۔ اور اس دن

جب وہ لوٹائے جائیں گے اس (کی بارگاہ) کی طرف تو وہ انہیں آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیا تھا، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، ہر پوشیدہ اور ظاہر کو خوب جاننے والا ہے اور بندوں کے خفیہ اور اعلائیہ اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔ فرمایا: قَدْ يَعْلَمُ . اس میں ”قد“ تحقیق ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیت قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِي يَسْمَعُ الْكَلِمَاتِ الَّتِي يَسْمَعُونَ میں اور مندرجہ ذیل آیات میں: قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمَغْضُوبِينَ وَمَنْ لَّهُمُ (الاحزاب: 18)، قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ (المجادلہ: 1)، قَدْ نَعْلَمُ زَيْنَةَ يَحْضُرُكَ الَّذِي يَتَقَوْلُونَ كَلِمَاتٍ لَا يَكْفِي بُرْهَانًا وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِأَلْبَابِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ (الانعام: 33) اور قَدْ كَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ (البقرہ: 144) ان تمام آیات میں ”قد“ سے مراد تحقیق فعل ہے جیسا کہ مؤذن تحقیق و ثبوت کے لئے کہتے ہیں: ”قَدْ فَاصِلَةٌ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ“ فرمایا: قَدْ يَعْلَمُ . یعنی تمہاری ہر حالت اللہ تعالیٰ کے علم اور مشاہدہ میں ہے اور ایک ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ جیسا کہ فرمایا: ”وَمَا كَلَّ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ . إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (الشعراء: 217-220)، وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (یونس: 61)“ اور نہیں ہوتے آپ کس حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اسے لوگوں) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم کسی کام میں شروع ہوتے ہو اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے۔“ اَقْسَمَ هُوَ قَائِمًا عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد: 33) ”کیا وہ خدا (ان کے جنوں جیسا ہو سکتا ہے) جو کبھی باری فرما رہے ہر نفس کی اس کے اعمال کے ساتھ،“ اَلَا إِنَّهُمْ يَخْتَوُونَ ضُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ“ اَلَا حِينٍ يَسْتَعْتَبُونَ مَا يَأْتِيهِمْ يَعْلَمُ مَا يُلْبَسُونَ وَ مَا يُعْبَرُونَ (ہود: 5) ”سنئے ہوا جس وقت وہ خوب اور ہلکتے ہیں اپنے کپڑے تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔“ سَوَاءٌ يَنْتَبِهُونَ مِنْ أَمْرِ الْقَوْلِ وَ مَن جَهَرَ بِهِ (الرعد: 10)، وَ مَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ يَرْزُقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا“ كَلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (ہود: 6) ”اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے امانت رکھنے جانے کی جگہ۔“ ہر چیز روشن کتاب میں (درج) ہے،“ وَ عِنْدَنَا مَقَاتِمُ الْعَنَابِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ . . . وَ لَا حَبْوَةَ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَ لَا تَرْتَابٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (الانعام: 59)۔“ اور اسی کے پاس غیب کی کتابیں ہیں۔ انہیں سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خفیہ اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اسے جانتا ہے اور نبی کوئی دانہ زمین کے اندر بیجوں میں اور نہ کوئی تراور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔“ اس مضمون کی حامل اور بہت سی آیات اور احادیث ہیں۔ فرمایا: وَيَوْمَ يُدْعَوْنَ . . . یعنی قیامت کے دن تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ انہیں ان کے تمام چھونے بڑے اعمال سے آگاہ فرمائے گا جیسا کہ فرمایا: يُسْتَبْأَى الْأَنْسَاءُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمْنَ وَ آخَرُ (القیامہ: 13) ”اور اس روز انسان کو آگاہ کر دیا جائے گا جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) بھیجے چھوڑ آیا“ وَ ذُو نَجْمٍ الْكَلْبُ فَتَسْمَى النُّجُومُ وَ مَن مَّشَفِقُونَ وَ مَنَافِيهِ وَ لَا يظَلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا (الکہف: 49)، اس لئے یہاں فرمایا: وَيَوْمَ يُدْعَوْنَ۔

سورۃ فرقان (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبَارَكَ الَّذِي مَلَأَ كُوْنُ الْفُرْقَانِ عَلَى عَبْدٍ لَّيَكُوْنُ لِلْعَالَمِيْنَ كَذِيْرًا ۝ الَّذِي مَلَأَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَا اَوْلَادًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِی الْمُلْكِ وَّخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رَاٰ تَقْدِيْرًا ۝

”بڑی (خیر و) برکت والا ہے وہ جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے (محبوب) بندہ پر تاکہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الہی سے) ڈرانے والا۔ وہ جس کے لئے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی اور نہیں بتایا ہے اس نے کسی کو بیٹا اور نہ اس کا کوئی شریک سلطنت میں اور اس نے پیدا فرمایا ہے ہر چیز کو پس اس نے مقرر کیا ہے ہر چیز کا ایک اندازہ۔“

قرآن کریم کے اتارنے پر اللہ تعالیٰ اپنی حمد بیان فرما رہا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَدِيْمًا لَّيْسَ بِاَسَاسٍ شَدِيْدًا ۝ اِنَّ لَدُنْهٗ وَّيُتَبَّرُ الْهُوْبِيْنَ الَّذِيْنَ يَخْتَلِفُوْنَ فِي الْفِيْضِ (الکہف: 1-2) ”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا کجی نہیں پیدا ہونے دی، (معاش و معاد کو) درست کرنے والا ہے تاکہ سخت گرفت سے ڈرائے اور اہل ایمان کو مژدہ سنائے جو نیک اعمال کرتے ہیں۔“ اور یہاں فرمایا: تَبَارَكَ الَّذِي...، تبارک برکت سے ماخوذ ہے جس میں استقرار، ثبات اور دوام ہو۔ ”قَوْلٌ“ فعل تکرار اور تکرار کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ الْكِتٰبِ الَّذِي اَنْزَلْنَا عَلٰی رَسُوْلِنَا وَّ الْكِتٰبِ الَّذِي اَنْزَلْنَا مِنْ قَبْلُ (النساء: 136)۔ پہلی کتابیں چونکہ یکبارگی نازل ہوئیں اس لئے ان کے لئے ”اَنْزَلَ“ کا لفظ استعمال کیا، اور قرآن کریم کے لئے ”قَوْلٌ“ کا لفظ استعمال کیا کیونکہ قرآن کریم قسط وار اور متفرق طور پر نازل ہوا، حسب ضرورت وقتاً فوقتاً اس کی آیات، احکام اور سورتیں اترتی رہیں، اس طرح اس پر عمل پیرا ہونا، یاد کرنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا بہت سہل اور آسان ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا اَنْزَلْنَا عَلَيْنَا الْغُثٰثَ وَالْجَبَلُ ۝ وَ اَحْسَنُ تَنْظِيْرًا (الفرقان: 32-33)، اسی لئے یہاں قرآن کریم کو فرقان کہا گیا ہے کیونکہ یہ حق اور باطل، ہدایت اور گمراہی، حلال اور حرام کے درمیان فرق اور امتیاز کرتا ہے۔ یہاں نبی کریم ﷺ کے لئے عبد کا لفظ استعمال کرنا آپ کی کمال مدح و ثنا، پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج کے موقع پر آپ کے اعلیٰ و ارفع مقام کو بیان کرتے ہوئے آپ کو اس صفت عبودیت سے متصف کر کے فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَنْتَ اَسْمٰى بِعَبْدِيْ لِيْلَا (بنی اسرائیل: 1) ”پاک ہے وہ ذات جس نے میرا کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں،“ اسی طرح مقام دعوت و تبلیغ میں یہی وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ اَنْتَ لَبَّ اَقَامَهُ عَبْدًا مِّنْ دُوْنِ الْاِيْكُوْتُوْنَ عَدِيْبًا لِّيْلَا (الجن: 19) ”اور جب اللہ تعالیٰ کا نام بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر جھوم کر کے آجاستے ہیں۔“

آپ ﷺ پر کتاب اور فرشتے کے نزول کو بیان کرتے وقت بھی آپ کی صفت محمودیت کو ہی ذکر کرتے ہوئے فرمایا: تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيُعَلِّمَنِ الْقُرْآنَ إِنَّا إِذْ أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْنَا لَمْ أَكُنْ مِنْ سَائِرِ الْعَالَمِينَ (الفرقان: 1) ”بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر الفرقان اتارا ہے تاکہ وہ سارے جہان والوں کو ڈرانے والا بن جائے“ یہاں فرمایا: نَبِيُّكُنَّ لِيُعَلِّمَنِ الْقُرْآنَ إِنَّا إِذْ أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْنَا لَمْ أَكُنْ مِنْ سَائِرِ الْعَالَمِينَ یعنی آپ ﷺ کو نہایت مفصل، جتنم، عظیم اور واضح کتاب عطا فرمائی گئی ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پاسکتا اور یہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی ہے اور تمام جہانوں تک اس کا پیغام پہنچا، آپ ﷺ کے ذمہ ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تمام سرخ و سفید کی طرف مبعوث کیا گیا ہے“ (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں“۔ ان میں سے ایک آپ نے یہ ذکر کی: ”ہر نبی کو صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے“ (2)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولٌ أَنْذَرْتُكُمْ جَهَنَّمَ (الاعراف: 158) ”فرمائیے اسے لوگو! بے شک میں اندکہ رسول ہوں تم سب کی طرف“، یعنی مجھے رسول بنا کر بھیجئے والا وہ خدا ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے جس کے صرف کن کہنے سے اس کی مطلوبہ چیز وجود پذیر ہو جاتی ہے اور وہی ہے جو مارتا اور زندہ کرتا ہے، اسی طرح یہاں فرمایا: الَّذِي كَذَّبْنَاكَ مِنَ الْغَايِبَاتِ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اولاد اور شریک سے اپنی تزییہ اور پاکی بیان کی۔ پھر فرمایا کہ وہی ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے یعنی ہر چیز کا وہ خالق، مدبر، رب، مالک اور مجبور ہے۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَسْلُكُونَ لِنَفْسِهِمْ صِرًا
وَلَا نَفْعًا وَلَا يُسَلِّكُونَ سَبِيلًا وَلَا حَيَوَاتٌ وَلَا نَشُورًا ﴿٥١﴾

”اور بنا رکھے ہیں انہوں نے خدائے برحق کو چھوڑ کر ایسے خدا جو پیدا نہیں کر سکتے کسی چیز کو اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہیں قدرت رکھتے اپنے آپ کو نقصان (سے بچانے) کی اور نفع پہنچانے کی اور نہیں طاقت رکھتے کسی کو مارنے کی اور نہ زندہ کرنے کی اور نہ مرنے کے بعد جانے کی“۔

مشرکین کی جہالت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ ہر چیز کے خالق، مالک، متصرف اور مختار کل خدا کو چھوڑ کر ایسے بتوں کو پوجتے ہیں جو بالکل عاجز اور بے اختیار ہیں، انہیں اتنی قدرت بھی حاصل نہیں کہ وہ چھڑکا پر بنا سکیں بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور اپنے لئے بھی وہ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ جب ان کے عجز اور بے چارگی کی یہ کیفیت ہے تو وہ کیونکر اپنے پیارا یوں کے سے کسی چیز کے مالک ہو سکتے ہیں؟ مزید برآں ان بتوں کو مارنے، زندہ کرنے اور مرنے کے بعد جانے کا بھی کوئی اختیار نہیں بلکہ ان چیزوں کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے اور وہی تمام مخلوق کو قیامت کے دن زندہ کر کے لوٹائے گا۔ اس کے لئے ایسا کرنا قطعاً مشکل نہیں جیسا کہ فرمایا: مَا خَلَقْنَاهُ وَلَا يَحْضُرُهُ إِلَّا كُنُفٌ ذَاتِ آجِنَّةٍ (الرحمن: 28) ”نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ زندہ کرنا مگر ایک نفس کی مانند“۔ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (القدر: 50) ”اور نہیں ہوتا ہمارا حکم ایک بار جو آکھ جھٹکنے میں واقع ہو جاتا ہے“، وَإِنَّا لَهُمْ رُجُوعٌ وَإِنَّا لَهُمْ رُجُوعٌ وَإِنَّا لَهُمْ رُجُوعٌ (الانزاعات: 13-14) ”نہیں (واپسی کے لئے) ایک جھڑک ہی کافی ہے پھر وہ کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے“۔ وَإِنَّا لَهُمْ رُجُوعٌ وَإِنَّا لَهُمْ رُجُوعٌ وَإِنَّا لَهُمْ رُجُوعٌ (الساافات: 19) ”پس قیامت تو فقط ایک جھڑک ہوگی وہ

(اٹھ کر) دیکھنے لگیں گے۔“ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً زَاجِلَةً لِّقَوْلِهِمْ جِيئِنَّا بِمُحَمَّدٍ (سین: 53) ”نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے۔“ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ ہی کوئی رب اور اس کے سوا کوئی عبادت کا سزاوار نہیں کیونکہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا، نہ اس کی اولاد سے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی اس کا کوئی عدیل ہے، نہ بدیل، نہ دوزیر اور نہ نظیر بلکہ وہ کیلا اور بے نیاز ہے جس نے کسی کو نہیں جانا اور نہ اسے جانا گیا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا اِفْكٌ افْتَرٰهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْا ضُلْمًا وَّذُوْۤرًا ۝۱۰ وَقَالُوْا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اِخْتَتَبْنَا فَهِيَ تُمْنٌ عَلَيْهِ بُرْهَانٌ وَّ اٰصِيْلًا ۝۱۱ قُلْ اَنْزَلَهٗ الَّذِيْ يٰعْلَمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَفُوًّا رَّحِيْمًا ۝۱۲

”اور کہنے لگے کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے سو یہ (کہہ کر) انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے صبح و شام (تاکہ ازبر ہو جائیں) آپ فرمائیے اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو۔ واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

جائیں کفار کی نادانی اور کم عقلی بیان ہو رہی ہے جن کا قرآن کریم کے متعلق یہ کہنا تھا کہ یہ محض بہتان اور جھوٹ ہے جسے اس (نبی ﷺ) نے گھڑ لیا ہے اور اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے اس کی مدد کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَقَدْ جَآءُوْا ضُلْمًا وَّذُوْۤرًا یعنی قرآن کریم کے متعلق ان کفار کا یہ کہنا ظلم اور جھوٹ پر مبنی ہے جس کے باطل اور جھوٹ ہونے کا انہیں بھی یقین ہے۔ مزید برآں قرآن کریم کے متعلق وہ یہ بھی کہتے: اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی یہ پہلے لوگوں کے افسانے اور قصے کہانیاں ہیں جنہیں انہوں نے لکھوا لیا ہے اور یہ صبح و شام انہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ ان کا یہ الزام ان کی کم عقلی، جھوٹ اور بہتان کا منہ بولنا جھوٹ ہے جس کے باطل ہونے کا انہیں بھی قطعی یقین تھا کیونکہ یہ بات تو اتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی تھے، آپ نے اپنی عمر کے کسی حصہ میں بھی کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا اور نہ ہی کبھی کچھ لکھا۔ ولادت سے لے کر بعثت تک تقریباً چالیس سال کی زندگی آپ ﷺ نے ان میں گزار دی۔ آپ کے شب و روز کے معمولات ان کے سامنے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ صدق، امانت، نیکی اور پاکیزگی کا پیکر ہیں اور یہ بھی انہیں بخوبی معلوم تھا کہ آپ کو جھوٹ، فسق و فجور اور دیگر اخلاقِ رذیلہ سے شدید نفرت ہے۔ یہ آپ کی سچائی اور نیکو کاری کا ہی کمال تھا کہ بعثت سے پہلے بھی وہ آپ ﷺ کو امن کے لقب سے یاد کرتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر فائز کیا تو ان کی عداوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور انہوں نے آپ پر بے بنیاد اور جھوٹے الزامات لگانے شروع کر دیے جن کے متعلق ہر عقلمند کو علم ہے کہ آپ ﷺ ان سے بالکل پاک ہیں۔ کفار ان الزام تراشیوں میں بذات خود حیران تھے اور انہیں یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ آپ کو کیا کہیں۔ اسی حیرت کا نتیجہ تھا کہ وہ بہتان تراشی کرتے ہوئے کبھی آپ کو جادوگر کہتے، کبھی شاعر، کبھی دیوانہ اور کبھی کذاب۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنْظُرْ

کَيْفَ صَرَبُوا إِلَيْكَ إِلَّا مِثَالًا فَصَلُّوا فَلَا يَسْتَبِيحُونَ سَبِيلًا (الفرقان: 9) ”ملاحظہ تو کیجئے کیسے آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں بیان کرتے ہیں، سو وہ گمراہ ہو گئے پس وہ راہیں پاسکتے۔“ ان سرکشوں کے عناد اور افتراء کے جواب میں فرمایا: قُلْ أُنزِلَتْ - یعنی اس قرآن کریم کو جو ماضی اور مستقبل کے صحیح صحیح حالات بیان کرتا ہے، اور اس میں اگلے پچھلے تمام لوگوں کی خبریں ہیں، اس خدا نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی نہیں چیزوں سے خوب واقف ہے اور جس طرح وہ ظاہری چیزوں کو جانتا ہے، بالکل اسی طرح وہ پوشیدہ چیزوں کے متعلق بھی علم رکھتا ہے۔ پھر آفریں اِنَّهٗ كَانَ عَفُوًّا رَّحِيْمًا مَّا كَرِهْتُمْ لِي تُوْبَةُ كِي دَعْوَتِ دِي اور انہیں یہ باور کرا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کا علم بہت عظیم ہے، وہ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ ان کفار کے جھوٹ، بہتان، فسق و فجور، کفر، عناد، رسول کریم ﷺ اور قرآن کریم کے متعلق ان کی افتراء پر دازی اور ہرزہ سرائی کے باوجود اللہ تعالیٰ انہیں دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی اس روش اور جث دھری سے باز آ جائیں اور توبہ کر کے ہدایت اور اسلام کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیں جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا وَاحِدٌ - أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ - وَاللَّهُ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ (المائدہ: 74-73) ”بے شک وہ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین (خداؤں) سے تیسرا ہے اور انہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ، اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور انہیں دردناک عذاب پہنچے گا جنہوں نے ان میں سے کفر کیا۔ تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور کیا اس سے بخشش طلب نہیں کرتے اور اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے،“ إِنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا النَّوْمُوذِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ هُمْ كَمَا يَتُوبُونَ أَعْتَابَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ وَنُفُوسٌ مِّنْ عَذَابِ النَّعْرِيْقِ (المرج: 10) ”بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دی پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلائے جانے کی سزا ہے۔“ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جو دکر م کی ابتدا دیکھو، یہ اللہ تعالیٰ کے دو ستون کو قتل کرتے اور اذیتیں دیتے ہیں لیکن وہ انہیں توبہ اور رحمت کی طرف بلاتا ہے۔

وَقَالُوا إِنَّمَا هَذَا رَسُولٌ مِّمَّنْ لَّكُلِّ لُغَةٍ رَّسُولٌ يُّدْعِي إِلَىٰ طَعَامِهِ وَيَشْتَرِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ لَا يَمُرُّ بِهَا إِلَّا أَوْ يَخْتَلِي إِلَيْهِ كَذُورًا أَوْ تَكْفُرًا لَهُ جِنَّةٌ يَّاكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا مَرْجُلًا مَّسْحُورًا ۝١٠ اُنظُرْ كَيْفَ صَرَبُوا إِلَيْكَ إِلَّا مِثَالًا فَصَلُّوا فَلَا يَسْتَبِيحُونَ سَبِيلًا ۝١١ تَبَرَّكَ الَّذِي إِن شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ جَدَّتْ تَجْرِبَتِي مِنْ تَعْتَبِهَا إِلَّا نُهْرًا وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا ۝١٢ بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۝١٣ وَأَعْتَدْنَا لِلْإِنسِنِ كَذَّابٍ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝١٤ إِذَا مَرَّ إِلَيْهِمْ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ۝١٥ وَإِذَا أَلْقَوْا مِنْهَا مَكَانًا صَبِيحًا مَّقْرَّبِينَ دَعَوْا هَٰذَا لَيْسَ إِلَيْنَا يَبُوءُ ۝١٦

”اور کفار بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر (لوگوں کو) ڈراتا۔ یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم از کم) اس کا ایک باغ بھی ہوتا کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم بیرونی نہیں کر رہے ہو مگر ایک ایسے شخص کی جس پر جاو کیا گیا ہے ملاحظہ تو کیجئے کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں

سو وہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پاسکتے۔ بڑی (خیر و) برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لئے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں اور بنادے آپ کے لئے بڑے بڑے بھلات۔ بلکہ یہ تو جھلاتے ہیں قیامت کو۔ اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے لئے جو جھلاتے ہیں قیامت کو کھڑکتی ہوئی آگ۔ جب یہ آگ دیکھے گی انہیں دور سے تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا۔ اور جب انہیں پھیکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو۔ (کہا جائے گا بد بختو!) نہ مانگو آج ایک موت بلکہ مانگو بہت سی موتیں۔“

کفار کی سرکشی، عناد اور بلا دلیل ان کے تکذیب حق کو بیان کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے محض اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا ہے کہ آپ بھی ان کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں تجارت اور کسب معاش کی خاطر چلتے پھرتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرشتہ اس کی طرف کیوں نہیں اتارا گیا جو اس کے دعویٰ کی صداقت پر گواہی دیتا یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: فَلَوْلَا أَلْقَىٰ عَلَيْهِ اسُودًا فَوَیْن ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ (الزخرف: 53) ”کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے ٹکٹن (اگر وہ سچا نبی ہے) یا کیوں نہ آئے اسکے ساتھ فرشتے قطار در قطار“۔ بالکل اسی طرح ان کفار کا مطالبہ تھا، تمام کفار کے دل کیساں ہوتے ہیں، اس لئے یہ کہنے لگے: أَوْ يُنْفَلِ إِلَيْنَا كَلْبٌ... یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ اسے کوئی خزانہ دے دیا جاتا تاکہ یہ خود بھی راحت و سکون کی زندگی بسر کرتا اور اس کے ساتھی بھی فخر و افتاد سے نجات حاصل کر لیتے یا اس کا کوئی باغ ہوتا جو اس کے ساتھ ساتھ چلتا پھرتا اور یہ حسب ضرورت اسے اپنے کام میں لاتا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت ہی آسان ہے لیکن اس کی حکمت اس بات کی متفقہ نہیں۔ یہ ظالم مسلمانوں کو طعن دیتے ہوئے کہتے کہ تم تو ایسے شخص کی اتباع کر رہے ہو جس پر جاوہ کیا گیا ہے۔ فرمایا: أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا... یعنی یہ کیسے آپ پر بہتان تراشی کرتے ہوئے کبھی کہتے ہیں کہ آپ جاوہر ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ آپ کو جاوہ کیا گیا ہے، کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی مجنون اور کبھی کذاب۔ ان کی یہ تمام باتیں لغو، باطل اور جھوٹ ہیں۔ معمولی فہم و عقل رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ ان کے یہ الزامات بے سرو پا اور جھوٹ کا پلندہ ہیں، اس لئے فرمایا: فَضَلُّوا... یعنی یہ راہ ہدایت سے بھٹک گئے ہیں اور کبھی سیدھی راہ نہیں پاسکتیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حق اور راہ راست سے انحراف کرنے والا گمراہ ہے، وہ جدھر بھی متوجہ ہو گمراہی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور حق ایک ہی ہے اور اس کا راست بھی ایک ہے جس میں اختلاف اور تعارض کی گنجائش نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو دنیا میں کفار کی تجویز کردہ چیزوں سے بھی بہتر اور افضل چیزیں عنایت کر دے۔ فرمایا: نَبِيًّا نَّكَلْنَا بِكَ الْبَنِيَّةَ۔ عرب پتھر کے بنے ہوئے گھر کو قصر کہتے ہیں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا (1) حضرت خیمہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے ایسے خزانے اور ان کی چابیاں عطا کر دیں جو ہم نے آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کئے اور نہ ہی آپ کے بعد ہم کسی کو عطا کریں گے اور اس سے ان انعامات میں کوئی کمی نہیں ہوگی جو آپ کو آخرت میں ملنے والے ہیں۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ انہیں میرے لئے آخرت میں ہی جمع رکھیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ اس کے بعد فرمایا: نَبِيًّا نَّكَلْنَا بِكَ الْبَنِيَّةَ۔ یعنی کفار کی یہ فرمائشیں اور مطالبات ان کے عناد، سرکشی اور تکذیب کے باعث ہیں، اس سے ان کا مقصد و طلب ہدایت نہیں ہے۔ یہ روش انہوں نے اس لئے اختیار کر رکھی ہے کہ انہیں

قیامت پر یقین نہیں۔ قیامت کو جھٹلانے کی وجہ سے ہی تو یہ اس قسم کی ہرزہ مرائی کر رہے ہیں اور قیامت کی تکذیب کرنے والوں کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ کا ناقابل برداشت خذاب تیار ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر میں ایسی وادی میں ہے جو پپ سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: **إِذَا سَأَلَ عَنْهُمْ** یعنی جنہم جب انہیں میدان حشر میں زور سے بقول سدی سوسل کی مسافت سے دیکھے گا (1)۔ تو انہیں اس کا سخت غیظ و غضب سے جوش مارے اور چنگھاڑنا سنانی دے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: **إِذَا أَلْقَوْا فِيهَا سَمِعُوا نَجْمًا مِّنْهَا سَهِيقًا وَهِيَ تَكُونُ لِمَن كَانَ فِيهَا مِنْ النَّاسِ غَيْبًا** (الملک: 7-8) ”جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی، گو یامارے غضب کے پھینا جاتی ہے“۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی یا اپنے والدین کے سوا اوروں کو اپنا ماں باپ کہے یا جو غلام اپنے آقا کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف اپنی غلامی کی نسبت کرے تو وہ اپنا ٹھکانا جنہم میں بنا لے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ اپنا ٹھکانا جنہم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بنا لے۔“ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا جنہم کی بھی آنکھیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان **إِذَا سَأَلَ عَنْهُمْ** نہیں سنا (2)۔ ابو دائل بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، ربیع بن خثیم بھی ہرے ہمارے تھے۔ راستے میں نو بار کی دکان آئی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہر گئے اور اس لوہے کو دیکھنے لگے جو آگ میں تپایا جا رہا تھا۔ ربیع بن خثیم نے جب اسے دیکھا تو جنہم کا دنیا لیکو کے ان کی حالت غیر ہو گئی، قریب تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ اس کے بعد فرات کے کنارے پر پہنچے تو وہاں حضرت عبداللہ نے ایک تور دیکھا جس میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ آیت **إِذَا سَأَلَ عَنْهُمْ** نکلی۔ جو نبی حضرت ربیع رحمت اللہ علیہ نے یہ آیت سنی، بے ہوش ہو کر گر پڑے، انہیں اٹھا کر ان کے گھر پہنچایا گیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ظہر تک ان کے پاس بیٹھے رہے اور انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے لیکن انہیں ہوش نہ آیا (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب جنہم کو گھسیٹ کر جنہم کی طرف لے جایا جائے گا تو وہ اس طرح چیخے گا جس طرح فخر جو کو دیکھ کر چیختا ہے اور پھر ایسی جھم جھمی لے گا کہ سب خوفزدہ ہو جائیں گے۔ (3) آپ سے ہی ایک اور روایت میں منقول ہے کہ جب کسی آدمی کو جنہم کی طرف گھسیٹا جائے گا تو جنہم سمت جائے گا۔ خداوند رحمن اس سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا ہوا؟ وہ جواب دے گا کہ یہ بندہ تو مجھ سے تیری پناہ مانگ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے اس بندے کو چھوڑ دو۔ ایک اور بندے کو جب روزخ کی طرف دھکیلا جائے گا تو وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! تیری نسبت میرا یہ گمان تو نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارا گمان کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ میرا گمان تو یہی تھا کہ تیری رحمت میری ہے۔ وہ سازی فرمائے گی، اس پر حکم ہوگا کہ میرے اس بندے کو چھوڑ دو، اسی طرح ایک شخص کو جنہم کی طرف گھسیٹا جائے گا تو جنہم اسے دیکھ کر فخر کی طرح چنگھاڑے گا اور اس طرح چیخنے ہوئے جھم جھمی لے گا کہ سب خوفزدہ ہو جائیں گے (4)۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جنہم اس طرح فروریاب سے جوش مارے گا اور چنگھاڑے گا کہ تمام مقبرے فرشتے اور رسول کاٹتے ہوئے گر پڑیں گے۔ یہ سن کر کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام بھی اپنے تھکنوں کے بل گر پڑیں گے اور عرض کریں گے: اے پروردگار! آج میں تجھ سے صرف اپنے بچاؤ کے لئے التجا کرتا ہوں (5)۔ اس کے بعد فرمایا: **وَإِذَا أَلْقَوْا مِنْهَا مَسَاكًا ضَبَّتْهَا** .. یعنی انہیں جگڑ کر جنہم میں کسی ٹھک جگہ یوں ٹھونس دیا جائے گا جیسے نیزے میں پھل۔

3- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187

2- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187

1- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187

5- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 239

4- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187

رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس نے ہاتھ میں میری جان ہے! انہیں دوزخ میں اس طرح ٹھوسا جائے گا جیسے کیل دیوار میں گاڑا جاتا ہے۔“ جب انہیں جھڑ کر دوزخ میں پھینکا جائے گا تو وہاں وہ ہلاکت، حسرت اور موت کو پکاریں گے۔ انہیں کہا جائے گا کہ آج ایک موت کو نہیں بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے پہلے اللہ کی کو آگ کا لباس پہنا یا جائے گا، وہ اسے پیشانی پر رکھ کر پیچھے سے گھسیٹتا ہوا اور اپنی ذریت کو پیچھے لگائے ہوئے اور ہائے موت، ہائے موت پکارتا ہوا دوڑتا چلا جائے گا۔ جہنم پر پہنچ کر اس کے ہائے موت پکارنے پر اس کے کبھی ساتھی بھی پکاریں گے ہائے موت، اس وقت انہیں کہا جائیگا کہ آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو“ (1)۔ ثور سے مراد موت، ہلاکت، بربادی، خسارہ اور تباہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا: وَإِنِّي لَأَكْفُؤَنَّ لِيُفْرِعُونَ مَثْبُورًا (بنی اسرائیل: 102) ”اور اے فرعون! میں تیرے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک کر دیا جائے گا۔“

قُلْ أَدْرَاكَ حَبِيرٌ أَمْ حَبَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعدَ الْمُشْكُونَ ۗ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَصِيْرًا ۗ إِنَّهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خُلْدٍ يَنْزِيلًا ۗ كَانِ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُورًا ۝

”ان سے پوچھے (ذرا بتاؤ) یہ بھڑکتی ہوئی آگ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے۔ ہوگی یہ جنت ان کے اعمال کا صلہ اور (ان کی زندگی کا) انجام۔ ان کے لئے اس میں ہر وہ نعمت ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ آپ کے رب کے ذمہ وعدہ ہے جس کا ایفاء لازم ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہے کہ ہم نے آپ کے سامنے بد بختوں کا جو حال بیان کیا ہے کہ نہیں اوندھے منہ جہنم رسید کر دیا جائے گا، جہنم سخت غیظ و غضب میں جوش مارتے ہوئے اور چنگھڑتے ہوئے ان کا استقبال کرے گا اور انہیں وہاں زنجیروں میں جکڑ کر تنگ جگہوں میں پھینک دیا جائے گا جہاں یہ نہ حرکت کر سکیں گے، نہ کسی سے مدد طلب کر سکیں گے اور نہ ہی رہائی پا سکیں گے، کیا یہ بہتر ہے یا وہ دائمی جنت جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پرہیزگار بندوں سے کیا ہے، یہ ان کی اطاعت کا بدلہ ہے اور یہی ان کا دائمی ٹھکانہ ہے جہاں انہیں حسب خواہش ایشیائے خور و نوش، لباس، سواریاں، رہائش گاہیں، دلکش مناظر، اور ایسی ایسی نعمتیں میسر ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے ان کے متعلق سنا اور نہ کسی دل میں ان کا خیال پیدا ہوا، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ انہیں موت کا اندیشہ ہوگا اور نہ ہی جنت کی نعمتوں کے چھین جانے یا ختم ہو جانے کا خوب ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اس نے اپنے فضل و احسان کے باعث اپنے ذمہ لیا ہے اور اس کا ایفاء ضروری ہے، اس لئے فرمایا: كَانِ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُورًا ۗ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَصِيْرًا ۗ إِنَّهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خُلْدٍ يَنْزِيلًا ۗ كَانِ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُورًا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس وعدہ کے ایفاء کا سوال کرو جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے (3)۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس وعدہ کے ایفاء کا سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے پروردگار! انہیں سدا بہدار جنتیں عطا فرما جن کا تو نے ان کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔ ابو حازم کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل ایمان عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیری رضا کی خاطر وہ اعمال کئے جن کا تو نے ہمیں حکم دیا تھا۔ آج تو وہ وعدہ پورا فرما جو تو نے ہمارے ساتھ کیا تھا، یہی

2- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 189، صحافی القرآن المکرر، جلد 2 صفحہ 263

1- مسند احمد، جلد 3 صفحہ 152

3- تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 189

مطلب اس فرمان کا کہ عَلَيَّ رِبِّكَ وَعَدَاةُ شَيْئِكَ لَآكَا هِيَ (1)۔ جس طرح یہاں اہل دوزخ کا ذکر کیا اس کے بعد پھر اہل جنت کا حال بیان ہوا، اسی طرح سورہ صافات میں جنیوں کا ذکر کیا پھر سوال کے بعد دوزخیوں کا ذکر کیا: اَذِيكَ خَيْرٌ لَّكَ اَمْ شَجَرَةُ الْاَقْوَمِ فَهَمْ عَلَى اَشْوَابِهِمْ يَنْهَرُونَ (الصافات: 62-70)۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَاَمَّا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ؕ اَنْتُمْ اَصَلْتُمْ عِبَادِي هٰؤُلَاءِ
 اَمْ هُمْ صَوْنُ السَّبِيْلِ ۗ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يُكَلِّمُنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ
 اَوْلِيَاءَ وَاَلَيْسَ لِكُلِّ شَيْءٍ رَّحْمَةٌ ۗ اَبَاؤُهُمْ حَتّٰى نَسُوا اللّٰهَ كُرْهًا وَّكَانُوْا قَوْمًا بُرْهٰنًا ۙ فَقَدْ
 كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صِرَافًا وَّ لَا نَصْرًا ۗ وَ مَنْ يَّظْلِمْ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَجْعَلُوْا
 عَذَابًا اَبًا كَبِيْرًا ۙ

”اور جس روز (محشر میں) اللہ انہیں اکٹھا کرے گا اور ان (باطل خداؤں) کو جنہیں یہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا تو اللہ پوچھے گا (ان معبودوں سے) کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے۔ وہ کہیں گے تو پاک ہے (ہر عیب سے) ہمیں یہ بات زبیرانہ تھی کہ ہم بناتے تیرے سوا کسی غیر کو دوست، لیکن تو نے آرام و آسائش عطا کی انہیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ انہوں نے بھلا دیا تیری یاد کو اور (یوں) وہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ (اے کفار) تمہارے معبودوں نے تمہیں جھٹلایا جو تم کہتے ہو۔ پس اب نہ تم اپنے سے عذاب کو پھیر سکتے ہو اور نہ تمہاری مدد کی جائے گی اور جس نے ظلم کیا تم میں سے تو ہم پکھا سکیں گے اسے عذاب بڑا“۔

قیامت کے دن کفار کو غیر اللہ کی عبادت کرنے پر جو سرزنش ہوگی اس کا بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور وہ تمام فرشتے موجود ہوں گے جن کی عبادت کی جاتی تھی اور ان کی پرستش کرنے والے بھی حاضر ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان معبودوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ از خود ایسا کرنے لگے جیسا کہ فرمان ہے: ”وَقَالَ اللّٰهُ يٰٰعِيسٰى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاٰلِهِيَ الْاِلٰهِيْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ مَا قُلْتُمْ لَكُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتُنِيْ بِهٖ (المائدہ: 116-117)“ اور جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے عیسیٰ بن مریم: کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مجھے اور میری ماں کو وہ خدا بنا لو۔ وہ عرض کریں گے تو ہر شریک سے پاک ہے، میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوئی تو تو اسے ضرور جانتا۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ بے شک تو ہی تمام غیبوں کو جاننے والا ہے۔ میں نے انہیں نہیں کہا مگر وہی کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا۔ اس لئے قیامت کے دن یہ معبود جو جواب دیں گے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يُكَلِّمُنَا لَنْتَا۔ یعنی نہ ہمارے لئے اور نہ ہمارے علاوہ دوسری مخلوق کے لئے زبیرانہ تھا کہ ہم اور وہ تیرے سوا کسی اور کی عبادت کرتے۔ ہم نے نہ انہیں اپنی عبادت کی دعوت دی، نہ حکم دیا اور نہ ہی ہم اس پر راضی تھے بلکہ یہ از خود ہماری عبادت کرنے لگے، ہم ان سے بھی اور ان کی عبادت سے بھی بری الذمہ اور بیزار ہیں

جیسا کہ فرمایا: وَيَوْمَ يَعْبُرُكُمْ وَيَوْمَ يُمْسِكُ بِمِصْرَةَ الْعَذَابِ إِنَّكُمْ كَأَنْتُمْ بِالْأَعْيُنِ وَنُورٍ ﴿٤٠﴾ قَالَ: أَسْبَغْتُكَ (سبا: 40) ”اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے، وہ عرض کریں گے کہ تو ہر شے سے پاک ہے۔ ایک دوسری قرأت میں ”تَنْجِذٌ“ کی بجائے ”تَنْجِذٌ“ پڑھا گیا ہے (1)۔ یعنی کسی کو یہ زہیب ہیں دیتا تھا کہ وہ ہماری عبادت کرتا کیونکہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تیرے ہی محتاج ہیں۔ دونوں قرأتوں کا مطلب تقریباً یکساں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَكِنَّ مَشْعَبَتَهُمْ لِيَعْنِي آراسم و آسائش میں ان کی طویل عمریں گزریں جس کی وجہ سے انہوں نے رسول کے پیغام تو حید کو فراموش کر دیا اور تیری عبادت سے منہ موڑ لیا، اس طرح یہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ ”بور“ کا معنی ہے ہلاک ہونے والے۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ - یعنی یہ دیکھو تمہارے ان معبودوں نے تمہیں جھٹلایا اور تمہارے اس خیال کو بالکل غلط کر دیا کہ یہ معبود تمہارے دوست اور حمایتی ہیں اور تمہارے لئے قرب الہی کا ذریعہ ہیں جیسا کہ فرمایا: وَصَرَّ أَهْلُ مِصْرَ وَصَرَّ يَنْعَمُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَكَانُوا يَعْجُبُونَكَ لِيُفِينَهُ (الاحقاف: 5-6) ”اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بد بخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے۔“ فرمایا: فَمَا أَتَىٰ عَلَيْهِمْ يَوْمَئِذٍ - یعنی یہ کفار و شرکین قیامت کے دن نہ اپنے آپ سے عذاب کو نال نہیں گئے اور نہ ان کی مدد کی چاہئے گی اور جو تم میں شرک کر کے ظلم کا ارتکاب کرتا ہے، اسے بہت بڑے عذاب کا ذائقہ چکھایا جائے گا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَسْئُونَ فِي الْأَسْوَاقِ طَوَّعًا لِّبَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَنْ تُدْرِكُوا نَوْءًا وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿١٠﴾

”اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں۔ اور ہم نے بنا دیا تمہیں ایک دوسرے کیسے آزمائش۔ کیا تم (اس آزمائش میں) صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔“

تمام سابقہ انبیاء و رسل کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ انہیں بھی غذا کی ضرورت تھی اور تجارت اور کسب معاش کی خاطر انہیں بھی بازاروں میں جانا پڑتا تھا۔ کھانا پینا اور بازاروں میں چلنا مقام نبوت اور شان رسالت کے معنی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان نفوسِ قدسیہ کو وہ اعلیٰ خصوصیات، پاکیزہ سیرت، خوبصورت صفات، عمدہ اقوال، پسندیدہ افعال، حیران کن معجزات اور قطعی دلائل عطا فرمائے جن سے ہر صاحب عقل و بصیرت ان کی نبوت و رسالت کی صداقت پر استدلال کر سکتا ہے۔ اس قسم کی یہ آیات بھی ہیں: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيَ إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ (یوسف: 109) ”اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے مگر مرد جنکی طرف ہم نے وحی بھیجی بہستی والوں سے۔“ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (الانبیاء: 8) ”اور ہم نے ان انبیاء کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ وہ کھاتے نہ ہوں“ فرمایا: وَجَعَلْنَا لِبَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ مَعْرُوفًا لِيُعْلَمَ مِنْكُمْ لِيُفِينَهُ (الاحقاف: 124) ”اللہ تعالیٰ (اس دل کو) بہتر جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے“، اور اللہ تعالیٰ یہ بھی پورا پورا علم رکھتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون نہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس

فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے پیغمبروں کو بیشتر دنیا دے دیتا جس کے لالچ میں سب لوگ ان کے پیروکار بن جاتے اور کوئی ان کی مخالفت نہ کرتا لیکن اللہ تعالیٰ آزما چاہتا ہے تاکہ سچے اور جھوٹے میں امتیاز ہو جائے (1)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تجھے اور تمہارے ذریعے لوگوں کو آزمانے والا ہوں“ (2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیتا“ (3)۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ بن جائیں اور اگر چاہیں تو بندہ اور رسول بن جائیں تو آپ نے بندہ اور رسول بننا پسند کیا (4)۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَنِيكَةُ أَوْ نُنزِلُكَ لِقَدِ
اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُشْوًا كَبِيرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَنِيكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ
لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ۝ وَقَدِ صُنَّ إِلَيْنَا أَعْيُنُهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ
هَبَاءً مَّنكُورًا ۝ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا أَوْ أَخْسَنٌ مَّقِيلًا ۝

”اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی۔ جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کے لئے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لئے (جنت کا واحد) قطعاً حرام ہے۔ اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گردوغبار بنا کر اتاریں گے۔ اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانا ہوگا اور وہ پہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی۔“

کفار کی اپنے کفر میں سرکشی اور منان کو بیان کیا جا رہا ہے، ان کا مطالبہ تھا کہ جس طرح پیغمبروں کے پاس فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آتے ہیں، اس طرح وہ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ان کے متعلق فرمایا: قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِحَتَّىٰ نُؤْتِيَهُمْ مَّا أُوتِيَ مُرْسَلًا اِنَّهُمْ (الانعام: 124) ”کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں بھی وہی ایسا نہ دیا جائے جیسے اللہ کے رسولوں کو دیا گیا“۔ اس فرمان لَوْلَا اُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَنِيكَةُ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے ہمارے سامنے آ کر نہیں کیوں نہیں بتاتے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، بالکل اسی طرح کا یہ فرمان بھی ہے: اَوْ تَأْتِيهِمْ بَانُوۡرٌ اَسْمٰكُۙتُۙ قَبِيۡلًا (بنی اسرائیل: 92) اس کی تفسیر سورہ سبحان میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی ان کی یہی فرمائش ہے کہ فرشتے ہمارے پاس آ کر حقیقت حال سے آگاہ کریں یا ہم بے حجاب اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ انہیں اس بات کی جسارت اس لئے ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اور سرکشی کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ اگر ان کا مطالبہ پورا کر دیا جاتا تو بھی یہ ایمان نہ لاتے جیسا کہ فرمایا: وَ اَوْ تَأْتِيۡنَا نَارٌ اِلَیۡهِمُ الْمَنِيكَةُ وَ كَانۡمُھُمُ الْمُنۡوِيۡنَ (الانعام: 112) ”اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہم ہر چیز کو ان کے رو برو جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا لیکن اکثر لوگ ان سے ہاتھیں ناقل ہیں“۔ فرمایا: يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَنِيكَةَ یعنی انہیں فرشتے دکھائی تو دیں گے لیکن اس دن جو ان کے لئے خیر اور مسرت کا حامل نہیں ہوگا۔ اس سے مراد حالت نزاع کا وقت ہے جب فرشتے ان کے پاس

2۔ صحیح مسلم کتاب الحج جلد 4 صفحہ 2197

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 194-195

4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 231 من باب ہریرۃ رضی اللہ عنہ

3۔ جزائیں بن معرفت، جلد 52-53 عن مائتہ رضی اللہ عنہما

آتے ہیں اور انہیں آتش جہنم اور غضب انہی کی نوید سناتے ہیں۔ جب کہ فر پر سکرات موت طاری ہوتی ہے تو فرشتے اسے کہتے ہیں: اے غیبیہ روح جو حیثیت جسم میں تھی ہر نکل، گرم ہوا، کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ گرم دھوسیں کی طرف نکل۔ وہ نکلنے سے انکار کر دیتی ہے اور بدن میں منتشر ہو کر چھٹی پھرتی ہے، فرشتے اسے کہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ لَوْ تَرَىٰ اِيَّايَ رَاٰيَسُوْا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ بَصُوْرًا وَّجُوْهًا وَاذْاَبًا لَهُمْ (الانسان: 50) ”اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پشتوں پر“، وَ لَوْ تَرَىٰ اِيْذَ الظَّالِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ الْمَوْتِ وَالْمَسِيْكَةِ بَايَطُوْا اَيُّوْبِيْمَ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰلِيْهِمْ تَكْتُمُوْنَ (الانعام: 93) ”کاش تم، کچھو جب ظالم موت کی عذبتوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بوجہ ہرے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انہیں کہیں کہ) نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تمہیں دیا جائے گا ذمت کا عذاب اس وجہ سے کہ تم بہتان لگاتے تھے اللہ تعالیٰ پر ناحق اور تم اس کی آیتوں (کے) ماننے (سے) تکبر کیا کرتے تھے“۔ موت کے وقت مومنوں کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے، انہیں طویل القدر انعامات اور ابدی مسرتوں کی نوید سنائی جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ اسْتَقَامُوْا يَتَّبِعُهُمُ الْغَيْبُ الْمُسْتَبِيْهُ . لَوْلَا رُوحٌ غَشِيُوْا مَرَجِيْمًا (م السجدہ: 32-30) ”بے شک وہ سعادت مند جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ توں پر چنگلی سے قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں اور (انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی ہے غفور رحیم کی طرف سے“۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ”فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں کہ اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی، تو راحت و آرام، عمدہ رزق اور اپنے پروردگار کی طرف چل جو تجھ پر نازل نہیں ہے۔ سورہ ابراہیم کی اس آیت پڑھتے اللہ کے تحت یہ حدیث تفصیل سے گزر چکی ہے (1)۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد: قیامت کے دن فرشتوں کا دیکھنا ہے لیکن ان دنوں اقوال کے درمیان کوئی منافات اور تضاد نہیں کیونکہ موت کے دن اور قیامت کے دن دونوں موقعوں پر فرشتے مومنوں اور کافروں کے سامنے آئیں گے۔ اہل ایمان کو وہ رحمت و رضوان کی نوید بتائیں گے اور کافروں کو خسارہ اور عذاب کی خبر دیں گے۔ یہ دن جرموں کے لئے خوشی کا دن نہیں ہوگا اور فرشتے انہیں صاف صاف کہہ دیں گے: جَعِزًا مَّحْجُوْرًا یعنی آج فلاں تم پر حرام ہے۔ حجر کا لغوی معنی تہ روکنا۔ قاضی جب کسی کو اس کے افلاس، یا بے قوتی یا کمسنی یا کسی اور وجہ سے اس میں تصرف کرنے سے روک دے تو کہہ جاتا ہے: ”حَجَرَ الْقَاضِيْ عَلٰی فُلَانٍ“۔ ”حطیم کو بھی حجر کہتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو غیر شائستہ اور برے پنے اندر طواف کرنے سے روکتا ہے بلکہ اس کے باہر سے طواف کیا جاتا ہے۔ عقل کو بھی حجر کہتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو غیر شائستہ اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ الغرض وَيَقُوْلُوْنَ كِيْ تَحْمِيْرًا كَمَا رَجَعْتَ فَرِشْتَةٌ هِيَ (2)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کا معنی بتاتے ہیں کہ فرشتے انہیں کہیں گے کہ تم ان خوشخبریوں سے محروم ہو جو خوشخبریوں مومنوں کو دی جاتی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وَيَقُوْلُوْنَ كَا فُلَانٍ كَا فِرٍ هِيَ اور جَعِزًا مَّحْجُوْرًا ان کا مقولہ ہے۔ وہ فرشتوں کو دیکھ کر ان سے پناہ مانگتے ہوئے کہتے ہیں: جَعِزًا مَّحْجُوْرًا۔ اگر کسی پر کوئی مصیبت اتر آئے تو عرب یہی کہتے ہیں۔ اگرچہ ان الفاظ کا اس معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں سیاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ معنی بعید ہے خصوصاً اس وقت جب جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔ البتہ حضرت مجاہد سے اس کا معنی ”عَوْدًا مَّعَاوَا“ (ہائے پناہ) مروی ہے جس میں اس بات کا

احتمال ہے کہ یہ مقولہ کفار کا ہے لیکن ایک اور روایت میں ان سے صراحتاً مروی ہے کہ یہ قول فرشتوں کا ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا: وَقَدْ مَنَّآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا۔ یہ قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ بندوں کے نیک و بد اعمال کا محاسبہ کرے گا۔ اس وقت کفار کے اعمال اکارت جائیں گے جنہیں وہ اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ان کے اعمال میں قبولیت کی شرط مفقود تھی یعنی نہ ان میں اخلاص کا فرق تھا اور نہ یہ شریعت کے مطابق تھے۔ ہر وہ عمل باطل اور بے کار ہے جس میں نہ خلوص پایا جائے اور نہ وہ شریعت کے موافق ہو۔ کفار کے اعمال نہ صرف ایک شرط سے بلکہ ان دونوں شرطوں سے خالی ہیں اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہیں اور ان کی قبولیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لئے فرمایا: وَقَدْ مَنَّآ۔ بعض کے نزدیک قد منا کا معنی ہے ہم قصد کریں گے اور بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے ہم رد کر دیں گے۔ روشندان سے جب دھوپ اندر آ رہی ہو تو اس میں جو باریک باریک ذرے نظر آتے ہیں، انہیں ”ہبہ“ کہا جاتا ہے (1)۔ لیکن اگر کوئی ان ذرات کو پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ هَبًا مِّنْهُنَّ مَا سَمِعَ مَرَدُّهُ وَ پانی ہے جسے زمین پر بہا دیا گیا ہو۔ یہ جس طرح ہاتھ نہیں آتا اسی طرح کفار کے اعمال بے فائدہ ہیں۔ اس کے اور بھی معانی بیان کئے گئے ہیں یعنی غبار، درختوں کے پتوں کا چورا جسے ہوا ادھر ادھر بکھیر دے اور رکھ۔ ان تمام اقوال سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ کفار کے اعمال جنہیں وہ بہت مفید، نفع بخش اور باعث نجات سمجھ رہے ہیں، جب انہیں عادل و حاکم حقیقی خدا کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو وہ بے سود، بے کار اور غیر مفید ثابت ہوں گے۔ ان کی مثال بکھری ہوئی کسی معمولی اور رومی چیز کی ہی ہے جس سے کچھ نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ فرمایا: مَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ كَقَرْوَاتٍ يَدْبُرْنَهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهَا شَكْوَىٰ وَ لَا تَوْنٌ يَوْمَ الْحِسَابِ (ابراہیم: 18) ”ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال راگہ کا ڈھیر ہیں جسے تند ہوا تیزی سے اڑا لے گی“، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا صَدُوقَاتِنَهُنَّ ذَلْنَ ذِي۔ وَلَا يَشْقِيَنَّ مَوْلَاكَ مِنْهُنَّ عَلٰى شَيْءٍ ؕ وَ لَمَّا كَسَبُوْا (البقرہ: 264) ”اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر مت ضائع کرو اس آدمی کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کی بارش برسے اور اسے چمیل صاف پتھر بنا چھوڑے۔ (ریا کار) کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے اس سے جو انہوں نے کمایا“، وَالَّذِينَ كَفَرُوْا اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا مُّكْرَمُوْنَ (النور: 39) ”اور کفار کے اعمال ایسے ہیں جیسے کسی چمیل میدان میں مراب ہو جسے بیاسا پانی خیال کرتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا“۔ ان کے برعکس جنہوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِّنْ اَمْوَالِهِمْ حَتّٰىٰ يَصْلُوْنَ الْغُرَابَ (النور: 39) ہو سکتے۔ یعنی وہ سعادت مند ہیں جنہیں حقیقی اور مکمل کامیابی حاصل ہوگی۔ جنت میں انہیں اعلیٰ درجات اور پرسکون بالا خانے عطا کئے جائیں گے۔ وہ وہاں ہر قسم کی راحت، دلکش مناظر اور پر فضا مقامات سے لطف اندوز ہوں گے۔ ان کے برعکس جنہوں کو دوزخ کے گڑھوں میں پھینک دیا جائے گا، دائمی حسرت و ندامت ان پر مسلط ہوگی اور وہ اس برے اور تکلیف دہ ٹھکانے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انواع و اقسام کے عذابوں اور سزاؤں کا سامنا کرتے رہیں گے۔ اہل ایمان چونکہ نیک اعمال کرتے رہے اس لئے انہیں جنت میں اچھا ٹھکانا اور عمدہ قرار گاہ نصیب ہوگی لیکن دوزخی اس دن ہر راحت اور ہر نعمت سے محروم رہیں گے کیونکہ انہوں نے کوئی ایسا عمل کیا ہی نہ تھا جو انہیں دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے کا سبب بنتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سعادت مندوں کا حال بیان کر کے بد بختوں کی حالت پر تنبیہ

فرمادی کہ خیر نام کی کوئی چیز انہیں بالکل حاصل نہیں ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ وَاخْسَنُ مَقِيلًا کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گھڑی ہے جس میں جنتی دو پہر کے وقت اپنی حوروں کے ساتھ آرام کریں گے اور جنہیں اس وقت شیاطین کے ساتھ جکڑے ہوئے کرب و الم کا شکار ہوں گے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دو پہر کو حساب سے فارغ ہوگا تو جنتی دو پہر کا وقت جنت میں اڑا دیں گے اور دوزخی دوزخ میں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ**۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے وہ گھڑی منظور ہے جس میں جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ یہ دو پہر کی گھڑی ہے جس میں لوگ اپنے گھر بیٹ کر قیلولہ کرتے ہیں، اسی گھڑی میں جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ جنتیوں کا قیلولہ جنت میں ہوگا اور انہیں مچھلی کی کبھی کھلائی جائے گی جس سے وہ خوب سیر ہو جائیں گے، یہی مقصد اس فرمان کا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **آدھادون گزرنے سے پہلے جنتی جہنم میں اور جنتی جنت میں قیلولہ کریں گے، پھر آپ نے مذکورہ آیت کے علاوہ یہ آیت بھی پڑھی: كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهِمْ إِذِ انبأَهُمْ رَبُّهُمْ بِآيَاتِهِ فَظَنُّوا أَنَّهُ مَغْرِبٌ مُّجِيبٌ (الصافات: 68)** ”پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جہنم کی طرف“ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنتی جنت کے بالا خانوں میں آرام کریں گے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے حضور صرف سرسری ہی پیشی ہوگی اور یہی آسان حساب ہے جس کا ذکر اس فرمان میں ہے: **فَاخْفَافًا يُوقُونَ كِئْسَانًا يَوْمَئِذٍ يَسْتَوُونَ ۗ فَمَنْ يَمَسُّ مِثْرَةَ الْفَارِغِ أَتَى اللَّهَ بِحِجَابٍ مِّنْ دُونِ الْفَارِغِ ۚ فَمَنْ أَسْفَلَ سَاقًا فَاتَى اللَّهَ بِحِجَابٍ مِّنْ دُونِ الْحِجَابِ ۚ فَكُلَّمَا نَزَّلْنَا آيَةً مِّنْ آيَاتِنَا أَذَّابُوا لَهَا وَكُنُوا بِهَا كَارِهِينَ (الانشقاق: 7-8)** ”بس جس کا: مہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا اور وہ اپنے گھروالوں کی طرف خوش خوش لوٹے گا“ (2)۔ قناد کہتے ہیں کہ مستقر اور مقبل سے مراد ٹھکانا اور منزل ہے۔ صفوان بن محرز فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دو آدمیوں کو ناپا جائے گا، ایک وہ جو ساری دنیا کا بادشاہ تھا، اس سے حساب لیا جائے گا لیکن اس کی عمر بھر میں ایک نیکی بھی نہ نکلے گی، چنانچہ اسے جہنم میں لے جانے کا حکم ہوگا، پھر دوسرا شخص آئے گا جس نے کھل میں عمر بسر کی تھی، اس سے حساب لیا جائے گا تو وہ کہے گا: اے پروردگار! میرے پاس تو دنیا میں کچھ تھا ہی نہیں جس کا مجھ سے حساب لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے، اسے چھوڑ دو۔ چنانچہ اسے جنت میں لے جانے کا حکم ہوگا۔ پھر کچھ عرصہ بعد دونوں کو بلایا جائے گا تو جنہیں بادشاہ سیاہ کو لے کی طرح ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ کس حال میں ہو؟ وہ کہے گا کہ بہت برے ٹھکانے میں ہوں۔ اسے کہا جائے گا کہ جہنم میں لوٹ جاؤ۔ پھر جنتی کو بلایا جائے گا، اس کا چہرہ پودھویں کے چاند کی طرح جگمگ رہا ہوگا، اس سے پوچھا جائے گا کہ کس حال میں ہو؟ وہ کہے گا کہ بہترین ٹھکانہ میرا ہے۔ پھر اسے واپس جنت میں لوٹ جانے کا حکم ہوگا۔ سعید صوف رحمت اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مومن پر قیامت کا دن اس قدر مختصر ہوگا جیسے عصر سے مغرب تک کا وقت۔ لوگوں کے حساب سے فارغ ہونے تک وہ جنتی باغات میں ہمیں گے یہی مطلب اس آیت **اصْحَابُ الْجَنَّةِ** کا ہے (2)۔

وَيَوْمَ تَشْقَى السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَ نَزَّلَ الْمَلَكَةُ تَنْزِيلًا ۝ اَلْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ
لِلرَّحْمٰنِ ۗ وَ كَانَ يَوْمَئِذٍ عَسِيرًا ۝ وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ
يٰٓاَيَّتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَعِيْلًا ۝ يٰٓوَيْلٌ لِّيَ بَيِّنَتِي لِمَ اتَّخَذْتُ فَلَانًا حٰلِيْلًا ۝ لَقَدْ
اَصْلَيْتَنِي عَنِ الَّذِي كُرِهْتُ اِذْ جَاعَتْنِي ۗ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسٰنِ خَدُوْلًا ۝

”اور یاد کرو جس روز پھٹ جائے گا آسمان اور بادل نمودار ہوگا اور اتار سے جائیں گے فرشتے گروہ درگروہ۔ اس دن سچی بادشاہی (خداوند) رحمن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لئے بڑا مشکل ہوگا۔ اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کانٹے کا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا کاش! میں نے اختیار کیا ہوتا رسول (مکرم) کی معیت میں (نجات کا) راستہ۔ ہائے افسوس! کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آجانے کے بعد۔ اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت) بے یار مددگار چھوڑنے والا ہے۔“

وقوع قیامت کا ہولناک منظر بیان کیا جا رہا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور اس کی جگہ سفید بولی نمودار ہوگا جس کی نورانیت سے آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی، پھر فرشتے اتریں گے اور میدان حشر میں تمام مخلوقات کو گھیر لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فیصلے فرمانے کے لئے تشریف لائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: هُنَّ يَنْتَقِضُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُمٍ لَّيْلِ لَّيْلِ وَهُوَ مُبَوَّأٌ لِّأَنَّ الْآيَاتِ الْكُبْرَىٰ (البقرة: 210) ”کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ چھائے ہوئے بادلوں میں آئے اور فرشتے“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنات، انسان، حیوانات، چوپائے، ورنڈے، پرندے اور کل مخلوق کو جمع کرے گا، پھر آسمان و دنیا پھٹ جائے گا تو اس میں سے تمام جن و انس بلکہ تمام مخلوقات سے بھی زیادہ فرشتے ظاہر ہوں گے اور وہ جن و انس سمیت کل مخلوق کو گھیر لیں گے، پھر وہ سب آسمان پھٹے گا تو اس کے فرشتے اتر کر آسمان سے اترنے والے فرشتوں اور جن و انس سمیت تمام مخلوق کا احاطہ کر لیں گے، ان کی تعداد آسمان دنیا کے فرشتوں اور کل مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی، پھر تیسرا آسمان پھٹے گا تو اس میں سے اترنے والے فرشتوں کی تعداد پہلے اور دوسرے آسمان کے فرشتوں اور تمام مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی اور یہ سبھی کو گھیر لیں گے، پھر اسی طرح باقی آسمان باری باری پھٹیں گے اور ہر ایک کے فرشتوں کی تعداد پہلے آسمانوں کے فرشتوں کی مجموعی تعداد اور اور کل مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی پھر اللہ تعالیٰ اہل کفر کے سائے میں نزول اجلال فرمائے گا، اس کے ارد گرد مقرب فرشتے ہوں گے جن کی تعداد سات آسمانوں کے فرشتوں، جن و انس اور کل مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی، ان پر نیزے کی گرہ جیسے سنگوں کے نشانات ہوں گے، عرش تلے خدا کی تسبیح، جہیل اور تقدیس سے ان کی زبانیں زمر زمر سے ہوں گی، ان میں سے ہر ایک کے تنوے سے لے کر ٹخنے تک کی مسافت پانچ سو سال کی ہوگی اور ٹخنے سے گھٹنے تک بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہو گا، اسی طرح گھٹنے اور ناف کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہوگی، ناف سے لے کر سینے تک بھی اتنا فاصلہ ہوگا، سینے سے کان کی لو تک بھی اتنا ہی فاصلہ ہوگا اور اس سے اوپر بھی اتنی ہی مسافت ہوگی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب یہ آسمان پھٹے گا تو اس میں سے جن و انس سے زیادہ فرشتے نمودار ہوں گے، چونکہ اس دن زمین و آسمان والے ملیں گے اس لئے اس دن کو یوم التلاق کہا جاتا ہے۔ زمین والے کہیں گے کہ ہمارا رب تشریف لے آیا؟ فرشتے نہیں بتائیں گے کہ ابھی اللہ تعالیٰ تشریف نہیں لایا، وہ آنے ہی والا ہے، پھر یکے بعد دیگرے سب آسمان پھٹیں گے اور ہر ایک سے پہلے سے زیادہ فرشتوں کا نزول ہوگا۔ ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کا ظہور ہوگا پھر اللہ تعالیٰ عرش پر جلو فرما ہوگا جسے آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، جن میں سے ہر ایک فرشتے کے ٹخنے سے گھٹنے تک ستر سال کی مسافت ہے اور اسی طرح ران اور کندھے کے درمیان بھی ستر سال کا فاصلہ ہے۔ ان میں سے کوئی فرشتہ دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوگا، ہر ایک اپنا سر سینے پر جھکا لے ہوئے ”سَبَّحَانَ الْمَلِكِ الْقَدُّوسِ“ کا ورد کر رہا ہوگا۔ ان

کے سروں پر کھجوروں کے خوشے جیسی کوئی چیز پھیلی ہوئی ہوگی، اس کے اوپر عرش ہوگا (1)۔ یہ روایت منکر ہے اور اس کا راوی علی بن زید بن جعدان ضعیف ہے۔ حدیثِ صورتِ اس کے قریب قریب ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: **قَبِيضٌ مِهْنَةٌ وَفَعَبَتُ الْوَيْعَةُ ۗ وَانْتَقَبَتُ النَّسَمَةُ كَوْفِيَّ يَوْمَ يَوْمَنَا وَاهِيَةً لِّ ذِمَّتِكَ عَلٰى اَمْرٍ جَا يَبَاطُ وَيَجْعَلُ عَدُوَّكَ مَرِيئًا فَوْقَهُمْ يَوْمَ مَيْنِ قَلْبِيئَةٍ (الاحاطة: 17-15)** ”تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل بودا ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر مقرر کر دیے جائیں گے اور اس روز آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتوں نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہوگا“۔ شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتوں میں سے چار کی تسبیح یہ ہے: **”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْاِحْسَادُ عَلٰى جَلِيلِكَ بَعْدَ عَلِيكَ“**، ”اے اللہ! تو پاک ہے، تو ہی ہر تعریف کا سزاوار ہے، علم کے باوجود علم سے کام لینے پر ہم تیری تعریف کرتے ہیں“ اور باقی چار اس تسبیح میں مصروف ہیں: **”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْاِحْسَادُ عَلٰى عَقْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ“** (2)۔ ابو بکر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ زمین والے جب اوپر سے عرش کو اترتا ہوا دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، ان کے بیٹوں میں ان کے گردے کا پینے لگیں گے اور ان کے دل منہ کو آئیں گے (3)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف اترے گا تو اس کے اور مخلوق کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے، بعض نور کے اور بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے ایسی آواز برآمد ہوگی کہ دل دہل جائیں گے۔ یہ روایت حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ اس کے بعد فرمایا: **اَللُّسُّكُ يَوْمَئِذٍ**۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: **لَيَسِّنَنَّ اللّٰهُ لِكُلِّ يَوْمٍ لِّوَالِدٍ وَّابْنٍ اِنْتِقَالًا (المومن: 16)** ”آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی جو واحد اور قہار ہے۔“ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور دوسرے ہاتھ میں زمینوں کو لے لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، میں حساب لے کر بدلہ دینے والا ہوں، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں وہ سرکش اور کہاں ہیں وہ منکبہ؟ (3) پھر فرمایا: **وَكَانَ يَوْمَئِذٍ** یعنی کفار پر یہ دن بہت سخت اور بھاری ہوگا کیونکہ یہ عدل اور فیصلہ کا دن ہے جیسا کہ فرمایا: **فَلْيَكْفُرْ يَوْمَ يَوْمِهِ يَوْمَهُ عَسِئْرًا ۗ عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ عَذِيبٌ يَسِيرٌ (المدثر: 10-9)** ”تو وہ دن بڑا سخت ہوگا، کافروں پر آسمان نہ ہوگا“۔ اس دن کافروں کا یہ حال ہوگا لیکن مومنوں کی کیفیت وہ ہوگی جو اس آیت میں مذکور ہے: **اَلَا يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ اِنْقَرَضُوْا غَيْرَ الْاِنْقِرَادِ ۗ اَلَيْسَ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ عَذَابٌ شَدِيْدٌ (الانبيا: 103)** ”انہیں وہ بڑی گھبراہٹ غم ناک نہ کرے گی“۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! پچاس ہزار سال کا دن، یہ دن کتنا طویل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! یہ طویل مدت مومن کے لئے اتنی ہوگی جتنی فرض نماز جسے وہ دنیا میں ادا کرتا ہے“ (4)۔ اگلی آیت میں فرمایا: **وَ يَوْمَ يَتَعٰسَى ۗ... یہاں اس ظالم کی ندامت کا حال بیان ہو رہا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی، آپ کے لائے ہوئے حق مبین کی تکذیب کی اور غلط روش اختیار کی۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ ظالم حسرت و ندامت سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگا لیکن یہ ندامت اس کے کسی کام نہیں آئے گی۔ اس آیت کا نزول عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں ہوا کسی اور بد بخت کے متعلق، بہر صورت اس کا حکم ہر ظالم کو شامل ہے جیسا کہ فرمایا: **يَوْمَ تَقْتَلَبُ وُجُوْهُهُمْ فِي الْاَكْفَارِ ۗ... اَتَلَعْنَا اللّٰهَ وَآٰلِهَتَنَا الْاَسْمُوْلَا (الاحزاب: 66)** ”جس روز وہ منہ کے تل آگ میں پھینکے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسولِ اکرم کی“۔ قیامت کے دن ہر ظالم فرط**

ندامت سے اپنے ہاتھ چماتے ہوئے کہے گا: لَيْسَ بِي اَلْحَدُثُ مَعَ الرَّسُولِ ... حَتَّىٰ لَا ... امیہ بن خلف، ابی بن خلف اور ان کی روش اختیار کرنے والوں کا یہی حال ہوگا (1)۔ وہ کہے گا: لَقَدْ اَصَّبْتُ ... یعنی اس نے مجھے قرآن کریم سے بہکا دیا حالانکہ وہ میرے پاس پہنچ چکا تھا۔ فرمایا: وَكَانَ الشَّيْطَانُ ... یعنی شیطان انسان کو حق سے منحرف کر کے باطل کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَدِبْ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا ﴿١٠﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنْ اٰمِنٍ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هٰذَا وَاٰتِیَاتٍ ﴿١١﴾

”اور رسول عرض کرے گا میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے۔ اور کافی ہے آپ کا رب (آپ کے لئے) منزل مقصود تک پہنچانے والا اور مدد فرمانے والا“۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ ان لوگوں نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ جب قرآن پڑھا جاتا تو مشرکین نہ خاموشی اختیار کرتے اور نہ اسے غور سے سنتے بلکہ دوسروں کو شور و غل کرنے پر اکساتے جیسا کہ فرمان ہے: وَقَالَ الْاٰمِنِيْنَ كَفَرُوْا اِلَّا سَمِعُوْا الْهَيْدَةَ الْاَنْعَامِ وَاَنْعَامٌ اَوْفِيْوْا (تم اسجدہ: 26) ”اور کافر کہنے لگے کہ مت سنا کرو اس قرآن کو اور اس کی تلاوت کے درمیان شور مچا دیا کرو“۔ جب قرآن کریم کی تلاوت ہوتی تو مشرکین خوب شور و غل کرتے تاکہ کوئی قرآن کریم کو نہ سنے، یہی ان کا قرآن کریم کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا تھا، اسی طرح قرآن کریم پر ان کا ایمان نہ لانا، اس کی تصدیق نہ کرنا، اس میں غور و تدبر سے کام نہ لینا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کے اوامر کی بجا آوری نہ کرنا، اس کے نواہی سے اجتناب نہ کرنا، اس سے انحراف کر کے شعر و غناء، لہو و لعب، برے کلام اور اس کے منافی طریقے کو اپنانا، یہ سب چیزیں قرآن کے ترک کرنے میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ ہمیں ہر اس چیز سے محفوظ رکھے جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے اور ہر اس عمل کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی رضا کا موجب بنے اور قرآن کریم کو یاد کرنے، اسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے! دوسری آیت میں فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ ... یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! جس طرح آپ کی قوم نے قرآن کریم کو نظر انداز کر دیا، اسی طرح جہلی قوموں نے بھی کیا کیونکہ ہم نے ہر نبی کے لئے جرائم پیشہ لوگوں میں سے دشمن بنا دیئے جو لوگوں کو گمراہی اور کفر کی دعوت دیتے تھے جیسا کہ فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شٰيْطٰنِيْنَ الْاٰمِنِيْنَ وَالْحٰجِيْنَ (الانعام: 113) ”اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے سرکش انسان اور جن دشمن بنا دیئے“، اس لئے یہاں فرمایا: وَكَفٰى بِرَبِّكَ هٰذَا وَاٰتِیَاتٍ یعنی آپ کا رب ہر اس شخص کے لئے کافی ہے جو اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرے، اس کی کتاب پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی پیروی کرے اور ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں منزل مقصود تک پہنچانے والا اور اس کی مدد فرمانے والا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات ہادی اور ناصرہ ذکر کی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین لوگوں کو اتباع قرآن سے روکتے تھے تاکہ کوئی قرآن کریم سے ہدایت نہ حاصل کر سکے اور ان کا طریقہ قرآن کے طریقہ پر غالب رہے اس لئے فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ

وَقَالَ الْاٰمِنِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُوْرٌ عَلَیْهِ الْقُرْآنُ جُمَّلًا وَّاجِدًا ۗ وَكَذٰلِكَ لِنُنشِئَنَّ بِهٖ

فَوَاقِدُكَ وَمَا تَشْتَنُّهُ تَرْبِيئًا ۝ وَلَا يَأْتُونَكَ بِسَلِّ إِلَّا جُنُودًا بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝
 الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ سَرْمَكَاثًا وَأَصْلُ سَبِيئًا ۝

”اور کہنے لگے کفار (ازراہ اعتراض) کیوں نہیں اتارا گیا ان پر قرآن یک بارگی؟ اس طرح اس لئے کیا کہ ہم مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپ کے دل کو اور اسی لئے ہم نے ظہر ظہر کر اسے پڑھا ہے۔ اور نہیں پیش کریں گے آپ پر کوئی اعتراض مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس اس کا صحیح جواب اور عمدہ تفسیر۔ (جو اعتراض کو رد کر دے گی) جو لوگ ہانکے جائیں گے اوندھے منہ جہنم کی طرف، ان کا بہت برا تمھکا نا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ گم کردہ راہ ہوں گے۔“

کفار کے اعتراض، ہمت دھری اور لالچی مطالبہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جس طرح تورات، انجیل، زبور اور دیگر آسمانی صحیفے یکبارگی نازل ہوئے ہیں، اس طرح قرآن یکبارگی کیوں نازل نہیں ہوا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیس سال کے عرصہ میں واقعات اور حوادثات کے پیش نظر جوں جوں ضرورت پڑی، اس کے احکام نازل ہوتے گئے تاکہ اہل ایمان کے دل اس سے مستحکم ہو جائیں اور وقفہ وقفہ سے احکام اترنے کے سبب عمل کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے، اسی لئے فرمایا: نَبِّئْتُمْ بِهِمْ - قَدْ وَدَّعَا تَشْتَنُّهُ تَرْبِيئًا کی وضاحت کرتے ہیں کہ ہم نے اسے خوب واضح کر دیا ہے۔ ابن زید اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اس کی تفسیر بیان کر دی ہے (1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا يَأْتُونَكَ بِسَلِّ۔ یعنی یہ لوگ حق کے مقابلہ میں جو بھی حجت پیش کریں گے اور جو شبہ اور اعتراض لائیں گے ہم اس کا صحیح اور سچا جواب دیں گے جو ان کی بات سے زیادہ واضح اور فصیح ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کے متعلق جب بھی عیب جوئی کریں گے، ہم اس کے جواب کے لئے جبرئیل علیہ السلام کو بھیج دیں گے۔ صبح وشام، دن رات اور سفر و حضر میں فرشتہ کا بتدریج وحی لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا آپ ﷺ کی جلالت شان اور فضیلت کی روشنی میں ہے۔ پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، ان کا نزول یکبارگی تھا لیکن حضور ﷺ پر قرآن کریم قسط وار نازل ہوتا رہا اور ہر بار فرشتہ وحی لے کر حاضر خدمت ہوتا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ تمام پیغمبروں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ قرآن کریم سب کتابوں سے افضل کتاب ہے اور حضرت محمد ﷺ تمام پیغمبروں سے زیادہ جلیل القدر اور صاحب عظمت پیغمبر ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ دونوں صفات (یکبارگی اور تدریجاً نازل ہونے کی) ایک ساتھ موجود ہیں۔ عالم بالا میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں بیت العزرا تک اس کا نزول یکبارگی ہوا پھر وہاں سے زمین تک اس کا نزول بتدریج حسب ضرورت ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آسمان دنیا تک قرآن کا نزول شب قدر میں یکبارگی ہوا پھر وہاں سے تیس سال تک تدریجاً اس کا نزول ہوا رہا۔ پھر اس کی تائید میں آپ نے یہ آیت وَلَا يَأْتُونَكَ بِسَلِّ، ... اور اس کے علاوہ یہ آیت پڑھی: وَ قُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَعْلَمَ أَنَّكَ عَلَىٰ النَّاسِ حَلْلٌ مُّكَلِّبٌ وَ تَنْزِيلًا (بنی اسرائیل: 106) ”اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ظہر ظہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے“ (2)۔ پھر کافر کوئی بدترین حالت اور ذلت آمیز انجام کا ذکر کیا جس کا سامنا انہیں قیامت کے دن کرنا ہوگا، فرمایا: الَّذِينَ يُحْشَرُونَ ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کے دن کافر کو کس طرح اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ جس نے اسے پیروں کے بل چلایا، وہ

قیامت کے دن اسے منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے“ (1)۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ آخَاهُ هَارُونَ وَزِيْرًا ۗ فَقَتَلْتُمَا إِلَيْهِ الْقَوْمَ
الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَيْتِ ۗ قَدَّمْتَهُمْ تَدْمِيْرًا ۗ وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ
أَعْرَضْتَهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِنَاسٍ آيَةً ۗ وَآخِذْنَا بِالظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ وَعَادًا وَثَمُودًا
وَاصْطَبَ الرِّيسَ وَقُرُوْنَا الْبَنِينَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۗ وَكُلًّا صَدْرْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۗ وَكُلًّا تَبْنٰنَا
تَشْبِيْرًا ۗ وَلَقَدْ اٰتٰنَا عَلٰى الْقَرْيَةِ الَّتِي اَمْطَرْنَا مَطْرًا سَوِيًّا ۗ اَقْلَمَ يَكُوْنُوْنَ اَبْرًا ۗ وَتُهْمَا
بَلٰ كَاثُوْنَا الْاَبْرًا جُوْنًا شُوْرًا ۗ

”اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب اور مقرر کیا ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو (ان کا) وزیر۔ پھر ہم نے حکم دیا دونوں جاؤ اس قوم کی طرف جنہوں نے جھٹلایا ہے، ہماری آیتوں کو۔ (وہ گئے قوم نے ان کو ٹھکرادیا) تو ہم نے ان کو بالکل برباد کر دیا۔ اور قوم نوح کو یاد کرو جب انہوں نے جھٹلایا رسولوں کو تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور بنا دیا انہیں دوسرے لوگوں کے لئے عبرت اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب۔ اور یاد کرو قوم عاد و ثمود اور اصحاب الرس کو اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے درمیان گزریں۔ حق سمجھانے کے لئے ہم نے بیان کیں ہر ایک کے لئے مثالیں اور ہم نے سب کو نیست و نابود کر دیا۔ اور کئی بار گزرے ہیں یہ مشرک اس قصبہ کے پاس سے جس پر پتھر اڑا گیا تھا بری طرح۔ کیا (وہاں سے) گزرتے ہوئے) وہ اسے نہیں دیکھا کرتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جینے کی امید ہی نہیں ہے۔“

حضور ﷺ کی تکذیب اور مخالفت کرنے والے مشرکین کو دردناک اور عبرتناک عذاب کی وحشکی دی جا رہی ہے جیسا کہ اپنے رسولوں کو جھٹلانے والی سابقہ قوموں میں عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرعونوں کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو آپ کا وزیر اور معاون بنایا لیکن فرعونوں نے دونوں کو جھٹلایا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا، اسی طرح قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تو ان کا بھی سبکی حشر ہوا۔ چونکہ ایک نبی کی تکذیب سب انبیاء کی تکذیب کے مترادف ہے اس لئے یہاں الرسل جمع استعمال ہوا کیونکہ نفس نبوت و رسالت میں انبیاء کرام کے درمیان کوئی تفاوت اور فرق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کی طرف تمام رسول بھیجے جاتے تو یہ سبھی کی تکذیب کرتے اس لئے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کو تمام پیغمبروں کی تکذیب کے قائل رکھتے ہوئے الرسل جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی طرف بہت سے رسول آئے تھے۔ ان کی طرف صرف حضرت نوح علیہ السلام ہی مبعوث ہوئے جو لگاتار ساڑھے نو سال انہیں تبلیغ کرتے رہے اور عذاب سے خبردار کرتے رہے لیکن چند ایک کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہ لایا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام کافروں کو غرق کر دیا۔ روئے زمین پر بنی آدم میں سے صرف وہی بچے جو کشتی میں سوار تھے۔ ان کی ہلاکت اور بربادی لوگوں کے لئے دس عبرت بنا دی گئی جیسا کہ فرمایا:

اِنَّا اِنشَا لَعَالَمًا ۗ اٰءَسْتَنْبِحُكُمْ فِي الْاَنْبِيَا ۗ لِيُنذِرَكُمْ لَعْنَتَنَا لَمَّا كَفَرْتُمْ ۗ لَقَدْ كُنَّا وَاٰجِبَةً اَذْنًا ۗ وَآيَةً ۗ (الحجرات: 12-11)

ہے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا تاکہ ہم اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار بنادیں اور یاد رکھنے والے کا نام اسے محفوظ رکھیں۔ یعنی کشتی کو ہم نے تمہارے لئے طوفان سے نجات پانے اور سفر طے کرنے کا ذریعہ بنایا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے تمہیں اس طوفان سے بچانیا اور ان لوگوں کی اولاد میں سے کہ جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ قوم عاد اور قوم ثمود کا قصہ متعدد سورتوں میں بار بار بیان ہو چکا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ اَضْحَبَ الْبَرَاءُ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم ثمود کی ایک بستی والے تھے (1)۔ مگر کہتے ہیں کہ یہ یمامہ کی ایک بستی فُج میں رہنے والے تھے یہ وہی ہیں جن کا ذکر سورہ نبتین میں ہوا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”الرس“ اذربائیجان میں ایک کنواں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نبی کو اس کنوئیں میں ڈال دیا۔ ابن اسحاق محمد بن کعب سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ایک سیاہ قام غلام سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنی بھیجا لیکن اس بستی والوں میں سے بجز اس سیاہ قام غلام کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے ظلم کی انتہا کرتے ہوئے اللہ کے اس نبی علیہ السلام کو ایک کنوئیں میں ڈال کر اس کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا۔ وہ غلام جنگل میں لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور انہیں بیچ کر خورد و نوش کی چیزیں خریدتا۔ پھر انہیں لے کر کنوئیں پر چلا آتا، اور خدا داد طاقت سے بھاری پتھر کو سر کاٹا اور کھانے پینے کی اشیاء رسی کے ساتھ باندھ کر نیچے لٹکا دیتا، پھر وہ اس پتھر کو جوں کا توں کنوئیں کے دہانے پر رکھ دیتا۔ کافی عرصہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک دن اس نے حسب معمول لکڑیاں کاٹ کر گٹھنا بنایا۔ جب اس نے اسے اٹھانے کا ارادہ کیا تو اسے اٹھ نہ سکی۔ وہ لیٹا تو اس پر نیند مسلط ہو گئی۔ سات سال تک دو سو تار ہا، اس طویل عرصہ کے بعد اس کی آنکھ کھلی، اس نے انگڑائی لی اور کر وٹ چل کر پھر سو گیا۔ سات سال کے بعد وہ بیدار ہوا اور لکڑیوں کا گٹھنا اٹھا کر چل پڑا۔ وہ یہی گمان کر رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر سو یا ہے۔ چنانچہ اس نے حسب عادت لکڑیاں فروخت کر کے کھانا خرید لیا اور کنوئیں کی طرف چل دیا۔ جب وہ کنوئیں کی جگہ پہنچا تو کنواں وہاں موجود ہی نہ تھا۔ تلاش بسیار کے باوجود اسے کنواں نہ مل سکا۔ دراصل وہاں یہ کہ قوم کے دل میں ایمان لانے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے نبی کو کنوئیں سے نکالا اور ان پر ایمان لے آئے اور ان کی تصدیق کی۔ وہ نبی قوم سے اس سیاہ قام غلام کے متعلق دریافت کرتے رہے لیکن کسی نے اس کا پتہ نہ بتایا۔ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ غلام نیند سے بیدار ہوا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ”یہ سیاہ قام سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا“ (2)۔ اس روایت میں غرابت اور نکارت ہے اور شاید اور ارج بھی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اصحاب الرس سے یہ لوگ مراد نہیں لئے جاسکتے کیونکہ قرآن کریم میں ان کی ہلاکت کا ذکر ہے لیکن مذکورہ بالا روایت میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ اپنے نبی پر ایمان لے آئے تھے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی ہلاکت کے بعد ایمان لے آئے ہوں (3)۔ ابن جریر کا مختصر قول یہ ہے کہ اصحاب الرس سے مراد اصحاب اُخدود (خندق والے) ہیں جن کا ذکر سورہ بروج میں ہوا ہے۔ پھر فرمایا: وَفُكِّرُوا ثَابِتِينَ ذَلِكُمْ لِيُؤْمِنُوا بِمَعْنَى ان کے درمیان گزرنے والی کثیر التعداد قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا، اس لئے فرمایا: وَوَعَدْنَا صَوْبًا۔ یعنی ہم نے ان کے سامنے واضح دلائل پیش کئے اور معجزات دکھا کر ان کے تمام عذر بھانے ختم کر دیئے، اس کے بعد سب کو برباد کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَكَفَّمْنَا هَذَا صَوْبًا بَعْدَ نُوحٍ (نہی اسرائیل: 17) ”اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد ہلاک کر دیا“۔ قرن کا معنی ہے امت جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ آتَيْنَاهُمْ بَعْدَهُمْ قُرُونًا آخَرِينَ (المومنون: 42) ”پھر ہم نے ان

تفسیر ابن کثیر: جلد سوم

(کی بر باد) کے بعد کئی قومیں پیدا فرمائیں۔“ قرن کی مدت بعض کے نزدیک ایک سو بیس سال ہے، بعض کے نزدیک سو سال، بعض کے نزدیک اسی سال، بعض کے نزدیک چالیس سال۔ علاوہ ازیں اس کے بارے میں اور بھی قول ہیں۔ زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ قرن سے مراد وہ امت ہے جس کے افراد ہم عمر ہوں۔ جب وہ مر جائیں اور نئی نسل ان کی جگہ لے لے تو یہ دوسری قرن ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ جو اس کے بعد ہوں گے اور پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے“ (1)۔ پھر فرمایا: وَقَدْ أَتَوْا یعنی ان کا گزر کئی بار قوم لوط کی ہستی سدوم سے ہوا ہے جسے زمین پر الٹ دیا گیا اور اس پر بری طرح پتھر برسائے گئے جیسا کہ فرمایا: وَاعْطَيْنَاهُمْ فَطْرًا قَسَاءَ مَطَرٍ مُّتَمَدِّدٍ (النمل: 58) ”اور ہم نے ان پر پتھر برسائے پس تباہ کن پتھراؤ تھا اور اسے جانے والوں پر“۔ وَ إِنَّكُمْ لَكُنُودُونَ عَلَيْهِمْ مَصِيبٌ ﴿٦٠﴾ وَ بِالْبَيْتِ الْأَقْلَامِ تَعْقِبُونَ (الصافات: 138-137) ”اور تم ان (کے اجزے ہوئے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرتے ہو، کیا تم نہیں سمجھتے“۔ وَ إِنَّهَا لَنَسِيبٌ مُّقِيمٌ (الحجر: 76) ”اور یہ ہستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے“۔ وَ إِنَّهَا لَنَجْمٌ مُّظِينٌ (الحجر: 79) ”اور یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں“، اس لئے یہاں فرمایا: أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرْتَضُونَهَا یعنی کیا یہ کفار اجزی ہوئی ہستی کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے کہ اس ہستی والوں کو اسلئے ہلاک کر دیا گیا کہ وہ اپنے رسول کو جھٹلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرتے تھے۔ دراصل یہ کفار اس لئے عبرت حاصل نہیں کرتے کیونکہ انہیں قیامت کے دن دوبارہ جینے کی امید ہی نہیں۔

وَ إِذْ أَمَرْنَا نُوحًا أَنْ يَتَخَذُ مِنْكَ آلَ هَارُونَ إِلَهًا هُرُؤًا ۖ أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٦١﴾ ۚ إِنَّ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ إِلَهِنَا لَوْلَا أَنْ صَدَرْنَا عَنْ آيَاتِنَا ۖ وَ سَوْفَ يَعْلَمُونَ جِنَّةَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مِنْ أَصْلٍ سَبِيلاً ﴿٦٢﴾ ۚ أَمَرْنَا مِنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۖ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَ كَيْلًا ﴿٦٣﴾ ۚ أَمْرٌ تَصَبُّ أَنْ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ ۖ أَوْ يَعْقِلُونَ ۖ إِنَّ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَصْلٌ سَبِيلاً ﴿٦٤﴾

”اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ فریب تھا کہ یہ شخص ہمیں بھکا دیتا اپنے خداؤں سے اگر ہم ثابت نہ رہے ہوتے ان (کی پوجا) پر۔ (اے حبیب!) یہ جان لیں گے جب (ہمارے) عذاب کو دیکھیں گے کہ کون بھنکا ہوا ہے (راہ) راست) سے۔ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا اس (حق) کو جس نے بنا لیا اپنا خدا اپنی خواہش کو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں؟ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا (کچھ) سمجھتے ہیں۔ نہیں ہیں یہ مگر ڈنگروں کی مانند بلکہ یہ تو ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔“

مشرکین جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تو آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: وَ إِذْ أَمَرْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَخَذُوا مِنْكَ إِلَهًا هُرُؤًا (الانبیاء: 36) اور یہاں فرمایا: وَ إِذْ أَمَرْنَا نُوحًا ۖ إِنَّ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ إِلَهِنَا لَوْلَا أَنْ صَدَرْنَا عَنْ آيَاتِنَا ۖ وَ سَوْفَ يَعْلَمُونَ جِنَّةَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مِنْ أَصْلٍ سَبِيلاً ﴿٦٢﴾ ۚ اے صاحب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہر زمانے کے کافروں کا اپنے نبی کے ساتھ یہی سلوک رہا جیسا کہ فرمایا: وَ لَقَدْ آسَفْنَا عَلَىٰ يُونُسَ لَمَّا كَانَتْ مِنْهُ إِسْرَابٌ ﴿١٠﴾ (الانعام: 10) ”اور بلاشبہ آپ کے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا“۔ مزید ان کا یہ کہنا

تھا: اِنْ كَادَ لَيُغَيِّبُنَا . یعنی قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں بتوں کی عبادت سے بے گاہ کر دیتا اگر ہم ان کی عبادت پر ڈٹے نہ رہتے۔ اس پر انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَسَوْفَ يُعَالِجُونَ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اس بات پر آگاہ فرما رہا ہے کہ جس شخص نے خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے، اس پر گمراہی اور شقاوت لکھ دی گئی ہے، اب اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسا خواہش پرست شخص ہر بری چیز کو اپنی خواہش کے آئینے میں بہت عمدہ خیال کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِينَ ذُرِّعُوا لَمْ يُؤۡدُوا عَلَيْهِمْ فَكَرٰهُۥاۤ حَسَنًاۙ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّۤمَنۡ يَّشَآءُ (فاطر: 8) ”پس کیا وہ شخص جس کے لئے عزین کر دیا گیا ہے اس کا برائے عمل اور وہ اسے خوبصورت نظر آتا ہے بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے“، اس لئے یہاں فرمایا: اَفَاَنْتُمْ تَكْفُرُوۡنَ عَلٰیۤہِمْ وَكَيْفَا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی کو سفید پتھر ملتا، وہ اس کی پرستش میں لگ جاتا، پھر جب اس سے خوبصورت پتھر مل جاتا تو پوجنے کی عبادت ترک کر کے اس کی عبادت شروع کر دیتا۔ پھر فرمایا: اَمْ تَتَّخِضُوۡنَۤ اٰیٰۤا كُفْرٰہُمْ ۔ یعنی ان کی حالت ڈگمروں سے بھی بدتر ہے کیونکہ یہ تو ان امور کو انجام دیتے ہیں جن کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے لیکن یہ کافر جنہیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت میں لگ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں حالانکہ پیغمبروں کے ذریعہ انہیں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور وہی معبود حقیقی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِیَّی رَّبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الۡظُلۡمَۃَ وَ کَوۡنَہُۥا لَجَعَلۡہُۥ سَاۤیۡمًاۙ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِۥ دَلِیۡلًا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ قَوَّضۡنٰہُۥ اِلَیۡنَا قَوَّضًا یَّبِیۡرًا ﴿۷۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡلَیۡلَ لِبَاسًا وَّ النَّوۡمَ سُبۡۤاۤتًا وَّ جَعَلَ الۡنَّہَارَ نَشُوۡرًا ﴿۷۳﴾

”کیا آپ نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے پھیلا دیتا ہے سایہ کو اور اگر چاہتا تو بنا دیتا اسے ٹھہرا ہوا۔ پھر ہم نے بنا دیا آفتاب کو اس پر دلیل۔ پھر ہم سیٹھے جاتے ہیں سایہ کو اپنی طرف آہستہ آہستہ۔ اور وہی ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو باعث راحت اور بنایا ہے دن کو (طلب معاش کے لئے) دوڑ دھوپ کا وقت۔“

یہاں سے ان دلائل کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور مختلف و متضاد اقسام کی اشیاء پیدا کرنے پر اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں، فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِیَّی رَّبِّکَ۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر، ابو العالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر اور حسن وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک کا وقت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے سائے کو ٹھہرا ہوا اور ساکن ہی رکھتا جیسا کہ فرمایا: قُلۡ اَرۡعٰیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمُ الۡلَیۡلَ سَرۡمَدًا۔ (التقصص: 71) پھر فرمایا: ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ یعنی اس سائے پر اگر سورج طلوع نہ ہوتا تو اس کی پہچان ہی نہ ہوتی کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ قنادہ اور سدی اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ ہم نے سورج کو ایسی دلیل بنایا ہے جو سائے کا چھچھا کرتے ہوئے اسے ختم کر دیتی ہے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ قَوَّضۡنٰہُ۔ یعنی پھر ہم اس سائے کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سیٹھے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ”یسورا“ کا معنی کیا ہے: تیزی سے۔ بعض نے قبضناہ کی ضمیر مفعول کا مرجع سورج کو بنایا ہے یعنی ہم سورج کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سیٹھے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم چپکے چپکے اس سائے کو سیٹھے رہتے ہیں یہاں تک کہ زمین پر سایہ پانی نہیں رہتا۔ صرف چھتوں اور درختوں کے نیچے سایہ باقی رہ جاتا ہے اور ان کے اوپر بھی سورج کی دھوپ ہوتی ہے۔

اَقْلٰ آیت میں فرمایا: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اَنْفُسَكُمْ - یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو ایسا لباس بنایا جو وجود کو ڈھانپ لیتا ہے جیسے فرمان ہے: وَ اَنْفُسِكُمْ اِذَا يَلْعَنُهَا (ابلیس: 1) ”قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے“ اور نیند کو بندوں کی راحت کے لئے حرکت کو موقوف کرنے والا بنایا کیونکہ دن کے وقت کام کاج میں مشغول رہنے اور کسب معاش کے لئے دوڑ دوڑھوپ کرنے کی وجہ سے اعضاء تھک جاتے ہیں اور ان پر دردِ نامدگی چھا جاتی ہے۔ جب رات سایہ فگن ہوتی ہے تو سکون کی لہر دوڑ جاتی ہے، تمام اعضاء بحوالہ استراحت ہو جاتے ہیں اور نیند انسان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے جس سے روح و بدن دونوں کو راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ نے کسب معاش اور دیگر امور انجام دینے کا ذریعہ بنایا جیسا کہ فرمایا: وَ مِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ التَّهَامُ لِيَسْتَنْفِثُوا فِيْهَا وَ لِيَتَمَتَّعُوا مِنْ فَضْلِهِ (القصص: 73) ”اور محض اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل (رزق) تلاش کرو“۔

وَ هُوَ الَّذِي اَمْرَسَلَ الرِّيحَ بَشْمًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿١﴾ الَّذِي يَهْبِطُ بِهِ بَنَدًا صَبِيْنًا وَ نَسِيْبًا وَ مِمَّا خَلَقْنَا اَنْعَامًا وَاَنْعَامًا وَاَنْعَامًا وَاَنْعَامًا ﴿٢﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْهِ لَكُمْ اٰيَاتٍ لَّا تُفَوِّرُ اَعْيُنُكُمْ اَلَا لَكُمْ اَعْيُنٌ اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا لِقَوْمًا ﴿٣﴾

”اور وہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے۔ اور ہم اتار تے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی۔ تاکہ ہم زندہ کر دیں اس پانی سے کسی غیر آباد شہر کو اور ہم پلا میں یہ پانی اپنی مخلوق سے کثیر التعداد مومنینوں اور انسانوں کو۔ اور ہم باغیچے رہتے ہیں بارش کو لوگوں کے درمیان تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ پس انکار کرو یا اکثر لوگوں نے غم یہ کہ وہ ناشکر گزار بنیں گے“۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرما رہا ہے کہ وہ بارش سے پہلے اسکی بھیجتا ہے جو بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔ ہواؤں کی متعدد اقسام ہیں جو مختلف خصوصیات کی حامل ہیں اور ہر قسم کے ذمہ جو کام لگایا گیا ہے وہ اس کی انجام دہی میں مصروف ہے۔ بعض ہواؤں یا دلوں کو ادھر ادھر منتشر کر دیتی ہیں، بعض بادلوں کو اپنے دوش پر اٹھاتی ہیں، بعض بادلوں کو لے کر چتی ہیں، بعض بارش کی خوشخبری دیتی ہیں، کچھ اس سے پہلے گرد و غبار اڑاتی ہیں اور کچھ بادلوں کو پانی سے بوجھل کر دیتی ہیں تاکہ ان سے بارش برے، اس لئے فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا یعنی ہم آسمان سے ایسا پانی اتارتے ہیں جو پاکیزگی کا آلہ اور ذریعہ ہے۔ ”طَهُورٌ“ کا معنی ہے طہارت کا آلہ، یہ ایسے ہی ہے جیسے سمور اور قودو وغیرہ۔ اس بارے میں سب سے بہتر قول یہی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ”ظہور“ فاعل کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے یا یہ مبالغہ و تعدی کا صیغہ ہے لیکن یہ دونوں توجیہات لغت اور حکم کے اعتبار سے اشکال سے خالی نہیں (۱)۔ ان کی شرح و بسط کا یہ مقام نہیں۔ حضرت ثابت ابننابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بارش والے دن میں حضرت ابوالعالیہ کے ساتھ نکلا۔ بصرہ کے راستے گندے تھے۔ آپ نے ایسے رستہ پر نماز پڑھی۔ میں نے اس کی بابت دریافت کیا تو آپ نے اس آیت وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ - کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ بارش کے پانی نے اسے پاک کر دیا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی کو پاک نازل کیا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض

کفران کا یہ کہنا ہے کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی۔ اس قول کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے بارش برس چکنے کے بعد اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟“ صحابہ عرض کرنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی بہتر علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے کچھ بندے مجھ پر ایمان لانے والے ہو گئے اور کچھ کفر کرنے والے، جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش برسی ہے، وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور ستاروں کے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کے سبب بارش اتری ہے، وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستاروں پر ایمان لانے والا ہے“ (1)۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ لَذَيِّرًا ۝ فَلَا تَطِيعُ الْكٰفِرِيْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَاسِيْرًا ۝ وَ هُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبُعْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فَرَاتٌ وَ هَذَا مِلْحٌ اَجَابٌ ۝ وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَ هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمٰءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَ اَهْلًا ۝ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝

”اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر گاؤں میں ایک ڈرانے والا۔ پس کافروں کی بیروی نہ کرو اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کرو ان کا قرآن (کی دلیلوں) سے۔ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ملا دیا ہے دو دریاؤں کو، یہ (ایک) بہت شیریں ہے اور یہ (دوسرا) سخت کھاری۔ اور بنادی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ۔ اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو پانی (کی بوند) سے اور بنا دیا اسے خاندان والا اور سسرال والا۔ اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو برستی میں ایک ڈرانے والا بھیجتے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا لیکن حکمت کا اب یہ تقاضا نہیں، اس لئے اے رسول مکرم ﷺ! ہم نے صرف آپ کو تمام دنیا والوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے اور ان سب تک قرآن کا پیغام پہنچانے کا آپ کو حکم دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: لَذَيِّرًا مَّا كُنْهٖمْ وَ هُوَ مَرْجٌ ۝ (الانعام: 19) ”تا کہ میں اس کے ساتھ تمہیں اور اسے ڈراؤں جس تک یہ پہنچے“، وَ هُوَ مَرْجٌ ۝ (الانعام: 17) ”اور جو اس کے ساتھ کفر کرے مختلف گروہوں سے تو آگ ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے“، وَ لِيُثْبِتُ سُرٰٓتَ الْقُرٰٓيِ وَ مَنۡ حَوْلَهَا (الانعام: 92) ”تا کہ آپ ڈرائیں مکہ والوں کو اور جو اس کے ارد گرد ہیں“۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ اللّٰهِ اَنِیْٓ اَدْعٰیٓکُمْ لِجَنٰتِکُمْ (الاعراف: 158) ”فرمائیے، اے لوگو! میں تم تمام کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“ حدیث میں ہے: ”مجھے سرخ و سفید سب کی طرف بھیجا گیا ہے“ (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”پہلے برہنہ کو صرف اس کی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا رہا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے“ (3)۔ اس لئے فرمایا: فَلَا تَطِيعُ الْکٰفِرِيْنَ ۝ ... یعنی کافروں کی اطاعت نہ کرو اور قرآنی دلائل کے ساتھ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرو جیسا کہ ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْکٰفِرِيْنَ وَ الشُّرُکُوْٓنَ وَ اَخٰطِ الْعٰلِيْنَ (التوبة: 73) ”اے نبی کریم! کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے“، اس کے بعد فرمایا: وَ هُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبُعْرَيْنِ ۝ ... یعنی اللہ تعالیٰ نے شیریں اور نمکین دو قسم کے پانی پیدا کئے ہیں۔ نہروں، دریاؤں، چشموں اور کنوؤں کا پانی عموماً میٹھا اور خوش

ذائقہ ہوتا ہے۔ اس مفہوم میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ کوئی ایسا ساکن سمندر نہیں ہے جس کا پانی شیریں اور خوشگوار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں حقیقت حال کی خبر دی ہے تاکہ بندے اس کی نعمتوں پر آگاہ ہو کر اس کا شکر بجالائیں۔ پس شیریں سمندر سے مراد وہ پانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دریاؤں، نہروں اور چشموں کی صورت میں لوگوں کو عطا کیا ہے تاکہ وہ اسے اپنے استعمال میں لاتے ہوئے اپنی ذاتی ضروریات بھی پوری کریں اور زمینوں کو بھی سیراب کریں۔ فرمایا: وَهَذَا مِمَّا أُجَابَتْ بِهِ سَخْتُ كَهَارِي، نمکین اور کڑوا ہے۔ مشرق و مغرب میں ایسے معروف سمندر، بحر محیط، بحر قلزم، بحر یمن، بحر بصرہ، بحر فارس، بحر چین و ہند، بحر روم، بحر فرات اور اس قسم کے سمندر جو ٹھہرے ہوئے ہیں اور بہتے نہیں لیکن یہ موجیں مارتے اور تلاطم خیز رہتے ہیں۔ بعض میں مد و جزر ہوتا ہے۔ ہر قمری مہینے کے آغاز میں مد شروع ہوتا ہے اور جوں جوں مہینہ آگے بڑھتا ہے اس کے تلاطم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ چاند کی چودھویں رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد جزر شروع ہوتا ہے۔ جوں جوں چاند گھٹتا ہے توں توں سمندر پرسکون ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر مہینے میں بالکل ساکن ہو جاتا ہے۔ جب اگلے مہینے کا چاند طلوع ہوتا ہے تو ایک بار پھر مد شروع ہو جاتا ہے اور چاند کے بڑھنے سے سمندر چڑھتا رہتا ہے۔ چودھویں کے بعد جزر کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہر سمندر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ٹھہرے ہوئے اور ساکن سمندروں کو نمکین اور کھاری بنایا ہے تاکہ اس کے سبب سے ہوا صاف رہے اور ہر قسم کی آلودگی اور بد بو سے محفوظ رہے اور انسانی اور حیوانی زندگی فساد اور خطرہ کا شکار نہ ہو۔ مزید برآں ان جانوروں کی سرانڈے سے جو مر جاتے ہیں، زمین اور انسان محفوظ رہیں۔ چونکہ سمندروں کا پانی نمکین اور کھاری ہے اس لئے ان کی ہوا لطیف اور صحت افزا ہے اور ان کا مردہ پاک ہے، اسی لئے جب رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی سے دشمنوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے“ (1)۔ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور مقبوضہ رکاوٹ پیدا کر دی ہے جس کے باعث شیریں اور نمکین پانی آپس میں مل نہیں سکتے۔ یہ آڑ اور رکاوٹ خشکی کا ٹکڑا ہے۔ اس آیت کی طرح ایک اور جگہ فرمایا: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَمِسَانِ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ لَا يَخْتَلِمَانِ الْآبَاءُ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (الرحمن: 21-19) ”اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں، ان کے درمیان آڑ ہے، آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے“۔ اَقْنِ جَعَلَ الْأَمْحَصَ قَرَأًا وَجَعَلَ جَلْمَهَا أَثَرًا وَجَعَلَ لَهَا سَوَاحِي وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ إِنَّ إِلَهَ رَبِّكَ اللَّهُ لَبَلٌ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (النمل: 61) ”بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کرویں اور زمین کے لئے (پہاڑوں کے) ٹنگر بنا دیئے اور دو سمندروں کے درمیان آڑ بنا دی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں“۔ پھر فرمایا: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے انسان کو حقیر اور ضعیف نطفہ سے پیدا کیا، اسے درست کیا، اعتدال پر رکھا، سنوارا اور مکمل خلقت والا بنایا، پھر کسی کو مرد اور کسی کو عورت بنایا، پھر اسے خاندان والا بنایا، اس کے رشتے دار بنا دیئے، پھر شادی کے بعد سسرالی رشتے قائم کر دیئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہی کرشمہ ہے کہ اس نے حقیر سے پانی سے اتنا بڑا سلسلہ قائم کر دیا۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۗ ﴿٢٠﴾
مَا أَمْرًا سَلْتُكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٢١﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَرَادْتُمْ إِلَّا مِنْ شَاءِ اللَّهِ

لے۔ پھر فرمایا: وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ یعنی آپ اپنے تمام معاملات میں اس ہمیشہ رہنے والے خدا پر بھروسہ کریں جسے کبھی موت نہیں آئے گی، وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن اور وہی ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا ہے، وہی دائم، باقی، سرمدی، ابدی، حقیقی، قیوم، رب اور مالک ہے، سو اسے ہی اپنا ماویٰ و لجا بنائے رکھو۔ وہی تو ہے جس پر توکل کیا جاتا ہے اور مصیبت میں اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، وہ آپ کے لئے کافی، آپ کا حامی و ناصر اور آپ کو فتح و نصرت سے نوازنے والا ہے جیسا کہ فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَاذَنُوا إِلَيْكَ يَوْمَ يُنْفَخُ الْكَوَالِبُ عَنْ الْقَوْمِ وَانْتِفَعَلْنَا مِنْهَا بَعْدُ بِهِنَّ وَإِن لَّمْ يَنْفَعَلْ فَمَا بَلَغَتْ حَسْبَانَهُمْ أَذْنَابُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (المائدہ: 67) ”اے رسول! پہنچا دیجئے جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔“

حضرت شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مدینہ شریف کی کسی گلی میں نبی کریم ﷺ سے ملے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو، سجدہ اس ہمیشہ رہنے والے خدا کو کرو جسے کبھی موت نہیں آئے گی“ (1)۔ پھر حمد اور تسبیح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ”وسبِّح بحمده“ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے: ”سُبِّحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ“ (2)۔ مقصد یہ ہے کہ عبادت بھی صرف اسی کی کر دو اور بھروسہ بھی صرف اس ذات پر ہی کرو جیسا کہ فرمایا: تَسْبُّهُ اسْمُ اللَّهِ وَذِ السُّعُوبِ ۗ إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (المزل: 9) ”مالک ہے مشرق و غرب کا اس کا سوا کوئی معبود نہیں پس اسی کو اپنا کارساز بنائے رکھئے“۔ فَعْبُدُوهُ وَيَسْتَعِزُّ بِعَلِيهِ (ہود: 123) ”سو اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ کریں“۔ قُلْ هُوَ الْخَلْقُ الْأَعْلَىٰ وَ عَلَىٰ رَبِّكَ تَوَكَّلْنَا (الملک: 29) ”فرمائیے وہ (میرا خدا) بڑا ہی مہربان ہے، ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا“۔ پھر فرمایا: وَكَفَىٰ بِهِ۔ یعنی بندوں کے گناہوں کا اسے مکمل علم ہونا ہی کافی ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں بلکہ ایک ذرہ بھی اس سے اوجھل نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: أَلَمْ يَخْلُقِ السَّمَوَاتِ ... یعنی وہ ہمیشہ رہنے والا خدا ہی ہر چیز کا خالق، رب اور مالک ہے، جس نے اپنی قدرت سے بلند اور وسیع سات آسمانوں کو اور پست اور کثیف سات زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ اپنی شان کے مطابق عرش پر متمکن ہوا یعنی وہی ہر امر کی تدبیر کرتا ہے اور سچا فیصلہ فرماتا ہے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ فرمایا: أَلَمْ يَخْلُقْ فَسَخَّرْنَا ... یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس سے دریافت کرو جو اس سے باخبر ہے، اور اس کی اتباع کرو۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق علم اور واقفیت سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کو ہے جو دنیا و آخرت میں اولاد آدم کے سردار ہیں اور اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، بلکہ آپ کی ہر بات وحی ہوتی ہے۔ جو آپ ﷺ نے فرمایا، وہی حق ہے اور جو آپ ﷺ نے خبر دی، وہی سچ ہے۔ آپ ﷺ ہی سچے امام ہیں کہ جب لوگوں میں کسی بات پر تنازع ہو جائے تو اس کا فیصلہ آپ ﷺ کی طرف لوٹنا واجب ہے۔ چنانچہ جو آپ ﷺ کے اقوال و افعال کے مطابق ہو وہی حق ہے اور جو مخالف ہو، وہ مردود ہے خواہ اس کا قائل یا فاعل کوئی بھی ہو جیسا کہ فرمایا: فَإِن تَنَادَّ عَتَمٌ فَمِنْهُ قَدْ دُؤُا زِلَى اللَّهِ وَ الرُّسُولِ (النساء: 59) ”پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑنے لگو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، وَا مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ هُمْ عَنْ حُكْمِ اللَّهِ وَ الرُّسُولِ (الشوری: 10)“ اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو، وَ سَبَّحْتَ كَلِمَاتِ رَبِّكَ جِدًّا قَادِرًا (الانعام: 115)“ اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے مکمل ہو گئی۔“ مجاہد فرماں فرماتے ہیں: پہنچا دیجئے جو آپ کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے جس چیز کے بارے میں تمہیں خبر دی وہ اسی طرح ہے جس طرح میں نے تمہیں خبر دی۔ شمر بن عطیہ

کہتے ہیں کہ خیر سے مراد قرآن کریم ہے (1)۔ پھر بت پرست مشرکین پر اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلَّهِ
یعنی جب انہیں کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمن کون ہے؟ ہم تو اسے بیچا نئے ہی نہیں۔ ان مشرکین کو اللہ تعالیٰ کا نام رحمن پسند
ہی نہ تھا جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ تحریر کرتے وقت حضور ﷺ نے کاتب معاہدہ سے جب بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کو کہا تو
مشرکین کہنے لگے کہ ہم نہ رحمن کو جانتے ہیں اور نہ رحیم کو بلکہ رواج کے مطابق ”يَا سَيِّدَاتِ النَّهْمِ“ لکھو (2)۔ اس پر یہ آیت اتری: قُلْ اذْعُو
اللَّهِ اَوْ اذْعُو الرَّحْمٰنِ اَيُّمَا مَنَّا فِئْتَانٌ هٰذِهِ اَلَا سَيِّدَاتِ الْاِنْسَانِ اَلَيْسَ بِاللّٰهِ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (بنی اسرائیل: 110) ”فرمائیے، اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے
اسے پکارو اس کے سارے نام ہی اچھے ہیں“، یعنی وہی اللہ ہے اور وہی رحمن ہے۔ یہاں فرمایا: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا... اهل ایمان کا
حال ان کے برعکس ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جو رحمن اور رحیم ہے اور اسی کی الوہیت کا اقرار کرتے ہوئے صرف اس کے
حضور سجدہ کرتے ہیں۔ علماء کا اتفاق ہے کہ سورہ فرقان کی یہ آیت آیت سجدہ ہے۔ اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ شروع ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيرًا ﴿٥١﴾ وَهُوَ الَّذِي
جَعَلَ الْبَلَدَ الْاَيْلًا وَالشَّهْرَ حَافِلًا لَّيْسَ اَسْمَادُ اَنْ يَّبَدَّلَ كُنَّ اَوْ اَسْمَادُ شُكُورًا ﴿٥٢﴾

”بڑی (خیر و) برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج اور بنایا ہے اس میں چراغ (آفتاب) اور چاند چمکتا
ہوا۔ اور وہی ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا اس کے لئے جو یہ چاہتا ہے کہ وہ
بھیبت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار رہے۔“

اللہ تعالیٰ اس بات پر اپنی عظمت، بڑائی اور بزرگی بیان فرما رہا ہے کہ اس نے آسمان میں برج بنائے۔ بعض نے برج سے مراد
بڑے بڑے ستارے لئے ہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے مراد چوکیداری کے برج ہیں لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے، البتہ یہ
ممکن ہے کہ بڑے بڑے ستاروں سے مراد وہی حفاظت کے لئے بنائے گئے برج ہوں، اس طرح دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاتی ہے جیسا
کہ فرمایا: وَلَقَدْ رَآنَا السَّمَاءَ الَّتِي نُنَادِيهَا صَاحِبًا وَقَعَلْنَاهَا لِحُومًا اَلَيْسَ بَيْنَ يَدَيْنَا الْعَرْشُ الْعَظِيمُ (الملك: 5) ”اور بے شک ہم نے قرعہ آسمان کو چراغوں سے
آراستہ کر دیا ہے اور انہیں شیطاں کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے“۔ اس لئے یہاں فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِي جَعَلَ... سراج سے مراد چمکتا ہوا
سورج ہے جو چراغ کی مثل ہے جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنَا بِيْرَ اَجَاذَ هَاجًا (النبا: 13) ”اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا“ اور چاند
بنایا جو ایسے نور سے منور اور روشن ہے جو نور شمس کے سوا ہے جیسا کہ فرمایا: هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ صِيَابًا وَ الْقَمَرَ نُورًا (يونس: 5)
”وہی ہے جس نے سورج کو درخشال اور چاند کو نور بنایا“، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اَلَمْ تَرَ وَ اَكَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَمْعًا
سَمُوْتٍ لِّجَانَا ﴿٥١﴾ وَ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِمْ نُورًا وَ جَعَلَ الشَّمْسُ بِيْرًا ﴿٥٢﴾ (نوح: 16-15) ”نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کیسے ت
ہت پیدا کیا اور چاند کو ان میں روشنی بنایا اور سورج کو چراغ بنایا ہے“۔ پھر فرمایا: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الْبَلَدَ الْاَيْلًا
یعنی دن اور رات کے بعد
دیگرے بغیر کسی سستی اور کمزوری کا مظاہرہ کئے لگا تار آتے رہتے ہیں اور دونوں باری باری فوراً ایک دوسرے کی جگہ لیتے ہیں جیسا کہ فرمایا:
وَسَخَّرْنَا لَكُمْ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ اَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُغَيَّبُ
الشَّمْسُ اَيُّهَا النَّبِيُّ (الاعراف: 54) ”اے نبی! وہی ہے رات سے دن کو اور دن کو رات سے دن کو تیزی سے“۔ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ

لَهَا أَنْ تُنَادِيَ بِكَ الْغَمَّةَ وَلَا تَجِدُ لَهَا مِنَّا قَائِلًا وَلَا جَمِيًّا (البین: 40) ” نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے۔“ فرمایا: لَهَا أَنْ تَدْعَا أَنْ يَكُونَ لَهَا۔ یعنی دن اور رات کے تسلسل سے عبادت کے اوقات معلوم ہوتے ہیں۔ اگر رات کا کوئی عمل فوت ہو جائے تو دن کے وقت اس کی تلاقی ہو سکتی ہے اور اگر کوئی دن کا عمل فوت ہو جائے تو رات کے وقت اس کا تدارک کیا جاسکتا ہے حدیث صحیح میں ہے: ”اللہ تعالیٰ رات کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار تو بہ کر لے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گنہگار تو بہ کر لے“ (1)۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاشت کی نماز بہت طویل کر دی جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا رات کا کچھ وظیفہ باقی رہ گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ اسے مکمل کر لوں، یا آپ نے فرمایا کہ میں اسے قضاء کر لوں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (2)۔ ”حَيْفَةَ“ کا معنی مختلف بھی کیا گیا ہے یعنی رات تاریک ہے اور دن روشن۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَسْتَوُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝

” اور جن کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر آہستہ آہستہ اور جب گفتگو کرتے ہیں ان سے جاہل تو دوسرے یہ کہتے ہیں کہ تم سلامت رہو۔ اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے۔ اور جو (بارگاہ الہی میں) عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اور فرما دے ہم سے عذاب جہنم۔ بے شک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے۔ بے شک وہ بہت برا ٹھکانہ اور بہت بری جگہ ہے اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تسول خرچی کرتے ہیں اور نہ کجی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کی صفات بیان ہو رہی ہیں کہ وہ زمین پر سکون، وقار اور متانت کے ساتھ بغیر تکبر، تجبر اور اتر کے چلتے ہیں جیسا کہ فرمان ہے: وَلَا تَشْفِي فِي الْأَرْضِ مَرْحًا (القمان: 18) ”زمین پر اترتے ہوئے نہ چل“۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دو تصنع اور ریا کاری سے کام لیتے ہوئے مریضوں کی سی چال چلتے ہیں۔ حضور سید اولاد آدم ﷺ جب چلتے تو یوں محسوس ہوتا گویا آپ اونچائی سے اتر رہے ہیں اور زمین آپ کے لئے کئی چلی جارہی ہے (3)۔ بعض سلف نے ایسی چال کو مکرور قرار دیا ہے جس میں خواہ مخواہ تصنع اور تصنع کا اظہار کیا جائے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو آہستہ آہستہ چلتے دیکھا تو فرمایا: تمہیں کیا ہے، کیا تو مریض ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اے امیر المومنین! آپ نے کوز الہا راتے ہوئے فرمایا کہ خبردار! آئندہ ایسی چال نہ چلنا۔ قوت کے ساتھ چلا کرو (4)۔ آیت کریمہ میں لفظ ”ھون“ سے مراد سکون اور وقار ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم نماز کے لئے آؤ، تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کو لازم پکڑتے ہوئے آؤ، جو جماعت کیساتھ مل جائے اسے ادا کر لو اور جو فوت ہو جائے، اسے مکمل کر لو“ (5)۔

2- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 270

1- صحیح مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2113، سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 472

4- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 272

3- عارضة الاحزاب، کتاب المناقب، جلد 13 صفحہ 116-117، مستدرک، جلد 1 صفحہ 96، 116-117

5- صحیح بخاری، کتاب الجمعات، جلد 2 صفحہ 9، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 420-421

حضرت حسن بصری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اہل ایمان ایسے لوگ ہیں جن کے کان، آنکھیں اور اعضاء فروتنی اور عاجزی اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ جاہل انہیں مریض گمان کرتا ہے حالانکہ وہ بیمار نہیں ہوتے۔ بخدا! وہ صحت مند ہوتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں خوف ہوتا ہے جو دوسروں کے دلوں میں نہیں ہوتا اور آخرت کے متعلق ان کا علم انہیں دنیا اور اس کی آسائشات سے باز رکھتا ہے۔ یہ قیمت کے دن کہیں گے کہ حرام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کیا۔ بخدا! انہیں دنیا کا غم نہیں ستاتا بلکہ انہیں ہر وقت آخرت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ حصول جنت کے لئے کوئی کام ان پر بھاری نہیں لیکن آتش جہنم کا خوف انہیں رلاتا رہتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے صبر دلانے سے بھی صبر نہیں کرتا، اس کا نفس حسرتوں کا شکار ہو کر دنیا پر پل پڑتا ہے اور جو شخص کھانے پینے کو ہی اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہے، وہ کم علم اور عذاب میں گھرا ہوا ہے (1)۔ فرمایا: وَإِذَا خَاصَّتْكُمْ آيَةٌ فَلْيَمُوتُوا۔ یعنی جب جاہل لوگ حماقت اور بے وقوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے تازیبا اور بری بات کرتے ہیں تو یہ ان کے مقابلہ میں ترکی بہ ترکی جواب نہیں دیتے بلکہ درگزر کرتے ہیں، معاف کر دیتے ہیں اور اپنی زبان پر کلمہ خیر کے سوا کوئی اور بات نہیں لاتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جوں جوں جاہل حماقت سے پیش آتا، آپ اس قدر علم اور بردباری کا مظاہرہ فرماتے اور جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: وَإِذَا سَبَّحُوا النَّعْمَةَ أََعْرَضُوا عَنْهَا (التقصص: 55) ”اور جب وہ کسی بیہودہ بات کو سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں“۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی شخص نے دوسرے شخص کو گالی دی تو اس نے جواب میں کہا کہ تم پر سلام ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم دونوں کے درمیان ایک فرشتہ موجود تھا جو تیری طرف سے گالی دینے والے کو جواب دیتا تھا۔ جب بھی یہ شخص تمہیں گالی دیتا، فرشتہ اسے کہتا کہ یہ نہیں بلکہ تو ایسا ہے اور تو ہی اس کا مستحق ہے اور جب تو اس شخص کے لئے کہتا تھا کہ تجھ پر سلامتی ہو تو فرشتہ کہتا کہ اس پر نہیں بلکہ تجھ پر اور تو ہی سلامتی کا مستحق ہے“ (2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان قَالُوا سُبْحَانَكَ يَا مَلِكُ اور ما معقول گفتگو کر کے ان سے الجھتے نہیں بلکہ معقول اور اچھی بات کر کے ان سے اپنا دامن بچا لیتے ہیں۔ حضرت حسن بصری اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر ان پر جہالت کا مظاہرہ کیا جائے تو یہ درگزر سے کام لیتے ہیں۔ دن بھر اللہ کے بندوں کے ساتھ رہتے ہیں اور ان کی ہر قسم کی باتیں سن کر خاموش رہتے ہیں۔ ان بندوں کے دنوں کی مصروفیات کا ذکر ہوا۔ اب ان کی راتوں کے معمولات سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے۔ ان کی راتیں تو بہت ہی اچھی ہوتی ہیں فرمایا: وَاللَّيْلُ يَبْتَغُونَ۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: كَالَّذِي قَاتِلًا قَاتِلَ قَاتِلٍ مَا يَبْتَغُونَ ۝ وَ بِالْآسَافِ حَاهِمٌ يَسْتَعْفِفُونَ (الذاریات: 17-18) ”یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت بخشش طلب کرتے تھے“۔ تَبْتَغَانِي جُؤَيْبُهُمْ عَنِ النَّصَاحَةِ (الحجرات: 16) ”ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں“۔ أَقْنُ هُوَ قَاتِلٌ أَقَاءَ الْبَيْتِ سَاجِدًا إِذْ قَامًا يُعَذِّبُ الْمُذْخِبَةَ وَ يُرْجُو أَمْرًا حَمِيئًا نَهَبًا (الزمر: 9) ”بھلا جو شخص رات کی گھڑیاں عبادت میں بسر کرتا ہے کبھی سجدہ کرتے ہوئے اور کبھی قیام کرتے ہوئے، آخرت سے ڈرتا ہے اور رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے“۔ اس لئے فرمایا: وَاللَّيْلُ يَبْتَغُونَ رَبَّهُنَّ انصرفت۔ یعنی وہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہم سے عذاب چھتہم کو دور کر دے کیونکہ یہ داغی اور لازمی ہے۔ غم کا معنی ہے ہمیشہ رہنے والا جو کبھی جدا نہ ہو۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے: ”إِنَّ الْعَذَابَ يَكُنْ غَمًّا وَإِنْ يُعْطَى جَزِيلًا فَإِنَّهُ لَا يَبَالِي“ (3)۔ یعنی اگر وہ عذاب دے تو وہ داغی ہوتا ہے اور اگر وہ بے حساب عطا کر دے تو بھی اسے کوئی پروا نہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جو مصیبت انسان کو پہنچے اور پھر زائل ہو

جائے، اسے غرام نہیں کہا جاسکتا۔ غرام وہ ہے جو ہمیشہ رہے اور کبھی دور نہ ہو (1)۔ محمد بن کعب اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ عذاب جہنم کفران نعمت کا تاوان ہے۔ کفار نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا، اس لئے ان پر عذاب جہنم کا تاوان ڈالا جائے گا۔ اور جہنم بہت بڑی جگہ، بد منظر اور تکلیف دہ ٹھکانا ہے۔ مالک بن حارث بیان کرتے ہیں کہ جب دوزخی کو دوزخ میں پھینکا جائے گا تو وہ نیچے ہی نیچے گرتا چلا جائے گا، طویل مدت کے بعد جب وہ اس کے ایک دروازے تک پہنچے گا تو اسے کہا جائے گا کہ اپنی جگہ پر رک جانا کہ تیری خاطر تواضع کی جائے، چنانچہ اسے کالے ناگوں اور زہریلے پھوؤں کے زہر کا ایک پیالہ پلایا جائے گا تو اس کی کھال ادھر کرا لگ ہو جائے گی، بال جھڑ جائیں گے، پیٹھے جدا ہو جائیں گے اور رگیں الگ جا پڑیں گی۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ جہنم میں بڑے بڑے کنوؤں جیسے گڑھے ہیں، ان میں سختی اونٹوں جیسے سانپ ہیں اور سیاہ فنجروں جیسے بچھو۔ جب جہنمیوں کو جہنم میں پھینکا جائے گا تو یہ اپنی جگہوں سے نکل کر ان کی طرف پلکیں گے اور ان کے ہونٹوں، سروں اور جسم کے باقی اعضاء کو خوب ڈسیں گے یہاں تک کہ ان کی کھالیں ادھر جا جائیں گی اور گوشت کٹ کر گرنے لگے گا، پھر وہ واپس چلے جائیں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جہنمی ایک ہزار سال تک یا حنان، یا مٹھان پکارتا رہے گا تب اللہ تعالیٰ جبریل سے فرمائے گا کہ جاؤ اور اس بندے کو میرے پاس لاؤ۔ جبریل علیہ السلام جائیں گے تو دیکھیں گے کہ سب جہنمی سر جھکائے گریہ و زاری کر رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام واپس لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے حضور یہ بات بتائیں گے تو اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا کہ جاؤ، اس بندے کو میرے پاس لاؤ، وہ فلاں جگہ موجود ہے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام اس بندے کو لا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: اے میرے بندے! تیری جگہ اور ٹھکانا کیسا ہے؟ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! بہت بڑی جگہ اور برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اس بندے کو واپس جہنم میں لے جاؤ۔ اس پر وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے جہنم سے باہر نکالا تو مجھے قوی امید تھی کہ تو پھر دوبارہ مجھے اس میں نہیں لوٹے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے کو چھوڑ دو (2)۔ اللہ کے بندوں کی ایک اور خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَالَّذِينَ إِذَا أَتَوْا مُصَافًا** یعنی نہ وہ فضول خرچی کرتے ہوئے ضرورت سے زائد خرچ کرتے ہیں اور نہ ضروری اخراجات میں کجی سے کام لیتے ہیں۔ نہ وہ فضول خرچ ہیں اور نہ بخیل بلکہ ان کا خرچ اسراف اور بخل کے درمیان اعتدال سے ہوتا ہے اور وہ میانہ روی کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے اور اعتدال ہی سب سے عمدہ رستہ ہے جیسا کہ فرمایا: **وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوبًا لِّأَيِّ مَخْلُوقٍ وَلَا تُنَبِّئْهُمَا خَلْقَ النَّاسِ** (بنی اسرائیل: 29) ”اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ارد گرد بندھا ہوا نہ بنا لو اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو“۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”معاش میں میانہ روی اختیار کرنا آدمی کی سمجھداری کی دلیل ہے“ (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”میانہ روی اختیار کرنے والا افلاس کا شکار نہیں ہو سکتا“ (4)۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خوشحالی میں میانہ روی کس قدر اچھی ہے، فقر میں میانہ روی کتنی عمدہ ہے اور عبادت میں میانہ روی کیا ہی خوب ہے!“ (5) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راہ خدا میں خرچ کرنا خواہ کتنا ہی ہو، اسراف نہیں۔ ایسا بن معاویہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کرنا اسراف ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ
وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَنْقُصْ أَثْمًا ۖ يُضَعَّفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ
وَيَحْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۖ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَبَدِّلُ اللَّهُ
سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۖ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ
يَسْتَوِبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۖ

”اور جو نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ بدکاری کرتے ہیں۔ اور جو یہ کام کرے گا تو وہ پائے گا (اس کی) مزا۔ دو گنا کر دیا جائے گا اس کے لئے عذاب روز قیامت اور ہمیشہ رہے گا اس میں ذلیل و خوار ہو کر۔ مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے تو یہ وہ لوگ ہیں بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کئے تو اس نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف جیسے رجوع کا حق ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: ”تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا، پھر دریاقت کیا کہ پھر کون سا؟ فرمایا: ”تو اپنی اولاد کو اس اندیشہ کے پیش نظر قتل کرے کہ تجھے اس کو کھلانا پڑے گا،“ عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: ”تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔“ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تصدیق میں یہ آیت وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ (اتری 1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے جانے لگے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوں۔ آپ ﷺ ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گئے، میں آپ ﷺ سے نیچے بیٹھ گیا۔ میرا چہرہ آپ ﷺ کے گھٹنوں کے بالمقابل تھا۔ میں نے تنہائی کے موقعہ کو نصیب کیا جان کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، یہ فرمائیے کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اللہ تعالیٰ کے لئے شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔“ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: ”تو اپنی اولاد کو اس لئے قتل کرے کہ اسے کھلانا تجھے ناپسند ہے۔“ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: ”تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے۔“ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت کی تلاوت کی (2)۔ آپ ﷺ نے حیدر اوداع کے موقع پر فرمایا: ”چار گناہوں سے خبردار رہو: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، زنا نہ کرو اور چوری نہ کرو“ (3)۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا: ”زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“ انہوں نے عرض کی کہ اسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور یہ قیامت تک حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کا دس عورتوں سے زنا کرنا اپنے پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کرنے سے کمتر ہے۔“ پھر آپ نے پوچھا کہ چوری کی بابت تم کیا کہتے ہو؟ عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے

1- سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 7 صفحہ 46، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 370

3- سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 51

2- تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 42

حرام کیا ہے، سو یہ حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے پڑوسی کے گھر سے چوری کرنا، دس گھروں سے چوری کرنے کی نسبت زیادہ برا ہے“ (1)۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنا لفظ ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں“ (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چند مشرک جو بکثرت قتل اور زنا کے مرتکب ہوئے تھے، نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی باتیں سچیں ہیں اور آپ ﷺ کی دعوت بہت اچھی ہے لیکن آپ یہ فرمائیے کہ ہمارے جرائم کا کفارہ کیا ہے۔ اس وقت یہ آیت وَالَّذِينَ لَا يُدْعُونَ لِقَوْلِهِمْ إِلَّا لِيُقَاتَلُوا وَلَا يُقَاتَلُوا وَلَا يَأْتِيَهُمْ وَالِدٌ وَلَا أُولَادٌ لَّهُمْ كَمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ اور اس کے علاوہ یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتُ عَلَى أَنْفُسِهِنَّ لَا يَحْتَضِرْنَ لَهْجَتَهُنَّ أَذُنُ ذَاتِ الْيَمِينِ إِذْ نَبِّئْنَ بِمَا لَمْ يَحْتَضِرْنَ وَلَا تَأْتِيَهُمْ وَالِدٌ وَلَا أُولَادٌ لَّهُمْ كَمَا كَانُوا يُكْفَرُونَ“ (3)۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تجھے منع کرتا ہے کہ تو خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرے، وہ تمہیں اس بات سے بھی منع کرتا ہے کہ تو اپنی اولاد کو قتل کرے اور اپنے کتے کو کھلائے اور وہ تمہیں پڑوسی کی بیوی کیساتھ بدکاری کرنے سے بھی روکتا ہے۔“ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”انام“ جنم میں ایک وادی ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنم کی وہ وادیاں ہیں جہاں زانیوں کو عذاب دیا جائے گا۔ قناد کہتے ہیں کہ اس سے مراد عبرتناک مزار ہے۔ حضرت لقمانؓ یہ نصیحت بھی کیا کرتے تھے: اے بیٹا! زنا سے بچو کیونکہ اس کا آغاز خوف ہے اور اس کا انجام حسرت و ندامت۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ”عقی“ اور ”انام“ جنم کی گہرائی میں دو کنوئیں ہیں (4)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضائل و کرم سے ان سے محفوظ رکھے! اسدی کہتے ہیں کہ ”يَقِينُ اَنَامًا“ کا معنی ہے: وہ بدلہ پائے گا، یہ ظاہر آیت کے زیادہ مشابہ ہے۔ اس صورت میں اس کے بعد والی کلام قَدْ عَقَفَ اس کی تفسیر اور اس سے بدلہ ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے بار بار سخت عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلیل و رسوا ہو کر وہاں ہمیشہ رہے گا۔ ان صفات قبیحہ سے آلودہ لوگوں کی جزا کا ذکر کرنے کے بعد اس حکم سے ان لوگوں کی استثناء کر دی جو ان گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ قائل کی توبہ بھی مقبول ہے۔ اس آیت اور سورۃ نساء کی اس آیت وَ هُوَ يَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ كُلًّا وَلَوْ كُنْتُمْ إِلَّا رِجَالًا لَدَفَعْنَا لَعْنَ السَّائِفِينَ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِمْ لَدَفَعْنَا لَعْنَ السَّائِفِينَ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِمْ لَدَفَعْنَا لَعْنَ السَّائِفِينَ“ (5)۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ پھر فرمایا: قُلْ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتُ عَلَى أَنْفُسِهِنَّ لَا يَحْتَضِرْنَ لَهْجَتَهُنَّ أَذُنُ ذَاتِ الْيَمِينِ إِذْ نَبِّئْنَ بِمَا لَمْ يَحْتَضِرْنَ وَلَا تَأْتِيَهُمْ وَالِدٌ وَلَا أُولَادٌ لَّهُمْ كَمَا كَانُوا يُكْفَرُونَ“ (6)۔ اس کے معنی میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں براہیوں کے ارتکاب کے بدلہ میں نکلیاں کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مومن ہیں جنہوں نے ایمان لانے

2- تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ بنی اسرائیل: 32

1- مسند احمد، جلد 6 صفحہ 8

3- فتح الباری، تفسیر سورۃ زمر، جلد 8 صفحہ 549، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 113

5- تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ نساء: 93

4- تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 44-45، مجمع کبیر، جلد 8 صفحہ 206-207، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 389

سے قبل گناہ کئے تھے۔ ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں سے ہٹا کر نیکیوں کی طرف مائل کر دیا اور ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا (1)۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا میں ہوتا ہے کہ ایک آدمی بری نسلت کا شکار ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے نیک عادت میں بدل دیتا ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بت پرستی کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، مومنوں سے لڑنے کی بجائے مشرکوں سے جہاد کرنے لگے اور مشرک عورتوں سے نکاح کے بدلہ میں انہوں نے مومن عورتوں سے نکاح کئے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے برے عمل کو نیک عمل سے، شرک کو توحید و اخلاص سے، بدکاری کو پاکدامنی سے اور کفر کو اسلام سے بدل دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خالص توبہ کے سبب ان کے گزشتہ گناہ نیکیوں میں بدل جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے انسان کو جب گزشتہ گناہ یاد آتے ہیں تو وہ نادم ہوتا ہے، غمزدہ ہوتا ہے اور استغفار کرتا ہے، اس لحاظ سے اس کے گناہ اطاعت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور یہ گناہ اگرچہ اس کے نامہ اعمال میں لکھے تو گئے تھے لیکن قیامت کے دن ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی اور یہ نیکیوں میں بدل جائیں گے جیسا کہ احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا اور سب سے آخر میں جنت میں جائے گا۔ ایک آدمی کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے کبیرہ گناہوں کو چھوڑ دو اور اس کے صغیرہ گناہوں کے متعلق باز پرس کرو۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ فلاں دن تو نے فلاں گناہ کیا اور فلاں دن فلاں گناہ کیا تھا، وہ اقرار کرے گا اور اپنے کسی گناہ کا بھی وہ انکار نہیں کر سکے گا، اسے فرمایا جائے گا کہ تمہارے لئے ہر گناہ کے بدلہ میں نیکی ہے، وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں نے تو اور بہت سے گناہ کئے تھے وہ مجھے آج دکھائی نہیں دے رہے۔' (مجھے ان کے بدلہ میں بھی نیکیاں ملتیں)۔ یہ فرما کر حضور ﷺ ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے (2)۔ حضرت ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'جب ابن آدم سو جاتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے کہ مجھے اپنا محفد دے، وہ اسے دے دیتا ہے تو فرشتہ اپنے محفد میں ہر ایک نیکی کے بدلہ میں شیطان کے محفد سے دس گناہ منادیتا ہے اور انہیں نیکیاں لکھ لیتا ہے۔ جب تم میں سے کوئی سونے کا ارادہ کرے تو وہ تینتیس بار اللہ اکبر، چونتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار سبحان اللہ پڑھ لیا کرے، یہ سب مل کر سو مرتبہ ہوں گے' (3)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا، وہ اسے پڑھنا شروع کرے گا تو اسے اوپر برائیاں درج کی ہوئی دکھائی دیں گی، انہیں پڑھ کر وہ مایوس سا ہونے لگے گا تو اس کی نظر نیچے پڑے گی، وہاں اسے نیکیاں لکھی ہوئی دکھائی دیں گی۔ اب دوبارہ اوپر دیکھا گا تو اپنے ان گناہوں کو بھی نیکیوں میں بدلا ہوا پائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے آئیں گے جن کا خیال ہو گا کہ انہوں نے بکثرت گناہ کئے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا۔

حضرت ابو الصیف فرماتے ہیں کہ جنت میں چار قسم کے جنتی داخل ہوں گے: متقین (پرہیزگار)، شا کرین (شکر گزار)، خاشعین (خوف خدار کھنے والے) اور اصحاب یمنین (جنہیں نامہ اعمال دسویں ہاتھ میں دیا جائے گا)۔ پوچھا گیا کہ انہیں اصحاب یمنین کیوں کہا جاتا

2- صحیح مسلم، کتاب الامران، جلد 1 صفحہ 177، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 170

1- تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 46

3- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 282، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 120-121

ہے؟ جواب دیا: کیونکہ انہوں نے اچھے برے دونوں قسم کے اعمال کئے تھے، انہیں ان کے نامہ اعمال دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے، وہ اپنی برائیوں کا ایک ایک حرف پڑھیں گے اور عرض کریں گے: اسے ہمارے پروردگار! یہ تو ہمارے گناہ ہیں، ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو مٹا کر ان کی جگہ نیکیاں لکھ دے گا۔ اس پر وہ خوشی خوشی کہیں گے: هَذَا مَا أَقْرَبُ أَكْثَبِيَّةَ (الحق: 19) جنت میں ان کی اکثریت ہوگی۔ حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنا آخرت میں ہوگا۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ برائیوں کو بخش دے گا اور انہیں نیکیاں بنا دے گا۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک بہت بوزھا شخص آیا جس کے ابو آنکھوں پر لٹکے گئے تھے۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں ایسا شخص ہوں جس نے ہر قسم کے غدر، فسق و فجور اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر میرے گناہ تمام زمین والوں پر تقسیم کر دیئے جائیں تو وہ سب کو بہاہ کر دیں، کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اسلام لاؤ گے؟ اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا: "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَإِنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ" تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری جفا کاریوں اور بدکاریوں کو بخش دے گا اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا جب تک تو اسلام پر کاربند رہا۔" اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میری جفا کاریاں اور بدکاریاں تمام کی تمام معاف ہو جائیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں سب کی سب"۔ چنانچہ وہ شخص فرط مسرت سے تکبیر و تہلیل پکارتا ہوا واپس چلا گیا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ آپ فرمائیے، ایک شخص نے ہر قسم کے گناہ کئے ہیں اور کسی چھوٹی بڑی حاجت کو تشنہ نہیں چھوڑا، کیا اس کے لئے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر نیک کام کرو اور برائیوں کو ترک کر دو، اللہ تعالیٰ ان سب گناہوں کو نیکیاں بنا دے گا"۔ انہوں نے عرض کی کہ کیا میری جفا کاریاں اور بدکاریاں بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ چنانچہ وہ اللہ اکبر کہتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور مجھ سے درپافت کرنے لگی کہ کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ میں نے زنا کا ارتکاب کیا، اس سے ناچائز بچہ پیدا ہوا جسے میں نے مار ڈالا۔ میں نے کہا: نہیں، اور نہ تیری آنکھ ٹھنڈی ہو سکتی ہے اور نہ تجھے عزت مل سکتی ہے۔ وہ گریہ و زاری کرتے اور حسرت و تدامت کا اظہار کرتے ہوئے چلی گئی۔ صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ادا کرنے کے بعد میں نے آپ کو سارا ماجرا کہہ سنایا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں نے اسے یہ جواب دیا تھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے بہت بری بات کی، کیا تم نے یہ آیات ذالیں پڑھیں لایین غنوں - [الذین یثاب نہیں پڑھیں]۔" چنانچہ میں اس عورت کے پاس گیا اور اسے یہ آیتیں سنائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے لئے رستگاری کی صورت پیدا کر دی (2)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور اس کے بعض راوی غیر معروف ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ عورت روتے پینتے یہ کہے جا رہی تھی کہ کیا یہ حسن و جمال آگ کے لئے پیدا کیا گیا تھا؟ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب حضور ﷺ سے مسئلہ کی صحیح نوعیت کا علم ہوا تو آپ اس عورت کی تلاش میں نکلے، ایک ایک گھر چھان مارا لیکن وہ نڈل سکی۔ اتفاق سے اگلی رات کو وہ پھر آگئی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس صحیح مسئلہ بتایا، یہ سنتے ہی وہ سجدہ میں گر گئی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے لئے جھٹکا دے اور توبہ کی صورت پیدا کی۔ اسی وقت اس نے نہ صرف اس لوٹنی کو آزاد

تفسیر ابن کثیر: جلد سوم

کر دیا جو اس کے ساتھ تھی بلکہ اس کی لڑکی کو بھی آزاد کر دیا اور صدق دلی سے توبہ کر لی (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت عامہ کی خبر دیتا ہے کہ وہ بہ توبہ کرنے والے کے گناہوں کو بخش دیتا ہے خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ فرمایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا . اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَمَنْ يُعَسِّرْ سُبُلًا أَوْ ييسِّرْهَا يَمْحُورْ اللَّهُ عَنْهُ مَاتَرًا حَيْثُمَا (النساء: 110) ”اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا پائے گا“۔ اَللّٰهُ يَهْدِيْ لِمَنْ يَّشَاءُ سُبُلًا الشُّبُهَاتُ عَنْ يَسَادِجِدِ (التوبہ: 104) ”کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے“۔ كُلُّ لِبِئَابِ الْاَلْبَانِ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْتُلُوْا مِمَّنْ رَحِمَتُ اللّٰهُ (الزمر: 53)۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّوْرًا وَاِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِمَرِّ اَمَانٍ ۗ وَالَّذِينَ اِذَا ذُكِرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخْرُجُوْا عَلَيْهَا سُبْحًا وَّعُبِيًّا ۗ وَالَّذِينَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اٰزْوَاجِنَا وَاٰدِرٍ يَّتِيْنَا قَرٰۤىٰةً اَعْيُنٍ وَّاَجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۗ

”اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب گزرتے ہیں کسی لغو چیز کے پاس سے توبہ بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں۔ اور وہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے رب کی آیات سے تو نہیں گر پڑتے ان پر بہرے اور اندھے ہو کر۔ اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اسے ہمارے رب! مرحمت فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا میں پرہیزگاروں کے لئے پیشوا“۔

عباد الرحمن کی مزید صفات حمیدہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہاں پہلی صفت یہ بیان کی کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ لَا يَشْهَدُونَ الزُّوْرًا کے متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ شرک اور بت پرستی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ جھوٹ، فسق و فجور، کفر، لغو اور باطل سے اجتناب کرتے ہیں۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ لغو بات اور راگ رنگ سے احتراز کرتے ہیں (2)۔ ابو العالیہ، ابن سیرین، ضحاک وغیرہ کا کہنا ہے کہ مشرکین کی عیبدوں اور تہواروں میں شرکت نہیں کرتے۔ عمرو بن قیس اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ بری محفلوں میں نہیں جاتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو“ (3)۔ مذکورہ بالا صورت میں ”يَشْهَدُونَ“ کا معنی ہے حاضر ہونا۔ اس کا دوسرا معنی ہے گواہی دینا۔ اس صورت میں لَا يَشْهَدُونَ الزُّوْرًا کا معنی ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں سب سے بڑے بڑے گناہ نہ بتا دوں؟ تمنا بار آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، آپ ﷺ پہلے نیک لگائے ہوئے تھے پھر ہیند گئے اور فرمایا: خبردار! جھوٹی گواہی“۔ آپ اس آخری بات کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم خیال کرنے لگے کہ کاش حضور ﷺ اب خاموش ہو جاتے (4)۔ ظاہری الفاظ کا تھنا تو یہی ہے کہ اس سے یہ مراد لیا جائے کہ وہ جھوٹ میں حاضر اور شریک نہیں ہوتے، اسی لئے فرمایا: وَاِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ . یعنی وہ جھوٹ اور باطل سرگرمی میں شریک نہیں ہوتے اور اگر اتفاقاً ان کا گزر کسی بیہودہ چیز سے ہو جاتا

ہے تو وہ وہاں بیٹھ کر اس سے لطف اندوز نہیں ہوتے بلکہ وہ اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے، اس لئے فرمایا: مَمُودًا كَمَا كُنَّا لَعْنَةُ دَاهِيَا وَوَقَارِ
اور سنجیدگی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا گدڑ لہو و لعاب کے پاس سے ہوا تو آپ وہاں ٹھہرے بغیر
آگے گزر گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن مسعود کریم ہو گیا۔ عباد الرحمن کی پھر ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ
الَّذِينَ إِذَا دُكِرُوا - اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: الَّذِينَ إِذَا دُكِرُوا جَلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا نَادَىٰ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ إِذْ أُنزِلَتْ عَلَيْهِمُ الْكِتَابُ
يَسْتَوْكِنُونَ (الانفال: 2) ”وہ یہ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کا ٹپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ
ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر ٹھہر رہے ہوتے ہیں۔“ بخلاف کفار کے کہ ان پر قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی اثر نہیں
ہوتا اور نہ ہی وہ اپنی روش سے باز آتے ہیں بلکہ وہ اپنے کفر، سرکشی، جہالت اور گمراہی پر ڈلے رہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ
سُورَةٌ كَفَعْتُمُوهَا مِنْ يَدَيْهِمْ مَنْ يَقُولُ إِنَّا نَحْنُ الْغَالِبُونَ وَإِنَّا نَحْنُ الْمُغْلِبُونَ وَوَاقِعَةٌ فِي قُلُوبِهِمْ مَضْرُوبَةٌ
فَإِذَا دُكِرُوا بِهَا حَسِبُوا أَنَّهَا كَذِبٌ أَلْفَاظٌ بِئْسَ مَوَاقِفُ (التوبہ: 124-125) بس مومنوں کی حالت کافروں کی حالت کے برعکس ہے۔ یہ کافر قرآن کریم سننے کے
باوجود جس سے مس نہیں ہوتے بلکہ اپنے کفر و ضلالت کے ساتھ چھنے رہتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ اندھے اور بہرے ہیں جنہوں
نے آیات الہی کو سنا ہی نہیں لیکن اہل ایمان آیات قرآنی کو سن کر بہروں اور اندھوں کا طرز عمل اختیار نہیں کرتے بلکہ ان آیات کو گوش ہوش
سے سنتے ہیں، ان میں جھلکتے ہوئے انوار کو دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور غور و فکر کر کے ان کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کرتے
ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو آیات قرآنی پر بہرے اور اندھے بن کر گرجاتے ہیں۔ قناد
اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ رطن کے بندے نہ حق سے بہرے ہیں اور نہ حق میں اندھے بلکہ یہ ایسے ذریک لوگ ہیں جو حق کو خوب
سمجھتے ہیں اور آیات قرآنی سے پورا پورا استفادہ کرتے ہیں۔ ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے حضرت شععی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ ایک
شخص دوسروں کو سجدہ میں دیکھتا ہے لیکن اس نے اس آیت کو نہیں سنا جس کی وجہ سے وہ سجدہ کر رہے ہیں، تو کیا وہ بھی ان کے ساتھ سجدہ
کرے؟ آپ نے جواب میں اسی آیت کی تلاوت کی (1)۔ یعنی وہ ان کے ساتھ سجدہ میں شریک نہ ہو کیونکہ انہوں نے آیت سجدہ تلاوت کی
اور نہ اس میں غور و تدبر کیا، چنانچہ مومن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ بغیر غور و فکر کے ہاں میں ہاں ملاتا اور اتنی ہی تھلید کرتا چلا جائے بلکہ
اسے بصیرت اور یقین حاصل کئے بغیر کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔ عباد الرحمن کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کی ایک دعا کا ذکر ہو رہا ہے: وَ
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ رِيبًا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی اولاد کی التجا کرتے ہیں جو اللہ وحدہ لا شریک کی فرمانبرداری اور عبادت گزار ہوتا کہ ایسی
صالح اولاد کو دیکھ کر دنیا یا آخرت میں ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دعا سے ان کی مراد
خوبصورتی اور حسن و جمال نہیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اطاعت گزار ہوں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے متعلق
دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد بیوی، بھائی اور دوست احباب کی طرف سے اطاعت الہی کا اظہار ہے۔ اللہ کی قسم ایک
مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی نہیں کہ اس کے اہل و عیال، اولاد، بھائی اور دوست اللہ تعالیٰ کے
فرمانبردار ہوں۔ ابن جریر اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں وہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور جرائم کا ارتکاب نہ کریں۔ عبد الرحمن بن
زید فرماتے ہیں کہ عباد الرحمن اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کے بیوی بچوں کو اسلام کی راہ دکھائے۔ حضرت تفسیر بیان

کرتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں ایک آدمی گزرا اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہنے لگا کہ ان کی آنکھوں کو مبارک ہو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دیدار کیا ہے، کاش ہم بھی حضور ﷺ کی زیارت کرتے اور آپ کی طرح شرف صحبت حاصل کرتے۔ یہ سن کر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ اس آدمی نے بری بات تو کوئی نہیں کی پھر آپ کے تھا ہونے کا کیا سبب ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی چیز کی تمنا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا نہیں کی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اگر یہ اس وقت ہوتے تو ان کا حال کیا ہوتا، بخدا! رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایسے لوگ بھی تو موجود تھے جنہوں نے نہ آپ ﷺ کی تصدیق کی اور نہ آپ ﷺ کی فرمانبرداری کی اور اوندھے منہ جہنم رسید ہو گئے، کیا تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے تمہیں مسلمان گھرانوں میں پیدا کیا اور پیدا ہوتے ہی تمہارے کانوں میں توحید و رسالت کی آوازیں پڑنے لگیں اور پہلے لوگوں کے سبب تم آزمائش سے بچ گئے؟ رسول اللہ ﷺ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے جب جاہلیت اپنے عروج پر تھی، اس وقت لوگوں کے نزدیک بت پرستی سے افضل کوئی دین نہ تھا۔ ایسے برے اور سنگین حالات میں حضور ﷺ فرقان لے کر تشریف لائے اور حق و باطل کے درمیان تفریق کی، باپ بیٹا جدا ہو گئے۔ اہل ایمان جب اپنے آباؤ اجداد، اولاد اور بھائیوں کو کفر پر دیکھتے تو انہیں یہ خیال بے چین کر دیتا کہ اگر ان کی موت کفر پر آگئی تو یہ جہنم میں جائیں گے، اس لئے وہ یہ دعا کرتے تھے: وَ اَللّٰہِ یُنْفِقُوْنَ رَبَّنَا..... (1)۔ دعا کے آخری الفاظ یہ ہیں: وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا یعنی ہمیں ایسا پیشوا بنا کہ نیکی میں لوگ ہماری پیروی کریں۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہمیں نہ صرف ہدایت یافتہ بنا بلکہ ہدایت کی راہ پر چلانے والا اور خیر کی دعوت دینے والا بنا یعنی عباد الرحمن کی یہ خواہش ہے کہ ان کی اولاد بھی ان کے نقش قدم چلے اور ان کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار ہو اور ان کی ہدایت کا نفع ان کے علاوہ دوسروں کو بھی پہنچے۔ یہ چیز زیادہ باعث اجر و ثواب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں بجز تین کے: نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یا تم جس سے اس کے بعد نفع حاصل کیا جائے یا صدقہ جاریہ“ (2)۔

اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْعُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَ یُنْفِقُونَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَ سَلَامًا ﴿۱﴾ خَلِیْقِیْنَ فِیْهَا
حَسَنَتْ مُسْتَقَرًّا اَوْ مَقَامًا ﴿۲﴾ قُلْ مَا یَعْبُوْا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ لَقَدْ كُنْتُمْ فِیْ سَوَآءٍ
یَكُوْنُوْنَ لِزَمَانًا ﴿۳﴾

”یعنی وہ (خوش نصیب) ہیں جن کو بدلہ میں ملے گا (جنت کا) بالا خانہ ان کے صبر کرنے کے باعث اور ان کا استقبال کیا جائے گا وہاں دعا اور سلام سے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس میں بہت عمدہ ٹھکانہ اور قیام گاہ ہے۔ آپ فرمائیے کیا پر دا ہے تمہاری میرے رب کو اگر تم اس کی عبادت نہ کرو۔ اور تم نے (تو انہا) جھٹلانا شروع کر دیا تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا ہار بنا رہے گا۔“

اہل ایمان کی صفات جمیلہ، اقوال عظیمہ اور افعال حمیدہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ۔ یعنی مذکورہ اوصاف جلیلہ سے متصف مومنوں کو قیامت کے دن جنت کا بدلہ عطا کیا جائے گا۔ جنت کے بلند ہونے کی وجہ سے اسے ”عُرْفَة“ کہا گیا ہے۔ یہ بدلہ

اس بناء پر ہے کہ وہ صبر کرتے رہے اور صبر کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔ جنت میں دعا و سلام عزت و توقیر اور احترام و اکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا، ان کے لئے ہی سلامتی اور ان پر ہی سلامتی ہے۔ فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ تمہیں سلام ہو، یہ بدلہ ہے تمہارے صبر کرنے کا تمہیں اچھا ٹھکانا عطا ہوا اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، نہ انہیں وہاں سے نکالا جائے گا، نہ وہ وہاں سے نکلنا پسند کریں گے، نہ انہیں وہاں موت آنے گی اور نہ نعمتیں کم ہوں گی جیسا کہ فرمایا: **وَأَمْثَلُنِي سَجِدًا وَأَقْبَلِي الْجَنَّةَ خَلِيدًا** **فِيهَا مَا دَامَتْ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ** (ہود: 108)۔ پھر فرمایا: **كُلُّ مَا يَعْجِبُكُمْ.....** یعنی اگر تم ایمان نہ لاؤ تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ اس میں کفار کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ ایمان قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اسے ان کی کوئی ضرورت ہوتی تو وہ ان کے ہاں بھی ایمان کو اس طرح محبوب بنا دیتا جس طرح اس نے اہل ایمان کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا ہے (۶)۔ فرمایا: **فَقَدْ كَفَرَ أَتَمًّا**۔ یعنی اسے کافر و اتم نے جھٹلایا اور عنقریب تمہارا یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا بار بن جائے گا اور دنیا و آخرت میں تمہاری تباہی و بربادی کا سبب بنے گا اور تم بہت بڑے عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔ اسی عذاب کی ایک کڑی بدر کے دن کفار کی ذلت آمیز شکست ہے جیسا کہ حضرات ابن مسعود، ابی بن کعب، محمد بن کعب قرظی وغیرہ سے اس کی تفسیر منقول ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے۔ بہر صورت ان دونوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں۔

سورہ شعراء (مکیہ)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی تفسیر میں اس کا نام سورہ جامعہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طَسْمًا ۝ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ لَعَلَّكَ بِأَخْبَارِ نَفْسِكَ أَلا يَكُونُوا أَمْوًا مِّنِينَ ۝ إِن لَّشَاءُ
نُزُولٌ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ آيَةٌ فَظَلَّتْ أَعْيُنُهُمْ لَهَا خاضِعِينَ ۝ وَ مَا يَأْتِيهِمْ مِّن ذِكْرٍ مِّنَ
الرَّحْمٰنِ مُحَدَّثٍ إِلا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَتْبَوًا مَّا كَانُوا
بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ أَخْبَرْنَا فِيهَا مَوْنِ كَلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ إِنَّ
فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّوَمَا كَانُوا لَكَفَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

”طا۔ سین۔ میم۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی (اسے جان عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لارہے۔ اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی۔ اور نہیں آیا کرتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت الرحمن کی جانب سے مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تو بے شک انہوں نے تکذیب کی سولہ جانے گی انہیں اطلاع اس امر کی جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف کہ کتنی کثرت سے ہم نے اگائے ہیں اس میں ہر طرح کے مفید پودے۔ بے شک اس میں (ان کے لئے قدرت الہی کی) نشانی ہے۔ اور ان سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف مقطعات کی بحث سورہ بقرہ کے اوائل میں گزر چکی ہے۔ فرمایا: تِلْكَ آيَاتُ یعنی یہ قرآن کریم کی آیات ہیں جو بالکل واضح، جلی اور حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: تَعَلَّمَ بِأَخْبَارٍ..... یعنی شاید آپ اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے کہ وہ ایمان نہیں لارہے۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو کفار کے ایمان نہ لانے پر تسلی دی جا رہی ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: فَلَا تَلَّهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتًا (فاطر: 8) ”پس ان کے لئے قرط غم سے آپ کی جان نہ گھٹے۔“ فَاعْلَمْكَ بِأَخْبَارِ نَفْسِكَ عَلَىٰ أَثَرِهِمْ إِنَّ لَمْ يُؤْمِرُوا بِإِنْفِاقِ النَّصِيحَةِ اسْقَالًا (الکہف: 6) ”تو کیا آپ قرط غم سے ان کے پیچھے اپنی جان کو تلف کر دیں گے مگر وہ اس قرآن کریم پر ایمان نہ لائے۔“ پھر فرمایا: إِنَّ لَشَاءُ يُنَزَّلُ..... یعنی اگر ہم چاہتے تو ہم ایسی نشانی آسمان سے اتارتے جس کی وجہ سے وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جائے لیکن ہم ایسا نہیں کرتے کیونکہ ہماری مشیت یہ ہے کہ لوگ اپنی مرضی اور اختیار سے ایمان قبول کریں، اور مقامات پر فرمایا: وَ نَوْشَاءُ رَبِّكَ لِأَمْرٍ مِّنَ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَنِيحًا - أَفَأَنْتَ تَجِدُ الْفٰسِقِ الْجٰلِي

يَكُونُوا مَوْبِقِينَ (يونس: 99) ”اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں سب کے سب، کیا آپ لوگوں کو مجبور کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ وہ ممکن بن جائیں۔“ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً (ہود: 118) ”اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔“ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قضا و قدر کے پیش نظر پیغمبروں کو بھیج کر اور کتابیں اتار کر لوگوں پر تمام حجت کر دی۔ پھر انہیں اختیار دیا کہ وہ اپنی مرضی سے حق و باطل میں سے جسے چاہیں، اپنالیں، پھر فرمایا: وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ لِيَنْبَغِيَ لَهُمْ يَسْتَكْبِرُوا فَكُنُوا لَهُمْ حَصْبًا مَسْخُورًا (یوسف: 103) ”اور اکثر لوگ، اگرچہ آپ کتنے ہی حریص ہوں، ایمان لانے والے نہیں۔“ يَحْسُرُوا عَلَىٰ الْعِبَادَةِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَكْبِرُونَ (الزمر: 30) ”صد افسوس ان بندوں پر! انہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگے گئے۔“ هُمْ أَهْلُ سِنَاءٍ مُرْسَلَةٍ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (المؤمنون: 44) ”پھر ہم یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجتے رہے جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا۔“ اس لئے یہاں فرمایا: فَقَدْ كَذَّبُوكَ . یعنی انہوں نے حق کو جھٹلایا اور عنقریب ہی انہیں اس کی عذیب کی اطلاع مل جائے گی اور اس کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مخالفت اور اپنی کتاب کی عذیب کرنے کی جسارت کرنے والوں کو اپنی قوت و سطوت اور جلالت شان پر آگاہ فرما رہا ہے کہ وہی غالب، عظیم اور قادر ہے جس نے زمین کو پیدا کیا اور اس میں کھیتیاں، پھل، حیوانات اور دیگر مفید چیزوں کی تخلیق کی۔ شعی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ زمین کی پیداوار سے ہیں، جو ان میں سے ضعیفی ہے، وہ کریم ہے اور جو دوزخی ہے، وہ لئیم ہے (1)۔ فرمایا: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّعَلَّيْكُمْ (یعنی اس میں خالق کائنات کی قدرت کا مدعی دلیل ہے، جس نے وسیع و عریض زمین اور بندوبست بالآسمان پیدا کیا، لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلاتے ہیں اور اس کے احکام کی مخالفت کر کے ممنوعہ چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر فرمایا: وَإِنَّ رَبَّكَ لَكَبِيرٌ (یعنی تمہارا رب ہر چیز پر غالب اور اپنی مخلوق پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے، وہ اپنے نافرمانوں کو جلدی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ انہیں ڈھیل اور مہلت دیتا ہے، پھر بھی اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آئیں تو انہیں سختی سے پکڑ لیتا ہے اور سخت انتقام لیتا ہے، لیکن ان میں سے جو تو بہ کر کے اس کی طرف رجوع کر لیں تو ان پر وہ بہت مہربان ہے۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ إِنَّ آتَمَ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠١﴾ قَوْمٌ فِرْعَوْنٌ - أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١٠٢﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿١٠٣﴾ وَيَصْنَعُوا صَدْرِي وَيَصْنَعُوا لِسَانِي فَاتْرِكْ إِنِّي هَرُونَ ﴿١٠٤﴾ وَ لَهُمْ عَلَىٰ ذُنُوبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿١٠٥﴾ قَالَ كَلَّا - فَاذْهَبْ بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَسْمِعُونَ ﴿١٠٦﴾ فَأَتَيْنَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾ أَنْ أَمْرَسِلُ مَعَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَم نَمُنِّ بِفِينَا مِنْ عَمْرٍكَ سِنِينَ ﴿١٠٩﴾ وَفَعَلْتَ فَعَلْتِكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿١١٠﴾ قَالَ فَعَلْتَهَا إِذْ أَوْأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿١١١﴾ فَفَرَّخْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خَفَّيْتُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ

السُّرَسِيلِينَ ﴿٥٦﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٧﴾

” اور یاد کرو جب ندا دی آپ کے رب نے موسیٰ کو (اور فرمایا) کہ جاؤ ظالم لوگوں کے پاس۔ یعنی قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ (قہرا لہی سے) نہیں ڈرتے۔ آپ نے عرض کی میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اور گھٹتا ہے میرا سینہ اور رواں نہیں چلتی میری زبان، سو (ازارہ کرم) وحی بھیج ہارون کی طرف۔ اور (تو جانتا ہے کہ) ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور ہر بات) سننے والے ہیں۔ سو دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور اسے کہو ہم فرستادے ہیں رب العالمین کے۔ (ہم تمہیں کہتے ہیں) کہ بھیج دے ہمارے ساتھ (ہماری قوم) بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے (یہ سن کر) کہا موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جب کہ تو بچہ تھا اور بسر کئے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال۔ اور تو نے ارتکاب کیا اس فعل کا جس کا تو نے ارتکاب کیا اور تو بڑا احسان فراموش ہے۔ آپ نے جواب دیا میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جب کہ میں تاواقف تھا۔ تو میں بھاگ گیا تھا تمہارے ہاں سے جبکہ میں تم سے ڈرا پس بخش دیا مجھے میرے رب نے حکم اور بنا دیا مجھے رسولوں سے اور نعت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتنا ہے، حالانکہ تو نے غلام بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو۔“

اللہ تعالیٰ اپنے اس حکم کا ذکر فرما رہا ہے جو اس نے اپنے بندے، رسول اور حکیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت دیا تھا جب اس نے آپ علیہ السلام کو طور کی دائیں جانب سے ندا دی، آپ کو ہم کلامی کا شرف بخش، منصب رسالت پر فائز کیا اور اپنا بزرگزیہہ پیغمبر بنا کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف روانہ کیا جنہوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند عذر پیش کر کے اللہ تعالیٰ سے ان کے ازالہ کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی: رَبِّ إِنِّي أَخَافُ..... أَنْ يُقَاتِلُونِي أَوْ يُجْرِبُونِي أَوْ يُؤَدَّبُونِي... وَقَالَ رَبُّ انشُرْخَنِقَ صَدِّيقِي ﴿٥٧﴾ وَ يَبْرِئِنِّي أَمْرِي... قَدْ أُوْتِيتَ مُؤَلِّكَ لِيُونُسَى (ط: 36-25) آپ علیہ السلام نے اپنے سینے کی ٹھنن اور زبان کی کلکت کا عذر پیش کرتے ہوئے قبلی کے قتل کا قصور بھی بیان کیا جس کی وجہ سے آپ کو مصر چھوڑنا پڑا تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”سَلَامًا“، یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، تمہیں خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ فرمایا: سَنَسُدُّ عَنْكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعُلُكَ نِعْمَةً لَنَا لَوْلَا يَصِلُونَ إِلَيْكَ بِأَيْتَانَا آتَيْنَاكَ مِنَ الْغُيُوتِ (القصص: 35) ”ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے مضبوط کریں گے اور ہم تمہیں ایسا غلبہ عطا کریں گے کہ وہ ہماری نشانوں کے باعث تمہیں اذیت نہیں پہنچا سکیں گے۔ تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب ہوں گے۔“ فرمایا: قَدْ هَبْنَا يَا يُوسُفُ... اِذَا نَزَعْنَاهُ مِنْ بَيْتِ الْعَجُوزِ وَمَنْ مَعَهُ رَبُّهُ فَهُوَ الْعَزِيزُ ﴿٥٨﴾ (ط: 46) ”میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں، سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔“ یعنی تم دونوں کو میری حفاظت، نگہداشت اور تائید و نصرت حاصل ہے۔ تم فرعون کے پاس جاؤ اور اسے بتلا دو کہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: إِنِّي أَنزَلْنَاهُ فِيكَ (ط: 47) یعنی ہم میں سے ہر ایک کو رسول بنا کر تمہاری طرف روانہ کیا گیا ہے اور ہم تمہیں کہتے ہیں کہ ہماری قوم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، انہیں اپنی غلامی، قبضہ اور عذاب سے آزاد کر دے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مومن اور مخلص بندے ہیں اور تم نے انہیں ذلت آمیز عذاب سے دوچار کر رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر فرعون بہت سیخ پا ہوا اور روگردانی کرتے ہوئے سخاوت سے کہنے لگا: أَلَمْ نُنزِلْكَ... یعنی کیا تم وہی نہیں جسے ہم نے اپنے گھر میں عرصہ دراز تک بوجے ناز و نعم سے پالا اور ہر طرح کی ناز برداریاں کرتے رہے پھر تم نے اس احسان کا بدلہ یہ دیا کہ تم نے ہمارے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا اور احسان فراموش

کی (1)۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: **فَهَيَّا إِذَا ...** یعنی مجھ سے اس فعل کا ارتکاب منصب نبوت و رسالت پر فائز ہونے سے پہلے ہوا تھا جب میں نادانف تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے نزدیک ”الضَّالِّينَ“ یعنی الجاہلین (نادانف) ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ”مِنَ الضَّالِّينَ“ کی بجائے ”مِنَ الْجَاهِلِينَ“ ہے (2)۔ پھر فرمایا: **فَقَضَرْتُ**۔ یعنی وہ حالت ختم ہوئی اور اب ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا کر تمہاری طرف روانہ کیا ہے۔ اگر تو نے میری اطاعت کی تو سلامت رہے گا اور اگر نافرمانی کی تو ہلاک ہوگا۔ پھر فرمایا: **وَتَبَّكَ بَعَثَ ...** یعنی تو مجھ پر احسان جلتا ہے کہ تو نے مجھے پالا ہے، تیرا یہ احسان تیرے اس سفاکانہ سلوک کے مقابلہ میں قیج ہے جو تو نے میری قوم بنی اسرائیل کے ساتھ روا رکھا ہے، تو نے میری قوم کو غلامی کی بیڑیاں پہنا رکھی ہیں اور تیری قوم ان سے جسمانی مشقت کے کام لیتی ہے۔ کیا ایک فرد کے ساتھ احسان پوری قوم کے ساتھ بدسلوکی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ
كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿٢١﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمْ
الَّذِينَ ءَاتَوْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٥﴾

”فرعون نے پوچھا کیا حقیقت ہے رب العالمین کی؟ آپ نے فرمایا (رب العالمین وہ ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر وہ تم یقین کرنے والے۔ فرعون نے اپنے ارد گرد بیٹھے والوں سے کہا کیا تم سن نہیں رہے۔ آپ نے فرمایا وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی۔ فرعون بولا بلاشبہ تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے آپ نے (معا) فرمایا جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔“

فرعون کے کفر، تمرد، سرکشی اور انکار کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اس نے رب العالمین کے متعلق سوال کیا: **وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ؟** اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون اپنی قوم سے کہا کرتا تھا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، اس طرح اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا کر راہ راست سے بھکا دیا تو وہ اس کی اطاعت کرتے ہوئے اسے خدا سمجھنے لگے اور خالق حقیقی کا انکار کرتے ہوئے اس عقیدہ پر کاربند ہو گئے کہ فرعون کے سوا ان کا کوئی رب نہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں تو وہ دریافت کرنے لگے کہ تم میرے سوا جسے رب العالمین خیال کئے بیٹھے ہو، وہ کون ہے؟ علماء سلف و خلف نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ سدی کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: **قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمُ اللَّهُ يَوْمَئِذٍ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَقَّهُ لَهُ مُدَايِعُ الْحَمْدِ (طہ: 50-49)** ”فرعون نے پوچھا موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو موزوں صورت عطا کی پھر ہر چیز کی رہنمائی کی۔“ اہل منطق وغیرہ میں سے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ فرعون کا سوال اللہ تعالیٰ کی حقیقت اور ماہیت کے متعلق تھا، ان کا موقف غلط ہے کیونکہ وہ خالق کائنات کے وجود کا

اقرار ہی نہیں کرتا تھا کہ اس کی حقیقت و ماہیت دریافت کرتا بلکہ وہ تو سرے سے خدا تعالیٰ کے وجود کا منکر تھا اگرچہ دلائل و براہین اس کے سامنے واضح ہو چکے تھے۔ جب اس نے رب العالمین کے متعلق سوال کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: رَبِّ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ۔ یعنی وہ سب کا خالق، مالک، متصرف اور معبود ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی اللہ ہی تو ہے جس نے عالم علوی (آسمانوں) میں ستاروں اور سیاروں کو پیدا کیا اور عالم سفلی (زمین) میں سمندر، بیابان، پہاڑ، میدان، درخت، حیوانات، نباتات، پھل، ہوا، فضا اور پرندوں کی تخلیق کی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز اور سر تسلیم خم کئے ہوئے بندگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ فرمایا: إِنَّ لَكُمْ مَقُوتِينَ یعنی اگر تمہارے دلوں میں یقین کی دولت ہے اور تمہاری آنکھیں روشن ہیں۔ اس وقت فرعون لا جواب ہو کر اپنے درباریوں کی طرف متوجہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے اور آپ کی تکذیب کرتے ہوئے کہنے لگے: أَلَا تَسْتَعْتُونَ؟ یعنی کیا تمہیں اس شخص کی بات پر تعجب نہیں آتا جس کا کہنا ہے کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور خدا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: رَبِّكُمْ وَ رَبِّ آبَائِكُمْ الَّاؤُلِيَاءِ یعنی وہ تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے پہلے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کا بھی خالق ہے۔ یہ سن کر فرعون اپنی قوم سے کہنے لگا: إِنَّ رَبَّنَا لَكُمْ یعنی اس کا یہ دعویٰ کہ میرے سوا کوئی اور رب ہے، عقل و فہم پر مبنی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے درباریوں کی طرف متوجہ ہوئے جنہیں فرعون نے شکوک و شبہات میں مبتلا کر رکھا تھا، آپ نے انہیں فرمایا: رَبِّ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ یعنی وہی اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے مشرق کو پیدا کیا جہاں سے سورج، چاند اور ستارے طلوع ہوتے ہیں اور مغرب کا خالق بھی وہی ہے جہاں یہ سب غروب ہو جاتے ہیں۔ یہ حکم اور پختہ نظام اسی کا وضع کردہ ہے جس سے سر مو انحراف بھی ممکن نہیں۔ اگر فرعون اپنے ربوبیت اور الوہیت کے دعویٰ میں سچا ہے تو اس کے برعکس کر کے دکھائے، مشرق کو مغرب اور مغرب کو مشرق بنا دے۔ یہی دلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کی تھی: أَلَمْ تَرَ إِلَى الْآلَمِ تَنزَلِ الْآلَمِ نِجْمًا فِي رَيْبَةٍ أَنْ أَلَمَهُ إِذْهُ السَّمَلْتُ إِذْ قَالَ رَبُّهُمْ رَبَّنَا أَلَمِ نِجْمًا وَيَوْمَئِذٍ قَاتِ بِهِ أَهْلُ الْمَعْرَبِ (البقرہ: 258) حجت کے میدان میں شکست فاش سے دوچار ہونے کے بعد فرعون طاقت کے استعمال کی دھمکیاں دینے لگا اور یہ یقین کر بیٹھا کہ وہ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قابو پالے گا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں اس کا بیان آ رہا ہے۔

قَالَ لَبِنٍ اتَّخَذَتْ إِهْلَاهَا عَمِيرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوتِينَ ﴿١٥﴾ قَالَ أَوْ لَوْ جِئْتِكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿١٦﴾ قَالَ قَاتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٧﴾ فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾ وَ نَزَّأَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّظِيرِينَ ﴿١٩﴾ قَالَ لِلْمَلِكِ حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلَيْنُمْ ﴿٢٠﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ ﴿٢١﴾ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٢٢﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاكَ وَأَبْعَثْ فِي الْأَسَدِ آيِنَ حَضِرِينَ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّكَ بِكُلِّ سِحْرٍ عَلَيْنُمْ ﴿٢٤﴾

اس نے (رب جماتے ہوئے) کہا (یاد رکھو!) اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔ فرمایا اگرچہ میں لے آؤں تیرے پاس ایک روشن چیز۔ اس نے کہا پھر پیش کرو اسے اگر تم سچے ہو۔ پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اڑدھا بن گیا۔ اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو یک لخت وہ سفید ہو گیا دیکھنے والوں کے لئے۔ (یہ دیکھ کر) فرعون نے اپنے آس پاس بیٹھے والے درباریوں سے کہا واقعی یہ ماہر جو دگر سے یہ چاہتا ہے کہ نکال دے

تمہیں اپنے ملک سے اپنے جادو (کے زور) سے۔ (اب بتاؤ) تمہاری کیا رائے ہے؟ بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بیچ دو شہروں میں ہر کارے۔ تاکہ وہ لے آئیں تیرے پاس (ملک کے کوئی کون سے) تمام ماہر جادو گر۔

بحث و مناظرہ اور دلائل کے میدان میں فرعون کو منہ کی کھانا پڑی، اس لئے اس نے اپنی قوت و سطوت کے بل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بانے اور مغلوب کرنے کا ارادہ کیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب بحث و تمحیص کا کوئی فائدہ نہیں۔ کہنے لگا: لَقَدْ لَنِ اشْتَدَّتْ۔ اس کے جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: اَوْ لَوْ جِئْتُمْ... یعنی اگرچہ میں تمہارے پاس کوئی واضح دلیل لے آؤں تو بھی؟ وہ کہنے لگا کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ اسی وقت صاف اور واضح اثر دھا کی شکل اختیار کر گیا جو منہ کھولے پھینکا رہا تھا، اس کی شکل بہت زیادہ ہیبت ناک اور ڈراؤنی تھی۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اپنے سر بیان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ چمکتا و مکتا باہر نکلا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر فرعون کی بدبختی آئے اور ان روشن معجزات کو دیکھنے کے باوجود تکذیب اور عناد کی روش کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ ماہر جادو گر ہے۔ فرعون نے اپنے درباریوں کو یہ باور کرایا کہ یہ معجزہ نہیں بلکہ جادو ہے۔ پھر اس نے اپنے درباریوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور آپ کے ساتھ کفر پر اکساتے ہوئے کہا: يٰٓيٰٓسْرِىۡ اَنْ يُخْرِجَنَّكَ۔ یعنی اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اپنے جادو کے زور سے لوگوں کے دلوں پر اپنا تسلط جمائے اور جب اس کے مددگاروں اور پیروکاروں کی کثرت ہو جائے تو تمہارے ملک پر قبضہ کر لے۔ اب تم مجھے مشورہ دو کہ مجھے اس کے بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ درباری کہنے لگے: اَسْرَجَةٌ وَّ اَخَاةٌ۔ یعنی اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو تاکہ ان کے مقابلہ میں ملک کے کونے کونے سے ماہر جادو گر اکٹھے کیے جائیں اور وہ ان کے جادو کا توڑ کر کے انہیں مغلوب کر دیں۔ چنانچہ فرعون نے ان کی رائے پر عمل کیا۔ درباریوں کے اس مشورہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کا فرما تھی، وہ یہ کہ جب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور جادو گروں کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں، دلائل اور معجزات کا اظہار کریں تو سب کے سامنے حق واضح ہو جائے اور سب کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کا یقین ہو جائے۔

فَوَجَّعَ السَّحَرَ ۙ لِيُيَقَاتِبَ يَوْمَ مَعْلُومٍ ۙ وَ قِيلَ لِبَنَائِهِمْ هَلْ أَنْتُمْ مُّجْتَبِعُونَ ۙ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَ ۙ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۙ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَ ۙ قَالُوا الْفِرْعَوْنُ أَبْنَىٰ لَنَا لَكَ جَرًّا إِنْ كُنَّا خُنُّ الْغَالِبِينَ ۙ قَالَ نَعَمْ ۙ وَإِنَّكُمْ إِذْ أَلَمِنَ الْمَقَرِّ بَيْنَ ۙ قَالَ لَهُمْ مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُّلقُونَ ۙ فَأَلْقَوْا حِجَالَهُمْ وَعَصِيَّتَهُمْ ۙ وَ قَالُوا عِزَّةٌ فِرْعَوْنُ إِيَّاكَ لَسَخُنُ الْغَالِبُونَ ۙ فَأَلْفَىٰ مُّوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۙ فَأَلْفَىٰ السَّحَرَ ۙ سَجْدًا ۙ ۙ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْغَالِبِينَ ۙ رَبِّ مُّوسَىٰ وَ هَارُونَ ۙ

”الغرض جمع کر لئے گئے سارے جادو گر مقررہ وقت پر ایک خاص دن۔ اور کہہ دیا گیا لوگوں سے کیا تم (مقابلہ دیکھنے کے لئے) اکٹھے ہو گے؟ شاید ہم چرونی کرتے رہیں جادو گروں کی اگر وہ (مقابلے میں) غالب آجائیں۔ جب حاضر ہوئے جادو گر تو انہوں نے فرعون سے پوچھا کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آجائیں؟ اس نے کہا ہاں ضرور

طے گا اور تم اس وقت میرے مقررہوں میں شامل کر لئے جاؤ گے۔ موسیٰ نے انہیں فرمایا پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو۔ تو انہوں نے پھینک دیں اپنی رسیاں اور اپنی لائیں (میدان میں) اور (بڑے وثوق سے) کہا ناموس فرعون کی قسم! ہم ہی یقیناً غالب آئیں گے۔ پھر پھینکا موسیٰ نے اپنا سونا تو وہ بیکہ نکلنے لگا گیا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا۔ پس (یہ معجزہ دیکھ کر) گر پڑے جاؤ گے مجدد کرتے ہوئے۔ انہوں نے (برطانیہ) کہہ دیا ہم ایمان لائے رب العالمین پر، جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔“

یہاں مناظرہ فعلی کا بیان ہو رہا ہے۔ اس سورت کے علاوہ سورہ اعراف اور سورہ ط میں بھی اس کا ذکر ہے۔ تعلی اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے نور کی تکمیل کرے اگرچہ کہ فرعون کو یہ ناپسند اور ناگوار گزرے۔ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جب بھی کفر اور ایمان مقابلہ میں آئے، ایمان کو غلبہ حاصل کرنا جیسا کہ فرمایا: **بَلِّغْ لِقَوْمِكَ رِسَالَاتِهِمْ فَذُرْنَهُمْ** (الانبیاء: 18) ”بلکہ ہم تو حق سے باطل پر چوت لگتے ہیں پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ بیکہ ناپسند ہو جاتا ہے اور تمہارے لئے (اے باطل پرستوں) ہلاکت ہے ان (نازیبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو۔“ **وَقَالَ جَاءَ الْوَقْتُ وَذُهِقَ الْيَاقُوتُ** (بنی اسرائیل: 81) ”اور آپ فرما دیجئے حق آ گیا ہے اور باطل مٹ گیا ہے۔“ چنانچہ فرعون نے اپنی قلمرو کے گوشے گوشے سے، ہر جاؤ گرجع کر لئے جنہیں اپنے فتن میں سماں مہارت حاصل تھی اور ان کے مقابلہ میں کوئی دم نہیں مار سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جاؤ گروں کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا جن کی تعداد بارہ ہزار یا پندرہ ہزار یا سترہ ہزار یا انیس ہزار یا تیس ہزار سے زائد یا سی ہزار یا اس سے کم و بیش تھی۔ بہر صورت ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کے سردار اور استوار شخص تھے۔ سابور، عازور، عطلط اور مصفیٰ (1)۔ چنانچہ مقابلہ کے دن لوگ بڑے جوش و خروش سے جمع ہونے لگے اور کہنے لگے: **فَعَلْنَا نَشِيطًا** **الْبَشَرِيَّةَ** انہیں یہ کہنے کی توفیق نہ ہوئی کہ ہم حق کی اتباع کریں گے خواہ وہ جاؤ گروں کی طرف سے یا موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کیونکہ رعایا اپنے بادشاہ کے دین پر کراہت مند ہوتی ہے۔ اب وقت مقررہ پر فرعون اپنے جدو حشم، امراء، وزراء، رؤساء، اور لشکر کے ساتھ نکلا۔ جاؤ گروں کے دربار میں حاضر ہوئے اور غلبہ کی صورت میں اس سے انعام و اکرام اور تقرب کا عہد لیا، کہنے لگے: **إِنِّي لَأَنَا نَجِيزًا**

اس کے جواب میں فرعون نے انعام و اکرام کا وعدہ کرتے ہوئے انہیں اپنے مقررہ میں شامل کرنے کی بھی خوشخبری دی۔ اب میدان مناظرہ میں جاؤ گرجے لگے: **يٰٓمُوسَىٰ إِنَّهُ لَأَنْفُسِي وَاٰنَافِي وَاَمَّا اَنْ تَكُوْنُ، وَقَالَ مِنْ اَلْفُوْنِ قَالَ بَلِ اَلْفُوْنِ (ط: 66-65)** ”اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی پہلے پھینکنے والے ہو جائیں آپ نے فرمایا کہ تم ہی (پہلے) پھینکو۔“ یہاں اختصار کے ساتھ فرمایا: **اَلْفُوْنِ اَمَّا اَلنَّبِيُّ اِنَّ كَابِحًا وَاَفِيْعُوْنُ** کہنا ایسے ہی ہے جیسے کہ جاں لوگ جب کوئی کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ”هٰذَا بِنُوْا اَبْ فُلَانٍ“ یعنی یہ فلاں کے ثواب سے ہے۔ سورہ اعراف میں بیان ہوا ہے کہ ان جاؤ گروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جاؤ کر کے انہیں بیت زدہ کر دیا اور ایک بہت بڑے جاؤ کا مظاہرہ کیا۔ سورہ ط میں فرمایا: **فَاَوْجِبْ لَهُمْ مَا رِغْبُوْا وَاَعِيْزْهُمْ بِوَعْدِكَ يُجَازِلُوْا** **وَلَا يُفْعِلْ السَّاجِدُ حَيْثُ اٰتٰی (ط: 66-69)** اور یہاں فرمایا: **فَاَتَفَقَّهَ مَوْلٰی عَصَاہُ** یعنی بیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہر طرف سے ان جاؤ گروں کی فریب کاری کو نکلنے لگا اور ان کی رسیوں اور لائیں میں سے کوئی چیز باقی نہ چھوڑی چنانچہ فرمایا: **فَوَقَفَا الْعَصٰی** **فَرٰہٗ مَوْلٰی وَاَطْرُوْنِ (الاعراف: 122-118)**۔ یہ

ایک عظیم جھٹ، قطعی دلیل اور روشن معجزہ تھا کہ وہ جا دو گرجنہیں فرعون نے اپنی مدد اور غلبہ کے لئے طلب کیا تھا، مغلوب ہو کر فوری طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اس اللہ رب العالمین کے حضور سجدہ ریز ہو گئے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حق اور قطعی معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ فرعون کو ایسی شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا کہ ایسی شکست کا سامنا کسی کو نہیں ہوا لیکن تھا بڑا بے حیا، سرکش اور جری۔ اپنی خفت کو مٹانے کے لئے تکبر، عناد اور جھوٹے دعویٰ سے کام لیتے ہوئے چادہ گروں سے کہنے لگا: "إِنَّهُ لَكَبِيرٌ كُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ"، "إِنَّ هَذَا لَكَاذِبٌ مُّكْرَهُ لِيُوَدِّعُنِي فِي السَّيِّئَاتِ (الاعراف: 123)۔

قَالَ امْنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ اذَنْ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرٌ كُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَكَسَوْفَ تَعْلَمُونَ لَا قَطْعَانَ أَيُّيَكُمْ وَأَسْرَجُكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصِيْبَتَكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوا لَا صَبِيْرٌ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿١٢٥﴾ إِنَّا نَنْصَرُ أَنْ يُغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا حَطْبِينَا أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٦﴾

”فرعون نے (خفت مٹانے کے لئے) کہا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں مقابلہ کی اجازت دیتا۔ یہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سحر کا فن سکھا یا ہے۔ ابھی (اس سازش کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں ضرور کاٹ دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرفوں سے اور میں تم سب کو سولی چڑھاؤں گا۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں اس کی ذرا پروا نہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہمیں یہ امید ہے کہ بخش دے گا ہمارے لئے ہمارا رب ہماری خطائیں۔ کیونکہ ہم (تیری قوم میں سے) پہلے ایمان لانے والے ہیں۔“

فرعون نے جا دو گروں کو خوفناک انجام کی دھمکی دی لیکن بے سود، اس نے انہیں سخت عذاب سے ڈرایا لیکن اس سے ان کے ایمان اور جذبہ جہلیم و رضا میں اضافہ ہی ہوا۔ ان کے دلوں سے کفر کے پروے ہٹ گئے اور ان کے سینوں میں حق جاگزیں ہو گیا اور انہیں یقین کامل ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جس چیز کا ظہور ہوا ہے، وہ کسی بشر کے بس کا روٹ نہیں، یہ واقعی معجزہ ہے جسے تا سید الہی حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی رسالت کی صداقت پر بطور دلیل عطا فرمایا ہے۔ فرعون جا دو گروں سے کہنے لگا: امْنْتُمْ لَهُ یعنی جو کچھ تم نے کیا ہے، اس کی اجازت تمہیں مجھ سے لینی چاہئے تھی۔ اُس میں تمہیں اجازت دے دیتا تو تمہارا یہاں کرتے اور اگر میں تمہیں اس سے روک دیتا تو تم اس سے باز رہتے کیونکہ میں ہی حاکم اور اطاعت کا مستحق ہوں۔ پھر جھٹ ان پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ تمہارا بڑا گرو ہے جس نے تمہیں سحر کی تعلیم دی ہے۔ فرعون کا یہ قول محض بٹ دھری پر مبنی تھا جس کے بطلان میں کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں کیونکہ مقابلہ کے دن سے پہلے چادہ گروں کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہی ثابت نہیں، پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے استا د ہیں جنہوں نے انہیں فن سحر کی تعلیم دی ہے؟ ایک عقلمند شخص ایسی بات نہیں کر سکتا۔ پھر فرعون نے انہیں دھمکی دی کہ وہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں سولی پر چڑھا دے گا جس کے جواب میں انہوں نے کہا: لَا صَبِيْرٌ... یعنی ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں، ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ اچھے احوال کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو سلوک تو ہمارے ساتھ رہا رکھے گا، وہ اس پر سختی نہیں اور وہ ہمیں اس آزمائش پر پورا پورا بدلہ عطا فرمانے گا، اس لئے کہنے لگے: إِنَّا نَنْصَرُ... یعنی ہمیں امید ہے کہ ہمارا

رب ہمارے سابقہ گناہوں اور جا دوسے اس مقابلہ کو معاف فرمادے گا جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا کیونکہ ہم قبطیوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ چنانچہ فرعون نے ان سب کو قتل کرادیا۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِيٰ إِنَّكَ مُشْتَبِعُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَتَاهَا سَلٰمٌ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ آيِنِ حَشِيمٍ ﴿٥٧﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيْسَٰرٌ ذِمَّةٌ قَلِيلُونَ ﴿٥٨﴾ وَإِنَّكَ لَنَجِيْمٌ حٰنِئِرُونَ ﴿٥٩﴾ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِّنْ جَنَّتِ وَيَعْيُونَ ﴿٦٠﴾ وَكُنُوْنَا وَمَقَامِ كَرِيْمٍ ﴿٦١﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَآوَسْنَا لَهُمَا بَنِي إِسْرٰءِيْلَ ﴿٦٢﴾

”اور ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف کہ راتوں رات (یہاں سے) میرے بندوں کو لے جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ پس بھیجے فرعون نے سارے شہروں میں ہر کارے۔ (تاکہ لوگوں کو بتائیں) یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں۔ اور انہوں نے ہمیں سخت برافروختہ کر دیا ہے۔ (تاہم فکر نہ کرو) ہم سب (ان کے متعلق) بہت محتاط ہیں۔ سو ہم نے نکالا انہیں (سرسبز) باغوں اور (سنبھے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار محلات سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طویل عرصہ تک مصر میں فرعونوں کو تبلیغ کرتے رہے اور ان پر بیہم اللہ تعالیٰ کی آیات، دلائل اور معجزات پیش کرتے رہے لیکن ان کے تکبر اور عناد میں کوئی فرق نہ آیا، اس لئے اب یہی صورت باقی تھی کہ انہیں عبرتاً ک عذاب سے دوچار کر دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے فرمان کے مطابق بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں اور میرے بتائے ہوئے رستے پر چل دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبیل ارشاد کی اور بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت نکل پڑے۔ اس موقع پر بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے بہت سے زیورات مستعار لے کر اپنے پاس رکھ لئے۔ متعدد مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق دریافت کیا تو بنی اسرائیل کی ایک بوھیا نے اس کی نشاندہی کی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کو اپنے ساتھ اٹھالیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے بذات خود تابوت اٹھایا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت تھی کہ بنی اسرائیل مصر سے جاتے وقت میرا تابوت اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ اس کے متعلق ابن ابی حاتم کی ایک حدیث بھی ہے جس کے راوی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی اعرابی کے ہاں مہمان ٹھہرے، وہ بڑی عزت و کرم سے پیش آیا اور خوب خاطر خوش کی۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا کہ ہمیں ملنے رہنا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اعرابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ”کیا چاہتے؟“ اس نے کہا: ایک اونٹنی کجاوے سمیت اور ایک بکری جو دو دھ دیتی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تو بنی اسرائیل کی بوھیا جیسا سوال کرنے سے بھی عاجز ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! بنی اسرائیل کی بوھیا کا کیا قصہ ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تو رستہ بھول گئے۔ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ علماء بنی اسرائیل نے آپ علیہ السلام کو بتایا کہ بات یہ ہے کہ حضرت

یوسف علیہ السلام نے اپنے وصال کے وقت ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم مصر سے نکلنے وقت آپ کے تابوت کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم میں سے کون جانتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ کہنے لگے کہ اس بارے میں صرف بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا کو ہی علم ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اس بڑھیا کو بلا بھیجا اور اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگی کہ جب تک آپ میرا مطالبہ پورا نہیں کریں گے، اس وقت تک میں نہیں بتاؤں گی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا مطالبہ کیا ہے؟ بڑھیا کہنے لگی کہ میرا مطالبہ یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ گو یہ سوال آپ علیہ السلام کو بھاری محسوس ہوا، اسی وقت بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس بڑھیا کا مطالبہ تسلیم کر لو۔ اب وہ آپ علیہ السلام کو لے کر ایک جھیل پر آئی اور بنی اسرائیل سے کہا کہ اس کا سارا پانی نکال دو۔ جب وہ سارا پانی نکال چکے تو اس نے انہیں کہا کہ اب یہاں کھو دو۔ زمین کو کھودو تو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر ظاہر ہوگی۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کا تابوت نکال لیا۔ اب تابوت لے کر جو بھی چلنے لگے، رستہ دن کی روشنی کی طرف صاف نظر آنے لگا۔ (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کا موقوف ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ صبح کے وقت جب فرعونوں کی آنکھ کھلی تو انہیں کوئی اسرائیلی نظر نہ آیا۔ فرعون کو جب معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل فرار ہو گئے ہیں تو وہ غصہ سے بیچ و تاب کھانے لگا اور اس نے فوری طور پر شہر میں ہرکارے بھیج کر لشکر جمع کرنے کا حکم دے دیا اور یہ اعلان کر دیا: **إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرَءٌ ذَمِيمٌ**۔ یعنی بنی اسرائیل ایک مٹھی بھر جماعت ہیں جنہوں نے ہمیں سخت برا فروخت کر رکھا ہے اور ہمیں ہر وقت ان کی شرکاء دھڑکا لگا رہتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے **"حَبِئْرُونَ"** پڑھا ہے یعنی ہم اسلحہ سے لیس ہیں اور میری خواہش ہے کہ میں انہیں جڑ سے اکھیر کر تباہ و برباد کر دوں لیکن شان خدا دیکھئے کہ وہ خود ہی اپنے لاؤ لشکر سمیت نیست و نابود ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَأَخْرَجْنَا لَهُمْ عَدْنًا**۔ یعنی وہ ان نعمتوں سے نکل کر جہنم میں جا پہنچے اور اپنے عالی شان محلات، باغات، انہار، اموال، ارزاق، سلطنت اور جاہ و منصب سب سے محروم ہو گئے۔ پھر فرمایا: **كُنُوزًا ۖ وَأَوْشَابًا**۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: **وَأَوْشَابًا نَّقَوٰهَ ۗ الَّذِينَ كَانُوا يَسْتَخَفُّونَ مَسَارِقَ الْأَنْرِضِ وَمَعَارِبَهَا** **الَّتِي لَبَّوْا كُنُوزَهُمْ** (الاعراف: 137) "اور ہم نے اس قوم کو جسے حقیر و ذلیل سمجھا جاتا تھا، اس زمین کے شرق و غرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی"۔ **وَأَوْشَابًا نَّقَوٰهَ ۗ الَّذِينَ كَانُوا يَسْتَخَفُّونَ مَسَارِقَ الْأَنْرِضِ وَمَعَارِبَهَا** (القصص: 5) "اور ہم نے چاہا ان لوگوں پر احسان کریں جنہیں ملک (مصر) میں کمزور بنا دیا گیا تھا اور انہیں چھوڑا بنا دیں اور انہیں (تحت فرعون کا) وارث بنا دیں"۔

فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَبْعُونَ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّ آلَ لَدُنَّا لَكَاذِبُونَ ۖ قَالَ
 كَلَّا ۗ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۖ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اصْرِبْ لِعَصَاكَ الْبَعْرَ ۖ فَانفَلَقَ
 فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالضَّوْبِ الْعَظِيمِ ۖ وَارْتَقْنَا الْأَخْرِيقَ ۖ وَانْجَبَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ
 مَعَهُ أَجْمَعِينَ ۖ ثُمَّ آعْرَفْنَا الْأَخْرِيقَ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ
 مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۖ

”پس وہ ان کے تعاقب میں نکلے اشراق کے وقت۔ پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا، دونوں سرد ہوں نے تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (ہائے) ہم تو یقیناً پکڑ لئے گئے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے، وضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔ سو ہم نے وہی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو۔ تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند۔ اور ہم نے قریب کر دیا وہاں دوسرے فریق کو۔ اور ہم نے بچا لیا (ان تمدموجوں سے) موسیٰ اور ان کے سب ہمراہیوں کو۔ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے فریق کو۔ اس واقعہ میں (بڑی واضح) نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان آنے والے نہیں۔ اور بے شک (اسے حسیب!) آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ فرماتے والا ہے۔“

مشہور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ فرعون ایک جبرغضیر لے کر نکلا جس میں اس کے امراء، وزراء، رؤساء، اعیان مملکت اور لشکر بھی شامل تھے۔ یہ اسرائیلی روایت محل نظر ہے کہ فرعون سولہ لاکھ شہسواروں کے ساتھ بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا جن میں سے ایک لاکھ تو صرف سیاہ رنگ کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت کعب الاحبار کا یہ کہنا بھی قابل تامل ہے کہ ان میں سے آٹھ لاکھ سیاہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ بہر صورت یہ بنی اسرائیل کے ہانڈا آہیز اندازے ہیں۔ قرآن کریم نے ان کی تعداد کو معین نہیں کیا کیونکہ تعداد کو بیان کرنے کے ساتھ کوئی فائدہ وابستہ نہیں، البتہ یہ بتا دیا کہ دو تمام کے تمام بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے اور طلوع آفتاب کے وقت ان کے قریب پہنچ گئے۔ جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے: ہائے! ہم تو یقیناً پکڑ سے گئے۔ بنی اسرائیل کے حواس باختہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے ٹھنسی مارنا ہوا، جو تیز تھا اور پیچھے سے فرعونی لشکر گھیرا تک کئے ہوئے تھا، اس لئے وہ کہنے لگے: اِنَّا لَنَرٰكَ رَبُّنَا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَكْفِيُنِي یعنی یہ فرعون تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہیں لے کر یہاں آیا ہوں اور وہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام اگلے حصہ پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت یوشع بن نون تھے یا مومن آل فرعون۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پچھلے حصہ میں تھے۔ کئی ایک مفسرین نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل خوفزدہ ہو کر ٹھہر گئے، انہیں کچھ بھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ کیا کریں۔ حضرت یوشع یا مومن آل فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کرنے لگے کہ اے اللہ کے نبی! کیا آپ کے رب نے اسی راہ پر چلنے کا حکم دیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ جب فرعون اپنے لشکر سمیت بالکل قریب آ گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پر عصا کی ضرب لگانے کا حکم دیا۔ جو نبی آپ علیہ السلام نے اپنے عصا کی ضرب لگائی، سمندر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ سمندر پر پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی: ”يَا مَنْ كَانَ قَبْلِي كَيْفَ شِئْتَ يَا وَ الْمَكُونِ لِكُلِّ شَيْءٍ وَالَّذِينَ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ اجْعَلْ لَنَا مَخْرَجًا“ یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر پر، رو۔ (1) قماہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس رات اللہ تعالیٰ نے سمندر کو یہ حکم دے دیا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام سمندر پر اپنے عصا کی ضرب لگائیں تو ان کی سنتا اور احاعت کرنا۔ چنانچہ سمندر پوری رات مضطرب اور تلاطم خیز رہا کہ نہ مضموم حضرت موسیٰ علیہ السلام کب اور کدھر سے آکر مجھے اپنا عصا مار دیں۔ جب آپ علیہ السلام سمندر پر پہنچے تو آپ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی حضرت یوشع بن نون نے عرض کی کہ اے نبی اللہ! اللہ تعالیٰ کا آپ کو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سمندر کو ضرب لگانے کا حکم دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ پھر ایسا کر گزریے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف وحی کی کہ جب میرے پیغمبر موسیٰ تجھ پر اپنے عصا کی ضرب لگائیں تو پھٹ جانا۔ چنانچہ سمندر اس انتظار میں پوری رات مضطرب رہا اور اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کے خوف سے اس کی موجیں ادھر ادھر سرنگراتی رہیں کہ نہ معلوم حضرت موسیٰ کب آجائیں اور مجھے اپنا عصا مار دیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مارا تو سمندر فوراً پھٹ گیا اور پانی کے ہر حصے نے ایک بڑے پہاڑ کی شکل اختیار کر لی۔ درمیان میں دروں جیسے رستے بن گئے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بارہ رستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے قبول کی تعداد بھی بارہ تھی۔ سدی کہتے ہیں کہ ہر درہ رستوں کے درمیان حائل پہاڑ میں طاق بن گئے جن میں سے وہ ایک دوسرے کو کچھ سکتے تھے۔ پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہوا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھیجا جس نے درمیان سے پانی کو خشک کر کے رستے صاف کر دیئے۔ اس ضمن میں فرمایا: فَضْرِبْ نَهْنَهَ ظُلُومًا يُقَاتِي اَلْبَيْحَ بِسَبَا اَلْاَشْخَافِ يَمْزِجُ لَوَاذِجَ قَطِيْعِي (ط: 77) ”عصا کی ضرب سے ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنا لینا نہ تمہیں پیچھے سے پکڑ سنے جانے کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ“۔ اور یہاں فرمایا: وَ اَوْ اَنْفَعًا شَيْئًا یعنی ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر کے قریب کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے پیروکار ہمارا ہیوں کو بچا لیا، ان میں سے کوئی بھی بلاک نہ ہوا اور فرعونی قوم کے تمام غرق کر دیئے گئے، ان میں سے کوئی بھی زندہ باقی نہ رہا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تو اس کی اطلاع پا کر فرعون نے ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب بکری ذبح ہو گئی تو وہ کہنے لگا کہ اس کی کھال اترنے سے پیسے پہلے میرے پاس چھو لاکھ قطنیوں کا لشکر جمع ہونا چاہئے۔ ادھر حضرت موسیٰ جب سمندر پر پہنچے تو آپ نے سمندر سے فرمایا کہ پھٹ جا۔ سمندر آپ سے کہنے لگا کہ آپ کیسی تکبر آمیز باتیں کر رہے ہیں، کیا میں پہلے کسی کے لئے پھٹا ہوں کہ آپ کے لئے بھی پھٹ جاؤں۔ آپ کے ساتھ ایک گھڑ سوار شخص تھا، اس نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے نبی! کس جگہ کا آپ کو حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اسی سمندر کا حکم ہوا ہے۔ وہ شخص اپنے گھوڑے سمیت سمندر میں گھس گیا پھر باہر نکل کر پوچھنے لگا کہ اے نبی اللہ! آپ کو کہاں کا حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو اسی سمندر کا حکم ہوا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ نہ آپ سے جھوٹ بولا گیا ہے اور نہ آپ جھوٹے ہیں۔ دوسری مرتبہ پھر اس نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ پھر باہر نکل کر مذکورہ سوال وجواب ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔ آپ نے عصا کی ضرب لگائی تو بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے بارہ راستے بن گئے جہاں سے گزرتے ہوئے وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی رہے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی سلامتی کے ساتھ سمندر کو عبور کر گئے اور فرعون بنی ان کا تعاقب کرتے ہوئے بالکل سمندر کے اندر آ گئے تو ساکن و جامد پانی نے فوراً بستا شروع کر دیا، اس طرح وہ تمام کے تمام غرق ہو گئے، اس دن جیسا اجتماع کبھی نہیں دیکھا گیا۔ پھر فرمایا: اِنْ تَنْزِيْلًا مِنْ رَبِّيْ لَآيَةٌ - یعنی اس عجیب و غریب واقعہ میں اس بات کی قطعی دلیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی تائید و نصرت فرماتا ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان کی نعمت سے محروم رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب اور ہمیشہ رحیم فرماتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَا اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠﴾ اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١١﴾ قَالُوْا الْعِبَادَةُ لِمٰٓ اَصْنٰمًا ﴿١٢﴾ فَاَنْصَلٰٓ لَهَا عٰقِبِيْنَ ﴿١٣﴾ قَالِ هَلْ يَسْمَعُوْنَ نَكْمًا اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿١٤﴾ اَوْ يَبْصُرُوْنَ ﴿١٥﴾

قَالُوا ابْنُ وَجَدْنَا أَبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ أَفَدَعَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٥٧﴾ أَأَنْتُمْ
 وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَامُونَ ﴿٥٨﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٩﴾

”اور آپ بیان فرمائیے ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ۔ جب آپ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کسی کی پرستش کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو پوجتے ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت سنبھک رہتے ہیں۔ آپ نے پوجھا (بھلا یہ بتاؤ) کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں (کچھ) نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے (لا جواب ہو کر) کہا بلکہ ہم نے تو پایا اپنے باپوں کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو۔ تم اور تمہارے گزشتہ آباء و اجداد۔ پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔“

یہاں سے امام الموحدین حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اپنی امت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنائیں تاکہ وہ اخلاص، توکل، اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت اور شرک اور اہل شرک سے بیزاری میں آپ علیہ السلام کی اقتدا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن سے ہی دانائی اور رشد سے نوازا تھا۔ آپ نے پروان چڑھتے ہی بت پرستی کی مذمت شروع کر دی اور لوگوں کو توحید کا درس از بر کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ کیا جیسے ہیں جن کی عبادت پر تم ڈٹے ہوئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور ہم ان کی عبادت پر سختی سے کار بند رہیں گے۔ آپ نے ان سے پوجھا کہ کیا تمہارے یہ بت تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ وہ لا جواب ہو کر اس حقیقت کا اعتراف کر کے کہ وہ ایسا کوئی کام نہیں کر سکتے، کہنے لگے: ابْنُ وَجَدْنَا أَبَاءَنَا۔

یعنی ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ان کی پرستش کرتے ہوئے پایا اور ان کے نقش قدم پر چلے ہوئے ہم نے بھی ان کی سی روش اختیار کر لی۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کی خدائی پر کاری ضرب لگاتے ہوئے فرمایا: أَفَدَعَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ۔ یعنی جن بتوں کی تم اور تمہارے باپ دادا پوجا کرتے رہے، وہ بے بس اور مجبور محض ہیں۔ اگر ان کی کوئی حیثیت، تاثیر اور قدرت ہے تو وہ میرے خلاف کر گزریں، میں تو ان کا واضح دشمن ہوں، مجھے ان کی کوئی پرواہ اور فکر نہیں۔ اس طرح کا چیلنج حضرت نوح علیہ السلام نے بھی کیا تھا۔ فَاجْعَلْهُمَا آيَةً لِّمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ وَالشَّهَادَاتُ لِآبَائِهِمْ مِمَّا تَشْتَرُونَ ﴿٦١﴾ مِنْ دُونِهِ إِنَّ تَرْبِيَّتِي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (ہود: 56-54)، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ (الانعام: 82) ”اور میں ان سے کیسے ڈروں جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے“ اور مقامات پر فرمایا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ حَتَّىٰ تَوَلَّوْا آيَاتِهِ وَخَدَّوْا (الممتحنہ: 4)، وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَأءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٦٢﴾ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيُجِيبُنِي ﴿٦٣﴾ وَجَعَلَهَا كِبْرِئًا بَاطِنَةً (الاعراف: 27-26) ”اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا، بے شک وہی میری رہنمائی کرے گا اور آپ نے کلمہ توحید کو باقی رہنے والا بنا دیا۔“

الَّذِي حَقَّقْتَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿١٠﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿١١﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿١٢﴾ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿١٣﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٤﴾

”جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لئے میری خطا کو روز جزا کو۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جس میں مذکورہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ وہ نہ صرف میرا بلکہ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر کے اس کی طرف اس کی رہنمائی کر دی۔ ہر چیز مقرر کئے ہوئے انداز سے کے مطابق رواں دواں ہے اور وہی جسے چاہتا ہے، ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، پھر فرمایا کہ وہ میرا رازقی بھی ہے، وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ زمین و آسمان کے تمام اسباب اسی نے مہیا کئے ہیں۔ بادلوں کا انتظام کرنا، ان سے بارش برسانا، بارش سے زمین کو زندہ کرنا اور زمین سے قسم قسم کی پیداوار گانا اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے اور اسی نے مجھے اور شیریں پانی کا بندوست کیا ہے جو انسانوں اور جانوروں کے پینے کے کام آتا ہے۔ پھر فرمایا: وَإِذَا مَرِضْتُ۔ حضرت ظلیل علیہ السلام کا بارگاہ الہی میں حسن اوب ملاحظہ ہو کہ بیماری کی نسبت اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حالانکہ بیماری بھی اسی کی قضاء و قدر اور اسی کی تخلیق سے ہے، بالکل یہی راز سورۃ فاتحہ کی اس دعا اَلْهِدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ ”میں بھی ہے کہ اس میں کمال ادب کی وجہ سے انعام اور ہدایت کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور غضب کے فاعل کو حذف کیا گیا ہے اور منکالت کو بندوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ جنات نے کہا تھا: وَآلَا تَلْمِزُوهُ عَلَىٰ مَا يَدْعُونَ فِي الْآثِمِينَ وَاللَّهُ مَنَّ عَلَى الْآثِمِينَ ﴿١٠﴾ اور ہم نہیں سمجھتے کیا زمین کے کیمون کے بارے میں کسی شرکارا وہ کیا جا رہا ہے یا ان کے رب نے انہیں ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: وَإِذَا مَرِضْتُ۔ یعنی جب میں بیمار پڑتا ہوں تو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی مجھے شفا دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔ حصول شفاء کے لئے اسی نے اسباب مقرر کئے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا: وَالَّذِي يُمِيتُنِي۔ یعنی موت و حیات پر بھی اسے ہی قدرت حاصل ہے۔ پہلی دفعہ بھی وہی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی وہی لوٹائے گا اور دنیا و آخرت میں گناہوں کی بخشش پر بھی وہی قادر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَارْحَمْنِي بِالصَّلَاحِ ﴿١٥﴾ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٦﴾
اجْعَلْنِي مِنْ مَّرْمُومٍ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ﴿١٧﴾ وَاعْفُ عَنِّي إِنَّكَ غَافِرٌ ذُنُوبِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٨﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿١٩﴾
يَوْمَ لَا يُنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٢٠﴾ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٢١﴾

”اے میرے رب! عطا فرما مجھے علم و عمل (میں کمال) اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ۔ اور بنا دے میرے لئے سچی ناموری آئندہ آنے والوں میں۔ اور بنا دے مجھے ان لوگوں سے جو نعمت والی جنت کے وارث ہیں۔ اور بخش دے میرے باپ کو وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ جس دن نہ مال کام

آئے گا اور نہ بیٹہ۔ مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حکم کا سوال کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول حکم سے مراد علم ہے، علم مراد کہتے ہیں کہ اس سے مراد عقل و دانش ہے، بقول مجاہد اس سے مراد قرآن ہے اور سمدی کا کہنا ہے کہ اس سے مقصود نبوت ہے۔ مزید عرض کی: **وَأَلْحَقْنِي بِالطَّالِقِينَ** یعنی مجھے دنیا و آخرت میں نیک لوگوں میں شامل فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی آخری وقت میں ایسی ہی دعا مانگی تھی: **“اللَّهُمَّ فِي الزُّلْفِيِّ الْأَعْلَى”** (اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ میں ملاوے)، تین بار آپ نے یہ دعا کی (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ سے یہ دعا مروی ہے: **“اللَّهُمَّ أَحِبَّنَا مُسْلِمِينَ وَأَمِتْنَا مُسْلِمِينَ وَأَلْحَقْنَا بِالضَّالِحِينَ غَيْرَ خَرَّابٍ وَلَا مُهْبَذِينَ”** (2)۔ یعنی اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام کی حالت میں ہی موت دے اور بغیر رسوائی اور تبدیلی کے ہمیں نیکو کاروں کے ساتھ ملاوے۔ پھر مزید دعا کرتے ہیں: **وَوَاعِلِي فِي لِسَانِ صِدْقِي**۔ یعنی میرے بعد بھی لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ، لوگ مجھے اچھے لفظوں سے یاد کرتے رہیں اور تنگی میں میری بیرونی کرتے رہیں جیسا کہ فرمایا: **وَوَشِّرْنَا عَلَيْنَا فِي الْآخِرِينَ** ﴿سَمِعَ عَلِيٌّ إِبْرَاهِيمَ﴾ كَذَلِكَ تَجْزِي السُّعْيِينَ (الصافات: 108-110) ” اور ہم نے آنے والوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا، سلام ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم نیکو کاروں کو بدل دیتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ لِسَانِ صِدْقِي سے مراد اَلشَّاءُ الْحَسَنُ یعنی عمد و تعریف ہے۔ یہ ان ارشادات کی طرح ہے: **وَأَتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (النحل: 122)** ” اور ہم نے دنیا میں ہر بھلائی مرحمت فرمائی۔ ” **وَأَتَيْنَاهُ أَجْرًا فِي الدُّنْيَا (التكوير: 27)** ” اور ہم نے اس دنیا میں ان کو ان کا اجر عطا کیا۔ لیث بن ابی سلیم اور عکرمہ کہتے ہیں کہ ہر ملت کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں۔ مزید عرض کی: **وَوَاعِلِي فِي لِسَانِ صِدْقِي**۔ یعنی دنیا میں میرا ذکر خیر باقی رکھ اور آخرت میں نعمتوں بھری جنت کے وارثوں میں شامل کر کے مجھ پر انعام فرما۔ پھر اپنے باپ کی مغفرت کے لئے دعا کی: **وَوَاعِلِي فِي لِسَانِ صِدْقِي**، اسی طرح ایک اور مقام پر یوں دعا کی: **رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَرَبِّكَ** (ابراہیم: 41) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے رجوع کر لیا تھا جیسا کہ فرمایا: **وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارِي إِذْ يَبُوءُ بِالَّذِينَ عَدَاؤُهُ عَدَاةً آتِيَةً**۔ **إِنَّ إِذْ يَبُوءُ لَأَوْ أَتَاهُنَّ (التوبة: 114)** ” اور ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے لئے استغفار نہ تھی مگر ایک وعدہ کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب آپ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے ہزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل (اور) برباد ہار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیرونی نہ کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ کافر کے لئے استغفار جائز نہیں، باقی ہر جگہ آپ علیہ السلام کے آسودہ کو اپنانے کا حکم دیا، فرمایا: **فَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُمَّوٌ حَسَنَةً فِي إِذْ يَبُوءُ وَالَّذِينَ مَعَهُ**۔ **وَمَا أَمَلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ (الممتحنہ: 4)** پھر آخر میں یہ التجا کی: **وَلَا تُخَوِّنِي يَا رَبِّ إِنَّي مُدْعِي لِقَابٍ ذِي قَبْرَةٍ عِندَكَ وَأَمَّا أَنَا فَأَنَا حَتْمٌ مَقْدُورٌ**۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ” قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے میں ملیں گے کہ اس پر غبار اور سیاہی کی آلودگی ہوگی“ (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ” حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی تو آپ مرض کریں گے: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے“ (3)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے ملیں گے اس کا چہرہ غبار آلود ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے فرمائیں

گئے کہ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی مت کرو۔ آپ کا باپ کہے گا کہ آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا، آج اس سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہوگی کہ میرا باپ تیری رحمت سے محروم ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابراہیم! اپنے پاؤں تلخ دیکھو۔ آپ دیکھیں گے کہ خون میں لتھڑا ہوا ایک مقتول بچہ ہے جس کے پاؤں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ کے چہرہ پر غبار اور سیاہی دیکھیں گے تو اسے فرمائیں گے کہ میں نے تمہیں منع کیا تھا لیکن تم نے میری نافرمانی کی۔ وہ کہے گا کہ آج میں آپ کی ایک بھی نافرمانی نہیں کروں گا۔ آپ عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا۔ اگر میرا باپ تیری رحمت سے محروم رہا تو یہ بڑی رسوائی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابراہیم! میں نے کافروں پر جنت کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے باپ کو لے گا اور فرمائے گا: اے ابراہیم! تمہارا باپ کہاں ہے؟ آپ عرض کریں گے کہ تو نے اسے مجھ سے لے لیا ہے۔ فرمان ہوگا کہ پیچھے دیکھو۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک بچہ لوٹ پوٹ رہا ہے، پھر اسے پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا“ (2)۔ اس کی سند فریب ہے اور اس میں نکارت ہے۔ دراصل آپ علیہ السلام کے باپ کو اس صورت میں بدل دیا جائے گا۔ فرمایا: **يَوْمَ لَا يَنْفَعُكَ** یعنی اس دن آدمی کو عذاب سے نہ مال بچا سکے گا اگرچہ وہ زمین بھر سونا فدیہ میں دے دے اور نہ بیٹے بچا سکیں گے اگرچہ وہ تمام اہل زمین کو بطور فدیہ پیش کر دے۔ اس روز صرف ایمان، اخلاص، شکر اور اہل شکر سے بیزاری ہی نفع بخش ہوگی، اس لئے فرمایا: **إِلَّا مَن آتَى اللَّهَ** یعنی قیامت کے دن صرف وہی فلاح پائے گا جو اللہ تعالیٰ کے پاس شکر، کفر اور گناہوں کی آلودگی سے پاک دل لیکر حاضر ہوگا۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جسے یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت یقیناً آئے گی، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جو ”**لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**“ کی گواہی دے۔ مجاہد اور حسن وغیرہ کہتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جو شکر سے پاک ہو۔ سعید بن مسیب رحمت اللہ سے کہ نزدیک قلب سلیم سے مراد قلب صحیح ہے اور یہ قلب مومن ہے کیونکہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فِي قُلُوبِهِمْ قُرْطُفٌ**۔ ابوشامان نیشاپوری فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جو بدعت سے محفوظ ہو اور سنت سے مطمئن ہو۔

وَأَرْلَقْتَ الْجِنَّةَ لِيُثْقِقِينَ ﴿١﴾ وَبَرَرْتَ الْجَحِيمَ لِنُعُورِهِمْ ﴿٢﴾ وَقَتِيلَ لَهُمْ أَيُّسًا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٣﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُم أَوْ يَنْصُرُونَ ﴿٤﴾ فَلْيَكْبُوا فِيهَا هُمْ وَالْعَاوَنُ ﴿٥﴾ وَجُنُودَ إبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٦﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٧﴾ تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨﴾ إِذْ نَسَوْنَكُمْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩﴾ وَمَا أَسْلَمْنَا إِلَّا الْمِجْرَمُونَ ﴿١٠﴾ فَمَا لَنَا مِنَ شَافِعِينَ ﴿١١﴾ وَلَا صِدِّيقٍ حَيٍّ ﴿١٢﴾ قَالُوا أَنْ لَنَا كَذِبًا فَمَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾ إِنَّ فِي

ذَلِكَ لِأَيِّهَا وَمَا كَانَ أَكْثَرَهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾

”اور قریب کر دی جائے گی جنت پر ہیزگاروں کے لئے۔ اور ظاہر کر دی جائے گی دوزخ بھٹکنے والوں کے لئے۔ اور کہا جائے گا انہیں کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم پوجا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ کیا وہ تمہاری (کچھ) مدد کر سکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں۔ پس اوندھے پھینک دیئے جائیں گے اس میں وہ اور دوسرے گمراہ۔ اور اہلسنی کی ساری فوجیں۔ وہ کہیں گے اس حال میں کہ وہ دوزخ میں باہم جھگڑ رہے ہوں گے۔ خدا کی قسم! ہم کھل گمراہی میں گرفتار تھے۔ جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر بنائے ہوئے تھے۔ اور انہیں گمراہ کیا ہمیں گمراہ (ان نامی مجرموں نے۔ تو) (آج) انہیں ہے ہمارا کوئی سفارشی۔ اور نہ کوئی غیر خوار و مست۔ پس اگر ہمارے اختیار میں ہوتا (دنیا میں) واپس جانا تو ہم اہل ایمان سے ہوتے۔ بے شک اس واقعہ میں (عبرت) کی نشانی ہے۔ اور انہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور (اے حبیب!) بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

جنت کو خوب آراستہ اور مزین کر کے اہل تقویٰ کے قریب کر دیا جائے گا جو دنیا میں اس کے حصول کی خاطر نیک اعمال کرتے رہے اور جہنم کو ظاہر اور منکشف کر دیا جائے گا۔ اس میں سے ایک گردن نمایاں ہوگی جو دوزخیوں کی طرف لپکے گی اور اس میں سے آگ کے بھڑکنے کی ایسی خوفناک آواز سنائی دے گی کہ مارے وحشت کے دل منہ کو آئیں گے۔ اس وقت جہنمیوں کو سرنش اور زبرد تو بخ کرتے ہوئے کہا جائے گا: اَيُّمَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ... یعنی جن بتوں کو تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود بنا رکھا تھا، وہ آج تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ وہ آج اپنی حفاظت بھی نہیں کر پائیں گے۔ تم اور وہ سب آج دوزخ کا ایندھن ہیں۔ یقیناً تمہیں اس میں جھونک دیا جائے گا۔ چنانچہ یہ بت، ان کی پرستش کرنے والے گمراہ لوگ، کفر و شرک کے سرغننے اور اہلسنی کے لشکر سب اور پتلے اوندھے کر کے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ اس وقت کمزور لوگ بڑے لوگوں سے جھگڑنے ہوئے انہیں کہیں گے: قَالُوا اَوَلَمْ نَقْتُلْكُم مِّنْ قَبْلُ ثُمَّ نَبْرِئُكُمْ مِّنْ دُنْيَا مِثْلَ آبَائِكُمْ وَمِثْلَ مَا كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ... یعنی ہم دنیا میں تمہاری پیروی کرتے رہے، کیا آج تم ہمیں عذاب سے بچا سکتے ہو؟ وہ خود کو لعنت و ملامت کرتے ہوئے کہیں گے: اللہ کی قسم! ہم واضح گمراہی میں گرفتار تھے۔ کیونکہ ہم تمہیں رب العالمین کے مساوی اور ہم پلہ سمجھتے تھے اور تمہارے حکم کی تعمیل کو بھی اسی طرح ضروری سمجھتے تھے جس طرح رب العالمین کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ ہمیں تو مجرموں نے گمراہ کر دیا، سوا ب تو بہارا کوئی سفارشی بھی نہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر ان کی اس آرزو کو یوں بیان فرمایا: قَهْلُ النَّاصِرِ شُعَاعًا فَيَسْفَعُوكُمَا أَوْ تَرْتُدُّونَ فَيُعَذِّبُوكُم مِّنْ أَلْوَانٍ لَّا تَعْلَمُونَ (الاعراف: 53) ”تو کیا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں تو وہ ہمارے لئے سفارش کریں یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تاکہ ہم اس کے برعکس عمل کریں جو ہم کیا کرتے تھے“۔ اسی طرح وہ کہیں گے: قَمَاتَا لِمَنْ شَافِعِينَا ﴿٥٤﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَقِيمٍ یعنی نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ ہی کوئی نیکو اور قریبی دوست۔ قنود فرماتے ہیں کہ انہیں علم ہوگا کہ دوست اگر صالح ہو تو نفع پہنچاتا ہے اور قریبی دوست اگر صالح ہو تو شفاعت بھی کرتا ہے۔ پھر وہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں ایک بار پھر دنیا میں لوٹ جانے کا موقعہ دیا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اپنے سابقہ گناہوں کی تلافی کر سکیں لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر انہیں دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو بھی یہ بد اعمالیاں کریں گے اور یہ اپنے اس دعویٰ میں کہ ہم دنیا میں پلٹ کر نیک کام کریں گے، بالکل جھوٹے ہیں۔ سورہ ص میں بھی ان دوزخیوں کے جھگڑنے کو بیان کر کے فرمایا: اِنَّ ذٰلِكَ لَشَيْءٌ مِّنْ اٰخِلِ الْقُلُوْبِ (ص: 84) ”یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے۔“ پھر فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰةٌ

یعنی قوم کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے اور توحید پر مسکت دلائل پیش کرنے میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر واضح دلالت موجود ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب غالب اور رحیم ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿١٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿٢٠﴾

”جھٹلایا قوم نوح نے (اللہ کے) رسولوں کو۔ جب کہا انہیں ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم ڈرو اللہ سے اور میری پیروی کرو۔“

اللہ تعالیٰ کے پیار سے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ زمین پر بت پرستی کے آقا کے بعد آپ علیہ السلام پہلے رسول ہیں جنہیں اہل زمین کی طرف اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کرنے اور اس کے خوفناک اشجام سے خبردار کرنے کی ذمہ داری آپ کو سونپی لیکن آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا اور بت پرستی اور دیگر افعال خبیثہ پر ڈٹے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کو تمام پیغمبروں کی تکذیب کے قائم مقام رکھا، اس لئے فرمایا: كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ... حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ کیا تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے ڈرتے نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچانے میں امین ہوں، ان میں کمی بیشی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس تبلیغ اور خیر خواہی پر تم سے اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ میرا اجر و ثواب تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میری صداقت، امانت اور خیر خواہی تم پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

قَالُوا أَأَتُونُومُنْ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَلْمُرَادُذُلُونَ ﴿٢١﴾ قَالَ وَمَا عَلِيٌّ بِنَا كَأَنؤُا يَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ إِن جَسَابِئُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَو تَشْعُرُونَ ﴿٢٣﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٤﴾ إِن أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾

”انہوں نے کہا کیا ہم (قوم کے رئیس) ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں آپ نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں۔ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں (حقیقت کا) شعور ہے۔ اور نہیں ہوں میں دور بھگانے والا (غریب و مسکین) مومنوں کو۔ نہیں ہوں میں مگر (غدا ب سے) صاف صاف ڈرانے والا۔“

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ پر قوم کے افراد نے آپ کو یہ جواب دیا کہ ہم نہ تم پر ایمان لائیں گے، نہ تمہاری پیروی کریں گے اور نہ ہی ان ردیل اور گھٹیا لوگوں کا سا طریقہ اپنانے کے لئے تیار ہیں جو تمہاری اتباع اور تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَمَا عَلِيٌّ بِنَا كَأَنؤُا يَعْمَلُونَ یعنی ان کی اتباع کرنے سے مجھ کو کیا نقصان ہے، مجھے تو اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ

درداء رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے غوطہ میں بلند و بالا محلات اور وسیع باغات کی تعمیر ضرورت سے زیادہ ہی کر لی ہے تو آپ مسجد میں کھڑے ہوئے اور اہل دمشق کو بلایا۔ جب وہ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد انہیں فرمایا کہ کیا تمہیں کچھ جانیں، کیا تمہیں شرم نہیں آتی، تم وہ کچھ جمع کرتے ہو جسے تم کھا نہیں سکتے، تم وہ مکانات تعمیر کرتے ہو جن میں تمہیں رہنا نہیں اور تم ایسی آرزوئیں کرتے ہو جن کا برآنا محال ہے۔ تم سے پہلے بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں جو مال و دولت سنبھال سنبھال کر رکھا کرتے تھے، پختہ اور بلند و بالا عمارات تعمیر کیا کرتے تھے اور لمبی لمبی امیدیں باندھتے تھے لیکن ان کی امیدیں دھوکہ کا شکار ہو کر خاک میں مل گئیں، ان کی جمع پونجی برباد ہو گئی اور ان کی رہائش گاہیں اجڑ گئیں۔ سنو! قوم عاد عدنان سے لے کر عمان تک گھوڑوں اور اونٹوں کی مالک تھی، پس کون ہے جو عادی میراث کو دور ہم کے بدلے خریدنے کے لئے تیار ہو؟ پھر ان کی قوت و سطوت، سنگدلی اور بے وردی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَإِذَا بَلَغْتُهُمُ**۔۔۔ پھر انہیں خوف خدا اور اپنی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: **وَأَشْفُوا النَّبِيَّ**۔۔۔ آخر میں آپ نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم تکذیب اور مخالفت پر ڈنرے رہے تو بڑے دن کا عذاب تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ آپ نے ترغیب اور ترہیب دونوں طرح سے انہیں سمجھایا لیکن وہ کسی اسلوب سے بھی متاثر نہ ہوئے۔

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿٦٠﴾ إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦١﴾ وَمَا نَحْنُ بِبُعَدَاءِ بَيْنَ ﴿٦٢﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ﴿٦٣﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٥﴾

”انہوں نے کہا یکساں ہے ہمارے لئے خواہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں سے۔ نہیں ہے یہ (مخلات کا شوق) مگر ہمارے اسلاف کا دستور۔ (آپ فکر نہ کریں) ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ پس انہوں نے آپ کو جھٹلایا اس لئے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور انہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

حضرت ہود علیہ السلام کی تحذیر، انداز، ترغیب، ترہیب اور بیان حق کے جواب میں آپ کی قوم ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی: **سَوَاءٌ عَلَيْنَا**۔۔۔ یعنی ہم اپنی روش سے بالکل باز نہیں آئیں گے، جیسا کہ ایک اور جگہ بیان کیا: **وَمَا نَحْنُ بِشَارِكِيَّ اللَّهُ تَعَالَىٰ فِي قَوْلِكَ** **وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ** (ہود: 53) ”اور ہم تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔“ کافروں کا معاملہ بالکل اسی طرح ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ** (البقرہ: 6) ”بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، ان کے لئے یکساں ہے چاہیں آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“ **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ** (یونس: 96) ”بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“ بعض حضرات نے اس آیت کریمہ **إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ** میں لفظ خلق کو خا کے زیر اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو باتیں تم نہیں کہتے ہو، یہ پہلے لوگوں کے سن گھڑت انسانے ہیں جیسا کہ مشرکین قریش نے کہا تھا: **وَقَالُوا آسَاءُ ظُنُّنَا لِلْأَوَّلِينَ الْكُفْرَ بِنَا فِيهِ نَسِلٌ عَلَيْهِمْ بُكْرًا وَأُوْءَاهِيذًا** (الفرقان: 5) ”اور کفار نے کہا یہ تو پہلے لوگوں

کے افسانے ہیں جنہیں اس شخص نے نکھالی ہے۔ پھر یہ اسے صبح و شام پڑھ کر سنانے جاتے ہیں۔“ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ قَوْلًا وَلَا آيَاتًا فَكُنْ لَنَا آيَةً وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۖ وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (الفرقان: 4-5) اور کفار کہنے لگے کہ یہ (قرآن) نہیں ہے مگر محض بہتان جو اس نے گھڑ لیا ہے اور اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے اس کی مدد کی ہے۔ سو انہوں نے بڑا ظلم کیا اور سفید جھوٹ بولا اور کہنے لگے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔“ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَائِدَاتُ اللَّهِ أَكْرَهُ كَيْفَ سَابِقُ الَّذِينَ الْأَوَّلِينَ (التحل: 24) اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے من گھڑت تھے۔ بعض دوسرے حضرات نے غلطی، خدائے اور لام دونوں کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا دین اور دستور۔ یعنی یہ ہمارے آباؤ اجداد کا دین اور دستور ہے، اسی پر ہم کار بند ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہی کی اتباع کر رہے ہیں۔ ان کی طرح ہم جی رہے ہیں اور جس طرح وہ مر گئے، اسی طرح ہم بھی مر جائیں گے۔ اس کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائیگا اور نہ قیامت ہوگی۔ انکار قیامت کے اسی عقیدہ کے پیش نظر وہ کہتے تھے: وَمَنْ يَخُنْ يَخُدْ بِئْسَ مِثْقَالٍ يَعْتَدِلُ لِعَنِي كَوْمًا كَيْفَ سَابِقُ الَّذِينَ الْأَوَّلِينَ (النجم: 50) اور یہ کہ اسی نے فرمایا: فَلْيُنذِرْهُمْ... یعنی وہ لگا تا اللہ کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب، مخالفت اور عناد پر ڈٹے رہے جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت تندر و تیز اور شدید ٹھنڈی آندھی کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ چونکہ یہ بڑے سرکش اور جاہر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر ان سے بھی زیادہ سرکش اور قوی چیز مسلط کی جیسا کہ فرمایا: أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلْنَا رَبَّكَ تَبَعًا ۗ إِنَّكَ إِذًا لَنُجَادٍ (الفرج: 6-7) کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عداوت کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے۔ اس سے مراد عداوت ہے جیسا کہ فرمایا: وَإِنَّكَ لَأَنْتَ أَهْلٌ لَعْنَةِ الْآلِ الْأُولَى (النجم: 50) اور یہ کہ اسی نے عداوت کو ہلاک کیا۔ یہ ارم بن سام بن نوح کی نسل سے تھے۔ چونکہ یہ ”عمد“ میں سکونت پذیر تھے اس لئے انہیں ذوات العما و کہا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ارم ان کے شہر کا نام تھا لیکن یہ اسرائیلی روایت ہے جس کی کوئی اصل نہیں، اس لئے فرمایا: أَلَيْسَ لَكَ بِمِثْقَالٍ مِثْقَالٍ فِي الْبِلَادِ (الفرج: 8) یعنی قوت، شدت اور جبروت میں ان جیسا کوئی اور قبیلہ پیدا نہیں کیا گیا۔ اگر ارم سے مراد شہر ہوتا تو آیت کے الفاظ یہ ہوتے: ”أَلَيْسَ لَكَ بِمِثْقَالٍ مِثْقَالٍ فِي الْبِلَادِ“ یعنی اس جیسا کوئی اور شہر نہیں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَإِنَّا عَادًا قَاتِلِينَ كَيْفَ سَابِقُ الَّذِينَ الْأَوَّلِينَ بِعَمْرِ الْعَمِيِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً... وَكَانُوا بِأَيْمِينِنَا يَاجَعُونَ (حم السجدة: 15) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبل کے تختے کی مقدار ہوا ان پر چھوڑی تھی، پھر بھی یہ محافظ فرشتوں سے بے قابو ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس زور دار آندھی نے ہر چیز نیست و نابود کر دی جیسا کہ فرمایا: سُبْحٰنَ كُلِّ شَيْءٍ ۗ بِرَأْسِهِ تَرْتَجَى (الاحقاف: 25) ”وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تپس نہیں کر دے گی۔“ سُبْحٰنَ كُلِّ شَيْءٍ ۗ بِرَأْسِهِ تَرْتَجَى..... فَنَسِيَ الْقَوْمَ فِيهَا صَاغِرًا لِي ۖ وَكَانَ كَلِمَةً تَخْلُجُ حَاوِيَةَ (الحاقة: 6-7) یعنی ایسی شدت کی تندر و تیز اور مند زور آندھی چلی جس نے تمام قوم کے سر اور دھڑ الگ الگ کر دیئے۔ ہوا ان میں سے ایک شخص کو اٹھا کر اوپر فضا میں بلند کرتی، پھر اسے زور سے سر کے بل زمین پر دے مارتی جس سے اس کا سر پھٹ جاتا۔ وہ ہلاک و برباد ہو کر یوں بے سدھ پڑے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے۔ باوجودیکہ انہوں نے پہاڑوں، قلعوں، غاروں اور مورچوں میں پناہ لے رکھی تھی، پھر بھی آندھی سے نہ بچ سکے کیونکہ جب اجل آجائے تو اسے نالا نہیں جاسکتا۔ اس لئے فرمایا: فَلْيُنذِرْهُمْ... -

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ صَاحِبُ أَلَا تَتَّقُونَ ۖ إِنِّي لَكُمْ

سَأُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۗ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۗ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

”جھٹلایا تو مشہور نے رسولوں کو۔ جب کہا انہیں ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے کیا تم (قبر الہی سے) نہیں ڈرتے۔ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی معاوضہ میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے پیار سے بندے اور رسول حضرت صالح علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ کو اپنی قوم مشہور کی طرف مبعوث کیا گیا۔ یہ لوگ عرب تھے اور وادی القری اور ملک شام کے درمیان واقع حجر نامی شہر کے باشندے تھے، ان کے مکانات معروف اور مشہور ہیں۔ سورہ اعراف کی تفسیر میں ہم وہ احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں مذکور ہے کہ شام جاتے وقت رسول اللہ ﷺ کا گزر ان کی اجڑی ہوئی بستیوں سے ہوا تھا، وہاں سے ہوتے ہوئے آپ ﷺ تبوک پہنچے، پھر مدینہ واپس پلٹے۔ یہ عادی کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں۔ ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت اور اپنی اطاعت کی دعوت دی لیکن انہوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور تکذیب و مخالفت پر کمر بست ہو گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یقین دلایا کہ میں اس دعوت و تبلیغ سے مالی منفعت حاصل کرنے کا خواہشمند نہیں بلکہ میری اس تنگ دود اور جان سوزی کا بدلہ میرے پروردگار کے ذمہ ہے۔ پھر آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں یاد دلائیں جو اس نے انہیں عطا کر رکھی تھیں (1)۔

أَكْثَرُ كُوفٍ فِي مَا هُمْنَا أَمِينٌ ۖ فِي جَنَّتٍ وَعُيُوبٍ ۖ وَذُرُوعٍ وَنَحْلِ طَلْعَهَا هَضِيمٌ ۝
وَسَجَّوْنَ مِنَ الْجِبَالِ يَبُوءُ تَأْفِيرٌ هِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۗ وَلَا تَطِيعُوا أَمْرَ
السُّرْفِيِّنَ ۖ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَمْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝

”کیا تمہیں رہنے دیا جائے گا اس (بیش و طرب) میں جس میں تم یہاں ہو امن سے، ان باغات میں اور چشموں اور (شاداب) کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے ٹٹو نے بڑے نرم و نازک ہیں۔ اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھراہر (سنگتراش) بنتے ہوئے۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میرا اتباع کرو۔ اور نہ پیروی کرو حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی۔ جو فساد برپا کرتے رہتے ہیں زمین میں اور اصلاح (کی کوشش) نہیں کرتے۔“

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں، انہیں عذاب الہی سے خبردار کر رہے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلا رہے ہیں کہ اس نے انہیں دافر ذرق عطا فرمایا، ہر قسم کے خطرات سے امن بخشا، ان کے لئے پھلوں سے لدے ہوئے باغات پیدا کئے، ان کیلئے چشمے جاری کر دیئے اور ان کیلئے کھیتوں اور پھلوں کا بندوبست کیا۔ مزید برآں کھجور کے ایسے درخت پیدا کر دیئے جن کے ٹٹو نے نرم و نازک ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہضم کا معنی ہے کچی ہوئی۔ ایک دوسری روایت میں آپ سے اس کا معنی تردانہ اور شاداب منقول ہے۔ ایک اور روایت میں آپ سے ہی منقول ہے کہ کھجور کے خوشے جب پک کر جھک جائیں تو انہیں

تفسیر ابن کثیر: جلد ۲۰

ہضم کہتے ہیں۔ ابوالعلاء نے اس کا معنی بتایا ہے تہہ بہ تہہ پختہ کھجوریں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کھجور ہے جو خشک ہونے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے۔ ایک اور روایت میں مجاہد فرماتے ہیں کہ پختہ کھجور کو ہضم اور خشک کھجور کو ہضم کہتے ہیں۔ سخاک کہتے ہیں کہ کھجوروں کی کثرت کی وجہ سے جو خوشہ بوجھل ہو جائے اسے ہضم کہا جاتا ہے۔ مرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ سرسبز خوشہ ہے جس کی کھجوریں بکھری ہوئی ہوں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کھجور ہے جس کی گھٹلی نہ ہو۔ ابو صخر کا کہنا ہے کہ ہضم اس بندہ شگوفے کو کہتے ہیں جس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ چمٹے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: وَتُحْتَوْنَ حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ فارصین کا معنی ہے ماہر بننے ہوئے۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی مغرور و سرکش منقول ہے۔ بہر صورت ان دونوں معانی کی درمیان کوئی منافات اور تضاد نہیں کیونکہ وہ غرور و سرکش کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر کسی ضرورت کے بے فائدہ پہاڑوں میں گھر تراشتے تھے اور سنگتراشی اور نقش و نگار کے فن میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ ان کے ہاتھوں سے بنے ہوئے گھرانے فن کی منہ بولتی تصویر ہیں اور جس نے ان کے بنائے ہوئے گھروں کو دیکھا ہے، اسے اس بارے میں اچھی طرح معلوم ہے۔ انہیں مسود و نمائش، اسراف اور اظہارِ شان و شوکت سے منع کرتے ہوئے فرمایا: فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا لِعَنِي تَمِيمِينَ اس بے فائدہ شغل کی بجائے اپنے خالق اور رازق رب کی عبادت اور تسبیح کرنی چاہئے اور اسی کی وحدانیت کا اقرار کرنا چاہئے تاکہ تمہیں دنیا و آخرت میں نفع حاصل ہو اور تم اپنے رؤساء اور زعماء کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد پھاڑتے ہیں اور اصلاح کی کوشش نہیں کرتے بلکہ شرک، کفر اور مخالفت حق کی دعوت دیتے ہیں۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿٢٦﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِآيَاتٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢٨﴾ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢٩﴾ فَعَقَّبْنَاَهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿٣٠﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّوَمَا كَانُوا لَكَفَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٣٢﴾

”جواب ملا (اے صالح!) تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔ تمہیں ہو تم مگر ایک انسان ہماری مانند۔ ورنہ لاؤ کوئی معجزہ اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ فرمایا یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہاری باری ہے۔ اور نہ پہنچانا اسے کوئی اذیت ورنہ آگے تمہیں بڑے دن کا عذاب۔ ان (بد بختوں) نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر ہو گئے ندامت (و افسوس) کرنے والے بس آلیا انہیں عذاب نہ۔ بے شک اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور تمہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی عزیز رحیم ہے۔“

حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو پروردگار عالم کی عبادت کی دعوت دی تو وہ جواب میں کہنے لگے: إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ یعنی تم ان میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی بیان کیا ہے کہ تم مخلوق میں سے ہو یعنی سحرین سے مراد وہ ہیں جن کا سحر (بیسپہروا) ہو لیکن زیادہ ظاہر معنی پہلا ہی ہے یعنی تمہاری ان باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ تم پر جادو کیا

گیا ہے اور تم میں عقل نہیں۔ پھر کہنے لگے: ”مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا“ یعنی تم بھی ہماری مانند بشری ہو، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ تم پر وحی اترے اور ہم اس سے محروم رہیں جیسا کہ ایک دوسری جگہ یوں ان کا قول مذکور ہے: ”عَلَىٰ الْإِنشِرَاءِ الَّذِي كُنَّا عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلَىٰ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌّ سَيَعْتَبُونَ عَذَابَ الْإِنشِرَاءِ الْإِنشِرَاءُ“ (القدر: 25-26) ”کیا ہم سب میں سے اس پر وحی اتاری گئی ہے؟ بلکہ وہ بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے، کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔“ پھر انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کو پرکھنے کی لئے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے تجویز دی کہ ابھی اس چٹان سے ان ان صفات کی حامل دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے پختہ عہد لے لیا کہ اگر ان کے مطالبہ پر ان کی تجویز کردہ نشانیاں دکھادی گئی تو انہیں ایمان لانا ہوگا اور آپ علیہ السلام کی اتباع کرنا ہوگی۔ جب انہوں نے پختہ عہد کر لیا تو اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام اٹھے، نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا، اسی وقت وہ چٹان پھٹی اور ان کی مطلوبہ اونٹنی اس میں سے برآمد ہو گئی۔ یہ معجزہ دیکھ کر کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر کفر پر ہی ڈٹے رہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”طَيْبٌ ذُو نَاقَةٍ“ یعنی یہ ایک اونٹنی ہے، ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک دن تمہاری باری مقرر ہے۔ خبردار! اس اونٹنی کو اذیت نہ پہنچانا ورنہ سخت عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔ ایک عرصہ تک اونٹنی ان کے سامنے چرتی چلتی اور اپنی باری پر پانی پیتی رہی اور یہ لوگ اس کے دودھ سے سیر ہوتے رہے لیکن طویل عرصہ گزر جانے کے بعد ان کی بدبختی نے انہیں آگھیر اور ان سب نے متفقہ طور پر اونٹنی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ انہوں نے اس کی گونہیں کاٹ ڈالیں اور اس کے نتیجے میں انہیں سخت ندامت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ عذاب الہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سخت زلزلہ اور خوفناک چیخ کے باعث ان کے دل اڑ گئے۔ ان پر وہ آفت آ پڑی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔ اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان لانے پر آمادہ نہیں اور آپ کا رب ہی عزیز رحیم ہے۔

كَذَّابَتْ قَوْمَهُ لُوَطُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٥٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ لُوَطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿٥٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۗ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٠﴾

”جھٹلا یا قوم لوط نے اپنے رسولوں کو۔ جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے کیا تم (قہر الہی سے) نہیں ڈرتے ابے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو۔ اور میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ۔ میرا معاوضہ تو اس کے ذمہ ہے جو رب العالمین ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ لوط بن ہارن بن آزر ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں ہی ایک بہت بڑی امت کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ لوگ سدوم اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے، ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا اور یہاں ایک بد بودار گندے اور غصیٹ پانی کی جھیل وجود میں آئی۔ یہ بلا و نوحہ میں آباد تھے، ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا اور یہاں ایک بد بودار گندے اور غصیٹ پانی کی جھیل وجود میں آئی۔ یہ بلا و نوحہ میں ابھی تک مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک و شوبک کے درمیان واقع ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت اور اپنی اطاعت کی دعوت دی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس فعل شنیع (اغلام بازی)

سے باز آ جانے کا حکم دیا جس کی پہلے مثال میں ملتی۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿٦٠﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ ۗ
بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿٦١﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَخْرُجِينَ ﴿٦٢﴾ قَالَ إِنِّي
لِعَبْدٍ لِمَنْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿٦٣﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَاهْلِي بِمَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٤﴾ فَتَجِيئُهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾
إِلَّا عَجُوزًا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٦٦﴾ لَمْ دَمَرْنَا الْأَخْرُسِينَ ﴿٦٧﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا قَسَاءً مَطَّيْرًا
السُّدْرِينَ ﴿٦٨﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۗ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٦٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٧٠﴾

”کیا تم بد فعلی کے لئے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے۔ اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ وہ (غصہ سے) کہنے لگے (خاموش!) اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا (من لو!) میں تمہارے اس (گندے) نفل سے بیزار ہوں۔ میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو اس (کی شامت) سے جو وہ کرتے ہیں۔ سو ہم نے نجات دے دی اسے اور اس کے سب اہل کو۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے نام و نشان مٹا دیا دوسروں کا۔ اور ہم نے برسائی ان پر (پتھروں کی) بارش۔ پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی ان پر جنہیں ڈرایا گیا (اور وہ باز نہ آئے) بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بلاشبہ (اے محبوب!) آپ کا پروردگار ہی عزیز رحیم ہے۔“

جب اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بدکاری کے ارتکاب اور مردوں کے ساتھ بد فعلی کرنے سے منع کیا اور حلال طریقے سے انہیں اپنی بیویوں سے خواہش پوری کرنے کی تلقین کی تو وہ بہت برہم ہوئے اور جواب میں کہنے لگے: لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ۔ یعنی اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُو آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أَنْثٌ بِبُحْتِكُمْ (الممل: 56) ”پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں۔“ جب یہ بد طینت اپنی بدکاری اور گمراہی سے باز آنے پر تیار نہ ہوئے تو حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: إِنِّي رَسُولٌ مِمَّنْ لَمَّ بِهِ الْقَالِينَ ۚ إِنَّكُمْ لَعِنَاءٌ عَلَيْهِمْ أَصْحَابُ الْأَنْبَاءِ ۗ قَدْ عَلِمُوا مَا فِي كَيْدِهِمْ لَكُمْ ۚ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۗ (الممل: 56) یعنی ہم نے آپ کو اور آپ کے سب گھرانے کو بچا لیا بجز آپ کی بڑھیا بیوی کے۔ جس نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور ان کے ساتھ ہی برباد ہو گئی۔ سورۃ اعراف، سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں یہ واقعہ بالتفصیل بیان ہوا ہے۔ آپ رات کے وقت اپنی بیوی کے سوا باقی تمام اہل خانہ کو لے کر نکلے۔ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ بستی سے نکلنے وقت جب قوم پر عذاب نازل ہوگا تو ان کی چیخ و پکار سن کر پیچھے پٹ کر ان کی طرف نہ دیکھنا۔ چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور

بستی سے نکل گئے، پھر ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی جس نے ان تمام ناکاروں کو برباد کر دیا، اسی لئے فرمایا: لَكُمْ وَمَنْ نَا الْأَخْرَجِينَ..... -

كَذَّبَ أَصْحَابُ نُبَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۗ إِنِّي لَكُمْ
رَسُولٌ مِّنْ رَبِّ اللَّهِ وَأَطِيعُونَ ۗ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنِ اجْتَبَىٰ
إِلَّا عَلَىٰ سَبَبٍ الْعَالَمِينَ ۗ

”جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو۔ جب فرمایا انہیں شعیب (علیہ السلام) نے کیا تم (قبر الہی سے) نہیں
ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم
سے اس پر کوئی اجر۔ میرا جزو اس کے ذمہ ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔“

صحیح بات یہی ہے کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام انہی میں سے
تھے۔ یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کو انھوں نے ان کا بھائی نہیں کہا گیا کیونکہ ان کی نسبت ایکہ کی طرف کی گئی ہے جس کی یہ عبادت کیا
کرتے تھے۔ درختوں کے گھنے اور گنجان جھنڈ کو ایکہ کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ایکہ کا معنی درخت ہے۔ چونکہ یہ ایکہ کے پجاری تھے
اس لئے جس طرح دیگر پیغمبروں کو ان کی قوموں کا بھائی کہا گیا ہے، اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی نہیں کہا گیا حالانکہ
آپ ان کے نسبی بھائی تھے۔ بعض لوگ جو اس بات کو نہیں سمجھ سکے، وہ کہتے ہیں کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین دو الگ الگ قومیں تھیں اور
ان دونوں کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ بعض حضرات نے تو یہ بھی کہا ہے کہ آپ کو ان کے علاوہ ایک
تیسری امت کی طرف بھی بھیجا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو دوسرے مبعوث نہیں فرمایا سوائے
حضرت شعیب علیہ السلام کے۔ ایک مرتبہ آپ کو اہل مدین کی طرف بھیجا گیا۔ انہوں نے آپ کی تکذیب کی تو انہیں سخت چنگھار سے برباد
کر دیا گیا۔ دوسری مرتبہ آپ کو اصحاب ایکہ پر مقرر کیا گیا جن پر تکذیب کے باعث چھتری والے دن کا عذاب نازل ہوا۔ قنادہ کہتے ہیں
کہ اصحاب الرس سے بھی قوم شعیب مراد ہے اور اصحاب الایکہ سے بھی قوم شعیب۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین
ایک ہی قوم ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قوم مدین اور اصحاب ایکہ دو امتیں ہیں
جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔“ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا محل نظر ہے۔ صحیح یہی
محسوس ہوتا ہے کہ یہ موقوف ہے۔ بہر صورت صحیح بات یہی ہے کہ دونوں سے مراد ایک ہی امت ہے اور دونوں جگہ ان کا الگ الگ وصف
بیان ہوا ہے۔ دونوں جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا عطا ایک جیسا ہے جس میں آپ نے انہیں ناپ تول درست کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ
اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں سے مراد ایک ہی امت ہے۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ۗ
تَبَخَّسُوا النَّاسَ أَسْفِئَاءَهُمْ وَلَا تَعَفُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَمْ يَلْبِسُوا
إِلْحَادًا مِّنْ قِبَلِكُمْ ۗ

”پورا کیا کرو ناپ اور اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے۔ اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں

اور نہ پھرا کر دوزخ میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں ناپ تول درست کرنے کا حکم دیتے ہوئے اور ان میں کمی کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: **أَذُقُوا التَّكْلِيفَ** ... یعنی جب تم لوگوں کو ان کے حقوق ناپ کر دینے لگے تو بغیر کمی کئے پورے پورے حقوق دیا کرو، اسی طرح جب تم اپنا حق لینے لگو تو بھی زیادہ نہیں بلکہ پورا پورا حق لیا کرو۔ جس طرح تم حق دیتے ہو اسی طرح لو، اور جس طرح لیتے ہو، اسی طرح دو اور صحیح ترازو کے ساتھ وزن کیا کرو۔ قسط اس کا معنی ہے ترازو۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ معرب ہے اور اصل میں روئی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے عدل۔ اپنے وعظ میں مزید فرمایا: **وَلَا تَبْتَخَسُوا**۔ یعنی لوگوں کو ان کی اشیاء تم کر کے نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرتے پھرو یعنی ڈاکہ زنی، قزاقی اور زہری نہ کرو جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: **وَلَا تَبْتَخَسُوا مَا فِي الْأَرْضِ** (الشعراء: 26) ”جلہ“ کا معنی ہے مخلوق جیسا کہ اس آیت میں ہے: **وَلَقَدْ أَخْلَلْنَاكُمْ وَأَخْلَلُوا بَنِي إِسْرَائِيلَ** (النبي: 62) ”اور شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔“

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نُظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢﴾ فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخْلَعُ مِنْ يَدَيْكَ وَأَكْفُكُونَنِي ﴿٤﴾ فَلَقَدْ بَدَأَ فَخَذَّاهُمْ عَذَابَ يَوْمِ الْقُلُوبِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَن كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٦﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٧﴾

”انہوں نے (جھلا کر) کہا تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور نہیں ہو تم گمراہ ایک بشر ہماری مانند اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) اواب گردو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انہوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

تو میں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو وہی جواب دیا جو جواب قوم مشرکوں نے اپنے رسول کو دیا تھا، کہنے لگے: **إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ** ... یعنی تم پر جادو کر دیا گیا ہے اور تم ہماری مثل بشری تو ہو۔ ہمارے خیال کے مطابق تم دعویٰ رسالت میں جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہی نہیں۔ اگر تم واقعی سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گردو۔ سدی کہتے ہیں کہ ”کسف“ کا معنی عذاب ہے۔ قریش نے بھی اسی طرح کہا تھا: **وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تُفْعَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْثَالِ يَمْكُؤُنَا** ... **أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا رَعِمَتْ عَلَيْهَا أَوْ تَأْتِيَنَا بِاللَّهِ وَالسَّنْبَكَةِ فَيَكْفُرُوا بِهَا لَكِنَّا** (نبی اسرا رکل: 92-90)، **وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنَّ كُنَّا لَمِنَ الْغَالِقِينَ** (نبی اسرا رکل: 92-90)۔

عَلَيْكُمْ جَاغِرًا تَتَّبِعُونَ الشُّعْرَاءَ (الانفال: 32) ”اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے واقعی سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسے۔“ جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: تَرَاهِي اَعْلَمَ بِمَا تَعْمَلُونَ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی آگاہ ہے۔ اگر تم عذاب کے مستحق ہوئے تو وہ ضرور تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا اور وہ تم پر ظلم نہیں کرے گا۔ چنانچہ ان کا تجویز کردہ عذاب ان پر نازل ہوا اور انہیں ان کی بد اعمالیوں کی پوری پوری سزا مل گئی، اس لئے فرمایا: فَكَلَّمْنَا بَدُونَ۔ یعنی وہ اسی نوعیت کے عذاب سے دوچار ہوئے جس کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت گرمی سے دوچار کر دیا، وہ سات دن شدید حرارت میں سچتے رہے، کوئی سایہ انہیں میسر نہ تھا، پھر ایک بادل آیا اور ان پر سایہ لگن ہو گیا، وہ سبھی لپکے اور سورج کی تمازت سے بچنے کے لئے اس بادل تلے جمع ہونے لگے۔ جب وہ سب کے سب اس بادل تلے جمع ہو گئے تو ان پر آگ کے شعلے اور انگارے برسنے لگے، ساتھ ہی زمین زور زور سے جھٹکنے لگی اور ایسی دلدوز اور بھیا تک چیخ سنائی دی کہ ان کی جان نکل گئی اور وہ سب ہلاک ہو گئے اس لئے فرمایا: اِنَّكَ لَانَ عَذَابٍ يُدْرِكُكَ وَعَظِيمٍ۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر ان کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور ہر مقام پر اس عذاب کا ذکر کیا ہے جو سیاق کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ سورہ اعراف میں زلزلہ کے ذریعہ انہیں ہلاک کرنے کا ذکر ہے۔ انہوں نے کہا تھا: نَحْنُ جُنُودُكَ الْيُسُفُفِ وَالْاَنْبِيَاءُ اَمْثَلُكَ مِنْ قَوْمِنَا اَوْ لَتَعْلَمُنَّ نَبِيًّا وَنَبِيَّنَا (الاعراف: 88) ”اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لائے والوں کو اپنی بہمتی سے نکال کر رہیں گے یا تمہیں ہماری ملت میں لوٹ آنا ہوگا۔“ چونکہ انہوں نے اہل ایمان کو جلا وطنی کی دھمکی دے کر پریشان کیا تھا اس لئے وہ زلزلہ میں دھرنے لگے، فرمایا: فَآخَذْنَا لَهُمُ الرِّجْفَةَ فَاصْبِرُوا فِيْ ذٰلِكَ اَيُّهَا هُمْ جٰثِيَةً (الاعراف: 78) ”پس انہیں زلزلہ کے جھٹکوں نے آیا تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔“ سورہ حجر میں فرمایا: فَآخَذْنَا لَهُمُ الصَّيْحَةَ (الحجر: 83) ”پس انہیں ایک چنگھار نے پکڑ لیا،“ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا: اَصْلُوكُمْ كَالْمُرْكِ اِنْ فَتَنَّاكَ فَاصْبِرْ اَبْرًا وَاَوْ اَنْ تَفْعَلَ فِيْ اَهْوَاِ الْاِنْسَانِ اَلَا تَلْمِزُكَ لَكَ لَا تُدْعَىٰ اِلَى الْخِلْيَةِ الرَّشِيْدِ (ہود: 87) ”کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں سے جیسے ہم چاہیں بس تم ہی دانہ اور نیک ہو۔“ اس لئے مناسب یہی تھا کہ انہیں سخت چنگھار میں مبتلا کر کے خاموش کروایا جائے اور یہاں انہوں نے سرکشی اور عناد کے باعث کہا تھا: فَاصْبِرْ عَلَيْنَا يَا سَعَادَاتِ السَّمَاوَاتِ اس لئے یہ اس بات کے سزاوار تھے کہ ان پر وہی عذاب آئے جسے وہ محال سمجھتے تھے، اس لئے فرمایا: فَآخَذْنَا هُمْ عَذَابَ يَوْمِ الْاَلْفَةِ۔۔۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سات دن شدید گرمی مسلط کئے رکھی یہاں تک کہ انہیں کوئی سایہ دار چیز نہیں ملتی تھی۔ سات دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک ابر نمودار ہوا۔ ایک آدمی اس کے نیچے پہنچا تو اسے ٹھنڈک اور راحت محسوس ہوئی۔ اس نے اپنی قوم کو اس کی خبر دے کر بلا لیا۔ جب سبھی اس کے نیچے جمع ہو گئے تو اس بادل میں سے آگ برسنے لگی (1)۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سائبان بھیجا۔ جب وہ اس کے نیچے اکٹھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سائبان ہٹ گیا اور سورج نے ان پر ایسی آگ برسائی کہ سب جل کر خاکستر ہو گئے۔ (2) محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ اہل مدین تین قسم کے عذاب میں مبتلا ہوئے، سب سے پہلے زلزلہ آیا جس سے خوفزدہ ہو کر وہ اپنے گھروں سے باہر نکل گئے۔ گھروں سے نکل کر باہر جمع ہوئے ہی تھے کہ شدید گھبراہٹ اور خوف محسوس کرنے لگے، وہاں سے بھاگے لیکن گھروں میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی اثناء

میں ایک ایک ٹکڑا ظاہر ہوا۔ ایک آدمی اس کے نیچے گیا تو اسے تختہ تک اور رات محسوس ہوئی۔ اس نے آواز دے کر سب کو بلا لیا۔ جب وہ تمام اس امر کے نیچے جمع ہو گئے تو اچانک ایک جان لیوا چیخ سنائی دی جس کی وجہ سے وہ تمام کے تمام مر گئے (1)۔ حضرت امین عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت کڑک اور شدید گرمی بھیجی جس سے ان کے سانس گھٹنے لگے، وہ گھبرا کر باہر بھاگے۔ جب سب کے سب باہر جمع ہو گئے تو ایک بدلی نمودار ہوئی جس نے ان پر سایہ کر دیا۔ انہیں بہت تختہ تک اور لذت محسوس ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب پر آگ برس کر انہیں خاکستر کر دیا۔ یہی ساتباں والے بھاری دن کا عذاب تھا (2)۔ اس واقعہ میں عبرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب کافروں سے انتقام لینے پر غالب ہے اور اپنے مومن بندوں پر مہربان ہے۔

وَإِنَّهُ لَتَنَزِيلٌ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٠﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٠١﴾ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٠٢﴾ بِلسانِ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ﴿١٠٣﴾

”اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے۔ اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل علیہ السلام) آپ کے قلب (میر) پر تاکہ بدن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔ یہ ایسی عربی زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے۔“

اللہ تعالیٰ اس کتاب عظیم کا ذکر فرما رہا ہے جو اس نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی کہ یہ وہی قرآن کریم ہے جس کا ذکر اس سورت کے آغاز میں کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا: ”وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٍ...“ فرمایا کہ یہ قرآن کریم رب العالمین نے روح الامین یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعے آپ کے قلب انور پر اتارا ہے۔ متعدد سلف کا کہنا ہے کہ روح الامین سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (البقرة: 97) ”فرمائیے جو جبریل علیہ السلام کا دشمن ہو (اسے معلوم ہونا چاہئے) کہ اس نے اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر قرآن اتارا ہے جو اس سے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔“ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سے روح الامین کلام کرے، اسے زمین نہیں کھاتی۔ فرمایا: عَلَى قَلْبِكَ... یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! اس معزز، امین، جلیل القدر اور فرشتوں کے سردار فرشتے نے آپ کے قلب میر پر یہ قرآن کریم اتارا ہے جو ہر قسم کی آلودگی اور کمی نیشی سے پاک ہے۔ اس کے اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ ان لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرائیں جو اسکی مخالفت اور کذب کرتے ہیں اور ان اہل ایمان کو خوشخبری دیں جو اس کی اتباع کرتے ہیں۔ فرمایا: بِلسانِ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ یعنی ہم نے یہ قرآن کریم فصیح، بلیغ، جامع اور کامل عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ یہ ہر ایک کے لئے واضح، سہل، عذر ختم کرنے والا اور تمام حجت کرنے والا ہو۔ ایک دن گھنا ٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: یہ بادل کے لیے لے کے چلو اور جمع ہوتے ہوئے تمہیں کیسے لگتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کی کہ ان کا تہہ بہ تہہ جمع ہونا بہت خوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان تھے ہوئے بادلوں کے چوڑے ٹکڑوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ عرض کی کہ کیا ہی خوبصورت اور سختی سے برقرار ہیں۔ فرمایا: ان کا چلنا تمہیں کیسا لگتا ہے؟ عرض کی کہ بہت خوب اور کیا ہی یہ شدید سیاہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کے گول گول ٹکڑوں کو گھومتے ہوئے کیسا پاتے ہو؟ عرض کی: یہ کس قدر خوبصورت اور کس قدر شدت سے گھومتے ہیں۔ فرمایا: تم بجلی کو جابجا چمکتے ہوئے ٹمہر کر چمکتے ہوئے یا سیدھا

اس لئے ان کی اس روش پر اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہوئے اور انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اَفَوَعَدَّ اِنَّا يَسْتَعْجِلُوْنَ، اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ (الحج: 47) پھر فرمایا: اَفَذَكَرْتِ اِنَّمَعْلَمُ۔ یعنی اگر ہم کچھ عرصے کے لئے انہیں مہلت دے دیں پھر ان کے پاس وہ عذاب آجائے جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا تو انہیں ان کا مال و متاع کیو فائدہ پہنچائے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَانَتْهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ نَارَهُمْ كَالِغَيْثِ اَوْ صُحْبًا (النازعات: 46) ”گویا وہ جس روز اسے دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح“۔ يَوْمَ اَحَدُهُمْ لِيُوَظِّعُ لِفَتَاىَ سَسُوْا وَمَا هُوَ بِمُرْسِيٍّ عَلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ اِنَّ يَعْصِرُوْا (البقرہ: 96) ”ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے ہزار سال زندہ رہنے دیا جائے اور (اتنی مدت) جیتے رہنا اسے عذاب سے ٹکس بچا سکتا“۔ وَمَا يُعْطِيْ عُنْتَهُ مَالًا اِذَا تَرَدَّدَى (الليل: 11) ”اور اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ بلاک ہوگا“۔ اس لئے فرمایا: مَا اَعْطٰ عَنُومٍ..... حدیث پاک میں آتا ہے: ”کافر کو جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے کبھی بھلائی دیکھی؟ کیا تو نے کبھی نعمت پائی؟ وہ کہے گا: اے پروردگار! اللہ کی قسم، نہیں۔ پھر ایک اور شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ مصیبت زدہ تھا۔ اسے ایک دفعہ جنت میں سے گزارا جائے گا، پھر اس سے سوال ہوگا کہ کیا تو نے کبھی کوئی مصیبت دیکھی؟ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! اللہ کی قسم، نہیں (1)۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کثریہ شعر پڑھا کرتے تھے:

كَانَتْ لَمْ تُوَقِّرْ مِنَ الدَّهْرِ لَيْلَةً اِذَا اَنْتَ اَدْرَاكْتَ الَّذِي اَنْتَ تَطْلُبُ (2)

یعنی جب تم نے اپنے مطلوب کو پایا تو گویا تمہیں کسی تکلیف کا سامنا کرنے ہی نہیں پڑا۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی بابت خبر دیتا ہے کہ اس نے اتمامِ حجت و ازالہِ عذر اور بعثتِ انبیاء سے پہلے کسی امت کو بلاک نہیں کیا، اس لئے فرمایا: وَمَا اَهْنَكُمَا مِنْ قَدِيْحَةٍ۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَمَا كُنَّا نَعْبُدُ بِمَنْ سَخٰى بَعَثْنَا سُرْسُوْلًا (بنی اسرائیل: 15) ”اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں“۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْ اٰيٰهَا سُرْسُوْلًا يُّنذِرُوْنَ اَعْلٰیهِمْ الْاٰیٰتِۃَ..... وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (القصص: 59)۔

وَمَا تَتْرَكْتُ بِوَالِ الشَّيْطٰنِ ۝ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَكَعُوْرُوْنَ ۝

”اور نہیں اترے اس قرآن کو لے کر شیاطین۔ اور نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہیں (شیطانوں کو) تو اس کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے“۔

بتایا جا رہا ہے کہ یہ کتاب عزیز جس کی طرف باطل راہ نہیں پاسکتا اور جو حکیم و جمید ذات کی نازل کردہ ہے، اسے روح الامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں نہ کہ شیاطین اسے لے کر اترے ہیں، پھر بیان فرمایا کہ تین وجوہات کی بناء پر شیاطین کے لئے ایسا کرنا ممنوع ہے: ایک یہ کہ ایسا کرنا ان کیلئے مناسب ہی نہیں یعنی یہ ان کا مقصد ہی نہیں کیونکہ ان کی فطرت ہے فساد پھیلانا اور بندوں کو گمراہ کرنا لیکن یہ کتاب امر بالمعروف، نہی عن المنکر، نور، ہدایت اور برہانِ عظیم کا مرقع ہے، اس کے اور شیاطین کے درمیان بہت بڑا تضاد اور منافات ہے، اس لئے فرمایا: وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس کی قدرت اور استطاعت نہیں رکھتے۔ بغرض بحال اُترے ان کے لئے

مناسب ہو تو بھی یہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لَوْ أَنزَلْنَا لَكَ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (الحشر: 21)** ”اگر ہم نے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے جھک جاتا اور پاش پاش ہو جاتا۔ تیسری وجہ یہ بیان کی کہ انہیں قرآن کریم سننے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اگر فرض کریں کہ قرآن کریم ان کے لئے مناسب ہے اور وہ اس کی استطاعت بھی رکھتے ہیں تو بھی وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ نزول قرآن کے وقت آسمان پر پہرہ سخت کر دیا گیا اور شیاطین کو مار بھگانے کے لئے پہرہ بیدار اور شہاب ثاقب بالکل تیار اور مستعد کر دیئے گئے، اس طرح ان شیاطین کو استماع قرآن سے روک دیا گیا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بھی ایک حرف تک نہ سن سکا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ وحی کا معاملہ مشتبہ نہ ہو جائے۔ اسی لئے فرمایا: **إِنَّهُمْ عَيْنَ السَّمْعِ**۔ اسی طرح جنات کے متعلق فرمایا: **وَأَنزَلْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَا آلِهَةً فَجَدَلْنَاهَا مَا لَكَنَّ خَرَسًا سَاهِينَ وَأَوْشَقَهَا لَوْ أَنَّ كُنَّا فَاعِلِينَ لَنَسْفَعُهَا مُنْتَضِينَ**۔ **لَنْ يَسْمَعُوا الْآنَ بَعْدَ لَدُنْهَا بَأْسًا** **أَمْ أَرَادْتُمْ أَنَسْتَدْرِكُ مَا نَحْمَدُ بِرَأْسِهِمْ لَمَّا شَاءَ (الحج: 10-8)**۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونُ مِنَ الضَّالِّينَ ۝ وَ أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝
وَ اخْضَعْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعْتَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ عَصَاكَ فُقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا
تَعْمَلُونَ ۝ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرِيكَ جِزِينَ تَقَوْمٍ ۝ وَ تَقَلِّبُكَ فِي
السُّجُودِ ۝ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

”پس نہ پکارا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو، ورنہ تو ہو جائے گا ان لوگوں میں سے جنہیں عذاب دیا گیا ہے۔ اور آپ ڈرنا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور آپ نیچے کیا کھینچنے اپنے پروں کو ان لوگوں کے لئے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرمادیں میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو۔ اور بھروسہ کیجئے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔“

اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے یہ واضح کر دیا کہ جس نے شرک کیا، اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں کہ ایمان کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ اہل ایمان کے لئے اپنا پہلو نرم رکھیں اور جو کوئی نافرمانی کرے، اس سے بیزارگی کا اظہار کریں اس لئے فرمایا: **فَإِنْ عَصَاكَ**۔ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ مخصوص یہ انداز عام لوگوں کے انداز کے منافی نہیں کیونکہ یہ اس کا ایک جز ہے جیسا کہ فرمایا: **لِيُثَبِّرَنَّ مَرَأَةَ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام: 92)** ”تاکہ آپ مکہ اور اس کے ارد گرد والوں کو ڈرائیں“، **وَ أَنْذِرْ مَنِ اتَّبَعَ بِإِنَّ يَخَافُونَ أَنَّ يُصْعَقُوا بِالْآلِ تَرْتِيهِمْ (الانعام: 51)** ”ڈرائیے اس (قرآن) سے انہیں جو ڈرتے ہیں اس سے کہ انہیں ان کے رب کی طرف اٹھایا جائے گا“۔ **لِيُثَبِّرَنَّ مَنِ اتَّبَعَ وَ يُثَبِّرَنَّ مَنِ اتَّبَعَ وَ يُثَبِّرَنَّ مَنِ اتَّبَعَ (مریم: 97)** ”تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو مژدہ سنائیں اور اس کے ذریعہ جھگڑا تو تم کو ڈرائیں“۔ **لَا تُؤْتِيهِمْ كُفْرَهُمْ وَ هُمْ يَكْفُرُونَ (الانعام: 19)** ”تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں اور اسے ڈراؤں جس تک یہ پہنچے“، **وَ مَنْ يَكْفُرْ يَفْجُرْ مِنْ الْأَحْزَابِ فَأَلْثَمَ هُوَ جِدًّا (ہود: 17)** ”اور اگر وہوں میں سے جس نے اس کے ساتھ کفر کیا تو آگ اس کے وعدہ کی جگہ ہے“۔ حدیث

شریف میں ہے: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت میں سے جس نے میری بعثت کے متعلق سنا خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، پھر مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ جہنم میں جائے گا“ (1)۔ اس آیت کریمہ کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جنہیں ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَ أَكْفُرْنَا مَعَكَ وَ كَذَّبْنَا بِرُسُلِكَ وَ اتَّخَذْنَا حِجَابًا مِّنْكَ وَ كُنَّا بِكَ مُصْتَفًىٰ لِّعَذَابِنَا نُنَاجِيكَ کو مصفا پر چڑھے اور ”یا صبا حاد“ کہہ کر لوگوں کو آواز دی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ جو بذات خود نہیں آسکتا تھا اس نے اپنا آدمی بھیج دیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی لوی! اگر میں تم لوگوں کو یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کی پشت پر سواروں کا ایک دستہ تم پر شرب خون مارنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟“ سب نے جواب دیا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں سخت عذاب کے نازل ہونے سے پہلے خبردار کرنے والا ہوں۔“ یہ سن کر ابولہب کہنے لگا کہ آج کا دن تمہارے لئے خرابی ہو، کیا تم نے اس لئے ہمیں بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورہ شُعَبُثَّيْذِ آتِي نَزَّلْنَا نَارًا مِّنَ السَّمَاءِ لَنَبْهَأَنفُسَكُمْ تَذْكُرُونَ (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَ أَكْفُرْنَا مَعَكَ الْاِفْكِ بِرَبِّنَا نَزَّلْنَا نَارًا مِّنَ السَّمَاءِ لَنَبْهَأَنفُسَكُمْ تَذْكُرُونَ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ”اے فاطمہ بنت محمد، اے صفیہ بنت عبدالمطلب، اے بنی عبدالمطلب! میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں، البتہ میرے مال میں سے جو چاہو، لے لو“ (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کے سب عوام و خواص کو بلایا اور فرمایا: ”اے قریش! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے بنی کعب! خود کو آگ سے بچاؤ، اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ اور لو، اے بنی عبدالمطلب! خود کو آگ سے محفوظ کر لو، اے فاطمہ بنت محمد! اپنے آپ کو دوزخ سے بچالے، اللہ کی قسم! میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں سوائے اس کے کہ تمہارے ساتھ قرابت داری ہے جس کا میں حق ادا کروں گا“ (4)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”اے بنی عبدالمطلب! اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ سے خرید لو، اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ، اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ! اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ سے خرید لو، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ میرے مال میں سے جو چاہو طلب کر لو“ (5)۔ ابولہب کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے بنی ہاشم، اے بنی عبدمناف! میں ڈرانے والا ہوں، موت اچانک حملہ آور ہونے والی ہے اور قیامت وعدہ گاہ ہے“ (6)۔ حضرات قبیلہ بنی مخارق اور زبیر بن عمرو سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھا اور بلند آواز سے پکارنے لگے: ”اے بنی عبدمناف! میں خبردار کرنے والا ہوں، میری اور تمہاری مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے دشمن کو دیکھا اور جلدی سے اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے آیا تاکہ وہ دشمن کے آنے سے پہلے پہلے اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لیں اور وہ انہیں متنبہ کرنے کیلئے زور زور سے آوازیں دینے لگا“ (7)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا۔ یہ تیس افراد تھے۔ جب یہ خورد و نوش سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کون ہے جو میرے قرض کی ادائیگی اور میرے وعدوں کے ایفاء کی ضمانت دیتا ہے، وہ جنت میں

1- صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 193

2- صحیح بخاری، تفسیر سورہ اشعراء، جلد 6 صفحہ 221، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 193-194، نمبر

3- صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 192 صفحہ 187، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 187

4- صحیح بخاری، تفسیر سورہ اشعراء، جلد 6 صفحہ 140، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 192-193

5- مسند احمد، جلد 2 صفحہ 360

6- مسند ابی یعلیٰ، تحقیق ارشاد الحق، جلد 5 صفحہ 424

7- صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 193، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 60

میرا ساتھی اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہوگا؟“ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! آپ تو سمندر ہیں، بھلا اس فریضہ کو کون انجام دے سکتا ہے، تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا لیکن کسی نے حامی نہ بھری۔ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں اس کے لئے تیار ہوں (1)۔ اس سے بھی ایک مبسوط اور مفصل روایت ہے جس میں بیان کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا تھا۔ یہ ایک کافی بڑی جماعت تھی۔ ان میں سے ہر ایک بکری کا بچہ کھاتا تھا اور ایک بڑا ڈول پی جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کیلئے صرف ایک مد (تقریباً ایک سیر) کھانا تیار کروایا۔ ان سب نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن کھانا جوں کا توں باقی بچا رہا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ اسے کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ پھر آپ نے مشروب منگوایا جسے سب نے پیا لیکن وہ اسی طرح باقی بچا رہا گویا اسے کسی نے پیا ہی نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے بنی عبدالمطلب! مجھے تمہاری طرف خصوصاً اور تمام لوگوں کی طرف عموماً مبعوث کیا گیا ہے۔ ابھی تم نے میرا ایک معجزہ بھی دیکھ لیا ہے۔ اب تم میں سے کون ہے جو اس شرط پر میری بیعت کرے کہ وہ میرا بھائی اور ساتھی ہوگا۔“ لیکن بھری محفل میں سے کوئی شخص بھی کھڑا نہ ہوا۔ میں اس وقت سب سے زیادہ کمسن تھا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”بیٹھ جاؤ۔“ تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا اور تینوں مرتبہ بجز میرے کسی نے اپنی خدمات پیش نہ کیں۔ تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے مجھ سے بیعت لی (2)۔ امام بیہقی دلائل السنۃ میں اس سے بھی مبسوط اور غریب روایت لائے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے ابھی اپنی دعوت کو اپنی قوم پر پیش کیا تو مجھے ان کی طرف سے ناپسندیدہ چیز کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے میں نے خاموشی اختیار کر لی لیکن جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ اگر آپ ﷺ نے تعمیل ارشاد نہ کی تو خدا شہ ہے کہ آپ کا رب آپ کو سزا دے گا۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اسی وقت آپ ﷺ نے مجھے بلا کر فرمایا: ”اے علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کروں لیکن یہ بات عیاں ہے کہ اگر میں نے ابھی ان کو دعوت دی تو مجھے ان کی طرف سے مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لئے میں نے سردست خاموشی اختیار کرنے کی ٹھان لی۔ پھر جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ اگر آپ نے حکم خداوندی کی بجا آوری نہ کی تو آپ کو سزا ہوگی۔ اے علی! اب ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت پکاؤ، ایک صاع (سازھے چار سیر) اناج تیار کرو اور ایک بڑا پیالہ دودھ کا بھی مہیا کرو۔ پھر بنو عبدالمطلب کو جمع کرو۔ چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ وہ سب کے سب جمع ہو گئے۔ اس وقت ان کی تعداد کم و بیش چالیس تھی۔ ان میں سے آپ کے چچا بھی تھے: ابو طالب، حمزہ، عباس اور کافر خبیث ابولہب۔ میں نے کھانا چن دیا۔ آپ ﷺ نے ایک بوٹی اٹھائی اور اپنے دستوں کے ساتھ کٹ کر برتن کے اطراف میں ڈال دی اور فرمایا: ”اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔“ چنانچہ سب افراد نے خوب پیٹ بھر کر کھایا لیکن گوشت اسی طرح باقی تھا صرف ان کی اہلیوں کے فشانات تھے حالانکہ ان میں سے ایک ایک فرد اتنا گوشت کھا لیتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے علی! انہیں دودھ پلاؤ۔“ میں دودھ سے بھرا ہوا بڑا پیالہ لے آیا اور ان سب نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اللہ کی قسم! ان میں سے ایک شخص اس قدر دودھ پی جاتا تھا۔ جب آپ ﷺ نے ان کے ساتھ گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب جلدی سے کہنے لگا کہ اب معلوم ہوا، اسی مقصد کے لئے جاؤ کہ کرشمہ دکھایا گیا تھا۔ یہ سن کر لوگ منتشر ہو گئے اور آپ ﷺ کو ان کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اگلے روز آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”اے

علیٰ! ہل کی طرح خورد و نوش کی اشیاء تیار کرو۔ اس شخص نے کل مجھے قوم کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔“ چنانچہ میں نے گزشتہ روز کی طرح دعوت کا انتظام کیا اور ان سب کو دعوت پر بلایا۔ آپ ﷺ نے گزشتہ روز جیسا عمل کیا۔ ان سب نے خوب پیٹ بھر کر کھایا پیا۔ کھانے کے بعد حضور ﷺ نے وعظ و نصیحت کا ارادہ کیا یہی تھا کہ اب لہب پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور حاضرین سے کہنے لگا کہ اسی مقصد کی خاطر تمہارے صاحب نے تم پر جادو کیا۔ اس کی بات سن کر لوگ محفل سے اٹھ گئے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ کلام نہ کر سکے۔ تیسرے روز پھر حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے علیٰ! ہل کی طرح آج پھر دعوت کا انتظام کرو۔ اس شخص نے مجھے بات ہی نہیں کرنے دی۔ چنانچہ آج جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فوراً اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: ”اے بنی عبدالمطلب! اللہ کی قسم، مجھے نہیں معلوم کہ کوئی عربی نوجوان اپنی قوم کے پاس اس سے افضل چیز لایا ہو جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں“ (1)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے علم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔ اب بتاؤ تم میں سے کون ہے جو اس معاملہ میں میری مدد کرے گا، وہ میرا بھائی ہوگا اور اسے یہ یہ درجہ حاصل ہوگا؟ سب لوگ خاموش رہے۔ میں اگرچہ اس وقت ان میں سب سے زیادہ کسمن، دکھتی آنکھوں والا، بڑے پیٹ والا اور دہلی پٹکی پنڈلیوں والا تھا، پھر بھی میں نے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اس معاملہ میں میں آپ کا مددگار ہوں۔ آپ ﷺ نے میری گردن پکڑ کر فرمایا: ”یہ میرا بھائی اور ایسے ایسے در سب سے والا ہے، اس کی بات سنو اور اطاعت کرو“ (2)۔ یہ سن کر سب حاضرین ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے کہ اب تمہیں حکم ہو گیا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ لیکن اس کا ایک راوی عبد الغفار بن قاسم بن ابی مریم مرقوک، کذاب اور شیعہ ہے، علی بن المدینی وغیرہ کے بقول یہ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا اور ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بکری کی ایک ٹانگ کا گوشت پکانے، ایک صاع اناج اور ایک پیالہ دودھ کا تیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، پھر آپ ﷺ نے مجھے بنی ہاشم کو بلانے کے لئے کہا۔ کم و بیش چالیس آدمی جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے گوشت سے بھر اہو برتن اٹھایا اور ان سے فرمایا کہ کھاتے جاؤ۔ سب نے خوب پیٹ بھر کر کھایا لیکن کھانے میں بالکل معمولی سی کمی واقع ہوئی۔ پھر سب نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد جب آپ ﷺ نے گفتگو کرنا چاہی تو وہ جلدی سے کہنے لگے کہ ایسا جادو تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسرے دن جب دعوت سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے جلدی سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: ”تم میں سے کون ہے جو میرے قرض کی ادائیگی کا ضامن بنے اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہو؟“ سب لوگ خاموش رہے۔ عباس بھی اس خدشہ کے پیش نظر خاموش رہے کہ کہیں ان کا سامان اس قرض کی نذر نہ ہو جائے۔ عباس چونکہ بڑے تھے، اس لئے احراما میں بھی خاموش رہا۔ دوبارہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ اب بھی عباس رضی اللہ عنہ کو خاموش دیکھ کر مجھے یارائے ضبط نہ رہا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں حالانکہ اس وقت میں سب سے زیادہ وہی حالت والا، چند ہیائی ہوئی آنکھوں والا، موٹے پیٹ والا اور کمزور پنڈلیوں والا تھا۔ ان روایات میں حضور ﷺ کا اپنے بچوں اور چچا زاد بھائیوں سے یہ تقاضا کرنا کہ وہ آپ کے قرض کو ادا کرنے کی ذمہ داری لیں اور آپ کے اہل میں آپ کے چاشمین بنیں، یہ اس صورت میں تھا کہ اگر آپ راہ خدا میں شہید ہو جائیں۔ گویا آپ ﷺ کو یہ خدشہ تھا کہ جب آپ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیں گے تو

لوگ آپ کو شہید کر دیں گے۔ چنانچہ جب یہ فرمان نازل ہوا: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَدِّءْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّكَ أَنْتَ تَعْلَمُ مَا نَقُلْتَ مِمَّا نُنزِلُكَ اللَّهُ يَخْتِمْكَ مِنَ الْفَاسِقِينَ (المائدہ: 67) ”اے رسول! پہنچا دیجئے جو آپ کی طرف سے آپ کے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا، اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا“ تو اس وقت آپ ﷺ بالکل محفوظ و مامون ہو گئے۔ قبل ازیں آپ کا پہرہ دیا جاتا تھا لیکن اس آیت کے نزول کے بعد پہرہ ہٹا دیا گیا۔ اس وقت نبی ہاشم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ ایمان و ایقان والا اور حضور ﷺ کی تصدیق کرنے والا کوئی نہ تھا، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ان سب سے پہلے حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کوہ صفا پر اعلانِ دعوت دی اور نام لے لے کر قبائل قریش، اپنے چچاؤں، اپنی پھوپھیوں اور اپنی منیوں کو خبردار کیا اور دعوت تو حیددی۔ عبدالواحد دمشقی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو عطا کرتے اور توکی دیتے ہوئے دیکھا۔ لوگ بڑے انہماک سے آپ کی طرف متوجہ تھے لیکن آپ کے بیٹے اور گھر کے سچے آدمی مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھے ہائیں کر رہے تھے۔ کسی شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی توجہ اس طرف مبذول کرواتے ہوئے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ تو آپ سے حصول علم میں دلچسپی لے رہے ہیں لیکن آپ کے گھر کے افراد لاپرواہی سے بیٹھے ہوئے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”دنیا میں سے سب سے زیادہ کنارہ کشی کرتے والے انبیاء ہیں اور ان پر سب سے زیادہ سخت ان کے قرابت وار ہوتے ہیں“۔ اس بارے میں فرمان ہے: وَ أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْبَغِيَّةَ وَ تَعْلَمُونَ۔ پھر فرمایا: وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ یعنی آپ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں جو غالب اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے، کیونکہ وہی آپ کا مددگار، حانی و ناصر، محافظ اور آپ کے کلمہ کو بلند کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا: أَلَمْ يَأْتِ بِيَلِكَ جِئْتُمْ تَقْوُمٌ یعنی وہ آپ کی حفاظت فرمانے والا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (الطور: 48) ”اور آپ اپنے رب کے حکم سے صبر فرمائیے۔ بے شک آپ ہماری نظروں میں ہیں“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کے قیام، رکوع اور سجدہ کو دیکھتا ہے۔ حسن فرماتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ نماز پڑھتے ہیں۔ عساک کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے بستر یا مجلس سے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت وہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے اور دیگر تمام حالات میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہوتے ہیں۔ قتادہ ان آیات أَلَمْ يَأْتِ بِيَلِكَ جِئْتُمْ تَقْوُمٌ وَ تَعْلَمُونَ فِي الشَّجَرَةِ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ نماز پڑھتے ہیں اور اس وقت بھی آپ اس کی نگاہ میں ہوتے ہیں جب آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرات عکرمہ، عطاء، فراسانی اور حسن بصری کا یہی قول ہے۔ مجاہد اس آیت وَ تَعْلَمُونَ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح اپنے سامنے کی چیز دیکھتے، بالکل اسی طرح آپ اپنے پیچھے کی چیز بھی دیکھتے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: ”اپنی صفیں درست کر لیا کرو، میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں“ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک نبی کی پشت سے دوسرے نبی کی پشت سے منتقل ہوتے ہوئے دیکھتا رہا یہاں تک کہ آپ کو نبی بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔ آخر میں فرمایا: إِنَّهُ هُوَ الشَّهِيدُ الْعَلِيمُ یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور ان کی حرکات و سکنات کو خوب جاننے والا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ عَاتَلْنُوهُ فِي شَأْنِ

وَقَالَتْهُوا مِنْ قُرْبَانٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَشْبٍ إِلَّا كُنْتُمْ مَكِيدِينَ مُهَيَّوْنَ لِذُرِّيَّتِهِمْ فِيهِ (یونس: 61) ”اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ اس حال میں آپ کچھ تلاوت کرتے ہیں اور (اے لوگو) نہ کچھ تم عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم کسی کام میں شروع ہوتے ہو۔“

هَلْ أَتَيْتُمْ عَلَىٰ مَنْ تَتَرَّلُ الشَّيْطَانِ ۖ تَتَرَّلُ عَلَىٰ كُلِّ آفَاكٍ أَشِيمٍ ۖ يَأْتُونَ السَّمَاءَ
أَكْثَرَهُمْ كَذِبُونَ ۖ وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۖ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ
يَهْبِئُونَ ۖ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۖ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ
ذَكَرُوا اللَّهَ كَذِكْرِ آبَائِهِمْ وَاتَّصَرُّوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ
يَنْقَلِبُونَ ۖ

”کیا میں بتاؤں تمہیں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔ وہ اترتے ہیں ہر جھوٹ گھرنے والے بدکار پر۔ یہ اپنے کان (شیطانوں کی طرف) لگائے رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بڑے جھوٹے ہیں اور جو شعراء ہیں تو ان کی پیروی حق سے یکے ہونے لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شعراء ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔ اور وہ کیا کرتے ہیں ایسی باتیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے۔ بجز ان شعراء کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور عقرب جان لیں گے جنہوں نے ظلم و ستم کئے کہ وہ کس (بھیا تک) جگہ لوٹ کر آ رہے ہیں۔“

ان مشرکین سے خطاب ہو رہا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نایا ہوا قرآن برحق نہیں بلکہ اسے آپ نے خود گھڑ لیا ہے یا جنوں کا سردار آپ کے پاس یہ کلام لاتا ہے، چنانچہ مشرکین کی اس افتراء بازی اور ہرزہ سرائی سے آپ ﷺ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اس حقیقت پر آگاہ کیا گیا کہ یہ قرآن کریم کلام الہی ہے جسے ایک معزز اور امانتدار فرشتہ لے کر اترتا ہے، یہ شیطان کی طرف سے نہیں کیونکہ انہیں اس قسم کے قرآن کریم میں کوئی دلچسپی نہیں۔ دو تو اپنی تمس کے جھوٹے کاہنوں پر اترتے ہیں، اس لئے فرمایا: هَلْ أَتَيْتُمْ ”اُفْلٰكٌ“ کا معنی ہے بہت زیادہ جھوٹا اور اٹھہر کا معنی ہے بدکار۔ چونکہ شیطان بھی جھوٹے اور فاسق ہیں اس لئے وہ اپنے جیسے کاہنوں اور دوسرے جھوٹے اور فاسق لوگوں پر اترتے ہیں۔ یہ شیطان آسمان کے قریب جا کر طمغیہ سے کوئی ایک آدھ کلمہ چوری چھپے سن لیتے ہیں، پھر اس کے ساتھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر اپنے دوست انسانوں کو بتا دیتے ہیں۔ جب وہ دوسرے لوگوں کو ان باتوں سے آگاہ کرتے ہیں تو لوگ بلا تامل ان کی ہر بات کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ جو کلمہ آسمان سے سنا گیا تھا، وہ سچ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ کوئی چیز نہیں ہیں۔“ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کبھی کبھی وہ ایسی بات کرتے ہیں جو سچ ثابت ہوتی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہ حق پر مبنی وہی بات ہوتی ہے جسے کوئی جن اپک لیتا ہے، پھر اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ سوسے

بھی زیادہ جھوٹ شامل کر کے بتاتا رہتا ہے“ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ آسمان میں جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے سامنے سر تسبیح کرتے ہوئے اپنے پر مارتے ہیں، اس سے ایسی آواز آتی ہے جیسے کسی چٹان پر زنجیر بج رہی ہو، جب گھبراہٹ ان کے دلوں سے زائل ہو جاتی ہے تو آپس میں در برفت کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم ارشاد فرمایا؟ دوسرے جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بہت بلند اور بڑی شان والا ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ چوری چھپے سننے والے اسے سن لیتے ہیں اور یہ چوری چھپے سننے والے اس طرح ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہوتے ہیں۔ راوی حدیث حضرت سفیان نے اپنے ہاتھ کو جھکا کر اور انگلیوں کو پھیلا کر ان کی کیفیت واضح کی۔ اوپر والا بات کو سن کر اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے، وہ اپنے سے نیچے والے کو یہاں تک کہ وہ بات جا دو گریا کا ہن تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بات سن کر نیچے پہنچانے سے پہلے پہلے شہاب (شعلہ) سے آدبو جتا ہے لیکن کبھی شہاب کے پھٹنے سے پہلے ہی وہ بات نیچے پہنچا دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ شامل کر دیتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کیا اس نے فلاں فلاں دن ہمیں یہ یہ باتیں نہیں بتائی تھیں؟ وہ کلمہ صحیح ثابت ہوتا ہے جو آسمان سے نازل کیا تھا“ (2)۔ مسلم میں بھی یہ روایت ہے (3)۔ جس کا ذکر سورہ سبائیں اس آیت حَقَّنِي اِذَا فُجِّرْتُ عَنْ قَوْمِي يَوْمِي کے تحت ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”فرشتے بادلوں میں زمین پر ہونے والے معاملہ کی بابت گفتگو کرتے ہیں۔ شیاطین کوئی بات سن لیتے ہیں تو وہ کانہوں کے کان میں اسے اس طرح انڈیل دیتے ہیں جیسے شیش انڈلی جاتی ہے، پھر وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملادیتے ہیں“ (4)۔ پھر فرمایا: وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ یعنی کافر شعراء کی اتباع گمراہ جن وانس کرتے ہیں (5)۔ یہ قول حضرات ابن عباس، مجاہد، عبدالرحمن بن زید وغیرہ کا ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ دو شاعر ایک دوسرے کی ججو کا بازار گرم کرتے تو کچھ لوگ اس کے ہم نوا بن جاتے اور کچھ اس کے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقام عرج میں جا رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک شاعر کچھ گاتا ہوا سامنے آ گیا۔ اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس شیطان کو کچھ لڑو یا فرمایا کہ اس شیطان کو روک لو۔ تم میں سے ایک شخص کا ہیبت پیپ سے بھر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر و شاعری سے بھرے“ (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَنْهَوْنَكَ يَمُرُّبْنَ تَاتِي ہیں کہ وہ ہر لغو بات میں گھس جاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہما ہی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ کلام کے ہر فن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان وادیوں کا علم ہے جن میں یہ سرگرداں پھرتے ہیں، کبھی کسی کی مذمت کر دیتے ہیں اور کبھی کسی کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملادیتے ہیں۔ قنادہ فرماتے ہیں کہ شاعر کسی کی ناحق مدح کر دیتا ہے اور کی ناحق مذمت۔ پھر فرمایا: وَ اَنْتُمْ يَنْهَوْنَكَ مَا لَا يَنْهَوْنَكَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دو اشخاص کے درمیان ججو کا مقابلہ ہو گیا۔ ان میں سے ایک انصاری تھا اور دوسرا کسی اور قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ ہر ایک کی قوم کے بے وقوف لوگ اس کی تائید کرنے لگے۔ اس وقت یہ آیات وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ... نازل ہوئیں (7)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

- 1- صحیح بخاری، تفسیر سورہ سبأ، جلد 6 صفحہ 152
 2- صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1751
 3- صحیح بخاری، کتاب بدر، جلد 4 صفحہ 152
 4- تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 127
 5- مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 8
 6- تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 127
 7- عبرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 266، الروض الانف، جلد 2 صفحہ 252 وغیرہ

شعراء کی اکثر باتیں جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں۔ آپ کا یہ قول واقع کے عین مطابق ہے، کیونکہ شعراء فخریہ طور پر ایسے اقوال و افعال کا اظہار کرتے ہیں جن کا ان سے صدور نہیں ہوتا اور وہ عموماً ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جنہیں وہ عملی طور پر انجام نہیں دیتے، اس لئے علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر ایک شاعر اپنے شعر میں ایسے گناہ کا اعتراف کر لے جو حد کا موجب ہو تو اس اعتراف کی وجہ سے کیا اس پر حد لگائی جائے گی یا نہیں کیونکہ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں وہ کرتے نہیں؟ اس مسئلہ کے متعلق: وقول ہیں۔ محمد بن اسحاق اور محمد بن سعد نے طبقات میں اور زبیر بن بکارت نے کتاب الفکاہۃ میں ذکر کیا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عدی بن نضله کو سرزمین بصرہ کے شہر میسان کا گورنر مقرر کیا۔ وہ شاعر تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایسے اشعار کہے جن میں شراب، حسیناؤں، ان کے گیتوں اور رقص و سرود کا ذکر تھا۔ جب یہ اشعار حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچے تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں نے اسے اس کے عہدے سے معزول کر دیا ہے۔ معزول کے صدم کے ساتھ آپ نے ایک خط بھی بھیجا جس میں درج تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَمْدٌ ۙ تَنْوِیْلُ الْاَنْكَلِبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ اٰیٰتُ الْاَنْکَلِبِ (المومن: 3-1) مجھے تمہارے اشعار سے سخت کوفت پہنچی ہے، اس لئے میں نے تمہیں تمہارے عہدے سے معزول کیا۔ نعمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: امیر المؤمنین! میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ یہ اشعار یونہی میری زبان پر جاری ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے لگے کہ میرا یہی خیال ہے لیکن میں تمہیں کوئی ذمہ داری نہیں دوں گا کیونکہ تم نے ایسے اشعار کہے ہیں (6)۔ یہ بات ثابت نہیں کہ اپنے اشعار میں شراب کا ذکر کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان پر حد لگائی کیونکہ شاعر جو کہتے ہیں، وہ کرتے نہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے نعمان کی خدمت اور ملامت کی اور انہیں معزول کر دیا، اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے: ”کسی کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھر لینا شعر و شاعری سے بھر لینے کی نسبت بہتر ہے“ (1)۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن پر یہ قرآن نازل ہوا، نہ کہ ان میں نہ شاعر اور نہ ساحر کیونکہ آپ کا حال ان کے حال کے متافی اور متضاد ہے جیسا کہ فرمایا: وَهَاتَا تَنْتَبَهُنَّ لَمْ يَجْعَلْهُمَا بَشَرًا لَّئِنْ لَمْ يَدْرِ مَا كُرَّوْهُمَا لَنْ يَكْفُرَ بِالْقُرْآنِ مَبِیْنًا (یسین: 69) ”اور ہم نے اپنے نبی و شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کے شاہان شان ہے۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور ہالکل واضح قرآن“۔ اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ۙ وَفَا لَوْ يَقُوْلُ شَاعِرٌ ۙ فَقِيْلًا مَّا تُوْهِوْنَ ۙ وَلَا يَقُوْلُ كَا فِیْنٍ ۙ فَا لَوْ لَمْ تَلْمَازْهُمُ لَمْ يَكْفُرُوْا ۗ تَنْوِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ (الحاقة: 43-40) ”بے شک یہ ایک عزت والے رسول کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں (لیکن) تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ ہی یہ کسی کا ہن کا قول ہے، تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو بلکہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے“۔ اسی طرح اس سورت میں فرمایا: وَ اِنَّهُ لَتَنْوِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ اَنْتُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یُقَعْلُوْنَ اِسْ كَیْ بَعْدَ فَرْمَا یَا: اِنَّ الْاَنْبِیَّیْنَ اَمْثَلُوْا اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب یہ آیت وَ اَنْتُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یُقَعْلُوْنَ نازل ہوئی تو حضرات حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم بھی تو شاعر ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے استثناء والی آیت اِنَّ الْاَنْبِیَّیْنَ اَمْثَلُوْا ... تلاوت کی اور فرمایا کہ تم اس آیت کا مصداق ہو (2)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا نام شامل نہیں (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صرف حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی تو شاعر ہوں۔ اس پر یہ آیت اتری (4)۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ،

1۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 548، صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 4 صفحہ 1770

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 128-129، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 518-519

3۔ مستدرک حکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، جلد 3 صفحہ 488

4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 334

مجاہد، قتادہ، زید بن اسلم اور دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت اِلَّا الَّذِيْنَ يَنْتَظِرُونَ۔ قبل سے استثناء ہے۔ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ استثناء ہے لیکن یہ سورت کلی ہے، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان آیات کا نزول شعراء انصار کے بارے میں ہے؟ یہ بات قائل غور ہے۔ جو روایات بیان ہوئی ہیں، وہ مرسل ہیں، اس لئے وہ قائل اعتقاد نہیں، البتہ اس استثناء میں نہ صرف انصاری اور دیگر شعراء داخل ہیں بلکہ اس سے جاہلی دور کے وہ شعراء بھی داخل ہیں جو اسلام اور اہل اسلام کی خدمت میں ملوث تھے، پھر وہ ایمان لے آئے، صدق دل سے تو یہ کہہ کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا، نیک اعمال کئے اور سابقہ فحش گوئی کے مقابلہ میں بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کیونکہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور سابقہ خدمت کے عوض اسلام اور اہل اسلام کی مدح و تعریف کی جیسا کہ عبد اللہ بن زبیری نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی بھوکھی تلافی کرنے کی کوشش کی اور اعتراف کیا کہ شیطان کی انگیزت کے باعث ایسا ہوا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا بیچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث آپ کا سخت دشمن تھا اور بکثرت آپ کی بھوکھا کرتا تھا۔ جب اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر انہیں کوئی محبوب نہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوسفیان اکثر آپ ﷺ کی مدح کرتے اور آپ کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان صحرا بن حرب جب اسلام لائے تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تین چیزیں عطا فرمائیں: ایک یہ کہ معاذ یہ کو اپنا کتاب بنالیں، دوسری بات یہ ہے کہ آپ مجھے اجازت فرمائیں تاکہ میں کفار کے ساتھ اس طرح جہاد کروں جس طرح پہلے مسلمانوں کے خلاف لڑا تاکہ اور ایک تیسری درخواست بھی کی۔ آپ ﷺ نے تینوں مطالبات منظور فرمائے (1)۔ اس لئے فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ اَمْسَنُوا۔۔۔ بعض نے اس فرمان کو دُرُودُ الْاَللّٰهِ كَثِيْرًا کا یہ معنی کیا ہے کہ وہ اپنے کلام میں اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کریں، بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ وہ اپنے شعروں میں اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کریں۔ بہر صورت ان دونوں میں سے ہر ایک صحیح اور سابقہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ آیت کے اس حصہ وَ اِنَّكُمْ لَاحِزِّيْنَ بِعَدُوِّ صَاطِلِيْنُوْكَا مَفْهُومِ حَضْرَاتِ اِبْنِ عَبَّاسٍ، مجاہد اور قتادہ کے بقول یہ ہے کہ انہوں نے ان کفار کا رو کیا جو اہل ایمان کی بھوکھا کرتے تھے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”ان کی بھوکرو، جہیل تمہارے ساتھ ہیں“ (2)۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے شعراء کی خدمت میں آیات نازل کر دی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مومن اپنی تلوار سے بھی اور اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگوں کے اشعار انہیں تیروں کی طرح لگتے ہیں“ (3)۔ پھر فرمایا: وَ سَيَسْتَعْلِمُهُ الَّذِيْنَ يَنْتَظِرُوْنَ ۚ اَلَا يَرٰوْنَ اَنَّ كَلِمَاتُوْا۔۔۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: يَوْمَ لَا يَنْفَعُكَ الظَّالِمِيْنَ مَعْنِيْ سَهْمُكَ (المومن: 52) ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی شکل میں ظاہر ہوگا“ (4)۔ قتادہ ابن عامر کہتے ہیں کہ آیت کے آخری حصہ میں ظالموں سے مراد شعراء اور دیگر لوگ ہیں (5)۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے ایک نصرانی کا جنازہ گزرا تو آپ نے آیت کے اس حصہ کی تلاوت کی۔ عبد اللہ بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ حضرت عفوان بن محرز جب اس آیت کو پڑھتے تو اس قدر روتے کہ بچکی بندھ جاتی (6)۔ شریح اسکندرانی بیان کرتے ہیں کہ کچھ شیوخ سرزمین روم میں تھے، رات کا وقت تھا، وہ آگ پر کچھ بھون رہے تھے یا آگ تاپ رہے تھے کہ اسی اثناء میں وہاں ایک قافلہ پہنچ گیا، انہوں نے اہل قافلہ کا استقبال کیا۔ حضرت فضالہ بن

1- صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1945

2- صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 136 صحیح مسلم، جلد 7 صفحہ 163، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 286

3- مسند احمد، جلد 6 صفحہ 367

4- صحیح مسلم، جلد 8 صفحہ 17، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 92

5- معتب ابن ابی شیبہ، کتاب البر، جلد 14 صفحہ 10

6- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 336

عبید بھی قافلہ میں موجود تھے۔ انہوں نے حضرت فضالہ و خوش آمدید کہا، سواری سے اتارا اور اپنے پاس بٹھالیا۔ اس وقت ہمارا ایک ساتھی نماز پڑھ رہا تھا، جب اس نے اس آیت **وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا** کی تلاوت کی تو حضرت فضالہ فرمانے لگے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیت اللہ کی بربادی کرنے والے ہیں (1)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور یہ ہر ظالم کو شامل ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میرے والد محترم نے اپنی وصیت میں صرف دو سطریں تحریر کیں، وہ وصیت یہ تھی: **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**، یہ ہے ابو بکر بن ابی قحافہ کی وصیت، دنیا سے رخصت ہوتے وقت جب کافر بھی مومن ہو جاتا ہے، فاجر بھی توبہ کر لیتا ہے اور جھوٹا بھی سچ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن خطاب کو اپنا خلیفہ، مزد کیا۔ اُس اس نے عدل کیا تو میں اس کے متعلق میرا کمان ہے اور مجھے اس سے یہی امید ہے اور اگر اس نے ظلم اور تبدیلی کی تو میں غیب نہیں جانتا۔ **وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ** (2)۔

سورۃ نمل (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرماتا والا ہے

طَسَّ ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِينٍ ۝ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخَسَرُونَ ۝ وَإِنَّكَ لَتَنَقُّ الْقُرْآنَ مِنَ لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝

طا۔ سین یہ آیتیں ہیں قرآن (حکیم) اور روشن کتاب کی۔ (یہ) سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے اہل ایمان کے لئے جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ سبے شک ددوٹو۔ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے خوبصورت بنا دیئے ان (کی نظروں) میں ان کے اعمال (بد) پس وہ سرگرواں پھر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے بدترین عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے زیادہ گھائلے میں ہوں گے۔ اور بے شک آپ کو سچا یہ جاتا ہے قرآن حکیم بڑے داناسب کچھ جاننے والے کی جانب سے۔“

سورتوں کے اوائل میں آنے والے حروف مقطعات پر بحث سورۃ بقرہ میں کر رہی تھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: تِلْكَ آيَاتُ یعنی یہ قرآن کریم اور واضح کتاب کی روشن آیات ہیں جو اہل ایمان کے لئے سراپا ہدایت اور بشارت ہیں یعنی قرآن کریم سے ہدایت اور بشارت صرف اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو اس پر ایمان لاتا ہے، اس کی اتباع کرتا ہے، اس کی تصدیق کرتا ہے، اس پر عمل پیرا ہوتا ہے، فرض نمازیں قائم کرتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور دار آخرت، موت کے بعد کی زندگی، اچھے برے اعمال کے بدلہ اور جنت و دوزخ پر یقین رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْوَحْيَ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقُلْ (حم السجدة: 44) ”فرمائیے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پینا ہے۔“ بِبَيِّنَاتٍ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَتُنزِلُ رِجْهًا مِّنَ السَّمَٰوٰتِ (مریم: 97) ”تا کہ آپ اس سے پرہیز گاروں کو مزیدہ سنا لیں اور اس کے ذریعہ جھگڑا تو کم کو ڈرائیں۔“ اس لئے یہاں فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ... یعنی وہ لوگ جو آخرت کو جھٹلاتے ہیں اور اس کے وقوع کو محال سمجھتے ہیں۔ ان کے لئے ہم نے ان کے اعمال بد کو آراستہ اور حسین بنا دیا ہے اور گمراہی میں ان کی لگام ڈھکی چھوڑ دی ہے، اس لئے وہ باوہی غمناکت میں سرگرواں پھر رہے ہیں۔ یہ سزا ہے تکذیب قیامت کی جیسا کہ فرمایا: وَتَلْقَابُ الْقُلُوبَ وَأَنبَأَتْهُمْ كَمَا لَمْ يَلْمِئُوهُ وَمَا يَنبَأُهَا أُولُو الْأَبْصَارِ (الانعام: 10) ”اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان لائے تھے۔“ پھر فرمایا: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے دنیا و آخرت میں بدترین عذاب ہے اور اہل محشر میں سے سب سے زیادہ بہی خمارا اٹھانے والے ہوں گے۔ اگلی

آیت میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وَإِنَّكَ تَأْتِيكَ عِنْدَ رَبِّكَ ذَاتٌ مِّنْ ذَاتِكَ مَعَهُ كَرِيمٌ اخذ کرتے ہیں جو اپنے ہر امر اور نبی میں حکیم ہے اور اسے تمام چھوٹے بڑے امور کا بخوبی علم ہے۔ اس کی خبر صدق محض ہے اور اس کا حکم عدل تام ہے جیسا کہ فرمایا: وَتَبَّتْ كَلِمَتُ رَبِّنَا لَمَّا خَلَّصْنَاكَ مِنَ الْأَعْيُنِ وَذَعَلْنَا بَعْضَ الْأَعْيُنِ لَكَ مَوَدَّةً وَبَعْضًا لَّعَلَّكَ تَفْتَنُ اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدس سے مکمل ہو گئی۔“

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لَأَهْلِيهِ إِنِّي آنستُ نَارًا ۗ سَأَتَّبِعُكُم مِّنْهَا بِخَيْرٍ أَوْ أُنذِرُكُمْ بِشَهَابٍ فَمَهِم مِّنْكُمْ تَصْطَلُون ۗ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نُورٌ مِنِّي أَعْيُنُهُمْ كَالصَّيْلِ السَّالِقِ ۗ قَالُوا أَلَمْ نَعْبُدَكَ اللَّهُ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۗ يُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۗ وَالَّذِي عَصَاكَ ۗ فَمَا نَزَّلْنَا هَا تَهْتِكُ ۗ كَأَنَّهُ جَانٌّ وَلِي مُدِيرًا ۗ أَلَمْ يَعْبُدْكُمْ يَهُودِيٌّ وَلَا نَسُحُوكُم لِمُؤْمِنِيٍّ وَلَا يَخَافُ لَدَيْهِ الْمُسْلِمُونَ ۗ إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلْ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۗ وَادْخُلْ يَدَاكَ فِي جَيْبِكَ تَخَرُّبَ بَيْضَاءَ مِّنْ عَيْبَرٍ سَوْدٍ ۗ فِي سِتْرٍ أَلْيَبِ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَتَقَوْمِهِ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۗ فَلَمَّا جَاءَهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۗ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۗ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۗ

” (یاد فرمادو) جب کہا موسیٰ نے اپنی زوجہ سے کہ میں نے دیکھی ہے آگ۔ ابھی لے آتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا لے آؤں گا تمہارے پاس (اس آگ سے) کوئی شعلہ لگا کر تم سے تاپو۔ پھر جب اس کے پاس پہنچے تو ندا کی گئی کہ بابرکت ہو جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور (ہر تیشہ و تیشل سے) پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے۔ اے موسیٰ وہ میں اللہ ہی ہوں عزت والا دانا۔ اور ذرا زمین پر ڈال دو اپنے سونے کو۔ اب جو اسے دیکھا تو وہ (اس طرح) لہرا رہا تھا جیسے سانپ ہو، آپ پہنچے پھیر کر وہاں سے چل دیے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (فرمایا) موسیٰ اذرو نہیں۔ میرے حضور ذرا نہیں کرتے جنہیں رسول بنا لیا جاتا ہے۔ مگر وہ شخص جو زیادتی کرے (وہ ڈرے) پھر (وہ ظالم بھی اگر) نیکی کرنے لگے برائی کرنے کے بعد تو میں بے شک غفور رحیم ہوں۔ اور ذرا ڈالو لوانا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید چمکتا ہو ابغیر کسی تکلیف کے (یہ دو معجزے) ان نو معجزات میں سے ہیں جن کے ساتھ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ بے شک وہ بڑے سرکش لوگ ہیں۔ پس جب آئیں ان کے پاس ہماری نشانیاں بصیرت افروز بن کر تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے کھلا ہوا۔ اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا۔ پس آپ ملاحظہ فرمائیے کیا (بولناک) انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دل رہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں منصب رسالت کے لئے چن لیا، انہیں اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف بخشا اور عظیم الشان معجزات اور طویل القدر دلائل سے نوازا کہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا لیکن انہوں نے آپ کے معجزات اور دلائل کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، کفر کی روش پر بند رہے اور آپ کی اطاعت

تفسیر ابن اثیر: جلد سوم

واہتمام سے تکبیر کا مظاہرہ کیا۔ فرمایا: اذْ قَالَ مُؤْمِنِي..... یعنی یاد کرو جب موسیٰ اپنے اہل کو لے کر چھے اور رستہ بھول گئے۔ رات کا وقت تھا اور سخت اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس وقت آپ کو کوہ طور کی جانب بھڑکتی ہوئی آگ کا شعلہ دکھائی دیا۔ آپ نے اپنے اہل سے فرمایا کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں، ممکن ہے وہاں کسی سے رستہ کی بابت معلوم ہو جائے یا میں وہاں سے آگ سلگا کر لے آؤں گا تا کہ تم اسے تاپ لو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ آپ وہاں سے ایک بڑی عظیم الشان خبر لائے اور بہت بڑا نور حاصل کیا، اس لئے فرمایا: فَذُنَابَجَاءَ عَالَمِي... یعنی جب آپ وہاں پہنچے تو بڑا عجیب و غریب منظر دیکھا، ایک سرسبز درخت ہے جس سے آگ کے شعلے برآمد ہو رہے ہیں۔ آگ مزید بھڑکتی جا رہی ہے اور درخت مزید سرسبز اور تر و تازہ ہو رہا ہے، پھر جب آپ نے اپنا سراٹھا کر نگاہ آسمان کی طرف دوڑائی تو آسمان تک اس نور کو پہنچتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ آگ نہیں تھی بلکہ نور تھا۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رب العالمین کا نور تھا۔ حضرت موسیٰ متعجب ہو کر ٹھہر گئے تو اس وقت ندا آئی: اَنْعَلْ يَا مَرْسَلِي فِي النَّارِ یعنی وہ ذات نہایت مقدس ہے جو اس آگ میں ہے (1)۔ وَ مَنَ حَوْلَهَا سے مراد فرشتے ہیں یعنی وہ فرشتے بھی مقدس ہیں جو اس کے ارد گرد ہیں۔ یہ قول حضرات ابن عباس، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن اور قوادہ کا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور سونا اس کے شانہ بھی نہیں، وہ تر ازو کو پست اور اونچا کرتا ہے، رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اس کے حضور بلند کئے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے یہ آگ ہے، اگر وہ اسے جٹا دے تو اس کے چہرے کی تجلیاں ہر اس چیز کو جلا ڈالیں جس پر اس کی نگاہ پڑ رہی ہے"۔ پھر راوی حدیث ابو سعید نے یہ آیت اَنْعَلْ يَا مَرْسَلِي... تلاوت کی۔ اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے (2)۔ پھر تشبیہ و تمثیل سے اپنی پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ یعنی وہ اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور اس کی مصنوعات میں سے کوئی چیز اس کا احاطہ نہیں کر سکتی، وہی سب سے بلند، اعلیٰ اور تمام مخلوقات سے مختلف ہے اور زمین و آسمان اسے نہیں گھیر سکتے بلکہ وہی یکتا ہے، نیاز اور مخلوقات کی ممانعت سے پاک اور منزہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ذات کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: يٰمُوسٰى اِنَّا اَنْزَلْنٰكَ الْغُرٰنَ الْكَافِيْنَ یعنی اسے موسیٰ! جو تم سے خطاب اور سرگوشیاں کر رہا ہے، وہ تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو ہر چیز پر غالب اور اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار مطلق اور قدرت کا مذہ پر واضح دلیل ظاہر کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عصا کے زمین پر پھینکنے کا حکم دیا جو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو نبی اپنا عصا زمین پر ڈالا، وہ فوراً ایک بہت بڑے، خوفناک اور سریع الحركت اژدھے کی شکل اختیار کر گیا۔ "جان" اس سانپ کو کہتے ہیں جو سب سے زیادہ پھرتیلا اور تیزی سے حرکت کرتا ہے۔ حدیث شریف میں گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کو تل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے (3)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے عصا کو سانپ کی طرح لہراتے اور پھینکاتے دیکھا تو پینہ پھیر کر بھاگے اور شدت خوف سے اپنے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس وقت ارشاد ہوا: يٰمُوسٰى لَا تَخَفْ... یعنی اس سے مت ڈرو، میں تو تمہیں اپنا بڑا نژدہ رسول اور خلیل اللہ نہی بنانا چاہتا ہوں۔ پھر فرمایا: اِنَّا مَنعْنٰكَ... یہ استثناء منقطع ہے اور اس میں انسان کے لئے بہت بڑی بشارت ہے، وہ یہ کہ جس نے کوئی برا کام کیا پھر

اس سے تو یہ کہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف اس نے رجوع کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر کے اس پر کرم فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: **وَإِنِّي لَنَافِعٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (طہ: 82)** اور میں بلاشبہ اسے بہت بخشے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر مستحکم رہتا ہے۔ **وَمَنْ يَعْصِ مُوسَىٰ أُذُنًا يُحَدِّثْهُمْ نَفْسُهُ..... (النساء: 110)** اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا پائے گا۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر دوسرا معجزہ عطا کرتے ہوئے فرمایا: **وَإِذْ خُلِّيَ بِدَاكٍ.....** اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں۔ جب آپ نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا ہاتھ نکلا۔ فرمایا: **فِي تَسْوِئَةٍ يَتَّبِعُنِي يَوْمَئِذٍ وَعَجَزَ لَنْ كُونَ فَاعِلًا** تو معجزات میں سے ہیں جن کے ساتھ میں تمہاری تائید کروں گا اور ان سے نوازا کر تمہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف روانہ کروں گا تاکہ فرعونوں کے مقابلہ میں انہیں بطور دلیل پیش کیا جاسکے۔ یہ وہ تو معجزات ہیں جن کے متعلق فرمایا: **وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ إِسْمًا إِذْ هَبَسَ (بنی اسرائیل: 101)** اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: **فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَوْمًا** جب یہ واضح اور روشن معجزات فرعونوں نے دیکھے تو کہنے لگے کہ یہ کھلا جادو ہے۔ وہ اپنے ذمہ میں انہیں جادو خیال کئے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے اپنے جادو کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہا لیکن ذلیل و رسوا ہو کر مغلوب اور ناکام ہو گئے۔ فرعونی ظلم اور اتباع حق سے تکبر کی بناء پر ان معجزات کا انکار کرتے تھے حالانکہ ان کے دل ان معجزات کی صداقت اور حقانیت پر یقین کئے ہوئے تھے، اس لئے فرمایا: **فَالْتَفَزُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ** یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! دیکھیں، ان فساد برپا کرنے والوں کا انجام کیا ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک ہی صبح اور یا میں فرق کر کے ہلاک کر دیا۔ اس خطاب سے مقصود ان لوگوں کو خبردار کرنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو جھٹلاتے اور آپ ﷺ کے پیغام کا انکار کرتے ہیں یعنی اے نبی مکرم ﷺ! کو جھٹلانے والو اور آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے والو! خبردار، ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی ایسا عذاب اپنی لپیٹ میں لے لے جس طرح کا عذاب فرعونوں کو پہنچا تھا بلکہ تم تو عذاب کے زیادہ مستحق ہو کیونکہ حضرت محمد ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عظمت اور فضیلت کے مالک ہیں۔ آپ ﷺ کے دلائل و معجزات ان کے دلائل و معجزات سے زیادہ قوی ہیں بلکہ آپ کا تو وجود ہی سراپا معجزہ ہے۔ سابقہ انبیاء آپ کی بشارتیں دیتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے آپ کی اتباع اور تائید کرنے کا عہد لیا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ① وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِمْنَا مَقْطِعَ الطَّيْرِ وَأَوْتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ② إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ③ وَحَسِبَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودَهُ مِنَ الْجِبِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ④ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النُّبْلِ قَالَتْ لَسَمَةٌ يَا أَيُّهَا النُّبْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَتَكُمْ ⑤ لَا يَحْصِيكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَسْعُرُونَ ⑥ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ⑦

”اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو علم۔ اور انہوں نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے برگزیدہ کیا ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر۔ اور جانشین بنے سلیمان داؤد علیہ السلام کے اور فرمایا اے لوگو! ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں۔ بے شک یہی وہ نمایاں بزرگی ہے (جو ہمیں مرحمت ہوئی) اور فراہم کئے گئے سلیمان علیہ السلام کے لئے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے ہیں وہ انہم وضیبا کے پابند ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی سے۔ تو ایک چیونٹی کہنے لگی اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنی بٹوں میں۔ کہیں کچل کر نہ رکھ دیں تمہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر، اور انہیں معلوم ہی نہ ہو (کہ تم پر کیا بزرگی) تو سلیمان علیہ السلام ہنستے ہوئے مسکرائے اس کی اس بات سے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! مجھے تو فیض دے تاکہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے والدین پر نیز (مجھے تو فیض دے کہ) میں وہ نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور شامل کرنے مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں میں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے وہ پیارے بندوں اور نبیوں حضرت داؤد علیہ السلام اور آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو جن انعامات جزیلہ، عنایات عظیمہ، صفات جمیلہ، سعادت دارین، وسیع بادشاہت، مکمل اقتدار اور نبوت و رسالت سے نوازا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے: **وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ**۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نعمتوں سے نوازے اور وہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے افضل ہے، اگر اس کی دلیل درکار ہو تو یہ آیت **وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ**۔ پڑھ لیں۔ جو نعمت حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام کو مرحمت ہوئی، اس سے افضل کون سی نعمت ہو سکتی ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَوَدَّعَسَىٰ لَمُؤْمِنِينَ** کے لفظوں میں ملک و نبوت کی میراث مراد ہے نہ کہ مال کی میراث کیونکہ اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو حضرت داؤد علیہ السلام کی ساری اولاد میں سے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو مخصوص نہ کیا جاتا کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں بلکہ اس سے مراد ملک و نبوت کی وراثت ہے کیونکہ انبیاء کرام اموال کا وارث نہیں بناتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”ہم خصوصاً گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے، ہمارا ترکہ صدقہ ہے“ (2)۔ پھر فرمایا: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ نَهْيُ الْكَلْبِ**۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان نعمتوں کی بابت خبر دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ازانی فرمائی تھیں۔ وسیع سلطنت اور زبردست اقتدار آپ کو بخشا یہاں تک کہ انسان، جن اور پرندے آپ علیہ السلام کے تابع فرمان بنا دیئے گئے۔ آپ پرندوں اور حیوانوں کی بولیاں بھی سمجھ لیتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل و کرم ہے جو کسی اور انسان پر نہیں ہوا۔ بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے حیوانات انسان کی طرح بولتے تھے۔ یہ قول جہالت اور بے علمی پر مبنی ہے۔ اگر واقعی معاملہ ایسا ہوتا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں اور نہ ہی اس سے آپ کی تخصیص کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس وقت سبھی لوگ پرندوں اور جانوروں کی بولیاں سنتے اور سمجھتے تھے لیکن بات اس طرح نہیں جس طرح ان لوگوں کا خیال ہے بلکہ حیوانات، پرندے اور تمام مخلوقات ہمیشہ سے اسی طرح چلے آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعام فرمایا کہ انہیں پرندوں اور حیوانوں کی بولیاں سکھا دیں اس لئے فرمایا: **عَلَّمْنَاهُ** یعنی ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھا دی گئی ہیں اور ضرورت کی ہر چیز فراہم کر دی گئی اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا واضح فضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت داؤد علیہ السلام بہت غیرت والے تھے، جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کر دیے جاتے، پھر آپ کی واپسی تک کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایک دن آپ گھر سے باہر چلے گئے اور دروازے بند کر دیے گئے۔ آپ کی ایک زوجہ جن میں نکلیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک آدمی کھڑا ہے۔ انہوں نے گھر میں موجود افراد سے دریافت کیا کہ یہ شخص گھر میں کہاں سے داخل ہو گیا حالانکہ دروازے بند ہیں؟ اللہ کی قسم! حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے ہماری رسوائی ہوگی۔ اسی اثناء میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی آگئے۔ آپ نے اس آدمی کو گھر کے وسط میں کھڑا دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہ ہوں جسے نہ بادشاہوں کا ڈر ہے اور نہ دربانوں کا خوف۔ یہ سن کر آپ فرمانے لگے کہ تم تو ملک الموت ہو، حکم الہی سر آگھوں پر۔ اسی جگہ آپ کی روح قبض کرنی لگی، سورج کی دھوپ آپ پر پڑنے لگی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر سایہ کرو۔ انہوں نے پر پھیلا کر آپ کو سایہ کر دیا یہاں تک کہ زمین پر تار کی سی چھا گئی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ ایک ایک کر کے اپنے پر سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! پرندوں نے پر کیسے سمیٹے؟ آپ نے اپنا ہاتھ سمیٹ کر اس کی کیفیت بتائی۔ اس دن سرخ رنگ کے گدھ غالب آگئے تھے“ (1)۔ فرمایا: وَقَدْ حَشَا لِسُلَيْمَانَ۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بڑی شان و شوکت کے حامل لشکر تیار کر دیئے گئے جو جنوں، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل تھے۔ اس لشکر کی ترتیب یہ ہوتی کہ آپ کے قریب انسان ہوتے، پھر جن اور پرندے آپ کے سر کے اوپر۔ گرمی میں پرندے اپنے پروں سے سایہ کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَهَمْ يُدْرَعُونَ کا معنی یہ ہے کہ وہ سب ظلم و ستم کے پابند تھے، جس کے لئے جو مقام اور جگہ معین تھی، وہ اس سے سزا و عذاب نہ کرتا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر صنف پر کچھ محافظ مقرر تھے جو انہیں ظلم و ستم اور ترتیب کا پابند رکھتے جیسا کہ بادشاہوں کا دستور ہے (2)۔ پھر فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النُّبِيِّ... یعنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کو لے کر ایسی وادی سے گزرنے لگے جہاں چیونٹیوں کی آبادی تھی، تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اپنی بلوں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر تمہیں روند ڈالیں اور انہیں خیر تک نہ ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس چیونٹی کا نام حرس تھا، وہ خوشیسان قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، انگلی تھی اور بقدر بھیڑیے کے، اسے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ سب چیونٹیاں گھونڈوں کے پاؤں تلے روند دی جائیں گی، اس لئے اس نے انہیں بلوں میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ چیونٹی کی بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام ہنستے ہوئے مسکرائے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے: رَبِّهِمْ أَذْرَعُنِي۔ یعنی اے میرے پروردگار! تو مجھے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا اللہام فرما، جن سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا کہ پرندوں اور حیوانوں کی یولیاں سکھا دیں اور جو انعام تو نے میرے والدین پر فرمایا کہ وہ تجھ پر ایمان لائے اور تیرے حضور سر تسلیم خم کیا اور تو مجھے یہ توفیق بھی مرحمت فرما کہ میں تیری خوشنودی کے لئے نیک کام کروں اور جب میری وفات کا وقت آئے تو تو مجھے اپنے صالح بندوں اور جلیل القدر دوستوں کے ساتھ ملا دے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ وادی شام یا کسی اور جگہ تھی، اس چیونٹی کے کھبوں جیسے دو پر تھے، اسی طرح کے اور بھی اقوال ہیں لیکن یہ تمام لا حاصل ہیں۔ نوف یکالی کا کہنا ہے کہ وہ چیونٹیاں بھیڑیوں جیسی تھیں۔ یہ کاتب کی غلطی کا شاخسانہ ہے اصل میں لفظ ذباب ہے یعنی وہ کھبوں جیسی تھیں لیکن کاتب کی غلطی سے ذباب (بھیڑیے) لکھ دیا گیا۔ الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سمجھ گئے اور اس کی بات پر ہنس دیئے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت

سلیمان علیہ السلام استثناء کے لئے نکلے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی نکالنے ہوئے اور اپنے پاؤں آسمان کی طرف بندھ گئے ہوئے یہ دعا کر رہی ہے: اے اللہ! ہم بھی تیری مخلوق ہیں، پانی کی ہمیں بھی ضرورت ہے، اگر تو نے پانی نہ برسایا تو ہم ہلاک ہو جائیں گی۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا کہ چلو، کسی اور کی دعا سے تمہیں پانی مل گیا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ایک چیونٹی نے کسی نبی کو کاٹ لیا، انہوں نے چیونٹیوں کی آبادی کو آگ لگا دینے کا حکم دے دیا، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے ایک چیونٹی کے کاٹنے پر ایک پوری آبادی ہلاک کر ڈالی جو ہماری تسبیح خواں تھی؟ اس ایک چیونٹی سے ہی انتقام کیوں نہ لیا؟ (2)

وَتَقَعَّدَ الظَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَسْمَى الْهُدُودَ أَمْ كَانَ مِنَ الْعَابِيَيْنِ ۖ لَدَاعِي بَيْتَهُ
عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ۖ أَوْ لَأَ ادْبَحْتَهُ أَوْ لِيَأْتِيَنِي بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ ۖ

”اور آپ نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا۔ تو فرمانے لگے کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج) ہد نہ نظر نہیں آ رہا۔ یا وہ ہے ہی غیر حاضر۔ (اگر وہ غیر حاضر ہے) تو میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا یا اسے لانا پڑے گی میرے پاس کوئی روشن سند“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ ہد بہد، علم ہندسہ کا ماہر تھا اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے پانی کی نشاندہی کیا کرتا تھا۔ جب آپ علیہ السلام جنگل میں ہوتے تو پانی تلاش کرنے کی ذمہ داری اسے سونپ دیتے۔ زمین کے اندر کا پانی اسے اس طرح دکھائی دیتا جس طرح انسان کو زمین کے اوپر پڑی ہوئی چیز نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ پانی کی نشاندہی کرویتا اور سطح زمین سے اس کی گہرائی بھی بتا دیتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات کو حکم دیتے وہ اس جگہ کتواں کھود لیتے، اس طرح وہاں سے پانی پھوٹ پڑتا۔ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کسی جنگل میں اترے، پرندوں کا جائزہ لیا لیکن ہد بہد دکھائی نہ دیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مَا لِيَ لَا أَسْمَى الْهُدُودَ ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ تفسیر بیان کی۔ محفل میں اس وقت نافع بن ازرق خارجی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آپ پر برہت زیادہ اعتراضات کیا کرتا تھا، کہنے لگا: بھئیے، آج آپ معلوب ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ ہد بہد کے متعلق بتا رہے ہیں کہ وہ زمین کے نیچے کا پانی دیکھ لیا کرتا تھا حالانکہ ایک بچہ جال بچھا کر اسے مٹی سے ڈھانپ دیتا ہے اور وہ انہ ڈال کر ہد بہد کو شکار کر لیتا ہے۔ زمین کے اوپر رکھا ہوا جال تو اسے نظر آتا نہیں، بھلا زمین کے نیچے پانی کیسے دیکھتا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس شخص کی اس لاف زنی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ ابن عباس لا جواب ہو گیا تو میں اسے جواب ہی نہ دیتا۔ پھر آپ اسے فرمانے لگے کہ جب تقدیر آ جاتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور احتیاط جاتی رہتی ہے۔ اس پر نافع لا جواب ہو کر کہنے لگا: بخدا! آئندہ میں کبھی بھی قرآن کریم کے متعلق آپ سے بحث نہیں کروں گا (3)۔ حضرت عبداللہ برزی ایک صالح شخص تھے۔ پیر اور ہجرات کا روزہ رکھنا ان کا معمول تھا۔ اسی سال کی عمر تھی اور ایک آنکھ سے کانٹے تھے۔ ابو سلیمان بن زید نے ان سے ایک آنکھ کے جاتے رہنے کا سبب دریافت کیا لیکن انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ وہ مسلسل کئی ماہ اصرار کرتے رہے۔ جب اصرار حد سے بڑھ گیا تو وہ بتانے لگے کہ دو خراسانی میرے پاس جمعہ کے دن ہرزہ (دشمن کے قریب شہر) میں آئے اور مجھے کہنے لگے کہ ہرزہ کی وادی کی طرف ہماری رہنمائی کریں۔ میں انہیں وہاں لے گیا۔ انہوں نے

انگلیٹھیاں نکالیں اور ان میں بہت زیادہ بخور جلائے یہاں تک کہ وادی دھوئیں سے اٹ گئی۔ ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہو گئی لیکن یہ دونوں بے نیازی سے بیٹھے کسی کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ آخر کار ہاتھ بھر کا ایک سانپ نکلا جس کی آنکھیں دینار کی طرح چمک رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر یہ بہت مسرور ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارا سال بھر کا سفر مایگانہ نہیں گیا۔ انہوں نے انگلیٹھیاں توڑ ڈالیں اور سانپ پکڑ لیا، پھر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر وہی سلائی اپنی آنکھوں میں پھیر لی۔ میں نے ان سے تقاضا کیا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو لیکن انہوں نے ایب کرنے سے انکار کر دیا۔ میرے پیہم اصرار اور تجزئی کی دھمکی سے متاثر ہو کر انہوں نے میری دائیں آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی۔ اب زمین مجھے شیشے کی طرح نظر آنے لگی اور اس کے نیچے کی چیزیں مجھے صاف دکھائی دینے لگیں۔ وہ مجھے کہنے لگے کہ آپ کچھ دور ہمارے ساتھ چلیں۔ میں ان سے گفتگو کرتا ہوا ان کے ساتھ چل پڑا۔ جب ہم سستی سے کافی دور نکل گئے تو انہوں نے مجھے پکڑ کر باندھ دیا اور ایک نے میری، وہ آنکھ پھوڑ کر باہر پھینک دی اور دونوں چلتے بنے۔ میں یونہی بندھا ہوا پڑا تھا کہ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا۔ انہوں نے میری حالت زار پر ترس کھاتے ہوئے مجھے بندھنوں سے رہائی دلوائی۔ یہ ہے میری آنکھ کا قصہ۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بد بھکانہ مہاجر تھا (1)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں ہر قسم کے پرندے باری باری حاضر ہوتے۔ ایک مرتبہ سب پرندے حاضر ہوئے بجز بد بھکے، اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے مجھے بد بھکے دکھائی نہیں دے رہا۔ میں اسے نہیں دیکھ سکا یا وہ موجود ہی نہیں ہے (2)۔ فرمایا: لَا عَيْنٌ يَنْهَى عَنِ الْبَاطِلِ، یعنی میں اس کے پر نچوڑا دوں گا، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے (3)۔ عبد اللہ بن شداد اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ میں اس کے پر نچوڑا کر اسے دھوپ میں پھینک دوں گا۔ اسی طرح دیگر حضرات نے بھی اس کا تقریباً یہی معنی بیان کیا ہے کہ میں اس کے پر نچوڑا کر اسے پھینک دوں گا اور کیزے سے کوزے اور چوہیاں اسے کھا جائیں گی، یا میں اسے فوج کر دوں گا یا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے۔ سفیان بن عیینہ اور عبد اللہ بن شداد بیان کرتے ہیں کہ جب بد بھکے آیا تو پرندے اسے کہنے لگے کہ آج تمہاری خیر نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تمہیں قتل کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ کیا آپ نے استثناء کی؟ وہ کہنے لگے: ہاں، آپ نے یہ فرمایا: لَا عَيْنٌ يَنْهَى عَنِ الْبَاطِلِ۔ وہ کہنے لگا کہ پھر تو میں بیچ گیا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کے باعث نجات دی۔

فَمَنْتَ غَيْرَ بَعِيْبٍ فَقَالَ أَحَطُّ بِمَا لَمْ تَحِطْ بِهِ وَجُنَّتْ مِنْ سَبَابِ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ وَإِنِّي
وَجَدْتُ امْرَأَةً تَسْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۖ وَجَدْتُنَّهَا
فَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَرَبِّنَّ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ
عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۚ أَلَا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْغَبَّ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُحْفُونَ وَمَا تُعْمُونَ ۚ ۞ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۚ

”پس آجھ زیادہ دیر نہ گزری (کہ وہ آ گیا) اور کہنے لگا میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہ تھی، اور (وہ یہ

کہ) میں لے آیا ہوں آپ کے پاس ملک سہا سے ایک بھینی خیر۔ میں نے پایا ایک عورت و جوان کی حکمران ہے اور اسے دی گئی ہے ہر قسم کی چیز سے اور اس کا ایک عظیم (الشان) تخت ہے۔ میں نے پایا ہے اسے اور اس کی قوم کو کہ وہ سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور آراستہ کر دیئے ہیں ان کے لئے شیطان نے ان کے (یہ مشرکانہ) اعمال۔ پس اس نے روک دیا ہے انہیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔“

تھوڑی دیر کی غیر حاضری کے بعد بد مذہبیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کرنے لگا کہ میں ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں اور میں سہا سے ایک بھینی اور گچی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔ سہا سے مراد شاہان یمن (حمیر) ہیں۔ پھر ہد کہنے لگا: ائْتَمَلْ وَجَدْتُمْ ... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت جو عورت ان کی حکمران تھی، اس کا نام بلقیس بنت شریل تھا۔ (1) فتاویٰ کہتے ہیں کہ بلقیس کی ماں جدی تھی، اس کے پاؤں کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا۔ زبیر بن جعد کہتے ہیں کہ بلقیس بنت شریل بن مالک بن ریان کی ماں کا نام فارغہ تھا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کے باپ کا نام ذی شریخ اور ماں کا نام بلتہ تھا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بلقیس کے ساتھ ایک لاکھ سردار ہوتے اور ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ جنگجو ہوتے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ بلقیس کے ماتحت بارہ ہزار سردار اور ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ جنگجو تھے۔ اس کی مجلس مشورت تین سو بارہ افراد پر مشتمل تھی، ان میں سے ہر ایک فرد کے ماتحت دس ہزار کی جمعیت تھی۔ صنعاء سے تین میل دور مارب کے علاقہ پر اس کی بادشاہت قائم تھی۔ اس کا زیادہ تر حصہ یمن میں ہے۔ یہی قول زیادہ قرین قیاس ہے۔ ہد ہمزید کہنے لگا: وَ اُذِنتُہَا ... یعنی اسے وہ تمام دنیاوی ساز و سامان اور اسباب مہیا کئے گئے ہیں جن کی ضرورت ایک صاحب اقتدار بادشاہ کو ہوا کرتی ہے اور اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے جو سونے اور انواع اقسام کے موتیوں سے آراستہ ہے۔ زبیر بن جعد کہتے ہیں کہ تخت بلقیس سونے کا بنا ہوا تھا اور یا قوت اور زمرہ سے مزین تھا۔ اس کا طول اسی ہاتھ اور عرض چالیس ہاتھ تھا۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ بلقیس کا تخت سونے کا تھا اور اس میں یا قوت، زمرہ اور موتیوں کے بڑاؤ کا کام ہوا تھا۔ چھ سو عورتیں ملکہ کی خدمت گزار تھیں۔ علماء تاریخ کا کہنا ہے کہ یہ تخت ایک عظیم الشان اور بہت بڑے پختہ محل میں رکھا ہوا تھا جس کی مشرقی جانب تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنی تعداد میں ہی مغربی جانب۔ اس کی وضع ایسی تھی کہ ہر روز سورج ایک طاق سے داخل ہوتا اور اس کے بالعمال طاق سے غروب ہوتا، اس کے در باری صبح و شام اسے سجدہ کر لیتے، اس لئے فرمایا: وَ جَدَّتْہَا وَ قَوْمَہَا۔ یعنی میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش میں لگے ہوئے تھے، شیطان نے ان کے اعمال بد ان کے لئے آراستہ کر دیئے اور انہیں راہ راست سے پریشان کر دیا، سو وہ حق کی راہ کو پہچانتے ہی نہیں جو یہ ہے کہ سورج، چاند، ستاروں اور دیگر اشیاء کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا جائے جیسا کہ فرمایا: وَ مِمَّنْ اٰتٰیوْا اٰیٰتِہٖمُ وَ النَّہَارُ وَ اللَّیْلُ وَ النَّفْسُ وَ النَّفْسُ لَا یَسْجُدُوْنَ لِلْمَیْمٰنِیِّ وَ لَا لِشَمٰلِہِمْ وَ لَا لِشَیْءٍ مِّنْہَا وَ اٰیٰتِہٖمُ اَلَّذِیْنَ حَقَّقْنَا لَہُمْ اِنَّا لَنَعْبُدُوْنَ (حم السجدة: 37) ”اور اس کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی، سورج بھی ہے اور چاند بھی، مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو۔“ ایک دوسری قرأت میں

”اَلَا يَسْجُدُوْا“ کی بجائے ”اَلَا يَا اسْجُدُوْا“ پڑھا گیا ہے (1)۔ اس صورت میں ”اَلَا“ استخراح کے لئے اور ”يَا“ نداء کے لئے ہو گا۔ منادی محذوف ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی: ”اَلَا يَا قَوْمِ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ“۔ حضرت ابن عباس، کرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس فرمان اَلَّذِي نَبِيُّكُمْ يَخْرُجُ عَلَيْهِ... کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ جو زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔ سعید بن مسیب رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”العجب“ کا معنی ہے پانی۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر قسم کا رزق ہے: آسمان سے پانی اور زمین سے پیداوار۔ یہ معنی ہر بدی کا کام کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جس میں بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ خصوصیت تھی کہ وہ زمین کے نیچے چلتے ہوئے پانی کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ پھر فرمایا: وَيَعْلَمُ مَا تَحْفَوْنَ وَ مَا تُعْتَبُونَ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے ان تمام اقوال و افعال کو جانتا ہے جنہیں وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: سَوَّآءٌ لَّكُمْ مَنَ اسَرَ النُّقُورَ وَمَنَ جَهَرَ بِهٖ وَمَنَ هُوَ مَسْتَلْتَفٍ بِالَّذِي نُوَسِّسُ بِهٖ اَيُّهَا النَّبِيُّ (الرعد: 10) ”سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو راست کے وقت چھپا رہتا ہے اور وہ بھی جو دن کو چھتا رہتا ہے“۔ اگلی آیت میں فرمایا: اِنَّ ذٰلِكَ اِلٰهٌ اِلٰهًا هُوَ... یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے جس سے بڑی چیز کوئی نہیں۔ بدہد چونکہ خیر، صرف خدائے واحد کی عبادت اور صرف اسے ہی حمد و کرنے کی دعوت دینے والا تھا، اس لئے اس کے قتل کی ممانعت کر دی گئی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چار جانوروں کے قتل سے منع فرمایا: ”جیونٹی، شہد کی مکھی، بدہد اور لکڑا“ (2)۔

قَالَ سَنَنْظُرُ: اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتِ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اِذْ هَبْ بِرَبِّيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ صَادًا يَّجْعُوْنَ ۝ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَسُوْرُ اِنِّيْ اَلْقَيْتُ اِلَيْكَ كِتٰبًا كَرِيْمًا ۝ اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَا تَتَعَوَّذُ عَلٰی وَاَتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

”آپ نے فرمایا ہم پوری تحقیق کریں گے اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی کرنے والوں سے ہے۔ لے جا میرا یہ مکتوب اور پہنچا دے ان کی طرف پھر ہمت کر کھڑا ہو جان سے اور دیکھ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرتے ہیں۔ (خط پڑھ کر) ملکہ نے کہا اے مردارانِ قوم! پہنچایا گیا ہے میری طرف ایک عزت والا خط۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمن (اور) رحیم ہے۔ تم لوگ غرور و تکبر نہ کرو میرے عقاب میں اور چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر۔“

بدہد نے جب اہل سہاروان کی ملکہ کے متعلق حضرت سلیمان علیہ السلام کو آگاہ کیا تو آپ فرمانے لگے کہ ہم تحقیق کریں گے کہ کیا تو نے سچ بولا ہے یا سزا سے بچنے کے لئے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ملکہ اور اس کی قوم کے نام ایک مکتوب تحریر کر کے بدہد کے حوالے کیا اور فرمایا: اِذْ هَبْ بِرَبِّيْ چنانچہ بدہد اس خط کو اپنے پر یا چوچ میں لے کر پرواز کرتے ہوئے بلقیس کے محل تک پہنچ گیا۔ وہ اس وقت اپنے خلوت خانہ میں تھی۔ بدہد نے ایک روزن میں سے وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہٹ گیا۔ دیکھ کر ملکہ کو سخت حیرت ہوئی اور کچھ وہشت بھی محسوس کی، پھر خط اٹھایا اور اسے کھول کر پڑھا تو اس کا مضمون یہ تھا: اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ۔ مُسْلِمِيْنَ اسی وقت اس نے اپنے امراء، وزراء اور اعیان مملکت کی مجلس مشاورت منعقد کی اور انہیں کہا: يَا أَيُّهَا الْمَسُوْرُ اِنِّيْ اَلْقَيْتُ

اِنَّ يَكْتُمُ كَرِيْمًا۔ ملکہ کے خط کو کریم (عزت والا) کہنے کی وجہ یہ تھی کہ خط کا معاملہ بہت حیرت انگیز اور عجیب و غریب تھا، ایک پرندے نے یہ خط اس تک پہنچایا پھر وہ ادب سے ایک طرف ہٹ گیا۔ یہ ایسا امر ہے جس پر کوئی بادشاہ قدرت نہیں رکھتا۔ جب اس نے دربار یوں کو یہ خط پڑھ کر سنایا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ خط اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور ان میں آپ کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ وہ خط ایجاز، فصاحت و بلاغت، جامعیت اور دلکش اسلوب کا مرتق تھا۔ عماء کرام کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے خط میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے ایک ایسی آیت کا علم ہے جو مجھے سے پہلے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر نہیں اتری“۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کون سی آیت؟ آپ نے فرمایا: ”میں مسجد سے جانے سے پہلے تمہیں بتا دوں گا۔“ اب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگے اور اپنا ایک قدم باہر رکھ دیا تو میں نے سوچا کہ شاید آپ ﷺ بھول گئے۔ اسنے میں آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور یہ آیت اِنَّ مِنْ سَلِيْمِيْنَ... پڑھی۔ یہ حدیث فریب اور اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت میمون بن مہران کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ ”بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ“ تحریر کیا کرتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا شروع کر دیا۔ فرمایا: اَلَّا تَحْمِلُوْنَ اَعْلٰی۔ یعنی میرے مقابلہ میں سرکشی اور تکبر نہ کرو بلکہ موحد، متخلص اور مطہج بن کر میرے پاس چلے آؤ۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا اَفْئُوْنِيْ فِيْ اَمْرِىْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْا ۝۱۰
 قَالُوْا خُنُّ اَوْ لُوْا فَاَوْقُوْهُ وَاُولٰٓئِكَ اَبٰٓسٌ شَدِيْدٌ ۝۱۱
 قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا اَقْرَبِيَةً اَفْسَدُوْهُ وَاَوْجَعُوْهُ اَعْرَآةً اَوْ اَهْلًا اَوْ اَذَلَّةً ۝۱۲
 وَيَفْعَلُوْنَ ۝۱۳ وَرَآئِيْ مَرْسَلَةٌ اِلَيْهِمْ يَهْدِيْتُهُمْ فَيَقْضُوْنَ لِيْمَ يَرْجِعُوْنَ السُّرَسُوْنَ ۝۱۴

”ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! مجھے مشورہ دو میرے اس معاملہ میں۔ میں کوئی اتنی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے ہم بڑے طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔ اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کر لیں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں۔ ملکہ نے کہا اس میں شک نہیں کہ بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور بتا دیتے ہیں وہاں کے معزز شہریوں کو ذلیل۔ اور یہی ان کا دستور ہے۔ (اس لئے جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں) اور میں سمجھتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ بھجوا دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں“۔

ملکہ نے شاہی مشیروں کو خط پڑھ کر سنایا اور اس معاملہ میں ان سے مشورہ طلب کرتے ہوئے کہنے لگی: قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا اَفْئُوْنِيْ۔۔۔ جواب میں وہ کہنے لگے: اَفْئُوْنِيْ اَوْ لُوْا فَاَوْقُوْهُ وَاُولٰٓئِكَ اَبٰٓسٌ شَدِيْدٌ یعنی ہم طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔ بعد ازاں وہ فیصلہ کا اختیار ملکہ کو سونپتے ہوئے کہنے لگے: وَاُولٰٓئِكَ اَبٰٓسٌ شَدِيْدٌ۔ یعنی اگر آپ جنگ پر آمادہ ہوں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی ہماری طرف سے کوئی رکاوٹ ہے، بہر صورت فیصلہ کا اختیار آپ کو حاصل ہے، آپ حکم کریں، ہم اس کی پیروی کریں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشیروں نے فیصلہ کا اختیار ملکہ کے سپرد کر دیا جو سخت اضطراب کا شکار تھی، وہ اپنے درباریوں سے زیادہ محتاط اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت و سلطوت سے زیادہ واقف تھی، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ آپ کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس میں جن، انسان

اور پرندے شامل تھے اور بد بد کے ذریعے موصول خط کا عجیب و غریب معاملہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ وہ اپنے درباریوں سے کہنے لگی کہ مجھے خدشہ ہے کہ جنگ کی صورت میں سلیمان اپنا لشکر لے ہم پر چڑھائی کریں گے اور بلا استثنا ہم سب کو برباد کریں گے، اس لئے کہنے لگی: إِنَّ الْمَلِكُ یعنی بادشاہ جب زبردستی کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے وہ برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں خصوصاً اعیان مملکت اور قائدین لشکر کو قتل کر کے یا قیدی بنا کر ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں اور یہی ان کا دستور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے قول کی تائید اپنے اس فرمان وَ كَذَلِكِ يَفْعَلُونَ سے کی (1)، پھر ملکہ نے ایک چال چلتے ہوئے صلح پر آمادگی ظاہر کی اور کہنے لگی: وَإِنِّي مُؤْمِنَةٌ۔ یعنی میں ایک گرانقدر تھوڑی نہیں سمجھتی ہوں جو ان کے شاہین شان ہوگا، پھر دیکھوں گی کہ وہ اس کے بعد رسوئی کا اظہار کرتے ہیں۔ بہت ممکن ہے وہ ہمارا تھوڑا قبول کر کے ہم سے صرف نظر کر لیں یا ہم پر سالانہ خراج مقرر کر کے جنگ سے باز رہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ملکہ نے قبول اسلام میں کیسی دانائی سے کام لیا، اسے معلوم تھا کہ تھوڑی بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملکہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اگر سلیمان نے ہدیہ قبول کر لیا تو مجھ لیٹاؤ بادشاہ ہیں، اس لئے ان سے جنگ کرنا اور اگر انہوں نے ہمارا ہدیہ قبول نہ کیا تو مجھ لیٹاؤ نبی ہیں، اس لئے ان کی اتباع کرنا۔

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتَيْتُكُمْ بِسَالٍ مِّمَّا آتَاكُمْ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِعِدَائِكُمْ لَكُمْ عُقُوبٌ ۝ إِسْرَافٌ إِلَيْهِمْ فَلَمَّا بَيَّنَّاهُمْ بِحُجُودِهَا قَبِلَ رَبُّهُمْ مِنْهَا وَ لَنُحْزِنَهُمْ مِنْهَا آذَانًا وَ هُمْ صَاعِقُونَ ۝

”سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا کیا تم لوگ ماں سے میری مدد کرنا چاہتے ہو (سنو!) جو عطا فرمایا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے۔ بلکہ تم تو اپنے ہدیہ پر پھولے نہیں سنا رہے (گویا کوئی بڑی ناور چیز لائے ہو) تو واپس چلا جان کے پاس اور ہم آ رہے ہیں ان کی طرف اپنے لشکر لے کر جن کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم یقیناً نکال دیں گے انہیں اس شہر سے ذلیل کر کے اور وہ خوار اور رسوا ہو چکے ہوں گے۔“

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جو تھوڑا بھیجا تھا، وہ سونے، ہیرے، جواہرات وغیرہ پر مشتمل تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس نے سونے کی ایک اینٹ بھیجی تھی۔ صحیح یہ ہے کہ اس نے سونے کا ایک برتن تھوڑا میں روانہ کیا تھا، حضرت مجاہد، سعید بن جبیر وغیرہ کہتے ہیں کہ اس نے لڑکوں کے بھیس میں کچھ لڑکیاں اور لڑکیوں کے بھیس میں کچھ لڑکے روانہ کئے اور کہنے لگی کہ اگر سلیمان ان کے درمیان تفریق کر گئے تو وہ واقعی نبی ہیں۔ جب یہ لڑکے لڑکیاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں وضو کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ لڑکیاں اپنے ہاتھوں پر پانی اندھینے لگیں اور لڑکے برتن میں ڈال کر چلو بھرنے لگے، اس سے آپ علیہ السلام نے دونوں میں امتیاز کر لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ لڑکیوں نے پہلے اپنے ہاتھوں کا اندرونی حصہ دھویا اور لڑکوں نے ان کے برعکس پہلے بیرونی حصہ دھویا۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ لڑکیوں نے اپنے ہاتھ دھوتے وقت انگلیوں سے آغاز کیا اور کہنوں تک بازو دھوئے لیکن لڑکوں نے کہنوں سے آغاز کرتے ہوئے انگلیوں تک ہاتھ دھوئے، بہر صورت ان تمام اقوال میں کوئی منافات اور تضاد نہیں۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ ملکہ نے

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف ایک برتن بھیجا اور فرمائش کی کہ آپ اسے ایسے پانی سے بھر دیں جو نہ آسمان کا ہو اور نہ زمین کا۔ چنانچہ آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پیسند سے وہ برتن بھر دیا، اسی طرح اس نے ایک مٹکا اور لڑی بھیجی تاکہ آپ اسے اس میں پروریں، مذکورہ اقوال میں سے اکثر اسرائیلی روایات میں سے لئے گئے ہیں جن کی صحت کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مکہ کے تختے کی طرف نہ تو التفات کیا اور نہ اس میں دلچسپی کا اظہار کیا بلکہ اس سے اعراض برتتے ہوئے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمانے لگے: اَشْهَدُ اَنْ لَا اَشْرَکَ لَكَ . یعنی کیا تم مجھے رشوت پیش کرتے ہو تاکہ میں تمہیں تمہارے شرک اور بادشاہت پر برقرار رکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس بادشاہت، مال و دولت اور لاؤ لاشکر سے نواز رکھا ہے وہ تمہارے مال و متاع سے بہتر ہے، بلکہ تم اس فخرت کے لوگ ہو کہ تمہا تکف قبول کر کے جھک جاتے ہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو سن امیر صری رضامندی اسی میں ہے کہ اسلام قبول کر لو ورنہ تلواریں فیصلہ کرے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے سونے اور چاندی کے ایک ہزار محلات تیار کر دیئے۔ جب مکہ کے قاصدوں نے انہیں دیکھا تو وہ بخود و کراہت میں کہنے لگے کہ ایسی شان و شوکت والے بادشاہ کے سامنے ہمارے تختہ کی کیا حیثیت ہے۔ اس میں اس بات کا جواز ہے کہ قاصدوں اور سفارتکاروں کے سامنے اظہار زینت میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام قاصدوں سے فرمانے لگے: اِنْرَجِعْ اِلَيْهِمْ یعنی یہ ہدیے ان کے پاس واپس لے جاؤ اور انہیں یہ پیغام دے دو کہ ہم ایسا لشکر لے کر حرمہ آور ہونے والے ہیں جس کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم انہیں ان کے ملک سے ذلیل و رسوا کر کے نکال باہر کریں گے۔ جب قاصد تھک و افسوس لے کر مکہ کے پاس پہنچے اور اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام پہنچایا تو اس نے اور اس کی قوم نے اسے سن کر اطاعت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنا لشکر اپنے ساتھ لیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اتباع اور قبول اسلام کی نیت سے آپ کی طرف چل پڑی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان لوگوں کے ارادہ کی بابت علم ہو تو آپ بہت مسرور ہوئے۔

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَسْئُورُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرَشِيهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَنِي مُسْلِمِينَ ۖ قَالَ عَفْرَيْتُ
 مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْكَ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ۖ قَالَ
 الَّذِي عَشِدَّاءُ عِلْمٍ ۖ مِنَ الْكُتُبِ ۖ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۖ فَلَمَّا رَأَاهُ
 مُسْتَقِرًّا عَشِدَّاءُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُغَنِي آسْكَرُهُ أَمْ أَكْفُرُهُ ۖ وَصَنِّ شِكْرًا
 فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۖ

”آپ نے فرمایا اے (میرے) درباریو! کون تم سے لے آئے گا میرے پاس اس کے تخت کو اس سے پہلے کہ وہ آجائیں میری خدمت میں فرمانبردار بن کر۔ عرض کی ایک عفریت نے جنات میں سے (کھم ہو تو) میں لے آتا ہوں آپ کے پاس اسے پیش ازین کہ آپ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔ اور بے شک میں اس کو اٹھالانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امین بھی ہوں۔ عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے۔ پھر جب آپ نے اسے دیکھا کہ وہ رکھا ہوا ہے آپ کے نزدیک تو فرمانے لگے یہ میرے رب کا

نفل (وکریم) ہے۔ تاکہ وہ آزمائے مجھے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے۔ اور جو ناشکری کرتا ہے (دو اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے (اور) کریم بھی۔‘

جب قہ صد حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام لے کر ملکہ بلقیس کے پاس لوٹے تو وہ کہنے لگی کہ اب مجھے سمجھ آگئی ہے کہ آپ بادشاہ نہیں۔ ہم نہ تو ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی ہمیں ان کے ساتھ تکبر و غرور کرنے سے کچھ حاصل ہوگا۔ چنانچہ اس نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آپ کے پاس حاضر ہو رہی ہوں تاکہ میں اپنی آنکھوں سے آپ کے احوال کا مشاہدہ کروں اور آپ کے دین کے متعلق معلومات حاصل کروں۔ پھر اس نے ہیرے جو ہرات سے مزین اپنا سنہری تخت منات محلات میں منتقل کر دیا اور اپنے نائب کو امور سلطنت کی انجام دہی کی ذمہ داری سونپتے ہوئے تاکید کی کہ تخت کی حفاظت میں کوئی وقتہ فرو گذاشت نہ کرنا، کوئی شخص اس تک نہ پہنچنے پائے بلکہ کوئی اسے دیکھنے کی بھی جرأت نہ کرے۔ یہ تاکید کی احکام صادر کرنے کے بعد اس نے یمن کے بارہ ہزار سردار اپنے ساتھ لئے جن میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزار با افراد تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف مازہ سفر ہو گئی۔ جنات ملکہ کی پل پل کی خبر آپ علیہ السلام تک پہنچا رہے تھے۔ جب وہ قریب پہنچ گئی تو آپ نے اپنے دربار میں موجود جن وانس سے فرمایا: يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ أَأَنْتُمْ... قنادہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت بلقیس کا تذکرہ ہوا کہ وہ سوئے کا بنا ہوا ہے، اس کے پائے ہیرے جو ہرات کے ہیں، اس پر ریشم کے پردے لٹکتے ہیں اور اس کے نور دروازے ہیں تو یہ آپ کو بہت پسند آیا۔ یہ بات آپ کو ناپسند تھی کہ ان لوگوں کے اسلام لانے کے بعد آپ وہ تخت لے میں کیونکہ آپ کو علم تھا کہ جب وہ اسلام لے آئیں گے تو ان کے مال اور ان کے خون حرام ہو جائیں گے (1)۔ عطاء فرخسانی، صدی اور زبیر بن محمد کا بھی یہی قول ہے۔ آپ کا حکم سن کر کوزن نامی پہاڑ جیسا ایک سرکش جن کہنے لگا: اَنَا أَتَيْتُكَ بِهِ... یعنی آپ کے مجلس برخواست کرنے سے پہلے پہلے میں اسے لے آؤں گا۔ (2) صدی وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے اور ان کے تنازعات حل کرنے اور انصاف فراہم کرنے کے لئے صبح سے زوال آفتاب تک دربار عام لگاتے وہ جن مزید کہنے لگا: وَرَأَيْتَ عَيْنِي تَقْوِي أَوْ مَنِي عَيْنِي مَعِي فِي اس تخت کو اٹھانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور اس میں جو قیمتی جوہرت جڑے ہوئے ہیں، ان پر امین بھی ہوں اور ان میں ہرگز خیانت نہیں کروں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ وہ تخت اس سے بھی پہلے میرے پاس پہنچ جائے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس تخت کو منگوانے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک غرض تو اس شان و شوکت اور قوت و اقتدار کا اظہار تھا جس سے صرف آپ کو نوازا گیا اور دوسری غرض ایک عظیم الشان معجزے کا اظہار تھا تاکہ بلقیس کے سامنے یہ معجزہ آپ کی نبوت کی دلیل بن جائے کہ ان کی آمد سے پہلے پہلے آپ نے وہ تخت منگوا لیا جو سات محلات میں منتقل تھا اور پہریدار اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے جلدی تخت لانے کا تقاضا کیا تو وہ شخص بلا جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول یہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب آصف تھے۔ ان کے باپ کا نام برخیا تھا۔ یہ صدیق تھے اور ام اعظم جانتے تھے۔ قنادہ کہتے ہیں کہ یہ یوسن تھے اور ان کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان کا نام اسطوم تھا۔ قنادہ سے ایک دوسری روایت میں ان کا نام بلینجا منقول ہے۔ زبیر بن محمد کہتے ہیں کہ ان کا لقب ذوالنور تھا۔ عبد اللہ بن ابیہعہ کا خیال ہے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ وہ کہنے لگے: اَنَا أَتَيْتُكَ بِهِ

سَبِّ الْعُلَمَاءِ ۝۳۰

”آپ نے حکم دیا شکل بدل دو اس کے لئے اس کے تحت کی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے ان لوگوں سے جو حقیقت کو نہیں پہنچتے۔ سو جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ کہنے لگی یہ تو ہو بہو وہی ہے اور ہمیں اطلاع مل گئی تھی اس واقعہ کی اس سے پہلے اور ہم تو فرمانبردار بن کر حاضر ہوئے ہیں۔ اور روک رکھا تھا اسے (ایمان لانے سے) ان باتوں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ کے سوا۔ بے شک وہ قوم کفار سے تھی۔ اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ۔ پس جب اس نے دیکھا اس (کے بلوریں فرش) کو تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہری پانی ہے اور اس نے کپڑا اٹھا لیا اپنی دونوں پنڈلیوں سے۔ آپ نے فرمایا (یہ پانی نہیں) یہ پتھر کا محل ہے بلور کا بنا ہوا (اس کی آنکھیں کھل گئیں) کہنے لگی اے میرے رب! میں (آج تک) ظلم ڈھاتی رہی ہوں اپنی جان پر اور ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“

بلیغیوں کے پہنچنے سے پہلے جب اس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے اس میں کچھ رو رو بدل کرنے کا حکم دیا تاکہ ملکہ کی آزمائش کی جاسکے کہ آیا وہ اپنے تخت کو پہنچاتی ہے یا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت میں کچھ پتھر اور جواہرات نکلوا دیئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آپ نے اس کے رنگ و روغن میں تبدیلی کروا دی۔ مکرر کہتے ہیں کہ اس میں کچھ کمی بیشی کر دی گئی۔ فسادہ کہتے ہیں کہ تخت کے زیریں حصہ کو بالائی اور سامنے والے حصہ کو پچھلا حصہ بنا دیا گیا، علاوہ ازیں کمی بیشی کر دی۔ جب ملکہ بلیغیوں آئی تو تبدیلی شدہ تخت اس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ تمہارا تخت ہے۔ ملکہ بہت غمگین، زبردست، ہوشیار اور محتاط تھی، اس لئے اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ وہی تخت ہے کیونکہ وہ تو بہت دور یمن میں پڑا ہوا تھا لیکن یہ بھی نہیں کہا کہ یہ کوئی اور تخت ہے کیونکہ وہ اپنے تخت کے آثار اور علامات دیکھ چکی تھی اگرچہ اس میں رو رو بدل کر دیا گیا تھا اس لئے اس نے کمال دانائی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے تشبیہ کا اسلوب اختیار کیا اور کہا: كَاغُذٌ هُوَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى كَذِبِهَا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کا یہ حصہ وَ اَوْفَيْتُنَا الْعَذَابَ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے (1) اور بقول مجاہد اور سعید بن جبیر یہ آیت وَ صَدَّهَا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کلام کا ترجمہ ہے۔ حضرات مجاہد اور سعید کا یہ قول عمدہ ہے۔ ابن جریر کا بھی یہی قول ہے (2)۔ پھر ابن جریر کہتے ہیں کہ صَدَّ هَاكَ ضَمِيرُ فَاعِلٍ كَا مَرَجٍ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی، مفہوم یہ ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام (یا اللہ تعالیٰ) نے اسے غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا کیونکہ اس کا تعلق کافروں سے تھا۔ میں کہتا ہوں کہ مجاہد کا قول اس کی تائید کرتا ہے کہ ملکہ نے محل میں داخل ہونے کے بعد اسلام لانے کا اعلان کیا اس کا بیان عقرب ہوگا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: قَبِيلٌ نَهَاذٌ حُلِي۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے بلور کا ایک بہت بڑا عظیم الشان محل تعمیر کیا اور اس کے بلوریں فرش کے نیچے پانی جاری کروا دیا۔ انجان شخص یہی سمجھتا کہ یہ پانی ہے حالانکہ پانی خشکے کے فرش کے نیچے تھا۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کرشمہ سازی سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی غرض کیا تھی۔ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن باوجود اس کے کہ وہ بہت حسین و جمیل تھی، اس کے متعلق آپ نے سن رکھا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بہت زیادہ بال ہیں اور اس کے منٹھے چو پاؤں کے کھروں جیسے ہیں۔ اس بات کی تحقیق کے لئے

آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ جب وہ محل میں داخل ہوئی اور اس نے اپنی پنڈلیوں سے پانچے اٹھائے تو آپ نے دیکھا کہ اس کی پنڈلیاں اور پاؤں بہت خوبصورت اور بے عیب ہیں۔ چونکہ وہ غیر شادی شدہ تھی، اس لئے اس کی پنڈلیوں پر بال تھے۔ آپ علیہ السلام نے اس سے اسے ساتھ یہ بال منڈوا دینے کا مشورہ دیا لیکن ملکہ کہنے لگی کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ چونکہ یہ بال آپ کو ناپسند تھے اس لئے آپ نے جنات سے کہا کہ کوئی ایسی چیز تیار کرو جس سے یہ بال داغ رہیں۔ چنانچہ انہوں نے چونا پیش کیا۔ یہ دو اسب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے تلاش کی گئی۔ پھر آپ نے اسے اپنے محل میں داخل ہونے کے لئے کہا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ اسے اپنے ملک، سلطنت اور اقتدار کا مشاہدہ کروائیں جس کے مقابلہ میں اس کا اپنا ملک، سلطنت اور اقتدار کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ جب وہ محل میں داخل ہوئی تو بلوری فرش کو دیکھ کر گمان کرنے لگی کہ یہ پانی کا حوض ہے اور اس نے اپنی پنڈلیوں سے پانچے اوپر اٹھائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں غلطی لگی، یہ تو بلور کا چمکتا ہوا محل ہے۔ جب وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچی تو آپ علیہ السلام نے اسے خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی اور سورج پرستی پر اس کی مذمت کی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ محل دیکھتے ہی ملکہ کی آنکھ کھل گئی اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے ملک کے مقابلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک بہت بڑا ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے بلور کا محل تعمیر کیا جو سفیدی میں پانی جیسا محسوس ہوتا تھا، اس کے فرش تلے آپ نے پانی جاری کروایا، پھر وہاں اپنا تخت بچھوایا اور اس پر جلوہ فرما ہوئے۔ پرندے اور سایہ کئے ہوئے تھے اور جن وانس دست بستہ حاضر تھے۔ جب آپ نے ملکہ کو تو حید کی دعوت دی اور سورج پرستی پر اس کی مذمت کی تو اس نے زندگیوں جیسا جواب دیا اور شان باری تعالیٰ میں گستاخی کی۔ ملکہ کی اس جسارت پر آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے، آپ کے ساتھ باقی لوگ بھی سجدہ میں گر گئے۔ یہ دیکھ کر ملکہ بہت نادم اور پشیمان ہوئی۔ جب آپ علیہ السلام نے سجدہ سے سر اٹھایا تو ملکہ سے فرمایا کہ تم نے یہ کیا کہہ دیا؟ اس نے کہا کہ مجھ سے بھول ہو گئی۔ پھر وہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگی رَبِّ اِنِّیْ ضَلَّتُ۔ چنانچہ وہ صدق دل سے شرف بہ اسماء ہو گئی (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک غریب اثر مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر تشریف فرما ہوتے تو اس کے ارد گرد کرسیاں بچھا دی جاتیں جن پر پہلے انسان بیٹھتے، پھر جن، پھر شیطان، پھر ہوا اس تخت کو فضا میں بلند کر دیتی، پرندے اپنے پروں سے سایہ کر لیتے، پھر آپ کے حکم سے ہوا تخت کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے چلتی اور مہینہ بھر کی مسافت صبح طلوع کر لیتی، اسی طرح شام کو مہینہ بھر کی دوری پر پہنچا دیتی۔ ایک دن آپ اسی طرح جا رہے تھے کہ دوران سفر جب پرندوں کا چراغ لیا تو ہد بد کو مفقود پایا، فرماتے لگے: قَالِیْ لَا اَتْرٰی الْاَنْهٰنْ هٰذٰنِ۔ ایسے موقع پر پرندے کی سزا یہ ہوتی کہ اس کے پر نچو کر زمین پر پھینک دیا جاتا اور کڑے کھڑے کھڑے اسے کھا جاتے۔ تھوڑی دیر بعد بد بد حاضر ہوا اور ملکہ بلیغ کی بابت آپ کو خبر دی۔ آپ نے اس کی صداقت آزمائے کے لئے ملکہ کے نام ایک مکتوب تحریر کیا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد جس کا مضمون یہ تھا: "اَلَا تَعْلَمُوْا عَلٰی وَاَنْتُوْیْیْ مُسْلِمٰیْنَ"۔ جو نیک بد بد نے یہ خط ملکہ تک پہنچایا اور اس نے پڑھا، اس کے دل میں اس کی عظمت گھر کر گئی۔ اس نے اس معاملہ میں اپنے درباریوں سے مشاورت کی تو انہوں نے اپنی قوت و طاقت کا اظہار کرتے ہوئے مقابلہ پر آمادگی ظاہر کر دی لیکن ملکہ تنہی اور فساد کے خوف سے جنگ کے ارادہ سے باز رہی اور خیر گالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ تحائف حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے یہ تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا اور

جنگ کی دھمکی دی۔ ملکہ مرسلیم فرم کرتے ہوئے اپنے لاؤ لشکر سمیت آپ علیہ السلام کی طرف عازم سفر ہوئی۔ جب وہ قریب پہنچی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کے لشکر کا گرد و غبار دکھائی دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ کے درمیان اتنی مسافت تھی جس قدر رہزے اور حرہ کے درمیان۔ بعض کہتے ہیں کہ دو ماہ کی مسافت تھی۔ جب آپ علیہ السلام نے گرد و غبار دیکھا تو فرمایا: **أَيْكُنَّ يَا نَبِيُّ بَعْدَ شَهْرٍ؟** اس پر ایک سرکش جن نے کہا: **أَنَا أَتَيْتُكَ بِهٍ.....** حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے گئے کہ میں اس سے جلد چاہتا ہوں۔ اس پر وہ شخص کہنے لگا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اپنے رب کی کتاب میں دیکھوں گا پھر پلک جھپکنے کی ویر سے پہلے اس تخت کو آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ اتنی ویر میں اس کرسی تلے سے ملکہ کا تخت برآمد ہو گیا۔ جس پر پاؤں رکھ کر آپ علیہ السلام اپنے تخت پر چڑھتے تھے۔ تخت کو سامنے پا کر آپ نے فرمایا: **هَذَا مِنْ قَضَائِي رَبِّي**... پھر آپ نے ملکہ بلقیس کے تخت میں کچھ رو رو بدل کر دیا اور اس سے پوچھا کہ کیا ایسا ہی تمہارا تخت ہے؟ اس نے جواب دیا: **كَلَّا هُوَ**۔ ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو مطالبات کئے، ایک یہ کہ ایسا پانی مطلوب ہے جو زمین کا ہوا اور نہ آسمان کا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دستور یہ تھا کہ جب آپ سے کسی چیز کے متعلق دریافت کیا جاتا تو پہلے آپ انسانوں سے پوچھتے، پھر جنات سے اور پھر شیاطین سے۔ شیطان کہنے لگے کہ یہ تو بہت آسان چیز ہے، گھوڑے دوڑائیے اور ان کے پینے سے برتن بھر دیجئے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ دوسرا سوال اس نے یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ کیا ہے؟ اس سوال کو سنتے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے تخت سے جست لگائی اور سجدہ میں گر گئے، عرض کرنے لگے: **اے پروردگار! اس عورت نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے جسے میں اپنی زبان پر بھی نہیں لاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سبے فکر ہو کر واپس اپنے تخت پر چلے جاؤ، میں تمہاری کفایت کرنے والا ہوں۔** چنانچہ آپ واپس اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور ملکہ سے فرمانے لگے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا سوال کیا تھا؟ وہ کہنے لگی کہ میں نے تو آپ سے صرف پانی کے متعلق سوال کیا تھا۔ پھر آپ نے اپنے لشکر سے دریافت کیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا سوال کیا تھا؟ وہ کہنے لگے کہ اس کا سوال تو صرف پانی کے متعلق تھا۔ سب کے سب اس سوال کو بھول گئے۔ شیطان سوچنے لگے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو پسند کر لیا اور اسے اپنا حرم بنا لیا پھر اولاد بھی ہو گئی تو ہم ان کی غلامی سے کبھی بھی نجات نہیں پاسکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بلور کا چمکتا ہوا محل تعمیر کیا جس کے فرش تلے پانی رواں کر دیا۔ ملکہ جب اس محل میں داخل ہوئی اور اس نے پانی سمجھ کر اپنی پنڈلیوں سے پانچے اوپر چڑھائے تو حضرت سلیمان نے اس کی پنڈلیوں پر بال دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ آپ کو مشورہ دیا گیا کہ استرے سے ان بالوں کو زائل کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ استرے کا نشان مجھے ناپسند ہے، کوئی اور ترکیب دریافت کرو۔ چنانچہ شیاطین نے چوڑے سے بال صفا پوڑ تیار کر دیا۔ سب سے پہلے بال صفا پوڑ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہی تیار ہوا (1)، ابو بکر بن ابی شیبہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت کیا ہی خوب ہے! لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ منکر اور بہت ہی غریب ہے۔ عطاء بن سائب نے اپنے وہم کی بنیاد پر اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا۔ زیادہ تر قریں قیاس یہی ہے کہ اس کا تعلق اسرائیلی روایات سے ہے جن کی صحت کی یقین دہانی بہت مشکل امر ہے جبکہ یہ بات واضح ہے کہ بنی اسرائیل تحریف، رد و بدل اور نسخ کے عادی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان سے بے نیاز کرتے ہوئے قرآن وحدیث کی صورت میں ایسی نعمت عظمیٰ ارزانی فرمائی جو بالکل صحیح، بہت زیادہ نفع رساں اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ لغت عربی میں ”صرح“ کا معنی ہے محل اور ہر بلند

عمارت۔ فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا تھا: اجنبی صِدْحًا تَعْلِيًّا يَا مُحَمَّدُ (المومن: 36) ”میرے لئے ایک اونچا محل بنا تاکہ میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں۔“ ”صرح“ یکن میں ایک بلند وبالامل تھا۔ ”مرزد“ سے مراد پختہ اور ملائم ہے۔ قواری کا معنی ہے شیشہ اور بلور۔ تمزید البناء کا معنی ہے عمارت کو محکم اور ملائم بنانا۔ ”مارد“ دومت الجندل میں ایک قلعہ کا نام ہے۔ الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو اپنی شان و شوکت، قوت و سطوت اور عظمت و اقتدار کا مشاہدہ کروانے کیلئے بورکہ ایک عظیم الشان اور بند وبالامل تعمیر کرایا۔ مکہ نے جب آپ کی عظمت، جلالت شان اور شان و شوکت کا مشاہدہ کیا اور آپ کے حالات اور آپ کی دعوت پر غور و فکر کیا تو اسے یقین ہو گیا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے نبی اور عظیم بادشاہ ہیں۔ چنانچہ اس نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا اور کہنے لگی: رَبِّ ارْنِي هَٰؤُلَاءِ كَيْفَ تَكُونُ... یعنی میں کفر و شرک کا ارتکاب اور سورج کی پرستش کر کے اپنے اوپر ظلم و حاکمی رہتی۔ اب میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دین کی اتباع کرتے ہوئے اس خدائے واحد کے حضور اپنا سر جھکا لیا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کا اندازہ مقرر کیا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ إِذَا هُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَيْنِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٥٠﴾
 قَالَ يَتَقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَعْفِفُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
 تُرْحَمُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا أَظَلَمْنَا بِكَ وَبِسُنِّ مَعَكَ - قَالَ ضَرَبْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَيْتًا أَنْتُمْ قَوْمٌ
 تُفْتَنُونَ ﴿٥٢﴾

”اور بے شک ہم نے رسول بنا کر بھیجا ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو، کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی تو وہ دو گروہ بن گئے (اور آپس میں) جھگڑنے لگے۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! کیوں تیزی کرتے ہو برائی کرنے میں نیک کام کرنے سے پہلے۔ تم کیوں نہیں بخشش طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے شاید تم پر رحم کر دیا جائے۔ کہنے لگے ہم تو برا ٹھکانہ سمجھتے ہیں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو۔ آپ نے فرمایا تمہارا برا ٹھکانہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے بلکہ تمہاری قوم ہو جو جنت میں مبتلا کر دی گئی ہے۔“

قوم ثمود کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں توحید اور خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی تو وہ مومن اور کافر دو گروہوں میں منقسم ہو گئے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِيَلْبِسُوا إِلَهُكُمْ آلِهَةً مِّنْهُمْ فَتَتَّبِعُوا آلِهَةَ قَوْمِهِمْ لَعَلَّكُمْ أَتَّعِبُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِمْ - قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِينَا بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا: إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ (الاعراف: 75-76)۔ آپ علیہ السلام اپنی قوم سے فرمانے لگے: لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ... یعنی تم کیوں نزول عذاب کا مطالبہ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت طلب نہیں کرتے، اس لئے فرمایا: لَوْلَا تَسْتَعْفِفُونَ... قوم نے آپ کو یہ جواب دیا: أَظَلَمْنَا بِكَ وَبِسُنِّ مَعَكَ یعنی ہم نے نہ کبھی تمہارے چہرے پر بھلائی نام کی کوئی چیز دیکھی ہے اور نہ تمہارے مریدین کے چہروں پر۔ ہم جن مصائب سے دوچار ہوتے ہیں، وہ تمہاری اور تمہارے پیروکاروں کی نوحست کا نتیجہ ہیں۔ فرعون بھی اسی طرح کہا کرتے تھے: قَدْ آتَيْنَا آلَهُمْ الْحَسَنَةَ قَالُوا النَّالِيهِمْ وَإِنْ نُحِبُّهُمْ سَيُؤْتِيهِمْ يَكْفِيهِمْ ذَاهِبُوا وَرَبُّكُمْ مُّعَذِّبُ الْاَعْرَافِ (131) ”اور جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق

نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَتَادُوا صَاحِبِهِمْ فَتَعَاخَى فَعَنَّى (القم: 29) ”پس تم خود یوں نے اپنے ایک ساتھی کو بلایا پس اس نے وار کیا اور کوچیں کاٹ دیں“۔ اِذَا لَمَعَتْ أَشْقَابُهَا (القم: 12) ”جب ان میں سے ایک بڑا بد بخت اٹھ کھڑا ہوا“۔ ان آیات میں اس بد بخت کا ذکر ہے۔ عطاء بن ابی رباح ان کے فساد کی ایک صورت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ دراہم کے سکوں میں سے کچھ کاٹ لیتے اور اسے چلاتے (2)۔ حضرت سعید بن مسیب رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے سکوں کو کاٹنا بھی فساد کے زمرے میں آتا ہے (3)۔ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلا ضرورت اس سکہ کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے جو مسلمانوں میں رائج ہو (4)۔ الغرض ہر ممکن طریقہ سے فتنہ برپا کرنا اس کافر اور فاسق گروہ کی نظر میں شامل تھا۔ ان کے فساد کی کئی صورتیں تھیں جن میں سے بعض کا اوپر ذکر ہوا۔ فتنہ پروردار کہنے لگے: تَعَاَسَوْا بِإِسْلَامِهِ یعنی اللہ کی قسم اٹھ کر اللہ کے نبی صالح (علیہ السلام) اور ان کے اہل خانہ کو بے خبری کے عالم میں شیخوں مار کر ہلاک کرنے کا عہد کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو اہل بیت دیا اور ان کی سازش کو خاک میں ملادیا۔ حضرت صالح علیہ السلام تک پہنچنے سے پہلے ہی عذاب الہی نے انہیں اپنی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک چنان لڑھکتی ہوئی آئی جس نے ان مقام ناہنجیاروں کو کھل کر رکھ دیا (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اونٹنی قتل کرنے کے بعد ان بد بختوں نے یہ سازش تیار کی کہ ہم رات کے وقت حملہ کر کے صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے، پھر صبح سے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہمیں اس واقعہ کے متعلق کوئی علم نہیں اور نہ ہی ہم اس وقت وہاں موجود تھے لیکن اس سازش کی تکمیل سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں برباد کر دیا (6)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اونٹنی قتل کرنے کے بعد کفر و شرک کے یہ فرسوسرخنے کہنے لگے کہ اوصالح علیہ السلام کا بھی کام تمام کر دیں۔ اگر وہ سچا نبی ہے تو ہم اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا انجام اونٹنی جیسا ہوگا۔ چنانچہ یہ بد بخت رات کے وقت حملہ آور ہونے کے لئے جو نبی آپ کے مکان پر آئے، فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کے سر کھیل دیئے۔ جب یہ کانی دیراہیں نہ لوئے تو قوم کے افراد ان کی خبر لینے کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے۔ یہاں آ کر یاد دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھیوں کے سر کھلے ہوئے ہیں اور بھیجے باہر نکلے پڑے ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے سر ان کے قتل کا الزام تھوپ دیا اور پھر آپ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ آپ علیہ السلام کے خاندان کے لوگ مسلح ہو کر آپ کی مدد کو پہنچ گئے اور کافروں کو کہنے لگے کہ تم کسی صورت میں صالح علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکتے، دیکھو انہوں نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے کہ تین دن میں تم پر عذاب آنے والا ہے۔ اگر یہ سچے ہیں تو انہیں قتل کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو مزید نہ بھڑکاؤ اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو یہ تم سے سچ نہیں سکتے۔ چنانچہ اس رات وہ لوگ وہاں چلے گئے (7)۔ عبدالرحمن بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا: تَسْتَعْتَابُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لِذَلِكَ وَعَذَابٌ غَيْرُ مَكْدُوبٍ (ہود: 65) ”اپنے گھروں میں تین دن تک لطف اٹھا لو۔ یہ وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا“۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ صالح ہمیں تین دن کی مہلت دے رہا ہے لیکن ہم اس سے پہلے ہی صالح اور اس کے اہل خانہ سے فارغ ہو جائیں گے۔ جس چٹان سے اونٹنی لگی تھی، وہاں حضرت صالح علیہ السلام کی مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ رات کے وقت وہ اس

1- الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 370، مفسر القرآن، 156-2- الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 370

3- موطا امام مالک، کتاب الطہار، جلد 2، صفحہ 635

4- سنن ابی داؤد، کتاب انبیاء، جلد 3، صفحہ 271-272، سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارات، جلد 2، صفحہ 761

5- تفسیر طبری، جلد 19، صفحہ 174، ابن قتادہ

6- تفسیر طبری، جلد 19، صفحہ 177، الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 370

7- تفسیر جبری، جلد 19، صفحہ 173

چٹان کے قریب واقع غار کی طرف نکلے اور کہنے لگے کہ جب صبح نماز پڑھنے کے لئے یہاں آئے گا تو ہم اسے قتل کر ڈالیں گے۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اس کے گھر والوں کی خبر نہیں گئی اور انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے، انہیں خدشہ لاحق ہو گیا کہ یہ تو انہیں کچل کر رکھ دے گی۔ چنانچہ مارے خوف کے جلدی سے غار میں گھس گئے۔ چٹان غار کے دبانے پر ٹھہر گئی اور اس کا منہ بند کر دیا۔ وہ سب وہاں ہلاک ہو گئے۔ ان کی قوم کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ کہاں ہیں اور ان پر کیا نکتی۔ ان پر تو یہ عذاب آیا اور باقی اپنی جگہ عذاب میں گرفتار ہو کر برباد ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو بچالیا۔ پھر انہوں نے ان آیات کی تلاوت کی: **يَوْمَئِذٍ نَعْتَمُرُ... وَكَانَ آيَةً لِّلْمُتَّقِينَ (1)**۔

وَلَوْ طَارَ إِدْرَاقًا لَّقَوْمِةٍ لِّلْقَاسِيَةِ وَآئِئْتُونَ النَّجَاحَةَ ۚ وَآئِئْتُونَ النَّجَاحَةَ ۚ آيَةُكُمْ لَمَّا تَوَدَّ الْوَجَالَ
شَهُوَةً مِّنْ دُونِ الْبِسَاءِ ۗ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّجْهَلُونَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ
قَالُوا أَخْرِجُو آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَضَهَّرُونَ ۝ فَاذْهَبْ وَأَهْلُكَ إِلَّا
امْرَأَتَهُ ۚ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ آلِكَ فَانصَبْ عَلَىٰ ظَهْرِكَ الْمَتَاعَ الْمُبِينَ ۝

”اور یاد کرو لوط علیہ السلام کو جب آپ نے اپنی قوم کو فرمایا آیات تمہاری کتاب کرتے ہوئے حیاتی کا حال انا تم کو دیکھ رہے ہوتے ہو۔ کیا تم جانتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے (اپنی) بیویوں کو چھوڑ کر۔ بلکہ تم تو بڑے نادان لوگ ہو۔ پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے۔ یہ لوگ تو بڑے پاک باز بنے پھرتے ہیں۔ سو ہم نے بچالیا لوط کو اور ان کے اہل خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے۔ ہم نے فیصلہ کر دیا اس کے متعلق کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ اور ہم نے ان پر خوب پتھر برسائے۔ پس تباہ کن پتھراؤ تھا (بارہا) ڈرائے جانے والوں پر“۔

اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو ان کی اس بدکاری پر سرزنش کی اور ڈرایا جس کی مثال پہلے موجود تھی یعنی انعام بازی۔ وہ لوگ اس قدر اخلاق باختہ اور بے حیائے تھے کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے شہوت رانی اور مطلب برآری کر لیا کرتی تھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں فرمایا: **آئِئْتُونَ النَّجَاحَةَ**۔ یعنی تم سرعام لوگوں کی موجودگی میں بھی اس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے ہو، تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو، تم تو بہت ہی نادان اور جاہل ہو کہ نہ تمہیں طبعی پاکیزگی کا خیال ہے اور نہ تم شرعی احکام کا علم رکھتے ہو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **آئِئْتُونَ الدُّنْيَا مِنَ الْغَالِبِينَ** ۖ وَتَذَرُونَ صَاحِبَاتِكُمْ لَكُمْ بَرِّئًا مِّنْ ذُرِّيَّتِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ (اشعراء: 165-166) ”کیا تم بد فعلی کے لئے ساری مخلوق سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو“۔ اس کا جواب انہوں نے یہ کہہ کر دیا: **أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ**... یعنی لوط کے گھرانے کو جلا وطن کر دو کیونکہ یہ تمہارے اس فعل سے نالاں ہیں اور اس سبب سے ان کے ساتھ مل جل کر رہنا محال ہے۔ جب ان ناخبرداروں نے آپ کو جلا وطن کرنے کا عزم مصمم کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا اور حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل کو عذاب سے نجات دی بجز آپ کی بیوی کے، جس کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ

لئے ہیں، فرمائیے ذرا ان کا نام تولو۔ اسی طرح ان تمام آیات کا بھی یہی مفہوم ہے۔

أَقْنِ جَعَلَ الْأَرْضَ قَمَرًا وَأَوْ جَعَلَ خِلْفَهَا أَنْهَارًا وَأَوْ جَعَلَ لَهَا رِوَايَاسِي وَأَوْ جَعَلَ بَيْنَ
الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا طَعَّرَ اللَّهُ مَعَ اللَّهِ طَبْلًا أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْنُونَ ﴿٦٤﴾

”بھلا کس نے بنایا ہے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں اور بنائے زمین کے لئے
(پہاڑوں کے) ننگر اور بنادی دو سمندروں کے درمیان آڑ۔ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ بلکہ ان میں سے اکثر
لوگ بے علم ہیں۔“

ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے زمین کو ساکن، ثابت اور قمر کی جگہ بنایا ہے، یہ اپنے یکتوں سمیت نہ لرزتی ہے، نہ اضطراب کا
شکار ہوتی ہے اور نہ ڈرتی ہے کیونکہ اگر یہ ایسے ہوتی تو اس پر زندگی دو بھر ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے اسے ہموار
اور ثابت کچھونا بنایا ہے، نہ یہ متزلزل ہوتی ہے اور نہ متحرک جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ قَمَرًا وَالسَّمَاءَ
بِنَارٍ (المومن: 64) ”اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا۔“ پھر فرمایا: وَجَعَلَ خِلْفَهَا أَنْهَارًا
یعنی اس نے زمین میں نہریں اور دریا جاری کر دیئے اور ہر علاقہ میں بندوں کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے چاروں اطراف میں پانی کی
بہم رسانی کا انتظام کر دیا اور حسب ضرورت لوگوں کو رزق کے اسباب مہیا کر دیئے۔ پھر فرمایا: وَجَعَلَ لَهَا تَرَاوِيحًا یعنی زمین کی اضطرابی
حرکت کو روکنے کے لئے اس میں بلند و بالا پہاڑ گاڑ دیئے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا یعنی اللہ تعالیٰ نے
شیریں اور نمکین پانیوں کے درمیان ایک مضبوط آڑ اور رکاوٹ قائم کر دی ہے جو دونوں قسم کے پانیوں کو باہم ملنے سے مانع ہے، اس طرح
شیریں پانی فساد کا شکار نہیں ہوتا کیونکہ حکمت الہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر پانی اپنی مخصوص صفت پر برقرار رہے۔ دونوں قسم کے پانیوں کے اپنے
اپنے فوائد ہیں۔ نہروں اور دریاؤں کا پانی شیریں اور خوش ذائقہ ہے جو جانداروں کے پینے اور کھیتوں اور باغات وغیرہ کو سیراب کرنے
کے کام آتا ہے اور زمین کے اطراف و اکناف میں نمکین اور کھاری پانی کے سمندر رواں ہیں جو ہوا کو خراب ہونے سے بچاتے ہیں، اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِي مَرَّبَّهَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَجِجْرًا مَخْجُورًا (الفرقان: 53)
”اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا ہے یہ بہت شیریں ہے اور یہ سخت کھاری اور اس نے ان کے درمیان آڑ اور مضبوط
رکاوٹ بنادی۔“ اس لئے فرمایا: عَزَّ إِلَهُ مَعَ اللَّهِ یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ایسا محمود ہے جس نے ایسا کیا ہو یا جو عبادت کے لائق ہو؟ یہ
دونوں معانی باہم متلازم اور صحیح ہیں۔ آخر میں فرمایا: بِنَبْلِ أَكْثَرَهُمْ یعنی اکثر لوگ بے علمی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

أَقْنِ يَجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَاعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خِطَاءً أَلَا تَرْضَوْنَ طَعَّرَ إِلَهُ مَعَ
اللَّهِ طَقِيلًا مَاتَدَّ كَرُونَ ﴿٦٥﴾

”بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بے قرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے اور (کون) دور کرتا ہے تکلیف کو اور (کس نے) بنایا
ہے تمہیں زمین میں (انگلوں کا) خلیفہ۔ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ تم بہت کم نور و فکر کرتے ہو۔“
اس حقیقت پر متنب کیا جا رہا ہے کہ مشکلات اور مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ سے ہی فریاد کی جاتی ہے اور اسی سے کشمکش اور رشتگاری

کی امید کی جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَإِذَا مَسَّكُمُ الْعُصْبُ فِي الْقِتَابِ حَقٌّ لِّئَلَّا يَأْتِيَكُمُ الْكُفْرُ أَزْجًا ۗ أَلَمْ تَكُنْ لِلَّهِ خَافِيَةً (بنی اسرائیل: 6-7) ”اور جب سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو وہ (معبود) گم ہو جاتے ہیں، جنہیں تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے“۔ اَلَمْ تَكُنْ لِلَّهِ خَافِيَةً ۗ اَلَمْ تَكُنْ لِلَّهِ خَافِيَةً ۗ اَلَمْ تَكُنْ لِلَّهِ خَافِيَةً ۗ (النحل: 53) ”پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی جناب میں گڑگڑاتے ہو“۔ اسی طرح یہاں فرمایا: اَلَمْ تَكُنْ لِلَّهِ خَافِيَةً ۗ اَلَمْ تَكُنْ لِلَّهِ خَافِيَةً ۗ اَلَمْ تَكُنْ لِلَّهِ خَافِيَةً ۗ یعنی کون ہے وہ جس کی مجبور اور بے قرار بناہ لیتے ہیں اور اس کے سوا کوئی اور مصیبت زدہ لوگوں کی تکلیف کو دور نہیں کرتا۔ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں، وہ خدا کہ جب تو کسی مصیبت سے دوچار ہو کر اس کے حضور دعا کرتا ہے تو وہ تمہاری مصیبت کو دور کر دیتا ہے، وہ کہ جب تو جنگل میں راہ بھول کر اسے پکارتا ہے تو وہ تمہاری رہنمائی کرتا ہے اور وہ کہ جب تجھے قحط سالی آتی ہے تو دعا کرنے پر وہ تمہارے لئے اِنْفُلْسِیْلِیْنِ اِگاتا ہے“۔ اس شخص نے عرض کی کہ مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کسی کو برا بھلا نہ کہو، کسی نیکی میں عدم دلچسپی کا اظہار نہ کرو اگرچہ وہ تمہارا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنا ہو اور اگرچہ وہ اپنا ڈول کسی کے برتن میں اٹھیلانا ہو اور اپنے تہبند کو نصف چٹولی تک باندھو اور اگر تم یہ نہیں چاہتے تو ٹخنوں تک۔ اس سے نیچے چادر لگانے سے بچو کیونکہ چادر لگانا فخر و تکبر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے“ (1)۔ مسند احمد میں یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے جس میں صحابی کا نام بھی مذکور ہے۔ ان کا نام جابر بن سلیم گھمبی ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت چادر سے گوٹ لگائے بیٹھے تھے اور اس کا پلو آپ کے پاؤں پر لٹک رہا تھا۔ میں نے کہا کہ تم میں اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کون ہیں؟ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں دیہاتی علاقے سے تعلق رکھتا ہوں اور مجھ میں دیہاتیوں کی درشتی پائی جاتی ہے، آپ مجھے نصیحت فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کسی نیکی کو حقیر مت جانو اگرچہ وہ اپنے بھائی سے خندہ روئی کے ساتھ ملاقات ہی ہو اور اگرچہ وہ اپنے ڈول سے کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں پانی ڈال دینا ہی ہو اور اگر کوئی شخص تمہیں ایسی بری بات کہہ ڈالتا ہے جس کے متعلق اسے علم ہے کہ وہ تجھ میں پائی جاتی ہے تو تو اس میں موجود ایسی بری بات اسے نہ کہہ جس کا تمہیں علم ہے، اس طرح تمہیں اجر حاصل ہوگا اور گناہ کا بوجھ اس پر ہوگا اور تہبند ٹخنوں سے نیچے لگانے سے احتراز کرو کیونکہ ٹخنوں سے نیچے پیر الکانا تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا اور کسی کو گالی مت دو“۔ اس کے بعد میں نے کسی انسان بلکہ کسی جانور تک کو بھی گالی نہیں دی (2)۔ عبید اللہ بن ابی صالح بیان کرتے ہیں کہ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ میری عیادت کے لئے آئے تو میں نے ان سے کہا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم خود اپنے لئے دعا کرو کیونکہ جب بے قرار اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سابقہ آسمانی کتاب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے میری عزت کی قسم! جو میرا دامن رحمت تمام لیتا ہے، میں اس کے لئے نجات کی سبیل پیدا کر دیتا ہوں اگرچہ آسمان، زمین اور تمام مخلوق اسے گزند پہنچانے پر کمر بستہ ہو جائے اور جو میرا دامن رحمت نہیں تھا متواتر میں اسے بے یار و مددگار اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہوں اور اگر چاہوں تو اس کے پاؤں تلے سے اسے زمین میں دھنسا دوں۔ حافظ ابن عساکر ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں، اس شخص کا کہنا ہے کہ میں لوگوں کو اپنے غم پر سوار کر کے دمشق سے زبدانی لے جایا کرتا اور ان سے کرایہ وصول کرتا۔ ایک دن ایک شخص غم پر سوار ہوا اور ہم چل پڑے۔ چلتے چلتے ہمارا گزرا ایک غیر معروف رستہ سے ہوا تو وہ کہنے لگا کہ یہ راہ لو

کیونکہ یہ بہت قریب ہے۔ میں نے اسے کہا کہ میں تو اس رستہ سے واقف نہیں ہوں۔ اس نے کہا: نہیں، اسی راہ پر چلیں، میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں اور یہ بہت نزدیکی راستہ ہے۔ اس کی یقین دہانی پر ہم نے وہ رستہ اختیار کر لیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہم ایک دشوار گزار اور وحشت ناک جگہ پر پہنچے جہاں ایک گہری وادی میں بہت سی فلاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ ذرا خچر کی لگام تھامو تاکہ میں اتر سکوں۔ اس نے اتر کر آستین چڑھائی، کپڑے ٹھیک کئے اور چھری نکال کر میری طرف لپکا، میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا لیکن اس نے میرا تعاقب جاری رکھا، میں نے اسے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا کہ مال و متاع سمیت یہ خچر لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ وہ کہنے لگا کہ خچر تو اب میرا ہو گیا لیکن میں تمہیں قتل کر کے چھوڑوں گا۔ میں نے اسے اللہ کا خوف دلایا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا لیکن وہ کسی قیمت پر مجھے چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ آخر کار میں نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ اس باپوسی کے عالم میں میں نے اس سے درخواست کی کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دیں۔ اس نے کہا: اچھا! جلدی کرو۔ میں نے نماز شروع کی لیکن قرآن کریم کا ایک حرف بھی میری زبان پر جاری نہ ہوا۔ میں حیران پریشان اسی طرح کھڑا تھا، ادھر وہ شور مچائے جا رہا تھا کہ جلدی کرو۔ اسی اثنا۔ میں اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر یہ آیت اَنْقُضْتُ لِيْ جُنُوبِيْ الْبُطْطُلُوْا۔ جاری کر دی۔ جونہی میں نے اس آیت کی تلاوت کی، ایک شہسوار ہادی کے دہانے سے نکلا، اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اس نے آتے ہی وہ نیزہ اس ڈاکو کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ نیزہ اس کے دل کے پار ہو گیا اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اس شہسوار کا دامن تھام لیا اور اسے کہا: خدا رکھے بتائیے کہ آپ کون ہیں؟ اس نے کہا میں اس کا بیچا ہوا قاصد ہوں جو مجبور اور بے قراری کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور تکلیف کو دور کرتا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنا خچر اور سامان لیا اور صحیح و سالم واپس لوٹ آیا۔ ایک اور واقعہ میں مذکور ہے کہ ایک جنگ میں مسلمان کافروں سے شکست کھ کر لوٹے۔ مسلمانوں کے لشکر میں ایک خوشحال اور صالح شخص تھا۔ اس نے اپنے برق رفتار گھوڑے کو ایزی لگائی لیکن وہ اڑ گیا اور چلنے سے انکار کر دیا۔ کوشش بسیار کے باوجود جب وہ نہ چلا تو عاجز ہو کر اس شخص نے اپنے گھوڑے سے کہا کہ تمہیں کیا ہے، ایسے ہی موقعہ کے لئے میں نے تمہیں تیار کیا تھا۔ گھوڑے کو یقین مل گئی، اس نے اپنے مالک کو جواب دیا کہ میں اب سستی کیوں نہ کروں جب تم چارہ جانوروں کی نگہداشت کرنے والوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے، وہ مجھ پر ظلم ڈھاتے اور بہت کم کھانے کو دیتے۔ مالک نے اسے کہا کہ میں اللہ کے نام پر تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں تمہیں اپنی گود میں چارہ کھلایا کروں گا۔ یہ عہد لے کر گھوڑا سر پٹ دوڑا اور اپنے مالک کو بچا لیا۔ اس کے بعد یہ نیک شخص حسب وعدہ اپنی گود میں چارہ ڈال کر گھوڑے کو کھلاتا رہا۔ یہ قصہ لوگوں میں عام ہو گیا اور لوگ یہ قصہ سننے کے لئے جوق در جوق اس کے پاس آنے لگے۔ اس کی شہرت پھیلنے پھیلنے شاہِ روم تک بھی پہنچ گئی۔ اس نے اس صالح شخص کو اپنے پاس بلانے کے لئے بہت کوشش کی لیکن بے سود۔ آخر کار اس نے ایک سازش تیار کی جس کی تکمیل کے لئے اس نے ایک ایسے شخص کو اس نیک آدمی کی طرف روانہ کیا جو پہلے مسلمان تھا لیکن اب مرتد ہو چکا تھا اور اس کے ذمہ لگایا کہ اس نیک شخص کو کسی بہانے سے میرے پاس لے آؤ۔ وہ مرتد جب اس صالح شخص کے پاس پہنچا تو اس نے اسلام کے بارے میں حسن نیت کا اظہار کیا اور پارسا بن کر رہنے لگا یہاں تک کہ اس نے اس صالح شخص کا اعتماد حاصل کر لیا۔ دوسری طرف اس مرتد نے بادشاہ کو یہ پیغام بھیج دیا کہ فلاں وقت کسی شخص کو ساحل پر روانہ کر دینا جو مطلوبہ شخص کی گرفتاری پر مجھ سے تعاون کرے۔ مقررہ وقت پر یہ دونوں ساحل پر چہل قدمی کر رہے تھے کہ بادشاہ کا بھیجا ہوا آدمی نمودار ہو گیا۔ دونوں نے جب صالح شخص کو گرفتار کرنے کے لئے گھیر لیا تو اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور عرض کی: اے اللہ! اس شخص نے مجھے تیرے نام پر دھوکہ دیا ہے، اب تو ہی مجھے ان سے

جیسے چاہے بچالے۔ اسی وقت دو درندے نکلے جنہوں نے ان دونوں بد قماشوں کو چر پھاڑ کر ہلاک کر دیا اور وہ اللہ کا بندہ صحیح مسلم واپس لوٹ آیا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: **وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ** یعنی وہی تمہیں زمین پر جانشین بناتا ہے کہ مسلسل ایک کے بعد دوسرا چلا آتا ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: **إِنْ يَشَاءُ يُدْبِرْهُنَّ وَيَسْتَخْلِفْ فِي بَعْدِكُمْ مِمَّا يَشَاءُ كَمَا آتَاكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَرَأَيْنَا تَوْبَهُمْ** (الانعام: 133) ”اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد تمہاری جگہ جسے چاہے لے آئے جیسے تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے پیدا کیا۔“ **وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ** (الانعام: 165) ”اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر (اپنا) خلیفہ بنا دیا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا ہے۔“ **وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً** (البقرة: 30) ”اور یہ ذکر وہ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں۔“ اس کی وضاحت ہو چکی ہے (1)۔ اسی طرح یہ آیت **وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ** ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک امت کے بعد دوسری امت، ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم تسلسل کے ساتھ لاتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو تمام کو ایک ساتھ پیدا کر دیتا اور ایک ساتھ فنا کر دیتا لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو زمین تنگ پڑ جاتی، معیشت بد حالی کا شکار ہو جاتی اور سب معاش کے معاملہ میں لوگوں کو وقت کا سامنا کرنا پڑتا اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کا تقاضا یہ تھا کہ یکے بعد دیگرے لوگوں کو پیدا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے نسل انسانی کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے کیا، پھر ان کی نسل بڑھتے بڑھتے زمین پر پھیل گئی اور اس سے کئی قومیں وجود میں آئیں۔ وقت مقررہ پر ہر ایک فنا ہو جاتا ہے پھر قیامت قائم ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، اس لئے فرمایا: **أَفَنْ يُبْعَثُ قَوْمٌ**... آخر میں فرمایا: **عَرَلَهُمُ اللَّهُ** یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے جو ایسا کرنے کی قدرت رکھتا ہے یا کوئی اور ہے جو عبادت کے لائق ہو، حالانکہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ایسا کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن اس کے باوجود لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

أَفَنْ يُبْعَثُ قَوْمٌ ۗ تَعَلَىٰ اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

”بھلا کون راہ دکھاتا ہے تمہیں بروہر کے اندھیروں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اپنی (باران) رحمت سے پہلے کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ برتر ہے اللہ تعالیٰ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں ایسے دلائل اور نشانیاں ودیلت کردی ہیں جن کے ذریعے بروہر کی تاریکیوں میں راہ یاب ہونا ممکن ہے جیسا کہ فرمایا: **وَعَلَّمَنَّا لُقْمَانَ الْحِكْمَ ۖ وَيُعَلِّمُهُمُ اللَّهُ الْوَيْسُؤَانَ (النمل: 16)** ”اور علامش بنا دی ہیں اور ستاروں کے ذریعے سے وہ راہ یاب ہوتے ہیں۔“ **وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ النُّجُومَ لِيَتَّبِعْتُمْ وَرُفَاتٍ ۚ وَلِيَتَّبِعْتُمْ فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ** (الانعام: 97) ”اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں تاکہ تم ان سے خشکی اور مستدر کے اندھیروں میں سیدھی راہ معلوم کرو۔“ پھر فرمایا: **وَمَنْ يُؤْتِ رَبُّهُ** یعنی وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی اور فرحت بخش ہوائیں چلاتا ہے اور قحط سالی اور مایوسی کا شکار ہونے والوں کو بارش سے نوازتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام سے اعلیٰ و ارفع ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

أَمَّنْ يَبْدُوُ الْحَقُّ ثُمَّ يُعِيدُكَ وَ مَنْ يَبْدُوُ فَمِنْ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ شِعْرَ اللَّهِ مَعَ اللَّهِ قُلْ
هَاتُوا بَرِّ هَاتِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

”بھلا کون ہے جو آغاز کرتا ہے آفرینش کا پھر دوبارہ پیدا کرے گا اسے، اور کون ہے جو رزق دیتا ہے تمہیں آسمان سے اور زمین سے؟ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ فرمائیے (اے مشرکوں!) پیش کرو اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی قدرت اور حاکمیت کے ذریعے آفرینش کا آغاز کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اِنَّ بَشَرَ رَبِّكَ تَشْكُرُ ۝ اِنَّهُ هُوَ يَبْدُؤُكَ وَيُعِيدُكَ ۝ (ابروج: 13-12) ”بے شک آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔“ وَ هُوَ الَّذِي يَبْدُؤُكَ وَالْحَقُّ ثُمَّ يُعِيدُكَ وَ هُوَ أَهْوَنُ عَلَيْكَ (اروم: 27) ”اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر (خاک کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے۔“ پھر فرمایا: وَ مَنْ يَبْدُؤُكَ فَمِنْ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصُّجُوتِ ۝ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصُّجُوتِ (طارق: 12-11) ”قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برکتی ہے اور زمین کی جو پھٹ جاتی ہے۔“ يَعْثُرُ مَا يَمْشِي فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَخْرُجُ فِيهَا (الحديد: 4) ”وہ جاتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے بارکت پانی نازل کرتا ہے اور اسے زمین میں پھیلا کر طرح طرح کی کھیتیاں، پھل پھول اور دیگر چیزیں پیدا کرتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: كَلِمَاتُ اللَّهِ نَزَلَتْ فِي ذَٰلِكَ لَا يَلِيكَ لِذَٰلِكَ لِأُولِي الْأُلْبَابِ (طہ: 54) ”خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ بے شک اس میں دانشوروں کے لئے نشانیاں ہیں۔“ اس لئے فرمایا: عَرِ اللَّهُ مَعَ اللَّهِ... یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے جو ایسے کام کر سکے یا کوئی اور معبود ہے جو عبادت کے لائق ہو۔ اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے تو اس دعویٰ کی صحت پر دلیل پیش کرو لیکن ان کے پاس کوئی دلیل اور حجت نہیں جیسا کہ فرمایا: وَ مَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُدَّ لَهُمْ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بِدَلِيلٍ ۝ إِنَّهُمْ لَا يُفْقَهُوا كَلِمَاتِ الْمَوْتُونَ (المومنون: 117) ”اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پوجتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ کافر کا میاب نہیں ہوں گے۔“

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۝ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝

بَلِ إِشْرَاكُكُمْ فِي الْأَخْرَجَةِ ۝ بَلِ اللَّهُ فِي شَكِّكُمْ مِنَ اللَّهِ ۝ بَلِ اللَّهُ مَعَ الْعَامِلِينَ ۝

”آپ فرمائیے (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور وہ (یہ بھی) نہیں سمجھتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔ بلکہ تم ہو گئے ان کا علم آخرت کے متعلق بلکہ وہ تو اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم فرما رہا ہے کہ آپ تمام مخلوق کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیں کہ بجز اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان کے کینوں میں سے کوئی بھی (از خود) غیب نہیں جانتا۔ آیت کریمہ میں استثناء منقطع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا جیسا کہ

تفسیر ابن کثیر: جلد سوم

گے۔ (ہم کہیں گے) آج تمہارے پاس آگئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ ہاں تم تو یہ خیال کئے ہوئے تھے کہ ہم تمہارے لئے وعدہ کا وقت مقرر نہیں کریں گے۔ یہاں بھی مراد کفار ہیں، آیت کے آخر میں فرمایا: بَلْ هُمْ فِيهَا عَمُونَ یعنی یہ لوگ قیامت کے متعلق کھلی گمراہی اور جہالت کا شکار ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذْ كُنَّا رَبًّا وَآبَاءَنَا بِمَا كُفَرْنَا بِهِ ۖ لَكُم مَّا نَدَّاهُنَّ ۚ
وَابَاءُنَا مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْسِرُونَ ۝

”اور کفار کہنے لگے کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہمیں (پھر) نکالا جائے گا۔ بے شک قیامت کے آنے کا وعدہ ہم سے بھی کیا گیا اور ہمارے باپ دادا سے بھی اس سے پہلے۔ نہیں ہے یہ وعدہ مگر پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے۔ آپ فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں، پھر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ کیسا ہولناک انجام ہوا مجرموں کا۔ (اسے محبوب!) آپ غمزدہ نہ ہوں ان (کے رویہ) پر اور دل تنگ نہ ہوا کریں ان کے مکر و فریب سے۔“

قیامت اور اعادہ حیات کا انکار کرنے والے مشرکین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ جسموں کے گل مڑ جانے اور مٹی ہو جانے کے بعد انہیں از سر نو پیدا کرنا کیسے ممکن ہے، اسی لئے وہ وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کی یہ دھمکی صرف ہمیں ہی نہیں دی جا رہی بلکہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی یہی دھمکی ملتی رہی ہے، ہمیں اس پر کوئی یقین نہیں۔ قیامت اور اعادہ حیات کی یہ باتیں پیسے پیسے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان منکرین قیامت کے جواب میں فرمایا: قُلْ سِيرُوا ۝ یعنی اسے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ انہیں فرمادیں کہ تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور دیکھو کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہولناک عذاب سے دوچار کر کے برباد کر دیا اور اپنے پیغمبروں اور ان کی اتباع کرنے والے اہل ایمان کو بچا لیا۔ یہ پیغمبروں کی سچائی اور حقانیت کی دلیل ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ۝ یعنی آپ ان جھٹلانے والوں پر رنج اور افسوس نہ کریں اور نہ ہی ان کے مکر و فریب سے دل تنگ ہو کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر اور آپ کے دین کو اطراف عالم میں مخالفین اور معاندین پر غالب کرنے والا ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ سَرِيفًا لَكُمْ بَعْضُ
الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۝
وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْتَدُونَ ۝ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَ
الْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝

”اور وہ پوچھتے ہیں کب (پورا ہوگا) یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ آپ فرمائیے قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آنگا ہو اس عذاب کا کچھ حصہ جس کے لئے تم جلدی پھا رہے ہو۔ اور بے شک آپ کا رب بہت فضل (و کرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اور یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے اور جو وہ ظاہر

کرتے ہیں۔ اور نہیں کوئی پوشیدہ چیز آسمان اور زمین میں مگر اس کا بیان کتاب میں موجود ہے۔

مشرکین وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے دریافت کرتے: **مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ...** اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ فرمانے کا حکم دے رہا ہے: **عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ**۔ یعنی ممکن ہے کہ وہ عذاب تمہارے قریب پہنچ چکا ہو جس کی تم جلدی مچا رہے ہو۔ یہی مراد اس فرمان سے ہے: **وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ كَذِبًا** (بنی اسرائیل: 51) ”اور پوچھیں گے ایسا کب ہوگا؟ فرمائیے شاید اس کا وقت قریب ہی ہو“۔ ایک اور مقام پر فرمایا: **يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنْ جَهَنَّمَ لَنُحِطُّهُ بِالْكَافِرِينَ** (العنکبوت: 54) ”وہ جلدی آپ سے عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور جہنم یقیناً ان کافروں کو گھیر لے گا“۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان **تَرَدَّدُ كَلِمَةً** میں لام، صلہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ فعل ”عجل“ کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ پھر فرمایا: **وَإِنْ رَبَّكَ لَتَدُ فَحْشِي**۔ یعنی لوگوں کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر اپنا کرم فرماتا ہے اور انہیں فراخ نعمتوں سے نوازتا ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ناشکری کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: **وَإِنْ رَبَّكَ لَتَعْتَمَنَّ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح ظاہری چیزوں کو جانتا ہے، اسی طرح پوشیدہ چیزوں کا بھی علم رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا: **سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسْرَأُ الْقَوْلَ وَ مَن جَهَرَ بِهِ** (الرعد: 10) ”سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے“۔ **يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ** (طہ: 7) ”وہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی“۔ **أَلَا جِنَّةٌ يَسْتَعْتَمُونَ بِهَا** ”اور جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں“۔ اس کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی پوشیدہ چیزوں سے اچھی طرح واقف ہے، فرمایا: **وَ صَاحِبِ السَّمَاءِ**۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: **أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ**۔ **إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ**۔ **إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ** **يَسِيرٌ** (الحج: 70) ”کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ زمین و آسمان میں ہے یہ سب کچھ ایک کتاب میں (درج) ہے۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے“۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يُقْرَأُ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَرِفُونَ ۖ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۗ إِنَّ رَبَّكَ يُقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۗ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ إِنَّكَ عَلَىٰ الْحَقِّ الْمُبِينِ ۗ إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الصَّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَوْ أَمَدُ بِرِينَ ۗ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَىٰ عَن صَلَاتِهِمْ ۗ إِنَّ تَسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُّسْمِعُونَ ۗ

”بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان امور (کی حقیقت) کو جن میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ قرآن سراپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے مومنین کیلئے۔ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے۔ اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا۔ سو آپ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر۔ بے شک آپ روشن حق پر ہیں۔ بے شک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہ آپ سنا سکتے ہیں بہروں کو اپنی پکار جب وہ بھاگے جا رہے ہوں پیٹھ پھیرے ہوئے۔ اور نہیں آپ ہدایت دینے والے (دل کے) اندھوں کو ان کی گمراہی سے۔ نہیں سنا تے آپ بجز ان کے جو ایمان لاتے ہیں

کس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک تم دس نشانیاں نہ کیو: ”سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دابہ، یا جوج ماجون کا نکلنا، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ظہور، دجال کا نکلنا، مغرب، مشرق اور جزیرہ عرب میں تین نصف (زمین کا دھنسا) اور آگ جو عدنان سے نکلے گی اور لوگوں کا پیچھا کرے گی جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ بھی وہاں ان کے ساتھ ہوگی اور جہاں لوگ دوپہر گزاریں گے وہاں دوپہر بھی ان کے ساتھ ہوگی“ (1)۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دابہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”یہ تین مرتبہ نکلے گا۔ پہلے یہ دور دراز جنگل سے ظاہر ہوگا اور اس کا ذکر شہر تک نہ پہنچے گا، پھر ایک طویل عرصہ کے بعد ذرا قریب سے ظاہر ہوگا تو اس کی شہرت و پہچانی علاقوں میں عام ہوتے ہوتے شہر تک بھی پہنچ جائے گی۔ لوگ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حرمت و عظمت والی مسجد میں ہوں گے کہ اسی اثنا میں یہ دابہ وہاں ظاہر ہوگا۔ وہاں یہ لوگوں کو خوفزدہ تو نہیں کرے گا البتہ رکن اور مقام کے درمیان اپنے سر سے مٹی جھارتے ہوئے قریب ہوگا۔ لوگ جماعت در جماعت اور ایک ایک کر کے تتر بتر ہو جائیں گے۔ مومنوں کی ایک جماعت وہاں رہ جائے گی، یہ ان کے پاس آئے گا اور ان کے چہروں کو بڑے روشن ستاروں کی طرح بنا ڈالے گا، پھر زمین میں پھرنے لگے گا، نہ کوئی اسے پکڑ سکے گا اور نہ کوئی بھاگ کر اس سے بچ سکے گا یہاں تک کہ ایک آدمی نماز شروع کر کے اس سے پناہ چاہے گا لیکن یہ پیچھے سے آکر اسے کہے گا کہ اے قلاں! تو اب نماز پڑھنے لگا ہے۔ وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہوگا تو باس کی پیشانی پر نشان لگا کر چلنا بنے گا۔ لوگوں کے اموال مشترک ہوں گے اور وہ شہروں میں ایک ساتھ رہیں گے۔ اس وقت کافر اور مومن کی پہچان واضح طور پر ہوگی یہاں تک کہ مومن کافر سے کہے گا کہ میرا حق ادا کر اور کافر مومن سے کہے گا کہ میرا حق ادا کر“ (2)۔ یہ روایت حضرت حدیث بن اسید سے موقوف مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نکلے گا، اس وقت آپ علیہ السلام بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے لیکن اس کی سند صحیح نہیں (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث یاد کی جسے میں آج تک نہیں بھولا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کی اولین علامتوں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت دابہ (جانور) کا نکلنا ہے۔ ان دو میں سے جو بھی پہلے واقعہ ہوا، دوسرا اس کے فوراً بعد ہوگا“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چھ چیزوں کے ظہور سے پہلے پہلے نیک اعمال کر لو: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دجال، دابہ تم میں سے کسی کا اپنے لئے کوئی چیز مخصوص کر لینا اور عوام الناس کا حکم“ (3)۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں ایک اور سند سے مروی ہے۔ (4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دابہ الارض نکلے گا تو اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ وہ عصا مار کر کافر کی ناک کو نشان زدہ کر دے گا اور انگوٹھی کے ساتھ مومن کے چہرے کو روشن کر دے گا یہاں تک کہ لوگ ایک دسترخوان پر جمع ہوں گے تو مومن اور کافر کے درمیان باسانی امتیاز ہو جائے گا“ (5)۔ ایک اور روایت میں ہے: ”یہ کافر کی ناک پر انگوٹھی سے نشان لگائے گا اور مومن کے چہرے کو عصا کے ساتھ منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دسترخوان پر جمع ہونے والے لوگوں کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے“ (6)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت بربیعہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کے قریب ایک جنگل

2۔ مسند ابی داؤد طیالسی، جلد 144، تیسری جلد، صفحہ 14-15

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1348

6۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 295-491، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1351-1352

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ انعام: 158

3۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 2267

5۔ مسند ابی داؤد طیالسی: 334

میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک خشک زمین دکھائی دی جس کے ارد گرد رویت تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس جگہ سے دابہ نکلے گا“۔ ابن بریدہ کہتے ہیں کہ اس کے کئی سال بعد میں حج کے لئے گیا تو میرے والد محترم نے مجھے ایک عصا دکھایا جو میرے اس عصا کے برابر تھا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بالوں والا جانور ہوگا جس کے چار پاؤں ہوں گے اور یہ تھامہ کی دادی سے نکلے گا۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ یہ صفا کے شگاف سے گھوڑے کی کسی تیز رفتاری سے برآمد ہوگا لیکن تین دن میں اس کا ایک تہائی حصہ بھی نہ نکلے ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے دابہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا کی ایک چٹان تلے سے ظاہر ہوگا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو وہ چٹان دکھا دیتا۔ آپ سے مزید دریافت کیا گیا کہ وہ کیا کرے گا تو آپ نے فرمایا کہ وہ مشرق کا رخ کرے گا اور ایسی زوردار چیخ مارے گا کہ ہر طرف اس کی آواز سنائے دے گی، پھر شام کی طرف جائیگا اور ایسی سخت چیخ مارے گا کہ ہر چیز تھرا جائے گی، پھر مغرب کا رخ کرے گا اور وہاں بھی ایسی ولدوز آواز سے چلائے گا کہ ہر جگہ اس کی آواز پہنچے گی، پھر یمن کی سمت لے گا اور وہاں بھی زور سے چلائے گا، پھر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کے وقت عسفان پہنچ جائے گا۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر مجھے معلوم نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دابہ مزدلفہ کی رات نکلے گا (2)۔ حضرت عزیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ سدوم کے نیچے سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے گھٹگو کرے گا، سب اس کی گھٹگوئیں گے، اس وقت حاملہ عورتوں کے حمل قبل از وقت گر جائیں گے، شیریں پانی کڑوا ہو جائے گا، دوست دشمن بن جائیں گے، حکمت جل جائے گی، علم اٹھ جائے گا اور اس کے ساتھ متصل زمین کلام کرے گی۔ اس زمانہ میں لوگ ایسی آرزوئیں گے جو کبھی پوری نہ ہوں گی، ایسی چیزوں کے حصول کے لئے سخت محنت کریں گے جنہیں حاصل کرنا ناممکن ہوگا اور کام کریں گے لیکن کھانے کو کچھ نہ حاصل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے جسم پر تمام رنگ ہوں گے، اس کے دونوں سینگوں کے درمیان ایک فرخ (تین میل) کی مسافت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ ایک ضخیم نیزے کی مثل ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بال و پر، کھر اور داڑھی ہوگی لیکن دم نہیں ہوگی۔ یہ برق رفتار گھوڑے کی سی رفتار سے ظاہر ہوگا لیکن تین دن میں بمشکل اس کا ایک تہائی حصہ نکلے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا سر تیل کے سر جیسا، اس کی آنکھیں خنزیر کی آنکھوں جیسی، اس کے کان ہاتھی کے کانوں جیسی، اس کے سینگ بارہ گھنٹے کے سینگ جیسے، گردن شتر مرغ کی گرون جیسی، سینہ شیر کا سا، رنگ چیتے کا سا، کمریلی کی سی، دم مینڈھے جیسی اور پاؤں اونٹ جیسے ہوں گے۔ ہر دو جوڑوں کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگلی اس کے ساتھ ہوگی۔ وہ عصا کے ساتھ ہر مومن کے چہرہ پر ایک سفید نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ روشن ہو جائے گا اور انگلی کے ساتھ ہر کافر کے چہرہ پر نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا تمام چہرہ سیاہ ہو جائے گا یہاں تک کہ لوگ خرید و فروخت کرتے وقت کہیں گے کہ اے مومن! یہ چیز کتنی کی ہے اور اے کافر! اس کی قیمت کتنی ہے؟ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ ایک گھر کے افراد دسترخوان پر بیٹھے ہوں گے اور یہ بات عیاں ہوگی کہ ان میں سے کون مومن ہے اور کون کافر۔ پھر دابہ لوگوں سے کہے گا کہ اے فلاں! تمہیں خوشخبری ہو، تو جنتی ہے، اے فلاں! تو روزنی ہے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يَلْتَكِبُ الْإِثْمَ فَتَمَّوْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ عَمُونَ ﴿٣١﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ

قَالَ أَكْذَبْتُمْ بآيَاتِي وَلَمْ تُحِطُوا بِهَا عُلَمَاءُ آمَنَ إِذْ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾ وَوَقَّعَ الْقَوْلَ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا أَنَّهُمْ لَا يُنطِقُونَ ﴿٥١﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَتُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

”اور جس روز ہم انکھا کریں گے ہر امت سے ایک گروہ جو جھٹلایا کرتا تھا ہماری آیتوں کو تو ان کو (اپنی اپنی جگہ پر) روک لیا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے جھٹلایا میری آیتوں کو حالانکہ تم نے اچھی طرح انہیں جانا بھی نہ تھا یا اس کے علاوہ اور کیا تھا جو تم کیا کرتے تھے۔ اور پوری ہوگی (اللہ کی) بات ان پر جو جان کے ظلم کے تو وہ (اس وقت) بولیں گے نہیں۔ کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ ہم نے بنایا ہے رات کو اس لئے تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور بنایا ہے دن کو بیٹا۔ بے شک اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔“

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو اپنے سامنے اکٹھا کرے گا جو اس کی آیات اور اس کے پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے اور ان کے اعمال کے متعلق باز پرس فرمائے گا، اس وقت ان کی خوب سرزنش اور تذلیل و تحقیر ہوگی۔ ہر قوم اور ہر زمانے کے ایسے لوگوں کے گروہ پیش ہوں گے جیسا کہ فرمایا: **أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَتُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ** (النمل: 27)۔ ”یو دعویٰ“ کا معنی ہے: انہیں دکھلایا جائے گا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ قنادہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے اول آخر پر لوائے جائیں گے (1)۔ عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ انہیں بانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب یہ حساب کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے تو وہ انہیں فرمائے گا: **أَكْذَبْتُمْ بآيَاتِي**۔ یعنی ان سے ان کے عقیدہ اور اعمال کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ یہ اہل سعادت سے نہیں ہوں گے بلکہ اس فرمان کا مصداق ہوں گے: **فَلَا صَدَقَ وَلَا صَفِيَ ۗ وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ (القیلہ: 32-31)** ”نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا“ چنانچہ اس وقت ان پر حجت قائم ہو جائے گی اور یہ کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے جیسا کہ فرمایا: **هَذَا إِلَيْكُمْ لَا يُنطِقُونَ ۗ وَلَا يُؤدُّنَ لَكُمْ فِتْنَةً يُّؤدُّنَ (المرسلات: 36-35)** ”یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ بول نہ سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں۔“ اسی طرح یہاں فرمایا: **وَوَقَّعَ الْقَوْلَ عَلَيْهِمْ**..... یعنی یہ مہوت ہو جائیں گے اور ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا کیونکہ دنیا میں یہ اپنے اوپر ظلم و دھاتے رہے اور اب اس ذات کے سامنے کھڑے ہوں گے جسے پوشیدہ اور ظاہر کا بخوبی علم ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ، سلطنت عظیمہ اور رفعت شان پر آگاہ فرما رہا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی اطاعت، اس کے احکام کی بجا آوری اور اس کے پیغمبروں کی تصدیق ہر حال میں ضروری ہے، فرمایا: **أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَتُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ**۔ یعنی کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ ہم نے رات کو پرسکون بنایا تاکہ وہ اس کی تاریکی میں آرام کریں اور دن بھر کی تھکاوٹ سے راحت پائیں اور دن کو ہم نے روشن بنا دیا تاکہ اس میں وہ روزی کمائیں، سفر کریں، تجارت کریں اور دیگر ضروری امور سرانجام دیں، اس میں اہل ایمان کے لئے واضح نشانیاں موجود ہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَنَقَرِ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٥٣﴾

آتوه ذخرین ۛ و تسی الجبال تصبها جامداً و هو یسمر مر السحاب صنته الله الی ی
 اتقن کل شیء ۛ انه حیدر بما تفعلون ۛ من جاع بالحسنة فله حیدر منها و هم
 من قرء یومین امنون ۛ و من جاع بالسینة فکفیت و جوههم فی النار هل یتجزون
 إلا ما کتتمت تعملون ۛ

” اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرا جائے گا ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے مگر جنہیں خدا نے چاہا (وہ
 نہیں گھبرا سکیں گے) اور سب حاضر ہوں گے اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے۔ اور تو جب (اس روز) پہاڑوں کو
 دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادلوں کی سی چال۔ یہ کارگیری ہے اللہ کی
 جس نے (اپنی حکمت سے) مضبوط بنا یا ہر چیز کو۔ بے شک وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ جو شخص نیک عمل لے کر
 آئے گا تو اسے کھنک بہتر اجر ملے گا اس نیک عمل سے۔ اور یہ نیک بندے اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ اور جو
 برائی لے کر آئے گا تو ان کو منہ کے بل اوندھا پھینک دیا جائے گا آگ میں (اے بدکارو!) کیا تمہیں بدلے کا بجز اسکے جو تم
 عمل کیا کرتے تھے۔“

جس دن گھبراہٹ اور دہشت طاری کر دینے والے صور پھونکا جائے گا، اس کی ہولناکی کو بیان کیا جا رہا ہے۔ حدیث صورت میں ہے کہ
 اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسرافیل علیہ السلام پہلے صور میں پھونکیں گے تو ہر ایک خوفزدہ ہو جائے گا، یہ نفع مند بہت طویل ہوگا۔ آخر زمانہ ہوگا،
 بدترین لوگ زمین پر بس رہے ہوں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ اس وقت زمین و آسمان والے گھبرا جائیں گے سوائے شہداء کے
 کیونکہ وہ زندہ ہیں اور پروردگار عالم کے ہاں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا
 کہ آپ یہ کیا حدیث بیان کرتے ہیں کہ اتنی اتنی مدت تک قیامت آجائے گی؟ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اس قسم کا کوئی اور کلمہ
 تعجب کہا اور فرمایا کہ اب تو دل چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم غمگین بڑے بڑے امور دیکھو
 گے، بیت اللہ برباد ہوگا اور یہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں دجال ظاہر ہوگا جو چالیس تک ٹھہرے گا... مجھے نہیں
 معلوم کہ چالیس دن یا چالیس ماہ یا چالیس سال... پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا، وہ شکل و صورت میں عروہ بن مسعود جیسے
 ہیں، وہ دجال کو تلاش کر کے ہلاک کر ڈالیں گے، پھر سات سال ایسے گزریں گے کہ کوئی دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن کے درمیان عداوت
 ہو، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلائے جو ہر اس شخص کی روح قبض کرے گی جس کے دل میں ذرہ بھر بھی خیر یا ایمان
 ہوگا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا تو یہ ہوا وہاں داخل ہو کر اس کی روح قبض کر لے گی۔ اب زمین پر پرندوں کی
 طرح ہلکے اور درندوں جیسے بے عقل بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں نیکی بدی کی کوئی تیز نہیں ہوگی، شیطان ان کے پاس آکر انہیں
 کہے گا کہ کیا تم میری بات نہیں مانو گے؟ وہ کہیں گے کہ آپ کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ شیطان انہیں بت پرستی کا حکم دے گا۔ اس وقت یہ لوگ
 بہت خوشحال ہوں گے اور ان کے پاس رزق کی فراوانی ہوگی، پھر صور پھونکا جائے گا، جس کے کان میں اس کی آواز پڑی وہ مضطرب ہو کر
 کان کھڑے کر لے گا۔ سب سے پہلے اسے سننے والا وہ شخص ہے جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض درست کر رہا ہوگا، وہ سنتے ہی بے ہوش ہو کر

گر پڑے گا اور اسی طرح سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ شبنم جیسی بارش برسائے گا جس سے لوگوں کے جسم اٹھنے لگیں گے پھر دوبارہ صورت پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے، پھر اعلان ہوگا کہ اے لوگو! اپنے رب کے پاس چلو اور وہاں ٹھہرو، تم سے باز پرس ہوگی، پھر حکم ہوگا کہ آگ کا حصہ نکالو، پوچھا جائے گا کہ کتنا؟ فرمایا جائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ یہ ایسا دن ہوگا جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور پنڈلی سے پردہ اٹھادیا جائے گا (1)۔ پہلا لمحہ (صور میں پھونکنا) گھبراہٹ اور وحشت کا ہوگا، دوسرا موت کا اور تیسرا دوبارہ زندہ ہو کر رب العالمین کے حضور پیش ہونے کا، اس لئے فرمایا: وَكُلُّ أُمَّةٍ آتَتْهُ دَاجِرِينَ، فعل ”اتوه“ کے الف کو مد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور بغیر مد کے بھی۔ بہر حال یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ ”داحرین“ کا معنی ہے عاجزی اور اطاعت کرتے ہوئے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ مَرَيْنَ غَوْلَكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ (بنی اسرائیل: 52) ”اس دن کو یاد کرو جب اللہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے“۔ ثُمَّ إِذَا دَعَا لَكُمْ دَعْوَةَ الْقَوْمِ الْأَلْمَاسِ إِذْ أَاتْتُمْ تَخْرُجُونَ (الروم: 25) ”جب تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے“۔ حدیث صور میں ہے کہ تمام رومیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی، جب اجسام قبروں میں اور اپنی اپنی جگہوں پر آگ آئیں گے تو حضرت اسرافیل صور میں تیسری مرتبہ پھونکیں گے، اب رومیں اڑنے لگیں گی، مومنوں کی رومیں نورانی ہوں گی اور کافروں کی رومیں تاریک اور سیاہ، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے میری عزت اور میرے جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم میں لوت جائے۔ چنانچہ تمام ارواح اپنے اجسام میں اس طرح پھیل جائیں گی جسے زہر جسم میں سرایت کرتا ہے پھر وہ مٹی جھاڑتے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يُخْرِجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ وَبَرَأَعَا كَلْبَهُمْ إِلَىٰ نُصُبِ يُؤِفْكُنُونَ (العارج: 43) ”اس روز وہ جلدی جلدی قبروں سے نکلیں گے گو یہ وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے پھے جا رہے ہیں“۔ اس وقت پہاڑوں کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَتَسْمِعُ الْجِبَالُ، یعنی پہاڑیوں دکھائی دیں گے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ یہ اپنی جگہوں سے اکھڑ کر بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ تَسْمِعُ الْجِبَالُ وَتَسْمِعُ الْجِبَالُ سَمِيرًا (الطور: 9-10) ”جس روز آسمان بری طرح تھر تھرا رہا ہوگا اور پہاڑ تیزی سے چنے لگیں گے“۔ وَتَسْمِعُكَ عَيْنَ الْجِبَالِ فَتَقُولُ لَنْبِي نَسْفًا قَدِ كَرِهَا فَأَنَا غَاصٌّ فَصَفَا لَا تَدْرِي فِيهَا جَدَّ جَاؤِلًا أَمْثَلًا (ط: 106-105) ”اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیر کر رکھ دے گا پھر اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہوا میدان بنا چھوڑے گا، نہ تجھے اس میں کوئی موڑ نظر آئے گا اور نہ سئلہ“۔ وَتَسْمِعُ الْجِبَالُ وَتَسْمِعُ الْجِبَالُ وَالْأَرْضُ بَايِرٌ ذِي الْكَلْبِ (47) ”اور جس روز ہم پہاڑوں کو ہٹا دیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے کہ کھلا میدان ہے“۔ پھر فرمایا: صَلَّيْنَا إِلَيْهِ، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے اپنی عظیم قدرت سے ہر چیز کو پختگی اور مہارت سے بنایا اور اس میں خاص حکمت و دہشت فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اچھے برے اعمال کو خوب جانتے والا ہے اور وہ عنقریب ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پہلے قیامت کے دن سعادت مندوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَاتِ۔ یہاں بقول قتادہ نیکی سے مراد اخلاص ہے اور امام زین العابدین کے بقول اس سے مراد توحید ہے۔ ایک دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے کہ جو ایک نیکی کرتا ہے اس کے لئے دس گنا اجر ہے۔ یہ نیکو کار اس دن کی گھبراہٹ اور وحشت سے محفوظ ہوں گے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: لَا يَخْرُجُ عَنْكُمْ الْقَرْعُ إِلَّا كَبَيْزٍ (الانبیاء: 103) ”بڑی گھبراہٹ انہیں غمناک نہ کرے گی“۔ أَمَنْ يَنْقُلُ فِي الشَّابِ حَيْثُ أَمَرَ فَنِيَابِجِ أَوْثَانَا

کارب اور مالک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: **وَأُودِعْتُ أَنْ أَلْزُونَ**۔ یعنی مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں ان مخلص موحدین میں سے ہوں جو ان جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرنے والے اور اس کے مطیع ہیں نیز مجھے یہ بھی حکم ملا ہے کہ لوگوں کو قرآن سناؤں جیسا کہ ارشاد ہے: **ذَلِكَ نَسْتُوْا عَلَيْكَ مِنَ الْاٰلِيْتِ وَالْبَنِي الْحَكِيْمِيْنَ** (آل عمران: 58) ”یہ جو ہم آپ کو پڑھ کر سنا تے ہیں آستیں ہیں اور حکمت والی نصیحت“۔ **نَسْتُوْا عَلَيْكَ مِنْ بَنِي اٰمُوْسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ** (القصص: 3) ”ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا تے ہیں“۔ یعنی میں تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والا اور بروقت خبردار کرنے والا ہوں پس جو شخص ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنے بھلے کے لئے ہدایت پاتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو آپ کہہ دیں کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں یعنی میرے سامنے پہلے پیغمبروں کا اسوہ موجود ہے جنہوں نے اپنی قوموں کو خبردار کیا اور ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر اپنی ذمہ داری اور فریضہ سے عہدہ برآ ہو گئے۔ اب ان قوموں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جیسا کہ فرمایا: **فَاِنَّكَ عَلَيْهِمْ عَلِيْمٌ اَلْحَسَابُ** (الرعد: 40) ”بے شک آپ کے ذمہ (اللہ کا) پیغام پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے“۔ **اِنَّمَّا اَنْتَ نَذِيْرٌ**۔ **وَاِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيْلٌ** (ہود: 12) ”آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے“۔ آخری آیت میں فرمایا: **وَقُلِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ** یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں جو اتمام حجت اور انذار سے پہلے کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اس لئے فرمایا: **سُبْحٰنَ رَبِّكَ اَيُّهَا الَّذِيْنَ يَتَذَكَّرُوْنَ اَنْ يَّحْسَبُوْا اَنَّهٗمْ اَمْرًا مِّمَّ اَمْرًا** اور مقام پر فرمایا: **سُبْحٰنَ رَبِّہِمَّ اَلِیْمٰتٰی اَلْاِلٰہٰتِ وَرَبِّ اَلْقُرْاٰنِ** (حم السجدہ: 53) آیت کے آخر میں فرمایا: **وَعَاثَرْتُمْ بَعَاثِلَہٗ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں بلکہ وہ تو ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ نہ کھائے، اگر وہ کسی چیز سے غافل ہوتا تو پھر، رائی اور ذرہ سے ضرور غافل ہوتا۔“ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز سے بے خبر ہوتا تو وہ ابن آدم کے قدموں کے ان نشانات سے ضرور بے خبر ہوتا جنہیں ہوامنادیتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے، یا تو یہ اشعار آپ کے ہیں یا کسی اور کے (1)۔

إِذَا مَا عَلَوَتِ الدُّهْرُ يَوْمًا فَلَا تَقْلُ عَلَوْتُ وَلَكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيبٌ
وَلَا تَحْسَبَنَّ اَللّٰہَ يَغْفُلُ سَاعَةً وَلَا اَنَّ مَا يَخْفٰی عَلَیْہِ یَخْفٰی
”جب تو کسی وقت تہائی میں ہو تو یوں نہ کہہ کہ میں اکیلا اور تنہا ہوں بلکہ یوں کہہ کہ مجھ پر ایک نگہبان ہے۔ تو یہ گمان نہ کر کہ اللہ تعالیٰ کسی گھڑی غافل ہو سکتا ہے اور نہ یہ خیال کر کہ کوئی غفلت چیز اس سے اوچھل ہو سکتی ہے۔“

سورہ قصص (مکیہ)

مسند احمد میں حضرت معدیکرب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے گزارش کی کہ ہمیں سورہ طسم پڑھ کر سنائیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ مجھے تو یاد نہیں البتہ تم خواب بن ادرت رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ جنہوں نے یہ سورت رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہے، چنانچہ ہم حضرت خواب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے ہمیں یہ سورت پڑھ کر سنائی (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طسّم ۝ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ نَتْلُو عَلَيْكَ مِنْ نَبَأِ مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيْعًا يَسْتَضَعِفُ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَهُمُ آيَةً ۚ وَنَجْعَهُمُ الْوَارِثِينَ ۗ ۝ وَنَمَكِّن لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيدُ أَنْ يُفِرْعَوْنَ وَهَالِكُنَّ وَجُودُهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْدُمُونَ ۝

طا- سین-میم- یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک ان لوگوں (کے فائدہ) کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ بے شک فرعون تکبر (وسرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں اور اس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں سے ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو۔ بے شک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا۔ اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیں انہیں (فرعون کے تاج و تخت کا) وارث۔ اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث گزر چکی ہے۔ فرمایا: تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ یعنی یہ اس واضح اور چلی کتاب کی آیتیں ہیں جو حقائق اور ماضی و مستقبل کی خبروں کا انکشاف کرنے والی ہے۔ پھر فرمایا: نَتْلُو عَلَيْكَ اس طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَنُضَعُ قُلُوبُكَ أَحْسَنَ الْقُصَصِ (یوسف: 3) یعنی ہم یہ واقعہ اس طرح آپ کے لئے بیان کرتے ہیں گویا آپ اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور وہاں موجود ہیں۔ فرعون کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ یعنی فرعون نے سرزمین مصر میں تکبر، ظلم اور سرکشی کی اور وہاں کے باشندوں میں بھوت ڈال کر انہیں گروہ گروہ بنا دیا اور اپنے مفاہم میں انہیں استعمال کرنے لگا۔ نبی اسرائیل کا وجود اس کے لئے ناقابل

پیش خیمہ ثابت ہوئی اس لئے فرمایا: **فَالْتَفَتْنَا كَمَا نَزَعْتُمْ**۔ یہاں بقول محمد بن اسحاق "لِيَكُونَ" کلام، لام عاقبت ہے نہ کہ لام تعلیل (1) کیونکہ آپ کو باہر نکالنے سے ان کا ارادہ یہ نہ تھا کہ آپ علیہ السلام ان کے دشمن اور باعث رنج و ملال بن جائیں۔ ظاہری الفاظ تو اسی کا تقاضا کرتے ہیں لیکن سیاق کو پیش نظر رکھیں تو یہ لام تعلیل ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صندوق اٹھانے کے لئے مخر کر دیا تھا تاکہ آپ کو ان کے لئے دشمن اور باعث رنج و الم بنا دے اور ان کی احتیاطی تدابیر کو خاک میں ملا دے اسی لئے فرمایا: **إِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ جُنُودَهُمَا**۔ مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے قدیرہ کو جو تفریق کے منکر ہیں، ایک خط میں لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہم سابق میں فرعون کے دشمن اور اس کے لئے باعث رنج و غم تھے جیسا کہ فرمان ہے: **وَأُوذِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ جُنُودَهُمَا وَ مَنَّهُمْ مَا كَانُوا يَحْتَدِرُونَ** لیکن تم کہتے ہو کہ اگر فرعون چاہتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کے دوست اور حامی و ناصر ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لِيَكُونَ لَكُمْ عَدُوًّا وَ ذُوًّا**۔ اس کے بعد فرمایا: **وَ قَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ**۔ فرعون نے جب اس بچے کو دیکھا تو اسے خیال آیا کہ یہ کہیں بنی اسرائیل کا وہی بچہ نہ ہو جو اس کی بربادی کا باعث بننے والا ہے، اس لئے اس نے قتل کرنا چاہا لیکن اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے مزاحمت کی۔ فرعون کو اس کے ارادے سے باز رکھا اور اس بچے کو فرعون کے ہاں محبوب بناتے ہوئے کہنے لگی: **قُرْتُ عَيْنِي وَ لَوْلَا يَدُ اللَّهِ لَكُنْتِ يَدُ فِرْعَوْنَ** کہنے لگا کہ یہ تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک تو ہو سکتا ہے لیکن میرے لئے نہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل آسیہ کو ہدایت سے نوازا اور فرعون کو آپ کے ہاتھوں نیست و نابود کر دیا، سورۃ طٰ کی تفسیر میں بیان کردہ حدیث فتوان میں یہ طویل قصہ بیان ہو چکا ہے (2)۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: **عَسَى أَنْ يَبْعَثَنَا جَنَّاتِ الْجَنَّةِ** اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل ہدایت اور جنت ارزانی فرما کر نفع پہنچایا۔ مزید کہنے لگیں: **أَوْ تَجْعَدُ كَأَوْلَادِهَا** چونکہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے انہوں نے چاہا کہ آپ علیہ السلام کو متعین بنالیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ** یعنی انہیں اس بات کا احساس تک نہ تھا کہ ان کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کروانے میں اللہ تعالیٰ کی کون سی حکمت اور رحمت کار فرما ہے۔

وَ أَصْبَحَ قَوَادِمُ مُوسَىٰ فَرِحًا ۖ إِنَّ كَادَتْ لَتُبَيِّئِي بِهِ لَوْلَا أَنْ سَطَّ عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْمِنِينَ ۝ وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ وَ حَرَمْنَا عَلَيْهِمُ إِسْرَافَهُمْ ۖ فَتَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَ لَهُ لَكُمْ وَ هُمْ لَهُ لَٰصِحُونَ ۖ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ۖ وَ لَتَعْلَمَنَّ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ وَ لٰكِنَّا أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

"اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اس کے دل کو تاکہ وہ بی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی۔ اور اس نے کہا موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لے، پس وہ اسے دیکھتی رہی دور سے اور وہ اس (حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے۔ اور ہم نے حرام کر دیں اس پر ساری دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کیا میں پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش

کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ تو (اس طرح) ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف تاکہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور (اس کے فراق میں) غمزدہ نہ ہو اور وہ یہ بھی جان لے کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا تو بہت بے قرار ہوئیں اور سوئے اپنے نور نظر کی یاد کے دل و دنیا کے ہر امر سے خالی ہو گیا۔ صرف اپنے بیٹے کا خیال بے چین کئے ہوئے تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں صبر اور دلچسپی عطا نہ کرتا تو وہ شدید غم اور فرط افسوس سے بے قابو ہو کر راز فاش کر دیتیں اور لوگوں کو بتا دیتیں کہ میرا بیٹا دریا کی نذر ہو گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی ڈھارس بندھائی اور ان کے مضطرب دل کو سکون عطا فرمایا تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں شامل رہیں۔ ام موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بڑی بیٹی سے کہا جو ذرا کھنڈار تھیں کہ اس صندوق کے پیچھے پیچھے چلی رہو اور تمام حالات پر نظر رکھو، پھر مجھے آگاہ کرنا۔ چنانچہ یہ دور سے دیکھتے ہوئے اس طرح چلے لگیں کہ گویا اس صندوق سے لاطلق ہیں۔ ادھر فرعون کے محل میں جب حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی دست برد سے بچا لیا تو آپ کو دودھ پلانے کے لئے محل میں موجود ہر دایہ کے باری باری سپرد کیا گیا لیکن آپ نے کسی دایہ کے دودھ کو منہ تک نہ لگایا۔ آخر کار اس سچے کو بہا لایا گیا تاکہ کوئی ایسی عورت تلاش کی جائے جو اس سچے کو دودھ پلانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ جب آپ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے آپ کو بہا لایا تو لوگوں کے ہاتھوں میں دیکھا تو پہچان گئیں لیکن نہ تو اس چیز کا اظہار کیا اور نہ ہی کسی کو اس کا احساس تک ہونے دیا۔ قدرت کو منظور نہ تھا کہ آپ اپنی والدہ کے سوا کسی اور عورت کا دودھ پیئیں۔ یہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس میں دوسری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طریقے سے آپ علیہ السلام کو اپنی والدہ کے پاس حسب وعدہ لوٹنا چاہتا تھا تاکہ وہ خوف و وحشت کے بعد سکون اور اطمینان سے اپنے لخت جگر کو دودھ پلائیں۔ لوگوں کو حیران دیکھ کر آپ علیہ السلام کی بہن کہنے لگیں: هل اذذکم علی اہل بیتنا..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے جب یہ بات کہی تو لوگوں کو کچھ شک گزرا۔ وہ انہیں پکڑ کر دریافت کرنے لگے کہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ لوگ اس کے لئے خیر خواہ اور مشفق ہیں؟ کہنے لگیں کہ ان کی خیر خواہی اور شفقت اس بناء پر واضح ہے کہ وہ بادشاہ کی خوشنودی اور اس کے انعام و اکرام کے خواہاں ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے چھوڑ دیا۔ ان کی گزند سے محفوظ ہونے کے بعد انہوں نے ان لوگوں کو اپنے ساتھ لیا اور اپنے گھر لے آئیں۔ جو بچی انہوں نے سچے کو اپنی والدہ کے سپرد کیا، پھر فوراً ان کا دودھ پینے لگا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ فوراً ایک آدمی نے حضرت آسیہ کو یہ خوشخبری پہنچائی تو انہوں نے ام موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیا اور اعزاز و اکرام سے نوازا لیکن انہیں یہ علم ہی نہ تھا کہ دراصل وہی اس سچے کی ماں ہیں۔ بہر صورت چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا دودھ پیا تھا اس لئے آسیہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔ آسیہ نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرے ہاں ٹھہر جاؤ اور ہمیں دودھ پلائی رہو لیکن آپ علیہ السلام کی والدہ نے جواب دیا کہ ایسا ممکن نہیں کیونکہ میرے شوہر اور سچے میں جنہیں چھوڑ کر میں آپ کے پاس قیام نہیں کر سکتی البتہ میں اپنے گھر میں رہ کر اس سچے کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہوں، لکن نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ اس طرح ام موسیٰ علیہ السلام اپنے بیٹے کو لئے ہوئے راضی خوشی اپنے گھر لوٹیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خوف کو امن سے بدل دیا اور عزت و جاہ اور رزق فراخ عطا فرمایا، حدیث شریف میں آتا ہے: ”جو شخص کام کرتا ہے اور اپنے کام میں خیر کا طلب گار ہوتا ہے، اس کی مثال ام موسیٰ کی سی ہے جو اپنے بیٹے کو دودھ پلاتی اور اس کی اجرت بھی لیتیں“ (۱)۔ شدت

اور اہمت کے درمیان بہت قلیل فاصلہ تھا، تقریباً ایک دن اور رات، پاک سے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر قسم کا امر ہے، جو وہ چاہتا ہے، وہی ہوتے اور جسے وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔ وہی تم اور تمہاری سے نجات دیتا ہے، اس لئے فرمایا: فَذُنُّهُ اِنِّیْ اُتَمِّمُہُ۔ یعنی ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں اور وہ اس پر نغز نہ ہو اور وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ برحق ہے کہ وہ اسے اس کی طرف لوٹا دے گا اور اسے منصب رسالت پر فائز فرمائے گا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس واپس آگئے تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ واقعی رسول بننے والے ہیں اس لئے وہ پوری دلچسپی سے آپ کی تربیت میں مشغول ہو گئیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ لَمَّا فُرِغَ مِنْكُمْ بِرَبِّكُمْ یعنی اکثریت کو اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتوں اور ان کے قابل ستائش مقاصد کا علم نہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی ذات حمد کے لائق ہے۔ بعض اوقات ایک چیز ناپسندیدہ محسوس ہوتی ہے حالانکہ اس کا انجام اچھا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَعَلَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَعَلَسَىٰ اَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ (البقرہ: 216) اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو۔“ فَعَلَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْہِ خَیْرًا ۗ یَّحِبُّہِ (النساء: 19) ”شاید تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر کثیر رکھ دی ہو۔“

وَلَمَّا بَدَأْنَا اَشَدَّكُمۡ وَاسْتَوٰی اَتِیْتُہٗ حُكْمًا وَّ عَلِمًا ۗ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝۱۰
 دَخَلَ السَّیِّئَةَ عَلٰی حَبِیۡنٍ غَفْلَتًا مِّنْ اٰهْلِہَا فَوَجَدَ فِیْہَا رَجُلًا یُنْفِقُ لِنَفْسِہٖ ۗ هٰذَا مِنْ شِیْءِہٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّہٖ ۗ فَاسْتَعَاثَہُ الَّذِیْ مِنْ شِیْءِہٖ عَلٰی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّہٖ ۗ فَاوَكَّرَہُ
 مُوسٰی فَتَنَضَّ عَلَیْہِ ۗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ۗ اِنَّہٗ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۝۱۱ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ
 اٰتٰیْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ۗ فَاغْفَرَ لَہٗ ۗ اِنَّہٗ هُوَ الْعَفُوُّ الرَّحِیْمُ ۝۱۲ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ اٰتَمَمْتُ
 عَلٰی قَلْبِیْ ۗ اَکُوْنُ ظٰہِمًا لِّلْمُجْرِمِیۡنَ ۝۱۳

”اور جب پہنچ گئے موسیٰ علیہ السلام اپنے شباب کو اور ان کی نشوونما مکمل ہو گئی تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے۔ یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور یہ دوسرا ان کے دشمنوں سے۔ پس مدد کے لئے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلہ میں جو آپ کے دشمن سروہ سے تھا۔ تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ کام شیطان کی آغوش سے ہوا ہے۔ بے شک وہ کھلا دشمن ہے بہک دینے والا۔ آپ نے عرض کی میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے۔ بے شک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کرنے لگے میرے رب! مجھے ان انعامات کی قسم جو تو نے مجھ پر فرمائے۔ اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا ذکر کرنے کے بعد اب آپ کی جوانی کا ذکر ہو رہا ہے، فرمایا: وَ لَمَّا بَدَأْنَا یعنی جب آپ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکم و علم یعنی بقول مجاہد نبوت سے نوازا اور نیکوکاروں کو ہم یونہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ پھر اس واقعہ کا ذکر ہو

رہا ہے جس کے باعث آپ کو مصر چھوڑ کر مدین کا رخ کرنا پڑا اور پھر یہی واقعہ آپ کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا سبب بنا۔ فرمایا: وَ دَخَلَ الْمَدِينَةَ... یعنی آپ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب اس کے باشندے غفلت اور بے خبری میں تھے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا اور ایک دوسری روایت میں آپ سے ہی مروی ہے کہ دوپہر کا وقت تھا، لوگ بے خبری سے آرام کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے دو آدمیوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھا۔ ایک آپ کے سروہ سے یعنی اسرائیلی تھا اور دوسرا آپ کے دشمنوں سے یعنی قبیلی تھا۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبیلی کے متبادلہ میں مدد کی درخواست کی تو آپ نے موقع پر کربلی کو پکڑ لیا اور اسے ایسا گھونسا رسید کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ آپ پریشان سو کر کہنے لگے: هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّقِيْقِيْنَ یعنی یہ حرکت شیطان کی انگلیت سے سرزد ہوئی ہے، شیطان بلاشبہ کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے، پھر عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا سو میری بخشش فرما تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا، بے شک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے اس جاہ و مرتبہ اور انعام و اکرام کی قسم جو تو نے مجھے ارزانی فرمایا ہے، میں آئندہ کبھی بھی ان مجرموں کا معادلت نہیں بنوں گا جو تیرے ساتھ کفر و تیرے احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔

قَاصِبِيْنَ الْمَدِيْنَةَ حَاقِبًا يَتَرَقَّبُ فَاِذَا الْاَلَمِي اسْتَصْرَكَ بِالْاَلَامِيْنَ يَسْتَصْرِحُهُ - قَالَ لَنْ
مُوَسِي اِنَّكَ لَنَعُوِيْ مُبِيْنٌ ① فَلَمَّا اَنْ اَرَادَ اَنْ يَبْطِشَ بِالزَّمِي هُوَ عَدُوٌّ لَهَا قَالَ
يُوَسِي اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلِيْ كَمَا قَتَلْتِ نَفْسًا بِالْاَلَامِيْنَ اِنْ تُرِيْدِيْ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا
اِلَّا مَرِيضٌ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمَصْلِحِيْنَ ②

”پھر آپ نے صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی آج پھر انہیں مدد کے لئے پکار رہا ہے موسیٰ نے اسے فرمایا بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔ نہیں جب آپ نے ارادہ کیا کہ چھپت پڑیں اس پر جوان و دونوں کا دشمن تھا۔ وہ کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ تو نہیں چاہتا مجھ اس کے کہ تو ملک میں بڑا جابر بن جاے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔“

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبیلی مر گیا تو آپ صبح صبح حالات کا جائزہ لینے کے لئے ڈرتے ڈرتے شہر میں آئے۔ ایک راستے سے آپ کا گزر ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی آج کسی اور قبیلی سے لڑ رہا ہے۔ جب اس کے پاس سے آپ گزرنے لگے تو اس نے فریاد شروع کر دی۔ آپ نے اسے فرمایا: اِنَّكَ لَنَعُوِيْ مُبِيْنٌ یعنی تو واضح گمراہ اور بہت شرسند ہے۔ آپ نے جب ظالم قبیلی کو روکنے کے لئے اسے پکڑنا چاہا تو اسرائیلی اپنی بزدلی، حسرت اور کمزوری کے باعث اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ڈانٹ و پٹ کے سبب یہ سمجھ بیٹھا کہ آپ مجھ پر گرفت کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اپنی جان بچانے کی خاطر وہ کہنے لگا: يٰمُوَسِيْ اَسْرِيْ اَنْ تَقْتُلِيْ گزشتہ روز کے واقعہ کا ہم صرف حضرت موسیٰ اور اسرائیلی کو تھا، آج جب اس کی زبانی راز فاش ہوا تو قبیلی کو بھی معصوم ہو گیا۔ جو نبی اس نے اسرائیلی کی زبان سے یہ بات سنی، وہ فوراً بھاگ بھاگ فرعون کے دربار میں پہنچا اور خبری کر دی۔ جب یہ بات فرعون کے سام میں آئی تو وہ بہت سنج یا ہوا۔ اس

نے عزم کر لیا کہ وہ موسیٰ کو قتل کر کے ہی دم لے گا چنانچہ اس نے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے سپاہی روانہ کر دیے۔

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْمَدْيَنَةِ يَسْئَلُ قَالَ يٰمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَأْتِيَنَّوَنَّكَ بِكَ لِيَقْتُلَنَّكَ

فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿٢٨﴾

”اور آیا ایک آدمی شہر کے آخری گوشہ سے دوڑتا ہوا۔ اس نے (آکر) بتایا اے موسیٰ علیہ السلام! سردار لوگ سازش کر رہے

ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں، اس لئے نکل جائیے (یہاں سے) بے شک میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔“

یہاں آدمی کی رجولیت (مردانگی) کا وصف بیان ہوا ہے کیونکہ جب اس نے دیکھا کہ فرعون کے سپاہی آپ کے تعاقب میں جا

رہے ہیں تو اس نے ایک دوسرا قریبی رستہ اپنایا اور سپاہ کے پچھنے سے پہلے پیسے آپ کو تازہ صورت حال کی اطلاع دیتے ہوئے کہنے لگا:

يٰمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَأْتِيَنَّوَنَّكَ بِكَ لِيَقْتُلَنَّكَ

فَوَخَرَبَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۗ قَالَ رَبِّ عَجِبْنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ

تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٣٠﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ

وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ النَّاسِ يَسْتَفُونَ ۗ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۗ قَالَ مَا

خَطْبُكُمَا ۗ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصَدِّقَ الرَّعَاءُ عُنْدَ ۗ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿٣١﴾ فَسَقَىٰ لَهُمَا شَاءَ

تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٣٢﴾

”پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (اپنی گرفتاری کا) انتظار کرتے ہوئے۔ عرض کی میرے رب! بچالے مجھے ظلم و ستم

کرنے والوں سے۔ اور جب روانہ ہوئے مدین کی جانب (تو دل میں) کہنے لگے امید ہے میرا رب میری رہنمائی فرمائے

گا سیدھے راستے کی طرف۔ اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوه ہے جو (اپنے

مویٹیوں کو) پانی پلا رہا ہے۔ اور دیکھیں اس انبوه سے سے الگ تھلگ دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں۔ آپ

نے پوچھا کہ تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو۔ ان دونوں نے کہا ہم نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہے اپنے مویٹیوں کو لے کر

واپس نہ چلے جائیں۔ اور ہمارے والد بہت بوزھے ہیں۔ تو آپ نے پانی پلا دیا ان (کے ریوڑ) کو پھر لوٹ کر سایہ کی

طرف آگئے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں۔“

جب اس خیر خواہ کی زبانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور دیگر اعیان مملکت کے ارادہ کا علم ہوا تو آپ تنہا مصر سے نکل

کھڑے ہوئے۔ قبل ازیں آپ ناز و نعم میں پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے لیکن اب پیش آمد و صورتحال آپ کے لئے پریشان کن تھی اور اس

سے پہلے اس قسم کی پریشانی سے آپ کو واسطہ نہیں پڑا تھا، چنانچہ آپ خوف و ہراس کے عالم میں اوجھر اوجھر دیکھتے ہوئے وہاں سے نکلے اور

عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں یعنی فرعون اور اس کے درباریوں کی شر سے نجات دے۔ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ

کی رہنمائی کے لئے ایک گھوڑا سوار فرشتہ بھیجا۔ چلتے چلتے جنگلوں کو عبور کرنے کے بعد جب آپ نے مدین کی راہ لی تو بہت خوش ہوئے اور

کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ دکھا دے گا۔ چنانچہ آپ کی امید برآئی اور اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دنیا و آخرت میں

آپ کی رہنمائی فرمائی بلکہ آپ کو دوسروں کے لئے ہادی اور رہنما بھی بنا دیا۔ جب آپ مدین کے چشمہ پر پہنچے تو وہاں آپ نے لوگوں کا ایک انبوہ دیکھا جو چشمے سے پانی نکال نکال کر اپنے جانوروں کو پلا رہے تھے۔ وہاں آپ نے ان لوگوں سے الگ تھلک دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے ریوڑ کو روکے کھڑی تھیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس طرح بے چارگی کے عالم میں دیکھا تو آپ کا دل پہنچ گیا اور ان عورتوں پر رحم آیا، آپ ان سے پوچھنے لگے کہ تمہارا کیا معاملہ ہے، تم ان لوگوں کے ساتھ اپنے ریوڑ کو پانی کیوں نہیں پلاتیں، وہ کہنے لگیں: لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يَصْدِرَ . یعنی ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ لوگ اپنے جانوروں کو لے کر واپس نہ چھ جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اس کیفیت سے دوچار ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً پانی نکال کر ان کے ریوڑ کو پلا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ چرواہے پانی پلانے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ایک بھاری چٹان حسب معمول کنویں کے دہانے پر رکھ دی جسے کم از کم دس آدمی سرکا سکتے تھے۔ آپ نے تمہارا چٹان کو بٹا دیا اور ایک ڈول پانی کا نکالنا جس سے تمام ریوڑ سیراب ہو گیا (1)۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ثُمَّ تَوَاتَىٰ إِلَى الظُّلَمِ . حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے مدین کی طرف عازم سفر ہوئے تو آپ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا، صرف گھاس پھوس اور درختوں کے پتوں پر گزر اوقات ہوتی تھی۔ آپ کا جتانوٹ کر گرا گیا اور آپ برہنہ پاؤں پہنچے اور سستانے کے لئے سائے تلے بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے جب مدین پہنچے تو بھوک کی شدت سے ان کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا تھا اور گھاس کی سبزی پیٹ کے اندر سے دکھائی دے رہی تھی۔ اس وقت آپ کو کھجور کا ٹکڑا تک میسر نہ تھا۔ حضرات ابن عباس، ابن مسعود اور سدی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اونٹ پر سوار ہوا اور دو راتوں کے سفر کے بعد مدین پہنچا۔ وہاں لوگوں سے میں نے اس درخت کی بابت دریافت کیا جس کے سائے تلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سستانے کے لئے بیٹھے تھے۔ لوگوں نے اس درخت کی نشاندہی کی تو کیا دیکھا ہوں کہ وہ ایک سرسبز و شاداب درخت ہے۔ میرا اونٹ بھوکا تھا۔ اس نے اس درخت کے پتے لئے اور کچھ دیر بڑی دقت سے چباتا رہا اور آخر وہ پتے نکال کر پھینک دیئے۔ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دما کی اور واپس پلٹ آیا (2)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس درخت کو دیکھنے کے لئے گئے تھے جہاں سے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلام ہوا تھا۔ اس کا ذکر عنقریب ہوگا۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ بول کا درخت تھا۔ عطاء بن سائب کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا تہربتِ اِنِّ لِمَا اَنْزَلْت . . . کو اس عورت نے بھی سنا (3)۔

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَتَمِسُّ عَلَىٰ اسْتِحْيَاءٍ ۖ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ وَوَقَّصَ عَلَيْهِ الْقِصَصَ ۖ قَالَ لَا تَخَفْ ۗ لَئِن لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ فِجْرًا لَّنَا ۖ لَأَكْفُرَنَّ بِمَا كُفَرْتُمْ ۖ وَلِنَحْمِلكَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۗ قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ۗ ۝ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ فُكِّحَكَ ۖ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَنْ تَأْجُرَنِي تِلْكَ ابْنَتِي ۖ فَجَجَّ ۖ فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ

سَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ - آيَمَا إِذَا جَعَلْتَن قَضَيْتَ فَلَا
عُدْوَانَ عَلَيَّ - وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝

’ کچھ دیر بعد آئی آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم و حیا سے چلتی ہوئی۔ (اور آ کر) کہا میرے والد تمہیں
بلاتے ہیں تاکہ تم نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں معاوضہ دیں۔ پس جب آپ ان کے پاس آئے اور اپنا
واقعہ ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا ڈرو نہیں۔ تم بچ کر نکل آئے ہو ظالموں (کے بچے) سے۔
ان دو میں سے ایک خاتون نے کہا میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بے شک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ
ہے جو طاقت ورجحی ہو، ویاستدار بھی ہو۔ آپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک ان اپنی دو بچیوں سے
بشرطیکہ تو میری خدمت کرے اچھ سال تک۔ پھر اگر تم پورے کرو دوں سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تم
پر سختی کروں۔ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا تک لوگوں سے (جو وعدہ ایفا کرتے ہیں)۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ بات
میرے اور آپ کے درمیان طے پاگئی۔ ان دو میعادوں سے جو میعاد میں گزار دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ
جو قول وقرار ہم نے کیا ہے اس پر نگہبان ہے۔‘

جب یہ دونوں عورتیں معمول سے پہلے جلد ہی گھر واپس لوٹیں تو ان کے والد گرامی کو بہت تعجب ہوا۔ دریافت کرنے پر انہوں نے
سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے اسی وقت اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کو بھیجا تاکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا لائیں۔ چنانچہ وہ
خفت آہ اور عصمت شعار شریف عورتوں کی طرح شرم و حیا سے چلتی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ
عنه فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی چادر کے کنارے سے منہ ڈھانپ رکھا تھا اور حیا سے چلتی ہوئی آئیں نہ کہ ان عورتوں کی طرح جو بڑی
بے باکی سے مردوں کے پاس آتی جاتی ہیں اور انہیں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی (1)۔ پھر انہوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ میرے والد آجکو
بلارے ہیں کیونکہ اس میں شبہ کی گنجائش تھی بلکہ یہ کہا کہ میرے والد آپ کو اس لئے بلارے ہیں تاکہ وہ آپ کو پانی پلانے کا معاوضہ دیں۔
اس بات سے اس خاتون کی دانائی مترشح ہوتی ہے۔ جب آپ ان خواتین کے والد کے پاس آئے اور اپنی چٹا انہیں سنائی تو انہوں نے تسلی
دیتے ہوئے کہا کہ ڈرو نہیں، اطمینان رکھو۔ اب تم ان ظالموں کی دست برد سے محفوظ ہو کیونکہ یہاں ان کی حکومت نہیں۔ مفسرین کا اس
بار سے میں اختلاف ہے کہ یہ بزرگ کون تھے؟ مشہور قول یہی ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے جنہیں نبی بنا کر اہل مدین کی طرف
بھیجا گیا۔ حضرت حسن بصری وغیرہ کا یہی کہنا ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت سلمہ بن سعد عمری رسول اللہ ﷺ
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ”شعیب علیہ السلام کی قوم اور موسیٰ علیہ السلام کے سسرال والوں کو خوش آمدید کہ تمہیں
ہدایت دی گئی“ (2)۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قوم شعیب کے ایک مومن
مرد تھے۔ بعض مفسرین کا کہن ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طویل عرصہ پہلے ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی
قوم سے فرمایا: ”مَا قَوْمٌ لَوْ طَافْنَا مِنْكُمْ بِبَيْتِي“ (ہو: 89) ”اور قوم لوط علیہ السلام تو تم سے کچھ دور نہیں“۔ اور قرآن کریم سے یہ بات ثابت ہے
کہ قوم لوط کی ہلاکت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی اور یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ

السلام کے درمیان چار سو سال سے بھی زائد کا عرصہ ہے۔ بعض لوگوں نے اس اشکال سے بچنے کے لئے کہا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت لمبی عمر پائی۔ اس قول سے یہ اشکال تو رفع ہو سکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ اگر یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام ہی ہوتے تو قرآن کریم میں صاف طور پر ان کا ذکر کر دیا جاتا، اور وہ احادیث جن میں صراحتاً حضرت شعیب علیہ السلام کا نام مذکور ہے، ان کی سندیں صحیح نہیں جیسا کہ عنقریب ان کا ذکر ہوگا۔ بنی اسرائیل کی کتابوں میں ان کا نام پشرون مذکور ہے (1)۔ حضرت ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ان ثرون حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے (1)۔ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ یہ بیڑی تھی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اگر کوئی خبر وارد ہوتی تو یقیناً طور پر نام کا تعین ہو جاتا لیکن ایسی کوئی خبر ہے ہی نہیں جس سے نام کا تعین ہو سکے (2)۔ ایک صاحبزادی نے اپنے والد سے کہا: یا اَبَتِ اِنْسَانًا چڑھا... کہتے ہیں کہ یہ وہی تھیں جو آپ کو بلانے کے لئے گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ انہیں بکریاں چرانے کے لئے نوکر رکھ لیں کیونکہ سب سے بہتر نوکر وہی ہے جو طاقور اور دیانتدار ہو۔ یہ سن کر باپ نے بیٹی سے پوچھا کہ تمہیں اس کی قوت اور دیانتداری کا علم کیسے ہوا؟ بیٹی نے جواب دیا کہ انہوں نے تمہارا چٹان کو کتوں سے بنا دیا جسے اس آدمی ل کر سر کا سکتے ہیں۔ اس سے ان کی قوت کا اندازہ ہو گیا اور ان کی دیانتداری کا علم مجھے اس طرح ہوا کہ جب میں انہیں بلانے کے لئے گئی تو میں ان کے آگے آگے چل پڑی کیونکہ یہ رستہ سے ناواقف تھے لیکن یہ مجھے کہنے لگے کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور جہاں دستہ تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئے، اس طرف نکل پھینک دینا، اس سے مجھے معلوم ہو جائے گا کہ کون سی سمت اختیار کرنی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ زیرک اور صاحب فراست تین شخص ہوئے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب انہوں نے اپنی قوم و فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا، حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے والا مزیر مصر جس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ انہیں اچھی طرح رکھو اور وہ خاتون جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت اپنے والد سے کہا تھا: یا اَبَتِ اِنْسَانًا چڑھا... (3)۔ اس خاتون کے باپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں بشرطیکہ آپ آٹھ سال تک میری بکریاں چرائیں۔ شعیب جہاں کہتے ہیں کہ ایک خاتون کا نام صفورا اور دوسری کا لیا تھا (4)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک کا نام صفورا اور دوسری کا شرفا تھا اور اسے یہ بھی کہتے تھے۔ احناف نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے ان دو علاموں میں سے ایک کو ایک سو کے بدلہ فروخت کیا اور خریدار نے اسے منظور کر لیا تو یہ بیع صحیح ہوگی۔ وہ بزرگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ میں اس شرط پر آپ کو اپنی ایک بیٹی بیاہ دوں گا کہ آپ آٹھ سال میری بکریاں چرائیں اور اگر مزید دو سال آپ یہ خدمت انجام دیں تو یہ آپ کی مرضی ہے ورنہ آٹھ سال کافی ہیں۔ میں آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا اور آپ مجھے ان شاء اللہ صالح آدمی پائیں گے۔ میں نہ آپ کے لئے مشکل پیدا کروں گا نہ اذیت دوں گا اور نہ بددیانتی کروں گا۔ امام اوزاعی کے مسلک کی تائید میں اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ چیز نقد وں کے بدلہ میں بیچی اور ادھار میں کے عوض تو یہ بیع درست ہے اور خریدار کو اختیار ہے کہ وہ دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کر لے اور منمن ابی داؤد کی یہ حدیث کہ ”جو شخص ایک بیع میں دو بیع کرے، اس کے لئے کسی والی بیع ہے ورنہ سو (5)۔ اسی

3- تخریج کے لئے، دیکھئے تفسیر سورہ یوسف: 21

2- تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 62

1- محمدات الاثران المسبیعی: 159

5- منمن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 274

4- تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 62، محمدات الاثران المسبیعی: 158

منسک پر محمول کی جائے گی، لیکن اس مسلک کے مطابق اس آیت اور حدیث سے استدلال کرنا محل نظر ہے جس کی تفصیلات کا یہ مقام نہیں۔ اصحاب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کھانے اور پکڑے کے عوض نوکر رکھنا درست ہے۔ وہ اس کی تائید میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو ابن ماجہ میں اس باب کے تحت مذکور ہے کہ پیٹ بھر کھانے کے معاوضہ پر نوکر رکھنا۔ اس حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مورہ طسم کی تلاوت کی۔ جب آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصد تک پہنچے تو فرمایا: ”موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور پیٹ بھر کھانے کی خاطر آٹھ یا دس سال کے لئے خود کو نوکر رکھ دیا“ (1)۔ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی مسلمہ بن علی شنی و مشقی ضعیف ہے۔ ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن یہ سند بھی محل نظر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرط کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: ذَالِكَ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ... حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے سر سے کہنے لگے کہ میرے اور آپ کے درمیان یہ بات طے پاگئی کہ میں آٹھ سال آپ کے ہاں مزدوری کروں گا اور اگر میں نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ میری اپنی مرضی پر موقوف ہے، بہر صورت آٹھ سال کی خدمت کے بعد میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاؤں گا اور شرط پوری ہو جائے گی، اس لئے فرمایا: آيْنَاكَ جَلْدًا... یعنی جو مدت بھی میں نے پوری کر دی، مجھ پر کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ دس سال کی تکمیل مباح ہے لیکن یہ فاضل ہے، ضروری نہیں۔ ضروری صرف آٹھ سال کی مدت ہے جیسا کہ منیٰ کے آخری دونوں کے متعلق فرمایا: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِلَهَ عَلَيْهِمْ وَ مَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِلَهَ عَلَيْهِمَا (البقرة: 203) اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ بن عمرو السلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جو بکثرت روزہ رکھا کرتے تھے اور انہوں نے آپ ﷺ سے سفر کے روزہ کے متعلق دریافت کیا تھا، اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ”اگر چاہو تو روزہ رکھ لو اور اگر چاہو تو نہ رکھو“ (2) حالانکہ ایک دوسری دلیل سے ثابت ہے کہ روزہ رکھنا راجح ہے۔ بہر صورت یہ دلیل موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری کی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حیرہ کے ایک یہودی نے مجھ سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں البتہ میں عربوں کے سب سے بڑے عالم سے دریافت کروں گا چنانچہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے وہ مدت پوری کی جو زیادہ مفید تھی کیونکہ اللہ کے رسول جب کوئی بات کہتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں (3)۔ حدیث فتون میں آتا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر سے سوال کرنے والا نصرانی تھا (4) لیکن کوئی بات زیادہ درست ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے جبریل سے دریافت کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی تو انہوں نے جواب دیا کہ ان دونوں میں سے جو کامل اور مکمل تھی (5)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟ آپ نے فرمایا: ”مجھے اس کا علم نہیں“۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی لا علمی کا اظہار کیا۔ جبریل علیہ السلام نے اپنے سے اوپر والے فرشتے سے پوچھا تو اس نے بھی لا علمی کا اظہار کیا۔ پھر اس فرشتے نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے زیادہ مفید اور پاکیزہ مدت کی تکمیل کی۔ یہ روایت مرسل ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ

2- صحیح مسلم، کتاب الصوم، جلد 2، صفحہ 790، سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، جلد 2، صفحہ 316

1- سنن ابن ماجہ، کتاب الرہون، جلد 2، صفحہ 817

5- تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 68

4- دیکھیے تفسیر سورہ بقرہ: 40

3- صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 3، صفحہ 236

السلام سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟ انہوں نے کہا کہ میں اسرائیل سے پوچھوں گا۔ ان سے پوچھ تو وہ کہنے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوچھوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تو فرمایا گیا کہ دونوں میں سے زیادہ نافع اور مکمل (1)۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جب یہ دریافت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”دونوں میں سے جو زیادہ کامل اور مکمل تھی اور اگر تم سے یہ پوچھا جائے کہ دونوں میں سے کس خاتون کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نکاح کیا تھا تو کہہ دینا کہ دونوں میں سے چھوٹی کے ساتھ“ (2)۔ ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”جب موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام سے رخصت ہونے لگے تو اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ گزراوقات کے لئے اپنے والد سے کچھ بھریاں مانگ لو۔ انہوں نے اپنے والد سے سوال کیا تو وہ کہنے لگے کہ اس سال پیدا ہونے والی چٹکبری بکریاں تمہاری ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کے پیٹ پر اپنا عصا مارا تو ہر بکری نے دودھ، تین تین بچے جنے جو تمام کے تمام چٹکبرے تھے اور سب کے سب بے عیب، بڑے بڑے بھیرے ہوئے نعنوں والے اور زیادہ دودھ دینے والے تھے“۔ آپ نے فرمایا: ”جب تم شام فتح کر گے تو اس کی باقی ماندہ نسل پاؤ گے اور یہ سامریہ ہے“ (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں خوبصورت سیاہ رنگ کی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں پانی پلانے کے لئے حوض پر لے گئے۔ جو نبی کوئی پانی پی کر واپس آتی، آپ اس کے پہلو پر عصا مار دیتے، اس طرح سوائے ایک دو بکریوں کے تمام بکریوں نے چٹکبرے بچے جنم دیئے جو سب بے عیب تھے۔ ان روایات کا دار و مدار عبد اللہ بن لہیعہ مصری پر ہے جن کا حافظہ کمزور تھا اور حدیث ہے کہ یہ روایات مرفوع نہ ہوں۔ ایک اور سند سے اس قسم کی روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ تکمیل مدت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سر نے آپ سے کہا کہ جو بکریاں اپنے رنگ کے برعکس بچے جنم دیں گی وہ آپ کی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی کے اوپر رسیاں بلند کر دیں، جنہیں دیکھ کر بکریاں خوفزدہ ہو گئیں اور سوائے ایک کے سب نے چٹکبرے بچے جنم دیئے۔ آپ ان سب کو لے کر رخصت ہو گئے (4)۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ
امْكُمُوا إِلَيَّ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا الَّتِي أُوتِيْتُكُمْ مِنْهَا يَحْبَرٌ أَوْ جَذْوَةٌ مِنَ الْنَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٥٠﴾
فَلَمَّا آتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَى
إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥١﴾ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا
وَلَمْ يُعَقِّبْ يُمُوسَى أَقْبَلُ وَلَا تَخَفْ إِنَّا كُنَّا مِنَ الْآمِنِينَ ﴿٥٢﴾ أَسْلَمَكَ يَدَكَ فِي جَيْدِكَ
تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۗ وَأَضْمَمُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ ۖ فَذُنُوبُكَ بُرْهَانٍ مِنْ
رَبِّكَ إِلَىٰ قَوْمِكَ وَمَلَائِكَةٍ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٣﴾

”پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر دی (وہاں سے) چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر تو آپ نے دیکھی طور

2- کشف الاستار من ذوائد البز اور کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 63

1- تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 69

4- تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 69

3- کشف الاستار من ذوائد البز اور کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 63-64

کے ایک طرف آگ۔ آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر: آگ کی کوئی چنگاری تاکہ تم اسے تاپ سکو۔ پس جب آپ وہاں گئے تو ندا آئی وادی کے دائیں کنارہ سے اس باہر کت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے۔ اور (ذرا) ڈال دو (زمین پر) اپنے عصا کو۔ اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو آپ پیٹھ پھیر کر چلن دینے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (آواز آئی) اے موسیٰ علیہ السلام! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں۔ یقیناً تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو۔ ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے اور رکھ لے اپنے سینے پر اپنا ہاتھ خوف دور کرنے کے لئے تو یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں (کی طرف لے جانے) کے لئے بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں۔“

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری کی۔ یہاں آیت کریمہ میں ”الا جس“ کا لفظ بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے دس سال پورے کئے۔ مجاہد کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی تکمیل کے بعد مزید دس گزارے لیکن اس بات کا کوئی اور قائل نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے وطن اور گھر والوں کی یاد ستار ہی تھی، اپنے خویش و اقارب کے ساتھ ملاقات کے شوق میں آپ نے فرعون اور اس کی قوم سے خفیہ خفیہ اپنے گھر جانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے اہل خانہ اور ان بکریوں کو ساتھ لیا جو آپ کے سسر نے آپ کو بہید کی تھیں اور مہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات کو بارش ہونے لگی، سخت اندھیرا چھا گیا اور سردی انتہا کو پہنچ گئی۔ آپ ایک جگہ ٹھہر گئے اور چمنق سے آگ جلانے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود۔ اس صورتحال سے آپ بہت متعجب ہوئے، اسی اثناء میں کچھ دور طور کی جانب آپ کو آگ دکھائی دی تو آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا کہ ذرا ٹھہرو، مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں شاید وہاں کوئی ایسا آدمی مل جائے جس سے رستہ دریافت کر لوں: آگ کی چنگاری لے آؤں جسے تم تاپ لو اور سردی سے محفوظ ہو جاؤ۔ جب آپ وہاں پہنچے تو مغربی سمت سے دائیں جانب پہاڑ کے ساتھ وادی کی طرف سے آواز آئی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَا كُنْتُ بِهَا نَبِيًّا نَعْلَمُ بِهَا لَقَدْ قَرَّبْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذْ هُوَ رَآٰءَىٰ الْقَصَصَ (44)۔ اور آپ (طور کی) مغربی سمت میں نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے قصد سے قبل ہی کی جانب چلے تھے اور مغربی پہاڑ آپ کی دائیں طرف تھا۔ وہاں پہاڑ کے دامن میں ایک سرسبز درخت میں بھرتی ہوئی آگ دکھائی دی۔ آپ اسے دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ اس وقت اس مبارک مقام میں وادی کے دائیں کنارے درخت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس درخت کو دیکھا ہے جہوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی گئی تھی۔ یہ سرسبز و شاداب درخت ہے جو چمک رہا ہے (1)۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ یہ عریق کا درخت ہے۔ بعض اہل کتاب کا کہنا ہے کہ یہ عوج کا درخت تھا (2) اور آپ علیہ السلام کا عصا بھی اسی درخت کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنْ يُّوَدِّيَ لِي۔ یعنی تمہارے ساتھ جو مخاطب اور ہم کلام ہے وہ اللہ رب العالمین ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔ وہ اپنی ذات، صفات، اقوال اور افعال میں بے مثل اور مخلوق کی مش بہت سے منزہ اور اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عصا بھیجئے کہ حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاَنْ تَقِيَّ حَصَاكَ یعنی اپنا وہ عصا زمین پر

ان دنوں حضرات کو آگاہ کر دیا کہ دنیا و آخرت میں اچھا انجام تمہارا اور تمہارے پیروکاروں کا ہی ہے، فرمایا: **أَنْتُمْ أَوْ مَنِ اتَّبَعَكُمُ الْعَالَمُونَ** اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: **كَلَّمَ اللَّهُ لَآئِلِيَهُمْ أَنْ وَرَسُولُهُ ۗ وَبَعَثَ اللَّهُ قَوْمِي عَزِيزًا (الجمادہ: 21)** ”اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے۔“ **إِنَّا أَنْتُمْ مُمْتَدُونَ مُسْتَأْوَى الَّذِينَ أَتَيْنَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (المومن: 51)** ”بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی اس دنیوی زندگی میں۔“ ابن جریر کہتے ہیں کہ ”بآئینت“ کا تعلق بعد والی کلام کے ساتھ ہے یعنی تم دونوں کو اور تمہارے پیروکاروں کو ہماری دنی ہوئی آیات کے سبب غنیمت حاصل رہے گا (1)۔ بلاشبہ یہ معنی صحیح ہے لیکن پہلی جو جہر کا بھی یہی معنی ہے اس لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَى بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۗ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ بِمَا نَزَّلْنَا فِي سُبُوحٍ كَالسَّمَانِ أَلْمُوتُونَ ۗ

”پھر جب آئے فرعونوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری روشن نشانیاں لے کر انہوں نے کہا نہیں ہے یہ جگر جاؤ گھر آؤ اور ہم نے نہیں سنی اس قسم کی باتیں اپنے پہلے آباؤ اجداد کے زمانہ میں۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا میرا رب نوب جانتا ہے اسے جو اس کی بارگاہ سے (نور) ہدایت لے کر آیا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ اس کا انجام اچھا ہوگا۔ بے شک ہمارا مد نہیں ہوئے ظلم و ستم کرنے والے۔“

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس گئے، انہیں تو حید اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کی تلقین کی اور اپنی نبوت کی صداقت پر زبردست معجزات پیش کئے جنہیں دیکھ کر فرعونوں کو یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں لیکن انہوں نے اپنے کفر، تکبر اور عناد کے باعث انکار اور ہٹ دھرمی کی روٹن اختیار کئے رکھی اور کہنے لگے: **هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى** یعنی یہ تو مصنوعی اور گھڑا ہوا جادو ہے۔ انہوں نے حیلہ و فریب اور قوت و سطوت کو بروئے کار لاتے ہوئے حق کے ساتھ مقابلہ کرنے کا عزم کر لیا لیکن انہیں منہ کی کھانا پڑی اور وہ ذلیل و رسوا ہو کر نیست و نابود ہو گئے۔ پھر کہنے لگے: **مَا سَمِعْنَا بِهَذَا**۔ یعنی نہ تو ہم نے اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کو خدائے واحد کی عبادت کرتے دیکھا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو اس دین پر کار بند پایا۔ ہم تو یہی دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودوں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں۔ انہیں جواب دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: **إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ بِمَا نَزَّلْنَا فِي سُبُوحٍ كَالسَّمَانِ أَلْمُوتُونَ** یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودوں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں۔ انہیں جواب دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: **وَمَنْ تَكُونُونَ عاقبۃ الدار یعنی اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتا ہے کہ کس کو اس کی تائید اور نصرت حاصل ہوگی۔ آخر میں فرمایا: **إِنَّكُمْ لَا تُفْقِدُونَ الظالمون یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شُرک کرنے والے ظالم بھی ہمارا نہیں ہوں گے۔****

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي ۚ فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامُوتُ عَلَى الطَّيْنِ نَاجِعَلُ لِي صَرْحًا لَعَلِّي آتِيكُمُ إِلَىٰ إِلَهِ مُوسَىٰ ۖ وَإِنِّي لَأَكْفُرُ بِكُم مِمَّا تَكْفُرُونَ ۗ

کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کسی تو کو آسانی یا زحمتی عذاب سے ہلاک نہیں کیا مگر مومن علیہ السلام سے پہلے“ (۱)۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ اس کے بعد تو رات کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا: بَصَّأَبْرًا لِلنَّاسِ وَهَدَىٰ - یعنی یہ کتاب اندھے بین اور گمراہی سے بصیرت عطا کرنے والی، حق کی راہ دکھانے والی اور لوگوں کے لئے سراپا رحمت ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت اور ہدایت حاصل کریں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْعَرَبِ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۗ وَلَكِنَّا
 أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلْ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ وَمَا كُنْتَ ثَائِرًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتَّبِعُوا عَلَيْهِم
 الْيَتِيمَ ۗ وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۙ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْنَا دَعَيْنَا وَلَكِن مَّرْحَمَةً مِن
 رَبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَتْهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۙ وَلَوْلَا أَن
 نُصِيبَهُم مُّصِيبَةً مِّمَّا قَدْ هَمَّتْ آيِدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا آتَيْنَا سُرُورًا فَتَنَّهُمْ
 الْيَتِيمَ وَتَكُونُ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۙ

”اور آپ نہیں تھے (طور) کی مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت کا) حکم بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے۔ لیکن ہم نے پیدا فرمائیں کئی قومیں (یکے بعد دیگرے) اور کافی لمبا عرصہ گزر گیا ان پر۔ (اور انہوں نے عہد خداوندی بھلا دیا) اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے تاکہ آپ پڑھ کر سنا تے انہیں ہماری آیتیں۔ لیکن ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے تھے۔ اور آپ (اس وقت) طور کے کنارہ پر بھی نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) ندا فرمائی لیکن یہ آپ کے رب کی محض رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو ان حالات پر آگاہ کر دیا) تاکہ آپ (قہر الہی سے) ڈرائیں اس قوم کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے شاید وہ نصیحت قبول کریں۔ (اور اس کی وجہ یہ ہے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انہوں نے کئے ہیں تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اسے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم ہیرا دی کر سکتے تیری آیات کی اور ہم ہو جائے ایمان والوں سے۔“

اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل پر آگاہ فرما رہا ہے کہ آپ عیب کی گزشتہ خبریں دے رہے ہیں اور ماضی کے واقعات بلا کم و کاست اس طرح بیان کر رہے ہیں گویا آپ اس وقت موجود تھے اور آپ نے اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے حالانکہ آپ انی ہیں کسی سے ایک حرف تک نہیں پڑھا اور پھر آپ ایسے ماحول میں پروان چڑھے جہاں لوگوں کو علمی مشاغل سے کوئی دلچسپی نہ تھی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہذریہ وحی آپ کو ان چیزوں کے متعلق آگاہی بخشی جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذِ اتَّخَذُوا آيَاتِنَا مِثْمَالًا ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذِ اتَّخَذُوا آيَاتِنَا مِثْمَالًا ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذِ اتَّخَذُوا آيَاتِنَا مِثْمَالًا ۚ اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلمیں پھینک رہے تھے (یہ فیصلہ کرنے کے لئے) کہ کون ان میں سے مریم کی سرپرستی کرے گا اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ یعنی آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہذریہ وحی آپ کو اس سے

مطلع کر دیا، اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: **بِئِنَّكَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ** اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نَّكُوْنَا مِثْلَ نُوْحٍ وَّعِيسٰى وَاٰدَمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا اَعْمٰى اَعْيُنِهِمْ فَذُرَّنُوْهُمْ يَتَمَتَّعُوْنَ اِنَّكَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ سُلُوْبِهِمْ (ہود: 49) ”یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ سے جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، پس آپ صبر کریں یقیناً نیک انجام پر ہمیز گاروں کے لئے ہے۔“۔ سورت کے آخر میں فرمایا: **ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِیَاءِ الْغٰلِبِيْنَ** (ہود: 100) ”یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں۔“۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: **ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِیَاءِ الْغٰلِبِيْنَ** اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نَّكُوْنَا مِثْلَ نُوْحٍ وَّعِيسٰى وَاٰدَمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا اَعْمٰى اَعْيُنِهِمْ فَذُرَّنُوْهُمْ يَتَمَتَّعُوْنَ اِنَّكَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ سُلُوْبِهِمْ (یوسف: 102) ”یہ (واقعات) غیب کی خبروں سے ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ اس بات پر متفق ہو گئے تھے دریاں حلیکہ وہ مگر کر رہے تھے“ سورۃ ط میں فرمایا: **كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبِیَاءٍ مَّا قَدْ سَبَقَ** (ط: 99) ”یوں ہم آپ سے ان لوگوں کی خبریں بیان کرتے ہیں جو پہلے گزر چکے۔“ اور یہاں اول سے لے کر آخر تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: **وَ مَا كُنْتُ بِجَانِبِ الْغٰلِبِيْنَ** . یعنی اسے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ مغربی پہاڑ کے کنارے موجود نہ تھے جہاں اس درخت سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخش جو وادی کے کنارے پر مشرقی سمت میں ہے اور نہ ہی آپ اس کے گواہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اس سے آگاہ کر دیا تاکہ یہ ان امتوں پر آپ کی نبوت کی دلیل بن جائے جن پر طویل عرصہ گزر گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کو فراموش کر بیٹھے جو سابقہ انبیاء علیہ السلام لائے تھے۔ پھر فرمایا: **وَ مَا كُنْتُ خَالِیًا** . یعنی آپ الہی مدین میں مقیم نہ تھے کہ آپ (حضرت) شعیب علیہ السلام کے حالات بیان کرتے لیکن ہم نے بذریعہ وحی آپ کو ان حالات پر مطلع کر دیا اور لوگوں کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔ پھر فرمایا: **وَ مَا كُنْتُ بِجَانِبِ الْغٰلِبِيْنَ** . سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ندا دی گئی: اے امت محمد ﷺ! تمہارے سوال کرنے سے پہلے میں نے تمہیں عطا کر دیا اور تمہارے دعا کرنے سے پہلے میں نے تمہاری دعا قبول کر لی (1)۔ مقالہ بن حیان اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ طور کے کنارے نہیں تھے جب ہم نے آپ کے امتوں کو جو اپنے آباء و اجداد کی پشتوں میں تھے، ندا دی کہ جب آپ ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث کیا جائے تو وہ آپ پر ایمان لائیں (2)۔ قنادہ اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ آپ طور کی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی اور یہی مفہوم زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ بیان ہوا: **وَ مَا كُنْتُ بِجَانِبِ الْغٰلِبِيْنَ** . اوپر عام ذکر تھا اور یہاں خاص (عماء) ہے جیسا کہ فرمایا: **وَ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰی (اشعراء: 10)** ”اور یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا دی“۔ **اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰی (اشعراء: 16)** ”جب ان کے رب نے انہیں طوی کی مقدس وادی میں پکارا تھا“۔ **وَ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰی (اشعراء: 16)** ”جب ان کے رب نے انہیں طوی کی مقدس وادی میں پکارا تھا“۔ **وَ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰی (اشعراء: 52)** ”اور ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے ندا دی اور ہم نے راز کی باتیں کرنے کے لئے انہیں قریب کیا“۔ پھر فرمایا: **وَ لٰكِنْ مَّرْحُوْمًا.....** یعنی آپ نے ان میں سے کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور بندوں پر اپنی رحمت کرتے ہوئے آپ کی طرف وحی کی اور ان سب واقعات و اخبار سے آپ کو آگاہ کر دیا تاکہ آپ ان لوگوں کو بروقت خبردار کریں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا، ممکن ہے وہ آپ کے پیغام کو سن کر ہدایت قبول کر لیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اعمال کے باعث ان پر کوئی مصیبت نازل ہو اور وہ کہنے لگیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا، اس لئے ہم نے آپ کو رسول بنا

کر ان کی طرف بھیجا ہے تاکہ ان پر جنت قائم ہو جائے اور ان کے عذر بہانے ختم ہو جائیں اور جب عذاب الہی انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے تو جنت بازی کرتے ہوئے یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ ہمارے پاس تو کوئی پیغمبر آیا ہی نہیں جیسا کہ نزول قرآن کے ذکر کے بعد فرمایا: اَنْ تَقُولُوا اِنَّا اَنْزَلْنَا الْكِتَابَ عَلٰى طٰلِقِثَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا - فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَاتٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ (الانعام: 157-158)، مُرْسَلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَكُنَّ لِقَاؤُنَا لِلنَّاسِ عَلٰى نُوْحٍ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء: 165) ”یہ رسول (ہم نے بھیجے) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ رسولوں کے (آنے کے) بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر نہ رہے۔ ”يَا هٰٓؤُلَآءِ الْكٰفِرِيْنَ كَيْفَ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا بِبَيِّنٰتٍ لَكُمْ عَلٰى فِئْرٍ ذُوْنِ الرُّسُلِ اِنْ تَقُولُوْا اِنَّا جَاءْنَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ فَاَنْزِلْهُمُ الْوَاوِيْنَ (المائدہ: 9) ”اے اٹل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے، صاف بیان کرتا ہے تمہارے لئے (احکام الہی) بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری ویسے والا آیا تھا اور نہ کوئی ڈرانے والا۔ اب تو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آگیا ہے۔“

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَا اُوْتِيَ مٰٓؤُتٰى مٓوْسٰى ؑ اَوْ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَا اُوْتِيَ مٓوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ قَالُوْا سِحْرَانِ تَظٰهَرٰۙا ۗ وَقَالُوْا اِنَّا بِحُجَّتِ لِفِرْعَوْنَ ؕ قُلْ قَاتِلُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَا اَتَّبِعُهُۥ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؕ اِنْ كُنْتُمْ يَسْتَجِيبُوْنَ اِلَيْكَ فَاَعْلَمُ اَلْمَآئِيْمُوْنَ اَهُوَ اَعْرَهُمْ ؕ وَمَنْ اَصْلُ مِثْنِ التَّبَعِمْ هُوَ لِهٖ يَغْيِيْهِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ؕ وَلَقَدْ وَّصَلْنَا لَكُمْ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؕ

”پھر جب آگیا ان کے پاس حق ہماری جناب سے تو وہ کہنے لگے کیوں نہ دیئے گئے انہیں اس قسم کے معجزے جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ (ان ناپکاروں سے پوچھو) کیا انہوں نے انکار نہیں کیا تھا ان معجزات کا جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ انہیں نے کہا (موسیٰ) ہاروں علیہا السلام) دو جادوگر ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں نیز انہوں نے کہا تھا ہم ان تمام کا انکار کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے تم لے آؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس سے جو زیادہ ہدایت بخش ہو ان دونوں (قرآن و تورات) سے تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہوئے۔ پس اگر وہ قبول نہ کریں آپ کے اس ارشاد کو تو جان لو کہ دو صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو بیرونی کرتا ہے اپنی خواہش کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی رہنمائی کے بغیر۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو اور ہم مسلسل بھیجتے رہے ان کی طرف اپنا کلام تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ اگر لوگوں کو تمام جنت سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا تو وہ یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا۔ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کی زبانی حق آگیا تو یہ کفر، عناد، جہالت اور الحاد کے باعث کہنے لگے: لَوْلَا اُوْتِيَ مٰٓؤُتٰى مٓوْسٰى ؑ یعنی انہیں اس قسم کے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے جیسے عصا، ید بیضاء، طوفان، مٹی، جویں، مینڈک، خون، اناج اور پھلوں میں کمی، جس کی وجہ سے دشمنان خدا جنگی کا شکار ہو گئے، دریا کو چیرنا، بادل کا سایہ کرنا، من و سلویٰ کا اترنا اور ان جیسے دیگر معجزات جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونوں اور بنی اسرائیل پر بطور جنت و برہان

تُوْمَرًا - وَكَانُوا عَيْنِي سُهَدَاءَ (المائدة: 44) اور انجیل تو تورات کی تکمیل کرنے والی اور ان بعض چیزوں کو طلال کرنے والی ہے جو نبی اسرائیل پر حرام قرار دی گئی تھیں اس لئے فرمایا: قُلْ فَأَتُوا بِكِتَابِكُمْ اس کے بعد فرمایا: قُلْ لَمْ يَنْسَخِ اللَّهُ مَا كُنْتُمْ عَلَىٰ بَاطِلٍ مِّنْهُ مَاتِيں اور نہ ہی حق کی اتباع کریں تو جان لیں کہ یہ بغیر کسی دلیل و حجت کے محض اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کر رہے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی اتباع کے جا رہا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ پھر فرمایا: وَلَقَدْ وَصَلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْبَغْيُ فَذُكِّرُوا وَلَمَّا هَمَّوْا سَأَلُوهُ لَدُنَّ عَالِيَهُمْ عَلَيْهِمُ السَّلْوَ وَاللَّهُ يَخْتَارُ لِمَن يَشَاءُ لِمَا يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۱)۔ ”لہم“ کی تفسیر کا مرجع قریش ہیں لیکن رفاہہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دس آدمیوں کے متعلق نازل ہوئی جن میں سے ایک میں تھا (2)۔ یہ رفاہہ حضرت صفیہ بنت جہش رضی اللہ عنہا کے ماموں ہیں، یہود کے قبیلہ بنو نضیر سے ان کا تعلق تھا اور یہ وہی ہیں جنہوں نے تمیمہ بنت وہب کو طلاق دی تھی، پھر بعد میں عبد الرحمن بن زبیر بن باطال نے اس سے نکاح کر لیا تھا۔

أَلَمْ يَأْتِ الْيَهُودَ الْكُتُبُ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا يُثَلَّ عَلَيْهِمْ قَالَ آلُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۱۱﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مِمَّا صَبَرُوا وَوَدَّ يَسْتَوْفُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ وَمِمَّا رَأَوْهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۱۲﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَأَعْمَالُكُمْ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۱۳﴾

”جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزل) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے تھے۔ یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر و مرتبہ بوجہ ان کے صبر کے اور دور کرتے ہیں نیکی کے ساتھ برائی کو نیز اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب وہ سنتے ہیں کسی بیہودہ بات کو تو منہ پھیر لیتے ہیں اس سے اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ تم سلامت رہو۔ ہم جاہلوں (سے اچھے) کے خواہاں نہیں ہیں۔“

اہل کتاب میں سے خدا دوست علماء کی بابت بتایا جا رہا ہے کہ وہ قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ”أَلَمْ يَأْتِ الْيَهُودَ الْكُتُبُ مِنْ قَبْلِهِمْ سَيَلَّمُوا فِيهَا وَمِنْ قَبْلِهِمْ قَدْ كُنَّا آيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ“ (البقرة: 121) جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، وہی اس پر ایمان لائے ہیں۔ ”وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ خَبَرٍ تَلْمِزِيٍّ لِّبَعْضِهِمْ خَبْرٌ“ (آل عمران: 199) اور بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا اور اس پر جو ان کی طرف اتارا گیا، اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرنے والے ہیں۔ ”إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يُعْتَبِرُونَ كَانُوا إِتِقَانًا سَجْدًا لِلَّهِ وَقَالُوا لَا نَسْجُدُ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَلَا لِمَا خُلِقَ مِنْ دُونِهَا إِنَّا سَجِدُ لِمَا عِنْدَ رَبِّنَا تَلْمِزِيٍّ لِّبَعْضِهِمْ خَبْرٌ“ (بنی اسرائیل: 108-107) ”بے شک وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان کے سامنے اسے پڑھا جاتا

ہے تو وہ غولوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہم را رب پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔" لَسَجَدَاتُ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا وَأَوْجِبُ لِيَدِيْنَ اَمْتُوا الْهُؤُودَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَ لَسَجَدَاتِيْ اَقْرَبُ مِنْهُمْ مَّوَدَّةً لِّاِيْدِيْنَ اَمْتُوا الْبَنِيْنَ قَاتِلُوْا اِيْنَ اِنَّا لَنَصْرِيْ ... فَاتَّخِذْنَا عَمَّ الشُّجْحِيْنَ (المائدہ: 82-83) سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان ستر علماء نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئیں جنہیں مجاشی نے تحقیق حال کے لئے نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا۔ جب یہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں سورہ یٰسین سنائی جسے سن کر یہ رونے لگے اور شرف باسما ہو گئے۔ انہی کے متعلق یہ آیات اتریں: اَلَّذِيْنَ يٰنِيْنُ اَتَيْنٰهُمْ الْكِتٰبَ ... یعنی جن کو ہم نے قرآن سے پہلے کتاب دی وہ اسپر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ ہم تو اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کرتے ہوئے مسعود اور مخلص مومن بن گئے تھے، پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُّؤَيِّدُوْنَ اٰجْرَهُمْ۔ یعنی وہ لوگ جو پہلی کتاب پر ایمان لانے کے بعد قرآن کریم پر ایمان لائے، انہیں اس وجہ سے دوسرا اجر عطا کیا جائے گا کہ وہ اتباع حق پر ڈنٹے رہے اور حق پر ڈٹ جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمیں قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں دوہرا اجر عطا کیا جاتا ہے: اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لانے کے بعد مجھ پر ایمان لایا، عبد مملوک جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے آقا کا حق بھی اور وہ شخص جس کی کوئی ٹونڈی ہو، وہ اسے اچھا ادب سکھائے اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے" (1)۔ حضرت قاسم بن ابی امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن میں رسول اللہ ﷺ کی سواری کے بالکل پاس ہی تھا۔ آپ نے نہایت عمدہ باتیں ارشاد فرمائیں جن میں ایک ارشاد یہ بھی تھا: "یہود و نصاریٰ میں سے جو اسلام لے آئے، اس کے لئے دوہرا اجر ہے، اس کے وہی حقوق فرائض ہوں گے جو ہمارے ہیں" (2)۔ پھر انہوں نے قدسید کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... یعنی یہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ غنودہ درگزر سے کام لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے حلال رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے اور زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں اور جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوتے بلکہ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كَمَا مَرَّ اَمَّا (انقرقان: 72) "اور جب وہ کسی لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو بڑے باوقار ہو کر گزرتے ہیں"۔ اللہ کے ان بندوں کو جب کسی احمق اور بے وقوف سے واسطہ پڑ جائے اور وہ ان سے ایسی غیر شائستہ گفتگو کرے جو جواب کے لائق نہ ہو تو یہ اس سے اچھے نہیں، نہ ہی اسے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہیں اور نہ ہی غیر منسب الفاظ ان کی زبان پر جاری ہوتے ہیں بلکہ یہ شائستہ زبان استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں: لَنْ اَعْتَابُكَ وَاَنْتَ كُنْتَ اَعْتَابَ الْكُفْرٰنِ... یعنی ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم سلامت رہو، ہم جاہلوں سے اچھے کے خواہاں نہیں اور نہ ہی ان کا وطیرہ ہمیں پسند ہے۔ محمد بن اسحاق سیرت میں بیان کرتے ہیں کہ حبشہ سے تقریباً بیس ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، انہوں نے آپ سے بات چیت کی اور کچھ سوالات کئے۔ اس وقت قریش کے کچھ لوگ کعبہ شریف کے ارد گرد اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے، عیسائی عمامہ کا یہ دند جب بات چیت سے فارغ ہوا اور ان کی تشریح ہو گئی تو آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ جب انہوں نے تلاوت قرآن ہی تو ان کا دل پینچ گیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، پھر وہ شرف بہ اسلام ہو گئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے کیونکہ جو

جو اوصاف انہوں نے اپنی کتاب میں پڑھے تھے، وہ انہوں نے بعینہ آپ ﷺ کی ذات میں موجود پائے۔ جب یہ لوگ وہاں سے اٹھے تو ابو جہل اور ان کے ساتھیوں نے ان کا رستہ روک لیا اور انہیں کہنے لگے کہ خدا تمہارے وفد کو نامراد اور ذلیل کرے! تمہاری قوم نے تمہیں اس شخص کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا لیکن تم نے آن واحد میں ابتداء میں ترک کر کے اس کی تصدیق بھی کر دی، ہم نے تم سے بڑھ کر احمق اور نادان وفد کبھی نہیں دیکھا۔ اس کے جواب میں وہ نفوس قدسیہ انہیں کہنے لگے کہ تم سلامت رہو، ہم تمہارے مقابلہ میں جاہلانہ روش اختیار کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہمیں جس چیز میں اپنے لئے بھلائی دکھائی دی ہے ہم نے بلا تامل اسے قبول کر لیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وفد نجران کے عیسائیوں کا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیات ان کے بارے میں نازل ہوئیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ان آیات کا شان نزول پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو اپنے علماء سے یہی سنتا آیا ہوں کہ یہ آیات اور سورہ مائدہ کی یہ آیات ذٰلِكَ بِأَنَّ وَاَنْتُمْ قَبِيْلِيْنَ وَرُءُوْبًا ۙ فَاَكْتَبْنَا مَعَ الشَّعْبِ نَبِيًّا نَجَاشِيٍّ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئیں (1)۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَهُوَ اَعْلَمُ بِاِلْتِهَادِيْنَ ۝۵
 قَالُوْا اِنْ تَشِيْعُ الْهُدٰى مَعَكَ نَتَّخِطُفْ مِنْ اٰمْرٰنَا ۗ اَوَلَمْ تُسْكَرْ لَّهُمْ حَرَمًا اِمْنَا يُجْعَلٰى
 اِلَيْهِۙ سَمٰتٌ كُلِّ شَيْءٍ رَّزَقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶

”بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں، البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو۔ اور انہوں نے کہا اگر ہم اتباع کریں ہدایت کا آپ کی معیت میں تو ہمیں اچک لیا جائے گا ہمارے ملک سے۔ کیا ہم نے بسا نہیں دیا انہیں حرم میں جو امن والا ہے کھچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل یہ رزق ہے ہماری طرف سے لیکن ان کی اکثریت کو سمجھ نہیں جانتی۔“

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اور یہ آپ کی ذمہ داری بھی نہیں بلکہ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ اپنی حکمت کے پیش نظر جسے چاہتا ہے، ہدایت سے نوازا دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ (البقرہ: 272) ”انہیں ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے“۔ وَمَا اَكْمُرُ النَّاسَ وَلَا نُوَخِّصُهُمْ بِسُوْرٰتِنَا (يوسف: 103) ”اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں خواہ آپ کتنے ہی خواہاں ہوں“۔ یہ آیات ان تمام سے خاص ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ پسند کریں لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ صحیحین میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے چچا جناب ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کا بہت زیادہ خیال رکھتے، ہر ممکن تعاون کرتے، آپ ﷺ کی طرفداری کرتے اور ٹوٹ کر آپ سے محبت کرتے لیکن یہ محبت طبعی تھی نہ کہ شرعی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن تقدیر کا نوشتہ غالب آ گیا موت نے انہیں ہاتھوں سے اچک لیا اور وہ کفر پر برقرار رہے۔ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے

ہے کہ یہ عذر الگ پیش کرنے والا حادثہ بن عامر بن نوفل تھا (1)۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَدِيحَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا قَبْلَكَ مَسَكِنُهُمْ لَمْ تُسْكِنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا
 قَبِيحًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥٠﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمَّهَاتِهَا
 رَسُولًا يُلْقِيَهُمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَى إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾

”اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیئے جب وہ فخر کرنے لگے اپنی خوشحالی پر۔ پس یہ ہیں ان کے گھر جن میں سکونت نہیں کی گئی ان کے بعد مگر بہت کم عرصہ۔ اور (آخر کار) ہم ہی ان کے وارث بنے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو یہاں تک کہ بھیجے ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول جو پڑھ کر سنائے وہاں کے رہنے والوں کو ہماری آیتیں۔ اور نہیں ہیں ہم ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر یہ کہ ان کے بسنے والے ظالم ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو سمجھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو برباد کر دیا جن کے مکینوں کو اپنی خوشحالی پر بڑا ناز تھا، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اتراتے اور سرکشی کی روٹ اختیار کرتے ہوئے ناشکری کرتے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَصَوَّبَ إِلَهُ مَثَلًا قَدِيحَةً كَانَتْ أُمَّةً لُغِيَّةً يُأَيِّدُهَا مِنْ قِبَلِنَا أَلْفًا مَوْجِدًا مِنْ قِبَلِنَا لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِيهَا الَّذِينَ يَشَاءُ مِنَ الْقَوْمِ فَكَانَ لَهُمْ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ (الأنحل: 113-112) اس لئے فرمایا: قَبْلَكَ مَسَكِنُهُمْ۔ یعنی یہ ان کی اجزی ہوئی بستیاں ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی۔ ان کی ہلاکت کے بعد ان کے کھنڈرات میں الو بولنے لگے اور وہاں وحشت نے ڈیرے بھالنے۔ آخر کام ہم ہی ان کے وارث ٹھہرے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ حضرت سلیمان غنیہ السلام نے الو سے دریافت کیا: تو اناج کیوں نہیں کھاتا؟ اس نے جواب دیا: اس لئے کہ اس کے سبب آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے۔ آپ علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ تو پانی کیوں نہیں پیتا؟ اس نے جواب دیا: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو اس میں غرق کر دیا۔ پھر سوال کیا کہ کیا وجہ ہے تو صرف ویرانے میں ہی رہتا ہے؟ اس نے جواب دیا: کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی میراث ہے۔ پھر حضرت کعب نے وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ پڑھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے عدل و انصاف کو بیان فرما رہا ہے کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی قوم کو برباد نہیں کرتا، اس لئے فرمایا: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى۔ یہاں ”م“ سے مراد مکہ شریف ہے۔ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضور نبی امی ﷺ ام القری (مکہ) سے تمام عرب و عجم کی طرف رسول مبعوث ہوئے جیسا کہ فرمایا: لِيُنذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام: 93) ”تا کہ آپ مکہ (والوں) کو اور اس کے اردگرد والوں کو ڈرائیں۔“ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَبِينًا (الاعراف: 158) ”فرمائیے: اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“ لِيُنذِرَ مَن كَانَ يَبْغِي وَهُوَ مِنْ بَدَنِهِمْ (الانعام: 19) ”تا کہ میں اس سے تمہیں اور اسے ڈراؤں جس تک یہ پہنچے۔“ وَصَوَّبَ يَلْقَئَهُمْ مِنَ الْأَحْزَابِ قَالُوا لَمْ نَجِدْ لَهُ عَاقِبَةً (هود: 17) ”اور جو گروہوں میں سے اس کے ساتھ کفر کرے تو آگ اس کے وعدہ کی جگہ ہے۔“ وَإِنْ مِنْ قَدِيحَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهُمَا عَذَابًا شَدِيدًا (نہی اسرائیل: 58) ”اور کوئی بستی نہیں ہے مگر ہم روز قیامت سے پہلے اسے برباد کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے۔“ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى يَبْعَثَ رَسُولًا (نہی اسرائیل: 17) ”اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں۔“ آپ ﷺ کی بعثت عام ہے اور دنیا کی تمام بستیوں کو شامل ہے کیونکہ آپ کو

مکہ شریف میں مبعوث کیا گیا جو تمام ہستیوں کا اصل اور مرکز ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”مجھے تمام سرخ و سیاہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے“ (1)، اسی لئے نبوت و رسالت کو آپ پر ختم کر دیا گیا۔ آپ کے بعد کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول بلکہ آپ کی شریعت قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ”امعا“ سے مراد اصل اور بڑا قریہ اور مرکزی شہر ہے (2)۔ یہ قول بعید نہیں۔

وَمَا أُوْتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَّامِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرِيْبَتُهَا ۗ وَمَاعِنْدَ اللّٰهِ حَيٰوةٌ اَبْلٰغٌ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اَقْمِنْ وَاَعْدِلْ وَاَحْسِنْ اَفْهَوْ لَا قَبِيْهَ كَسَنَ شَتَعْنَهُ مَتَّامِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

”اور جو چیز دی گئی ہے تمہیں تو یہ سامان ہے دنیوی زندگی کا اور اس کی زیب و زینت ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور دیر پا ہے کیا تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ (تم خود سوچو) آیا وہ (نیک بخت) جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے بہت اچھا وعدہ اور وہ اس کے پانے والا بھی ہے۔ اس (بد بخت) کی مانند ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا سامان دینا ہے پھر وہ (اس چند روزہ آسائش کے بعد) روز قیامت (مجرموں کے کنہرے میں) پیش کیا جائے گا۔“

دنیا کی حقارت، بے ثباتی، گھٹیا زیب و زینت، فانی لذت اور ناپائیدار آسودگی کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی دائمی، پائیدار اور عظیم نعمتوں کا بیان ہو رہا ہے جیسا کہ دیگر مقامات پر فرمایا: مَا عِنْدَكُمْ يَنْقُذُكُمْ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل: 96) ”جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔“ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّذٰبِرِہٖم (آل عمران: 198) ”اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ نیکوں کے لئے بہت بہتر ہیں۔“ وَمَا الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَّامٌ (المرعد: 26) ”اور آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی نہیں ہے مگر متاع حقیر۔“ بَلَىٰ لَّئِيْنِ تُوْتُوْنَ الْعٰلِيَةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ حَيٰوةً اَبْلٰغٌ (الاعلىٰ: 17-16) ”بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت اس سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے، پھر دیکھ لے کہ انگلی کے ساتھ کس قدر پانی آتا ہے“ (3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا وہ لوگ عقل نہیں رکھتے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَقْمِنْ وَاَعْدِلْ وَاَحْسِنْ یعنی کیا وہ اس کا فرجیسا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات، اس کے وعدہ اور وعید کو جھٹلانے کے ساتھ ساتھ، اس چند روزہ زندگی کی فانی لذت میں منہمک ہے پھر قیامت کے دن یہ عذاب کے مستحق لوگوں میں سے ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کے متعلق ہے (4)۔ بہر صورت یہ آیت عام ہے جیسا کہ فرمان ہے کہ مومن جنت کے درجات سے جہاں تک کہ فرکو جنہم کی گھاٹیوں میں دیکھ کر کہے گا: وَ لَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الصافات: 57) ”اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔“ وَ لَقَدْ عَلِمْتِ الْيَوْمَ الْيَوْمَ الْمُحْضَرُوْنَ (الصافات: 158) ”حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں (پکڑ کر) پیش کیا جائے گا۔“

1- تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ آل عمران: 20

2- اکتشاف، جلد 3 صفحہ 175، زادالمسیر، جلد 6 صفحہ 243

4- تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 97

3- تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ آل عمران: 185، تفسیر سورہ مرعد: 26

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِلَّا آيَاتِنَا يُعْبَدُونَ ﴿٥٧﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمُ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٥٨﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٥٩﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٠﴾ فَأَمَّا صَنْتَابُ وَ

اَهْرَاقُ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦١﴾

”اور اس دن اللہ انہیں آواز دے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں وہ شریک جنہیں تم (میرا شریک) گمان کیا کرتے تھے۔ کہیں گے وہ لوگ جن پر عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا ہے ہمارے رب! یہ ہیں وہ جنہیں ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے انہیں بھی گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔ ہم (ان سے) بیزار ہو کر تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے۔ اور (انہیں) کہا جائے گا (لو) اب پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور دیکھ لیں گے عذاب کو۔ کیا اچھا ہوتا اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ اور اس دن اللہ تعالیٰ آواز دے گا انہیں پھر پوچھے گا تم نے کیا جواب دیا تھا (ہمارے) رسولوں کو۔ تو اندھی ہو جائیں گی ان پر خبریں اس دن۔ پس وہ (مارے وہشت کے) ایک دوسرے سے کچھ پوچھ نہ سکیں گے۔ تو وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے یقیناً وہ کامیاب و کامران لوگوں میں ہوگا۔“

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ شریکین کو سرزنش کرتے ہوئے آواز دے گا اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جنہیں تم میرا شریک ٹھہراتے تھے اور دنیا میں جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے، کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا خود اپنی مدد کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں؟ یہ ارشادِ وحی اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ہو گا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَىٰ... وَضَلَّ عَنْكُم مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (الانعام: 95)** ”اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم اپنے جیسے چھوڑ آئے ہو جو ہم نے تمہیں سوا فرمایا تھا اور ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم خیال کیا کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں۔ بے شک تمہارے سارے رشتے ٹوٹ گئے اور کھو گئے تم سے جو تم دعوے کیا کرتے تھے۔“ پھر فرمایا: **قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ... لَعْنَةُ شَيْطَانٍ مَّرْكُوسٍ لَوْ كَفَرُوا وَعُوتَ دَعْوَتُهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ أَبْغَضَ إِلَى اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَنزَلَ مِنْ ذُنُوبِهِمْ لَعْنَةً لِيُكْفَرُوا لَهُمْ جَزَاءُ الْيَوْمِ الَّذِي كَانُوا يُعْبَدُونَ عَلَيْهِمْ جَزَاءُ (مریم: 82-81)** ”اور انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنائے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں ہرگز نہیں، اوہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ (الئے) ان کے دشمن ہو جائیں گے۔“ **وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّذُنُوبِهِمْ لَقَدْ رَأَىٰ نَارَ الْعَذَابِ... وَكَانُوا يُعْبَدُونَ كُفْرًا (الاحقاف: 5-6)**۔ حضرت غلیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: **إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ آوْتَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا (العنکبوت: 25)** ”تم نے اس دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ

کرتوں کو باہمی محبت کا ذریعہ بنا لیا ہے پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر پھینکا رکھو گے۔“ ایک اور جگہ فرمایا: اِذْ تَبَرَأَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا . . . وَصَاهِبَهُمْ بِضُرٍّ مِنْهُمْ . . . (البقرة: 17-166) اس لئے فرمایا: وَقِيلَ اذْعَوْا شُرَكَاءَكُمْ . . . یعنی انہیں کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلاؤ تا کہ وہ تمہیں عذاب سے چھٹکارا دلائیں جیسا کہ تم نے دنیا میں ان سے بہت امید وابستہ کر رکھی تھی۔ چنانچہ وہ انہیں پکارتیں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے۔ وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور اب انہیں یقین ہو جائے گا کہ انہیں ہر صورت جہنم میں جمونک دیا جائے گا۔ جب وہ عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے تو خواہش کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں ہدایت یافتہ ہوتے۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَيَوْمَ يَقُولُ ثَاوُذُ اسْتُرْنَا بِآيَاتِنَا رَبَّنَا نَبِّئْنَا رَبَّنَا مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ . . . وَلَمْ يَجِدُوا عِنَّا مَصْرُفًا (الكهف: 53-52) اور اس روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلاؤ میرے شرکوں کو جنہیں تم (میرا شرک) خیال کیا کرتے تھے تو وہ انہیں پکارتیں گے پس وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ حائل کر دیں گے اور مجرم آگ کو دیکھیں گے اور خیال کریں گے کہ وہ اس میں رُسے والے ہیں اور وہ اس سے نجات کی جگہ نہ پائیں گے۔“ پھر فرمایا: وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا آجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ پہلی تدا میں توحید کے متعلق سوال تھا اور یہاں نبوت کے متعلق ان سے باز پرس کرتے ہوئے پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا اور ان کے ساتھ تمہارا سلوک کیسا تھا؟ یہ ایسے ہے جیسے قبر میں بندے سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ مومن جواب میں گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں لیکن کافر بے بائے جہتا ہوا جواب دیتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ اس لئے قیامت کے دن کافر سے کوئی جواب نہیں ہرنا پڑے گا اور لاچار اسے سکوت اختیار کرنا پڑے گا کیونکہ جو شخص اس دنیا میں اللہ سے وہ آخرت میں بھی اندھا اور گم کردہ راہ ہوگا اس لئے فرمایا: فَصَبَّيْثًا عَلَيْهِمُ اِذْ تَبَرَأُوا . . . یعنی دلائل ان سے اوجھل ہو جائیں گے اور نسب ناموں کا کوئی سوال نہ ہوگا (1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَاقَامُوا تَابًا . . . اللہ تعالیٰ کی طرف سے ”عسی“ یقین اور تحقیق پر دلالت کرتا ہے یعنی مومن ضرور ہمارا ہوگا۔

وَسَابِقُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٠﴾ وَسَابِقُ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿١١﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ ۗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٢﴾

”اور آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) انہیں ہے انہیں کچھ اختیار۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو چھپائے ہوئے ہیں ان کے سینے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی کو زبیا ہے ہر قسم کی تعریف دنیا میں اور آخرت میں۔ اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

بتایا جا رہا ہے کہ ہر قسم کی تخلیق اور ہر قسم کے اختیار کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس میں نہ کوئی اس کا شریک ہے، نہ کوئی اس سے بھگتے والے اور نہ ہی کوئی اسے چیلنج کرنے والا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پسند فرماتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو وہ چاہے اور جو وہ نہ چاہے، وہ نہیں ہو سکتا۔ اچھے برے تمام امور اس کے دست قدرت میں ہیں اور ان کا مرجع اسی کی ذات ہے۔ پھر فرمایا:

اللہ... یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی لائے جس میں تم دیکھ سکو اور اپنے امور کی انجام دہی کر سکو۔ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ پھر اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے قیامت تک صرف دن بنا دیتا تو بھی لوگ تکلیف کا شکار ہو جاتے، زندگی کا نظام کلیتاً ہوجاتا، حرکات اور مشاغل کی کثرت کے باعث جسم تھکاوٹ اور در ماندگی سے چکنا چور ہو جاتے، اس لئے فرمایا: **فَرَىٰ اِلٰهَ عَزِيْزٍ اِنْتَوٰى يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا**... یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کون خدا ہے جو تمہارے پاس رات لائے جس میں تم راحت اور سکون حاصل کر سکو، کیا تم دیکھتے نہیں؟ پھر فرمایا: **وَمِنْ رِّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ**... یعنی اس نے اپنی رحمت سے رات اور دن کو پیدا کیا تاکہ تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن میں دوڑ دھوپ کر کے رزق تلاش کرو۔ اس آیت میں لف و نشر مرتب ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** تاکہ تم دن رات مختلف قسم کی عبادات کر کے اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر رات کے وقت کوئی چیز فوت ہو جائے تو اس کا تدارک دن کو ممکن ہے اور اگر دن کے وقت کوئی قصور ہو جائے تو اس کی تلافی رات کو ہو سکتی ہے جیسا کہ فرمایا: **وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ حَتْفًا لِّئِنْ اٰمَرَّاۤا اَنْ يَّكُوْنُوْا اَوْ اٰمَرَّاۤا اَنْ يَّكُوْنُوْا لَآ اَمْرًا** (الفرقان: 62) اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس کے لئے جو یہ چاہتا ہے کہ نصیحت حاصل کر لے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآئِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرْعَبُوْنَ ۗ وَتُرْعَبُوْنَ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شٰهِيْدًا ۗ اَفَقُلْتُمْ اَنْتَ اَوْ اٰبَآؤُكُمْ اَوْ اَبْنَاؤُكُمْ اَنَّ الْحَقَّ بِلٰهِ وَوَصَّلٰ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۗ

”اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں آواز دے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے۔ اور ہم نکالیں گے ہر امت سے گواہ پھر (ان امتوں کو) ہم کہیں گے لے آؤ اپنی دلیل تو وہ جان لیں گے کہ بے شک حق اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور ہم ہو جائیں گے ان سے جو افتراء وہ باندھا کرتے تھے۔“

مشرکین کو دوسری دفعہ سزا دلش کرتے ہوئے اور ڈانٹ پلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم دنیا میں میرا شریک خیال کیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا: **وَتُرْعَبُوْنَ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ**... یعنی ہم ہر امت سے ایک گواہ (رسول) لائیں گے اور مشرکین سے کہیں گے کہ اپنے شرک کے دعویٰ کی صحت پر دلیل پیش کرو تو وہ جان لیں گے کہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس وقت یہ حیران و ششدر ہوں گے، کوئی جواب ان سے نہ بن پڑے گا اور جو افتراء یہ باندھا کرتے تھے، اسے بالکل فراموش کر بیٹھیں گے۔

اِنَّ قٰرُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبِعٰلَمِيْهِمْ ۗ وَاَتَيْنٰهُم مِّنَ السَّمُوْمٰتِ مَا اِنَّ صٰفٰتِهٖۙ تَسْتَوٰۗا بِالعَصِيْبَةِ اَوْ لٰى الْقُوْتِ ۗ اِذْ قَالَتْ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَقْرُبُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفٰرِحِيْنَ ۗ وَاَبٰتِيْخَ فَيَمَّا اَشْك اللّٰهُ الدّٰمِرَ الْاٰخِرَ فَا وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبٰتِيْخَ الْفٰسَادِ فِي الْاٰمْرٰٓئِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُقْسِدِيْنَ ۗ

”بے شک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا پھر اس نے سرکشی کی ان پر، اور ہم نے وہ دیکھے تھے اسے اتنے خزانے کہ ان کی چابیاں (اپنے بوجھ سے) بھکا دیتی تھیں ایک طاقت ور جتھہ (کی کمروں) کو۔ جب کہا اسے اس کی قوم نے زیادہ خوش نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس (مال و زر) سے جو دیا ہے تجھے

اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کرتے ہو فساد کی ملک میں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد پر پا کرنے والوں کو۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیٹا اور بھائی تھا۔ ابراہیم نخعی، عبد اللہ بن حارث بن نوفل، ساسک بن حرب، قتادہ، مالک بن دینار اور ابن جریج وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے اس کا نسب یہ لکھا ہے: قارون بن عمر بن قاہٹ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن قاہٹ۔ محمد بن اسحاق بن یسار کا خیال ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیٹا تھا لیکن اکثر علماء کا کہنا ہے کہ وہ آپ کے چچا کا لڑکا تھا (1)۔ یہ بہت خوش آواز تھا اور تورات خوش الحانی سے پڑھتا تھا، اس لئے اس کا نام منور پڑ گیا لیکن یہ دشمن خدا سمری کی طرح منافق بن گیا۔ مال و دولت کی فراوانی کے باعث یہ منکبہ اور سرکش ہو گیا اور یہی چیز اس کی بربادی کا سبب بنی (2)۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ یہ منکبہ قوم پر اپنی امتیازی شان ظاہر کرنے کے لئے مرد جب لباس سے اپنا لباس بالشت بھرنے پر زیادہ لمبا بنوایا کرتا تھا۔ فرمایا: **وَ اَتَيْتُهُ مِنْ اَتْلُوٰ**۔ یعنی ہم نے اسے مال و دولت کے اتنے خزانے عطا فرمائے کہ ان کی چابیاں اٹھانے سے ایک طاقتور جتھے کی کمرس جھک جاتیں۔ ضمیمہ کہتے ہیں کہ قارون کے خزانوں میں ہر خزانے کی علیحدہ کنجی تھی جس کی لمبائی انگلی کے برابر تھی اور ساتھ ہی چکیاں خچروں پر اس کی چابیاں لادی جاتی تھیں (3)۔ فرمایا: **اِذْ قَالَ لُدُّ قَوْمُهُ.....** یعنی بنی اسرائیل کے صالح لوگوں نے اسے وعظ و نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اپنے مال و دولت پر مت اتراؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ اترا نے والوں، تکبر کرنے والوں اور ناشکری کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں فراوانی سے جو مال و دولت عطا کر رکھا ہے، اسے اپنے رب کی اطاعت اور اس کا قرب اور ثواب حاصل کرنے کے لئے نیک کاموں میں خرچ کر۔ اس کے ساتھ ساتھ ان دنیاوی نعمتوں سے استفادہ کو فراموش نہ کرنا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مباح کی ہیں یعنی اچھا کھاؤ، عمدہ لباس پہنو، پرسکون رہائش اختیار کرو اور نکاح سے حظ اٹھاؤ کیونکہ تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے اہل کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، چنانچہ ہر خدا کو اس کا حق دو اور مخلوق خدا پر اس طرح احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے اور زمین پر فساد اور مخلوق کے ساتھ بدسلوکی سے باز رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نسا د کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قَالَ اِنَّمَا اُوْتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۗ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُوٰنِ

مَنْ هُوَ اَسَدٌ مِّنْهُ فَوَا كُنَّا رَجْعًا ۗ وَلَا يَسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمْ اَلْمُجْرِمُوْنَ ﴿٣٠﴾

”وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے یہ (دولت و ثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے۔ کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالی اس سے پہلے تو میں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں۔ اور نہیں دریافت کئے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ۔“

بنی اسرائیل کے صالح افراد کی نصیحت اور خیر خواہی کے جواب میں قارون کہنے لگا کہ مجھے تمہارے وعظ و ارشاد کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مال و دولت اس لئے عطا کیا ہے کہ اسے میرے ساتھ محبت ہے اور اسے علم ہے کہ صرف میں ہی اس کی اہلیت اور استحقاق رکھتا ہوں۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: **فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا نَا ۗ لَمْ اِذْ اَحْوَانُهُۥ بَعِيۡتًا ۗ وَّمَا قَالَ اِنَّمَا اُوْتِيْتُهُ عَلَىٰ**

یا سے نہ ملتا۔

وَحَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لِيَنبِتَ لَنَا وَمَا آوَتْ
قَارُونَ ۗ إِنَّهُ لَكُلٌّ وَحِجَابٌ عَظِيمٌ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُذْتُوا الْعِلْمَ وَيُنْتِكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ
أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقِمَهَا إِلَّا الضُّرُورُونَ ۝

”الغرض (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب و زینت کے ساتھ۔ کہنے لگے وہ لوگ جو آرزو مند تھے دنیوی زندگی کے اسے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ و جلال) نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو۔ واقعی وہ تو بڑا خوش نصیب ہے۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہیں (دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا حیف ہے تمہاری عقل پر اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے۔ اور نہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے۔“

قارون کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ ایک دن پوری طرح آراستہ ہو کر زرق برق لباس پہنے ہوئے اور عمدہ سواری پر سوار ہو کر اپنے خدام کے جلو میں اترتا ہوا باہر نکلا۔ اس کے نوکر چاکر بھی خوبصورت لباس زیب تن کئے ہوئے سوار یوں پر سوار تھے۔ اس امیرانہ ٹھانڈے باغھ اور جاہ و شہمت کو دیکھ کر ان لوگوں کے منہ میں پانی بھرا آیا جو دنیا اور اس کی زیب و زینت کے حریص تھے۔ وہ تمنا کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کاش! ہمیں بھی یہ جاہ و جلال مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ یہ تو واقعی بڑا خوش نصیب ہے جسے دنیا کا افرصہ میسر آیا ہے۔ جب نفع رساں علم کے حامل لوگوں نے ان کی بات سنی تو کہنے لگے: وَيُنْتِكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ۔ یعنی حیف ہے تم پر! اللہ تعالیٰ اپنے صالح اور مومن بندوں کو آخرت میں جو اجر دے گا وہ اس ٹھانڈے باغھ سے بہتر ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ حدیث شریف میں ہے: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیکو کار بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی بلکہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آیا“ (1)۔ اور اگرچہ ہوتو یہ ارشاد پڑھ لو: فَلَا تَحْتَسِبُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۗ جَزَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (السجدة: 17) ”بس کوئی شخص نہیں جانتا جو (نعمتیں) ان کے لئے چھپا رکھی گئی ہیں جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ صلہ ہے ان اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے۔“ پھر فرمایا: وَلَا يُلْقِمَهَا إِلَّا الضُّرُورُونَ۔ سدی کہتے ہیں کہ ”ہا“ ضمیر کا مرجع جنت ہے یعنی جنت کو صرف صابر ہی پائیں گے۔ اس صورت میں یہ اہل علم کے کلام کا تمہہ ہوگا۔ ابن جریر نے اس ضمیر کا مرجع اس کلمہ کو بتایا ہے جو پہلے مذکور ہے یعنی یہ بات ان لوگوں کو میسر آتی ہے جو دنیا سے اعراض کر کے آخرت میں رغبت رکھتے ہیں۔ اس صورت میں یہ ان اہل علم و اعلمین کا کلام نہیں ہوگا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہوگی۔

وَحَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِ الْأَرْضِ ۚ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَتَّبِعُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُتَّبِعِينَ ۝ وَأَصْحَابُ الَّذِينَ كَفَرُوا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيَكُنَّ اللَّهُ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۗ لَوْلَا أَن سَمَّنَ اللَّهُ عَلَيْنَا حَسَفًا إِنَّا لَوِجَّانَةٌ لَا
يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝

”پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں۔ تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں۔ اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا۔ اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے ادا ہوا! (اب پتہ چلا) کہ اللہ تعالیٰ کشاہہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا۔ ادا ہوا! (اب پتہ چلا) کہ کفار یا مراد نہیں ہوتے۔“

قارون کی اکثر فوں، تکبر اور سرکشی کا ذکر کرنے کے بعد اب یہاں اس کے عبرتناک انجام کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے گھر سمیت زمین میں غرق کر دیا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”ایک آدمی اپنا تمہیند گھینٹے ہوئے تکبر سے جا رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا“ (1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم سے پہلے ایک شخص دو ہونچہ دروں میں لپیوس اتراتا ہوا نکلا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین نے اسے نگل لیا، وہ قیامت تک اس میں دھنستا ہی چلا جائے گا“ (2)۔ کتاب العجائب میں نوئل بن مساحق بیان کرتے ہیں کہ میں نے نجران کی مسجد میں ایک دراز قد، کامل اور نہایت خوبصورت نوجوان دیکھا۔ میں اسے دیکھے جا رہا تھا اور اس کے جمال و کمال پر تعجب بھی کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا کہ تم کیوں اس طرح مجھے دیکھ رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں تمہارے جمال و کمال پر متعجب ہوں۔ اس نے کہا کہ تمہاری کیا حیثیت ہے، مجھ پر تو اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے۔ بس یہ بات کہنے کی دیر تھی کہ اس کی جوانی خزاں کا شکار ہو گئی، اس کا رنگ روپ جاتا رہا اور اس کا قد پست ہونے لگا یہاں تک کہ وہ ایک بالشت کے برابر رہ گیا۔ اس کے ایک قریبی رشتہ دار نے اسے اپنی آستین میں ڈالا اور لے کر چلا گیا۔ مذکور ہے کہ قارون کی بلا کت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بدعا سے ہوئی اور اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ قارون نے ایک فاحشہ عورت کے ساتھ مل کر سازش تیار کی، اور اسے رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ دے رہے ہوں اور کتاب اللہ کی تلاوت کر رہے ہوں تو میں اس وقت وہ آئے اور آپ پر بدکاری کا الزام دھرتے ہوئے کہے کہ آپ نے میرے ساتھ یہ کیا ہے۔ منصوبے کے مطابق جب اس بدکار عورت نے مجمع عام میں آپ پر بہتان باندھا تو آپ علیہ السلام کا نپ اٹھے اور اسی وقت دو رکتیں ادا کرنے کے بعد اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے سمندر کو شق کیا، تمہیں اور تمہاری قوم کو فرعون سے نجات دی اور یہ یہ احسانات فرمائے، مجھے سچ بتانا کہ تمہیں اس بہتان تراشی پر کس نے اکسایا ہے؟ عورت کہنے لگی کہ آپ نے مجھے اللہ کی قسم دی ہے اس لئے میں صحیح صورت حال سے آپ کو آگاہ کر دیتی ہوں۔ بات یہ ہے کہ قارون نے رشوت دے کر مجھے اس چیز پر اکسایا تھا لیکن میں اللہ تعالیٰ سے استغفار اور صدق دل سے توبہ کرتی ہوں۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے قارون کے متعلق درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ وہ قارون کے متعلق تمہارے حکم کی تعمیل کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ وہ قارون کو اس کے گھر سمیت نگل جائے چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون خوب آراستہ و حیراستہ ہو کر اپنے خدام کے جلوں میں اکڑتا ہوا نکلا۔ سب ارغوانی رنگ کی پیش قیمت پوشاکیں پہنے سفید رنگ کے قیمتی شجروں پر سوار تھے۔ اس سچ و سچ

اور طمطراق سے اس کا قافلہ نکلا! اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مجمع میں وعظاً و نصیحتاً فرما رہے تھے۔ جب اس مجمع کے پاس سے قارون گزرنے لگا تو حاضرین کی نگاہیں اس پر مرکوز ہو گئیں اور وہ اس کے جاہ و حشمت کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ اس نمود و نمائش کے اظہار کا مقصد کیا ہے؟ دو آپ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ آپ کو نبوت کی وجہ سے مجھ پر فضیلت حاصل ہے اور مجھے دنیا کے سبب آپ پر فضیلت حاصل ہے۔ اگر آپ کو کوئی شک ہو تو آؤ باہر چل کر ایک دوسرے کے خلاف بددعا کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ باہر جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ پہلے تم دعا کرو گے یا میں دعا کروں؟ اس نے کہا کہ پہلے میں دعا کرتا ہوں۔ اس نے دعا کی لیکن اسے قبولیت حاصل نہ ہوئی۔ اب حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں دعا کروں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: اے اللہ! زمین کو حکم دے کہ وہ آج میری اطاعت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میں نے زمین کو آپ کا مطیع کر دیا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے فرمایا کہ قارون اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ لے۔ زمین نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے قدموں تک انہیں پکڑ لیا، پھر آپ نے فرمایا کہ ان بدقشوں کو پکڑ لے تو یہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، پھر آپ کے حکم پر زمین نے انہیں کندھوں تک نگل لیا، پھر آپ نے زمین سے فرمایا کہ ان کے خزانے اور اموال بھی یہاں لے آ۔ اسی وقت ان کے تمام خزانے اور اموال وہاں آ گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ انہیں ان کے خزانوں سمیت نگل جا۔ اسی وقت یہ سب زمین میں غرق ہو گئے اور زمین پہننے کی طرح برابر ہو گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ساتویں زمین تک انہیں دھنسا دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر روز انہیں قد انسان کے برابر دھنسا دیا جاتا ہے اور یہ قیامت تک اسی طرح نیچے غرق ہوتے چلے جائیں گے۔ اس مقام پر اور بھی عجیب و غریب اسرائیلی روایات ہیں جن سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔ فرمایا: **فَبَايَسُ كَلَانُ لَنْ يَمُنَّ قِسْتُو**۔ یعنی مال و دولت کے انبار بھی اس کے کسی کام نہ آئے اور نہ ہی نوکر چا کر اسے اللہ تعالیٰ کے عبرتناک عذاب سے بچا سکے۔ نہ کوئی اس کی مدد کو پہنچا اور نہ یہ خود اپنے بچاؤ کی تدبیر کر سکا۔ اس خوفناک انجام کو دیکھ کر ان لوگوں کی آنکھوں سے بھی غفلت کی پٹی اتر گئی جو قارون کے مال و دولت اور جاہ و جلال کو دیکھتے تھے تو ان کے من میں پانی بھر آتا تھا اور وہ تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہمیں بھی ایسی دولت اور ایسا مقام نصیب ہو۔ جب انہوں نے اسے زمین میں غرق ہوتے دیکھا تو کہنے لگے: **وَيَسْأَلُ اللَّهُ يَبْطُلُ الْوُزْنُ**۔ یعنی مال و دولت اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ مالدار شخص پر راضی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی فراخ رزق عطا فرماتا ہے اور کبھی رزق میں تنگی کر دیتا ہے۔ کبھی بلند کرتا ہے اور کبھی پست، اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: ”اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے درمیان رزق کی تقسیم کی ہے، اسی طرح اس نے تمہارے درمیان اخلاق کو بھی تقسیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مال اس کو بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اسے بھی جس کے ساتھ اسے محبت نہیں ہوتی لیکن ایمان صرف اسے عطا فرماتا ہے جسے وہ پسند فرماتا ہے“ (1)۔ پھر کہنے لگے: **لَوْ لَا أَنْ مَسَرَ اللَّهُ**۔ یعنی اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کا لطف و احسان نہ ہوتا تو وہ ہمیں بھی قارون کی طرح زمین میں غرق کر دیتا کیونکہ ہم نے اس جیسا مالدار ہونے کی آرزو کی تھی۔ وہ کافر تھا اور کافر اللہ تعالیٰ کے ہاں باہر اڑ نہیں ہوتے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ علمائے شوکا ”وَيَسْأَلُ“ کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ”وَيَلْتَمِزُ اِعْلَمَ اَنَّ“ کے معنی میں ہے لیکن تخفیف کے بعد ”وَيَلْتَمِزُ“ رہ گیا اور ”اَنَّ“ کا فتنہ

اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں ”اعْلَمَ“ محذوف ہے۔ ابن جریر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے (1) لیکن یہ قول قوی ہے۔ قرآن کریم میں اس کی کتابت کا متصل ہونا اشکال کا باعث بنتا ہے لیکن یہ اس قول کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ کتابت ایک اختراعی اور اصطلاحی امر ہے جس میں اسی کا اعتبار کیا جائے گا جو رواج پا جائے۔ اس سے معنی متاثر نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا کہ یہ ”الْمَ تَرَ اَنْ“ کے معنی میں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اصل میں وی کَانَ ہے ”وَوِي“ تعجب یا تمہید کے لئے ہے اور ”كَانَ“، ”اَطْنُ“ اور ”اَحْتَسِبُ“ کے معنی میں ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ان اقوال میں سے سب سے زیادہ قوی قول قتادہ کا ہے کہ یہ ”الْمَ تَرَ اَنْ“ کے معنی میں ہے۔ اس کی تائید میں انہوں نے عربی شعر بھی پیش کیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجَعَهَا لِلَّذِيْنَ لَا يِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَا
 اِنْعَاقِيَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٥٠﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يَجْزِي
 الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٥١﴾

”یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کے لئے جو خوناہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی۔ اور اچھا انجام پر بیزاروں کے لئے ہے۔ جو کرتا ہے نیکی تو اس کے لئے بہتر صلہ ہے اس کی نیکی سے اور جو ارتکاب کرتا ہے برائی کا تو نہ بدلہ دیا جائے گا انہیں جنہوں نے بدکاریاں کیں مگر اتنا جتنا انہوں نے کیا۔“

بتایا جا رہا ہے کہ دار آخرت کی دائمی اور ناقابل تغیر نعمتیں صرف ان اہل ایمان کو مرحمت ہوں گی جو تواضع اور عاجزی اختیار کرتے ہیں اور نہ لوگوں پر بڑا بننے ہیں، نہ ان پر ظلم کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں فساد برپا کرتے ہیں۔ مکرہ کہتے ہیں کہ ”علو“ کا معنی ہے جبر و ظلم۔ سعید بن جبیر نے اس کا معنی سرکشی بتایا ہے۔ مسلم اہلین کہتے ہیں کہ ”علو“ کا معنی ہے ناحق تکبر کرنا اور فساد کا معنی ہے ناحق مال چھیننا (2)۔ ابن جریج کا کہنا ہے کہ ”علو“ کا معنی ہے بڑا اور جاہر بننا اور ”فساد“ کا معنی ہے گناہوں کا ارتکاب کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو یہ بات اچھی لگے کہ اس کی جوتی کا تسمہ ساتھی کے تسمے سے بہتر ہے تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے (3)۔ اس قول سے مقصود یہ ہے کہ اگر وہ فخر و تکبر کرے۔ تکبر مذموم ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے یہ وحی کی گئی ہے کہ تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر نہ فخر کرے اور نہ سرکشی“ (4)۔ لیکن اگر صرف زیبائش اور اظہار نعمت مقصود ہو تو اس میں کوئی خرج نہیں جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ چیز محبوب ہے کہ میری چادر بھی عمدہ ہو اور جوتی بھی اچھی ہو، کیا یہ تکبر کے زمرہ میں آتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال اسے محبوب ہے“ (5)۔ فرمایا: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ ... یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا اجر و ثواب بندے کی نیکی سے کہیں زیادہ بہتر ہے کیونکہ نیکی کا اجر کئی گناہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ مقام فضل ہے۔ پھر فرمایا: وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ ... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَمْ يَكُنْ فِي الْاَثَارِ - هُنَّ شُجُوْرٌ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (آئل: 90) یہ مقام عدل ہے۔

3- تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 122

2- تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 122

1- تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 121

4- صحیح مسلم، کتاب الوصی، جلد 4 صفحہ 2198-2199، سنن ابی داؤد، کتاب الارب، جلد 4 صفحہ 274، غیرہ

5- صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 93، عارفتہ الاحادیث، الباب 1، جلد 8 صفحہ 163-165

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَى مَعَادٍ ۖ قُلْ رَبِّیْ أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَ
 مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۰﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَن يُنْفَخَ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا سَاحِصَةً ۖ فَمِن رَّبِّكَ
 فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۱﴾ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ
 إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
 كُلُّ شَيْءٍ عِندَ هَالِكٍ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْعِلْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۳﴾

”(اے محبوب!) یقیناً وہ (قادر مطلق) جس نے آپ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے آپ کو واپس لے جائے گا جہاں آپ
 چاہتے ہیں۔ آپ فرمائیے میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو آیا ہدایت یافتہ ہو کر اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے۔ اور آپ
 کو تو یہ امید نہ تھی کہ نازل کی جائے گی آپ کی طرف کتاب مگر یہ محض رحمت ہے آپ کے رب کی (جو آپ کو صاحب قرآن بنا
 دیا) تو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ بنیں۔ اور (خیال رہے) وہ ہرگز نہ روکے آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے اس کے بعد
 کہ وہ اتاری گئیں آپ کی طرف اور بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف اور ہرگز نہ ہو جانا شریک کرنے والوں سے۔ اور
 نہ پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو۔ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات
 کے اسی کی حکمرانی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تبلیغ رسالت اور لوگوں کو قرآن کریم سنانے کا حکم دینے کے ساتھ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ آپ کو معاد یعنی
 قیامت کی طرف لوٹائے گا اور نبوت کی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے متعلق باز پرس کرے گا جیسا کہ فرمایا: قُلْتُ لَكَ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ أَلَمْ يَنْزِلْ عَلَيْكَ
 وَ كَلَّمَكَ اللَّهُ الْوَخَّافِينَ (الاعراف: 6) ”سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم ضرور رسولوں سے پوچھیں
 گے۔“ يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ (المائدة: 109) ”جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا پھر پوچھے گا کہ تمہیں کیا
 جواب ملا؟“۔ وَجَاءَ عِبْرًا بِاللَّيْلِ وَالْقَهْدِ آيَةٌ (الزمر: 69) ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ”معاد“ سے مراد جنت
 منقول ہے، ایک دوسری روایت میں آپ سے اس کا معنی موت مردی ہے۔ مجاہد اس سے مراد لیتے ہیں دوبارہ کی زندگی۔ حضرت حسن
 بصری اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارہ زندہ کر کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن
 عباس رضی اللہ عنہما سے ”معاد“ سے مراد مکہ منقول ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ کی طرف لوٹایگا (1)۔ مجاہد رحمت اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ
 اس سے مراد آپ کی جائے پیدائش مکہ ہے۔ ضحاک رحمت اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے حجاز کے مقام پر
 پہنچے تو آپ کے دل میں مکہ کا شدید اشتیاق پیدا ہوا۔ اس وقت یہ آیت اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ وہ آپ کو
 مکہ واپس لوٹائے گا۔ اس قول کا تقاضا ہے کہ یہ آیت مدنی ہو حالانکہ پوری سورت مدنی ہے۔ فہم القاری کا کہنا ہے کہ ”معاد“ سے مراد بیت
 المقدس ہے۔ یہ قول بھی اس قول کی طرح راجح ہے جس میں معاد سے مراد قیامت کا دن لیا گیا ہے کیونکہ بیت المقدس ارض محشر ہے۔ ان
 تمام اقوال میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کبھی تو اس سے مراد لیا ہے مکہ کی طرف لوٹنا۔ یہ بات فتح مکہ کے

دن پوری ہوئی اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے وصال کے قرب کی نشانی ہے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سورہ اذاجاء قصص النبویہ کی تفسیر میں اس چیز کی نشاندہی کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی موافقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی اس کی وہی تفسیر جانتا ہوں جو تم جانتے ہو، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کبھی ”معلو“ سے مراد موت لیتے ہیں، کبھی قیامت کا دن جو کہ موت کے بعد ہے اور کبھی جنت جو آپ کا ٹھکانہ اور تبلیغ کا صلہ ہے کیونکہ آپ نے بڑی دلسوزی اور جانفشانی کے ساتھ جن و انس کو تبلیغ کی اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ مخلوق خدا میں سب سے زیادہ کامل، فصیح اور افضل ہیں۔ پھر فرمایا: قُلْ رَبِّيَ آغَنِي... یعنی آپ مخالفت اور تکذیب کرنے والے مشرکین اور کفر و شرک میں ان کی اتباع کرنے والوں سے کہہ دیں کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہوتا ہے اور کس کو دنیا و آخرت میں فتح و نصرت سے نوازا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ پر اور بندوں پر اپنی نعمت کبریٰ یاد دل رہا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا، فرمایا: وَهَذَا نَذِيرٌ لِّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ... یعنی نزول وحی سے پہلے آپ کو یہ امید نہ تھی کہ آپ پر وحی نازل ہوگی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر اور آپ کے طفیل بندوں پر خصوصی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو منصب نبوت کے لئے چن لیا اور آپ پر وحی نازل کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم انعام عطا فرمایا ہے تو آپ کافروں کے مددگار نہ بنیں بلکہ ان کی مخالفت کریں اور ان سے الگ تھلگ رہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آلِهَتِكَ اللَّهُ... یعنی آپ اس چیز کو خاطر میں نہ لائیں کہ کافر آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اس بات کی پروا کریں کہ وہ لوگوں کو راہ حق سے برگشتہ کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے کلمہ کو بلند کرنے والا، آپ کے دین کی تائید کرنے والا اور آپ کی رسالت کو غلبہ عطا فرمانے والا ہے، اس لئے فرمایا: وَإِذْ نَزَّلْنَا آلِهَتِنَا لِيُذَكِّرَ... یعنی اپنے وحدہ لا شریک رب کی عبادت کی دعوت دو اور مشرکین کا ساتھ نہ دو۔ پھر فرمایا: وَلَا تَتَّبِعْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ... یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے اور الوہیت بھی صرف اس عظیم ذات کو ہی زیبا ہے۔ اس کے بعد اپنے اس فرمان کل بھی لکھا: لَا إِلَهَ إِلَّا وَجْهَهُ فِي تَبَادُؤِهَا كَيْ وَهِيَ حَيٌّ وَتِيمُورٌ أَوْ بَيْهْمٌ مِمَّا يَبْنِي رَبُّهُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ... یعنی وہی جی و تیمور اور بے ہوش جانوں کی جی و تیبہم کی جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے۔ ”وجه“ (چہرہ) سے مراد ذات ہے یعنی ذات باری تعالیٰ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے زیادہ سچی بات لبید شاعر کا یہ قول ہے: ”إِلَٰهٌ كُلُّ شَيْءٍ بِمَا خَلَقَ اللَّهُ بَدَلًا“ یعنی خبردار اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے (1)۔ مجاہد اور ثوری کہتے ہیں کہ وجہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی ہے۔ اس کی دلیل یہ شعر ہے (2)۔

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ ذَنبًا لَسْتُ مَحْصِيَهُ رَبِّ الْعِبَادِ إِلَيْهِ الْوَجْهَةُ وَ الْغَيْبُ

یعنی میں اپنے لانا تعداد گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں جو بندوں کا رب ہے، اسی کی خوشنودی مطلوب ہے اور اسی کے لئے ہر عمل ہے۔ یہ قول پہلے قول کے منافی نہیں کیونکہ اس میں یہ خبر دی جا رہی ہے کہ تمام اعمال باطل ہیں بجز ان صالح اعمال کے جو

1- صحیح بخاری، کتاب مناقب، جلد 5 صفحہ 53، صحیح مسلم، کتاب الشجر، جلد 4 صفحہ 1768

2- تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 127، معانی القرآن، جلد 2 صفحہ 314

شریعت کے مطابق ہوں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ پہلے قول کا مدعا یہ ہے کہ سب ذاتیں فانی اور زوال پذیر ہیں سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کے کیونکہ وہی اول ہے اور وہی آخر۔ ہر چیز سے پہلے بھی وہی تھا اور ہر چیز کے بعد بھی وہی ہوگا۔ کتاب التفسیر و الاعتبار میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب اپنے دل کو چھنھوڑنا چاہتے تھے تو کسی ویرانے کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور غمزہ آواز سے اسے مخاطب کر کے دریافت کرتے کہ تمہارے مکین کہاں ہیں؟ پھر خود ہی جواب میں پڑھتے: **مَجْلِسٌ شَمِئٌ مَوْحَايَا لِكِ الْاَدْوَجَهَةِ** آیت کے آخر میں فرمایا: **لَهُ الْكَلِمَةُ وَالْاَيَةُ تُرْجَعُونَ** یعنی اسی کی حکمرانی اور بادشاہی ہے، اسے ہی ہر چیز میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور قیامت کے دن سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں وہ سب کو ان کے اچھے برے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

سورہ عنكبوت (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلَمْ اَحْسِبِ النَّاسَ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۱ وَ لَقَدْ فَتَنَّا
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَبَيَعَلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاَلْبَعَثْنَا الَّذِيْنَ مِنْ
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ اَنْ يَّسْتَفُوْا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۲

”الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اور بے شک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے، پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا انہیں جو (دعوئے ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو۔ کیا خیال کر رکھا ہے انہوں نے جو کر رہے ہیں برے کرتوت کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے۔ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔“

حروف مقطعات کی بحث سورہ بقرہ میں کر چکی ہے۔ فرمایا: اَحْسِبِ النَّاسَ۔ یہاں استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان کے ایمان کے مطابق ضرور آزمائش میں ڈالتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ”سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر صالحین کی پھر ان سے کم درجہ رکھنے والوں کی اور پھر ان سے کمتر درجہ والوں کی۔ آدمی کو اس کے ان کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس کی آزمائش بھی زیادہ سخت ہوتی ہے“ (1)۔ اسی طرح قرآن میں دیگر مقامات پر فرمایا: اَمْرٌ حَسِبْتُمْ اَنْ يَّكُنْ خُلُوْا اَنْجِسُوْا وَلٰمَّا يَنْتَهِبُوْا اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْجِسُوْا وَلٰمَّا يَنْتَهِبُوْا اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْجِسُوْا وَلٰمَّا يَنْتَهِبُوْا اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْجِسُوْا وَلٰمَّا يَنْتَهِبُوْا اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْجِسُوْا (آل عمران: 142)، اَمْرٌ حَسِبْتُمْ اَنْ يَّكُنْ خُلُوْا اَنْجِسُوْا وَلٰمَّا يَنْتَهِبُوْا اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْجِسُوْا (البقرہ: 214)۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون اپنے دعوئے ایمان میں سچے ہیں اور کون جھوٹے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پہلے جانتے ہی نہ تھا۔ وہ تو ہر اس بات کو جانتا ہے جو ہو چکی، جو ہوگی اور جو نہیں ہوئی اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر وہ چیز ہوتی تو کیسے ہوتی۔ اس پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے۔ چنانچہ یہاں علم روایت (دیکھنے) کے معنی میں ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ وغیرہ نے لَفْتَمْنَا (البقرہ: 143) کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ ”بیزی“ کے معنی میں ہے کیونکہ روایت کا تعلق موجود کے ساتھ ہے اور علم روایت سے عام ہے اس لئے اس کا تعلق موجود اور معدوم دونوں سے ہے۔ پھر فرمایا: اَمْرٌ حَسِبْتُمْ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْجِسُوْا یعنی وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے، وہ یہ نہ خیال کریں کہ وہ فقرا اور آزمائش سے بچ جائیں گے۔ انہیں عبرتاً کہ خدا سے ضرور دوچار کیا جائے گا۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوَ لِقَاءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَا يَسْتَعْجِلُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۳ وَمَنْ جَاهَدْ فَاِنَّمَا

يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

”جو شخص امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے منے کی تو (وہ سن لے کہ) اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وقت ضرور آنے والا ہے۔ اور وہی ہر بات منے والا ہر چیز کو جاننے والا ہے اور جو شخص کوشش کرتا ہے (حق کو سر بلند کرنے کی) تو وہ اپنے فائدہ کے لئے ہی کوشاں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غنی ہے تمام کائنات سے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو ہم دور کر دیں گے ان سے ان کی برائیوں (کی نحوست) کو اور ہم انہیں بہت عمدہ بدلہ دیں گے ان (اعمالِ حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ جو شخص دارِ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کی امید رکھتا ہے۔ نیک اعمال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجرو ثواب کا خواہاں ہے، اللہ تعالیٰ اس کی امید بر لائے گا اور اسے اس کے اعمال کا وافر اجر عطا فرمائے گا۔ یہ ہر صورت میں ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سننے والا اور کل کائنات کو دیکھنے والا ہے، اس لئے فرمایا: مَنْ كَانَ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ فَإِنَّهُ اس کے بعد فرمایا: وَصِفَ جَاهِدًا... یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ (الجماعہ: 15) یعنی جو شخص نیک عمل کرتا ہے اس کا فائدہ اسے ہی پہنچے گا، اللہ تعالیٰ تو بندوں کے اعمال سے بے نیاز ہے۔ اگر سب لوگ تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو جائیں تو بھی وہ اس کی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توار چلانا ہی جہاد نہیں بلکہ ہر نیک کام میں کوشش کرنا جہاد ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ خیر دے رہا ہے کہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہونے کے باوجود ان پر لطف و کرم اور احسان فرماتا ہے اور انہیں ان کے اعمال کا بہترین صلہ عطا کرتا ہے۔ چھوٹی سی نیکی کو بھی وہ ضائع نہیں کرتا بلکہ اسے شرف قبول عطا فرماتے ہوئے اس پر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اجر عطا کرتا ہے لیکن برائی کی سزا اس کے برابر ہوتی ہے یا وہ اسے معاف کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِلُّهُ وَمَثَلُ الْإِنِّ أَنَّكَ حَسَنَةٌ يُّضَعِفُهَا وَيُؤْتِي مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا (النساء: 40) ”بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر معمولی سی نیکی ہو تو اسے دگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کرتا ہے۔“ اور یہاں فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ...۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۗ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ۝

”اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور اگر وہ یہ کوشش کریں تیرے ساتھ کہ تو شریک بنائے کسی کو میرا جس کے متعلق تجھے کوئی علم نہیں تو (اس بات میں) ان کی اطاعت نہ کر۔ میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے، پھر میں آگاہ کروں گا تمہیں ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کئے تو ہم ضرور شامل کر لیں گے انہیں نیکوں (کے زمرہ) میں۔“

توحید کا دامن مضبوطی سے تھام لینے کے حکم کے بعد اب والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تاکید کی حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ انسان کا وجود والدین کا مہول منت ہے اور ان کا اس پر بہت بڑا احسان ہے۔ باپ خرچ کرتا ہے اور ماں محبت و شفقت کے ساتھ پرورش کرتی ہے،

اس لئے ایک اور مقام پر فرمایا: وَقَضَىٰ رَبِّيكَ إِلَّا تَقْبَلُ فَإِنَّكَ إِنِّي أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الرَّجْمِ وَإِنِّي أَعُوذُ مِنَ الرَّجْمِ (سورۃ ابراہیم: 23) والدین کے احسان کے مقابلہ میں ان کے ساتھ محبت، رحمت اور حسن سلوک کا تاکید کرم دینے کے باوجود مشرک میں ان کی اتباع سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَإِن جَاهَدَكَ لِتَشْرِكْ بِیْ۔ یعنی جب تمہارے مشرک والدین تمہیں اپنے دین کی متابعت پر اکسائیں تو ان سے اجتناب کر لینا اور اس معاملہ میں ان کی ہرگز اتباع نہ کرنا۔ یاد رکھو تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت میں تمہیں والدین کے ساتھ، حسن سلوک کرنے اور دین اسلام پر کار بند رہنے کی جزا دوں گا اور تمہارا حشر نیک لوگوں کے ساتھ کروں گا، نہ کہ تمہارے مشرک والدین کے ساتھ اگر چہ دنیا میں ان کے ساتھ تمہارا سب سے زیادہ قرہبی تعلق تھا کیونکہ قیامت کے دن آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے دینی محبت تھی، اس لئے فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیتیں اتریں۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ (میرے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد) میری ماں نے مجھے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ساتھ نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا؟ اللہ کی قسم! اگر تم نے دین اسلام کو ترک نہ کیا تو میں تادم مرگ بھوک ہڑتال کر لوں گی۔ چنانچہ اس نے یہی کیا یہاں تک کہ لوگ زبردستی اس کا منہ کھولی کر خدا ڈاٹالتے تھے۔ اس وقت یہ آیت وَقَضَىٰ رَبِّيكَ إِلَّا تَقْبَلُ نازل ہوئی (1)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۗ وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّنَ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۗ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۗ أَوَلَيْسَ اللَّهُ أَلِيمٌ بِمَا كُفَرْتُمْ ۗ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا تَكْفُرُونَ ۗ

”اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ پر۔ پھر جب ستایا جائے اسے راہ خدا میں تو بنا لیتا ہے لوگوں کی آفہ مائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر۔ اور اگر آجائے نصرت آپ کے رب کی طرف سے تو وہ کہنے لگتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہر اس چیز کو جو لوگوں کے سینوں میں (پہاں) ہے۔ اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو۔“

ان منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے جو زبانی زبانی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ایمان ان کے دلوں میں قرار پذیر نہیں ہوا کہ دنیا میں جب بھی ان پر آزمائش کی گھڑی آتی ہے اور کوئی مصیبت انہیں آگھیرتی ہے تو وہ اسے خدائی عذاب یقین کر کے اسلام سے مرتد ہو جاتے ہیں، اس لئے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اذیت کے وقت دین سے پھر جانا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۗ وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّنَ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۗ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۗ أَوَلَيْسَ اللَّهُ أَلِيمٌ بِمَا كُفَرْتُمْ ۗ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا تَكْفُرُونَ ۗ۔ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلَالِ الْبُعِيدِ ﴿۱۱﴾ (الحج: 11-12)۔ پھر فرمایا: وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّنَ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۗ۔ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! اگر آپ کو اپنے رب کی طرف سے فتح و نصرت اور نصیحت حاصل ہو تو یہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے اس بات کی یقین دہانی کرانے لگتے ہیں کہ ہم تمہارے دینی بھائی ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِينَ يَتَّبِعُوكُمْ سَوَاءٌ كَانُوا مِنكُمْ وَكُنْتُمْ مِّنْ قَوْمِ كَانَتْ لَكُمْ فِتْنَةٌ مِّنْ قَوْلِهِمْ قَالُوا اَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۗ وَ اِنْ كَانْ لِلْكَافِرِيْنَ لَصَيْبٌ ۗ قَالُوْا اَلَمْ نَسْتَحُوْذْ عَلَيْكُمْ وَ نَسْتَعْتَمِدُ مِّنْكُمْ

النُّؤْمِیْنَ (النساء: 141) ”وہ جو تمہارے انجام کار کا انتظار کر رہے ہیں۔ تو اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ہو جائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی تمہارے ساتھ ہی نہیں تھے اور اگر کافروں کیلئے کچھ (کامیابی) ہو تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں آئے تھے اور کیا ہم نے تم کو مومنوں سے نہیں بچایا تھا“ اَفَسَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَلَمْ يَفْعَلْ مَا اَسْرُوْا اِنَّ اَنْفُسَكُمْ لَدِيْهِنَّ (المائدہ: 52) ”وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمہیں) مکمل فتح دے دے یا اپنی طرف سے کوئی بات تو پھر ہو جائیں گے اس پر نامد جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا تھا“ اور یہاں ان کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَلَيَنْجُوْا جَاءَ الْكُفْرُ۔ یعنی اگر تمہارے رب کی طرف سے فتح نصرت آجائے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگرچہ یہ منافقین تمہارے لئے اپنی موافقت کا اظہار کرتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں پنہاں باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَوْ لَوْ كُوْهُرُ مَسِيْبَتٍ اَوْ رَاحَتٍ سَے آزمائے گا تاکہ پہچان ہو جائے کہ ان دونوں حالتوں میں کون اس کی اطاعت کرتا ہے اور کون نفس کا پرستار بنا رہتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ لَيَعْلَمَنَّ كُمْ حَتّٰى تَعْلَمَ الْمُجْرِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ يَتَّبِعُوْا اَخْبَارَكُمْ (محمد: 31) ”اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مسرور ہے اور جو صبر کرتے ہیں اور ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے“۔ غرور و احد میں پیش آنے والی آزمائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ اِنَّ لِيْذِكُمْ اَلْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَبَيِّنَ اَحْوِيْثَ مِنَ الْقَلْبِ (آل عمران: 179) ”نہیں ہے اللہ کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے“۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِّبْنَا وَ لَنَحْصِلَنَّ حَظِيْلَهُمْ وَ مَا هُمْ بِمُحْسِنِيْنَ
مِنْ حَظِيْلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۗ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۙ وَلَيَحْصِلُنَّ اَنْفُسَهُمْ وَ اَنْفَالَهُمْ مَّعَ اَنْفَالِهِمْ ۙ
لَيَسْئَلَنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۙ

”اور کہہ کافروں نے ایمان والوں سے تم چلو جا رہی راہ پر اور ہم اٹھالیں گے تمہارے گناہوں (کے بوجھ) کو۔ اور وہ نہیں اٹھا سکتے ان کے گناہوں سے کچھ بھی۔ وہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ۔ اور ان سے باز پرس ہوگی قیامت کے دن ان (جھوٹوں) کے متعلق جو وہ گھڑا کرتے تھے“۔

کفار قریش اہل ایمان کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ وہ اس کوشش میں انہیں یہ بھی کہتے کہ اپنے دین کو ترک کر کے ہمارے دین کی طرف لوٹ آؤ اور ہماری راہ اپنالو۔ اگر اس میں کوئی گناہ ہوا تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے۔ کفار کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَ مَا هُمْ بِمُحْسِنِيْنَ مِنْ حَظِيْلِهِمْ۔ یعنی یہ لوگ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں کہ وہ ان کے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائیں گے حالانکہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا جیسا کہ فرمایا: وَ اِنْ يَنْتَهِمُ عَنْ مُّشْكٰتِهِۦٓ اِلٰى حِيْلٰهَا يَحْصِلْ مِنْهُ شَيْءٌ يُّوَدُّ لَوْ كَانَ زَاغُرًا (فاطر: 18) ”اور اگر پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا تو اس کے بوجھ سے کوئی چیز نہ اٹھائی جاسکے گی اگرچہ کوئی قرعی رشتہ دار ہو“۔ وَ لَا يَسْئَلُ عَنْ حِيْلِهِمْ حِيْلًا ۙ لَيَسْئَرُوْا مِنْهَا (المعارج: 10-1) ”اور کوئی جھڑپی دوست کسی جھڑپی دوست کا حال نہ پوچھے گا۔ ایک دوسرے کو دکھائی دیں گے“۔ اور یہاں کفار اور گمراہی کی دعوت دینے والوں کے متعلق فرمایا: وَ

لَيْحِيُنُّنَ أَفْعَالَهُمْ - یعنی یہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے گناہوں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے جنہیں انہوں نے گمراہ کیا جبکہ ان کے گمراہ ہونے والوں کے بوجھوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا: لَيْحِيُنُّنَا وَآؤرَاسُهُمْ كَالْوَلَدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَصِرَ آؤرَاسِ الْيَتِيمِ يُبْسِتُونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (النحل: 25) ”تا کہ وہ قیامت کے دن اپنے پورے بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جنہیں وہ جہالت سے گمراہ کرتے رہتے ہیں“۔ حدیث صحیح میں ہے: ”جس نے ہدایت کی دعوت دی اس کے لئے قیامت تک اس پر عمل پیرا ہونے والوں جیسا اجر ہوگا اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے گمراہی کی دعوت دی، اس پر قیامت تک گمراہی اختیار کرنے والوں جیسا گناہ ہوگا جبکہ ان گمراہوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی“ (1)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”جو بھی جان ناحق قتل کی جاتی ہے تو اس کے خون کا وبال آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر بھی پڑتا ہے کیونکہ اسی نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا تھا“ (2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: لَيْسَتُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ... یعنی قیامت کے دن ان سے ان کے جھوٹ، افتراء، داندلی اور بہتان تراشی کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حق تبلیغ ادا کر دیا، پھر فرمایا: ”ظلم سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم! آج کوئی ظلم مجھ سے نہیں جھوٹ سکتا، پھر ایک منادی ندا دے گا کہ فلاں بن فلاں کہاں ہے؟ وہ شخص آئے گا اور نیکیوں کے پہاڑ اس کے ساتھ ہوں گے۔ لوگ اپنی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آکر کھڑا ہو جائے گا۔ پھر منادی ندا دے گا کہ کسی کا اس کے ذمہ کوئی حق ہو یا اس نے کسی پر ظلم کیا ہو تو وہ آئے اور اپنا بدلہ لے لے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اپنا اپنا حق وصول کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور اکٹھے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس بندے کے ذمہ لوگوں کے حقوق دلو اور فرشتے عرض کریں گے کہ ہم کیسے حقوق دلو اس؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کی نیکیاں لے کر انہیں دے دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا جائے گا یہاں تک کہ ایک نیکی بھی باقی نہیں بچے گی جبکہ حقدار ابھی اور باقی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ انہیں حقوق دلو اور فرشتے کہیں گے کہ اب تو اس کے پاس ایک نیکی بھی باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان حقداروں کے گناہ اس پر لا دو۔ پھر خوفزدہ ہو کر آپ ﷺ نے اس آیت وَ لَيْحِيُنُّنَ أَفْعَالَهُمْ ... کی تلاوت کی (3)۔ اسی طرح کی ایک اور حدیث میں ہے: ”قیامت کے دن ایک آدمی نیکیوں کے پہاڑ لے کر آئے گا لیکن اس نے کسی پر ظلم کیا ہوگا، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا اور کسی کی عزت پامال کی ہوگی، یہ بھی اس کی نیکیاں لے لیں گے۔ جب کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے“ (4)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”اے معاذ! قیامت کے دن مومن سے اس کی تمام کوششوں کے متعلق باز پرس ہوگی یہاں تک کہ آنکھوں میں سرمہ ڈالنے اور انگلیوں سے مٹی کو ریزہ ریزہ کرنے کے متعلق بھی۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کوئی تجھ سے زیادہ سعادت مند تمہاری نیکیاں لے جائے“۔

وَلَقَدْ أَرَّسْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ قَلْبًا فَأَلَمَتْ فَيَوْمَهُمُ إِلَّا حَسْبِ دِينَ عَامِلًا فَأَخَذَهُمُ
الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿٦٠﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾

1- سنن ابی داؤد، کتاب السنن، جلد 4 صفحہ 201، مستدرک جلد 2 صفحہ 397 وغیرہ

2- صحیح مسلم، کتاب القسام، 1303-1304، مستدرک، جلد 1 صفحہ 383، وغیرہ

3- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 454-455

4- صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997

”اور بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں بچے س کم ہزار سال۔ آخر کار آ لیا انہیں طوفان نے اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ پس ہم نے نجات دے دی نوح (علیہ السلام) کو اور کشتی والوں کو اور ہم نے بنو یا اس کشتی کو ایک نشانی سارے جہان والوں کے لئے۔“

اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل اور صبر آزا مجد و جہد کی داستان سنا کر اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ اپنی قوم کو دن اور رات، پوشیدہ اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن اس کے باوجود وہ اور زیادہ حق سے دور ہوتے گئے، ان کی سرکشی بڑھتی ہی گئی اور ان کی تکذیب میں مزید شدت آتی گئی۔ صرف چند سعادت مند افراد تھے جو ان میں سے ایمان لائے، اس لئے فرمایا: فَكَذَّبَتْ قَبِيلَهُ۔ یعنی اس طویل مدت کی تبلیغ سے بھی وہ متاثر نہ ہوئے، اس لئے اے میرے پیارے رسول ﷺ: آپ ان لوگوں پر رنجیدہ خاطر اور افسردہ نہ ہوں جو آپ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ہدایت اور گمراہی بلکہ ہر امر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جن لوگوں کا جنہمی ہونا طے ہو چکا ہے وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اگر چنانچہ کے پاس ہر قسم کی نشانیاں آجائیں۔ آپ یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ عنقریب آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کے دشمنوں کو ذلیل اور پست کر دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں حضرت نوح علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا۔ اس کے بعد ساڑھے نو سو سال آپ اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے۔ طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے یہاں تک کہ اولاد آدم بکثرت اوھرا دھر پھیل گئی (1)۔ قنادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی کل عمر ساڑھے نو سو سال تھی۔ تین سو سال تو دعوت و تبلیغ کے بغیر گزارے، تین سو سال آپ نے دعوت و تبلیغ میں گزارے اور پھر طوفان کے بعد ساڑھے تین سو سال زندہ رہے، لیکن یہ قول غریب ہے۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو اس چیز کی نشاندہی ہی ہوتی ہے کہ آپ نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی۔ عون بن ابی شداد کہتے ہیں کہ ساڑھے تین سو سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی۔ اس کے بعد ساڑھے نو سو سال آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے پھر آپ ساڑھے تین سو سال مزید زندہ رہے۔ یہ قول بھی غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کتنی مدت اپنی قوم میں رہے؟ میں نے عرض کی کہ ساڑھے نو سو سال۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت سے آج تک لوگوں کی عمریں، عقلیں اور اخلاق گھٹتی ہی گئے (2)۔ فرمایا: فَاقْتَضَيْتُهُ۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ سورۃ ہود میں مفصّل گزر چکا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ یعنی ہم نے اس کشتی کو لوگوں کے لئے نشانی بنا دیا، یا تو بعد اس کشتی کو جیسا کہ قنادہ کا قول ہے کہ آغاز اسلام تک وہ کشتی جو دی پیاڑ پر باقی رہی یا اس کی نوع کو لوگوں کے لئے یادگار بنا دیا کہ کشتیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا احسان یاد آجاتا ہے کہ اس نے کس طرح اپنے بندوں کو طوفان سے نجات دی جیسا کہ فرمایا: وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْغُلْفِ الْمَعُونِ... وَمَتَّعْنَا إِلَىٰ حِينٍ (الطہین: 44-41)، إِنَّا لَنَّا لَعَالَمِينَ حَمَلْنَا فِي الْغُلْفِ لِيُذَكِّرَ اللَّهُ لِيَوْمِ قَادِسٍ (الحاقة: 12-11) ”جب سیلاب حد سے گزر گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا تاکہ ہم تمہارے لئے اس واقعہ کو یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھیں“ اور یہاں فرمایا: فَتَجِيبُنَا بِوَأَصْلَابِ الشَّفِيْقَةِ۔ یہاں شخص سے جس کی طرف صعود ہے جیسا کہ اس آیت میں: وَتَلْقَوْنَ رَبَّكُم مِّنَ السَّمَاءِ الَّتِي يُبَصِّطُهَا جِبْرٌ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلْغَالِيِيْنَ (الملك: 5)

یعنی ہم نے ستاروں کی نوع کو شیطانوں کو مار بھگانے کا آلہ بنایا کیونکہ جو ستارے شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں وہ آسمان کے لئے زینت نہیں اور اس طرح اس آیت میں بھی: **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ شَمَّ جَعَلْنَاهُ نَفْثَةً فِي كِتَابِهِ الْمُبِينِ (المومنون: 12-13)** یہاں مٹی سے تخلیق انسان کا ذکر کرنے کے بعد نطفہ کو اس کی اصل قرار دینے کا بیان فرمایا، اس قسم کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَجَعَلْنَاهَا مِنْ حَامِئِرٍ كَامِرٍ مَقْبُوتٍ** بھی ہو سکتا ہے (1)۔

وَإِذْ بَرَّاهِمَ بِأَقْصَىٰ مَقَامٍ مَشْرُوقٍ لَقَوْلِهِمْ رَبُّكُمْ وَإِلَهُكُمْ وَإِلَهُ آبَائِكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَإِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَسْمَعُونَ لَكُمْ مِرْفًا قَائِلِينَ تَتَّبِعُوا عِندَ اللَّهِ الرَّزْقَ وَالْعِزَّةَ وَالشُّكْرَ وَاللَّهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَإِن تَكْفُرُوا أَفْئِدَتُكُمْ كَذِبًا أَمْ مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝

”اور ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرتے رہا کرو۔ یہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو زنا جھوٹ۔ بے شک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو اسی کی طرف تم لوٹنا چاہئے۔ اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں (جھٹلایا) (اپنے نبیوں کو) ان امتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں اور رسول پر فرض نہیں ہے۔ اس کے کہ وہ (اللہ کا حکم) صاف طور پر پہنچا دے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے، رسول اور ظلیل امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بیان فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو خدائے واحد کی عبادت، اخلاص، تقویٰ، اسی سے طلب رزق اور اسی کا شکر بجالانے کی دعوت دی کیونکہ صرف وہی نعمتیں عطا فرمانے والا ہے اور وہی شکر کے لائق ہے: **فَرَمَّا: اَعْبُدُوا اللَّهَ وَاشْكُرُوا.....** یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو تمہیں دنیا و آخرت کی ہر خیر حاصل ہوگی اور ہر شر دور ہو جائیگی۔ پھر فرمایا کہ جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ یہ تو تمہارے خود تراشیدہ ہیں۔ خود ہی تم نے ان کے نام اور اجسام تراش کر انہیں اپنا معبود بنا لیا ہے حالانکہ یہ تمہاری طرح مخلوق ہیں۔ یہ تمہارے رزق کے مالک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہی رزق طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَاتَّبِعُوا عِندَ اللَّهِ الرَّزْقَ** میں حصر کا مبلغ انداز ہے جیسا کہ ان آیات میں بھی ہے: **إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاسْتَعِينَنِي (الفاطر: 4)**، **رَبِّ ابْنِ إِدْرِيسَ إِذْ يَتَنَزَّلُ فِي الْآيَاتِ الْكُرِيمِ: (11)** اس لئے فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی رزق طلب کرو نہ کسی اور کے ہاں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی چیز کا نالک نہیں۔ پھر فرمایا: **وَاعْبُدُوا اللَّهَ.....** یعنی اس کا رزق کھاؤ، صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کی عطا کرو۔ نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس کے بعد فرمایا: **وَإِن تَكْفُرُوا.....** یعنی اگر تم جھٹلاتے ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں، تم سے پہلے تو قوموں نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ اس کی پاداش میں وہ عبرتناک عذاب سے دوچار ہوئے۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی طرح

کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ اور رسول کا فریضہ صرف یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو واضح طور پر لوگوں تک پہنچا دے۔ باقی رہا مسئلہ ہدایت اور گمراہی کا تو اس کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نواز دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اس لئے تم اپنی فکر کرنا اور اہل سعادت کے زمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرو۔ قنادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو تسلی اور دلاسا دے رہا ہے۔ قنادہ کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں سے ”فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ“ تک کلام بطور جملہ معترضہ ہے لیکن ظاہر بنی الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام سے ہے کیونکہ آپ قیامت کے قائم ہونے کی دلیلیں پیش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد قوم کا جواب مذکور ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٠﴾
سِيرٌ وَفِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١١﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَإِلَيْهِ تُقَدَّبُونَ ﴿١٢﴾ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٣﴾
وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَآيَاتِهِ ۖ أُولَٰئِكَ يَكْسِبُونَ لِنَفْسِهِمْ عَذَابًا ۖ أَلِيمًا ﴿١٤﴾

”کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کس طرح آغاز فرمایا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا پھر وہ (کس طرح) اس کا اعادہ کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے۔ فرمائیے سیر و ساحت کرو زمین میں اور غور سے دیکھو کس طرح اس نے خلق کی ابتدا فرمائی پھر اللہ تعالیٰ (اسی طرح) پیدا فرمائے گا دوسری بار۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے۔ اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔ اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور کوئی مددگار۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا، وہ لوگ مایوس ہو گئے ہیں میری رحمت سے اور وہی لوگ ہیں جن کے لئے عذاب الیم ہے۔“

حضرت خلیل علیہ السلام کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ آپ نے لوگوں کے سامنے قیامت اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے اثبات میں ابتدائے آفرینش کی دلیل پیش کی۔ پہلے لوگ کوئی قائل نہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں وجود بخشا اور سماعت، بصارت اور دیگر صلاحیتوں سے آراستہ کیا، وہ ذہانت جس نے آفرینش کا آغاز کیا، وہ اعادہ پر بھی قادر ہے بلکہ دوبارہ زندہ کرنا اس کے لئے بہت ہی آسان اور نہایت سہل ہے۔ دلائل انفس کے ذکر کے بعد آپ علیہ السلام نے لوگوں کی توجہ دلائل آفاق کی طرف مبذول کی۔ آسمان اور اس میں ستارے، زمین اور اس میں میدان، پہاڑ، وادیاں، جنگل، ریگستان، درخت، دریا، سمندر، نمبریں، پھل اور کھیتیاں، یہ تمام اشیاء اپنے عبادت اور اس صانع مختار کے وجود کی دلیل ہیں جس کے امر کن (ہو) سے ہر چیز وجود میں آ جاتی ہے، اس لئے فرمایا: أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٠﴾ اور وہی ہے جو تخلیق

دیا۔ چنانچہ وہ ایک حویلِ حرمہ نکڑیاں اکٹھی کرتے رہے اور ایک کڑھے میں نکڑیاں رکھ کر اس کے چاروں طرف دیواریں چن چن دیں اور نکڑیوں کو آگ لگا دی۔ اس طرح ایک بہت بڑی آگ بھڑک اٹھی جس کی سیلہ مثل نہیں ملتی، جب اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور اس کے انکارے خوب پہنچنے لگے تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاندھ کر تحقیق میں رکھا اور آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو آپ کے لئے ٹھنڈک اور سستی کا باعث بنا دیا۔ آگ میں پتھروں گزارنے کے بعد آپ بالکل صحیح و سالم وہاں سے نکل آئے۔ یہ اور اس جیسی دوسری آزمائشوں میں پورا اترنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کا امام بنا دیا۔ آپ نے اپنی ذاتِ رحمن کے لئے جسم آگ کے لئے بیٹا قربانی کے لئے اور مالِ مہمانوں کے لئے پیش کر دیا۔ لیکن وجہ ہے کہ تمام اربان کے ماننے والے آپ سے محبت رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنی قوم کو مہبت پرستی پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: **إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ**۔ یعنی تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کو اس لئے اپنا معبود بنا رکھا ہے کہ دنیا میں تمہاری باہمی محبت اور دوستی قائم رہے۔ اس معنی کی صورت میں ”مودۃ“ مقبول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ اُس سے مرفوع پر دیکھیں تو معنی یہ ہوگا کہ انہیں معبود بنانے سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ صرف دنیا میں تمہیں محبت حاصل ہو جائے لیکن قیامت کے دن معادہ برعکس ہو جائے گا اور یہ محبت و صداقت بغض اور دشمنی میں بدل جائے گی، تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے جیسا کہ فرمایا: **يَا كُفْرًا يَا كُفْرًا يَا كُفْرًا** (الاعراف: 38) ”جب بھی کوئی امت داخل ہوگی تو دوسری امت پر لعنت بھیجے گی“۔ **أَلَا جُنَادٍ مُّؤَيَّدِينَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ يَظُنُّونَ** (الزفر: 67) ”گھر سے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز پر سیزگاروں کے“۔ اور یہاں فرمایا: **لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَنْقُرُونَ**۔ یہاں کافروں کا حال بیان فرمایا کہ ان کا انجام جہنم ہے، نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ ہی کوئی انہیں عذاب سے بچانے والا ہوگا لیکن اہل ایمان کا حال ان کے برخلاف ہوگا۔ حضرت ام بانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمام اگھوں بچھوں کو قیامت کے دن ایک بڑے میدان میں جمع کرے گا، کون جانتا ہے کہ دونوں سنتوں میں سے کس طرف؟“ حضرت ام بانی رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بھتر جانتے ہیں۔ پھر ایک منادی عرشِ تسلے سے ندا دے گا کہ اے اہل توحید! تو اہل توحید اپنے سر اٹھائیں گے، پھر ندا ہوگی: اے اہل توحید! پھر تیسری مرتبہ ندا ہوگی: اے اہل توحید! اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف فرما دیا ہے۔ اب لوگ دنیا میں گئی گئی زیادتیوں کے بدلہ کا مطالبہ کریں گے تو ندا آئے گی: اے اہل توحید! تم ایک دوسرے کو معاف کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عطا فرمائے گا۔“

فَأَمِّنْ لَهُ كَوْظًا وَقَالَ إِنِّي مَهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَأَتَيْنَاهُ آجْرًا فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝

”تو ایمان لائے ان پر لوط علیہ السلام اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔ بے شک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا) اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان (کی جاں نثاری) کا اجر اس دنیا میں۔ اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین (کے زمرہ) میں ہوں گے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر آپ کی قوم میں سے صرف آپ کے بھتیجے حضرت لوط بن ہاران بن آزر اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لائے لیکن اس آیت اور اس حدیث میں تطبیق کیسے ہوگی جس میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ظالم بادشاہ کے علاقہ سے گزرے تو اس نے آپ سے پوچھا کہ سارہ سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری بابت بادشاہ سے کہا ہے کہ تم میری بہن ہو۔ اب بادشاہ کے سامنے مجھے مت جھٹلانا اور یہی رشتہ بتانا کیونکہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں اس لئے تم میری دینی بہن ہو۔ اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے علاوہ کوئی ایسا جوڑا نہیں جو اسلام پر کار بند ہو۔ آپ علیہ السلام کی قوم میں سے صرف حضرت لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی پھر آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی رسول بنا کر اہل سدوم کی طرف بھیجا گیا جس کا ذکر گزر رہی چکا ہے اور آگے بھی آئے گا۔ اس ارشاد و قول **إِنِّي مُهَيِّئُكَ إِلَىٰ تِلْكَ الْأُمَّةِ** میں ضمیر کا مرجع حضرت لوط علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ مرجع اقرب ہے اور ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا قول ہے (1)۔ اور اس فرمان **فَالصَّخْرَةُ لُوطٌ** میں کنیٰ عنہ آپ ہی ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ آپ نے غلبہ وین کی خاطر ہجرت کو ترجیح دی، اس لئے فرمایا: **إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** یعنی عزت و غلبہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور اس پر ایمان لانے والوں کے لئے ہے اور وہ اپنے اقوال، افعال اور تقدیری اور شرعی احکام میں حکیم بھی ہے۔ قدادہ کہتے ہیں کہ حضرات ابراہیم، لوط علیہما السلام نے کوفہ کے نواحی علاقہ کوئی سے شام کی طرف ہجرت کی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی، لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اس وقت زمین پر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں زمین پھینک دے گی، اللہ تعالیٰ ان سے نفرت کرے گا اور آگ انہیں بندروں اور خزیروں کے ساتھ لئے پھرے گی، جہاں یہ رات گزاریں گے وہاں یہ بھی ان کے ساتھ رات گزارے گی، جہاں یہ دوپہر گزاریں گے وہاں یہ بھی ان کے ساتھ ہوگی اور یہ لوگوں میں ہر اس کو کھا جائے گی جو ان میں سے گر پڑے گا۔“ ایک اور روایت میں ہے کہ آگ اسے کھا جائے گی جو ان میں سے پیچھے رہ جائے گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں سے کچھ لوگ مشرق کی جانب سے نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن یہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ جب بھی ان کی ایک نسل ختم ہوگی دوسری آجائے گی یہاں تک کہ تم سے زیادہ مرتبہ آپ نے اس بات کو دہرایا کہ ایک گروہ کے ختم ہونے پر دوسرا گروہ آجائے گا حتیٰ کہ ان کے آخری گروہ میں دجال کا خروج ہوگا (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا جب ہم دولت مند شخص کو اپنے مسلمان بھائی پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ اب وہ زمانہ ہے کہ لوگوں کو درہم اور دینار اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ عزیز ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اگر تم بینوں کی دیموں کے پیچھے لگ گئے، تجارت میں مشغول ہو گئے اور جہاد کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں دولت کے طوق ڈال دے گا جو اس وقت تک تم سے نہیں ہٹائے جائیں گے جب تک تم پہلی حالت کی طرف لوٹ کر توبہ نہ کر لو۔“ اس کے بعد ہجرت والی وہی حدیث بیان کی جو اوپر مذکور ہے۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو بدکاریاں کریں گے، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن یہ ان کے حلق سے نیچے

نہیں اترے گا۔ ان کے علم کے مقابلہ میں تم اپنے علم کو حقیر جانو گے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ جب یہ لوگ ظاہر ہوں گے تو انہیں قتل کر دینا، پھر جب وہ رونما ہوں تو انہیں قتل کر دینا، پھر جب وہ سر نکالیں تو انہیں قتل کر دینا۔ وہ شخص خوش نصیب ہے جو انہیں قتل کرے گا اور وہ بھی خوش نصیب ہے جو ان کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ جب بھی ان کی کوئی جماعت ظاہر ہوگی اللہ تعالیٰ اسے برباد کر دے گا۔“ آپ ﷺ نے نہیں سے زیادہ مرتبہ اس بات کو دہرایا (1)۔ دوسری آیت میں فرمایا: **وَوَهَبْنَا لَهُ إِنْشَاقًا وَيَعْقُوبَ** اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: **فَلَكِنَّا اعْتَدْنَا لَهُمْ وَهَابِيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَوَهَبْنَا لَهُ إِنْشَاقًا وَيَعْقُوبَ** - **وَكَأَلَّا جَعَلْنَا نِيَّتِيَا** (مریم: 49) یعنی جب آپ علیہ السلام اپنی قوم سے الگ تھلک اور بیزار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صالح فرزند اور آپ کی زندگی میں ہی صالح پوتا عطا کر کے اور ان دونوں کو منصب نبوت پر فائز کر کے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ اسی طرح فرمایا: **وَوَهَبْنَا لَهُ إِنْشَاقًا وَيَعْقُوبَ نَافِيَةً** (الانبیاء: 72) ”اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا)“ جیسا کہ فرمایا: **فَقَبَّضْنَاهُمْ بِإِصْبَاقٍ** **وَمِنْ دُونِهَا إِنْشَاقًا وَيَعْقُوبَ** (ہود: 71) یعنی آپ علیہ السلام کی زندگی میں ہی آپ کے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔ قرآن کریم اور سنت نبویہ سے ثابت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **أَفَرَأَيْتُمْ كَيْفَ آخَذَ إِدْحَاصَ يَعْقُوبَ** **أَفَتَوْتَأْتُهُمْ** **وَإِبْرَاهِيمَ** **الصلوة والسلام** (2)۔ حضرت ابن عباس سے جو مروی ہے کہ حضرات اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام دونوں حضرات ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے (3)، اس سے مراد یہ ہے کہ پوتا بھی بمنزلہ فرزند کے ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ دونوں آپ علیہ السلام کے صلیبی فرزند تھے۔ یہ ایسی بات ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کم درجہ والے شخص پر بھی مخفی نہیں۔ فرمایا **وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ** **وَالْكِتَابَ**۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ظلیل اور لوگوں کا امام بنایا، اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بہت بڑا انعام فرمایا کہ آپ کی ذریت میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ آپ علیہ السلام کے بعد ہونے والے تمام پیغمبر آپ کی اولاد سے ہیں۔ بنی اسرائیل کے تمام پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے نبی عربی قریشی ہاشمی خاتم الرسل اور سید اولاد آدم ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چن لیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں آپ کے سوا کوئی اور نبی نہیں ہوا۔ فرمایا: **وَإِنِّي لَأَكِيدُ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اخروی سعادت کے ساتھ دنیوی سعادت سے بھی نوازا۔ دنیا میں آپ کو فراخ رزق، کث دور ہائش گاہ، بیٹھا چشمہ، ٹیک صورت اور ٹیک سیرت بیوی، شاہ جمیل اور عمدہ ذکر عطا ہوا، ہر ایک آپ سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر طرح سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطاعت کی توفیق ارزانی فرمائی جیسا کہ فرمایا: **وَإِبْرَاهِيمَ** **الَّذِي وَكَّلْنَا بِهٖ وَكَّلْنَا بِهٖ** **وَإِبْرَاهِيمَ** **كَانَ أُمَّةً قَاتِلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا** **لَمَّا جَاءَهُ الْبُرْهَانُ** **وَإِبْرَاهِيمَ** **كَانَ أُمَّةً قَاتِلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا** **لَمَّا جَاءَهُ الْبُرْهَانُ**۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: **إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَاتِلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا** **لَمَّا جَاءَهُ الْبُرْهَانُ** **وَإِبْرَاهِيمَ** **كَانَ أُمَّةً قَاتِلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا** **لَمَّا جَاءَهُ الْبُرْهَانُ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ مشرکوں سے نہ تھے... اور وہ آخرت میں نیک لوگوں سے ہوں گے۔

وَلَوْ ظَا اِدْقَالَ لِقَوْمِهِ اِنَّم لَتَاتُونَ اَلْفَاجِسَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحٰبِ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

أَيُّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۗ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ
جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَيُّتِنَّا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّ
انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ مِنَ الضَّالِّينَ ۝

”اور (ہم نے) لوط کو رسول بنا کر بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو کہ نہیں پہلے کی تم سے اس (بے حیائی) کی طرف کسی قوم نے دنیا بھر میں۔ کیا تم بد فعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ذاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر اور اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو۔ تو نہیں تھا کوئی جواب آپ کی قوم کے پاس بجز اس کے کہ انہوں نے کہا اے لوط اے آؤ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔ آپ نے عرض کی میرے مالک! میری مدد فرما ان فسادی لوگوں کے مقابلہ میں۔“

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی بدکاری اور مردوں کے ساتھ بد فعلی کرنے جیسے فحیح اعمال پر ٹوکا اور انعام بازی پر ناپسندیدگی اور نفرت کا اظہار کیا جس کی نظیر پہلے نہ تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے، اس کے رسول کی تکذیب اور مخالفت کرتے۔ عام راستوں پر ذاکے ڈالتے اور راہ میروں کو قتل کر کے ان کے اموال چھین لیتے۔ علاوہ ازیں بھری محفل میں وہ فحش گفتگو کرتے اور نازیبا حرکات کا ارتکاب کرتے اور کسی کو ان چیزوں پر توجہ نہ ہوتا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ عام لواطت کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ برسر مجلس باؤ از بلند ہوا خارج کرتے اور اس پر خوب ہنستے۔ بعض کا کہنا ہے کہ وہ مینڈھے اور مرغ لڑواتے تھے۔ بہر کیف ایسے تمام افعال شنیعہ کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ شریر لوگ تھے۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس فرمان وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ راہ گیروں پر کنکریاں پھینکتے اور ان کا مذاق اڑاتے یہی وہ منکر (گناہ) ہے جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے“ (1)۔ مجاہد اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ بیٹیاں بجاتے، کبوتر بازی کرتے، غلیل سے کنکریاں پھینکتے، مجلس میں سوال کرتے، سر عام برہنہ ہو جاتے۔ ان کے کفر، استہزاء اور عناد کے باعث ان کا جواب یہ تھا: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ ۖ۔ اس لئے آخر کار حضرت لوط علیہ السلام نے ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے عرض کی: رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ مِنَ الضَّالِّينَ۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْبِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ إِنَّ
أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا مَنْ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۗ تَسْتَجِيبُهَا
وَأَهْلُهَا إِلَّا أَمْرًا ۗ تَكُنْتَ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَ
صَاقَ بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۗ إِنَّا مُنْجُونَكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا أُمَّرَأَتَكَ ۗ كَانَتْ
مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجَالًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا

يَقْسُؤُونَ ۝ وَلَقَدْ لَرَّ كُنَّا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّعَمَّا يَعْقِلُونَ ۝

”اور جب آئے ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر۔ انہوں نے بتایا کہ ہم بلاک کرنے والے ہیں اور کافروں سے باشندوں کو۔ بے شک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم تھے۔ آپ نے کہا اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ ہم ضرور پہچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس نبی صدمت کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔ اور جب آئے ہمارے فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس تو بڑے غمزہ ہونے ان کی آمد سے اور دل تنگ ہوئے اور (انہیں پریشان دیکھ کر) فرشتوں نے کہا نہ خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر۔ ہم نجات دینے والے ہیں تجھے اور تیرے کنبہ کو سوائے تمہاری بیوی کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے۔ بے شک ہم اتارنے والے ہیں اس ہستی کے باشندوں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ اور بے شک ہم نے باقی رہنے دینے اس ہستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں (کی عبرت) کے لئے جو عقلمند ہیں۔“

جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کے لئے فرشتے بھیج دیئے۔ یہ فرشتے مہمانوں کے روپ میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ ان کی خیافت کے لئے کھانے آئے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ یہ تو کھانے میں دلچسپی ہی نہیں لے رہے تو آپ کو ان پر بڑا تعجب ہوا اور آپ ان سے خوف محسوس کرنے لگے لیکن فرشتوں نے دلجوئی کرتے ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے آپ کو بیٹے کی ولادت کی خوشخبری سنائی۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جو وہاں موجود تھیں، یہ سن کر بہت متعجب ہوئیں جیسا کہ سورہ ہود اور سورہ حجر میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ جب فرشتوں نے اپنا اصلی ارادہ ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ بیس قوم لوط کی بربادی کے لئے بھیجا گیا ہے تو آپ نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی شاید وہ قوم لوط کو کچھ مزید مہلت دے دیں اور وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر راہ راست پر آجائیں۔ جب فرشتوں نے بتایا کہ ہم اس ہستی کے باشندوں کو بلاک کرنے والے ہیں تو آپ نے فرمایا: اِنِّي لَمِنَ الْهَالِكِيْنَ کہ اس ہستی میں تو لوط بھی ہیں۔ اس کے جواب میں فرشتے کہنے لگے: نَحْنُ اَنْعَمُ ۝ یعنی ہمیں خوب معصوم ہے کہ اس میں کون ہے۔ ہم لوط اور ان کے کنبہ کو ضرور پہچالیں گے سوائے ان کی بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے اور اسے بھی باقی قوم کے ساتھ بلاک کر دیا جائے گا کیونکہ وہ کفر اور سرکشی میں اپنی قوم کی معاون تھی۔ پھر وہ فرشتے وہاں سے رخصت ہونے کے بعد خود برونکو کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہیں دیکھتے ہی حضرت لوط علیہ السلام بڑے غمزہ اور دل تنگ ہوئے۔ آپ بڑی نازک اور مشکل صورتحال سے دوچار ہو گئے۔ اگر انہیں اپنے پاس ٹھہراتے ہیں تو خدشہ ہے کہ قوم کے بدتماش لوگ دندناتے ہوئے آئیں گے اور ان مہمانوں کے ساتھ دست درازی کریں گے اور اگر انہیں اپنے پاس نہیں ٹھہراتے تو یہ قوم کے بد معاشرین کے ہاتھ چڑھ جائیں گے۔ اس وقت آپ کو کچھ بھائی نہیں دیتے تھے کہ کیا کریں۔ آپ کی پریشانی اور قلق کو دیکھ کر فرشتے کہنے لگے: لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۝ اِنَّا صَبَّحُنَا ۝ يَعْسُقُونَ ۝ حضرت جبریل علیہ السلام ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھیز کر آسمان تک لے گئے اور وہاں سے نیچے پلٹ دیں اور ساتھ ہی ان پر ان کے ناموں کے نشان زدہ پتھر برسائے گئے اور وہ عذاب جسے وہ بعید اور محال سمجھتے تھے، بالکل قریب اور جلد ہی وقوع پذیر ہو گیا۔ ان کا علاقہ سندی اور بدینو دار جمیل بن گیا اور یہ بدطینت لوگ قیامت تک نشان مہرت بن گئے۔ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق بھی یہی ہوں گے، اس لئے فرمایا: وَلَقَدْ لَرَّ كُنَّا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَإِنَّكُمْ تَسْتُرُونَ سَابِغِيْنَهُمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦﴾ وَبِأَيْبَلٍ أَفَلَا تَتَعَفَوْنَ ﴿٧﴾ (معدنات: 137-138) "اور تم ان کے اجڑے دیاروں (پس چھپنے کے وقت اور رات کے وقت رڑے سے) کیا تم نہیں سمجھتے۔"

وَإِلَىٰ صَدِيْنِ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَقُوْرَاعِبْدُ وَاللّٰهُ ذَا اِسْرٰجٍ اَلْيَوْمَ الْاٰخِرِ وَلَا تَعْتَوْنِي

اَلْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦﴾ قَدْ بُوْدُوْا فَاَحَدْتُهُمْ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَاْسٍ اِهْمِ جُشِيْمِيْنَ ﴿٧﴾

"اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو۔ آپ نے کہا ہے میری قوم! ہمارے رب اللہ تعالیٰ کی اور میری رکھو پیچھے آنے والے دن کی اور ملک میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو۔ پھر انہوں نے آپ کو جتنا ایسا آہٹا نہیں (زلزلہ کے جھکوں) نے پس صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں گھنٹوں کے بل رڑے پڑے تھے۔"

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنی قوم اہل مدین کو خبردار کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اللہ و وحدہ لا شریک کی عبادت کریں اور قیامت کے عذاب سے خوف کھائیں۔ بعض مفسرین نے ذَا اِسْرٰجٍ اَلْيَوْمَ الْاٰخِرِ کا معنی بتایا ہے کہ یوم آخرت سے ڈریں۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: لَيَمُنَّ مَن كَانَ يَتُوبُ اِلَى اللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (الممتحنہ: 6) "اس کے لئے جو اللہ اور روز آخرت سے ڈرتا ہے" پھر آپ علیہ السلام نے انہیں زمین میں فساد پھیلانے اور لوگوں پر زیادتی کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَعْتَوْنِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ یہ لوگ آپ کو مل میں کیا کرتے تھے، راستے بند کر کے ڈالتے اور کفر کا جرم اس پر مستزاد تھا۔ ان جرائم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں رڑے کے شدید جھکوں اور ایسی سخت چٹھماڑ سے جس سے ان کے دس اڑنے لگے اور چھتری والے دن کے ایسے عذاب سے دوچار کر دیا جس سے ان کی رو جس پر دواز کھڑے لگیں۔ اس قصہ کی تفصیلات سورہ اعراف، سورہ ہود اور سورہ شعراء میں گزر چکی ہیں۔

وَعَادًا وَاِثْمُوْدًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَّسْكِنِهِمْ ۗ وَرَيْنَ لَهُمْ الشَّيْطٰنُ اَعْمٰنًا هُمْ قَصَدْتُمْ

عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَجِيْرِيْنَ ﴿٦﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهٰمَانَ ۗ وَقَدْ جَاءَهُمْ مُّوْسٰى

بِالْبَيِّنٰتِ فَاَسْتَكْبَرُوْا فِيْ اَرْضِ مِّنْهُمْ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿٧﴾ فَاَخَذْنَا مِنْ ثِيْبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُنْجِيْنَ

اَمْ رَسَلْنَا عَلَيْهِمْ حٰصِبًا ۗ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذْتَهُ الصَّيْحَةُ ۗ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَسَفْنَا بِهٖ الْاَرْضِ ۗ وَ

مِنْهُمْ مَّنْ اَعْرَفْنَا ۗ وَمَا كَانَ اِلٰهَهُمْ اِلَّا هُوَ ۗ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يٰظٰلِمُوْنَ ﴿٨﴾

"اور (ہم نے برپا کیا) عاد اور ثمود کو اور واضح ہیں تمہارے لئے ان کے مکانات۔ اور آراستہ کر دیا تھا ان کے لئے شیطان نے ان کے (برے) عملوں کو اور روک لیا انہیں راہ (راست) سے حالانکہ وہ اچھے بھلے سمجھ رہے تھے۔ اور (ہم نے بلا کر دیا) قارون، فرعون اور ہامان کو اور بلاشبہ تشریف لانے ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلوں کے ساتھ پھر بھی وہ غرور و تکبر کرتے رہے زمین میں اور وہ (ہم سے) آگے بڑھ جانے والے نہ تھے۔ پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث۔ پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر۔ اور ان میں سے بعض کو آلیہ شدیدہ ترک نے اور بعض کو ہم نے عرق کر دیا زمین میں۔ اور بعض کو ہم نے (دریا میں) ڈبو دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم

دُعا تے رہے تھے۔

ان قوموں کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ اس وجہ سے وہ مختلف قسم کے عذابوں سے دوچار ہو کر برباد ہو گئیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد احقاف میں آباد تھی جو یمن کے شہر حضرموت کے قریب ہے۔ حمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور یہ لوگ وادی القریٰ کے قریب حجر کے مقام پر رہتے تھے۔ ان دونوں قوموں کی بستیاں اہل عرب کی گزرگاہ پر واقع تھیں۔ یہ انہیں اچھی طرح پہنچتے تھے اور اکثر ان کے پاس سے گزرتے تھے۔ قارون وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس قدر مال و دولت سے نوازا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں اٹھاتے ہوئے ایک جتھے کی کمزری جھک جاتیں۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا اور ہامان اس کا وزیر اعظم تھا۔ یہ دونوں قطعی کافر تھے۔ فرمایا: فَكَلَّمْنَا هَٰذَا وَذَكَرْنَا لَهَا بِرَبِّهَا۔ یعنی ہر ایک کو وہی سزا دی گئی جو اس کے حال سے مناسبت رکھتی تھی۔ قوم عاد کو ناز تھا کہ ہم سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں، اس لئے ان پر تندہیز اور سخت ٹھنڈی ہوا مسلط کر دی گئی جو زمین سے پتھر اڑا کر ان پر برساتی۔ اس ہوا کی شدت اور تندی کا یہ عالم تھا کہ یہ ان بد قماشوں کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک لے جاتی اور پھر اوندھا کر کے انہیں سر کے بل زمین پر پھینچ دیتی جس سے ان کے سر بدن سے الگ ہو جاتے۔ یوں محسوس ہوتا جیسے وہ کھجور کے کھوکھلے تھے ہیں۔ قوم حمود پر جنت تمام ہوئی اور ان کی فرمائش پر اونٹنی کا معجزہ رونما ہوا۔ ان کے مطالبہ کے عین مطابق چٹان سے اونٹنی برآمد ہوئی۔ اس کے باوجود وہ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان نہ لائے بلکہ اپنی سرکشی اور کفر پر ڈٹے رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اہل ایمان کو سنگسار کرنے اور جلا وطن کرنے کی دھمکیاں دینے لگے۔ چنانچہ انہیں ایسی شدید کڑک نے آگیا جس نے ان کی آوازوں کو خاموش اور حرکات کو جامہ کر دیا۔ قارون بھی بڑا سرکش، ہانسی اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان تھا۔ زمین پر اترتا اور اڑا کر اڑ کر چلتا اور کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا بلکہ وہ اس غلط فہمی کا بھی شکار تھا کہ وہ سب سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں غرق کر دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔ فرعون، اس کے وزیر ہامان اور اس کے لشکروں کو ایک ہی صبح دریا میں ڈبو دیا اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا شخص باقی نہ رہا جو ان کا ذکر کرنے والا ہوتا۔ آخر میں فرمایا: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ یعنی ان کا جو حشر ہوا، وہ ظلم نہیں تھا بلکہ یہ ان کے اعمال بد کی پوری پوری جزا تھی۔ یہ بیان یہاں بطور نف و نشر کے ہے۔ پہلے جھٹلانے والی قوموں کا ذکر ہوا پھر ان میں سے ہر ایک کے عذاب کا بیان ہوا جس سے اسے ہلاک کیا گیا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس قوم پر پتھر برسائے گئے اس سے مراد قوم لوط ہے اور جسے غرق کیا گیا اس سے مراد قوم نوح ہے لیکن یہ قول درست نہیں کیونکہ اس سند میں انقطاع ہے اور ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسی سورت میں پہلے ان دونوں قوموں کی بلاکت کا ذکر ہو چکا ہے۔ پھر بہت سے فاصلے کے بعد یہ بیان ہوا ہے۔ قادمہ کا کہنا ہے کہ قَبْلَهُمْ قَوْمٌ آمَنَّا سَنَّا عَلَيْهِمْ خَالِصًا سے مراد قوم لوط ہے اور مِنْهُمْ قَوْمٌ آخَرٌ سَنَّا عَلَيْهِمْ خَالِصًا سے مراد قوم شیب ہے (1)۔ لیکن یہ قول بھی بعید ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۖ إِتَّخَذَتْ بِرَبِّهَا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٥١﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُعْمَلُونَ مِنَ

دُوْنِهِ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٧﴾ وَتِلْكَ اٰيَاتُ مَا نُنزِّلُ بِاللَّيْلِ ۗ وَمَا يُعْقِلُهَا
اِلَّا الْعُلَمَاءُ ﴿٦٨﴾

”ان نادانوں کی مثال جنہوں نے بنا لئے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دوست، مکاری کی سی ہے اس نے (جالے کے) گھر بنایا۔ اور (تم سب جانتے ہو کہ) تمام گھروں سے کمزور ترین مکاری کا گھر ہوا کرتا ہے۔ کاش! وہ بھی اس (حقیقت) کو جانتے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس چیز کو وہ پوجتے ہیں اس کو چھوڑ کر۔ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے۔ اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم۔“

ان مشرکین کی مثال بیان ہو رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا معبود اور دوست بناتے ہیں، ان سے مدد اور رزق کی امید وابستہ کرتے ہیں اور مشکلات میں انہی کا دامن تھامتے ہیں۔ ان کی مثال مکاری کی کمزور اور ضعیف جالے کی سی ہے۔ بتوں سے امیدیں وابستہ کرنے میں ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو مکاری کے جالے میں پناہ دیتا ہے لیکن بے سود۔ اگر انہیں بتوں کی بے بسی کا علم ہوتا تو یہ کبھی بھی انہیں اپنا دوست نہ بناتے۔ مومن کا حال ان کے برعکس ہے۔ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے، وہ شریعت کی اتباع کرتے ہوئے نیک کام کرتا ہے اور وہ اسلام کے مضبوط طلقے کو مضبوطی سے تھامے رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ مشرکین کو دھکی دے رہا ہے کہ وہ ان کے اعمال اور ان کے معبودان باطلہ سے خوب آگاہ ہے، اس لئے وہ انہیں ان کے جرائم کی پوری پوری سزا دے گا۔ پھر فرمایا: وَتِلْكَ اٰيَاتُ مَا نُنزِّلُ بِاللَّيْلِ... یعنی یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں لیکن انہیں سمجھتے وہی ہیں جنہیں علم میں رسوخ، کمال اور تعقیر حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار مثالیں سیکھی ہیں (۶)۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کمال شرف اور فضیلت ہے۔ حضرت عمرو بن مرہ فرماتے ہیں کہ تلاوت کرتے وقت کتاب اللہ کی جس آیت کا معنی میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے دکھ لگتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتِلْكَ اٰيَاتُ مَا نُنزِّلُ بِاللَّيْلِ

خَلَقَ اِنَّهٗ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِالْحَقِّ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٩﴾ اٰثِلْ مَا اَوْجِي
اَلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۗ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلَذٰلِكَ
اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

”پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بے شک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانی ہے ایمان والوں کے لئے۔ آپ تلاوت کیجئے اس کتاب کی جو وحی کی گئی آپ کی طرف اور نماز صحیح صحیح ادا کیجئے۔ بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے۔ اور وہی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ اپنی عظیم قدرت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے زمین و آسمان کی تخلیق حق کے ساتھ کی ہے، نہ کہ کھیل تماشے کے طور پر عبث اور بے کار۔ پھر لوگوں کو یاد دلاتا کہ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ بدکاروں کو عذاب ہوگا اور نیکو کاروں کو عہدہ اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔ فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق، تدبیر اور الوہیت

میں منفر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو قرآن کی تلاوت و تبلیغ اور نماز قائم کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ثُمَّ مَا أَوْجِبُ إِلَيْكَ﴾ نماز اگر پابندی سے صحیح صحیح ادا کی جائے تو بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور گناہ سے باز نہیں رکھتی، وہ نماز اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث ہے۔“ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس فرمان اِنْ هُنَّ ذُنُوبٌ تَتَّهَلَّى عَنْ الْقَعْبَاءِ وَآيَةُ الْمُؤْمِنِينَ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”جس نمازی کو نماز بے حیائی اور برے کام سے ندرکے، اس کی کوئی نماز نہیں۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور گناہ سے باز نہ رکھے وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہونا چاہا جاتا ہے“ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس شخص کی نماز اسے نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے منع نہ کرے تو یہ نماز اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنتی ہے (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو نماز کی اطاعت نہیں کرتا“۔ نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی اور گناہ سے احتراز کرنا۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت قَالُوا أَيُّهَا رَسُولُ اللَّهِ إِنَّكَ تَأْمُرُكَ (ہود: 87) کی تفسیر میں فرمایا کہ بخدا نماز حکم بھی دیتی ہے اور منع بھی کرتی ہے (2)۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص بڑی لمبی لمبی نمازیں پڑھتا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز صرف اسے نفع دیتی ہے جو اس کی اطاعت کرے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”جو شخص نماز پڑھتا ہے لیکن وہ اسے بے حیائی اور گناہ سے نہیں روکتی تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہونا چاہا جاتا ہے“ (2)۔ صحیح بخاری ہے کہ یہ تمام روایات موقوف ہیں۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ فلاں رات کو نماز میں مشغول رہتا ہے اور دن کو چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نماز عقرب سے اسے اس برائی سے منع کر دے گی (3)۔ نماز بھی ذکر خدا ہی ہے اور یہی سب سے بڑا مقصود ہے اس لئے فرمایا: ﴿وَلَنْ نُنْفِذَهُ إِلَّا لِمَنِ يَأْخُذُ بِهِ﴾ یعنی یاد خدا بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اقوال و افعال سے واقف ہے۔ حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز میں تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہ کوئی نماز نہیں: اخلاص، خوف خدا اور ذکر اللہ۔ اخلاص یعنی کا حکم دیتا ہے، خوف خدا برائی سے منع کرتا ہے اور ذکر اللہ یعنی قرآن کریم، حکم بھی دیتا ہے اور منع بھی کرتا ہے (4)۔ حضرت ابن عون انصاری فرماتے ہیں کہ جب تو نماز میں مشغول ہو تو تو نیکی میں ہے اور نماز تجھے بے حیائی اور گناہ سے باز رکھے ہوئے ہے اور اس میں جو تو یاد خدا کر رہا ہے وہ بہت بڑی چیز ہے۔ حماد بن ابی سلیمان اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب تو نماز پڑھ رہا ہو تو کم از کم اس وقت نماز ضرور بے حیائی اور گناہ سے بچتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان وَلَنْ نُنْفِذَهُ إِلَّا لِمَنِ يَأْخُذُ بِهِ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ جب بندے اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کو یاد کرو اور سوتے وقت بھی۔ ایک آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میرے ایک صاحب تو اس کا اور مطلب بیان کرتے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ وہ اس کی وضاحت میں یہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿كَذُوْنِي أَدُوْنِي﴾ (البقرہ: 152) پڑھتے ہوئے کہتے ہیں کہ

2- تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 155

4- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 464

1- تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 54، مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 258

3- کشف الاستار، جلد 1 صفحہ 346، مستدرج، جلد 1 صفحہ 447

5- تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 156، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 466

تبدیلی اور تحریف واقع نہیں ہوئی تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کرتے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہو: اِنَّا نَاۤیٕنَا بِالْحَقِّ وَتُكْفَرُ بِهٖ (1)۔ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا یہ جنازہ کلام کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ یہودی کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں یہ کلام کرتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب اہل کتاب تمہیں کوئی بات بتائیں تو تم نہ اس کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس طرح اگر وہ بات حق ہوئی تو تم اس کی تکذیب کے مرتکب نہیں ہو گے اور اگر وہ باطل ہوئی تو تم اس کی تصدیق کرنے والے نہیں ہو گے (2)۔ اہل کتاب کی اکثر باتیں جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہیں کیونکہ ان میں رد و بدل، تحریف اور تاویل کا عام رواج تھا اس لئے ان میں صداقت بہت کم ہے۔ بالفرض اگر ان میں سچائی ہو بھی تو ہمیں ان سے نہ کوئی سروکار ہے اور نہ ہی ہمارا کوئی فائدہ ان سے وابستہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب سے کوئی چیز دریافت نہ کرو، چونکہ وہ خود گمراہ ہیں اس لئے وہ تمہاری رہنمائی نہیں کر سکتے لیکن اس سے تمہیں یہ نقصان ہوگا کہ یا تو تم حق کی تکذیب کر بیٹھو گے یا باطل کی تصدیق۔ ہر اہل کتاب کے دل میں اپنے دین کے لئے مال کی حرص جیسا تعصب ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق کیونکر سوال کر سکتے ہو حالانکہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ حق کی کتاب موجود ہے جو بالکل خالص ہے اور اس میں باطل کی آمیزش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے متعلق تمہیں صاف صاف بتا دیا ہے کہ انہوں نے کتاب میں رد و بدل اور تحریف کر دی بلکہ اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتاب کو خدا کی کتاب کہنے لگے۔ اس سے ان کا مقصد دنیا کا حصول تھا۔ جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں عطا ہوا ہے، اس کے ہوتے ہوئے تمہیں ان سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ تم سے اس چیز کے متعلق پوچھنا گوارا نہیں کرتے جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے (4)۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ان اہل کتاب اور ان کے متعلق باتیں کرنے والوں میں سب سے زیادہ سچے کعب الاحبار ہیں۔ اس کے باوجود ان کی باتوں میں کبھی کبھی جھوٹ کی آمیزش ہو جاتی ہے (5)۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دانستہ جھوٹ بولتے تھے بلکہ اس سے مراد نادانستہ جھوٹ ہے کیونکہ حضرت کعب اہل کتاب کے ان محیفوں سے پڑھ کر باتیں بیان کرتے تھے جن کے متعلق انہیں حسن ظن تھا حالانکہ ان میں من گھڑت اور جھوٹی چیزیں بھی موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اس امت میں روایات کی چھان بین کرنے والے اور انہیں محفوظ کرنے والے علماء موجود ہیں، اس طرح کے علماء ان میں موجود نہ تھے۔ اس احتیاط اور انتظام کے باوجود اس امت میں بھی بہت سی موضوع احادیث جمع ہو گئیں ہیں اگرچہ علماء حدیث نے چھان بچک کر کے باطل کو حق سے بالکل الگ کر دیا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۙ فَالَّذِيْنَ اَتٰتِيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُّؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۙ وَ مِنْ هٰؤُلَاءِ مَنْ
يُّؤْمِنُ بِهٖ ۙ وَ مَا يَجْعَدُ بِالْبَيِّنٰتِ اِلَّا الْكُفْرٰوْنَ ۙ ﴿٥﴾ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا
تَخْصُهٗ سَبِيْنٰتٌ اِذَا اَلَمْتَ اَبْنَآءَ الْمُضِلِّيْنَ ﴿٦﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ النَّبِيِّنَ

3- تفسیر طبری جلد 21 صفحہ 3

2- مسند احمد جلد 4 صفحہ 136

1- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 25

5- صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 9 صفحہ 139

4- صحیح بخاری، کتاب الاحصام، جلد 9 صفحہ 136

اُوْتُوْا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا اِلَّا الظَّالِمُوْنَ ﴿٢٠﴾

”اور (اے حبیب!) اس طرح ہم نے نازل کی آپ کی طرف کتاب۔ پس وہ جنہیں ہم نے دی تھی کتاب (تورات) وہ ایمان لاتے ہیں قرآن پر۔ اور اہل مکہ سے بھی کئی لوگ ایمان لارہے ہیں قرآن پر۔ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر کفار۔ اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں ہم دیا گیا۔ اور ظالموں کے بغیر ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔“

ابن جریر اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح ہم نے سابقہ پیغمبروں پر کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری (1)۔ ابن جریر کا یہ قول عمدہ ہے جس میں مناسبت بھی ہے اور ربط بھی۔ فرمایا: **فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ** یعنی اہل کتاب کے وہ جید اور زیرک علماء جنہوں نے قرآن کریم کی قدر کی اور اس کی تلاوت کا حق ادا کر دیا، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ اس فرمان **وَمِنْ هٰذَا لَا مَن يُّدْعُوْنَ بِهٖ** سے مراد قریش اور دیگر عرب کے وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم پر ایمان لارہے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا اِلَّا الظَّالِمُوْنَ** یعنی ہماری آیات کی تکذیب اور ان کی حقانیت کا انکار وہی کرتے ہیں جو حق کو باطل کے پردے میں چھپانے والے اور سورج کی روشنی کو کپڑے سے ڈھانپنے والے ہیں۔ پھر فرمایا: **وَمَا كُنْتُمْ تَشْكُرُوْنَ مِنْ قَبْلِهٖم**۔ یعنی اے میرے رسول ﷺ اس قرآن کریم کے نزول سے قبل آپ نے اپنی عمر کا ایک طویل عرصہ اپنی قوم میں گزارا ہے۔ نہ آپ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے بلکہ آپ کی قوم اور دوسرے لوگوں کو اچھی طرح علم ہے کہ آپ امی ہیں، نہ آپ پڑھ سکتے ہیں اور نہ آپ لکھ سکتے ہیں۔ سابقہ کتب میں بھی آپ کا یہ وصف مذکور ہے جیسا کہ فرمایا: **الَّذِيْنَ يَشْفَعُوْنَ الرَّسُوْلَ الْعَظِيْمَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُ وَاٰهٖ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي السُّوْرٰتِ وَالْاٰيٰتِ يٰۤاٰمُرْهُمْ بِالْعَمْرِوْاٰتِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (الاعراف: 157)** جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ نبی انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور انہیں برائی سے روکتا ہے۔ اسی طرح پوری زندگی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک حرف تک نہ لکھا بلکہ آپ ﷺ نے کاتب مقرر کر رکھے تھے جو وحی کے علاوہ دوسرے ممالک کے حکمرانوں کے نام خطوط بھی تحریر کرتے تھے۔ قاضی ابوالولید ہاجی اور متاخرین فقہاء میں سے ان کے بعض ہم نوا حضرات کا یہ کہنا درست نہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے ہاتھ سے صلح نامہ میں یہ الفاظ تحریر کئے تھے: **”هٰذَا مَا قَضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ بِنُ عَبْدِ اللّٰهِ“** یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے۔ قاضی صاحب کو یہ وہم بخاری شریف کی روایت کے ان الفاظ کی وجہ سے ہوا ہے: **”ثُمَّ اَخَذَ فَكَّتَبَ“** (2)۔ یعنی آپ ﷺ نے صلح نامہ لے کر لکھا لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا جیسا کہ ایک روایت میں صاف الفاظ ہیں: **”ثُمَّ اَمَرَ فَكَّتَبَ“** یعنی پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو لکھا گیا۔ مشرق و مغرب کے فقہاء نے ہاجی کے اس قول کو رد کیا ہے اور اس سے ہزاروں کا اظہار کیا ہے اور اپنے اشعار اور خطبات میں بھی اس کی تردید کی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قاضی ہاجی کا یہ مقصد ہو کہ آپ ﷺ نے بطور مجزہ لکھا تھا (3)، نہ یہ کہ آپ اچھی طرح لکھنا جانتے تھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے دجال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا، ایک اور روایت میں ہے کہ

”اُنس فر“ کلمہ ہوا ہوگا جسے ہر مومن پڑھ سگے گا (1)۔ یعنی اگرچہ کوئی مومن ان پڑھ ہو تو بھی وہ یہ پڑھ لے گا۔ بعض لوگ ایک روایت لائے ہیں کہ آپ ﷺ کا اس وقت تک انتقال نہ ہوا جب تک آپ نے لکھنا نہ سیکھ لیا۔ یہ روایت ضعیف ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تاکید با مانے تاکید لگاتے ہوئے پہلے ”عن کتب“ اور پھر وَلَا تَخْضَعُوا بِبَيْنَيْنَا کے الفاظ استعمال فرمائے۔ آیت کریمہ میں دائیں ہاتھ کے ساتھ کھینے کی قید باعتبار عموم اور غائب کے ہے یعنی عموماً دائیں ہاتھ سے لکھا جاتا ہے جیسا کہ اس ارشاد وَلَا تَلْطَمُوا يَمَيْنَتِي بِمَا كَتَبْتُمْ (الانعام: 38) میں پروں کی قید لگائی گئی ہے حالانکہ ہر پرندہ پروں سے ہی اڑتا ہے۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَتَبْنَا عَلٰى قُلُوْبِكُمْ لَكُمْ حِكْمًا مَّا كُنْتُمْ لَهَا فَاعِلِيْنَ (سجده: 36) میں پروں کی نسبت شک کر سکتے تھے کہ آپ سابقہ آسمانی کتابوں سے پڑھ کر نقل کر لیتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ یہ علم ہونے کے باوجود کہ آپ امی ہیں اور لکھ نہیں سکتے، وہ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کے افسانے ہیں جنہیں انہوں نے لکھ لیا ہے اور یہ صبح و شام انہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ اس الزام کے جواب میں فرمایا: قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَعْبُدُوْنَ اِلٰهًا غَيْرَ الَّذِيْنَ يَعْبُدُوْنَ اَنَا وَمَنْ حَقَّقْتُ اِنَّ اِلٰهًا غَيْرَ الَّذِيْنَ يَعْبُدُوْنَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الفرقان: 6) ”فرمائیے اس کو اس (خدا) نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو جانتا ہے“۔ اور یہاں فرمایا: هُوَ الَّذِيْ تَتَّبِعَتُّمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ .. یعنی یہ قرآن کریم ایسی آیات پر مشتمل ہے جو وضع غور پر حق پر دلالت کرتی ہیں، عمار کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کا حفظ، تلاوت کرنا اور اس کی تفسیر آسان کر دی ہے جیسا کہ فرمایا: وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ (القرآن: 17) ”اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان بنا دیا ہے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟“۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جبرئیل کو وہ چیز عطا کی گئی جس کے باعث لوگ اس پر ایمان لائے۔ مجھے جو چیز عطا کی گئی ہے وہ وحی خدا ہے، مجھے امید ہے کہ سب انبیاء سے زیادہ میرے تابعدار ہوں گے“ (2)۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتا ہے: ”میں تمہیں آزمائے والا ہوں اور تمہاری وجہ سے لوگوں کو بھی آزماؤں گا اور تم پر ایسی کتاب نازل کروں گا جسے پانی نہ دھو سکے، تم سوتے جاگتے اس کی تلاوت کرو گے“ (3)۔ مقصد یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کا لکھا ہوا حصہ دھل بھی جائے اور پانی سے اس کے حروف دھو بھی دیئے جائیں تو بھی یہ محفوظ ہے کیونکہ ایک اور حدیث میں ہے: ”اگر قرآن کسی چیز میں ہو تو آگ اسے نہیں جلا سکتی“ (4)۔ قرآن کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سینوں میں محفوظ ہے، زبانوں پر آسان ہے، دلوں میں جاگزیں ہے اور لفظ و معنی کے اعتبار سے ایک عظیم معجزہ ہے، یہی وجہ ہے کہ سابقہ کتابوں میں اس امت کا ایک وصف یہ بھی مروی ہے کہ ان کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی۔ ابن جریر نے اس آیت تَبٰی هُوَ الَّذِيْ تَتَّبِعَتُّمْ کا یہ معنی پسند کیا ہے: بلکہ اس چیز کا علم کہ آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ لکھتے تھے، یہ ایسی آیات چنات ہیں جو اہل کتاب کے علماء کے سینوں میں ہیں۔ یہ قول انہوں نے عقائد اور ابن جریر سے نقل کیا ہے اور پہلا قول حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور یہی قول عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ صحاح کا بھی یہی قول ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ آخر میں فرمایا: وَ هٰذَا صِدْقٌ بِالْبَيِّنَاتِ اِنَّ الْقُرْآنَ لَعَرَبِيٌّ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى رِجَالِهِمْ (الفرقان: 29) جو حد سے تجاوز کرتے ہیں، تکبر کرتے ہیں اور جان بوجھ کر حق سے اعراض کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّقَتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَاتِ رَبِّنَا لَا يُؤْمِرُوْنَ بِالْحَقِّ وَ لَوْ جَاءَهُمْ كُلٌّ اِيَّوْحٰى حَقِّيْ يَرُوْا الْعَذَابَ اِنَّ اِلٰهِيْهِمْ (الناس: 96-97) ”بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی

ہے، وہ ایمان نہیں تائیں گے اگرچہ ان کے پاس سری نشانیاں آجائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٥٩﴾ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآرْحَمَةً وَذِكْرًا لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٠﴾ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ ﴿٦١﴾

”اور انہوں نے کہا کہ کیوں نہ اتاری گئی ان پر نشانیاں ان کے رب کی طرف سے۔ آپ فرمائیے نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومنوں کے لئے۔ آپ فرمائیے کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں باطل پر اور انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا وہی لوگ گھائے میں ہیں۔“

مشرکین کی ہٹ دھرمی، سرکشی اور ضد کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے ایسی نشانیاں اور معجزات طلب کر رہے ہیں جن سے یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں جس طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کی فرمائش پر اونٹنی کا مجرہ دکھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فرما رہا ہے کہ آپ انہیں کبہ دیں: **إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ** یعنی نشانیاں اور معجزات دکھانے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس کے علم میں ہوتا کہ تم ان نشانوں کو دیکھ کر ہدایت حاصل کرو گے تو وہ ضرور تمہارا مطالبہ پورا فرمادیتا کیونکہ یہ اس کے لئے نہایت آسان ہے لیکن وہ بخوبی جانتا ہے کہ ایسے مطالبات سے تمہارا مقصد صرف ہٹ دھرمی، سرکشی اور آزمائش ہے، اس لئے وہ تمہاری فرمائش کو پورا نہیں کرے گا جیسا کہ فرمایا: **وَمَا صَعَبًا أَنْ تُؤْمِنُوا بِالْآيَاتِ** **إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ** پھر ازلہ وزلزلہ: **وَإِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُصِفُّ قُلُوبَهُمْ** (بنی اسرائیل: 59) ”اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں نشانیاں مگر اس بات نے کہ پہلوں نے انہیں جھٹلایا تھا اور ہم نے ذی قہنی قوم شموذ کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے اس پر زیڑ دتی کیا“ فرمایا: **وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ** یعنی مجھے مبعوث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہیں صاف صاف ڈراؤں، اس لئے میری ذمہ داری یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغام کو تم تک پہنچا دوں۔ بالی رہا ہدایت اور گمراہی کا معاملہ تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے وہ ہدایت سے نوازے، وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا: **لَيْسَ عَلَيْكَ حُدُودُهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُهْدِي مَنْ يَشَاءُ** (البقرہ: 272) ”انہیں سیدھی راہ پر چلانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہاں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ ان کی جہالت، کبرمندی اور بے وقوفی کو بیان کر رہا ہے کہ یہ ایسی نشانوں کا مطالبہ کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت پر ان کی رہنمائی کریں حالانکہ ان کے پاس ایسی کتاب عزیز آج بھی ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پاسکتا۔ یہ سب سے بڑا مجرہ ہے جس نے بڑے بڑے فصیح و بلیغ اہل زبان کو اس جینا کلام لانے سے عاجز کر دیا۔ پورے قرآن کی نظیر لانا تو بہت دور کی بات ہے، وہ اس کی مثل دس سو تیس جگہ اس جیسی ایک سورت بھی نہ لاسکے۔ فرمایا: **أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ** یعنی کیا انہیں یہی نشانی اور مجرہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ عظیم کتاب نازل کی ہے جس میں

ماضی کی خبریں، مستقبل کی پیشین گوئیاں اور چمکڑوں کے فیصلے ہیں حالانکہ آپ امی ہیں نہ لکھتے ہیں، نہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی کبھی کسی اہل علم کی صحبت اختیار کی ہے۔ اس کے باوجود آپ ان لوگوں کے سامنے سابقہ کتابوں کی وہ خبریں بیان کرتے ہیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور آپ ان کے سامنے حق کو بالکل واضح کر دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: **أَوَلَمْ تَرَ أَنَّا أَوْفَيْنَاكَ مِيثَاقَ الْصَّخْفِ الْأُولَىٰ (ط: 133)** ”کیا ان کے پاس واضح بیان نہیں آیا جو پہلی نازل شدہ کتابوں میں ہے“۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر نبی کو ایسی نشانیاں ملنا سوا کی گئیں جن کے باعث لوگ اس نبی پر ایمان لائے۔ مجھے جو عطا کیا گیا ہے وہ وحی خدا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے تابعدار ہوں گے“ (1)۔ فرمایا: **إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَن كَانَ يَلْقَاوَنِي لَعَلَّوهُم يَرْجِعُونَ** یعنی اس قرآن کریم میں اہل ایمان کے لئے رحمت، حق کا یقین، باطل کا ازالہ اور گنہگاروں کے عبرت خاک عذاب کے ذکر سے نصیحت ہے۔ پھر فرمایا: **فَمَن كَانَ مِنِّي لِيُطِيعُوا مَا تَأْمُرُهُمْ رَبِّي فَأَعَزُّنِي تَابِ عَذَابِي أَصْحَابُ الْمَقَابِلِ** یعنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جس جھوٹ میں تم منوط ہو اور اسے میری صداقت کا بھی خوب علم ہے۔ اگر میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لیتا جیسا کہ فرمایا: **وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۚ لَئِمَّا لَفُطْنَا عَلَيْهِمُ الْحُجْرَةَ وَمَخْرَجَهُمْ لَسْعًا إِنَّهُمْ كَانُوا فِيهَا مَصْرُورِينَ (الحاقة: 47-44)** ”اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر اس کی رگ دل کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا“۔ میں اپنے پیغام میں بالکل سچا ہوں، اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے واضح معجزات اور قطعی دلائل کے ساتھ میری تائید فرمائی ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ باطل پر ایمان رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے قیامت کے دن گھائلے میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی بد اعمالیوں، انکار حق، ابتلاع باطل، تکذیب رسول اور اطاعت غیر اللہ کی پوری پوری سزا دے گا۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَلَوْ لَآ أَجَلَ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۖ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۗ يَوْمَ يَعْشُرُ لَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ قُورِهِمْ ۖ وَمِنْ تَحْتِ أَمْرِ جُلُودِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

”وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آجاتا ان پر عذاب۔ اور (اپنے وقت پر) وہ دن پر اچانک آئے گا اور انہیں ہوش تک نہ ہوگا۔ وہ آپ سے جلدی عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (ذرا سی دیر ہے) جہنم یقیناً گھیر لے گا ان کافروں کو۔ جس دن ذہانپ لے گا انہیں عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا لو اب چکھو اپنے کرو تو توں کا مزہ“۔

مشرکین اپنی جہالت کے باعث جلد عذاب کے وقوع کا مطالبہ کرتے جیسا کہ وہ دعا کرتے تھے: **وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ الْأَمْرُ مِنْ عِنْدِكَ فَأَسْرِعْنَا يَوْمَآئِنَا بِعَذَابِكَ يَا أُنسَآءَ آلِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ وَبَارِكْ لِمَن يُرِيدُ ۗ (الأنفال: 32)** ”اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے ہے تو ہر دو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر دردناک عذاب لے آ“۔ ان کے اس مطالبہ کے جواب میں فرمایا: **وَلَوْ لَآ أَجَلَ مُّسَمًّى ۖ لَئِن لَّمْ يَئْتِ الْبَشَرُ نَجْدًا لَرَأَىٰ يَوْمَئِذٍ عَذَابَ اللَّهِ غَآظًا ۗ وَسِعَتْ جَهَنَّمَ كُلًّا ۖ لَدِ اللَّهِ عِزٌّ مُّتَّقٍ ۗ** یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت تک عذاب کو موخر نہ کر دیا ہوتا تو ان کے مطالبہ پر فوراً عذاب آجاتا۔ پھر فرمایا: **وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۗ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہنم بھی بحرِ انصر ہے۔ ستارے گر کر اس میں کھر جائیں گے

اور سورج اور چاند کو لپیٹ کر اور بے نور کر کے اسی میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اسے بھڑکایا جائے گا تو یہ جہنم میں جائے گا (1)۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”سند رہی جہنم ہے“ (2)۔ راوی حدیث حضرت یعلیٰ سے اس بارے میں دریافت کیا کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَخَاذُ بِهِنَّ مِنْ اَدْوَعِهَا (الکہف: 29) ”انہیں اس آگ کی دیوار نے گھیر لیا ہے“۔ پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں یعلیٰ کی جان ہے! میں اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاؤں اور مجھے اس کا ایک قطرہ بھی نہیں پہنچے گا یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاؤں۔ یہ تفسیر بھی بہت غریب ہے اور حدیث بھی۔ پھر فرمایا: يَوْمَ يُنْفَخُ الْعَذَابُ... اسی طرح دیگر مقامات پر فرمایا: لَكُمْ فَوْقَ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف: 41) ”ان کے لئے دوزخ کا عی بھوننا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا“۔ تَوَيْسْتُمْ اَنْ يَنْزِلَ الْغَفْرُ اَجِدْنِ لَا يَنْزِلُ عَنْ رُؤُوسِهِمْ الشَّارِبُ وَلَا عَنْ فُؤَادِهِمْ (الانبیاء: 39) ”کاش کفار چاہتے جب وہ ندروک نکلیں گے اپنے چہروں سے آگ کو اور نہ اپنی پشتوں سے“۔ آگ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی۔ یہ تو ہے اسی جو جسمانی عذاب۔ پھر انہیں سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے کہا جائے گا: كَذَّبُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ یہ سرزنش اور جزو تو بخیر روحانی اور معنوی عذاب ہے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا عَذَابَ سَعِيرٍ ﴿٤٨﴾ اِنَّ اَكْلَ شَيْءٍ حَالِقَةً فَلْيَقْدِرْ (القدر: 48-49) ”اس روز انہیں آگ میں من کے بل گھسیٹا جائے گا (کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے“۔ يَوْمَ يُدْعَوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعَاً ۔ اِنَّمَا تُحْجَرُونَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ (الطور: 16-13)۔

لِيَجَادِيَ الَّذِينَ اٰمَنُوا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةً فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٥٠﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةٌ
 لِّلْمَوْتِ ﴿٥١﴾ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُؤْتِيَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ
 غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا اَنْهٰرٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرٌ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٥٣﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَا
 عَلٰى سَرٰيِهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَكَانِيْنَ مِّنْ دَاوُدَ الَّذِيْ تَحْمِلُ رِكْبَتَهَا وَاللّٰهُ يَبْرُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ
 السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٥٥﴾

”اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے جو میری زمین بڑی کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کیا کرو۔ ہر ایک موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ پھر ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے انہیں ہم ٹھہرائیں گے جنت کے بالا خانوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کتنا عمدہ صلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ وہ جنہوں نے (ہر حال میں) صبر کیا اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق۔ اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے“۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ہجرت کا حکم دے رہا ہے کہ جہاں وہ دین کو قائم رکھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں، وہاں سے اس جگہ منتقل ہو جائیں جہاں ان کے لئے دین پر کار بند رہنا اور خدا کے واحد کی عبادت کرنے ممکن ہو، اس لئے فرمایا: لِيَجَادِيَ الَّذِينَ اٰمَنُوا اِنَّ

آن فرمایا: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "تمام شہر اللہ کے شہر ہیں اور تمام بندے اللہ کے بندے ہیں پس جہاں تمہیں بھلائی ملے وہیں قیام کرو" (1)۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو گئی اور وہاں قیام کرنا مشکل ہو گیا تو انہوں نے اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کر لی۔ وہاں انہیں شاہ حبشہ اسحٰمہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں بہترین میزبان مل گیا۔ نجاشی نے ان مہاجرین کی بھرپور تائید و نصرت کی اور ہر قسم کی سہولیات، بیم پینچائیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور باقی صحابہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر فرمایا: كُنْ نَقِيْبًا ذَاتِ يَقِيْنَةٍ اَلْمَدِيْنَةِ۔ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمہیں ضرور آئے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو۔ اس کا ہر حکم تمہارے لئے بہتر ہے اور موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پھر سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے۔ جو شخص اس کی اطاعت کرتا رہا، اسے وہ بہترین اور کامل اجر و ثواب سے نوازے گا، اسی لئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی ہم ان نیکوکار اہل ایمان کو جنت کے ایسے بالا خانوں میں ٹھہرائیں گے جن کے نیچے پانی، شراب، شہد اور دودھ کی نہریں رواں ہوں گی اور جنتی جہاں چاہیں گے وہاں ہی نہریں بہیں گی۔ یہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کا انہیں خیال تک بھی نہ آئے گا۔ یہ بالا خانے ان اہل ایمان کے اعمال کا بہترین صلہ ہے جو اپنے دین پر سختی سے ڈٹے رہے، اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی، دشمنوں کی مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصول ثواب کی خاطر اپنے اہل و عیال اور اقرباء سے جدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے لئے تیار کیا ہے جو گنہگار نہ تھے، پاکیزہ گفتگو کریں، پابندی سے لگا تار نماز پڑھیں اور روزے رکھیں اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھیں جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں (2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ یعنی وہ اپنے تمام ذمہ داری اور دنیاوی امور میں صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات پر آگاہ فرما رہا ہے کہ رزق کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا رزق تمام مخلوق کے لئے عام ہے۔ جہاں کوئی ہو اس کا رزق وہاں پہنچ جاتا ہے۔ مہاجرین کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہجرت گاہ میں، بہت زیادہ فراخ اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور وہ کلیل عرصہ میں دنیا کے ایک وسیع و عریض خطے کے حکمران بن گئے، اس لئے فرمایا: وَكَافِيْنَ فِيْ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّهْتَدِ۔ یعنی بہت سے جانور ایسے ہیں جو نہ رزق حاصل کر سکتے ہیں، نہ جمع کر سکتے ہیں اور نہ ہی کل کے لئے بچا کر رکھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو انہیں بھی رزق پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی۔ ہر ایک کے لئے اس نے رزق کا حصول آسان بنا دیا ہے اور ہر مخلوق کو اس کے حال کے مطابق روزی عطا کرتا ہے یہاں تک کہ چیرہ نیوں کو زمین کے اندر، پرندوں کو خلا میں اور پھلیوں کو پانی میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَصٰمِيْنَ ذٰلِكَ فِيْ الْاَنْفٰسِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُهَا وَاُوْاٰ يَعْطٰهُمْ مِمَّا يَشْتَكُوْنَ هَا وُ مَسْتَوِيًّا وَعَلٰٓهَا كَلِمٰتِيْ كَتٰبٍ مُّبِيْنٍ (ہود: 6) اور انہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا۔ آپ مدینہ کے ایک باغ میں داخل ہوئے اور گری ہوئی کھجوریں اٹھا کر کھانے لگے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کھاتے؟ میں نے عرض کی کہ مجھے خواہش نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو خواہش ہے کیونکہ یہ چوتھے دن کی صبح ہے کہ میں نے کھانا چکھا تھا نہیں اور نہ ہی مجھے کھانا ملا ہے۔ اگر میں چاہتا تو اپنے رب سے دعا کرتا اور وہ مجھے قیصر و کسری جیسی بادشاہت عطا کر دیتا۔ اسے ابن عمر! اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تو ایسے لوگوں میں ہوگا جو یقین کی کمزوری کے باعث سال بھر کا غلہ ذخیرہ کر لیا کریں گے۔ اسی اثناء میں یہ آیت وَكَافِيْنَ فِيْ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّهْتَدِ۔ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ تو دنیا جمع کرنے کا

حکم دیا ہے اور نہ شہوات کی پیروی کرنے کا۔ جو شخص باقی ماندہ زندگی کے لئے دنیا ذخیرہ کرتا ہے، وہ جان لے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ سنو، میں تدبیر جمع کرتا ہوں اور ندرہم اور نہ ہی کل کے لئے رزق بچا کر رکھتا ہوں (1)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی ابو العطف الجبزی ضعیف ہے۔ کہتے ہیں کہ جب کوئے کے بچے نکلتے ہیں تو ان کے بالوں پر سفید ہوتے ہیں۔ اس حالت میں دیکھ کر ان کے والدین ان سے نفرت کرتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں۔ چند دنوں کے بعد ان کے پر سیاہ ہو جاتے ہیں تو یہ اپنا منہ کھولے اپنے والدین کو تلاش کرتے ہیں۔ ان ابتدائی دنوں میں جبکہ ان کے والدین انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی طرف مچھرا اور اس جیسے چھوٹے چھوٹے کیڑے کوڑے بھیجتا ہے جو ان کی غذا بن جاتے ہیں، پھر جب ان کے بال و پر سیاہ ہو جاتے ہیں تو ان کے والدین ان کے پاس واپس آ جاتے ہیں، ان کی نگہداشت کرتے ہیں اور غذا فراہم کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سفر کرو صحت مند رہو گے اور رزق پاؤ گے“۔ ایک اور روایت میں ہے: ”سفر کرو، صحت اور نعمت پاؤ گے“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سفر کرو نفع پاؤ گے، روزے رکھو صحت مند ہو گے اور جہاد کرو غنیمت حاصل ہوگی“ (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قسمت دالوں اور خوشحال لوگوں کے ساتھ سفر کرو۔ آخر میں فرمایا: وَهُوَ الشَّيْبُ الْعَلِيْبُ یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور ان کی حرکات و سکنات کو خوب جاننے والا ہے۔

وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السُّلُوٰتِ وَالْاَرْمَاضِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَاَنَّى يُقُوْلُوْنَ ۙ ۝۱۰ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ مَالَهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ۝۱۱ وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَحْيَا بِهٖ الْاَرْمَاضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ طَقِلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ طَبَّلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۙ ۝۱۲

”اور (اے حبیب!) اگر آپ پوچھیں ان (شُرکوں) سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار بنایا ہے سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پھر وہ کہاں (توحید سے) پھیرے جاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کثادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے۔ اپنے بندوں سے اور نکل کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ پوچھیں ان سے کہ کس نے اتارا آسمان سے پانی، پھر زندہ کر دیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے بجز بن جانے کے بعد تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ آپ فرمائیے الحمد للہ (حق واضح ہو گیا) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔“

اللہ تعالیٰ ثابت کر رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیونکہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کی عبادت کرنے کے باوجود یہ اعتراف کیا کرتے تھے کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا، سورج چاند اور دن رات کو مٹھ کرنے والا، ہر چیز کا خالق اور رازق اور موت و حیات پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے کسی کو غنی بنا دیا ہے اور کسی کو فقیر، کسی کو کم رزق دیا ہے اور کسی کو زیادہ۔ وہ ہر ایک کی مصلحت سے خوف واقف ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون غنا کا مستحق ہے اور کون فقر کا اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کی تخلیق و تدبیر میں منفرد ہے۔ جب یہ حقائق واضح ہیں تو یہ مشرکین کیوں غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کیوں غیر اللہ پر توکل کرتے ہیں؟ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں

مخضر اور واحد ہے اسی طرح عبادت میں بھی وہ مخضر اور واحد ہے۔ قرآن کریم میں اکثر توحید ربوبیت کے اعتراف کے ساتھ مقام الوہیت کا ذکر آتا ہے۔ مشرکین توحید ربوبیت کے معترف تھے جیسا کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہا کرتے تھے: "لَيْلِكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكُنَا هُوَ لَكَ تَدْبِيكُهُ وَ مَا مَلَكَ" یعنی اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، بجز اس کے کہ جسے تو نے اپنا شریک بنایا، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملک کا بھی۔

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌ وَ لَعِبٌ ۗ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَمْ كُنُوا يَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَذْأَمَ كُيُوفِي الْفُلْكِ دَعَاؤُ اللَّهِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ فَلَمَّا نَجَّيْنَاهُمْ إِلَى الْبَرِّ

إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٦٧﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَسْتَعْبُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾

”اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر لہو و لعب۔ اور دار آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت نہیں) کاش! وہ (اس حقیقت کو) جانتے۔ پھر جب سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے دین کو۔ پھر جب وہ سلامتی سے پہنچتا ہے انہیں خشکی پر تو اس وقت وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ وہ ناشکری کر لیں جو نعمت ہم نے انہیں دی ہے اور لطف اٹھالیں (اس سے) وہ عنقریب جان لیں گے (حقیقت کو)۔“

دنیا کی حقارت، بے ثباتی، ناپائیداری اور اس کے زوال و فنا کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ دنیا تو محض لہو و لعب ہے اور آخرت کی زندگی کو یہی بقاء، دوام اور ثبات حاصل ہے۔ اگر لوگ اس حقیقت کو جان لیں تو فانی کو باقی پر ترجیح نہ دیں۔ اس کے بعد مشرکین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ اضطراب اور بے بسی کے وقت ہی صرف اللہ وحدہ لا شریک کو پکارتے ہیں۔ بھلا وہ ہمیشہ ایسا کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا: فَأَذْأَمَ كُيُوفِي الْفُلْكِ۔ اسی طرح فرمایا: وَإِذَا أَمْسَلَكُمْ الظُّرْمِيُّ الْبَيْعَ صَلَّيْ مِنْ تَدْعُونَ إِلَّا آيَاتُنَا ۗ فَلَمَّا نَجَّيْنَاهُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضُوا عَنْهُمْ (نبی اسرائیل: 67) ”اور جب سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو وہ (معبود) گم ہو جاتے ہیں جن کو تم پکارا کرتے ہو بجز اللہ نکالی کے۔ پس جب وہ تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو تم روگردانی کرنے لگتے ہو“ اور یہاں فرمایا: فَلَمَّا نَجَّيْنَاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ۔ فتح مکہ کے موقع پر عکرمہ بن ابی جہل مکہ سے بھاگ نکلا۔ جب وہ حبشہ جانے کے لئے کشتی پر سوار ہوا تو طوفان آ گیا اور کشتی بچکولے کھانے لگی۔ کشتی کے سوار کہنے لگے کہ غلو ص کے ساتھ اپنے رب حقیقی سے دعا کرو کیونکہ اس وقت اس کے سوا کوئی اور نجات نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر عکرمہ نے کہا کہ اگر سمندر میں اس کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی پر بھی اس کے سوا کوئی نجات دہندہ نہیں۔ اے اللہ! میں عہد کرتا ہوں کہ اگر میں یہاں سے صحیح و سالم نکل آیا تو سیدھا محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں گا اور ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں گا اور میں انہیں یقیناً رؤف رحیم پاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (1)۔ اکثر مفسرین اور علماء اصول کا کہنا ہے کہ ”لِيَكْفُرُوا“ اور ”لِيَسْتَعْبُوا“ میں لام، لام عاقبت ہے کیونکہ ان کا قصد یہ نہیں ہوتا لیکن ان کے حال کو دیکھتے ہوئے معاملہ ایسا ہی ہے۔ اے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو دیکھیں تو یہ لام تعلیل ہے۔ اس کی وضاحت ہم اس فرمان لِيَعْلَمُونَ تَقْتُمْ عَلَٰنَ وَاذْ حَرَكَاتِ (انقص: 8) کے تحت کر چکے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مَّأْمُونًا وَّ يَتَخَفُونَ النَّاسَ مِنْ حَوْلِهِمْ ۗ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَ يَنْعَمُونَ ۗ اللَّهُ يَكْفُرُونَ ﴿٦٩﴾ وَ مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا

جَاءَكَ الْاَيْسُ فِي جَهَنَّمَ مَشْهُوِيًّا لِلْكَافِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاهَدْنَا لَمْ يَكُنْ يَسْتَمِعُ سَمِيْعًا
وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِْعٌ اَلْمُحْسِنِيْنَ ۝

”کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے۔ کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگایا یا حق کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا۔ کیا نہیں ہے جنم میں جھکا نہ کفار کے لئے اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے۔“

اللہ تعالیٰ قریش کو اپنا احسان یاد دلارہا ہے کہ اس نے انہیں اپنے امن والے حرم میں بسایا۔ جو شخص بھی اس میں داخل ہو جائے، اسے امن حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ اس کے ارد گرد لوٹ مار اور قتل و عارت کا بازار گرم رہتا ہے جیسا کہ سورہ قریش میں فرمایا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: اَفَلَا يَبْطِلُوْنَ يَوْمَئِذٍ - یعنی اس نعمت عظمیٰ پر کیا ان کا شکر بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفر میں بدل دیا۔ خود بھی برباد ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے اور اس کے رسول کی تصدیق و تعظیم کرتے لیکن انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا، اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا، انہیں تکفین پتیا کیں اور ظلم و ظغیان کی حد کرتے ہوئے انہیں مکہ سے ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی نعمتیں سلب کر لیں، غزوہ بدر میں ان کے بہت سے لوگ قتل ہوئے، حق کو غلبہ حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ پر فتح عطا کر کے مشرکین کو سرنگوں اور ذلیل و رسوا کر دیا۔ پھر فرمایا: وَصَحَّ اَظْلَمُ مِن اَفْتَرٰى... یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی سزا کا مستحق نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی حالانکہ اس کی طرف وحی آئی ہی نہیں اور جو یہ کہتا ہے کہ میں بھی اس جیسا کلام ہنازل کر سکتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ اسی طرح اس شخص سے بڑھ کر بھی کوئی عقوبت کا سزاوار نہیں جو حق کو جھٹلاتا ہے۔ پہلا افترا پرداز اور دوسرا جھٹلانے والا، اس لئے فرمایا: الْاَيْسُ فِي جَهَنَّمَ مَشْهُوِيًّا لِلْكَافِرِيْنَ۔ آخری آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاهَدْنَا لَمْ يَكُنْ يَسْتَمِعُ سَمِيْعًا، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور قیامت تک آنے والے آپ ﷺ کے پیروکار ہیں۔ ابواحمد عباس ہمدانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان امور میں بھی ان کی رہنمائی فرماتا ہے جن کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ ابوسلیمان دارانی سے جب یہ ذکر کیا گیا تو انہیں یہ بات بہت پسند آئی، فرمانے لگے کہ اگر کسی کے دل میں کوئی بات جنم لے اگرچہ وہ اچھی ہو پھر بھی اسے اس پر اس وقت تک عمل پیرا نہیں ہونا چاہئے جب تک قرآن و حدیث سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔ جب قرآن و حدیث سے ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے کہ اس کے دل میں جنم لینے والی بات کو قرآن و حدیث کی موافقت حاصل ہوگئی۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِْعٌ اَلْمُحْسِنِيْنَ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: احسان یہ ہے کہ تو اپنے ساتھ بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ احسان اس چیز کا نام نہیں کہ تو اس کے ساتھ حسن سلوک کرے جو تیرے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے۔

رومیوں کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہوئی (1)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں: دخان (دھواں)، لزام (جنگ بدر یا قحط)، بلط (جنگ بدر)، شق قمر اور غلبہ کریم (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایرانی رومیوں پر غالب آگئے۔ مشرکین کی یہ آرزو تھی کہ ان کے ہم عقیدہ مشرک ایرانی رومیوں پر غالب رہیں۔ اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ ان کے ہم مسلک اہل کتاب رومیوں کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہو۔ جب مذکورہ بالا آیتیں اتریں تو مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ تمہارے صاحب کا کہنا ہے کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر فتح پائیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا آؤ شرط بدلیں۔ چنانچہ چار جوان اونٹنیوں کی شرط پر سات سال کی مدت مقرر ہوئی۔ سات سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود رومیوں کو فتح نہ ہوئی۔ اس پر مشرکین خوشیوں کے شاد دینے بجانے لگے اور مسلمان بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ جب نبی کریم ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے ہاں بضع کا اطلاق کتنے پر ہوتا ہے؟ عرض کی کہ دس سے کم پر، تو آپ نے فرمایا: ”جاؤ، شرط میں بھی اضافہ کرو اور مدت میں بھی دو سال کی توسیع کر دو“۔ چنانچہ اس مدت کے گزرنے سے پہلے پہلے رومی اہل فارس پر غالب آ گئے اور مسلمانوں کو اس پر بہت مسرت ہوئی۔ ان آیات میں اسی چیز کا بیان ہے (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ تمہارے نبی (ﷺ) کے اس دعویٰ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ اہل روم کو اہل فارس پر فتح حاصل ہوگی؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے آقا نے سچ فرمایا ہے۔ چنانچہ شرط اور مدت طے ہوگئی۔ مدت گزر جانے کے باوجود رومی فتیاب نہ ہوئے۔ جب حضور ﷺ کو اس چیز کا علم ہوا تو آپ بڑے آزرده ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”تم نے ایسا کیوں کیا؟“ عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی خاطر۔ فرمایا: ”ان کے پاس جاؤ، شرط میں بھی اضافہ کر دو اور مدت بھی دس سال مقرر کر لو“۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ مشرکین کے پاس گئے تو انہوں نے شرط میں زیادتی اور مدت میں توسیع کے مطالبہ کو منظور کر لیا۔ ابھی طے شدہ مدت گزری بھی نہ تھی کہ رومی فارسیوں پر غالب آ گئے، ان کا لشکر پایہ تخت مدائن میں پہنچ گیا اور انہوں نے رومیہ کی بنا ڈالی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس شرط کا مال لے کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے صدقہ کر دو“ (4)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت ایرانی رومیوں پر غالب تھے۔ اہل کتاب ہونے کے باعث مسلمانوں کی دلچسپی رومیوں کی فتح کے ساتھ تھی لیکن مشرکین کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں کیونکہ وہ ان کی طرح نہ اہل کتاب تھے اور نہ قیامت پر یقین رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہہ کے گلی کوچوں اور اس کے گرد و نواح میں علی الاعلان یہ آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں۔ کفار کے ساتھ آپ کی شرط بدگئی۔ یہ واقعہ شرط کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ چھ سال مدت مقرر ہوئی۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے پر بہت سے لوگ اسلام لے آئے (5)۔ امام سلیمان بن داؤد نے اپنی تفسیر میں ایک عجیب و غریب روایت بیان کی ہے کہ ایران میں ایک عورت تھی جس کے بیٹے بڑے جوانمرد، بہادر اور شکران ہوتے تھے۔ کسری نے اسے اپنے پاس بلایا اور رومیوں پر لشکر کسی کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے اس سے کہا کہ میں تمہارے بیٹوں میں سے کسی کو اس لشکر کا قائد بنانا چاہتا ہوں، اس لئے مجھے مشورہ دو کہ کون اس عہد کے لئے موزوں ہے؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں جیٹا لومزی سے زیادہ مکار اور شکر سے

1- تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 16-17 2- صحیح بخاری، تفسیر سورہ دخان، جلد 6 صفحہ 164، صحیح مسلم، کتاب صفحہ التیمة، جلد 4 صفحہ 2157

3- تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 20 4- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 497 5- عارضۃ الاحادیث، تفسیر سورہ روم، جلد 12 صفحہ 69-72

سے زیادہ ہوشیار ہے۔ میرا دوسرا بیٹا فرخان تیر سے زیادہ کارگر ہے اور تیسرا بیٹا شہریر از سب سے زیادہ ولیم الطبع ہے۔ اب آپ کی مرضی سے جسے چاہیں قہدمقرر کر دیں۔ غور و فکر کے بعد بادشاہ نے شہریر از کو قائد لشکر مقرر کر دیا۔ یہ لشکر لے کر رومیوں کی طرف بڑھا، ان پر فتح پائی، قتل و غارت کا بازار گرم کیا، شہروں کو برباد کر دیا اور زیتون کے باغات کاٹ کر رکھ دیئے۔ عطاء خراسانی نے ابو بکر بن عبداللہ سے پوچھا کہ کیا تم نے بلاد شام کو دیکھا ہے؟ جواب دیا: نہیں۔ فرمانے لگے کہ اگر تم وہاں جاؤ تو اس تباہی و بربادی کے آثار تمہیں وہاں نظر آئیں گے۔ ابو بکر کہتے ہیں کہ میں شام گیا تو واقعی ایسا ہی دیکھا۔ یحییٰ بن یثیر بیان کرتے ہیں کہ قیصر نے قطیف کی قیادت میں اور کسری نے شہریر از کی قیادت میں لشکر بھیجا۔ اذرعات اور بصری کے درمیان دونوں لشکروں کی ٹڈ بھیر ہوئی۔ اس خونریز معرکہ میں اہل فارس رومیوں پر غالب آگئے۔ اس پر کفار قریش بڑے خوش ہوئے اور مسلمانان رنجیدہ ہوئے۔ مشرکین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعن دیتے ہوئے کہنے لگے کہ تم اور نصاریٰ اہل کتاب ہو جبکہ ہم اور اہل فارس ان پڑھ ہیں۔ ہمارے فارسی بھائی تمہارے اہل کتاب بھائیوں پر غالب آگئے ہیں۔ اگر ہمارے ساتھ تمہاری جنگ ہوئی تو ہم بھی اسی طرح ضرور تم پر فتح پائیں گے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کفار کے پاس گئے اور انہیں کہنے لگے کہ اس فتح پر اتارنے اور خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ عنقریب پانسہ پانچے گا اور رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ یہ بات ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے بتائی ہے۔ یہ سن کر ابی بن خلف اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے ابو فضیل! تم جھوٹ کہتے ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے دشمن خدا! تم جھوٹے ہو۔ اس نے کہا آؤ دس جوان اذیتوں کی شرط بدلیتے ہیں۔ اگر تین سال تک رومی غالب آگئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دوں گا۔ بصورت دیگر تم مجھے دس اونٹنیاں دینا۔ شرط طے ہو جانے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتحال سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اس طرح تو نہیں کہا تھا۔ بضع کا اطلاق تین سے نو پر ہوتا ہے۔ جاؤ شرط میں بھی زیادتی کرو اور مدت میں بھی توسیع کرو“۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ابی کے پاس گئے تو وہ آپ سے کہنے لگا کہ شاید تمہیں ندامت ہوئی ہے! آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ میں تو شرط میں اضافہ اور مدت میں توسیع کے لئے آیا ہوں۔ اونٹنیاں سو کر نہیں اور مدت تو سال۔ اس نے یہ مطالبہ منظور کر لیا۔ نو سال کی مدت گزرنے سے پہلے رومی ایرانیوں پر اور مسلمان مشرکین پر غالب آگئے۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ جب فارسی رومیوں پر غالب آگئے تو شہریر از کا بھائی فرخان شراب کے نشہ میں دھت اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسری کے تخت پر متمکن ہوں۔ جب یہ بات کسری تک پہنچی تو اس نے شہریر از کو لکھا کہ جب تمہیں میرا یہ خط موصول ہو تو اسی وقت فرخان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا۔ شہریر از نے بادشاہ کو لکھا کہ اس قدر غفلت سے کام نہ لیں۔ فرخان کو دشمن پر رعب و دہدہ اور غلبہ حاصل ہے، اس جیسا شخص آپ کو نہیں ملے گا۔ اس لئے اسے قتل نہ کروائیں۔ بادشاہ نے اسے لکھا کہ میری سلطنت میں اس جیسے کثیر جو امر موجود ہیں، اس لئے جلد از جلد اس کا سر میرے پاس بھیجو۔ شہریر از نے پھر وہی جواب دیا۔ اس پر کسری بہت نشمناک ہوا۔ اس نے اعلان کروا دیا کہ میں نے شہریر از کو معزول کر کے فرخان کو قائد لشکر بنا دیا ہے اور اس کی معزولی کا فرمان لکھوا کر اس کی طرف بھیج دیا۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے ایک پوشیدہ خط قاصد کے حوالہ کیا اور تاکید کی کہ جب فرخان قیادت سنبھال لے اور اس کا بھائی اس کی اطاعت قبول کر لے تو اس وقت یہ خط اسے دینا۔ شہریر از نے اپنی معزولی کا فرمان پڑھتے ہی کہا کہ میں اپنے بادشاہ کے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ تخت سے اتر گیا اور اس کے بھائی فرخان نے تخت سنبھال لیا۔ جب فرخان اچھی طرح اقتدار پر قابض ہو گیا تو بادشاہ کا پوشیدہ خط اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے خط پڑھتے ہی شہریر از کو پیش کرنے اور اسے قتل کرنے کا فرمان

جاری کر دیا۔ شہرینار نے وصیت تحریر کرنے کے لئے مہلت مانگی جو اسے دے دی گئی۔ شہرینار نے اپنا دفتر منگوا لیا اور فرخان کے قتل کے متعلقہ تمام کاغذات اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ یہ دیکھو، تمہارے قتل کے بارے میں میرے اور بادشاہ کے درمیانی اتنی خط و کتابت ہوئی، پھر بھی میں نے عجلت سے کام نہیں لیا اور تم صرف ایک خط کے باعث میرے قتل کے ورپے ہو گئے۔ ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے اقتدار فرما اپنے بھائی شہرینار کے سپرد کر دیا۔ اب شہرینار نے قیصر شاہ روم کو لکھا کہ میں آپ سے ایک اہم امر کے سلسلہ میں خفیہ ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی بات آپ تک نہ قاصد کے ذریعے پہنچا سکتا ہوں اور نہ ہی خط میں تحریر کر سکتا ہوں۔ پیچاس آدمی آپ کے ساتھ ہوں گے اور پیچاس ہی میرے ساتھ۔ قیصر ملاقات کے لئے نکلا تو اس نے احتیاط پانچ سو آدمیوں کا دستہ اپنے ساتھ لے لیا اور کسی سازش کے خدشہ کے پیش نظر کچھ جاسوس آگے بھیج دیئے۔ جاسوسوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ خطرے کی کوئی بات نہیں اور شہرینار کے ساتھ پیچاس آدمی ہی ہیں۔ دونوں کی ملاقات کے لئے ایک ریشمی خیمہ نصب کیا گیا۔ وہاں دونوں کی ملاقات ہوئی، چھریوں کے سوا کوئی ہتھیار کسی کے پاس نہ تھا اور دونوں کی طرف سے ایک ایک ترجمان کے علاوہ کوئی اور شخص نہ تھا۔ شہرینار نے قیصر کو بتایا کہ میں اور میرا بھائی ہم دونوں نے اپنی تہذیب اور شجاعت کے سبب تمہارے ملک کو برباد کیا ہے لیکن کسری حسد کا شکار ہو گیا۔ پہلے اس نے میرے ہاتھوں میرے بھائی کو قتل کروانا چاہا لیکن جب میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو وہ میرے بھائی کو میرے قتل پر اکسانے لگا۔ ہم نے اس کی اطاعت کا جو اتنا پھینکا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ مل کر کسری کے خلاف نبرد آزما ہوں گے۔ قیصر نے کہا کہ تم دونوں بھائیوں نے بہت درست فیصلہ کیا ہے۔ پھر دونوں نے اشارے کناٹے میں ایک دوسرے کو سمجھایا کہ راز وہی ہے جو دو کے درمیان محمد و در ہے، اگر ان سے تجاوز کر جائے تو وہ لوگوں پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ دونوں نے اپنی چھریوں کے ساتھ دونوں ترجمان ڈھیر کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسری کو ہلاک کر دیا اور حدیبیہ والے دیکھ جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت خوش ہوئے (۱)۔ اب ہم ان آیات کریمہ کے الفاظ پر گفتگو کرتے ہیں۔

فرمایا: **الْمَنْجُ غَلَبَتِ الرُّومُ سُوْرَتُوں کے اوائل میں آنے والے حروف مقطعات کی بحث سورہ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ رومی بنی اسرائیل کے چچازاد بھائی ہیں اور مصعب بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ انہیں بنو اسفر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اہل یونان کے دین پر کار بند تھے۔ یونانی ترکوں کے چچازاد بھائی اور یافث بن نوح کی نسل سے ہیں یہ ستارہ پرست تھے۔ سات ستاروں کی پرستش کرتے تھے جنہیں ستیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ قنبل شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دمشق کی بنیاد رکھی اور وہاں اپنی عبادت گاہ تعمیر کی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔ رومی حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت کے بعد بھی تین سو سال تک اپنے دین پر جمے رہے۔ ان میں سے جو شام اور جزیرے کا حکمران بن جاتا، اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ شاہان روم میں سے سب سے پہلے قسطنطین بن قسطنطین نے نصرانی دین قبول کیا۔ اس کی ماں مریم، ہیلائیہ غنڈقا نیہ حران کی رہنے والی تھی۔ وہ پہلے ہی نصرانیت قبول کر چکی تھی۔ اس کی دعوت پر اس کے بیٹے نے بھی نصرانیت اختیار کر لی۔ قسطنطین بڑا زریک اور فلسفی شخص تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے صدق دل سے نصرانیت کو قبول نہیں کیا تھا۔ بہر کیف اس کے دور میں مذہبی اختلافات شدت اختیار کر گئے۔ عیسائیوں کے عبداللہ بن ادویس کے ساتھ بہت سے مناظرے ہوئے، جھگڑے عام ہو گئے اور ہر سو انتشار پھیل گیا، البتہ تین سو اٹھارہ پادریوں نے اتفاق کر کے بادشاہ کے لئے عقائد پر مبنی ایک کتاب وضع کی، اسی کو امانت**

کبیرہ کہا جاتا ہے حالانکہ یہ خیانت حقیرہ ہے۔ ان پادریوں نے اپنی خواہش کے مطابق حدت و حرمت کے مسائل بیان کئے۔ دین مسیح علیہ السلام میں رد و بدل اور کمی بیشی کر دی، مشرق کو قبلہ بنا لیا، ہفتہ کی بجائے اتوار کو مبارک دن مقرر کر دیا، صلیب کی پرستش کا آغاز کر دیا، منتر ریکو حلالی قرار دے دیا، بہت سی عیدیں اور تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب، عید قداس، عید عظام وغیرہ۔ ان کے پادریوں کے درجہ بدرجہ عہدے قائم ہو گئے جیسے پوپ جو سب سے بڑا ہوتا ہے، لاث پادری، اور بشپ وغیرہ اور رہبانیت کی بدعت ایجاد کر لی۔ بادشاہ نے ان کے لئے بہت سے کینسے اور گرجے تعمیر کئے اور اپنے نام کی مناسبت سے شہر قسطنطنیہ کی بنیاد رکھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے عہد میں بارہ ہزار گرجے اور تین محرابوں سے بیت لحم بنوایا، اس کی ماں نے قنمہ بنوایا۔ جو لوگ بادشاہ کے دین پر تھے وہ ملکہ بھلوانے، ان کے بعد یعقوب الاسکافی کے پیر و کار یعقوبیہ، پھر نسٹور کے ساتھی نسٹور یہ وجود میں آئے اور رفتہ رفتہ نصرانی بہت سے گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے (۱)۔ الغرض رومی نصرانیت پر کار بند ہو گئے۔ ایک قیصر کی موت کے بعد دوسرا قیصر اس کا جانشین بن جاتا یہاں تک کہ آخر میں ہرقس سریر آرائے سلطنت ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ زریک، دانا، ہشیار، دور اندیش اور صاحب رائے والا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی سلطنت اور شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔ کسری شاہ فارس اس کے مقابلہ پر اٹھ کھڑا ہوا جو ایران، عراق، خراسان، رے اور دیگر بلاد و عجم پر مشتمل وسیع و عریض سلطنت کا مالک تھا۔ اس کی سلطنت قیصر کی سلطنت سے وسیع تھی۔ یہ لوگ مجوسی تھے اور آگ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اس بادشاہ کو مجوسیوں کی قوت اور قاریسیوں کی حماقت حاصل تھی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس نے ایک لشکر جہاز مقابلہ کیلئے بھیجا لیکن مشہور یہی ہے کہ اس نے بذات خود لشکر کشی کی اور قیصر کو شکست فاش دے کر اس کی سلطنت کے اکثر حصے پر قبضہ جمالیا۔ قیصر اپنے پایہ تخت قسطنطنیہ میں محصور ہو گیا اور صرف یہی شہر اس کے قبضہ میں باقی بچا۔ کسری نے ایک طویل عرصہ تک اس کا محاصرہ کئے رکھا لیکن اسے فتح نہ کر سکا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس شہر کے ساتھ نصاریٰ کی عقیدت وابستہ تھی، وہ اس کی بہت تعظیم کرتے تھے اور کسی قیمت پر اسے دشمن کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ قسطنطنیہ محفوظ شہر تھا۔ اس کا نصف حصہ خشکی کی طرف تھا اور باقی نصف سمندر کی طرف۔ سمندر کے راستے قیصر کو ملک اور رسد برابر پہنچتی رہی۔ جب محاصرہ نے بہت طویل پکڑا تو قیصر نے ایک چال چلی۔ اس نے کسری سے مطالبہ کیا کہ میں آپ کی مقرر کردہ شرائط پر مصالحت کرنے پر آمادہ ہوں۔ جو چاہیں مجھ سے لے لیں اور میرے ملک سے واپس چلے جائیں۔ کسری نے اس کے مطالبہ کو قبول کرتے ہوئے اس قدر مال و دولت، زر و جوہرات، لونڈیاں، غلام، کپڑے اور دیگر چیزیں طلب کیں جن کا مہیا کرنا دنیا کے کسی بادشاہ کے بس کا روگ نہ تھا بلکہ وہ اور یہ دونوں مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی قیصر نے حامی بھری اور کسری کو یقین دلا یا کہ یہ سب کچھ اس کے پاس موجود ہے کیونکہ کسری کی شرائط سے اسے اس کی کم عقلی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس نے کسری سے درخواست کی کہ مجھے آزاد کر دیا جائے تاکہ میں شام اور اپنی سلطنت کے دوسرے علاقوں کا دورہ کر کے مطلوبہ دولت اکٹھی کر لوں۔ کسری نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ جب قیصر نے قسطنطنیہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے ساتھیوں اور لشکر کو جمع کیا اور کہنے لگا کہ میں ایک اہم کام کے سلسلے میں اپنے لشکر میں سے مخصوص فوجی جن کر جا رہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر میں اپنی عجم سے فارغ ہو کر تمہارے پاس لوٹ آیا تم تمہارا بادشاہ رہو گے اور نہ تمہیں اختیار ہے۔ چاہو تو میری بیعت پر ہی قائم رہنا اور اگر چاہو تو کسی اور کو اپنا بادشاہ مقرر کر لینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک آپ زندہ ہیں اس وقت تک آپ ہی ہمارے بادشاہ ہیں

اگر چہ آپ دس سال تک غائب رہیں۔ چنانچہ قیصر فوج سے ایک جاٹا روستہ لے کر چپکے سے نکلا۔ کسری قسطنطنیہ کے قریب خیمہ زن اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ قیصر نے کمال ہوشیاری اور تیزی سے بلاد فارس کی طرف پیش قدمی کی اور یلیغار کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ قتل عام کرتے کرتے وہ فارس کے قلب اور پایہ تخت مدائن تک پہنچ گیا۔ یہاں بھی اس نے ہر اس شخص کو تہ تیغ کر دیا جو اس کے سامنے آیا، مال و دولت اور زرہ جو اہرات لوٹ لئے، کسری کی عورتوں اور لونڈیوں کو گرفتار کر لیا، اس کے بیٹے کا سر منڈوا کر گدھے پر بٹھایا اور اسے کسری کی طرف اس پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا کہ یہ لو جو تم نے مانگا تھا۔ جب کسری کو یہ اطلاع ملی تو وہ غصہ سے بیچ و تاب کھانے لگا اور اسے سخت صدمہ پہنچا۔ غصہ سے بے قابو ہو کر اس نے شہر کا محاصرہ مزید تنگ کر دیا لیکن فتح کرنے میں ناکام رہا۔ اس ناکامی کے بعد اس نے قیصر کا راستہ روکنے کے لئے دریائے جیحون کی طرف پیش قدمی کی کیونکہ قسطنطنیہ جانے کے لئے قیصر کے پاس صرف یہی راستہ تھا۔ قیصر کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے ایک بے مثال چال چلی۔ وہ یہ کہ اس نے اپنا لشکر اور مال و متاع دریا کے اس دہانے کے پاس چھوڑ دیا اور خود تھوڑی سی فوج اور گھاس پھوس، گوبر اور لید کی بوریاں لے کر پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ روانہ ہو گیا۔ تقریباً ایک دن چلنے کے بعد اس نے گھاس پھوس اور گوبر وغیرہ دریا میں ڈالوادیا۔ جب یہ چیزیں بہتی ہوئی کسری اور اس کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گزر گیا ہے۔ چنانچہ وہ قیصر کے تعاقب میں نکلے اور تلاش کرتے کرتے آگے نکل گئے۔ ادھر دہانہ ایرانیوں سے خالی ہو گیا قیصر نے موقع غنیمت جانتے ہوئے دریا کا دہانہ عبور کیا اور اپنے لشکر سمیت ایرانیوں سے بچتے بچاتے قسطنطنیہ میں داخل ہو گیا۔ قیصر کے اپنے شہر میں داخل ہونے پر نصاریٰ نے بہت خوشیاں منائیں۔ جب کسری کو اس بات کا علم ہوا تو وہ حیران و ششدر رہ گیا، فارسوں کو اب سمجھ ہی نہ آتی تھی کہ وہ کیا کریں۔ قیصر کی سلطنت پر کیا قبضہ کرتے، الٹا اپنا ملک برباد کر دیا بیٹھے اور اپنے مال و متاع اور اپنی عورتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ ہے وہ غلبہ اور فتح جو نو سال کے بعد رومیوں کو فارسوں پر حاصل ہوئی اور انہوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لے لی۔ جس منہر کے میں رومیوں کو غلبہ حاصل ہوا تھا، وہ اذرعات اور بصری کے درمیان حجاز کی طرف ملک شام میں پیش آیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ جنگ جزیرہ میں ہوئی تھی جس کی سرحد فارس سے ملتی ہے۔ نو سال کے اندر اندر رومیوں کو فتح ہوئی۔ قرآن کریم میں صبح کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق تین سے لے کر نو تک کے اعداد پر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی اس کی یہی تشریح مذکور ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے احتیاط کیوں نہ کی کیونکہ صبح کا لفظ تین سے نو تک کے اعداد پر بولا جاتا ہے (1)۔ آیت کریمہ میں ”قیل“ اور ”بغی“ مبنی بر ضم ہیں کیونکہ ان کا مضاف الیہ محذوف ہے اور اس کے معنی کی نیت کی گئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: ”وَيَذَرُونَا يُتَّقِرَ الْمُؤْمِنُونَ“ ﴿١٦﴾ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر علماء کا قول ہے کہ غزوہ بدر والے دن رومی ایرانیوں پر فتح یاب ہوئے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ بدر کے دن اہل روم نے اہل فارس کو شکست دی تو مسلمان بہت سرور ہوئے (2)۔ حضرات عکرمہ، قتادہ اور زہری وغیرہ کا کہنا ہے کہ روم کی فارس پر فتح حدیبیہ کے سال ہوئی۔ بعض نے اس قول کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ قیصر نے نذرمان رکھی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کسری پر فتح عطا فرمائی تو وہ شکرانہ کے طور پر پیدل محسن سے ایلیا (بیت المقدس) جائے گا۔ جب اسے فتح حاصل ہوئی تو اس نے اپنی نذر

1- عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ روم، جلد 12 صفحہ 66-67، تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 17

2- عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ روم، جلد 12 صفحہ 67، تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 20

پوری کی۔ ابھی وہ بیت المقدس میں ہی قیام پذیر تھا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ موصول ہوا جو آپ ﷺ نے حضرت دینہ بکلی رضی اللہ عنہ کے ذریعے بھری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل تک پہنچایا تھا۔ مکتوب گرامی پاتے ہی قیصر نے حجاز کے ان عربوں کو اپنے پاس بلوایا جو اس وقت شام میں موجود تھے۔ ان میں ابوسفیان اور قریش کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ یہ اس وقت غزہ میں تھے۔ ان سب کو لا کر بادشاہ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ تم میں سے سب سے زیادہ اس شخص کا قرہبی رشتہ دار کون ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں ہوں۔ بادشاہ نے ابوسفیان کو آگے اور باقی ساتھیوں کو پیچھے بٹھا کر ان سے کہا کہ میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا۔ اگر اس نے جھوٹ بولا تو اس کی نشاندہی کرنا۔ ابوسفیان کا کہنا ہے کہ اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرے جھوٹ کا پل کھول کر مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا۔ ہرقل نے حضور ﷺ کے نسب اور دیگر اوصاف کے متعلق متعدد سوالات کئے جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ آج تک تو اس نے کبھی بے وفائی اور غداری نہیں کیا۔ البتہ آج کل ہمارا اور اس کا ایک معاہدہ چل رہا ہے، معلوم نہیں اس میں وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے (1)۔ اس سے ابوسفیان کی مراد صلح حدیبیہ تھی جس میں یہ طے ہوا تھا کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان دس سال تک لڑائی موقوف رہے گی۔ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے ان علماء کا کہنا ہے کہ فارس پر روم کو فتح حدیبیہ کے سال ہوئی کیونکہ قیصر نے حدیبیہ کے بعد ہی اپنی نذر پوری کی تھی۔ پہلے قول والے اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ سلطنت روم پیہر جنگوں کے سبب برباد ہو گئی تھی اور اس کی معیشت اور اقتصادی حالت بہت دگرگوں ہو گئی تھی، اس لئے وہ چار سال اصلاح احوال اور اقتصادی بحالی کی طرف متوجہ رہا۔ چار سال کے بعد وہ اپنی نذر پوری کرنے پر قادر ہوا۔ یہ اختلاف کوئی زیادہ اہم اور نازک مسئلہ نہیں البتہ یہ واضح ہے کہ پہلے فارسی غلبہ کے باعث مسلمان بہت رنجیدہ ہوئے پھر جب اہل روم کو فتح نصیب ہوئی تو مسلمان بہت سرور ہوئے کیونکہ رومی اہل کتاب تھے اور مجوس کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے جیسا کہ فرمایا: لَتَجِدَنَّ أُمَّتَنَا عِنْدَ ذَوِي أَلْتَيْلَيْتَيْنِ أُمَّتُوا أَلَيْسَ عِنْدَ الذُّنُوبِ ذَوَاتُنَيْنِ أَشْرَكُوا؟ وَلَتَجِدَنَّ أَقْبَرَهُمْ قَوْمًا لَتَلْبَنِي بَيْنَ أُمَّتِنَا أَلَيْسَ عِنْدَ الْكُفْرَانِ قَلْبَانِ قَالَ كَلَّا إِنَّكَ لَأَنْتَ أَلْبَسْتَهُمْ (المائدہ: 82-83)۔ حضرت زبیر کلابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے رومیوں پر فارسیوں کا غلبہ، پھر فارسیوں پر رومیوں کا غلبہ اور پھر روم و فارس دونوں پر مسلمانوں کا غلبہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ سب کچھ پندرہ سال کے قلیل عرصہ میں ہوا (2)۔ فرمایا: ذَهَبَ الْعَرَبِيُّ إِلَى الْوَجِيمِ، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر غالب ہے اور اپنے اہل ایمان بندوں پر رحیم ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَوَعَدَ اللَّهُ... یعنی اے میرے رسول ﷺ! یہ جو ہم نے آپ کو خبر دی کہ ہم عنقریب روم کو فارس پر غلبہ عطا کریں گے، یہ ایسا برحق وعدہ اور حقی خبر ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی بلکہ اس کا وقوع یقینی اور حتمی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اس گروہ کی مدد فرماتا ہے جو حق کے قریب ہو اور اس کے تمام افعال اور فیصلے حق پر مبنی ہوتے ہیں لیکن اکثر لوگ اس کی حکمتوں کا علم نہیں رکھتے۔ یہ صرف دنیا کے ظاہری پہلو کو پیش نظر رکھتے ہیں، انہیں صرف دنیا اور اس کے امور کا علم ہے اور حصول دنیا اور کسب معاش میں انہیں بڑی مہارت اور سمجھ بوجھ حاصل ہے لیکن دین کے امور اور آخرت میں نفع رساں چیزوں سے یہ بالکل غافل اور بے خبر ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اخروی امور میں یہ بالکل احمق ہیں، نہ ان کا ذہن اس بارے میں کام کرتا ہے اور نہ فکر۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دنیا دار لوگوں میں سے بعض ایسے ماہر ہیں کہ درہم چنگلی میں لیتے ہی اس کا وزن بتا دیتے ہیں لیکن انہیں نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں

آیت (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمانِ یَعْمَلُونَ كَمَا هُمُ الْغَيُوبَةُ الدُّنْيَا کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کفار ہیں جو زمین کی آباد کاری کا خوب علم رکھتے ہیں لیکن امور دین سے بالکل سہ خیر ہیں (2)۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِي رَبِّهِمْ لَكُفْرُونَ ۝ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۗ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَسَاءُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۗ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ أُسَاءُوا السُّوْءَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝

”کیا انہوں نے کبھی غور نہیں کیا اپنے جی میں نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک کے لئے۔ اور بلاشبہ اکثر لوگ اپنے رب کی ملاقات کے سخت منکر ہیں۔ کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھتے کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ زیادہ تھے ان سے زور میں اور انہوں نے خوب ہل چلائے زمین میں اور انہوں نے اسے آباد کیا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کیا اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر۔ پس نہ تھی اللہ کی یہ شان کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے تھے۔ آخر کار ان کا انجام جنہوں نے ہر ان کی نفسی بہت برا ہوا، کیونکہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور وہ ان کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔“

مخلوقات میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود و وحدانیت، الوہیت اور ربوبیت کی دلیل ہیں۔ فرمایا: أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ یعنی کیا انہوں نے عالم علوی، عالم سفلی اور ان میں انواع و اقسام کی موجودات پر غور و تدبیر نہیں کیا تاکہ انہیں علم ہو جاتا کہ انہیں فضول اور بے کار نہیں پیدا کیا گیا بلکہ ان کی تخلیق حق کے ساتھ کی گئی ہے اور ایک مقررہ وقت یعنی قیامت کے دن تک ان کی مدت معین ہے، اس لئے فرمایا: وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِي رَبِّهِمْ لَكُفْرُونَ پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے پیغمبروں کی صداقت پر آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے انہیں دلائل و معجزات سے نوازا، ان کا انکار کرنے والوں کو ہلاک کرویا اور ان کی تصدیق کرنے والوں کو نجات دی، فرمایا: أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ ۗ یعنی کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی اور کیا انہیں پہلے لوگوں کے واقعات کا علم نہیں کہ ان سے پہلے آنے والی قوموں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا، حالانکہ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور اور زیادہ اموال و اولاد والے تھے۔ اے عرب والو! تم تو ان کا عشر عشر بھی نہیں۔ انہیں زمین پر وہ اقتدار ملا جو تمہیں حاصل نہیں، انہوں نے تم سے زیادہ زمین کی آباد کاری کی اور زرعی مہارت اور صنعتی قابلیت میں وہ تم سے بڑھ کر تھے۔ اس کے باوجود جب انہوں نے ہمارے پیغمبروں کے لائے ہوئے دلائل و معجزات کو جھٹلایا اور دنیا کے مال و متاع پر اترا نئے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا۔ اس وقت کوئی بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے

نہ بچاسکا اور ان کے اموال و اولاد بھی ان کے کسی کام نہ آئے۔ یہ عذاب ان کی سیاہ کاریوں کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ انہوں نے آیات الہی کو جھٹلانے، ان کا تمسخر اڑانے، پیغمبروں کی تکذیب کرنے اور گناہوں کا ارتکاب کرنے کے سبب خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا، اس لئے فرمایا: لَمْ يَكُنْ عَاقِبَتَهُ۔ اسی طرح فرمایا: وَلَقَلْبُهَا قَلْبُهَا وَابْصَارُهُمْ كُنَاتُمْ يَوْمَئِذٍ وَأُولَئِكَ مَرَّةً وَذِكْرًا لِّكُمْ فِي ظُلُمَاتِهِمْ يُعَذَّبُونَ (الانعام: 111) ”اور ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں پھیر دیں گے جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔“ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ (القنف: 5) ”پھر جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا“، فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا أَغْلَبَكُمْ فَأْتَابُوا لِلَّهِ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ (المائدہ: 49) ”اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔“ اس صورت میں ”السوا می“، ”اسماء و“ فعل کا مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ”کان“ کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ برائی کرنے والوں کا انجام برائی ہی تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ یہ تو جبہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس اور قتادہ سے نقل کی ہے (1) اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: وَكَانُوا يَهَيِّئُونَ لِنُفُوسِهِمْ

اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ① وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ② وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءٌ وَكَانُوا بِهَيْمٍ كُفْرَتَيْنِ ③ وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُؤْمِنُونَ ④ فَأَمَّا الَّذِينَ أَسْمُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيَوْمَ فِي سَاوِصَةٍ يُحْبَرُونَ ⑤ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَنِقَاطِي الْأَخْرَجُوا فَلَيْتَ فِي الْعَذَابِ مُحَضَّرُونَ ⑥

”اللہ تعالیٰ ابتداء کرتا ہے تخلیق کی پھر (فنا کرنے کے بعد) دوبارہ پیدا کرے گا اسے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس روز برپا ہوگی قیامت مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی۔ اور نہیں ہوں گے ان کے لئے ان کے شریکوں میں سے شفاعت کرنے والے اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔ اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے۔ تو وہ جو ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے رہے تھے، وہ باغ (جنت) میں سرور (اور محترم) ہوں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو تو وہ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ابتداء آفرینش پر قادر ہے اور اعادہ پر بھی صرف اسے ہی قدرت حاصل ہے۔ پھر قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے اور وہاں ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ پھر فرمایا: وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن مجرم مایوس ہو جائیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔ ایک اور روایت میں یہ معنی منقول ہے کہ وہ خاموش اور لاجواب ہو جائیں گے۔ جن معبودان باطلہ کی یہ پرستش کیا کرتے تھے، وہ ان کی سفارش نہیں کریں گے بلکہ وہ ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے اس وقت ان سے آنکھیں پھیر لیں گے جس

یُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ یعنی زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے پر وہی قدرت رکھتا ہے۔ اس قسم کی آیات میں مذکور ہے کہ مختلف چیزیں اور ان کی ضدیں اسی نے پیدا کی ہیں۔ ان اضداد کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی واضح دلیل ہے، دانے سے درخت، درخت سے دانے، مرغی سے انڈا، انڈے سے مرغی، نطفہ سے انسان، انسان سے نطفہ، کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا کرنا اس کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے پھر فرمایا: وَيُحْيِي الْأَمْثُتَ بَعْدَ مَوْتِهَا، اسی طرح فرمایا: وَإِنَّ آيَاتِنَا لَهُمْ الْأَمْثُتِ الْأَمْثُتِ أَخْيَبُهَا وَأَخْوَجُهَا وَمِنْهَا حَبَابٌ قَنِينٌ يَأْكُلُونَ. وَتَجْرَأُ فِيهَا هَوْنُ الْيَهُودِ (النسین: 33-34)، وَتَسْرَى الْأَمْثُتُ حَامِلًا وَتَلْوِذُ آذَانُ نِسَاءِ الْأَهْمَشِ وَرَبَّتْ وَأَلْمَيْتَتْ مِنْ مَلِكٍ زَوْجٍ بَيْضِجٍ. - وَأَنَّ اللَّهَ يَبْخُثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (الج: 5-7)، وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا لِيَدْفَعُنَّ الْغَاسِقَاتِ الَّتِي يَدْفَعْنَ الْغَاسِقَاتِ إِذَا أَفْلَحَتْ سَحَابًا لَعْنَةً لِكُفْرِهِنَّ (الاعراف: 57)۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَكَذَلِكَ نَخْلُقُكُمْ

وَمِنْ آيَاتِنَا أَنْ خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ يَسْرُسْتُمْ يَوْمَ ① وَمِنْ آيَاتِنَا أَنْ خَلَقْنَاكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلْنَا بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ②

”اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک یہ) ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو۔ اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرمائیں تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات)۔ بے شک اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کمال قدرت پر دلالت کرنے والی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم (غلیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم اچانک بشر بن کر زمین میں پھیل رہے ہو۔ تمہاری اصل مٹی ہے اور پھر حقیر سے پانی کا قطرہ جو پہلے سجھے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر گوشت کے ٹکڑے کی، پھر ہڈیاں بنتی ہیں، بعد ازاں ہڈیوں کو گوشت پہنایا جاتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے تو وہ قوتِ سماعت و بصارت سے آراستہ انسان بن جاتا ہے۔ پھر اپنی ماں کے شکم سے باہر آتا ہے تو یہ بہت چھوٹا اور کمزور ہوتا ہے اور حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ پھر جوں جوں اس کی مریضی ختم ہوتی ہے، اس کی قوتیں اور حرکتیں تکمیل کے مراحل طے کرتی جاتی ہیں یہاں تک کہ جب یہ مضبوط اور طاقتور جوان بن جاتا ہے تو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شہر اور قلعے تعمیر کرتا ہے، مختلف ممالک کا سفر کرتا ہے، سمندروں پر سواری کرتا ہے، زمین کے کونے کونے میں گھومتا پھرتا ہے اور مال و دولت جمع کرتا ہے۔ ہر شخص کو اس کے حال کے مطابق دینی اور دنیوی امور میں مشغول، سمجھ بوجھ، دور اندیشی، دانائی، رائے اور علم سے نوازا جاتا ہے۔ پاک ہے وہ قزاق جس نے لوگوں کو قدرت عطا کر کے طرح طرح کے امور میں لگا دیا اور علوم و فنون، خورد و تدبیر کی استعداد، حسن و قبح، غنا و فقر اور سعادت و شقاوت میں ان کے درمیان تفاوت پیدا کر دیا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی بھر مٹی سے پیدا کیا جو اس نے تمام زمین سے لی، اس لئے زمین کے مختلف حصوں کے مطابق اولاد آدم مختلف ہوگی، ان میں سے کوئی سفید ہے، کوئی سرخ، کوئی سیاہ، کوئی ان کے بین بین رنگت والا، کوئی خبیث، کوئی طیب، کوئی نرم مزاج، کوئی سخت مزاج اور کوئی ملاحا“ (1)۔

پھر فرمایا: **وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ** یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے عورتیں پیدا کیں جو تمہاری بیویاں بنتی ہیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ ذَوَاتًا وَمِنْهَا رُوحُكُمْ وَأَنْفُسُكُمْ أَنْفُسًا** (الاعراف: 189) وہ (خدا ہے) جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا فرمایا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے اطمینان حاصل کرے۔ اس سے مراد حضرت جواہر علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں طرف کی سب سے چھوٹی ہڈی سے پیدا کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام اولاد آدم کو نڈ کر بنا دیتا اور جنات یا حیوانات کی جنس سے ان کی بیویاں بنا دیتا تو ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان موجودہ الفت اور رحمت حاصل نہ ہو پاتی بلکہ جنس مختلف ہونے کی وجہ سے نفرت پیدا ہو جاتی۔ اولاد آدم پر اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے کہ اس نے انہی کی جنس سے ان کے لئے جوڑے بنائے اور پھر ان کے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ مرد یا تو محبت نے باعث عورت کا خیال رکھتا ہے یا اس پر رحم کھا کر، اس لئے کہ اس سے اس کی اولاد ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ مرد اس کی ضروریات کا کفیل ہے یا اس سبب سے کہ دونوں میں باہمی محبت اور الفت کے جذبات موجود ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَالْوَالِدَاتُ إِذَا فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِيُعَلِّمَنَّ ۝ وَإِنْ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِيُعَلِّمَنَّ ۝ وَإِنْ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِيُعَلِّمَنَّ ۝

”اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے، نیز تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ بے شک اس میں بھی نشانیاں ہیں ان اہم کے لئے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا سونامرات کے وقت اور دن کے وقت اور تمہارا تلاش کرنا اس کے فضل کو، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور سے سنتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر دلالت کرنے والی نشانیاں میں سے زمین و آسمان کی تخلیق سے اس قدر بلند اور وسیع آسمان، اس میں متعدد اجرام اور ثابت و متحرک درخشاں ستارے، پست اور کثیف زمین، اس میں پیماز، وادیاں، سمندر، جنگل، حیوانات اور درخت ان سب چیزوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ اسی طرح زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی اس کی قدرت کاملہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہر قوم کی اپنی مخصوص زبان ہے۔ عرب، تہا، کرج، رومی، افرنگی، بربر، بھرور، ہندو، کرد اور دیگر ایسی لاتعداد قومیں ہیں جو مختلف زبانیں بولتی ہیں۔ یہی کیفیت رنگوں میں اختلاف کی بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے انسانوں کے اعضاء ایک جیسے ہیں۔ ہر ایک کی دو آنکھیں، دو ابرو، ایک ناک، ایک پیشانی، ایک منہ اور دو رخسار وغیرہ ہیں لیکن اعضاء میں یکسانیت کے باوجود کوئی شخص دوسرے کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا بلکہ ہیئت، صورت اور طرز کلام میں ہر شخص دوسرے سے ممتاز ہے اور غور و فکر کرنے سے یہ امتیاز اور اختلاف نمایاں طور پر نظر آنے لگتا ہے۔ اگرچہ لوگ خوبصورتی یا بد صورتی میں ایک دوسرے کی موافقت رکھتے ہوں تو بھی ان کے درمیان فرق اور تفاوت ضرور ہوگا۔ اس میں اہل علم کیلئے نشانیاں ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: **وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَّا لَكُمْ** یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے راحت و سکون کے حصول اور در ماندگی اور تھکوت دور کرنے کے لئے نیند جیسی نعمت پیدا

فرما دی اور سفر کے لئے اور کسب معاش کی خاطر دوسرے دھوپ کمرسنے کے لئے ان پیدا کرے۔ یہ نیند کی ضد ہے۔ اس میں سننے اور سمجھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رات کو بے خوابی کی بیماری لگ گئی۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس امر کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یعدا یرحاکم: اللہم غدت النجوم و ہذات النعیون و انت حی قیوم یا حی یا قیوم ائم عینی و اھب لیبی“۔ میں نے یہ دعا پڑھی تو بے خوابی کی شکایت جاتی رہی (1)۔

وَمِنَ الْآيَاتِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ الْآيَاتِ أَنْ تَقَوْمَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بِأَمْرٍ ﴿۱۱﴾ إِذَا دَعَاكَمُ دَعْوَةُ الْوَيْلِ مِنَ الْأَرْضِ إِذَا آتَيْتُمُ تَخْرُجُونَ ﴿۱۲﴾

”اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور امید دلانے کے لئے اور اتارتا ہے آسمان سے پانی اور زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقلمند ہیں۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے۔ پھر جب بلائے گا تمہیں زمین سے تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے۔“

بجلی بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ بعض اوقات تم اس کی کڑک اور اس کے بعد برسنے والی شدید بارش سے دہشت زدہ ہو جاتے ہو اور کبھی تم اس کی گرج چمک کا انتظار کرتے ہو اور بوقت ضرورت اس سے بارش برسنے کی امید وابستہ کر لیتے ہو۔ اس لئے فرمایا: وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعے پھر اور خشک ہو جانے والی زمین کو زندگی اور روئیدگی کی قوت عطا فرماتا ہے۔ جب اس زمین پر بارش برتی ہے تو ہر طرف انواع و اقسام کی فصلیں اُنبھانے لگتی ہیں اور زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اس میں عبرت کا سامان اور دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیمت کی واضح دلیل ہے۔ پھر فرمایا: وَمِنَ الْآيَاتِ أَنْ تَقَوْمَ السَّمَاءِ اسی طرح فرمایا: وَيُنسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَوْمَ عَلَى الْأَرْضِ وَإِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (65) اور اس نے آسمان کو روک دیا ہے کہ زمین پر گرنے پر نہ بجز اس کے فرمان کے۔ اِنَّ اِيَّانَا يُنْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَتَّوَفَا: (فاطر: 41) ”بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تاکہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی تاکید کی قسم اٹھاتے تو یوں کہتے: قسم ہے اس ذات کی جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم اور ثابت ہیں۔ پھر قیمت کے دن زمین و آسمان کو بدل دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی آواز پر مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے، اس لئے فرمایا: ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةُ الْجَحِيْمِ اور مقامات پر فرمایا: يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُوْنَ لَهُمْ هَيِّدُوْا تَلْفُوْنَ اِنْ تَقْتُلُوْنَ اِنْ تَقْتُلُوْنَ اِلَّا تَقْتُلُوْنَ (بنی اسرائیل: 52) ”اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ بلائے گا سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ بیان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں تمہارے مگر تمہوڑا حصہ۔“ فَاِنَّ هُنَّ رَجْعَةٌ لِّاٰجِدٍ وَّجِدٍ هُنَّ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صِيْحَةٌ وَّاجِدٌ فَاِذَا هُمْ جِيْبَةٌ لَّيْنًا مَّحْضَرُونَ (النبي: 53) ”نہیں ہوگی تم ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔“

”اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لئے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں ہے۔ (یہ بات) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار ہوتے ہیں اس میں جو ہر نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ۔ حتیٰ کہ تم ڈرنے لگے ان سے جیسے تم ڈرتے ہو انہیں میں ایک دوسرے سے۔ یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لئے جو غفلت مند ہے۔ بلکہ بیرونی کرتے ہیں ظالم اپنی (نفسانی) خواہشات کی بغیر کسی دلیل کے۔ پس کون ہدایت دے سکتا ہے جسے (تیبہ نافرمانی کے باعث) اللہ تعالیٰ گمراہ کرے۔ اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔“

مشرکین کی مثال بیان ہو رہی ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیروں و شرک ٹھہرانے کے باوجود اس چیز کے معترف تھے کہ ان کے بت اللہ تعالیٰ کے غلام اور اس کی ملک ہیں جیسا کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہا کرتے تھے: ”لَيْبُكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكَ هُوَ لَكَ قَبْلُكَ وَمَا مَلَكَ“ یعنی ہمہا ضر میں، تیرا کوئی شریک نہیں، بجز اس کے جسے تو نے خواہنا شریک ٹھہرایا۔ تو اس کا بھی مالک ہے اور اس چیز کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔ فرمایا: ”صَرَبْتُ لَكُمْ مَثَلًا...“ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے حالات سے ہی اسکی مثال بیان فرما رہا ہے جس کا تم خود مشاہدہ بھی کرتے ہو اور اسے اچھی طرح سمجھتے بھی ہو فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی اس بات پر رضامند ہے کہ اس کے مال میں اس کا غلام برابر کا شریک ہو اور وہ اور اس کا غلام ہر چیز کے یہاں طور پر مالک بن جائیں حتیٰ کہ تم خود وہ ہو کہ تمہیں وہ مال میں تمہارے ساتھ برابر کے حصہ دار نہ بن جائیں۔ جب تم اپنے سنے یہ بات پسند نہیں کرتے تو پھر تم کیونکر حقوق میں سے اللہ تعالیٰ کے شریک اور مد مقابل ٹھہراتے ہو۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: ”وَيَجْعَلُونَ بَيْنَهُمْ بَنُونَ (المحل: 62)“ یعنی یہ مشرکین اپنے لئے توڑکیوں بنا پسند کرتے ہیں اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ بیٹیوں سے ان کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ جب ان میں سے کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ لوگوں سے منہ چھپائے بھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ یا تو اسے ذلت و برہمائی کے ساتھ اپنے پاس رکھوں یا پھر اسے زندہ و زود گرد کر دوں۔ کفر کی انتہاء ہے کہ یہ بذات خود بیٹیوں سے متنفر ہیں لیکن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیوں قرار دیتے ہیں۔ بالکل ایسی طرح یہاں بھی ان کی ایسی ہی کیفیت ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو اپنا شریک بنانے پر تیار نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کے ناموں و اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہل شرک یہ تلبیہ کہتے: ”لَيْبُكَ لَيْبُكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكَ هُوَ لَكَ قَبْلُكَ وَمَا مَلَكَ“ اس پر یہ آیت کریمہ ”هَلْ نَعْبُدُكَ مِنْ مَّا مَلَكَتْ“ نازل ہوئی (۱)۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے شرک سے اپنی پاکی، نزاہت اور برأت بیان کرنے کے بعد فرمایا: ”كُنَّا بِكَ نَفْضِلُكَ أَنْ تَقُولَ لِقَوْلِهِمْ وَيَجْعَلُونَ“۔ پھر یہ بیان کرتے ہوئے کہ مشرکین محض اپنی حماقت اور جہالت کے باعث غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، فرمایا: ”بَلَىٰ نَعْبُدُكَ الْبَنِيَّ الَّذِينَ ظَنَنُوا“ یعنی مشرکین اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے بغیر علم کے بتوں کی پوجا کر رہے ہیں۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جب وہ کسی کے مقدر میں گمراہی لکھ دے تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور قیامت کے دن کوئی بھی کفار کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچانے والا نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی انہیں عذاب سے بچا دے سکے گا کیونکہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبَدِّلْ رِيبًا ۚ إِنْ يَحْتَقِ اللَّهُ
ذَلِكَ الدِّينَ الْقَدِيمَ ۚ وَلَكِنْ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۰۲﴾

کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ بھی تو مشرکین کے ہی بیچے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم میں سے بہترین مشرکین کے بیچے ہیں۔ پھر فرمایا: بچوں کو مت قتل کرو، بچوں کو مت قتل کرو۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ زبان سے اظہار پر قادر ہو جائے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔“ (1) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ مافی الضمیر کا اظہار کرنے لگے۔ جب وہ اپنی زبان سے خیالات کا اظہار کرنے لگے تو یا شکر گزار بننا ہے یا ناشکر! (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جب انہیں پیدا کیا تو اسے ہی خوب معلوم تھا کہ وہ کیسے ایسے اعمال کرنے والے ہیں“ (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عرصہ میرا یہی موقف رہا کہ مسلمانوں کی اولاد مسلمانوں کے ساتھ اور مشرکین کی اولاد مشرکین کے ساتھ ہے یہاں تک کہ فلاں شخص سے مجھ تک یہ حدیث پہنچی جس میں مذکور ہے کہ مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا اعمال کرتے۔“ اس حدیث کو سن کر میں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا (4)۔ حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ سکھا دوں جو اس نے آج مجھے سکھایا ہے اور جس سے تم جاہل ہو: ہر وہ چیز حلال ہے جو میں نے اپنے بندوں کو عطا کی، میں نے اپنے تمام بندوں کو موحد پیدا کیا لیکن شیطان ان کے پاس آتے ہیں اور انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں، ان پر وہ چیزیں حرام کر دیتے ہیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائیں جس کی میں نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف نگاہ ڈالی اور تمام عرب و عجم کو ناپسند فرمایا بجز اہل کتاب کے بھایا کے۔ وہ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں مبعوث کیا تاکہ تمہیں بھی آزمائوں اور تمہارے سبب اوروں کو بھی او۔ میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جسے پانی نہیں دھوسکتا۔ سوتے جاگتے تم اس کی تلاوت کر دھو، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو متنبہ کروں۔ میں نے عرض کی: اے میرے پروردگار! کہیں وہ میرا سر پھیل کر روئی جیسا نہ بنا دیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں انہیں اس طرح نکال دوں گا جس طرح وہ تمہیں نکالیں گے۔ ان کے ساتھ جہاد کرو، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ غریب کرو، ہم تمہیں عطا کریں گے۔ لشکر بھیجو۔ میں اس سے پانچ سو دن زیادہ لشکر بھیجوں گا اور اپنے اطاعت گزاروں کے ساتھ اپنے نافرمانوں کا مقابلہ کریں۔ فرمایا: اہل جنت تین قسم کے ہیں: ماں، بیٹی اور توفیق یافتہ حکمران، ہر قریبی رشتہ دار اور مسلمان پر رحم کرنے والا نرم دل شخص اور پاکہا ز سوا سے احتراز کرنے والا عیالدار آدمی۔ دوزخی پانچ قسم کے ہیں: وہ گھٹیا اور کہینے لوگ جو دوسروں کے مہیوں منت ہوں نہ ان کا گھر بار ہو اور نہ مال و دولت، وہ خائن جس کا طمع غفلتی نہ ہو اور وہ حقیر سی چیزوں میں بھی خیانت سے باز نہ آئے، وہ دھوکہ باز جو صبح و شام تمہیں تمہارے اہل و عیال اور مال میں دھوکہ دینے میں کوشاں رہتا ہے، پھر آپ نے بخیل یا کذاب کا ذکر کیا اور بد زبان فحش گو (1)۔ فرمایا: ذُو الْوَلَدِ الْعَقِیْبِ یعنی شریعت اور فطرت سلیمہ کو مضبوطی سے تھام لینا ہی سیدھا اور راست دین ہے، لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے، اس لئے وہ اس سے پہلو تھپی کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ذُو مَا آتَشْتُمُ النَّاسِ ذُو لُحَّةٍ صُلَّتْ

2۔ سنن احمد جلد 3، صفحہ 353

1۔ سنن احمد جلد 3، صفحہ 345

4۔ سنن احمد جلد 5، صفحہ 73

3۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3، صفحہ 245، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2049

5۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، 2197-2198، سنن احمد، جلد 4، صفحہ 162-266

يُؤْمِنُونَ (يوسف: 103) ”اور نہیں اسٹروگٹ ایمان لانے والے اُرچہ آپ کہتے ہی حریس ہوں۔ وَ اِنْ تُخِجُوا كَثِيرًا مِّنْ فِي الْاَرْضِ فَسَوْفَ نُنْفِئُكُمْ عَنْ سَيِّئَاتِكُمْ (الانعام: 117) ”اور اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کی راد سے بہکا دیں گے۔“ فرمایا: مُنِيْبِيْنَ اِيْنِيْہَا یعنی اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے ایدہ رخ اسلام کی طرف کر لیں، اسی سے ڈریں اور نماز کا تمہ کریں، یہی بڑی احاعت ہے اور شریعت میں سے نہ ہو جانا بعد ان موجدین میں سے ہونا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اس امت کا دار و مدار کن چیزوں پر ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تین چیزوں پر اور یہی نجات، بعدہ ہیں: انہیں اور یہیں فطرت سے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا، نماز اور یہی امت ہے اور اطاعت جو عصمت سے بچاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے سچ کہا ہے (1)۔ پھر فرمایا: وَمِنْ اَنْ يُّنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی ان شریکین میں سے نہ ہو جا، جنہوں نے اپنے دین کو پارہ پارہ کرنے کے بدل دیا اور بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا۔ بعض نے فرمایا کہ بعض نے فرمایا کہ ”فد قوا“ پر ہے (2) یعنی انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اور جس پشت وال دین جیسے یہود، نصاریٰ، مجوس، بہت پرست اور باقی باطل اديان والے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَنْ يُّنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا اَشِيْعًا اَنْتُمْ مِنْهُمْ فِيْ حَقِّهِمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ (الانعام: 160) ”بے شک وہ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال اور کئی گروہ ہو گئے، ان سے آپ کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ ان کا معاملہ صرف اللہ ہی کے حوالے ہے۔“ پہلی امتیں مختلف گروہوں میں بت گئیں جن میں سے ہر گروہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتا تھا۔ یہ امت بھی تفرقہ اور گروہ بندی کا شکار ہو گئی۔ یہ سب فرقے گمراہ ہیں بجز ایک فرقے کے اور وہ ہے اہل سنت و جماعت جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو تھامت والے ہیں اور اس پر صحابہ کرام، تابعین اور آئمہ مسلمین کا رہنماری ہے جیسا کہ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نجات یافتہ فرقے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”مَنْ عَنِ عَلِيٍّ مَا آتَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَ اَصْحَابِيَّ“ یعنی وہ لوگ جو اس طریقے پر کار بند ہوں جس پر آج میں اور میرے صحابہ قائم ہیں (2)۔

وَ اِذَا قَسَّ النَّاسُ ضُرًّا دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيْبِيْنَ اِيْنِيْهِمْ اِذَا آذَاهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِنْهُمْ يَبْرِئِيْهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾ لِيَلْقُوا وَاٰبَا اٰتِيْبِيْهِمْ فَتَسْتَعُوْا ﴿۲﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ اَمْرٌ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهَوُوْا يَتَّكِمُ بِهَا كَاٰنُوْا يَشْرِكُوْنَ ﴿۴﴾ وَ اِذَا آذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ﴿۵﴾ وَ اِنْ نُّصِبْهُمْ سَيِّئَةً يَّمَّا قَدَّمْتْ اَيُّ يَبِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَّعْمَطُوْنَ ﴿۶﴾ اَوْ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾

”اور جب پہنچتی ہے لوگوں کو کوئی تکلیف تو پکارنے لگتے ہیں اپنے رب کو رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب (ان کی فریاد کو قبول فرما کر) چکھا ہے انہیں رحمت اپنی جانب سے تو یکا یک ایک ایک گروہ ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے۔ (اچھا) ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے دی ہے، نہیں۔ پس (اسے ناشکروا) لطف اٹھا لو۔ تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ یا ہم نے اتاری ہے ان پر کوئی دلیلیں۔ پس وہ گواہی دیتی ہے اس شریک (کی سچائی) کی

جو وہ کرتے ہیں۔ اور جب ہم چھتے ہیں ان لوگوں کو رحمت (کا مزد) تو وہ اس پر بھروسے نہیں کرتے۔ اور اگر کچھ سچ سے انہیں کوئی تکلیف ہو جائے ان کے رزق تو ان کے جو آئے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے تو وہ نہیں ہوجاتے ہیں۔ کیا انہوں نے (بارہ) مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کھانا دے رہا ہے اور نکل کر دیتے ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) بلاشبہ اس میں نشانیوں میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ان کے ہیں۔

لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ مصیبت اور مجبوری کے وقت بڑی عجزی کے ساتھ اللہ وحدہ لا شریک کو ہی پکارتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنا آرام کرتے ہوئے ان پر اپنی نعمتوں کی بارش کرتا ہے تو حالت اختیار میں یہ اللہ تعالیٰ سے ساتھ شریک خیر انے لگتے ہیں اور غیروں کی عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک ”لیکچر“ میں امر عاقبت ہے ورجس کے نزول اور تغلیل لیکن یہ امر تغلیل ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ان کے لئے مقدر کر دیا ہے پھر انہیں دھمکی دیتے ہے کہ فرمایا: قَسُوفٌ تَعْلَبُونَ سُبْحَانَكَ رَبُّكَ كَافِرَانًا ہے کہ اگر کوئی مخالف مجھے دھمکاے تو میں اس سے ڈر جاتا ہوں، یہاں کیا علم ہوگا جبکہ قسمی دینے والی وہ ذات ہے جس کے ”امر ان“ سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے۔ پھر نیر اللہ کی بلائیں عبادت کرنے پر شکر میں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اَفَرَأَيْتُمْ لَكَ عَلَيَّهِمْ سُلْطٰنًا یہاں انسان کی عمومی حالت بیان کر کے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ انسان اس بری غصلت کا شکار ہے کہ نعمت سے پر یہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا اور تکبر کا اظہار کرنے لگتا ہے اور شدت اور مصیبت کے وقت اس قدر بوس ہوجاتا ہے کہ اسے آگہ و کس بھلائی کے ملنے کی توقع ہی نہیں رہتی لیکن وہ بندگان خدا جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور اپنی توفیق خاص سے نوازے، وہ اس کیفیت سے دوچار نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ ضَلُّوْا وَاَوْسَمُوْا اَنْصِلْنٰهُمْ (سورہ 11) یعنی وہ نفوس قدسیہ اس سے مستثنیٰ ہیں جو مصیبت کے وقت صبر اور خوشحالی کے دور میں تیب اکل کر رہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”مومن کا معاملہ عجیب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے، وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ راحت پر شکر ادا کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے اور تکلیف کے وقت صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے“ (1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الْعُنُقَ لِمَنْ يَشَاءُ اللّٰهُ تَعَالٰی جی ہے جو اپنی حسرت اور مدد کے مطابق تصرف کرے کسی کے رزق کو فراغ کرے اور کسی کے رزق کو تنگ کرے۔ اس میں اہل ایمان کے لئے نشانیاں ہیں۔

قَاتِ ذَا النُّفْرِ حَقَّهُ وَاُتْسِكِيْنَ وَاِيْنَ السَّبِيْلِ ۗ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّدِيْنٍ يُّرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْعِلُوْنَ ۝ وَاَمَّا اَتِيْتُمْ مِنْ رَّبِّ الْبَيْتِ بُوَاتِىْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاَمَّا اَتِيْتُمْ مِنْ رَّبِّدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْعِلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ اَلْبَسِيْ خَلْقَكُمْ ثُمَّ مَرَّزَقَكُمْ ثُمَّ يُبَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ۗ كَلَّ مِنْ شُكْرِكُمْ مَن يَفْعَلُ مِنْ دِيْنِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۗ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

”پس دور شدت اور کو اس کا حق نیز مسکین اور مسافر کو۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو رشتہ الہی سے عیب کار ہیں۔ اور وہی لوگ دنوں جہانوں میں کامیاب ہوں گے۔ اور جو روپیہ تم دیتے ہو بی بیٹا کا کہ وہ بڑھتا رہے تو ان کے ماؤں میں

(سن لو!) اللہ کے نزدیک یہ نہیں بڑھتا اور جو تم زکوٰۃ دینے ہو رضائے الہی کے طلبگار بن کر، پس یہی ٹوک ہے جو اپنے مالوں کو کئی گنا کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر (مقررہ وقت پر) تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے (منہبرائے ہوئے) شریکوں میں بھی کوئی ہے جو کر سکتا ہو ان کاموں میں سے کوئی۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ (بریب سے) اور بلند ہے ان پر جنہیں یہ شریک تمہارا تے ہیں۔

قراہت داروں کے ساتھ نیکی اور سدا جی کرنے کا حکم جو رہتے اور اس کے ساتھ ساتھ مسکین اور مسافر کا خیال رکھنے کا بھی حکم ہے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو یا اس قدر ہو جو اس کی کفایت نہ کر سکے۔ ابن کثیر سے مراد مسافر ہے جس کے پاس سفر کے دوران سفر خرچ ختم ہو جائے۔ فرمایا: **لَا يَلِيكَ عَيْزٌ وَلَا تَيْبٌ** یعنی یہ ان کے لئے بہتر ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کے طلب گار ہیں اور یہی دراصل مقصودِ اصلی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا و آخرت میں بامراد ہیں۔ پھر فرمایا: **وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ تَبًا ...** یعنی جو شخص اس ارادے سے عطیہ دے کہ عطیہ لینے والے لوگ اسے اس سے زیادہ دیں تو اُن پر یہ مباح تو ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے اس کا کوئی اجر و ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، شاک، قتادہ، عکرمہ، محمد بن کعب اور شعبی نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ایسا کرنا مباح ہونے کے باوجود باعثِ ثواب نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس سے بھی منع فرمادیا اور یہ حکم آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ ضحاک نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے: **وَلَا يَسْتَفِيحُ تَسْتَفِيحُوا (المدرثر: 6)** یعنی آپ زیادہ لینے کی نیت سے کسی کو مظان کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ربانی دو قسمیں ہیں۔ ایک تجارت والا جسے بیاج کہتے ہیں، یہ حرام ہے اور دوسرا بایہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اس ارادے سے تحفہ دے کہ وہ اسے جواب میں زیادہ دے گا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت **وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ تَبًا** تلاوت کی (1)۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب زکوٰۃ ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے فرمایا: **وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ زَكَاةٍ** یعنی رضائے الہی کے لئے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ کئی گنا زیادہ کر دے گا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: ”جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور بھی صدقہ کرے تو خدائے مہربان اسے اپنے دائیں ہاتھ میں سے لیتے ہے اور اسے اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی پھیرے یا ٹوڈے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کھجور احد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے“ (2)۔ پھر فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خَلَقَكُمْ** یعنی وہی خالق اور رازق ہے جو انسان کو ماں کے شکم سے اس حالت میں نکالتا ہے کہ وہ رہنے ہوتا ہے اور ہم، سماعت، ابصار اور دیگر تمام قوتوں سے محروم ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے یہ تمام نعمتیں ارزانی فرمادیتا ہے۔ مال سے بھی نوازتا ہے اور لباس سے بھی اور پھر ذرائع معاش کی راہیں بھی اس کے سامنے کھول دیتا ہے۔ حضرات حب رضی اللہ عنہم سواہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تک تمہارے سر بتے رہیں، رزق سے مایوس نہ ہو جو مانا۔ انسان کو اس کی ماں جنم دیتا ہے تو یہ سرخ ہوتا ہے اور اس پر لباس تک نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ عطا کر دیتا ہے“ (3)۔ فرمایا: **خَلَقَ مِنْ شِدِّكَ جَانِدًا** یعنی تمہارے شرکاء میں سے کوئی بھی ایسا کرنے پر قادر نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا، رزق دینے والا، زندہ کرنے والا، مارنے والا اور قیامت کے دن تمام

مخلوقات کو زندہ کر کے اٹھانے، الٹانے، اس لئے یہ سب پتہ بین کرنے کے بعد فرمایا: **سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَنَّا عِبَادٌ لِّعَلٰی اَللّٰهِ تَعَالٰی** اس چیز سے برتر ہندیں، منزہ اور بالا ہے کہ اس کا کوئی شریک، پیشیل، مددگار، جیسا باپ ہو بہک وہ لیتا، آسٹا اور سب نیاز سے۔ نہ اس کی اولاد سے اور نہ ماں باپ اور نہ ہی اس کا کوئی مسرت۔

صَلٰةَ النَّسَاۗءِ فِي الْبُرْۗءِ وَ الْاَبْحٰۗءِ بِمَا كَسَبَتْ اَيُّۤى النَّاسِ لِيُبَيِّنَ لِيَقْرٰۤءَهُمْ بَعْضَ الَّذِيۤى عَمِلُوۡۤا
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوۡنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ سَيِّرُوۡا فِي الْاَرْضِ فَاَنظُرُوۡا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۤنَ مِنۡ قَبْلُ
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيۡنَ ﴿۱۱﴾

”پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں یوحنا کرتو توں کے جو لوگوں نے کئے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ پھلے انہیں کچھ سزا ان سے (برے) اٹل کی شاہد وہ باز آ جائیں۔ (اسے محبوب!) آ (انہیں) فرمے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور دیکھو جیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے نرے۔ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔“

حضرت ابن عباس، عکرمہ، ضحاک اور سعدی فرماتے ہیں کہ یہاں ”یو“ سے مراد میدان اور جنگل ہیں اور بحر سے مراد شہر اور دیہات۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ بحر کا معروف معنی ہی مراد ہے جتنی بر سے مراد خشکی اور بحر سے مراد سمندر اور تری۔ زید بن رفیع کہتے ہیں کہ خشکی پر فساد طاب ہونے سے مراد ہے بارش کا نہ ہونا جس کے نتیجہ میں قحط سالی آجاتی ہے اور تری میں فساد سے مراد جانوروں کا اندھا ہونا (1)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ فساد بر سے مراد قتل اولاد آدم ہے اور فساد بحر سے مراد کشتیوں کو بجز اچھین لینا۔ حطاط فرماتے ہیں کہ بر سے مراد شہر، دیہات اور بستیاں ہیں اور بحر سے مراد اس کے جزیرے ٹیلن پہلے قول زیاد و خابر سے اور ای پر اکثر کا اتفق ہے۔ اس کی تفسیر سے ابن اسحاق کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آید۔ بادشاہ سے صلح کی اور اس کا بحر یعنی شہر اس کے نام کر دیا (2)۔ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ گناہوں کے سبب اناج اور پھلوں میں نقصان ظاہر ہو گیا۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس نے زمین پر فساد بر پرا کیا کیونکہ زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت پر موقوف ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”زمین پر ایک حد کا قائم ہونا زمین، المون کے لئے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے (3)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حد و قائم کی جائیں تو نہ از کم لوگوں کی اکثریت مخرمات کے ارتکاب سے باز آجاتی ہے۔ اور جب گناہ نہیں ہوں گے تو زمین، آسمان کی برکتیں انسان کو حاصل ہوں گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آخر زمانہ میں اتریں گے تو اس شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلے کرتے ہوئے خضر فرماتے ہیں کہ، صلیب تو! اٹھیں گے اور جزیرہ موقوف کر دیں گے، پھر یا تو اسلام قبول کرنا پڑے گا یا جنگ کرنا پڑے گی۔ آپ نے عہد میں جب دجال، اس سے پیروکار اور یا جوج ماجوج ہماک ہو جائیں گے تو زمین کو حکم ہوگا کہ اپنی برکتیں باہر نکالے۔ چنانچہ اس وقت یہ کیفیت ہوئی کہ لوگوں کی ایک جماعت ایک انار کھنا کر خوب سیر ہو جائے گی اور اس کے چھلکا اتنا بڑا ہوگا کہ یہ سب لوگ اس کا سایہ حاصل کر سکیں گے اور آیت اٹھنی کا دودھ آیت جماعت کے لئے کافی ہوگا (4)۔ یہ ساری برکتیں صرف شریعت محمد ﷺ کے نفاذ کی وجہ سے حاصل ہوں گی۔ یہ قاعدہ ہے کہ

جوں جوں عدل قائم ہوگا، خیر و برکت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ فوج کی موت پر بندے، شہر، درخت اور جانور راحت پالیتے ہیں (1)۔ مسند احمد میں ہے کہ زیادہ سے دور میں ایک تھیلی جس میں بھجور کی سٹھلی جیسے گندم کے دانے تھے اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانہ کی پیداوار ہے جس میں عدل، انصاف کا دور دورہ تھا (2)۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ یہاں فساد سے مراد شرک ہے لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ پھر فرمایا: لِيُنْذِرَ يَوْمَ بَعْضِ الْيَوْمِ الَّذِي يَوْمُهُ الْعِصْيَانُ الَّذِي كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف: 168) ”اور ہم نے انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ آزمایا تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کریں“۔ پھر فرمایا: قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظروا كيف بدأ الخلق ثم انظروا كيف جعلناهم من نساء واحدة لعلكم تتقون (الحجرات: 17) ”پھر زمین میں سیر و سیاحت کر کے دیکھو کہ تم سے پہلے پیغمبروں کو جھٹلانے والوں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔“

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَدِيمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ بِيَوْمِهِ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصْذَقُونَ ۝۱۰ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلَا نَفْسَ لَهُ بِهِ هَدُونَ ۝۱۱ نَبِيَّ جَزِي الْأَنْبِيَاءِ أَصْنَوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝۱۲

”پس کر لو اپنا رخ اس دین قدیم کی طرف اسے پہلے کہ آجائے وہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسے ملنا نہیں، اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ جس نے کفر کیا تو اس پر ہے اس کے کفر کا وبال۔ اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو وہ اپنے لئے ہی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اپنے فضل و کرم سے۔ بے شک وہ پسند نہیں کرتا کفار کو“۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی اطاعت پر استقامت اختیار کرنے اور نیک اعمال انجام دینے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَدِيمِ... یعنی اپنا رخ قیامت سے پہلے پہلے اس مستحکم اور راست دین کی طرف کر لو۔ قیامت کا دن ایسا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کے وقوع کا ارادہ فرمائے گا تو کوئی اسے ٹالنے والا نہیں ہوگا اور اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت بھڑکتی ہوئی آگ میں، اس لئے فرمایا: مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ۔ میں قاضی یعنی جس نے کفر کیا، اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جنہوں نے نیک اعمال کئے، وہ اپنے لئے جنت کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ان سے عداوت مندوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے کہیں زیادہ اجر عطا فرمائے گا یعنی ایک نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آیت کے آخر میں فرمایا: إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ۔ کفار کو ناپسند کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر ظم نہیں کرتا بلکہ عدل سے کام لیتا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاسَ مُبَشِّرَاتٍ ۖ وَلِيُنذِرَ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ وَأَسَافِيرٍ كَالسُّمَانِ ۚ لِيُنذِرَ الْبَشَرِ مَا كَانُوا يُكْفِرُونَ ۝۱۳ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَأَعْتَمَتُوا ۖ وَإِن لَّآ جُرْمُومًا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۴

اور اگر ہم صحیح دینے لیں (جس کے اثر سے) وہ دیکھتے اپنے سر ہزکتیوں کو کہ وہ زرد ہو گئے ہیں تو اس کے باوجود وہ کفر پر اڑے رہتے۔“

بارش برسانے والے بادلوں کے پیدا ہونے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: **اللَّهُ الَّذِي يُوسِّلُ السَّيْلَ لِيُجِيبَ** یعنی اللہ تعالیٰ ہی سے جو انہی کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو سمندر سے یا اس جگہ سے اٹھلاتی ہیں جہاں سے وہ چاہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بادل کو آسمان پر پھیلاتا دیتا ہے یعنی اسے بڑھا کر تھوڑے سے زیادہ کرتا ہے۔ یہ عموماً دیکھنے میں آتا رہتا ہے کہ ڈھال کی مانند ایک چھوٹا سا کھڑا آسمان پر نظر آتا ہے پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھڑا کھیل جاتا ہے اور آسمان کے کناروں کو ڈھانپ لیتا ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ سمندر سے پانی کے بھرے ہوئے بادل اٹھتے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: **وَهُوَ الَّذِي يُوسِّلُ السَّيْلَ لِلْبِحَارِ يُغْشَى بِهَا السَّيْلَ إِذَا أَقْبَلَتْ سَحَابًا يَتَفَالَا سَفْقَتُهُ يَبَكِي كَبْكًا إِنَّكَ تَجِدُهُ خَالِقًا لِمَا تَشَاءُ لَكَرُونِ (الاعراف: 57)** اور یہاں فرمایا: **اللَّهُ الَّذِي يُوسِّلُ السَّيْلَ** مجاہد، ابو عمرو بن العلاء، مطر الوراق اور قنادر کہتے ہیں کہ ”کسفف“ کا معنی ہے کھڑے۔ ضحاک نے اس کا معنی یہ بتا دیا ہے۔ بعض نے اس کا معنی بتایا ہے: پانی کی بہتات کے باعث سیاہ بادل جو بھاری اور زمین کے قریب دکھائی دیتے ہیں۔ پھر ان بادلوں سے بارش برستے لگتی ہے اور جہاں برسی ہے وہاں کے لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں اگرچہ وہ پہلے بارش سے مایوس ہو چکے تھے اور جب نامیدی کے بعد بوقت ضرورت بارش برسی تو وہ نہال اور مسرور ہو گئے۔ آیت کے بعد میں ”من قبل“ کو مکرر لانے کے متعلق علماء نحو کا اختلاف ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ تکرار بطور تاکید ہے (1)۔ بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ ”من قبمہ“ کی ضمیر کا مرجع انزال ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دلالت ناسیس کے باعث اسے دوبارہ ذکر کیا گیا ہو یعنی بارش برسنے سے پہلے وہ اس کے محتاج تھے اور اس سے پہلے بھی وہ وقتاً فوقتاً بارش اس سے فوت ہوتی رہی، یہ اس کے انتظار میں رہے لیکن اس کے برسنے میں تاخیر ہوتی گئی، پھر کچھ مدت کے بعد وہ بارش کی امید کرنے لگے لیکن اب بھی بارش موخر ہو گئی پھر نامید ہو جانے اور زمین کے خشک اور بخر ہو جانے کے بعد جب اچانک بارش برسی تو ہر طرف طلحہ ہو گئی، افسردہ چہروں پر رونق چھا گئی اور زمین پر رکھتیاں لپھانے لگیں اس لئے فرمایا: **فَانظُرْ اِلَى الْاَرْضِ سَخِمَتْ اَللَّهُ**۔ یعنی بارش کے آخار کو دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ پھر اس مثال کے ذریعے لوگوں کو متنبہ کیا کہ زمین کو زندگی بخشنے والا خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندگی عطا کر دے جبکہ ان کے جسم گل سڑ کر ادھر ادھر بکھر چکے ہوں گے، فرمایا: **اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُوْنَ** پھر فرمایا: **لَيْسَ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ** یعنی اگر ہم کھیتوں پر ایسی مضر ہوا چلا دیں جو انہیں زرد بنا کر تباہ کر دے تو بھی یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے سے باز نہیں آئیں گے جیسا کہ فرمایا: **اَفَاَنْذَرْتُمْ قَوْمًا لِّمُؤْتِنًا . . . اِنَّ لِّرَعْنِ رَعْنًا وَّمُؤْتِنًا (الواقف: 63-67)**۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہوا کھیں اٹھتے ہیں۔ ان میں سے چار باعث رحمت ہیں اور چار باعث زحمت۔ رحمت والی ہوا کھیں یہ ہیں: ناشرات، مبعثرات، مرسلات اور ذاریات اور زحمت و عذاب والی ہوا کھیں یہ ہیں: عقیق، صرصر، عاصف اور قاصف۔ ان میں سے پہلی دو خشکی کی ہیں اور باقی دو ترسی کی۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، رحمت کی ہوا چلا دیتا ہے اور اسے بارش سے پہلے باعث مسرت و رحمت، بشارت اور بادلوں کو پانی کیسے تھیں اس طرح باربار کرنے والا بنا دیتا ہے جیسے مذکور ہو گا کو بار بار بنا دیتا ہے، اور اگر وہ چاہے تو زحمت والی ہوا چلا کر بندوں میں سے جنہیں چاہے، تباہ و باربار کر دیتا ہے۔ مختلف سمتوں سے چھنے والی ہواؤں کے نام بھی مختلف ہیں: صبا (پروائی ہوا)، دبور (پچھوالی ہوا)۔

جنوب اور شمال۔ اسی طرح ہوا کی نفع اور تاہیر میں بھی مختلف ہیں۔ کچھ ہوائیں نرم خرام اور تر ہوتی ہیں جو نباتات اور اجسام کی غذا تیار، بعض ہوائیں خشک کرتی ہیں، بعض بلاکت خیز ہوتی ہیں، بعض سے سختی پیدا ہوتی ہے اور بعض کمزوری اور ضعف کا سبب بنتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہوائیں دوسری زمین میں مسخر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے قوم ماد کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کے محافظ فرشتے کو حکم دیا کہ وہ قوم ماد پر ایسی ہوا بھیجے جس کے سبب وہ سب تباہ و برباد ہو جائیں۔ فرشتے نے عرض کی: اے پروردگار! کیا میں تیل کے نھنے کی مقدار ان پر ہوا چھوڑ دوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں، اس طہرت و مادی زمین اور اس پر ساری چیزیں اسٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ اس قدر نہیں بلکہ انگٹھی کے سوراخ کی مقدار ان پر ہوا چھوڑ دوں۔ مگر وہ ہوائی جس نے متعلق فرمایا: **مَا تَذُرُّ مِنْ شَيْءٍ اَنْتَ عَلَيِّهِ اِلَّا جَعَلْتَهُ كَالرَّغِيْمِ** (الذاریات: 42) ”نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر نہ کرتی تھی ٹھکراؤں کو۔“ یہ حدیث فریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ بظاہر یہی معصوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا این قول ہے۔

قَاتِلَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الشَّمَّ اللَّهُ عَاذَ اِذْ اَوْلَوْا مَهْلِكًا بِرَبِّنَا ۗ وَمَا اَنْتَ بِهَادٍ الْعُمَى

عَنْ صَلَاتِهِمْ ۗ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝

”پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اپنی پکار (خصوصاً) جب وہ پٹیل پھیر کر چارہ بنے ہوں۔ اور نہ آپ ہدایت دے سکتے ہیں اندھوں کو ان کی گمراہی سے۔ آپ نہیں سنا سکتے مگر انہیں جو ایمان لائے ہماری آیتوں پر پس وہ گردن جھکاے ہوئے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح مردوں کو قبروں میں سنانا اور اعراض برتنے والے بہروں تک اپنی بات پہنچانا آپ کی قدرت سے باہر ہے، اسی طرح حق سے اندھے بننے والوں کو ہدایت دینے اور انہیں ٹھکراؤ سے باز رکھنے پر بھی آپ قادر نہیں ہیں۔ اس پر صرف اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے۔ وہ اپنی قدرت سے جب چاہے مردوں کو زندوں کی آواز سنا سکتا ہے اور جسے چاہے ہدایت سے نواز سکتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر سکتا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کے بس میں یہ بات نہیں، اس سے فرمایا: **اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ** یعنی آپ صرف انہیں سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ سر تسلیم خم کرنے والے اور اطاعت کرنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حق کو سنتے بھی ہیں اور اس کی اتباع بھی کرتے ہیں۔ یہ حال اہل ایمان کا ہے اور اس سے پہلے کافروں کا حال بیان ہوا جیسا کہ فرمایا: **اِنَّا نَسْجُدُ لِلَّذِيْنَ يَشْفَعُونَ عِنْدَ رَبِّنَا وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ اِلَيْهِمْ اَنْ يُسْمِعَهُمْ اَنْ يُسْمِعَهُمْ جَعَلُوْنَ** (الانعام: 36) ”صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مردوں کو ابھی کے کچھ وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کریمہ **وَمَا اَنْتَ بِهَادٍ الْعُمَى** سے معنی کی تفسیر فرمائی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تاویل کی ہے جس میں آتا ہے کہ غزوہ بدر میں قتل ہونے والے کفار کی لاشوں کو ایک ٹڑھے میں پھینک دیا گیا اس کے تین دن بعد جب نبی کریم ﷺ وہاں تشریف لائے اور ان کے پاس لے کر ان سے خطاب کیا اور انہیں سزائے کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ایسے لوگوں کو خطاب فرماتے ہیں جو جان نالاشے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کی تاویل کرتے ہوئے

فرمایا ہے: کہ اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ وہ اب جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا، وہ حق ہے (۱)۔ قہار کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیے ہیں تاکہ انہوں نے آپ ﷺ کی وہ بات سن لی جو آپ نے بطور سرزنش انہیں فرمائی تھی۔ علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بالکل صحیح ہے۔ چونکہ اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ ان میں سے ایک مرفوع اور مشہور روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے: ”جو آدمی اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ دونوں میں پہنچاتا تھا اور اسے سلام دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے“ (2)۔ امت کے نئے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جب وہ اس قبور کو سلا کر نہا جائیں تو انہیں زندوں کا سلام کریں اور یہ کہا کریں: ”السلام غنیمتکم دار قوم مؤمنین“ (3)۔ یہ خطاب اس شخص کے لئے ہے جو منتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے۔ اگر یہ خطاب مقصود ہوتا تو ان سے خطاب کرنا ایسے ہی ہوتا جیسے معدوم اور بنیاد سے خطاب کیا جاتا ہے۔ سلفہ صالحین کا اس بات پر اجماع ہے اور متواتر روایات سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہنچاتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔ ابن ابی الدنیاء نے کتاب القبر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب قبر کو اس سے بڑی تسکین ہوتی ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کے ساتھ اس کی جان پہچان تھی اور اسے سلام دیتا ہے تو وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔ آل ہضم الحقدی میں سے کسی شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے عامر بن محمد بن کوفی کی وفات کے دو سال بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ آپ تو فوت نہیں ہو گئے؟ انہوں نے کہا کہ بالکل ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا کہ اس وقت آپ کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اور میرے ساتھی جنت کے ایک باغ میں ہیں۔ ہم ہر جمعہ کی رات اور صبح کو کبر بن عبداللہ المزنی کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں اور تم لوگوں کی خبریں وصول کرتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ اجسام اکٹھے ہوتے ہیں یا ارواح؟ انہوں نے جواب دیا کہ جسم تو بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ ملاقات و روح کی ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ جب ہم تمہاری زیارت کو آتے ہیں تو کیا تمہیں اس چیز کا علم ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جمعہ کی رات، جمعہ کا پورا دن اور ہفتہ کے دن طلوع آفتاب تک ہمیں تم لوگوں کی زیارت کا علم ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ باقی دنوں میں کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ جمعہ کے دن کی فضیلت اور عظمت کے باعث۔ حسن التصاب کہتے ہیں کہ میں محمد بن واسع کے ساتھ ہفتہ کی صبح کو زیارت قبور کے لئے جاتا ہوں۔ ہم وہاں ٹھہرتے، انہیں سلام کرتے اور ان کے لئے دعا کرتے پھر واپس لوٹ آتے۔ ایک دن میں نے سوچا کہ اگر اس کی بجائے پیر کا دن مقرر کر دیا جائے؟ وہ کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مردے اپنے زائرین کو صرف جمعہ، جمعرات اور ہفتہ کے دن پہنچتے ہیں۔ حضرت شہاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے دن طلوع آفتاب سے پہلے کسی قبر کی زیارت کی جائے تو صاحب قبر کو اس زیارت کا علم ہوتا ہے۔ ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ یوم جمعہ کے مقدم و مرتبہ کے باعث۔ ابو التیاح کہتے ہیں کہ صغیر عمو صبح کے وقت زیارت قبور کے لئے جاتے لیکن جمعہ کو شب کے آخر میں جاتے۔ ایب رات وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر قبرستان آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ہر صاحب قبر اپنی قبر پر بیٹھا ہوا ہے۔ قبروں والے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ

2- سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 218

1- فتح باہری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 301 صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 643

3- صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 619، سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 219، وغیرہ

یہ طرف ہیں جو جمعہ کو تہجد سے پاس آتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں؟ کہنے لگے: ہاں اور ہمیں یہ بھی علم ہے کہ پرندے ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ دریافت کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ سلام علیکم کہتے ہیں۔ فضل بن موفق کہتے ہیں کہ جب میرے والد محترم کی وفات ہوئی تو میں بہت غمزدہ اور پریشان ہوا۔ میرا یہ معمول بن گیا کہ میں ہر روز ان کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا۔ پھر کچھ عرصہ یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، کچھ دنوں کے انتظار کے بعد ایک دن میں اپنے والد کی قبر پر حاضر ہوا اور قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرے والد محترم کی قبر کھل گئی ہے اور وہ کفن پہنے مردوں کے روپ میں قبر کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے دردنا آ گیا۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے: بیٹا! میری زیارت میں تاخیر کا سبب کیا ہے؟ میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو میری آمد کا غم ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ تم میری قبر پر آتے تھے تو تمہاری دعا کی وجہ سے نہ صرف مجھے مسرت ہوتی تھی بلکہ میرے ارگرد قبروں والے بھی خوش ہوتے تھے۔ اس کے بعد میں اکثر اپنے والد کی قبر پر جایا کرتا تھا۔ عثمان بن سوید طحاوی بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ بہت عبادت گزار تھیں۔ انہیں راہ بہ کہو جاتا تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا یا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگیں کہ اے وہ ذات جس پر زندگی میں اور موت کے بعد اعلان ہے! مجھے موت کے وقت نہ بے یار و مددگار چھوڑنا اور نہ وحشت زدہ کرنا۔ ان کی وفات کے بعد میں مرجعہ کو ان کی قبر پر جاتا اور ان کے لئے اور دوسرے اہل قبور کے لئے دعا اور استغفار کرتا۔ ایسا دن میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا: اسی جان! آپ کیسی ہیں؟ وہ کہنے لگیں: بیٹا! موت سخت تکلیف دہ چیز ہے۔ اب میں اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم سے برزخ کی قیامت میں سزا کی زندگی بسر کر رہی ہوں جہاں پھولوں کی بیج اور سبزی لہاس میسر ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ وہ کہنے لگیں: ہاں۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کیا؟ وہ کہنے لگیں کہ وہ بی قبروں کی زیارت اور ہرے لئے دعا کرنے کا اپنا معمول ترک نہ کرنا۔ جمعہ کے دن مجھے تمہاری آمد کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ جب تم اپنے گھر سے یہاں آتے ہو تو مجھے ہانا جاتا ہے۔ راہ بہ کہو! تمہارا بیٹا آ رہا ہے تو اس سے مجھے اور میرے ارگرد و اہل قبور کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ بشر بن منصور کہتے ہیں کہ طاعون نے زہ نہیں ایک شخص قبرستان جاتا اور نماز جنازہ میں شرکت کرتا۔ جب شام ہوتی تو اہل قبور سے خطاب کر کے کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وحشت کو دور کرے، تمہاری تنہائی پر رحم فرمائے تمہارے لٹا ہوں کو بخشش دے اور تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا تھا۔ اس شخص نے بتایا کہ میں ایک دن شام کو اپنے گھر لوٹا اور حسب معمول قبرستان جا مردع نہ کر کے۔ رات کو خواب میں میرے پاس بہت سے لوگ آئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور تمہاری ضرورت کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم قبروں والے ہیں، تمہارا یہ معمول تھا کہ تم شام کو اپنے گھر لوٹنے وقت ہمیں ہدیہ دیا کرتے تھے؟ میں نے پوچھا کہ وہ کون سا؟ وہ کہنے لگے کہ وہ دعا میں جو تم ہمارے لئے کیا کرتے تھے۔ پھر میں نے زیارت قبور کو اپنا معمول بنالیا اور اسے کبھی ترک نہ کیا۔ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ میت کو اپنے عزیز و اقارب کے اعمال کا بھی علم ہوتا ہے۔ ابو ایوب کہتے ہیں کہ زندوں کے اعمال مردوں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اعمال اچھے ہوں تو انہیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ اعمال برے ہوں تو انہیں دیکھ کر وہ کہتے ہیں: یا اللہ! انہیں لوٹا دے (۱)۔ عباد بن عبدالمطلبین کے گورنر ابراہیم بن صالح کے پاس آئے۔ ابراہیم نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ عباد کہنے لگے کہ میں تمہیں کیا نصیحت کروں، اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ زندوں کے اعمال ان کے رشتہ دار مردوں پر پیش کئے

جاتے ہیں، اس لئے دیکھو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے کیسے اعمال پیش کرتے ہو۔ یہ بن کر ابراہیم اتاروئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہوگئی۔ صدقہ بن سلیمان جعفری کہتے ہیں کہ عالم شباب میں مجھ سے کئی گنا مزید ہوئے۔ میرے والد صاحب کی وفات ہوئی تو مجھے اپنے گناہوں پر بہت ندامت ہوئی اور میں نے توبہ کر لی۔ اس کے بعد پھر مجھ سے کچھ لغزشوں کا صدور ہوا۔ ایک رات خواب میں میرے والد محترم مجھے کہنے لگے: بیٹا! پہلے نیکو کار لوگوں جیسے تمہارے اعمال جب ہم پر پیش کئے جاتے تھے تو میں خوشی سے پھولے نہیں مانتا تھا، لیکن اس بار جب تمہارے اعمال پیش ہوئے تو مجھے بڑی شرمساری کا سامنا کرنا پڑا، مجھے میرے پڑوسی اہل قبور کے سامنے رسوا نہ کر دو (1)۔ اس ضمن میں صحابہ کرام سے بھی بہت سے آثار مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ایک رشتہ دار حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد یوں دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں ایسے عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کے باعث عبداللہ بن رواحہ کے ہاں میری رسوائی ہو۔ مردوں کو سلام دینا شروع ہے اور ایسے شخص کو سلام دینا محال ہے جو نہ محسوس کرتا ہو اور نہ مسلمان کو جانتا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے کہ وہ زیارت قبور کے وقت یہ کہا کریں: ”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حَقُوْنَ يَوْمَ حَمَّ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ وَجَنَا وَجِنْتَكُمْ وَ الْمُسْتَأْجِيْنَ نَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَ لَكُمْ الْعَاقِبَةَ“ (2)۔

یہ سلام، خطاب اور نداء اس موجود کیلئے ہے جو ہنستا ہو، خطاب کرتا ہو، کھٹتا ہو اور جواب دیتا ہو اگرچہ سلام دینے والا مسلمان اس کے جواب کو نہ سن سکے۔

اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَ شَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَ هُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿۳۰﴾

”اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور پیدا فرمایا پھر عطا کی (تمہیں) کمزوری کے بعد قوت۔ پھر قوت کے

بعد کمزوری اور بڑھا دے دیا۔ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، اور وہی سب کچھ جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔“

انسان اپنی پیدائش سے لے کر جن مراحل اور تبدیلیوں سے گزرتا ہے، ان کا حال بیان ہو رہا ہے۔ انسان کی اصل پیدائش ہے اور پھر نطفہ۔ یہ نطفہ پہلے جسے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں، پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا جاتا ہے اور اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ پھر جب اس کی دلاوت ہوتی ہے تو یہ بہت کمزور، نحیف اور ناتوان ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ پروان چڑھتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ بچپن سے لڑکپن اور پھر قرب بلوغت کا مرحلہ آ جاتا ہے۔ اس کے بعد کمزوری اور ناتوانی کا دور اختتام پذیر ہو جاتا ہے اور قوت سے لبریز جوانی اپنی بہار دکھانے کیلئے آ جاتی ہے۔ بالآخر شباب بھی رخصت ہو جاتا ہے اور ایک بار پھر ضعف اور نقص کے دور کا آغاز ہو جاتا ہے۔ انسان اوجیز عمر کا ہو جاتا ہے، پھر عمر رسیدہ اور پھر بہت ہی بوڑھا ضعیف۔ یہ قوت کے بعد ضعف کا مرحلہ ہے۔ یہ ایسی عمر ہے جس میں کمزوری اپنے نچے گاڑ لیتی ہے، بہت جواب دے جاتی ہے، چننا پھرنا دو بھر ہو جاتا ہے، بال سفید ہو جاتے ہیں اور تمام ظاہری اور باطنی صفات میں انقلاب رونما ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا: ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ یعنی اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھا دے دیا، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسے اس کی مرضی ہو، اسی طرح اپنے بندوں میں تصرف کرتا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر اور ہر امر پر قادر ہے۔ عطیہ عوفی رحمت اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ضعفاً تک اس آیت کی تلاوت

کی تو آپ نے بھی اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح تم نے میرے سامنے یہ آیت پڑھی، اسی طرح میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے اتنی عمدہ اور ہی تلاوت کی تھی کہ آپ ﷺ اس آیت کو پڑھتے گئے (1)۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ﴿٢٠﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلكِن كُنْتُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُفْعَمُ الَّذِينَ ضَلُّوا عَنْ مَعْنَى رَبِّهِمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٢٢﴾

”اور جس روز قیامت قائم ہوگی قسمیں اٹھائیں گے مجرم، کہ نہیں ٹھہرے وہ (دنیا میں) مگر ایک گھڑی۔ یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے۔ اور کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان دیا گیا (انہیں) کہ تم ٹھہر رہے ہو نوشتہ الہی کے مطابق روز حشر تک۔ پس یہ (آگیا) ہے یوم حشر لیکن تم نہیں جانتے تھے۔ پس اس دن میں نہ نفع دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور نہ اجازت ہوگی کہ تو بہ کر کے اللہ کو راضی کر لیں۔“

اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ کافر دنیا و آخرت کے امور میں بالکل جاہل اور احمق ہیں۔ دنیا میں ان کی جہالت یہ ہے کہ بت پرستی اور شرک کو اپنا شیوہ بنائے رہے اور آخرت میں بھی اپنی انتہائی جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں صرف ایک گھڑی ٹھہرے۔ اس بات سے ان کا قصود یہ ہوگا کہ ان پر نہ تو حجت قائم ہوئی اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی تاکہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ۔ یعنی مومن علماء جس طرح دنیا میں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت قائم کرتے رہے، اسی طرح وہ قیامت کے دن کفار کے اس بے سرو پا دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم یوم حشر تک نوشتہ اعمال میں ٹھہرے رہے لیکن تم حقائق سے نااہل رہے۔ قیامت کے دن ان ظالموں کو نہ ان کی عذر خواہی کچھ فائدہ دے گی اور نہ انہیں دنیا میں لوٹا یا جائے گا جیسا کہ فرمایا: وَ اِنْ یُسْتَعْتَبُونَ اِنَّمَا هُمْ مِنْ اَلْمُعْتَبِیْنَ (تم اسجدہ: 24) ”اور اگر وہ رضائے الہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا۔“

وَلَقَدْ صَبَّ بِنَالِآسَافِیْنَ فِیْ هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۗ وَلَکِن جَعَلْنٰمْ اٰیٰتٍ لِّیُقُوْا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِنُوْنَ ﴿٢٣﴾ کَذٰلِکَ یُطَبِّعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿٢٤﴾ قٰصِیْرًا ۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۗ وَلَا یَسْتَعْجِلُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٥﴾

”اور بے شک ہم نے بیان فرمائی ہے لوگوں (کے بھلے) کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال۔ اور اگر آپ لے آئیں ان کے پاس کوئی نشانی تو (جو اب) یہی کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں ہو تم مگر باطل پرست۔ یونہی مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو (حق کو) نہیں جانتے۔ سو آپ صبر فرمائیں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ کو پھسلانہ دیں (راہ حق سے) وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم میں حق کو واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کر دیا ہے اور اس میں ان کیسے مثالیں بھی ذکر کی ہیں تاکہ یہ حق کو سمجھ کر اس کی اتباع کرنے لگ جائیں اور اُس پر یہ قسم کے معجزات اور نشانیاں دیکھ لیں تو بھی یہ ان پر ایمان نہیں مائیں گے بلکہ یہی خیال کریں گے کہ یہ جادو کا کرشمہ ہے اور بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ ان کے سامنے چاند وہ نکلے ہو اور دیگر متعدد معجزات کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا لیکن اس کے باوجود اپنے کفر و شرک سے باز نہ آنے جیسا کہ فرمایا: **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَيْهِمْ كَيْدٌ مَّرْمَرٌ لَا يُؤْمِنُونَ** ﴿۹۷﴾ وَ لَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ مُّخَيَّرُوا لَأَبَوْا أَنْ يُوقَفُوا وَالَّذِينَ نَزَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ يَذُكُرُونَ أَنَّ إِلَهُنَّ سِوَا اللَّهِ لَكُفْرًا كَبِيرًا ﴿۹۸﴾ (یونس: 96-97) ”بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ساری نشانیاں آجائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔“ اس لئے یہاں فرمایا: **كُلُّ يَوْمٍ تَكُفِّرُ بَنَدُنِي**۔ یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ آپ ان کی مخالفت اور عناد پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ فتح و نصرت کا جو وعدہ فرمایا ہے، وہ اسے ضرور پورا کرے گا اور دنیا و آخرت میں صرف آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو مرخرو فرمائے گا۔ یہ لوگ جو ایمان کی دولت سے محروم ہیں، آپ کو پھسلانہ دیں، بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغام پر ثابت قدم اور ڈٹے رہیں اور اس سے سرمو انحراف نہ کریں کیونکہ یہی حق ہے جو مرشک و شبہ سے بالاتر ہے، اسی میں حق منحصر ہے اور باقی سب کچھ باطل ہے۔ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک خارجی نے باواز بلند اس آیت کو پڑھا: **وَلَقَدْ كَفَرَ يَسُوعُ ابْنُ مَرْيَمَ وَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ الْمُفْرِقِينَ** ﴿۵۱﴾ اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر (بفرض محول) آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ بھی نہ سرین میں سے ہو جائیں گے۔“ آپ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو غور سے سنا اور اس خارجی کی غرض سمجھ گئے، چنانچہ آپ نے نماز کے دوران ہی جواباً یہ آیت **فَالصَّابِرِينَ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ مِصْرَبٌ كَبُرُوا إِلَى اللَّهِ عِزًّا وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ لِيَؤْتِكُمُ اللَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا** تلاوت کی (1)۔ اب وہ حدیث ذکر کی جاتی ہے جو اس سورت کی فضیلت اور نماز فجر میں اس کی قرأت کے استحباب کے متعلق مروی ہے۔ کسی صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھتے ہوئے سورہٴ روم کی قرأت کی۔ دوران قرأت آپ کو کچھ وہم ہو گیا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمائے گئے: ”ہم پر بعض اوقات قرآن کریم مشتبه ہو جاتا ہے کیونکہ تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہوتے ہیں لیکن وضو اچھی طرح نہیں کرتے۔ تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو، اسے چاہئے کہ وہ اچھی طرح وضو کرے“ (2)۔ اس کا متن اور سند دونوں حسن ہیں۔ اس میں ایک عجیب راز اور لوگھی خبر ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ اپنے مقتدیوں کے وضو کے نقص سے متاثر ہوئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ معتق ہے۔

سورة لقمان (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلَمْ تَكُنْ اِلٰیكَ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۝ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْصِنِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ مَّرْطَبِهِمْ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

”الف۔ لام۔ میم، یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی۔ سراپا ہدایت اور رحمت ہے نیکو کاروں کیلئے۔ وہ جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور یہی لوگ ہیں جو آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی توفیق سے اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں کامران ہیں۔“

سورہ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں اس سورت کی ابتدائی آیات کی متعلقہ تفسیر گزر چکی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم کو ان نیکو کاروں کیلئے سراپا ہدایت، شفاء اور رحمت بنایا ہے جو شریعت کے مطابق نیک اعمال بحال لاتے ہیں، فرض نمازیں اور نوافل ان کی حدود اور اوقات کی پابندی کرتے ہوئے صحیح صحیح ادا کرتے ہیں، مستحق لوگوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، دار آخرت میں اپنے نیک اعمال کے اجر و ثواب کا یقین رکھتے ہیں اور نہ ریا کاری کرتے ہیں اور نہ لوگوں کی داد و تحسین کی امید رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ مَّرْطَبِهِمْ۔ یعنی انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت، بصیرت اور صراط مستقیم میسر ہے اور یہی دنیا و آخرت میں بامراد ہیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَن یَشْتَرِیْ لَهْوَ الْعَدٰیثِ لِیُضِلَّ عَن سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ وَ یَتَّخِذَ هٰ
هُزُوًا ۙ وَّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ ۱ ۚ وَاِذَا نَسِلْ عَلَیْهِ الْاِیْتَانِیْ مُسْتَكْبِرًا ۙ كَاَن لَّمْ یَسْمَعْهَا
كَانَ فِیْ اُذُنِیْهِ وَقْرًا ۙ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝

”اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو بیوقوفانہ طور پر (مقصد حیات سے) غافل کر دینے والی باتوں کا تا کہ بھٹکتے رہیں راہ خدا سے (اس کے نتائج بد سے) بے خبر ہو کر۔ اور اس کا مذاق اڑاتے رہیں۔ یہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اسے ہماری آیتیں تو منہ پھیر لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنائی نہیں، جیسے اس کے دونوں کان بہر سے ہیں۔ سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیں۔“

قبل ازیں نیک سختوں کا ذکر ہوا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے ہیں اور اسے سن کر نفع اٹھاتے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّهُ
نَزَّلَ اَحْسَنَ الصّٰیغِیْنِ کِتٰبًا مُّشٰہِدًا مُّثٰنٰی ۙ تَقْوٰی مِنْهُ جُلُوْدٌ اَلْبٰیۡنِ یُخۡشَوْنَ رَبَّهُمْ ۙ لَّمْ یَسۡبِقۡنِیۡ جُلُوْدُهُمْ ۙ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِکْرِ

اُنْثَلُ (الزمر: 23) "اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیات ایک جیسی ہیں، بار بار دہرائی جاتی ہیں اور اس سے ان کے بدن کا پھینک لگتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔" اب یہاں ان بد بختوں کا حال بیان ہو رہا ہے جو کتاب اللہ سے اعراض برتتے ہیں اور اسے سن کر اعتقاد نہیں کرتے بلکہ غنا، گانے بجانے اور موسیقی سننے میں محو رہتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "لَقَوُ الْاَحْبَابِیَّتِ" سے مراد غنا، اور گانا بجانا ہے۔ ایک مرتبہ آپ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے تین مرتبہ قسم اٹھ کر فرمایا کہ اس سے مراد گانا اور غنا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس، جابر، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، کھول، عمرو بن شعیب اور علی بن بزیر کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غنا، اور گیتوں کے متعلق نازل ہوئی (2)۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں صرف وہی مراد نہیں جو لہو و لعب میں پیسے خرچ کرتا ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اسے محبوب رکھتا ہے اور خریدنے سے یہی مراد ہے۔ انسان کو یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ حق بات پر باطل کو اور نفع رساں چیز پر ضرر رساں چیز کو ترجیح دے۔ بعض نے لہو و لعب کے بیوپار سے مراد لیا ہے مغنیہ لوفد یا خریدنا (3)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مغنیہ عورتوں کی خرید و فروخت حلال نہیں اور ان کی کمائی کھانا حرام ہے اور انہی کے متعلق یہ آیت ذِیْنَ اَتَّابِیْنَ هُنَّ یُشْتَبٰی نَازِل ہوئی (4)۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے اور اس کے ایک راوی علی بن یزید کو ضعیف قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ علی، ان کے شیخ اور ان کے شاگرد سبھی ضعیف ہیں۔ صحاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لَقَوُ الْاَحْبَابِیَّتِ" سے مراد شرک ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے راستے کی اتباع سے روکے۔ فرمایا: لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ یعنی لہو و لعب کا بیوپار کرنے سے اس کی غرض اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت ہے۔ "لیضل" کی ایک قرأت یاء کے فتح کے ساتھ بھی ہے۔ اس صورت میں لام، لام حاقبت ہوگا یا امر تقدیری کے لئے لام تعلیل یعنی ایسا کرنا ان کے لئے مقدر کر دیا گیا تاکہ وہ ایسے ہو جائیں۔ پھر فرمایا: وَ يَشْتَدُّ هَاخِرُهُُ یعنی وہ راد خدا کو کسی مذاق بنالے۔ مجاہد نے حاضریہ کا مرجع سبیل (رستہ) کو بنایا ہے جبکہ قدو نے اس کا مرجع آیات کو بنایا ہے یعنی وہ آیات الہی کو مذاق بنالے۔ مجاہد کا قول زیادہ موزوں ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے راستے کا تمسخر اڑایا، اس لئے قیامت کے دن دائمی عذاب میں مبتلا کر کے ان کی اہانت کی جائے گی، پھر فرمایا: وَاِذَا نَسِلْ عَنِّيْٓ اِيْتَمٰا یعنی اس لہو و لعب اور موسیقی و طرب میں منہمک رہنے والے شخص پر جب قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ ان سے منہ پھیر لیتا ہے اور جان بوجھ کر بہرا بن جاتا ہے۔ پوچھا اس نے انہیں سنائی نہیں۔ چونکہ وہ ان آیات سے کسی فائدہ کی توقع نہیں رکھتا اس لئے وہ انہیں سننے سے ہی متنفر ہے۔ دنیا میں جس طرح اسے آیات قرآن سننے سے تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح آخرت میں اسے المناک عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اِنَّ الْاٰیٰتِیْنَ اُنْمُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَہُمْ جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ﴿۱﴾ حُلٰلٰتِیْنَ فِیْہَا وَ وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا وَّ الرَّعٰدِیُّۃُ الْحٰکِمِیْمِ ﴿۲﴾

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے خوشیوں والے باغات ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں

2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 505

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 61

4۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 60، 61، 62، 63، 64، 65، 66، 67، 68، 69، 70، 71، 72، 73، 74، 75، 76، 77، 78، 79، 80، 81، 82، 83، 84، 85، 86، 87، 88، 89، 90، 91، 92، 93، 94، 95، 96، 97، 98، 99، 100، 101، 102، 103، 104، 105، 106، 107، 108، 109، 110، 111، 112، 113، 114، 115، 116، 117، 118، 119، 120، 121، 122، 123، 124، 125، 126، 127، 128، 129، 130، 131، 132، 133، 134، 135، 136، 137، 138، 139، 140، 141، 142، 143، 144، 145، 146، 147، 148، 149، 150، 151، 152، 153، 154، 155، 156، 157، 158، 159، 160، 161، 162، 163، 164، 165، 166، 167، 168، 169، 170، 171، 172، 173، 174، 175، 176، 177، 178، 179، 180، 181، 182، 183، 184، 185، 186، 187، 188، 189، 190، 191، 192، 193، 194، 195، 196، 197، 198، 199، 200، 201، 202، 203، 204، 205، 206، 207، 208، 209، 210، 211، 212، 213، 214، 215، 216، 217، 218، 219، 220، 221، 222، 223، 224، 225، 226، 227، 228، 229، 230، 231، 232، 233، 234، 235، 236، 237، 238، 239، 240، 241، 242، 243، 244، 245، 246، 247، 248، 249، 250، 251، 252، 253، 254، 255، 256، 257، 258، 259، 260، 261، 262، 263، 264، 265، 266، 267، 268، 269، 270، 271، 272، 273، 274، 275، 276، 277، 278، 279، 280، 281، 282، 283، 284، 285، 286، 287، 288، 289، 290، 291، 292، 293، 294، 295، 296، 297، 298، 299، 300، 301، 302، 303، 304، 305، 306، 307، 308، 309، 310، 311، 312، 313، 314، 315، 316، 317، 318، 319، 320، 321، 322، 323، 324، 325، 326، 327، 328، 329، 330، 331، 332، 333، 334، 335، 336، 337، 338، 339، 340، 341، 342، 343، 344، 345، 346، 347، 348، 349، 350، 351، 352، 353، 354، 355، 356، 357، 358، 359، 360، 361، 362، 363، 364، 365، 366، 367، 368، 369، 370، 371، 372، 373، 374، 375، 376، 377، 378، 379، 380، 381، 382، 383، 384، 385، 386، 387، 388، 389، 390، 391، 392، 393، 394، 395، 396، 397، 398، 399، 400، 401، 402، 403، 404، 405، 406، 407، 408، 409، 410، 411، 412، 413، 414، 415، 416، 417، 418، 419، 420، 421، 422، 423، 424، 425، 426، 427، 428، 429، 430، 431، 432، 433، 434، 435، 436، 437، 438، 439، 440، 441، 442، 443، 444، 445، 446، 447، 448، 449، 450، 451، 452، 453، 454، 455، 456، 457، 458، 459، 460، 461، 462، 463، 464، 465، 466، 467، 468، 469، 470، 471، 472، 473، 474، 475، 476، 477، 478، 479، 480، 481، 482، 483، 484، 485، 486، 487، 488، 489، 490، 491، 492، 493، 494، 495، 496، 497، 498، 499، 500، 501، 502، 503، 504، 505، 506، 507، 508، 509، 510، 511، 512، 513، 514، 515، 516، 517، 518، 519، 520، 521، 522، 523، 524، 525، 526، 527، 528، 529، 530، 531، 532، 533، 534، 535، 536، 537، 538، 539، 540، 541، 542، 543، 544، 545، 546، 547، 548، 549، 550، 551، 552، 553، 554، 555، 556، 557، 558، 559، 560، 561، 562، 563، 564، 565، 566، 567، 568، 569، 570، 571، 572، 573، 574، 575، 576، 577، 578، 579، 580، 581، 582، 583، 584، 585، 586، 587، 588، 589، 590، 591، 592، 593، 594، 595، 596، 597، 598، 599، 600، 601، 602، 603، 604، 605، 606، 607، 608، 609، 610، 611، 612، 613، 614، 615، 616، 617، 618، 619، 620، 621، 622، 623، 624، 625، 626، 627، 628، 629، 630، 631، 632، 633، 634، 635، 636، 637، 638، 639، 640، 641، 642، 643، 644، 645، 646، 647، 648، 649، 650، 651، 652، 653، 654، 655، 656، 657، 658، 659، 660، 661، 662، 663، 664، 665، 666، 667، 668، 669، 670، 671، 672، 673، 674، 675، 676، 677، 678، 679، 680، 681، 682، 683، 684، 685، 686، 687، 688، 689، 690، 691، 692، 693، 694، 695، 696، 697، 698، 699، 700، 701، 702، 703، 704، 705، 706، 707، 708، 709، 710، 711، 712، 713، 714، 715، 716، 717، 718، 719، 720، 721، 722، 723، 724، 725، 726، 727، 728، 729، 730، 731، 732، 733، 734، 735، 736، 737، 738، 739، 740، 741، 742، 743، 744، 745، 746، 747، 748، 749، 750، 751، 752، 753، 754، 755، 756، 757، 758، 759، 760، 761، 762، 763، 764، 765، 766، 767، 768، 769، 770، 771، 772، 773، 774، 775، 776، 777، 778، 779، 780، 781، 782، 783، 784، 785، 786، 787، 788، 789، 790، 791، 792، 793، 794، 795، 796، 797، 798، 799، 800، 801، 802، 803، 804، 805، 806، 807، 808، 809، 810، 811، 812، 813، 814، 815، 816، 817، 818، 819، 820، 821، 822، 823، 824، 825، 826، 827، 828، 829، 830، 831، 832، 833، 834، 835، 836، 837، 838، 839، 840، 841، 842، 843، 844، 845، 846، 847، 848، 849، 850، 851، 852، 853، 854، 855، 856، 857، 858، 859، 860، 861، 862، 863، 864، 865، 866، 867، 868، 869، 870، 871، 872، 873، 874، 875، 876، 877، 878، 879، 880، 881، 882، 883، 884، 885، 886، 887، 888، 889، 890، 891، 892، 893، 894، 895، 896، 897، 898، 899، 900، 901، 902، 903، 904، 905، 906، 907، 908، 909، 910، 911، 912، 913، 914، 915، 916، 917، 918، 919، 920، 921، 922، 923، 924، 925، 926، 927، 928، 929، 930، 931، 932، 933، 934، 935، 936، 937، 938، 939، 940، 941، 942، 943، 944، 945، 946، 947، 948، 949، 950، 951، 952، 953، 954، 955، 956، 957، 958، 959، 960، 961، 962، 963، 964، 965، 966، 967، 968، 969، 970، 971، 972، 973، 974، 975، 976، 977، 978، 979، 980، 981، 982، 983، 984، 985، 986، 987، 988، 989، 990، 991، 992، 993، 994، 995، 996، 997، 998، 999، 1000

3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 61

گئے۔ اللہ کا یہ سچا وعدہ ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دلانا ہے۔“

یہاں قیمت کے دن ان سعادت مند ٹیلوکاروں کا انجام بیان ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، پیغمبروں کی تصدیق کی اور شریعت کے مطابق نیک کام کئے، ان کے لئے نعمتوں بھری جنتیں ہیں جہاں انہیں لذیذ کھانے، عمدہ لباس، آرام دہ رہائش گاہیں، بہترین سواریاں، نیک سیرت اور نیک صورت بیویاں اور دیگر ایسی اعلیٰ اور عظیم الشان نعمتیں حاصل ہوں گی جن کا کسی انسان کے دل میں خیالی نیک نہ آیا ہوگا۔ یہ نعمتیں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کیے حاصل رہیں گی اور یہ اس جنت سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کا تصور بھی نہیں کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کریم، محسن اور قادر ہے۔ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اسی نے قرآن کریم کو ان ایمان کیلئے سرچشمہ ہدایت بنا دیا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِي يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَ شَقَّاهُ فِي الْوَابِئِينَ لَا يَجْعَلُونَ فِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْفًا وَ هُوَ عَلَيْهِمْ سَعِيٌّ (حم السجدة: 44) ”آپ فرمائیے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ بین ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتہر رہتا ہے۔“ وَ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَ شَقَّاهُ فَاَصْحَابُ الْاَلْمُؤْمِنِيْنَ لَا يَرَوْنَ فِي الْظُلْمِ اِلَّا سَخًا (بنی اسرائیل: 82) ”اور ہم قرآن میں وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو مؤمنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہیں اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسار دہا“۔

حَتَّى السَّلْمَاتِ بِعَيْبٍ عَمَّ تَرَوْنَهَا وَ اَلَّتْ فِي الْاَمْرٰٓئِ رَاٰ اٰيٰتِ اَنْ تَبْيَدَّ بِكُمْ وَ بَشَّ فِيْهَا
مِنْ كَلِّ دَابَّةٍ ۗ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ هٰذَا حَقُّ
اَللّٰهِ فَاَمُرُوْا فِيْ مَا ذَا حَقَّتْ اَلَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهِ ۗ بَلِ الْظٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱

”اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو۔ اور کھڑے کر دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین ڈوبتی نہ رہے ساتھ تمہارا رہ اور پھیلا دیئے ہیں اس میں ہر قسم کے جانور۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی، پس اگائے ہم نے زمین میں ہر نوع کے نفیس جوڑے۔ یہ تو ہے اللہ کی تخلیق۔ (اے مشرکوں!) اب ڈرا دکھاؤ مجھ کو کیا بنا دیا ہے اوروں نے اس کے سوا؟ (کچھ بھی نہیں) مگر یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے زمین و آسمان اور ان کے اندر اور ان کے درمیان تمام حقوق کو پیدا کیا۔ حسن اور قدادہ اس آیت حَتَّى السَّلْمَاتِ بِعَيْبٍ عَمَّ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے ستون نہیں ہیں نہ مٹی اور نہ غیر مٹی۔ حضرات ابن عباس، مکرّم اور مجاہد فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں لیکن تمہیں نظر نہیں آتے۔ سورہ رعد کے شروع میں اس مسئلہ کو بیان کیا جا چکا ہے، اس لئے اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں (1)۔ فرمایا: وَ اَلَّتْ فِي الْاَمْرٰٓئِ رَاٰ اٰيٰتِ اَنْ تَبْيَدَّ بِكُمْ وَ بَشَّ فِيْهَا مِنْ كَلِّ دَابَّةٍ ۗ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ یعنی زمین کو متوازن رکھنے اور جنبش سے بچانے کیلئے اس میں بھاری بھر کم اور اونچے اونچے پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ زمین اپنے پلینوں سمیت ڈوبتی نہ رہے اور اس نے زمین میں مختلف شکلوں اور رنگوں والے ان گنت اقسام کے حیوانات پھیلا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ثابت کرنے کے بعد کہ وہی خالق ہے، یہ بیان فرمایا کہ رازق بھی وہی ہے، ارشاد ہوتا ہے: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ یعنی ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور زمین میں ہر چیز کے خوشنما جوڑے اگائے۔ شمس فرماتے ہیں کہ انسان بھی زمین کی پیداوار ہے۔ چنانچہ کریم ہے اور روز قیام۔ فرمایا: هٰذَا حَقُّ اَللّٰهِ لَعْنَةُ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اَسْمٰن

اور ان میں تمام مخلوقات کی تخلیق صرف اللہ وحدہ ناشریک کی قدرت اور تقدیر کی کرشمہ سازی ہے۔ بس اے مشرکوا مجھے دلہاؤ کہ تمہارے بتوں نے کیا پیدا کیا ہے جن کی پوجا پاٹ میں تم ہر وقت گئے رہتے ہو بلکہ اصل بات یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرک واضح گمراہی، جہالت اور اندھے پن کا شکار ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ ۚ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ
اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۳۱﴾

”اور ہم نے عنایت فرمائی لقمان کو حکمت (دوانائی) اور فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے بھنے کے لئے، اور جو کفران نعمت کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ ثنی سے حمید ہے۔“

سلف کا حضرت لقمان کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ نبی تھے یا بغیر نبوت کے مرد صالح تھے؟ اکثر کا اتفاق دوسرے قول پر ہے کہ وہ اللہ کے نیکو کار بندے تھے، نبی نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان حبشی غلام اور بڑھئی تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ پست قد چھٹی ناک والے نوبہ کے باشندے تھے (۱)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ آپ مومنے مومنے ہونٹوں والے سوڈان کے رہنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت عطا فرمائی لیکن نبوت سے ٹھیک نوازا۔ (۲) ایک مرتبہ حضرت سعید بن مسیب نے ایک سیاہ فام شخص سے کہا کہ اپنے سیاہ فام ہونے پر رنجیدہ نہ ہو۔ اچھے اور صالح لوگوں میں سے تین اشخاص ایسے ہیں جن کا تعلق سیاہ فام علاقے سے تھا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت تھج رضی اللہ عنہ اور لقمان حکیم جو نوبہ کے بڑے بڑے ہونٹوں والے سیاہ فام باشندے تھے (۳)، خالد ربیع کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حبشی غلام اور بڑھئی تھے۔ ایک روز ان کے آقا نے انہیں کہا کہ ایک بھری ذبح کرو اور اس کے دو ٹیسس ترین ٹکڑے میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے بھری ذبح کی اور زبان اور دل نکال کر لے آئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد آقا نے حکم دیا کہ ایک بھری ذبح کرو اور اس میں سے دو ٹھوٹ ترین ٹکڑے نکال کر میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے بھری ذبح کی اور زبان اور دل نکال کر پیش کر دیئے۔ آقا بہت حیران ہوا۔ پوچھنے لگا کہ جب میں نے گوشت کے دو بہترین ٹکڑے لانے کیئے کہا تو بھی تم یہ دونوں امضا لے آئے اور جب میں نے بدترین ٹکڑے لانے کو کہا تو بھی تم یہی امضاء لے آئے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت لقمان نے جواب دیا کہ جب یہ دونوں پاکیزہ بن جائیں تو ان سے بڑھ کر پاکیزہ چیز کوئی نہیں اور جب یہ ضیبت ہو جائیں تو ان سے بڑھ کر کوئی چیز ضیبت نہیں (۴)۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ قرآن عبد صالح تھے، نبی نہ تھے، وہ مومنے مومنے ہونٹوں والے اور چوڑے چوڑے قدموں والے سیاہ فام غلام تھے۔ ایک اور روایت میں مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ عمر بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت لقمان ایک مرتبہ بھری محفل میں وعظ کر رہے تھے کہ ایک چرواہا آپ سے کہنے لگا کہ کیا تم فلاں فلاں جگہ میرے ساتھ بکریاں نہیں چرایا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، بات ایسی ہی ہے۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ تم اس مرتبہ پر کیسے فائر ہوئے؟ آپ نے جواب دیا کہ سچ بولنے اور لایعنی کلام سے احتراز کرنے کے سبب (۵)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکمت کے باعث قرآن حکیم کو بلند

1- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 509
2- تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 67، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 509
3- تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 67
4- تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 67-68، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 519
5- تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 68

مقام عطا فرمایا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے جو پہلے آپ کو جانتا تھا، آپ سے کہا کہ کیا تم وہی غلام نہیں ہو جو کل تک مکرمیناں چرایا کرتے تھے؟ فرمایا: میں وہی ہوں، اس نے دریافت کیا کہ پھر یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا: اللہ کے فضل، امانت کی ادائیگی، راست گوئی اور لائسنی چیزوں کو ترک کرنے کے سبب۔ یہ تمام آذہ صراحتاً یا اشارتاً اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے کیونکہ ان میں مذکور ہے کہ آپ غلام تھے اور غلام ہونا منصب نبوت پر فائز ہونے کے متنافی ہے۔ انبیاء کرام علیہ السلام حسب و نسب اور خاندانی لحاظ سے سب سے اعلیٰ اور برتر ہوا کرتے ہیں اس لئے جمہور مسنف کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ نبی نہیں تھے۔ صرف حضرت مکرمرحمت اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نبی تھے (1)۔ بشرطیکہ یہ روایت ثابت ہو کیونکہ اس کے ایک راوی جابر بن یزید جعفی ضعیف ہیں۔ ایک آدمی حضرت لقمان سے کہنے لگا کہ کیا تم بنی الحسام کے غلام نہیں؟ فرمایا: واقعی ہوں۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا تم چرواہے نہیں ہو؟ فرمایا: بات اسی طرح ہے۔ پھر پوچھے لگا کہ کیا تم سیاہ فام نہیں؟ فرمایا کہ بظاہر ایسا ہی ہے لیکن تمہیں مجھ پر تعجب کیوں ہو رہا ہے؟ وہ شخص کہنے لگا کہ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس ہر وقت لوگوں کا جھوم رہتا ہے اور لوگ بڑی عقیدت اور شوق سے تمہاری باتیں سنتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ اگر تم میری باتوں پر عمل کرو تو تم بھی میرے جیسے بن سکتے ہو۔ سنو لگا کہ نیچا رکھنا، زبان کو قویا میں رکھنا، حلال کھانا کھانا، شرمگاہ کی حفاظت کرنا، سچ بولنا، وعدہ ایفاء کرنا، مہمان کی عزت کرنا، پڑوسی کا خیال رکھنا اور لائسنی باتوں کو ترک کرنا میرا شیوہ ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے باعث میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت لقمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کسی امیر اور بڑے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی ان میں زیادہ دنیاوی خصوصیات پائی جاتی تھیں بلکہ وہ سیدھے سادھے خاموش طبع شخص تھے، اکثر غور و فکر میں مشغول رہتے، گہری نظر والے تھے، دن کو کبھی نہ سوتے تھے، کسی نے کبھی انہیں نہ تھوکتے دیکھا، نہ تاک صاف کرتے، نہ پیشاب کرتے، نہ فضائے حاجت کرتے، نہ غسل کرتے، نہ ہنستے اور نہ لبو و لعاب میں مصروف دیکھا ان کی ہر بات حکمت سے لبریز ہوتی تھی۔ اپنی اولاد کی وفات پر وہ روئے تک نہیں۔ بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس اس لئے جاتے تاکہ وہ غور و فکر کریں اور عبرت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں یہ اعلیٰ مقام نصیب ہوا (2)۔ قنادہ سے ایک غریب اثر مروی ہے کہ لقمان حکیم کو نبوت اور حکمت کے درمیان اختیار دیا گیا تو انہوں نے نبوت کی بجائے حکمت کو اختیار کر لیا۔ وہ سوئے ہوئے تھے کہ جبریل علیہ السلام آئے اور ان پر حکمت برسادی۔ صبح ہوئی تو حکیمانہ باتیں زبان پر جاری ہو گئیں۔ قنادہ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا کہ جب آپ کے رب نے آپ کو اختیار دیا تو آپ نے نبوت پر حکمت کو کیوں ترجیح دی؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر مجھے منصب نبوت پر فائز کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا تو میں اسے قبول کر لیتا اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست کرتا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا تو مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ شاید میں اس منصب کی ذمہ داریوں کو نہ نبھاسکوں، اس لئے میں نے حکمت کو پسند کر لیا۔ اس روایت میں سعید بن بشر راوی کے سبب ضعف ہے۔ حضرت قنادہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو حکمت یعنی دین اسلام کی سمجھ عطا فرمائی۔ نہ وہ نبی تھے اور نہ ان کی طرف وحی اتری۔ فرمایا: وَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ۔ یعنی ہم نے لقمان کو فہم، علم اور تعبیر کی صلاحیت سے نوازا اور انہیں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا جو فضل و کرم تمہیں ارزانی ہوا اور دوسروں پر جو فضیلت تمہیں بخشی گئی اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ پھر فرمایا: وَعَنْ يَسَّكَرٍ... یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اس کا نفع

اور ثواب اسے ہی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ عَسَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بِنَهْدُونَ (الرہوم: 44) ”اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو وہ اپنے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں“۔ پھر فرمایا: وَهَذَا نَفْسَانِ اللَّهِ عَنِّي حَبِيبٌ لِّعَنَى اللَّهِ تَعَالَىٰ بِنَدُونٍ سے بے نیاز ہے۔ اگر تمام زمین والے اس کی ہاشمیری کریں تو بھی اسے کوئی نقصان نہیں کیونکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

وَإِذْ قَالَ لِقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يُعْطِيهِ يَبْنِي لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ①
 وَصَيًّا لِلْإِنْسَانِ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهَذَا عَمَلٌ وَهِنٌ وَفِطْرُهُ فِي عَمَلَيْنِ إِنِ اشْكُرْتَنِي وَ
 لِيُؤَدِّيكَ ۚ إِلَىٰ النَّصِيذِ ② ۚ وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا كَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ فَلَا
 تُطَعَّهُمَا وَصَاحِبَهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۚ وَالسَّبِيحَ سَبِيحًا ۚ مَنْ آتَاكَ مِنَ الْغَنِيِّ فَاعْتَمِدْ ③
 فَأَنْبِئْهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ④

”اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا اسے نصیحت کرتے ہوئے اسے میرے پیارے فرزند! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔ اور ہم نے تاکید کی حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ شکر میں اٹھائے رکھا ہے اسے اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے (اس لئے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ (آخر کار) میری طرف ہی (تمہیں) لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ دباؤ ڈالیں تم پر کہ تو میرا شریک ٹھہرائے اس کو جس کا تجھے علم تک نہیں، تو ان کا یہ کہنا نہ مانا البتہ گزار ان کرو ان کے ساتھ دنیا میں خوبصورتی سے۔ اور چروٹی کرو اس کے راستہ کی جو میری طرف ناکل ہوا۔ پھر میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے، پس میں آگاہ کروں گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے۔“

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو بندہ نصیحت کی، اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ لقمان بن عقیق بن سعد بن تھے۔ ایک قول کے مطابق ان کے بیٹے کا نام نارمان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ یہاں بہترین وصف کے ساتھ ان کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے نہایت قیمتی مواضع سے اپنے بیٹے کے دامن کو بھر دیا اور ظاہر ہے کہ اولاد انسان کو سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ سب سے زیادہ دلی تعلق ہوتا ہے، اس لئے، ہی اس بات کی مستحق ہے کہ اس کا باپ اسے سب سے زیادہ مغیر اور انمول چیز عطا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت لقمان رحمت اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے پہلے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیا۔ پھر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ یعنی شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری: أَلَمْ يَرِيعْ أَصْنُوْا أَوْلَادَهُمْ بِلُحْيِهِ (الانعام: 83) تو یہ صحابہ کرام پر بہت شاق گزری۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی ظلم نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظلم سے مراد عام گناہ نہیں بلکہ اس سے مراد وہ ظلم ہے جس کا ذکر لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کیا تھا: يَبْنِي لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (1)۔ اللہ وحدہ لا

شریعت کی عبادت اور شرک سے اجتناب کی وصیت کرنے کے بعد والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے کی نصیحت کی جیسا کہ فرمایا: وَصَلَّى رَبُّكَ اَنْ لَا تُعْبَدُ فَاِنَّكَ اِيَاَهُ دَعَا لِيَدْعِيَ اِلَيْهِ اِحْسَاً (بنی اسرائیل: 23) ”اور آپ کے رب نے علم دیا ہے کہ نہ عبادت سردگمراں کی اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ قرآن کریم میں عموماً ان دونوں چیزوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں فرمایا: وَصَلَّى رَبُّكَ اَنْ لَا تُعْبَدُ فَاِنَّكَ اِيَاَهُ دَعَا لِيَدْعِيَ اِلَيْهِ اِحْسَاً اور ضعف، تکلیف اور مشقت، اور اس کی تربیت میں لگی رہتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَانَّ الْاِذْنَ يُضَعْفَنُ اَوْلَادَهُمْ حَتَّى يَكُونُوا كَالْحِيَابِ اَنْ يَسْتَمِرُّوا فِيهَا (البقرہ: 233) ”اور نہیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (بندت) اس کے سنے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہتا ہے۔ اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر ائمہ نے استنباط کیا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے کیونکہ ایک دو مہر کی آیت میں فرمایا: وَحَلَّتْهُ وَفَطَلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (الاحقاف: 15) ”اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان مہر آرزو اور جنکسل مراحل کا ذکر کرتا ہے جن سے گزر کر ماں اپنی اولاد کی تربیت کرتی ہے اور اپنے بچوں کی خاطر دن رات جاگ کر مشقت اٹھاتی اور تھکاوٹ کا شکار ہوتی ہے تاکہ اولاد اپنی ماں کے احسان کو یاد رکھے جیسا کہ فرمایا: وَقُلْ رَبِّ اِنِّىْ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُ سَائِرِ الْبَشَرِ (بنی اسرائیل: 24) ”اور عرض کرو اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔“ یہاں فرمایا: اَيْنَ الشُّكْرِ لِيْ وَيَوْمَ الْاَدْيَانِ اِنَّ اِيَّكَ تَصِيَّبُ لِعْنِيْ مِثْرًا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو، تمہیں لوٹ کر میرے پاس ہی آتا ہے اور میں تمہیں اس کا وافر بدلہ دوں گا۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنا کر ہر طرف بھیجا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر خطبہ دیا جس میں حمد و ثناء کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا فرستادہ ہوں اور میں یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ تم لوگ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور میری اطاعت کرو، میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کروں گا، سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے پھر جنت یا جہنم میں داغی ٹھکانا ہوگا، وہاں سے نہ کوچ ہوگا اور نہ موت آئے گی۔ پھر فرمایا: وَاِنْ جَاهَلْتُمْ ... لِعْنِيْ اَرْوَهُ دَبَاؤُهُ اَلْ كَرْتَمِيْ اِنَّا نَغِيْرُ اِسْلَامِيْ دِيْنِ قَبُوْلِ كَرْنِيْ پْرِ مَجْمُوْر كَرِيْمِ تُو ہرگز ان کی یہ بات نہ مان لیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم دین میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے بھی ہاتھ کھینچ لو، بلکہ اچھے طریقے سے ان کے ساتھ گزارنا کرو، ان کے دنیوی حقوق ادا کرو اور ان اہل ایمان کی راہ اپناؤ جنہوں نے میری طرف رجوع کیا، پھر تم سب کو میری طرف لوٹا ہے اور میں تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کروں گا۔ طبرانی میں ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت وَاِنْ جَاهَلْتُمْ میرے بارے میں نازل ہوئی۔ میں اپنی ماں کا بہت فرمانبردار اور خدمت گزار تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو میری ماں بہت برا فروخت ہوئی اور مجھے کہنے لگی کہ اے سعد! یہ تم نے کون سا نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ تم اس نئے دین سے منحرف ہو جاؤ ورنہ میں کھانا پینا ترک کر دوں گی اور یونہی بھوکو مر جاؤں گی اور لوگ تمہیں اپنی ماں کا قاتل کہہ کر عار دلا لیا کریں گے۔ میں نے اپنی ماں سے کہا کہ ایسا مت کیجئے، میں اپنے دین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہی۔ اس نے تین دن فاسقے میں گزار دیئے۔ اب اس کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو فیصلہ کن انداز میں اپنی ماں سے کہا کہ یقین کر لو اگر تمہاری سوچا نہیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے نکل جائیں تو بھی میں اپنے دین سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہے تو کھانا شروع کر دو ورنہ اس کی طرح فاسقے میں رہو۔ میرا یہ عزم محمد ﷺ دیکھ کر اس نے بھوک بڑھانا ختم کر دی (1)۔

يُبَيِّنُ اِنَّهَا اِنْ تَكَ وَمَثَالَ حَبَّةٍ مِنْ حَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمَوَاتِ اَوْ فِي
الْاَرْضِ يَأْتِي بِهَا اللهُ - اِنَّ اللهَ لَصَيِّفٌ حَبِيْبٌ ﴿٧٠﴾ لِيُبَيِّنَ اَقِيَمَ السَّلُوَّةَ وَاَمُرًا بِالْمَعْرُوْفِ
وَاِنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ عَلَى مَا اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزِيْرِ الْاُمُوْرِ ﴿٧١﴾ وَلَا تَصْعَقْ
حَدٰكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَنْشِ فِي الْاَرْضِ مَرْحًا - اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ وَّخُوْبٍ ﴿٧٢﴾
وَاَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْفَكَ الْاَصْوَابُ اَصْوَابُ الْحَيٰوةِ ﴿٧٣﴾

” (القمان نے کہا) پیارے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر وزنی یا بھر وہ کسی چنان میں یا آسمانوں یا زمین میں (چھگی) ہو تو لے آئے گا سے اللہ تعالیٰ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے۔ میرے پیارے بچے! نماز صحیح ادا کیا کرو، نیکی کا ہم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے۔ بے شک وہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ اور (تکبر کرتے ہوئے) نہ پھیر لے اپنے رخسار کو لوگوں کی طرف سے اور نہ چلا کر زمین میں اترتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کسی گھمنڈ والے، فخر کرنے والے کو۔ اور درمیانہ روی اختیار کرنا اپنی رفتار میں اور دھیمی کراہی آواز۔ بے شک سب سے وحشت انگیز آواز گدھے کی آواز ہے۔“

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی مزید وصیتیں اور حکمت بھری باتیں بیان ہو رہی ہیں تاکہ لوگ انہیں اپنے لئے مشعل راہ بنائیں اور ان کی پیروی کریں۔ فرمایا: لِيُبَيِّنَ اِنَّهَا اِنْ تَكَ یعنی اگر رائی کے دانہ کے برابر وزنی کوئی ظلم، زیادتی یا گناہ ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس وقت لا حاضر کرے گا جب عدل و انصاف کے ترازو نصب کئے جائیں گے اور اچھے برے اعمال کی جزا دی جائے گی جیسا کہ فرمایا: وَنُصَّبُ اِمْوَارِيْنِ الْقِسْطِ لِيُبَيِّنَ وَاَنْتِمْ تَفْقَهُوْنَ نَفْسَ شَيْءٍ (الانبیاء: 47) ”اور ہم قیامت کے دن صحیح تولنے والے ترازو رکھیں گے پس کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ کیا جائے گا۔“ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧٠﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٧١﴾ (الزلزال: 7-8) ”پس جو ذرہ برابر نیکی کرتا ہے وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرتا ہے وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔“ اللہ تعالیٰ رائی کے دانہ جیسی چیز بھی ظاہر کر دے گا اگرچہ وہ کسی چنان کے اندر پوشیدہ ہو یا زمین و آسمان کے کسی کونے میں چھپی ہوگی جو یہ کہہ لے کہ اللہ تعالیٰ پر ایک ذرہ کے برابر وزنی چیز بھی صحیح نہیں اس لئے فرمایا: اِنَّ اللهَ لَصَيِّفٌ حَبِيْبٌ لِيُبَيِّنَ اللہ تعالیٰ بہت باریک بین اور لطیف مہم والا ہے۔ تمام اشیاء خواہ وہ کتنی ہی باریک، لطیف اور معمولی ہوں، اس سے اجھل نہیں، وہ تو سخت اندھیری رات میں چوٹیوں کے ریٹلے سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ”اِنَّهَا“ کی ضمیر ضمیر شان و قصد ہے۔ اس صورت میں انہوں نے ”مَثَقَالَ“ کو مرفوع پڑھنا جائز قرار دیا ہے لیکن یہ سلا قول ہی زیادہ موزوں ہے کہ اس ضمیر کا مرجع مظلمہ (ظلم و زیادتی) یا ”عَصِيْبَةٌ“ (برائی) ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ”صَخْرَةٍ“ سے مراد وہ چنان ہے جو سوا زمین کے نیچے ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت سے یہ قول مروی ہے۔ سدی نے اس کی استاذ کر کی ہیں بشرطیکہ وہ صحیح ہوں۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ قول ان اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے جن کی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب۔ بظاہر اس کا یہی معنی ہے کہ اگر کوئی معمولی اور حقیر سا دانہ بھی کسی چنان کے اندر ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے مہم لطیف سے اسے بھی ظاہر کر دے گا جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تیرے سے کوئی شخص کسی ایسی ٹھوس چنان کے اندر کوئی عمل کرے جس میں نہ

کوئی دروازہ ہو اور نہ کوئی سوراخ، تو اس کا عمل جیسا بھی ہو لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے گا' (1)۔ پھر فرمایا: **يَهَيِّئْ اَقِيمَ السَّلَاطَةَ**۔ یعنی اسے میرے بیٹے! نماز کو صحیح صحیح ادا کرو اور اس کی حدود، شرائط و فرائض اور اوقات کی پابندی کرو، مقدور و بھرتی کی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو اور مصعب پر صبر کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بہت کٹھن ہے۔ اس راہ میں لوگوں کی مخالفت اور ایذا کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے یہاں صبر کا حکم دیا اور فرمایا کہ لوگوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنا بہت بہت اور جو امر دینی کا کام ہے۔ پھر فرمایا: **وَلَا تَصْبِرْ حَتَّىٰ تَلْمِزَ نَفْسًا** یعنی گفتگو کرتے وقت ازراہ غرور و نخوت لوگوں سے اپنا چہرہ نہ پھیر لیا کرو بلکہ نرمی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا کرو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ کشادہ روی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا بھی سبکی ہے، تمہند کو کٹھن سے بچنا نہ کرو کیونکہ یہ تکبر ہے اور تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں" (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ **وَلَا تَصْبِرْ حَتَّىٰ تَلْمِزَ نَفْسًا** کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو تم تکبر و غرور کے باعث اللہ کے بندوں کو حقیر جانو اور جب وہ تمہارے ساتھ کلام کریں تو تم ان سے اپنا منہ موڑ لو۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ اس حالت میں گفتگو نہ کرو کہ تم اعراض کئے ہوئے ہو۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے یا چھیں کھول کر گفتگو کرنا۔ صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ فعل صعر سے ماخوذ ہے اور صعر ایک ایسی بیماری ہے جو اونٹوں کی گردن یا سر میں ظاہر ہوتی ہے اور اس سے گردن نیڑھی ہو جاتی ہے۔ متکبر شخص کو اس سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے (3)۔

وَ كُنَّ إِذَا انْجَبَارٌ صَعَرَ عَضُّهُ اَقْنَأَ لَهُ مِنْ مِثْلِهِ فَتَقَوَّمَا

یعنی جب کوئی جاہل ازراہ تکبر اپنا رخسار پھیر لیتا ہے تو ہم قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کی کبھی کو درست کر دیتے ہیں تو وہ سیدھا ہوا جاتا ہے۔ پھر فرمایا: **وَلَا تَمِيزْ فِي الْاَنْرِضِ مَرَحًا** یعنی زمین پر تکبر، سرکشی اور غرور سے اتراتے ہوئے نہ چلو کیونکہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اس لئے فرمایا: **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَكْنُ مَخَالٍ مُّخَالٍ** یعنی اللہ تعالیٰ ہر گھمنڈ کرنے والے اور غرور کرنے والے خود پسند کو محبوب نہیں رکھتا۔ ایک اور مقام پر فرمایا: **وَلَا تَمِيزْ فِي الْاَنْرِضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَنْرِضَ وَاَنْ تَهْلِكَ الْوَجِيَالُ ضَوْلًا** (بنی اسرائیل: 37) اس کی وضاحت اس کے مقام پر گزر چکی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تکبر کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی سخت مذمت کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہر خود پسند اور متکبر کو پسند نہیں کرتا۔" اس پر ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے کپڑے دھوتا ہوں تو مجھے ان کی صفائی اور سفیدی بھلی لگتی ہے، اسی طرح مجھے اپنے جوتے کا تسمہ اور اپنے کوزے کا غلاف بہت اچھا لگتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تکبر اس چیز کا نام نہیں، تکبر تو یہ ہے کہ تو حق کی بے حرمتی کرے اور لوگوں کو حقیر خیال کرے" (4)۔ یہ روایت ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ اس میں ایک طویل قصہ ہے اور اس میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے انتقال اور آپ کی وصیت کا بھی ذکر ہے (5)۔ پھر درمیانی چال چلنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: **وَاَوْحِشْ فِي صَهْبِكَ** یعنی اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو، نہ بالکل سست اور نہ بہت زیادہ تیز بلکہ اعتدال کے ساتھ۔ اس کے بعد گفتار کا ادب سکھاتے ہوئے فرمایا: **وَاَخْطِضْ مِنْ صَوْتِكَ** یعنی کلام میں مبالغہ نہ کرو اور نہ اونچی آواز سے بے فائدہ گفتگو کرو کیونکہ سب سے زیادہ بھیانک اور وحشت انگیز آواز گدھے کی ہے۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ قبیح ترین آواز گدھے کی ہے۔

3۔ دیوان التمس: 24

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 56

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 28

5۔ تحفہ تکبر، جلد 2 صفحہ 70-71

4۔ تحفہ تکبر، جلد 2 صفحہ 69

چنانچہ جو شخص بلاوجہ چیختا چلاتا ہے اسے گدھے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ واللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض بھی ہوتا ہے۔ گدھے کے ساتھ یہ تشبیہ اس کی حرمت اور اسکے انتہائی مذموم ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بری مثالیں ہمیں زیبا نہیں، اپنی ہسکتی ہوئی چیز کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو تے کر کے پھر اسے چاٹ لیتا ہے“ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کرو اور جب گدھے کے بیٹنے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ وہ شیطان کو دکھتا ہے“ (2)۔ یہ تو حضرت لقمان کی وہ نفع بخش وصیتیں ہیں جو قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی متعدد مواعظ اور حکیمانہ اقوال ان سے مروی ہیں۔ بطور نمونہ اور دستور کے ان میں سے بعض کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لقمان حکیم کہا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز سوچ دی جائے تو وہ اس کی حفاظت کرتا ہے“ (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے بیٹے! اذھانا باندھنے سے اجتناب کرو کیونکہ یہ رات کو خوفزدہ کرنے والی اور دن کو مذمت والی چیز ہے“ (4)۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ حکمت مسکینوں کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔ فرمایا کہ جب تم کسی محفل میں جاؤ تو انہیں سلام کرو پھر ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ جب تک وہ گفتگو نہ کریں، خاموش رہو۔ اگر وہ اللہ کا ذکر کریں تو بغیر کسی تاخیر کے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور اگر وہ کسی دوسری چیز میں لگ جائیں تو تم ان سے الگ ہو جاؤ۔ حفص بن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان نے رائی سے بھری ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی اور اپنے بیٹے کو وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ ہر نصیحت کے بعد تھیلی سے ایک دانہ نکال لیتے۔ جب تھیلی خالی ہو گئی تو اپنے بیٹے سے فرمانے لگے کہ اگر میں اس قدر وعظ و نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے بیٹے کا بھی یہی حال ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صیہوں کا خیال رکھو کیونکہ ان میں سے تین اہل جنت کے سرداروں میں سے ہیں: ”لقمان حکیم، نجاشی اور بلال مؤذن“ (5)۔

گمنامی اور تواضع کا بیان

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اس کی بھی وصیت کی تھی۔ حافظ ابو بکر بن ابی الدینانے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ اس میں سے ہم بعض اہم باتیں ذکر کرتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہمت سے پرانگندہ بالوں والے اور بوسیدہ کپڑوں والے ایسے لوگ ہیں جنہیں لوگوں کے دروازوں سے دھکا دیا جاتا ہے لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی قسم اٹھالیں تو وہ ضرور ان کی قسم پوری کرتا ہے“ (6)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ براء بن مالک انہی میں سے ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان متقی صاحب ثروت لوگوں کو مبارک ہو کہ جب وہ لوگوں کے سامنے آئیں تو انہیں کوئی پہچانتا نہیں اور جب وہ غائب ہوں تو کوئی ان کا حال دریافت نہیں کرتا۔ یہ چراغ ہیں جو ہر پرانگندہ کرنے والے غبار آلود فتنہ سے محفوظ ہیں“۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو روضہ

1- صحیح بخاری، کتاب الہجۃ، جلد 3 صفحہ 215، صحیح مسلم، کتاب الہجۃ، جلد 5 صفحہ 1240-1241

3- مسند احمد، جلد 2 صفحہ 87

2- صحیح بخاری، کتاب بدو الخلق، جلد 4 صفحہ 155، صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2092

6- مسند احمد، جلد 3 صفحہ 145

5- معجم تیسیر، جلد 11 صفحہ 198، صحیح الرواد، جلد 4 صفحہ 236

رسول ﷺ کے پاس روتے ہوئے دیکھتے تو ان سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ وہ کہنے لگے کہ میرے رونے کا سبب ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”معمولی سی ریاکاری بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ ان مفتی صاحب ثروت و منام لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جنہیں ان کی عدم موجودگی میں یاد نہیں کیا جاتا اور موجودگی میں انہیں پہچانا نہیں جاتا۔ ان سے دل ہدایت کے چراغ ہیں اور یہ ہر غبار آلود تاریکی سے نجات یافتہ ہیں“ (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بعض ایسے بوسیدہ اور پھلے پرانے کپڑوں والے ہیں جنہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی لیکن (اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا یہ مقام ہے کہ) اُروہ اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھ لیں تو وہ ضرور ان کی قسم پوری فرمادے۔ اُروہ کہیں؟ یا اللہ اہم تم سے جنت کا سوال کرتے ہیں تو وہ انہیں ضرور جنت مرحمت فرمادے اگرچہ اس نے انہیں دنیا سے محروم ہی رکھا ہو۔“ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اگر تمہارے دروازے پر آ کر دروہ دینا یا ایک پیسہ بھی مانگیں تو اسے وہ بھی نہ دے۔ اُروہ اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کریں تو وہ ضرور انہیں عطا فرما دے لیکن اُروہ دنیا کا سوال کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا نہ عطا کرے اور نہ ہی ان سے روہ کیونکہ دنیا بے وقعت چیز ہے۔ یہ عودا پھٹی پرانی وہ چادروں میں ملیں رہتے ہیں۔ انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی لیکن ان کا مقام یہ ہے کہ اگر یہ قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم کو پورا کرے“ (2)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت کے بادشاہوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو پراگندہ بالوں والے، غبار آلود چہروں والے اور وہ بوسیدہ چادریں پہننے والے ہیں، انہیں کسی خاطر میں نہیں لایا جاتا۔ جب یہ امراء کے پاس جانے کے لئے اجازت طلب کرتے ہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی، جب یہ شادی کے لئے رشتہ مانگتے ہیں تو انہیں رشتہ نہیں ملتا اور جب یہ بات کرتے ہیں تو ان سے منصفانہ برتاؤ نہیں کیا جاتا، ان کی ضروریات اور آرزوئیں ان کے سینوں میں ہی دم توڑ دیتی ہیں۔ قیامت کے دن انہیں اس قدر نور میسر ہوگا کہ اُرا سے لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو سب کو کافی ہو جائے۔ عبد اللہ بن مبارک اپنے اشعار میں کہتے ہیں کہ بوسیدہ کپڑوں والے وہ لوگ جنہیں دنیا میں کوئی اہمیت اور وقعت نہیں دی جاتی، انہیں جنت میں ایسا مقام حاصل ہوگا جہاں عالی شان مسندیں چھگی ہوں گی، گدھے بٹھے لگے ہوں گے، ان کے مخلات کے ارد گرد انوار و تجلیات کی بارش ہوگی اور باغات کی پر بہار رضاؤں میں یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے شاد کام ہو رہے ہوں گے“ (3)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے سب سے زیادہ محبوب دلی وہ مؤمن ہے جو کم مال والا اور نمازی ہو، اپنے رب کی خوب عبادت کرے اور خلوت میں بھی اپنے رب کو یاد کرے، لوگوں میں گناہ ہو اور اسے کوئی شہرت حاصل نہ ہو بشرطیکہ وہ اس پر صبر کرے۔“ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ جھڑ کر فرمایا: ”اس کی موت جلد آ جائے، اس کی میراث کم ہو اور اس پر رونے والیوں بھی قلیل ہوں“ (4)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب بندے غرباء ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ غرباء کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ لوگ جو متاع ایمان کو خطرہ لاحق ہونے پر اپنے دین کو لے کر کسی اور جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے دن انہیں حضرت یسعی علیہ السلام کے ساتھ جمع کیا جائے گا (5)۔ فضل بن عیاض کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمانے گا کہ کیا میں نے تم پر انعام نہیں فرمایا؟ کیا میں نے تمہیں عطا نہیں کیا؟ کیا میں نے تمہیں چھپایا نہیں؟ کیا میں نے یہ نہیں کیا؟ کیا میں نے تمہیں نیک نامی نہیں

1- التواضع، انوار ابن ابی الدین، 28-30

2- تواضع و تقوا، ابن ابی الدین، 15-17

3- التواضع، انوار ابن ابی الدین، 28-30

4- التواضع، انوار ابن ابی الدین، 42-43

5- وصلة التواضع، ابواب الزبد، جلد 9، صفحہ 209، مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 252-253

بخش؟ پھر حضرت فضیل فرمے نے لگے کہ اگر ہو سکتے تو گنم رہو۔ اس صورت میں اگر لوگ تمہاری تعریف نہ کریں تو بھی کوئی حرج نہیں اور اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم لوگوں کے ہاں مذموم ہو بشرطیکہ اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب رکھتا ہو۔ ابن مجیر نے دعایا کرتے تھے: یا اللہ! میں تم سے گمانی کی درخواست کرتا ہوں۔ ظلیل بن احمد یہ دعا کرتے تھے: یا اللہ! مجھے اپنی نظروں میں بلند مقام صفا فرما اور مجھے میری نظروں میں حقیر بنا دے اور لوگوں کی نگاہوں میں مجھے اسطو رہے کا بنا دے (1)۔

شہرت کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کو یہی شرک کافی ہے کہ اس کی دینداری یا دنیا داری میں لوگ انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کر کے اسے شہرت دیں (بجز اس کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) اور اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے“ (2)۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت مرسل مروی ہے۔ جب آپ نے یہ روایت بیان کی تو کسی شخص نے آپ سے کہا کہ آپ کی طرف بھی تو انگلیوں کے ساتھ اشارے کئے جاتے ہیں یعنی آپ کو شہرت حاصل ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دین کے بارے میں بدعت کے ساتھ اور دنیا کے متعلق فسق و فجور کیساتھ کسی پر انگلیاں اٹھیں (3)۔ حضرت یحییٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حصول شہرت میں نہ پروہ، اپنے آپ کو اونچا نہ کرو کہ لوگوں میں تمہارے تذکرے ہونے لگیں، علم حاصل کرو، گناہ نہ رہو اور خاموشی اختیار کرو، سماجی پا جاؤ گے، نیکو کاروں کو خوش رکھو اور بدکاروں کو غضبناک کرو۔ ابراہیم بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہرت کو محبوب رکھنے والا اللہ کا دوست نہیں۔ ابوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا دوست پسند کرتا ہے کہ اس کے مقام و مرتبہ پر کوئی آگاہ نہ ہو۔ محمد بن علاء فرماتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتا ہے، وہ اس بات کو بھی محبوب رکھتا ہے کہ لوگ اسے نہ پہچانیں۔ سہاک بن سلمہ فرماتے ہیں کہ زیادہ دوست بنانے سے اجتناب کرو۔ ابان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر تم اپنے دین میں حافیت اور سلامتی کے خواہاں ہو تو لوگوں سے تم جانا پہچانا رکھو۔ حضرت ابویا علیہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس تین سے زیادہ آدمی جمع ہو جاتے تو وہ ہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ حضرت طلحہ نے اپنے ساتھ لوگوں کا جوم دیکھا تو فرماتے لگے: طبع کی کھیاں اور آگ کے پروانے۔ لوگ حضرت حظلہ کو گھیرے کھڑے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو اپنا کوزا اتان کر فرمایا کہ اس میں تابع کی ذلت اور متبوع کے لئے فتنہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو بہت سے لوگ آپ کے ساتھ ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں میری پوشیدہ باتوں کا علم ہو جائے تو تم میں سے دو آدمی بھی میرے پیچھے چلنا گوارا نہ کریں۔ حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ جب ہم کسی مجلس کے پاس سے گزرتے اور ہمارے ساتھ حضرت ابوب رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تو ان کے سلام کرنے پر لوگ سختی سے سلام کا جواب دیتے۔ یہ ایک نعمت تھی۔ حضرت ابوب رحمۃ اللہ علیہ لمبی قمیض پہنتے۔ اس بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ پہلے زمانہ میں قمیض لمبا کرنے میں شہرت تھی اور اب قمیض چھوٹا رکھنے میں شہرت ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے نبی کریم ﷺ کے جوتوں جیسے جوتے بنوائے اور انہیں کچھ دن پہننے کے بعد اتار دیا اور فرمایا کہ لوگ ایسے جوتے نہیں پہنتے۔ ابراہیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسا لباس مت پہنو جو شہرت کا باعث بنے اور ایسے لباس سے بھی احتراز کرو جسے دیکھ کر لوگ نفرت کرنے لگیں۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سف صالحن نہ تو اتنا عمدہ اور قیمتی لباس پہنتے تھے جس کے سبب انہیں شہرت حاصل ہو اور لوگ لگا ہیں اٹھا اٹھا کر اسے، یکمیں اور نہ ہی اتنا گھبرا

لباس پہننے تھے جو ذلت نفس اور حقارت دین کا باعث بنے۔ ابو قلاب کے پاس ایک شخص نہایت قیمتی پوشاک پہنے ہوئے آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس بیگنے والے گندھے سے بچو۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے دلوں میں تکبر اور کینڑوں میں تواضع ڈال رکھی ہے۔ ایک چادر والا ایک بھٹوڑی والے سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نئی اسراٹکل سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہے تم میرے پاس درویشوں کے لباس میں لیکن بھٹڑیوں جیسے دلوں کے ساتھ آتے ہو۔ بادشاہوں جیسا لباس پہن لیکن دلوں کو خوف خدا سے نرم رکھو (1)۔

حسن خلق کا بیان

رسول اللہ ﷺ سب سے اچھے اخلاق والے تھے (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! کون سا مومن بہتر ہے؟ فرمایا: ”سب سے اچھے اخلاق والا“۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ”ایک بندہ حسن خلق کے باعث آخرت کے درجات اور جنت میں اعلیٰ مقامات حاصل کر لیتا ہے حالانکہ وہ کلمہ عبادت کرنے والا ہوتا ہے اور ایک عبادت گزار اپنی بد خلقی کے سبب جہنم کے گڑھوں میں پہنچ جاتا ہے“ (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور مرفوع حدیث مروی ہے: ”حسن خلق دنیا و آخرت کی خیر کا موجب ہے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: ”بندہ اپنے حسن خلق کی وجہ سے رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ پالیتا ہے“ (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حصول جنت کا عموماً کیا موجب ہے؟ فرمایا: ”خوف خدا اور حسن اخلاق“۔ پھر آپ سے جہنم میں لے جانے والی چیزوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”دو کھوکھلی چیزیں: منہ اور شرمگاہ“ (5)۔ ایک مرتبہ بہت سے اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! انسان کو سب سے بہتر چیز کون سی عطا ہوئی ہے؟ فرمایا: ”حسن خلق (6)“۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میزان میں حسن خلق سے زیادہ وزنی چیز کوئی نہیں (7)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ”تم میں سے سب سے زیادہ بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں“ (8)۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس طرح راہ خدا میں جہاد کرنے والے کو صبح و شام اتھماتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بندے کو حسن اخلاق پر بھی ثواب عطا فرماتا ہے“ (9)۔ حضرت ابولہب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ”تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اور تم میں میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت اور جنت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ ہیں جو بد اخلاق، باہجیس پھیلا پھیلا کر فضول گوئی کرنے والے اور بد زبان ہوں“ (10)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ”کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تم میں سے کامل ایمان والے کون ہیں؟ وہ جو تم میں سب

1- التواضع و الخصال: 193

2- فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 582، صحیح مسلم، کتاب الاصل، جلد 4 صفحہ 1805

3- سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 252، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 64-90-132

4- سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 1418

5- مستدرک، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 121، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 198-199، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 279

6- خاتمة الاحوال، ابواب البر والصلوة، جلد 8 صفحہ 167-168، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 442

7- صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 16، صحیح مسلم، کتاب الاصل، جلد 4 صفحہ 1810

8- التواضع و الخصال: 225

9- مسند احمد، جلد 4 صفحہ 193

سے زیادہ اچھے اخلاق والے اور تواضع کرنے والے ہیں جو دوسروں سے محبت کرتے ہیں اور دوسرے ان سے محبت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی سیرت اور صورت کو خوبصورت بنایا ہے وہ اسے آگ کا لقمہ نہیں بنائے گا۔“ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے ”وہ خصلتیں ایسی ہیں جو کسی مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں: بخل اور بد خلقی۔“ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں بد خلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ بد اخلاق ایک گناہ سے نکل کر دوسرے گناہ میں پڑ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ہاں بد خلقی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق گناہوں کو اس طرح گھٹا دیتے ہیں جس طرح سورج برف کو پگھلا دیتا ہے اور برسے اخلاق اعمال کو اس طرح فاسد کر دیتے ہیں جس طرح سرکہ شہد کو (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ”تم لوگوں کو مال سے اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتے بلکہ شہدہ پیشانی اور خوش خطنی سے انہیں اپنا بنا سکتے ہو۔“ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ خوش خلقی دینی امور میں معاون ہے۔

تکبر کی مذمت کا بیان

حضور ﷺ فرماتے ہیں: ”وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو اور وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو“ (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہے، اسے اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا“ (3)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک آدمی خود پسندی کا شکار رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں جاہلوں کی فہرست میں لکھ لیا جاتا ہے اور اسے انہی جیسا عذاب پہنچتا ہے“ (4)۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر رونق افروز ہوئے۔ دولاکھ انسان اور دو لاکھ جن ساتھ تھے۔ آپ کو آسمان تک بلند کیا گیا یہاں تک کہ آپ فرشتوں کی تسبیح کی آواز سننے لگے پھر آپ کو نیچے لایا گیا یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سمندر کے پانی کو چھونے لگے۔ پھر آپ کو ایک آواز سنائی دی جو یہ پیغام دے رہی تھی کہ اگر ان کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوتا تو انہیں جس قدر بلند کیا گیا تھا، اس سے بھی زیادہ نیچے انہیں دھنسا دیا جاتا (5)۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے انسان کی پیدائش کا ذکر کیا اور فرمایا کہ انسان دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے۔ آپ کا یہ بیان ایسا تھا کہ سامعین سے ہر شخص خود کو حقیر سمجھنے لگا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے دو شخصوں کو قتل کیا وہ بڑا سرکش اور جاہل ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اَنْ تَرِيْدُ اَنْ تَكْفُرْ بِرَبِّكَ كَمَا كَفَرْتَ لِنَفْسِكَ اِلَّا نَحْنُ نَكُوْنُ بِنَبَاتِ رَآئِي اِنْ تَرْضَى (القصص: 19) ”کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا، تو نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تو ملک میں بڑا جاہل بن جائے۔“ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم پر تعجب ہے، دن میں دو مرتبہ اپنے ہاتھ سے اپنا پانچا نہ دھوتا ہے اور پھر بھی آسمانوں کے جہار کا مقابلہ کرتے ہوئے تکبر کرتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کی مثال اس چیز سے دی ہے جو انسان سے خارج ہوتی ہے (6)۔ امام محمد بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے دل میں جس قدر تکبر ہوتا ہے، اسی قدر میں اس کی عقل کم ہو جاتی ہے (7)۔ یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ سجدہ کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوتا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 93، سنن ابی داؤد، کتاب العباد، جلد 4 صفحہ 59

1۔ التواضع والخمول: 233

4۔ عارضۃ الاخوانی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 165-166، التواضع، الخمول: 248-249

3۔ صحیح ابوداؤد عن احمد والطبرانی فی المعجم الکبیر، جلد 1 صفحہ 98

6۔ التواضع والخمول: 257، 7۔ التواضع والخمول: 273، علیہ الاولی، جلد 3 صفحہ 180

5۔ التواضع والخمول: 250

خلافت سنبھانے سے پہلے ایک مرتبہ اترتے ہوئے چل رہے تھے۔ حضرت طوؤس نے ان کے پہلو میں اپنی انگلی کے ساتھ کچوکا لگا دیا اور فرمایا کہ یہ چال اس شخص کو زب نہیں دتی جس کا پیٹ پاخانے سے بھرا ہوا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز یہ سن کر بہت شرمندہ ہوئے اور معذرت کے انداز میں کہنے لگے کہ اے بچا جان! مجھے مارا دیکھ کر یہ چال سکھائی گئی ہے، اس لئے میں اس کا خوگر ہو گیا ہوں۔ ابو بکر بن ابی الدنیایان کرتے ہیں کہ بنو امیہ اپنی اولاد کو مار پیٹ کر ایسی چال سکھایا کرتے تھے۔

خود پسندی اور گھمنڈ کا بیان

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”جو شخص فخر و گھمنڈ سے اپنا کپڑا زمین پر گھسیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا“ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا جو اپنا تہبند زمین پر گھسیتا ہے۔ ایک شخص دو قیمتی چادریں اوڑھے ازراہ غرور و تکبر اترتے ہوئے جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ وہ قیامت تک نیچے دھنستا ہی چلا جائے گا“ (2)۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرًا
وَبَاطِنًا ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ۝ وَإِذَا
قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَنبَيْهِمْ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ
يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرما کر بنا دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور تمام کردی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں ظاہری بھی اور باطنی بھی اور بعض ایسے نادان لوگ بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں (رسول کریم سے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے، کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو پیروی کریں گے اس کی جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو۔ کیا وہ (انہیں کا اتباع کریں گے) خواہ شیطان انہیں (اس طرح) دعوت دے رہا ہو بھڑکتے ہوئے عذاب کی“۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو اپنی بے شمار نعمتوں پر آگاہ فرما رہا ہے۔ آسمانوں میں ستارے پیدا کر دیئے جن سے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں، مزید برآں آسمان، بادل، بارش، برف اور اولوں کا منبع ہے اور یہ لوگوں کے لئے ایک محفوظ جہت بھی ہے۔ زمین کو قراگاہ بنا دیا، اس میں سمندر، دریا اور نہریں جاری کر دیں، ورتخت، کھیتیاں اور چھل اگائے اور تغیر بھیج کر، کتابیں نازل کر کے اور شبہات دور کر کے لوگوں پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تمام کر دیں۔ اس کے باوجود بھی سب لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو توحید اور تغیروں کی بحث کے متعلق جھگڑتے ہیں حالانکہ نہ ان کے پاس علم ہے، نہ انہیں نور ہدایت حاصل ہے، نہ ان کے پاس کوئی صحیح جہت ہے اور نہ ہی کوئی واضح کتاب ہے، اس لئے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ اَھل آیت میں فرمایا: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق

1۔ التواضع والذم: 285، فتح الباری، کتاب الملباس، جلد 10 صفحہ 258، صحیح مسلم، کتاب الملباس، جلد 3 صفحہ 1651

2۔ صحیح بخاری، کتاب الملباس، جلد 7 صفحہ 143، صحیح مسلم، کتاب الملباس، جلد 3 صفحہ 1654

بھگڑنے والوں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول کی شریعت کو اپنالو تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں، بلکہ ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا یعنی ان کے پاس آباؤ اجداد کی تقلید کے سوا کوئی حجت نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَإِن كَانِ آبَاؤُهُمْ لَا يَتَّقُونَ شَيْئًا إِلَّا يَهْتَدُونَ (البقرة: 170)** ”اگر چہ ان کے باپ دادا کچھ سمجھ سکتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں“ یعنی اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرنے والو! کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر تمہارے آباؤ اجداد گمراہ ہوں تو بھی تمہارا کھین بند کر کے ان کی روش پر چلتے رہو گے۔ اس لئے فرمایا: **وَإِن كَانِ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ**

وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ٥٠ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْرُوكُ كُفْرُهُ إِلَّا إِنَّا مَرْجِعُهُمْ فَمَنْبَهُمْ بِمَا عَمِلُوا - إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ٥١ **لَمَسْتَعْتِبْكُمْ قَبْلَ لَأَلَّمْ نَضَّرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ أَلِيمٍ ٥٢**

”اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے درآئینہ وہ محسن ہو تو بے شک اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا مضبوط حلقہ کو اور اللہ کی طرف ہی ہے تمام کاموں کا انجام۔ اور جس نے کفر کیا تو نہ غمزدہ کرے آجکوار کا کفر۔ ہرئی طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پس ہم آگاہ کریں گے انہیں جو انہوں نے کیا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (چھپا) ہے۔ ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ جو شخص خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے یعنی اخلاص کے ساتھ عمل کرے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے اور اس کی شریعت کی اتباع کرے اور اسے اللہ تعالیٰ سے یہ پختہ عہد لے لیا کہ وہ اسے عذاب نہیں دے گا اور تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ پھر فرمایا: **وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْرُوكُ** یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ ان کے کفر اور تکذیب پر رنجیدہ نہ ہوں۔ ان کے متعلق تقدیر الہی نافذ ہو چکی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور وہ انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دے گا۔ اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔ پھر فرمایا: **لَمَسْتَعْتِبْكُمْ قَبْلَ لَأَلَّمْ**... یعنی ہم انہیں دنیا میں کچھ عرصہ لطف اندوز ہونے دیں گے پھر انہیں سخت بھیا تک عذاب میں داخل دیں گے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: **إِنَّ الَّذِينَ يُفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ٥٠** **مَتَّامًا فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِنِّي يُنْفِخُهُمُ الْعَذَابِ الشَّدِيدِ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (يونس: 69-70)**۔

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ٥١ **إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَنِيُّ الْحَمِيدُ ٥٢**

”اور اگر آپ دریافت کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو نہ ور کہیں گے کہ اللہ نے۔ فرمائیے الحمد لله (حق واضح ہو گیا) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو چھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ یقیناً اللہ ہی سبے نیاز ہے (اور) ہر تعریف کے لائق۔“

مشرکین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ اس حقیقت کو پہچاننے کے باوجود کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا خالق ہے، ان بتوں کی

پوچھا کرتے ہیں۔ جن کے متعلق وہ خود معترف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی ملک ہیں، اس لئے فرمایا: **وَلَيْسَ سَابِقَهُمُ** .. یعنی جب ان کے اس اعتراف کے سبب ان پر جنت قائم ہو گئی تو آپ کہہ دیں اللہ کا شکر ہے کہ حق واضح ہو گیا۔ پھر فرمایا: **يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ وَالرَّسُوْلُ وَالرَّسُوْلُ وَالرَّسُوْلُ** یعنی زمین و آسمان میں ہر چیز اسی کی مخلوق اور اسی کی ملکیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہے اور وہ اپنی تمام تخلیق میں قابلِ ستائش ہے۔ زمین و آسمان میں پیدا کرنے اور احکام لاگو کرنے میں اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور تمام امور میں وہی نمود ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرٍ وَّ اَقْلَامٍ وَّ الْبَحْرِ يَبْدُوْا مِنْۢ بَعْدِ سَبْعَةِ اَجْحَادٍ مَا نَقَدْتُمْ
كَلِمَتَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ مَا خَلَقَكُمْ وَّلَا يَحْسَبُكُمْ اِلَّا كَلْفِيسٍ وَّ اِحْدَقٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَبِيْحٌۢ بِبَصِيْرٍ ﴿۱۱۰﴾

”اور اگر زمین میں چھتے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر سے (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی ختم نہیں ہوں گی اللہ کی باتیں۔ بے شک اللہ سب پر غالب، بڑا دانائے۔ نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنی عظمت، کبریائی اور جلال شان کا اظہار کرتے ہوئے اپنے اسمائے حسنیٰ، صفاتِ علا اور کلماتِ تامہ کی خبر دے رہا ہے جن کا کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی بشر ان کی حقیقت پر آگاہی حاصل کر سکتا ہے اور نہ انہیں شمار کر سکتا ہے جیسا کہ حضور سید البشر خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! میں اس طرح تیری شان کا احاطہ نہیں کر سکتا جس طرح تو نے اپنی شان بیان فرمائی ہے“ (1)۔ فرمایا: **وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرٍ** .. یعنی اگر روئے زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں، سمندر سیاہی بنا دیا جائے اور مزید سات سمندر سے سیاہی فراہم کریں اور ان اقلام اور سیاہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وہ کلمات لکھے شروع کئے جائیں جو اس کی عظمت، صفات اور جلال پر دلالت کرتے ہیں تو قلمیں ٹوٹ جائیں اور سمندر کی روشنائی ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی باتیں پھر بھی ختم نہ ہوں۔ یہاں سات سمندروں کا ذکر بطور مبالغہ ہے۔ اس سے حصر مقصود نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ اگر سات سے زیادہ سمندر ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لئے کافی ہو جائیں گے اور یہ بھی نہ سمجھ جائے کہ سات سمندر موجود ہیں جو تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہیں جیسا کہ اسرائیلی روایات سے استفادہ کرنے والوں کا کہنا ہے لیکن ان روایات کی نہ تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ تکذیب۔ ہمارے قول کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: **قُلْ لَوْ كَانِ الْبَحْرُ مِثْقَالَ رَيْبٍ لِّقَدِ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تُنْفَخَ كَلِمَتُ رَبِّيْ وَّلَوْ جُنَّتْ بِوْشِيْءٍ مِّنْ دُوْنِ الْاَلْبَابِ ﴿۱۰۹﴾** ”فرمائیے اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے روشنائی ہو جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے جو بیشتر ختم ہو جائے اگرچہ ہم اس کی مدد کو اتنی روشنائی اور لے آئیں۔“ یہاں ”بہتندہ“ سے مراد کوئی دوسرا ایک سمندر نہیں بلکہ مراد ہے اس جیسا، پھر اس جیسا، پھر اس جیسا الغرض اس جیسے کتنے ہی سمندر ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے کلمات کو نہیں لکھ سکتے کیونکہ ان کا حصر ممکن ہی نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور اللہ تعالیٰ لکھو انا شروع کر دے کہ میرا یہ امر یوں ہے اور

یہ امریوں ہے تو سمندروں کے پانی ختم ہو جائیں اور قلمیں گھس جائیں (1)۔ قنادہ رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین کہا کرتے تھے یہ ایسا کلام ہے جو غمخیز ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کر کے ان کے زعم و ظن کی تردید کر دی کہ اگر تمام درخت قلمیں اور سمندر سیاہی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے عجائبات، اس کی حکمت، صفحت اور علم ختم نہ ہو۔ ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں تمام بندوں کا علم ایسا ہے جیسے تمام سمندروں کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ اس کے کلمات کو منبسط تحریر میں لانے کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں اور درخت قلمیں تو قلمیں گھس جائیں گی اور سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات جوں کے توں باقی ہوں گے اور یہ فیما نہیں ہو سکتے کیونکہ کوئی بھی نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ کوئی کا حقد اس کی ثناء کر سکتا ہے بلکہ وہی بذات خود اپنی ثناء کا حق ادا کرتا ہے۔ بلاشبہ ہمارا رب ایسے ہی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اور وہ ہرے خیالات سے بہت بالا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کے عہدے نے مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ اس آیت وَمَا أُوْتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (یعنی اسرا نکل: 85) ”اور نہیں دیا گیا تمہیں علم مگر تھوڑا سا“ سے مراد ہم ہیں یا آپ کی قوم؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہوں“۔ وہ کہنے لگے کہ پھر اس آیت سے کیا مقصود ہوگا جس میں مذکور ہے کہ ہمیں تو رات عطا ہوئی جس میں ہر چیز کا بیان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اللہ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہے اور اس میں سے جو تمہیں عطا ہوا وہ تمہارے لئے کافی ہے“۔ یہود کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَلَوْ أَنَّ هَانِئِذَا نَرَضُوا... نازل فرمادی (2)۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت کئی نہیں بلکہ مدنی ہے حالانکہ مشہور یہی ہے کہ یہی ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔ نہ کوئی اس کے ارادہ کی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کے حکم کو نال سکتا ہے اور وہ اپنی تخلیق، امر، اقوال، افعال، شریعت اور دیگر تمام امور میں حکیم بھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: مَا خَلَقْنَاهُ وَلَا بَعَثْنَاهُ... یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے تمام لوگوں کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص کو پیدا کرنا۔ یہ سب کچھ اس پر بہت آسان ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف ”کن“ (ہو جا) کہتا ہے اور آنکھ جھپکنے کی دیر سے بھی پہلے وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ یعنی وہ صرف ایک مرتبہ ہی حکم دیتا ہے، اسے بار بار حکم دینے اور اس کی تعمیل پر زور دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک مقام پر فرمایا: فَاذْكُرُوا أَنْفُسَكُمْ إِنْ تَرْتَابُونَ فِيهَا مَا تُكْفِرُونَ بِهَا تَكْفُرًا كَذِبًا (التازعات: 13-14) ”پس ایک جھڑک ہی کافی ہوگی تو یہ سب ایک کھلمیہ میں جمع ہو جائیں گے“۔ آیت کے آخر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ یعنی جس طرح تمام بندوں کے اقوال سنتا اور ان کے افعال دیکھتا اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص کے اقوال سنتا اور اس کے افعال دیکھتا، اسی طرح تمام لوگوں پر اور ایک شخص پر بھی اسے یکساں قدرت حاصل ہے اس لئے فرمایا: مَا خَلَقْنَاهُ وَلَا بَعَثْنَاهُ إِلَّا لَعَلَّكُمْ أَتَقَاتُونَ۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
كُلًّا يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٥﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ
مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيمُ الْكَبِيرُ ﴿١٥﴾

”کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک چل رہا ہے (اپنے مدار میں) وقت مقرر تک اور یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب

جاننے والا ہے۔ یہ میں اس کی قدرت کے کرشمے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ ہی حق ہے اور بلاشبہ جنہیں وہ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ سب باطل ہیں اور بلاشبہ اللہ ہی بڑی شان والا بزرگ ہے۔“

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی دن رات میں کمی بیشی کرتا ہے۔ موسم گرما میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں جبکہ موسم سرما میں دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے اور یہ بھی اس کی قدرت کا کمال ہے کہ اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا، ان میں سے ہر ایک اپنی مقررہ میعاد تک رواں دواں ہے۔ بعض نے ”اجل مسسئی“ سے مراد مقررہ عجلہ لی ہے اور بعض نے اس سے مراد قیامت کا دن لیا ہے۔ یہ دونوں معانی صحیح ہیں۔ پہلے قول کی تائید حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابو ذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟“ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”یہ عرشِ تلے سجدہ کرنے کے لئے جاتا ہے پھر اپنے رب سے اجازت طلب کرتا ہے۔ قریب ہے کہ اسے کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا“ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج بمنزلہ رہٹ کے ہے دن کو آسمان کے اپنے مدار میں جو گردش رہتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو زمین کے نیچے رات کو اپنے مدار میں گردش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ شرق سے طلوع ہو۔ اسی طرح چاند بھی ہے۔ فرمایا: ”أَنَّ اللَّهَ يَنَالُ عَمُوكُنَّ حَبِيبًا“ اس فرمان کی طرح ہے: ”أَلَمْ تَقْعَبَهُمْ أَنْ اللَّهُ يَعْلَمُ صَافِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ“ (الحج: 70) ”کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔“ مطلب یہ ہے کہ اللہ تمام اشیاء کا خالق اور علم ہے جیسا کہ فرمایا: ”اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَذُرَى الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطراق: 12)“ ”اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند“ پھر فرمایا: ”ذُرَى الْأَرْضِ كَذُرَى السَّمَاءِ“ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے یہ نشانیاں ظاہر فرماتا ہے تاکہ ان کے ذریعے تم اس حقیقت پر استدلال کر سکو کہ وہی ذات برحق ہے، وہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا سب کچھ باطل ہے کیونکہ وہ بر چیزت بے نیاز ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے کیونکہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق اسی کی تخلیق کردہ اور اسی کی غلام ہے۔ کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر ایک ذرہ کو حرکت دینے پر بھی قادر نہیں اور اگر سب زمین والے اکٹھے ہو کر ایک کھسی بنانا چاہیں تو سب اس سے بھی عاجز آ جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حق ہے اور اسے چھوڑ کر یہ جن کو پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی بڑی شان والا اور بزرگ ہے، نہ اس سے کوئی اعلیٰ ہے اور نہ بڑا۔ وہ ہر چیز سے بڑا ہے اور ہر چیز اس کے سامنے عاجز اور حقیر ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِعِصْمَةِ اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ وَإِذْ عَشِيبُكُمْ مُّوَجَّهُ كَالظُّلُمِ الَّذِي دَعَا اللَّهَ مُّخْلِصِينَ لَهُ الْيَوْمَ ۖ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَبِهِمْ مُّقْتَصِدًا ۖ وَمَا يَجِدُ بِالْبَيْتِ إِلَّا كَلْبًا كَفُورًا ۝

”کیا تم ملاحظہ نہیں کرتے کہ کشتی چلتی ہے سمندر میں محض اس کی مہربانی سے تاکہ وہ دکھائے تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں۔ بے شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے۔ اور جب ڈھانپ لیتی ہیں انہیں پہاڑوں جیسی موجیں اس وقت پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے عقیدہ کو۔ پھر جب بچا لاتا ہے انہیں ساحل تک تو ان میں سے (چند ہی) حق پر رہتے ہیں۔ اور انہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کا مگر ہر وہ شخص جو غدار (اور)

ناشکر ہے۔“

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سمندر کو مسخر بنایا ہے تاکہ اس کے حکم، لطف و کرم اور تسخیر سے اس میں کشتیاں چلیں۔ اگر وہ جہاز رانی کے لئے پانی میں قوت اور صلاحیت نہ رکھتے تو اس میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا ناممکن ہوتا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھانا چاہتا ہے اور اس میں واقعی ہر اس شخص کے لئے نشانیوں ہیں جو مصیبت کے وقت صبر کرنے والا اور راحت کے وقت شکر بجالانے والا ہے۔ پھر فرمایا: **وَإِذْ أَعَشَيْتُمْ هَؤُوتِي**۔ یعنی جب پہاڑوں اور بادلوں جیسی موجیں انہیں ٹھیکرتی ہیں تو یہ کہ اپنے عقیدہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارنے لگ جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: **وَإِذْ أَمْسَأْتُمْ الْطُّرُقِي فِي الْبَحْرِ فَصَلَّ عَلَيَّ مَا تَشَاءُونَ إِذْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا** (بنی اسرائیل: 65) اور جس سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم ہو جاتے ہیں وہ (محبوب) جنہیں تم پکارا کرتے ہو سو انے اللہ تعالیٰ کے۔ **فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ** (العنکبوت: 65) پھر فرمایا: **فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْبَلَاءُ** یعنی جب اللہ تعالیٰ انہیں بچاؤ رسا مل تک پہنچا دیتا ہے تو ان میں سے اکثر کفر پر اتر رہتے ہیں۔ مجاہد نے مقصد کا معنی کافر کیا ہے گویا یہاں انہوں نے اس لفظ کی تفسیر جاحد (منکر) سے کی ہے جیسا کہ فرمایا: **فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْبَلَاءُ الْبَلَاءُ إِذْ أَنَّهُمْ يُفِرُّونَ** (العنکبوت: 65) ”پھر جب وہ سلامتی سے انہیں خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ ابن زید کے بقول مقصد کا معنی ہے اوسط درجے کے اعمال والا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی اس لفظ سے یہی مراد ہے: **فِي دِينِهِمْ خَالِفًا لِطِيبِهِمْ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدًا** (فاطر: 32) ”پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں۔“ یہاں بھی اس لفظ سے مراد ہے: اعمال میں میانہ رو۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہاں دونوں ہی مراد ہوں۔ اس صورت میں اس شخص پر اظہارِ ناپسندیدگی ہوگا جس نے سمندر کی ہولناکیوں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام فرمایا اور اسے دوسرے سے بچایا۔ اب اسے چاہئے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر شکر بجالاتے ہوئے اس کی عبادت میں اور اعمالِ صالحہ کی بھی آوری میں منہمک ہو جاتا لیکن اس نے کوتاہی کی اور اوسط درجے کے اعمال کرنے لگے اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو انعامات کے باوجود کفر پر بھرتے ہیں۔ آیت کریمہ میں ”تسار“ کا معنی ہے غدار یعنی جو عہد شکنی کا مرتکب ہو اور کفر کا مطلب ہے ناشکر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کر دے۔ نہ ان کا شکر ادا کرے اور نہ انہیں یاد رکھے بلکہ جان بوجھ کر فراموش کر دے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَأَحْسُوا إِلَىٰ مَالِكُمْ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهِمْ وَوَالِدِهِمْ أَوْ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ذَهَبُوا فَأَيُّ الْفِعْلِ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَنَبْعَثَنَّ أَبْنَاءَ عَرِبِكُمْ يُجْزُونَ وَإِن مِّن مَّلَكٍ يَّحْكُمُونَ

”اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بھی۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ دھوکہ دے تمہیں، نہ نبی زندہ گی اور نہ فریب میں مبتلا کرے تمہیں اللہ سے، وہ بڑا مکار و دھوکہ باز۔“

اللہ تعالیٰ لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے قیامت کے دن سے ڈرا رہا ہے جس دن باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے کافر نہیں آئیں گے۔ اگر کوئی باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے لئے اپنے آپ کو بطور فدیہ پیش کرنا چاہیں گے تو یہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ پھر پند و نصیحت کرتے ہوئے

فرمایا: فَلَمَّا تَفَتَّحَتْ قُلُوبُهُمْ یعنی یہ دنیاوی زندگی تمہیں دھوکہ میں مبتلا کر کے دارِ آخرت سے مشغول نہ کر دے اور نہ ہی دھوکہ باز شیطان تمہیں اللہ تعالیٰ سے فریب دے۔ شیطان ابن آدم کو فریب دینا رہتا ہے، اس سے جھوٹے وعدے کرتا رہتا ہے اور اسے سبھی آرزوئیں دلاتا رہتا ہے حالانکہ ان کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ فرمایا: يَبْعِدُهُمْ وَيُيَبِّسُهُمْ وَمَا يَبْعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُورًا (النساء: 120) ”شیطان ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا ہے اور انہیں (غفلت) امید میں دلاتا ہے اور انہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا“۔ وہ بے بن منہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میں نے اپنی قوم کی تکلیف اور آزمائش دیکھی تو میں بہت رنجیدہ ہوا اور مجھے بہت فکر لاحق ہوئی حتیٰ کہ میری نیند اچاٹ ہو گئی۔ میں عجز و نیاز سے اپنے رب کی بارگاہ میں خوب گڑگڑایا، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور اس دوران عجز و انکساری سے خوب روتا رہا۔ اسی اثناء میں ایک فرشتہ میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا نیکیوں کی یا باپ اپنے بیٹوں کی شفاعت کریں گے؟ فرشتے نے جواب دیا کہ قیامت فیصلوں کا دن ہے، اللہ تعالیٰ بذاتِ خود جلوہ فرما ہوگا اور کوئی اس کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا۔ اس دن نہ باپ کو بیٹے کے بدلہ میں، نہ بیٹے کو باپ کے بدلے میں، نہ بھائی کو بھائی کے بدلہ میں، نہ غلام کو آقا کے بدلہ میں اور نہ کسی اور کو کسی دوسرے کے بدلہ میں پکڑا جائے گا۔ اس دن نہ کوئی کسی کے متعلق وچپسی لے گا، نہ کسی کے غم پر رنجیدہ ہوگا، نہ کسی پر رحم کریگا بلکہ ہر انسان صرف اپنے بارے میں متفکر اور لرزاں و ترساں ہوگا، ہر ایک کو صرف اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور ہر ایک کو اپنا دردناک اور ہر ایک اپنا بوجھ اٹھانے گا۔ کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے پر آمادہ نہ ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَكْتُمُ
نَفْسٌ مَّا أَدْبَرَ عَدَا وَمَا تَكْتُمُ نَفْسٌ بِأَيِّ أُمَّةٍ سَمُوَتْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۱﴾

”بے شک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم۔ اور وہی اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ (مادوں کے) رحموں میں ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے۔“

یہ غیب کی کنجیاں ہیں، جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر انہیں کوئی از خود نہیں جان سکتا۔ وقوعِ قیامت کا علم ایسا ہے جسے نہ کوئی نبی مرسل اور نہ کوئی مقرب فرشتہ خود بخود جان سکتا ہے بلکہ اس کے صحیح وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی وقت مقررہ پر اسے ظاہر کرے گا۔ اسی طرح یارش برسانے کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے لیکن جب وہ یارش کا حکم دیتا ہے تو ان فرشتوں کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے جو اس پر مقرر ہیں اور ان لوگوں کو بھی جنہیں اللہ تعالیٰ معلوم کروانا چاہے۔ اسی طرح رحموں میں جو کچھ ہے اور جو اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے، اسے بھی صرف وہی جانتا ہے لیکن جب اس کام پر مامور فرشتوں کو حکم ہوتا ہے تو انہیں بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ یز ہوگا یا مادہ شقی ہوگا یا سعید اور مخلوق میں سے ان کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ آگاہ فرمادے۔ اسی طرح کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ دنیا و آخرت کے معاملہ میں کل کیا کمائے گا اور نہ ہی کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا، اپنے وطن میں یا کسی اور جگہ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَعَسَىٰ أَن تَمْسُقَ الْغَيْبِ لَا يَمْلِكُنَا إِلَّا هُوَ (الانعام: 59) ”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انہیں سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔“ حدیث شریف میں ان پانچ چیزوں کو مفتح الغیب (غیب کی کنجیاں) کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کا بیان اس آیت إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ... میں

ہے (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے ہر چیز کی چابیاں عطا ہوئیں بجز پانچ کے۔“ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (3)۔ عمرو بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن سلمہ نے فرمایا کہ تمہارے نبی کو بجز پانچ کے ہر چیز کی کنجیاں دی گئیں (4)۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن مرہ سے پوچھا کہ کیا تم نے یہ بات عبد اللہ سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، پچاس سے بھی زیادہ مرتبہ (5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ لوگوں کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی چلتے ہوئے آیا اور پوچھنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبروں، اس کی ملاقات اور دوبارہ جی اٹھنے کو تسلیم کرے۔“ پھر اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”اسلام یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔“ پھر دریافت کیا کہ احسان کیا ہے؟ فرمایا: ”احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مقام نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ تصور پنہنہ کر لے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

پھر سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب ہوگی؟ فرمایا: ”اس بارے میں مسئول سائل سے زیادہ علم نہیں رکھتا لیکن میں تمہیں اس کی نشانیاں بتلائے دیتا ہوں۔ جب لوٹری اپنی مالکن کو جنم دے۔ یہ اس کی نشانیاں میں سے ہے۔ جب تنگ پھروں اور تنگے بدنوں والے لوگوں کے سردار بن جائیں یہ بھی قیامت کی ایک علامت ہے۔ قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ پھر جب وہ شخص واپس لوٹ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے میرے پاس لوٹاؤ۔“ لوگ اسے واپس لانے کے لئے دوڑے لیکن وہ دکھائی نہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ جبریل علیہ السلام تھے جو لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے“ (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ صحابہ کی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں جبریل آگئے اور وہ آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے گھٹنوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام یہ ہے کہ تو خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور یہ گواہی دے کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔“ جبریل علیہ السلام پوچھنے لگے کہ جب میں نے ایسا کر لیا تو کیا میں مسلمان ہو گیا؟ فرمایا: ”جب تو نے ایسا کر لیا تو تو مسلمان ہو گیا۔“ پھر پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بتائیے کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، موت، موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے، جنت، دوزخ، حساب، حیران اور اچھی بری تقدیر پر یقین رکھے۔“ دریافت کیا کہ اگر میں نے ایسا کر لیا تو کیا میں مومن بن گیا؟ فرمایا: ”اگر تو نے ایسا کیا تو تو مومن بن گیا۔“ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! احسان کیا ہے؟ فرمایا: ”احسان یہ ہے کہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح عمل کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو کم از کم یہ تصور رکھے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ پھر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب ہے؟ آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرتے

2- صحیح بخاری، کتاب الاستسقا، جلد 2 صفحہ 41، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 24

1- مسند احمد، جلد 5 صفحہ 353

4- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 386

3- مسند احمد، جلد 2 صفحہ 85-86

5- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 438، 445

6- صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 19، تفسیر سورۃ لقمان، جلد 6 صفحہ 144، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 39

تفسیر ابن کثیر: جلد سوم

ہوئے فرمایا: ”سبحان اللہ! یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اگر تمہاری خواہش ہو تو میں تمہیں اس کی نشانیاں بتا دیتا ہوں۔ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب لوٹوئی اپنے آقا کو جنم سے، لوگ اوجھل اوجھل عمارتیں بنانے میں مقابلہ کرنے لگیں اور بھوکے ننگے لوگ سرداریں جائیں۔ یہ قیامت کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ہیں۔“ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ بھوکے ننگے بڑی بڑی عمارتوں والے کون ہیں؟ فرمایا: ”عرب“ (1)۔ بنوعامر قبیعی کا ایک شخص نبی کریم ﷺ سے اذن طلب کرتے ہوئے کہنے لگا کہ کیا میں داخل ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے اپنی خاموشی سے فرمایا: ”ہاں اس کے پاس جاؤ، اسے تو اجازت طلب کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا، اسے سمجھاؤ کہ السلام علیکم کہنے کے بعد کہے کہ کیا میں داخل ہو جاؤں۔“ وہ غصص کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی بات سن لی تو میں نے اسی طرح اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: السلام علیکم، کیا میں آسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ ہمارے لئے کیا لے کر آئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہارے لئے بھلائی کے سوا کچھ نہیں لایا، میں تمہارے پاس یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرو، لات و عرفیٰ کو چھوڑ دو، دن رات میں پانچ نمازیں پڑھا کرو، سال میں ایک مہینہ کے روزے رکھا کرو، بیت اللہ کا حج کرو اور مالدار لوگوں سے زکوٰۃ لے کر فقراء کے درمیان تقسیم کرو۔“ پھر اس شخص نے پوچھا کہ کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے جس کا آپ کو علم نہیں؟ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے بھلائی کی تعلیم دی ہے اور کچھ علم ایسا بھی ہے جسے بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔“ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی (2)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک وہیاتی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میری بیوی حاملہ ہے، یہ بتائیے کہ وہ کیا جنے گی؟ ہمارے علاقہ میں قحط پڑا ہوا ہے بتائیے کہ بارش کب ہوگی؟ اس بات کا تو مجھے علم ہے کہ میں کب پیدا ہوا، اب یہ بتائیے کہ میں کب مروں گا؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہی غیب کی کنجیاں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَيَسْئَلُكَ الْمُتَفَتِّحُونَ الْعُتْبَىٰٓ لَا يَخْبَأُ لَهَا كِتَابٌ مِّنْ رَبِّكَ يُخَبِّرُ بِمَا تَعْمَلُونَ“ (3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص تمہیں یہ بتائے کہ رسول اللہ ﷺ کل کی بات جانتے تھے، وہ جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے ان کلمات و صحائف برئى نفسى شادا انكسب عدا کی تلاوت کی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے۔ ان پر نہ تو کوئی مقرب فرشتہ مطلع ہو سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے اور لوگوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ قیامت کس سال، کس مہینے، کس دن یا کس رات کو آئے گی۔ بارش بھی اللہ تعالیٰ ہی نازل کرتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ دن یا رات کو کس وقت بارش برستے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ تمہارا میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ، سرخ ہے یا سیاہ، نیک ہے یا بد۔ اسی طرح کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کل نیکی کرے گا یا برائی۔ اسے ابن آدم! تمہیں نہیں معلوم کہ تو کب مرے گا، ممکن ہے کل تمہیں موت آجائے یا کل تمہیں کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ جائے اور کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد زمین میں کہاں اس کا ٹھکانا ہوگا، مسند میں یا فسکی پر یا میدان میں یا پہاڑ میں۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”جب اللہ تعالیٰ کسی زمین میں کسی بندے کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہاں اس کی کوئی ضرورت رکھ دیتا ہے“ (4)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی بندے کی موت مقدر کرتا ہے وہاں اس کی کوئی حاجت پیدا کر دیتا

ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی جگہ کسی بندے کی روح قبض کرنا چاہتا ہے تو وہاں اس کی کوئی حاجت پیدا کر دیتا ہے اور وہیں اس کی موت آتی ہے“ (1)۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جب کسی کی موت کسی جگہ مقدر ہو تو کوئی ضرورت اسے وہاں لے آتی ہے۔ جب اس کا وقت مقرر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔ قیامت کے دن زمین عرض کرے گی: اے پروردگار! یہ ہے تیری امانت جو تو نے میرے سپرد کی تھی (2)۔

2۔ نمونہ ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1424-1425

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 313-314، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 227

سورة السجدة (مکیہ)

امام بخاری کتاب الجمعہ میں یہ حدیث لائے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں اَلَمْ السَّجْدَةِ اور هَلْ اَتَى عَلَى الْاِنْسَانِ پڑھا کرتے تھے (1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے اَلَمْ السَّجْدَةِ اور تَبَّهَكَ الْاَلْمِیُّ بِیَدِیْهِ السُّنْدُکِ کی تلاوت کیا کرتے تھے (2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلَمْ تَتَّوْبِلَ الْکِتٰبِ لَا رٰحِبَ فِیْهِ مِنْ سَرٰتِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ اِقْتَرٰهُۤ اَبٰی

هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا اٰتٰهُمْ مِنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝

”الف۔ لام۔ میم، اس کتاب کا نزول، اس میں ذرہ شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے خود گھڑا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جنہیں آیا جن کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے تاکہ وہ ہدایت پائیں۔“

حروف مقطعات کی بحث سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ فرمایا: تَتَّوْبِلَ الْکِتٰبِ۔ یعنی اس کتاب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ کے متعلق مشرکین کی ہرزہ سرائی کو بیان کیا کہ وہ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے۔ فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ یہی آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ انہیں ڈرائیں، ممکن ہے حق کی اتباع کر لیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتِّیْنِ اَیَّٰمٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی

الْعَرْشِ مَا لَکُمْ مِنْ دُوْنِہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا سَفِیْعٍ ۝ اَفَلَا تَتَذٰکَّرُوْنَ ۝ یٰۤاٰیُّدِ الْاَمْرِ مِنْ

السَّمَاۤءِ اِلٰی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مَقْدٰرُہَا اَلْفَ سَنَۃٍ وَّمَا تُعَدُّوْنَ ۝

ذٰلِکَ عَلَیْمٌ الْغَیْبِ وَ الشَّہَادٰۃُ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

”اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت (سلطانی) پر نہیں تمہارے لئے اس کے بغیر کوئی مددگار اور نہ کوئی سفارشی۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ تدبیر فرماتا ہے ہر (چھوٹے بڑے) کام کی آسمانوں سے زمین تک پھر رجوع کرے گا ہر کام اس کی طرف اس روز جس کی مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شاکر کرتے ہو۔ وہی جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا۔“

بنایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان ہر چیز کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر متمکن ہوا۔ اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے (1)۔ فرمایا: مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی مددگار اور سفاشی نہیں بلکہ تمام امور کی زمام اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور مدبر ہے اور اسے ہی ہر چیز پر پوری پوری قدرت حاصل ہے۔ اس کے سوا مخلوق کا کوئی حامی و ناصر نہیں اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں۔ اسے غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں اور غیر اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں! کیا تم سمجھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور تمام قدرتوں کا مالک ہے، وہ نظیر، شریک، وزیر، مد مقابل اور مثل سے منزہ اور بالا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تمام کر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ ساتویں دن عرش پر متمکن ہوا۔ اس نے مٹی ہفتہ کے دن پیدا کی، پہاڑ اتوار کے دن، درخت پیر کے دن، بری چیزیں منگل کے دن، نور بدھ کے دن، جانور جمعرات کے دن اور آدم علیہ السلام جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں۔ آدم کو روئے زمین کی سرخ، سیاہ، اچھی اور بری ہر قسم کی مٹی سے پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم میں نیک بھی ہیں اور بد بھی“ (2)۔ یہ روایت مسلم میں بھی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معلل کہا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی حضرت کعب الاحبار سے روایت صحیح ہے لیکن محدثین نے اسے بھی معلل قرار دیا ہے۔ فرمایا: يُدْأَى الْوَجْدُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اترتا ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے تک پہنچتا ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمْ سُبُوْتَ دُوْنِ الْاَرْضِ وَمَنْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ اِذَا تَرْتَدَّوْا عَلَیْهَا (الطلاق: 12) ”اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے“۔ تمام اعمال آسمان دنیا کے اوپر واقع اپنے دیوان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ آسمان دنیا اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور آسمان کی موناٹی بھی پانچ سو سال کی مسافت کی ہے۔ مجاہد، قتادہ اور شحاک کہتے ہیں کہ اس قدر مسافت فرشتہ پلک جھپکنے میں طے کر لیتا ہے (3) اس لئے فرمایا: فَاِذَا تَرْتَدَّوْا عَلَیْهَا... ذٰلِكَ عَلِمُ الْغٰیْبِیْنَ وَاللّٰهُ هَادِیْٓ الَّذِیْ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان امور کی تدبیر فرمانے والا ہے اور وہی اپنے بندوں کے اعمال پر گواہ ہے، تمام چھوٹے بڑے اعمال اس کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ وہ عزیز ہے جسے ہر چیز پر مکمل غلبہ حاصل ہے اور تمام بندے اس کے مطیع ہیں اور وہ اپنے اہل ایمان بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ وہ اپنی رحمت میں عزیز ہے اور اپنی عزت میں رجم۔ عزت کے ساتھ رحمت اور رحمت کے ساتھ عزت و غلبہ یہی کمال ہے۔

الَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَا خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلٰتٍ مِّنْ مَّا مَرَّھِیْنِ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِہِ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمِیْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَہُ کَاٰتِفٰٓتًا قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ۝

”وہ جس نے بہت خوب بنایا جس چیز کو بھی بنایا اور ابتداء فرمائی انسان کی تخلیق کی گارے سے پھر پیدا کیا اس کی نسل کو ایک جوہر سے یعنی حقیر پانی سے۔ پھر اس (کے قد و قامت) کو درست فرمایا اور چھوٹک دی اس میں اپنی روح اور نادائے

1- دیکھئے تفسیر سورہ اعراف: 54 تفسیر سورہ یونس: 3 تفسیر سورہ مد: 12 اور تفسیر سورہ فرقان: 59

2- سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 10 صفحہ 264، صحیح مسلم، کتاب صفة القلیلة والجليلة والبار

3- تفسیر طبری، جلد 2 صفحہ 91-92

تمہارے لئے کان، آنکھیں، اور دل۔ تم لوگ بہت کم شکر بجالاتے ہو۔

خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمام اشیاء کو بہت خوب، پختہ اور محکم بنایا۔ زید بن اسلم اس کا معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تخلیق کو خوبصورت بنایا۔ گویا ان کے نزدیک یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد یہاں انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **وَبَنَّا خَلْقًا آٰلَمٰنًا**... یعنی اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو گارے سے پیدا کیا پھر ان کی نسل کا سلسلہ حقیر سے نطفے سے جاری کر دیا جو مرد کی چہرہ اور عورت کے سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہیں کان، آنکھیں، دل اور عقل عطا فرمائی لیکن تم اس عطا پر بہت کم شکر بجالاتے ہو۔ سعادت مند وہی ہے جو ان اعضاء کو اپنے رب کی اطاعت میں استعمال کرے۔

وَقَالُوا اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ لَئِنْ خَلِقْ جَدِيْدًا لَّيَبْلُغُنَّ اِلَيْهِ ①

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلٰكُ الْمَوْتِ الّٰتِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ②

”اور کہنے لگے کیا جب (مرنے کے بعد) ہم گم ہو جائیں گے زمین میں تو کیا ہم از سر نو پیدا کئے جائیں گے۔ درحقیقت یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کر رہے ہیں۔ فرمائیے جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے، پھر اپنے رب کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

مشرکین اعادۂ حیات کو محال سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے، خاک میں مل جائیں گے، ہمارے جسم شکست و ریخت کا شکار ہو جائیں گے اور ہمارے اجزا زمین میں بکھر جائیں گے تو کیا اس کے بعد ہمیں از سر نو زندہ کیا جائے گا؟ وہ اس چیز کو بعید اور محال سمجھتے کیونکہ ایسا کرنا ان کی محدود اور عاجز قدرت کے بس کا روگ نہ تھا لیکن اس ذات کی قدرت کے سامنے یہ بعید اور ناممکن نہیں جس نے انہیں عدم سے وجود بخشا اور جس کے امر کن سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے، اس لئے فرمایا **بَلْهُمْ بِلِقَاي رَبِّهِمْ لَغْوٌ**۔ پھر فرمایا: **قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلٰكُ الْمَوْتِ**۔ اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت ایک معین اور مخصوص فرشتہ ہے جیسا کہ سورۃ ابراہیم کی تفسیر میں مذکور حدیث براء رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہوتا ہے (1)۔ بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل بیان ہوا ہے اور یہی مشہور ہے۔ ان کے معاون فرشتے بھی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان کے معاون فرشتے تمام جسم سے روح کو نکالتے ہیں یہاں تک کہ جب روح گلے تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے قبض کر لیتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ زمین ان کے لئے سمیٹ دی گئی ہے اور اس طرح بنا دی گئی ہے جیسے کوئی سینی ۶۔ جب چاہیں کسی کو لے لیں (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے ملک الموت کو ایک انصاری کے مہمانے دیکھ کر فرمایا: ”اے ملک الموت! میرے چوٹی پر نرمی اور شفقت لے، کیونکہ یہ مومن ہے۔“ ملک الموت نے کہا کہ آپ اطمینان رکھیں اور اپنی آنکھیں مٹھلدی کریں۔ میں ہر مومن کے ماتحت ہوں ۵: ۵۰، ۵۱۔ آپ ﷺ کو وہ مومن چاہئے کہ میں ہر روز پانچ مرتبہ خشکی اور تری میں موجود رکھے چکے کھر کا بٹنر کا ناؤں اس میں ہر چھوٹے سے بڑے لوگوں سے ملتی رہتی ہے۔ یہاں جانتا ہوں جس قدر وہ خود بخود جانتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب تک مجھے اللہ جیانی نعم۔ میں یہ تمہاری روح قبض کرے۔ میں تمہیں نہیں ڈراؤں۔ حضرت معمر بن الداعی نے بتایے ہیں کہ ملک الموت نمازوں کے وقت میں کھڑی ہوتی ہے اور نماز کے وقت میں کھڑی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو موت کے وقت فرشتہ ان کے قریب ہوتا ہے اور

شیطان اس سے دور ہوتا ہے۔ اس نازک گھڑی میں فرشتہ اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر ہر گھر میں ملک الموت دن میں دو مرتبہ آتے ہیں۔ کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ ملک الموت روزانہ ہر دروازے پر کھڑے ہو کر سات مرتبہ نظر ڈالتے ہیں کہ اس میں کوئی ایسا تو نہیں جس کی روح تپش کرنے کا حکم ہو چکا ہو۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ثُمَّ اِلٰى رَبِّنَا بُشِّرْ جَعُونَ یعنی قیامت کے دن قبروں سے اٹھ کر تمہیں جزا کے لئے اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹنا ہوگا۔

وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ الْمُرْسَلُونَ نَاكِسُوْا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا اَبْصُرْنَا وَاَسْمِعْنَا مَا جَعَلْنَا تَعْمَلُ صَالِحًا اِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَآ مَأْسُكٌ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١١﴾ فَذُوقُوْا اِيَّاهُنَّ نِقْمًا يَّوْمَ كُمْ هٰذَا اِنَّا لَنَسِيْبُنَكُمْ وَذُوقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾

”اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے۔ (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیا اور (کانوں سے) سنا لیا۔ پس (ایک بار) بھیج ہمیں (دنیا میں) اب ہم نیک عمل کریں گے ہمیں اب پورا یقین آ گیا ہے۔ (جو اب ملے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ہم دے دیتے ہر شخص کو اس کی ہدایت لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے میری طرف سے کہ میں ضرور بھروسہ کا جنہم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے۔ پس اب پکھوسو اس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی ملاقات کو۔ ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا اور پکھو ابدی عذاب ان (کرتوتوں) کے عوض جو تم کیا کرتے تھے۔“

قیامت کے دن مشرکین جس رسوا کن حالت سے دوچار ہوں گے، اس کی خبر دی جا رہی ہے۔ جب وہ اعادۂ حیات کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حقیر و ذلیل ہو کر شرم و حیا سے سر جھکائے کھڑے ہوں گے تو اس وقت دکھیں گے: رَبَّنَا اَبْصُرْنَا وَاَسْمِعْنَا یعنی اب ہم تیرے فرمان کو سنتے ہیں اور تیرے حکم کی تعمیل کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصُرْ يَوْمَ يَأْتُتُنَا (مریم: 38) ”وہ بہت سنیں گے اور دیکھیں گے جس روز ہمارے پاس آئیں گے۔“ اسی طرح جب وہ جنہم رسید ہوں گے تو اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہیں گے: لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحَابِ النَّعِيْرِ (الملک: 10) ”کاش ہم سنتے اور سمجھتے تو آج (ہم) روزخون میں نہ ہوتے۔“ اسی طرح یہاں کہیں گے: رَبَّنَا اَبْصُرْنَا وَاَسْمِعْنَا یعنی ہم نے دیکھ لیا اور سنا لیا۔ اب ہمیں دنیا کی طرف لوٹنا، ہم نیک عمل کریں گے کیونکہ اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تیرا وعدہ بھی برحق ہے اور تیری ملاقات بھی برحق۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ اگر انہیں دنیا میں لوٹنا بھی دیا گیا تو بھی یہ پہلے کی طرح کافر ہی ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلائیں گے اور اس کے رسولوں کی مخالفت کریں گے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ الْمُرْسَلُوْنَ اَعْلٰى الشَّامِرِ فَقَالُوْا رَبَّنَا اِنَّا كُنَّا مِنَّا ذُوقُوْا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (الانعام: 27) اور یہاں فرمایا: وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَآ مَأْسُكٌ جَهَنَّمَ (یونس: 99) ”اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں سب کے سب لوگ ایمان لے آتے۔“ فرمایا: وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي یعنی یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں جن دہائیس سے جنہم کو بھروسہ دوں گا۔ اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ جنہمیں کو بھروسہ دینا کہا جائے گا: فَذُوقُوْا اِيَّاهُنَّ نِقْمًا

تم قیامت کی تکذیب، اس کے وقوع کو محال سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دینے کے سبب عذاب کا ذائقہ چکھو۔ فرمایا: اِنَّا نَسِيتُكُمْ لَعْنِيْهِمْ تَمَّهَا رَسُوْلُكُمْ سَاخِرًا مِّمَّنْ حَاوَلُوْا مِثْلَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ اِنَّكُمْ لَمِنَ السَّاجِدِيْنَ (البقرہ: 34) ”آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کئے رکھا۔“ آیت کے آخر میں فرمایا: وَذُوْا قُوْبًا مِّنْ دُوَابِّ الْاَرْضِ يَلْعَنُوْنَ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُوْنَ اُولٰٓئِكَ لَمَّا كَانُوْا فِيْ اٰثَمٰٓةٍ ۗ فَلَئِنْ قُلُوْا لَمَّا كَانُوْا عَلٰٓى اٰبَا (التبٰ: 24-30)۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرُوْا بِهَا خَسِرُوْا سُجَّدًا وَّ سَبْحًا وَّ اِيْحٰٓصًا رٰٓبِطًا رٰٓبِطًا وَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۳۰ تَسْتَجٰٓئِيْ جُؤْبُوْبُهُمْ عَنِ الْمَصٰحِحِ يَدْعُوْنَ رٰٓبِطًا حَوْقًا وَّ طَمَعًا ۗ وَّمِنَا رٰٓدًا قَمِيْطًا يُّنْفِقُوْنَ ۝۳۱ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرْۢوٰٓةٍ اَعْيُنٍ ۗ جَزَآءًا لِّمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۲

”صرف وہی لوگ ہمارے آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب ہماری آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور وہ غرور تکبر نہیں کرتے۔ دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ اور ان نعمتوں سے جو ہم نے ان کو دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ صلہ ہے ان (اعمال حسہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ ہماری آیات کی تصدیق صرف وہی اہل ایمان کرتے ہیں جو انہیں توجہ اور انہماک سے سن کر توڑنا اور فعلہ ان کی اطاعت کرتے ہیں، وہ اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے پاکی بیان کرتے ہیں اور اطاعت و انقیاد سے فاسق، فاجر اور جاہل کفار کی طرح تکبر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ ذٰلِجِيْنَ (المومن: 60) ”بے شک وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“ پھر فرمایا: تَسْتَجٰٓئِيْ جُؤْبُوْبُهُمْ۔ اس سے مراد ہے رات کو قیام کرنا اور نیند اور نرم بستر پر لیٹنے کو ترک کر دینا۔ حضرات انس، عکرمہ، محمد بن مسعود، ابو حازم اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد مغرب و عشاء کے درمیان کی نماز (ادائین) ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ہے عشاء کی نماز کا انتظار کرنا (1)۔ سخاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد عشاء اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنا۔ فرمایا: يَدْعُوْنَ رٰٓبِطًا۔ یعنی وہ عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں یعنی یہ ایسی نیکیاں بھی کرتے ہیں جن کا فائدہ ان کی ذات تک محدود ہوتا ہے اور ایسی نیکیاں بھی جن کا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے۔ ان میں سرفہرست سید اولاد آدم اور نوح و جہاں رسول اللہ ﷺ ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما آپ کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَقَهْنَا رَسُولَ اللَّهِ يَتْلُو كِتَابَهُ إِذَا انشَقَّ مِعْرَوفٌ مِّنَ الصُّبْحِ سَاطِعٌ
أَرَانَا الْهَدْيَ بَعْدَ الْعَمَى فَتَوَبْنَا بِهِ مَوْتَنَا إِنَّ مَا قَالُوا وَقِيعٌ
بَيِّتٌ يُجِبُّ فِي جَنَّةٍ عَن فِرَاشِهِ إِذَا اسْتَقْبَلَتْ بِالْبَشْرِ كَيْنَ النَّصَاجِعِ

یعنی ہم میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ جب صبح طلوع ہونے لگتی ہے تو آپ کتاب اللہ کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں۔ گمراہی کے بعد آپ ﷺ نے ہمیں ہدایت کی راہ پر گامزن کیا۔ چنانچہ ہمارے دل اس بات پر یقین رکھنے والے ہیں کہ جو آپ ﷺ نے فرمایا، وہ یقیناً وقوع پذیر ہوگا۔ رات بھر آپ اپنے پہلو کو بستر سے دور رکھتے ہیں جبکہ مشرکین گہری اور بیٹھنی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر رات وہ شخصوں پر بہت خوش ہوتا ہے، ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں رغبت اور اس کے عذاب سے خوف کے باعث اپنا بستر اور لحاف چھوڑ کر اپنے اہل و عیال کے درمیان سے صرف نماز پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور دوسرا وہ شخص جس نے راہِ خدا میں جہاد کیا، اس کے ساتھ ٹھکست کھا کر پسا ہوئے لیکن یہ جان کر کہ فرار ہونے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور میدانِ جہاد کی طرف لوٹنے میں اس کی رضامندی مضمر ہے، وہ تو اب کی امید پر اور عذاب سے خوف کے سبب واپس پلٹا اور اپنی جان قربان کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرما تا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو جو میرے ثواب کی امید پر اور میرے عذاب سے ڈر کر واپس گیا اور اپنی جان نثار کر دی“ (1)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا۔ چلتے چلتے ایک صبح میں آپ کے قریب آ گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے ایک بہت بڑے امر کے متعلق سوال کیا ہے لیکن یہ اس پر آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ اسے آسان بنا دے، اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا کہ کیا میں بھلائی کے دروازوں پر تمہاری رہنمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو محسوم کر دیتا ہے اور انسان کا آدھی رات کو نماز پڑھنا۔ پھر آپ ﷺ نے ان آیات شریفیٰ یَعْمَدُونَ کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ خبر نہ دوں کہ اس امر کا سر، اس کا ستون اور اس کی کوہان کی چوٹی کیا ہے؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس امر کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کی کوہان کی چوٹی راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں ان تمام چیزوں کی اصل نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کی کہ ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کہ اسے اپنے قابو میں رکھو۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا گفتگو پر بھی ہم سے باز پرس ہوگی؟ فرمایا: اے معاذ! تمہاری ماں تم پر روئے، زبانوں کی باتوں کے باعث ہی لوگوں کو اوندھے منہ جہنم رسید کیا جائے گا“ (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”کیا میں ابوابِ خیر پر تمہاری رہنمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہ کا کفارہ ہے اور بندہ کا نصف شب کو قیام کرنا“۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت شریفیٰ کی تلاوت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ اس سے مراد ہے رات کو قیام کرنا (3)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ ﷺ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 20-19، منہ حمہ، جلد 1، صفحہ 461

3۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 103-102

2۔ مستدرک جلد 7، صفحہ 231، مارحہ الاموازی، ابواب لایمان، جلد 10، صفحہ 88-87، وغیرہ

نے مجھے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو میں تمہیں شیر کے دروازے بتائے دیتا ہوں، روزہ ڈھال ہے، صدق گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور آدھی رات کو قیام کرنا۔“ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت اسما بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اول و آخر سب لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک منادی آواز دے گا جسے تمام مخلوق سنے گی کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ معزز کون ہے، پھر ندا آئے گی کہ وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں جن کے پہنو بستروں سے دور رہتے تھے۔ یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان کی تعداد بہت کم ہوگی (1)۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو ہم ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ صحابہ مغرب کے بعد عشاء تک نماز میں مشغول رہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ پھر فرمایا: قُلَّا تَعْلَمُونَ مَنْ لِيُحْيِيَ كُوفِي الْقَهْقُورِ ان مجاہدوں اور ریاضتوں کی عظمت کو نہیں جانتا جن میں ان کے لئے ایسی دائمی نعمتیں اور لذتیں تھیں جن پر کوئی شخص مطلع نہیں ہو سکتا۔ چونکہ انہوں نے اپنے اعمال کو غفلت رکھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اجر و ثواب کو غفلت کر دیا۔ یہ پورا پورا بدلہ ہے کیونکہ جیسا عمل وہی بدلہ۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے پوشیدہ طور پر اعمال کئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسی پوشیدہ نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک آیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں، کسی کان نے سنا تک نہیں اور کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آیا“ (3)۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ آیت قُلَّا تَعْلَمُونَ مَنْ لِيُحْيِيَ كُوفِي الْقَهْقُورِ میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ یہ ایسا ذخیرہ ہے جس پر تم آگاہ نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی قرأت میں فرقہ کے بجائے ”قِرَاءَةٌ“ سے ایک اور حدیث میں فرمایا: ”جو شخص جنت میں داخل ہوگا، اسے نعمتیں میسر ہوں گی۔ نہ وہ محتاج ہوگا، نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ اس کی جوانی رخصت ہوگی۔ جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ وہ کسی بشر کے دل میں کھلکیں“ (4)۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں میں نے رسول اللہ ﷺ کو جنت کا وصف بیان کرتے ہوئے سنا، آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں ایسی نعمتیں ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے دل میں وہ کھلکی ہوں گی۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (5)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ سب سے ادنیٰ درجہ والا جنتی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص جو تمام جنتیوں کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد آئے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ عرض کرے گا: یا اللہ! میں کیسے جنت میں جاؤں، لوگ تو اپنی اپنی جگہوں پر قابض ہو چکے ہیں اور وہ اپنا اپنا حصہ لے چکے ہیں؟ اسے کہا جائے گا کہ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ تمہیں اس قدر مل جائے جس قدر دنیا کے کسی بادشاہ کو حاصل تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ اسے پروردگار! میں اس پر راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمے گا کہ یہ تیرا ہوا، اتنا اور، اتنا اور، اتنا اور۔ پانچویں مرتبہ یہ فرمانے پر وہ عرض کرے گا: پروردگار! میں راضی ہو گیا، میں خوش ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ بھی تجھے عطا ہوا اور اس

2- کشف الاستر: من زاد ما زاد، جلد 3 صفحہ 65

1- ابن ابی حاتم

3- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 145 صحیح مسلم، کتاب البیت، جلد 4 صفحہ 2174 و فیروہ

4- صحیح مسلم، کتاب البیت، جلد 4 صفحہ 2180 تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 106

5- صحیح مسلم، کتاب البیت، جلد 4 صفحہ 2175 مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 234

سے دس گنا مزید بھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر وہ چیز تمہیں عنایت کی جس کی تمہیں خواہش ہو اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنک محسوس کریں۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! بس بس میں خوش ہوں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ سب سے اعلیٰ درجہ والا جنتی کون ہے؟ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کرامت میں نے اپنے ہاتھ سے پائی اور اس پر مہر لگا دی پھر نہ کسی آنکھ نے اسے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کو اس کا خیال آیا۔ اس کا مصداق یہ آیت **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ** ہے (1)۔ حضرت عامر بن مہد الواحد فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک جنتی ستر سال اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا ہے گا پھر وہ التفات کرے گا تو اسے بنیات خوبصورت جو دکھائی دے گی جو کہے گی کہ میں تمہارا حصہ ہوں۔ وہ اس دور کے ساتھ ستر سال ٹھہرا رہے گا پھر جو التفات کرے گا تو اسے اس سے بھی بڑھ کر حسن و جمال کا پیکر جو نظر آئے گی جو اسے کہے گی کہ میں تمہاری ہوں۔ وہ پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی کہ میں مزید سے ہوں۔ اس کے ساتھ ستر سال لطف اندوز ہونے کے بعد پھر جب وہ متوجہ ہوگا تو اسے اس سے بھی بڑھ کر مرقع حسن و جمال جو ملے گی جو اسے کہے گی کہ اب وقت آ گیا ہے کہ مجھے بھی آپ سے میرا حصہ نصیب ہو۔ وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گی کہ میں وہی ہوں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ** (2)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے جنتیوں کے پاس دنیا کے دنوں کے اندازے کے مطابق ہر روز تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت عدن کے وہ تحفے لائیں گے جو ان کی جنت میں نہیں ہوں گے۔ اس آیت میں اسی کا بیان ہے اور وہ فرشتے انہیں خبر دیں گے کہ اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہے (3)۔ حضرت ابوالیمان فزاری یاسی اور سے مروی ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ پہلا درجہ چاندی کا ہے، اس کی زمین بھی چاندی کی، اس کے محلات بھی چاندی کے، اس کے برتن بھی چاندی کے اور اس کی مٹی منگہ ہے۔ دوسرا درجہ سونے کا ہے، اس کی زمین بھی سونے کی، اس کے محلات بھی سونے کے، اس کے برتن بھی سونے کے اور اس کی مٹی منگہ ہے۔ تیسرا درجہ موتی کا ہے اس کی زمین بھی موتیوں کی، رہائش گاہیں بھی موتیوں کی اور برتن بھی موتیوں کے اور مٹی منگہ ہے۔ اور اس کے بعد باقی ستانوں سے درجے ایسے ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی دل میں گزرے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی (4)۔ نبی کریم ﷺ حضرت روح الامین سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بندے کی نیکیاں اور بدیاں لائی جائیں گی جن میں سے بعض بعض سے کم کی جائیں گی۔ پھر اگر ایک نیکی بھی بچ گئی تو اللہ تعالیٰ جنت میں اسے کشادگی عطا فرمائے گا۔ راوی نے بزدار سے پوچھا کہ نیکیاں کہاں چلی گئیں؟ انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: **أُولَئِكَ الَّذِينَ سَقَّيْنَا عَنْهُمْ أَحْسَنَ مِمَّا عَمِلُوا وَنَجَّوْا عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ (الاحقاف: 16)** ”یہی وہ ہیں جن کے عمدہ اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں۔“ پھر دریافت کیا کہ اس آیت **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ** کا مطلب کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جب بندہ لوگوں سے چھپا کر کوئی نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے وہ نعمتیں عطا فرمائے گا جو اس نے اس کے لئے پوشیدہ کر رکھی تھیں (5)۔

أَقْمَنَ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۖ لَا يَسْتَوُونَ ۚ ۝ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ النَّوَاسِ ۖ نَزَّلًا مِنَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ دُونُوا آيَاتِنَا

2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 549-550

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 176، 177، 178، 179، 180، 181، 182، 183، 184، 185، 186، 187، 188، 189، 190، 191، 192، 193، 194، 195، 196، 197، 198، 199، 200، 201، 202، 203، 204، 205، 206، 207، 208، 209، 210، 211، 212، 213، 214، 215، 216، 217، 218، 219، 220، 221، 222، 223، 224، 225، 226، 227، 228، 229، 230، 231، 232، 233، 234، 235، 236، 237، 238، 239، 240، 241، 242، 243، 244، 245، 246، 247، 248، 249، 250، 251، 252، 253، 254، 255، 256، 257، 258، 259، 260، 261، 262، 263، 264، 265، 266، 267، 268، 269، 270، 271، 272، 273، 274، 275، 276، 277، 278، 279، 280، 281، 282، 283، 284، 285، 286، 287، 288، 289، 290، 291، 292، 293، 294، 295، 296، 297، 298، 299، 300، 301، 302، 303، 304، 305، 306، 307، 308، 309، 310، 311، 312، 313، 314، 315، 316، 317، 318، 319، 320، 321، 322، 323، 324، 325، 326، 327، 328، 329، 330، 331، 332، 333، 334، 335، 336، 337، 338، 339، 340، 341، 342، 343، 344، 345، 346، 347، 348، 349، 350، 351، 352، 353، 354، 355، 356، 357، 358، 359، 360، 361، 362، 363، 364، 365، 366، 367، 368، 369، 370، 371، 372، 373، 374، 375، 376، 377، 378، 379، 380، 381، 382، 383، 384، 385، 386، 387، 388، 389، 390، 391، 392، 393، 394، 395، 396، 397، 398، 399، 400، 401، 402، 403، 404، 405، 406، 407، 408، 409، 410، 411، 412، 413، 414، 415، 416، 417، 418، 419، 420، 421، 422، 423، 424، 425، 426، 427، 428، 429، 430، 431، 432، 433، 434، 435، 436، 437، 438، 439، 440، 441، 442، 443، 444، 445، 446، 447، 448، 449، 450، 451، 452، 453، 454، 455، 456، 457، 458، 459، 460، 461، 462، 463، 464، 465، 466، 467، 468، 469، 470، 471، 472، 473، 474، 475، 476، 477، 478، 479، 480، 481، 482، 483، 484، 485، 486، 487، 488، 489، 490، 491، 492، 493، 494، 495، 496، 497، 498، 499، 500، 501، 502، 503، 504، 505، 506، 507، 508، 509، 510، 511، 512، 513، 514، 515، 516، 517، 518، 519، 520، 521، 522، 523، 524، 525، 526، 527، 528، 529، 530، 531، 532، 533، 534، 535، 536، 537، 538، 539، 540، 541، 542، 543، 544، 545، 546، 547، 548، 549، 550، 551، 552، 553، 554، 555، 556، 557، 558، 559، 560، 561، 562، 563، 564، 565، 566، 567، 568، 569، 570، 571، 572، 573، 574، 575، 576، 577، 578، 579، 580، 581، 582، 583، 584، 585، 586، 587، 588، 589، 590، 591، 592، 593، 594، 595، 596، 597، 598، 599، 600، 601، 602، 603، 604، 605، 606، 607، 608، 609، 610، 611، 612، 613، 614، 615، 616، 617، 618، 619، 620، 621، 622، 623، 624، 625، 626، 627، 628، 629، 630، 631، 632، 633، 634، 635، 636، 637، 638، 639، 640، 641، 642، 643، 644، 645، 646، 647، 648، 649، 650، 651، 652، 653، 654، 655، 656، 657، 658، 659، 660، 661، 662، 663، 664، 665، 666، 667، 668، 669، 670، 671، 672، 673، 674، 675، 676، 677، 678، 679، 680، 681، 682، 683، 684، 685، 686، 687، 688، 689، 690، 691، 692، 693، 694، 695، 696، 697، 698، 699، 700، 701، 702، 703، 704، 705، 706، 707، 708، 709، 710، 711، 712، 713، 714، 715، 716، 717، 718، 719، 720، 721، 722، 723، 724، 725، 726، 727، 728، 729، 730، 731، 732، 733، 734، 735، 736، 737، 738، 739، 740، 741، 742، 743، 744، 745، 746، 747، 748، 749، 750، 751، 752، 753، 754، 755، 756، 757، 758، 759، 760، 761، 762، 763، 764، 765، 766، 767، 768، 769، 770، 771، 772، 773، 774، 775، 776، 777، 778، 779، 780، 781، 782، 783، 784، 785، 786، 787، 788، 789، 790، 791، 792، 793، 794، 795، 796، 797، 798، 799، 800، 801، 802، 803، 804، 805، 806، 807، 808، 809، 810، 811، 812، 813، 814، 815، 816، 817، 818، 819، 820، 821، 822، 823، 824، 825، 826، 827، 828، 829، 830، 831، 832، 833، 834، 835، 836، 837، 838، 839، 840، 841، 842، 843، 844، 845، 846، 847، 848، 849، 850، 851، 852، 853، 854، 855، 856، 857، 858، 859، 860، 861، 862، 863، 864، 865، 866، 867، 868، 869، 870، 871، 872، 873، 874، 875، 876، 877، 878، 879، 880، 881، 882، 883، 884، 885، 886، 887، 888، 889، 890، 891، 892، 893، 894، 895، 896، 897، 898، 899، 900، 901، 902، 903، 904، 905، 906، 907، 908، 909، 910، 911، 912، 913، 914، 915، 916، 917، 918، 919، 920، 921، 922، 923، 924، 925، 926، 927، 928، 929، 930، 931، 932، 933، 934، 935، 936، 937، 938، 939، 940، 941، 942، 943، 944، 945، 946، 947، 948، 949، 950، 951، 952، 953، 954، 955، 956، 957، 958، 959، 960، 961، 962، 963، 964، 965، 966، 967، 968، 969، 970، 971، 972، 973، 974، 975، 976، 977، 978، 979، 980، 981، 982، 983، 984، 985، 986، 987، 988، 989، 990، 991، 992، 993، 994، 995، 996، 997، 998، 999، 1000

5۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 551

4۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 105

3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 550

الْقَارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ مُكْذِبُونَ ۝ وَ لَنْ يَنْفَعَكُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْاِذْنِي دُونَ الْعَذَابِ
 اِلَّا كَتَبَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمَ مِنْ ذِكْرِ اِيْلَتِ رَبِّهَا ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا
 مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُتَشَفِّعُونَ ۝

”تو کیا جو شخص ایماندار ہو وہ اس کی مانند ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ (نہیں) یہ یساں نہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لئے جہنمیں ہمیشہ ٹھکانہ ہیں بطور ضیافت ان (نیکوں) کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی تو ان کا ابدی ٹھکانہ آگ ہے۔ جتنی مرتبہ وہ ارادہ کریں گے کہ (کسی طرح) یہاں سے نکل جائیں تو (ہر بار) انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور انہیں کہا جائے گا چکھو آگ کا عذاب جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ہم ضرور سچھتے رہیں گے انہیں تھوڑا تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پیسے تاکہ وہ (فسق و فجور سے) باز آجائیں۔ اور کون زیادہ عالم ہے اس سے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پھر اس نے روگردانی کی ان سے۔ بے شک ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کے عدل اور کرم کا بیان ہو رہا ہے کہ اس کے نزدیک اس کی آیات پر ایمان رکھنے والا اور اس کے رسولوں کی اتباع کرنے والا مومن اور اس کی نافرمانی کرنے والا اور اس کے پیغمبروں کی تکذیب کرنے والا فاسق یکساں نہیں ہو سکتے جیسے کہ اور مقامات پر فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اٰنٰجَنُوا النَّسِيْبَاتِ اَنْ نَّجْعَلَنَّهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِثْلًا مَّا كَانُوْا مِنْكُمْ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُعْلَمُوْا (الجماعۃ: 21) ”کیا ان لوگوں نے خیال کر رکھا ہے جو برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند بنا دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے ان کا جینا اور مرنا۔ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں“ اَمْ تَحْسَبُ الْاٰلِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالَّذِيْنَ فِيْ الْاٰثْمٰثِ اَمْ تَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالَّذِيْنَ جَارُوا (ص: 28) ”کیا ہم بتا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی طرح جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یا ہم پر ہیزگاروں کو فاجروں کی طرح بتا دیں گے۔“ لَا يَسْتَوِيْ اَصْحَابُ النَّارِ وَاَصْحَابُ الْجَنَّةِ (المحشر: 20) ”دوزخی اور جنتی یکساں نہیں ہو سکتے۔“ عطاء بن رباح اور سعدی وغیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت اَقْمِنْ كَانَ مُؤْمِنًا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عقید بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی (1)۔ پھر ان دونوں قسموں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَقْمِنِ الَّذِيْ اٰمَنُوْا یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لائے اور ان کے تقاضا کے مطابق نیک اعمال کرتے رہے ان کے لئے ایسی جنتیں ہیں جن میں مخلات، رہائش گاہیں اور بالا خانے ہیں۔ یہ بطور ضیافت و کرامت کے ہے ان اعمال کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منحرف رہے ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے، جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے، انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: لِحٰثِنَا اَنْزَلْنٰهُ اَنْ يُّخْرَجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اَعِيْبُوْا وَافِيْضًا (الحج: 22) ”فراخ و رنج و الم کے باعث جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا۔“ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، آگ کے شعلے ان کی طرف لپک رہے ہوں گے اور فرشتے ان پر کوڑے برسار رہے ہوں گے، اور انہیں زجر و توبیح کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ اس آگ کے عذاب کو چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ پھر فرمایا: وَ لَنْ يَنْفَعَكُمْ مِنَ الْعَذَابِ

الاولیٰ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عذاب اوتیٰ سے مراد دنیا کے مصائب، بیماریاں، آفات اور دوسری آرزوئیں ہیں جن میں جہلا کرنے سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگ توبہ کر لیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی منقول ہے حد و کافا۔ حضرات براء بن عازب، مجاہد اور ابو عبیدہ نے اس سے مراد عذاب قبر لیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قحط سالی ہے (1)۔ حضرت ابی بن کعب اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اشفاق قمر اور دھواں یہ دونوں گزر چکے ہیں، سخت پکڑ اور جہا کن عذاب (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ عذاب اوتیٰ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد بدر کے دن کفار کا قتل اور قید کیا جانا ہے کیونکہ بدر کے دن انہیں ایسی شرمناک برزیت اٹھانا پڑی کہ مکہ کے گرگھر میں حصف ماتم چھ گئی، کسی کا مزہ قتل ہوا اور کسی کا قید ہوا اور بعض کے رشتہ دار قتل بھی ہوئے اور قید بھی (3)۔ اس کے بعد فرمایا: **وَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ ذٰلِكَ** یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جسے اللہ تعالیٰ کی آیات سے نصیحت کی گئی لیکن اس نے ان سے روگردانی کرتے ہوئے انہیں فراموش کر دیے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرو کیونکہ ایسا کرنے والا شخص فریب خوردہ، بے وقعت اور گنہگار ہے۔ اس سے ایسے لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: **اِنَّ اَصْحٰبَ الْمُجْرِمِ مَنۢ مِّنۡتَقِمُوۡنَ**۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کام ایسے ہیں جنہیں کرنے والا مجرم ہے، جس نے بغیر حق کے جھنڈا باندھا، جس نے اپنے والدین کی ذمہ داری کی، جس نے ظالم کی حمایت کی۔ یہ لوگ مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مجرموں سے انتقام لیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنۡ فِىۡ مِرۡيۡتٍ مِّنۡ لِّقَآئِہٖۤ وَّ جَعَلْنٰہُ شٰہِدًا لِّبَنِيۡہِۚ
اِسْرَآءِیۡلَ ؕ وَ جَعَلْنَا مِنْہُمْ اٰیٰتًا یَّہۡدُوۡنَ بِاَمْرِنا۟ لَمَّا صَبَرُوۡا۟ وَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا
یُوقِنُوۡنَ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ یَفۡصَلُ بَیۡنَہُمۡ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَوۡفِیۡمًا کَانُوۡا فِیۡہِۤ یَحۡتَلِفُوۡنَ ۝۱۱

”اور بے شک ہم نے عطا فرمائی تھی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب۔ تو آپ شک میں نہ بننا۔ یہوں اپنی کتاب کے ملنے سے اور ہم نے بنایا تھا اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لئے۔ اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا، اور جبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے۔ اور جب تک وہ ہر رقی آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے۔ بے شک آپ کا پروردگار وہی فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن امور میں وہ (ہامی) اختلاف کیا کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے اپنے بندے اور رسول موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تو رات عطا کی۔ قتادہ اس ارشاد **فَلَا تَكُنۡ فِیۡ مِرۡیۡتٍ مِّنۡ لِّقَآئِہٖۤ** کی وضاحت کرتے ہیں کہ آپ معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے بارے میں شک و شبہ میں نہ رہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے معراج کی رات حضرت موسیٰ بن عمران کو دیکھا گندمی رنگت والے، دراز قد اور گھونگر یا لے بالوں والے جیسے قبیلہ شموہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ میں نے علی علیہ السلام کو دیکھا، میانہ قد، رنگت سرخ و سفید اور سیدھے بالوں والے اور میں نے جنم کے دارونگہ مانگ اور دجال کو بھی دیکھا۔“ یہ سب ان نشانوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دکھائے۔ سو اس کی ملاقات میں شک نہ کرو۔ یقیناً آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معراج کی شب دیکھا اور ان سے

1- سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 7، صفحہ 129
2- صحیح بخاری، تفسیر سورہ دخان، جلد 6، صفحہ 164، صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ، جلد 4، صفحہ 2157 وغیرہ

3- مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 414، الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 554

ملاقات کی (1)۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ جَعَلْنَا هَذِهِ بَيْنِي وَبَيْنَ اسْرَائِيلَ كَمَا مَقْبُومٌ بِهِ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا اور فَلَا تَكْفُرْ فِيْ وِيْوَاتِهِمْ لِقَابِهِمْ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب سے ملاقات مراد ہے (2)۔ ”وَجَعَلْنَا“ کی ضمیر مشغول کا مرجع کتاب بھی ہو سکتی ہے یعنی ہم نے اس کتاب کو جو ہم نے موسیٰ کو عطا کی، نبی اسرائیل کے لئے ہدایت بنا دیا جیسا کہ فرمایا: وَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَلَا تَتَّخِذُوْا اٰمِنُوْنَ ذُرِّيَّةً وَّكِيْلًا (نبی اسرائیل: 2) ”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے ہم نے نبی اسرائیل کے لئے باعث ہدایت بنایا کہ میرے پیغمبر کسی اور کو (اپنا) کارساز نہ بناؤ۔“ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اٰيٰتًا - - - یعنی جب تک یہ ادھر کی بجائے اور یہی سے اجتناب، رسولوں کی تصدیق اور ان کے لئے ہوئے پیغام کی اتباع پر ڈلے رہے تو ہم نے ان میں سے ایسے امام اور پیشوا بنائے رکھے جو اللہ کے حکم سے حق کی راہ دکھاتے، بھلائی کی دعوت دیتے، نیکی کا خم رکھتے اور برائی سے منع کرتے۔ پھر جب انہوں نے کتاب اللہ میں رد و بدل اور تحریف و تاویل کا ارتکاب کیا تو ان سے یہ مقام سلب کر لیا گیا اور ان کے دل سخت ہو گئے۔ نہ ان کا عمل نیک رہا اور نہ ان کا عقیدہ درست رہا۔ قہارہ اور سفیان کثا صَدُوْرُ وَاكِي وَضاحت میں کہتے ہیں کہ جب وہ دنیا سے بچ رہے۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے ہی تھے اور ایک پیشوا کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ دنیا سے احتراز کرے۔ مزید فرماتے ہیں کہ دین کیلئے علم اس طرح ضروری ہے جیسے جسم کے لئے روٹی۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق دریافت کیا گیا کہ صبر کا ایمان میں ایسا درجہ ہے جیسے سر کا جسم میں تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے یہ فرمان وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اٰيٰتًا يُّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَدُوْرُ وَاكِي سنا۔ جب انہوں نے تمام کاموں کے سر کو تقام لیا تو وہ کہیں اور اہم بن گئے۔ کسی عالم کا قول ہے کہ دین میں امامت صبر اور یقین سے حاصل کی جاتی ہے، اس لئے فرمایا: وَ لَقَدْ اَتَيْنَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ الْكِتَابَ وَ اَلْحَكْمَةَ وَ النُّبُوَّةَ وَ اَتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنْ اَلْاَمْرِ (الجماعہ: 17-16) اسی طرح یہاں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان عقائد اور اعمال کا فیصلہ فرمائے گا جن میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ اِلَيْهِمْ كَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَسْتَوْنَ فِيْ مَسٰكِيْنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ - اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُودِ فَيُحْرِمُوْنَ مِنْهَا زَرْعًا كُلَّ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يَبْصُرُوْنَ ﴿٥١﴾

”کیا یہ چیز ان کی ہدایت کا باعث نہ بنی تھی تو میں تمہیں جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا حالانکہ یہ چل پھر رہے ہیں ان کے مکانات میں۔ بے شک ان میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں۔ کیا وہ (ان درود یوار سے داستان عبرت) نہیں سن رہے؟ کیا انہوں نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم لے جاتے ہیں پانی بنجر زمین کی طرف پھر ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے سے کھیتی، کھاتے ہیں اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی کیا وہ (یہ بھی) نہیں دیکھتے؟“

کیا رسولوں کو جھٹلانے والے یہ بد بخت اس سے بھی ہدایت کو قبول نہیں کرتے کہ ان سے پہلے ہم نے بہت ہی قوموں کو برہاد کر دیا کیونکہ وہ پیغمبروں کی تکذیب اور ان کے لئے ہوئے پیغام کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں انہیں صلیبی ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، اس لئے فرمایا: يَسْتَوْنَ فِيْ مَسٰكِيْنِهِمْ یعنی یہ جھٹلانے والے ان جھٹلانے والوں کی اجزی

ہوئی بستیوں میں چلتے پھرتے ہیں اور یہیں انہیں ان لوگوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آتا جنہوں نے ان بستیوں کو آباد کیا تھا۔ ان ویران مکانوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہاں آباد ہوئے ہی نہیں تھے جیسا کہ فرمایا: قَبِيْطٌ مِّمَّيْنِ تَهْتُمُ خَاوِيَةً يٰۤاَيُّهَا كَلْبُؤُا (النمل: 52) ”ہاں یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم کے باعث اجڑے پڑے ہیں۔“ فَكَلْبَيْنِ هِنِ قَدِيْمَةٌ اَخْلَكْنَاهَا۔ وَ لٰكِنْ تَقَعَسَ الْاَلْقُوْبُ اَلَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج: 46-45) اس لئے یہاں فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لٰاٰيٰتٍ لِّاَقْلَامِيْسٍ مَّعُوْنٍ یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کی تباہی و بربادی اور ان پر ایمان لانے والوں کی نجات میں عبرت اور پند و نصیحت کی بہت سی نشانیاں اور دلیلیں ہیں۔ کیا یہ لوگ پہلے کز رے ہوئے لوگوں کی عبرت تک داستان نہیں سنتے کہ ان کا کیا انجام ہوا۔ پھر اگلی آیت میں فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اَسْمٰوَتِيْ اَلْمَآءَ اس میں اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنے لطف و کرم اور احسان کو بیان فرما رہا ہے کہ وہ آسمان سے بارش برسا کر اور نہروں اور دریاؤں کو جاری کر کے پانی مینا کرتا ہے علاوہ انہیں پہاڑوں اور اونچی جگہوں سے پانی ٹڑھلکا ہوا آتا ہے اور ندیوں اور نالوں کے ذریعے ادھر ادھر پھیل کر نجر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اِنَّ اَنْزٰلِنٰهُ رِجًّا مِّنْ سَمٰوٰتِنَا مَآءً لِّتَحْيٰى بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ وَاْتِهَا بِهَا مَآءٌ اٰوٰى (الکہف: 8) ”اور ہم ہی ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں، پھیلنا غیر آباد میدان بنانے والے ہیں“ اس سے مراد صرف مر زمین مصر نہیں، بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مصر کی زمین ہے لیکن یہ درست نہیں۔ یہاں صرف مصر کی زمین مقصود نہیں بلکہ اس سے مراد ہر وہ زمین ہے جو سوکھ گئی ہو، سخت ہو اور پانی کی محتاج ہو۔ بلاشبہ مصر کی زمین شوربیلی اور ریتیلی ہے اسے پانی کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ اگر اس پر بارشیں برسیں تو مکانات اور عمارت کے منہدم ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے احسان فرماتے ہوئے دریائے نیل کے ذریعے پانی کا انتظام کر دیا۔ اب نہ صرف بلاد حبشہ کی بارشوں کا پانی دریاے نیل میں شامل ہو کر مصر تک پہنچتا ہے بلکہ وہ سرخ مٹی بھی اپنے ساتھ لاتا ہے جو مصر کی زمین میں شامل ہو کر اسے زرخیز اور قاش کاشت بنا دیتی ہے۔ بارش کسی اور علاقے میں برتی ہے، امرنی مٹی کسی اور علاقے کی ہوتی ہے لیکن ان سے استفادہ مصری کرتے ہیں اور ہر سال نئے پانی اور نئی مٹی کے سبب بہت زیادہ پیداوار حاصل کرتے ہیں۔ اس حکیم کریم، منان اور محمود کی یہ کرم نوازیاں ہیں۔ مروی ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو وہ نہ مینے میں وہاں کے باشندے امیر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے نیل کی ایک عادت ہے جس کے مطابق یہ جاری ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اس ماہ کی بارہ تاریخ کے بعد ہم والدین کی اکلوتی باکرہ بیٹی لیتے ہیں، اس کے والدین کو کسی نہ کسی طرح راضی کر لیتے ہیں اور پھر اسے خوبصورت کپڑوں اور زیورات سے آراستہ کر کے دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اگر ہم ایسی لڑکی دیا کی نذر نہ کریں تو اس میں پانی جاری نہیں ہوتا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ علامہ اس کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اسلام تو ایسی جاہلانہ اور ظالمانہ رسموں کو مناتا ہے۔ آپ نے اس رسم کو موقوف کر دیا تو وہ اس سے باز آگئے لیکن جب دریائے نیل جاری نہ ہوا تو لوگ تنگ آ کر مصر کو چھوڑنے کے متعلق سوچنے لگے۔ اب حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط تحریر کیا اور آپ کو اس صورتحال سے آگاہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب لکھا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں دریائے نیل کے نام ایک رقعہ بھیج رہا ہوں، اسے نیل میں ڈال دینا۔ فاتح مصر نے اس رقعہ کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ اللہ کے بندے عمر کی طرف سے اہل مصر کے نیل کے نام، اما بعد، اگر تو اپنی مرضی سے چلتا تھا تو پے شک نہ چل اور اگر تمہیں خدائے واحد جاری کرتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تمہیں جاری کر دے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈال دیا تو ہفتہ کی صبح دریائے نیل جاری ہو گیا اور ابھی ایک رات بھی نہ کزری تھی کہ

دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگے۔ اس طرح مسعر میں اس بیج رسم کا خاتمہ ہو گیا (1)۔ اس آیت جیسی یہ آئی بھی ہے: فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ صَعَابَةٍ ۖ أَفَلَا صَبَّيْنَاكَ صَبَابًا ۗ لَمْ يَشْفُقْنَا إِلَّا نَرْضُ شَقًّا (مس: 24-26) اسی طرح یہاں فرمایا: أَفَلَا يَنْظُرُونَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارض جز سے مراد وہ زمین ہے جس پر بارش: کافی برکت ہے پھر یہ سیلاب کے پانی سے سیراب ہوتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ زمین یمن میں ہے۔ حسن رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یمن اور شام کے درمیان ایسی بستیاں ہیں۔ عکرمہ و شحاک، قتادہ، سدوی اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ ایسی غبار آلود زمین ہے جس میں پیداوار نہ ہو۔ یہ اس فرمان کی طرف ہے: ذَايَا نَهُمُ الْاَنْرَضُ الْمَيْبُتَةُ۔ فَبِنْدُهُ يَأْكُمُونَ (یسین: 33)۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْفَتْحُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۗ ﴿٣٠﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٣١﴾ فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَانْتَصَرَ لَهُمْ مَسْتَقِرُونَ ﴿٣٢﴾

”اور (بار بار) پوچھتے ہیں یہ فیصلہ کب ہوگا؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ آپ فرمائیے فیصلہ کا دن نہ فائدہ پہنچائے گا کافروں کو ان کا ایمان لانا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی پس (اے صیب!) رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے اور انتظار فرمائیے، وہ بھی منتظر ہیں۔“

وقوع عذاب کے متعلق کفار کی جلد بازی کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ نزول عذاب کو محال سمجھتے ہوئے، اسے جھٹلاتے ہوئے اور سرکش کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ کے نبی ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ یہ فیصلہ کب ہوگا، سب تم ہم پر غلبہ آؤ گے، وہ وقت کب آئے گا جب تم ہمیں مغلوب کر کے ہم سے انتقام لو گے؟ ہم عرض سے تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو مغلوب، بے وقعت اور خوفزدہ دیکھ رہے ہیں۔ ہمارا اتنا خوف چھایا ہوا ہے کہ تم لوگ چھپ چھپ کر اپنی جان بچاتے ہو۔ اس کے جواب میں فرمایا: قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ یعنی جب دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور غضب آپ آتو تو اس وقت کا ایمان فائدہ دے گا اور نہ مزید مہلت کی جائے گی جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُسْلِمُهُم بِالسِّيْفِ قَدْ حُوتُوا بِمَا عٰدُوا مِنْ نَعِيمٍ۔ (المومن: 83) ”پس جب ان کے پاس ان کے رسول روشن ولیلین لے کر آئے تو انہوں نے کفر کیا اور نازاں رہے اس غم پر جو ان کے پاس تھا اور (آخر کار) انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“ جس شخص نے یہاں فتح سے مراد فتح مکہ کی ہے وہ بہت دور کی کوڑی لایا ہے اور خطا کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے تقریباً دو ہزار کافروں کے اسلام لانے کو قبول کر لیا تھا، اگر اس سے مراد فتح مکہ ہوتی تو آپ ﷺ ان کا اسلام قبول نہ کرتے کیونکہ اس آیت میں مذکور ہے کہ اس دن نہ کافروں کا ایمان انہیں نفع بخش ہوگا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی بلکہ اس فتح سے مراد ہے فیصلہ کرنا جیسا کہ فرمایا: فَالْفَتْحُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا (الشعراء: 118) ”پس تو میرے اور ان کے درمیان قطعی فیصلہ فرما دے۔“ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا لَهُمُ يَفْتَحُ بَيْنَنَا وَبِالْعَوَىٰ (سبا: 26) ”فرمائیے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا، پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔“ وَاسْتَفْتَحُوا وَآخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدًا (ابراہیم: 15) ”اور رسولوں نے حق کی فتح کے لئے التجا کی اور نہ مراد ہو گیا ہر سرکش، منکر حق۔“ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَىٰ الَّذِينَ كَفَرُوا (البقرہ: 89) ”وہ اس سے پہلے (اس نبی کے وسیلے سے) کافروں پر فتح مانگتے تھے۔“ إِنَّ تَسْتَفْتِحُونَ فَقَدْ جَاءَكُمْ الْقَسَمُ (الانفال: 19) ”اگر تم فیصلے کے طلبگار تھے تو (لو) تمہارے پاس فیصلہ آ گیا۔“ پھر فرمایا: فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ یعنی آپ ان

مشرکین سے اعراض کر لیں اور ان کی باتوں کو خاطر نہ لاتے ہوئے فریضہ قلیغ پوری دلچسپی کے ساتھ ادا کرتے رہیں جیسا کہ فرمایا: اِسْتَبْتَمَّ مَا
اَوْجِي: اَلَيْسَ مِنْ شَيْءٍ اَلَا اَللّٰهُ اَلَا هُوَ (الانعام: 106) ”آپ اس وحی کی پیروی کریں جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف کی
جاتی ہے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے“۔ یہ کافر تمہارے متعلق حوادثِ زمانہ کے منتظر ہیں اور آپ بھی انتظار کریں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے
ساتھ فتح و نصرت کا جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ اسے ضرور ایفاء کرے گا۔ عنقریب آپ دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر اور تبلیغ کا اجر عطا
کرتے ہوئے شاندار غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کے دشمنوں کو عبرتِ ناک اور ہولناک عذاب سے دوچار کر دے گا۔

سورۃ احزاب (مدنیہ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سورۃ احزاب کی کتنی آیتیں شکر کی جاتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا تہتر آیتیں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے اسے دیکھا کہ یہ سورۃ بقرہ کے قریب قریب تھی اور اس میں یہ آیت بھی تھی: ”الشَّمِيعُ وَالشَّمِيعَةُ اِذَا ذَنَبَ فَارْجُوْهُمَا الْبَيْتَةَ فَكَلاَ مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ“ یعنی جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت بدکاری کریں تو انہیں ضرور رحم (سنگہ ر) کر دو۔ یہ عبرتاک سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے (1)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں کچھ اور آیات بھی تھیں پھر ان کے الفاظ منسوخ کر دیئے گئے اور علم بھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اَتَىٰ اللّٰهُ وَلَا تُطِيعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالسُّفٰقِيْنَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝
وَاَشِيْعُ مَا يُؤْتِي اِيْكَ مِنْ سَبۡئِكَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۝

”اے نبی (مکرم!) (حسب سابق)؛ رتے رہنے اللہ تعالیٰ سے اور نہ کہنا مانیے کفار اور منافقین کا۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے۔ اور پیروی کرتے رہنے جو جی کیا جاتا ہے آپ کی طرف اپنے رب کی جانب سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اور (اے محبوب!) پھر وہ دیکھے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز“۔

یہاں اعلیٰ کو حکم دے کر اونی کو تمہیں تصدوہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بند سے اور رسول کو یہ علم دیتا ہے تو دوسروں پر بوجہ اولیٰ یہ حکم لاگو ہو گا۔ طلق بن حذیب کے بقول تقویٰ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل شدہ نور ہدایت کی روشنی میں ثواب کی امید پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ہدایت کی روشنی میں اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی ترک کر دے۔ فرمایا: وَلَا تُفۡرِقِ الْكٰفِرِيْنَ یعنی آپ کافروں اور منافقوں کی نہ بات سنیں اور نہ ان سے مشورہ میں۔ بلشب اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا سختی ہے کہ اس کے احکام کی اتباع کی جائے کیونکہ وہی امور کے انجام سے باخبر ہے اور اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے، اس سے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ یعنی آپ اس قرآن و سنت کی اتباع کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں اور اپنے تمام امور اور احوال میں اسی پر پھروسہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے لئے کارساز کافی ہے جو اس پر توکل کرے اور اس کی طرف رجوع کرے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قٰنِبِيْنَ فِيۡ جَوۡفِهِۦٓ ۗ وَمَا جَعَلَ اَرۡوٰجَكُمۡ اِلّٰی تَطۡهَرُوْنَ مِنْۢهَا

اَمْهَيْتُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ - ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اَدْعُوهُمْ لِاَبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اَبَاءَهُمْ فَاَحْوَ اَنْتُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيَهُمْ ۚ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا اَخْتَلْتُمْ بِهِ ۗ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ - وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

”نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لئے دو دل اس کے حکم میں۔ اور نہیں بنایا اس نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماںیں۔ اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند۔ یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو سچی بات کہتا ہے اور وہ ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی۔ بلایا کھو نہیں ان کے باپوں کی نسبت سے۔ یہ زیادہ قرین انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔ اگر تمہیں علم نہ ہو تو ان کے باپوں کا تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔ اور نہیں ہے تم پر کوئی گرفت جو تم نادانستہ رہیں۔ البتہ وہ کام جو تمہارے دل تصدق کرتے ہیں (ان پر ضرور گرفت ہوگی) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

مقصود معنوی بیان کرنے سے پہلے یہاں ایک معروف حسی مثال بطور تمہید اور مقدمہ کے بیان فرمائی کہ جس طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہوتے اور بیوی سے ظہار کرنے اور اسے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ تو مجھ پر ایسے ہے جیسے میری ماں کی پشت، وہ اس کی ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح کسی کے بیٹے کو اپنا حتمی بنا لینے سے وہ منہ بولا بیٹا حقیقی بنا نہیں بن جاتا۔ فرمایا: مَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ اللّٰهِ بِيُوْسُلٍ اَوْ اَبْنَاءَ اللّٰهِ اِلَّا بِرِجَالِهِمْ اَوْ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ اِنْ اَمْضَيْتُمْ اِلَّا اَنْ تَوَلَّوْا نَهْمًا (المجادلہ: 2) ”وہ ان کی ماںیں نہیں ہیں، نہیں ہیں ان کی ماںیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جتا ہے۔“ اس تمہید کے بعد مقصود اصلی بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ یعنی تمہارے منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں۔ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے انہیں اپنا حتمی بنا لیا تھا، اس لئے انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ کے ذریعے اس الحاق اور اس نسبت کو فسخ کر دیا جیسا کہ فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبًا اَحَدٍ مِّنْ نَّبِيٍّ مِّنْ قَبْلِهِ ۗ وَلٰكِنْ رَّسُوْلًا لِّقَوْمٍ اٰمَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَرُ مَا يَشَاءُ لِقَوْمٍ اٰمَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الاحزاب: 40) ”محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین - وَكَانَ اَبًا لِكُلِّ نَفْسٍ مِّنْ قَبْلِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ“ اور یہاں فرمایا: ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ یعنی تمہارا کسی کو حتمی بنا لینے کا یہ مقصد نہیں کہ وہ حقیقی بیٹا بن گیا۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کے دو دل ہوں، اس طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک لڑکے کے دو باپ ہوں۔ اس کا باپ وہی ہے جس کی طلب سے یہ نکلا ہے اور اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہاں حق سے مراد عدل ہے اور قدادہ کہتے ہیں کہ السبیل سے مراد صراط مستقیم ہے۔ متعدد حضرات نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ایک قریشی کے بارے میں نازل ہوئی جسے ذوالقلمین (دو دلوں والا) کہا جاتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے دو دل ہیں اور دونوں عقل و فہم سے مزین ہیں۔ اس کے رد میں یہ آیت اتری (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نماز پڑھ رہے

تھے کہ آپ کو کوئی خیال گزرا۔ اس پر آپ کی امامت میں نماز پڑھنے والے منفقین کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے اس کے دو دل ہیں۔ ایک تمہارے ساتھ اور ایک ان کے ساتھ۔ اس وقت یہ آیت اتزی (1) آئی، مزہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں بطور مثال نازل ہوئی۔ یعنی جس طرح کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے اسی طرح لے پاک کسی کا حقیقی صلیبی بیٹا نہیں بن سکتا (2)۔ یہ ہوروی بیان کردہ تفسیر کے موافق ہے۔ آغاز اسلام میں پسند اس چیز کی اجازت تھی کہ لے پاک لڑکے کو اس کے پالنے والے کی طرف منسوب کر کے اس کا بیٹا کہا جائے لیکن اس فرمان اذْعُوهُمْ ذَبَابًا يَوْمَهُمْ هُوَ اَفْسَسُ الْجَنَّةِ الْاُولَى کے ذریعے اسے منسوخ کر دیا اور علم دسے دیا کہ ان کے جو حقیقی باپ ہیں، انہیں ان کی طرف ہی منسوب کر کے پکارو، یکن عدل، انصاف اور نیکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے ہم حضرت زید رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد ہی کہہ کر پکارتے تھے (3)۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ منہ بولے بیٹوں کو بھی حقیقی اور صلیبی بیٹوں جیسے حقوق اور مراعات حاصل ہوتی تھیں حتیٰ کہ گھر کی مستورات کے ساتھ ان کا اختلاط بے حجابانہ اور بے تکلفانہ ہوتا جس سے بعض لوگوں کو بہت کوفت ہوتی تھی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت سہلہ بنت سہیل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے سالہو منہ یولایا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اب اس بارے میں قرآن نے فیصلہ فرما دیا ہے۔ اب تک تو وہ میرے پاس بے حجابانہ آتا رہا لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ابو حذیفہ کو یہ چیز گوارا گزرتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے دو دھ پلا دو، تم اس پر حرام ہو جاؤ گی“ (4)۔ لہذا جب اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹے کی بیوی کے ساتھ شادی کو بھی مباح کر دیا اور خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کر کے اس جاہلانہ رسم کا خاتمہ کر دیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَبَنِيْنَ عَرَبِيَّةٍۭىۡ اٰزْوَاجٍۭ اٰذْخِرُوْهُنَّ اِذَا خَيَّبْتُمْ اِذَا خَيَّبْتُمْ اَوْ اَمْتًاۙ لَمَّا خَلَّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّوْمِۙ وَبَيْنَٔ ذٰلِكَۙ مَا كُنْتُمْ لَهَاۙ اَعْيُنًاۙ لَئِن لَّمْ يَكُنِ الْاِيْمَانُ لَانۡ وَاللَّوْنُۙ پراپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی حرج نہ ہو جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں۔ اسی طرح جہاں حرام عورتوں کا ذکر ہے وہاں فرمایا: وَخَلَّوْا بِهِنَّ اِنْ كُنْتُمْ اَصْلًاۙ بِهِنَّ (انساء: 23) ”اور (حرام کی کنین) تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشتوں سے ہیں۔“ یہاں بھی منہ بولے بیٹے کی بیوی کی حرمت کو بیان نہیں کیا، کیونکہ لے پاک صلیبی بیٹا نہیں۔ جہاں تک رضاعی بیٹے کا تعلق ہے تو دوسرے حقیقی اور صلیبی بیٹے کے حکم میں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو رشتہ نسب سے حرام ہو جاتا ہے وہ رضاعت سے حرام ہو جاتا ہے“ (5)۔ البتہ محبت اور نگریم کے طور پر کسی کو بیٹا کہہ دینے کی ممانعت اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خاندان عبدالمطلب کے چھوٹے لڑکوں کو رسول اللہ ﷺ نے رات کو کسی روانہ کر دیا اور آپ ہماری راتوں کو تھکتے ہوئے فرمانے لگے: ”میرے بیٹو! سورج طلوع ہونے سے پہلے حمرات پر کنکر لیاں نہ مارنا“ (6)۔ یہ واقعہ چیتہ الوداع صاف کھ کا ہے اور اس کی دلالت بالکل واضح ہے۔ یہ تخم اذْعُوهُمْ ذَبَابًا يَوْمَهُمْ هُوَ اَفْسَسُ الْجَنَّةِ الْاُولَى کے متعلق نازل ہوا۔ آپ

1- تفسیر ضری، جلد 21 صفحہ 119

2- تفسیر ابن کثیر، سورۃ احزاب، جلد 11 صفحہ 79-80، مستدراج، جلد 1 صفحہ 367-368

3- فتح الباری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 8 صفحہ 517، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 4، صفحہ 1884 وغیرہ

4- صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 4، صفحہ 1076-1077، سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6، صفحہ 106-104 وغیرہ

5- صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 6 صفحہ 151، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1068

6- سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 194، سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 5 صفحہ 272-270

۸ھ میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنا بیٹا کہہ کر بلایا (1)۔ اس کے بعد فرمایا: **فَإِنَّ كُنْتُمْ عَلَمًا وَإِنِّي أَتَانِي كُنْتُمْ** یعنی اگر تمہیں لے پا لاک بچوں کے باپوں کا علم ہو تو انہیں ان کی نسبت سے پکارو اور اگر ان کے باپوں کا علم ہی نہ ہو تو اس کے عوض وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب عمرۃ القنبرہ کے سال مکہ شریف سے واپس لوٹے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چچا چچا کہتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے دوڑی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری چچا زاد بہن ہے اسے اپنے پاس رکھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے درمیان اس بچی کے متعلق جھگڑا ہو گیا کہ کون اس کی کفالت کرے گا، ہر ایک نے اپنا حق ثابت کرنے کے لئے دلیل پیش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے لگے کہ میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کیونکہ یہ میری چچا زاد بہن ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے لگے کہ یہ میری بہتی ہے اور حضرت جعفر بن ابی طالب کہنے لگے کہ یہ میری چچا زاد بہن ہے اور اس کی خالہ ۳۱ ہجرت عمیس میری بیوی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ بچی اپنی خالہ کے پاس رہے گی اور فرمایا: **”خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔“** حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **”تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔“** حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **”تم سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہو۔“** حضرت زید سے فرمایا: **”تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔“** (2)۔ اس حدیث میں بہت سے احکام ہیں، ان میں سے سب سے بہتر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف حق کے ساتھ فیصلہ فرمایا بلکہ تنازعہ کرنے والوں میں سے ہر ایک کو راضی بھی کر دیا اور حضرت زید سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور دوست جیسا کہ یہاں فرمایا: **فَوَإِذَا نَزَلْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَتَذَكَّرْهُ فَإِنَّهُ عَلَى بَرٍّ مُّبِينٍ** حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ میرا باپ غیر معروف ہے، اس لئے میں تمہارا دینی بھائی ہوں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر انہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ ان کا باپ گدھا تھا تو بھی ضرور اس کی طرف اپنی نسبت کرتے (3)۔ حدیث شریف میں ہے: **”جو شخص جان بوجھ کر کسی غیر باپ کی طرف منسوب ہوا اس نے کفر کیا“** (4)۔ اس حدیث میں معروف نسب سے برأت پر سخت وعید اور سرزنش سے اس لئے فرمایا: **أَدْغَوْهُمْ فِي لَعْنٍ أَدِيمَةٍ**۔ اس کے بعد فرمایا: **وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ** یعنی اگر تم پوری تحقیق اور مقدر بھرا اجتہاد کے بعد کسی کو غلطی سے اس کے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دو تو اس غلطی پر تم سے باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نادانستہ غلطی پر نہ گرفت کرتا ہے اور نہ یہ گناہ کا باعث ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے بتدوں کو اس دعا کی تعلیم دی ہے: **رَبِّنَا لَا تُؤْخِذْنَا إِنَّا كُنَّا بِهَذَا غَافِلِينَ** (البقرہ: 286)۔ اے ہمارے رب! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا خطا کر بیٹھیں، صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے قبول کیا (5)۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **”جب حکم اجتہاد کرے اور اس میں وہ صحت کو پہنچ جائے تو اس کے لئے دوا اجر ہیں اور اگر وہ اجتہاد کرے اور اس میں غلطی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے“** (6)۔ ایک اور حدیث میں ہے: **”اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور ہراس امر کو معاف کر لیا جس پر انہیں مجبور کیا جائے“** (7)۔ یہاں فرمایا: **وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ...** یعنی نادانستہ غلطی پر پکڑو گناہ نہیں بلکہ لہو کہو تو وہ تے جو انست

- 1- صحیح مسلم کتاب الاداب، جلد 3، صفحہ 1963، سنن ابی داؤد کتاب الاداب، جلد 4، صفحہ 291 وغیرہ
- 2- صحیح بخاری، کتاب الصلح، جلد 3، صفحہ 241
- 3- تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 121
- 4- صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4، صفحہ 299 صحیح مسلم کتاب الاداب، جلد 1، صفحہ 79
- 5- صحیح مسلم، کتاب الاداب، جلد 1، صفحہ 116، سنن احمد، جلد 1، صفحہ 233
- 6- تخریج نے لئے دیکھئے تفسیر سورہ انفیاء، 79: 1
- 7- سنن ابن ماجہ، کتاب الخلق، 259: 7

باطل کا ارتکاب کرے جیسا کہ فرمایا: لَا يُؤْخَذُ بِكُم بِالْعَمَلِ فِي آيَاتِكُمْ (البقرہ: 225) ”اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لایعنی قسموں پر نہیں پکڑے گا۔“ مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر اپنی نسبت غیر باپ کی طرف کی تو اس نے کفر کیا۔ قرآن کریم کی آیت جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، اس میں یہ حکم تھا کہ تمہارا اپنے باپوں کی نسبت سے اعراض کرنا کفر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ کو کتاب عطا فرمائی۔ اس میں رحم کی آیت بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی رحم کیا اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے بعد رحم کیا۔ ہم قرآن میں یہ آیت بھی پڑھا کرتے تھے کہ اپنے باپوں کی نسبت سے اعراض نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جیسا کہ سیئی بن مریم عبید السلام کے ساتھ ہوا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو“۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں حد سے بڑھ کر مبالغہ کیا“ (1)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”لوگوں میں تین خصالتیں کفر ہیں: نسب میں تلعن، میت پر فوحہ اور ستاروں سے بارش طلب کرنا“ (2)۔

النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفًا كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا

”نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ اور قرہبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ محقدار ہیں، کتاب اللہ کی رو سے عام مومنوں اور مہاجرین سے مگر یہ کہ تم کرنا چاہو اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی (تو اس کی اجازت ہے) یہ (حکم) کتاب (الہی) میں لکھا ہوا ہے۔“

چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت پر مہربان اور ان کے خیر خواہ ہیں اس لئے اس نے آپ کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ ان کا حق دار بنا دیا اور ان کی ذاتوں پر آپ کو کھرابی عطا فرمائی۔ آپ ﷺ کو ان کے نفوس پر جو اختیار حاصل ہے وہ ان کے اپنے اور اختیار پر مقدم ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجْعَلُوا فِيكَ حِجَابًا وَمَا فَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء: 65) ”تیرے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ کو ان جھگڑوں میں حاکم بنائیں جو ان کے درمیان پھوٹ پڑیں پھر اپنے نفوس میں اس سے تنگی نہ پائیں جو فیصلہ آپ نے کیا اور دل و جان سے تسلیم کر لیں۔“ حدیث شریف میں ہے: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کی جان، مال، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“ (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے جو میری ذات کے بر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، اے عمر! جب تک میں تمہیں تمہاری ذات سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔“ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم، آپ مجھے بر چیز سے حتیٰ کہ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ”اب اے عمر“ (4)۔ اس آیت میں فرمایا: أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی

1- صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 644، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 342، 343-344

1- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 47

4- مسند احمد، جلد 4 صفحہ 336

3- تفسیر ابن کثیر، کتاب الاحزاب، جلد 1 صفحہ 58 صحیح مسلم، کتاب الاحزاب، جلد 1 صفحہ 57

اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی بھی ایسا مومن نہیں جس کا میں، نبی و آخرت میں سب سے زیادہ حقدار نہیں اور چاہو تو آیت یاد لو: اَللّٰہُ یُؤْتِی الْبَالُوَ مِمَّنْ یُؤْتِی مِنْ اَنْفُسِہِم۔ جو مومن ترک چھوڑے، اس کے وارث اس کے قریبی رشتہ دار ہیں اور اگر کوئی شخص قرض یا ہمال بچے چھوڑ کر مرے تو میں اس کا والی ہوں" (1)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں ہر مومن کا اس کی جان سے بھی زیادہ حقدار ہوں، جو شخص قرض چھوڑ کر مرے تو وہ میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے، وہ اس کے وارثوں کا ہے" (2)۔ پھر فرمایا: وَ اَزْوَاجُہُمْ یعنی آپ ﷺ کی ازواج مطہرات حرمت، عزت، احترام، توقیر، تکریم اور تعظیم میں ابنِ ایمان کی، کہیں ہیں البتہ ان کے ساتھ نعمت جو کر نہیں اور نہ ہی ان کی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ کاح حرام ہے۔ اس پر علامہ کا اجماع ہے اگرچہ بعض حضرات نے ان کی بیٹیوں کو مومنوں کی بہنیں کہا ہے جیسا کہ امام شافعی نے انھیں میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ اطلاق عہدت سے نہ کہ اثباتِ علم۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور امہات المؤمنین کے دوسرے بھائیوں کو مومنوں کا۔ مومن کہا جائے گا؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف ہے کہ انہیں ایسا کہا جا سکتا ہے، اور کیا حضور ﷺ کو ابوالمؤمنین (مومنوں کا باپ) کہا جا سکتا ہے جب کہ جمع نہ کر سالم کے صیغہ میں بطور تغلیب عورتیں بھی شامل ہوں؟ اس بارے میں بھی دو قول ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے جبکہ حضرات ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں اُمُّہُمْ کے بعد یہ اتنا لگتی ہیں "وہُوَ اَبٌ لِّہُمْ" یعنی آپ ﷺ ان کے باپ ہیں (3)۔ حضرات معاویہ، عکرمہ، مجاہد اور حسن سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں، میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں، جب تم میں سے کوئی پاخانہ کے لئے جائے تو نہ قبلیہ کی طرف منہ کرے اور نہ پیٹھ اور نہ ہی اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ طہارت کرے"۔ آپ ﷺ تین ڈھیلے لینے کو حکم دیتے تھے اور گوبر اور ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع کرتے تھے (4)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مومنوں کا باپ نہ کہا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَمَّا کَانَ مَحْضًا اَبًا اَوْ بَنًا لِّرَجُلٍ مِّنْہُمْ (الاحزاب: 40) "محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں"۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَ اُولَیْئَا لَیْسَ لَہُمْ اَوْلٰی یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم میں عام مومنوں اور مہاجرین کی نسبت قرابتاً دور ہے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس آیت میں وراثت کا وہ قانون منسوخ ہو گیا جس کے تحت پہلے کسی کا حلیف بننے یا بھائی چارہ قائم ہو جانے سے بھی وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ مہاجرین اور انصار بغیر کسی قرابتاً کی کے محض اس مواخات کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے جو حضور ﷺ نے ان کے درمیان قائم کی تھی۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم وَ اُولَیْئَا لَیْسَ لَہُمْ اَوْلٰی خاص ہم مہاجرین اور انصار کے متعلق نازل ہوا۔ جب ہم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ یہاں انصار ہمارے بہترین بھائی ثابت ہوئے۔ ہم ایک دوسرے کے بھائی بھی تھے اور ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت فارح بن زید رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قذال کے بھائی بنے۔ حضرت

1- صحیح بخاری، تفسیر سورہ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 145، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 334-335

2- سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، جلد 3 صفحہ 137، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 296

3- تفسیر ہرمی، جلد 21 صفحہ 122، روح البقی، جلد 21 صفحہ 152، تفسیر بخاری، جلد 3 صفحہ 507

4- سنن ابی داؤد، کتاب انصار، جلد 1 صفحہ 3، سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 38 وغیرہ

عثمان رضی اللہ عنہ اور بنی زریق کے ایک شخص کے درمیان بھائی چارہ قائم ہوا۔ میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا۔ یہ سخت زخمی ہوئے۔ اگر اس وقت ان کا انتقال ہو جاتا تو میرے سوا کوئی ان کا وارث نہ بنتا۔ یہاں تک کہ یہ آیت ہم مہاجرین اور انصار کے بارے میں نازل ہوئی اور ہم پر بھی میراث کا عام قانون لاگو ہو گیا (1)۔ پھر فرمایا: **أَنْ تَتَّقُوا** یعنی ان کیسے میراث کا استحقاق تو ختم ہو گیا، البتہ ان کے ساتھ نیکی، حسن سلوک، نصرت اور احسان و وصیت کے ذریعے ممکن ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْخُورًا** یعنی یہ حکم کہ قرابتدار ایک دوسرے کے مستحق ہیں، پہلے سے ہی لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا تھا جس میں رد و بدل ممکن نہیں اگرچہ ایک محدود مدت کے لئے ایک خاص حکمت کے پیش نظر اس کے خلاف روایت کا حکم نافذ کئے رکھا لیکن اللہ تعالیٰ کو عزم تھا کہ وہ اس عبوری قانون کو منسوخ کر کے وہی اصلی قانون لاگو کر دے گا جو پہلے سے مقدر تھا۔

وَإِذَا حَضَرَ مِنَ الْوَلَدِ مِنْ الرِّبَايَةِ وَمِنَ النَّبَاتِ وَالْمِثْمِثِ وَالْجَبَلِ وَالْجَزَّارِ وَالْجَبَلِ وَالْجَبَلِ وَالْجَبَلِ
 مَرِيْمَ وَإِذَا حَضَرَ مِنْهُمْ مَيْمَنًا قَاعًا غَيْبًا ۖ لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ
 لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

”اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عبدلیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی، اور ہم نے ان سب سے پختہ عبدلیا تھا۔ یہ کہ (آپ کا رب) پوچھے جہوں سے ان کے سچ کے متعلق۔ اور اس نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لئے دردناک عذاب۔“

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ اولوالعزم رسولوں اور دوسرے انبیاء سے یہ پختہ عبدلیا کہ وہ اس کے دین کو قائم کریں گے، اس کا پیغام لوگوں تک پہنچا نہیں گئے، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے اور اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کریں گے جیسا کہ فرمایا: **وَإِذَا حَضَرَ مِنَ الْوَلَدِ مِنْ الرِّبَايَةِ** لہذا ہمیں اس کی جو تمہیں کتاب و حکمت سے عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لے آئے جو تصدیق کرنے والا ہوا (کتاوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا بھائی ذمہ لے لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار دیا۔ فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔“ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں خاص کا عام پر عطف کرتے ہوئے پہلے سب انبیاء کا ذکر کیا پھر نام لے کر پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا۔ اسی طرح ان کے نام اس آیت میں بھی مذکور ہیں: **شَرَفْنَا لَكُمْ فِي النَّبِيِّينَ مَا وَضَعْنَا فِي النَّبِيِّينَ مَا وَضَعْنَا فِي النَّبِيِّينَ وَالْمِثْمِثِ وَالْجَبَلِ وَالْجَبَلِ وَالْجَبَلِ وَالْجَبَلِ** عیسیٰ ان آیتوں میں بھی ذکر کیا گیا ہے (الشوریٰ: 13) ”اس نے تمہارے لئے وہ دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جسے ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجا اور جس کا ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا اور اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔“ اس آیت میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا، پھر درمیان میں حضور فاتح و خاتم النبیین کا اور پھر ان رسولوں کا جو بالترتیب ان دونوں ہستیوں کے درمیان بعوث ہوئے لیکن مذکورہ بالا آیت میں سب سے پہلے حضور خاتم النبیین کا ذکر ہوا کیونکہ آپ ﷺ سب سے افضل اور شرف ہیں پھر ترتیب زمینی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے باقی پیغمبروں کا ذکر کیا جو یکے بعد دیگرے

مبعوث ہوئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی وضاحت میں فرمایا: ”میں پیدا کس میں سب انبیاء سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخر، پس مجھی سے ابتداء کی ہے“ (1)۔ اس کا راوی سعید بن بشر ضعیف ہے۔ بعض نے قتادہ سے اسے مرسل اور بعض نے موقوفاً روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اولاد آدم میں سب سے افضل پانچ ہیں: نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم السلام اور ان میں سے سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں (2)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میثاق سے مراد وہ عہد و پیمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے روز ازل اس وقت ان سے لیا تھا جب اس نے آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام ذریت کو نکالا تھا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بلند کیا گیا آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا تو اس میں کوئی غریب تھا، کوئی امیر، کوئی خوبصورت اور کوئی اور طرح تھا، یہ دیکھ کر عرض کی: اسے میرے پروردگار کیا ہی اچھا ہوتا اگر تو میری تمام اولاد کو یکساں بنا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس لئے ہے تاکہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ آپ نے ان میں انبیاء کو بھی دیکھا جو چرغوں کی طرح روشن تھے۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے متعلق دوسرا خصوص عہد و پیمانہ لیا جس کا ذکر اس آیت وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِثْقَالَ حَبِّ خَبثٍ میں ہوا ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پختہ عہد کو میثاق کہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: لِيَسْتَسْمِعُوا الصَّوْتِ الَّذِي هُوَ تيار ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمام پیغمبروں نے حق تبلیغ ادا کر دیا، انہوں نے اپنی امتوں کی خیر خواہی کی اور اس واضح حق کو بیان کر دیا جس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کوئی التباس، اگرچہ جاہل سرکش ظالم اور کافر لوگ انہیں جھٹلاتے رہے۔ جو پیغمبر لے کر آئے وہی حق ہے اور جس نے ان کی مخالفت کی، وہ گمراہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا
وَأَجُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ إِذْ جَاءَ عَذَابُكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ
أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِأَنَّهُ الظُّنُونَا ۝

”اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا۔ جب (حملہ آور ہو کر) آگئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا۔ جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھر آگئیں اور کیلجے منہ آگئے اور تم اللہ تعالیٰ کے ہارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے۔“

یہاں اس عنایت اور فضل و احسان کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غزوہ خندق کے سال سرفراز فرمایا تھا جب کفر و شرک کی طاقتیں استہمی ہو کر مسلمانوں کے خلاف صف آراء تھیں اور یہ شریف کی اینٹ سے اینٹ، بجادیئے پر تلی ہوئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کے ان سرغنوں کا رخ موڑ دیا اور انہیں شرمناک بریت سے دوچار کیا۔ صحیح اور مشہور یہی ہے کہ غزوہ خندق شوال 5ھ میں ہوا۔ موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ غزوہ 5ھ میں پیش آیا (4)۔ اس غزوہ کا پس منظر اور سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے قبیلے

1- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 570، دلائل النبوة، جلد 5، صفحہ 11-12

3- مسند احمد جلد 5 صفحہ 135، تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 115

2- تفسیر الامام ابن کثیر، جلد 3 صفحہ 114

4- دیکھئے، اکل النبوة، صفحہ 292-297، البدایہ والنہیہ، جلد 4 صفحہ 95

نبی تفسیر کو ان کی عہد شکنی کے باعث مدینہ سے خیبر جلا وطن کر دیا جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں اسلام سے عداوت کے شعلے اور شدت سے بھڑکنے لگے، ان کے کچھ سرکردہ لوگ جن میں سلام بن ابی الحقیق، سلام بن مکلم اور کنانہ بن ربیع شامل تھے، مدینے پہنچے اور قریش کو نبی کریم ﷺ کے خلاف جنگ پر آسانا شروع کر دیا اور انہیں ہر طرح کے تعاون اور مدد کا یقین دلایا۔ قریش نے ان کا ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ یہاں سے وہ بنی غطفان کے پاس پہنچے، اس ساز باز کر کے انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ قریش اور بنو غطفان تقریباً دس ہزار لشکر جبرائے کر نکلے، قریش کا قائد ابو سفیان مھر بن حرب تھا اور غطفان کا عینہ بن حصن بن یدر۔ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک لشکر جرار مدینہ پر دھاوا بولنے کے لئے آ رہا ہے تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے اس لشکر کی بیخاری کو رد کرنے کے لئے مدینہ شریف کے ارد گرد مشرق کی جانب خندق کھودنے کا حکم دیا جس میں تمام مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ بذات خود خندق کھودنے اور مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینکنے میں مصروف تھے۔ اس نازک موقعہ پر بھی کئی معجزات اور دلائل کا ظہور ہوا۔ مشرکین بغیر کسی مزاحمت کا سامنا کئے مدینہ شریف پہنچ گئے اور احد پہاڑ کے قریب مدینہ طیبہ کی مشرقی جانب پڑاؤ ڈال دیا اور ان کا ایک دستہ شہر کی بالائی جانب نیمہ زن ہو گیا جیسا کہ فرمایا: **اِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ**۔ رسول اللہ ﷺ تقریباً تین ہزار اور بقول بعض صرف سات سو جاٹاروں کی جمعیت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کیلئے نکلے۔ کوہ سلع کو پشت کی طرف رکھ کر اور دشمنوں کی طرف متوجہ ہو کر آپ ﷺ نے اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ دشمن کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے خندق حائل تھی جس میں پانی نہیں چھوڑا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے غورتوں اور بچوں کو مدینہ کے ایک محلے میں جمع کر دیا۔ یہود کا ایک قبیلہ بنو قریظہ مدینہ شریف میں آباد تھا، مشرقی جانب ان کا مضبوط قلعہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کا دوستی کا معاہدہ تھا۔ ان میں تقریباً آٹھ سو جنگجو تھے۔ ایک دن موقعہ پا کر بنو نضیر کا رئیس حمی بن اخطب ان کے پاس گیا اور انہیں سبز باغ دکھا کر عہد شکنی پر اکساتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ توڑ دیا اور طاغوتی لشکروں کا ساتھ دینے کی حامی بھری۔ چنانچہ اب حالات مزید نازک ہو گئے، پریشانی حد سے بڑھ گئی اور معاہدہ شکنین ہو گیا جیسا کہ فرمایا: **هَذَا يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ الَّذِي صُورُوا فِيهِ الْاَحْزَابَ** (11) "اس موقعہ پر ایمان والوں کو خوب آزمایا گیا اور وہ خوب سختی سے چھوڑے گئے"۔ کفار نے تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ کئے رکھا لیکن انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی دونوں لشکروں میں دست بدست لڑائی ہوئی البتہ ایک دن عرب کا مشہور شہسوار اور جنگجو عمرو بن عبدود عامری اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کے پار کود گئے۔ مسلمانوں کی طرف جا کر اس نے دعوت مبارزت دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہسواروں کو اس کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دلائی لیکن کسی کو تیار نہ پا کر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ دونوں میں نچپا آزمائی شروع ہوئی اور دونوں بے درپے حملے کرنے کے لئے ایک دوسرے پر چھپتے رہے بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مد مقابل کو زیر کر کے قتل کر دیا۔ یہ مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کی علامت تھی پھر اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کے ان جھٹوں پر سخت آندھی بھیجی جس سے ان کے خمبے اکھڑ گئے، ہر چیز الٹ پلٹ گئی، نہ آگ روشن ہوتی تھی اور نہ انہیں قرار نصیب تھا یہاں تک کہ سر اسبگی اور بدحواسی کے عالم میں وہ نامراد ہو کر واپس فرار ہو گئے جیسا کہ فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا الْعَمَةَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ**۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں جس ہوا کا ذکر ہے اس کا نام صبا (پروائی ہوا) ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: "مجھے صبا سے مدد دی گئی ہے اور قوم عاد کو دیور (چھوٹائی ہوا) سے ہلاک کیا گیا" (1)۔ حضرت

عکرم فرماتے ہیں کہ جنوبی ہوائے غزوہ احزاب کی رات شمالی ہوائے کہا کہ آؤ، ہم رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں تو شمالی ہوائے کہا کہ گرم ہوا رات کو نہیں چلا کرتی۔ پھر ان پر صبا ہوا بھی گئی (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے خندق کی رات سخت سردی اور تیز آندھی میں مدینہ شریف بھیجا اور کھانا اور لحاف لانے کے لئے کہا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی اور فرمایا: ”میرے جو صحابی تمہیں ملیں انہیں کہہ دینا کہ میرے پاس واپس لوٹ آئیں۔ اب میں وہاں سے چل پڑا۔ آندھی اس قدر شدید تھی کہ ہر چیز کو اڑائے لئے جا رہی تھی۔ جو بھی مسلمان مجھے ماتہ، میں نبی کریم ﷺ کا پیغام اس تک پہنچا دیتا۔ پیغام ملتے ہی ہر ایک حضور ﷺ کی طرف پلٹا اور کسی نے بھی روگردانی نہ کی۔ میرے پاس ڈھال تھی، اسے ہوا کے ایسے زوردار تھپڑے پڑتے کہ وہ شدت سے مجھ پر گئی۔ اس قیامت خیز طوفان میں میری ڈھال میں سے کچھ لوہا میرے ہاتھ پر گر پڑا جسے میں نے زمین پر پھینک دیا (2)۔ فرمایا: وَجُودًا لَّمْ تَدْرُوهَا اس سے مراد فرشتے ہیں جنہوں نے کفار و مشرکین کو چھوڑ کر رکھ دیا اور ان کے دلوں پر رعب اور خوف و ہراس طاری کر دیا۔ اس رعب اور خوف کی وجہ سے ہر سردار اپنے ہاتھوں سے کہہ رہا تھا کہ میرے پاس آؤ اور نجات کی کوئی تدبیر کرو۔ کونے کے ایک نوجوان نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ! تم لوگ بہت خوش نصیب ہو کہ تم نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور تمہیں آپ کی صحبت نصیب ہوئی۔ یہ فرمائیے کہ تم لوگ کیا کرتے تھے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم جانثاری کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ نوجوان کہنے لگا کہ اگر ہمیں حضور ﷺ کا زمانہ نصیب ہوتا تو ہم آپ کو زمین پر نہ چلنے دیتے بلکہ ہم آپ ﷺ کو اپنی گردنوں پر اٹھاتے۔ یہ سن کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اگر غزوہ خندق کے موقعہ پر تم ہمیں دیکھ لیتے تو پھر تمہیں ہماری جانثاری اور فدائیت کا اندازہ ہوتا۔ آپ ﷺ رات کا کچھ حصہ نماز پڑھتے رہے پھر آپ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ”تم میں سے کون ہے جو جا کر لشکر کفار کی خبر لائے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔“ نبی کریم ﷺ نے یہ شرط لگا کر اطمینان بھی دلا دیا کہ وہ ضرور واپس آئے گا۔ لیکن کوئی شخص کھڑا نہ ہوا۔ پھر آپ کچھ دیر کے لئے نماز میں مصروف ہو گئے۔ فراغت کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور پھر وہی بات فرمائی لیکن پھر بھی کوئی شخص کھڑا نہ ہوا۔ اس کے بعد پھر آپ کافی دیر نماز پڑھنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”کون شخص ہے جو لشکر کفار کے حالات کا جائزہ لے پھر واپس لوٹ آئے۔“ حضور ﷺ نے اس کے لئے صحیح سالم واپس لوٹ آنے کی شرط لگائی۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ جنت میں میرا رفیق ہو۔“ خوف، بھوک اور سردی کی شدت کے باعث کوئی بھی جانے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ آخر کار حضور ﷺ نے مجھے بلایا۔ اب آپ کے حکم پر بلیک کہنے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے حذیفہ! جاؤ اور لشکر کفار میں گھس کر دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ میرے پاس واپس آنے تک کوئی نیا کام نہ کرنا۔“ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے تعمیل ارشاد کی اور کفار کے لشکر میں داخل ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو کیا دیکھا ہوں کہ آندھی اور خدائی لشکر ان کا براحشر کر رہے ہیں، نیچے اکھڑ رہے ہیں، دیکھیں الٹ رہی ہیں، آگ جلتی نہیں جس کی وجہ سے وہ سخت سبے قرار اور سرا سیمہ ہیں۔ اس وقت ابوسفیان قریش سے کہنے لگا کہ تم میں سے ہر ایک کڑی نظر رکھے ایسا نہ ہو کہ کوئی اجنبی تم میں گھس آئے۔ میں نے فوراً اپنے ساتھ والے قریشی کا ہاتھ چکڑا لیا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے بتایا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ ابوسفیان مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اب یہاں قیام ممکن نہیں، گھوڑے، اونٹ اور دوسرے جانور

ہلاک ہو رہے ہیں، جو قریظہ نے ہمارے ساتھ بد مہدی کی اور ان کی طرف سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی، آندھی قیامت ڈھارہی ہے، ہماری ہانڈیاں الٹ رہی ہیں، آگ جتنی نہیں اور نہ کوئی خیمہ سلامت ہے۔ اس لئے اب عاقبت اسی میں ہے کہ یہاں سے کوچ کر جاؤ، میں تو جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے بدحواسی کے عالم میں اپنے اونٹ کو ایڑ لگا کر اٹھانا چاہا لیکن اسے معلوم ہی نہ تھا کہ اس کا ایک پاؤں رسی کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اس پر بیٹھ کر اس نے اسے مارا تو وہ تین پاؤں پر ہی کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے اس کا پاؤں کھولا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم نہ ہوتا کہ کوئی نیا کام نہ کرنا تو ابوسفیان کو قتل کرنے کا اب سہری موقع تھا۔ اگر میں چاہتا تو تیر چلا کر اس کا کام تمام کر دیتا۔ میں واپس لوٹا تو رسول اللہ ﷺ اپنی کسی زوجہ محترمہ کی منقش چادر اوڑھتے نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے مجھے اپنے قدموں میں بٹھا لیا اور چادر کا ایک کونہ مجھ پر ڈال دیا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے رکوع و سجود کیا۔ جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو میں نے تازہ صورت حال سے آپ کو آگاہ کر دیا۔ جب قبیلہ غطفان کو قریش کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے بھی واپسی کی راہ لی (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حدیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کو پالیتا تو آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرتا اور خوب داد شجاعت دیتا۔ حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم واقعی ایسا کرتے؟ سنو، خزوۃ احزاب کی رات بلائی سردی پڑ رہی تھی اور تندہ تیز آندھی چل رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا مرد ہے جو قوم کفار کی خیر لائے، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا۔ آپ ﷺ نے تین بار ایسا فرمایا لیکن ہم میں سے کوئی تیار نہ ہوا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے حدیفہ انصوا اور قوم کے حالات معلوم کر کے ہمیں آگاہ کرو۔ جب آپ نے میرا نام لے کر مجھے بلا یا تو پھر اٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی خیر لانا اور کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس کے باعث وہ میرے خلاف بھڑک اٹھیں۔ چنانچہ میں اوھر چل نکلا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا میں گرم حمام میں ہوں۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ابوسفیان آگ تپ رہا ہے۔ میں نے تیر کمان پر چڑھایا اور ابھی تیر چلانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ مجھے آپ ﷺ کا فرمان یاد آ گیا۔ اس وقت ابوسفیان بالکل زد میں تھا۔ اگر میں تیر چلا دیتا تو ضرور اسے لگتا۔ میں واپس لوٹا تو اس وقت بھی سردی نام کی کوئی چیز مجھے محسوس نہیں ہو رہی تھی بلکہ میں تو یہ خیال کر رہا تھا گویا میں گرم حمام میں ہوں۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو پھر مجھے سردی نے آلیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنی اس چادر کا کچھ حصہ اوڑھادیا جس میں آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ صبح تک میں اسی طرح سویا رہا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: ”قُمْ يَا نَوْمَانُ“ (2) کہ اسے زیادہ سونے والے انھوں نے یہ بینا اسلم کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ لوگوں کو حضور ﷺ کی صحبت میں رہی لیکن ہم اس سے خروہ رہے، آپ لوگ حضور ﷺ کا دیدار کرتے رہے لیکن ہم آپ کا دیدار نہ کر سکے۔ حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں تمہارے اس پختہ ایمان پر رشک آتا ہے کہ حضور ﷺ کی زیارت کے بغیر تمہارا عقیدہ اس قدر پختہ ہے۔ اے میرے بھتیجے! تمہیں نہیں معلوم کہ اگر تم حضور ﷺ کے زمانہ کو پالتے تو کیا کرتے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا خندق کی رات والا واقعہ بیان کیا (3)۔ ایک مرتبہ حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ نے ان عزوات کا تذکرہ کیا جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی معیت میں جاں سپاری کا مظاہرہ کیا تو آپ کے ساتھی کہنے لگے کہ اگر ہم اس وقت موجود ہوتے تو بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھانے اس پر حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ اٹھ جھنڈے سے فرمانے لگے کہ ایسی تمنا نہ کرو۔ خزوۃ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 392-393، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 232-231

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1414-1415

3۔ دلائل النبوة، جلد 3 صفحہ 454-455، متذکرہ حاکم، کتاب المغارہ، جلد 3 صفحہ 31

احزاب کی رات ہم صف آرا تھے ابوسفیان اور اس کے ساتھ لشکر بالائی جانب خیمے ڈائے ہوتے تھے اور بنوقریظہ ہماری زیریں جانب گھنٹا لگائے بیٹھے تھے اور ان کی طرف سے ہماری عورتوں اور بچوں پر ہر وقت یلغار کا خطرہ لگتا رہتا تھا۔ رات اس قدر تاریک تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دیتا تھا اور اس قدر زانے کی آندھی چل رہی تھی گو پابلی کڑک رہی سے۔ اس طرح کی سخت بھیاٹک، تاریک اور وحشت ناک رات ہم نے نہیں دیکھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ منافقین حضور ﷺ سے اجازت طلب کرتے ہوئے اور یہ بہرناہناتے ہوئے ہمارے حوصلے پست کر رہے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے۔ ان میں سے جس نے بھی حضور ﷺ سے گھر جانے کی اجازت چاہی، آپ نے اسے اجازت دے دی۔ وہ ایک ایک کر کے کھسکتے گئے یہاں تک کہ ہم تقریباً تین سو جاٹار باقی رہ گئے۔ حضور ﷺ ہم میں سے ہر ایک کا جائزہ لیتے ہوئے میرے پاس تشریف لائے۔ میرے پاس دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے نہ ڈھال تھی اور نہ ہی سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا تھا سوائے میری بیوی کی چادر کے جو مشکل میرے گھٹنوں تک پہنچی تھی۔ جب آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں اپنے گھٹنوں میں سر ڈالے دوکا بیچا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میں نے عرض کی: حذیفہ۔ فرمایا: حذیفہ یہ ان کرزمین مجھ پر تگت ہوگئی کہ کہیں مجھے اٹھنا نہ پڑے۔ آخر کار بہت کر کے اٹھ کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”قوم کفار میں ایک نئی بات رونما ہونے والی ہے، جاؤ ان کی خبر لاؤ۔“ اس وقت مجھ سے زیادہ وحشت زدہ اور سردی میں سکیپا تا ہوا کوئی شخص نہ ہوگا لیکن جو نبی حضور ﷺ کا حکم ہوا، میں نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ نے میرے لئے یہ دعا فرمائی: ”اے اللہ اس کے آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے اس کی حفاظت فرما۔“ یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ میرے دل سے خوف دہراں بھی جا تا رہا اور سردی بھی زائل ہوگئی۔ جب میں ادھر روانہ ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے آواز دے کر فرمایا: ”اے حذیفہ! میرے پاس واپس آنے تک وہاں کوئی نئی بات نہ کرنا۔“ میں جب دشمن کے لشکر کے قریب پہنچا تو وہاں جلنے والی آگ کی روشنی میں نے ایک شخص کو دیکھا، سیاہی مائل بھاری بھر کم جسم والا، وہ آگ سے تپ رہا تھا اور اپنے سر تھیلوں کو کوچ کرنے کا سارا تھا۔ اس سے پہلے میں ابوسفیان کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے اپنے ترشش سے تیر نکالا اور کمان میں رکھ کر چلانا چاہا لیکن اسی وقت مجھے حضور ﷺ کا یہ فرمان یاد آیا کہ وہاں کوئی نئی بات نہ کرنا۔ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور تیر واپس ترشش میں لوٹا دیا، پھر میں حوصلہ کر کے لشکر کے اندر گھس گیا، بنوعامر سب سے زیادہ میرے قریب تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: اے آل عامر! کوچ، کوچ، اب یہاں ٹھہرنا تمہارے لئے ممکن نہیں۔ میں نے ایک تعجب خیز معاملہ ملاحظہ کیا کہ آندھی صرف ان کے لشکر کے اندر چل رہی تھی اور ایک بالشت بھر بھی اس سے باہر نہ تھی۔ پھر اڑ کر ان کے خیموں اور بستروں کو اپنی زد میں لے رہے تھے، سخت آندھی کے تھپڑے لگ لگ کر ان کا برا حال کر رہے تھے، پھر وہاں سے نکل کر جب میں نبی کریم ﷺ کی طرف روانہ ہوا تو رستہ میں مجھے تقریباً میں شہسوار ملے جو نماے باندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر دے دینا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفایت کر دی اور آپ کے دشمنوں کو بزمیت سے دو چار کر دیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آیا تو آپ اس وقت چادر اور ہٹے نماز پڑھ رہے تھے۔ جونہی میں واپس پہنچا، سردی نے دوبارہ مجھے اٹھا لپیٹ میں لے لیا اور میں کا پھٹنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے دوران نماز اپنے ہاتھ سے میری طرف اشارہ کیا۔ میں آپ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے اپنی کچھ چادر مجھے اور حادی۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی آپ کو کوئی مشکل درپیش ہوتی، آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ میں نے آپ کو کفار کے متعلق بتا دیا کہ وہ کوچ کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اَنْلُ مَا اُوجِبِي: الاحزاب 33۔

ہوئی (۱)۔ فرمایا: اِرْجُوا عَوْدَكُمْ بَيْنَ يَدَيْكُمْ یعنی جب تمہاری بائائی جانب سے کفر و شرک کے ان لشکروں نے ہلبہ بول دیا اور تمہاری زیریں جانب سے بنو قریظ نے اور شدت خوف سے تمہاری آنکھیں پھرا گئیں، کیلجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ بعض وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، کہہ رہے تھے کہ اس بار کفار کو موتوں پر غلبہ حاصل ہوگا۔ منافقین طرح طرح کی ہوائیاں اڑا کر سراہنگی پھیلا رہے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک سرغنہ معتب بن قیس یہ ہرزہ سرائی کر رہا تھا کہ محمد (ﷺ) ہمارے ساتھ تو یہ وعدہ کر رہے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک نہیں گئے لیکن اب یہ حالت ہے کہ ہمارے لئے قضائے حاجت کو جانا وہ بھرا ہوا ہے (۲)۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ مختلف گمان کرنے والے مختلف لوگ تھے۔ منافقوں کا گمان تھا کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کا (نَعُوذُ بِاللَّهِ) خاتمہ ہو جائے گا لیکن مومنوں کو پختہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کیا ہوا وعدہ برحق ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور دین اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا اگرچہ مشرکین کو یہ سنا گوارا نہ رہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خوف و ہراس کے عالم میں جب کیلجے منہ کو آ رہے تھے، ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں گھبراہٹ سے بچاؤ کے لئے کوئی دعا تلقین فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا مانگو: "اللَّهُمَّ اسْتَعُوذُ بِكَ وَأَمِنُ رَوْعَاتِنَا" یعنی اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوف کو امن میں بدل دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے انہیں شرمناک ہزیمت سے دوچار کر دیا (۳)۔

هٰذَا لِكِ الْبَشَرِ الْمُؤْمِنُونَ وَذُلُّ لِيُؤْذِنُوا لِرِزَالِ الْأَسْبَابِ ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُوبًا ۝ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۝ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۝ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۝ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝

"اس موقع پر خوب آزمائش آیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے چھٹھوڑے گئے۔ اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نبی کے وعدہ کا کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے۔ اور یاد کرو جب کبھی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ اے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گروہوں کو) اور اجازت نہ گئے لگا ان میں سے ایک گروہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہہ کر (حضور) ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے (اس بہار سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدان جنگ سے) فرار تھا۔"

اس سنگین صورتحال کا ذکر ہو رہا ہے جس سے مسلمان غزوہ احزاب کے موقع پر دوچار ہوئے۔ ہر طرف سے دشمن نے دھاوا بول دیا تھا، مسلمان سخت جنگی کی حالت میں محصور تھے، سخت آزمائش کا سامنا تھا، انہیں سختی سے چھٹھوڑا گیا۔ اس نازک گھڑی میں منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا۔ وہ اور دوسرے وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا روگ تھا کہنے لگے: مَا وَعَدَنَا اللَّهُ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول نے محض دھوکہ دینے کے لئے ہمارے ساتھ فتح کا وعدہ کیا۔ اس طرح نہ صرف منافقین کے نفاق سے پردہ اٹھ گیا بلکہ وہ لوگ جو اپنے ایمان کی کمزوری اور حالات کی سنگینی کے باعث اسلام کے متعلق کسی شبہ کا شکار تھے یا اسلام کے متعلق بغض و عناد رکھتے تھے، وہ بھی اب برملا اپنے

1۔ دلائل اثباتی، کتاب الفرائض، جلد 3 صفحہ 451-453 اہدایہ النہایہ، جلد 4 صفحہ 116

2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 131، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 222، 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 3، مالدار، جلد 6 صفحہ 673، تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 137

دل میں پیدا ہونے والے خدشات اور وسوسوں کا اظہار کرنے لگے۔ ان میں ایک اور روہ تھا جو اہل مدینہ کو نصیحت کرتے ہوئے کبہ رہا تھا: يَا هَلْ يَتُوبُ ... يثرب سے مراد مدینہ ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: ”مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کا وہ دکھائی گئی ہے جو وہ سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے، پہلے تو مجھے یہ خیال گزرا کہ یہ ہجر ہے لیکن پھر معلوم ہوا کہ یہ جگہ یثرب ہے“ (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ جگہ مدینہ طیبہ ہے۔ جہاں تک مسند احمد کی اس حدیث کا تعلق ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مدینہ کو یثرب کہا، وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، یہ تو ظاہر ہے طابہ (2)۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عثمانی کا ایک شخص یثرب بن عبیل بن مصلح بن عوف بن عساق بن لاؤذ بن ارم بن سام بن نوح یہاں آ کر ٹھہرا، اس کے نام پر اس کا نام یثرب پڑ گیا۔ مروی ہے کہ تو رات میں اس شہر کے گیارہ نام مندرج ہیں: مدینہ، طابہ، طیبہ، مسکینہ، جابرہ، محبہ، محبوبہ، قاصدہ، مجبورہ، عذراء اور مرحومہ (3)۔ حضرت کعب الانبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تو رات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف سے فرمایا: اے طیب، اے طابہ، اے مسکینہ! انہوں میں جتنا تہہ ہو، میں تمام بستیوں پر تیرا مقام بلند کروں گا (4)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا مَقَامَ كُنْتُمْ کا مطلب یہ ہے کہ یہاں نبی کریم ﷺ کے پاس میدان جنگ میں تمہارے لئے ٹھہرنا ممکن نہیں اس لئے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس فرمان وَ يَسْتَأْذِنُ فَيُؤْتُهُمُ النُّبَىٰ میں جس گروہ کے اجازت طلب کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد بنو حارثہ ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اور وہاں ہمیں چوری کا شدید خطرہ ہے (5)۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ بہانہ تراشنے والا اوس بن قحطیب تھا (6)۔ بہر صورت ان لوگوں نے واپس لوٹنے کی خاطر یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے گھر یا اکل غیر محفوظ ہیں اور دشمن کی یلغار سے بچاؤ کرنے کے لئے وہاں کوئی نگہبان نہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا هِيَ بِمَوْرُؤٍ یعنی ان کے گھر یا اکل غیر محفوظ نہیں جیسا کہ ان کا مان ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہ نامرد جنگ سے بھابھ رہے ہیں۔

وَلَوْ دَخَلْتُمْ عَلَيْهِم بِمَنَ أَيْدِيكُمْ فَسَيَكُنَ أَيْدِيكُمْ عَلَىٰ الْأَعْنَافِ وَالْجَبَالِيَّتِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ الَّتِي كَفَرُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝
 وَلَقَدْ كَانُوا عَاثِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤْلُونَ إِلَّا ذُبَابًا ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۝ قُلْ لَنْ
 يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذْ لَا تَسْتَعُونَ إِلَّا قَبِيلًا ۝ قُلْ مَنْ ذَا
 الَّذِي يَعْصِيكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَسَأَدِيكُمْ سُوءًا أَوْ أَسَادِيكُمْ رَحْمَةً ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنَ
 دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝

”اور اگر تم لوگوں کے ہاتھوں سے ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی تہا تمہاری میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور تو توقف نہ کرتے اس میں مگر بہت کم۔ حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے۔ فرمادیجئے (اے بھگوتوں)“

1- صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، جلد 4 صفحہ 347، صحیح مسلم، کتاب الری، جلد 4 صفحہ 1779

2- مسند احمد، جلد 4 صفحہ 285، مسند ابی یعلیٰ، جلد 2 صفحہ 90، مجمع الزوائد، جلد 3 صفحہ 300

3- الریض الاناف، جلد 2 صفحہ 16، التعلیق والاعلام للسیبلی، 102: تفسیر قرطبی، جلد 14 صفحہ 148

4- الریض الاناف، جلد 2 صفحہ 16

5- تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 135

6- تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 136

تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے اور (اگر بھاگ کر تم نے جان بچا لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تمھوڑی مدت۔ فرمایئے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اگر وہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کر لے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے۔ اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔

ان لوگوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے جنہوں نے یہ عذر لگ پیش کر کے میدان جہاد سے راہ فرار اختیار کی تھی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، ان کی نسبت فرمایا کہ اگر ان پر مدینہ کی ہر جانب سے دشمن ٹوٹ پڑیں، پھر ان سے قتل انگیزی یعنی کفر میں داخل ہو جانے کی درخواست کی جائے تو یہ بلا تامل کفر کو قبول کر لیں گے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ معمولی سے خوف کے باعث یہ ایمان کے دامن کو چھوڑنے پر تیار ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں وہ عہد یاد کروا رہا ہے جو انہوں نے اس آزمائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا کہ وہ کسی صورت میں بھی میدان جہاد سے پیچھے ہٹ کر نہیں بھاگیں گے، اللہ تعالیٰ اس عہد کے متعلق ان سے ضرور باز پرس فرمائے گا۔ اس کے بعد انہیں صاف صاف بتا دیا کہ ان کا جہاد سے فرار اختیار کرنا نہ انہیں موت سے بچا سکتا ہے اور نہ ان کی عمروں کے طویل ہونے کا سبب بن سکتا ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ یہ اچانک پکڑ کا سبب بن جائے، اس لئے فرمایا: **وَإِذَا لَمْ تَسْتَعِينُوا إِلَّا قِيلاً** یعنی اگر تم قتل سے بچ بھی گئے تو بھی تم بہت کم عمر صاف اندوز ہو گے۔ متاع دنیا بہت قلیل ہے اور اہل تقویٰ کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔ پھر فرمایا: **فَمَنْ ذَا الَّذِي يَحْتَمِلُ** یعنی نہ ان کے لئے اور نہ دوسروں کے لئے کوئی ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ سے پناہ دے سکے اور مدد کر سکے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ النُّعُوقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبِئْسَ إِلَّا قِيلاً ﴿١٥﴾ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ﴿١٦﴾ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُومًا أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْتَمِي عَلَى كَيْسٍ مِنَ الْمَوْتِ ﴿١٧﴾ فَإِذَا ذُهِبَ الْخَوْفُ سَلَفُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ جِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَبِيرِ ﴿١٨﴾ أُولَئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِيثَاقٌ حَبِطَ اللَّهُ أَعْمَانَهُمْ ﴿١٩﴾ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٢٠﴾

”اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں (اسلامی کیمپ چھوڑ کر) ہماری طرف آ جاؤ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام۔ پر لے درجے کے کجوس ہیں تمہارے معاملہ میں۔ پھر جب خوف (ودہشت) چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں پکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے، بڑے حریص ہیں مال غنیمت کے حصول میں۔ (درحقیقت) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لے آئے۔ پس اللہ نے ضائع کر دیے ہیں ان کے اعمال۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے۔“

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق اپنے علم محیط کی خبر دے رہا ہے جو دوسروں کو جہاد سے منع کرتے ہیں اور اپنے دوست احباب کو آرام وہ زندگی کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آؤ اور جس طرح ہم درختوں کے سائے تلے ان کے پھلوں سے شاد کام ہوتے ہوئے پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں، تم بھی ایسی ہی زندگی اختیار کرو، اس کے باوجود وہ میدان جنگ کا ایک آدھ چکر لگا کر کبھی کبھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔ یہ تم پر محبت اور شفقت کرنے میں پر لے درجے کے نبیل ہیں۔ سدی ”أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ“ کا معنی بتاتے

ہیں کہ وہ مال غنیمت کے بہت حریص ہیں اور اس میں تمہارے حصہ پر ناخوش ہیں۔ ان نامردوں اور بزدلوں کی حالت یہ ہے کہ ذہب خوف چھا جاتا ہے تو خوف و ہراس کی شدت کے باعث ان کی آنکھیں چکرائے لگتی ہیں اور ان کی حالت دیدنی ہوتی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان پر موت کی غشی طاری ہے اور جب امن کا دور دورہ ہوتا تو فتنی کی طرح ان کی تیز زبانیں چلنے لگتی ہیں، فصیح و بلیغ گفتگو اور اپنی شجاعت اور مردانگی کے بلند باغک جھوٹے دعوے کرنے لگ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سَمَكُفُوْكَہُ کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ تیز زبانوں کے ساتھ تمہارا سامنا کرتے ہیں۔ غمناک فرماتے ہیں کہ غنیمت کے وقت یہ بدترین حریص ہوتے ہیں جو غل جھاڑتے ہیں کہ ہمیں دو، ہمیں دو، ہم نے بہت سی جنگی خدمات انجام دی ہیں لیکن جنگ کے وقت یہ بد بخت نہایت بزدل اور حق کے ساتھ قطع تعلقی کرنے والے ہوتے ہیں (1)۔ ان میں بھلائی نامہ کی کوئی چیز نہیں۔ بھلائی سے خالی ہونے کے علاوہ یہ بزدل بھی ہیں اور جھوٹے بھی۔ حالت امن میں یہ گدھوں جیسے ہیں اور حالت جنگ میں حاکمہ عورتوں کی طرح الگ تھلگ، اس لئے فرمایا: **اُولَئِكَ لَمْ يُوْثِقُوْا فَاَحْطَظْ**۔

يَحْسِبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَدْهَبُوْا ۗ وَاِنْ يَّاتِ الْاَحْزَابَ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّكُم بِاَدُوْنِ فِي

الْاَعْرَابِ يَسْأَلُوْنَ عَنْ اَنْبِيَائِكُمْ ۗ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَا قَاتَلُوْا اِلَّا قَوِيْلًا ۝۱۰

” (دشمن بھاگ گیا لیکن یہ بزدل) یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے نہیں گئے۔ اور اگر جتھے (دو بارہ پلٹ کر) آج نہیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش! وہ صحرا میں بدوؤں کے ہاں ہوتے (آنے جانے والوں سے) تمہاری خبریں پوچھتے۔ اور اگر یہ (بزدل) تم میں موجود بھی ہوتے تو یہ (دشمن سے) جنگ نہ کرتے مگر برائے نام۔“

یہاں بھی ان کی بزدلی اور سراسیمگی کی تصویر کشی کی جا رہی ہے کہ کفر و شرک کے لشکر لوت جانے کے بعد جو انہیں دھڑکا رہا ہے کہ وہ ابھی لوٹے نہیں بلکہ ان کے قریب ہی موجود ہیں اور ان کی یلغار کا سخت خطرہ ہے۔ جب لشکر اتر آتے ہیں تو ان کی تمنا ہوتی ہے کہ کاش ہم یہاں تمہارے ساتھ مدینہ میں رہنا پسند کرتے ہوتے بلکہ بادیہ نہیں ہوتے اور وہاں سے ہی معلوم کر لیتے کہ تم لوگوں پر کیا ہوتی۔ فرمایا: **وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ**۔ یعنی اگر یہ نامرد تم میں موجود ہوتے تو اپنی بزدلی، ذلت اور ضعف یقین کی وجہ سے برائے نام لڑتے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسُوْةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوْا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ

كُبْرٰۤى ۝۱۱ وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مِمَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ

صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۗ وَ مَا رَاَدُوْهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَ تَسْلِيْمًا ۝۱۲

” بے شک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ (منافقین کا حال آپ پڑھ چکے) اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرط جوش سے) پکارا نھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور دشمن کے لشکر جبرائے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اور اضا ف کر دیا۔“

بعض ابھی منتظر ہیں، انہوں نے اللہ کے عہد کو تبدیل کیا اور نہ توڑا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم قرآن لکھ رہے تھے تو مجھے سورۃ اجزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی حالانکہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے دو آیت سنا کرتا تھا۔ بالآخر یہ آیت صرف خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی جن کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہی ہے: **وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ** (1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے چچا (حضرت) انس بن نصر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی (2)۔ انہیں غزوہ بدر میں عدم شرکت کا بہت ملال تھا، فرماتے کہ سب سے پہلے غزوہ میں ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شریک جہاد نہ ہو سکا۔ اب اگر موقع ملا تو میں، بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھاؤں گا، اس سے زیادہ کوئی دعویٰ کرنے سے انہوں نے گریز کیا۔ چنانچہ غزوہ احد میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کرنے کا موقع مل گیا۔ سامنے سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ انہیں کہنے لگے: اے ابو عمرو! کہاں جا رہے ہو، مجھے تو جنت کی خوشبو آ رہی ہے اور یہ خوشبو مجھے احد پہاڑ کے پیچھے سے آ رہی ہے۔ یہ کہتے ہوئے کفار کے لشکر میں گھس گئے اور داؤد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی سے زائد زخم تھے جن کی وجہ سے انہیں پہچانا مشکل ہو رہا تھا۔ آخر کار ان کی بہن ربیع بنت نصر نے انہیں انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ اور آپ جیسے دیگر جانثار صحابہ کے متعلق یہ آیت اترتی (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب لشکر اسلام میں کھلبلی مچ گئی اور مسلمان پسا ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! میں مسلمانوں کے اس فعل پر معذوری ظاہر کرتا ہوں اور مشرکوں کے فعل سے بیزار ہوں۔ یہ کہہ کر آپ آگے بڑھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کی طرح داؤد شجاعت نہ دے سکا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ احد سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کہی، اس غزوہ میں پیش آنے والی مصیبت پر مسلمانوں کو تسلی دی اور انہیں اجر و ثواب کی نوید سنائی پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ یوں لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے؟ میں اس وقت سبز رنگ کے دو حضری کپڑوں میں ملبوس سامنے سے آ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: "اے سوال کرنے والے! یہ ان لوگوں میں سے ہے" (4)۔ حضرت موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ جب وہاں سے رخصت ہو کر باہر نکلنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے واپس بلا لیا اور فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ حدیث نہ سناؤں جو میں نے رسول خدا ﷺ سے سنی ہے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "طلحہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی" (5)۔ چنانچہ اس فرمان **فَوَيْلٌ لِّمَنْ كَفَرَ** سے بعض ایسے دن کے منتظر ہیں جس میں کفار کے ساتھ لڑائی ہو اور وہ صبر و استقامت سے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ ان میں بعض ایسے ہیں جن کی وفات صدق و وفا پر ہوئی اور ان میں سے بعض ایسی موت کے منتظر ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے صدق و وفا کو کوئی نہیں بدلا۔ بعض حضرات نے "نحب" کا معنی نذر کیا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَمَا يَدَّبُّهَا لَكُمُ الْيَوْمَ** یعنی انہوں

2- صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اجزاب، جلد 8 صفحہ 146

1- فتح الباری، تفسیر سورۃ اجزاب، جلد 8 صفحہ 518، سنن احمد، جلد 5 صفحہ 188-189 وغیرہ

3- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1509-1510، سنن احمد، جلد 3 صفحہ 194 وغیرہ

5- تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 147

4- عارضہ الاحادیث، تفسیر سورۃ اجزاب، جلد 12 صفحہ 83-84، کتاب المناقب، جلد 13 صفحہ 180

نے اپنے عہد کو نہیں بدلا اور نہ کسی وفا کی بجائے غدر اور بیوفائی کے مرتکب ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد پر سختی سے ڈٹے رہے اور منافقوں کی طرح انہوں نے یہ کہہ کر عہد شکنی نہیں کی: **اِنَّ مِيثَاقَنَا عِنْدَ رَبِّنَا الَّذِي لَا يَنْسِيهِ اِنَّهٗ الضَّالِّينَ**... یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوف و دہشت سے آزما رہا ہے تاکہ اچھے اور برے، خبیث اور طیب کے درمیان تمیز ہو جائے اور ہر ایک کا حال لوگوں کے سامنے عیاں ہو جائے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہے، وہ تو اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی انہیں جانتا ہے، لیکن وہ محض اپنے علم کی بنا پر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔ عذاب اسی وقت دیتا ہے جب لوگ برے اعمال کا ارتکاب کر لیں جیسا کہ فرمایا: **وَلَقَدْ لَعْنَتْنَا لَكُمْ حَتّٰى تَعْلَمُوْا اَنْتُمْ لِمَنْ لَعْنَتُوْا وَالتَّضَلُّوْنَ ۗ وَ لَقَدْ لَعْنَتْنَا لَكُمْ (محمد: 31)** اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو معروف جہاد رہتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں اور ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے۔ یہ علم کسی چیز کے وجود پذیر ہونے کے بعد کا ہے اگرچہ اس کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: **مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَمْنَا عَلَيْهَا اَلَّا تَكُوْنِ اَلْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَلَمْتُمْ عَلَيْهَا حَتّٰى يَبَيِّنَ لَكُمْ اٰيٰتِهٖۤ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَكُمْ عَلٰى اَلَّذِيْنَ ظَلِمْتُمْ اِلَيْهِ (آل عمران: 179)** ”نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تمہارا عذاب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ وہ تمہیں غیب پر آگاہ کرے۔“ اس لئے یہاں فرمایا: **لِيَبَيِّنَ لَكُمْ اٰيٰتِهٖۤ**... یعنی یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ سچ کر دکھانے والوں کو ان کے صدق و صبر کا اجر عطا فرمائے اور منافقوں کو ان کی عہد شکنی پر عذاب میں مبتلا کر دے لیکن دنیا میں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر اس کی مرضی ہو تو وہ انہیں نفاق کی حالت پر ہی برقرار رہنے دے جس کا خمیازہ انہیں قیامت کے دن بھگتنا ہوگا اور اگر وہ چاہے تو ان پر نظر کو مفرماتے ہوئے انہیں نفاق سے ایمان کی طرف اور فسق و فجور اور نافرمانی سے اعمال صالحہ کی طرف متوجہ کر دے۔ چونکہ مخلوق پر اس کی رحمت اور مہربانی غالب ہے اس لئے فرمایا: **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا رَحِيْمًا**۔

وَسَادَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَبْغَضَهُمْ لَمَّ يَتَالُوْا اٰخِيْرًا ۗ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝۶۰

”اور (نا کام) لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار و درآئحالیہ اپنے غصہ میں (سچ و تاب کھا رہے) تھے (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی

قائد نہ ہوا۔ اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقت ور، ہر چیز پر غالب ہے۔“

کافروں کے ان لشکروں کی خبر دی جا رہی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی اور اپنے خیر مرئی لشکر کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ ہوا ان کے لئے قوم عاد پر بھیجی جانے والی بے برکت ہوا سے بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتُمْ فِيْهِمْ (الانفال: 33)** ”اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ انہیں عذاب دے حالانکہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی ہوا مسلط کر کے ان کی شرارت کا مزہ چکھایا جس نے ان کی جمعیت کو منتشر کروا دیا چونکہ یہ مختلف اخیال گروہ محض خواہش نفسانی کے باعث اکٹھے ہو کر یلغار کرنے کے لئے آئے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مناسبت سے ان پر ایسی ہوا بھیجی، جس نے ان کے غیر فطری اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کے جتھوں کو تتر بتر کر دیا اور انہیں خائب و خاسر اور نامراد واپس لوٹا دیا۔ وہ غصہ سے سچ و تاب کھ رہے تھے کہ انہیں کوئی نفع حاصل نہ ہو۔ دنیا میں بھی فتح و ظفر اور نصیحت کے حصول میں نا کام رہے اور آخرت میں بھی انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت رکھنے، مقابلہ کرنے اور آپ اور آپ کے صحابہ کا استیصال کرنے کے عزم

کی پوری پوری سزا ملے گی کیونکہ جو شخص کسی کام کے کرنے کا پختہ ارادہ اور عزم کر لیتا ہے وہ ایسے ہی سے جیسے وہ کام کرنے والا۔ فرمایا: وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْعِتَابَ یعنی اہل ایمان کو ان کا عقوبت کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ سے بچالیا، اس نے اپنے محبوب بندے اور رسول ﷺ کی مدد کی اور اپنے لشکر کو غلبہ عطا فرمایا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنے وعدہ کو سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو غالب کیا اور اکیلے ہی تمام جتھوں کو شکست دی۔ اس کے بعد کوئی چیز نہیں“ (1)۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب کے موقع پر کفار کے جتھوں کے لیے یہ بددعا کی: ”اے اللہ، اے کتاب کے اتارنے والے، جلد حساب لینے والے! ان جتھوں کو شکست دے۔ اے اللہ! انہیں ہزیمت سے دوچار کر اور انہیں سختی سے تھموڑ ڈال“ (2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْعِتَابَ میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ بندی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد اسی طرح ہوا۔ اس غزوہ کے بعد مشرکین کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ مسلمانوں نے ہی ان پر ان کے وطن میں چڑھائی کی۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر کفار کے پسپا ہو جانے کے بعد حضور ﷺ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے صحابہ سے فرمایا: ”اس ماں کے بعد قریش تم سے ہرگز جنگ نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر یلغار کرو گے“ (3)۔ پنانچہ اسی طرح ہوا۔ اس کے بعد قریش کو حملہ آور ہونے کی ہمت نہ ہوئی بلکہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ان پر چڑھائی کرتے رہے یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت سے ان کافروں کو بے نسل مرام واپس لوٹا دیا اور وہ کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اس نے اسلام اور اہل اسلام کو غلبہ اور عزت عطا کی، اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے اور رسول ﷺ کی تائید و نصرت کی۔

وَأَسْرَأَ الَّذِينَ ظَاهَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَدَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرَّعْبَ
فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۚ وَأَسْرَأَكُمُ أَسْرَاهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا
لَمْ تَطُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ عَاقِبًا ۝۱۰

”اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو۔ اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں اور ان کے مکانوں اور ان کے مال و متاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔“

یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب مشرکین اور یہود کے لشکر مدینہ شریف پر حملہ آور ہوئے تو یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے دوستی کے معاہدہ کو توڑ ڈالا۔ یہ عہد شکنی بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی ریشہ دانیوں کا نتیجہ تھی۔ ایک دن وہ لعین موقع پا کر بنو قریظہ کے قلعہ میں داخل ہوا اور ان کے سردار کعب بن اسد کو درخشا تار اور ہا اور مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کو توڑنے پر اکساتا

1- فتح الباری، کتاب المدنی، جلد 7 صفحہ 406، صحیح مسلم، کتاب الذکر والاعمال، جلد 4 صفحہ 2089

2- فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 106، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1363

3- صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 406، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 262

رہا یہاں تک کہ اس نے معاہدہ توڑ دیا۔ جی نے حسبِ وقائل کرنے کے لئے یہ بھی کہا تھا کہ میں تمہارے پاس زمانہ بھری کی عزت لایا ہوں، میں تمہارے پاس قریش، غطفان اور ان کے حلفاء کا لشکر جرار لے کر آیا ہوں۔ وہ اس وقت تک یہاں ڈیرے جمائے رکھیں گے جب تک محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اس کے جواب میں کعب نے اسے کہا کہ تم میرے پاس زمانہ بھری کی عزت نہیں بلکہ جہاں بھری کی ذلت لائے ہو، تم جنہوں شخص ہو، اس لئے ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دو لیکن جی اسے عہد شکنی پر برا سمجھتا کرتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گیا۔ آخر وہ کہنے لگا کہ اگر بالفرض قریش اور غطفان فرار ہو جائیں تو میں اپنی جمعیت کو لے کر تمہارے قلعہ میں آ جاؤں گا اور تمہارے ساتھ ہر قسم کے حالات کا سامنا کروں گا۔ اس قسم کی باتیں سن کر کعب نے مسلمانوں سے دوستی کے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو بنو قریظہ کی عہد شکنی کا علم ہوا تو آپ کو سخت کوفت ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بہت صدمہ ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی تائید و نصرت فرمائی، آپ کے دشمنوں کو زیر کر دیا اور انہیں نامراد واپس لوٹا دیا، رسول اللہ ﷺ مظفر و منصور واپس مدینہ شریف آئے اور صحابہ نے ہتھیار اتار دیئے تو ابھی رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک دھونے اور گردوغبار سے پاک صاف ہونے کے لئے غسل کی تیاری کر رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے۔ وہ ربیعی مہینہ باندھے ٹھہرے سوار تھے جس پر جملی گدی تھی۔ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے ہتھیار اتار بھی دیئے لیکن فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں کھولے، میں ابھی کافروں کے تعاقب سے واپس آ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ بنو قریظہ کی ہوشیاری کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی حکم دیا ہے کہ میں انہیں زیر و زبر کر دوں۔ حضور ﷺ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ بنو قریظہ کی سرحدی یہاں سے چند میلوں کے فاصلہ پر تھی۔ نماز ظہر کے بعد آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک نماز عصر بنو قریظہ میں ادا کرے۔“ یہ اعلان سنتے ہی مسلمان ہتھیار سجائے چل پڑے۔ راستہ میں ہی عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ بعض صحابہ نے راستہ میں ہی نماز ادا کر لی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ حضور ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم تیز رفتاری کے ساتھ چلیں جبکہ دوسرے صحابہ کا اصرار تھا کہ ہم تو بنی قریظہ میں پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں فریقوں میں سے کسی کو بھی سرزنش نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امین ام کلثوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ شریف پر اپنا نائب مقرر کیا اور جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا کیا اور صحابہ کے پیچھے بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ پچانوچھ بجیں روز تک آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کئے رکھا۔ جب محاصرہ طول پکڑ گیا اور یہود غلگی کا شکار ہو گئے تو انہوں نے اپنے زمانہ جاہلیت کے حنیف قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہیں یقین تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کے معاملہ میں اسی طرح رعایت اور تخفیف سے کام لیں گے جس طرح عبد اللہ بن ابی کی سفارش پر بنی قریظہ سے نرمی برتی گئی تھی اور ان کی جان بخشی کر دی گئی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خندق کے دنوں میں اکھل نامی رگ میں تیر لگا جس کے باعث وہ زخمی تھے، رسول اللہ ﷺ نے زخم پر داغ لگوا دیا اور انہیں مسجد کے قریب خیمے میں ٹھہرایا تا کہ ان کی عیادت میں آسانی ہو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو دعائیں کی ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی: اے اللہ! اگر اب بھی قریش کی کوئی جنگ باقی ہے تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے زندہ رکھ اور اگر ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ختم ہو گئی ہے تو بے شک میرے زخم سے خون بہتا رہے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنی قریظہ کے استیصال سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ بنی قریظہ نے خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا نام بطور حکم تجویز کیا۔ رسول اللہ ﷺ

نے انہیں مدینہ شریف سے بلوایا تاکہ وہ ان یہود کے متعلق فیصلہ سنا سکیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ گدھے پر سوار اپنے قبیلہ اوس کے آدمیوں کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے چل پڑے۔ راستہ میں بنی اوس آپ سے لپٹ گئے اور آپ کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ آپ حکم مقرر ہوئے ہیں۔ بنو قریظہ آپ کے حلیف ہیں اور ان سے ہمارے قیدی دوستانہ تعلقات ہیں، اس لئے ان پر رحم کرنا اور نرم برتاؤ کرنا، وہ لگا تار آپ کو قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن آپ نے چپ سادھے رکھی اور انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے افہام و تفہیم اور منت سماجت کی حد کر دی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا فرمایا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سعد کو متاثر نہیں کر سکتی۔ یہ سن کر انہیں یقین ہو گیا کہ اب بنو قریظہ کی بقا ممکن نہیں۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سواری حضور ﷺ کی قیام گاہ کے قریب پہنچی تو آپ نے حاضرین سے فرمایا: ”قَوْمُوا اِلٰی سَيِّدِيْكُمْ“ یعنی اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ سب مسلمان تعمیل ارشاد کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ انہیں سواری سے اتارا اور بطور حکم آپ کے منصب کا خیال کرتے ہوئے پورے احترام کے ساتھ ٹھہرایا تاکہ ان کا فیصلہ پوری طرح قائل نفاذ سمجھا جائے۔ جب آپ بیٹھے تو رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے فیصلے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ اب ان کے بارے میں جو چاہو فیصلہ کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میرا حکم ان پر نافذ ہوگا؟ فرمایا: ہاں۔ عرض کی کہ اس خیمے والوں پر بھی یہ حکم لاگو ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پھر اس طرف اشارہ کرتے ہوئے جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے لیکن آپ کے احترام میں اس جگہ کی جانب نہ دیکھتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ کیا اس طرف والوں پر بھی میرے فیصلے کی تعمیل ضروری ہوگی؟ فرمایا: ہاں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں کو قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال قبضے میں لے لئے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فرمایا ہے“۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو جو فیصلہ تھا، وہی سنا دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے خندق کھودی گئی اور انہیں رسیوں میں جکڑ کر لایا گیا اور ان کی گردنیں مار دی گئیں۔ ان کی تعداد سات آٹھ سو کے درمیان تھی۔ ان کی عورتیں اور نابالغ بچے غلام بنائے گئے اور مال اور جائیدادوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ یہ سب کچھ ہم نے کتاب السیرۃ میں بیان کر دیا ہے۔ فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا الْكُرْسِيَّ... یعنی اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا جنہوں نے کفر و شرک کے جھنڈوں کے ساتھ تعاون اور ساز باز کی تھی۔ ان اہل کتاب سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں جن کے آباؤ اجداد قدیم زمانہ میں محض اس طبع پر حجاز میں آباد ہو گئے تھے کہ وہ اس امی نبی کی اتباع کریں گے جن کا ذکر تو رات و نینچل میں موجود ہے اور حجاز میں ان کا ظہور ہوگا لیکن جب آپ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو ان ناخلفوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ صیاحی کا معنی ہے قلعہ۔ سینٹوں کو بھی اسی مناسبت سے کہ وہ بھی بلند ہوتے ہیں، صیاحی کہا جاتا ہے۔ فرمایا: وَ قَدْ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرَّعْبُ یعنی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کیونکہ یہی وہ بد بخت تھے جنہوں نے مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر اکسایا، عالم اور جاہل یکساں نہیں ہوتے اور انہوں نے بنی مسلمانوں کو بوست و نابود کرنے کا عزم مصمم کیا لیکن معاخذہ برکس ہو گیا، پانسہ پلٹ گیا اور انہیں لینے کے دینے پڑ گئے، مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے لڑائی مول لی، مشرکین انہیں بے یار و مددگار چھوڑتے ہوئے دم دبا کر بھاگے اور انہیں دشمن کے ساتھ ساز باز کرنے کا سودا مہنگا پڑا۔ عزت حاصل کرتے کرتے ذلیل و رسوا ہو گئے اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کی بجائے خود ختم ہو گئے اور آخرت کی بد بختی اس پر مستزاد ہے۔ الغرض یہ ان کے

لئے گھاسنے کا سودا تھا جس میں وہ اپنی ہر چیز سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان میں جو جنگ لڑنے کے قابل تھے، انہیں قتل کر دیا گیا اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ عطیہ قرظی کا کہنا ہے کہ جب مجھے نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو لوگوں کو میرے بارے میں کچھ تردد ہوا کہ آیا میں بالغ ہوں یا نابالغ۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ دیکھو اگر اس کے زیر ناف بال آگے ہیں تو قتل کر دو ورنہ قیدیوں میں شامل کر دو۔ صحابہ نے دیکھا تو میں نابالغ نکلا، اس لئے مجھے قیدیوں میں شامل کر دیا (۱)۔ پھر فرمایا: **وَأَوْزَاهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ**۔ یعنی ان کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمینوں، مکانوں اور مال کا مالک بنا دیا۔ علاوہ ازیں ایسی سرزمین بھی تمہارے تصرف میں دے دی جہاں ابھی تک تمہارے قدم نہیں گئے۔ اس سے مراد خیبر ہے یا مکہ یا قریہ دروم۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ سب علاقے مراد لئے جا سکتے ہیں (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں خندق والے دن لشکر کا حال معلوم کرنے کے لئے نکلی۔ مجھے اپنے پیچھے سے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے دیکھا تو وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے جو زہر پیئے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ باہر اٹکے ہوئے تھے۔ میں سمت کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ یہ درز پڑھتے ہوئے میرے پاس سے گزر گئے۔ میں وہاں سے اٹھی اور ایک باغ میں ٹھس گئی، وہاں کچھ مسلمان موجود تھے جن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہاں ایک اور آدمی بھی تھا جو خود پیئے ہوئے تھا۔ مجھے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا؟ تم نے اس قدر جرات کی کہ میدان کارزار میں بے خوف و خطر آ گئیں۔ نہ معصوم کیا نتیجہ برآمد ہو۔ انہوں نے مجھے اس قدر ملامت کی کہ میں تنہا کرنے لگی کاش ابھی زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں داخل ہو جاتی۔ یہ باتیں سن کر خود والے شخص نے اپنے چہرہ سے خود ہٹایا تو وہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ کہنے لگے: اے عمر! صد افسوس، تم نے بہت باتیں کر لیں، آج بھلا کوئی بھاگ کر کہاں جائے گا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس پر پھر وسرہ اور اعتماد ہے۔ ایک قریشی نے جسے ابن عرقہ کہا جاتا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر مارا اور کہا لے میں ابن عرقہ ہوں۔ وہ تیر ان کی کھل نامی رگ میں لگا اور اسے کاٹ ڈالا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنو قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ بنو قریظہ زمانہ جاہلیت میں ان کے حلیف اور دوست تھے۔ اسی وقت ان کے زخم سے خون بہنا بند ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو سخت آندھی کے ذریعے پسا کر کے اہل ایمان کو جنگ سے بچالیا۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی بھاگ کر ہتھامہ چلے گئے، عیینہ بن بدر اور اس کے ساتھیوں نے نجد کی راہ لی، بنو قریظہ اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ وہاں مدینہ شریف تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے حکم سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں چڑے کا خیر نصب کر دیا گیا۔ اسی وقت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے، آپ کا چہرہ گرد آلود تھا، کہنے لگے کہ آپ نے ہتھیار کھول بھی دیئے لیکن فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے۔ بنی قریظہ کی طرف نکلیں اور ان کے ساتھ جنگ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً زہر پینی اور بنو قریظہ کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے صحابہ میں منادی کروادی۔ بنو حنیملہ کے مکانات مسجد نبوی سے متصل تھے۔ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپ نے پوچھا کہ یہاں سے جاتے ہوئے تم نے کسی کو دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمارے پاس سے دیدیہ کلی ابھی ابھی گزرے ہیں، حالانکہ وہ جبریل علیہ السلام تھے لیکن ان کی واہمی اور حلیہ حضرت دیدیہ سے ملتا جلتا تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کا صحیح صرہ لیا۔ انہیں روزتک محاسرہ جاری رہا۔ جب ان کا ناطقہ بند ہو گیا اور وہ ٹھنڈل ہوئے تو انہیں کہا لیا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر تسلیم کرو۔ انہوں نے حضرت ہبہد میں عبدالمذہر سے مشورہ کیا تو انہوں نے اشارہ سے بتایا کہ

یہ فیصلہ ذبح کا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ منظور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس مطالبہ کو مان لیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلوا لیا۔ وہ گلہ مھے پر سوار ہو کر آئے جس پر کھجور کی چھال کی گدی تھی۔ آپ کی قوم آپ کو گھیرے ہوئے تھی اور وہ بخو قریظہ کے حق میں آپ کو ہموار کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ یہ آپ کے حلیف، دوست اور اہل کتاب ہیں لیکن آپ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا بلکہ ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہ دی۔ جب آپ ان کی گڑھی کے قریب پہنچے تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اب وقت آ گیا ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کی کوئی پروا نہیں۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سواری نمودار ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے سید (سردار) کے لئے اٹھو اور انہیں اتار دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہمارا سید تو اللہ تعالیٰ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں اتار دو۔ جب لوگ انہیں سواری سے اتار چکے تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ان کے متعلق فیصلہ کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا فیصلہ یہی ہے کہ ان کے جو ان قتل کر دیئے جائیں، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال تقسیم کر دیئے جائیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی: اے اللہ! اگر تیرے نبی پر قریش کی کوئی یلغار باقی ہو تو اس کے لئے مجھے زندہ رکھو ورنہ مجھے اپنے پاس بلا لے۔ اسی وقت ان کے اس زخم سے خون بہنے لگا جو پہلے تقریباً مندمل ہو چکا تھا اور معمولی سا باقی تھا۔ پھر انہیں اس خیمہ میں منتقل کر دیا گیا جو حضور ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے لگوا لیا تھا اور وہیں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ بذات خود وہاں تشریف لائے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں آئے۔ سب رورہے تھے اور مجھے اپنے حجرہ سے ان کے رونے کی آوازوں میں تیز ہو رہی تھی۔ صحابہ کرام ایسے ہی تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** (التح: 29) ”آپس میں بڑے رحم دل ہیں“۔ حضرت علقمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ایسے موقعوں پر حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کی آنکھوں سے کسی پر آنسو تو نہیں بہتے تھے، البتہ غم و رنج کے موقع پر آپ اپنی داڑھی مبارک پکڑ لیتے تھے (1)۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَّا ذُوَ اجْحَاكُ إِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْن أُمْتِعْكَ
وَأَسْرِ حُلْمًا سَرًّا حَبِيبًا ۝ وَإِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّاكِرَةَ فَإِنَّ
اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

”اے نبی کریم! آپ فرمادیجئے اپنی بیبیوں کو کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش (و آسائش) کی خواہاں ہو تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ۔ اور اگر تم جاہلی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے جو تم میں سے نیکو کار ہیں اجر عظیم“۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اپنی بیویوں کو دو چیزوں میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دے دیں۔ یا تو وہ حضور ﷺ سے الگ ہو کر دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت کو اختیار کر لیں یا وہ اسی فقرو فاقہ کی زندگی پر صبر کریں۔ اس صورت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم حاصل ہوگا۔ چنانچہ مومنوں کی ان ماؤں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف آخرت کی سعادت سے نوازا بلکہ دنیا کی مسرتیں بھی عطا فرمادیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

1- التح: 29-2 صحیح بخاری، کتاب الرجز، جلد 7 صفحہ 411-412 صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1389، سند احمد، جلد 6 صفحہ 141-142

بِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی نے ان آیات کے رعبیے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی بیویوں کو یہ اختیار دے دیں تو آپ سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تمہارا ساتھ ایک بات کرنے آیا ہوں، جسے ہر ذی ذرہ جاک اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ یہ تو آپ کو خوبی علم تھا میرے والدین بھی مجھے آپ سے جہاں الی کا مشورہ نہیں اس کے پھر آپ نے مجھے یہ دو آیات سنائیں۔ میں نے عرض کی کہ کیا میں اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں، مجھے اللہ تعالیٰ اس کا رسول مقرر فرمایا، آخرت پسند ہے (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بیویوں سے پانچے بعد بگڑے تشریف لائے تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے تیس بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میں ایک ایسا معاملہ سنا ہوں، اپنے والدین سے مشورہ رکھنے بغیر اس معاملہ میں فیصلہ نہ کرنا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول مقرر فرمایا اور آخرت کو پسند کرتی ہوں تو یہ سن کر حضور ﷺ بہت خوش ہوئے (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آیت تخریر نازل ہوئی تو سب سے پہلے حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں تمہارے سامنے ایک معاملہ پیش کرنے والا ہوں، اپنے والدین ابو بکر اور ام رومان سے مشورہ کے بغیر اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہ کرنا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! وہ معاملہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ دو آیات سنائیں۔ جب میں نے عرض کی کہ میں اللہ اس کے رسول اور آخرت کو پسند کرتی ہوں اور مجھے اس معاملہ میں اپنے والدین کے ساتھ مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تو آپ ﷺ ہنس دیے۔ پھر آپ باری باری باقی ازواج کے تجروں میں تشریف لے گئے اور یہی بات ان سے کی۔ ساتھ آپ ﷺ یہ بھی فرمادیتے تھے کہ عائشہ نے یہ یہ جواب دیا ہے۔ تمام ازواج مطہرات نے عرض کی کہ ہمارا جواب بھی وہی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے آپ ﷺ کو پسند کیا۔ یہ اختیار طلاق شمار نہیں ہوتا (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ گھر کے اندر تشریف فرما تھے، لوگ آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کی لیکن اجازت نہ ملی۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگے لیکن انہیں بھی اجازت نہ ملی۔ کچھ دیر بعد ان دونوں حضرات کو اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ دونوں اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کے ارد گرد حلقہ بنا کر بیٹھی ہیں۔ یہ کچھ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں اسکی بات کروں گا کہ نبی کریم ﷺ ہنس پڑیں گے۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اُمیر میری بیوی مجھ سے خرچہ مانگتی تو میں اس کی گردن مار دیتا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے اور فرمانے لگے: یہ سب میرے ارد گرد بیٹھی مجھ سے خرچہ کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کے لئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت خنصہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کے لئے لپکے اور کہنے لگے کہ تم حضور ﷺ سے اس چیز کا سوال کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں منع کر دیا۔ وہ کہنے لگیں کہ ہم اس کے بعد حضور ﷺ سے ایسی چیز کی فرمائش نہیں کریں گی جو آپ کے پاس نہ ہو۔ اس وقت یہ آیات اتریں۔

1- صحیح بخاری، تفسیر سورہ احزاب، جلد 8 صفحہ 519-520

2- تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 158

3- صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 7 صفحہ 55، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 1104، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 45

سب سے پہلے آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "میں تمہارے ساتھ انبیاء اموات کرتے ہوں، میں نہیں چاہتا کہ تم بعد بازی کا مظاہرہ کرو بلکہ اپنے والدین کے ساتھ مشورہ کر کے جواب دینا" عرض کیا کہ وہ یہ بات ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ان دونوں آیات کی تائید کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! یہاں بات میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی! بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ میرے اس فیصلے کا ذکر اپنی کسی بیوی کے سامنے نہ کریں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت مزاج بنا کر نہیں بھیجا بلکہ میں سکھانے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میری جو بیوی مجھ سے تمہارے اختیار کے متعلق پوچھے گی، میں اسے بتا دوں گا (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو دنیا و آخرت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا تھا۔ آپ نے انہیں طلاق کا اختیار نہیں دیا تھا (2)۔ اس کی سند منقطع ہے اور یہ آیت کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے کیونکہ فرمایا: فَتَكَلِّمُنَّ أُمَّهَاتِكُنَّ وَأُمَّهَاتِكُنَّ سِرًّا كَمَا حَبَّيْتُمُ الْعَيْنِ أَدْرَأْتُمْ تَعْلَمُونَ؟ یعنی آپ ﷺ نے ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہا ہے؟ اس بارے میں و قول ہیں جن میں سے صحیح یہ ہے کہ جائز ہے تاکہ اس طلاق سے انہیں حصول دنیا کا مقصود حاصل ہو جائے۔ مگر یہ رحمت اللہ علیہ کتب میں کہ اس وقت آپ ﷺ کی بیویاں تھیں، پانچ کا تعلق قریش سے تھا: عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سوہہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن اور صفیہ بنت حی انصریہ، میمونہ بنت حارث ہلالیہ، زینب بنت جحش اسدیہ اور جویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ عنہن۔

يُنْسَأَنَّ النَّبِيَّ مِنْ يَأْتٍ مِنْكَ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَعَفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ - وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ وَ مَنْ يَقْتُلْ مِنْكَ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَ تَعَمَلْ صَالِحَاتٍ تَهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝

"اے نبی کریم کی بیوی! جس کسی نے تم میں سے کھلی بیہودگی کی تو اس کے لئے عذاب دو چند کر دیا جائے گا۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔ اور جو تم میں سے فرما تمہارا بی بی رضی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نیک عمل کرتی رہی تو ہم اس کو اس کا اجر بھی دو چند دیں گے۔ اور ہم نے اس کے لئے عزت والی روزی تیار کر رکھی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو وعظ و نصیحت فرما رہا ہے جنہوں نے دنیا کی بجائے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول کریم ﷺ اور دار آخرت کو پسند کیا اور ہر حال میں آپ ﷺ کی زوجیت میں رہنے پر نازاں رہیں۔ اس خصوصی مقام کے پیش نظر ان کے لئے خاص حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نبی کریم ﷺ کی کوئی زوجہ کھلی ہوئی بیہودگی کرے تو اس کے لئے عذاب دو چند کر دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فاحشہ سے مراد حضور ﷺ کی نافرمانی اور بد رفتاری ہے۔ بہر صورت جو بھی منہ بوم ہو، یہ فرمان بطور شرط کے ہے اور شرط کا وقوع ضروری نہیں ہوتا جیسا کہ فرمایا: وَ لَقَدْ أُذِجِيَ إِلَيْكَ وَ إِلَىٰ آلِ بْنِ مَرْثَدَةَ مِنْ قَبْلِكَ لَنْبِئًا أَشْرَكَتَ يَعْصِمُكَ اللَّهُ الرَّمِيمُ (65) اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر (بفرض حال) آپ نے بھی شرک کیا تو آپ

کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ وَلَوْ أَهْرَمْتُمْ لَوْ أَحْصَيْتُمْ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (الانعام: 89) ”اور اگر وہ شُرک کرتے تو ضرور ان کے اعمال ضائع ہو جاتے۔ قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ لَفَأَنَّا آذَانٌ لَّغَيْبٍ بَيْنَ يَدَيْهِ“ (الزخرف: 81) ”فرمائیے اگر رحمن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا۔ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَنْبَغِخَ وَوَلَدٌ لَأَصْطَلَفِي وَمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ لَسُبْحَانَهُ“ (الفرقان: 4) ”اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹا بنا نا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا جن لیتا، وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے جو ایک ہے، سب سے زبردست۔“ یعنی جس طرح ان ارشادات میں شرط کا وقوع نہیں ہوا، اسی طرح اس آیت میں بھی یہ نہ سمجھا جائے کہ امہات المؤمنین سے واقعی ایسی کوئی حرکت مرزد ہوئی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں بڑا اونچا مقام اور عظمت حاصل ہے، اس لئے اس رفعت شان کا تقاضا ہے کہ اگر بالفرض ان میں سے کسی سے کوئی ناشائستہ حرکت صادر ہو جاتی تو اس کے لئے عذاب بھی دوگنا ہوتا، اس لئے فرمایا: مَنْ يَأْتِ مِنْكُمْ بِثُلَّةٍ يَفْعَلُهَا شَوْءٌ - زيد بن اسلم کہتے ہیں کہ یہاں دنیا و آخرت کا عذاب مراد ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے عدل اور فضل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَمَنْ يَفْعَلْهُ وَمِثْلَهُ... یعنی تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اس کے لئے دو چند اجر ہے اور جنت میں باعزت روزی بھی تیار ہے۔ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن حضور ﷺ کے ساتھ تمام جنتیوں کی منازل سے اوپر اعلیٰ علیین میں ہوں گی۔ اسی کا نام وسیلہ ہے۔ یہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور بالاتر منزل ہے جو عرش کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

يُنْسَاءُ النَّبِيَّ نِسْتًا كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنْ التَّقِيْتُ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۖ وَقَدَرْنَ فِي بَيْوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۖ وَادْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝

”اے نبی کی ازواج (مطہرات) تم نہیں ہو دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی مانند اگر تم پر ہیز گاری اختیار کرو، پس ایسی نرمی سے بات نہ کرو کہ طمع کرنے لگے وہ (بے حیا) جس کے دل میں روگ ہے اور گفتگو کرو تو باوقار انداز سے کرو۔ اور ٹھہری رہو گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دور جاہلیت میں رواج تھا اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی۔ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کروے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے۔ اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا لطف فرمانے والا ہر بات سے باخبر ہے۔“

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو اور ان کی وساطت سے امت کی تمام خواتین کو آداب سکھا رہا ہے۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقویٰ اختیار کریں تو دنیا کی کوئی عورت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور انہیں وہ فضیلت اور مقام حاصل ہوگا جس کا کوئی عورت تصور بھی نہیں کر سکتی، پھر مردوں کے ساتھ طرزِ خطاب میں نرمی کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ یعنی اگر کسی نا محرم سے بات کرنی پڑ جائے تو ایسی نرمی اور نزاکت سے بات نہ کرو کہ وہ شخص

طمع کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہے اور جب گفتگو کر دو تو باوقار انداز سے اچھی گفتگو کرو۔ اس آیت کے ذریعے عورتوں کو اجنبی مردوں کے ساتھ نرم اور لطیف لہجہ میں بات کرنے سے منع کر دیا۔ اس کے بعد امہات المؤمنین کو اپنے گھروں میں سکون و وقار کے ساتھ ٹھہرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ بِمَنِّ اللَّهِ وَعَلَمِ اللَّهِ فِي الْبُيُوتِ الَّتِي بُنِيَ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمْنَ وَأَنْتُمْ كَاذِبَاتٌ۔ میں آنا شرعی ضروریات میں شامل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی بندوبدوں کو اللہ کی مساجد سے منع نہ کرو، لیکن انہیں چاہئے کہ وہ بغیر زیب و زینت کے ساوگی میں ہی باہر نکلیں“ (1)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ”اور ان کے گھرانے کے لئے بہتر ہیں“ (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورتیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ! مرد ساری نصیبتیں لے گئے اور جہاد میں شرکت کا شرف بھی صرف انہیں نصیب ہوتا ہے، کیا کوئی ایسا عمل ہے جس کے کرنے سے ہمیں مجاہدین کا درجہ حاصل ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے جو عورت اپنے گھر میں بیٹھی گئی، اسے راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کا درجہ ملے گا“ (3)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عورت سراپا پردہ ہے۔ جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکنے لگتا ہے جب تک وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں رہتی ہے وہ اپنے رب کی رحمت کے زیادہ قریب ہوتی ہے“ (4)۔ ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: ”عورت کا اپنی خواب گاہ میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور گھر میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے“ (5)۔ پھر فرمایا: وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُجَاهِلِينَ الْأُولَىٰ یعنی اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابقہ دور جاہلیت میں رواج تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے حجابانہ مردوں کے سامنے نکلا کرتی تھیں، یہی جاہلیت کا تبرج ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں ناز و ادا سے نکلتی اور لگتی ہوئی سراپا زار بے پردہ ٹھہلا کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔ مقاتل بن حیان کے بقول تبرج یہ ہے کہ عورت اپنا دوپٹہ سر پر ڈال لے اور اس سے اپنے جسم کو اچھی طرح نہ ڈھانپے جس سے اس کی گردن اور کانوں کے زیورات ظاہر ہوتے رہیں۔ یہی تبرج یعنی اظہار زینت ہے جس سے تمام مسلمان خواتین کو روک دیا گیا (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت وَرَبِّكَ يُرْحَمُونَ۔ کی تلاوت کرتے ہوئے بیان کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ تھا، اس دوران حضرت آدم علیہ السلام کی دو نسلیں آباد تھیں، ایک میدانی علاقے میں اور دوسری پہاڑی علاقہ میں۔ پہاڑی علاقے کے مرد خوبصورت اور عورتیں سانولے رنگ کی تھیں جبکہ میدانی علاقہ کی عورتیں خوبصورت اور مرد سانولے رنگ کے تھے۔ اٹلیس لعین نے انسانی شکل اختیار کی اور میدانی علاقہ کے ایک شخص کا خادم بن کر رہنے لگا۔ اس دوران اس نے بانسری جیسی ایک چیز بنائی اور اسے بجانے لگا۔ انوکھی وضع کی اس چیز کو دیکھ کر اور اس کی آواز سن کر لوگ بہت متعجب اور مسرور ہوئے۔ اردگرد کے لوگوں کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بھی اس کی آواز سننے کے لئے اٹھ آئے اور میلے کا ایک دن مقرر ہو گیا جس میں ہر سال مردوزن کثیر تعداد میں اکٹھے ہوتے۔ عورتیں خوب بن ستور کراہتے حسن و جمال کی نمائش کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ میلے کے دن ایک پہاڑی آدمی اتفاقاً دھڑا نکلا اور ان کی عورتوں کے حسن و جمال سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر اپنے لوگوں کے سامنے جب اس

1- صحیح بخاری کتاب الجسد، جلد 2، صفحہ 382، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، جلد 1، صفحہ 327، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 1، صفحہ 155 وغیرہ

2- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 1، صفحہ 155، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 76

4- عارضۃ الاحادیث، ابواب الرضا، جلد 5، صفحہ 122

6- الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 607

3- میزان الاعتدال، از ذہبی، جلد 2، صفحہ 61

5- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 1، صفحہ 156

چیز کا تذکرہ کیا تو انہیں بھی ان عورتوں کا بہت اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ادھر کا رخ کر لیا اور ان عورتوں کے ساتھ جنسی مراسم قائم کر لئے۔ اس طرح ان میں بدکاری عام ہو گئی۔ یہی مطلب اس فرمان **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ بَدَّلُوا نَبَاهَهُمُ الْجَاهِلِيَّةَ الْأُولَىٰ كَانُوا فِيهَا مُمْتَلِكِينَ** (1)۔ امہات المؤمنین کو شہر سے منع کرنے کے بعد خیر کی طرف متوجہ کیا نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: **وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ** نماز قائم کرنا اللہ وحدہ شریک کی عبادت ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا مخلوق پر احسان ہے۔ نماز و زکوٰۃ کا حکم خاص ہے اور اس پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے عام حکم کا عطف کیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان **إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ** اس بات پر نص ہے کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات یہاں اہل بیت میں شامل ہیں کیونکہ انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے اور آیت کا شان نزول آیت کے حکم میں ضرور داخل ہوتا ہے۔ یا تو صرف وہی مراد ہوتی ہے یا وہ جن اور اس کے سوا بھی۔ یہ دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت مکرمہ رحمۃ اللہ علیہہ بازار میں منادی کرتے کہ یہ آیت خصوصاً حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت مکرمہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چاہے تو اس مسئلہ کے بارے میں مجھ سے مہابہ کر لے۔ یہ آیت امہات المؤمنین کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر اس قول سے یہ مطلب ہے کہ اس آیت کا شان نزول حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں نہ کہ کوئی اور تو یہ صحیح ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد ہو کہ اہل بیت سے صرف یہی مراد ہیں اور ان کے علاوہ کوئی اس میں شامل نہیں تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے سوا اور بھی داخل ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز صبح کے لئے تشریف لاتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے: ”اے اہل بیت! نماز کا وقت ہو گیا ہے“۔ پھر یہ آیت **إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ** پڑھ کر سناتے۔ چھ ماہ تک حضور ﷺ کا یہ معمول رہا (3)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن فریب کہا ہے۔ حضرت ابوالمراء بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سات ماہ قیام پذیر رہا۔ اس عرصہ کے دوران میں نے دیکھا کہ حجر کے وقت حضور ﷺ حضرات علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے: ”نماز، نماز، إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ“ (4)۔ اس کا ایک راوی ابو داؤد ائمی نفع بن حارث کذاب ہے۔ شداد بن عمیر کہتے ہیں کہ میں حضرت وائل بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہو رہا تھا اور یہ لوگ آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے، میں نے بھی ان لوگوں کا ساتھ دیا۔ جب وہ لوگ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ تم نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھ سے بھی گستاخی ہوگی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جس کا میں نے رسول اللہ ﷺ سے بذات خود مشاہدہ کیا۔ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گیا اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ بازگاہ رسالت میں گئے ہیں۔ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اسی اثنا میں حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرات علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ دونوں شہزادے حضور ﷺ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ گھر تشریف لائے۔ حضرات علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب کیا اور اپنے

1- مستدرک عالم، کتاب التاريخ، جلد 2 صفحہ 548، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 601 تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 8

2- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 8

3- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6

4- عارفہ الاحادیث، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 12 صفحہ 85، مستدرک عالم، جلد 3 صفحہ 285

سامنے بٹھا لیا۔ دونوں شہزادوں کو اپنی راعوں پر بٹھا لیا پھر ان پر اپنی چادر ڈال دی اور اس آیت اِنَّمَا يَرْبِيُنَا لِلْغَيْبِ مُخْبِرًا كَلِّمْنَا مَنْ نَشَاءُ كَلِّمْنَا مَنْ نَشَاءُ کی پھر فرمایا: ”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت میں اور میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں“ (1)۔ ایک اور روایت میں یہ انصاف بھی ہے کہ حضرت داؤد بیان کرتے ہیں: میں نے یہ دیکھ کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی آپ کے اہل بیت سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم بھی میرے اہل بیت سے ہو“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان میرے لئے سب سے بڑی امید ہے (1)۔ شہداء ابن ابی عمیر کا بیان ہے کہ میں حضرت داؤد بن اسحاق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ وہ اس کو جو آپتہ وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔ ان کے چہرے ہانپنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ بیٹھو، میں تمہیں اس شخص کی شان کے متعلق بتاتا ہوں جن کی شان میں یہ گستاخی کر رہے تھے۔ سنو! میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت علی، ہارثہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم آگئے۔ حضور ﷺ نے ان پر چادر ڈال کر فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، اے اللہ! ان سے ناپاکی دور کرو اور انہیں خوب پاک فرما“۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم بھی“۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک یہ سب سے زیادہ قابل وثوق عمل ہے (2)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ذکر کرتی ہیں کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حریر سے (دودھ لگھی اور آئے سے تیار شدہ کھانا) کی ایک پتیلی لے آئیں اور حضور ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کو بھی بلا لو۔ وہ بھی آگئے اور سب مل کر وہ کھانا کھانے لگے۔ حضور اس وقت اپنے بستر پر تشریف فرما تھے اور آپ کے نیچے خیمر کی بنی ہوئی چادر بھی بولی تھی۔ میں حجرے میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس وقت یہ آیت اِنَّمَا يَرْبِيُنَا لِلْغَيْبِ مُخْبِرًا نازل ہوئی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان حضرات پر اپنی چادر ڈال دی۔ پھر چادر سے اپنا ہاتھ نکالا اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خواص ہیں، ان سے ناپاکی دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرما“۔ میں نے اپنا سر خواباگاہ میں داخل کر کے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں؟ فرمایا: تم خیر کی طرف ہو تم خیر کی طرف ہو“ (3)۔ اس روایت کی سند میں مطہ کے کتب کا نام مذکور نہیں۔ باقی راوی اللہ ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حریر لائیں تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تمہارے خاوند اور دونوں بیٹے کہاں ہیں؟ عرض کی کہ وہ گھر میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں بلاؤ۔ جب وہ آئے تو حضور ﷺ نے اپنے بستر پر بھی بولی چادر اٹھائی اور اسے بچھا کر ان حضرات کو اس پر بٹھا دیا۔ پھر بائیں ہاتھ سے چادر کے چاروں ٹوٹوں کو پکڑ کر ملایا اور ان کے سروں پر ڈال دیا، پھر دائیں ہاتھ سے اپنے رب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے پیدہ کی کو دور کر دے اور انہیں اچھی طرح پاک فرما“ (4)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ کسی کو آنے کی اجازت نہ دینا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آگئیں، میری مجال نہ تھی کہ میں انہیں اپنے والد محترم کی ملاقات سے روکتی، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ آگئے، میں انہیں بھی منع نہ کر سکی، اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ آگئے، انہیں اندر آنے سے روکنا بھی میرے بس کی بات نہ تھی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آگئے، انہیں روکنا بھی میرے لئے ناممکن تھا۔ جب چاروں

2- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 7-6

4- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 7

1- مستدرجہ جلد 4 صفحہ 107 تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 7

3- مستدرجہ جلد 6 صفحہ 292

حضرات اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی چادر اوڑھادی اور فرمایا: ”یہ میرے اہل بیت ہیں، اے اللہ! ان سے پلیدی دور کر دے اور انہیں خوب پاک کر دے۔“ یہ آیت اس وقت اتری جب یہ چادر پر اکٹھے ہو چکے تھے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی؟ لیکن اس وقت آپ نے مسرت کا اظہار نہ کیا اور فرمایا: ”تم خیر کی طرف ہو“ (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں خادمہ نے اطلاع دی کہ دروازے پر حضرات علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”اٹھو اور میرے اہل بیت سے ایک طرف ہو جاؤ۔“ میں اٹھی اور قریب ہی ایک طرف بیٹھ گئی۔ ان کے ساتھ ان کے دونوں فرزند حسن و حسین بھی تھے۔ چاروں حضرات اندر داخل ہوئے۔ اس وقت حضرات حسن و حسین ابھی چھوٹے بچے تھے۔ آپ نے دونوں شہزادوں کو گود میں لیا، بوسہ دیا اور پیار کیا۔ پھر ان سب پر اپنی سیاہ چادر ڈال کر فرمایا: ”اے اللہ! تیری طرف، نہ کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گردن میں ڈالو، انہیں بوسہ دیا اور پیار کیا۔ پھر ان سب پر اپنی سیاہ چادر ڈال کر فرمایا: ”اے اللہ! تیری طرف، نہ کہ آگ کی طرف، میں اور میرے اہل بیت۔“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی؟ فرمایا: ”تم بھی“ (2)۔ ایک اور روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس وقت گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم بھلائی کی طرف ہو، تم نبی ﷺ کی بیویوں میں سے ہو۔“ اس وقت گھر میں رسول اللہ ﷺ اور حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم تھے (3)۔ ایک اور روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور پھر انہیں اپنے کپڑے کے نیچے داخل کر کے بجز دنیا سے بارگاہ خداوندی میں دعا کی اور فرمایا: ”یہ میرے اہل بیت ہیں۔“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بھی ان میں شامل فرمادیں۔ آپ نے فرمایا: ”تو میری اہل سے ہے“ (4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن صبح کے وقت حضور ﷺ نکلے۔ آپ اس وقت سیاہ رنگ کی منقش چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے انہیں اپنے ساتھ چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے تو انہیں بھی چادر میں داخل کر لیا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو انہیں بھی چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو انہیں بھی ساتھ شامل کر لیا۔ پھر اس آیت اِذَا تَوَلَّوْا فَاُولَئِكَ اَصْحَابُ الْاَيْمَانِ اُولَئِكَ فِي صِلٰۃٍ کی تلاوت کی (5)۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ محبوب لوگوں میں سے تھے اور ان کے گھر میں آپ ﷺ کی صاحبزادی تھیں جو آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان پر اپنا کپڑا ڈال کر یہ دعا کی: ”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے پلیدی دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرمادے۔“ میں ان کے قریب ہو گئی اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی آپ کے اہل بیت میں ہوں؟ فرمایا: ایک طرف ہٹ جاؤ، تم خیر پر ہو۔“ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت پانچ افراد کے متعلق نازل ہوئی، میرے بارے میں اور علی، حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں (6)۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی اتری تو آپ نے ان چاروں حضرات کو اپنے کپڑے کے نیچے لے کر فرمایا: اے میرے پروردگار! یہ میرے

3- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 7

2- مسند احمد، جلد 6 صفحہ 296

1- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 8

6- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6

5- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6، مجمع مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1883

4- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 8

اہل اور میرے اہل بیت ہیں۔ حضرت یزید بن حبان کہتے ہیں کہ میں، حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلمہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حصین حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ آپ نے تو خیر کثیر حاصل کر لی، آپ کو اعزاز حاصل ہوا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، آپ سے احادیث سنیں، آپ کی معیت میں جہاد کیا اور آپ ﷺ کی امامت میں نمازیں پڑھیں، بخدا! آپ کو بہت زیادہ بھلائی مرحمت ہوئی۔ آپ ہمیں کوئی حدیث سنا سکیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کھینچو! اب میں عمر رسیدہ ہو گیا ہوں اور حضور ﷺ کا زمانہ بھی کافی دور ہو گیا اس لئے مجھے بعض باتیں فراموش ہو گئی ہیں جنہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد کیا تھا۔ جو باتیں میں تمہیں از خود بتا دوں، انہیں قبول کر لینا اور نہ مجھے تکلیف نہ دینا۔ پھر فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع غم نامی چشمہ پر خطبہ دیا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، وعظا و نصیحت کی اور فرمایا: ”اے لوگو! میں بشر ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں۔ میں تم میں وہ بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، کتاب اللہ کو لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو“۔ آپ نے کتاب اللہ کو تھام لینے پر ابھارا اور اس پر عمل کی خوب ترغیب دلائی۔ پھر فرمایا: ”اور میرے اہل بیت، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں“۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔ حصین نے آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی بیویاں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا کہ آپ ﷺ کی بیویاں بلاشبہ آپ کے اہل بیت میں سے ہیں لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ لینا حرام ہے۔ عرض کی کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ پھر پوچھنے لگے کہ کیا حضور ﷺ کے بعد ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا: ہاں (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ کی بیویاں بھی اہل بیت میں شامل ہیں؟ فرمایا: نہیں، بخدا! عورت کا تو یہ معاملہ ہے کہ وہ اگر عرصہ دراز تک بھی اپنے خادمہ کے پاس رہے لیکن پھر اگر اسے طلاق ہو جائے تو وہ اپنے میکے اور قوم میں واپس چلی جاتی ہے۔ آپ ﷺ کے اہل بیت آپ کی اصل اور عصبہ ہیں جن پر آپ ﷺ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ یہ روایت اسی طرح ہے لیکن پہلی روایت ہی زیادہ مؤثر ہے اور اسے لینا ہی بہتر ہے۔ دوسری روایت میں اس بات کا احتمال ہے کہ حدیث میں مذکور اہل سے ان کی مراد آپ ﷺ کی آل ہو جن پر صدقہ حرام ہے یا اہل سے مراد صرف ازواج مطہرات ہی نہیں بلکہ وہ بھی اور آپ ﷺ کی آل بھی۔ یہی احتمال زیادہ راجح ہے، اس طرح ان دونوں روایات میں بھی تطبیق ہو جاتی ہے اور قرآن اور سابقہ احادیث کے درمیان بھی بشرطیکہ وہ احادیث صحیح ہوں کیونکہ ان میں سے بعض کی اسناد محل نظر ہیں۔ قرآن کریم میں غور و تدبر کرنے والے شخص کے لئے یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اس آیت اِنَّمَا لِلَّذِينَ آمَنُوا بِحَقِّ اللَّهِ وَآيَاتِهِ حُرْمَةٌ مِمَّا حُرِّمَ عَلَيْكَ۔ میں داخل ہیں کیونکہ سیاق کلام اسی کا تقاضا کرتا ہے اور اس فرمان سے پہلے بھی کلام انہی کے متعلق ہے اور بعد میں بھی، اس لئے اس کے بعد فرمایا: وَاذْكُرْ لَنْ سَابِقَةَ النَّبِيِّاتِ۔ یعنی جو قرآن و سنت تمہارے گھروں میں اترا رہا ہے اس پر عمل کرو اور اس خصوصی نعمت کو یاد رکھو کہ وہی صرف تمہارے گھروں میں ہی اترتی ہے نہ کہ کسی اور کے گھر میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف بدرجہ اولیٰ حاصل تھا۔ آپ کو اس رحمت عامہ سے خصوصی اور وافر حصہ میسر تھا کیونکہ بجز آپ رضی اللہ عنہا کے بستر کے کسی دوسری زوجہ کے بستر پر حضور ﷺ کی طرف وحی نازل نہیں ہوئی، اس کی وجہ علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی باکرہ سے

یعنی اپنے اقوال میں سچے مرد اور سچی عورتیں۔ سچائی کا قائل سنا کر خصلت ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی جھوٹ نہ بولا، نہ جاہلیت میں اور نہ اسلام میں۔ سچائی ایمان کی علامت ہے جبکہ جھوٹ نفاق کی نشانی ہے۔ سچا آدمی نجات پاتا ہے، سچائی اختیار کرو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ جھوٹ سے اجتناب کرو کیونکہ جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا ہے اور بدی جہنم کی طرف۔ ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش میں کوشاں رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق (سچا) لکھ لیا جاتا ہے اور ایک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ہمیشہ جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب (جھوٹا) لکھ لیا جاتا ہے (1)۔ اس مضمون کی متعدد احادیث ہیں۔ پھر صبر کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ۔ یہ ثابت قدم رہنے والوں اور مستقل مزاج لوگوں کی خصلت ہے یعنی صبر اور ثابت قدمی سے مصائب کا سامنا کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ تقدیر کا لکھا ہوا ملتا نہیں بلکہ ہر صورت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ سب سے سخت اور حقیقی صبر تو پہلی جوت اور صدمہ کے آغاز پر ہوتا ہے، اس کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صبر آسان ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر ایک اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالْمُشْعَبِينَ وَالْمُحْسِنِينَ وَالْمُتَّقِينَ۔ یہ عاجزی، سکون، اطمینان، سنجیدگی، وقار اور تواضع اور یہ پیدا اس وقت ہوتا ہے جب دل میں خوف خدا ہو اور یہ یقین پختہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر وقت دیکھ رہا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو کم از کم یہ تصور پختہ ہونا چاہئے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے“ (2)۔ پھر فرمایا: وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مخلوق پر احسان کی خاطر ان کمزور ضرورت مند لوگوں کو اپنا قائل و مال دینا جن کی نہ کوئی کمائی ہو اور نہ ان کا کوئی کمانے والا ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرشِ تلیے سایہ دیگا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو صدقہ کرتا ہے لیکن اس طرح پوشیدہ طور پر کہ اس کے بائیں ہاتھ کو اس کے دائیں ہاتھ کے خرچ کرنے کا علم تک نہیں ہوتا (3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: ”صدقہ خطاؤں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے“ (4)۔ علاوہ ان میں اور بھی متعدد احادیث ہیں جن میں صدقہ کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ پھر فرمایا: وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّادِقَاتِ۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے: ”روزہ بدن کی زکوٰۃ ہے“ (5)۔ یعنی روزہ جسم کو ہر قسم کی طبعی اور اخلاقی آلائشوں سے پاک صاف کر دیتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان کے روزوں کے علاوہ ہر ماہ تین روزے رکھے، وہ اس فرمانِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ میں داخل ہو گیا۔ روزہ چونکہ شہوت کو توڑنے میں بہت زیادہ معاون ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”اے نوجوانو! تم میں سے جسے قدرت حاصل ہو وہ ضرور نکاح کرے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جسے استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ شہوت کو توڑنے والا ہے“ (6)۔ اس لئے موزوں یہی تھا کہ اس کے بعد یہ ذکر کیا جاتا: وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّادِقَاتِ۔ یعنی حرام کاری اور گناہوں سے اجتناب کرنے والے مرد اور خواتین، بجز اس کے کہ جسے مباح کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ يُقَرُّوْنَ بِهِمْ حَتَّىٰ حَبَطَتِ الْاَعْيُنُ وَالَّذِينَ هُمْ يُقَرُّوْنَ بِهِمْ حَتَّىٰ حَبَطَتِ الْاَعْيُنُ

1- فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 507، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، 2012

2- فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 114، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 37

3- فتح الباری، کتاب الزکوٰۃ، جلد 2 صفحہ 143، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، 715

4- سنن ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1408، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 399

5- سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، جلد 1 صفحہ 555، معجم بئیر، جلد 6 صفحہ 193

6- فتح الباری، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 119، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، 1018-1019 وغیرہ

صَا مَنَكُنْتُ أَيُّهَا نَهْمٌ فَأَدْرِيكَ هُمْ الْمُعْتَدُونَ (المعارج: 3-29)۔ اس کے بعد ان کی ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ
 اللَّهُ كَبُرَتْ لَلَّهِ عَجَبًا أَوَّالًا كَرَاتٍ۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدمی رات کے
 وقت اپنی بیوی کو جگائے اور دونوں وہ رکعتیں ادا کر لیں تو اس رات انہیں ان لوگوں میں نکلے لیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتے
 ہیں“ (1)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں
 کس کا درجہ سب سے بلند ہوگا؟ فرمایا: ”بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے مرد اور عورتوں کا۔“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا
 راہ خدا کے مجاہد سے بھی زیادہ؟ فرمایا: ”اگر چہ وہ کافروں اور مشرکوں پر اس قدر تلوار چلائے کہ وہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے خوب رنگین
 ہو جائے پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے اس سے افضل ہیں“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے
 رستہ میں جا رہے تھے۔ جب آپ ہمدان پر پہنچے تو فرمایا: ”یہ ہمدان ہے، سفر جاری رکھو، مقررہ سبقت لے گئے۔“ صحابہ نے عرض کی کہ مفرد
 سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ مرد و زن جو بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہیں۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! حج و عمرہ میں سر
 منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔“ صحابہ نے عرض کی کہ بال کتر دانے والوں کی بھی۔ فرمایا: ”اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی بخشش
 فرما۔“ صحابہ نے کہا کہ بال کتر دانے والوں کی بھی۔ فرمایا: ”اور بال کتر دانے والوں کی بھی مغفرت فرما“ (3)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی
 اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یاد خدا سے بڑھ کر کوئی ایسا عمل نہیں جو انسان کو نجات دلانے والا ہو۔“ حضرت معاذ
 رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں سب سے بہتر، سب سے پاکیزہ اور سب سے بلند درجہ کا حامل عمل نہ
 بتاؤں جو تمہارے لئے سونا چاندی صدقہ کرنے سے بھی بہتر ہو اور اس سے بھی کہ تمہارے دشمن کا مقابلہ کرو، تم ان کی گردنیں مارو اور وہ
 تمہاری گردنیں ماریں؟“ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ عزوجل کا ذکر“ (4)۔
 ایک آدمی نے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سا مجاہد افضل ہے؟ فرمایا: سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والا۔“ پھر پوچھا کہ کس روزہ
 دار کا درجہ سب سے بلند ہے؟ فرمایا: ”سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے کا۔“ پھر اس شخص نے نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقہ کے متعلق
 پوچھا تو حضور ﷺ نے سب کا یہی جواب دیا۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ اس طرح تو ذکر
 کرنے والے ہر بھلائی لے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں (5)۔ کثرت ذکر کی فضیلت میں وارد شدہ باقی احادیث کا بیان ہم ان شاء اللہ
 اس سورت کی اس آیت نَبَأُ الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُودَ اللَّهُ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوا بِحَمْدِ اللَّهِ فِي حَمْدِهِ وَأَصْبَحُوا سُبْحًا (الاحزاب: 42-41) کی تفسیر کے تحت
 کریں گے۔ مذکورہ بالا صفات کے حامل لوگوں کے متعلق خبر دیجیے ہوئے فرمایا: أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا یعنی ان کے لئے اللہ
 تعالیٰ نے گناہوں سے مغفرت اور اجر عظیم یعنی جنت تیار کر رکھی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمَنْ يَلُومُنَّ مِنْكُمْ فِي شَيْءٍ أَنْ يَسْأَلَهُمْ خَيْرًا مِنْ
 أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ صُلْبًا مُمِيْنًا ۗ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلوع، جلد 2 صفحہ 33، سنن ابن ماجہ، کتاب القامۃ، جلد 1 صفحہ 423-424 و نیز

2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 75
3۔ صحیح مسلم، کتاب الدعوات، جلد 4 صفحہ 2062، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 411

4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 239

5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 438

”کہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرمادے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کی وصیہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہوا ہے اس معاملہ میں۔ اور جو نادانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ جلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔“

رسول اللہ ﷺ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شادی کا بیٹے م نے کہ حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ کہنے لگیں کہ میں ان سے نکاح نہیں کروں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انکار نہ کرو وگرنہ ان سے نکاح کر لو۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنے ہارے میں سوچنے اور مشاورت کرنے کی مہلت عطا فرمائیے۔ ابھی یہ وہ تیس ہو رہی تھیں کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ میرے لئے ہیں نکاح پر رضامند ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ کہنے لگیں کہ پھر تو مجھے مجال انکار نہیں، میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہیں کر سکتی، میں نے خود کو زید کے نکاح میں دیا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ پیغام لے کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو وہ اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ میں حسب و نسب کے اعتبار سے زید سے بہتر ہوں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ذرا حدت اور تیزی تھی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ مجاہد، قتادہ اور مقاتل بن حیان بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے پہلے حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا لیکن اس آیت کے نزول کے بعد اس رشتہ کو قبول کر لیا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا کے بارے میں اتری۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنے والی پہلی خاتون یہی تھیں۔ انہوں نے اپنا نفس نبی کریم ﷺ کو بیہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قبول ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ یہ نکاح حضرت زینب سے عہدگی کے بعد ہوا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی بہت ناراض ہوئے کہ ہمارا ارادہ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح کا تھا لیکن آپ نے اپنے غلام کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ اور اس سے بھی جامع حکم اس آیت میں ہے: **الَّتِي أُولَىٰ بِهَا الْمُؤْمِنِينَ، مِنْ أَنْفُسِهِمْ (الاحزاب: 6)** جس مذکورہ بالا آیت **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ** خاص ہے اور یہ **الَّتِي أُولَىٰ** اس سے بھی جامع (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی لڑکی کا رشتہ جلیبیب کو دے دیں۔ انصاری نے کہا کہ میں لڑکی کی ماں کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد کچھ بتاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ وہ انصاری اپنی بیوی کے پاس گیا اور اسے حضور ﷺ کی خواہش سے آگاہ کیا۔ وہ کہنے لگی کہ تعجب ہے۔ ہماری بیٹی کے لئے جلیبیب ہی رہ گیا ہے۔ اس سے بڑے بڑے فلاں فلاں آدمیوں نے ہم سے رشتہ مانگا لیکن ہم نے انکار کر دیا اور اب اس سے نکاح کر دیں۔ لڑکی پر دے کی اوٹ میں کھڑی یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ جب وہ انصاری حضور ﷺ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لئے جانے لگا تو لڑکی بول پڑی کہ تم رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے حکم کو رو کر نا چاہتے ہو، اگر حضور ﷺ اس رشتہ پر رضامند ہیں تو تم بھی اسے قبول کر لو۔ دونوں میان بیوی نے یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ ہماری بیٹی نے سچ کہا ہے۔ اسی وقت اس کا باپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ اگر آپ کی خوشی اس میں ہے تو ہم بھی اس رشتہ پر رضی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پر رضامند ہوں۔ چنانچہ اس انصاری کے رضامند ہو جانے پر نکاح ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد

اہل مدینہ دشمن سے نبرد آزما ہونے کیسے نکلے۔ ان میں حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ انہوں نے بہت سے مشرکین کو قتل کیا جن کی لاشیں ان کے ارد گرد پڑی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں ان کا گھرانہ بہت شاہ خراج تھا۔ (1) حضرت ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جلیبیب خوش مزاج شخص تھے، وہ عورتوں سے بھی مزاح کر لیتے تھے۔ میں نے اپنے اہل خانہ سے کہہ دیا تھا کہ جلیبیب تمہارے پاس نہ آئے۔ اگر یہ تمہارے پاس آیا تو میں بہت برا سلوک کروں گا۔ انصار کا یہ معمول تھا کہ وہ اس وقت تک کسی عورت کا نکاح نہیں کرتے تھے جب تک وہ یہ نہ معلوم کر لیتے کہ حضور ﷺ کو اس رشتہ میں دلچسپی ہے یا نہیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک انصاری سے کہا کہ مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دو۔ اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اسے اس کا خواہشمند نہیں۔ اس نے عرض کی: یہ رسول اللہ ﷺ! پھر کس کے لئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جلیبیب کے لئے۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے لڑکی کی ماں کے ساتھ مشاورت کا موقعہ عنایت فرمائیں۔ اس انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کہ حضور ﷺ تمہاری بیٹی کا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ پہلے تو اس نے بڑی مسرت کا اظہار کیا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ جلیبیب کے لئے رشتہ لینا چاہتے ہیں تو اس نے انکار کر دیا۔ نبی اپنے والدین کی باتیں سن رہی تھی، کہنے لگی کہ کیا تم حضور ﷺ کے حکم کو رد کر رہے ہو، مجھے حضور ﷺ کے سپرد کر دیں۔ آپ ﷺ مجھے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ اس کے باپ کی رضامندی کے بعد حضور ﷺ نے اس کا نکاح جلیبیب سے کر دیا۔ ایک غزوہ میں فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص ہے جسے تم مفقود پاتے ہو؟ عرض کی کہ فلاں فلاں مفقود ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو کیا کوئی ایسا شخص ہے جو تمہیں نہیں مل رہا؟ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تو جلیبیب نظر نہیں آ رہا، انہیں متولوں میں تلاش کرو۔ صحابہ تلاش کرتے کرتے ان تک پہنچے تو دیکھا کہ ان کے نعش کے قریب سات کافروں کی لاشیں پڑی ہیں جنہیں قتل کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ جب صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا تو آپ اپنے اس شہید صحابی کی نعش کے قریب کھڑے ہو کر فرمانے لگے: ”اس نے سات کو قتل کیا پھر خود شہید ہوا، یہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔“ دو تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ پھر قبر کھدوا کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر انہیں قبر میں اتارا۔ کوئی چار پائی وغیرہ نہ تھی، حضور ﷺ کا دست مبارک ہی ان کا جنازہ تھا۔ یہ بھی مذکور نہیں کہ انہیں غسل دیا گیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس انصاریہ خاتون سے بڑھ کر کوئی عورت شاہ خراج نہ تھی جس نے حضور ﷺ کے حکم کو بلاتامل قبول کرتے ہوئے خود کو حضرت جلیبیب کی زوجیت میں دے دیا۔ حضور ﷺ نے اس سعادتمند خاتون کے لئے یہ دعا کی تھی: ”اے اللہ! اس پر اپنی رحمتوں کی بارش برسا اور اس کی زندگی مشکلات سے محفوظ رکھ“ (2)۔ حافظ ابو عمر بن عبد البر استیعاب میں ذکر کرتے ہیں کہ جب اس لڑکی نے اپنے والدین سے کہا تھا کہ کیا تم حضور ﷺ کے فرمان کو رد کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (3)۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے منع کرتے ہوئے اسی آیت کی تلاوت کی (3)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس آیت کا حکم عام ہے اگرچہ شان نزول کے لحاظ سے یہ خاص ہے۔ جب اللہ اور اس کے

2- صحیح مسلم، کتاب المغاسل، جلد 4 صفحہ 1918، سنن احمد، جلد 4 صفحہ 422 وغیرہ

1- سنن احمد، جلد 3 صفحہ 136

3- سنن بیہقی، کتاب الصلاة، جلد 2 صفحہ 453، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 610

رسول ﷺ کسی چیز کا حکم دیں تو نہ کوئی مخالفت کر سکتا ہے، نہ کسی کا کوئی اختیار باقی رہتا ہے اور نہ کسی کے لئے رائے زنی کی گنجائش ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: **فَلَا وَرَهَاتِكَ لَا يُؤْمِنُونَ عَفَى يُحَدِّثُكَ فِيمَا سَجَرَ بَيْنَهُمْ لَمْ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيَسْلُتُوا تَسْلِيمًا** (النساء: 65) ”پس تمہارے رب کی قسم! لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ کو ہر اس جھگڑے میں حاکم بنا سکیں جو ان کے درمیان پھوٹ پڑے پھر اپنے نفسوں میں اس سے تنگی نہ پا سکیں جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں۔“ حدیث شریف میں آتا ہے: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لایا ہوں۔“ اس لئے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی پر شدید حکم لگاتے ہوئے فرمایا: **وَمَنْ يُعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَضَّلْنَا مَقَامًا عَظِيمًا**۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: **فَلْيَعْبُدُوا اللَّهَ الَّذِي تَخْلُقُونَهُ أَمْرًا أَنْ تُشِيرُوا لَهُمْ فَيُنزِلُ إِلَيْهِمْ عَذَابَ آلِيمٍ** (النور: 63) ”پس انہیں اور ناپا ہونے والے جو رسول کریم ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ انہیں کوئی معصیت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آئے۔“

وَإِذْ تَقُولُ لِلنَّبِيِّ إني أعمى الله عليهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيهِ أَمْ سِكَ عَالِيكَ رَدَّ جَكَ وَالتَّيُّ اللَّهُ وَ
تُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَيَعْلَمُ النَّاسُ أَنَّ اللَّهَ آخِشٌ أَنْ تَجْشَهُ فَلَمَّا قَضَىٰ رَيْدٌ
مِنْهَا وَطَرًا رَدَّ وَجَلَّ كَيْفَ لَيْكِي لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا
مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرًا لِلَّهِ مَفْعُولًا ⑥

”اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا اپنی بی بی کو اپنی زودیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ نفعی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا، حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کریں۔ اور اللہ کا حکم تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس کے نبی ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے اور اپنے گھر کو آبار کھنکی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ وہ شخص تھے جن پر اللہ اور اس کے رسول کا انعام تھا۔ اللہ تعالیٰ کا انعام یہ تھا کہ اس نے انہیں اسلام قبول کرنے اور حضور ﷺ کی اتباع کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کا یہ احسان تھا کہ آپ ﷺ نے انہیں غلامی سے آزاد کر دیا۔ یہ بڑے جلیل القدر، عظیم الشان اور حضور ﷺ کے محبوب صحابی تھے۔ انہیں حسب الرسول (رسول اللہ ﷺ کے محبوب) اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حسب بن حسب کہا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس لشکر میں انہیں بھیجے، اس لشکر کا امیر انہی کو ہی بناتے۔ اگر یہ زندہ رہتے تو آپ ﷺ انہیں اپنا خلیفہ نامزد کر دیتے (1)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا۔

حضرات عباس و علی رضی اللہ عنہما میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے بہرے لئے اذن طلب کرو۔ میں نے آپ کو خبری تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ وہ کس مقصد کے لئے آئے ہیں؟“ میں نے عرض کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لیکن مجھے معلوم ہے۔“ چنانچہ انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی گئی دونوں حضرات عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! ہم یہ معلوم کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ کو اپنے اہل میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا: ”میرے اہل میں مجھ سے زیادہ محبوب فاطمہ بنت محمد ہے۔“ کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! ہم فاطمہ کے متعلق نہیں پوچھنا چاہتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر زید بن حارثہ جس پر اللہ تعالیٰ نے بھی انعام کیا اور میں نے بھی“ (1)۔ حضور ﷺ نے خود حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے کیا، ان کی والدہ کا نام امینہ بنت عبدالمطلب تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں دس دینار اور ساٹھ درہم مہر، کچھ پارچات اور خورد و نوش کا کچھ سامان دیا۔ تقریباً ایک سال حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھر آباد رہیں، پھر دونوں میں ناچاقی ہو گئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی تو آپ ﷺ انہیں فرمانے لگے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس آباد رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَشَفَعْنِي فِي نَفْسِكَ..... اس مقام پر امین ابی حاتم اور ابن جریر نے بہت سی غیر صحیح روایات ذکر کی ہیں جن سے ہم عدم صحت کی بنا پر صرف نظر کرتے ہوئے درج نہیں کرتے۔ مسند احمد میں بھی ایک غریب روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسے بیان کرنا بھی ہم مناسب نہیں سمجھتے۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری (2)۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اپنے رسول ﷺ کو یہ خبر دے دی تھی کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ یہی وہ بات تھی جسے آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ شکایت لے کر آئے تو آپ نے یہی فرمایا: اَفَسَيْتَ عَلَيَّكَ زَوْجَكَ وَالَّتِي اَلَمْتُ بِهَا (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اگر کتاب اللہ میں سے کچھ چھپاتے تو یہ آیت وَشَفَعْنِي فِي نَفْسِكَ... چھپاتے (4)۔ پھر فرمایا: فَلَمَّا قَضَىٰ رَيْدٌ مِّنْهَا اَوْ طَرَا اَزْدٌ مِّنْهَا... وطرا کا معنی ہے حاجت یعنی جب زید نے زینب کو طلاق دینے کی اپنی خواہش پوری کر لی تو ہم نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اس نکاح کا وہی بذات خود اللہ تعالیٰ تھا یعنی اس کی وجہ سے یہ نکاح ہوا اس لئے کسی ولی، ایجاب و قبول، مہر اور گواہوں کی ضرورت ہی نہ رہی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت گزر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور زینب کو میرے نکاح کا پیغام دو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ اس وقت وہ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے انہیں دیکھا تو مجھ پر اس قدر ان کی عظمت چھا گئی کہ میں سامنے کھڑا ہو کر بات بھی نہ کر سکا میں نے منہ پھیر لیا اور کہا: اے زینب! تمہیں خوشخبری ہو، رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے شادی کا پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ میں اپنے رب سے استعارہ کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ یہ کہہ کر وہ اپنی جائے نماز پر کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں۔ اسی وقت وحی اتری جس میں اللہ تعالیٰ

2- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 147

4- تفسیر بخاری، جلد 22 صفحہ 53

1- مسندک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 417، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 611

3- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 13، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 616

نے اپنے رسول ﷺ کو آگاہ کر دیا کہ ہم نے زینب کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اسی وقت بغیر اجازت کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس چلے آئے۔ پھر آپ ﷺ نے دعوت ولید میں ہمیں روٹی اور گوشت کھلایا۔ دعوت کھ کر لوگ چلے گئے لیکن کچھ آدمی وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آپ باہر نکل کر باری باری اپنی ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے۔ آپ انہیں سلام کرتے اور وہ آپ ﷺ سے پوچھتیں کہ آپ نے اپنے اہل کو کیسا پایا؟ مجھے یہ یاد نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی یا آپ کو خبر دی گئی کہ لوگ چلے گئے ہیں۔ پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے۔ میں نے بھی آپ کے ساتھ جانا چاہا لیکن آپ ﷺ نے پردہ سرا دیا۔ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہوا اور صحابہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْحُرْمَةَ (الاحزاب: 53) ”جی کریم کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو و بجز اس کے کہ تمہیں اجازت دی جائے“ (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا باقی امہات المؤمنین پر فخر کرتے ہوئے انہیں کہا کرتی تھیں کہ تم سب کے نکاح تمہارے ولیوں نے کئے لیکن میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کرایا (2)۔ سورہ نور کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دوسرے پر اظہارِ رافت کر رہے تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں ہی ہوں جس کا نکاح آسمان سے اترا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے تھیں کہ میں ہی ہوں جس کی برأت آسمان سے اتری۔ اس فضیلت کا اعتراف حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی کیا۔ (3) حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے کہا کرتی تھیں کہ مجھ میں تین خصوصیات ایسی ہیں جو آپ کی کسی اور زوجہ میں نہیں: (1) میرا اور آپ کا دادا ایک ہے، (2) اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میرا نکاح آپ کے ساتھ کیا اور (3) خیر جبریل علیہ السلام تھے (4)۔ اس کے بعد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمُ الْهَيْبَةُ وَالنُّيُوزُ الْحَدِيدُ۔ یعنی ہم نے آپ کے لئے زینب کے ساتھ نکاح اس لئے مباح کر دیا تاکہ مندرجہ بیٹوں کی مطلقہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے میں اہل ایمان پر کوئی حرج باقی نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے پہلے حضرت زید بن حارثہ کو اپنا منعمی بنایا تھا اور انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے اس نسبت کو اس فرمان کے ذریعے شتم کر دیا: وَمَا جَعَلْنَا آذِينَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ۔ اذُنُهُمْ لِأَنَّهُمْ هُوَ أَقْسَمْتُ عِنْدَ اللَّهِ (الاحزاب: 4-5) ”اور اس نے تمہارے مندرجہ بیٹوں کو تمہارے فرزند نہیں بنایا، یہ صرف تمہارے مندرجہ باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ جی بات کہتا ہے اور وہ سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت دیتا ہے۔ انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے بلایا کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے“۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور ﷺ کا نکاح کر کے اس حکم کو مزید واضح اور پختہ کر دیا۔ اس لئے لے لے پانک لڑکوں سے احتراز کرتے ہوئے آیت تحریم میں فرمایا: وَحَلَائِلُ أَبْنَاءِكُمُ الَّذِينَ فِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ (النساء: 23) یعنی تمہارے سہیلی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ اس میں مندرجہ بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کی حرمت کو بیان نہیں کیا۔ بہر صورت عربوں میں منعمی بنانے کا بہت رواج تھا جس پر حکم الہی اور حضور ﷺ کے عمل کے ذریعے کارنی ضرب لگا دی گئی۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلَا يَنْكِحُوا أُمَّهَاتِهِمْ مِمَّا وَصَّوْا لِعِزَّةِ اللَّهِ وَالْعِزَّةِ لِلنَّبِيِّ ذَٰلِكَ أَدْرَأَ اللَّهُ لِقَابَ الَّذِينَ يُنبِئُونَ بِأَعْيُنِهِمْ فَلْيَرْتَقِبُوا لِقَابَهُمْ أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ آيَاتُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (النساء: 22) ”اللہ تعالیٰ نے پیغمبر سے یہ امر جو وقوع پذیر ہوا، اسے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر سے ہی مقدر کر رکھا تھا، اس کا وقوع حتمی تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لئے یہ شرف لکھا جا چکا تھا کہ وہ امہات المؤمنین میں شامل ہوں گی۔“

2- صحیح بخاری، کتاب التوہ، جلد 9 صفحہ 152

1- صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1048-1049، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 196-195

4- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 14

3- دیکھئے سورہ نور: 11

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فَبِمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۗ وَ
كَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْضُورًا ۝۱۰

”نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ ایسے کام کرنے میں جنہیں حلال کر دیا ہے اللہ نے اس کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے
ان (انبیاء) کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایسا فیصلہ ہوتا ہے جو سٹے پاچکا سوتا ہے۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اپنے رسول ﷺ کے لئے حلال کر دیا کہ آپ اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ
رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں تو اب اس میں حرج کی کوئی بات نہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے سابقہ انبیاء
علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام نازل ہوتے تھے، ان پر عمل پیرا ہونے میں ان پر کوئی حرج نہ تھا یہ دستور الہی
پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اس سے غرض منافقین کا رد ہے جو حضور ﷺ پر حرج گیری کرتے ہوئے کہتے تھے کہ دیکھو آپ نے اپنے سارے
پالک لڑکے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْضُورًا یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ایسا فیصلہ ہے جو حتمی اور قطعی
ہوا کرتا ہے اور اس کا وقوع ہو کر رہتا ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

الَّذِينَ يَمِينُونَ رِاسِلْتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ
حَسِيبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَحَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَ
كَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

”وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں وہ نہیں ڈراتے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اور کافی ہے
اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔ نہیں ہیں محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم
النبیین ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کی مدد فرما رہا ہے جو اس کے پیغامات مخلوق تک پہنچاتے ہیں اور امانت خداوندی کی ادا سبکی کرتے ہیں، یہ
اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوا کسی سے خوف نہیں کھاتے اور کسی کی قوت و سطوت سے مرعوب اور خوفزدہ ہو کر دعوت و تبلیغ کے
فریضہ کی ادائیگی کو ترک نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی حامی و ناصر کافی ہے۔ دعوت و تبلیغ کے منصب پر فائز ہونے والوں میں سر فہرست سید
اولاد آدم حضرت محمد ﷺ ہیں، صرف اس میں ہی نہیں بلکہ ہر ہر امر میں آپ کو سیادت اور قیادت حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے مشرق و
مغرب میں تمام اولاد آدم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا، آپ نے اپنی زندگی کا لمحہ لحد دین اسلام کی اشاعت میں بسر کر
دیا اور طابت قدمی سے ہر قسم کے مصائب کا سامنا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو بلند کیا اور اپنے دین اور شریعت کو تمام ادیان اور شریعتوں پر
غالب کیا۔ حضور ﷺ سے پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا لیکن آپ ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا خواہ
وہ عرب ہوں یا عجم جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جِيئْنَا (الاعراف: 158) ”فرمائیے اے لوگو! میں تم سب
کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔“ پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد منصب تبلیغ کے وارث آپ کے امتی ہوئے۔ اس امت میں
فریضہ تبلیغ ادا کرنے والوں میں سب سے اعلیٰ مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔ ان جلیل القدر مستیوں نے جو کچھ حضور ﷺ سے

سیکھا تھا، اسے بعینہ لوگوں تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا اور آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال دنیا کے سامنے رکھ دیئے خواہ ان کا وقوع دن میں ہو یا رات میں، سفر میں یا حضر میں، اعلانیہ یا پوشیدہ۔ پھر تابعین نے یہ ذمہ داری لے لی، ان کے بعد جرنیلانہ کے علم، اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہد بردار ہوتے رہے اور یہ سلسلہ چلا رہے گا۔ ہدایت یافتہ لوگ انہی کی اقتدار کرتے ہیں اور ان کی روشن کردہ شاہراہ پر گامزن رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری درخواست ہے کہ وہ ہمیں بھی ان میں شامل فرماوے! حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی اپنے آپ کو حقیر نہ بنائے کہ خلاف شرع کام دیکھ کر بھی خاموش رہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے باز پرس کرتے ہوئے فرمائے گا کہ تو خاموش کیوں رہا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں لوگوں سے ڈر گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس بات کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا“ (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کسی مرد کا باپ کہنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ جِنْسِنَا حَتَّىٰ يَأْتِيَ الْبَيِّنَاتُ۔ حضرت زید کو زید بن محمد کہنے کی بھی ممانعت کر دی گئی کیونکہ حضور ﷺ ان کے باپ نہیں اگرچہ آپ نے انہیں اپنا متبھی بنایا ہوا تھا۔ حضور ﷺ کی زینہ اولاد ہوئی لیکن بلوغت تک بچپن سے پہلے ہی سب کا انتقال ہو گیا۔ حضرات قاسم، طیب اور طاہر یہ آپ ﷺ کے تین صاحبزادے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے لیکن تینوں بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ آپ ﷺ کے چوتھے فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے متولد ہوئے لیکن ابھی شیرخوار بچے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں: زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ آپ کی تین بیٹیوں کی وفات آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی ہو گئی جبکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے وصال کے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں۔ پھر فرمایا: وَذَكَرْنَا رَسُولَ اللَّهِ وَحَاقَمْنَا أَنْذَابَهُنَّ... یہ اس فرمان کی طرح ہے: اللَّهُ أَغْنَىٰ عَنْهُمْ صَيْدًا يَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ رِزْقًا وَسَعَةً (الانعام: 124) ”اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے“۔ یہ آیت اس بات پر نرس ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تو آپ کے بعد کوئی رسول کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ رسالت نبوت سے خاص ہے۔ ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں۔ متواتر احادیث سے بھی حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”نبیوں میں میری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے بہت حسین و جمیل اور مکمل مکان بنا لیا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی اور اس میں کچھ نہ رکھا لوگ اس عمارت کے ارد گرد پھرتے، اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے اور کہتے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پر کر دی جاتی۔ پس میں نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ ہوں“ (2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، میرے بعد کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی“۔ صحابہ کو یہ بات شاق گزری تو آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن مبشرات (خوشخبریاں دینے والے)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”مسلمان کے خواب اور یہ اجزائے نبوت میں سے ایک جز ہیں“ (3)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری اور انبیاء کی مثال ایسے شخص کی ہے جس نے ایک گھر بنایا، اسے مکمل اور حسین و جمیل کیا، صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ جو بھی اس میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا، وہ کہتا کہ یہ گھر کتنا خوبصورت ہے۔ بجز

2۔ عارضۃ الاحادیث، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 101، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 136

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 30

3۔ عارضۃ الاحادیث، ابواب الریاء، جلد 9 صفحہ 126-127، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 267

تیرا ان کن کرتب، کمالات اور تیرے نمایاں کمانے لیکن اسباب معمول جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ دجل، فریب اور گمراہی ہے جیسا کہ اسودہ عسی نے یمن میں اور مسیلہ کذاب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا جن کے قسداحوال اور جھوٹے اقوال سے ہر ذی فہم اور ہر ذی عقل پر واضح ہو گیا کہ وہ جھوٹے اور گمراہ ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو! قیامت تک ہر مدعی نبوت کا یہی حال ہوگا یہاں تک کہ ان سب کا اختتام صحیح دجال پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نبوت کے جھوٹے دعویٰ دار لوگوں میں ایسی علامات پیدا کرتا ہے جنہیں دیکھ کر اہل علم اور اہل ایمان ان کے جھوٹ کو پہچان لیتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر خصوصی لطف و کرم ہے کیونکہ ایسے کذاب لوگوں کو یہ توفیق ہی نہیں ہوتی کہ وہ سبکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔ البتہ ان احکام پر وہ بہت زور دیتے ہیں جن میں ان کی اپنی کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ ان کے اقوال اور افعال جھوٹ اور فتنہ و فجور پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: **كُلُّ اُمَّتٍ لَهَا نَبِيٌّ عَلَّمَهَا شَيْئًا يَنْفَعُهَا** ﴿۱﴾ **تَتَوَلَّى عَلَى كَلْبٍ اَفْالَاحِ اَمِيْنٍ** (الشعراء: 221-222) ”کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ وہ ہر جھوٹ گھڑنے والے بدکار پر اترتے ہیں۔“ لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہر قول، ہر امر اور ہر نبی میں انتہائی نیک، سچے، ہدایت یافتہ، عادل اور استقامت والے ہوتے ہیں، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں معجزات، خرق عادت اشیاء اور دلائل و براہین کے ذریعے تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ ان عیبوں پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی بے پناہ اور مسلسل رحمتیں برکتی رہیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿۱﴾ وَاسْتَحْوُوا بَكَرْتِهِ وَوَأَسْبِلًا ﴿۲﴾ هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلَائِكَةُ يُخْرِجُكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ ۗ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۳﴾ حَتَّىٰ يَمُوتَ يَوْمَ يَقُوْنُ السَّلَامُ ۗ وَ أَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴﴾

”اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے۔ اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام۔ اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی (تم پر نزل و رحمت کی دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ نکال کر لے جائے تمہیں (طرح طرح کے) اندھیروں سے نور کی طرف۔ اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو۔ اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے عزت و اناجر۔“

بندوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں جس نے انہیں طرح طرح کی نعمتوں اور قسم قسم کے احسانات سے نوازا ہے اور اس پر بہت زیادہ اجر و ثواب اور اچھے انجام کا وعدہ فرمایا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں سب سے بہتر، سب سے پاکیزہ اور سب سے بلند درجہ عمل نہ بتاؤں جو اللہ کے ہاں سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی افضل ہو اور اس سے بھی بہتر ہو کہ تمہاری دشمن سے مُد بھیر ہو جس میں تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔“ صحابہ نے عرض کی: یہ رسول اللہ ﷺ! وہ کون سا عمل ہے؟ فرمایا: ”اللہ عزوجل کا ذکر“ (1)۔ یہ حدیث اسی سورت میں اس فرمان و اللّٰہُ کَرِيْمٌ اِنَّہُ عَلِيْمٌ و اللّٰہُ یَاْتِ بِالتَّوْحِيْدِ کَرِيْمٌ اِنَّہُ عَلِيْمٌ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دعائی جیسے میں کسی وقت ترک نہیں کرتا: ”اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اَعْظَمُ شُكْرًا وَاَتْبَعُ نَصِيْحَتَكَ وَاكْثِرْ ذِكْرَكَ وَاَحْفَظْ وَصِيَّتَكَ“ (2)۔ یعنی اے اللہ! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیرا بہت زیادہ شکر ادا کروں، تیری نصیحت کی اتباع کروں، کثرت سے تجھے یاد کروں اور تیری وصیت کو یاد رکھوں۔

دو امراہی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک پوچھنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں میں کون سا شخص سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: "جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو"۔ دوسرے نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اسلام لے اچھا کرو تو بہت زیادہ ہو گئے ہیں، مجھے ایک حکم بتادیں جس پر میں مضبوطی سے کار بند رہوں۔ فرمایا: "تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے" (1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس طرح کثرت سے اللہ تعالیٰ کو ذکر کرو کہ لوگ تمہیں بخون کہنے لگیں" (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس قدر بکثرت اللہ کو یاد کرو کہ منافقین تمہیں ریاکار کہنے نہ کہیں" (3)۔ حضرت سعید اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کریں، تو یہ مجلس قیامت کے دن ان کے لئے باعث حسرت ہوگی" (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فریضہ کی حد مقرر کی ہے اور عذر کی صورت میں وہ معاف بھی ہو جاتا ہے بجز ذکر کے۔ اس کی نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ یہ کسی حالت میں معاف ہے سوا اس کے کہ کوئی دہوانہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَاذْكُرُوا اللَّهَ قَلِيلًا وَكَثِيرًا وَأَوْعُوا عَصَاكُمْ** (النساء: 103) "ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر لیئے ہوئے"۔ یعنی شب و روز ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو خواہ تم خشکی پر ہو یا تری میں، سفر میں یا حضر میں، امیر ہو یا غریب، بیمار ہو یا صحت مند، پوشیدہ یا اعلانیہ۔ پھر فرمایا: **وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا**۔ جب تم یہ بجا لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور فرشتے تمہارے لئے دعائیں کریں گے (5)۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے متعلق بہت سی آیات، احادیث اور آثار وارد ہوئے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں بھی بکثرت اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ دن اور رات کی تمام گھنٹوں کے متعلق اذکار اور وظائف کے سلسلہ میں بزرگوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً انسائی، معمری وغیرہ۔ ذکر اللہ کے موضوع پر سب سے بہترین کتاب شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاذکار ہے۔ اس فرمان **وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا** کی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: **فَسَبِّحْ لِلَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ** ﴿وَلَهُ النُّجُودُ فِي السَّلَوتِ وَالْاَمْرُضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُقُودُونَ﴾ (الروم: 17-18) "سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو اور ای کے لئے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر اور دو پہر کو"۔ پھر ذکر پر براہین کرتے ہوئے فرمایا: **هَؤُلَاءِ يَنْصِبُونَ عَيْنَيْكَ وَصَبَّحُوا بِعَيْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى تَمِيْمًا** یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں یہ دیکھتا ہے۔ اس لئے تم بھی اسے یاد کرو جیسا کہ فرمایا: **كَمَا اَنْزَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِنْكُمْ** **فَاذْكُرُوْا فِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَرَبِّ تَنْفُرُوْنَ** (البقرہ: 151-152) حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے، میں اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں" (6)۔ صلوة کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے بندے کی تعریف کرنا (7)۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوة کا معنی رحمت ہے۔ ان دونوں اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ جب صلوة کی اضافت فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا مطلب ہوا کرتا ہے لوگوں کیلئے دعا اور استغفار کرنا جیسا کہ فرمایا: **اَللّٰهُ يَجْمَعُوْنَ الْعَرَبِیْنَ وَ مَنْ حَوْلَهُ مُسْتَعْمِرُوْنَ بِحَسْبِ رَبِّیْهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِتَنبِیْئِیْنِ اَمْسُوْا۔ وَ قَوْمِہٖم**

1- عارضۃ الاحزاب، ابواب المدعویت، جلد 12 صفحہ 269، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1246 و دیگرہ

2- مسند احمد، جلد 3 صفحہ 68

3- تفسیر ابن کثیر، جلد 12 صفحہ 169

4- مسند احمد، جلد 2 صفحہ 224

5- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 17، اندر اسحو، جلد 6 صفحہ 618-619

6- صحیح بخاری، کتاب التوہید، جلد 8 صفحہ 147، صحیح مسلم، کتاب الذکر، 2061، 2068

7- صحیح بخاری، تفسیر سورہ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 151، سنن ابی نعیم

النَّبَاتِ (المومن: 9-7) ”جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں، وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، (کہتے ہیں) اے ہرے پروردگار! تو اپنی رحمت اور عزم سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے بس انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی پیروی کی اور انہیں عذاب جہنم سے بچالے، اے ہمارے رب! انہیں سدا بہار باغوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے اور ان کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے جو قابل بخشش ہیں بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے اور انہیں سزاؤں سے بچالے۔“ فرمایا: **لَيْسَ شَرُّكُمْ مَنَ الظَّالِمِينَ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت و شفاء اور فرشتوں کی دعا کے سب تمہیں جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں سے ہدایت و یقین کے نور کی طرف نکالتا ہے اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر دنیا و آخرت میں ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت یہ ہے کہ اس نے اہل ایمان کو حق کی راہ دکھائی، جس سے دوسرے نابلد رہے، ان کے لئے ہدایت کی شاہراہ روشن کی جس سے کفر و بدعت کے دائمی کنارہ کش رہے اور انہیں باعزت و روزی عطا کی۔ آخرت میں اس کی رحمت یہ ہے کہ وہ انہیں بہت بڑی گھبراہٹ اور خوف سے امن بخشنے گا اور وہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کی نوید سناتے ہوئے اہل ایمان کا استقبال کریں۔ یہ کرم تو ازی اس لئے ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان نفوس قدسیہ کے ساتھ محبت ہے اور وہ ان پر بہت مہربان ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا۔ جب اس بچے کی ماں نے لوگوں کو دیکھا تو اسے اندر لے لیا اور کہا کہ اس کا بچہ روند نہ دیا جائے۔ وہ میرا بیٹا میرا بیٹا کہتی ہوئی دوڑتی اور اپنے بچے کو اٹھالیا۔ یہ دیکھ کر صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ممکن نہیں کہ یہ عورت اپنے بیٹے کو آگ میں ڈال دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا مدعا سمجھتے ہوئے فرمایا: ”نہیں، بخدا! اللہ تعالیٰ بھی اپنے دوستوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا“ (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا جو اپنے شیر خوار بچے کو اپنے سینے کے ساتھ چمٹائے دودھ پلا رہی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت خوشی سے اپنے بیٹے کو آگ میں ڈال دے گی؟“ عرض کی: ”نہیں۔ فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحم فرمانے والا ہے جس قدر یہ اپنے بیٹے کے ساتھ“ (2)۔ پھر فرمایا: **لَيْسَ شَرُّكُمْ يَوْمَ يَنْقُوتُ سَلَمٌ بظاہر اس سے یہی مراد ہے کہ وہ جس دن اللہ تعالیٰ سے نہیں گے اس دن ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا اور تحفہ سلام ہوگا جیسا کہ فرمایا: سَلَمٌ قَوْلًا مِّنْ رَبِّكَ رَحِيمٌ (یسین: 58)** ”تمہارا سلام ہو، یہ رب رحیم کی طرف سے کہا جائے گا“۔ قنادہ اسکا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ دارِ آخرت میں جب ان کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے ہوگی تو اس دن یہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمان بھی ہو سکتا ہے: **دَعَاؤُهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَاجْتِزَاءُ دَعْوَاهُمْ أَنِ انْقَضَتْ رُبُوبُ الْعَالَمِينَ (يونس: 10)** ”ان کی صدا جنت میں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ! اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ سلامتی ہو اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں“۔ آخر میں فرمایا: **وَأَعَاذَ لَكُمْ أَجْرًا كَوَيْمًا** یعنی جنت اور اس میں خورد و نوش کا سامان، عمدہ لباس، پرسکون محلات، لذت بخش عورتیں، خوش کن مناظر اور دیگر نعمتیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی دل میں کلکیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَأَوْصِيًّا وَأَنْذِيْرًا ﴿١٠﴾ وَدَاعِيًّا إِلَى اللَّهِ بِآذَانِهِ وَبِزَوَّارِجِهِ

مُؤْمِرًا ۝ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ وَلَا تَضِعِ الْكُفْرِينَ
وَالسُّفْهَانَ وَدَعَا أَذُنَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۝ وَ كَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

”اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری بنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔ اور آپ مژدہ سنادیں مومنوں کو ان کے لئے اللہ کی جناب سے بڑا ہی فضل ہے۔ اور نہ کہنا لو کافروں اور منافقوں کا اور پرواہ نہ کرو ان کی اذیت رسائی کی اور بھر وسہ رکھو اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز۔“

عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے وہ اوصاف بتائیں جو تواریخ میں مذکور ہیں تو آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں مذکور آپ کے اوصاف میں سے بعض تواریخ میں بھی ہیں، تواریخ میں ہے: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا خوشخبری سنانے والا، بروقت ڈرانے والا اور امیوں کیلئے پناہ گاہ بنا کر بھیجا ہے، تم میرے بندے اور رسول ہو، میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے، نہ وہ تند خو ہیں، نہ سخت مزاج، نہ بازاروں میں شور و غل مچانے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک اپنے پاس واپس نہیں بلانے گا جب تک آپ کی ذات سے کبھی کی شکار ملت کو سیدھا نہ کر دے اور وہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے قائل نہ ہو جائیں، اس سے اندھی آنکھیں، بہرے کاں اور پردوں میں لپٹے ہوئے دل کھل جائیں گے (۱)۔ حضرت وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اسرائیل کے اک نبی حضرت شعیا علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ۔ میں تمہاری زبان پر وحی جاری کروں گا، میں امیوں میں سے ایک امی نبی بنا کر بھیجے والا ہوں، وہ نہ تند خود ہیں، نہ درشت مزاج اور نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والے، اس قدر سکون و وقار والے کہ اگر چراغ کے قریب سے گزر جائیں تو وہ نہ بجھے اور اگر بانسوں اور سرکنڈوں پر چلیں تو پاؤں کی چاپ سنائی نہ دے، میں انہیں خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا، وہ فحش گو نہیں ہوں گے، ان کے طفیل میں اندھی آنکھیں، بہرے کاں اور پردے میں مستور دل کھول دیں گے، میں ہر امر جمیل کی طرف ان کی رہنمائی کروں گا اور ہر اچھا خلق انہیں مرحمت کروں گا۔ سکینیت ان کا لباس ہوگی، نیکی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کی گفتار، صدق و وفان کی فطرت، عنف و درگزر ان کا خلق، حق ان کی شریعت، عدل ان کی سیرت، ہدایت ان کی امام، اسلام ان کی ملت اور احمد ان کا نام ہوگا، ان کے طفیل میں گمراہوں کو ہدایت سے، جاہلوں کو علم سے، گمناموں کو شہرت سے، غیر معروف لوگوں کو ناموری سے نوازوں گا، میں ان کے سبب قلت کو کثرت میں، اور فقر کو توغری میں، اختلاف کو اتفاق میں اور فرقت کو الفت میں بدل ڈالوں گا، میں ان کے ذریعہ ایسی قوموں کو وحدت اور اتفاق کی لڑی میں پروردوں گا جو انتشار کا شکار ہوں گے، جن کے دلوں میں باہمی نفرت ہوگی اور جن کی خواہشات مختلف ہوں گی، میں ان کے طفیل دنیا کو ہلاکت سے بچاؤں گا اور ان کی امت کو سب سے افضل امت بناؤں گا۔ جن کی تخلیق کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں، وہ موحد، مومن، مخلص اور رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، وہ اپنی مساجد، مجالس اور بستروں میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے میری تسبیح، حمد و ثناء، توحید اور بڑائی بیان کرتے رہا کریں گے، وہ میری خاطر کھڑے ہو کر اور پیچھے کر نمازیں پڑھا کریں گے، صفیں باندھ کر اودھ میں جہاد

سریں گے، میری رضا کی طلب میں ان کے ہزار بالوں کا اپنا گھرمار چھوڑ کر نکلتے کھڑے ہوں گے، وہ اپنے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو میں دھویا کریں گے، وہ اپنے تہمت آؤشی پنڈلی تک باندھا لریں گے، میری راہ میں قربانیاں دیں گے، میری کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہو گی، راتوں کو عبادت گزار اور دنوں کو شیریں جیسے مجاہد ہوں گے، میں ان کے اہل بیت اور اولاد میں سبقت لے جانے والے صدیق، شہید اور صالح لوگ پیدا کروں گا، ان کی امت ان کے وصال کے بعد حق کے ساتھ لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائے گی اور حق کے ساتھ ہی عدل کرے گی۔ ان کی امداد کرنے والوں کو میں عزت سے نوازوں گا اور ان کیلئے دعا کرنے والوں کو میری تائید حاصل ہوگی، ان کی مخالفت کرنے والوں، ان کے ساتھ بغاوت کرنے والوں اور ان کے بدخواہوں کو میں برسے انجام سے دوچار کروں گا، میں انہیں انبیاء کا وارث بناؤں گا، یہ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلائیں گے، نیکی کا تمہ دیں گے، برائی سے منع کریں گے، نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور اپنے عہد و پیمانہ کو پورا کریں گے۔ میں ان کے ہاتھوں اس خیر کی تکمیل کروں گا جس کا آخہ زہ پھلوں سے ہوا۔ یہ میرا فضل ہے، جسے میں چاہتا ہوں عطا کر دیتا ہوں اور میں فضل عظیم کا مالک ہوں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرات ہی و معاذ رضی اللہ عنہما کو بطور حاکم مین بھیج رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ”جاؤ خوشخبری دینا، نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا، سختی نہ کرنا، کیونکہ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا﴾۔ اتری ہے۔“ طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر یہ وحی اتری ہے کہ اسے نبی! ہم نے آپ کو اپنی امت پر گواہ، جنت کی بشارت دینے والا، دوزخ سے ڈرانے والا اللہ کے حکم سے شہادت تو حید کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والا اور قرآن کے ساتھ روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے (2)۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے گواہ ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَجُنَّاهُ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (انساء: 41) ”ہم آپ کو ان سب پر گواہ لے آئیں گے۔“ ﴿يَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اَنْزَلَ عَلٰی النَّبِيِّ عَلٰیكُمْ شَهِيدًا﴾ (البقرہ: 143) ”تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو۔“ آپ اہل ایمان کو اجر عظیم کی نوید بنانے والے ہیں اور کافروں کو تباہ کن مذاہب سے ڈرانے والے ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کو اپنے رب کی عبادت کی طرف بلائے، اسلئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو روشن چراغ بنایا ہے یعنی آپ جو حق لے کر آئے ہیں، اس میں آپ کی صداقت آفتاب عالمتاب کی طرح واضح ہے جس کا انکار سوائے ضدی اور سرکش کے کوئی نہیں کرتا۔ اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَمَا يَخْبُؤُاْ الْكٰفِرِيْنَ﴾ یعنی آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانتیں بلکہ ان کی کسی بات پر کان ہی نہ دھریں۔ ان کی ایذا رسانوں کی پرواہ نہ کریں بلکہ درگزر کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں، وہی ان سے منسنے کے لئے کافی ہے، اس لئے فرمایا: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلٰی اللّٰهِ وَكُنْ مِمَّنْ يٰۤاٰجِبِيْنَ﴾۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ لَمْ يَكُنَّ عَلَيْنَكُمْ اَنْ تَسْتَوْهُنَّ فَمَا

لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُوْنَ لَهَا فَمَتَّعُوْهُنَّ وَسَوَّيْتُمْ لَهَا جَارًا جَبِيْلًا ﴿۳۱﴾

”اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لئے ان پر عدت گزارنے ضروری نہیں جسے تم شمار کرو۔ لہذا انہیں کچھ مال دے دو اور انہیں رخصت کر دو جو بصورتی سے“۔

اس آیت کریمہ میں بہت سے احکام ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ صرف عقد پر بھی نکاح کا اطلاق ہوتا ہے، اس کے ثبوت میں اس سے زیادہ صراحت والی اور کوئی آیت نہیں۔ لفظ نکاح کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اس کا حقیقی استعمال صرف عقد کے لئے ہے یا صرف جماع کے لئے یا دونوں کے لئے؟ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ قرآن کریم میں اس لفظ کا اطلاق عقد اور ولی دونوں پر ہوتا ہے سوائے اس آیت کریمہ کے کہ اس میں اس لفظ کا اطلاق صرف عقد پر ہے۔ اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل موجود ہے کہ خول سے پہلے بیوی کو طلاق دینا مباح ہے۔ آیت کریمہ میں ”مومنات“ کا لفظ عمومی اور غالب معمول کو ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے ورنہ مومنہ اور کتابیہ بھی عورتوں کے لئے بالاتفاق یہ حکم یکساں ہے۔ حضرات ابن عباس، سعید بن مسیب، حسن بصری، امام زین العابدین اور کچھ دیگر سلف اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح ہو چکا ہو کیونکہ آیت کریمہ میں نکاح کے بعد طلاق کا ذکر ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح ہے اور نہ ہی واقع ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل اور سلف و خلف کی ایک بہت بڑی جماعت کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق صحیح ہو جاتی ہے مثلاً کوئی شخص کہے اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے۔ یہ کہنے سے جب بھی وہ اس عورت سے شادی کرے گا، اسے طلاق ہو جائے گی لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جس عورت سے نکاح کروں، اسے طلاق ہے تو اس بارے میں ان دونوں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک وہ کسی عورت کی تعیین نہیں کرے گا، اس وقت تک ایسا کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا کہنے سے ہر اس عورت کو طلاق ہو جائے گی جس سے وہ نکاح کرے گا۔ جمہور جن کا موقف ان کے خلاف ہے اور جو نکاح سے پہلے وقوع طلاق کے قائل نہیں، ان کی حجت یہی آیت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کر کے فرمایا کہ جب کوئی شخص یہ کہے کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں، اسے طلاق ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ طلاق تو نکاح کے بعد ہوتی ہے (1)۔ ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس میں کوئی طلاق نہیں جس کا ابن آدم مالک نہ ہو“ (2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں“ (3)۔ پھر فرمایا: فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَمِدُونَ لَهَا علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ جب کسی عورت کو دخول سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس پر کوئی عہد نہیں۔ وہ اسی وقت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ اس حکم سے مستثنیٰ صرف وہ عورت ہے جس کا خاندان فوت ہو جائے، اگرچہ دخول نہ بھی ہوا ہو تو بھی ایسی عورت پر چار ماہ اور دس دن کی عہد گزارنا ضروری ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ آخر میں فرمایا: فَمَنْ شِئُوا مِنْهُنَّ وَسِئُوا مِنْهُنَّ سَهَابًا جَبِينًا۔ بیوی کو چھوٹے سے پہلے اگر خاوند نے طلاق دے دی تو اس صورت میں اگر مہر مقرر ہو چکا تھا تو اس کا نصف ادا کرنا ہوگا ورنہ تھوڑا بہت مال دینا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِنْ سَأَلْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَنْكِحُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَرِيضَةٌ مِمَّا فَرَضْتُمْ (البقرة: 237) اور اگر تم انہیں چھوٹے سے پہلے طلاق دو اور مقرر کر چکے ان کے لئے مہر تو نصف مہر وہ جو تم نے مقرر کیا ہے۔ لا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ صَلَّيْتُمْ أَوْ عَمَلْتُمْ أَوْ نَامْتُمْ أَوْ كُنْتُمْ فِي سَفَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَعَ نِسَائِكُمْ أَنْ تَبْسُطُوا أَيْدِيَكُمْ فِي عَمَلِكُمْ بِالنِّسَاءِ الَّتِي كُنْتُمْ تَبْسُطُونَ أَوْ تَقُولُوا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ فَرِيضَةٌ ... كَمَا عَلَّمْنَا نِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ (البقرة: 236)۔ رسول اللہ ﷺ نے امیر بنت شرایمل سے نکاح کیا۔ رخصتی کے بعد

2۔ سنن ابی داؤد کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 258، عارضۃ الاموی، کتاب الطلاق، جلد 5، صفحہ 147-148، بحیرہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 628

3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 660

آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے ناپسند کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا سامان تیار کریں اور دو روزتی کپڑے دے کر رخصت کر دیں (1)۔ حضرت علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مہر مقرر تھا تو اس کا نصف دینا ضروری ہے ورنہ بساط کے مطابق دے۔ یہی سراج جمیل یعنی عمدہ طریقے سے رخصت کرنا ہے (2)۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَ الَّذِينَ اتَّيْتِ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَمِمَّا
 آفَاءَ اللَّهِ عَلَيْكَ وَبَنَاتٍ عَمِيَّتِكَ وَبَنَاتٍ خَالَكِ وَبَنَاتٍ خَالَتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ
 مَعَكَ وَأَمْرًا ذُو مَوَازٍ إِنْ وَهَبْتَ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَمَرَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَفْكِحَهَا
 خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ
 أَيْمَانُهُمْ لِيُكْفِلَ اللَّهُ عَلَيْكَ حَرِيمَهُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوفًا رَحِيمًا ۝

”اے نبی (مکرم!) ہم نے حلال کر دی ہیں آپ کے لئے آپ کی ازواج جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ نے بطور غنیمت آپ کو عطا کی ہیں اور آپ کے بچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالوں کی بیٹیاں جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور مومن عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کر دے اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ (اجازت) صرف آپ کے لئے ہے دوسرے مومنوں کے لئے نہیں۔ ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں، تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کی وہ تمام بیویاں آپ کے لئے حلال ہیں جنہیں آپ نے مہر ادا کر دیئے ہیں۔ آپ کی تمام ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا جس کے پانچ سو درہم بنتے ہیں سوائے حضرت ام حبیبہ بنت ابوسخیان، حضرت صفیہ بنت حیی اور حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہن کے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر حضرت نجاشی نے اپنے پاس سے چار سو دینار ادا کیا تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسیران خیبر میں شامل تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا اور ان کی آزادی ان کا مہر ٹھہرا اور حضور ﷺ نے حضرت جویریہ کی طرف سے ان کا زر کتابت حضرت ثابت بن قیس کو ادا کیا اور ان سے نکاح کر لیا (3)۔ پھر فرمایا: وَمِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَمِمَّا آفَاءَ اللَّهِ عَلَيْكَ یعنی اسی طرح وہ لونڈیاں بھی آپ کے لئے مباح ہیں جو مال غنیمت میں آپ کے ہاتھ آئیں۔ آپ ﷺ مال غنیمت میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہما کے مالک ہوئے۔ آپ نے دونوں کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا، اسی طرح حضرت ریحانہ بنت شمعون نظر یہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ماریہ قہلیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کی ملکیت میں آئیں (4)۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ نکاح کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کے افرات و فریاط سے اجتناب کرتے ہوئے درمیانی اور عادلانہ راہ واضح کر دی۔ نصاریٰ کا یہ معمول تھا کہ اگر مرد اور عورت کا کم از کم سات

2- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 19

1- صحیح بخاری، کتاب بطلاق، جلد 9 صفحہ 356، منہ احمد، جلد 3 صفحہ 498

3- سنن ابی داؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 152-153 میرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 294-295

4- دیکھئے الہدایہ والنبایہ، جلد 5 صفحہ 255، 256، 261، 265، 266، 284

پشتوں تک نسب نہ ملنا، تو وہ اس شادی کو جائز سمجھتے تھے اور یہودی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اپنی بھتیجیوں اور بھانجیوں سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ اس شریعت کا ملکہ و ظاہرہ نے نصاریٰ کے افراط کو ختم کرتے ہوئے سچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے نکاح جائز قرار دیا اور یہودی تفریق کا قلع قمع کرتے ہوئے بھتیجی اور بھانجی کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دے دیا۔ اسلام اس امر شیع کی اجازت نہیں دیتا۔ اس آیت کریمہ میں مذکر یعنی بیچا اور ماموں کو مفرد اور مؤنث یعنی پھوپھیوں اور خالوں کو جمع ذکر کیا گیا ہے جو مذکر کے شرف اور مؤنث کے نقص پر دلالت کرتا ہے اور اس سے مردوں کی عورتوں پر فضیلت ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: **عَنِ الْيَتِيمِ وَالْقَامِلِ (التكميل: 48)** اور **يُغْزِي خُجْمَهُمْ مِنَ الْقُلُوبِ إِنِّي الْيَتِيمُ (المائدة: 16)** ان آیات میں یتیم اور نور کو ان کی فضیلت کے باعث مفرد لایا گیا ہے اور اس کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ پھر فرمایا: **الَّذِينَ خَافُوا زَوْجَهُمْ كَمَا خَافُوا اللَّهَ لَمَّا كَانُوا فِي أَرْحَامِ أُمَّهُنَّ لَمَّا كَانُوا يُرْزَقُونَ** یعنی وہ عورتیں ہیں جو اسلام لائیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں **وَالَّذِينَ خَافُوا زَوْجَهُمْ كَمَا خَافُوا اللَّهَ** ہے (1)۔ اس کے بعد فرمایا: **وَأَمْرًا أَهْلًا مَوَدَّةً إِنَّ وَهْبًا.....** یعنی اسے نبی کریم! اگر کوئی مومنہ عورت اپنا نفس آپ کو چہرہ کر دے تو اگر آپ کی خواہش ہو تو آپ اس سے بغیر مہر کی ادائیگی کے نکاح کر سکتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں لگاتار دو شرطوں کے ساتھ حکم بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اس فرمان میں جس میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: **وَلَا يَتَّبِعْكُمْ مَثْبُوعِي إِنَّ أَوْلَهُنَّ أَبْنَاءُكُمْ وَأَنفُسُكُمْ وَأَنفُسُكُمْ** (ہود: 34) اور تمہیں میری خیر خواہی فائدہ نہیں پہنچائے گی اگر چہ میرا رادہ ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دے۔“ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں بھی: **يَقُولُوا إِن لَّمْ يَأْتِكُمْ مَاءٌ فَالْتَمِسُوا اللَّهَ فَإِنَّهُ يَرِيذُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ** (ہود: 84) ”اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو۔“ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے خود کو آپ کی نذر کیا، پھر وہ کافی دیر تک کھڑی رہی۔ ایک آدمی اٹھ کر کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں تو میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا مہر ادا کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟“ عرض کی کہ اس تمہیں کے سوا میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم یہ اسے دو گے تو بغیر تمہیں کے رہ جاؤ گے، کوئی اور چیز تلاش کر ڈو۔“ اس نے کہا میرے پاس اور کچھ موجود نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تلاش کرو اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔“ تلاش بسیار کے باوجود اسے کچھ نہ ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟“ اس نے عرض کی: جی ہاں! مجھے فلاں سورہیں یاد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو تمہیں جو قرآن حفظ ہے اسی پر میں نے اس عورت کو تمہارے نکاح میں دے دیا“ (2)۔ حضرت ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کی ایک بیٹی بھی ان کے پاس موجود تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ مجھ سے نکاح کرنے کے

1- عارضۃ الاحادیث تفسیر سورہ احزاب، جلد 12 صفحہ 89-90 تفسیر بصری، جلد 22 صفحہ 20-21

2- صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1040-1041

خوٹاں ہیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی کہنے لگی کہ اس عورت میں حیا کس قدر کم تھا! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ وہ تم سے بہتر تھی۔ حضور ﷺ کے ساتھ ناطہ جوڑنے میں وہ رغبت رکھتی تھی، اس لئے اس نے خود کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا (1)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کے سامنے اپنی بیٹی کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگی کہ میں چاہتی ہوں آپ اس سے نکاح کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قبول ہے۔ اس کے بعد نبی وہ اپنی بیٹی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائی رہی یہاں تک کہ وہ کہنے لگی کہ میری بیٹی کو نہ کبھی سر میں درد ہوا ہے اور نہ کبھی سخی اور بیماری کی شکایت ہوئی ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تمہاری بیٹی کی کوئی ضرورت نہیں“ (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس عورت نے خود کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بہہ کیا وہ خود بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو سلیم سے تھا اور یہ بہت صالح اور پارسا خاتون تھیں (3)۔ ممکن ہے ام سلمہ ہی حضرت فولدہ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی دوسری خاتون ہو۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کیا۔ ان میں سے چھ کا تعلق قریش سے تھا: خدیجہ، عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سوڈہ اور ام سلمہ، تین قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ سے تھیں اور دو قبیلہ بنو ہلال بن عامر سے تھیں۔ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا وہ خاتون ہیں جنہوں نے اپنا نس حضور ﷺ کو بہہ کیا تھا، ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا، ایک عورت جس نے آپ سے پناہ طلب کی تھی، حضرت زینب بنت جحش کا تعلق بنو اسد سے تھا، علاوہ ازیں دو کثیر بن تھیں: حضرت صفیہ بنت حین بن اخطب اور حضرت جویریہ بنت حارث بن عمرو بن مصطلق خزاعیہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت نے خود کو حضور ﷺ کی نذر کیا تھا، وہ میمونہ بنت حارث تھیں لیکن اس روایت میں انقطاع ہے اور یہ مرسل ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ تھیں جن کا تعلق انصار سے تھا اور ان کی وفات حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی ہوئی۔ یہ سب کچھ بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے خود کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا، وہ بہت ہی ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مجھے ان عورتوں پر بہت غیرت آتی تھی جنہوں نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی خدمت میں بہہ کر دیا تھا، مجھے تعجب ہوتا کہ لیا عورتیں خود کو بہہ کرتی ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿تُرْجَىٰ مِنْ شَأْنِهِمْ فَمِنْ شَأْنِهِمْ قَوْلُ رَبِّهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ لِيَوْمِ يَأْتِي السَّحَابَ بِغَمَامٍ قَلِيلٍ﴾ (51) ”آپ اپنی ازواج میں سے جسے چاہیں دور کر دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جن کو آپ نے عہدہ کر دیا تھا تو بھی آپ پر کوئی حرج نہیں“ تو میں نے کہا کہ آپ ﷺ کا رب جلد ہی آپ کی سواش پوری فرماتا ہے (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی ایسی عورت نہ تھی جس نے اپنا نس آپ کو بہہ کر دیا۔ بقول یونس بن کبیر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان عورتوں میں سے کسی کو قبول نہ کیا جنہوں نے خود کو حضور ﷺ کی نذر کیا اور یہ آپ کے لئے مباح اور آپ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ یہ امر آپ کی مشیت اور مرضی پر موقوف تھا جیسا کہ فرمایا: ﴿إِنَّ أَمْرًا ذَا الْقَبْضِ الْأَيْمَنِ أَنْ يَسْتَسْقِطَ عَلَيْهَا﴾ (5)۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿خَالِصَةٌ لِّذَلِكَ مِنَ الذُّنُوبِ عِندَ رَبِّهِمْ لِيَعْنِي﴾ یہ بات صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے، اہل ان کوئی شخص مبرا کر دے تو اس کے لئے وہ عورت حلال ہوگی جس نے اپنا نس اسے بہہ کر دیا ہو۔ مجاہد اور عیسیٰ وغیرہ بھی یہی

2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 155

1۔ بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 17، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 268

5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 23

4۔ بخاری، تفسیر سورہ انزاب، جلد 6 صفحہ 147

3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 23

کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنا نفس کسی مرد کے حوالے کر دے تو دخول کے وقت مرد پر مہر مثل ادا کرنا ضروری ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بروج بنت واشق کے متعلق فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنا نفس سوئپ دی تھا جب ان کے خاندان کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے لئے مہر مثل کا فیصلہ فرمایا تھا۔ مہر کے اثبات اور اپنے نفس کو سوئپ والی عورت کے متعلق مہر مثل کے واجب کرنے میں موت اور دخول کا حکم یکساں ہے یعنی دونوں سے مہر واجب ہو جاتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اگرچہ آپ ایسی عورت سے دخول بھی کریں تو بھی آپ پر مہر واجب نہیں ہوگا کیونکہ آپ کے لئے بغیر مہر کے، بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصہ میں مذکور ہے۔ قتادہ آیت کے اس حصہ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ کسی عورت کے لئے چار چیزیں ہیں کہ وہ ولی اور مہر کے بغیر اپنا نفس کسی مرد کو بیہ کر دے سوائے نبی کریم ﷺ کے۔ پھر فرمایا: **بِقَوْلِ عَلِيٍّ مَا قَرَضْنَا عَلَيْهِمْ** یعنی ہمیں خوب علم ہے کہ ہم نے اہل ایمان کو چار آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے تک محدود کر دیا ہے، علاوہ ازیں وہ جس قدر چاہیں لونڈیاں رکھ سکتے ہیں، اسی طرح ان پر ولی، مہر اور گواہوں کی شرط عائد کر دی۔ یہ حکم امت کے لئے ہے لیکن اس میں ہم نے آپ ﷺ کو رخصت عطا فرمائی اور یہ پابندیاں آپ پر لاگو نہیں کیں تاکہ آپ پر کوئی ننگی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ بخیر و رحیم ہے۔

تُرْجَىٰ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْتَىٰ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۗ وَهَلْ اِتَّعَيْتَ مِنْ عَزْرَتٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۗ ذُنُوبٌ اَدْنَىٰ اَنْ تَعْرَأَ عِيْدَهُنَّ وَلَا يَحْرَنْ وَيَرْضَيْنَ بِمَا اَتَيْنَهُنَّ كَلْمَهُنَّ ۗ وَاِنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

” (آپ کو اختیار ہے) دور کر دیں جس کو چاہیں اپنی ازواج سے اور اپنے پاس رکھیں جس کو آپ چاہیں۔ اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جن کو آپ نے بیحدہ کر دیا تھا تب بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں۔ اس (رخصت) سے پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور وہ آزرہ خاطر نہ ہوں گی اور سب کی سب خوش رہیں گی جو کچھ آپ انہیں عطا فرمائیں گے۔ اور (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بڑا بردبار ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے ان عورتوں پر بہت غیرت آتی جو خود کو حضور ﷺ کی نذر کرتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ کیا عورت کو بغیر مہر کے اپنا نفس بہرہ کرنے سے شرم نہیں آتی؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عائشہ کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کی مرضی اور خواہش کا بہت خیال ہے (1)۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ان عورتوں میں سے جنہوں نے اپنا نفس آپ کو بہرہ کیا ہے، جنہیں چاہیں الگ کر دیں جنہیں چاہیں آپ قبول کر کے اپنے پاس رکھیں اور جنہیں چاہیں قبول نہ کریں۔ پھر بھی جن عورتوں کو آپ نے قبول نہیں کیا، ان میں آپ کو اختیار حاصل ہے۔ اگر آپ کی خواہش ہو تو آپ انہیں نوازتے ہوئے اپنے پاس لاسکتے ہیں۔ عامر شعی اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ کچھ عورتیں ایسی تھیں جنہوں نے خود کو حضور ﷺ کی نذر کر دیا۔ ان میں سے بعض کو آپ نے شرف صحبت بخشا اور بعض کو مؤخر فرمایا جنہوں نے پھر کسی سے نکاح نہیں کیا۔ حضرت ام شریبہ رضی اللہ عنہا ان میں سے تھیں۔ بعض دوسرے حضرات اس آیت کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ آپ کو اپنی بیویوں کے بارے میں اختیار ہے، اگر آپ باری کی تقسیم ترک کر دیں تو بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں، جسے چاہیں مقدم کریں اور جسے چاہیں مؤخر کریں، جس سے چاہیں ہمہ سستی کریں اور جس

سے چاہیں ترک کر دیں۔ اس اختیار کے باوجود حضور ﷺ کا اپنی ازواجِ طاہرات کے ساتھ سلوک مساویانہ اور عادلانہ تھا، اور آپ ہمیشہ ان میں برابری کی تقسیم کرتے رہے، بعض فقہائے شافعیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پر تقسیم واجب نہ تھی، ان کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی حضور ﷺ ہم سے اجازت لیا کرتے تھے۔ مجھ سے دریافت فرماتے تو میں کہتی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر میرے بس میں ہوتو میں آپ کو کسی اور کے پاس نہ جانے دوں (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد تقسیم کا عدم و جوہ ہے جبکہ آپ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی پہلی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت ان خواتین کے متعلق اتری جنہوں نے اپنا نفس حضور ﷺ کو بہہ کر دیا تھا۔ یہاں سے ابن جریر نے اختیار کیا ہے کہ یہ عام آیت ہے جو اپنا نفس بہہ کرنے والی خواتین اور آپ کی ازواجِ طاہرات کو شامل ہے۔ اپنا نفس سوچنے والیوں کے بارے میں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا آپ کو اختیار حاصل ہے اور ازواج کے بارے میں تقسیم یا عدم تقسیم کا اختیار حاصل ہے۔ ابن جریر کا یہ قول بہت عمدہ اور قوی ہے۔ اس سے احادیث کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے، اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ تَفْقَرُوْا اَعْيُنُهٗنَّ۔ یعنی جب حضور ﷺ کی ازواجِ طاہرات یہ جان لیں گی کہ آپ باریوں کے پابند نہ ہونے کے باوجود ان کے ساتھ مساویانہ اور عادلانہ سلوک فرما رہے ہیں تو انہیں اس پر انتہائی مسرت ہوگی، وہ آپ کی ممنون احسان ہوں گی اور عدل و انصاف پر مبنی مساویانہ سلوک کی وہ معترف رہیں گی۔ پھر فرمایا: وَ اللّٰهُ يَتَذَكَّرُ لَهَا فَيَكْتُوْنَ بِكُمُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بخوبی آگاہ ہے کہ تم لوگوں کا اپنی بعض بیویوں کی طرف قلبی میلان زیادہ ہے اور یہ فطری بات ہے اور بس سے باہر ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کے درمیان مساویانہ تقسیم فرماتے اور عدل و انصاف سے پیش آتے، اس کے باوجود فرماتے: ”اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں اور اس میں مجھ سے مواخذہ نہ کرنا جو میرے اختیار میں ہے اور میرے بس سے باہر ہے (2)۔ یعنی دل کے معاملہ میں، اس لئے اس کے بعد فرمایا: وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔

لَا يَجِلُّ لَكَ الْبِسَاءُ مِنْ بَعْدٍ وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِِيْدًا ۝۱۰

”حلال نہیں آپ کے لئے دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کر لیں ان ازواج سے دوسری بیویاں اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن بجز کنیزوں کے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے۔“

حضرات ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، ابن زید، ابن جریر اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات نے اختیار ملنے کے بعد دنیا اور اس کی زیب و زینت کی بجائے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دارِ آخرت کو پسند کیا اور کاشانہ نبوت میں عسرت اور تنگی کی زندگی کو ترجیح دی تو اس وقت بطور جزا اور رضا کے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کر لیا تو دنیا میں انہیں یہ بدلا ملا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دے دیا کہ آپ ان کے علاوہ نہ کسی اور عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں چھوڑ کر ان کے بدلے میں دوسری عورتیں اپنے عقد میں لا سکتے ہیں اگرچہ ان کا حسن و جمال آپ کو بہت بھائے بجز کنیزوں اور لونڈیوں کے، ان کے متعلق آپ پر کوئی حرج نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ممانعت اور تنگی ختم کرتے ہوئے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا اور نکاح کی

2- سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 242، سنن احمد، جلد 6 صفحہ 144 و دیگرہ

1- صحیح بخاری، تفسیر سورہ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 147

اجازت دے دی لیکن پھر آپ ﷺ نے کوئی نکاح نہیں کیا تاکہ آپ ﷺ کا یہ احسان اپنی بیویوں پر رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور عورتیں حلال کر دی تھیں (1)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کر دیا تھا کہ آپ جس عورت سے چاہیں نکاح کر میں سوائے محرم عورتوں کے۔ یہ اجازت اس آیت کے ذریعے ہوئی: **ثُمَّ جَاءَ نَسَاءُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ دُونِ رَسُولِكَ فَأَسْتَأْذِنُكَ فِي مَا كَانَ حَرَامًا عَلَيْكُمْ فِي مَا كُنْتُمْ فِيهِ**۔ جو اس آیت سے پہلے زہریلی ہے، وہ آیت تلاوت میں اپنے بعد والی آیت کے لئے ناسخ ہے جیسا کہ سورہ بقرہ میں عدت و نفاس کی پہلی آیت بعد والی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ بعض دوسرے حضرات اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ آیت نہر بیچاس میں عورتوں کی جن اصناف کا ذکر کیا گیا ہے، وہ آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں، ان کے سوا اور عورتیں آپ کے حلال نہیں۔ ایک النصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر حضور ﷺ کی ازواج آپ کی زندگی میں انتقال کر جائیں تو کیا اور عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی آپ کو اجازت تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ اس سے مانع کون سی چیز ہے؟ میں نے کہا کہ یہ آیت: **لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ الَّتِي بَعْدَ مَا كُنْتَ تَحِلُّ لَهَا**۔ حضرت ابی فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْسَنَّا لَكَ لِزَوْجِكَ** ... کے ذریعے عورتوں کی وہ اصناف بیان کیں جن کے ساتھ نکاح کرنا آپ ﷺ کے لئے حلال تھا۔ اس کے بعد مذکورہ بالا آیت **لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ** کے ذریعے ان عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت کر دی، جن میں یہ اوصاف نہ ہوں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت سے آپ کو ہمہ جرم عورتوں کے سوا دیگر عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت کر دی گئی، ایماندار کنیزیں اور وہ عورتیں بھی آپ کے لئے حلال ہیں جو اپنا نفس حضور ﷺ کو بہہ کر دیں اور غیر مسلم عورتوں سے نکاح حرام قرار دے دیا، پھر فرمایا: **ذُرِّيَّةُ النَّسَاءِ الَّتِي بَعْدَ مَا كُنْتُمْ فِيهَا** (المائدہ: 5)۔ چنانچہ اس آیت **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْسَنَّا لَكَ لِزَوْجِكَ** میں عورتوں کی مذکورہ اقسام کے علاوہ اور عورتیں آپ ﷺ کے لئے حرام ہیں (3)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے سوا ہر قسم کی عورتیں حرام ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں، یہودیہ ہوں، نصرانیہ ہوں یا کافرہ (4)۔ ابوصالح کہتے ہیں کہ جن عورتوں سے آپ کو نکاح کی اجازت تھی، ان میں سے اگر آپ سینکڑوں سے نکاح کر لیں تو بھی حلال ہے، ان کے سوا کئی امرایہ اور عربیہ سے نکاح کی ممانعت کر دی گئی (5)۔ عکرمہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ان مذکورہ عورتوں کے سوا دیگر عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے جو ان عورتوں کو بھی شامل ہے جو آپ کی زوجیت میں تھیں اور ان عورتوں کو بھی جن کی اصناف پہلے بیان ہوئیں۔ یہ قول بہت عمدہ ہے اور جن لوگوں سے اس کے خلاف مروی ہے شاید ان کی مراد بھی یہی ہو کیونکہ ان میں سے اکثریت سے یہ دونوں قول مروی ہیں اس لئے مناقات اور تضاد والی کوئی بات نہیں، پھر ابن جریر نے اپنے اوپر ایک اعتراض اٹھایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خنصر رضی اللہ عنہما کو طلاق دی، پھر رجوع کر لیا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہما سے علیحدگی کا عزم کیا یہاں تک کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں اپنی باری والے دن سے دستبردار ہو گئیں۔ اعتراض اٹھانے کے بعد امام ابن جریر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ واقعہ اس آیت **يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ** کے نزول سے پہلے کا ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن اس جواب کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ آیت کریمہ اس بات پر

1- عارضۃ الاحوذی تفسیر سورہ احزاب، جلد 12 صفحہ 91، سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 56

3- عارضۃ الاحوذی تفسیر سورہ نساء، جلد 12 صفحہ 90-91

2- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 29

5- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 29

4- مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب النکاح، جلد 4، صفحہ 269، امدار المسکو، جلد 6 صفحہ 637، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 30

دلالت کرتی ہے کہ آپ ان عورتوں کے ساتھ آپ کی حرم میں، دیگر عورتوں سے نہ کراہت کر سکتے ہیں اور نہ انہیں دوسری عورتوں سے تبدیل کر سکتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ تبدیل کے بغیر ان میں سے کسی کو طلاق بھی نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سودة رضی اللہ عنہا والے تفسیر میں یہ آیت اتری: **وَإِنْ أَمْرًا أَتَىٰ حَقًّا فَمِنْ بَيْنِ يَدَيْكَ الشُّؤْمُ أَوْ عَوَاقِبًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ أَنْ يُصَيِّحْنَ بَيْنَهُمَا صُلْحًا (النساء: 128)** اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند سے زیادتی یا درودانی کی وجہ سے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں (1)۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں طلاق دینے کے بعد رجوع کر لیا (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے کو دو روزی تھیں۔ پوچھا: کیوں دو روزی ہو؟ شاید رسول اللہ ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ سنو آپ ﷺ نے میری خاطر رجوع فرمایا ہے اگر آئندہ ایسی نوبت ہوگی تو میں تم سے کبھی بھی کلام نہیں کروں گا (3)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان **وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بَعْضُ مِنْكُمْ آخِرَهُ بِأَخْرَجَتْكَ حُسْنُهَا** کے ذریعے آپ ﷺ کو ان ازدواج پر اضافہ کرنے اور ان کے بدلے میں دوسری بیویاں لانے سے منع فرمایا۔ بجز کثیروں کے، یہ آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں تبدیل کرنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دو آدمی اپنی بیویوں کا تبادلہ کرتے۔ ایک اپنی بیوی دوسرے کو دے دیتا اور دوسرا اپنی بیوی اس کے حوالے کر دیتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عیینہ بن حصن فزاری بغیر اجازت کے حضور ﷺ کے پاس اندر داخل ہو گیا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں، آپ نے اسے فرمایا کہ تم نے اجازت کیوں نہیں طلب کی؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے قبیلہ مضر کے کسی شخص سے کبھی اجازت نہیں مانگی، پھر وہ پوچھنے لگا کہ یہ آپ کے پاس کون نہیں ہوئی تھیں؟ فرمایا کہ یہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ کہنے لگا کہ کیا میں آپ کے حق میں اپنی خوبصورت بیوی سے دستبردار نہ ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: **اے عیینہ! اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے**۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: **یہ اجتناب سردار ہے اور اپنی حماقت کے باوجود اپنی قوم کا سردار ہے** (4)۔ اس کا ایک راوی اسحاق بن عبد اللہ نہایت ادنیٰ درجے کا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرٍ نَبْذِيرٍ
إِنَّهُ وَلَكِنَّ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا صَبَحْتُمْ فَانْسَبُوا وَارَ وَلَا تُسْأَلِينَ بِحَدِيثٍ إِتَّ
ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْأَلُ مِنْكُمْ وَ اللَّهُ لَا يَسْأَلُ مِنَ الْحَقِّ وَ إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ
مَتَاعًا فَسْأَلْتُمُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقَابِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَ مَا كَانَ لَكُمْ
أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَ أَنْ تَتَّبِعُوا الْأَرْوَاحَ مِنْ بَعْدِ آيَاتِهِ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ
عَظِيمًا ۝ ان تَبَدَّلُوا شَيْئًا أَوْ خَفَوْهُ لَقَدْ كَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 2 صفحہ 242-243، مشہور حکم کتاب، کتاب جلد 2 صفحہ 186 وغیرہ

3۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 1 صفحہ 115

2۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 2 صفحہ 285، تفسیر نسائی، جلد 6 صفحہ 213 وغیرہ

4۔ کشف الاستر، جلد 2، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 65-66

”اے ایمان والو! نہ داخل ہو اگر وہ نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کیلئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکھنے کا انتھار کیا کرو۔ لیکن جب تمہیں بلا یا جائے تو اندر چلے آؤ جس جب کھانا کھا چکے تو فوراً منتشر ہو جاؤ۔ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لئے باتیں شروع کرو یا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لئے تکلیف کا باعث بنتی ہیں پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی کا شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں۔ اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پس پردہ ہو کر۔ یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لئے نیز ان کے دلوں کے لئے۔ اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔ سب شک ایہ کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔ چاہے تم کسی بات کو ظاہر کر دیا اسے چھپاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے۔“

یہ پردے کی آیت ہے، اس میں بہت سے شرعی احکام اور آداب کا بیان ہے۔ یہ ان آیات میں سے ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق نازل ہوئیں جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے کتبیں اور ان کے مواقع اللہ تعالیٰ نے احکام نازل فرمائے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ مقام ابراہیم کو جانے نہ مرنے والی تو کیا ہی بہتر ہے۔ اس پر یہ آیت اتری: **وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَوَعَدْنَا الْمُؤْمِنِينَ الْوَعْدَ الْحَقِّ** (البقرہ: 125) ”اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ جو جائے نماز بنا لیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ پسند نہیں کہ برنیک و بد کو آپ کی ازواج کے پاس آنے کی اجازت ہو۔ اگر آپ انہیں پردے کا حکم دے دیں تو اچھا ہے۔ اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ جب حضور ﷺ کی ازواج نے غیرت کی وجہ سے محاذ بنالیا تو میں نے کہا: **عَسَىٰ رَبِّي أَن يَكْفِيَكُمْ** ”ان کی بیعت آؤ و اجازت اؤنٹن“ (التحریم: 5) چنانچہ اسی طرح سورہ تحریم میں یہ آیت اتری۔ (1) مسلم کی روایت میں اسیران بدر والا قضیہ بھی مذکور ہے، یہ بیعتی موافقت ہے۔ اس آیت کا نزول ذوالقعدہ ۵ھ میں اس صبح کو موصوب اللہ تعالیٰ نے بذات خود رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کیا۔ ابو عبیدہ معمر بن شعی اور خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لیا تو آپ نے دعوت ولیمہ کی۔ خور و نوش کے بعد لوگ وہیں بیٹھے باتیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے باوجود وہ نہ اٹھے۔ آخر کار آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے لوگ اٹھ کر چلے گئے لیکن تین اشخاص پھر بھی بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ نے واپس آ کر دیکھا تو یہ ابھی تک وہاں ہی موجود تھے، آپ پھر لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ لوگ چلے گئے تو میں نے نبی کریم ﷺ کو آگاہ کیا۔ اب آپ گھر تشریف لے گئے۔ میں نے بھی اندر جانا چاہا لیکن آپ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ کر دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری (2)۔ ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کے موقع پر دعوت ولیمہ میں گوشت روٹی کا انتظام کیا۔ آپ نے مجھے لوگوں کو بلانے کے لئے کہا۔ جو کوئی مجھے ملتا، میں اسے دعوت دے دیتا، لوگ آتے اور کھا کر چلے جاتے یہاں تک کہ مجھے کوئی ایسا آدمی نہ ملا جسے میں دعوت دیتا۔ میں نے عرض: یا رسول اللہ

1- فتح الباری، کتاب اسلا، جلد 1 صفحہ 504 صحیح مسلم، کتاب فضل الصیۃ: 1864-1865 وغیرہ

2- صحیح بخاری، تفسیر سورہ احزاب، جلد 6 صفحہ 149، صحیح مسلم، کتاب نکاح، جلد 2 صفحہ 1050 وغیرہ

ﷺ اب مجھے کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیتا جس نے دعوت میں شرکت نہ کی ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دسترخوان اٹھ دو۔ سب لوگ چمے لگے۔ صرف تین آدمی گھر میں بیٹھے مصروف گفتگو رہے۔ نبی کریم ﷺ وہاں سے نکل کر حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے اور فرمایا: ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کی: ”وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ“ پھر دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اپنی اہل کو کیسا پایا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے! پھر آپ باری باری اپنی ازواج کے حجرہوں میں تشریف لے گئے اور اسی طرح انہیں سلام کیا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیا تھا اور سب نے وہی بات کی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کی تھی۔ پھر آپ ﷺ واپس لوٹے تو دو تینوں اشخاص ابھی تک باتوں میں مصروف تھے۔ چونکہ آپ بہت حیاء والے تھے اس لئے آپ نے انہیں کچھ نہ کہا۔ اب آپ ایک مرتبہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف جانے لگے۔ اب معلوم نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی یا آپ کو خبر دی گئی کہ لوگ چلے گئے ہیں تو آپ واپس لوٹے۔ آپ نے اندر جانے کے لئے دہلیز میں قدم رکھا، ایک پاؤں اندر تھا اور ایک باہر کہ آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ کروا دیا۔ اس وقت آیت حجاب نازل ہوئی (۱)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے کسی نکاح کے موقع پر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مانید و تیار کر کے برتن میں ڈالا اور مجھے کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ، میری طرف سے آپ کو سلام عرض کرنا اور کہہ دینا کہ یہ ہماری طرف سے حقیر سا نذرانہ قبول فرمائیں۔ اس وقت لوگ شگفتگی کا شکار تھے۔ میں نے اسے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ میری والدہ محترمہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ آپ کو سلام عرض کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہماری طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمائیں۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھا اور فرمایا کہ اسے رکھ دو۔ میں نے گھر کے کونے میں اسے رکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ فلاں فلاں کو بلاؤ، آپ نے بہت سے لوگوں کے نام لئے، پھر فرمایا کہ ان کے علاوہ جو بھی مسلمان ملے اسے دعوت دے دینا۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ میں نے واپس آ کر دیکھا تو تمام گھر لوگوں سے کھینچ بھرا ہوا تھا۔ یہ تقریباً تین سو افراد تھے۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ مالیدہ ناک۔ میں اسے لے آیا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دعا کی جو اللہ نے چاہی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دس دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھے جائیں اور بسم اللہ پڑھ کر اپنے سامنے سے کھانا شروع کریں۔ چنانچہ مسلمان آتے رہے اور بسم اللہ پڑھ کر کھاتے رہے یہاں تک کہ تمام لوگ فارغ ہو گئے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ برتن اٹھ لو۔ جب میں نے برتن اٹھایا تو میں یقین سے نہیں بہہ سکتا تھا کہ جب میں نے برتن رکھا تھا تو اس وقت اس میں کھانا زیادہ تھا یا اب جب میں نے اسے اٹھایا۔ کچھ لوگ آپ ﷺ کے گھر بیٹھے بات چیت میں مصروف رہے۔ ام المومنین جن سے آپ کی شادی ہوئی تھی، وہ دیوار کی طرف منہ پھیرے بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کا دیر تک جو گفتگو ہونا آپ کو گوارا نہ رہا تھا۔ چونکہ آپ بہت حیاء والے تھے اس لئے آپ نے ان سے کچھ نہیں کہا، اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ نکل جاتے۔ چنانچہ آپ ﷺ باری باری اپنی ازواج کے حجرہوں میں تشریف لے گئے اور انہیں سلام فرمایا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو ان لوگوں کو یہ محسوس کر کے بڑی ندامت ہوئی کہ ان کا بیٹھنا آپ ﷺ پر شاق گزارا ہے۔ چنانچہ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ میں حجرہ میں ہی تھا کہ آپ نے پردہ لٹکا دیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد یہ آیت حجاب نازل ہوئی اور آپ اس کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکلے۔ سب سے پہلے عورتوں نے اس آیت کو سنا اور میں تو ان سے بھی

پہلے سن چکا تھا (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت سُرِجِکِی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت سُرِجِکِی کے بعد حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف شادی کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ یہ حدیث اس آیت قَدْ تَمَّاتُ الْقَضَاءُ زَيْدًا وَبَيْتُهَا وَطَلَّقَهَا (الاحزاب: 37) کی تفسیر کے تحت سُرِجِکِی ہے۔ بعض روایات میں اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے بعد لوگوں کو نصیحت کی گئی (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج رات کو قفدے حاجت کے لئے جنگل کو جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ چیز ناگوار لگتی تھی۔ آپ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے کہ اپنی ازواج کو پردہ کروائیں اور اس طرح باہر نہ جانے دیں لیکن آپ ﷺ منع نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت سوہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا باہر نکلیں، وہ دراز قفد خاتون تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خواہش کے پیش نظر کہ پردہ کا حکم نازل ہو جائے، باوازر بلند کہا کہ اے سوہ! ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ اس وقت پردے کا حکم نازل ہوا (3)۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حجاب کے حکم کے بعد حضرت سوہ رضی اللہ عنہا قضاے حاجت کے لئے نکلیں۔ چونکہ وہ دراز قفد تھیں اس لئے ہر دیکھنے والا انہیں پہچان لیتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر کہا: اے سوہ! تم ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں، ذرا دیکھو تم اس طرف کیسے باہر نکلتا گوارہ کرتی ہو۔ حضرت سوہ فرماتی ہیں کہ میں اسی وقت گھر کو چلی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ رات کا کھانا کھا رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں بڑی تھی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں قضاے حاجت کے لئے باہر گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ یہ مجھے کہا۔ اس وقت جبکہ بڑی آپ کے ہاتھ میں ہی تھی، آپ پر وحی نازل ہوئی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی حاجت کے لئے تمہیں باہر جانے کی اجازت ہے (4)۔ اس آیت کریمہ میں مومنوں کو رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے سے منع کر دیا گیا جیسا کہ ذرہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں لوگوں کا دستور تھا کہ وہ بغیر اذن لئے یونہی گھروں میں گھس آتے تھے لیکن اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ بات قابل برداشت نہ تھی اس لئے اس امت کے اکرام کی خاطر یہ حکم نازل فرمایا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو“ (5)۔ پھر اس حکم سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اَلَا اَنْ يُؤَدَّ ذَنْبَكُمْ۔ یعنی کھانا پکھنے اور دسترخوان پر لگنے کا انتظام نہ کرو یعنی کھانے کی تاک میں نہ رہو اور ایسا نہ ہو کہ کھانا پکھنے جانے کے وقت تم اندر جانے کے لئے پرتو لئے لگلو۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ یہ طفیلی (بن بلا یا مہمان) بننے کی حرمت پر دلیل ہے۔ خطیب بغدادی نے طفیلیوں کی خدمت میں ایک کتاب لکھی ہے اور ان کے متعلق بہت کچھ تحریر کیا ہے جسے یہاں ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا، پھر فرمایا: وَ لٰكِنْ اِذَا ذُحِبْتُمْ عَنْ عَتَمَةِ سُرَدَىٰ هِيَ كَرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نَے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو دعوت دے تو اسے ضرور قبول کر لینی چاہئے، خواہ دعوت و لیسہ ہو یا کوئی اور“ (6)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر مجھے ہستی کے موشت کی دعوت دی جائے تو میں ضرور قبول کروں اور اگر مجھے پائے تختہ میں دیئے جائیں تو انہیں بھی ضرور قبول کر لوں۔ جب تم دعوت سے فارغ ہو جاؤ تو (میزبان کے) اہل خانہ

1- صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1051-1052، معارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ احزاب، جلد 12 صفحہ 92-94 وغیرہ

3- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 39

2- صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1048-1049، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 195-196

4- صحیح بخاری، تفسیر سورہ احزاب، جلد 6 صفحہ 149، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1709 وغیرہ

5- فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 330، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1711

6- فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 240، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1053

سے فوراً رخصت ہو کر زمین میں بکھر جائے (1)۔ اس لئے فرمایا: وَلَا تُنْسَأُ لَيْسِيْنٌ بِحَدِيْثٍ يَعْنِيْ بَاتُوْنَ فِيْهَا مَشْغُوْلِيْنَ لَا يُوْجِبُ اِيَّهَا رُجُوْعِيْهَا۔ کہ ان تین افراد نے حضور ﷺ کے گھر میں کیا تھا اور ان سے آپ ﷺ کو کایف ہوئی لیکن شرم و حیا کے باعث آپ خاموش رہے۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارا اجازت کے بغیر حضور ﷺ کے گھر میں داخل ہونا آپ پر شاق و مرتاب ہے اور اس سے آپ کو اذیت پہنچتی ہے لیکن شدت حیا کے باعث انہیں منع کرنا آپ ﷺ کو پسند نہ تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يَسْتَجِيْبُ مِنْ اِلْحٰقِيْ لِيَعْنِيْ اللّٰهُ تَعَالٰی بِمَنْ بَيَانَ كَرْنَهُ سَهْرَمُ نِيْسِيْنَ كَرْنَهُ، اسی لئے اس چیز سے منع فرما دیا: وَ اِنَّمَا تَكْفُرُوْنَ مَتَاعًا۔ یعنی جس طرح حضور ﷺ کی ازواج طہرات کے پاس جانا تمہارے لئے ممنوع ہے، اسی طرح ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے۔ اگر کسی ضرورت کے پیش نظر تمہیں ان کے ہاں جانا پڑے یہ کوئی چیز یعنی دینی ہو تو یہ پس پرہہ ہونا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مالیدہ کھارہی تھی۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو آپ ﷺ نے انہیں دعوت دی، وہ بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ کھاتے ہوئے ان کی انگلیاں میری انگلیوں کے ساتھ لگ گئیں تو وہ بے ساختہ کہنے لگے کہ اگر میری بات مان لی جاتی اور پردے کا حکم دے دیا جاتا تو تم ”امہات المؤمنین“ پر کسی کی نگاہ بھی نہ پڑتی۔ اس وقت پردے کا حکم نازل ہوا (2)۔ اس کے بعد پردے کی افادیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكُمْ اَهْتَدُوْا لِقَوْلِهِمْ وَ قَوْلُوْهُنَّ يَعْنِيْ پَرْدَے کا یہ حکم مرد و زن سب کے دلوں کی پاکیزگی کا سبب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ فرمان وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُكْفُرُوْا... اس شخص کے متعلق نازل ہوا جس نے آپ ﷺ کے بعد آپ کی کسی زوجہ محترمہ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اس کا یہ ارادہ تھا (3) لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا، اس لئے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج طہرات سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ وہ دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کی ازواج اور مومنوں کی مائیں ہیں لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جس بیوی کو آپ ﷺ نے اپنے کاشفہ اقدس میں آباد کرنے کے بعد اپنی زندگی میں طلاق دے دی تو کیا اس کے ساتھ کوئی اور نکاح کر سکتا ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ یہ اختلاف پیش آنے کا سبب یہ ہے کہ کیا یہ بات مِنْ بَعْضِ بَعْدِ کے عموم میں داخل ہے یا نہیں؟ البتہ وہ عورت جسے آپ ﷺ نے دخول سے پہلے طلاق دے دی، اس کے ساتھ کسی اور کے نکاح میں کوئی ممانعت نہیں۔ قبیلہ بنت اشعث بن قیس نبی کریم ﷺ کی ملکیت میں آگئی تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت مکرم بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ چیز بہت ناگوار گزری لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھایا کہ اے خلیفہ رسول! یہ آپ ﷺ کی بیوی نہ تھی، نہ اسے آپ ﷺ نے اختیار دیا اور نہ ہی اسے پردہ کا حکم دیا، اور اس کی قوم کی ردت کے ساتھ اس کی ردت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اسے حضور ﷺ سے بری کر دیا۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے (4)۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے ان دونوں چیزوں یعنی آپ ﷺ کو اذیت دینا اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد امہات المؤمنین سے نکاح کرنے کی حرمت اور ان کے گناہ کبیرہ ہونے کی بابت خبر دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا۔ پھر فرمایا: اِنَّ لِيْبُنْدُوْا شَيْئًا اَوْ فُتُوْا۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں میں پوشیدہ بھیدوں، دلوں میں چھپی ہوئی باتوں اور تمہاری آنکھوں کی خیانت سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔

2- سنن نسائی، تاب التفسیر، جلد 12، صفحہ 295، الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 640-641

1- فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 246

4- تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 41

3- الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 643

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي إِبْرَائِيمَ وَلَا فِي بَيْتِهِمْ وَلَا فِي إِيحَاءِهِنَّ وَلَا فِي آبَائِهِنَّ وَلَا فِي آبَاءِ
 أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا فِي نِسَابِهِنَّ وَلَا فِي مَمْلُوكَاتِكُنَّ أَيُّهُنَّ تَوَلَّيْتُمُوهِنَّ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 شَهِيدًا ﴿٣١﴾

”کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے ماں آئیں ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھتیجے، اور ان کے بھانجے
 اسی طرح مسلمان عورتوں اور لونڈیوں کی آمد و رفت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ (اع. عورتوں!) ذرا کہ، اللہ کی نافرمانی سے،
 بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔“

اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے حکم کے بعد اس آیت کریمہ میں ان قریبی رشتہ داروں کا بیان ہو رہا ہے جن سے پردہ ضروری نہیں،
 یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ سورہ نور میں استثناء کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا يُبَيِّنُ مَنِّي زِينَتِي إِلَّا مَا ظَهَرَ وَمَهَا لَ يُضْمَرُونَ أَوَلَمْ تَلْقُوا أَنَّهُ
 يَضْحَكُ وَيَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِسْقَاءِ (النور: 31)۔ اس آیت میں مذکورہ بالا آیت کی نسبت کچھ اضافہ ہے۔ اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ ان دونوں آیتوں
 میں پچھا اور ماموں کا ذکر بقول مکرر اور شععی اس لئے نہیں ہوا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ان کے اوصاف بیان کریں۔
 یہ دونوں حضرات پچھا اور ماموں کے سامنے عورت کا وہ پردہ اتارنا مکرر قرار دیتے تھے (1)۔ اس فرمان وَلَا يُنْسَأُ لَهُمْ سے مراد مومنہ عورتیں
 ہیں یعنی ان سے بھی کوئی پردہ نہیں اور وَلَا مَمْلُوكَاتِكُنَّ أَيُّهُنَّ تَوَلَّيْتُمُوهِنَّ سے مراد لونڈی غلام ہیں جیسا کہ اس کا بیان اور اس کے متعلق حدیث مزربکی
 ہے (2)۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں۔ فرمایا: وَالشَّقِيئِينَ اللَّهُ یعنی جلوت اور
 خلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہا کر دیکھتے کہ وہ مہر چیز پر ہوا ہے اور کوئی چیز اس سے مخفی نہیں اور اس ہمدان اور ہمدین خدا کا لی نظر رکھو۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٣١﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجو کرو اور
 (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا کرو۔“

بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلا (ارود) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل
 میں اپنے محبوب کریم ﷺ کی تعریف و ثنا کرتا ہے اور فرشتوں کی صلا آپ کے لئے دعا کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا
 مطلب بتاتے ہیں کہ وہ برکت کی دعا کرتے ہیں (3)۔ بہت سے اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی
 ہوتا ہے رحمت اور اگر اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس سے استغفار مراد لیا جاتا ہے (4)۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ
 فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صلا ”سُبُوْحٌ قُدُّوْمٌ سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي“ ہے یعنی میں انتہائی پاک اور مقصد میں ہوں، میری رحمت
 میرے غضب پر غالب ہے۔ اس آیت سے منظور بندوں کو حضور نبی کریم ﷺ کے مقام و مرتبہ پر آگاہ کرنا مقصود ہے کہ عالم بالا میں اللہ
 تعالیٰ مقرب فرشتوں کے سامنے آپ ﷺ کی تعریف و توصیف فرماتا ہے اور ان گنت فرشتے آپ کی جناب میں ہدیہ عقیدت پیش کرتے
 ہیں۔ عالم بالا کی خرد دینے کے بعد اب اہل زمین کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کریں تاکہ

2-: یکھے تفسیر درود نور: 31

1- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 42

4- عارفہ: الاحوزی، ابواب الوتر، جلد 2 صفحہ 271

3- صحیح بخاری تفسیر سورہ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 532

عالم ملوی اور عالم سنی کے مکتبوں کا اس پر اجماع ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا آپ کا رب آپ پر صلوة بھیجتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندادی کہ ان لوگوں کو جواب دو کہ نہ صرف میں بلکہ میرے فرشتے بھی میرے انبیاء و رسل پر درود بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اور مقامات پر یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں پر بھی صلوة بھیجتا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ الَّذِي كَرَّمَكُمْ بِرُسُلِهِ وَلَا تُنْسُوا اللَّهَ وَرُسُلَهُ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ عِنْدَهُ مُنْجِبِينَ ﴿٤٣﴾ وَاصْبِرُوا لِحُكْمِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُرِيدُ لِلظَّالِمِينَ كَيْدًا ﴿٤٤﴾** (الاحزاب: 43-41) ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کیا کرو اللہ وہ ہے جو تم پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿٤٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ﴿٤٦﴾ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ (البقرة: 157-155)“ اور خوشخبری سنائیے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم صرف اللہ ہی کے لئے ہیں اور یقیناً ہم اسی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں ہیں۔“ حدیث شریف میں ہے: ”اللہ تعالیٰ اور فرشتے صفوں کے دائیں طرف والوں پر صلوة بھیجتے ہیں۔ (1)“ ایک اور حدیث میں یہ دعا مروی ہے: ”اے اللہ! آل ابی اونیٰ پر اپنی صلوة (رحمت) نازل فرما“ (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوة بھیجیں تو آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تم پر اور تمہارے خاوند پر صلوة (رحمت) نازل فرمائے!“ (3)۔ احادیث متواترہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صلوة و سلام عرض کرنے کا حکم اور اس کی کیفیت بیان ہوئی ہے، ان میں سے ہم چند احادیث یہاں بیان کرتے ہیں۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کا تو حکم ہے لیکن یہ فرمائیے کہ صلوة کی کیا کیفیت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہا کرو! ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَإِنَّكَ حَيِّدٌ مُجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَيِّدٌ مُجِيدٌ“ (4) ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے کہ کیا میں تمہیں یہ نہ دوں؟ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے لیکن صلوة کا طریقہ بتلایے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہا کرو: ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ... إِنَّكَ حَيِّدٌ مُجِيدٌ“ (5)۔ یہ روایت متعدد کتب احادیث میں متعدد اسناد سے مروی ہے۔ بعض روایات میں ”وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ“ کے الفاظ ہیں اور بعض میں نہیں۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ تو آخر میں ”وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ“ بھی کہا کرتے تھے۔ ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ موجود ہے (6)۔ صحابہ کرام نے جس سلام کے معلوم ہونے کی بات کی تھی اس سے مراد تشہد اور التحیات والا سلام ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ ہے۔ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تشہد اور التحیات قرآن کریم کی سورت کی مثل سکھایا کرتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں درود کے یہ الفاظ مذکور ہیں: ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ“ (7)۔ یہ ابن ابی لیلیٰ کی روایت میں ہے

1- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 1 صفحہ 181، سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 321

3- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 2 صفحہ 88-89، ذخیرہ

2- صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 95، صحیح مسلم، کتاب الزکاة، جلد 2 صفحہ 256-257

6- کا صمد الاحزابی، الوتر، جلد 2 صفحہ 268-269

5- مسند احمد، جلد 4 صفحہ 241

4- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 152

7- صحیح بخاری، تفسیر سورہ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 151

الفاظ ہیں: ”كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ بَارَكْتَ عَلَيَّ مُحَمَّدًا وَ اَنْ مَحْتَبًا كَمَا بَدَّكَتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ اَنْ اِبْرَاهِيمَ“ (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کے استفسار پر حضور ﷺ نے درود کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ یہ کہا کرو: ”اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدًا وَ اَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ اَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَدَّكَتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ“ (2)۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم اس وقت حضرت سعد بن عبادہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بشیر بن سعد نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے، آپ ہمیں اس کا طریقہ سکھادیں؟ آپ نے اس قدر سکوت اختیار فرمایا کہ ہم تمنا کرنے لگے کہ کاش آپ سے سوال نہ کیا جاتا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کہا کرو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدًا وَ عَلَيَّ اَنْ مَحْتَبًا كَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ وَ بَارَكْتَ عَلَيَّ مُحَمَّدًا وَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ“ (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم اپنی نماز میں کس طرح آپ پر درود بھیجیں تو آپ ﷺ نے یہ درود تعلیم فرمایا (4)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخری تشہد میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے اگر کسی نے اسے ترک کر دیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ بعض متاخرین نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں رد کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ ان کا انفرادی موقف ہے اور اس کے خلاف اجماع ہے لیکن یہ قول اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے خلاف اجماع کا دعویٰ کرنا حقیقت سے دور اور لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ متعدد روایات میں درود و سلام کا جو ب مروی ہے اور آیت کریمہ میں بھی امر کا صیغہ ہے جو جو ب پر دلالت کرتا ہے۔ صحابہ کرام میں سے حضرات ابن مسعود، ابو مسعود بدری اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حضرات شعبی، ابو جعفر باقر اور مقاتل بن حیان اور شوافع کا یہی موقف ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول یہی ہے جیسا کہ ابو زرعہ دمشقی نے آپ سے نقل کیا ہے، اسحاق بن راہویہ اور فقہ امام محمد بن ابراہیم کا بھی یہی مذہب ہے یہاں تک کہ بعض حنبلی ائمہ کا کہنا ہے کہ نماز میں آپ ﷺ پر درود پڑھتے ہوئے کم از کم حضور ﷺ کا کہنا ضروری ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو تعلیم دی اور ہمارے بعض ساتھیوں نے تو آپ ﷺ کی آل پر بھی درود بھیجا اور واجب قرار دیا ہے۔ بندگی، سلیم رازی اور نصر بن ابراہیم مقدسی نے اسے نقل کیا ہے۔ امام الحرمین اور امام غزالی نے امام شافعی سے یہ ایک قول بیان کیا ہے۔ لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں اور انہوں نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔ اور آپ کی آل پر درود کا جو ب حدیث کے ظاہری الفاظ سے ثابت ہوتا ہے، الغرض امام شافعی کے نزدیک نماز میں حضور ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ سلف و خلف میں اور ائمہ بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم نوا ہیں اور اس مسئلہ میں اس قول کے خلاف کوئی اجماع نہیں، اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جس کے راوی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی نماز میں دعا کرتے وقت نہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور نہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے بہت جلدی کی، پھر آپ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا کسی اور سے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے، پھر جو

2- مسند احمد، جلد 5 صفحہ 424

1- صحیح بخاری، تفسیر سورہ ازاب، جلد 6 صفحہ 151، سنن نسائی، کتاب الصلاة، جلد 3 صفحہ 49 وغیرہ

3- صحیح مسلم، کتاب الصلاة، جلد 1 صفحہ 305، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 1 صفحہ 258 وغیرہ

4- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 1 صفحہ 258، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 119 وغیرہ

چاہے دعا کرے“ (1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۔ جو بسم اللہ نہ پڑھے، اس کا وضو نہیں، جو نبی ﷺ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز نہیں اور جو انصار سے محبت نہ رکھے اس کی بھی نماز نہیں“ (2)۔ اس کا ایک راوی عبدالمعین مزمک سے، طبرانی میں یہ روایت اس کے بھائی ابی بن عباس سے مروی ہے لیکن یہ بھی محل نظر ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کی کیفیت تو معلوم ہے لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کہا کرو! اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَيَا كَاتِبَ عَلِيِّ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيبٌ مُحِبُّدٌ“ (3) حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس دعا کی تعلیم دیتے تھے: ”اللَّهُمَّ دَا جِئِ الْمَدْحُوَاتِ وَ بَارِئِ الْمَسْمُوكَاتِ وَ حَبِيبِ الْقُلُوبِ عَلِيٍّ بِطَرِيقِهَا وَ سَعِيدِهَا، اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَ نَوَاصِي يَوْمِ كَاتِبِكَ وَ رَافِقَةَ تَحْنِيكَ وَ فَضْلَ آيَاتِكَ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ الْفَاتِحِ لِنَا أَعْلَى وَ الْخَاتِمِ لِنَا سَبْقِ وَ الْمَعْلُومِ الْحَقِّ بِالْحَقِّ وَ الذَّمَّاعِ لَجَمِشَاتِ إِلَّا بِضِيَلِ كَمَا حَوَّلَ فَاضْطَلَمَ لَمْ يَكْ لِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِيًا فِي مَرْضَاتِكَ غَيْرِ نَيْبٍ فِي قَدَمٍ وَلَا وَاجِبٍ فِي عَوْمٍ وَ أَعْيَدْ لِيَوْمِ حَيْكِ حَافِضًا لِعَهْدِكَ مَضِيًّا عَلَيَّ نَفَادَ أَمْرِكَ حَتَّى أُوْرِي قَبْسًا لِقُدْسِي، آيَةُ اللَّهِ تَقْصِلُ بَهْلَهُ أَسْمَاءَهُ، مِنْ هُدَيْتِ الْقُتُوبِ بَعْدَ حَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْأَثَمِ وَأَبْهَمَةِ مُوَضَّحَاتِ الْأَعْلَامِ وَ نَائِرَاتِ الْأَحْكَامِ وَ مَيِّرَاتِ الْإِسْلَامِ فَهِيَ أَمِيْنَةُ الْمَسْمُومِ وَ حَزِينَةُ عَيْلِكَ الْمَحْزُونِ وَ شَهِيدَةُ يَوْمِ الدِّينِ وَ بَعِيْنَةُ نِعْمَةٍ وَ رَسُولِكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً - اللَّهُمَّ أَفْسَحْ لَهُ فِي عَدْلِكَ وَ اجْزِلْهُ مَضَاعِفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ لَهُ مَهْدَتِ غَيْرِ مَكَدَرَاتِ مِنْ قُوَّةِ نَوَائِلِكَ الْمَعْنُوْلِ وَ جَزِيلِ عَطَايِكَ الْمَجْمُوْلِ، اللَّهُمَّ أَعْيِ عَلِيَّ بِنَاءِ النَّاسِ بِنِيَّاتِهِ وَ أَكْرَمِ مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَ نَزِّلْهُ وَ آتِهِمْ لَهُ قُوَّةً وَ اجْرِدْهُ مِنْ إِبْتِغَائِكَ نَهْ مَقْبُولِ الشَّهَادَةِ مِنْ جَيْمِ الْمَقْبَلَةِ ذَا مَنْطِقِي عَدْلٍ وَ حُطَّةِ فَضْلِ وَ حُجَّةِ وَ بَرَاهِنِ عَظِيمِ“ (4)۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشہور دعا ہے۔ ابن کثیر نے مشکل القرآن میں اور اسی طرح ابوالحسن احمد بن فارس لغوی نے اس پر تفسیر کی ہے لیکن اس کی سند محل نظر ہے۔ اس کا راوی سمامہ کنہی غیر معروف سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ثابت نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجو تو بہت عمد و طریق سے درود بھیجو، بہت ممکن ہے کہ تمہارا یہ درود حضور ﷺ پر پیش کیا جائے۔ لوگوں کی فرمائش پر آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ درود سکھایا: ”اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ رَحْمَتَكَ وَ يَوْمِ كَاتِبِكَ عَلَيَّ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَ إِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدِي عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَ قَائِدِ الْخَيْرِ وَ رَسُولِ الرَّحْمَةِ إِلَيْهِمْ اَبْعَثَهُ مَقْلَعًا مَحْبُودًا يَغْبِطُهُ الْأَوْلُونَ وَالْآخِرُونَ“ یعنی اے اللہ! اپنے بندے اور رسول سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین، امام خیر، قائم خیر اور رسول رحمت حضرت محمد ﷺ پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔ اے اللہ! آپ کو مقام محمود پر فائز فرما جس پر اگلے اور پچھلے تمام لوگ آپ پر رشک کریں۔ اس کے بعد نماز والا درود شریف ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدِي“۔ ”بتایا (5)۔ یہ روایت موقوف ہے۔ یونس بن حباب نے فارس میں اپنے خطبہ کے دوران اس آیت ”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ“ کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

1- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 2، صفحہ 77، سنہ 6، جلد 6، صفحہ 18 وغیرہ

2- سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، جلد 2، صفحہ 77، سنہ 6، جلد 6، صفحہ 18 وغیرہ

3- سنن احمد، جلد 5، صفحہ 353

4- کتاب اللغۃ، از قاضی عیاض، جلد 2، صفحہ 643-644، مجمع بزوائد، جلد 10، صفحہ 163-164، شیخ البرزلی، خطبہ، 70، صفحہ 80-81

5- سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامہ، جلد 1، صفحہ 293-294

روایت کرتے ہوئے ایک شخص نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے صحابہ کے استفسار پر اس طرح درود سکھایا: "اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدًا وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيبٌ مُّحِبٌُّ وَأَرْحَمُ مُّحْسِنٌ وَأَنْ مُحَمَّدًا وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيبٌ مُّحِبٌُّ" (1)۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے رحم کی دعا جائز ہے۔ جمہور کا کہن مسک ہے۔ اس کی تائید ایک اعرابی والی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں اس نے دعا مانگتے ہوئے کہا تھا: "اللہ! مجھ پر اور محمد (ﷺ) پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کرنا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے انتہائی فراعین چیز کو ٹھک کر دیا (2)۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور مالکیہ سے اس کی ممانعت کا قول نقل کیا ہے جبکہ ابو محمد بن ابی زید نے اسے جائز قرار دیا ہے (3)۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "جب تک کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا رہتا ہے اس وقت تک فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔" اب یہ بندے کا اختیار ہے چاہے تو وہ اس میں کمی کرے یا اسے کثرت سے پڑھے (4)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرتا تھا" (5)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ جو بندہ مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرمائے گا"۔ یہ سن کر ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنا آدھا وقت درود شریف کے لئے وقف کر دوں؟ فرمایا: "تمہاری مرضی ہو"۔ اس نے پھر عرض کی کیا میں اپنا دو تہائی وقت درود شریف میں نہ صرف کیا کروں؟ فرمایا: "جیسے تمہاری مرضی"۔ اس نے پھر عرض کی کہ کیا میں اپنا تمام وقت درود شریف کے لئے مخصوص نہ کر دوں؟ فرمایا: "پھر تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت کے ثمر و اندوہ سے نجات عطا فرمائے گا" (6)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آدھی رات کو باہر نکلتے اور فرماتے: "تھر تھر اپنے والی (قیامت) آگنی جس کے پیچھے ایک اور جھکے ہے موت اپنی نختیوں سمیت آگنی"۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں رات کے وقت نماز پڑھتا ہوں، کیا میں اس کا تہائی حصہ آپ پر درود شریف پڑھنے کے لئے خاص کر دوں؟ فرمایا: "آدھا حصہ"۔ میں نے عرض کی کہ کیا میں اس کا نصف حصہ آپ پر درود شریف پڑھتا رہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "دو تہائی"۔ میں نے عرض کی کہ کیا میں اپنا یہ تمام وقت درود شریف کے لئے وقف کر دوں؟ فرمایا: "پھر تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا" (7)۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے: "اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، کچھ پادینے والی آگنی جس کے پیچھے ایک اور جھکے ہے موت اپنی نختیوں کے ساتھ آگنی، موت اپنی آفات سمیت آگنی"۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں، یہ فرمائیے کہ میں اس کے لئے ستا وقت صرف کروں؟ فرمایا: "جس قدر چاہو، میں نے عرض کی: ایک چوتھائی فرمایا: "بھئی مرضی ہو، اگر زیادہ ہو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے کہا: نصف۔ فرمایا: "جیسے چاہو اور اگر اس پر اضافہ ہو سکے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کی:

2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8، صفحہ 11

1۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 43-44

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاقوات، جلد 1، صفحہ 294، سند احمد، جلد 3، صفحہ 445

3۔ کتاب اللغۃ، جلد 2، صفحہ 249

6۔ کتاب الشفاء، از قاضی عیاض

7۔ کتاب اللغۃ

5۔ مجمع الاحادیث، جلد 2، صفحہ 608، ابواب الوتر

دو تہائی۔ فرمایا: جیسے تمہاری مرضی لیکن اس پر بھی اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں اپنا تمام وقت اس کے لئے خاص کرتا ہوں۔ فرمایا: ”پھر تو تمہارے مصائب ختم ہو جائیں گے اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے“ (1)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر تو اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا و آخرت کی تمام مشکلیں آسان کر دے گا (2)۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے، میں بھی آپ کے ساتھ ہو گیا۔ آپ کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہوئے اور وہاں سجدہ ریز ہو گئے، آپ نے اس قدر طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر گئی ہو۔ میں آپ کو دیکھنے کے لئے قریب ہوا تو آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ”اے عبدالرحمن! کیا بات ہے؟“ میں نے آپ کو اپنے اس خدشہ سے آگاہ کر دیا جو میرے دل میں پیدا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص آپ پر رود بھیجے گا، میں اس پر رود بھیجوں گا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا“ (3)۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے نبی مروی ہے کہ حضور ﷺ نے جب کافی دیر تک سجدہ سے سر نہ اٹھایا تو میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کی: عبدالرحمن۔ فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اس قدر لمبا سجدہ کیا کہ مجھے آپ کی روح کے پرواز کر جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جبریل مجھے یہ بشارت دینے کے لئے آئے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو آپ پر صلوة بھیجے گا میں بھی اس پر صلوة (رحمت) بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ کیا“ (4)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے باہر نکلے۔ آپ کے ساتھ جانے کے لئے کوئی نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی کا کوزہ لئے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ باہر جا کر دیکھا کہ آپ ایک داؤنی میں سر سجدہ ہیں۔ وہ کچھ دور بہت کر پیچھے کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ”اے عمر! تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے سجدہ میں دیکھ کر مجھ سے دور ہٹ گئے۔ جبریل میرے پاس یہ پیغام لائے تھے کہ آپ کا جو امتی آپ پر ایک مرتبہ رود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس درجات بلند کر دے گا“ (5)۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ صحابہ کے پاس تشریف لائے۔ رخ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آج تو چہرہ مبارک خوشی سے تاباں ہے۔ فرمایا: ”میرے پاس فرشتہ آیا اور اس نے مجھے کہا: کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار رود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رود پڑھے گا اور آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار سلام پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اس پر سلام بھیجے گا۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس نوازش پر از حد خوش ہوں“ (6)۔ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اس قدر خوش تھے کہ مسرت آپ کے چہرہ سے عیاں ہو رہی تھی۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آج تو آپ بہت مسرور ہیں۔ فرمایا: ”ہاں، میرے پاس میرے رب کی طرف سے فرشتہ یہ پیغام لے کر آیا کہ آپ کی امت میں سے جو آپ پر ایک مرتبہ رود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھے گا، دس گناہ معاف کر دے گا، دس درجات بلند فرمائے گا اور اسی کا نشان اس پر

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 136

1۔ ترمذی عارضہ الاحوزی، ابواب صفحہ القیامہ، جلد 9 صفحہ 280-281

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 191

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 191

6۔ ملین نسائی، کتاب الصلاة، جلد 3 صفحہ 44-50، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 30

5۔ محمد طبرانی

لونا یا جائے گا“ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ پر درود پڑھا کرو، یہ تمہارے لئے زکوٰۃ ہے اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کیا کرو جو جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ صرف ایک شخص کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں“ (3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ درود بھیجتے ہیں۔ اب بندے کو اتھپا رہے، چاہے وہ کم درود پڑھے یا زیادہ۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ الوواع کہنے والے شخص کے انداز میں ہمارے پاس تشریف لائے اور تین بار فرمایا: ”میں محمد امی نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، مجھے فاتح کلمات، جامع کلمات اور خاتم کلمات سے نوازا گیا، مجھے علم ہے کہ جہنم کے داروغوں اور عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کی کتنی تعداد ہے، مجھ پر خصوصی کرم ہوا اور مجھے اور میری امت کو عافیت عطا ہوئی، جب تک میں تم میں موجود ہوں، سنتے رہو اور اطاعت کرتے رہو، میرے وصال کے بعد کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام لینا اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا“ (4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے سامنے میرا ذکر ہو، اسے چاہئے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے۔ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا“ (5)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے دس گناہ معاف کر دے گا“ (6)۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا“ (7)۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بخیل ترین شخص وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا لیکن اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا“۔ ایک اور روایت میں فرمایا: ”آدمی کو یہی بخل کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے لیکن وہ مجھ پر درود نہ بھیجے“۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس ماہ رمضان آیا اور اس سے پہلے کہ اس کی مغفرت ہوتی، وہ رخصت ہو گیا اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جس کی زندگی میں اس کے والدین بڑھاپے کو پہنچے لیکن وہ اسے جنت میں نہ پہنچا سکے“ (8)۔ یہ حدیث متعدد صحابہ اور متعدد اسناد سے مروی ہے۔ یہ حدیث اور اس سے پہلے بیان کی گئی احادیث اس امر کی دلیل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے، امام طحاوی، طبری اور علماء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: ”جس شخص نے مجھ پر درود بھیجا فراموش کرو یا، وہ جنت کی راہ بھول گیا“ (9)۔ یہ روایت مرسل ہے اور مذکورہ بالا احادیث اس کے لئے باعث تقویت ہیں۔ دوسرے حضرات کا موقف یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے پھر بقیہ مجلس میں واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے: ”جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھیں تو وہ مجلس قیامت کے دن ان کے لئے وبال ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو

- | | |
|--|--|
| 1- مسند احمد، جلد 4 صفحہ 29 | 2- صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 306، سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 88، غیر۔ |
| 3- مسند احمد، جلد 2 صفحہ 365 | 4- مسند احمد، جلد 2 صفحہ 172 |
| 6- مسند احمد، جلد 3 صفحہ 102 | 7- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 201، عارضۃ الاحزاب، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 62-63 |
| 8- عارضۃ الاحزاب، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 62، الأدب المفرد: 280 | 9- سنن ابن۔ جب، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 234 |

کریم ﷺ پر درود بھیجا کرو۔ جہاں تک نماز کے آخری تشہید میں درود شریف پڑھنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ پہلے تشہید میں درود شریف تو کسی نے بھی واجب قرار نہیں دیا، اب اس کے مستحب ہونے اور نہ ہونے کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ اسی طرح نماز جنازہ میں بھی درود شریف مشروع ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورۃ فاتحہ پڑھے، دوسری تکبیر میں درود شریف پڑھے، تیسری میں میت کے لئے دعا کرے اور چوتھی میں یہ دعا کرے: "اللَّهُمَّ لَا تُخْرِجْنَا مِنْهَا أَحَدًا وَلَا تَقْتُلْنَا بَعْدَهُ"۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کا مستنون طریقہ یہ ہے کہ امام پہلی تکبیر کہنے کے بعد آہستہ سے سورۃ فاتحہ پڑھے، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور جنازہ کے لئے اخلاص سے دعا کرے اور تکبیروں میں کچھ نہ پڑھے، پھر آہستہ سے سلام پھیر دے (1)۔ نسائی نے اسے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور صحابی سے روایت مرفوع کے حکم میں ہے۔ نماز میں درود شریف پڑھنے کے متعلق مروی ہے کہ ولید بن عقبہ نے عید کے دن حضرات ابن مسعود، ابو موسیٰ اور حذیفہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ آج عید کا دن ہے، آپ یہ فرمائیں کہ اس میں تکبیروں کی کیا کیفیت ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تکبیر تحریمہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا جائے پھر دعا مانگی جائے، پھر تکبیر کے بعد اسی طرح کیا جائے، پھر تکبیر کہہ کر یہی عمل دہرایا جائے، پھر تکبیر کہنے کے بعد ایسا کیا جائے، پھر قرأت کے بعد تکبیر کہہ کر رکوع کیا جائے، پھر کھڑے ہو کر قرأت کی جائے، اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا جائے، پھر دعا کی جائے اور تکبیر کہنے کے بعد اسی طرح رکوع کیا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔ درود شریف پر دعا کا اختتام کرنا مستحب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے، جب تک نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھو، وہ اوپر نہیں چڑھتی (2)۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس وقت تک اوپر نہیں چڑھتی جب تک مجھ پر درود نہ پڑھا جائے، مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ سمجھو، دعا کے شروع میں بھی مجھ پر درود پڑھو، آخر میں بھی اور درمیان میں بھی"۔ یہ اضافہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ بناؤ کہ جب وہ تمام ضروریات سفر لے لیتا ہے تو پانی کا پیالہ بھی بھر لیتا ہے۔ اگر وضو کی ضرورت پڑی تو اس سے وضو کر لیا اور اگر پیاس لگی تو پانی لیا اور ندا اس کا پانی بہا دیا، مجھے دعا کے شروع میں، دعا کے درمیان میں اور دعا کے آخر میں رکھا کرو"۔ یہ حدیث غریب ہے۔ دعائے قنوت میں درود شریف کی زیادہ تاکید ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے جنہیں میں وتروں میں پڑھتا ہوں: "اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّيْنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَيَقِيْنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَدْرِي مَنْ وَالَيْتَ، وَلَا يَعْرِفُ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ" (3)۔ نسائی کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی ہے: "وَصَلَّى اللَّهُ عَلَيَّ مُحَمَّدًا"۔ (4) جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو درود شریف بکثرت پڑھنا مستحب ہے۔ حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی میں ان کی وفات ہوئی، اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں بر"

2۔ روضۃ الانوار: 1، ابواب انوار، جلد 2 صفحہ 271-272

1۔ ترتیب مسند الشافعی، جلد 1 صفحہ 210-211، نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 75

4۔ سنن نسائی، کتاب الاعتقاد، جلد 3 صفحہ 248

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 2 صفحہ 63، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 199 وغیرہ

ایک پر محبت طارنی ہوگی۔ اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔“ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے وصال کے بعد جب کہ آپ زمین میں دفن ہوں گے، آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا؟ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو حرام کر دیا ہے“ (1)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جموعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو، کیونکہ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اس دن جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے، اس کا درود اس کے قارغ ہونے تک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، میں نے عرض کی کہ کیا موت کے بعد بھی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، اللہ کے نبی زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے“ (2)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں عبادہ بن نسی اور حضرت ابوالدرداء کے درمیان انقطاع ہے۔ جموعہ کی رات اور جموعہ کے دن کو بکثرت درود شریف پڑھنے کے متعلق حضرات ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پہنچی میں بھی حدیث مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ایک مرسل حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”زمین اس کا جسم نہیں کھاتی جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو“۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”جموعہ کے دن اور جموعہ کی رات کو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو“ (3)۔ یہ حدیث بھی مرسل ہے۔ اس کی طرح خطیب پر واجب ہے کہ وہ جموعہ کے دن دونوں خطیبوں میں درود شریف پڑھے، اس کے بغیر خطبہ صحیح نہیں ہوتے کیونکہ یہ عبادت ہے اور اس میں اللہ کا ذکر شرط ہے، اس لئے اذان اور نماز کی طرح اس میں ذکر رسول ﷺ بھی واجب ہے۔ یہ امام شافعی اور امام احمد رحمنا اللہ کا مذہب ہے۔ حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرتے وقت درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے جو مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں“ (4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، میری قبر پر میٹے نہ لگانا۔ مجھ پر درود پڑھا کرو، جہاں کہیں بھی تم ہو، تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے“ (5)۔ قاضی اسماعیل بن اسحاق اپنی کتاب فضل الصلوٰۃ میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کا معمول تھا کہ وہ ہر جمعہ حضور ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر دیتا اور آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کا بدیہ پیش کرتا۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھنا مجھے بہت محبوب ہے۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اسے کہا کہ میں تمہیں اپنے والد محترم سے مروی ایک حدیث نہ سناؤں؟ عرض کی: ضرور سنائیے۔ فرمایا کہ میرے والد محترم نے میرے دادا جان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا، اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور جہاں کہیں تم ہو مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھو، تمہارا صلوٰۃ و سلام مجھ تک پہنچتا ہے“ اس کا ایک راوی مہمبہ ہے جس کا نام مذکور نہیں۔ مصنف عبدالمزاق میں ہے کہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے روضہ انور پر کچھ لوگوں کو دیکھ کر یہ حدیث سنائی تھی۔ ممکن ہے دو لوگ وہاں ضرورت سے زیادہ اپنی آوازیں بلند کر رہے ہوں گے یا کسی اور نے ادب کے مرتکب ہوئے ہوں گے، اس لئے آپ نے انہیں ممانعت کرتے ہوئے یہ حدیث سنائی۔ (6) یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو پورے روضہ شریف پر حاضر دیکھتے ہوئے دیکھا تو اسے

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 524

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناقب، جلد 2 صفحہ 218

6۔ مصنف عبدالمزاق، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 577

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 2 صفحہ 88، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 8 وغیرہ

3۔ ترتیب مسند الشافعی، جلد 1 صفحہ 172

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناقب، جلد 2 صفحہ 218، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 367

فرمایا کہ حضور ﷺ تک سلام پہنچنے کے معاملہ میں تم اور وہ شخص جو اندلس میں ہے، یکساں ہیں۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم جہاں بھی ہو، مجھ پر درود پڑھو۔ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے“ (1)۔ ظہرائی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت اِنْ اَللّٰهُ وَرَاضِيَ عَنْكَ الْيَهُودُ... کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ آیت سربستہ راز ہے، اگر تم مجھ سے اس کے متعلق نہ پوچھتے تو میں تمہیں نہ بتاتا، سنو، میرے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں۔ جب کسی مسلمان کے سامنے میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔ ان فرشتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آمین کہتے ہیں“ (2)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو زمین پر رشت کرتے رہتے ہیں اور میری امت کے سلام مجھ پر پہنچاتے ہیں“ (3)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے، میں اسے سنتا ہوں اور جو درود سے مجھ پر درود بھیجتا ہے، وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے“۔ اس کی سند مکمل نظر ہے۔ اس کا راوی محمد بن مروان صدیق صغیر متروک ہے۔ ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ احرام باندھنے والے شخص کے لئے مستحب ہے کہ وہ تمبیہ کے بعد درود شریف پڑھے جیسا کہ امام شافعی اور دارقطنی نے قاسم بن محمد بن ابی بکر سے روایت بیان کی ہے کہ جب آدمی تمبیہ سے فارغ ہو جاتا تو اسے ہر حال میں درود شریف پڑھنے کا حکم دیا جاتا (4)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم کبھی شریف پہنچو تو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سات چکر لگاؤ اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں ادا کرو پھر صفا پر اس طرح کھڑے ہو جاؤ کہ تمہیں بیت اللہ شریف دکھائی دے اور سات تکبیریں کہو، ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو، نبی کریم ﷺ پر درود بھیجو اور اپنے لئے دعائیں کرو، پھر مردہ پر جا کر بھی ایسا ہی کرو۔ ہمارے اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ بطور دلیل انہوں نے یہ آیت پیش کی ہے: وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْكَ يَا جِبْرَائِيلُ (4) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کر دیا“۔ کیونکہ اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا وہاں آپ کا بھی ذکر ہوگا لیکن جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں صرف اللہ تعالیٰ کا نام ہی لیا جاتا ہے جیسا کہ خورد و نوش، جماع اور دیگر مواقع پر جہاں درود شریف پڑھنا سنت سے ثابت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل پر بھی درود بھیجو کیونکہ میری طرح انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے“ (5)۔ اس کی سند میں درود ابی عمرو بن ہارون اور ان کے شیخ ضعیف ہیں۔ کان کی سننا سنہٹ کے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے بشرطیکہ اس کی سند صحیح ہو۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کا کان بیچنے لگے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود بھیجے اور یہ کہے کہ جس نے مجھے بھلائی کے ساتھ یاد کیا، اللہ تعالیٰ اسے یاد کرے“۔ اس کی سند غریب ہے اور اس کا ثبوت مشکوک ہے۔ مسئلہ: کاتب اس بات کو مستحب سمجھتے ہیں کہ وہ جب بھی حضور ﷺ کا نام لکھیں، اس کے ساتھ درود شریف لکھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے تو اس درود کا ثواب اس وقت تک متا رہتا ہے

2- بحکم کبیر، جلد 3 صفحہ 89، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 93

1- بحکم کبیر، جلد 3 صفحہ 82

3- سنن نسائی، کتاب الصوم، جلد 3 صفحہ 43، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 441

5- مصنف عبد الرزاق، جلد 2 صفحہ 216

4- الامم للعراقی، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 134، سنن دارقطنی، باب المواقف، جلد 2 صفحہ 238

جب تک اس کتاب میں میرا نام موجود رہے (1)۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ تو اسے موضوع سمجھتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی حدیث مروی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔ خطیب بغدادی اپنی کتاب "انجام آداب الراوی والسمیع" میں ذکر کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تحریر میں متعدد مقامات پر حضور ﷺ کا اسم گرامی لکھا ہے اور دیکھا جہاں درود شریف تحریر نہ تھا۔ آپ زبانی درود پڑھ لیا کرتے تھے۔

فصل: غیر انبیاء پر سبھا صلوة بھیجنا جائز ہے جیسا کہ حدیث شریف میں گزر چکا ہے: "اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَي مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَآزْوَاجِهِ وَدَرَجَاتِهِ"۔ اختلاف تو اس بات میں ہے کہ انبیاء سے الگ کسی کا نام لیا جائے تو کیا اس پر صلوة بھیجنا جائز ہے؟ بعض حضرات نے اسے جائز قرار دیا ہے اور قرآن منست سے دلائل پیش کیے ہیں۔ جن آیات سے انہوں نے استدلال کیا ہے، وہ یہ ہیں: "فَوَالَّذِينَ بَخَسُوا مَسْجِدًا مَّكَرًا لَّهُمْ (الحزاب: 43)، "أَوْ لِيَتَّخِذَ الْكَلْبُ لَكُمْ مَنَازِلًا مِّنْ نَّوَارِثَةٍ (البقرة: 157)" اور "حَذَرَ الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ اللَّهِ وَأَمَّا أَنتَ فَكُنْ مِمَّنْ يَسْتَعِذُّ بِاللَّهِ أَن يَكُونَ لَكُم مِّنْ أُمَّةٍ أُخِرَتْ أَخْبَارُهَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ (التوبة: 103)" اور ان احادیث سے حجرت پکڑی ہے: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپ ان کے لئے یہ دعا کرتے: "اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيهِمْ"۔ جب میرے والد اپنا صدقہ کا مال لائے تو آپ نے فرمایا: "أَلْفَلْهُمَّ صَلِّ عَلَيِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى" (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی بیوی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھ پر اور میرے نواسد پر صلوة بھیجئے تو آپ نے فرمایا: "صَلِّ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَ عَلَى ذَوَاتِهِ" (3) لیکن جہور علماء اس کے خلاف ہیں اور وہ غیر انبیاء پر صلوة بھیجئے جو جائز نہیں سمجھتے جب انبیاء سے الگ ان کا ذکر کیا جائے کیونکہ صلوة و سلام انبیاء کے لئے شعار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور ان کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے اس لئے غیر انبیاء کے لئے یہ الفاظ استعمال نہ کئے جائیں اور یہ نہ کہا جائے: ابو بکر صلی اللہ علیہ یا علی صلی اللہ علیہ، اگرچہ معنوی لحاظ سے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ محمد عزوجل نہیں کہا جاسکتا اگرچہ آپ ﷺ عزیز بھی ہیں اور جلیل بھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونے میں اور کتاب و سنت میں غیر انبیاء کے لئے جہاں صلوة کا لفظ وارد ہوا ہے، وہ دعا کے معنی میں ہے، اس لئے یہ نہ آل ابی اوفی کے لئے شعار بنا، نہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لئے اور نہ ان کی بیوی کے لئے۔ بعد میں ان کے ناموں کے ساتھ کسی نے بھی صلوة کا ذکر نہیں کیا۔ یہ مسلک بہت اچھا ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ غیر انبیاء پر صلوة جائز نہیں کیونکہ یہ خواہش پرستوں اور بد مذہبوں کا شیوا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ انہیں دل عقیدت ہوتی ہے، ان پر وہ صلوة بھیجتے ہیں اس لئے اس معاملہ میں ان کی اقتداء سے احتراز کرنا چاہئے۔ پھر ان منع کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا ایسا کرنا حرام ہے یا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ؟ یہ تین اقوال ہیں جنہیں امام نووی نے کتاب الاذکار میں بیان کیا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ صحیح مسلک جس پر اکثریت کا اتفاق ہے، یہی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اور ہمیں ان کے شعار کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔ اور مکروہ وہی ہوتا ہے جس میں نہی مقصود ہو۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اس میں زیادہ دارودہ اس بات پر ہے کہ سنہ کی زبان میں صلوة کا لفظ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہو گیا جیسا کہ عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے تو ہم جس طرح باوجود حضور ﷺ کے عزیز اور جلیل ہونے کے محمد عزوجل نہیں کہہ سکتے، اسی طرح ابو بکر یا علی صلی اللہ علیہ نہیں کہا جاسکتا۔

سکتا (1)۔ جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو بقول شیخ ابو محمد الجوبینی یہ صلوة کے معنی میں ہے۔ نہ کسی غائب کے لئے اسے استعمال کیا جاسکتا ہے اور نہ صرف غیر نبی کے لئے، چنانچہ علی علیہ السلام نہیں کہا جائے گا۔ اس میں زندوں اور مردوں کا یکساں حکم ہے۔ البتہ جو شخص سامنے حاضر ہو، اسے مخاطب کر کے ”سلام علیک“، والسلام علیک یا اسلام علیکم کہنا جائز ہے۔ اس پر اجماع ہے (2)۔ یہ بات تو ظاہر ہے۔ اکثر لوگ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام یا کریم اللہ کہتے یا لکھتے ہیں، باقی صحابہ کے متعلق ایسا نہیں کرتے۔ معنی کے لحاظ سے یہ اگرچہ درست ہے لیکن تمام صحابہ میں یکسانیت ضرورت ہے، ان کے احترام، تقظیم اور تکریم کو یہی تقاضا ہے۔ حضرات ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ان الفاظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سوا کسی پر صلوة بھیجنا صحیح نہیں بلکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ کچھ لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا جمع کرنے کی فکر میں منہمک ہیں اور بعض دامظن خائف اور امرا پر بالکل ایسی طرح صلوة بھیجتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ پر بھیجی جاتی ہے۔ جب تمہارے پاس میرا یہ خط پڑھے تو انہیں یہ بتا دینا کہ صلوة صرف نبیوں کے لئے خاص ہوئی چاہئے اور عام مسلمانوں۔۔۔ لئے دعا کریں اور صلوة کے علاوہ جو چاہیں دعا کریں (3)۔ حضرت کعب رحمت اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر طلوع فجر سے دقت ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور حضور ﷺ کی قبر انور کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پروں کو سمیت کر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے ہیں اور ستر ہزار رات کو آتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن جب آپ کی قبر شق ہوگی تو آپ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ امام نووی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ پر درود بھیجنے وقت صلوة و سلام دونوں ایک ساتھ بھیجے جائیں، صرف ایک پراکتفا کرتے ہوئے نہ صرف صلی اللہ علیہ وسلم چاہئے اور نہ صرف علیہ السلام۔ یہ قول اسی آیت صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا سے ماخوذ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ یوں کہا جائے۔ ”صَلِّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلِّم تَسْلِیْمًا“۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۵۴۰﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿۵۴۱﴾

”بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب۔ اور جو لوگ دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے انھالیما (اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ“۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب کی دھمکی دے رہا ہے جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس کی نواہی کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر اس پر بے غم رہتے ہیں، علاوہ ازیں وہ رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی اور عیب جوئی کر کے آپ کی دل آزاری کرتے ہیں۔ حضرت عکرمہ رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تصویریں بنانے والے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے، وہ زمانے کو گولی دیتا ہے حالانکہ زمانے میں ہی ہوں، میں ہی دن

رات کو اسٹ پلٹ کرتے ہوں“ (1)۔ مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت والے کہا کرتے تھے کہ بائے زمانہ کی خرابی! اس نے ہمارے ساتھ یہ یہ کیا۔ وہ اللہ کے افعال زمانہ کی طرف منسوب کر کے زمانہ کو برا بھلا کہا کرتے تھے۔ تمام افعال کا فاعل چونکہ اللہ تعالیٰ ہے تو گو یا وہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہتے تھے اس لئے اس سے منع کر دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابو سعیدہ اور دیگر ماہرین نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ **زَنْ اَلَّذِي يَنْتَ يُؤَدُّونَ** ان لوگوں کے بارے میں اتنی جنہوں نے اس بناء پر حضور ﷺ پر طعن کرتے ہوئے آپ کو اذیت دی کہ آپ ﷺ نے حضرت صفیہ بنت جہنم بنی امیہ کے ساتھ کراچ کیا (2)۔ بہر صورت یہ آیت عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو کسی طرح سے بھی آپ کی دلآزاری کا سبب بنتا ہے۔ جس نے آپ کو اذیت دی، اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی جیسا کہ جس نے آپ ﷺ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں اپنے طعن و تشنیع کا ہدف نہ بنا لینا۔ جس نے ان کے ساتھ محبت رکھی۔ اس نے میری محبت کے باعث ایسا کیا اور جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا، اس نے میرے بغض کی وجہ سے ایسا کیا، جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا پہنچائی، جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو وہ ضرور اسے پکڑ لے گا“ (3)۔ پھر اگلی آیت میں فرمایا: **وَالَّذِينَ يُؤَدُّونَ اَللّٰهُمِّنْ دُونِ** یعنی وہ لوگ جو اہل ایمان کی طرف ان کی ناکردہ برائیوں کو منسوب کرتے ہیں اور ان کے متعلق ایسی انوائیں اترتے ہیں جن کے ساتھ ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، وہ بہت بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بھاری بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اس وعید میں سب سے پہلے کفار داخل ہیں، پھر رافضی شیعہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی کرتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کی الزام تراشیوں سے بری ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان نفوس قدسیہ کی مدح کرتے ہوئے یہ خبر دے دی کہ وہ مہاجرین و انصار سے راضی ہے لیکن اس کے باوجود یہ احمق اور جاہل لوگ ان کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کی بے ادبی کرتے ہیں اور ان کے متعلق ایسی ناروا اور غیر شائستہ باتیں برملا کرتے ہیں جن سے وہ بالکل پاک ہیں۔ دراصل ان کے دل نیرھے ہیں۔ یہ قابل ستائش لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور قابل مذمت لوگوں کی ستائش و توصیف کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! بغیبت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارا اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو۔“ عرض کی گئی کہ اگر میرا بیان کر دہ عیب اس میں ہوتا؟ فرمایا: ”اگر تمہارا بیان کر دہ عیب اس میں موجود ہو تو یہ اس کی طبیعت ہے اور اگر اس میں نہ ہو تو یہ اس پر بہتان ہے“ (4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا سود کون سا ہے؟ عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بھتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا سود کسی مسلمان کی عصمت دری کرنا ہے“۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ ذُنُوبًا
اَذَىٰ اَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذِينَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٣٠﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الشَّيْءِ اَلْحِسَابُ ۗ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ اِلٰى زَيْنِ قَبْحٍ فَانذِرْهُمْ ۗ

2- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 45

1- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 188، صحیح مسلم، کتاب الايمان والادب، جلد 4 صفحہ 1762

3- تارخ الحدیث، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 244، مستدرک جلد 4 صفحہ 87

4- صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2001، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 269 غیرہ

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَ الْمَرْجُفُونَ فِي الْمَذِيْمَةِ نُنْعِرِيْنَكَ بِهِمْ لَمْ لَا يُجَاوِرُوْكَ فِيْهَا اِلاَّ قَلِيْلًا ۝
 مَّنْعُوْبِيْنَ ؕ اَيُّهَا ثَقِيْفُوْا اُجِدُوْا وُقُوْبًا ثَقِيْبًا ۝ سُنَّةُ اللّٰهِ فِي الْاٰزِيْنِ حَلْوًا مِنْ قَبْلِ ۚ وَلَنْ
 تَجِدَ اِلْسِنَةَ اللّٰهِ تَبِيْلًا ۝

”اے نبی مکرم! آپ فرمائیے اپنی ازواج مطہرات کو، اپنی صاحبزادیوں کو اور ہمسایہ اہل ایمان کی عورتوں کو کہ (جب وہ باہر نکلیں تو) ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو۔ اس طرح وہ باسانی پوچھان لی جا میں کی پھر انہیں ستا یا نہیں جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے۔ اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے من فقی اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے، تو ہم آپ کو مسلط کر دیں گے ان پر پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر چند روز۔ وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی۔ جہاں پائے جائیں گے پتھر لئے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے۔ اللہ کی سنت ان (بدقماشوں) کے متعلق بھی یہی تھی جو پیسے گزر چکے۔ اور آپ سنت الہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ مومن مسلمان عورتوں کو حکم دیں خصوصاً اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں کو کیونکہ انہیں تمام عورتوں پر خصوصی شرف اور فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر ڈال لیا کریں تاکہ وہ جاہلیت کی عورتوں اور لونڈیوں سے ممتاز ہو جائیں۔ جلاباب دو پٹے سے بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمان خواتین کو حکم فرما رہا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو ان چادروں کے پلوں سے اپنے چہرے ڈھانپ لیں جو انہوں نے اپنے سروں پر اوڑھ رکھی ہوں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں (۱)۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ سلمانی سے اس آیت کی وضاحت چاہی تو آپ نے اپنے چہرے اور سر کو ڈھانپ کر اور بائیں آنکھ کھلی رکھ کر اس آیت کی وضاحت کی۔ حضرت مکرّمہ رضی اللہ عنہا اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عورت اپنے اوپر بڑی چادر اوڑھ کر اپنے سینے کے بالائی حصہ کو ڈھانپ لے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد انصار کی عورتیں سیاہ چادروں سے اپنے آپ کو ڈھانپ کر اس طرح سکون اور وقار سے باہر نکلتیں گویا ان کے سروں پر کوعے ہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا لونڈی بھی چادر اوڑھے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ؟ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو وہ دو پٹے اوڑھے لیکن جلاباب (بڑی چادر) اوڑھنے سے اسے منع کیا جائے گا کیونکہ آزاد محض عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا لونڈیوں کے لئے مکروہ ہے، اس کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمیوں کی عورتوں کی آرائش اور زینت دیکھنے میں بوکی حرج نہیں، اس کی ممانعت فتنہ میں مبتلا ہوجانے کے خوف سے ہے نہ کہ ان کی حرمت و عزت کے باعث کیونکہ آیت کریمہ میں وَ اَيُّهَا الْمُؤْمِنَاتُ مِمَّنْ بَدَعَتْ الْفَاظِہِیْنَ پھر فرمایا: اِنَّ لَكَ اَذَىٰ اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذِيَنَّ۔ یعنی اگر وہ اس حکم کو بجالاتے ہوئے چادر اوڑھ کر باہر نکلیں گی تو باسانی پوچھان ہو جائے گی کہ یہ عفتآب اور آزاد عورتیں ہیں، نہ یہ لونڈیاں ہیں اور نہ ہی فاحشہ عورتیں۔ سدی فرماتے ہیں کہ مدینہ کے کچھ اوباش لوگ شام کے دھندلے میں گھروں سے باہر نکل آتے اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے خصوصاً رات کے وقت جب مستورات قضائے حاجت کے لئے

بڑی لعنت۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو آگاہ فرما رہا ہے کہ آپ کو قیامت سے وقت کا علم نہیں اگرچہ لوگ آپ سے اس کے متعلق دریافت کرتے ہیں، اور فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کر، میں جیسا کہ سورہ اعراف میں بھی یہی فرمان ہے۔ سورہ اعراف ص 2 اور یہ سورت مدنی۔ چنانچہ وقوع قیامت کا علم اسی حالت کی طرف لوٹایا جاتا رہا جس نے اسے قائم کرنا ہے لیکن اپنے اس فرمان و حکم یدبرینت کے ذریعے خبر دے دی کہ یہ تقریب وقوع پذیر ہوگی، اسی طرح اور متواتر فرمایا: اَفْتَتَبْتَ السَّاعَةَ وَ اَتَشَقَّى النَّفْسَ (القدر: 1) ”قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا“۔ اَفْتَتَبْتَ حَتَّى اَنَّ جَسَدِيْكَ وَ هُوَ فِي مَقْعَدِكَ مُعْرِضٌ ﴿١٠﴾ (الانبیاء: 1) ”لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب آگیا اور وہ غفلت میں مبتلا پھیرے ہوئے ہیں“۔ اَتَى اَهْرَاسَ فَلَا يَسْتَعْمِدُوْنَ (الحج: 1) ”حکم الہی قریب آگیا ہے پس اس کے لئے غفلت نہ کرو“۔ پھر فرمایا: اِنَّ اَزْوَاجَكُمْ لَمَكْفُورِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کے کافروں کو اپنی رحمت سے دو کر دیا ہے اور دار آخرت میں ان کے لئے بھڑکنی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہاں سے رہائی اور چھٹکارے کی کوئی امید نہیں اور نہ ہی وہ وہاں کوئی دوست پائیں گے اور نہ ہی مددگار ہو سکیں اس عذاب سے نجات دلا سکے۔ پھر فرمایا: يَوْمَ تَقُفُّ اَنْفُسٌ وَّ هُمْ فِيْ جَهَنَّمَ مَدْمُومٌ مِّمَّ مَلْحَمِيْنَ اَلَيْسَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْجِدًا لِّمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ (یعنی انہیں منہ کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا، اس وقت دو تہا کریں گے کہ کاش ہم بھی ان لوگوں میں سے ہوتے جو دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے۔ اسی طرح میدان قیامت میں ان کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَوْمَ يَعِضُ الضَّالِّينَ اَعْلَى اَيْدِيْهِمْ يَتَوَلَّوْنَ اَيْدِيَهُمْ اَتَاخَذْتُمْ مَعَ النَّبِيِّ سُبُوْلًا ﴿٢٧﴾ وَ كَانِ الْاَنْفُسُ اِنْ يَلُوْا لِقَدْحٍ مُّذْبِقًا ﴿٢٨﴾ (الفرقان: 27)، رَبَّنَا اِيْذَانُنَا كَفَرْنَا وَ اَنْتَا كَالْمُكَلِّمِ ﴿٢٩﴾ (الحجرات: 2) ”کفار بہت آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے“۔ اسی طرح یہاں ان کی حالت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن تمنا کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے۔ وہ مزید نہیں گئے: رَبَّنَا اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ اَسْمَاعِنَا ﴿١٠﴾ طاقوس فرماتے ہیں کہ سادق سے مراد سردار اور کبریا سے مراد حاکم، میں یعنی ہم اپنے امراء و وزراء اور علماء و مشائخ کی پیروی کرتے رہے اور رسولوں کی مخالفت پر کمر بستہ رہے اور ہم یہ سمجھتے رہے کہ ہمارے سردار اور بڑے لوگ ہدایت پر ہیں لیکن وہ تو اس سے کہوں دور تھے اس لئے اسے ہمارے پروردگار انہیں ان کے کفر اور ہمیں گمراہی پاداش میں دو گنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت بھیج۔ ایک دوسری قرأت میں ”کثیراً“ کی بجائے ”کثیراً“ ہے یہ دونوں قریب یعنی میں جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسی دعا سکھائیے جسے میں اپنی نماز میں پڑھا کروں۔ آپ ﷺ نے اس دعا کی تعلیم دی: ”اللَّهُمَّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ضَلَمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاعْفُوْا بِيْ مَعْظُوْرًا مِّنْ عِنْدِكَ وَاَرْحَمِيْنَ اَنْتَ اَذَى الْعَفْوِ الرَّحِيْمِ“ (1) یعنی اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں، پس تو اپنی بخشش سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو ہی غفور رحیم ہے۔ اس حدیث میں بھی کثیر اور کثیر اور دونوں الفاظ مروی ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس دعا میں ان دونوں لفظوں کو ملا کر پڑھنا مستحب ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ کبھی کبھی کبیرا یعنی دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کرے جیسا کہ آیت کریمہ میں دونوں قرأتوں میں سے قاری جسے چاہے پڑھے لیکن دونوں کو جمع کرنا مناسب نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی آپ کے مخالفین سے کہا کرتے تھے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہو کر یہ کہو گے: رَبَّنَا اِنَّا اَعْطَيْنَا

سَانِيَةً (1)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَدَّ آكَ اللَّهُ وَمِمَّا قَالُوا ط وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٦﴾

”اے ایمان والو! نہ بن جانا ان (بد بختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو مستہیا۔ پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے جو انہوں نے کہا۔ اور آپ اللہ کے نزدیک بڑے شان والے تھے۔“

امام بخاری اس آیت کی تفسیر کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت باحیا اور شرم والے تھے اور یہی اس آیت کا مطلب ہے (2)۔ اس مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نہایت اختصار سے لائے ہیں، البتہ احادیث انبیاء کے بیان میں اسی سند سے اسے مفصل بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”موسیٰ علیہ السلام بہت حیا والے، ستر کا خاص خیال رکھنے والے اور بہت پاکدامن تھے، سخت شرم و حیا کے باعث ان کے جسم کا کوئی عضو برہنہ نہیں ہوتا تھا، بنی اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کو ستانے لگے اور کہنے لگے کہ اس قدر پردہ داری کی وجہ یہ ہے کہ ان کے جسم پر کوئی عیب ہے، یا تو برص کے داغ ہوں گے یا انہیں آماں خصیہ کا مرض ہے یا کوئی اور آفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی بدگمانی سے بری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ایک دن غلوت میں انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے اور پھر غسل کرنے لگے۔ غسل سے فراغت کے بعد آپ نے کپڑے لینے چاہے لیکن پتھر آپ کے کپڑوں کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ نے اپنا عصا لیا اور پتھر کا تعاقب کرنے لگے اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے تھے: اے پتھر! میرے کپڑے، اے پتھر! میرے کپڑے، یہاں تک کہ آپ بنی اسرائیل کی بھری محفل تک چا پہنچے۔ وہاں بنی اسرائیل نے آپ کے سارے جسم کو دیکھ لیا جو بے عیب اور بہت خوبصورت تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں کی بدگمانی سے بری کر دیا۔ وہاں پتھر ٹھہر گیا اور آپ نے اپنے کپڑے پہن لئے، پھر آپ (فرد غضب سے) اپنا عصا لے کر اس پتھر کو مارنے لگے، اللہ کی قسم! آپ نے عصا کو اس قدر شدید ضربیں لگائیں کہ پتھر پر تین، چار یا پانچ نشانات پڑ گئے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے (3)، یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے نصیے بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ ایک دن آپ غسل کرنے کے لئے نکلے اور کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے۔ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ بھی برہنہ اس کے تعاقب میں نکل پڑے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی مجلس تک پتھر کا تعاقب کرتے کرتے پہنچ گئے۔ بنی اسرائیل نے آپ کے جسم کو دیکھ لیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ آپ میں یہ عیب نہیں ہے (5)۔ مسند بزار میں بھی یہ روایت مذکور ہے (6)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام ایک مرتبہ پہاڑ پر گئے۔ وہاں حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کو یہ کہہ کر ستانے لگے کہ آپ نے انہیں قتل کر دیا ہے، وہ آپ سے زیادہ نرم خواہر باحیا تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 151

1۔ اسد الغابہ، ترجمہ تاج بن عمر، جلد 1 صفحہ 458

5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 51

4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 514-515

3۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 190

6۔ کشف الاستار، ترجمہ زاد المعاد، ترجمہ سورہ احزاب، جلد 3 صفحہ 66-69

کرنے کا حکم دے رہا ہے جس میں نہ کوئی کبھی ہو اور نہ کوئی، اعراف۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ اُمرودہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو درست فرمادے گا یعنی انہیں اعمالِ صالحہ کی مزید توفیق سے نوازے گا، گزشتہ گناہوں کو بخش دے گا اور مستقبل میں سرزد ہونے والے گناہوں سے توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے گا۔ پھر فرمایا: **وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ** یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے کو ناراہ جہنم سے محفوظ رکھا جائے گا اور جنت کی ابدی نعمتوں سے اسے شاد کام کیا جائیگا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر کی نمر ز پر چھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دستِ اقدس سے ہمیں اشارہ کیا تو ہم بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور درست بات کہنے کا حکم دوں“۔ پھر آپ عورتوں کے پاس آئے اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور سچا بات کہنے کا حکم دوں“ (۱)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ہمیشہ اسی آیت کی تلاوت فرماتے ہوئے سنا۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفہ مروی ہے کہ جس شخص کے لئے یہ بات خوش کن ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز ہو تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ مکرر فرماتے ہیں کہ قولِ سدید سے مراد **إِنَّا لِلَّهِ** ہے۔ بعض کے بقول سدید کا معنی صدق ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد درست بات ہے۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ حق و صواب پر مبنی بات کو سدید کہتے ہیں۔ یہ سب معانی درست ہیں۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿١٧٦﴾ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٧٧﴾

”ہم نے جیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھالیا اس کو انسان نے۔ ہے شک یہ ظلم بھی ہے (اور) جہول بھی۔ تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں کو اور شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور ننگاہ لطف و کرم فرمائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد اطاعت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین، آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن ان سب نے اس امانت کے بھاری بوجھ کو اٹھانے سے معذوری ظاہر کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے اس امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن انہوں نے بار امانت اٹھانے سے عدم استطاعت کا اظہار کیا، کیا تم اسے اس میں مضمر نتائج سمیت قبول کرو گے؟ عرض کی: اے پروردگار! اس میں کیا نتائج مضمر ہیں؟ فرمایا: اگر تم عمدہ طریقہ سے اس کا حق ادا کرو گے تو تمہیں اجر و ثواب سے نوازا جائے گا اور اگر کوتاہی کرو گے تو سزا ملے گی، چنانچہ

حضرت آدم علیہ السلام نے اسے قبول کر کے اس بوجھ کو اٹھا لیا (1)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول امانت سے مراد فرائض ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا کہ اگر وہ اس امانت کی ذمہ داری نبھا سکیں گے تو انہیں اجر و ثواب عطا ہوگا اور اگر وہ اس ذمہ داری سے عمدہ برآ نہ ہوئے تو انہیں عذاب دیا جائے گا۔ اس پر انہوں نے اس بارہ منت کو ٹھہرنے سے انکار کر دیا اور اس سے خوفزدہ ہو گئے، لیکن یہ انکار نہ فرمائی کے باعث نہ تھا بلکہ اس خدشہ کے پیش نظر تھا کہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے۔ بالآخر جب اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا تو آپ نے اسے اس کی ذمہ داریوں سمیت قبول کر لیا۔ انسان نے چونکہ حاقبت اندیشی کی بنا پر بار امانت کو اٹھانے کی حامی بھری تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَفَيْتَهَا الْإِنْسَانَ إِنَّ كَانَ يَخْلُكُمَا جَعُولًا (2)۔ حضرت ابن عباس اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر اس امانت کو پیش کر کے فرمایا کہ اسے اس کے تنگی کی ذمہ داری کے ساتھ قبول کر لو، اگر تم نے اطاعت کی تو تمہاری مغفرت ہوگی اور اگر نافرمانی کی تو میں تمہیں عذاب دوں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ میں نے اسے قبول کیا، پھر اسی دن عصر سے رات تک کی مقدار ہی وقت گزر رہا تھا کہ آپ سے لغزش کا ارتکاب ہو گیا (2)۔ ضحاک نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے قریب قریب روایت کی ہے لیکن اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہے کیونکہ اس میں دونوں حضرات کے درمیان انقطاع ہے۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک، حسن بصری وغیرہ فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد فرائض ہیں جبکہ دیگر حضرات کے بقول اس سے مراد اطاعت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عورت کا اپنے گویہر عصمت کی حفاظت کرنا بھی امانت میں شامل ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دین، فرائض اور حد و سب امانت ہیں۔ بعض نے غسل جنابت کو امانت کہا ہے۔ حضرت زید بن اسم کے بقول تین چیزیں امانت ہیں: نماز، روزہ اور غسل جنابت۔ ان تمام اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں بلکہ ان تمام سے مقصود یہ ہے کہ امانت سے مراد تکلیفات شرعیہ اور اوامر و نواہی کو قبول کرنا ہے۔ اگر انسان انہیں بجالائے گا تو اسے ثواب مرحمت کیا جائے گا اور اگر وہ انہیں ترک کر دے گا تو اسے سزا دی جائے گی۔ چنانچہ انسان نے اپنی کمزوری، جہل اور ظلم کے باوجود اسے قبول کر لیا۔ بجز ان سعادت مند افراد کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو ان تہہ بہ تہہ پختہ آسمانوں پر پیش کیا جو ستاروں سے آراستہ اور عرش عظیم کو اٹھانے والے فرشتوں کا مسلک ہے اور انہیں کہا گیا کہ کیا تم اس امانت کو اس میں مضمر نتائج سمیت قبول کرو گے؟ انہوں نے عرض کی کہ اس میں مضمر نتائج کیا ہیں؟ فرمایا گیا کہ اگر تم نے احسن طریقے سے اس کی بجا آوری کی تو تمہیں اجر و ثواب دیا جائے گا اور اگر کوتاہی کی تو سزا ملے گی، چنانچہ آسمانوں نے بار امانت اٹھانے سے معذرت کرنی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے سات سخت ٹھوس زمینوں پر پیش کیا جنہیں مٹیوں سے مضبوط کر کے بچھوڑ دیا گیا ہے اور انہیں بھی وہی ارشاد ہوا جو آسمانوں کو ہوا تھا لیکن انہوں نے بھی اٹھنا نہ سزا کیا، پھر سخت، مضبوط اور بندوبست بالاپہاڑوں پر اس امانت کو پیش کر کے اس کے نتائج سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے بھی معذرت خواہی کی۔ مقابلہ بین حیاں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو انسانوں، جنوں، آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو جمع کیا۔ سب سے پہلے آسمانوں پر اس امانت (اطاعت) کو پیش کر کے فرمایا کہ کیا تم اس بار امانت کو اس شرط پر اٹھاؤ گے کہ تمہیں تفصیلت، کرامت اور جنت میں اجر و ثواب حاصل ہوگا؟ آسمانوں نے کہا: اے پروردگار! یہ ہمارے بس کی بات

رکھتے ہیں۔ سب سے پہلی چیز جسے اٹھالیا جاتا ہے وہ امانت ہے اور اس کا معمول سا اثر لوگوں کے دلوں میں باقی رہ جاتا ہے، پھر وفا، عہد اور ذمہ داری کو اٹھالینا جاتا ہے اور کتہہ میں باقی رہ جاتی ہیں، غالباً عمل پیرا ہوتے ہیں اور جاہل انجان بننے ہیں۔ اب یہ امانت اور وفا مجھ تک اور میری امت تک پہنچی۔ خبردار! اللہ تعالیٰ صرف اسی کو ہلاک کرتا ہے جو خود کو ہلاکت میں ڈالنے پر مصر ہے اور غافل وہی ہے جو ترک کرنے والا ہے، اسے لوگو! محتاط رہو، دوسرے ڈالنے والے چھپ چھپ کر حملہ آور ہونے والے شیطان سے بچو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں آزماتا ہے کہ تم میں سے سب سے زیادہ اچھے عمل والا کون ہے (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے لیکن اس کے متعلق شواہد موجود ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جو شخص انہیں قیامت کے دن ایمان کے ساتھ لائے گا، جنت میں داخل ہوگا: وضو، رکوع، سجود اور اوقات کی پابندی کے ساتھ جس نے نماز جھگانے کی پابندی کی اور خوشی خوشی اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کرتا رہا۔ اللہ کی قسم! ایسا صرف مومن ہی کرتا ہے اور امانت کو ادا کرتا رہا۔“ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ امانت کی ادائیگی کیا ہے؟ فرمایا: غسل جنابت، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں اس کے سوا کسی اور چیز کی امانت ابن آدم کے سپرد نہیں کی (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا تمام گنہوں کو مٹا دیتا ہے، یا یہ فرمایا کہ یہ تمام گنہوں کو مٹا دیتا ہے بجز امانت میں خیانت کے۔“ خان کے کہا جائے گا کہ امانت ادا کرو۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! دنیا تو جاتی رہی، اب میں کہاں سے ادا کروں؟ تین مرتبہ ایسا یہی حکم ہوگا اور خائن یہی جواب دہرائے گا۔ پھر حکم ہوگا کہ اسے اس کے ٹھکانے ہادیہ میں لے جاؤ۔ فرشتے اسے پکڑ کر ہادیہ (دوزخ کا ایک گہرا طبقہ) میں پھینک دیں گے، وہ لڑھکتے لڑھکتے جب نیچے تک پہنچ جائے گا تو وہاں اسے امانت کی ہم شکل کوئی چیز نظر آئے گی۔ یہ اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر اوپر جنہم کے کنارے کی طرف چڑھنا شروع کر دے گا لیکن جو نبی کنارے پر پہنچ کر ٹکٹنا چاہے گا، اس کا قدم پھسل جائے گا اور نیچے گر پڑے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔“ امانت نماز میں بھی ہے، روزہ میں بھی، وضو میں بھی اور گفتگو میں بھی اور ان سب سے زیادہ گراں امانت وہ چیزیں ہیں جو بطور ودیعت رکھی جائیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کے متعلق حضرت برآء رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو ایسی حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں اور دوسری کے ظہور پذیر ہونے کا منتظر ہوں۔ آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں میں اتار دی گئی، پھر قرآن نازل ہوا۔ لوگوں نے قرآن بھی سیکھا اور سنت بھی۔ پھر آپ ﷺ نے امانت کے اٹھ جانے کے متعلق فرمایا کہ انسان سوئے گا تو اس کے دل سے امانت اٹھ جائے گی اور اس کا اس قدر نشان باقی رہ جائے گا جیسا کہ پاؤں پر انگارہ لڑھکنے کے سبب آبلہ نمودار ہو جاتا ہے لیکن اس کے اندر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پھر آپ نے اپنے پاؤں پر ایک کنکر لڑھکا کر لوگوں کو دکھایا۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے لیکن ایمانہ اور تقریباً کوئی بھی نہ ہوگا یہاں تک کہ مشہور ہو جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امین شخص ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ ایک شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ کس قدر قوی، زریک اور عقلمند ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب میں بلا خوف و خطر خرید و فروخت کیا کرتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میں جس شخص سے معاملہ کر رہا ہوں، اگر وہ مسلمان ہے تو ضرور میرا حق مجھ تک پہنچا دے گا اور اگر وہ یہودی یا نصرانی ہے تو

حکومت مجھے میرا حق دلو اور دے گی لیکن آج کل یہ کیفیت ہے کہ میں تم میں سے صرف فذاں فذاں کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہوں (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چار چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ تمہارے پاس آئی جائیں تو دنیا میں سے جو کچھ بھی تمہارا کھو جائے، کوئی حرج نہیں: امانت کی حفاظت، حج گوئی، حسن خلق اور کسب حلال“ (2)۔ امانت کی قسم اٹھانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کتاب الزہد میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن حکیم حضرت زید بن حدیرہ سے ساتھ جا رہے تھے، یہ تھے کہ دورانِ گفتگو ان کی زبان سے نکل گیا کہ امانت کی قسم۔ یہ سن کر حضرت زیاد زارہ قطار روئے لگے، ابن حکیم کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال گزرا کہ مجھ سے کوئی نفل ظلمی سرزد ہو گئی ہے۔ میں نے گزارش کی کہ کیا آپ اسے مکر وہ سمجھتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے امانت کی قسم اٹھانے سے بری فتنی کے ساتھ منع کیا کرتے تھے (3)۔ ایک حدیث مرفوعہ میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”جس نے امانت کی قسم اٹھائی، وہ ہم سے نہیں“ (4)۔ اگلی آیت میں فرمایا: يُبْعَثُ بِنُورٍ یعنی اولاد آدم کو اس امانت (تکلیف شریعہ) کا اس لئے متحمل بنایا تاکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے متعلق مردوں اور عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے جو اہل ایمان کے سوا سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور اہل کفر کی متابعت میں کفر چھپائے ہوئے ہیں اور اسی طرح ان مشرک مردوں اور عورتوں کو بھی عذاب دے جو پوشیدہ اور اطمینان پر طرح شرک اور پیغمبروں کی مخالفت کا ارتکاب کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان پر نظر رحمت و کرم فرمائے جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لانے کے علاوہ اچھے اعمال بھی بجا لاتے رہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

2۔ منہ احمد جلد 2 صفحہ 177

1۔ صحیح بخاری، کتاب الايمان، جلد 9 صفحہ 68۔ صحیح مسلم، کتاب الايمان، جلد 1 صفحہ 126-127

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الايمان، جلد 3 صفحہ 223

3۔ کتاب الزہد، جلد 1، عبداللہ بن مبارک، 70-71

سورہ سبأ (ملکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهٗ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَالْاُولٰٓئِ
اَلْحٰکِمِیْمِ الْخَبِیْرِ ۝ یَعْلَمُ مَا یَبْجُر فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ
وَمَا یَعْرَجُ فِیْهَا ۗ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝

”سب تعریفیں اللہ کے لئے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور ہر اس چیز کا جو زمین میں ہے اور اسی کے سب ساری تعریفیں میں آخرت میں۔ اور وہی بڑا دانا ہر بات سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے۔ نیز وہ جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا اور جو آسمان کی طرف عروج کرتا ہے۔ اور وہی ہمیشہ رحم فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنی ذات باہرکات کے متعلق فرما رہا ہے کہ دنیا و آخرت میں ہر قسم کی تمام تعریفیں صرف اسی کے لئے ہیں کیونکہ اہل دنیا و آخرت کو نعمتوں سے نوازنے والا بھی وہی ہے اور تمام کا حاکم و مالک بھی وہی ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُولٰٓئِ وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَلَهُ الْحُكْمُ ۗ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (التقصص: 70) ”اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا و آخرت میں ہر تعریف اسی کو نجات دہا ہے اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“ اس لئے یہاں فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت اور اس کے زیر تصرف ہے اور ہر چیز اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اِنْ لَّنَا لَلْاٰخِرَةُ وَالْاُولٰٓئِ (المیل: 13) ”یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔“ پھر فرمایا: وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ۔ یعنی تاجدار الابدی اور معبود اور محمود ہے اور وہ اپنے اقوال، افعال، شرعی احکام اور تقدیر میں حکیم ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح آگاہ ہے، کوئی چیز نہ اس سے مخفی رہ سکتی ہے اور نہ ظالم ہو سکتی ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی مخلوق سے باخبر ہے اور اپنے حکم میں حکیم ہے، اس لئے فرمایا: یَعْلَمُ مَا یَبْجُر یعنی وہ زمین کے اجزائیں برسنے والے بارش کے قطروں، زمین میں پوشیدہ اور اگنے والے دانوں کو بھی جانتا ہے اور جو چیزیں زمین سے نکلتی ہیں، انہیں ان کی تعداد، کیفیت اور صفات سمیت خوب جانتا ہے، نیز اسے آسمان سے اترنے والی بارش، اس کے قطررات کی تعداد اور رزق کا بھی اچھی طرح علم ہے اور آسمان میں عروج کرنے والے اعمال صالحہ و غیرہ پر بھی وہ پوری طرح مطلق ہے، آیت کے آخر میں فرمایا: وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ یعنی وہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے اور وہ نافرمانوں کو جلد سزا نہیں دیتا، نیز وہ ان لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا ہے جو اس کے حضور توبہ کرتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِنَا السَّاعَةُ ۗ قُلْ بَلٰی وَ سَأٰی تَأْتِیْكُمْ عَلِیْمِ الْغَیْبِ ۗ لَا

المناک عذاب ہے۔ مختصر یہ کہ قیامت اس لئے قائم ہوگی تاکہ سعادت مند اہل ایمان کو نعمتوں سے شاد و کام کی جائے اور بد بخت اہل کفر کو عذاب دیا جائے جیسا کہ فرمایا: لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ - أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ أَفْضَلُونَ (الحشر: 20) ”جنتی اور دوزخی یکساں نہیں ہو سکتے۔ جنتی ہی تو کامیاب لوگ ہیں۔“ - أَمْرٌ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالنُّجُومِ يَسُوقُ فِي الرِّمَالِ - أَمْرٌ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص: 28) ”کیا ہم بنادیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان لوگوں کی مانند جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یا ہم پر بیزار گاروں کو فاجروں کی طرح بنا دیں گے۔“ پھر وقوع قیامت کی ایک اور حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيُرْسِي الْأَنْزِيلَ الْأُتُونَا الْعِلْمَ..... یعنی اہل ایمان جب اپنی آنکھوں سے وقوع قیامت اور نیکیوں کو جزا سننے اور بدوں کو سزا ملنے کا مشاہدہ کر لیں گے تو اس وقت انہیں عین الحقیقین حاصل ہو جائے گا اور وہ پکاراٹھیں گے: لَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلٌ مِنْ رَبِّهِمْ بِالْبَيِّنَاتِ (الاعراف: 43) ”بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے۔“ فرمایا: ”هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ اللَّهُ سَلَوْنَا (7) (یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔“ لَقَدْ نَبَّأْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ أَنَّ يَوْمَ الْبُعْثِ وَهَذَا يَوْمُ الْبُعْثِ (الروم: 56) ”تم نوشتہ الہی کے مطابق روز حشر تک ٹھہرے رہے ہو، پس یہ ہے روز حشر۔“ عزیز کا معنی ہے زبردست طاقت والا جسے مغلوب کیا جاسکے اور نہ اس سے کوئی جھگڑا کیا جاسکے بلکہ وہی ہر چیز پر غالب ہے اور اپنے اقوال، افعال، شریعت اور تقضاء و قدر میں سب خوبیوں مراہم ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَهْلَ نَدْلِكُمْ عَلَى رَجُلٍ نَبَّأْتُمْ كُلَّ مَسْرِقٍ إِنَّكُمْ لَبِغِي حَاقِقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفَتُرْسِي عَلَى اللَّهِ كِنِبَا أَمْ بِهِ حِجَّةٌ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝ أَقَلَّمْ يَرَوْنَ إِلَى مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلَقْتُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ إِنْ نَسَأَ كُفُوفُهُمْ إِلَّا مَرَضٌ أَوْ نُسُقُطْ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۝

”اور منکرین (قیامت) کہتے ہیں (اے یارو!) کیا ہم پتہ بتائیں تمہیں اس شخص کا جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ جب تم (مرنے کے بعد) ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو تم از سر نو پیدا کئے جاؤ گے؟ یا تو اس نے (یہ کہہ کر) اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے یا یہ دیوانہ ہے۔ (میرا حسیب نہ مغفرتی ہے نہ دیوانہ) بلکہ وہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ (کل) عذاب میں اور (آج) دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ انہیں آگے اور پیچھے سے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو دھنسا دیں انہیں زمین میں یا گرا دیں ان پر چند ٹکڑے آسمان سے۔ درحقیقت اس میں (کھلی) نشانی ہے ہر اس بندے کے لئے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔“

کفار اور کھدین کا ذکر ہو رہا ہے جو وقوع قیامت کو محال سمجھتے اور اس کے متعلق خبردار کرنے پر رسول اللہ ﷺ کا تمسخر اڑاتے۔ یہ منکرین قیامت ایک دوسرے سے کہتے کہ کیا ہم تمہیں ایسے شخص کا پتہ نہ دیں جو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین میں کھرجاؤ گے تو اس کے بعد تمہیں از سر نو زندہ کیا جائے گا اور رزق بھی دیا جائے گا۔ اس معاملہ میں اس شخص کی بابت دو ہی خیال ہو سکتے ہیں، یا تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے بذریعہ وحی قیامت کے متعلق آگاہ کیا گیا ہے یا پھر بات یہ ہے کہ اس

نے قصداً جھوٹ نہیں بولا بلکہ مجنون کی طرح اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے اور اسے جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے جیسا کہ آیت میں ہے:

أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جُنُونٌ ۗ اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلَىٰ ۗ أَلَمْ يَجْعَلْ لَّا يُولُوعُونَ ۗ۔ یعنی معامداً اس طرح نہیں جیسا کہ ان منکرین قیامت کا خیال ہے بلکہ محمد ﷺ راست گو، پاکباز اور ہدایت یافتہ ہیں اور آپ جو پیغام لائے ہیں وہ عین حق ہے جبکہ یہ منکرین جھوٹے، جاہل اور غمی ہیں۔ یہ ایسے کفر میں سرگرداں ہیں جو انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور یہ دنیا میں گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جو حق سے بالکل بعید ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں زمین و آسمان کی تخلیق میں اپنی قدرت کاملہ پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

أَفَلَمْ يَبْرَأُوا لِيَٰسَاءَ بَشَرًا لِّمَنْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا ۚ وَذُكِّرُوا وَلَمْ يَتُوبُوا ۚ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ هَادٍ ۚ فَذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا لَمَّا وَكُنَّا مُّسْتَعِينًا ۚ وَمَنْ يُّضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ هَادٍ ۚ فَذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا لَمَّا وَكُنَّا مُّسْتَعِينًا ۚ وَمَنْ يُّضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ هَادٍ ۚ فَذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا لَمَّا وَكُنَّا مُّسْتَعِينًا ۚ (الذاریات: 47-48)

”اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اسے وسیع کر دیا اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے بچھانے والے ہیں۔“ قنادہ فرماتے ہیں کہ تم اپنی دائیں جانب دیکھو یا بائیں جانب، سامنے دیکھو یا پیچھے، ہر طرف تمہیں زمین و آسمان دکھائی دیں گے۔ پھر فرمایا: إِنَّ بَشَرًا لَّخَفِيفٌ ۚ یعنی اگر ہم چاہیں تو اپنی قدرت سے انہیں ان کے ظلم کے سبب زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے کچھ ٹکڑے گرا کر نیست و نابود کر دیں لیکن ہم اپنے علم اور عنون کی وجہ سے انہیں مہلت دیتے ہیں۔ قنادہ کے بقول ”غیب“ کا معنی ہے نایب۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا بھی مقبول ہے یعنی زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرنے میں ہر اس زیرک اور عقلمند بندے کے لئے اعادہ اجساد اور وقوع قیامت پر قدرت الہی کی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے کیونکہ جو ذات آسمانوں کو ان کی بندگی اور وسعت کے ساتھ اور زمینوں کو پستی اور اس قدر طول و عرض کے ساتھ پیدا کرنے پر قادر ہے، اسے اعادہ اجسام اور بوسیدہ ہڈیوں کو از سر نو پیدا کرنے پر بھی پوری پوری قدرت حاصل ہے جیسا کہ فرمایا: أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ خَلْقًا عَلٰی اَنَّ يُّخَلِّقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰی (البیِّن: 81) ”کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، قادر نہیں کہ ان جیسی مخلوق پیدا کر سکے۔ بلاشبہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔“ نَخْلُقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَكْثَرَ مِمَّنْ خَلَقْنَا وَلٰكِن اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (المومن: 57) ”بے شک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوُدَ مِمَّا فُضِّلَ لَہٗ لِيَّجِبَالَ اَوْوٰی صَعۡہٗ وَالظَّلِيۡرَ ۗ وَاٰتَيْنَاہُ الْحَصِيۡدَ ۗ اِنَّ اِنۡ عَمَلٌ

سَلِيۡطٌ وَقَدِ مَرٰ فِی السُّرِّ دَوَّاعِمٰلُ وَاَصَالِحًا ۗ اِنِّیۡ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيۡرٌ ﴿۱۱﴾

”بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت بخشی۔ (ہم نے حکم دیا) اسے پہاڑوں اور تنبیح کیوں کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا نیز ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا (اور حکم دیا) کہ کشادہ زہریں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں ہاندازے کا خیال رکھو اور (اسے آل داؤد) نیک کام کیا کرو۔ بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو میں انہیں خوب دیکھ رہا ہوں۔“

اس فضل و کرم کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے علاوہ عظیم بادشاہت اور کثیر لاد لشکر سے بھی سرفراز کیا، مزید برآں آپ کو حسن صوت بھی ارزانی فرمائی۔ جب آپ اپنی دلکش اور شیریں آواز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تو بلند و بالا گانوں پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مصروف ہو جاتے اور نفضا میں پرکشش پرندے اپنی پرواز روک کر غمگین ہوتے اور آپ کے ساتھ مل کر اپنی اپنی بولیوں میں اپنے رب کی حمد و ثناء کے گیت گاتے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوسوی

اشعری رضی اللہ عنہرات کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر رسول اللہ ﷺ ٹھہر گئے اور کافی دیر سنتے رہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی میں سے حصہ ملا ہے (1)۔ ابو عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سے زیادہ پیاری اور شیریں آواز آتات موسیقی کی بھی نہیں سنی۔ حضرات ابن عباس اور مجاہد وغیرہ کے بقول ”اویبی“ کا معنی ہے ”سَبَّحِي“ یعنی تسبیح بیان کرہ۔ ابومیسرہ کا خیال ہے کہ حشی زبان میں اوبلی کا معنی ہے تسبیح بیان کرہ لیکن یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ لغت عرب میں تادیب ترجیح کے معنی میں ہے۔ چنانچہ پہاڑوں اور پرندوں کو حکم ہوا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اپنی آوازیں ملا لیا کریں۔ زجاجی اپنی کتاب ”الجمال“ میں لیکھا: ”اَوْ بِنِ مَعَدَا كَا يَه مَعْنَى بِيَان كَرْتَهٗ يَهْنَ كَمَا هٗ پَهَاژ وَاوْدَان بَحْر حَضْرَت دَاوُدْ كَه سَا تَه پَلْتَهٗ رَهَا كَرُوْ“ تادیب“ کا معنی ہے پورا دن چلنا۔ اس کے مقابلہ میں ”سُورِي“ کا لفظ ہے جس کا معنی ہے رات کو چلنا (2) لیکن اس لفظ کی یہ تشریح بہت عجیب و غریب ہے کسی اور نے یہ معنی بیان نہیں کیا۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے اس معنی کا بھی احتمال ہے لیکن یہاں آیت کریمہ میں یہ معنی مراد لینا حقیقت سے بہت دور ہے۔ صحیح معنی وہی ہے جو پہلے بیان ہوا یعنی تسبیح کرتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کا ساتھ دو۔ اس کے بعد ایک اور انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”وَ اَلْكَالَةَ الْعَدُوِيْنَ“۔ حضرات صن بصری، قتادہ، اعمش وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ کو لوہا بھی میں ڈالنے یا ہتھوڑے کے ساتھ کونٹے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی بلکہ آپ اپنے ہاتھ سے لوہے کو دھاگی کی طرح آسانی کے ساتھ موڑ لیتے، اس لئے فرمایا: ”اَنْ اَسْتَلَّ سَهْلًا لِّعْنِي كَشَاوَهٗ زَرَّهٗنِ بِنَاوُ“۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زہ ساری آپ کا ایجاد کردہ فن ہے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر روز ایک زہ تیار کرتے اور اسے چھ ہزار درہم کے عوض فروخت کر دیتے۔ دو ہزار درہم آپ اپنے اور اپنے گھر والوں کے اخراجات کے لئے رکھ لیتے اور باقی چار ہزار بنی اسرائیل کو کھانا کھلانے میں خرچ کر دیتے۔ فن زہ سازی کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: ”وَقَدْ نَزَّلْنَا النَّوْحَ لِعْنِي زَرَّهٗنِ كَهٗ حَلْقَهٗ نَحْكَ اَوْرَجَّوْ لَهٗ نَهٗ بِنَا كَيْمِ وَرَنَهٗنِ پَسْنَهٗنِ دَا لَهٗ كَهٗ لَهٗنِ تَكْلِيْفِ كَا بَا عَثْ هٗوْنِ كِي اَوْرَنَهٗنِ بَهٗتْ بُوْءَ بُوْءَ حَلْقَهٗ بِنَا كَيْمِ وَرَنَهٗنِ كَهٗ لُوْثَهٗنِ كَا اَنْدَرِشَهٗنِ هٗ بَلْكَهٗدَرَّ اَوْرَجَّوْ اَنْدَا زَهٗ كَهٗ مَطَابِقِ كُرَّيَا وَر حَلْقَهٗنِ هٗوْنِ چَانَسِ (3)۔ حضرت دہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہمیں بدل کر نکلے اور لوگوں سے دریافت کرتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے۔ آپ جس سے بھی پوچھتے وہ آپ کی عبادت، سیرت اور عدل کے متعلق بہت تعریف و توصیف کرتا۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ انسانی صورت میں بھیجا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کی اس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حسب معمول اس سے بھی وہی سوال کیا جو آپ دوسرے لوگوں سے کیا کرتے تھے۔ فرشتے نے جواب دیا کہ داؤد علیہ السلام اپنی ذات کے لئے اور اپنی امت کے لئے سب سے اچھے آدمی ہیں لیکن ان میں ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو وہ کامل ہوتے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کیا ہے؟ فرشتے نے جواب دیا کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے خود بھی کھاتے ہیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی کھاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت داؤد علیہ السلام عجز و نیاز سے بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! مجھ کوئی ایسا کام سکھا دے جس سے میری اور میرے اہل و عیال کی گزراوقات ہوتی رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے لوہا نرم کروایا اور زہ سازی کا فن سکھا دیا۔ زہ بنانا آپ ہی کی ایجاد ہے۔ آپ جو زہ بناتے، اسے فروخت کر دیتے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کا ایک تہائی صدقہ کر دیتے، ایک تہائی کے عوض اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروری اشیاء خرید لیتے اور ایک تہائی اپنے پاس رکھ لیتے تاکہ اگلی زہ بنانے تک اس کا صدقہ کرتے رہیں۔ اللہ

1- صحیح بخاری، جلد 9، صفحہ 241، صحیح مسلم، کتاب ملاحۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 546 2- النحل فی النحو از زجاجی، 152-153 3- تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 68

تعالیٰ نے جس حسن صوت سے آپ کو نوازا تھا، وہ کسی اور کو سونپ نہیں ہوئی۔ جب آپ زبور کی تلاوت کرتے تو وحشی جانور آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور ان پر بھی وجد کی کیفیت جاری ہو جاتی۔ شیاطین نے آپ کی آواز کی مختلف اصناف کے مطابق مختلف آلات موسیقی وضع کئے ہیں۔ آپ کو خوش الحانی کی سزا ساقم عطا ہوئیں تھیں۔ آل داؤد کو ان نعمتوں کا شکر بجالانے کی تلقین کرتے ہوئے اعمالِ صالحہ کی بجا آوری کی تاکید کی اور فرمایا: **وَإِعْمَلُوا صَالِحًا** یعنی نیک اعمال کرو۔ کیونکہ میں تمہارے اعمال و اقوال کو خوب دیکھنے والا ہوں اور تمہاری کوئی چیز مجھ پر مخفی نہیں۔

وَالسَّيِّئِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَحْبَبَتَهُمُ وَالسَّالِفِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَسْلَمْنَا لَهُ عَيْنَ الْقَاصِرِ ط وَهِيَ الْجَنَّةُ مَنْ
يَعْلَمُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِأَذْنِ رَبِّهِ ط وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا لَأَخَذْنَاهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ①
يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَتَسَائِيلٍ وَجَفَّانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ أَمْثَلِ ط
إِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَ قَلِيلًا مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ②

”اور ہم نے مسخر کر دی سلیمان کے لئے ہوا۔ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی۔ اور ہم نے جاری کر دیا ان کے لئے پچھلے ہوئے تانبے کا چشمہ اور کئی جن (ان کے تابع کر دیے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے۔ اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے علم (کی تعمیل) تو ہم اسے پکھاتے بھرتی ہوئی آگ کا عذاب۔ وہ بناتے آپ کے لئے جو آپ چاہتے پختہ نماز تیں، مجھے، بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں اور بھاری دیکھیں جو چولہوں پر جمی رہتیں۔ اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو۔ اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔“

جن انعامات سے حضرت داؤد علیہ السلام کو نوازا گیا تھا، ان کا ذکر کرنے کے بعد اب نعمتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو رزانی فرمائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا، ہوا آپ کے تحت کواپنے دوش پر اٹھاتی، اور مہینہ بھر کی مسافت ایک صبح میں ہی طے ہو جاتی اور اسی قدر سفر شام کو طے ہو جاتا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھ کر صبح کے وقت دمشق سے روانہ ہوتے اور تھوڑی دیر کے بعد اصطرخ کھانچ کر کھانا کھاتے، اسی طرح شام کو اصطرخ سے روانہ ہوتے اور رات ہوتے ہوتے کا بل پہنچ جاتے۔ دمشق اور اصطرخ کے درمیان ایک تیز رفتار سوار کے لئے پورے مہینے کا سفر ہے اور اسی طرح پوری سرعت کے ساتھ سفر کیا جائے تو اصطرخ اور کابل کے درمیان بھی مہینہ بھر کی مسافت ہے۔ فرمایا: **وَإِسْلَامًا لِّعَيْنِ الْقَاصِرِ** حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، عطاء وغیرہ کا کہنا ہے کہ ”قصر“ سے مراد تانبا ہے۔ قنادہ کہتے ہیں کہ پچھلے ہوئے تانبے کا یہ چشمہ یمن میں تھا۔ لوگ اسی تانبے کو کام میں لا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے نکالا تھا۔ سدی کہتے ہیں کہ تین دن تک تانبے کا یہ چشمہ آپ کے لئے بہتا رہا (1)۔ اس کے بعد فرمایا: **وَمِنَ الْجَنَّةِ مَنْ يَعْمَلُ...** یعنی ہم نے جنات کو آپ کا تابع فرمان بنا دیا جو آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام میں جتے رہتے اور آپ کی حسب خواہش عمارات بنانے اور دیگر امور

بجالاتے میں مشغول رہے۔ ان میں سے جو جن آپ کے حکم سے سر تابی کرتا، اسے آگ میں جلادیا جاتا۔ ابن ابی حاتم نے اس مقام پر حضرت ابو ثعلبہ کشتی رضی اللہ عنہ سے ایک غریب حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنات کی تین اقسام ہیں: ایک قسم کے وہ جنات ہیں جن کے پر ہیں اور وہ ہوائیں اڑتے ہیں، دوسری قسم سانپ اور کتے اور تیسری قسم کے وہ جنات ہیں جو سفر و حضر میں رہتے ہیں۔“ ابن نعم کہتے ہیں کہ جنات کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم کے لئے تو ثواب و عقاب ہے، ایک قسم وہ ہے جو زمین و آسمان کے درمیان اڑتے ہیں اور ایک قسم سانپ اور کتے ہیں۔ انسان بھی تین قسم کے ہیں: ایک وہ جنہیں قیامت کے دن عرش الہی تلے سایہ نصیب ہوگا، ایک قسم جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر اور ایک قسم وہ جن کی شکلیں تو انسانوں جیسی ہیں لیکن دل شیطانوں کے سے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنات المہمس کی اولاد ہیں اور انسان آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے، دونوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، ثواب و عقاب میں دونوں شریک ہیں اور دونوں میں سے مومن اللہ کا دوست ہے اور کافر شیطان ہے۔ فرمایا: یَعْمَلُونَ لِنَا مَا یَشَاءُ۔ خوبصورت عمارت اور رہائش گاہوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور بہترین مقامات کو ”محاریب“ کہا جاتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ محلات سے کتر عمارتوں کو محاریب کہتے ہیں، بقول شحاک اس کا معنی مسجدیں ہیں، قتادہ کے بقول یہ محلات اور مساجد کے معنی میں ہے اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے رہائش گاہیں۔ عطیہ عوفی شحاک اور سدی کہتے ہیں کہ ”تماشیل“ کا معنی ہے تصویریں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ تانبے کی بنائی جاتی تھیں، قتادہ کہتے ہیں کہ یہ معنی اور ششے کی تھیں۔ ”جواب“ جابیہ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ حوض ہے جس میں پانی آتا رہتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد زمین میں بہت بڑا گڑھا ہے اور آپ سے اس کا معنی حوض بھی منقول ہے۔ ”قدور رسیات“ سے مراد وہ بڑی بڑی دگیں ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر بند دی جاتی تھیں اور بھاری بھری کھرج ہونے کے سبب انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بہت دشوار تھا۔ فرمایا: زَعَمَلُوا الْآلِ دَاوُدَ شُكْرًا یعنی آل داؤد ادا دین و دنیا میں ہماری عطا کردہ نعمتوں پر شکر بجلاؤ۔ اس صورت میں ”شکر آ“ مذکورہ فعل کے مصدر کا مترادف ہے یعنی نائب عن مفعول مطلق ہوگا۔ دوسری صورت میں یہ مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ شکر جس طرح قول اور نیت سے ہوتا ہے، اسی طرح فعل سے بھی ہوتا ہے۔ حضرت عبدالرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز بھی شکر ہے، روزہ بھی شکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جانے والا ہر عمل خیر شکر ہے اور سب سے افضل شکر حمد ہے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ تقویٰ اور عمل صالح لشکر ہے۔ آل داؤد علیہ السلام تو ان اور نعلنا دونوں طرح سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتی تھی۔ حضرت ثابت البنانی فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اہل و عیال، اولاد اور عورتوں پر اس طرح اوقات کی تقسیم کر رکھی تھی کہ بروقت کوئی نہ کوئی فرد نماز میں مشغول ہوتا، اس طرح انہوں نے اس حکم کا حق ادا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نماز داؤد علیہ السلام کی نماز تھی، آپ نصف شب سوتے، ایک تنہا کی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سوتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن بغیر روزہ کے اور دشمن کے ساتھ مقد بند میں فرار نہ ہوتے“ (1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت سلیمان بن داؤد علیہا السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ سے فرمایا: بیٹے ارات کو زیادہ نہ سویا کرو کیونکہ رات کو زیادہ سونا آدمی کو قیامت کے دن فقیر بنا دیتا ہے“ (2)۔ اس مقام پر ابن ابی حاتم میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ایک طویل اور غریب اثر مروی ہے۔

2- سنن ابن ماجہ، کتاب القیمۃ، جلد 1 صفحہ 422

1- صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 195، صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 816

ابن ابی حاتم میں ہی حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میں کیسے تیرا شکر ادا کروں جبکہ شکر بذات خود تیری ایک نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اب تم نے میرا شکر ادا کیا جب تم نے یہ اعتراف کیا کہ تمام نعمتیں میری طرف سے ہیں۔ پھر حقیقت حال اور امر واقع کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَقِيلَ لَهُنَّ عِبَادِي الشُّكْرُ۔“

فَلَمَّا قَصَّيْنَا عَلَيْكَ الْمَوْتَ مَا دَلَّكُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا

خَذَرْتَبَيَّنْتَ الْجِحْنَ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْعَيْبَ مَا لِيُثْوَانِي الْعَذَابَ الْبُهَيْنِ ﴿٦﴾

”پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نازل کر دیا نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا، مگر زمین کے دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو۔ پس جب آپ زمین پر آ رہے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کی کیفیت بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کیا جا رہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کو ان جنات پر مخفی رکھا جو آپ علیہ السلام کے حکم سے بڑے کٹھن اور مشقت طلب کام انجام دینے کے پابند تھے۔ آپ علیہ السلام انتقال کے بعد بھی تقریباً ایک سال تک اپنے عصا پر ٹیک لگائے کھڑے رہے، اور جنات آپ کو زندہ خیال کرتے ہوئے محنت طلب کاموں میں مشغول رہے۔ جب دیمک نے آپ کے عصا کو چاٹ کر کھوکھلا کر دیا تو وہ آپ کا بوجھ نہ سہار سکا اور آپ زمین پر آ رہے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ آپ تو طویل عرصہ سے وفات پا چکے ہیں اور اب جنوں اور انسانوں پر یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ جنات کو غیب کا علم نہیں جیسا کہ وہ لاف زنی کرتے ہوئے لوگوں کو اس کا یقین دلایا کرتے تھے۔ اس بارے میں ایک مرفوع غریب حدیث مروی ہے لیکن اس کی صحت مشکوک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو آپ اپنے سامنے ایک درخت پاتے۔ اس سے پوچھتے کہ تمہارا نام کیا ہے؟ وہ کہتا کہ فلاں۔ آپ اس سے دریافت کرتے کہ تو کس مقصد کے لئے ہے؟ وہ مقصد بتا دیتا تو آپ اسے اسی مقصد کے لئے استعمال کرتے۔ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک درخت آپ کو دکھائی دیا۔ اس سے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: خروب۔ فرمایا: تمہارا مقصد کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس گھر کی ویرانی۔ اس وقت آپ نے عرض کی: اے اللہ! میری موت کو جنات پر مخفی رکھنا تاکہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنات غیب نہیں جانتے۔ آپ نے اس درخت سے عصا بنوایا اور اس پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اسی اثناء میں موت آ گئی اور آپ ایک سال تک عصا کے سہارے کھڑے رہے اور جنات آپ کو زندہ سمجھ کر کام میں جتے رہے۔ جب دیمک نے آپ کے عصا کو چاٹ کر کھوکھلا کر دیا تو آپ زمین پر آ رہے۔ اب انسانوں پر واضح ہو گیا کہ اگر جنات کا علم ہوتا تو وہ ایک سال تک اس رسوا کن عذاب میں نہ رہتے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ”مَا نِفُوا“ کے بعد ”حَوْلًا“ کا لفظ بھی ہے۔ جنات نے دیمک کا شکر یہ ادا کیا اور وہ اسے پانی لا کر دیا کرتے تھے (1)۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ موقوف ہے۔ اس کے راوی عطاء بن ابی مسلم خراسانی کی بعض حدیثوں میں نکارت پائی جاتی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ معمول تھا کہ آپ سال سال، دو دو سال، مہینہ مہینہ، دو دو مہینے یا اس سے کم و بیش مدت کے لئے بیت المقدس میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور خورد و نوش کا سامان بھی ساتھ

رکھ لیتے۔ وفات کے وقت بھی آپ بیت المقدس میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہاں ہر صبح آپ کے سامنے ایک درخت نمودار ہو جاتا۔ آپ اس درخت کے پاس آتے اور اس سے پوچھتے کہ تمہارا نام کیا ہے تو وہ بتا دیتا کہ میرا نام فلاں ہے۔ پھر آپ اس سے اس کا فائدہ پوچھتے تو وہ بتا دیتا، چنانچہ آپ اسی مقصد کے لئے اسے بروئے کار لاتے۔ ایک دفعہ ایک درخت آپ کے سامنے ظاہر ہوا۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میرا نام خرو بہ ہے، پھر آپ نے دریافت کیا کہ تمہیں کس مقصد کے لئے آگایا گیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس مسجد کو اجازت دینے کے لئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے زندہ ہوتے ہوئے تو مسجد ویران نہیں ہوگی، البتہ میری موت اور بیت المقدس کی ویرانی تیرے سبب سے ہوگی، چنانچہ آپ نے اسے وہاں سے اکھیر کر اپنے باغ میں لگا دیا۔ پھر آپ محراب میں داخل ہوئے اور اپنے عصا پر ٹیک لگائے نماز میں مصروف ہو گئے، اسی اثنا میں آپ وفات پا گئے اور شیاطین کو اس کا علم تک نہ ہوا۔ وہ حسب معمول آپ کے خوف سے کام میں جتے رہے اور آپ کو زندہ خیال کرتے ہوئے انہیں دھڑکا لگا رہتا کہ اگر کام میں سستی کی تو وہ انہیں سخت سزا دیں گے۔ شیاطین محراب کے ارد گرد جمع ہوئے۔ محراب کے آگے پیچھے روزن تھے۔ ان میں سے ایک نڈر شیطان کہنے لگا کہ اگر میں اس طرف کے سوراخ میں سے داخل ہو کر ادھر کے سوراخ سے نکل جاؤں تو کیا تم میری موت اور جسارت تسلیم کرو گے؟ چنانچہ وہ اندر داخل ہوا اور صحیح سلامت باہر نکل آیا حالانکہ جو شیطان بھی محراب میں آپ کو نظر بھر کر دیکھتا، جل کر راکھ ہو جاتا، وہ وہاں سے گزرتا تو اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی آواز نہ آئی، پھر وہاں سے گزرا لیکن اب بھی آپ کی آواز سے سنائی نہ دی۔ اب اس کی ہمت اور بڑھی تو وہ مسجد میں داخل ہو گیا لیکن وہاں جانے کے باوجود نہ جلا۔ اب اس نے نگاہ بھر کر آپ کو دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ تو وفات پا چکے ہیں اور زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے فوراً لوگوں کو آپ کے انتقال کی خبر دی۔ لوگوں نے محراب کو کھولا اور آپ کے جسد اقدس کو باہر نکال لائے۔ آپ کے عصا کو دیکھ چاٹ چکی تھی۔ یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ آپ کو وفات پانے کتنا عرصہ ہو چکا ہے، انہوں نے وہی عصا دیکھ کے آگے ڈال دیا۔ ایک دن اور رات میں جس قدر دیکھنے سے کھایا، اس سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ آپ کو وصال فرمائے ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ آپ کی وفات کے ایک سال بعد تک بھی جنات آپ کی چاکری کرتے رہے۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ جنات غیب دانی کے دعویٰ میں جھوٹے تھے۔ اگر انہیں غیب پر آگاہی ہوتی تو انہیں ضرور حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہو جاتا اور وہ سال بھر اس قدر مشقت نہ اٹھاتے۔ پھر شیاطین نے دیکھ سے کہا کہ اگر تم کھانا کھاؤ تو ہم تمہارے لئے بہترین کھانا فراہم کرتے اور اگر تم کوئی شروب پیتیں تو ہم تمہارے لئے بہترین شروب مہیا کر دیتے۔ ہم تمہیں پانی اور مٹی لا دیا کریں گے۔ چنانچہ شیاطین یہ چیزیں دیکھ کر فراموش کرتے رہتے ہیں۔ کنزی کے اندر مٹی وہی ہے جو شیاطین بطور شکر یہ اسے فراہم کرتے ہیں (1)۔ یہ اثر علماء اہل کتاب سے ماخوذ ہے۔ ایسی روایات میں سے صرف انہی باتوں کی تصدیق کی جاسکتی ہے جو حق کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں اور جو باتیں حق کے مخالف ہیں، انہیں جھٹلایا جائے گا اور باقی کی نہ تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب۔ عبدالرحمن بن زید بن اسم اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ میری موت سے کچھ پہنچے مجھے اس کے بارے میں خبر کر دینا۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ملک الموت نے آپ کو آگاہ کر دیا کہ آپ کی وفات میں تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ چنانچہ آپ نے شیاطین کو بلا دیا اور انہوں نے آپ کے حکم سے شیشے کا ایک ٹکڑا تھمیر کر دیا جس کا دروازہ نہ تھا۔ آپ اس میں اپنے عصا پر ٹیک لگائے نماز پڑھنے لگے۔ اسی حالت میں ملک الموت نے آپ

کی روح قبض کر لی۔ آپ نے موت کے ڈر سے ایسا نہیں کیا تھا۔ جنات آپ کے سامنے کام کرتے رہے۔ وہ آپ کو دیکھ کر یہی سمجھتے کہ آپ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دیمک بھیج دیا جو آپ کے عصا کو چاٹنے لگی، جب آپ کا عصا اندر سے کھوکھلا ہو گیا تو وہ آپ کا وزن نہ سہار سکا، چنانچہ آپ زمین پر آ رہے۔ یہ دیکھ کر جنات کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ ایک سال تک دیمک عصا کو کھاتی رہی (1)۔ اور بھی متعدد دمنف سے یہ مروی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْئَلِهِمْ آيَةً ۖ جَاءتْنِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۗ كَلَّمُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّهِمْ وَ
اشْكُرُوا لَهُ ۗ بَلَدًا طَيِّبَةً وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿٥٠﴾ فَأَعْرَضُوا فَأَنْسَيْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِيرِ ۗ
بَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ أُكُلٍ خَشْبٍ وَأَثَرٍ ۚ وَشَيْءٍ مِّنْ بَدَلٍ قَلِيلٍ ﴿٥١﴾ ذُلِكَ
جَزَاءُ لَهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۗ وَهَلْ نُجْزِي إِلَّا الْكَافِرِينَ ﴿٥٢﴾

”قوم سبا کے لئے ان کے مسکن میں ہی نشانی موجود تھی۔ (وہاں) دو بارغ تھے ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور اس کا شکر ادا کرو۔ اتنا پاکیزہ شہر اور ایسا رب غفور! (اہل سبا! تمہاری خوش بختی کا کیا کہنا) پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا اور ہم نے بدل دیا ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے جن کے پھل ترش اور کڑوے تھے۔ اور ان میں جھاؤ کے بوٹے اور بیری کے درخت تھے۔ یہ بدلہ دیا ہم نے انہیں بوجہ ان کی احسان فراموشی کے اور بجز احسان فراموشی کے ہم کے ایسی سزا دیتے ہیں۔“

قوم سبا میں آباد تھی، یہی یمن کے بادشاہ تھے، تبع بھی انہی میں سے تھے اور مکہ بقیس بھی انہی میں سے تھی۔ انہیں اپنے ملک میں ہر طرح کی نعمت اور خوشحالی حاصل تھی، دولت کی فراوانی تھی، غلوں اور بیٹوں کی بہتات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے، انہوں نے انہیں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ، اس کی وحدانیت کا اقرار کرو اور عبادت کے ذریعے اس کا شکر جا لاؤ۔ کچھ عرصہ تو وہ عنایات، ربانی پر شکر بجالاتے رہے لیکن پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کی تو ان پر تند و تیز سیلاب بھیج کر انہیں سزا دی گئی۔ یہ تباہی اور بربادی کا شکار ہوئے اور زندہ بچ جانے والے مختلف علاقوں میں بکھر گئے۔ اس کی تفصیلات ان شاء اللہ عنقریب بیان ہوں گی۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سبائے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ کسی مرد کا نام ہے یا عورت کا یا جگہ کا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ ایک مرد کا نام ہے، جس کے دس بیٹے تھے، ان میں سے چھ یمن میں سکونت پذیر ہوئے اور چار شام میں آباد ہو گئے۔ یمن میں آباد ہونے والے یہ تھے: مذحج، کندہ، ازو، اشعری، انمار اور حیر، شام میں بسنے والے یہ تھے: لجم، جذام، عاملہ اور غسان“ (2)۔ حضرت فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنی قوم میں سے اسلام کے ماننے والوں کو سزا تھ لے کر اپنی قوم کے ان افراد کے خلاف جنگ کروں جو اسے نہیں مانتے؟ فرمایا: ہاں، اپنی قوم کے ماننے والوں کے ساتھ نہ ماننے والوں کے خلاف جنگ کرو۔“ جب میں واپس جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا: ”ان کے خلاف اس وقت تک جہاد نہ کریں جب تک انہیں اسلام کی دعوت نہ دے لیں۔“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! سبائے متعلق فرمائیے، کیا یہ کسی وادی کا نام ہے یا پہاڑ کا یا یہ کیا ہے؟

فرمایا: ”تمہیں، بلکہ یہ عربوں کے ایک آدمی کا نام ہے، جس کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے۔ چھ بیٹن میں آباد ہو گئے اور چار شام میں، ازوہ، اشعری، حمیر، کندہ، مدحج اور انمار یمن میں چلے گئے۔ قبیلہ انمار دینی ہے جس میں بجیلہ اور نغم ہیں۔ نغم، جذام، عاملہ اور غسان شام میں فردکش ہو گئے“ (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت فروہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ اقوام سب کوزمانہ جاہلیت میں بہت عزت حاصل تھی، مجھے خدشہ ہے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو جائیں گے، کیا میں ان کے ساتھ جنگ کروں؟ فرمایا: ”مجھے ابھی تک ان کے بارے میں کوئی حکم نہیں ملا“۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! سب کیا ہے؟ باقی وہی حدیث ہے جو شروع میں گزر چکی ہے۔ اس روایت میں غرابت ہے کیونکہ اس میں اس آیت کا نزول مدینہ میں مذکور ہے حالانکہ یہ ساری سورت مکی ہے۔ حضرت فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے سب کے متعلق بتائیے، کیا یہ جگہ کا نام ہے یا عورت کا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہ یہ کسی جگہ کا نام ہے اور نہ کسی عورت کا، بلکہ یہ ایک مرد کا نام ہے جس کے دس بیٹے تھے۔ چھ یمن میں اور چار شام میں سکونت پذیر ہو گئے، شامی یہ تھے: نغم، جذام، عاملہ اور غسان، یعنی یہ تھے: کندہ، اشعری، ازوہ، مدحج، حمیر اور انمار“ اس آدمی نے دریافت کیا کہ انمار کون ہیں؟ فرمایا: ”وہی جن میں سے نغم اور بجیلہ ہیں“ (2)۔ محمد بن اسحاق اور دیگر علمائے نسب کا کہنا ہے کہ سب کا نام عبد شمس تھا اور اس کا نسب نامہ یہ بیان کیا ہے: عبد شمس بن یثرب بن یثرب بن قحطان (3)۔ یہ عربوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے جنگ میں قیدی بنانے کا رواج والا، اس لئے اس کا لقب سب پڑ گیا اور یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے فوجیوں میں مال غنیمت کی تقسیم کا آغاز کیا، اس لئے اسے ”رأس“ بھی کہا جاتا تھا۔ عرب مال کو ریش اور ریش کہتے ہیں۔ مذکور ہے کہ اس بادشاہ نے کافی عرصہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دے دی تھی اور اس بارے میں اس نے کچھ اشعار بھی کہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے: ہزارے بعد ایک ایسا نبی ملک کا مالک ہوگا جو حرام کے ارتکاب کی اجازت نہیں دے گا، آپ کے بعد آپ کی قوم میں سے کچھ خلفاء ہوں گے جو آپ کی اطاعت میں خون کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے، پھر ہم میں سے بادشاہ ہوں گے جو باری باری مستحق اقتدار پر ارجحان ہوں گے۔ قحطان کے بعد ساری مخلوق کے سردار مثنیٰ بنی مالک بنیں گے جن کا نام نامی احمد ہوگا۔ کاش! آپ کی بعثت تک میں زندہ رہتا تاکہ ہر ممکن طریقے سے آپ کی مدد کرتا اور ہر خدمت بجالاتا۔ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کا معاون بن جانا اور جس شخص کی آپ ﷺ سے ملاقات ہو وہ آپ کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دے (4)۔ ہمدانی نے اپنی کتاب ”الذکلیل“ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ قحطان کے بارے میں تین اقوال ہیں: (1) یہ ارم بن سام بن نوح کی نسل سے ہے۔ (2) یہ عابر یعنی ہود علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ (3) یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ یہ تمام تفصیلات حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”الانباہ علی ذکر اصول القبائل الرواہ“ میں ذکر کی ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان کہ سب عرب کا ایک شخص تھا، اس سے مراد وہ خالص عرب ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے سام بن نوح کی نسل سے ہوئے۔ تیسرا قول مشہور نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، لیکن صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ اسلم کے کچھ لوگوں کے پاس سے سزرے جو تیر اندازی کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”اے اولاد اسماعیل! تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارے باپ بھی تیر انداز تھے“ (5)۔ اسلم انصار کا ایک قبیلہ ہے

3- سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 10

2- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 76-77

1- منہ احمد، جلد 1 صفحہ 316

5- صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4 صفحہ 219

4- البدایہ والنہایہ، جلد 2 صفحہ 147

امن کا دور دورہ تھا، جا بجا پر رونق اور قریب قریب بستیاں آباد تھیں، درختوں کی بہتات تھی، مرہر و شاداب کھیت اور پھنوں سے بھر پور باغات و گوت نظر آ رہے تھے۔ مسافروں کو اپنے پاس زاد راہ اور پانی رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی تھی بلکہ جہاں کہیں وہ ٹھہرتے، وہاں انہیں پانی اور پھل بھی مل جاتا اور دو پہر کو قیلولہ کرنے اور شب ہاشمی کرنے کے لئے بھی کسی ہستی میں جگہ مل جاتی، غرضیکہ دوران سفر بھی انہیں ضرورت کی ہر چیز میسر تھی، اس لئے فرمایا: **وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ**، وہ بے امنیہ کہتے ہیں کہ ”القری“ سے مراد صنعاء کی بستیاں ہیں۔ حضرات مجاہد، حسن، سعید بن جبیر، زید بن اسلم، قتادہ، ضحاک، سدی اور ابن زید کے بقول اس سے مراد شام کی بستیاں ہیں یعنی یمن سے شام تک سفر کرتے ہوئے وہ سر راہ لگا تار بستیاں پاتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بیت المقدس ہے۔ ایک اور روایت میں آپ سے منقول ہے کہ اس سے مراد مدینہ اور شام کے درمیان واقع بستیاں ہیں (1)۔ ظاہرہ کا معنی ہے واضح اور معروف جنہیں مسافر اچھی طرح جانتے تھے۔ کسی میں وہ قیلولہ کرتے اور کسی میں رات بسر کرتے، اس لئے فرمایا: **وَقَدَّرْنَا لَهَا فِيهَا السُّبُورُ** یعنی ہم نے مسافروں کی ضرورت کے مطابق ان میں سفر کی منزل میں مقرر کر دیں جہاں انہیں امن حاصل تھا خواہ وہ دن کو سفر کرتے یا رات کو۔ لیکن کچھ مدت کے بعد وہ اس آرام دہ زندگی سے اکتا گئے اور دعا کرنے لگے: **زَيْبًا بَعِيدًا**۔ بایں کی دوسری قرأت **بَعِيدًا** ہے۔ دوسری اختیار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافرتوں کو طویل کر دے، ایک پڑاؤ دوسرے پڑاؤ سے کافی دور ہو، ان کے درمیان وسیع و عریض سنسان صحراء اور غیر آبادیرانے ہوں جنہیں عبور کرنے کے لئے انہیں زاد راہ اور سواریوں کی ضرورت پڑے، پھچلائی دھوپ جلائے اور خطرات کا سامنا کرنا پڑے، سفر کا مزہ تو توبہ ہے، اسی طرح بنی اسرائیل نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں، بیاز اور ترکاری وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا حالانکہ انہیں پر آسائش زندگی حاصل تھی جس میں انہیں من و سلویٰ کے علاوہ خورد و نوش کی من پسند اشیاء اور لباس فاخرہ میسر تھا، اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: **أَتَشْكِبُونَ الَّذِي هُوَ آذَنٌ**۔ **وَبِأَعْيُنِنَا** یعنی اللہ (البقرہ: 61) اور مقامات پر فرمایا: **وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِكَ بَنِي إِدْرِيْسَ وَمِثْلَهُنَّ أَهْلًا** (قصص: 58) ”اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیئے جب وہ اپنی خوشحالی پر فخر کرنے لگے۔“ **وَهَضَرَ ابْنَهُ مَثَلًا قَدِيمًا كَالثَّوْبَةِ الْمَقْمُومَةِ**۔ **فَأَذَاتَهَا** اللہ بیاس الجوزیہ وَالْمَخُوفِ بِمَا كَانُوا يَصْعُقُونَ (الطہ: 112) ”اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ ایک ہستی تھی جو امن و چین سے آباد تھی اس کے پاس اس کا رزق ہر طرف سے بکثرت آتا تھا یس اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا ان کا رستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔“ اور ان کے متعلق فرمایا: **فَقَالُوا أَرَبْنَا بَعِيدًا**۔ یعنی یہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافرتوں کو دور کر دے۔ انہوں نے کفر کے باعث اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ چنانچہ ہم نے انہیں افسانہ اور قصہ پارینہ بنا دیا، ان کے خلاف خفیہ تدبیر کی اور ان کی جمعیت کو تتر بتر کر دیا اور مختلف ممالک میں ان کا شیرازہ بکھر گیا، یہی وجہ ہے کہ جب کسی قوم کا شیرازہ بکھر جائے تو عرب بطور مثال کہتے ہیں: **قَفَرُوا أَيُّدِي سَبَاً وَ أَيُّدِي سَبَاً وَ تَفَرَّقُوا شَدْرًا مَهْدَرًا**۔ حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ قوم سبام میں کچھ کاہن تھے جنہیں شیاطین وہ باتیں بتایا کرتے تھے جو وہ چوری چھپے آسمان سے سننے میں کامیاب ہو جاتے۔ ان میں ایک بہت مالدار اور معزز کاہن تھا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی قوم کی تباہی کا وقت قریب آچکا ہے اور عذاب ان کے سروں پر کھڑا ہے۔ اس کے پاس بہت جائیداد تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ آخر کار اسے ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے اپنے بیٹے کو بلا یا جس کے ننہال باقی بیٹوں کی نسبت

زیادہ معزز تھے، اور اسے کہنے لگا کہ میں ایک کام تمہارے ذمہ دگار رہا ہوں، انکار مت کرنا۔ کل جب لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے تو میں ان کے سامنے تمہیں کسی کام کا کہوں گا تو انکار کرو۔ میں تمہیں برا بھلا کہوں گا تو تم بھی ایسا ہی کرنا، پھر میں غصہ میں تمہیں تھپتھپ ماروں گا تو تم بھی مجھے تھپتھپ مارو۔ میں نے کہا: ابا جان! یہ جسارت میرے بس کی بات نہیں۔ کاہن کہنے لگا: بیٹے! ایک اہم معاملہ درپیش ہے جس کی وجہ سے ایسا کرنا مزید ہے۔ اس کے بار بار کہنے سے اس کا بیٹا قائل ہو گیا۔ اگلے دن جب صبح ہوئی اور لوگ اکٹھے ہوئے تو کاہن نے کہا: بیٹے! ذرا یہ کام کرو۔ اس نے انکار کر دیا۔ باپ نے اسے تھپتھپ کا تو اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ بھنگڑے نے طول اختیار کیا تو باپ نے بیٹے کو پکڑا اور اسے ایک تھپتھپ سید کر دیا۔ جواب میں بیٹے نے بھی باپ کو تھپتھپ مارا۔ کاہن غصہ سے کہنے لگا کہ میرا بیٹا مجھے تھپتھپ مارنے کی جسارت کر رہا ہے، تھپتھپ لاؤ میں ابھی اپنے بیٹے کو زنج کر دوں گا، لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اپنے بیٹے کو زنج کر دو گے؟ ایسا نہ کرو بلکہ اسے کوئی اور سزا دے لو لیکن وہ اسے زنج کرنے پر ہی مصر رہا۔ لوگوں کے پیغام بھیجنے پر لڑکے کے ماموں بھی آ گئے۔ جب انہیں واقعہ کا علم ہوا تو وہ کاہن سے کہنے لگے کہ تم جو کچھ لینا چاہتے ہو، ہم سے لے لو لیکن اپنے بیٹے کو زنج نہ کرو۔ اس کے باوجود کاہن اپنے عزم پر ڈٹنا رہا۔ وہ کہنے لگے کہ اگر تم اپنی بات پر بھند ہو تو ایسا کرنے سے پہلے ہی ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے، اس لئے میں ایسے شہر میں نہیں رہوں گا جہاں مجھے اپنے بیٹے پر بھی اختیار حاصل نہ ہو۔ مجھ سے میرا گھر بار اور جائیداد خرید لو۔ چنانچہ اس نے اپنا گھر، زمین اور جائیداد بیچ دی اور جب تمام قیمت وصول کر لی تو کہنے لگا: اے میری قوم! عذاب تمہارے اوپر منڈلا رہا ہے، تمہاری بربادی کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ تم میں سے جوئے گھر کی خواہش میں مشقت اٹھا کر طویل سفر کر سکتا ہے، وہ عمان چلا جائے، جو تم میں سے خورد و نوش کا اشتیاق رکھتا ہے، وہ بصری چلا جائے اور جو شخص باغات میں بیٹھ کر آزادی سے مزید ارا در تازہ کھجوریں کھانا چاہے وہ کھجوروں کی سرزمین یثرب کی طرف چلا جائے۔ چنانچہ اہل عمان عمان کی طرف، غسان بصری کی طرف اور اوس، خزرج اور بنو عثمان یثرب کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ جب یہ یثرب کے مقام پر پہنچے تو بنو عثمان کہنے لگے کہ یہ اچھی جگہ ہے، ہم اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ چنانچہ وہ یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اس لئے ان کا نام خزاعہ پڑ گیا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔ اوس اور خزرج سفر جاری رکھتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے، اہل عمان نے عمان کا اور غسان نے بصری کا رخ کر لیا (1)۔ یہ اثر بہت عجیب و غریب ہے۔ اس کاہن کا نام عمرو بن عامر تھا جو یمن کے رؤساء اور سب کے عظما میں سے تھا۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ سیلاب کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے سب سے پہلے یہی کاہن یمن سے نکلا۔ یمن کو چھوڑنے کا سبب یہ تھا کہ اس نے ایک چوہے کو دیکھا جو سد مأرب میں سوراخ کر رہا تھا۔ اس سے اسے معلوم ہو گیا کہ اب یہ بند باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ اس نے یمن سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کا عزم کر لیا اور وہ کمریوں کا رالیا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ جب اس نے غصہ میں کہا کہ میں ابھی اپنی جائیداد اور زمین بیچتا ہوں تو یمن کے اشراف کہنے لگے کہ عمرو کے غصہ کو غنیمت جانو۔ چنانچہ انہوں نے اونے پونے داموں میں اس کی تمام جائیداد خرید لی۔ سب کچھ فروخت کرنے کے بعد وہ اپنے بیٹوں اور ان کی اولاد کو لے کر چل پڑا۔ بنی اسد نے جب یہ دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ ہم عمرو بن عامر کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے، چنانچہ انہوں نے بھی اپنی جائیداد بیچی اور اس کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ قبیلہ تک کے علاقے سے گزرتے ہوئے ان کے ساتھ ان کی لڑائی چھڑ گئی جس میں دونوں کا پلہ برابر رہا۔ پھر وہاں سے کوچ کر کے وہ مختلف علاقوں میں تیز بتر ہو گئے۔ آل جھنہ بن عمرو بن عامر شام میں، اوس

خزرج یثرب میں، خزاعہ میں، ازد مراۃ عراق میں اور ازد عمان عمان میں فروکش ہو گئے۔ اس کے بعد زبر و ست سیلاب آیا جس نے ڈیم کو منہدم کر دیا (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ عمرو بن عامر نے اپنے مکر و تدبیر سے اپنے بیٹے کو نہیں بلکہ اپنے بھتیجے کو شریک کیا تھا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ عمرو بن عامر قوم کا چچا تھا۔ اس نے اپنی کہانت کے زور پر محسوس کیا کہ اس کی قوم کا شیرازہ بکھرنے والا ہے اور ان کی مسافرتوں کو دور کر دیا جائے گا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ حقیر تم تم منتشر ہو جاؤ گے۔ تم میں سے جو عالی ہمت اور طاقتور ہے وہ کاس یا کرود چلا جائے۔ چنانچہ واقعہ بن عمرو نے اس طرف کا رخ کیا، وہ تم میں سے کم ہمت ہے جو سر زمین شن کی طرف چلا جائے، ادھر جانے والے عوف بن عمرو تھے جنہیں بارق کہا جاتا تھا۔ جو تم میں سے آسان روزی اور پر امن حرم کا خواہشمند ہے، وہ ارضین چلا جائے۔ یہ خزاعہ تھے۔ جو تم میں سے باغات میں بیٹھ کر کھجوریں کھانے کا متمنی ہے وہ یثرب چلا جائے، یہ اس اور خزرج تھے جنہیں بعد میں انصار کا لقب ملا اور جو تم میں سے ایشیائے خور و نوش شراب، ریشم اور حکومت کا دلدادہ ہے وہ کوئی اور بصری کی طرف چلا جائے۔ یہ شاہان شام و غسان بنو ہفہ تھے اور ان میں سے کچھ عراق چلے گئے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ پیشین گوئی عمرو بن عامر کی بیوی طریفہ نے کی تھی۔ وہ کاہنہ تھی اور اس نے اپنی کہانت سے یہ بات معلوم کر کے لوگوں کو بتائی تھی (2)۔ شخصی کہتے ہیں کہ غسان عمان میں آباد ہو گئے، انصار یثرب میں، خزاعہ تہامہ میں اور ازد عمان میں۔ غسان اور ازد کی جمعیت کو بھی پارہ پارہ کر دیا گیا (2)۔ اگلی میمون بن قیس نے ان کی بربادی کا قصہ اپنے اشعار میں بیان کیا ہے کہ اس واقعہ میں نشان عبرت ہے، یہ لوگ بلند و بالا عالی شان نمارتوں میں رہائش پذیر تھے، اہلبہاتے کھیت اور بچھلوں سے لدے ہوئے باغات انہیں میسر تھے اور ہر طرح کی خوشحالی انہیں نصیب تھی لیکن ذمہ کے بہہ جانے سے اب ان کی حالت یہ ہو گئی کہ یہ پانی کی ایک ایک بوند کو ترسے گئے (3)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّمَنْ صَبَّاهَا يَتَكُوْمِرُ لِعِنِّيْ اس قوم پر اترنے والے عذاب اور ان کے کفر اور گناہوں کے سبب رحمت کو زحمت میں اور عافیت و نعمت کو عقوبت میں تبدیل کر دینے میں ہر اس شخص کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں جو مصائب پر صبر کرتا ہے اور نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر مجھے تعجب ہے۔ اگر اسے خیر پہنچے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور اس کا شکر بجالاتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ مومن کو ہر چیز کا اجر عطا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس لمحے کا بھی جو وہ اپنی بیوی کے مزہ میں ڈالتا ہے“ (4)۔ صحیحین کی ایک حدیث اس کی شاہد ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ”مومن کے معاملہ پر تعجب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو بھی فیصلہ فرمائے، وہ اس کے لئے موجب خیر ہے۔ اگر اسے راحت ملے تو وہ شکر بجالاتا ہے اور یہ اس کے لئے باعث خیر ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے خیر ہے۔ یہ کرم نوازی مومن کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں“ (5)۔ حضرت مطرف فرمایا کرتے تھے کہ صابر و شاکر بندہ کتنا اچھا ہے کہ جب اسے کچھ عطا کیا جاتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور جب اس پر آزمائش آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے (6)۔

وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيسُ ظَنُّهُ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ

2- تفسیر صری، جلد 22 صفحہ 86

1- سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 10-13

4- مسند احمد، جلد 1 صفحہ 173

3- سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 14

6- تفسیر طبری، جلد 33 صفحہ 87، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 694

5- صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 2295 صفحہ 4، 332، 333، 15/6

عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْمَةٍ مِّنْ يُّوْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنهَا فِى شَكٍّ ۗ وَسَرَابٌ عَلٰى كُلِّ لٰمٍۭ
شَقِيٌّ حَفِيظٌ ﴿۱۷﴾

”اور بے شک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے (جو حق پر ذرا رہا) اور انہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو (کہ وہ بے بس ہوں) مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے، اور (اے حبیب!) آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔“

قوم سب اور اس تماش کے دوسرے لوگوں کے متعلق خبر دی جا رہی ہے جنہوں نے شیطان اور خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور ہدایت کی ڈٹ کر مخالفت کی، ان کے متعلق فرمایا: وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيسُ ثَمَنًا عَمِيًّا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے جس میں ابلیس نے انکار سجدہ کی پاداش میں رائد و درگاہ ہو جانے پر کہا تھا: اَمْرًا يَنْبَغُ لَهَذَا الْاِنْسَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اَخْرَقًا اِنِّي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا حَسْبُ لَكَ اِلَّا قِيٰمَةُ (بنی اسرائیل: 62) ”مجھے بتا، یہ جس کو تو نے مجھ پر نصیبت دی ہے (اس کی وجہ کیا ہے) اگر تو مجھے روز قیامت تک مہلت دے تو میں اس کی اولاد کو جڑ سے اکھیر پھینکوں گا سوائے چند افراد کے“، اسی طرح اس نے کہا تھا: لَقَدْ كُنْتُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ اٰيَاتِنَا وَمِنْ خَلْقِنَا وَمَنْ اَتَيْنَاهُمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ۗ وَنَا نَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (الاعراف: 17) ”پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکر گزار“۔ اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت حواء علیہا السلام سمیت جنت سے نیچے زمین پر اتارا تو اس وقت ابلیس خوشی سے پھوٹے نہیں سہا رہا تھا کیونکہ اسے مقصد میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی تھی، کہنے لگا کہ جب ان پر میرا اور خطا نہیں گیا تو ان کی اولاد تو ان سے بھی بہت کمزور ہوگی۔ یہ ابلیس کا گمان تھا جس کے متعلق فرمایا: وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ۔ اس وقت ابلیس نے کہا تھا کہ میں ابن آدم کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا، میں اسے سبز باغ دکھاتا رہوں گا، جموئی آرزوئیں دلاتا رہوں گا اور طرح طرح سے اسے فریب میں مبتلا رکھوں گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں ابن آدم کے لئے موت کے غرغرے سے پہلے تک تو یہ کار کھلا رکھوں گا، وہ مجھ سے دعا کرے گا تو میں اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازوں گا، وہ مجھے سے مانگے گا تو میں اسے عطا کروں گا اور وہ مجھ سے استغفار کرے گا تو میں اسے بخش دوں گا (1)۔ فرمایا: وَ صَا كَانْ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے بقول سلطان کا معنی حجت ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ شیطان کے بس میں نہ تھا کہ وہ انسانوں کو مارتا پھینتا اور نہ ہی اسے یہ اختیار تھا کہ وہ انہیں کسی چیز کے ارتکاب پر بروتی مجبور کرتا، صرف دھوکہ فریب، دوسرا اور جموئی انگلیں تھیں جن سے اس نے انہیں دعوت دی تو وہ اس کی اتباع کرنے لگے۔ فرمایا: اِلَّا لِنَعْمَةٍ مِّنْ يُّوْمِنُ۔ یعنی ہم نے ان پر شیطان کو اس لئے مسلط کیا تاکہ واضح ہو جائے کہ کون قیامت، حساب اور جزا پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور کون اس میں شک کا اظہار کرتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ یعنی اس کی حفاظت اور نگہبانی کے باوجود وہ لوگ گمراہ ہو گئے جنہوں نے ابلیس کی اتباع کی اور اس کی نگرانی اور نگہبانی کے طفیل پیغمبروں کی فرمانبرداری کرنے والے اہل

ایمان سلامتی پاگئے۔

قُلْ اِدْعُوا النَّبِيْنَ ذَرَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَسْبِقُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لِهٰمْ فِيْهَا مِنْ شَيْءٍ وَّمَا لَهُمْ مِنْهُم مِّنْ ظٰهِرٍ ۝۱۱ وَلَا تَتَّقُوا الْاِنْسَانَ اتَّقِ اللّٰهَ اِنَّمَا لِيَسْنَأْ ذَنْبَهُٓ حَتّٰى اِذَا فُوٓءَ عَن قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا اِمَّا ذٰلِكَ اَلْقَالَ رَبُّنَا لَعَلَّ نَحْنُ وَهُوَ الْعٰلِيُّ الْاَكْبَرُ ۝۱۲

”آپ فرمائیے (اے مشرک!) تم پکارا دیکھو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو۔ یہ تو ذرہ ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں ہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین و آسمان میں کچھ حصہ ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ان میں سے کوئی مددگار ہے۔ اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو یہاں تک کہ جب دور کر دی جاتی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے تو پوچھتے ہیں کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے اور وہ بڑی شان والا سب سے بڑا ہے۔“

بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد، ایلا، یکتا اور بے نیاز ہے، وہی معبود حقیقی ہے، نہ کوئی اس کی نظیر ہے اور نہ کوئی اس کا شریک، نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور نہ مخالف۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ فرمایا: قُلْ اِدْعُوا النَّبِيْنَ۔ یعنی آپ انہیں فرمادیں کہ اے مشرک! تم انہیں پکارو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو۔ یہ تو زمین و آسمان میں ذرہ ذرہ برابر چیز کے بھی مالک نہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِمَّا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ يَسْتَكْبِرُوْنَ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فاطر: 13) ”اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، وہ تو سبھی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں“ مزید فرمایا: وَمَا لَهُمْ فِيْهَا مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی ان معبودان باطلہ کو نہ تو مستقل کسی چیز کی ملکیت حاصل ہے اور نہ ہی بطور شراکت، اور ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار بھی نہیں جو امور کی انجام دہی میں اس کی مدد کرے بلکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج اور اس کے سامنے سراسر اگلتندہ ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَتَّقُوا الْاِنْسَانَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور کبریائی کے سامنے کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ اس کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کسی کی شفاعت کرے جیسا کہ فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّ الْاِنْسَانِ (البقرہ: 255) ”کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے“، وَاَنْتُمْ قٰنِعُوْنَ بِمِثْقٰلِ الذَّرَّةِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِمَّا يَدْعُوْنَ اِنَّمَا يُدْعُوْنَ الْاِنْسَانَ يَفْخٰرُوْنَ (النجم: 26) ”اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کسی کام میں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اذن دے اور پسند فرمائے“۔ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنْ اِذِنَ لِهٰمْ اِنْ شِئِيَ مِنْهُم مَّشِيقُوْنَ (الانبیاء: 28) ”اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں“۔ تمام اولاد آدم کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑے شفیع حضرت محمد ﷺ مقام محمود پر کھڑے ہو کر تمام مخلوق کی شفاعت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے تو اس کے بارے میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، میں سجدہ میں ہی پڑا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی ایسی تعریفیں اتنا فرمائے گا جن کا میں اب احاطہ نہیں کر سکتا۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد ﷺ! اپنا

سراٹھاؤ، کہو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی (1)۔ فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا بیان ہو رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو آسمان کے فرشتے اسے سن کر ہیبت سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر عیشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ اور سراپتگی دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ چنانچہ حائلینِ عرش اپنے پاس والے فرشتوں کو اس وحی سے آگاہ کرتے ہیں اور وہ اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو خبر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ خبر آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا: قَالُوا الْحَقُّ يَكْفِيهِمْ وَهُوَ اس فرماں کو بغیر کئی بیشی کے پہنچا دیتے ہیں۔ فزع کی دوسری قرأت فُزِّعَ ہے (2)۔ یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ دوسرے حضرات اس فرماں حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ۔ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں، بزاع کے وقت اور قیامت کے دن ان کی یہ کیفیت ہوگی، جب وہ اپنی غفلت سے بیدار ہوں گے اور قیامت کے دن ان کے ہوش و حواس ٹھکانے آئیں گے تو اس وقت وہ چونک کر پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہیں جواب ملے گا کہ حق فرمایا اور انہیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے گا جس سے وہ دنیا میں غافل اور لاپرواہ تھے۔ مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب ان کے دلوں سے پردہ اٹھادیا جائے گا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے دلوں سے شک اور تکذیب کو دور کر دیا جائے گا۔ عبد الرحمن بن زید بن اسم فرماتے ہیں کہ شیطان اور اس کے وسوسوں سے دور ہو جائیں گے۔ ایسا موت کے وقت ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن اس وقت کا اقرار کچھ نفع نہیں پہنچاتا (3)۔ ابن جریر نے پہلے قول کو پسند کیا ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں اور یہی حق ہے جس میں کوئی شک نہیں کیونکہ احادیث و آثار سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام بخاری اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس فرماں کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے پر جھکا لیتے ہیں، کلام الہی اس طرح واقع ہوتا ہے جیسے پتھر پر زنجیر لگنے کی آواز۔ جب ان کے دلوں سے خوف و ہراس دور ہوتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ جواب ملتا ہے کہ حق فرمایا ہے اور وہ بہت بلند اور سب سے بڑا ہے۔ بعض اوقات چوری چھپے سننے والے جنات اسے سن لیتے ہیں۔ یہ جنات تمہہ بہ تمہہ ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں۔ اوپر والا کوئی بات سن کر اپنے سے نیچے والے جن کو بتا دیتا ہے، پھر وہ اپنے سے نیچے والے کو یہاں تک کہ وہ کسی ساحریا کا ہن تک وہ بات پہنچا دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ وہ بات نیچے پہنچانے سے پہلے ہی شہابِ ثاقب اس جن کو آدو بچتا ہے اور بعض اوقات وہ شہابِ ثاقب کی زد میں آنے سے پہلے ہی وہ بات نیچے القا کر دیتا ہے۔ ساحریا کا ہن اس بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بتا دیتا ہے۔ جب وہ بات سچی ثابت ہو تی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس نے فلاں فلاں دن ہمیں یہ نہیں کہا تھا؟ چنانچہ آسمان سے سنی ہوئی بات کی وجہ سے ہر بات میں اس کی تصدیق کی جاتی ہے“ (4)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک ستارا گرا اور زبردست روشنی نمودار ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب زمانہ جاہلیت میں ایسا ہوتا تو تمہر کیا خیال کیا کرتے تھے؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ ایسے موقع پر ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یا تو کوئی عظیم آدمی پیدا ہوا ہے یا مر رہا ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا

2- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 93، الخراج، جلد 7 صفحہ 287

1- دیکھئے، دہر شفاعت کے لئے تفسیر سورۃ بنی اسرائیل: 79

3- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 92

4- صحیح بخاری، تفسیر سورۃ سبأ، جلد 6 صفحہ 152، سنن ابی داؤد، کتاب الخروف و الطقارات، جلد 4 صفحہ 34-35 وغیرہ

کہ کیا جلیبت میں ستارے اُتے تھے؟ فرمایا: ہاں اور حضور ﷺ کی بعثت کے وقت تو یہ سیدہ اور بڑھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ستاروں کے چھڑنے کا کسی کی موت و حیات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ہوت یہ سنہ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش تسبیح کرتے ہیں، پھر ان کے نیچے (ساتویں) آسمان کے فرشتے تسبیح کہتے ہیں یہاں تک کہ آسمان دنیا تک یہ تسبیح پہنچ جاتی ہے۔ پھر آسمان کے فرشتے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ انہیں بتلاتے ہیں، پھر ہر آسمان کے فرشتے اپنے سے نیچے والے آسمان کے فرشتوں کو خبر کرتے ہیں یہاں تک کہ پہلے آسمان تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے، کبھی کبھی جنات اس خبر کو اچک بیٹے ہیں اور نیچے زمین پر پہنچا دیتے ہیں۔ جو خبر وہ سن و عن بتاتے ہیں وہ حق ہے لیکن وہ عموماً اس میں اضافہ کر کے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں“ (1)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت نو اس بن سمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی امر کی وحی کا ارادہ فرماتا ہے تو وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے، جب وہ کلام کرتا ہے تو خوف الہی کی وجہ سے آسمان لرزنے لگتے ہیں۔ جب آسمان کے فرشتے اسے سنتے ہیں تو وہ بے ہوش ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ سب سے پہلے جبریل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی وحی سے آگاہ فرماتا ہے۔ جبریل علیہ السلام اسے فرشتوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ جس آسمان سے گزرتے ہیں، اس کے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ اسے جبریل علیہ السلام! ہمارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بہت بلند اور ہر ایک سے بڑا ہے۔ پھر فرشتے بھی یہی کہتے ہیں۔ بالآخر جبریل علیہ السلام اس وحی کو زمین و آسمان میں اس جگہ پہنچا دیتے ہیں جہاں انہیں حکم ہوتا ہے“ (2)۔ حضرات ابن عباس اور قتادہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ وحی ہے جس کا آغاز حضرت محمد ﷺ سے آپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان انقطاع وحی کا زمانہ مرنے کے بعد ہوا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلِيَّ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ قُلْ لَآ تَسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۚ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ۝ قُلْ أَسْرَوْنِي الَّذِينَ أَكْفَمْتُمْ بِهِمْ كَأَنَّمَا كَلَّمْتُ بَلْبًا ۚ قُلِ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

”آپ فرمائیے کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمانوں اور زمین سے۔ خود ہی فرمائیے اللہ۔ اور ہم یہ تم (دونوں میں سے ایک) کا امت ہے۔ اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے۔ فرمائیے تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان جرموں کی جو ہم نے کئے اور تم ہم سے باز پرس ہو کر تمہارے رشتہ توں کی۔ فرمائیے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (و انصاف) کے ساجھی۔ وہی دیتا ہے فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ فرمائیے مجھے بھی دکھو تو وہ شریک جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا دیا ہے، ہر زبان بکھلے لفظ وہی اللہ ہے جو زبردست بڑا دان ہے۔“

اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو پختہ اور تہہ نہ رہا۔ ہر ماہ و جمعیت میں، رزق بجم پہنچانے میں، اور کوہیت میں منفرد ہے۔ جیسا کہ یہ لوگ اقرار

کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش برسا کر اور زمین میں کھیتیاں اگا کر ان کے رزق کا بندوبست کرتا ہے، اسی طرح انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں۔ اس فرمان **وَإِنَّا أَزْوَاجٌ لَّكُمْ** میں لفظ **وَشَرِبَ** یعنی فریقین میں سے ایک ہدایت یافتہ ہے اور دوسرا گمراہ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں فریق ہدایت پر ہوں یا دونوں گمراہی پر، بلکہ ہم میں سے ایک فریق ہدایت یافتہ ہے اور چونکہ ہم نے توحید پر دلیل قائم کر دی ہے، اس لئے ثابت ہوا کہ تمہاری مشرک نہ رہنا باطل ہے۔ پس ہم یقیناً ہدایت پر ہیں اور تم یقیناً گمراہی میں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے مشرکین سے یہ بات کہی تھی کہ ہمارا اور تمہارا معاملہ یکساں نہیں بلکہ ہم میں سے ایک فریق ہدایت یافتہ ہے (1)۔ مگر وہ اور زیادہ بنی مریم اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ بے شک ہم ہدایت پر ہیں اور تم کھلی گمراہی میں۔ اس کے بعد فرمایا: **قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** اس آیت سے مقصود ان مشرکین سے اظہار برأت ہے یعنی ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں بلکہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عجز اسی کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے اور اگر تم نے تکذیب کی تو ہم تم سے بری اللہ ہے اور تم ہم سے بری اللہ ہے جیسا کہ فرمایا: **وَإِنْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ لَيَسْئَلُنَّ اللَّهُ عَنِ أَعْمَالِكُمْ** اور اگر وہ آپ کو جھٹلاؤں تو فرمادیں میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارا۔ اسے تمہارا عمل رہتا اس سے بری اللہ ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بری اللہ ہوں جو تم کرتے ہو، **قُلْ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا مَا تَعْبُدُونَ** (الکافرون: 1-6)۔ پھر فرمایا: **قُلْ يَجْمَعُ** یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام عقائد و ایال و معابد ان میں جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور ایک کو اچھے برے اعمال کی پوری پوری بڑائی جائے گی۔ اس دن تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ابدی عزت، نصرت اور سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے جیسا کہ فرمایا: **وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبَدِّلُنَا مَنَاقِبَهُمْ**۔ **قُلْ أَلَيْسَ فِي الْعَذَابِ مُمْحَضُونَ** (الروم: 16-14)، اس لئے فرمایا: **وَهُوَ نَفْسَانَا الْعَلِيمُ** یعنی وہی عادل حاکم اور امور کے حقائق کو جاننے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: **قُلْ أَمْثَلُ مِنَ النَّارِ**۔ یعنی مجھے وہ معبود کھاؤ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا مد مقابل اور ہمسرہ ٹھہراتے ہو۔ ہرگز نہیں، نہ اس کا مثل ہے، نہ مد مقابل، نہ شریک اور نہ ہمسر، بلکہ وہ احد اور یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور وہی ہر چیز پر غالب اور اپنے احوال، افعال، شرعی احکام اور قضاء و قدر میں حکیم ہے اور وہ شریکین کی ہرزہ مرائیوں سے منزہ اور بالا ہے۔

وَمَا أَمْرُ سَلْتِكَ إِلَّا كَأَمْرِ النَّاسِ بِشَيْءٍ أَوْ كَذَيْمٍ أَوْ لَكِنِ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَ يَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَكُمْ مِيعَادٌ يَوْمَ لَا تَسْتَأْذِنُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ۝

”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف، بشیر اور نذیر بنا کر، لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ فرمائیے (بے شکرو!) تمہارے لئے وعدہ کا دن مقرر ہے۔ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ (ایک لمحہ) آگے بڑھ سکو گے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کو تمام مہلتا۔ غلوک کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ فرمایا: **قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جِئْتُكُمْ بِالْحَقِّ** (الاعراف: 158) ”فرما۔ یے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول

ہوں، ”بَشِّرْكَ الْغَنَىٰ نَبِيًّا نَزَلِ الْفُرْقَانُ“ (الفرقان: 1) ”بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے خاص بندہ پر الفرقان نازل فرمایا تاکہ وہ جہان والوں کے لئے ڈرانے والا بن جائے“ فرمایا: يَبَشِّرُهُمْ بِالْحَقِّ وَأَوْقِنُ بِهِ الْعِثَىٰ“ آپ اس شخص کو جنت کی بشارت دیں جو آپ کی اطاعت کرتا ہے اور اس شخص کو آگ سے ڈرائیں جو آپ کی نافرمانی کرتا ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَلْمِزُوا الْمُؤْمِنِينَ لَمْ يَلْمِزُوا أَحَدًا وَلَا كُنُوا أَكْثَرًا عَلَيْهِمْ كَذَبُوا كَذِبًا“ (یوسف: 103) ”اور تمہیں جن اکٹروں کو خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے“ ”وَإِنْ لَّمْ يَأْتِيَنَّكَ مِنَ الْإِسْلَامِ تَمَنَّىٰ لِيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ“ (انعام: 117) ”اور اگر تو اطاعت کرے اکٹروں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے“ محمد بن کعب اس آیت کا معنی بیان کرتے ہیں کہ آپ کو عام لوگوں کی طرف رسول مبعوث کیا گیا (1)۔ تمنا یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرب و عجم سب کی طرف آپ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ اس کا مطیع ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام آسمان والوں اور زمین والوں پر فضیلت دی ہے۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ پیغمبروں میں آپ کو کس چیز میں فضیلت حاصل ہے؟ فرمایا: سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِسَالًا تَوْحِيدًا لِيُخْبِتُوا لِقَابِ اللَّهِ“ (ابراہیم: 4) ”اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ وہ ان کے لئے کھول کر بیان کرنے“ اور نبی کریم ﷺ کے لئے فرمایا: ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا حَافِظًا لِلنَّاسِ مِمَّا جَانَبُوا اللَّهَ“ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جن و انس کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے پانچ ایسی خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں: ایک مہینے کی مسافت پر عرب سے میری مدد کی گئی، میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا، میری امت میں سے جس شخص کو جہاں کہیں نماز کا وقت آجائے، وہ اسی جگہ نماز پڑھے، میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لئے حلال نہیں ہوا، مجھے شفاعت عطا کی گئی اور ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے“ (3)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”مجھے سیاہ اور سرخ کی طرف بھیجا گیا ہے (4)، بقول مجاہد اس سے مراد جن و انس ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد عرب و عجم ہیں۔ کفار و قورع قیامت کو محال سمجھتے تھے، ان کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: ”وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ“ یہ اس فرمان کی طرح ہے: ”يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا“ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا“ وَيَعْتَصِمُونَ بِهَا“ (الشوریٰ: 18) ”اس کے لئے وہ لوگ جلدی چاہتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اس سے خوفزدہ رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے“۔ پھر فرمایا: ”قُلْ لَكُمْ فِيهَا عَذَابٌ مُّبِينٌ“۔ یعنی تمہارے لئے وعدہ کا ایک دن مقرر ہے جس میں کی بیشی ممکن نہیں۔ جب وقت مقررہ آجائے گا تو پھر ایک گھڑی کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا: ”إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ“ (نوح: 4) ”بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جاسکتا“۔ ”وَمَا تَوْجُوهُكُمْ إِلَّا لِجَهَنَّمَ مَدُودًا“ ”يَوْمَ يَأْتِ لَا يَكْفُؤُ نَفْسٌ إِلَّا لِوَجْهِ رَبِّهِ“ ”وَسِعَتْ جَهَنَّمَ سَعِيرًا“ (ہود: 105-104)۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا نُوَدِّعُكُمْ إِلَّا فِي الْحَقِّ

2- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 96

1- الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 72

4- صحیح مسلم، کتاب المساجد: 370-371

3- فتح الباری، کتاب التعمیر، جلد 1 صفحہ 435-436، صحیح مسلم، کتاب المساجد: 370-371

الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْجَعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضِ الْقَوْلِ ۗ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنْخَسَ صَدَدُكُمْ عَيْنَ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بَلَىٰ كُنتُمْ مُجْرِمِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا بَلَىٰ مَنَّا أَتَيْتُمْ أَتَيْتُمْ وَإِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُكَ آدَاءً ۖ وَأَسْرَأُوا إِلَهُتُمْ مَا لِأَنْعَادَ آبًا ۖ وَجَعَلْنَا آزَةً عُذْلًا فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

”کافر (اب تو) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔ کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے رو برو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر انزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جو اب دیں گے متکبر ان کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بنوں کو) اس کا ہمسرہ بنائیں۔ اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو۔ اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خود اوہ بڑے بول یا چھوٹے) کیا نہیں بدل دیا جائے گا بجز اس کے جو وہ کیا کرتے تھے۔“

قرآن کریم اور قیامت کا انکار کرنے پر کفار کی ہٹا ہری، عن اور سرکشی کو بیان کیا جا رہا ہے، فرمایا: وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ أَنهیں دھمکی آمیز انداز میں خبردار کیا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان کی حالت دیدنی ہوگی جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے فرط ندامت سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ ان کی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: يُرْجَعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضِ الْقَوْلِ ۗ اس کے بعد دوسرے پر انزام دھریں گے اور وہ چھوٹے لوگ جنہیں دنیا میں کمزور سمجھا جاتا تھا اور وہ اپنے بڑوں کی کورنا نہ تقلید کیا کرتے تھے، وہ اپنے بڑوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ اگر تم نے ہمیں راہ راست سے برگشتہ نہ کیا ہوتا تو ہم ضرور پیغمبروں کی اتباع کرتے اور ان کی رسالت پر ایمان لے آتے۔ ان کے متکبر رؤساء اور سردار انہیں جواب دیں گے: أَنْخَسَ صَدَدُكُمْ عَيْنَ الْهُدَىٰ یعنی ہم نے تو صرف اتنے کام کیا کہ تمہیں گمراہی کی دعوت دی اور تم نے بغیر کسی دلیل و حجت کے اسے قبول کر لیا حالانکہ ہماری دعوت کسی دلیل پر مبنی نہ تھی اور تم نے اپنی خواہش اور اختیار سے پیغمبروں کے دلائل کو ٹھکرا دیا، اس لئے سراسر جرم تمہارا اپنا ہے۔ وہ کمزور لوگ اپنے متکبر رؤساء سے کہیں گے کہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب ہمیں لے ڈوبے۔ تم دھوکے بازی کرتے ہوئے ہمیں سہانے سنے دکھاتے تھے اور ہمیں یہ باور کرایا کرتے تھے کہ ہم ہی ہدایت پر ہیں حالانکہ یہ سب کچھ باطن اور جھوٹ تھا۔ تم اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے ہمیں گمراہ کیا کرتے تھے اور یہ حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیں اور دیگر معبودوں کو اس کا ہمسرہ ٹھہرائیں۔ قیامت کے دن ان کی اس وقت کی کیفیت کو بیان

کرتے ہوئے فرمایا: **وَأَسْرُدُ لِلذَّامَةِ** یعنی یردوںوں فریق جب غذا کو دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں اپنے کئے پر ہچکتا نہیں گئے اور ہم کفار کے ہاتھوں کو ان کی مردوںوں کے ساتھ ملا کر طوق اور زنجیروں سے جکڑ دیں گے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ گمراہ کرنے والے سرداروں کو اپنے کرتوتوں کے مطابق اور ان کی پیروی کرنے والے چھوٹے لوگوں کو ان کی سیاہ کاریوں کے مطابق سزا ملے گی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب جہنمیوں کو ہانک کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو اس کا ایک ہی شعلہ انہیں جھلسا کر رکھ دے گا اور تمام گوشت پاؤں پر آگرے گا۔" احسن بن یحییٰ احنفی فرماتے ہیں کہ جہنم سے ہر قید خانے، ہر قار، ہر طوق، ہر میزی اور ہر زنجیر پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے۔ جب یہ بات ابو سلیمان اور انی کے سامنے بیان کی گئی تو وہ زار و قطار رونے لگے، پھر فرماتے گئے کہ ہائے! اس کا کیا حال ہوگا جس پر یہ سب عذاب جمع ہو گئے۔ پیروں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں جھکڑیاں اور گردن میں زنجیر، پھر آگ اور جہنم کا قار! یا اللہ! ہمیں سلامت رکھنا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا قَالَ مُشْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ لَكَاهُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِدُ لَأَكْثَرُ الْمَوَالِدِ وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَدِّي بَيْنَ ۝ قُلْ إِنَّمَا بِيَّسْطُ الرِّزْقِ لَيْسَ بِيَشَاءَ وَ يَقْدِرُ وَلَكِن أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِآتِنِي تُقَدِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَن أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا قَالُوا لَيْتَ لَكُمْ جَزَاءً الضَّعِيفِ بِمَا عَمِلُوا أَوْ هُمْ فِي الْغُرْفَةِ أَوْ يَوْمُونَ ۝ وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آلِيَتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَئِكَ فِي الْعَذَابِ مُصْحَرُونَ ۝ قُلْ إِنَّمَا بِيَّسْطُ الرِّزْقِ لَيْسَ بِيَشَاءَ مِنْ عِبَادَةٍ وَيَقْدِرُ مَالَهُ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُمْ يَخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝

اور نہیں بھیجے ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ (برمل) کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہوا نکار کرتے ہیں۔ اور کہتے (تم کون تو ہمیں ڈرانے والے) ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی۔ اور ہمیں غذا نہیں دیا جا سکتا۔ آپ فرمائیے بے شک میرا رب کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (ان حکمتوں کو) نہیں جانتے۔ اور (یاد رکھو) تم تمہارے اس سوال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہر اقراب بخش دیں۔ مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا (اسے ہی ہر اقراب قرب نصیب ہوگا)۔ پس یہی لوگ ہیں جن کے لئے دو گنا سزا ہے ان کے عملوں کا اور وہ پانا خانوں میں امن و امان سے رہیں گے۔ اور جو لوگ کوشاں ہیں ہماری آیتوں کی تکذیب میں تاکہ ہمیں جرادیں وہی لوگ عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے۔ آپ فرمائیے بے شک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے، اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے اور گزشتہ پیغمبروں کے اسوہ کو اپنانے کا حکم دیتے ہوئے اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ آپ سے پہلے جس بستی میں جو بھی رسول مبعوث ہوا، وہاں کے خوشحال لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور کمزور لوگوں نے اس کی اتباع کی

جیسا کہ تو منوں علیہ السلام نے کہا تھا: اَنْتُمْ بِرِوَالِكِ وَالشَّيْخِ الْكَلْبِيِّ (اشعرا: 111) ”کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تمہاری بیروی صرف گھنیاؤں کر رہے ہیں۔“ وَصَالِحَاتُ الشُّبَعِ اِلَّا اَنْ يَنْفَعُنَّ هُمْ اَمْ اَوْ يَنْفَعُوا اِيَّاهِ (بو: 27) ”بہنوں، کیجئے تمہیں کہ بیروی کرتے ہوں تمہاری عمر وہ لوگ جو ہم میں حقیر و ذلیل (اور) ظاہر بین ہیں“۔ تو مصالح علیہ السلام کے اکابر نے کفر و کفر سمجھے جانے والے اہل ایمان سے کہا تھا: اَتَعْتَبُونَ اَنْ طَلِعَا هُنَّ سَلُّ مِّنْ رَبِّهَا قَالُوْا اِنَّا بِمَا اُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا بِاِيِّهَا لَمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٦﴾ (احراف: 75-76) ”ایا تم یقین رکھتے ہو کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے رسول ہے۔ نبیوں نے کہا ہے شک نہ ہو اس پر ایمان لانے والے ہیں جسے دسے کر انہیں بھیجا گیا ہے، وہ لوگ کہنے لگے جو تکبر کیا کرتے تھے کہ تم تو اس چیز کے تکبر ہیں جس پر تم ایمان لانے ہو۔“ دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْا اِلٰهًا مَّا كُنُوْنَ يٰۤعٰبُدُوْنَ فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكْبَرُ مِنْهَا وَيُنٰسِكُوْنَ فِيْهَا (الانعام: 124)، وَ اِذَا اُرْسِلْنَا اَنْ نَّقِيْطَ قَرْيَةً قَدَّمْنَا بِهَا نَبِيًّا (النبي: 16) ”اور جب ہم کسی ہستی کو بلائے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہاں کے رئیسوں کو (نبی کی) خدمت دیتے ہیں عمرہ یا فرمانی کرنے گئے ہیں اس میں نہیں ان پر واجب ہو جاتا ہے (عذاب کا) فرمان اور پھر ہم اس ہستی کو جو اس سے حقیر تر رکھ دیتے ہیں۔“ اور یہاں فرمایا: وَصَالِحَاتُ الشُّبَعِ اِلَّا اَنْ يَنْفَعُنَّ هُمْ اَمْ اَوْ يَنْفَعُوا اِيَّاهِ (احراف: 75-76) ”ایسے ہم نے جس ہستی میں کوئی نبی یا رسول بھیجا، وہاں کے خوشحال، چاہے وہ چشمہ، اسے اور شریروں کو سوائے کہا کہ ہم اس سے حقیر تر نہ ہوں۔“ اور اس کی اتباع کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ذریٰ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی آپس میں شریک تھے۔ ان میں سے ایک سمندر پار چلا گیا اور دوسرا وہیں رہا۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو اس شخص نے بذریعہ اپنے ساتھی سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کے کیا حالات ہیں؟ اس نے جواباً لکھا کہ قریش کے مشرفانے تو اس کی اتباع نہیں کی البتہ قوم کے مسکین اور گھنپا لوگ اس کی بیروی کر رہے ہیں۔ اس شخص نے کاروبار کو خیر باد کہا اور پھر اپنے ساتھی سے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ مجھے حضور ﷺ کا پتہ بتاؤ۔ یہ شخص آسمانی کتابوں کا علم رکھتا تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے دریافت کرنے لگا کہ آپ کی چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ فرمایا: ”میں فلاں فلاں چیز کی دعوت دیتا ہوں۔“ اس نے کہا کہ میں گواہی دیتے ہوں آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہیں کیسے اس کا علم ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ جو کچھ نبی مبعوث ہوا، پہلے پہل اس کی اتباع کرنے والے ہمیشہ کمتر اور مسکین لوگ ہی ہوا کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت وھا اَنْرَسُنَدًا فِيْ قَرْيَةٍ ﴿٥٥﴾ نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے اس شخص کو پیغمبر بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بات کی تصدیق کر دی ہے۔ اس طرح یہ قریں اور بوخیان نے، رعیان ہونے والی بات چیت میں ہفتے نے حضور ﷺ کے متعلق یہ سوال بھی کیا تھا کہ قوم کے ضعیف لوگ آپ کی بیروی کر رہے ہیں یا نہ۔ لوگ! اس کے جواب میں جب بوخیان نے کہا کہ ضعیف لوگ آپ کے بیروں میں تو ہم نے کہا کہ ایسے لوگ ہی رسولوں کے ابتدائی پیروکار ہوتے ہیں (1)۔ چھٹانے والے صاحب ثروت لوگوں کے متعلق فرمایا: وَذٰلِكَ لِنُوَظَّرَهُ الْفٰكِرَ ﴿٥٥﴾ یعنی یہ لوگ مال و مال کی نظر سے پر حیرت کرتے ہوتے یہ یقین کر لیجئے کہ یہ انعام ان کے محبوب خدا ہونے کی دلیل ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دنیا میں انہیں اپنی معیشت سے نوازے اور پھر آخرت میں عذاب میں مبتلا کر دے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَيْسَ لَهٗۥ مَا فِيْ سَمٰوٰتٍ وَّاَرْضٍ وَّاَنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ (المؤمنون: 55-56) ”کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مال و مال سے نواز رہے ہیں تو ہم انہیں جہنمیاں

پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ وہ (حقیقت سے) بے خبر ہیں۔“ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ . وَتَرَعَىٰ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَذِبُونَ (التوبہ: 55) ”سو تمہیں ان کے مال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ان چیزوں سے عذاب دے اور ان کا سانس اس حال میں نکلے کہ وہ کافر ہوں۔“ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا سَأُرْهِقُهُ صَوْدًا (المدثر: 11-17) اور قرآن کریم میں دو باغات کے مالک کا بھی قصہ بیان کیا گیا ہے جس کے پاس اولاد، مال، و دولت اور بچل بکثرت تھے لیکن یہ چیزیں اسے عذاب الہی سے نہ بچ سکیں بلکہ یہ سب کچھ دنیا میں ہی سلب کر لیا گیا، اس لئے فرمایا: قُلْ إِنِّي تَرَبَّيْتُ يَتِيمًا . یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی مال سوا فرماتا ہے اور دشمنوں کو بھی، وہ جسے چاہے فقیر بنا دیتا ہے اور جسے چاہے غنی کر دیتا ہے، ہر چیز میں خاص حکمت اور قطعی ہمت مضمر ہے لیکن اکثر لوگ اس راز کو نہیں جانتے۔ پھر فرمایا: وَمَا أَمْوَالُهُمْ . یعنی تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس بات کی دلیل نہیں کہ تمہیں ہمارا قرب اور ہماری محبت حاصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے“ (1)۔ اس لئے فرمایا: وَلَا مَنَافِعَ لَهُمْ وَعَيْنٌ حَافِيَةٌ . یعنی ایمان اور اعمال صالحہ ہی ایسی چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ایمان لانے والے اور اعمال صالحہ بنالانے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے اعمال کی کئی گنا جزا ہے، انہیں ایک ننگی کا اجر سونے کے لئے کمرسات سونے کا عطا ہوگا اور وہ جنت کے بالا خانوں میں ہر خوف، تکلیف اور شر سے محفوظ ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے دکھائی دے گا۔“ ایک اعرابی نے پوچھا کہ یہ کس کے لئے ہیں؟ فرمایا: اس شخص کیسے جو پاکیزہ گفتگو کرے، کھانا کھلائے، ہمیشہ روزے رکھے اور رات کو نماز تہجد پڑھے جبکہ لوگ سوئے ہوں۔“ فرمایا: وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِرِّيَازِنَاتِنَا . یعنی وہ لوگ جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے، اس کے پیغمبروں کی اتباع سے اور اس کی آیات کی تصدیق سے باز رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں، ان سب کو جہنم میں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ اگلی آیت میں فرمایا: قُلْ إِنِّي تَرَبَّيْتُ يَتِيمًا . یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق جسے صرف وہی جانتا ہے، کسی کو قرآن رزق عطا فرماتا ہے اور کسی کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: أَنْفَقْتُ نَيْفًا فَسَلَّتُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ . وَلَا خَيْرَ لَكَ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْخِيمًا (بنی اسرائیل: 21) ”دیکھو! کیسے ہم نے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے اور آخرت با اعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے۔“ یعنی جس طرح دنیا میں فقرو غنا کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہے، اسی طرح آخرت میں بھی درجات و درجات کے لحاظ سے تفاوت ہوگا۔ مومن جنت میں اعلیٰ درجہ کے بالا خانوں میں براجمان ہوں گے اور کافر جہنم کی پستیوں میں غوطے کھا رہے ہوں گے۔ حضور ﷺ دنیا میں سب سے اچھے شخص کے متعلق فرماتے ہیں: ”وہ شخص فلاح پا گیا جس نے صدق دل سے اسلام قبول کیا، اسے بقدر کفایت روزی عطا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی عطا پر اس نے قناعت کر لی“ (2)۔ فرمایا: وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِمَّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُعْطَاهُ . یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جو مباح چیز تم خرچ کر دو گے دنیا میں اس کا تمہیں بدل عطا ہوگا اور آخرت میں اجر و ثواب جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خرچ کرو، تم پر خرچ کیا جائے گا“ (3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ہر صبح دو فرشتے آتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: ”اللَّهُمَّ اَعْطِ مُسْبِكًا قَلْفًا“ یعنی اے اللہ!

2- صحیح مسلم جلد 3 صفحہ 102

1- صحیح مسلم کتاب الہ، جلد 4 صفحہ 1987، سنن ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ جلد 2 صفحہ 1388

3- صحیح بخاری، تفسیر سورہ ہود، جلد 6 صفحہ 93، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ، جلد 2 صفحہ 690-691

بخیل کے مال کو تلف کر۔ دوسرا فرشتہ یہ دعانا لگتا ہے: ”اللَّهُمَّ اَعْطِ مَنِيْفًا خَلْفًا“ یعنی اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما (1)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے بلال! خرچ کر: اور عرش والے سے قلت کا اندیشہ نہ رکھو (2)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خبردار! تمہارے اس زمانہ کے بعد کات کھانے والا سخت زمانہ آئے گا جس میں مالدار آدمی خرچ کرنے کے خوف سے اپنے مال پر دانت گاڑ لے گا“۔ پھر آپ ﷺ نے وَمَا اَنْفَقْتُمْ وَاٰی ت تلاوت کی۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”بدترین لوگ وہ ہیں جو مجبور اور بے بس لوگوں کے ساتھ (سست دامن) خرچ کرتے ہیں، خبردار! مجبور لوگوں کی بیخ حرام ہے، خبردار! مجبور لوگوں کی بیخ حرام ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اگر ممکن ہو تو اپنے بھائی سے ساتھ نکلی کرو ورنہ اس کی ہلاکت میں اضافہ نہ کرو (3)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس آیت کے متعلق غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ جب تم میں سے کسی کے پاس مال ہو تو وہ میانہ روی اختیار کرے کیونکہ رزق تقسیم ہو چکا ہے (4)۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَبِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِمَلٰٓئِكَتِهٖ اَمْوَالُكُمْ اِيَّاكُمْ كَاٰنُوْا يَعْْبُدُوْنَ ۗ قَالُوْٓا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيْنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۗ بَلْ كَاٰنُوْا يَعْْبُدُوْنَ الْاٰجِنَّ ۗ اَكْثَرُهُمْ بِهِيْمٍ مُّؤْمِنُوْنَ ۗ قَالِيَوْمَ لَا يَمِيْلُكَ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۗ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ضَلَمُوْٓا دُوْنُوْكُمْ اَعْدَابُ النَّٰرِ اَلَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكْفِرُوْنَ ۗ

”اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے؟ فرشتے مرض کریں گے تو پاک ہے ہر شرک سے، ہمارا مالک تو ہے ہمارا ان سے کیا واسطہ، بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے۔ پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ نقصان کی۔ اور ہم کہیں گے جنہوں نے ظلم کیا تھا کہ چکھو آتش (جنہم) کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے“۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکین کو سرعام ہر مندہ اور لاجواب کرنے کے لئے فرشتوں سے سوال کرے گا جن کی صورتوں جیسے خود ساختہ بتوں کی یہ عبادت کیا کرتے تھے تاکہ وہ ان کے لئے قرب الہی کا ذریعہ بنیں، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھا گا: اَمْوَالُكُمْ اِيَّاكُمْ یعنی کیا تم نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا تھا جیسا کہ سورہ فرقان میں ہے: ءَاٰنْتُمْ اَصْدٰٓئِفُ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ رَهْمُ ضَلُوْٓا السَّبِيْلُ (الفرقان: 17) ”کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بہتک گئے تھے“ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّٰسِ اَلْتَجِدُوْنِيْ ذٰلِمْ اِلٰهِيْنَ مِنَ الدُّوْنِ ۗ اَللّٰهُ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ بِجَانِبِ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ بِيْ ۗ بِحَقِّ (النساء: 117-118) اسی طرح فرشتے جواب دیں گے: سُبْحٰنَكَ ... یعنی تو اس سے پاک اور برتر ہے کہ تیرے ساتھ کوئی اور معبود ہو۔ ہم تیرے فرمانبردار بندے ہیں اور ان سے ہم بیزار ہیں بلکہ یہ تو شیاطین کی پوجا کیا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ہی ان کے لئے بت پرستی کو آراستہ کیا تھا اور اس طرح انہیں گمراہی میں ڈال دیا۔ ان میں سے اکثر شیطان پر ایمان رکھتے تھے جیسا کہ فرمایا: اِنْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اِلٰهِنَا اِنْ اِنَّا لَشٰكِرُونَ اَلَا سُبْحٰنَكَ مَسِيْحُ اِلٰهِنَا لَعَنَهُ اللّٰهُ (النساء: 117-118) ”یہ مشرک عبادت نہیں کرتے اللہ سے سوا گمراہیوں

2- صحیح البخاری، المصنف، جلد 2، صفحہ 34

1- صحیح بخاری، کتاب ۶۰۶، جلد 2، صفحہ 142، صحیح مسلم، کتاب الزکاة، جلد 2، صفحہ 700

4- تفسیر ابن کثیر، جلد 3، صفحہ 561

3- لفظ العالی، ابن کثیر، کتاب البیوع، باب السلم، جلد 1، صفحہ 404

کی اور انہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی، اس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا يَنْبُذُكَ لِعْنِي يَتُونَ كَيْ سَاحْتِهِ جَوْفَعُ تَمْرٍ نِي
وابستہ کر رکھا تھا اور جن تکالیف کے ازالہ کے لئے تم ان کی پریشانی کیا کرتے تھے، وہ مقصد آج تمہیں ان سے حاصل نہیں ہوگا کیونکہ آج یہ
تمہارے لئے کسی نفع و نقصان کے، لگ نہیں۔ اس دن مشرکین کو بطور زجر و توبیح حکم ہوگا: لَوْ لَوْ فَؤُوقَهُمْ عَذَابُ ابْنِ الْقَارِ اِنَّكُمْ لَمِنْهَا تَكْتُمُونَ۔

وَ اِذَا سَأَلْتَهُمْ اَنْبِيَا بَيْنَتٍ قَالُوا مَا هَذَا اِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ اَنْ يَصْطَلِحَكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ
اَبَاؤَكُمْ وَقَالُوا مَا هَذَا اِلَّا افْكٌ مَّفْتَوًى وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوِ لِحَقٌّ لَّمَّا جَاءَهُمْ
اِنْ هَذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَمَا اَنْتُمْ بِمِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُوْنَهَا وَمَا اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمْ
قَبْلَكَ مِنْ نَذِيْرٍ ۝ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۝ وَمَا بَلَّغُوْا مَعْشَارًا مَّا اَنْتُمْ بِمَنْ قَدْ بَلَّغُوْا
رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرٍ ۝

اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں انہیں ہماری آیتیں اور آنحضرتؐ وہ بالکل واضح ہیں کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جس نے
ارادہ کر لیا ہے کہ روک دے تمہیں ان (معبودوں) سے جن کی تمہارے باپ دادا پوجا کیا کرتے تھے، نیز کہتے ہیں نہیں ہے
یہ قرآن مگر جھوٹ گھڑا ہوا۔ اور کفار کہتے ہیں حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آیا، کہ نہیں ہے مگر یہ جاوہر کھلا کھلا۔ اور
نہی ہم نے انہیں کوئی کتابیں دیں جن کا یہ مطالعہ کرتے ہوں اور نہ ہی ہم نے بھیجا ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈرانے
والا۔ اور (انبیاء کی) تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے۔ اور یہ (کفار مکہ) نہیں پہنچے دسویں حصہ کو بھی جو (توت دہدہ)
ہم نے ان کو دیا تھا پس جب انہوں نے جھٹلایا میرے رسولوں کو تو کتنے ہونے کہ تھ میرا عذاب۔

کفار کے متعلق خبر دہری ہے کہ وہ سخت سزا اور درناک عذاب کے مستحق ہیں کیونکہ جب یہ رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے اللہ
تعالیٰ کا تازہ کلام سنتے ہیں تو آپ ﷺ کے متعلق برزہ سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص تم لوگوں کو آبائی دین سے ہر گزٹہ کرنا چاہتا
ہے۔ یاد رکھو تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہی حق ہے اور اس رسول کا لایا ہوا قرآن باطل، جھوٹ اور واضح جادو ہے۔ پھر فرمایا: وَمَا اَنْتُمْ بِمَنْ
قَبْلَهُمْ ۝ یعنی قرآن کریم سے پہلے کوئی کتاب اللہ تعالیٰ نے عربوں پر نہیں اتاری اور نہ ہی حضرت محمد ﷺ سے پہلے کوئی نبی ان کی
طرف مبعوث کیا حالانکہ ان کی آرزو تھی کہ انہیں یہ نعمت نصیب ہو جائے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آتا تو کوئی کتاب
اترتی تو ہم سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم نوازی کرتے ہوئے انہیں اس گراں قدر نعمت سے سرفراز کیا
تو انہوں نے تکذیب، عناد اور انکار کی روش اختیار کر لی۔ پھر فرمایا: وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں نے
بھی پیغمبروں کو جھٹلایا اور دنیا میں ہم نے انہیں جو طاقت اور جاہ و منصب عطا کر رکھا تھا، یہ تو اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جیسا کہ فرمایا:
وَكَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَا اِنَّ عَلَيْنَا لَلْاٰمَانَةَ فَكَفَرُوا بِهَا ۝ اَتَاكُم مِّنْهُم وَاَسَدٌ مُّخَوِّفٌ (المومن: 82) یعنی ان کی قوت اور طاقت ان سے عذاب الہی کو نہ دور
کر سکی بلکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا تو انہیں نیست و نابود کر دیا گیا اس سے فرمایا: فَكَلْبًا بُرَا اَسْرٰى یعنی انہوں نے
میرے پیغمبروں کو جھٹلایا تو انہیں کیسے عبرتاً کہ عذاب سے دوچار ہونا پڑا اور کس طرح میں نے اپنے رسولوں کو نفع و نصرت سے نوازا۔

قُلْ اِنَّمَا اَعْطَلُّمُ بِوَاٰجِدَةٍ اَنْ تَقُوْا مَوْلٰى اللّٰهِ مَشٰى ۝ وَفَرَادٰى شِمُّ تَتَفَكَّرُوْا ۝ مَا بِصَاحِبِكُمْ

قِنْ جَسْمًا اِنْ هُوَ اِلَّا لَنْبِيٍّ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ①

” (اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمائیے میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں (یہ تو مان لو) تم اللہ کے لئے تھوڑے سے دو جاؤ دو دو یا اکیلے اکیلے پھر خوب سوچو۔ (تمہیں مانتا پڑے گا) تمہارے اس رفیق میں جنوں کو شائبہ تک نہیں۔ نہیں سے ہو کر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان کافروں سے ہمدردی جو اپنے زعم باطل میں آپ کو جھٹونہ بنتے ہیں کہ میں تمہیں صرف ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم سب خواہیں انسانی اور تعصب سے بالاتر ہو کر پورے مخلوق کے ساتھ غوراً فکر کرو اور ایک دوسرے سے دریافت کرو کہ کیا محمد (ﷺ) میں جنوں کا شائبہ تک بھی ہے؟ ہر شخص آپ ﷺ کے متعلق تنہائی میں غور و فکر کرے اور اگر کوئی اشکال پیدا ہو تو دوسروں سے دریافت کر لے، اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اللہ ﷻ میں جنوں والی کوئی بات نہیں بلکہ آپ تو تمہیں سخت عذاب کی آمد سے پہلے بروقت خبردار کرنے والے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد تنہا اور باجماعت نماز ادا کرنا ہے۔ دلیل کے طور پر وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو حضرت ابوامرؤہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”مجھے تین خصوصیات عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں اور میں یہ بات فرمائیے نہیں کہ میرے لئے نصیحتِ عالم کی گئی حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لئے حلال نہیں ہوئی۔ پہلے لوگ نصیحت کے مال جمع کر کے انہیں جاوایا کرتے تھے، مجھے ہر سرخ و سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا جبکہ ہر نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، میرے لئے سارے زمین کو مسجد اور ہر مٹ ٹھہرتا دیا گیا اور میں اس کی مٹی سے تمہیں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز ادا کر لو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنْ تَقُوْا هٰؤُلَاءِ يَمْشُوْا فِيْ اَرْضِيْ وَاَنْ تَقُوْا هٰؤُلَاءِ يَمْشُوْا فِيْ اَرْضِيْ“ (1)۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس آیت کی تفسیر باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے سے کرنا بعید ہے۔ شاید کسی راوی نے اپنی طرف سے حدیث میں اضافہ کر دیا ہو کیونکہ اصل حدیث تو صحت و غیرہ میں موجود ہے۔ فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا لَنْبِيٍّ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ سفاہ پنازی پر چڑھے اور ”یَنْصَبُ حَتَا“ کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ آپ کی آواز سن کر قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تمہیں میں یہ خبر دوں کہ صبح یا شام کے وقت دشمن تم پر یلغار کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟“ سب نے بیک زبان جواب دیا کہ ہم ضرور آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔ یہ سن کر ابوہریرہ نے لگا کہ تمہارے لئے ہلاکت ہو، کیا تم نے اس لئے ہمیں جمع کیا تھا۔ اس کے جواب میں حورہ نسبت یہ انی لب نازل ہوئی۔ اس کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اَنْ تَقُوْا هٰؤُلَاءِ يَمْشُوْا فِيْ اَرْضِيْ (الشعراء: 214) کے تحت ہو چکا ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور تمہیں مرتبہ ندا دیتے ہوئے فرمایا: ”اے لوگو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری اور تمہاری مثال کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”میری اور تمہاری مثال اس قوم کی ہے جسے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خوف لاحق ہوا۔ انہوں نے ایک آدمی کو روک دیا جو دشمن کے حالات سے آگاہی حاصل کر کے انہیں خبردار کرے۔ اسی اثنا میں اس نے دشمن کو دیکھ لیا اور اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے بھاگا۔ اسے یہ غم نہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو اس

کے خبردار کرنے سے پہلے ہی دشمن وہاں پہنچ جائے، چنانچہ اس نے اپنا کپڑا ہلانا شروع کر دیا کہ اے لوگو، خبردار دشمن آپہنچا، دشمن آپہنچا! (1)۔ تین مرتبہ یہ بات کہی۔ اس سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اور قیامت کو ایک ساتھ بھیجا گیا۔ قریب تھا کہ وہ مجھ پر سبقت لے جاتی“ (1)۔

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۗ إِنِ اجْتَبَىٰ إِلَاءَ عَلَى اللَّهِ ۗ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٥﴾
 قُلْ إِنِّي مَرْسِيٌّ يَتَّقِي بِآلِ الْحَقِّ ۗ عَلَامَةُ الْغَيْبِ ﴿١٦﴾ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبَدِّلُ الْبَاطِلَ وَمَا يُعِيدُ ﴿١٧﴾ قُلْ إِن صَلَّيْتُ فَإِنَّمَا أَصَلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۗ وَإِنِ اهْتَدَيْتُمْ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مَرْسِيٌّ ۗ إِنَّهُ سَيِّئٌ قَرِيبٌ ﴿١٨﴾

”فرمائیے (لوگو!) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس رکھو۔ میری (سوزیوں) کا اجر تو (میرے) اللہ کے ذمہ ہے، اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ فرمائیے بے شک میرا رب (باطل پر) حق سے ضرب لگاتا ہے، وہ سب غیباں کو جاننے والا ہے۔ (اے محبوب!) اعلان کر دیجئے حق آگیا اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ فرمائیے (تمہارے گمان کے مطابق) اگر میں بہک گیا ہوں تو اس کا وبال میری جان پر ہوگا۔ اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو (محض) اس وحی کے باعث جو میرا رب میری طرف بھیجتا ہے۔ بے شک وہ سب کچھ سننے والا بالکل نزدیک ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ مشرکین سے فرمادیں: مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ۔ یعنی میں جو تم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام بڑی سوزی سے پہنچا رہا ہوں، تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دے رہا ہوں، اس سے مقصود یہ نہیں کہ میں تم سے معاوضہ کا خواہشمند ہوں۔ اس کا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، میں اسی سے اجر و ثواب کا طلبگار ہوں اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ وہ میرے حالات کو بھی اچھی طرح جانتا ہے اور تمہارے حالات کے متعلق بھی اسے خوب علم ہے۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ إِنِّي مَرْسِيٌّ يَتَّقِي بِآلِ الْحَقِّ۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: يَتَّقِي الرَّؤُوفِينَ أَصْدِقِي مَنْ يُؤْتِيهِمْ مِّنْ قَبْلِهَا ۗ وَمِنْ قَبْلِهَا ۗ وَمِنْ قَبْلِهَا ۗ (المؤمن: 15) ”نازل فرماتا ہے وہی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر وہ چاہتا ہے“۔ یعنی وہ جبریل امین علیہ السلام کو اہل زمین میں سے جس بندے پر چاہے، بھیجتا ہے اور وہ تمام غیباں کا عالم ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ فرمایا: قُلْ جَاءَ الْحَقُّ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق اور عظیم شریعت آگئی اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا جیسا کہ ارشاد ہے: هَلْ تَتَّقِنَا ۗ بِآلِ الْحَقِّ ۗ عَلَىٰ الْبَاطِلِ ۗ قَدْ مَعَهُ قُوَّةٌ ۗ وَأَمَّا هُوَ ۗ زَاهِقٌ ﴿١٨﴾ ”بلکہ ہم تو حق سے باطل پر چوت لگاتے ہیں پس وہ اسے کھل دیتا ہے اور وہ یکا یک نابید ہو جاتا ہے۔“ فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو کعبہ کے اردگرد نصب کئے ہوئے بتوں کو آپ اپنی قوس کی ٹکڑی سے گراتے جاتے تھے اور ان آیات کی تلاوت کرتے جاتے تھے: وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ ۗ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ (بنی اسرائیل: 81) قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبَدِّلُ الْبَاطِلَ وَمَا يُعِيدُ (2)۔ یعنی باطل کی قوت کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ قدادہ اور سدنی کا خیال ہے کہ یہاں باطل سے مراد الہیس ہے یعنی الہیس نہ کسی کو پہلے پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ اور نہ ہی اسے اس پر قدرت حاصل ہے۔ اگرچہ یہ بات حق ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں۔ فرمایا: قُلْ إِنِّي

ایک مرتبہ فرمایا: «لَا تَلْمِزُوا الْمُؤْمِنِينَ إِذَ الْكُفْرَؤُا مُرْعَوْبِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّهُمْ أَبْصَرْنَا وَسَبَّعْنَا فَاتَمَّعْنَا بِهِمْ صَاعِقًا وَنُؤِقًا» (اسد: 12) "اگر کاش تم دیکھو جب مجرم سر جھکانے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھا اور سن لیا اور سن لیا پس ہمیں واپس بھیج، ہم ایک عمل کریں گے ہمیں اب پورا یقین ہو گیا ہے اس لئے فرمایا: «وَإِنِّي لَوَيْلٌ لِلَّهِ الْعَاقِلِ» یعنی اب ان کے لئے ایمان مانا کیسے ممکن ہے جب وہ قبول ایمان کے عمل سے بہت دور ہیں اور اردنیاسے دار آخرت میں پہنچ چکے ہیں اور دار آخرت دار جزا سے نہ دار اتلا۔ اگر وہ دنیا میں ایمان لے آتے تو اس کا انہیں فائدہ ہوتا۔ اب دار آخرت میں منتقل ہونے کے بعد قبول ایمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کی کیفیت اس شخص کی ہے جو بہت دور کی چیز کو بچنے کی کام کو کوشش کرتا ہے۔ انہیں زبردستی اللہ تعالیٰ کا معنی بتاتے ہیں کہ دنیا سے کوچ کر کے آخرت میں جانے کے بعد ان کا ایمان کو پالنا ممکن نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے امر کی خواہش کریں گے جس کا حصول ممکن نہیں۔ یعنی دور سے ایمان کو پالنے کی کوشش کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ دنیا میں واپس لوٹے اور توبہ کر لینے کی آرزو کریں گے لیکن اب نہ لوٹنے کا وقت ہوگا اور نہ توبہ کا۔ فرمایا: «وَقَدْ كَفَرَؤُا بِهِمْ قَبْلَ» یعنی آخرت میں انہیں ایمان کیسے حاصل ہوگا حالانکہ دنیا میں وہ حق کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے اور دور سے بن دیکھے تیس آریاں اور یا وہ گویاں کرتے رہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: «رَبِّمَالِ الْغَيْبِ» (الکہف: 22) "یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے"۔ یعنی وہ ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کاہن کہتے، کبھی سحر کبھی جھوٹوں، کبھی شاعر اور اس طرح کی ہرزہ سرائی کرتے۔ مزید برآں دو قبروں سے جی اٹھنے اور قیامت کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے: «إِنَّا نَحْنُ وَإِلَٰهَانَحْنُ» پس نتیجہ میں (الجماعہ: 32) "ہمیں تو یونہی ایک گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں اس پر قطعاً یقین نہیں"۔ قادیان اور مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ انکل پیچ سے کہتے ہیں کہ نہ دوبارہ قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، نہ جنت ہوگی اور نہ دوزخ (1)۔ اس فرمان و جیند بینہم و بینہم ہا یہیٰ شہدوں کے متعلق حضرات حسن بصری اور ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ ان کے اور ایمان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی۔ سدی کہتے ہیں کہ ان کے اور توبہ کے درمیان حجاب قائم کر دیا جائے گا۔ ابن جریر نے اس کو پسند کیا ہے۔ مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے درمیان اور مال و متاع اور اہل و عیال کی ان کی دنیاوی خواہشات کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ صحیح بات یہی ہے کہ ان دونوں قولوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ انہیں نہ صرف دنیاوی خواہشات سے محروم کر دیا جائے گا بلکہ آخرت میں بھی ان کی مظلومہ اشیاء انہیں میسر نہ ہوں گی۔ ابن ابی حاتم نے اس مقام پر ایک نہایت عجیب و غریب اثر نقل کیا ہے جسے ہم مکمل ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت مالدار شخص تھا، اس کی وفات کے بعد اس کا نالائق اور نالایق بیٹا اس کا وارث بنا۔ وہ گناہوں میں اپنا مال پانی کی طرح بہانے لگا۔ جب اس کے چچاؤں کو اس کی فضول خرچی کا علم ہوا تو وہ اسے لعن طعن اور ملامت کرنے لگے۔ نوجوان نے برا فروخت ہو کر چپکے سے اپنی ساری جائیداد فروخت کر دی اور وہاں سے کوچ کر کے ایک اونچے چشمے کے قریب آباد ہو گیا۔ یہاں اس نے ایک محل تعمیر کروایا۔ ایک دن وہ وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ زور کی آمدھی چلی جو اس کے پاس خوشبو سے مہکتی ہوئی ایک خوبرو عورت اٹھ لائی۔ عورت نے نوجوان سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کا ایک فرد ہوں۔ عورت نے دریافت کیا کہ یہ محل اور یہ مال تمہارا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ عورت نے سوال کیا کہ تمہاری بیوی ہے؟

کہا: نہیں۔ وہ کہنے لگی کہ بیوی کے بغیر تم زندگی سے کیسے لطف اندوز ہوتے ہو؟ نو جوان نے جواب دیا کہ سب کچھ تھا، تمہارا تو کہہ دیا کہ کیا تمہارا خاندان ہے؟ عورت نے جواب دیا: نہیں۔ نو جوان کہنے لگا کہ کیا تم میرے ساتھ شادی کرنے کے لئے راضی ہو؟ عورت نے جواب دیا کہ میں یہاں سے ایک میل کی مسافت پر رہتی ہوں، کھل میرے پاس ایک دن کا زاد لے کر آنا اور اگر رستہ میں تمہیں کوئی خوفناک چیز نظر آئے تو مت ڈرنا۔ اگلے دن نو جوان نے ایک دن کا زاد لیا اور وہاں سے چل پڑا۔ ایک میل کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ ایک تک پہنچ گیا۔ دستک ہی تو خوشبو سے مہکتا ہوا ایک خوبصورت نو جوان باہر آیا اور پوچھنے لگا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں اسرائیلی ہوں۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ اس محل کی مالک نے مجھے بلایا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ تم نے درست کہا، کیا رستہ میں تمہیں کوئی ہونناک چیز نظر آئی؟ اسرائیلی نے جواب دیا: ہاں اور اگر اس عورت نے مجھے ان خطرات سے آگاہ نہ کیا ہوتا تو میں ان خوفناک چیزوں کو دیکھ کر دہشت سے مرہی جاتا جو مجھے رستہ میں نظر آئیں۔ اس نے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا؟ اسرائیلی نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ رستہ میں مجھے منہ کھولے ہوئے ایک کتیا دکھائی دی، میں خوفزدہ ہو کر بھاگا لیکن پھر بھی وہ میرے آگے آگے رہتی اور اس کے پیٹ میں سب سے بھونکتے رہے۔ اس نو جوان نے کہا کہ تم اسے نہیں پاؤ گے، یہ تو آخر زمانہ میں ہونے والی ایک بات کی مثال تھی دکھائی گئی ہے کہ ایک لڑکا بڑے بوڑھوں کی محفل میں بیٹھ کر ان سے راز و نیاز کی باتیں کرے گا۔ اسرائیلی نے اپنی بات چاری رکھتے ہوئے کہا کہ پھر تھوڑا سا فاصلہ طے کر لینے کے بعد جب میں آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سو بمریاں ہیں جن کے تھن دودھ سے لبریز ہیں اور ایک بچہ دودھ پی رہا ہے، جب دودھ ختم ہو جاتا ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اب کچھ باقی نہیں رہا تو وہ مزید دودھ کے لئے اپنا منہ کھولتا ہے۔ نو جوان نے جواب دیا کہ تو اسے نہیں پاسے گا۔ یہ آخر زمانہ میں ہونے والی ایک بات کی مثال بیون کی گئی ہے کہ ایسے بادشاہ ہوں گے جو لوگوں سے سب سے بڑھ کر پھینک لینے کے باوجود منہ کھولے ان سے اور طنز کریں گے۔ اس کے بعد پھر میں آگے بڑھا، ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ مجھے درخت نظر آئے۔ ان میں سے ایک سرسبز درخت کی ٹہنی مجھے بہت بھلی لگی، میں نے اسے توڑنا چاہا تو ایک دوسرے درخت نے مجھے آواز دی کہ اے اللہ کے بندے! میری ٹہنی توڑ لو، پھر ہر ایک درخت مجھ سے یہی تقاضا کرنے لگا۔ یہ سن کر نو جوان نے کہا کہ تم اسے نہیں پڑو گے۔ یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ آخر زمانہ میں مردوں کی قلت ہوگی اور عورتوں کی کثرت۔ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ ایک مرد کسی عورت کو شادی کا پیغام دے گا تو اس میں عورت اسے اپنی طرف بلانے لگیں گی۔ اسرائیلی نے مزید بتایا کہ میں نے پھر سفر شروع کر دیا، تھوڑا آگے جا کر میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک چشمہ پر کھڑا لوگوں کو پانی بھر بھر کر دے رہا ہے۔ جب سب لوگ وہاں سے پانی لے کر چلے جاتے ہیں تو وہ اپنے گھرنے میں پانی ڈالتا ہے لیکن پانی کا ایک قطرہ تک اس میں نہیں ٹھہرتا اس نو جوان دربان نے اسرائیلی سے کہا کہ تم اسے بھی نہیں پاؤ گے۔ اس میں دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آخر زمانہ میں ایسے واعظین ہوں گے جو لوگوں کو علم سکھائیں گے لیکن خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے۔ اسرائیلی نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد پھر میں نے ایک بکری دیکھی، کچھ لوگ اس کے پاؤں پکڑے ہوئے تھے، ایک شخص نے اس کے سینوں کو اور ایک نے دم کو پکڑ رکھا تھا، ایک شخص اس پر سوار تھا اور ایک اس کا دودھ دھ رہا تھا۔ نو جوان دربان نے جواب دیا کہ بکری دنیا ہے، اس کے پاؤں پکڑنے والے وہ ہیں جو دنیا کے عیش و آرام سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سینوں کو تھانے والا وہ شخص ہے جسے شہرتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو دم پکڑے ہوا تھا، ایسے شخص سے دنیا منہ پھیر لیتی ہے، اس پر سوار تارک الدنیا ہے اور اسے دوہنے والا کیا ہی خوش نصیب ہے جو اس کے حصوں میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اسرائیلی مزید لہنے لگا کہ آگے جا کر میں نے

دیکھا کہ ایک آدمی کنوئیں سے پانی نکال رہا ہے، جو بھی ڈول نکالتا ہے، اسے ایک حوض میں انڈیل دیتا ہے لیکن پانی پھر حوض سے کنوئیں میں لوٹ آتا ہے۔ یہ سن کر وہ بان کہنے لگا کہ یہ ایسے شخص کی مثال ہے جو نیک عمل کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں کرتا۔ اسرائیلی کہنے لگا کہ تمھوڑا آگے جا کر مجھے ایک ایسا شخص دکھائی دے جو زمین میں بیچ ڈال رہا ہے، فوراً کھیتی تیار ہو جاتی ہے اور عمدہ گندم برآمد ہوتی ہے۔ نوجوان وہ بان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایسا شخص ہے جس کے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بھی عطا کرتا ہے اور اس میں برکت اور اضافہ بھی فرماتا ہے۔ اسرائیلی نے اپنی بات کھل کرتے ہوئے بتایا کہ مزید مسافت طے کرنے کے بعد میں نے ایک آدمی دیکھا جو چیت لیتا ہوا تھا، اس نے مجھے کہا: اے اللہ کے بندے! میرے قریب آؤ اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھاؤ۔ اللہ کی قسم! جب سے میں پیدا ہوا ہوں، اس وقت سے نہیں بیٹھا۔ چنانچہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ بھگ کھڑا ہوا اور میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ سن کر وہ نوجوان کہنے لگا کہ یہ تیری عمر ہے جو ختم ہو چکی ہے اور میں ملک الموت ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہاری روح اس جگہ قبض کروں اور پھر تمہیں جہنم رسید کر دوں۔ اس کے بارے میں یہ آیت وَجِئِلْ بَيْنَهُمْ... نازل ہوئی (1)۔ یہ اثر خریب ہے اور اس کی صحت مشکوک ہے۔ اس شخص کے متعلق اس آیت کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو جب موت آتی ہے تو ان کی روحیں دنیاوی زندگی اور اس کی لذتوں میں ہی کھوئی رہتی ہیں، بالکل اسی طرح جیسا کہ اس فریب خوردہ اسرائیلی کے ساتھ ہوا۔ وہ اپنا مقصود حاصل کرنے کے لئے گیا لیکن ملک الموت نے اسے اچانک دیوچ لیا اور اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی۔ فرمایا: كَمَا قُعِدِي بِأَشْيَا جَهَنَّمَ بَيْنَ قَبْرِي۔ یعنی جہنم کو جھلانے والی گزشتہ قوموں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ جب عذاب الہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تو وہ تڑپا کرنے لگے کہ کاش وہ ایمان لے آتے لیکن اب ان کا ایمان قبول نہ کیا گیا جیسا کہ فرمایا: قُلْنَا نَرَاذَابًا لَّنَا لَوْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَخَدَعْنَا وَحَبِيْرُهُنَّالِكِ الْكُفْرُؤَدُ (المومن: 84-85)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِلَهُمْ كَالَّذِي فِي شَكِّ مُرِيْبٍ۔ یعنی وہ دنیا میں شک و شبہ کا شکار تھے اس لئے عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ان کا ایمان قبول نہ ہوا۔ قنادہ فرماتے ہیں کہ شک و شبہ سے بچو کیونکہ جو شخص شک پر فوٹ ہوا، وہ اسی پر اٹھایا جائے گا اور جس شخص کی وفات یقین پر ہوئی، اسے اسی پر اٹھایا جائے گا (2)۔

سورہ فاطر (ملکہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةَ رُسُلًا اُولٰٓئِ اٰجْنَِحَةً مَّشٰٓئِیْ وَوُجُوْهًا

رُءُوْبًا یَّرِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۱

”سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے بنایا ہے فرشتوں کو پیغام رساں جو پرواز

بازوؤں والے ہیں کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار۔ وہ زیادہ کرتا ہے بناوٹ میں جو چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر

چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے لفظ ”فاطر“ کا صحیح معنی اس وقت سمجھ میں آیا جب دو اعرابی ایک کنویں کے بارے

میں جھگڑتے ہوئے میرے پاس آئے، ان میں سے ایک نے کہا: ”اِنَّ فَطَّرْتَهَا“ یعنی اس کنویں کو ابتدا میں نے کھودا تھا (1)۔ پس فاطر

کا معنی ہے ایجاد کرنے والا، بغیر نمونہ کے تخلیق کرنے والا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں فاطر بمعنی خالق ہے۔ پھر فرمایا: جَاعِلِ

الْمَلٰٓئِكَةِ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے پیغمبروں کے درمیان پیغام رسانی کے لئے پروں والے فرشتوں کو اپنا قاصد بنایا ہے جو ان

کے ذریعے پرواز کر کے فوراً پیغام پہنچاتے ہیں، ان میں سے بعض کے دو پر ہیں، بعض کے تین اور بعض کے چار۔ بعض ایسے فرشتے ہیں کہ

جن کے اس سے بھی زائد پر ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے معراج کی شب جبریل علیہ السلام کو دکھا کہ ان کے

چھ سو پر تھے اور ہر دو پروں کے درمیان اس قدر مسافت تھی جتنی مشرق و مغرب کے درمیان (2)، اس لئے فرمایا: یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ۔ سدی

اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے، پر اور زیادہ کر دیتا ہے اور جیسے چاہے نہیں تخلیق فرماتا ہے۔ امام زہری اور ابن

جریز اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حسن صوت میں اضافہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے، ایک شاہ قرأت میں الخلق کی بجائے الخلق

ہے یعنی حاء کے ساتھ۔

مَا یَقْتَرِحُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكٍ لَهَا ۗ وَمَا یُنسِکُ ۗ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِ ۙ

وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝۲

”جو عطا فرمائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اپنی) رحمت سے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جو روک دے، تو اسے کوئی دینے والا

نہیں اس کے روکنے کے بعد، اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔“

اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو اس کی مشیت میں نہ ہو، وہ نہیں ہو سکتا۔ جو وہ عطا کرے، اسے کوئی

روکنے والا نہیں اور جسے وہ روک لے، اسے کوئی دینے والا نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ہذرہ لیں خط خواہش کی کہ آپ مجھے ایسے ارشادات لکھ دیں جنہیں آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ حضور ﷺ نماز سے فراغت کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ - اللَّهُمَّ لَا مَنَابِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَنَّةِ مِنْكَ الْجَدُّ“ اور آپ ﷺ فضول کوئی، کثرت سوال، مال کو ضائع کرنے، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے، ماؤں کی نافرمانی کرنے، بخل اور چھینا چھینی سے منع کیا کرتے تھے (1)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے: ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَّا السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَمِثْلًا مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ - اللَّهُمَّ أَهْنُ السَّاءِ وَالْمَجْدُ أَحَقُّ مَا قَانَ الْجَدُّ وَكُنَّا لَكَ عَبْدٌ، اللَّهُمَّ لَا مَنَابِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَنَّةِ مِنْكَ الْجَدُّ“ (2) اس آیت کی طرح یہ آیت بھی ہے: ”وَإِنْ تَسْتَسْئَلِ اللَّهَ بِضِيْفٍ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِذًا هُوَ قَوْنٌ أَنْ يَزِدَكَ بِخَيْرٍ فَلَا تَرَاؤُا لِيَضْلِبَهُمْ يَاسُ“ (107) اور اگر تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اسے بجز اس کے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے لئے کسی بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔ اس جیسی اور بھی آیات ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بارش برتی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ہم پر فتح کے ستارے سے بارش برساتی گئی، پھر آپ اس آیت کی تلاوت کرتے (3)۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يُرْزِقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَ
الْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاقْنُوا فَكُونَ ①

”اے لوگو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو اس نے تم پر فرمائی۔ (بھلائیہ تو بتاؤ) کیا اللہ کے بغیر کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں

رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ سو (اس سے) منہ پھیر کر کوہر جا رہے ہو؟“

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے مستحق عبادت ہونے پر استدلال کرنے کی طرف رہنمائی کی جا رہی ہے۔ چونکہ خالق اور رزق صرف

وہی ہے، اس لئے چاہئے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، اس لئے فرمایا: لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ -

یعنی جب دلیل کے ساتھ یہ بات ثابت اور واضح ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر تم کیونکر بے بے بھر رہے ہو اور بتوں کی پوجا

کر رہے ہو۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ① يَا أَيُّهَا

النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَعْزِبُكُمْ بِاللَّهِ الْعِزَّةُ ۗ إِنَّ

الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوا لَهُ عَدُوًّا ۗ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ①

”اور اے حبیب! اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو کوئی نئی بات نہیں) آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا۔ اور (آخر کار)

2- صحیح مسلم، کتاب الصلاة، جلد 1 صفحہ 343

1- فتح الباری، کتاب الاقسام، جلد 13 صفحہ 264 صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 415

3- مولانا، م، ک، کتاب الاستسقاء، جلد 1 صفحہ 192

اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جاتے ہیں۔ اے لوگو! (یاد رکھو) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیوی زندگی۔ اور نہ فریب میں مبتلا کر دے تمہیں اللہ کے بارے میں وہ بڑا فریبی۔ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کر۔ وہ فقط اس لئے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گردہ کو تاکہ وہ جنہیں من چاہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور آپ کے لئے ہوئے پیغام توحید کی مخالفت کر رہے ہیں تو آپ آزر وہ خاطر نہ ہوں، سابقہ انبیاء کا اسوہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ جب اپنی قوموں کے پاس واضح دلائل لے کر آئے اور انہیں توحید کا پیغام دیا تو ان کی قوموں نے بھی ان کی تکذیب اور مخالفت کی، اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں یعنی وہ انہیں ان کے کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پھر فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ... یعنی اے لوگو! قیامت کا وعدہ ہر حق ہے اور اس کا وقوع یقینی اور حتمی ہے، اس لئے اخروی ابدی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی گھٹیا زندگی تمہیں دھوکہ میں مبتلا نہ کرے اور دنیا کی فانی لذتوں میں گم ہو کر اس دائمی زندگی سے غافل مت ہو جانا اور بہت بڑا فریبی تمہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب میں مبتلا نہ کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غرور سے مراد شیطان ہے یعنی شیطان تمہیں فتنہ میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی اتباع اور اس کے کلمات کی تصدیق سے برگشتہ نہ کر دے کیونکہ وہ بہت بڑا مکار، دھوکہ باز اور جھوٹا ہے۔ سورہ القمان کے آخر میں بھی یہی فرمان ہے۔ پس غرور (دھوکہ باز) سے مراد شیطان ہے۔ قیامت کے دن جب مومنوں اور منافقوں کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور ظاہری حصہ میں عذاب ہوگا، اس وقت منافقین مومنین سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اہل ایمان جواب دیں گے: بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ ۖ وَتَعَزَّوْكُمْ بِأَسِنَّةِ الْعُرْوَةِ الْأَعْلَىٰ (الحج: 14) پھر ابن آدم کے ساتھ ابلیس کی عداوت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: إِنَّ الشَّيْطَانَ تَوَلَّاهُمْ ۖ... یعنی شیطان تو تمہارے ساتھ اپنی عداوت علی الاعلان ظاہر کرنے والا ہے، اس لئے تم اس سے انتہائی عداوت اور بغض رکھو، اس کی مخالفت کرو اور اس کے فریب میں نہ آؤ، اس کا مقصد تمہیں گمراہ کرنا ہے تاکہ وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ کر جہنم میں لے جائے۔ یہ سب واضح اور اعلان شدہ دشمنی۔ ہم اللہ قوی و عزیز سے خواستگار ہیں کہ وہ ہمیں شیطان کا دشمن ہی بنائے رکھے اور اپنی کتاب کی اتباع اور اپنے رسول ﷺ کی سنت کی اقتداء کی توفیق ارزانی فرمائے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور عداوت کو قبول فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر شیطان دشمنی کو یوں بیان فرمایا: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ ۖ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْرَاهِيمَ ۖ بَدَّلَا (الکہف: 50)۔

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۗ
 أَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ أَمَنَ رَبِّيَ لَهُ سَوْءُ عَمَلِهِ قَرَأَ حَسَنًا ۗ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِسَائِعُونَ ۝

”جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔ پس کیا وہ شخص جس کے لئے مزین کر دیا گیا ہے اس کا برا عمل اور وہ اس کو خوبصورت نظر آتا ہے (اس کے لئے آپ آزر وہ کیوں ہوں) بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ پس

نہ گھلے آپ کی جان ان کے لئے فرط غم سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو (کرتوت) کو دیکھا کرتے ہیں۔ یہ بیان کرنے کے بعد کہ ابلیس کے پیروکاروں کا ٹھکانہ جہنم ہے اب یہاں اس بات کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفار کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ شیطان کے مطیع اور رطن کے ذفرمان ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کو نہ صرف بخش دیا جاتا ہے بلکہ انہیں ان کے نیک اعمال کا بہت بڑا اجر ملے گا، پھر فرمایا: **أَقْسَمُ بِذُنُوبِكُمْ**۔ یعنی کافر اور بدکار لوگ جو اپنی سیاہ کاریوں اور بد اعمالیوں کو نیکیاں گمان کرتے ہیں کیا ایسے گمراہ لوگوں کے متعلق آپ کی کوئی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے؟ بالکل نہیں۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لئے آپ فرط غم سے ان پر اپنی جان نہ گھلائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ میں کوئی نہ کوئی حکمت کا فرما ہوتی ہے۔ وہ اپنی حکمت بالغہ اور علم کامل کے پیش نظر ہی کسی کو گمراہ کرتا ہے یا ہدایت سے نوازتا ہے، اس لئے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمُ بِمَا يَصْنَعُونَ**۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو تار کئی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ پس اس دن جس پر وہ نور پڑ گیا وہ ہدایت پا گیا اور جسے وہ نور نہ ملا، وہ گمراہ ہو گیا، اس لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق قلم (چنے کے بعد) خشک ہو گیا“ (1)۔ حضرت زید بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو گمراہی سے ہدایت عطا فرماتا ہے اور جس پر چاہے گمراہی ڈال دیتا ہے“۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَاللَّهُ الَّذِي أَمْسَكَ الرِّيحَ فَتَشِيرُ سَحَابًا فَسُقْتُهُ إِلَىٰ بَدَنِ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَمْوَاتَ
بَعْدَ مَوْتِهِمَا ۗ كَذٰلِكَ النُّشُورُ ۝۱ مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۗ إِلَيْهِ يَصْعَدُ
الْكَفِيمُ الظُّبُبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۗ وَالَّذِينَ يَسْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيدٌ ۗ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ۝۲ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ
أَزْوَاجًا ۗ وَمَاتَّحِلٌ مِنْ نَفْسٍ وَلَا تَنْصَرِفُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۗ وَمَا يَعْتَدِ مِنَ الْوَعْدِ وَلَا يَنْقُصُ مِنَ
عَمْرِهِ ۗ إِنْ ذٰلِكُمْ عَلَىٰ اللَّهِ يَسِيرٌ ۝۳

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو وہ اٹھالاتی ہیں یا دل کو، پھر ہم لے جاتے ہیں یا دل کو مردہ شہر کی طرف پھر ہم زندہ کر دیتے ہیں اس یا دل (کے عین) سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد، یونہی (انہیں) قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ جو عزت کا طلبگار ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے یا کبیرہ کلام اور نیک عمل یا کبیرہ کلام کو بلند کرتا ہے۔ اور جو لوگ فریب کاریاں کرتے ہیں برے کاموں کے لئے ان کیلئے شدید عذاب ہے۔ اور ان کا کمر (دفریب) تباہ ہو کر رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں بنا دیا جوڑے۔ جوڑے، اور تمہیں حائل ہوتی کوئی عورت اور نہ بچہ جنسی ہے مگر اس کو اس کام ہوتا ہے۔ اور نہ لمبی زندگی دی جاتی ہے کسی طویل العمر کو اور نہ کم عمری جاتی ہے کسی کی عمر مگر (اس کی تفصیل) کتاب میں درج ہے۔ بیشک یہ بات اللہ کے لئے

بالکل آسان ہے۔“

قرآن کریم میں عموماً موت کے بعد کی زندگی پر مردہ زمین کے زندہ اور سرسبز و شاداب ہو جانے سے استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ حج کے شروع میں بھی اس چیز کا تذکرہ کیا گیا ہے (1)۔ بندوں کے لئے اس میں یہ عبرت اور دلیل ہے کہ وہ دوبارہ جی اٹھنے کو مردہ زمین پر قیاس کریں جس میں شادابی اور ہریالی کا نام و نشان تک نہیں ہوتا لیکن جب اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش برتی ہے تو ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے، اسی خشک زمین پر رونق آجاتی ہے اور نباتات اپنی بہار دکھانے لگتی ہیں، بالکل اسی طرح بندوں کے احسام مردہ حالت میں ادھر ادھر منتشر ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا چاہے گا تو عرش سے بارش برسائے گا جس کا پانی تمام روئے زمین پر پھیل جائے گا اور اس سے اجسام اپنی قبروں میں یوں اگے نگیں گے جیسے زمین سے دانے اگتے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے: ”ہر ابن آدم بوسیدہ ہو جاتا ہے۔ بجز ریزہ کی ہڈی کے، اسی سے یہ پیدا کیا گیا اور اسی سے اسے ترکیب دیا جائے گا“ (2)۔ اس لئے فرمایا: كَذٰلِكَ السُّوْمُ۔ سورۃ حج میں حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کیسے مردوں کو زندہ کرے گا اور مخلوق میں اس کی دلیل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابورزین! کیا تمہارا کسی ایسی داوی سے گزر ہوا جو پہلے بنجر اور اجاز تھی اور پھر دوبارہ گزر ہوا تو وہ سبزی و شادابی کے ساتھ لہلہا رہی تھی؟“ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا“ (3)۔ اس کے بعد فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيهَا الْعِزَّةَ... یعنی جو شخص دنیا و آخرت میں معزز رہنے کا خواہاں ہے، اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لے تو پھر اسے اپنا مقصود حاصل ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا و آخرت کا مالک ہے اور عزت بھی تمام کی تمام اسی کی ملکیت میں ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ اَلْكَفٰرِيْنَ اَوْ ذٰلِيْنَ اَلْحٰدِثِيْنَ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيُّسُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةُ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (النساء: 139) ”وہ کافر جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں تو (وہ سن لیں) عزت سب کی سب اللہ کے لئے ہے۔“ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِيَسْئَلُوْهُ وَ يَلْمِزُوْهُمْ وَ لٰكِنّ اَلْمُتَّقِيْنَ لَا يَعْزُبُوْنَ (المنافقون: 8) ”اور ساری عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے ہے اور ایمان والوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں۔“ وَ لَا يَعْزُبُ عَنْكَ تَوَلُّهُمُ مِّنَ الْعِزَّةِ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (یونس: 65) ”اور ان کی باتیں آپ کو غمزہ نہ کریں یقیناً ساری عزت اللہ کے لئے ہے۔“ مجاہد اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو شخص بت پرستی کے ذریعے عزت کا طلبگار ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ عزت تمام کی تمام اللہ کیلئے ہے، عقادہ کہتے ہیں کہ جو شخص عزت کے حصول کا متمنی ہے، اسے چاہئے کہ وہ اطاعت الہی کے ذریعے عزت حاصل کرے۔ بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جو شخص یہ جاننے کا خواہشمند ہو کہ عزت کس کے لئے ہے تو وہ جان لے کہ عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے لئے ہے (4)۔ پھر فرمایا: اَلَيْسَ بِعَصَا الْعَجْمِ الطَّيِّبِ۔ متعدد سلف کے بقول الْعَجْمِ الطَّيِّبِ (پاکیزہ کلمات) سے مراد کر، تلاوت اور دعا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے سامنے جو حدیث بیان کرتے ہیں، اس کی تصدیق قرآن کریم سے بھی پیش کرتے ہیں۔ سنو! جب کوئی بندہ مسلمان یہ کلمات پڑھتا ہے: ”سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ“۔ تو ایک فرشتہ ان کلمات کو اپنے پر کے نیچے محفوظ کر لیتا ہے، پھر انہیں لے کر

2- تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ مومنون: 14

1- الحج: 5-7

4- تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 120

3- تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ حج: 6

آسمان کی طرف رخ کرتا ہے، وہ فرشتوں کے جس مجمع کے پاس سے گزرتا ہے، وہ ان کے قائل کے لئے استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان کلمات کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیتا ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تفسیر کی (1)۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ کی عرش کے ارد گرد اس طرح گونج پڑتی ہے جیسے شہد کی مکھیوں کی جھنناہٹ۔ یہ کلمات اپنے قائل کا ذکر اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور نیک اعمال خزانوں میں محفوظ ہیں (1)۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ اللہ تعالیٰ کے جلال سے اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تسبیح، اس کی بڑائی، اس کی حمد اور اس کی تہلیل کرتے ہیں تو یہی کلمات عرش کے ارد گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں، شہد کی مکھیوں کی جھنناہٹ جیسی ان کی گونج ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے قائل کا ذکر کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی ایسی چیز ہو جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا ذکر کرتی رہے“ (2)۔ پھر فرمایا: ”وَإِنَّمِنَّا إِلَهًا وَإِنَّمِنَّا إِلَهُكُمْ“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پاکیزہ کلمات سے مراد اللہ کا ذکر ہے جو اس کی طرف بلند ہوتا ہے اور عمل صالح سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے۔ پس جو شخص فرائض کی ادائیگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا عمل اس ذکر کو اللہ تعالیٰ کے حضور بلند کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر تو کرے لیکن فرائض کی ادائیگی نہ کرے، اس کا کلام اس کے عمل پر لوٹا جایا جاتا ہے (3)۔ مجاہد بھی یہی فرماتے ہیں کہ عمل صالح پاکیزہ کلمہ کو بلند کرتا ہے۔ ایسا بن معاویہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عمل صالح نہ ہو تو پاک کلمہ بلند نہیں ہوتا۔ حضرات حسن و قتادہ فرماتے ہیں کہ عمل کے بغیر قول مقبول نہیں۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر اور شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ ”وَلَا يَدْخُلُونَ إِلَهًا إِلَّا قَلِيلًا“ سے مراد مشرکین ہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے اور مشرکین اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں اس لئے فرمایا: نَبِّئْهُمْ عَنَّا يَا سَيِّدِينَ..... یعنی ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا سکر و فریب فاسد، باطل اور نیست و نابود ہونے والا ہے اور ان کا سکر اور جھوٹ غمگین و غمگندوں پر ظاہر ہو جائے گا کیونکہ کسی شخص کے دل میں جو بات پوشیدہ ہوتی ہے، اس کے اثرات اس کے چہرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی نہ کبھی وہ بات اس کی زبان پر آ ہی جاتی ہے کیونکہ باطن کا ظاہر پر منعکس ہونا لازمی امر ہے۔ چنانچہ کسی کے باطن میں جو کچھ مخفی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا لباس اسے پہنا دیتا ہے، اگر خیر پوشیدہ ہے تو خیر کا لباس اور اگر شر مضمحل ہے تو شر کا۔ یا کار اپنے ہمیں کو زیادہ دیر تک نہیں چھپا سکتا اور نہ طویل مدت تک لوگوں کو دھوکہ دہی کا شکار رکھ سکتا ہے۔ کوئی غی اور بے وقوف ہی اس کی حقیقت سے ناواقف رہ سکتا ہے، جہاں تک فہم و فراست کے حامل اہل ایمان کا تعلق ہے تو ان پر ان کا فریب طویل عرصہ تک پوشیدہ نہیں رہتا بلکہ جلد ہی منکشف ہو جاتا ہے اور اس عالم غیب پر تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر فرمایا: وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی، پھر ان کی نسل کا سلسلہ ایک حقیر پانی سے جاری کر دیا۔ پھر اس نے تمہیں جوڑا جوڑا (مرد و زن) بنا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم اور رحمت ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں بنا کیں تاکہ تم ان سے سکون و راحت حاصل کر سکو۔ پھر فرمایا: وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ یعنی ہر حاملہ کے حمل اور وضع حمل کا اسے بخوبی علم ہے۔ اس بارے میں کوئی چیز اس پر مخفی نہیں بلکہ ہر جھڑنے والے پتے، زمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے دانے اور ہر خشک وتر کے متعلق اسے پورا پورا علم ہے۔ اس موضوع پر بحث اس فرمانِ اللہ سے ہونا چاہئے: وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَمَا تَحْمِلُ إِلَّا شَاهِدًا..... (المرعدہ: 9-8) کے تحت گزر چکی ہے۔ اس کے بعد ارشاد

2- سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1252، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 268

1- تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 120

3- تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 121

ہوتا ہے: وَقَالِیَعْنَدَ مِنْ مَعْنَبٍ... یعنی جس نطفے کو طویل عمر ملنے والی ہے، اسے بھی وہ جانتا ہے اور یہ اس کے پاس لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ وَلَا یُنْقَضُ مِنْ عُیُوبَةٍ میں ضمیر کا مرجع جنس ہے نہ کہ معین فرد کیونکہ طویل العمر کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی عمر میں کمی نہیں ہوتی، پس ضمیر جنس کی طرف لوثی ہے، یہ عربوں کے اس قول کی طرح ہے: "عِنْدَی قَوْبٌ وَیَضْفُهُ" یعنی میرے پاس ایک کبوتر اور دوسرے کبوتر کے ا نصف ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس شخص کے لئے میں نے طویل عمر مقدر کی ہے، وہ اس تک ضرور پہنچے گا کیونکہ یہ میں نے کتاب میں لکھ رکھا ہے اور اس پر انشاء نہیں ہوگا اور اسی طرح میں نے کتاب میں جس شخص کی کم عمر مقدر کی ہے، وہ لامحالہ اس مقررہ عمر تک پہنچے گا۔ یہ ساری باتیں کتاب میں درج ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے (1)۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان وَلَا یُنْقَضُ مِنْ عُیُوبَةٍ کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد اجل کا مکمل ہونے سے پہلے ساقط ہو جانا ہے۔ عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ تم نہیں دیکھتے کہ بعض لوگ سو سو سال کی عمر پاتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساٹھ سال کی عمر سے پہلے مرنے والا بھی کم عمر والا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حکم درمیں عمر لکھ دی جاتی ہے۔ ساری مخلوق کی عمر یکساں نہیں ہوتی بلکہ کوئی لمبی ٹر والا ہوتا ہے اور کوئی کم عمر والا۔ یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے اور یہی ظہور پذیر ہوتا ہے (2)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مَا یَعْنَدُ مِنْ مَعْنَبٍ کا معنی ہے جو اجل لکھی جاتی ہے اور وَلَا یُنْقَضُ مِنْ عُیُوبَةٍ کا معنی ہے جو اس میں سے آہستہ آہستہ گزر رہی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں مکتوب ہے۔ یکے بعد دیگرے جو سال، مہینے، دن اور گھنٹیاں بیت جاتی ہیں، ان سب کا حساب لوح محفوظ میں لکھ ہوا ہے۔ ابن جریر نے یہ قول ابوہامک سے نقل کیا ہے اور سدنی اور عطاء خراسانی کا بھی یہی موقف ہے لیکن ابن جریر کا پسندیدہ قول پہلا ہے (3)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اسے رزق میں فراخی اور عمر میں زیادتی عطا کی جائے، اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے" (4)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی کی اجل آ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہلکتی نہیں دیتا۔ عمر میں زیادتی صالح اولاد کے باعث ہوتی ہے، جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرتی ہے تو ان کی دعا قبر میں اسے پہنچتی رہتی ہے، یہی عمر میں زیادتی ہے"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: "إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ یَسِیْرٌ" یعنی اس کا اور تمام مخلوقات کی تعینات کا علم ہونا اس کیلئے بہت معمولی بات ہے کیونکہ اس کا علم تمام مخلوقات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

وَمَا یَسْتَوِی الْبَحْرَانِ ۚ هَٰذَا عَذَابٌ فَرَاتٌ سَابِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مَدْحٌ أُجَاجٍ ۚ وَمِنْ كَلِّ
تَاكُلُونَ لَحْمًا طَرِیًّا وَتَسْتَحْجِرُونَ جَلِیةً تَلْبَسُونَ لَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْکَ فِیْمَا وَخَرًا یَتَّبِعُ
مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱﴾

”اور یکساں نہیں ہو سکتے پانی کے دو ذخیرے۔ یہ (ایک) بیٹھا ہے، بہت شیریں اس کا پینا بڑا خوشگوار ہے اور یہ (دوسرا) سخت
تکلیں، کھاری تلخ۔ اور دونوں میں سے تم کھاتے ہو تو تازہ گوشت اور نکالتے ہو زینت کا سامان جسے تم پینتے ہو۔ اور تو دیکھتا
ہے کشتیوں کو پانی میں کہ اسے چیرتی، شور مچاتی چلی جاتی ہے تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل کو اور (وہ سب نوازشات اس

3- تفسیر جہری، جلد 22 صفحہ 123

2- الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 11

1- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 122

4- صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 73 صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1982 وغیرہ

جن خود ساختہ بتوں کو پکارتے ہو، تو کھجور کی گٹھلی کے پردے کے بھی مالک نہیں یعنی اتنی حقیر سی چیز بھی ان کی ملکیت میں نہیں۔ پھر فرمایا: **إِنْ تَنْتَعَوْهُمْ...** یعنی اگر تم ان معبودان باطلہ کو پکارو تو یہ تمہاری پکار نہیں سن سکتے کیونکہ یہ بے جان جمادات ہیں اور اُس بالفرض یہ تمہاری آواز سن بھی لیں تو تمہاری التجا کو پورا کرنے اور تمہیں تمہاری مطلوبہ چیز فراہم کرنے پر قادر نہیں اور قیامت کے دن یہ تم سے بیزار ہی ظاہر کرتے ہوئے تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے جیسا کہ فرمایا: **وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ - وَكَلَّوْا بِمَاءِ ذَيْمِهِمْ** (الاحقاف: 5-6) ”اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بد بخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبودان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے“ اور فرمایا: **وَإِنَّهُمْ لَمِلْؤُونِ غَيْرِنَا وَمَنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَالرُّسُلِ وَهُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا تُدْعَى إِلَيْهِ دِينُ الْعَالَمِينَ إِلَّا ذُرِّيَّتًا مِمَّنْ كَفَرَتْ** (مريم: 81-82) ”اور انہوں نے اللہ کے سوا اور خدا بنائے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں، ہرگز نہیں، وہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور (اللہ) ان کے دشمن بن جائیں گے۔“ آیت کے آخر میں فرمایا: **وَلَا يُنَبِّئُكَ مِنْهُ الْغَيْبُ** ”یعنی امور کے انجام کے متعلق وہی خبردار کر سکتا ہے جو ان سے مکمل آگاہی رکھنے والا ہے۔“ قنادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات ہے کیونکہ وہی حقیقت حال کی پوری پوری خبر دینے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۗ ۝ إِن يَشَأْ يُدْهِمَكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ ۝ وَمَا ذُنُوبُكُمْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جُنْحٍ وَلَا يُصَلِّ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۗ ۗ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۗ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۗ ۝

”اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے۔ اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراہا۔ اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو نابید کر دے اور لے آئے ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں۔ اور جو جھ نہیں اٹھائے گا کوئی گنہگار کسی دوسرے کا بوجھ۔ اور اگر بلائے گا پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے تو نہ اٹھائی جاسکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے اگرچہ کوئی قرہبی رشتہ دار ہی ہو۔ آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز۔ اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے سو وہ اپنی بھلائی کے لئے ہی اختیار کرتا ہے اور (یاد رکھو آخر کار) اللہ کی طرف ہی لوٹتا ہے۔“

اس حقیقت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور تمام مخلوقات اس کی محتاج اور اس کے سامنے عاجز ہیں۔ فرمایا: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ** یعنی لوگ! اپنی تمام حرکات و سکنات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ بالذات ان سے غنی ہے، اس لئے فرمایا: **وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ** یعنی اللہ وحدہ لا شریک ہے نیاز ہونے اور اپنے تمام اقوال، افعال، شرعی احکام اور قضاء و قدر میں قابل ستائش ہونے میں متفرد ہے۔ اس کے بعد فرمایا: **إِنْ يَشَأْ يُدْهِمَكُمْ**... یعنی اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو نابید کر کے کوئی دوسری قوم لے آئے، یہ کام اس کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: **وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ**۔ یعنی قیامت کے دن کوئی گنہگار دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر اپنی پشت پر کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے کہے گا تو وہ اس کا ذرہ برابر بھی بوجھ نہیں اٹھائے گا اگرچہ

تفسیر ابن کثیر: جلد سوم

وہ اس کا قریبی رشتہ دار حتیٰ کہ باپ یا بیٹا ہی ہو۔ اس دن ہر ایک کو اپنی نگر دامن گیر ہوگی۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان وَاِنَّ تَتَمُّ مُشْفَلَةً اِلٰی جَنَّتِهَا کٰی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد پڑوسی ہے جو قیامت کے دن اپنے پڑوسی سے چمٹ جائے گا اور کہے گا: اے مومن! میں نے دنیا میں تم پر احسان کیا تھا لیکن آج میں تمہارا محتاج ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے رب کے حضور اس کی سفارش کرتا رہے گا یہاں تک کہ اس کے عذاب میں تھوڑی سی تخفیف ہو جائے گی۔ والد قیامت کے دن اپنے بیٹے کو پکڑ کر اس پر اپنا احسان جتلانے کا اور اسے کہے گا کہ میں آج مشکل صورتحال سے دوچار ہوں مجھے اپنی نیکیوں میں سے ایک ذرہ بھردے دو شاید میں اس کے ذریعے نجات پا جاؤں۔ بیٹا کہے گا: ابا جان! آپ نے کس قدر معمولی چیز طلب کی ہے لیکن آج مجھے بھی وہی خوف دامن گیر ہے جو آپ کو ہے، اس لئے میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتا، پھر اپنی بیوی کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ میں تمہارے لئے کیسا اچھا خاندان تھا۔ وہ اس کی تعریف کرے گی تو وہ اسے کہے گا کہ آج مجھے ایک نیکی عطا کرو شاید یہ میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ وہ جواب دے گی کہ آپ کا مطالبہ تو معمولی ہے لیکن آج ایسا کرنا میرے بس کا روٹ نہیں کیونکہ مجھے بھی وہ اندیشہ لاحق ہے جو آپ کو ہے۔ اللہ تعالیٰ اور مقامات پر فرماتا ہے: لَا يَهْتَدِي وَاللّٰهُ عَن ذٰلِكَۙ وَلَا يَمُوْدُوْهُۙ وَهُوَ جَاہِلٌ عَن ذٰلِكَۙ وَشَيْئًا (المنان: 33) ”نہ بدل دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بدل دے سکے گا“۔ يَوْمَ يَفُوْا النَّارُۙ - يَفُوْا يَفُوْا (میس: 37-34)۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اِنَّمَا تُشْرِكُ بِالَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ... یعنی آپ کے لائے ہوئے پیغام سے صرف وہ عقلمند سمجھتے حاصل کرتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے نماز قائم کرتے ہیں اور جو شخص پاکیزگی اختیار کرتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسے ہی حاصل ہوگا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ جلد حساب لینے والا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کی جزا دے گا۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۗ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۗ وَلَا الظُّلُّ وَلَا النُّوْرُ ۗ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ مِنْ نِّسَاءً ۗ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُوْرِ ۗ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۗ اِنَّا اَسْرَسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّاَوْذٰنِيْرًا ۗ وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۗ وَاِنْ يُكٰذِبُوْكَ فَقَدْ كٰذَبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ جَاەءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَاِلٰنُزُوْرٍ وَاِلْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۗ ثُمَّ اَخَذْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاَكِيْفٌ كَانَ نَكِيْرٍ ۗ

”اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور۔ اور نہ (یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ۔ اور نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مردے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں۔ نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے۔ ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو گزرا ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کوئی تعجب نہیں) بے شک جھٹلاتے رہے جو ان سے پہلے تھے۔ تشریف لائے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلین، آسمانی صحیفے اور نورانی کتاب لے کر۔ پھر (جب ان کی سرکشی کی حد ہو گئی) تو میں نے پکڑ لیا کفار کو پس (ساری دنیا جانتی ہے) میرا عذاب کیسا تھا۔“

فرمایا جا رہا ہے کہ یہ مختلف اور متضاد اشیاء یکساں نہیں۔ اندھا اور بینا یکساں نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے، اسی طرح اندھے اور نور، سایہ اور دھوپ اور زندے اور مردے برابر نہیں۔ یہاں مومنوں اور کافروں کی مثال بیان ہو رہی ہے۔ مومنوں کی مثال زندوں کی سی ہے اور کافروں کی مثال مردوں کی سی جیسا کہ فرمایا: **أَوْ مِنْ كَلْبٍ مَمِيئًا فَاحْيَيْنَاهُ لَيْسَ بِخَيْرٍ وَبِئْسَ مَا (الانعام: 123)** ”کیا وہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے نور بنا دیا جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان چلا ہے، وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو، ان سے لکھنے والا نہ ہو“۔ **مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَاللَّذَاتِ الْوَالِدَاتِ الْوَالِدَاتِ وَاللَّذَاتِ الْوَالِدَاتِ وَاللَّذَاتِ الْوَالِدَاتِ وَاللَّذَاتِ الْوَالِدَاتِ (سورہ بقرہ: 24)** ”ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے“۔ مومن دیکھتے سنتے والا ہے، اسے نور حاصل ہے اور وہ دنیا و آخرت میں صراطِ مستقیم پر گامزن ہے جو اسے سایوں اور نہروں والی جنت میں پہنچا دے گا جبکہ کافر اندھا اور بہرا ہے، اندھیروں میں بھٹک رہا ہے جن سے باہر نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں، وہ ہمیشہ گمراہی میں سرگرداں رہتا ہے اور قیامت کے دن جہنم رسید ہوگا جہاں حرارت، شدید لو، کھولتا ہوا پانی اور گرم سیاہ سیاہ اس کی تواضع کے لئے تیار ہے۔ فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يُسَيِّئُ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے سماعِ حجت اور اس کے قبول کرنے کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے اور آپ انہیں نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں یعنی جس طرح مردے (کفار) قبروں میں جانے کے بعد ہدایت اور اس کی دعوت سے استفادہ نہیں کر سکتے اسی طرح یہ مشرکین ہیں۔ ان پر بدبختی لکھ دی گئی ہے اس لئے آپ ان کی ہدایت کے لئے کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ انہیں راہِ راست پر گامزن کر سکتے ہیں۔ آپ تو صرف خرد دار کرنے والے ہیں یعنی انہیں تبلیغ کرنا اور ڈرانا ہی آپ کی فہم داری ہے۔ باقی رہی ہدایت اور گمراہی تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ فرمایا: **إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ بِالْحَقِّ**۔ یعنی ہم نے آپ کو ان کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ آپ مومنوں کو بشارت دیں اور کافروں کو ڈرائیں اور بنی آدم سے سختی تو میں گزری ہیں، سب کی طرف اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والے رسول بھیجے اور ان کے تمام عذر ختم کر دیے جیسا کہ فرمایا: **إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَكُلُّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد: 7)** ”آپ تو ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے“۔ **وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ قَوْمٍ رَسُولًا مِّنْ عِنْدِنَا أَنَّ الْعِبَادَ لِلَّهِ ذَاتُوا الْحَقِّ وَالْحَقُّ لِلَّهِ (الاحقاف: 36)** ”اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو۔ سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی“۔ اس قسم کی اور بھی آیات ہیں۔ پھر فرمایا: **وَإِنْ يَكْفُرْ بِكَ**۔۔۔ الہیات سے مراد روشن معجزات اور قطعی دلائل ہیں، زبر سے مراد کتابیں اور منبر سے مراد واضح اور نورانی۔ اگلی آیت میں فرمایا: **لَقَدْ أَخَذْنَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا**۔ یعنی اس کے باوجود ان قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو اس کی پاداش میں وہ عبرتناک عذاب سے دوچار ہوئے۔ پس میرا عذاب کیسا شدید تھا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَعَرَبُوبٌ سُودٌ ۝۷ وَمِنَ النَّارِ وَالذُّؤَابِثِ وَالْإِنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۚ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ ۝۸

عَفُوٌّ ۝۸

”کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اتارتا ہے آسمان سے پانی۔ پس ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے طرح طرح کے پھل جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اور پہاڑوں سے بھی رنگ رنگ نکلے ہے کوئی سفید، کوئی سرخ مختلف رنگوں میں (کوئی شوخ کوئی مدہم) اور بعض حصے سخت سیاہ۔ اور انسانوں، چارپایوں، اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں۔ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بہت بخشنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی بولکونیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ ایک ہی چیز یعنی بارش کے پانی سے رنگا رنگ اور مختلف چیزیں تخلیق فرماتا ہے۔ یہ پانی ایک ہی طرح کا ہے لیکن اس کے ذریعے زرد، سرخ، سبز، سفید اور دیگر رنگوں میں مختلف اقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح ان کے رنگ، ذائقہ، مہک اور خوشبو میں بھی تنوع ہے۔ یہ نیرنگی قدرت الہی کی اعجاز آفرینی ہے جیسا کہ فرمایا: وَفِي الْأَنْهَارِ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مُمْسِكُونَ ۚ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُفْقَهُونَ (الرعد 4) ”اور زمین میں مختلف نکلے ہیں جو قریب قریب ہیں اور انگوروں کے باغات میں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں کچھ ایک تے سے پھوٹی ہیں اور کچھ الگ الگ الگ تھوں سے، سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے اور ہم بعض کو بعض پر ذائقہ اور بو میں فضیلت دیتے ہیں۔ بے شک اس میں عقلمند قوم کے لئے نشانیاں ہیں“ پھر فرمایا: وَمِنْ الْجِبَالِ جُدَدٌ ۙ بَعْضٌ مِنْهَا سَافِرٌ فِي الْأَرْضِ وَمِنْهَا عَالِيٌّ ۚ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُفْقَهُونَ (سجده 20) ”اور زمین میں کچھ سفید ہیں، کچھ سرخ، کچھ سیاہ اور بعض میں راستے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول ”جد“ کا معنی راستے ہیں۔ یہ جدہ کی جمع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غریب کا معنی ہے لمبے لمبے پہاڑ۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عرب جب کسی سیاہ چیز کی سیاہی کی شدت اور کثرت کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: ”أَسْوَدٌ بِغَيْرِ بَيْتٍ“ (1) یعنی سخت سیاہ، اس لئے بعض مفسرین نے اس معنی کے پیش نظر کہا ہے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے، اصل میں کلام یوں ہے: ”أَسْوَدٌ غَيْرَ آيَةٍ“ (2) لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَمِنْ الْأَنْهَارِ جُدَدٌ ۙ بَعْضٌ مِنْهَا سَافِرٌ فِي الْأَرْضِ وَمِنْهَا عَالِيٌّ ۚ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُفْقَهُونَ (الرعد 22) ”نیز تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ بے شک اس میں بھی انہی قسم کے لئے نشانیاں ہیں۔“ اسی طرح جو پائے اور جانور بھی جدا جدا رنگوں والے ہیں یہاں تک کہ ایک جنس بلکہ ایک ہی نوع کے جانوروں کے رنگ مختلف ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ ایک ہی جانور کئی کئی رنگوں والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کتنا بابرکت ہے جو سب سے اچھا خالق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ کیا آپ کا رب رنگ آمیزی بھی کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہی خوب رنگ آمیزی جو کبھی جسمی نہ پڑے، سرخ، زرد اور سفید“ (3)۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ ۚ لِيَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ عَالِمٌ ۚ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُفْقَهُونَ (سجده 20) ”یعنی اللہ تعالیٰ سے صرف وہ علماء ہی کا حقدہ ڈرتے ہیں جو اس کی ذات کا عرفان رکھنے والے ہیں کیونکہ اس عظیم، قدیر، عظیم، تمام صفات کمال سے متصف اور تمام اسمائے حسنی سے موسوم ذات کے متعلق جس قدر زیادہ علم اور معرفت حاصل ہوگی، اسی قدر زیادہ اس کی خشیت حاصل ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ علماء ہیں جو اس

حقیقت کا علم رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (1)۔ ایک اور روایت میں آپ سے منقول ہے کہ بندوں میں رحمن کے متعلق علم رکھنے والا وہ ہے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حرام جانے، اس کی وصیت کی حفاظت کرے اور یہ یقین رکھے کہ اس کی اس سے ضرور ملاقات ہوگی اور وہ اس سے اس کے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں: خشیت (ڈرنا) وہ طاقت ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے درمیان صل ہو جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو خلوت میں بھی رحمن سے ڈرے اور ایسے امور میں رغبت رکھے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہیں اور ایسے کاموں سے اجتناب کرے جو اس کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زیادہ باتیں مانا علم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے خشیت کا نام علم ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بکثرت روایات کرنے کا نام علم نہیں بلکہ علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کسی دل میں ڈالتا ہے یعنی کثرت روایات سے خشیت نہیں حاصل ہوتی بلکہ جس علم کی اتباع فرض قرار دی گئی ہے، وہ کتاب و سنت، صحیحہ اور ائمہ مسلمین سے حاصل ہونے والا علم ہے اور یہ روایت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ علم کے نور ہونے کا مقصد علم کی فہم اور اس کے معانی کی معرفت ہے۔ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ علماء تین قسمیں ہیں: ”عالم باللہ، عالم بآمر اللہ اور عالم باللہ و عالم بآمر اللہ۔ عالم باللہ، عالم بآمر اللہ نہیں اور عالم بآمر اللہ، عالم باللہ نہیں، البتہ ”عالم باللہ و عالم بآمر اللہ“ ہی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور حدود و فرائض کا علم رکھتا ہے۔ عالم باللہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو لیکن اسے حدود و فرائض کا علم نہ ہو اور عالم بآمر اللہ وہ ہے جو حدود و فرائض کا علم تو رکھتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہ ہو (3)۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوءَ ۗ ۝١١ يَبُوءُ فِيهِمْ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝١٢

”بے شک جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور خیر خرچ کرتے ہیں اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے رازداری سے اور علانیہ، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان دالی نہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور مزید اضافہ کرے ان کے اجر میں اپنے فضل سے۔ بے شک وہ بہت بخشے والے بڑے قادر دان ہیں۔“

ان بتدگان خدا کا ذکر ہو رہا ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے اوقات مشروعہ میں نماز کی پابندی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، یہ سعادتمند اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کے خواہشمند ہیں جس کا حصول یقینی اور ضروری ہے جیسا کہ اس تفسیر کے آماز میں فضائل قرآن کے ذکر میں ہم نے بیان کیا ہے کہ قرآن کریم اپنے ساتھی سے کہے گا کہ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے سے اور آج تم تمام تجارتوں کے پیچھے ہو۔ اس لئے فرمایا: لَبِئْسَ مَا يَشْتُونَ كِتَابَ اللَّهِ ۗ تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا اجر عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے انہیں غیر متوقع مزید اجر ازانی فرمائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشے والا اور قلیل اعمال کا بھی قادر دان ہے۔ حضرت مطرف رحمۃ اللہ علیہ جب اس

آیت کی تلاوت کرتے تو فرماتے کہ یہ قاریوں کی آیت ہے (1)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر راضی ہوتا ہے تو اس پر خیر کی ایسی سات اصناف کے ساتھ نازل کرتا ہے جو اس نے ہی نہیں ہوتیں اور جب وہ کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اسے شر کی ایسی سات اصناف کے ساتھ ذکر کرتا ہے جن کا اس نے ارتکاب کیا ہی نہیں ہوتا“ (2)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٥٠﴾

”اور جو کتاب بذریعہ وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے سراسر حق ہے وہ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سارے احوال سے باخبر ہے (اور) دیکھنے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف وحی کیا ہے جو سابقہ آسمانی کتابوں کی صداقت اور ان کے اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کئے جانے کی گواہی دیتا ہے، اسی طرح یہ کتابیں بھی قرآن کریم کی شان کو بیان کرتی ہیں اور اس بات کی گواہ ہیں کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ**... یعنی اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کون زیادہ فضیلت کا مستحق ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے انبیاء و رسل کو تمام نئی نوع انسان پر فضیلت عطا فرمائی، پھر انبیاء کرام میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور اعلیٰ درجہ عطا فرمایا اور حضرت محمد ﷺ کو سب سے اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا فرمایا۔

لَهُمْ أَوْرَاثًا مِنَ الْكِتَابِ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۗ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ ۗ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۗ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۗ يُرِيدُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الْعَصَلُ الْكَبِيرُ ﴿٥١﴾

”پھر ہم نے وارث بنایا اس کتب کا ان کو جنہیں ہم نے چون لیا تھا اپنے بندوں سے۔ پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں۔ اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکوں میں اللہ کی توفیق سے۔ یہی (اللہ تعالیٰ کا) بہت بڑا فضل (و کرم) ہے“۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اس کتاب (قرآن) کا وارث ہم نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کو بنایا جو اس پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ جن برگزیدہ بندوں کو کتاب کا وارث بنایا گیا، وہ حضور ﷺ کی امت ہے، پھر اس امت کے تین گروہ ہو گئے، ایک گروہ وہ ہے جس سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور بعض سے عورات کا بھی ارتکاب ہو جاتا ہے۔ یہ ظالم لِنَفْسِهِ ہے، دوسرا گروہ **مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ** وہ ہے جو درمیانہ رو ہے۔ یہ فرائض کو ادا کرتے ہیں اور محرمات کے نزدیک نہیں چھٹکتے لیکن کبھی کبھی مستحبات میں سستی کر جاتے ہیں اور بعض مکروہ چیزیں ان سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ تیسرے گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: **وَمِنْهُمْ سَابِقٌ**۔ یعنی یہ دو پاکباز ہیں جو فرائض و مستحبات کی مکمل طور پر پابندی کرتے ہیں اور محرمات، مکروہات حتیٰ کہ بعض مباح چیزوں سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان سے مراد امت محمد ﷺ ہے

جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر کتاب کا وارث بنایا۔ ان میں سے بعض ظالم یعنی گنہگار ہیں جن کے گناہ بخش دیئے جائیں گے، بعض درمیانہ رو ہیں جن سے آسان حساب لیا جائے گا اور بعض نیکیوں میں سہقت لے جانے والے ہیں جنہیں بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیکیوں میں سہقت لے جانے والے بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، درمیانہ رو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں جائیں گے اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے اور اصحاب اعراف حضرت محمد ﷺ کی شفاعت کے طفیل جنت میں جائیں گے (2)۔ متعدد مفسرین سے مروی ہے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا اس امت کا گروہ باوجود اپنی نیکی اور کوتاہی کے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور برگزیدہ بندوں میں داخل ہے۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہ ظالم لوگ نہ اس امت میں سے ہیں اور نہ ان چنے ہوئے افراد سے جو اس کتاب کے وارث ہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد کافر ہیں (3)۔ مجاہد کے بقول اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں بائیس ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔ زید بن اسلم بخوادہ اور حسن فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ ہیں، پھر حضرات ابن عباس، حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ تین اقسام وہی ہیں جو سورہ واقعہ کے اول و آخر میں مذکور ہیں لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے گروہ کا تعلق بھی اسی امت سے ہے، امام ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ اور متعدد احادیث سے اسی چیز کی نشاندہی ہوتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ یہ تمام کے تمام گویا ایک جیسے ہیں اور تمام جنتی ہیں (4)۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور اس کے ایک راوی کا نام مذکور نہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس امت میں ہونے اور جنتی ہونے کی بناء پر گویا ایک جیسے ہیں ورنہ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے تو ان میں تفاوت ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: ”سابقین بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، درمیانہ رو لوگوں سے آسان حساب لیا جائے گا اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کو طول محشر میں روک لیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کی تلافی ہو جائے گی تو یہ کہیں گے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم و اندوہ کو دور کیا، ہمارا رب غفور اور شکور ہے جس نے اپنے فضل سے ہمیں ایسی قیام گاہ میں اتارا جہاں ہمیں نہ کوئی دکھ درد ہوگا اور نہ تھکاوٹ و درماندگی“ (5)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ظالموں کو روک لیا جائے گا، انہیں غم و اندوہ اور حزن و ملال لاحق ہوگا پھر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت ابوثابت رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے قریب بیٹھ کر یہ دعا کرنے لگے: یا اللہ! میری وحشت کو دور فرما، میری تہمتی پر رحم کر اور مجھے صالح رفیق عطا فرما۔ یہ سن کر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر تمہاری طلب صادق ہے تو میں تمہارا رفیق ہوں۔ میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جو میں نے پہلے کسی کو نہیں سنی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ سابقین بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، درمیانہ رو لوگوں سے آسان حساب لیا جائے گا اور ظالموں کو وہاں حزن و ملال کا سامنا ہوگا جس سے نجات پانے کے بعد وہ کہیں گے: اَلْحَسْبُ بِنْدِ الْاٰتِيْنَ اِذْ هَبَّ عَسَا الْعَصْرَ (6)۔

- 1- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 133-134، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 23
 2- تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 189
 3- تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 135
 4- عارضۃ الاحادیث تفسیر سورہ فاطر، جلد 12 صفحہ 105-106، منہ احمد، جلد 3 صفحہ 78
 5- منہ احمد، جلد 5 صفحہ 198
 6- 6:34 تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 137

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں گروہوں کے متعلق فرمایا: ”یہ تمام اس امت سے ہیں“ (1)۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں تین قسم کے لوگ ہیں، ایک تہائی لوگ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے، ایک تہائی لوگوں سے آسان آسان حساب لیا جائے گا اور اس کے بعد وہ جنت میں جائیں گے اور ایک تہائی لوگ وہ ہوں گے جن سے باز پرس ہوگی لیکن فرشتے ان کی سفارش کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ“ کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ سچ کہا کرتے تھے، بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، انہیں اس کلمہ کی برکت سے جنت میں داخل کرو اور ان کے گناہوں کو جنھیوں پر ڈال دو اسی بارے میں ارشاد ہے: ”وَلَا حَاطِلِينَ الْفَالِقَةَ وَأَقْفَالَ مَعَرَ أَقْفَالِهِمْ“ (2) یعنی وہ اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کچھ دوسرے بوجھ اٹھائیں گے۔ اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”هُمْ أَوْ تَرَاهُمْ أَلَّا يَكْتُمُونَ...“۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تین قسم بنائی ہیں۔ ان میں سے جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، ان کا محاسبہ ہوگا (3)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس امت کے تین ٹمٹ ہوں گے، ایک تہائی لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، ایک تہائی سے آسان حساب لیا جائے گا اور ایک تہائی لوگ بڑے بڑے گناہ لے کر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق دریافت فرمائے گا حالانکہ اسے بخوبی علم ہے کہ یہ کون ہیں؟ فرشتے جواب دیں گے کہ یہ بہت گنہگار ہیں لیکن انہوں نے کبھی تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ انہیں میری وسیع رحمت میں داخل کرو۔ اس کے بعد آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی (4)۔ حضرت عقبہ بن صہبان البنائی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بیٹا! یہ تمام جنتی ہیں۔ نیکیوں میں سہقت لے جانے والے وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے اور آپ ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی، درمیانہ دروہ صحابہ ہیں جو آپ کے نقش قدم چلتے رہے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مل گئے اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے اور تمہارے جیسے لوگ ہیں (5)۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنے متعلق یہ کہنا تو اضع کے طور پر ہے ورنہ آپ کا شمار تو اکابر سالقین میں ہوتا ہے اور حدیث شریف کی رو سے آپ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر دہی فضیلت حاصل ہے جو شریک کو تمام کھانوں پر۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظالم لِنَفْسِهِ سے مراد ہمارے بدو لوگ ہیں۔ ”مقتصد“ سے مراد ہمارے شہری اور ”سابق“ سے مراد اہل جہاد ہیں۔ حضرت کعب الاحبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مذکور تینوں گروہوں کا تعلق اس امت سے ہے اور تینوں جنتی ہیں البتہ اعمال کے مطابق ان کے درجات اور مراتب میں تفاوت ہے (6)۔ ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ تینوں جماعتیں ناجی ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ امت مرحومہ ہے، ان میں ظالم کو بخش دیا جائے گا، ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں ہوگا اور سابق اللہ تعالیٰ کے پاس اعلیٰ درجات میں ہوگا (7)۔ امام باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”فِيهِمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ“ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیکیاں بھی کیں اور گنہ بھی کیے۔ ان احادیث اور آثار کے پیش نظر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور اس امت کی ان تینوں قسموں کو شامل ہے۔ چنانچہ علما، کرام اس نعمت پر سب سے زیادہ لائق رشک اور سب سے زیادہ اس رحمت کے مستحق ہیں جیسا کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ائس مدینہ میں سے ایک شخص دمشق میں حضرت ابوالدرداء

1- عظیم کبیر، جلد 1، صفحہ 167، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 96

2- عظیم کبیر، جلد 1، صفحہ 167، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 96

3- عظیم کبیر، جلد 18، صفحہ 79-80، المدنی، جلد 7، صفحہ 25-26، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 96

4- تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 134

5- تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 134

6- متذانی، اور الہدیٰ، ص 209

7- تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 134

رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا: بھائی! کیسے آتا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک حدیث سننے کی خاطر حاضر ہوا ہوں جسے آپ بیان کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا: نہیں، پھر پوچھا کہ کیا تم کسی اور مقصد کے لئے تو نہیں آئے؟ جواب دیا: نہیں۔ پھر آپ نے استفہار کیا کہ کیا تم اس حدیث کی طلب میں آئے ہو؟ جواب دیا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ”جو شخص طالب علم کے لئے کسی راہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ پر چلاتا ہے، فرشتے رضی ہو کر طلب علم کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے زمین و آسمان کی ہر چیز یہاں تک کہ چھیلیاں پانی میں استفہار کرتی ہیں۔ عابد پر عالم کی فضیلت ایسے ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر۔ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور انیاء کرام و رشتہ میں نہ دینار چھوڑتے ہیں اور نہ درہم بلکہ وہ ورثہ میں علم چھوڑتے ہیں، جس نے اسے لے لیا، اسے وافر حصہ نصیب ہوا“ (1)۔ ہم نے اس حدیث کو تمام طرق اور اختلاف رواۃ کے ساتھ بخاری شریف کتاب العلم کی شرح میں ذکر کر دیا ہے۔ سورہ طہ کے آغاز میں حضرت ثعلبہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء سے فرمائے گا کہ میں نے اپنا علم اور حکمت تم میں اس لئے ودیعت کیا تھا تاکہ تم میں تمہیں بخش دوں اگرچہ تم کیسے ہی ہو، مجھے اس کی پروا نہیں“ (2)۔

جَعَلْتُ عَدْنٍ يَدَّ حُلُوَّهَا يَحُلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرٍ مِنْ ذَهَبٍ وَ لُؤْلُؤًا ۖ وَ لِبَاسَهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۖ وَقَالُوا الْحَسْبُ لِلَّهِ الْغَنِيُّ أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنُ ۗ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝۱۰۱ ۝۱۰۲
 أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۗ لَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا النَّصَبُ ۖ وَلَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا الْعُتُوبُ ۝۱۰۳

”سدا بہار باغات! یہ ان میں داخل ہوں گے، پہنائے جائیں گے انہیں وہاں سونے کے نگین اور موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی۔ (شکر نعمت کے طور پر) کہیں گے سب ستائیں اللہ کے لئے ہیں جس نے دور کر دیا ہم سے غم (داندوہ)۔ یقیناً ہمارا رب بہت بخشے والا بڑا قادر و دان ہے۔ جس نے ہمیں بسایا ہے ابدی ٹھکانے پر اپنے فضل (واحسن) سے۔ نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تکلیف اور نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تھکن۔“

اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے جنہیں رب العالمین کی اتاری ہوئی کتاب کا وارث بنایا گیا کہ قیامت کے دن ان کا ٹھکانہ سدا بہار باغات ہوں گے جہاں انہیں سونے کے نگین اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کا زبور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا ہے“ (3)۔ مزید برآں وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا جس کا پہننا دنیا میں ان کے لئے ممنوع تھا۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں یہ لباس بھی عطا فرمائے گا۔ حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا، اسے آخرت میں نہیں پہنایا جائے گا“۔ ایک اور حدیث میں اس کے متعلق فرمایا: ”یہ ان (کافروں) کے لئے دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں“ (3)۔ حضور ﷺ نے اہل جنت کے زیورات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں سونے چاندی کے ایسے نگین پہنائے جائیں گے جن میں موتیوں کا جزاؤ کیا ہوگا اور ان پر بادشاہوں جیسے

1- سنن ابی داؤد، کتاب العلم، جلد 3، صفحہ 317، عارضہ الاموی، جلد 10، صفحہ 154-155، سنن ابن ماجہ، اللہ عنہ، جلد 1، صفحہ 81، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 196

3- تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ حج: 23

2- بحکم کبیر، جلد 2، صفحہ 84

موتی اور یا تو تے سے مرصع تاج ہوں گے، وہ بے ریش اور سرگینیں آنکھوں والے جوان ہوں گے۔“ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہیں گے: **الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي** یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سے خوف کو زائل کیا اور دنیا و آخرت کے ان غموں اور پریشانیوں سے ہمیں راحت اور نجات بخشی، جن کا ہمیں اندیشہ رہتا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **“لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ”** مالوں پر نہ موت کے وقت وحشت ہوگی، نہ قبروں میں اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وقت۔ میں تو گویا ابھی قیامت کی جین و پیکار کے وقت ان کی حالت دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھارتے ہوئے کبر رہے ہیں: **الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي**۔ **شکوہ (1)**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بہت سی خطاؤں کو معاف کرنے والا اور ان کی معمولی معمولی نیکیوں کی قدر کرنے والا ہے۔ وہ مزید کہیں گے: **الَّذِي أَحَلَّنَا** یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے فضل و احسان سے یہ اعلیٰ مقام اور ابدی ٹھکانہ عطا فرمایا ورنہ ہمارے اعمال تو اس قابل نہ تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **”تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے عمل کے ثبوت پر جنت میں داخل نہیں ہوگا“**۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا: **”میں بھی نہیں مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ادا صواب دے“** (2)۔ فرمایا: **لَا يَسْتَأْذِنُهَا**۔ یعنی اس میں نہ انہیں محنت و مشقت کا سامنا ہوگا اور نہ تھکاؤ اور درد ماندگی کا۔ نصب اور لغوب دونوں تھکاؤ کے معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں، گویا دونوں کی لٹی سے مراد یہ ہے کہ نہ ان کے بدن تھکاؤ و ہٹ کا شکار ہوں گے اور نہ ان کی رو میں، چونکہ دنیا میں یہ سعادت مند عبادت میں مشغول رہ کر خود کو تھکاتے رہے اس لئے جنت میں یہ مکلف نہیں رہیں گے بلکہ انہیں ابدی راحت حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **كُلُّوْا وَاشْرَبُوْا مِنْهُنَّ بِمَا آسَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْاَلْفَيَّةِ (المائدہ: 24)** **”کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ۔ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیج دیئے۔“**

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كٰفُوْرٍ ﴿١٠٦﴾ وَهُمْ يَصْطَرِحُوْنَ فِيْهَا سَرَابِنًاۙ اٰخَرُ جَنٰتِنَا نَعْمَلْ صٰلِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۗ اَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِۙ مَنْ تَذَكَّرْ وَ جَعَلْنَا لِّلَّذِي يُوْرُ قَدْ وُقُوْا فَمَا لِلظٰلِمِيْنَ مِنْ نّٰصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾

”اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے دوزخ کی آگ (تیار) ہے۔ نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو۔ اور وہ اس میں چیخنے چلاتے ہوں گے۔ (فریاد کریں گے) اے ہر رے رب! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال، ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے۔ (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں (بہ آسانی) نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس ڈرانے والا (تم نے اس کی بات نہ مانی) پس اب (اپنے کئے کا) مزہ چکھو ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔“

سعادت مندوں کے ذکر کے بعد اب بد بختوں کے انجام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا**، اسی طرح ایک اور مقام پر

1- تفسیر، تہذیب اللہ، جلد 3 صفحہ 1491، ترجمہ از واہد، جلد 1 صفحہ 83

2- صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 123، صحیح مسلم، کتاب حنفہ القلیۃ، جلد 4 صفحہ 2169

فرمایا: لَمْ يَلْمِزْهُمْ فِيهَا وَلَا يَنْخَبِئُ (الاعلى: 13) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”دوزخ میں ہمیشہ رہنے والوں کو وہاں نہ موت آئے گی اور نہ وہ زندہ رہیں گے“ (1)۔ ایک اور مقام پر ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَتَأَذُّوا لِلْبَيْتِ لِيَقْبِضَ عَلَيْهَا رَبُّنَا فَقَالَ لَنْقُصَنَّكُمْ حَقَّوَتِ (الزخرف: 77) ”اور وہ پکاریں گے اسے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا ختمہ ہی کر ڈالے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں یہاں ہمیشہ ٹھہرنا ہے، وہ اس بری اور المناک حالت میں موت کو اپنے لئے راحت خیال کریں گے لیکن انہیں موت نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يَقْبِضُ عَلَيْكُمْ... یعنی ناناں کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور ان سے دوزخ کا عذاب ہٹا دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ طَيِّدُونَ ﴿١٠﴾ لَا يَنْفَعُهُمْ عَلَيْهِمْ وَهُمْ فِيهَا مُبِينُونَ ﴿١١﴾ (الزخرف: 74-75) ”بے شک مجرم عذاب جنہم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ (عذاب) ان سے ہٹا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں آس تو رہیں گے۔ لَكُنْمَا حَقِيقَتَانِ زَيْنُكُمْ سَعِيْرًا (بنی اسرائیل: 97) ”جب بھی آگ سر ہونے لگے گی تو ہم ان کے لئے اس کی آگ بڑھا دیں گے۔“ فَذُوقُوا فَذُوقُوا فَنُؤِنَ لَكُمْ إِنَّ عَذَابَنَا (الانباء: 30) ”پس (اپنے کئے کا) مزہ چکھو، ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر عذاب۔“ پھر فرمایا: كَذَلِكَ يَجْزِي كُلُّ كَفُوْرٍ يَمُنُّ بِهٖ بِرَأْسِ نَفْسِهٖ كِي جَزَا هٖ جَوَّالَهُ تَعَالَى كَا اِنْكَارِ كَرْتَا هٖ اَوْرَاقِ كُوْجَلَاتَا هٖ۔ اگلی آیت میں ان کی حالت زار کے متعلق مزید فرمایا: وَهُمْ يَصْطَرِّحُوْنَ فِيهَا... یعنی وہ جنہم میں چیخ و پکار کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال کر دیا میں واہیں لوٹا دے، ہم وہاں نیک کام کریں گے، نہ کہ وہ عمل جو ہم پہنچے کیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، اگر انہیں واہیں دینا میں بھیج بھی دیا جائے تو بھی یہ برے کام ہی کریں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی اس درخواست کو قبول نہیں کرے گا جیسا کہ ان بد بختوں کے متعلق فرمایا: فَهَلْ زِلْ حُرُوْرٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿١٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنْهٖ اِذَا دَعٰى اِلٰهَهُ وَخَدَّاهٖ كَفَرُوْا ثُمَّ كُوْنُوْا يُشْرِكُوْنَ بِهٖ ثُوْمُوْا (المؤمن: 12-11) ”تو آگ سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ جب ایک اللہ کو پکارا جاتا تو تم کفر کرتے اور اگر اس کا شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری اس التجا کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ اگر تمہیں لوٹ بھی دیا جائے تو بھی تم پہلے کی طرح وہی برے اعمال کرو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا تھا، اس لئے یہاں فرمایا: اَوَّلَمْ نُنَبِّئْكُمْ مَّا يَشْكُرُ... یعنی کیا تم وہ دنیا میں طویل عرصہ زندہ نہیں رہے، اگر تم ان لوگوں میں سے ہوتے جو حق کے ساتھ نفع حاصل کرتے ہیں تو تم اپنی مدت عمر میں ضرور ایسا کرتے؟ آیت کریمہ میں عمر کی کتنی مقدار مراد ہے، اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سترہ سال کی عمر مراد ہے، حضرت قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طول عمر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ طول عمر سے دھوکھا کر برائیوں میں مبتلا رہیں، جب یہ آیت اَوَّلَمْ نُنَبِّئْكُمْ... اتری تو اس وقت بعض لوگوں کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی (2)۔ حضرت وہب بن منبہ کے بقول یہاں بیس سال کی عمر مراد ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چالیس سال۔ سرور فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے (3)۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عمر جس میں اللہ تعالیٰ ابن آدم کے عذوق ختم کر دیتا ہے، چالیس سال کی ہے (3)۔ ابن جریر کا پند یہ ہوتا ہے کہ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ساٹھ سال کی مقدار منقول ہے۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید حدیث سے ہوتی ہے جسے ہم ابھی بیان کریں گے اگرچہ ابن جریر نے کہا ہے کہ اس کی سند مشکوک ہونے کے باعث یہ حدیث صحیح نہیں لیکن ان کی بات درست نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس عمر کی انہیں عار دلائی ہے، اس کی مقدار ساٹھ سال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کہا جائے گا کہ ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں، اور یہی وہ عمر ہے جس کے متعلق فرمایا: **اُولَئِكَ نُعَذِّبُهُمْ**... (1)۔ یہ حدیث اس کے ایک راوی ابراہیم بن فضل کے باعث قابل غور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **”اللہ تعالیٰ نے اس بندے کا عذر ختم کر دیا جو ساٹھ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا، اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر باقی نہ رہا، اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر باقی نہ رہا“** (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: **”اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا عذر ختم کر دیا جسے اتنی عمر بخشی کہ وہ ساٹھ سال کو پہنچ گیا“** (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں فرمایا: **”جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال عمر عطا فرمائی، اس کا عذر بہانہ اس عمر میں ختم کر دیا“** (4)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: **”وہ عمر جس میں اللہ تعالیٰ ابن آدم کا عذر ختم کر دیتا ہے، ساٹھ سال ہے“**۔ یہ حدیث اور بھی متعدد طرق سے مروی ہے۔ اگر یہ امام بخاری کے ایک بھی پیوند پر طریقہ سے مروی ہوتی تو بھی اس کی صحت کے لئے کافی تھا۔ ابن جریر کا یہ کہنا کہ اس کی سند مشکوک ہے، قابل التفات نہیں کیونکہ امام بخاری نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مذکور ہے کہ اطباء کے نزدیک طبعی عمر ایک سو بیس سال ہے۔ ساٹھ سال تک تو انسان بڑھتا رہتا ہے لیکن پھر نقص اور بڑھاپے میں قدم رکھ لیتا ہے۔ بقول شاعر جب آدمی ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو مسرت اور شباب رخصت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں یہی عمر مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے عذر اور بہانے ختم کر دیتا ہے اور یہی اس امت کی غائب عمر ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **”میری امت کی عمر ساٹھ سے ستر سال تک ہیں اور اس سے تجاوز کرنے والے کم ہیں“** (5)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں لیکن امام ترمذی کا یہ کہنا بہت عجیب ہے۔ یہ حدیث تو متعدد اسناد سے مروی ہے، بلکہ خود ترمذی میں یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے جسے امام موصوف نے کتاب الزہد میں ذکر کیا ہے (6)۔ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **”میری امت میں ستر سال والے کم ہوں گے“** (7)۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت حدیث رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں اپنی امت کی عمروں کے متعلق آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **”پچاس سے ساٹھ سال تک کے درمیان“**۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ستر سال والے؟ فرمایا: **”میری امت میں سے بہت کم اس عمر کو پہنچیں گے، اللہ تعالیٰ ستر اور اسی سال والوں پر رحم فرمائے“** (8)۔ پھر بزار کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صرف اسی سند سے مروی ہے اور اس کا ایک راوی عثمان بن مظروعہ بن بصرہ میں سے ہے، تو کی نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی عمر تریسٹھ برس تھی، یہی مشہور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی عمر پینسٹھ سال تھی، ایک اور قول کے مطابق ساٹھ برس تھی۔ پھر فرمایا: **”وَ جَاءَهُمُ اللَّيْلُ يُرَىٰ“** حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ، امام باقر، قتادہ اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ترمذی سے مراد بڑھاپے کے سفید بال ہیں جبکہ سندی اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے بقول اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں جیسا کہ فرمایا: **”طغیٰ**

2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 275

1۔ تفسیر بخاری، جلد 22 صفحہ 141، تفسیر کبیر، جلد 11 صفحہ 177-178

4۔ سنن نسائی، کتاب الزہد، جلد 9 صفحہ 472، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 417

3۔ صحیح بخاری، کتاب الزہد، جلد 11 صفحہ 238

5۔ عارضۃ الاحیاء، ابواب الدعاء، جلد 12 صفحہ 85، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1415

7۔ مسند ابی یعلیٰ، تحقیق ارشد، جلد 6 صفحہ 85-86

6۔ حارثۃ الاحیاء، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 202-203

8۔ کشف الاستار، سنن زوائد، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 225

تَزِيدُ مِنَ الْإِنشَاءِ الْأَوَّلِي (النجم: 56) ”یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے“ (1)۔ چنانچہ عمر دے کر اور رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی جنت پوری کر دی۔ دوسرا قول بھی صحیح ہے اور ابن جریر نے اسے ہی پسند کیا ہے اور اس کی تائید ان آیات سے بھی ہوتی ہے: وَكَأَنَّا لِلنَّبِيِّ لِيَقُوفُ عَلَيْكَ... - كَلِمَةٌ (الزخرف: 77-78) ”اور وہ پکارتیں گے: اے ناکب! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے وہ جو اب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ بے شک ہم تمہارے پاس دین حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے“۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (بنی اسرائیل: 15) ”اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں“، كَلِمَاتٍ أَنْقَبْنَا مِنْهَا قُلُوبَنَا... - فِي ضَلَالٍ كَثِيرٍ (الملک: 8-9)۔ یہاں آیت کے آخر میں فرمایا: فَذُوقُوا... یعنی تمام عمر انبیاء کرام کی مخالفت کی پاداش میں اب جہنم کے عذاب کا مزہ چکھو، آج تمہارا کوئی مددگار نہیں جو تمہیں اس عبرت تک عذاب سے بچا سکے۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ - فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا حَسْرَةً رَأَوْهُمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا حَسْرَةً ۝

”بے شک اللہ تعالیٰ جانتے والا ہے آسمانوں اور زمین میں ہر چھپی ہوئی چیز کو۔ یقیناً وہ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو۔ وہی ہے جس نے تمہیں (گزشتہ قوموں کا) جانشین بنایا زمین میں۔ پس جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ اور نہیں اضافہ کریگا کفار کیلئے ان کا کفر اللہ کی جناب میں بجز ناراضگی کے۔ اور نہ اضافہ کرے گا کفار کیلئے ان کا کفر بجز گھٹانے (اور خسران) کے“۔

یہ خبر دینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر مخفی چیز اور دلوں کے بھیدوں کو خوب جانتے والا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا، فرمایا: هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ... یعنی ایک قوم گزشتہ قوم اور ایک نسل اپنی پیشرو نسل کی جانشین بنی ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَجَعَلْنَا خَلَائِفَ الْأَرْضِ (النمل: 62) ”اور (کس نے) تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے“۔ پھر فرمایا: فَمَنْ كَفَرَ... یعنی جو شخص کفر اختیار کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا، نہ کہ کسی اور پر۔ جوں جوں کفر اپنے کفر میں بڑھتے جاتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور قیامت کے دن کا خسارہ بھی بڑھتا جاتا ہے لیکن مومنوں کی کیفیت ان کے برعکس ہے، جوں جوں ان کی عمر بڑھتی ہے اور نیک اعمال میں اضافہ ہوتا ہے، اس قدر جنت میں ان کے درجات بڑھتے جاتے ہیں، ان کا اجر بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے۔

قُلْ أَسْرَأْتُمْ شُرَكَاءَ كُمْ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ط أَمْ رَوْ فِي مَا ذَا خَلَقُوا مِنْ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَاتٍ مِّنْهُ بَلْ إِنَّ يَبْعُدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ۝ إِنَّ اللَّهَ يَمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَانَّتَا إِذًا لَّمْ يَمسكهما مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝

”آپ فرمائیے کیا تم نے دیکھے ہیں اپنے شریک جنہیں تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ مجھے بھی تو دکھاؤ زمین کا وہ گوشہ جو انہوں نے بنایا ہے یا ان کی کوئی شرکت ہو آسمانوں (کی تخلیق) میں۔ یا مرنے انہیں کوئی کتاب دی ہو اور وہ اس کے روشنی دلائل پر عمل پیرا ہوں۔ (کچھ بھی نہیں) بلکہ یہ ظالم محض ایک دوسرے کے ساتھ جمونے (دلفریب) وعدے کرتے رہتے ہیں۔ بے شک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو تاکہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں۔ اور اگر وہ سرکے نہیں تو کوئی نہیں روک سکتا انہیں اللہ تعالیٰ کے بعد۔ بے شک وہ بڑا حلیم (اور بخشنے والا) ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ مشرکین سے کہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کو پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہیں نے زمین کا کون سا گوشہ تخلیق کیا ہے یا ثابت کرو کہ آسمانوں کی تخلیق میں ان کی شرکت ہے؟ یعنی ایسا کوئی کمال ان کے بس کا روگ نہیں۔ یہ تو اس قدر بے بس اور بے اختیار ہیں کہ بھجور کی گھٹلی کے پردے کے بھی مالک نہیں۔ مزید فرمایا: **أَمْ أَلْبِسْتُمْ بُنْتَانَ**، یعنی یا پھر یہی ثابت کر دیں کہ ہم نے ان پر ایسی کتاب اتاری ہے جو کفر و شرک کی دعوت دیتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے کے ساتھ جھوٹے وعدے کرتے رہتے ہیں اور اس میں وہ اپنی باطل، جھوٹی اور دلفریب خواہشات، آراء اور آرزوؤں کی پیروی میں لگے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی عظیم اور کامل قدرت کی خبر دے رہا ہے جس کے ذریعے زمین و آسمان اس کے حکم سے قائم ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے مقام پر جا اور تھا ہوا ہے، فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يُنَسِّكُ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تاکہ یہ اپنی جگہوں سے سرک نہ سکیں، اس طرح اور مقامات پر فرمایا: **وَلْيُنَسِّكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ لِأَنَّهَا بِإِذْنِهِ** (الحج: 65) ”اور وہ آسمان کو روکے ہوئے ہے کہ زمین پر گر نہ پڑے بجز اس کے فرمان کے۔“ **وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ** (الروم: 25) ”اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں“ اور آرزو زمین و آسمان اپنی جگہوں سے سرک جائیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا زور آور نہیں جو انہیں اپنے مقام پر برقرار رکھ سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حلیم اور غفور بھی ہے۔ وہ اپنے بندوں کو غرور اور نافرمانی کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن اس کے باوجود درگزر فرماتا ہے، مہلت پر مہلت دے جاتا ہے اور انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا، مزید برآں اگر کوئی سبوتاہی کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے تو وہ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے، اس لئے فرمایا: **إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا**۔ ابن ابی حاتم نے اس مقام پر ایک غریب بلکہ منکر حدیث بیان کی ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کیا اللہ تعالیٰ کو کبھی نیند آتی ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے انہیں تین دن بیدار رکھا اور انہیں دو بوتلیں دے دیں، ہر ایک ہاتھ میں ایک بوتل اور انہیں حکم دیا کہ ان بوتلوں کی حفاظت کرنا، کہیں گر کر ٹوٹ نہ جائیں لیکن آپ کو نیند آنے لگی اور قریب تھا کہ دونوں ہاتھ آپس میں ٹکرائے لیکن آپ ہوشیار ہو گئے اور دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے الگ روک لیا۔ آخر کار نیند آپ پر غالب آگئی، دونوں ہاتھ نے جنبش کھائی اور شیشیاں گر کر ٹوٹ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے آپ کو بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ سوا جاتا تو زمین و آسمان کا تھام ناممکن تھا۔“ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے حلیم القدر و خیر کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ایسا خیال دل میں لاسکتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے: **أَلَمْ يَأْتِ الْفَيْسُورَةَ لَمَّا تَأَخَّرْنَا بِسِنَّةٍ وَلَا نَوْمًا لَنُفَايَ السَّمَوَاتِ وَمَعَانِي الْأَرْضِ** (البقرة: 255) ”وہ زمرہ ہے سب کو زندہ

رکھنے والا ہے، نہ اس کو اگھ آتی سے اور نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ ہی سونا اسے ذیہب دیتا ہے، وہ میزان کو پست اور بند کرتا رہتا ہے، دن سے پہلے رات کے اعمال اور رات سے پہلے دن کے اعمال اس کے حضور بلند کئے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے یا آگ ہے، اگر وہ اسے منکشف کر دے تو اس کے چہرہ کی تجلیات، جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے، سب مخلوق کو جلا دالیں (1)۔ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا: شام سے۔ آپ نے پوچھا کہ وہاں کس سے تمہاری ملاقات ہوئی؟ اس نے بتایا کہ میری کعب سے ملاقات ہوئی۔ پھر آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم سے کون سی بات بیان کی؟ وہ شخص کہنے لگا کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ آسمان ایک فرشتے کے کندھے پر ٹھوم رہے ہیں۔ آپ نے اس شخص سے کہا کہ کیا تم نے ان کی تصدیق کی یا تکذیب؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے نہ تو ان کی تصدیق کی ہے اور نہ تکذیب۔ آپ نے فرمایا کہ کعب کی بات صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: إِنَّ اللَّهَ يَتَسَبَّحُ السَّمَوَاتِ (2)۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ آسمان نہیں گھومتا۔ آپ نے مذکورہ بالا آیت کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال لایا ہے: ”مغرب میں توپ کا ایک دروازہ ہے، وہ اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو (3)۔“

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنَ الْإِهْدَىٰ الْأُمَمِ ۗ
فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۗ ﴿١٠﴾ اسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَكَّنَّ السَّيِّئُ وَلَا
يَحِيقُ الْكُفْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۗ قُلْ إِن تَجِدُوا لِسُنَّتِ
اللَّهِ تَبْدِيلًا ۗ وَلَٰكِنْ تَجِدُوا لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿١١﴾

”اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے۔ پس جب آگیا ان کے پاس ڈرانے والا تو ان کی (حق سے) نفرت اور بڑھ گئی۔ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے زمین میں اور گھناؤنی سازشیں کرنے لگے۔ اور نہیں گھبراتی گھناؤنی سازش بجز سازشیوں کے۔ پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ کیا گیا تھا۔ (اُسر یہ بات ہے) تو آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی۔ اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تغیر۔“

قریش اور عربوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی پختہ قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر (رسول) آیا تو ہم تمام ساہد امتوں سے زیادہ ہدایت کو قبول کریں گے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اِنْ تَقْرُبُوا رَبَّنَا آمِنًا فَاِتَّخِذْنَا الْاَنْبِيَاۡءَ وَرَسُوْلًا مِّنْكُمْ ۗ وَصَدَقْنَا عَنْهَا (الانعام: 158-157) ”کیسے تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے کتاب تو صرف دو گراہوں پر اتاری گئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے یہ نہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری ہوتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل اور سرا امر ہدایت اور رحمت آگئی تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ کی آیات

کو جھٹلایا اور ان سے منہ پھیرا۔ ”وَإِنْ كَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ أَنَّ عِشْرَةَ... فَسَوْفَ يَخْشَوْنَ (الصفوات: 167-170)“ اور وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کی طرح سے کوئی نصیحت ہوتی تو ہم اللہ کے مخلص بندے بن جاتے پس (جب نصیحت آئی تو) اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ عقرب جان لیں گے۔“ فرمایا: فَلَمَّا جَاءَهُمْ لَدُنِي... یعنی جب حضرت محمد ﷺ قرآن کریم جیسی عظیم کتاب لے کر ان کے پاس تشریف لائے تو حق سے ان کی نفرت اور ان کے کفر میں اضافہ ہو گیا، انہوں نے سرکشی کی روش اپناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی آیات سے منہ موڑ لیا اور گھٹاؤنی سازشیں کرتے ہوئے یہ دوسرے لوگوں کو بھی راہ خدا سے برگشتہ کرنے میں کوشاں ہو گئے اور گھٹاؤنی سازش صرف سازشیوں کا ہی احاطہ کرتی ہے یعنی اس کا وبال ان پر ہی پڑتا ہے نہ کہ دوسروں پر۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”برے مکر سے اجتناب کرو، کیونکہ برا مکر کاروں کو بھی اپنی پلینٹ میں لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے مواخذہ ہوگا“ (1)۔ محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمہیں کام ایسے ہیں جن کا ارتکاب کرنے والا نجات نہیں پاسکتا یہاں تک کہ ان کا وبال اس پر پڑ جائے: مکر، سرکشی اور عہد شکنی۔ اس کی تصدیق ان آیات سے ہوتی ہے: وَلَا يَجِدُوا الْمَكْرُ... ، اِنَّمَا يُنِيتُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ (یونس: 23)، قَسَبَ لَكُمُ الْقَائِمَا يَكْثُلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ (الفتح: 10) پھر فرمایا: قَهْلٌ يُنْظَرُونَ... یعنی کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر وہی عذاب نازل ہو جیسا کہ پہلی آیتوں پر نازل ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور تم اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی رد و بدل نہیں پاؤ گے بلکہ ہر تکذیب کرنے والے پر یہ سنت جاری ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب سے دوچار کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس عذاب کو نالنے کی کسی میں ہمت نہیں ہوتی۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۗ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿١٦٨﴾ وَلَوْ يَوَسَّوْا لِلَّهِ النَّاسَ سَبَّحُوا بِمَا كَسَبُوا عَلَيْهِمْ فَاتَّكَ عَلَىٰ ظَهْرِهِمْ مِنْ ذَاتِ آبَتِهِمْ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَهُمْ فَأَنَّىٰ يُكَفِّرُونَ ﴿١٦٩﴾

”کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھ لیتے کہ کتنا (دردناک) انجام ہوا ان (سرسکشوں) کا جو ان سے پہلے گزر چکے حالانکہ وہ قوت (وطاقت) میں ان سے (کئی گنا) زیادہ تھے۔ اور (سنوا) اللہ تعالیٰ ایسا (مکروز) نہیں ہے کہ اسے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز نچا دکھا سکے۔ وہ ہر بات جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے) وہ ڈھیل دیتا رہتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ پس جب ان کی میعاد آجائے گی تو بے شک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اپنی رسالت کے منکرین سے کہہ دیں کہ زمین میں سیاحت کرو اور دیکھو کہ ان لوگوں کا کیسا عبرتاک انجام ہوا جو رسولوں کو جھٹلاتے تھے، کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست و نابود کر دیا، ان کی بستیاں کھنڈرات اور ان

کے گھر ویرانے بن گئے، نعمتیں چھن گئیں، طاقت جاتی رہی، مال برباد ہو گئے اور اولاد سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا تو یہ چیزیں ان کے کسی کام نہ آئیں اور نہ کوئی چیز ان سے عذاب الہی کو نال سکی کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں جب کسی چیز کے وجود کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے نہ عاجز کیا جاسکتا ہے اور نہ بچا دکھایا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا عالم اور تمام چیزوں پر قادر ہے۔ پھر فرمایا: **وَلَوْ يُؤَيِّدُ بَعْضُهُمْ أَعْضًا...** یعنی اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیتا تو تمام آسمان اور زمین والوں کو ہلاک کر دیتا یہاں تک کہ نہ جانور باقی رہتے اور نہ رزق۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ قریب تھا ابن آدم کے گناہوں کے سبب سیاہ بھونڑا اپنی بل میں عذاب سے دوچار ہو جاتا۔ حضرات سعید بن جبیر اور سدیی اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا کرتا تو ان پر بارش نہ برساتا جس کی وجہ سے تمام جانور مر جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ انہیں قیامت تک مہلت دیتا ہے۔ روز قیامت ان کا محاسبہ ہوگا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا، اطاعت شعاروں کو ثواب اور نافرمانوں کو عتاب، اس لئے فرمایا: **فَبِأَنذَارًا بَآءَ أَجْمَلِهِمْ**

سورہ یٰسین (مکیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورہ یٰسین ہے، جو شخص سورہ یٰسین پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی تلاوت کے بدلہ میں دس قرآن ختم کرنے کا ثواب لکھ دیتا ہے“ (1)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا ایک راوی ہارون مجہول ہے۔ اس بارے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ اس حدیث کو حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے اور یہ بھی قابل غور ہے، اسے بزار نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز کا قلب ہے اور قرآن کریم کا قلب سورہ یٰسین ہے“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص رات کو سورہ یٰسین پڑھے، اسے بخش دیا جاتا ہے اور جو سورہ دخان پڑھے اس کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے“ (3)۔ اس کی سند عمدہ ہے۔ صحیح ابن حبان میں حضرت جناب ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے رات کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سورہ یٰسین کی تلاوت کی، اسے بخش دیا گیا“ (4)۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”سورہ البقرہ قرآن کی کوہان اور اس کی چوٹی ہے، اس کی ہر آیت کے ساتھ اسی فرشتے اترتے ہیں اور اس کی ایک آیت یعنی آیۃ الکرسی عرشِ تلو سے نکالی گئی ہے اور اس کے ساتھ ملائی گئی ہے۔ سورہ یٰسین قرآن کریم کا دل ہے، جو شخص اسے اللہ تعالیٰ اور دار آخرت کی خاطر پڑھتا ہے، اس کی بخشش ہو جاتی ہے اور اسے اپنے اموات پر پڑھا کر دے“ (5)۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سورت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس مشکل کام کے وقت اسے پڑھا جائے، اللہ تعالیٰ اسے آسان کر دیتا ہے اور قریب الوفاات شخص کے پاس اس کی تلاوت رحمت اور برکت کا موجب ہے اور اس سے روح نکلنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مشائخ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب مرنے والے کے پاس سورہ یٰسین پڑھی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس سے تخفیف فرماتا ہے (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میرا خواہش ہے کہ میری امت کے ہر فرد کے دل میں یہ سورت محفوظ ہو“ (7)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰس ۙ وَ الْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ۙ اِنَّكَ لَیَمُنُّ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ عَلٰی سِرِّ اِطْمُسْتَقِیْمِ ۙ تَنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَنْذَرَا اٰبَاؤَهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۙ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی

2- کشف الاستار من ذوالکلیوار، باب فضائل القرآن، جلد 3 صفحہ 87

4- الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب التلاوة، جلد 4 صفحہ 121

6- مسند احمد، جلد 4 صفحہ 105

1- عارضۃ الاحادیث، ابواب فضائل القرآن، جلد 11 صفحہ 17-18

3- مسند ابی یعلیٰ عقیل ارشد راجح، جلد 5 صفحہ 452-453

5- سنن ابی داؤد، کتاب التنبیہ، جلد 3 صفحہ 91، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 26 وغیرہ

7- کشف الاستار من ذوالکلیوار، باب فضائل القرآن، جلد 3 صفحہ 87

أَكْثَرَهُمْ فَهَمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾

اے سید (عرب و عجم) قسم ہے قرآن حکیم کی کہ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں (یقیناً) آپ راہ راست پر ہیں۔ نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم کو) عزیز (اور) رحیم نے۔ تاکہ آپ ذرا سبکیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصہ سے) نہیں ڈرایا گیا اس لئے وہ غافل ہیں۔ بے شک (ان کے حکیم کفر و عناد کے باعث) یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

سورہ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں حروف مقطعات کے متعلق بحث لڑ چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ ”نیسین“ یا انسان کے معنی میں ہے (1)۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہی ہے لیکن یہ لغت حبشہ کا لفظ ہے۔ زید بن اسلم کے بقول یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم مبارک ہے۔ فرمایا: وَالْقَابِ وَالْحَكِيمِ یعنی قرآن مجسم کی قسم جس کے کسی گوشہ پر باطل حمد نہیں کر سکتا کہ یقیناً اے محمد (ﷺ) آپ رسولوں میں سے ہیں اور آپ راہ راست، ہدایت دین اور شرع مستقیم پر قائم ہیں۔ یہ شریعت اور دین اللہ رب العزت کا اتارا ہوا ہے جو اپنے مومن بندوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: نَزَّلْنَاكَ بِنُوْرٍ اِنَّا بِاِطْمَافِيْنَا مُنْتَقِمِيْنَ۔ تَصَدَّقُوا بِالْحَقِّ (الشوریٰ: 52-53) ”بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو اللہ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، سنو! سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: لِيُثَبِّتَا قَوْلَا۔ یہاں مراد عرب ہیں جن کے پاس آپ (ﷺ) سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا۔ یہاں صرف عربوں کے ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے اس حکم سے خارج ہیں جیسا کہ بعض افراد کے ذکر سے عموم کی نفی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جِيئَنَا (الاعراف: 158) کی تفسیر میں ایسی متعدد آیات اور احادیث متواترہ سُرُجِکُن تیں جو آپ (ﷺ) کی بشارت عامہ پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر فرمایا: لَتَقَدَّحَنَّ الْقَوْلُ۔ یعنی ان کی اکثریت پر عذاب لازم ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ حتیٰ فیصد کر رکھا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے اور نہ اس کے رسولوں کی تصدیق کریں گے (2)۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْقَابِهِمْ اَغْلَالًا فَهِيَ اِىْ اِلَا ذُقَانٍ فَهَمْ مُّقْمِحُونَ ﴿٢١﴾ وَ جَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَعْمِيْنَهُمْ فَهَمْ لَا يَبْصُرُونَ ﴿٢٢﴾ وَ سَوَّآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٣﴾ اِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِسَعْفَرَةٍ وَّ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٤﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاَخَّرُوْا وَاَنْتُمْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ لَكُمْ ﴿٢٥﴾

”ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی ٹھوزیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے سرو پر بوجھ ہوئے ہیں۔ اور ہم نے بنا دی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اور یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

آپ تو صرف اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا ہے (خداوند) رحمن سے بن دیکھے۔ پس مژدہ سنائیے ایسے شخص کو مغفرت کا اور بہترین اجر کا۔ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں (ان اعمال کو) جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے آتم رکو جو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں۔“

ازلی بد بختوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ہدایت تک پہنچنا محال ہے۔ ان کی حالت ایسی ہے جیسے ان کے ہاتھوں میں زنجیر اور گنگے میں لوق ڈال کر انہیں گردن کے ساتھ جکڑ دیا ہو کہ ان کا سرا پر اٹھ کر رہ گیا ہو، اس لئے فرمایا: **فَهُمْ مُقْتَضُونَ** معنی سے کہتے ہیں جس کا سرا پر اٹھا ہو۔ ام زرع کا قول ہے: **”اَمْشَرَبُ فَاَنْقَبَحُ“** یعنی میں خوب سیر ہو کر بیٹی ہوں اور اپنا سرا اٹھاتی ہوں۔ آیت کریمہ میں گردن میں طوق کا ڈر ہے، ہاتھوں کا نہیں لیکن مراد ہاتھ بھی ہیں اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک چیز کے ذکر پر استغنا کرتے ہوئے دوسری چیز کا اس لئے لفظوں میں ذکر نہیں کرتے کہ سیاق کلام کی دلالت اس پر موجود ہوتی ہے چونکہ غل (طوق) اسی چیز کا نام ہے کہ ہاتھوں کو گردن کے ساتھ جکڑ دیا جائے، اس لئے گردن کے ذکر کو کافی سمجھتے ہوئے ہاتھوں کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: **”وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْفُولَةً اَنْ يَخْفَكَ“** (بنی اسرائیل: 29) ”اور نہ بنا لو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا“۔ مذکورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے ہاتھ ان کی گردنوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اس لئے وہ اپنے ہاتھ کا رخیر کے لئے بڑھا نہیں سکتے (1)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے سرا اونچے اور ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھے ہوئے ہیں اور یہ ہر خیر سے بے بس اور جکڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: **وَجَعَلْنَا هُوَ بَيْنَهُمْ**..... یعنی ہم نے ان کے آگے بھی حق سے ایک رکاوٹ اور دیوار بنا دی ہے اور ان کے پیچھے بھی، چنانچہ یہ گمراہی میں بھٹکتے ہوئے تڑکاکا شکار ہیں، مزید برآں ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اس لئے یہ حق کو دیکھ نہیں سکتے اور خیر سے نہ یہ استفادہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کی راہ پا سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں **فَاَغْشَيْنَاهُمُ ابْصَارَهُمْ** کے ساتھ ہے۔ یہ مش (روندھی) سے ماخوذ ہے جو آنکھوں کی ایک بیماری کا نام ہے۔ عہد الرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ایمان و اسلام کے درمیان دیوار حائل کر دی ہے اس لئے یہ ایمان و اسلام تک نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے: **اِنَّ اِلٰهَ الْيَتٰمٰی حَقٌّ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ..... الْعَنَ اَبَ الْاٰلِیْمَةِ (یونس: 96)**۔ اللہ تعالیٰ جس سے ہدایت روک لے، وہ بے بس ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ابو جہل لعین کہنے لگا کہ اگر میں نے محمد (ﷺ) کو دیکھ لیا تو یوں یوں کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ لوگ اسے کہتے تھے کہ یہ محمد (ﷺ) ہیں لیکن اسے آپ ﷺ دکھائی ہی نہ دیتے تھے اس لئے وہ پوچھتا تھا کہ وہ کہاں ہیں، وہ کہاں ہیں؟ (2) ایک مرتبہ ابو جہل اپنے ساتھی کافروں کی محفل میں حضور ﷺ کے متعلق کہنے لگا کہ اس شخص کا خیال ہے کہ اگر تم اس کی اتباع کرو گے تو بادشاہ بن جاؤ گے، مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور تمہیں اردن کے باغات سے بہتر باغات نصیب ہوں گے اور اگر تم نے اس کی مخالفت کی تو یہاں موت کے گھاٹ اتار دیئے جاؤ گے اور پھر مرنے کے بعد زندہ کر کے تمہیں جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ آج میں اس سے نپٹ لینا ہوں۔ حضور ﷺ اسی دوران وہاں تشریف لے آئے۔ آپ کی مٹھی میں مٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کافروں کو اندھا کر دیا۔ آپ سورہ یٰسین کی ابتدائی آیات تلاوت کرتے ہوئے اور ان کے سردار پر مٹی ڈالتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے۔ یہ بد بخت آپ کے درہ از سے پر نظر میں جمائے آپ کی تاک میں رات بھر بیٹھے رہے کہ اسی اثناء میں گھر سے کوئی آدمی نکلا اور ان سے پوچھنے لگا کہ تم

پسند یہ ہے (1)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آثارِ حم سے مراد ان کے قدموں کے نشانات ہیں جو احسانت یا معصیت کی طرف انھیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان کے اٹھنے والے قدم ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اگر اللہ تعالیٰ تیرے کسی عمل سے غافل ہوتا تو تیرے نشانِ قدم سے غافل ہوتا جسے ہوا مساندیتی ہے لیکن وہ ابن آدم کا ہر نشانِ قدم اور عمل شمار کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ یہ بھی لکھ رہا ہے کہ یہ قدم احسانت کی طرف اٹھایا معصیت کی طرف (2)۔ اس معنی کی تائید میں بہت ہی احادیث موجود ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد نبوی کے ارد گرد کچھ مکانات خالی ہو گئے تو بوسلمہ نے مسجد نبوی کے قریب منتقل ہو جانے کا ارادہ کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے انہیں فرمایا: ”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو؟“ انہوں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا ارادہ تو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے بنی سلمہ! اپنے گھروں میں رہو، تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں۔ اپنے گھروں میں رہو، تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں“ (3)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بوسلمہ مدینہ شریف کے ایک کنارے رہائش پذیر تھے، انہوں نے مسجد نبوی کے قریب آباد ہونے کا ارادہ کیا تو یہ آیت اِنَّا نَحْنُ قَرِيبٌ مِّنْكُمْ نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے انہیں فرمایا: ”بلاشبہ تمہارے نشانات قدم (اللہ تعالیٰ کے ہاں) لکھے جاتے ہیں“۔ چنانچہ انہوں نے افضل مکانی کا ارادہ ترک کر دیا (4)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بوسلمہ نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ تمہارے گھر مسجد نبوی سے بہت دور ہیں تو اس وقت یہ آیت اتری۔ چنانچہ وہ اپنے گھروں میں ہی مقیم رہے لیکن اس روایت میں اس آیت کے شان نزول کے ذکر کی وجہ سے غرابت ہے حالانکہ یہ ساری سورت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انصار کے مکانات مسجد نبوی سے دور واقع تھے، انہوں نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے گھروں میں ہی رہیں گے (5)۔ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مدینہ شریف کے ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھانے کے بعد فرمایا: ”کاش کہ اس کی وفات اس کی جائے پیدائش کے سوا کسی اور جگہ ہوتی“۔ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیوں؟ فرمایا: ”جب کوئی آدمی کسی دوسرے وطن میں فوت ہو جاتا ہے تو اس کی جائے پیدائش سے لے کر جائے وفات کی زمین کے برابر اسے جنت میں جگہ ملتی ہے“ (6)۔ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز کے لئے نکلا، میں تیز قدم اٹھنے لگا تو آپ نے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ چنانچہ ہم آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی معیت میں تیز قدم اٹھاتے ہوئے مسجد کی طرف نکلا تو آپ نے مجھے فرمایا: اے انس! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نشانات قدم بھی لکھے جاتے ہیں؟ (7) اس قول اور پہلے قول کے درمیان کوئی تضاد نہیں بلکہ یہ قول پہلے کی تائید کرتا ہے کیونکہ جب نشانات قدم لکھے جاتے ہیں تو وہ تیک و بد طریقے بدرجہ اولیٰ لکھے جاتے ہوں گے جن کی لوگ اجاع کرتے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَ اللَّهِ بِمِثْقَلِ ذَرَّةٍ مَّعْلُومٌ یعنی ہم نے ہر چیز لوح محفوظ میں درج کر رکھی ہے۔ ”امام بیہقین“ سے مراد ام الكتاب یعنی لوح محفوظ ہے۔ اسی طرح اس آیت یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنْسَانٍ بِمَا عَمِلَ (زینی

1- تفسیر ابوی، جلد 4، صفحہ 7

2- تفسیر ضری، جلد 22، صفحہ 155، الدر المنثور، جلد 7، صفحہ 47

3- مجمع اسم، کتاب اسما، جلد 1، صفحہ 462، مستدرج، جلد 3، صفحہ 332-333

4- عارضہ الاما، جلد 1، صفحہ 106-107

5- تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 154، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 97، عن بطرانی

6- سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 515، سنن احمد، جلد 2، صفحہ 177

7- تفسیر ضری، جلد 22، صفحہ 154

ہمیں ان سے روک دو جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے، پس ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لے آؤ،“ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشْرًا أَمْرًا إِنَّكُمْ إِذًا لَلخٰسِرُونَ (المومنون: 34) ”اگر تم اپنے جیسے بشر کی پیروی کرنے لگے تو تم نقصان اٹھانے والے بن جاؤ گے۔“ وَمَا مَنَعَهُ الْفِتْنَةُ أَنْ يُؤْتِيَهُمْ آيَاتٍ فَتَرَاهُم خٰسِرِينَ (النحل: 94) ”اور تمہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔“ اس لئے یہ جھٹلاتے ہوئے کہنے لگے: مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ۔۔۔ ان کی تکذیب کے جواب میں تینوں رسول کہنے لگے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّكَ أَنْتَ وَمَنْ يَتَّبِعُكَ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ وَمَا يَكْفُرُ بِهِمْ اللَّهُ أَن يُؤْتِيَهُمْ الْآيَاتِ لِيُذَكِّرَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الاحقاف: 22) ”اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ ہم سے سخت انتقام لیتا اور جھوٹ کی ہمیں سخت سزا دی جاتی لیکن تم خود دیکھو لے کہ وہ ہماری مدد فرمائے گا اور تم پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ لِّغِي يَا اللَّهُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ شَهِيدًا۔۔۔ هُمْ الضَّالِّينَ (الاحقاف: 22) ”رسول کہنے لگے: وَمَا عَيْنِيَا إِلَّا الْبَلَدِ الْمُنِيرُ“ یعنی ہماری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیں۔ اگر تم نے اطاعت کی تو دنیا و آخرت کی سعادت پالو گے اور اگر ہماری دعوت کو قبول نہ کیا تو تمہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَكِن لَّمْ يَنْتَهُوا لِنَجْرَجِمْكُمْ وَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا طَٰغَوْا لِمَعَكُمْ ؕ أَوْلَٰئِكَ ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٥٢﴾

”وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لئے فال بد سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پیچھے گا تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب۔ رسولوں نے فرمایا تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو۔ (حیرت ہے) اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے (تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو) بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو۔“

بستی والے ان رسولوں سے کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اپنے لئے فال بد سمجھتے ہیں۔ اس شہر میں تمہارے کیا سبز قدم لگے ہیں کہ ہم تو خیر و برکت سے ہی محروم ہو گئے، جو بھی مصیبت ہم پر اترتی ہے، اس کا سبب تم ہی تو ہو اور تم جیسے نحوس لوگ جس بستی میں داخل ہو جاتے ہیں، وہ بستی آفات اور مصائب کا شکار ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگے: لَكِن لَّمْ يَنْتَهُوا لِنَجْرَجِمْكُمْ یعنی اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ رسولوں نے انہیں جواب دیا: طَٰغَوْا لِمَعَكُمْ یعنی تمہاری نحوست اور بدفالی تمہارے اوپر لوٹاؤ گی ہے جیسا کہ قوم فرعون کے متعلق فرمایا: قَالُوا جَاءَهُمْ الْحَسَنَةُ۔۔۔ اَلَا اِنَّمَا تَطَٰغَرُوْهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ“ تو جب ان پر خوشحالی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بدفالی پکڑتے۔ سن لو ان کی بدفالی تو اللہ کے پاس سے ہے۔“ قوم صالح علیہ السلام نے کہا: اِطَّعُوْا فَا بَلَّغْتُمْ مَعْلَتَ قَالِ طَٰغَرُوْكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ“ ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو برا ٹھکان سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا برا ٹھکان تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔“ قتادہ اور وہب بن منبہ طَٰغَرُوْكُمْ مَعَكُمْ کا معنی بتاتے ہیں کہ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اِن لَّحُسْبَانًا لِّمَنْ كَانَتْ يَدَاؤُنْ يَلْمُؤْنَ حٰبِئًا (النساء: 78) پھر فرمایا: اَيُّنَ ذُكِّرْتُمْ۔۔۔ یعنی اس وجہ سے کہ ہم نے تمہیں نصیحت کی اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کا حکم دیا، تم ہمیں نحوست سمجھنے لگے اور دھمکیاں دینے لگے بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔ قتادہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں تو تم ہم سے بد ٹھکانی لیتے ہو، دراصل بات یہ ہے کہ تم زیادتی کرنے والے لوگ ہو۔

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ يَاقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠﴾ اتَّبِعُوا مَنْ لَا
يَسْتَلْتُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿١١﴾ وَمَالِيَ لَوْ أَعْبُدُ إِلَّا فَصْرَتِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٢﴾
عَأْتِخُذْ مِنْ دُونِهَا إِلَهًا إِنَّ يُرِيدُ الْرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِي عَنْكَ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا
يُنْفَعُونَ ﴿١٣﴾ إِنِّي إِذًا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١٤﴾ إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُونِ ﴿١٥﴾

دریں اثناء آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا۔ اس نے کہا میری قوم! پیروی کرو رسولوں کی۔ پیروی کرو
ان (پاکہازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ
کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم (سب) نے لوٹ کر جانا ہے۔ کیا (میرے لئے جائز ہے کہ) میں
بنالوں سے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ (ہرگز نہیں) اگر رحمن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ پہنچا
سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑائیں گے (اگر میں شرک کروں) تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں ایمان
لے آیا ہوں تمہارے رب پر، پس (کان کھول کر) میرا اعلان بن لو۔

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ بستی والوں نے ان رسولوں کے قتل کا ارادہ کر لیا۔
ایک مسلمان شخص شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا تاکہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں پیغمبروں کی مدد کرے۔ کہتے ہیں کہ اس مسلمان کا
نام حبیب تھا اور یہ بافندہ تھا۔ اسے جہام کی بیماری لگی ہوئی تھی اور یہ سلیم الفطرت شخص بہت سخی تھا، اپنی کمائی کا نصف صدقہ کر دیا کرتا تھا۔
ابو بکر کہتے ہیں کہ اس کا نام حبیب بن سری تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کا نام حبیب نجا تھا، قوم نے اسے قتل کر
ڈالا تھا۔ بقول سعدی یہ دھوبلی تھا اور عمر بن حکم کے بقول یہ سوچی تھا۔ قنادہ کہتے ہیں کہ یہ سعادت مند شخص وہاں ایک غار میں عبادت کیا کرتا تھا۔
اس نے اپنی قوم کو ان تینوں رسولوں کی اتباع پر براہین دہانت کرتے ہوئے کہا: يَاقَوْمِ اتَّبِعُوا... یعنی ان رسولوں کی پیروی کرو جو وعظ و تبلیغ پر تم
سے کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دینے میں یہ بالکل سچے ہیں اور بھلا مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ
میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور قیامت کے دن تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا
ہے اور وہ تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ کیا مجھے یہ زیب دیتا ہے کہ میں اسے چھوڑ کر اور معبود بنالوں۔ عَأْتِخُذْ میں استفہام انکاری
زجر و توبیح کیلئے ہے۔ یعنی یہ تمہارے جھوٹے خدا کسی چیز کے مالک نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو یہ تمہارے خدا اسے
دور نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ مجھے اس تکلیف سے چھڑکا دلا سکتے ہیں۔ حقیقت حال واضح ہونے کے باوجود اگر میں شرک کا ارتکاب کروں تو
مجھ سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا۔ اس فرمانِ اِنِّي إِذًا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ میں خطاب قوم کو ہے۔ یعنی میں تمہارے اس پروردگار پر ایمان لایا ہوں
جس کا تم نے انکار کر رکھا ہے، پس میری بات سنو (۱)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں خطاب پیغمبروں سے ہو یعنی میں تمہارے رب پر ایمان لایا
جس نے تمہیں مبعوث فرمایا ہے، پس تم اس پر گواہ رہنا۔ ابن جریر نے اس قول کو نقل کیا ہے۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں خطاب
رسولوں سے ہے جنہیں اس مسلمان نے کہا کہ میری بات سن لو تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میری اس بات کی گواہی دو کہ میں تمہارے رب پر

ایمان لایا اور تمہاری اتباع کی۔ (1) یہ قول پہلے سے بھی زیادہ واضح ہے۔ حق کے اس بے باک علمبردار نے جب اپنے ایمان کا برملا اعلان کیا تو سب کافر یہاں تک اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے شہید کر دیا۔ وہاں اس کی حمایت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ قوم نے اسے پتھر مار مار کر شہید کر دیا۔ یہ بندہ خدا اپنی قوم کا ایسا مخلص خیر خواہ تھا کہ پتھر لگنے کے باوجود ان کے لئے دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ حقیقت کو نہیں جانتے (2)۔

قَبِيلٍ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَلِيَّتَ قَوْمِي يَعْكَبُونَ ﴿١٠﴾ بِهَا عَقْرِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمَكْرُمِينَ ﴿١١﴾ وَمَا أَلْمَأْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِي ﴿١٢﴾ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿١٣﴾
 اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاجِدَةً فَاِذَا هُمْ خُمُودُونَ ﴿١٤﴾

”حکم ہوا (جا) جنت میں داخل ہو جا۔ وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی۔ کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔ اور نہ اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی۔ نہ تھی تمہارا ایک گرج پس وہ مجھے ہوئے کوئے بن گئے۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار اس مرد مومن کو مارنے پیٹنے اور پاؤں سے روندنے لگے یہاں تک کہ اس کی آستین نچلے رستے سے باہر آگئیں (2)۔ اسی وقت اسے اللہ تعالیٰ نے جنت میں جانے کی نوید سنائی۔ وہ جنت میں داخل ہو گیا اور اس کے تمام روگ، بیماریاں اور غم و اندوہ چلتے رہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ شہادت کے بعد حبیب نجار کے لئے جنت لازم ہوئی۔ وہاں جب اس نے عظیم اجر و ثواب پایا تو کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو چاٹا شاری کے اجر کا علم ہو جائے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ مومن خیر خواہ اور بھروسہ دہن ہے، بدخواہ اور دھوکے باز نہیں ہوتا۔ جنت میں جب حبیب نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز و کام دیکھا تو آرزو کرنے لگا کہ کاش میری قوم کو اس کا علم ہو جائے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی زندگی میں قوم کی یہ کہتے ہوئے خیر خواہی کی تھی: يَنْقُورُ اَبْشَعُوَالْمُؤَسِّلِينَ اور مرنے کے بعد خیر خواہی کرتے ہوئے یہ کہا تھا: يَلِيَّتَ قَوْمِي يَعْكَبُونَ۔ بقول ابو جہل اس کا معنی یہ ہے کہ کاش میری قوم جان لیتی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور پیغمبروں کی تصدیق کرنے کے سبب اس نے میری مغفرت کی ہے اور مجھے معزز لوگوں میں شامل کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ اگر میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے کس سبب سے بخشا گیا اور عزت افزائی کی گئی، تو وہ بھی رسولوں کی اتباع کر کے اس انعام کو حاصل کرنے کی سعی کرتے۔ اللہ تعالیٰ اس مرد مومن پر رحم فرمائے اور اس سے راضی رہے۔ یہ اپنی قوم کی ہدایت کا بہت زیادہ حریص تھا۔ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ مجھے آپ دعوت و تبلیغ کے لئے میری اپنی قوم کی طرف بھیج دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔“ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ وہ میرا اس قدر احرام کرتے ہیں کہ اگر میں سویا ہوا ہوں تو وہ بیدار نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر جاؤ۔ وہاں سے روانہ ہونے کے بعد جب حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا گزر رات اور عزی۔ بتوں سے ہوا تو کہنے لگے کہ کل میں تم سے پیٹ لوں گا۔ یہ سن کر قبیلہ ثقیف غضبناک ہو گیا۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اے گروہ ثقیف! لات وعزی کوئی چیز نہیں، اسلام قبول کر لو، سلامتی پا جاؤ گے، اسے میرے عزیز و! لات وعزی کی کوئی حقیقت نہیں، مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ آپ نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی، اسی اثناء میں

ایک آدمی نے تیر چلا دیا جو آپ کی رُب میں لگا اور آپ فوراً شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسے تھا جیسے سورۃ النہین والا جس نے کہا تھا: يَا نَيْتٌ قَوْمِي يَعْتَبُونَ (1)۔ حضرت کعب رحمت اللہ علیہ کے سامنے حضرت حبیب بن زید بنی عامر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا گیا، ان کا تعلق قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تھا اور مسیلمہ کذاب نے انہیں یرامہ میں شہید کر دیا تھا۔ اس لعین نے آپ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نسبت دریافت کیا کہ کیا تم محمد (ﷺ) کی رسالت کی گواہی دیتے ہو؟ فرمایا: ہاں۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ فرمانے لگے کہ میں نہیں سنتا۔ اس پر مسیلمہ بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ ان کی بابت تو سنتے ہو اور میرے متعلق نہیں سنتے، چنانچہ اس مردود نے آپ کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ کر آپ کو شہید کر دیا۔ جب بھی وہ آپ سے پوچھتا، آپ یہی جواب دیتے یہاں تک کہ جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ سن کر حضرت کعب کہنے لگے کہ سورۃ النہین میں مذکور مردوسن کا نام بھی حبیب تھا (2)۔ فرمایا: وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ... اس آیت میں یہ خبر درج ہے کہ اللہ کے اس ولی کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے انتقام لیا اور زور دار گرج اور دلدوز جیح کے عذاب سے دوچار کر کے انہیں نیست و نابود کر دیا کیونکہ انہوں نے رسولوں کو بھٹلایا اور اللہ کے ایک دوست کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں ہلاک کرنے کے لئے ہم نے آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہی ہمیں اس ترددی ضرورت تھی بلکہ ان کی سرکوبی کا معاملہ بہت معمولی تھا اس لئے ہم نے فرشتوں کی جمعیت بھیجی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ چنانچہ ایک شدید گرج ان پر مسلط کر دی گئی جس کی وجہ سے اظہار کیہ کا بادشاہ اور وہاں کے باشندے را کھ کا ڈھیر بن گئے اور حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ بعض نے وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ کا یہ معنی بتایا ہے کہ پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے لئے ہم فرشتے نہیں بھیجتے تھے بلکہ ان پر ایسا عذاب نازل کرتے جو انہیں تباہ و برباد کر دیتا۔ بعض کے بقول وَمَا أَنْزَلْنَا... کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کی طرف کوئی دوسری رسالت نہ اتاری۔ یہ قول مجاہد اور قتادہ کا ہے۔ قتادہ مزید فرماتے ہیں کہ اس مرد مسلمان کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں ستمیہ نہیں کی بلکہ فوراً عذاب میں دھر لیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ رسالت کو چند (لشکر) نہیں کہا جاتا (3)، مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے شہر کے دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر ایک دلدوز اور جدار چھج ماری جس کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ تمام کے تمام بچھے و کولوں کی طرح بھسم ہو گئے اور بے جان لاش بن گئے۔ اکثر سفح کا کہنا ہے کہ یہ بستی اظہار کیہ تھی، اور یہ تینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے لیکن کئی وجوہ کی بناء پر یہ بات قابل اعتماد نہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قصہ کا ظاہر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، نہ یہ کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری اور فرستادہ تھے کیونکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِذْ أَنْهَرْنَا آيَاتِهِمْ... مزید برآں وہ اپنا تعارف یوں کرواتے ہیں: يَا نَبِيُّنَا يُعَلِّمُونَ الْآيَاتِ لَكُمْ لَتُؤْمِنُوا... اگر وہ حواری ہوتے تو ان کے کلام کا یہ انداز نہ ہوتا بلکہ وہ ایسا انداز اختیار کرتے جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ ہوتے تو کفار انہیں یہ بات نہ کہتے کہ تم ہماری مثل بشر ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اظہار کیہ کے باشندے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کے ہاتھوں ایمان لے آئے تھے بلکہ یہ وہ شہر ہے جس نے سب سے پہلے دین مسیح کو قبول کیا۔ اس لئے نصاریٰ کے نزدیک اظہار کیہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جو ان کے ہاں مقدس سمجھے جاتے ہیں۔

(1) بیت المقدس کیونکہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا شہر ہے، (2) اظہار کیہ کیونکہ وہ پہلا شہر ہے جس کے تمام کے تمام باشندے حضرت عیسیٰ

علیہ السلام پر ایمان لائے، (۳) استغدر یہ کیونکہ یہاں انہوں نے مذہبی پیشواؤں کے تقرر پر اتفاق کیا اور پھر (۴) رومیہ، اس کی وجہ عظمت یہ ہے کہ یہ شاہ قسطنطنیہ کا شہر ہے جس نے نصرانیت کی حمایت کی اور اسے پروان چڑھایا۔ یہاں ہی کے ان کے تمکرات تھے۔ جب بادشاہ نے قسطنطنیہ شہر بسایا تو ان تمکرات کو یہاں منتقل کر دیا۔ سعید بن بطریق وغیرہ نصرانی مؤرخین کی تاریخوں میں یہ واقعات مذکور ہیں۔ مسلمان مؤرخین نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔ ان تاریخوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انطاکیہ وہ شہر ہے جس نے سب سے پہلے مسیحی دین قبول کیا اور یہاں قرآن کریم میں مذکور ہے کہ رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں انہیں برباد کر دیا گیا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اور ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ساتھ انطاکیہ والوں کا قصہ نزول تو رات کے بعد کا ہے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور متعدد سلف نے ذکر کیا ہے کہ نزول تو رات کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب کے ذریعے کسی بستی کو بھی کلی طور پر برباد نہیں کیا بلکہ اس کے بعد مومنوں کو مشرکین کے خلاف جہاد کا حکم دیا جیسا کہ اس آیت **وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْنَا أَنْ هَلَكَ لَكُمُ الْقُرُونُ الْأُولَىٰ (التقصص: 43)** کی تفسیر کے تحت مذکور ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر قرآن میں مذکور قریہ سے انطاکیہ مراد لینا درست نہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ انطاکیہ نامی کوئی اور شہر ہو جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہو لیکن جو انطاکیہ مشہور و معروف ہے، اس کے بارے میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اسے برباد کیا گیا، نصرانیت کے دور میں اور نہ اس سے پہلے۔ طبرانی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سبقت لے جانے والے تین ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے یوشع بن نون تھے، عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت لے جانے والے وہ تھے جن کا ذکر سورہ یسین میں ہے اور محمد ﷺ کی طرف سبقت لے جانے والے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے“۔ اس حدیث کے متعلق یاد رہے کہ یہ منکر ہے اور اسے صرف حسین الاشقر نے روایت کیا ہے اور یہ شیعہ اور متروک ہے۔

يُحَسِّرُكَ عَلَى الْعِبَادِ مَا يُأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ وَإِنْ كُنَّا لَنَاصِرِينَ لَمَّا مَحْضُرُونَ ۝

”صدانسوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے۔ کیا انہیں علم نہیں کہ کتنی امتوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا (اور) وہ (آج تک) ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے۔ اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کرو یا جائے گا“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے **يُحَسِّرُكَ عَلَى الْعِبَادِ** کا معنی بتاتے ہیں ہائے بندوں کی بربادی، تباہی کہتے ہیں: صدانسوس بندوں کا خود پر کہ انہوں نے حکم الہی کی بجا آوری میں کوتاہی کی یعنی وہ کہیں گے کہ ہائے انسوس! ہم نے خود ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ ایک قرأت میں ”یا حَسْرَةَ الْعِبَادِ عَلَىٰ انْفُسِهِمْ“ کے الفاظ ہیں (1)۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن عذاب کو دیکھ کر وہ حسرت اور تدامت کا اظہار کریں گے کہ انہوں نے کیوں رسولوں کو جھٹلایا اور حکم الہی کی مخالفت کی۔ دنیا میں ان کی یہ کیفیت تھی کہ جو بھی رسول ان کے پاس آتا، یہ اسے جھٹلاتے، اس کا مذاق اڑاتے اور اس کی رسالت کا انکار کر دیتے۔ پھر فرمایا: **أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا** یعنی کیا انہوں نے ان سابقہ قوموں سے درس عبرت نہیں لیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی تکذیب کے باعث ہلاک کر دیا اور پھر اس دنیا میں واپس لوٹا ان کے

لئے ممکن نہ رہا۔ دراصل معاملہ ایسا ہے بھی نہیں جیسا کہ اکثر جاہل اور فاجر لوگ گمان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اِنْ هِيَ اِلَّا حَيْثُ اُنْتَا لَمْ تَلْمِئْنَا مَمْنُوتٌ وَوَحْيًا (المومنون: 37) ”نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے، یہی ہمارا ماننا ہے اور یہی ہمارا جینا ہے۔“ یہ اپنی جہالت کی بناء پر یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اسی طرح پھر اس دنیا میں لوٹ کر آنا ہے۔ ان کے اس زعم باطل کے رد میں فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ اَهْلَكْنَا... اس کے بعد فرمایا: وَ اِنْ كُنَّا لَنَاصِرِيْنَ لَنْ يَنْصُرَهُمْ وَ لَنْ يَمُنُّوا بِحُجَّتِهِمْ اَوْ لَوْ كُنَّا لَنَاصِرِيْنَ لَنْ يَمُنُّوا بِحُجَّتِهِمْ اَوْ لَوْ كُنَّا لَنَاصِرِيْنَ لَنْ يَمُنُّوا بِحُجَّتِهِمْ اَوْ لَوْ كُنَّا لَنَاصِرِيْنَ لَنْ يَمُنُّوا بِحُجَّتِهِمْ... اس کے حضور حاضر ہوں گی اور انہیں ان کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اِنْ كُنَّا لَنَاصِرِيْنَ لَنْ يَمُنُّوا بِحُجَّتِهِمْ اَوْ لَوْ كُنَّا لَنَاصِرِيْنَ لَنْ يَمُنُّوا بِحُجَّتِهِمْ اَوْ لَوْ كُنَّا لَنَاصِرِيْنَ لَنْ يَمُنُّوا بِحُجَّتِهِمْ... بعض نے اسے تحفیف کے ساتھ ”لنا“ پڑھا ہے اس صورت میں ان (تحفہ) اثبات کے لئے ہوگا اور بعض نے اسے تشدید کے ساتھ ”لنا“ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ان ٹایفہ ہوگا اور ”لنا“ اذ کے معنی میں ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: ”وَمَا كُنَّا اِلَّا حَمِيْمٌ لَدَيْنَا مَحْضُرُونَ“۔ دونوں قراءتیں ہم معنی ہیں۔

وَ اٰيَةٌ لَهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنَاهَا وَاَحْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا قَبْلَ مَا يَكْفُرُونَ ۗ وَ جَعَلْنَا فِيهَا جَنَّةً مِّنْ نَّجِيلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيهَا مَنَّ الْعَيْوُنِ ۗ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهَا ۗ وَمَا عَمِلَتْهُ اٰيٰتِيْهِمْ ۗ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۙ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَاَجْعَلَهَا مِمَّا تُثْبِتُ الْاَرْضُ وَاَمَّا اَنْفُسُهُمْ ۗ وَمَا لَا يَعْمُرُوْنَ ۙ

”اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے آگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے۔ تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا ہے اس کو ان کے ہاتھوں نے۔ کیا وہ (ان نعمتوں پر) شکر ادا نہیں کرتے۔ برعیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین آگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ (ابھی) نہیں جانتے۔“

اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت کاملہ اور مردوں کو زندہ کرنے کی ایک دلیل مردہ اور خمر زمین ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کہ جب وہ مردہ، خمر اور غیر آباد زمین پر بارش برساتا ہے تو اسی مردہ زمین میں زندگی انگڑائیاں لیے لگتی ہے، ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے، زمین میں روئیدگی کی قوتیں نمودار ہو جاتی ہیں، ہر طرف فصلیں لہلہا لگتی ہیں اور طرح طرح کے پھل اپنی بہار دکھانے لگتے ہیں۔ اس طرح غلہ اور رزق کی بہتات ہو جاتی ہے جو انسانوں اور جانوروں کے کام آتا ہے۔ مزید برآں کھجوروں اور انگوروں کے باغات تیار کر دیئے جاتے ہیں اور آب پاشی کے لئے نہریں جاری کر دی جاتی ہیں۔ یہ سب فضل و احسان اس لئے ہے تاکہ لوگ ان کے پھل کھائیں اور کھیتوں اور باغات سے اپنی ضروریات پوری کریں۔ پھر فرمایا: وَمَا عَمِلَتْهُ اٰيٰتِيْهِمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت کی کرشمہ سازی ہے، اس میں انسانوں کی سعی اور قوت کا کوئی دخل نہیں، اس لئے فرمایا: اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں اور لامحدود نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے۔ اس صورت میں ”ما“

نافیہ ہوگی۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں ”ما“ موصولہ بمعنی الذی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: ”لِیَا کُلُوَا مِنْ شَرِهٖ وَمِمَّا عَوَّلَتْہٗ اَیْدِیْہِم“ (۱)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہی الفاظ ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ ان باغات کے پھل کھائیں اور ان درختوں کے بھی جو اپنے ہاتھوں سے لگاتے ہیں۔ پھر فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے زمین میں لگنے والے درختوں، پودوں، پھولوں، پھولوں غرضیکہ زمین سے ہر لگنے والی چیز کا جوڑا جوڑا بنا کر اسے نر اور مادہ میں تقسیم کر دیا، اسی طرح انسانوں کو بھی مذکر اور مؤنث میں تقسیم کر دیا اور یہ سلسلہ ایسی بے شمار مخلوقات میں بھی جاری ہے جن تک انسانی علم کی ابھی تک رسائی نہیں ہوئی جیسے کہ فرمایا: وَ مِنْ عَلٰی سَمٰوٰتِہٖمُ حَافِظٰتٌ رَّوٰجِعِیْنَ لَعَلَّکُمْ تَذٰکُرُوْنَ (الذاریات: 49) ”اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تاکہ تم غور و فکر کرو۔“

وَاٰیۃٌ لِّہُمُ الْیَلِیْلُ ۚ نَسَخْنٰ مِنْہُ النَّہَارَ فَاِذَا ہُمْ مُقْتَلِمُونَ ﴿۵۰﴾ وَالشَّمْسُ بَیۡحٰثٌ یَّسْتَقْرِ لَہَا
ذٰلِکَ تَقْدِیۡرُ الْعَزِیۡزِ الْعَلِیۡمِ ﴿۵۱﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَا لَہٗ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوۡنِ الْقَدِیۡمِ ﴿۵۲﴾
لَا الشَّمْسُ یَجْبِیۡ لَہَا اَنْ تَدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الْیَلِیْلُ سَابِقُ النَّہَارِ ۗ وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ
یَّسْبَحُوۡنَ ﴿۵۳﴾

”اور دوسری نشانی ان کے لئے رات ہے۔ ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو بکھٹت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور (یہ) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے (اس) عزیز (اور) عظیم (خدا) کا۔ اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لئے منزلیں، آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک اچھی زائر فری دن اور رات کی تخلیق ہے۔ دن میں اجالا بھیل جاتا ہے اور رات کو تاریکی چھا جاتی ہے اور دونوں تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: یُنۡفِثُ الْاَنۡبِیَالَ النَّہَارَ یَطۡلُبُہٗ حَبِیۡبًا (الاعراف: 54) ”وہ رات سے دن کو ڈھانچتا ہے دران حالیہ دن رات کو چیزی سے طلب کرتا ہے“ اس لئے فرمایا: وَاٰیۃٌ لِّہُمُ الْاَنۡبِیَالَ۔ یعنی ہم رات سے دن کو اتار لیتے ہیں تو وہ روٹھت ہو جاتا ہے اور رات اپنے ڈیرے جماتی ہے اور ہر سو اندھیرا چھا جاتا ہے جیسے حدیث میں ہے: ”جب ادھر سے رات آجائے اور ادھر سے دن چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روز و در افطار کر لے“ (2)۔ آیت کا ظاہر ای مفہوم کا متقاضی ہے لیکن حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ آیت اس آیت کے معنی میں ہے: یُنۡزِلُہٗ الْاَنۡبِیَالَ فِی النَّہَارِ وَ یُنۡزِلُہٗ النَّہَارَ فِی الْاَنۡبِیَالَ (ناظر: 13) ”وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے“۔ امام ابن جریر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”ایلاج“ کا معنی ہے ایک سے کچھ لے کر دوسرے میں داخل کر دینا اور اس آیت میں یہ معنی مراد نہیں (3)۔ ابن جریر کا یہ قول حق ہے۔ آیت کریمہ میں ”مستقر“ کے معنی میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورج کا مستقر مکانی (جائے قرار) ہے اور وہ عرشِ تلے زمین کی سمت میں ہے۔ چنانچہ صرف سورج ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات عرش کے نیچے ہیں اور یہ ان کی چھت ہے جو سب کا

اللہ عظیم کی قرأت میں "لَا مُسْتَقَرَّ لَهَا" ہے (1)۔ یعنی اس کے لئے نہ سکون ہے اور نہ قرار بلکہ یہ دن رات بغیر کسی توقف اور سستی کے مصروف گردش رہتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَسَخَّرْنَا لَكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ (ابراہیم: 33) "اور مسخر کر دیا تمہارے لئے آفتاب و مہتاب جو برابر چل رہے ہیں"، یعنی قیامت تک یہ نہ ٹھکیں گے اور نہ رکیں گے۔ پھر فرمایا: ذٰلِكَ تَشْفِيَةُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ یعنی یہ اس خدا کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو ایسا غالب ہے کہ نہ اس کی مخالفت کی جاسکتی ہے اور نہ اس کی حکم صدولی ممکن ہے اور وہ تمام حرکات و سکنات کا علم رکھنے والا بھی ہے۔ اس نے ایسا نظام الاوقات مقرر کر رکھا ہے جس میں نہ اختلاف واقع ہونے کا امکان ہے اور نہ اس کے برعکس ہونا ممکن ہے جیسے فرمان ہے: فَالْيَوْمَ الْاَصْحٰرُ اَوْ جَعَلْنَا لَكُمُ الْيَوْمَ الْاَصْحٰرَ سُنَّةًا اَوْ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَشْفِيَةُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (الانعام: 96) "وہ صبح کو نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لئے اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے بنایا۔ یہ اندازہ ہے سب سے زبردست سب کچھ جاننے والے کا"۔ اسی طرح تم اسجدہ کی آیت کا اختتام بھی انہی الفاظ ذٰلِكَ تَشْفِيَةُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ پر کیا۔ پھر فرمایا: وَالْقَمَرَ قَدْرًا مِّنْ ذٰلِكَ مَنَازِلَ یعنی ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دیں اور یہ ایک الگ اور جدا گانہ چال چلتا ہے جس سے مہینے معلوم کئے جاتے ہیں جس طرح سورج کی گردش سے دن رات کا علم ہوتا ہے جیسا کہ فرمان ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَٰكِيْنَ لَكُنْتُمْ اَشْرَاقًا (البقرہ: 189) "وہ آپ سے نئے چاندوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں، فرمائیے یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے وقت کی علامتیں ہیں"۔ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاۗءً وَالْقَمَرَ نُوْرًا وَقَدَرًا مِّنْ اَمَّا مَنَازِلَ يُتَعَلَّمُوْنَ اَعَادِيَ السِّنِّيْنَ وَالْحِسَابِ (يونس: 5) "وہی ہے جس نے سورج کو درخشش اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب کو جان لو"۔ وَجَعَلْنَا الْاَلْيَلِ وَالنَّهَارَ اٰيٰتٍ لِّمَنْ يَذَّكَّرُ وَكُلَّ شَيْءٍ قَدَرًا مِّنْ تَلْوِيْهِ (بنی اسرائیل: 12)۔ سورج کی مخصوص ضواء (روشنی) ہے اور چاند کا مخصوص نور اور دونوں کی رفتار بھی مختلف ہے۔ سورج ہر روز ایک جیسی روشنی پر طلوع اور غروب ہوتا ہے لیکن موسم گرما اور سرما میں اس کے طلوع و غروب کے مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کبھی دن لمبا ہوتا ہے اور رات چھوٹی اور کبھی رات لمبی ہوتی ہے اور دن چھوٹا۔ سورج کی ٹھکانی دن کے وقت ہوتی ہے اور یہ دن کا ستارہ ہے جبکہ چاند رات کا ستارہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں۔ مہینے کی پہلی شب کو جب یہ طلوع ہوتا ہے تو مدھم مدھم سا اور کم روشنی والا ہوتا ہے پھر دوسری رات میں اس کا نور کچھ بڑھ جاتا ہے اور یہ بلند بھی ہو جاتا ہے۔ جوں جوں یہ بلند ہوتا ہے، اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے اگرچہ اس کی روشنی سورج سے حاصل کردہ ہوتی ہے، بالآخر چودھویں کی رات یہ ماہ تمام بن جاتا ہے اور اس کا نور کمال کو پہنچ جاتا ہے، اس کے بعد یہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور بتدریج کم ہوتے ہوتے یہ کجور کی خشک، بوسیدہ اور خفیدہ شبی کی مانند ہو جاتا ہے جس پر تر کجوریں لگتی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے نئے سرے سے اگلے مہینہ کے آغاز میں ظاہر کرتا ہے۔ عربوں نے چاند کی روشنی کے اعتبار سے تین قسمی راتوں کا الگ الگ نام رکھا ہے۔ پہلی تین راتوں کو "غرز" کہتے ہیں، اس کے بعد کی تین راتوں کا نام "نفل"، اگلی تین راتوں کا "تسع" اس لئے کہ ان کی آخری رات نویں ہوتی ہے، اس کے بعد کی تین راتوں کو "عشر" کہتے ہیں کیونکہ ان کا آغاز دسویں رات سے ہوتا ہے، پھر اگلی تین راتیں "بیض" اس لئے کہ ان راتوں میں چاند کی روشنی آخر تک رہتی ہے، اس کے بعد کی تین راتیں "درع" کہلاتی ہیں۔ یہ "درع" کی جمع ہے۔ چونکہ ان میں سے پہلی رات میں چاند کے دیر سے طلوع ہونے کی وجہ سے یہ رات تاریک ہوتی ہے اس لئے اسے یہ نام دیا گیا، اسی سے "الشَّامَةُ الدَّرَعَاءُ" ہے یعنی وہ بکری جس کا سر سیاہ ہو، اس کے بعد کی تین راتوں کو "ظلم" پھر اگلی تین کو "مناوس"، پھر تین کو "دآوی"،

پھر آخری تین کو "محاق" کیونکہ ان میں چاند غائب اور مہینہ ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ "تسع" اور "عشر" کا انکار کرتے تھے۔ کتاب "غریب المصنف" ملاحظہ ہو۔ پھر فرمایا: لَا الشَّمْسُ... مجاہد فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند دونوں کی حد مقرر ہے جس سے نہ وہ تجاوز کر سکتے ہیں اور نہ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ باری باری ان کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ ایک آتا ہے تو دوسرا رخصت ہو جاتا ہے (1)۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ چاند رات کو سورج کی یہ مجال نہیں کہ وہ چاند کو جا پکڑے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوا کے پر ہیں اور چاند کا ٹھکانہ پانی کا غلاف ہے، ابو صالح اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس کی روشنی اس کی روشنی کو اور اس کی روشنی اس کی روشنی کو نہیں پکڑ سکتی۔ ٹکر فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی حکمرانی مخصوص اوقات میں ہے۔ سورج کی مجال نہیں کہ وہ رات کو طلوع ہو جائے اور اس فرمان وَلَا آتِيَنَّ السَّيِّئَاتُ السَّيِّئَاتِ کے متعلق دو کہتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں کہ رات کے ٹرہ جانے کے بعد دوسری رات شروع ہو جائے بلکہ درمیان میں دن لازمی آتا ہے۔ پس سورج کی بادشاہت دن کو ہے اور چاند کی حکمرانی رات کو۔ سخاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب تک دن نہ آئے، رات نہیں آتی۔ مجاہد اس فرمان وَلَا آتِيَنَّ السَّيِّئَاتِ السَّيِّئَاتِ کے متعلق کہتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کو تیزی سے طلب کرتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے سے اتارا جاتا ہے یعنی دن اور رات کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوتا بلکہ دونوں یکے بعد دیگرے بغیر کسی تاخیر کے آتے رہتے ہیں کیونکہ دونوں ہمد وقت پابند ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكُلٌّ فِي فَكْرٍ يُسَبِّحُونَ یعنی دن اور رات، سورج اور چاند سب کے سب فلک آسمان میں تیر رہے ہیں اور گھوم رہے ہیں۔ عبد الرحمن بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب زمین و آسمان کے درمیان فلک میں تیر رہے ہیں لیکن یہ قول بہت غریب بلکہ منکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد سلف کہتے ہیں کہ یہ فلک چرنے کے دکنزے کی مثل ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ چمکی کے پات کے لوہے کی طرح ہے۔

وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِكِ الْمَشْهُونِ ﴿١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿٢﴾

وَإِن نَّشَاءُ نَعْرِفُهُمْ فَلَا صَرِيحَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَنْقُذُونَ ﴿٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٤﴾

"اور ایک نشانی ان کے لئے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی۔ اور ہم نے پیدا کی ان کے لئے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں فرق کر دیں پس کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور نہ وہ ڈوبنے سے بچائے جاسکیں۔ بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں۔"

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا نامہ کی ایک اور کرشمہ سازی کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے سمندر کو کشتیوں اور بحری جہازوں کی آمد و رفت کے لئے سخر کر دیا ہے۔ سب سے پہلی کشتی حضرت نوح علیہ السلام کی تھی جس پر سوار ہو کر آپ اور آپ علیہ السلام کے ساتھی مومن نجات پا گئے اور روئے زمین پر ان کے سوا کوئی انسان باقی نہ رہا، اس لئے فرمایا: وَآيَةٌ لَهُمْ... یعنی ہم نے ان کے آباؤ اجداد کو اس کشتی میں سوار کیا جو سامان اور حیوانات سے بھری ہوئی تھی اور اس میں ہر قسم کے جانور کا جوڑا جوڑا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول "مشحون" کا معنی ہے بوجھ سے لدی ہوئی۔ اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ... کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہیں جو کشتی کی کشتیاں ہیں اور ان کی طرح بار برداری، نقل و حمل

اور مواملاات کا ذریعہ ہیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس سے مراد کشتیاں اور جہاز ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے نمونے پر بعد میں بنے (1)۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: **إِنَّا لَمَّا كَلَّمْنَا الْمَاءَ حَتَّىٰ تَكُونَ فِي الْغَابِرِ يَوْمَئِذٍ يُسَجِّدُهَا لَكُمْ تَتَذَكَّرُ لَهَا وَأَنْتُمْ عَلَيْهَا قَائِمُونَ** (المجادلہ: 12-11) ”جب پانی حد سے تجاوز کر گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا تاکہ ہم اسے تمہارے لئے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں“۔ پھر فرمایا: **وَإِنْ تَكْفُرُوا فَهَمَّ بِكُمْ**... یعنی اگر ہم چاہیں تو کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کر دیں، پھر نہ کوئی ان کی فریاد کریں گے والا ہوا اور نہ ہی انہیں غرق کرنے سے بچایا جائے بجز اسکے کہ ہماری رحمت ان کے شامل حال ہو اور ایک مقررہ میعاد تک انہیں زندگی سے لطف اندوز رکھنا مقصود ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان **إِنَّمَا رِزْقُكُمْ** میں استثناء منقطع ہے معنی یہ ہوگا: لیکن ہم اپنی رحمت سے تمہیں خشکی اور تری میں سفر کرنے کے قابل بناتے ہیں اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں سلامت رکھتے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا أَلُتَّعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَأُطْعِمَهُ ۚ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو (اس عذاب سے) جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور انہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے، مگر وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو کہ کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ (اے ناصحو!) تم تو بالکل بہک گئے ہو۔“

مشرکین کی سرکشی، گمراہی اور گناہوں پر ان کے اصرار کو بیان کیا جا رہا ہے کہ جب انہیں گزشتہ گناہوں سے ڈرنے اور توبہ کرنے اور قیامت کے دن پیش آنے والے عذاب سے محتاط ہونے کی تلقین کی جاتی ہے تو وہ اس سے روگردانی کر لیتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب انہیں سابقہ گنہوں سے رجوع کرنے اور آئندہ کے لئے گناہوں سے باز رہنے کو کہا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں عذاب سے محفوظ رکھے تو وہ اس نصیحت کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں (2)۔ یہاں یہ جواب شرط محذوف ہے اور اس فرمان **وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ** پر استثناء آتے ہوئے اسے ذکر نہیں کیا (3)۔ یعنی توحید اور رسولوں کی صداقت کی جو بھی نشانی ان کے پاس آتی ہے، یہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں، نہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں، نہ اسے قبول کرتے ہیں اور نہ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: **وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا**۔ یعنی جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے مسلمان فقراء اور محتاجوں پر خرچ کرو تو وہ حجت بازی کرتے ہوئے ان فقراء، مساکین کی باہت اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ تم ہمیں جن لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دے رہے ہو، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ خود ہی انہیں غنی کر دیتا اور اپنی جناب سے انہیں رزق بيم بچھا دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ کی یہ وحییت نہیں تو ہم اس

کی مشیت کے خلاف کرنے والے کون ہیں۔ یہ جو تم ہمیں حکم دے رہو کہ ان مسکینوں پر خرچ کرو، اس میں تم واصل غلطی پر مسو۔ ابن جریر کے بقول اس بات کا احتمال ہے کہ اس فرمان ان اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ کے مخاطب کفار ہوں۔ اس ایمان کے ساتھ ساتھ مناظرہ کے دوران جب کفار نے مذکورہ بالا ہرزوسرائی کی تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ فرمایا کہ تم کھلی گمراہی میں ہو (1)۔ لیکن یہ احتمال محل نظر ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾ مَا يَنْظُرُونَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

تَاٰخِذُہُمْ وَہُمْ يَجْحَدُوْنَ ﴿٣٧﴾ فَلَا يَسْتَظِيْعُوْنَ تَوَصِيَةً وَّلَا اِلٰی اٰہْلِہِمۡ يَرْجِعُوْنَ ﴿٣٨﴾

”اور کافر کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو (تو اس وقت مقررہ کو بتا دو) یہ (انہیں) نہیں انتظار کر رہے مگر اس ایک گرج کا جو (اچانک) انہیں دبوچ لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے۔ پس نہ وہ (اس وقت) کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے۔“

کفار وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے کہتے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اور کب قیامت قائم ہوگی۔ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا يَنْظُرُونَ۔ یعنی انہیں صرف ایک گرج کا انتظار ہے جو انہیں دبوچ لے گی جبکہ وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں۔ صیغہ (گرج) سے مراد مسور ہے۔ جب مسور پھونکا جائے گا تو ہر چیز پر وحشت اور گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ لوگ بازاروں میں اور کاروباری مقامات پر حسب معمول بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے اور درزمرہ کے امور انجام دے رہے ہوں گے کہ اسی اثناء میں حضرت اسراہیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسور پھونک دیں گے جو کافی دیر جاری رہے گا۔ روئے زمین پر ہر ایک اپنے کان کھڑے کر لے گا اور آسمان سے آنے والی آواز ہولناک آواز کو غور سے سنے گا، پھر لوگوں کو سیدان محشر کی طرف لے جایا جائے گا اور اب انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئی ہوگی۔ اس نازک اور خوفناک صورتحال میں اتنی مہلت بھی نہیں ہوگی کہ وہ وصیت کر سکیں اور نہ انہیں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنا یا جانے کا۔ اس آیت کے متعلق بہت سے آثار اور احادیث وارد ہوئے ہیں جنہیں ہم نے کسی دوسرے مقام پر بیان کر دیا ہے (2)۔ اس پہلے فقرے کے بعد دوسرا فقرہ ہوگا جس کے سبب اس وحی و قیوم ذات کے سوا ہر ایک مرجائے گا۔ اس کے بعد تیسرا فقرہ ہوگا جس سے سب دوبارہ جی اٹھیں گے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اِذَا هُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّہِمۡ يَنْسِلُوْنَ ﴿٣٩﴾ قَالُوْا اٰیوٰیۡنَا مَنۡ بَعَثَنَا

مِنۡ مَّرْقَدِنَا۟ ۗ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً

وَاحِدَةًۢ فَاِذَا هُمْ جَبِيۡمٌ لَّدٰیۡنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿٤١﴾ فَاَلْیَوْمَ لَا تُظَلَمُ نَفْسٌ شٰیۡئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٢﴾

”اور (دوبارہ جب) مسور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جائیں گے (اس وقت) کہیں گے ہائے ہم برباد ہو گئے! کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہے ہماری خوابگاہ سے۔ (آواز آنے لگی) یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا (اس کے) رسولوں نے۔ نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک، پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس آج نہیں ظلم کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہ ہی بدلہ دیا جائے گا

تمہیں مگر ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے۔

یہاں تیسرے نئے کا ذکر ہو رہا ہے جس سے مردے زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے، سلطان جو 'ینسلون' کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے تیز تیز چلنا جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: **يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ يَرَاءُ عَاكِلًا فَظًا يُوْثِقُ رِجْلَيْهِ فَيَخْتَرُّونَ (المعارج: 43)** "اس روز جلدی جلدی قبروں سے نکلیں گے گویا وہ (اپنے بتوں کے) استخوانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں"۔ اس وقت وہ کہیں گے: **يَا وَيْلَتَنَا** یعنی جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے جن کے متعلق انہیں دنیا میں یقین تھا کہ انہیں زندہ کر کے ان سے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا، جب وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہائے ہم برباد ہو گئے، ہمیں کس نے ہماری خوابگاہ (قبروں) سے اٹھایا ہے۔ اس سے عذاب قبر کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ جس عذاب سے وہ قیامت کے دن دوچار ہوں گے اس کی شدت کے مقابلہ میں عذاب قبر بہت خفیف ہے، گویا وہ آرام کر رہے تھے۔ حضرات ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ بارہ زندہ کئے جانے سے پہلے کچھ دیر کے لئے انہیں تیندا آجائے گی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے نئے کے درمیان یہ سوچا کہیں گے، اس لئے جب انہیں گئے تو کہیں گے کہ ہمیں کس نے ہماری خوابگاہ سے بیدار کیا۔ اس کے جواب میں اہل ایمان انہیں کہیں گے: **هَذَا مَا وَعَدَ** یعنی یہ وہی ہے جس کا تم نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے انہیں یہ جواب دیں گے۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ یہ بھی کافروں کا قول ہے لیکن ابن جریر نے پہلا قول پسند کیا ہے (1) اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: **يَا وَيْلَتَنَا هَذَا يَوْمُ النَّاسِ يَوْمَ النَّاسِ يَوْمَ نَسْفُوفُ السَّاعَةِ يُفْصِمُ الْمُتَجَرِّمُونَ . لَا تَعْلَمُونَ (الروم: 55-56)** اور یہ فرمان **إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً .** ان فرمان کی طرح ہے: **فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (التازعات: 13-14)** "پس قیامت تو فقط ایک جھڑک ہوگی پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے۔" **وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ (الزلزال: 17)** "اور نہیں قیامت برپا ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد"۔ **يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَقُولُونَ إِنْ لَوْ تَشَاءُ لَأَنزَلْنَا إِلَهُكُم مِّنَ السَّمَاءِ نَزْلًا يُرَى (اسرا: 62)** "اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ"۔ یعنی ہمارا ایک ہی حکم ہو گا کہ سب ہمارے پاس حاضر ہو جائیں گے۔ اس دن کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں ہو گا بلکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكِهِونَ ۖ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي تَجَلُّلٍ عَلَى الْأَسْرَابِ
مَعْكُونُونَ ۖ لَهُمْ فِيهَا قَاهَةٌ وَأَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ ۖ سَلَامٌ تَوَلَّوْنَ مِنْ رَبِّكَ رَحِيمٌ ۖ

"بے شک اہل بہشت آج (حسب مراتب) اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرصع) تختوں پر کمیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان کے لئے وہاں (طرح طرح کے لذیذ) پھل ہوں گے اور انہیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے۔ تم سلامت رہو۔ (انہیں) یہ کہا جائے گا کہ تمہیں کی طرف سے۔"

میدان قیامت سے فراغت کے بعد جنتی بہشت کے باغات میں جائیں گے تو ان پر نعیم جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہاں کی لذتوں اور لطف و سرور میں وہ اس طرح کھو جائیں گے کہ انہیں کسی دوسرے کا خیال نہ ہوگا۔ حضرات حسن بصری اور اسماعیل بن ابی خالدؒ "فی شغل" کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ وہ جنہیوں اور ان کے عذاب سے بے خبر ہوں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ نعمتوں میں سرور ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے "فکھون" کا یہی معنی منقول ہے کہ وہ سرور اور خوش باش ہوں گے۔ حضرات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر متعدد و سلف اس کا یہی معنی بتاتے ہیں کہ وہ کنواری حوروں کے ساتھ لطف اندوز ہونے میں مشغول ہوں گے۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ موسیقی سننے میں مصروف ہوں گے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس روایت کے سننے والے کو شاید سننے میں غلطی لگ گئی ہو۔ آپ سے منقول صحیح معنی وہی ہے جو اوپر مذکور ہے (1)۔ فرمایا: "هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ"۔ یعنی وہ اور ان کی بیویاں گھنے اور ٹھنڈے سایوں میں مرصع اور آراستہ تختوں پر تھیں لگائے بیٹھے ہوں گے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ "ارائک" سے مراد وہ تخت ہیں جن پر پردے لٹک رہے ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: "لَهُنَّ فِيهَا قَائِمَةٌ....." یعنی جنت میں ان کے لئے طرح طرح کے لذیذ پھل اور ہر وہ لذت بخش چیز ہوگی جسے وہ طلب کریں گے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا کوئی جنت کی طرف تیاری کرنے والا ہے؟ جنت میں کوئی خطر نہیں، رب کبھی کبھی تمہاری تمام کی تمام لورہی نور ہے، اس میں مہکتے پھول، چنبیہ شاندار مہلات، کپے ہوئے لذیذ پھل، بہتی ہوئی نہریں، حسین و جمیل حوریں، بیش قیمت پوشاکیں، ابدی نعمتیں، دائمی قیام، سبزہ، تازہ پھل، بکثرت انعامات اور عالی شان اور بلند بالا رہائش گاہیں ہیں"۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس کے لئے تیاری کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر کہو ان شاء اللہ"، تو سب حاضرین نے ان شاء اللہ کہا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمانِ سَمَّ قَوْلًا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہذا ات خود اہل جنت کے لئے علام ہے جیسا کہ آیہ اور جلد فرمایا: تَجِدُهُمْ يَوْمَ يُنْفَخُ الْيَوْمُ ثَمَرَاتِهِمْ (الاحزاب: 44) "انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب سے ملیں گے کہ ہمیشہ سلامت رہو۔ حضرت چہر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل جنت اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ اسی اثنا میں اچانک ان کے اوپر نور چمکے گا۔ جب وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان کا رب کریم ان کی طرف جھانک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جنتیو! السلام علیکم۔ سَمَّ قَوْلًا یعنی رُبَّ رُبِّ جَنَّتِمْ سے یہی مراد ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا اور اس کی طرف دیکھیں گے، محویت کا یہ عالم ہوگا کہ جب وہ جمالِ حقیقی کا دیدار کر رہے ہوں گے تو انہیں کسی دوسری نعمت کا خیال تک نہ رہے گا یہاں تک کہ وہ حسنِ حقیقی پر وہ فرمائے گا لیکن اس کا نور اور اس کی برکت ان پر اور ان کے مکانات پر ضیا بہار رہے گی" (3)۔ اہل حدیث کی سند میں کچھ کلام ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب جنتیوں کو دوزخیوں سے فوراً جو کہ تواریخ کے بارے میں متوجہ ہوگا اور فرشتے بھی ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو سلام فرمائے گا اور وہ سلام کا جواب دیں گے۔ قرنی فرماتے ہیں کہ اس کا ذکر اس آیت سَمَّ قَوْلًا میں رُبَّ رُبِّ جَنَّتِمْ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ مجھ سے مانگو۔ عرض کریں گے کہ اب پروردگار! ہم تم سے کیا

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1448-1449

1۔ الدر المنثور، جلد 7، صفحہ 65

3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 66-65

گا، (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو عمل تم کیا کرتے تھے“ (1)۔

هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَنْبِيَائِهِمْ وَنَسْتَهْدِيْهُمْ اَرْجَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَانِىْ يَبْصُرُوْنَ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ وَلَا يَرْجِعُوْنَ ۝

”یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج اس کی آگ تاپو اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ آج ہم مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان (بہ کار یوں) پر جو وہ کمایا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راست کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان (اندھوں) کو راستہ کیسے نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم انہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر پھر وہ نہ آگے جاسکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے“۔

قیامت کے دن بھڑکتا ہوا جہنم سامنے ہوگا اور سررکش کرتے ہوئے کفار سے کہا جائے گا: هٰذِهِ جَهَنَّمُ .. یعنی یہ ہے وہ جہنم جس کے متعلق رسول تمہیں خبردار کرتے رہے لیکن تم نے ان کی ایک نہ مانی، اس لئے آج اپنے کفر کی پاداش میں اس کے اندر داخل ہو جاؤ جیسے ایک اور مقام پر فرمایا: يَوْمَ يُنْفَخُ اِلَيْكَ اِثْمَارُ جَهَنَّمَ دُخَانًا ... اَمْ اَنْتُمْ لَا تَبْصُرُونَ (الطور: 15-13) ”اس روز انہیں دھکے دیکر آتش جہنم میں پھینکا جائے گا، (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) چاروں طرف شہ ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی“۔ قیامت کے دن جب کفار اور منافقین پر فرد جرم عائد کی جائے گی تو وہ اقبال جرم سے انکار کر دیں گے اور قسمیں اٹھا اٹھا کر یہ یقین دلائیں گے کہ دنیا میں انہوں نے کسی جرم یا گناہ کا ارتکاب کیا ہی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا کر ان کی زبانی بندی کر دے گا اور ان کے اعضاء کو قوت گویائی مٹا کر دے گا جو ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے، اس حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: الْيَوْمَ نَخْتِمُ .. حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ اچانک ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہونے لگیں، پھر فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں ہنسا؟“ ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس جھگڑے کی وجہ سے (میں ہنسا ہوں) جو تمہارے قیامت کے دن اپنے رب سے کرے گا، بندہ کہے گا: اے پروردگار! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی تھی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیوں نہیں۔ بندہ کہے گا کہ آج میں اپنے اپنے اوپر اپنی ذات کے سوا کسی کو گواہ ماننے پر تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ٹھیک ہے، میرے لکھنے والے معزز فرشتے نہ سہی، تیری اپنی ذات تجھ پر گواہ کافی ہے۔ چنانچہ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء کو محسوس ہوگا کہ یوں اور ان اعمال کی نوابی و وجوب یہ تھا۔ نہ ماتمہ کیا کرتا تھا۔ تو وہ ہر ایک بات صاف صاف بتا دیں گے۔ پھر بندہ (قوت گویائی لوٹنے کے بعد) اپنے اعضاء سے کہے گا کہ تجھاری رباوی ہو۔ تمہاری خاطر ہی تو میں جھگڑا تھا“ (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ”جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری زبان بند کی سرکے پایا جائے

جو تو سب سے پہلے رانوں اور ہتھیلیوں سے سوال ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی قیامت کے متعلق ایک طویل حدیث میں فرمایا: ”پھر تیسرے سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو کیا ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا بندہ ہوں، میں تجھ پر، تیرے نبی پر اور تیری کتاب پر ایمان لایا، روزے رکھے، نمازیں پڑھیں، صدق و زکوٰۃ و خیرات دیا اور اہل نیک اعمال بیان کرے گا۔ اسے کہا جائیگا کہ کیا تم پر اپنا گواہ نہ لائیں؟ وہ ابھی اسی سوچ میں ہوگا کہ کسے بطور گواہ پیش کیا جائے گا کہ اس کے منہ کبھی دیا جائے گا اور اس کی ران سے کہا جائے گا کہ تو بول۔ چنانچہ اس کی ران، گوشت اور ہڈیاں بول کر اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ یہ منافق ہوگا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوگا تاکہ اس کا عذر باقی نہ رہے اور ایسے سخت محاسبین وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض تھا (1)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومنوں پر مہر لگنے کے بعد سب سے پہلے انسان کی بائیں ران بولے گی“ (2)۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مومن کو حساب کے لئے بلایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے وہ گناہ پیش کرے گا جن کا کسی اور کو علم نہ تھا۔ وہ اعتراف کرتے ہوئے عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے یہ گناہ کئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر وہ پوٹھی کرتے ہوئے اس کے گناہ محاف فرمادے گا اور مخلوق میں سے کسی پر بھی اس کا کوئی گناہ ظاہر نہیں ہوگا۔ پھر اس کی نیکیاں ظاہر کی جائیں گی تو وہ خواہش کرے گا کہ تمام لوگ انہیں دیکھ لیں۔ اس کے بعد فرماؤں منافق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان پر ان کے اعمال پیش کرے گا تو وہ صاف انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ اے پروردگار! تیری عزت کی قسم! ہم نے تو یہ اعمال کئے ہی نہیں۔ فرشتے ناکردہ گناہ ہمارے کھاتے میں ڈالتے رہے ہیں۔ فرشتے کہیں گے کہ فلاں فلاں دن تم نے یہ یہ کام کئے؟ وہ کہیں گے: یا رب، تیری عزت کی قسم! ہم نے یہ کام نہیں کئے۔ اس وقت ان کے مومنوں پر مہر لگ جائے گی اور میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے دائیں ران ٹھگو کرے گی (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت **وَلَوْ تَشَاءُ لَأَمْسَأْنَا** کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں گمراہ کر دیتے اور پھر یہ کیسے ہدایت پاسکتے۔ مرہ کہتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو انہیں اندھا کر دیتے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتا اور انہیں اندھا بنا دیتا تاکہ وہ بھٹکتے پھریں۔ یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے، پھر وہ راہ حق کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان کو راستے سے نظر آتا اور ان کا لیدہ ان کی آنکھیں مٹ چکی تھیں۔ حضرت ابن عباس سے **فَأَن تَصِغُرُونَا** کا معنی منقول ہے کہ وہ حق کو نہ دیکھ پاتے۔ پھر فرمایا: **وَلَوْ تَشَاءُ لَأَمْسَأْنَا** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں ہلاک کر دیتے۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم ان کی صورت مسخ کر دیتے، ابو صالح کہتے ہیں کہ ہم انہیں پتھر بنا دیتے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم انہیں اپنا حج کر دیتے پھر وہ نہ آگے چل سکتے اور نہ وہ پیچھا لوٹ سکتے بلکہ ایک ہی حالت میں رہتے اور آگے پیچھا نہ ہو سکتے۔

وَمَنْ تُعْمِرْهُ سَتَكْسِبْهُ فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠﴾ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۖ إِنْ هُوَ

إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿١١﴾ لِيُنذِرَ مَنِ كَانَ حَيًّا وَيَحْيِيَ الْقَوْلَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿١٢﴾

”اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کر دیتے ہیں اس کی طبیعت تو نوس کو۔ پھر کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اور نہیں سکھایا

1- صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، جلد 4، صفحہ 2279-2280، ضمن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 233

3- تفسیر صبری، جلد 23، صفحہ 24

2- تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 24، سنن ابی داؤد، جلد 4، صفحہ 151

ہم نے اپنے نبی کو شعر، اور نہ ان کے شایان شان ہے۔ نہیں ہے یہ گمراہی اور قرآن جو بالکل واضح ہے۔ تاہم وہ بروقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تاکہ حجت تمام کر دے کفار پر۔

ابن آدم کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ اس کی عمر طویل ہو جاتی ہے تو قوت کے بعد کمزوری اور نشاط کے بعد خزا کا دور آتا ہے جیسا کہ فرمایا: **أَيُّهُ الْإِنْبِيَّ حَقَّقَتْهُ فِرْعَ حُصْفِي . الْعَلِيْمُ الْقَدِيْمُ (اروم: 54)**، **وَمَنْ كُنَّ مَنِّي ذِي أَرْذَالٍ أَعْمُرُ لِيَكُنَّ لَا يَعْلَمُ بَعْدَ عِلْمِ شَيْئًا (نحل: 70)** اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں ناکارہ عمر کی طرف لونا دیا جاتا ہے تاکہ وہ جان لینے کے بعد کچھ نہ جانے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ نیا دار زوال و انتقال ہے نہ کہ دار دوام و استقرار، اس لئے فرمایا: **أَفَلَا يَتَفَقَّهُونَ عِنِّي يَهْلِكُ كَمَا يَهْلِكُ كَارِبًا** کہ غور و فکر نہیں کرتے کہ یہ بچپن سے جوانی کی طرف اور پھر بڑھاپے کی طرف منتقل ہوئے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ انہیں باآخریماں سے دار آخرت کی طرف جانا ہے جو اونگھی ہے، اسے نہ زوال ہے اور نہ ہی یہ لوگ اس سے کسی اور جگہ منتقل کئے جائیں گے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ سے شاعری کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: **وَمَا عَلَّمْتُهُ الشُّعْرَ** یعنی ہم نے آپ کو نہ شاعری سکھائی اور نہ یہ آپ کے شایان شان ہے۔ نہ شعر و سخن سے آپ کو محبت تھی اور نہ شعر گوئی کی طرف فطری میلان۔ مگر وہ ہے کہ صحیح وزن پر کوئی پورا شعر آپ ﷺ کو یاد نہ تھا بلکہ اگر آپ کسی کا شعر پڑھتے تو وہ یا تو بے وزن ہوتا یا نامکمل۔ حضرت شعبی کہتے ہیں کہ عبدالمصعب کی اولاد میں تمام مرد وزن شعر کہنا جانتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ مصرعہ پڑھا: **كَلْفِي بِالْإِسْلَامِ وَالشُّمْبِ لِلدُّوَاءِ نَهْيًا**۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ یہ اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے: **”كَلْفِي الشُّمْبِ وَالْإِسْلَامُ لِلدُّوَاءِ نَاهِيًا“** (1)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقع پر کہنے لگے کہ ہم وہی دیتے ہیں آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَمَا عَلَّمْتُهُ الشُّعْرَ**۔ دلائل یہی ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عباس بن مرداس سلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا تم نے یہ شعر کہا ہے: **”أَتَجْعَلُ نَهْيِي وَنَهْيَ النَّعِيْبِ بَيْنَ الْآقْرَعِ وَعَيْبَةِ“** انہوں نے عرض کی کہ یہ اس طرح ہے: **”بَيْنَ عَيْبَةِ وَالْآقْرَعِ“**۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **”سَبِّ (معنی میں) يَسَااں ہیں (2)۔ سبکی نے الروض لما نف میں اس تقدیم و تاخیر کی ایک عجیب و غریب توجیہ بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے آقرع کو پہلے ذکر کیا کیونکہ وہ اسلام پر عاقبت قدم سے لیکن عیبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد ہو گیا، اس سے اسے بعد میں ذکر کیا (3)۔ معاذی اموی میں ہے کہ حضور ﷺ متوہمین بدر کے درمیان چکر لگاتے ہوئے ایک شعر کا یہ حصہ نَفَلَقَ هَامًا پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس شعر کو مکمل کر دیا۔**

من رجال اعزوا عينا وهم كانوا أتعقوا وأظلمنا

کسی عرب شاعر کا یہ شعر حماسہ میں موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کو جب کسی خبر میں شک ہوتا تو آپ طرفہ کے ایک شعر کا یہ مصرعہ پڑھتے: **”وَيَدَيْكَ بِالْأَعْيَادِ مَنْ لَمْ تُؤَدِّمْ“** (4)۔ اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے: **”سَتُبْدِي لَكَ الْآبِيَامَ مَا كُنْتَ جَاهِلًا“**۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ شعر پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ آپ ﷺ کو سب سے

2۔ اہل البیت و اہل بیتہ، جلد 5، صفحہ 181-182، کیسے شہریت ت۔ ن۔ ش۔ م۔ جلد 2، صفحہ 94-93

1۔ اہل البیت، جلد 2، صفحہ 768

4۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 31، عارضۃ، لاخواری، ابواب الادب، جلد 12، صفحہ 291

3۔ اہل البیت، جلد 2، صفحہ 310-309

زیادہ بغض شاعری سے تھا، البتہ آپ کبھی کبھار جو قبیلے کے شاعر کا کوئی شعر پڑھتے لیکن وہ بھی تقدیم و تاخیر کے ساتھ الٹ۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صحیح کرتے تو آپ ﷺ فرماتے: ”اللہ کی قسم! انہ میں شاعر ہوں اور نہ شاعری میرے شایان شان ہے“ (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ آپ شعر نہیں پڑھتے تھے سوائے طرفہ کے شعر کے اور اسے بھی تقدیم و تاخیر کے ساتھ یوں پڑھتے: ”من لم تزود بیا حبار“۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ اس طرح نہیں بلکہ ایسے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نہ شاعر ہوں اور نہ یہ میرے لئے زیبا ہے“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کوئی مکمل شعر نہیں پڑھا بجز اس شعر کے

تَفَاءَ لِي بِنَا تَهْوَى يَكُنْ فَلَقَلْبَا يُقَالُ رِشَىٰ كَنَانٍ إِلَّا تَحَقُّقًا (2)

صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر خندق کھودتے وقت حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ شعر ان کے ساتھ ساتھ پڑھے۔

لَا هُمْ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَنَوْلُنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَفِيَتِ الْاِخْتِدَامُ إِنْ لَأَقِينَا
إِنِ الْاِخْتِي قَدِجَعُوا عَلَيْنَا إِذَا ارَادُوا فِتْنَةَ ائِينَا

آپ لفظ ”ائینا“ کو کھینچ کر پڑھتے اور اس پر آواز بلند کرتے (3)۔ غزوہ حنین کے موقع پر آپ اپنے خیر کو دشمن کی طرف بڑھاتے ہوئے فرما رہے تھے: ”إِنِ النَّسِيُّ لَا كَذِبُ . اِنَّا ابْنُ عَبْدِ الْمُضَلَّبِ“ (4) یہ شعر کے وزن پر تو ہے لیکن یہ اتفاقاً بغیر قصد و ارادہ کے آپ کی زبان پر جاری ہو گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ کسی عمار میں تھے کہ آپ ﷺ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے اتفاقاً یہ شعر پڑھا۔

هَلْ أَنْتَ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيَّتٍ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيَّتِ (5)

یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوئی اور راہِ خدا میں تھے اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح ”إِنَّا لِلَّهِ“ (انجم: 32) کی تفسیر کے تحت ذکر کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے یہ شعر پڑھا

إِن تَغْفِرِ لَهُمْ تَغْفِرْ لَهُمْ وَإِنِّي عَبْدٌ لَكَ مَا أَلَّ

یہ سب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی نہیں کہ نہ ہم نے آپ کو شعر سکھایا اور نہ یہ آپ کے لئے زیبا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کی تعلیم دی جس کی طرف باطل کسی گوشہ سے بھی نہیں پھٹک سکتا۔ قرآن حکیم نہ شعر ہے جیسا کہ بعض جاہل کفار کا خیال تھا، نہ کہانت ہے، نہ من گھڑت کلام ہے اور نہ جادو جیسا کہ گمراہ اور جاہل لوگ اس کے متعلق خیال آفرینی کرتے ہوئے مختلف آراء کا اظہار کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا میدان شعر کی طرف تھا ہی نہیں، نہ طبعی طور پر اور نہ شرعی لحاظ سے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی

2- سنن کبریٰ بخاری، کتاب النکاح، جلد 7، صفحہ 43

1- تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 27

3- فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 399 صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1427-1428

5- فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 19 صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1421

4- فتح الباری، جلد 35

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے یہ تینوں چیزیں یکساں ہیں: تریاق کا پینا، تعویذ لگانا اور شعر گوئی (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا حضور ﷺ کو شاعری پسند تھی؟ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ شاعری سے آپ کو بہت زیادہ نفرت تھی۔ آپ کو دعائیں جامع کلمات پسند تھے اور اس کے سوا چھوڑ دیتے (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ شاعری سے بھرے“ (3)۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے نماز عشاء کے بعد ایک شعر بھی کہا تو اس کی اس رات کی نماز ناقابل قبول ہے“ (4)۔ یہاں مراد شعر نظم کرنا ہے نہ کہ پڑھنا، پھر شعر گوئی کی بھی اقبام ہیں۔ مشرکین کی ہجو میں شعر کہنا جائز ہے جیسا کہ حضرات حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبد اللہ بن رواحہ اور ان جیسے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کفر کی ہجو میں شعر کہا کرتے تھے۔ بعض اشعار حکمت، وعظ اور ادب پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے بعض شعراء کے کلام میں ایسے اشعار پائے جاتے ہیں۔ ان میں ایک شاعر امیہ بن ابی الصلت تھے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس کی شاعری مومن لیکن اس کا دل کافر تھا“ (5)۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو سوسو شعر سنائے۔ ہر شعر کے بعد آپ فرماتے کہ مزید سنو (6)۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”بعض بیان چادو ہوتے ہیں اور بعض شعر سراسر حکمت“ (7)۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَهَذَا عَشْرَةٌ اشْعُرٌ۔ یعنی ہم نے نہ آپ ﷺ کو شاعری کی تعظیم دی اور نہ یہ آپ کے لئے مناسب ہے بلکہ ہم نے آپ کو جس چیز کی تعلیم دی ہے وہ سراسر بصیحت اور واضح قرآن ہے۔ ہر غور و فکر کرنے والے کے لئے اس میں عبرت اور نصیحت کا سامان موجود ہے، اس لئے فرمایا: لِيُبَيِّنَ لَكُمْ حِكْمَتَهُ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ۔ تاکہ یہ روئے زمین پر موجود تمام لوگوں کو بروقت خبردار کرے جیسا کہ فرمایا: لَا تَلْمِزْهُمْ بِكُفْرِهِمْ وَلَا تَلْمِزْهُمْ بِكُفْرِهِمْ (الانعام: 19) ”تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں ڈراؤں اور اسے بھی جس تک یہ پہنچے۔“ وَقَسْرٌ يَكْفُرُ بِهِ مِنْ اٰدِئِ حَرَابٍ قَاتِلًا مَرَّجِيلاً (ہود: 17) ”جو اس کے ساتھ کفر کرے مختلف گروہوں سے تو آگ ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے، قرآن کریم کے ڈراوے سے صرف وہی نفع حاصل کر سکتا ہے جس کا دل زندہ ہو اور بصیرت روشن ہو جیسا کہ قوادہ فرماتے ہیں کہ جس کا دل زندہ ہو اس کی آنکھ بھی زندہ ہوتی ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ”حی“ سے مراد عقلمند ہے۔ آخر میں فرمایا: وَيَسْمَعُ الْاَقْوَالِ۔ یعنی یہ مومنوں کے لئے رحمت اور کافروں پر جحمت ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيهِمْ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ

فِيْهَا سَمَرُكُمْ لِيُؤْتِيَكُمْ مِنْهَا لَحْمًا طَيِّبًا ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَاقِبُ وَمِمَّا سَرَبَ ۝ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝

”کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لئے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی، مونس پھر (اب) یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا۔ پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں۔ اور ان کے لئے ان موشیوں میں اور بھی کئی منافع ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں۔ کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے۔“

3- سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 302

2- مسند احمد، جلد 6، صفحہ 148

1- سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 6

5- تفسیر قرطبی، جلد 7، صفحہ 320

4- مسند احمد، جلد 4، صفحہ 125

7- سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 303

6- صحیح مسلم، کتاب اشعر، جلد 4، صفحہ 1767، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1236

انسانوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا کہ مویشی پیدا کر کے ان کی ملکیت میں دے دیے۔ قنودہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مویشیوں کو انسانوں کے لئے مطبخ اور پابند بنا دیا کہ کوئی جانور انسان کے سامنے سرکشی نہیں کر سکتا بلکہ اگر ایک چھوٹا بچہ بھی اونٹ کی تکمیل تمام لئے تو وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے گا ہے، اگر وہ اسے ہٹائے تو بیٹھ جاتا ہے اور اگر وہ اسے کھڑا کرے تو کھڑا ہوجاتا ہے۔ یہ جانوروں کے مطبخ ہونے کی ایک دلیل ہے، اسی طرح اگر سو یا اس سے بھی زیادہ اونٹوں کی قطار ہو تو ایک بچے کے ہانکنے سے وہ سیدھے چلتے رہتے ہیں پھر مویشیوں کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا: **يَا قَيْنٰهٖمَا كُوْبِيْهٖمَا**۔ یعنی ان میں سے بعض مویشی ایسے ہیں جو سواری اور بار برداری کے کام آتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہیں ذبح کر کے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے ساتھ اور بھی فوائد وابستہ ہیں۔ ان کی اولاد، صوف، بال اور کھالیں استعمال کی جاتی ہیں، دودھ یہ جاتا ہے اور ان کے پیشاب کو بعض اوقات بطور علاج کام میں لایا جاتا ہے علاوہ ان کے اور بھی متعدد منافع ہیں۔ آخر میں فرمایا: **اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ** یعنی کیا وہ اس ذات کا شکر نہیں بجا لائیں گے جس نے ان جانوروں کو پیدا کر کے انسان کا مطبخ بنا دیا اور کیا وہ شکر سے باز نہیں آئیں گے؟۔

وَاَتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِلٰهَةً لَّعَلَّهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٠﴾ لَا يَسْتَطِيعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَلَا هُمْ لِنَهُمْ جُنُودٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿١١﴾ فَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يَسِرُّوْنَ وَمَا يَنْبُئُوْنَ ﴿١٢﴾

اور ان (ظالموں) نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کے شاید وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی۔ اور یہ کفار ان معبودوں کے لئے تیار شدہ لشکر ہیں۔ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو (اے حبیب!) ان کا قول۔ ہم خوب جانتے ہیں جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

مشرکین پر اس چیز میں اظہار ناپسندیدگی کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں جن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ان کے مددگار، رازق اور انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہیں۔ ان کے اس زعم باطل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: **لَا يَسْتَطِيعُوْنَ نَصْرَهُمْ** یعنی یہ معبودان باطل اپنے پجاریوں کی مدد کرنے پر قادر نہیں، بلکہ یہ بہت ضعیف، ذلیل، حقیر اور کمتر ہیں، ان کی مدد تو کجا یہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ اس سے انتقام لے سکتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے کیونکہ یہ جمادات ہیں جو ذمہ نہیں لے سکتے اور نہ عقل و شعور رکھتے ہیں۔ مجاہد اس فرمان **وَهُمْ لِنَهُمْ جُنُودٌ مُّحْضَرُوْنَ** کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ بت اپنے پجاریوں کے حساب کے وقت بے بسی کے عالم میں موجود ہوں گے تاکہ اس سے مشرکین کے حزن و ملال میں اضافہ ہو اور ان پر حجت مزید قیام ہو جائے۔ قنودہ رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ معبودان باطل ان کی مدد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، اس کے باوجود یہ مشرکین دنیا میں ان کی خاطر بڑے غضبناک ہوتے ہیں گویا یہ ان کے لئے جمع شدہ لشکر ہیں حالانکہ یہ نہ تو انہیں کوئی بھلائی پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ یہ محض بے جان بت ہی تو ہیں۔ یہ قول زیادہ بہتر ہے اور ابن جریر نے اسے ہی پسند کیا ہے (1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: **فَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ**۔ یعنی آپ ان کی تکذیب اور کفر کے باعث رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کے ظاہر و باطن اور تمام حالات و اعمال کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہم انہیں ان کے چھوٹے بڑے اور سنے پرانے تمام اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔

أَوْلَمْ يَرِ الْإِنْسَانَ إِذَا خَلَقْتُهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ۝ وَصَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ
خَلْقَهُ ۝ قَالَ مَنْ يُعْنِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۝ وَهُوَ بِجَنِّ
خَلْقِ عَلَيْهَا لَبِيقٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا إِفَادًا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِنُونَ ۝

”کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے۔ اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے (عجیب و غریب) مثل لیں اور اس نے فراموشی کر دیا اپنی پیدائش کو۔ (گستاخ) کہتا ہے ابھی اکون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ آپ فرمائیے (اے گستاخ سن!) زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے۔ جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لئے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سگاتے ہو۔“

ایک مرتبہ ابی بن خلف ملعون رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ ہڈی تھی، وہ اپنی پکی سے اسے چور چور کرتے ہوئے اور اسے ہوا میں اڑاتے ہوئے آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ کیا تمہارا خیال ہے اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا؟ آپ ﷺ فرماتے لگے: ”ہاں، اللہ تعالیٰ تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تمہیں جہنم رسید کر دے گا۔“ اس وقت سورہ یسین کی یہ آخری آیتیں نازل ہوئیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ہرزہ سرائی کرنے والا عاص بن وائل تھا جسے حضور ﷺ نے مذکورہ بالا جواب دیا اور اس وقت اس آیت سے لے کر اختتامِ سورت تک کی آیات نازل ہوئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا عبداللہ بن ابی تھا لیکن یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ سورت نئی ہے اور عبداللہ بن ابی مدینہ میں تھا، بہر صورت یہ آیات ابی بن خلف کے ہارے میں نازل ہوئی ہوں یا عاص بن وائل کے متعلق، اس کا مصداق ہر وہ شخص ہے جو دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کرتا ہے۔ لفظ ”الانسان“ پر ”ان“ جنسی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو از سر نو زندہ کئے جانے کا منکر ہے۔ فرمایا: أَوْلَمْ يَرِ الْإِنْسَانَ یعنی کیا دوسری زندگی کا انکار کرنے والا اپنی پہلی زندگی سے دوبارہ زندہ کئے جانے پر استدلال نہیں کرتا، کیا اس نے کبھی غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر سے قفر سے آب سے پیدا کیا جیسا کہ فرمایا: أَلَمْ نَخْلُقْكَ مِنْ مَّاءٍ مَهِينٍ ۝ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ إِلَى قَدْحٍ فَغُلَّوْهُ (المرسلات: 22-20) ”کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا پھر ہم نے ایک معین مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ (رحمِ مادر) میں رکھ دیا۔“ اِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاقٍ (المد بر: 2) ”بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو ایک مخلوق نطفہ سے پیدا فرمایا۔“ وہ ذات جو انسان کو حقیر و ضعیف نطفہ سے پیدا کر سکتی ہے، کیا وہ اسے مرنے کے بعد از سر نو زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا، پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو کیونکر مجھے عاجز کر سکتا ہے حالانکہ میں نے تمہیں اس حقیر سی چیز سے پیدا کیا یہاں تک کہ جب میں نے تمہیں درست کر کے معتدل بنا دیا تو اگر اکڑ کر چلنے لگا حالانکہ تمہیں زمین میں دفن ہونا ہے، پھر تو مال جمع کرنے اور نخل کرنے لگا یہاں تک کہ جب تمہاری روح پہلی تک پہنچ جاتی ہے تو اس وقت تو کہنے لگتا ہے کہ اپنا مال صدقہ کرتا ہوں لیکن اب صدقے کا وقت کہاں؟“ (2) اس لئے فرمایا: وَصَرَبَ لَنَا مَثَلًا یعنی انسان یہ سمجھنے لگا کہ بوسیدہ ہڈیوں اور مردوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بھی بعید اور محال ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور یہ خود اپنی ذات کو

بھی فراموش کر بیٹھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہی تو ہے کہ اس نے اسے عدم سے وجود بخشا۔ پس ایک قطرہ آب سے تخلیق انسان کی اپنی ذات میں پائی جانے والی قدرت الہی کی ایسی عظیم دلیل ہے جو اس سے بڑھ کر ہے جسے وہ محال سمجھتا ہے اور جس کا وہ انکار کرتا ہے، اس لئے فرمایا: **قُلْ يُحْيِيهَا**۔ یعنی انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ تخلیق کیا اور اسے ان ہڈیوں کے متعلق عمل علم ہے کہ یہ کہاں کہاں کھمری پڑی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عقبہ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث نہیں سنائیں گے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”ایک شخص کی موت کا وقت قریب آ گیا۔ جب وہ زندگی سے مایوس ہو گیا تو اس نے اپنے اہل خانہ کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد بہت ساری لکڑیاں جمع کر کے میری لاش کو جلا دینا۔ جب میرا جسم اور ہڈیاں راکھ بن جائیں تو اسے سمندر میں بہا دینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ جمع کر کے اسے دوبارہ زندہ کیا اور پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ صرف تیرے خوف سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا“ (1)۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی بہت سے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے جلانے کے بعد آدھی راکھ سمندر میں بہا دینا اور آدھی خشکی پر ہوا میں اڑا دینا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جو کو حکم دیا تو انہوں نے ساری راکھ یکجا کر دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ ہوجا تو وہ وہی آدمی بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ تیرے ڈر کی وجہ سے اور تو بہتر جانتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی (2)۔ اگلی آیت میں مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر ایک دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: **الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ عِصْوًا يُسْوَاةً يَسْوَاةً تَصْرِفُ فِيهَا فِجْوَاةٌ لِّمَن يَضِلُّ فِي السَّبِيلِ يُنقِذُ مَن يَلْتَمِسُهَا فِي لَبِّهِ بِمَقَرٍّ مِّنْ عِندِ رَبِّهِ يَعْلَمُ خَفَاةً وَيَسْوَاةً تَصْرِفُ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسا قاور مطلق ہے جو پانی سے درختوں کی تخلیق کا آغاز کرتا ہے، پھر یہ نشوونما کر مہر سبزہ شاداب اور پھلدار ہو جاتے ہیں، پھر سوکھ جاتے ہیں تو ان کی لکڑی آگ جلانے کے کام آتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ذات جس نے درختوں میں آگ اور پانی دو متضاد چیزوں کو یکجا کر دیا ہے، وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے اور وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے، اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ قاور وہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ ذات جس نے درختوں سے آگ نکالی، وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر بھی قادر ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد ”موع“ اور ”عفار“ دو درخت ہیں جو سرزمین حجاز میں اگتے ہیں۔ ان دونوں کی سرسبز لہنیوں کو رگڑنے سے بالکل اسی طرح آگ نکلتی ہے جیسے چمق سے، عربوں میں ایک ضرب اللہ مشہور ہے: **”لَكِن شَجَرًا قَادِرًا وَاسْتَفْعَدَ السُّوْعَ وَالْعَفَارَ“** (3) یعنی ہر درخت میں آگ ہے خصوصاً مرغ اور عفار میں۔ حکماء کا قول ہے: **”فِي كُلِّ شَجَرٍ نَارٌ إِلَّا الْغُنَابَ“** یعنی ہر عتاب کے ہر درخت میں آگ ہے۔

أَوْ لَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِنْهُمْ نَسَبًا ۚ وَهُوَ
 خَلَقَ الْعَلِيمُ ۝ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَانَ
 الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ مَا مَلَكَتْ لَيْسَ شَيْءٌ عِندَهُ إِلَّا لَيْسَ تَرْجَعُونَ ۝

”کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔“

2- صحیح البخاری، کتاب الاثنا، جلد 6، صفحہ 494-514، کتاب الرقاق

1- سند احمد جلد 5 صفحہ 395

3- مجمع البیان، جلد 2، صفحہ 75-74

بیشک! (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ (برعیب سے) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف ہمیں لوٹنا یا جانے گا۔“

اللہ تعالیٰ اپنی عظیم قدرت پر آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے سات آسمان تخلیق کئے اور انہیں ستاروں کے ساتھ آراستہ کر دیا، اسی طرح ساتوں زمینیں اور ان میں پہاڑ، ٹیلے، سمندر، ریگستان، جنگل، میدان اور دیگر چیزیں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ زمین و آسمان کی تخلیق کے ذکر سے مقصود یہ استدلال کرنا ہے کہ ان بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے والی ذات انسان جیسی چھوٹی مخلوق کے مردہ اجسام میں از سر نو زندگی پیدا کرنے پر باسانی قادر ہے جیسا کہ فرمایا: لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالَّذِينَ فِيهِنَّ حَيَاتٌ خَلَقَ النَّاسَ (المومن: 57) ”آسمانوں اور زمین کی تخلیق لوگوں کی تخلیق سے بڑی ہے“۔ اور یہاں فرمایا: أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ... یعنی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا خدا کیا انسانوں جیسی چھوٹی اور کمزور مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ وہ معبود حقیقی یقیناً اس پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے اور وہ دوبارہ انہیں اسی طرح زندہ کرے گا جیسے اس نے ابتداء میں انہیں تخلیق کیا تھا (1) جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَتَّخِذْ لِنَفْسِهِ مِثْلًا شَيْئًا إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الاحقاف: 33) ”کیا انہوں نے نہیں جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے بنانے میں ذرا تھکن محسوس نہ کی وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے“۔ اور یہاں فرمایا: بَلَىٰ ۗ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ... فَيَلْمُونَ... یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف ایک دفعہ لفظ ”كُنْ“ کے ذریعے حکم دیتا ہے تو وہ چیز ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نکرار یا تاکید کی ضرورت نہیں پڑتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب گنہگار ہو مگر جسے میں بچائے رکھوں، تم مجھ سے بخشش طلب کرو، میں تمہیں بخش دوں گا۔ تم سب فقیر ہو مگر اس کے جسے میں غنی کر دوں۔ میں جو ادھوں، ماجد ہوں، واجد ہوں، میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، میری عطا بھی کلام ہے اور میرا عذاب بھی کلام۔ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے کہتا ہوں کہ ”ہو جا“ تو وہ ہو جاتی ہے“ (2)۔ سورت کی آخری آیت میں فرمایا: فَسُبْحٰنَ الَّذِي يَبْدِئُ... یعنی وہ جی دنیو مذات برعیب، برخامی اور بررائی سے پاک ہے جس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں ہیں۔ ہر معاملہ اسی کی جناب میں لوٹتا ہے، اسی کے لئے ہر قسم کی تخلیق اور ہر قسم کا امر ہے۔ قیامت کے دن تمام بندے لوٹ کر اسی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ وہی عادل، منعم اور محسن ہے۔ اس آیت کے ہم معنی اور بھی آیات ہیں: قُلْ مَنْ يَبْدِئُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ يُخْرِجُ مِنْهُ مَتَّكًا مَّن مِّنْهُمْ لَمْ يُعْطِ حَقَّهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّ عَلَيْهِمْ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ ۗ أَلَمْ يَلْمِزْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَفْعَلُونَ شَهِيدٌ (المومنون: 88) ”آپ پوچھو کہ وہ کون ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے“۔ تَبٰرَكَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (الملك: 1) ”بڑی ہی با برکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر قسم کی بادشاہی ہے“۔ ملک اور ملکوت دونوں ہم معنی ہیں جیسے رحمت اور رحمت، رعبہ اور رعبوت، جبر اور جبروت۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ملک سے مراد عالم اجسام ہے اور ملکوت سے مراد عالم ارواح لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ دونوں ہم معنی ہیں اور جمہور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگا، آپ نے سات رکعتوں میں سات لمبی سورتیں پڑھیں۔ آپ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو ”سَمِعَ اللّٰهُ لَيْنَ حَيْدَلَا“ کہنے کے بعد یہ پڑھتے:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ ذِي الْمَلَكُوتِ وَالْجَبَرُوتِ وَالْكَبِيرِ يَا وَالْعَظْمَةَ“۔ آپ کا رکوع قیوم کی طرح (لہذا) تھا اور سجدہ رکوع جیسا۔ اس دوران میری یہ حالت سوگئی گویا ”تائلمیں نوٹے تئیں“ (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ تین مرتبہ اللہ اکبر کہنے کے بعد یہ کلمات پڑھتے: ”سبحان ذی الملکوت و الجبروت و الکبیر یاہ و العظمتہ“۔ پھر آپ نے قرأت شروع کی اور پوری سورہ بقرہ پڑھنے کے بعد رکوع کیا۔ آپ کا رکوع تقریباً قیوم جیسا (طویل) تھا۔ رکوع میں آپ سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے رکوع سے سرائیبا اور تقریباً اتنی دیر کھڑے رہے اور ”لِرَبِّی الْحَمْدُ“ پڑھتے رہے۔ پھر سجدہ کیا، وہ بھی قیوم کے قریب قریب تھا۔ سجدہ میں آپ ”سبحان ربی الاعلیٰ“ پڑھتے رہے۔ پھر سجدہ سے سرائیبا آپ تقریباً اتنی دیر دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھے اور ”ذَبِّ اغْفِرْ لِي رَبِّ اغْفِرْ لِي“ پڑھتے رہتے۔ آپ ﷺ نے چار رکعتیں ادا کیں اور ان میں بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام کی تلاوت کی (2)۔ صحیح مسلم کی روایت میں ”الْمَلَكُوتِ وَالْجَبَرُوتِ وَالْكَبِيرِ يَا وَالْعَظْمَةَ“ کے الفاظ کا ذکر نہیں (3)۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نماز تہجد پڑھنے لگا۔ آپ سورہ بقرہ کی تلاوت فرمانے لگے۔ آپ ہر آیت رحمت پر ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی التجا کرتے، اسی طرح ہر آیت عذاب پر ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے۔ پھر آپ نے قیوم کی مقدار رکوع کیا اور یہ کلمات پڑھتے رہے: ”سبحان ذی الجبروت و الملکوت و الکبیر یاہ و العظمتہ“۔ پھر اس قدر ہی آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور یہی کلمات پڑھتے رہے، پھر قیوم اور سورہ آل عمران پڑھی، پھر اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت پڑھتے رہے (4)۔

1۔ سنہ 5 جلد 388

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 231، سنن الترمذی، کتاب الاقناع، جلد 2، صفحہ 199-200

3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، المرقیہ، جلد 1، صفحہ 537-536

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 232-231، سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 223